مناھل العرفان

اردو ترجمہ وتفسیر قرآن حکیم
مع حل لغات

احمدی احباب کے لئے

جلد سوم

سورۃ العنکبوت تا سورۃ الناس

کفیلہ خانم

فہرست پارہ ہائے تفسیر القرآن جلد سوم

پرنٹر: لاہور آرٹ پریس 15۔ نیو انارکلی لاہور' فون: 7357513

فہرست سورتہائے تفسیر القرآن جلد سوم

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ عنکبوت۔ یہ سورۃ مکی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی ستر آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع قرآن میں **الم** کے مقطعات کے ساتھ دو سورتیں آئیں ۔ اب پھر **الم** کے مقطعات کے ساتھ چار سورتوں کی ایک لڑی کو پیش کیا۔ گویا وہی مضامین ایک نئے انداز سے پیش کئے گئے ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ان دونوں سورتوں کے دیباچہ جات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ نیز ان چاروں سورتوں کا زمانہ نزول بھی قریباً ایک ہی ہے یعنی بعثت نبوی کا پانچواں یا چھٹا سال۔پچھلی تینوں سورتوں کا مرکزی مضمون شدید آزمائشوں کے بعد حضرت موسیٰؑ کی کامیابی ہے۔ ان چاروں سورتوں کا مرکزی مضمون بھی نہایت نامساعد حالات اور شدید ابتلاؤں کے بعد مثیل موسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی ہے۔ مصائب ومشکلات اور شدائد کے اس دور میں مومنین کو ثابت قدم رہنے کی تعلیم دی اور تسلی دی کہ آزمائشوں کا آنا تزکیہ نفس اور حصولِ کمال کے لئے از بس ضروری ہے۔ آخر اللہ کی مدد پہنچے گی اور اسلام کو فتح نصیب ہوگی انشاء اللہ۔ انبیائے سلف کے قصوں میں بھی یہی بتلایا کہ وہ مشکلات میں کیسے ثابت قدم رہے ۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب کیا اور منکرینِ حق ناکام و نامراد ہوئے۔

کفار مکہ کو سخت تہدید فرمائی کہ وہ اپنے مظالم کے نتیجہ میں جلد ہی اللہ کی پکڑ میں آنے والے ہیں۔ فرمایا اگر کفار کے مظالم تمہاری برداشت سے باہر ہیں تو اللہ کی زمین وسیع ہے ۔اللہ کی راہ میں ہجرت کرجاؤ۔ ہجرت کامیابیوں کی راہ ہموار کرتی ہے اور تمام سابقہ گناہوں کی مغفرت کا موجب ہے ۔(بروایت عمر بن عاص۔ مسلم) یہاں ہجرتِ حبشہ کی طرف اشارہ ہے نیز آئندہ پیش آنے والی ہجرت مدینہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔

اس سورۃ کی آیت :۴۲ میں عقائدِ باطلہ اور شرک کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی کہ یہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔ توحید کے بالمقابل اِن بودے عقائد کا ٹھہرنا ممکن نہیں۔

قرآنِ کریم میں جن سورتوں کے نام جانوروں کے نام پر آئے ہیں۔ اس میں ضرور کوئی خاص حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور ان جانوروں میں بھی بعض خاص خصوصیات ہوتی ہیں۔

آخر میں دعوت الی اللہ کے مضمون میں غلبہ اسلام ،روحانی ترقیات اور قربِ الٰہی کی راہوں کو پانے کے لئے مجاہدہ کے ذکر پر اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓ ۝۲ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا

الف۔لام۔میم کیا گمان کیا لوگوں نے کہ وہ چھوڑ دیئے جاویں گے اس پر کہ وہ کہدیں کہ ہم

اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۳ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ

ایمان لائے اور وہ نہیں آزمائے جائیں گے اور یقیناً یقیناً آزمایا ہم نے ان کو جو

قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

پہلے تھے ان سے پس ضرور جان لے گا اللہ انہیں جنہوں نے سچ بولا اور البتہ ضرور جان لیگا وہ

الْكٰذِبِيْنَ ۝۴ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ

جھوٹوں کو کیا گمان کیا ان لوگوں نے جو کرتے ہیں بدیاں

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۴۔**انا اللّٰہُ اعلمُ** ۔میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ان کو بھی جنہوں نے زبانی ایمان کے دعوے کیئے اور ان کو بھی جنہوں نے اپنے عمل سے اس دعوے کو سچ کردکھایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زبانی ایمان کا اظہار کچھ معنی نہیں رکھتا جب تک آزمائشوں اور ابتلاؤں کی کسوٹی پر ایمان کو پرکھا نہ جائے ۔ سنت اللہ یہی ہے کہ تمام راستباز مصائب و شدائد کی بھٹی میں ضرور ڈالے گئے جس سے ان کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں اور انہوں نے روحانی مراتب میں کمال حاصل کیا حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کون لوگ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا! انبیاء ۔پھر وہ لوگ جو انبیاء سے زیادہ مشابہ ہیں۔ اور پھر وہ لوگ جو اُن سے مشابہ ہیں پھر انسان جس قدر دین میں سخت ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے۔ جس قدر دین میں نرم ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت نرم ہوتی ہے۔ پس اسی طرح رہتا ہے ۔یہاں تک کہ دین میں سخت انسان زمین پر چلتا ہے اس حال میں کہ گناہ سے پاک ہوتا ہے۔ (ترمذی ۔ابن ماجہ۔ دارمی) غرض اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائشوں سے گزار کر اپنے قرب سے نوازتا ہے اور ان کی ترقیات کے سامان کرتا ہے۔ پس سچے اور جھوٹے کی شناخت نہیں ہوسکتی جب تک آلام و مصائب کی کٹھالی میں نہ پڑیں۔ ساری زندگی کی عبادت اور ریاضت سے جو مقام نہیں ملتا وہ آزمائشوں پر ثابت قدم رہنے سے بہت جلد حاصل ہوجاتا ہے۔

اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۵ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا

کہ وہ آگے بڑھ جائیں گے بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں جو شخص کہ ہے امید رکھتا

لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ

ملاقات کی اللہ کی تو یقیناً میعاد اللہ کی البتہ آنے والی ہے اور وہ خوب سننے والا

الْعَلِيْمُ ۝۶ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ

خوب جاننے والا ہے اور جس نے جہاد کیا تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ جہاد کرتا ہے اپنی جان کے لیے

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

یقیناً اللہ البتہ بے پرواہ ہے تمام دنیا سے اور وہ لوگ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ

اور کیں نیکیاں البتہ دور کردیں گے ہم ان سے بدیاں ان کی اور

۵۔مومنوں کا ذکر تھا کہ ابتلا قربِ الٰہی کا موجب ہیں اور جب تک آزمائشوں کی کٹھالی سے کندن بن کر نہ نکلیں مراتبِ عالیہ کو نہیں پاسکتے۔ اس پر کافروں کو گمان ہوسکتا تھا کہ ہم ان مصائب سے بچ گئے۔ اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ بُرے عمل کرنے والے ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ یعنی ہمارے قانونِ جزا وسزا سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ ان کا یہ خیال کہ ہم گناہوں کی سزا سے بچ جائیں گے بہت ہی بُرا فیصلہ ہے اور محض خود فریبی پر مبنی ہے۔

۶۔کافروں کے ذکر کے بعد اب اپنے پیاروں کا ذکر کیا جو اپنے ربّ کی ملاقات کے امیدوار ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو ابتلاؤں میں ثابت قدم رہے۔ ان کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے۔ وہ اپنی رحمت سے آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی اپنے پیاروں کو اپنی ملاقات سے مشرف فرماتا ہے۔وہ اپنے بندوں کی دعائیں خوب سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون اس کا اہل ہے۔ حدیث میں ہے ۔جو اپنے ربّ کا قُرب چاہنے کے لئے دعا کرے اللہ تعالیٰ اسے ردّ نہیں کرتا۔حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ”جو دعا خدا کو پانے کے لئے کی جائے اسے ضرور قبول کرتا ہے“ ۔(برکات الدعا صفحہ ۱۰)

۷۔لقاء الٰہی چاہنے والے وہی ہیں جو اللہ کی راہ میں ہر قسم کا مجاہدہ کرتے ہیں۔ یہاں جہاد سے مراد جہاد بالسیف نہیں۔یہ مکّی سورۃ ہے ابھی جہاد کا حکم نہیں آیا تھا۔مراد جہاد اکبر ہے۔ یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور اسے ہر قسم کی بُرائیوں سے روک کر اس کا تزکیہ کرتے ہیں۔جہاد میں خاص طور پر دعوتِ الی اللہ شامل ہے۔گویا نہ صرف خود حق کو قبول کرکے احکام الٰہی پر عمل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی حق کی طرف بلاتے اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں تاہم اس

لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَوَصَّيْنَا
البتہ بدلہ دیں گے ہم انہیں اچھا اس سے جو تھے وہ کرتے اور تاکیدی حکم دیا ہم

الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ
نے انسان کو ماں باپ کے متعلق نیکی کا اور اگر جھگڑیں وہ تجھ سے تاکہ شریک بنائے تو

بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
ساتھ میرے اسے کہ نہیں تجھے جس کا کوئی علم تو نہ اطاعت کیجیو ان کی طرف میری لوٹنا ہے تم کو

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
پس میں آگاہ کروں گا تم کو اس سے کہ تھے تم عمل کرتے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور

کوشش نیز ان کی عبادت اور ریاضت کی اللہ تعالیٰ کو ایک پرکاہ کے برابر بھی ضرورت نہیں۔ یہ تمام مساعی انسان اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور اس کی اپنی ذات کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔

۸۔اللہ کی لقاء چاہنے والے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور ان کی پوری زندگی احکام الٰہی کی پابندی کرنے اور کروانے میں گزرتی ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ لازماً ان کی بدیاں ان سے دور کردے گا اور ان کے بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے، جزا دے گا۔گویا ان کے معمولی اعمال کی جزا ان کے اعلیٰ ترین اعمال کی جزا کے مطابق ملے گی۔ **كَفَّرَ اللّٰهُ لَهُ الذَّنْبَ** ۔ گناہ کے اثر اور اس کے نشان کو مٹا دیا۔ (اقرب) پس بدیاں مٹانے کا بھی مفہوم ہے۔غرض یہ بدیاں نہ صرف ان کی ذات میں مٹ جائیں گی بلکہ لوگوں کے ذہنوں سے بھی محو ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ان کی مکمل پردہ پوشی فرمائے گا۔

۹۔ابتلاؤں کے ذکر میں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید فرمائی کیونکہ قبولِ حق میں بعض اوقات ان ابتلاؤں سے بھی گزرنا پڑتا ہے کہ والدین جو اپنے پرانے عقائد پر قائم ہوتے ہیں وہ اسلام قبول کرنے والی اپنی اولاد کو کفر کی طرف واپس لانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور سختی سے پیش آتے ہیں۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ جو بعد میں عشرہ مبشرہ میں شامل ہوئے،انہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ کی والدہ حمنہ ابوسفیان کی بھتیجی تھی اُس نے کہا جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہیں کروگے کچھ کھاؤں گی،نہ پیوں گی، نہ سائے میں بیٹھوں گی۔اس پر حضرت سعدؓ سخت پریشان ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ
کیں نیکیاں البتہ ضرور داخل کریں گے ہم انہیں نیکوں میں اور بعض

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ
لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اللہ پر پس جب اُسے ایذا دی گئی بارہ میں اللہ کے

جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ
قرار دیا عذاب کو لوگوں کے مانند عذاب کے اللہ کے اور یقیناً اگر آئے مدد

مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ
طرف سے رب کی تیرے ضرور وہ کہیں گے یقیناً ہم تھے ساتھ تمہارے کیا نہیں ہے اللہ

بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ
بہت جاننے والا اسے جو سینوں میں ہے تمام دنیا کے اور جان لے گا اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
انہیں جو ایمان لائے اور البتہ جان لے گا منافقوں کو اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے

(ترمذی۔ احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی) تاہم قرآنی احکام قیامت تک کے لئے ہیں کسی خاص واقعہ سے کسی آیت کو منسوب کرنا قرآنی تعلیم کے منافی ہے۔یہاں خوب واضح کردیا کہ بیشک والدین کی اطاعت تمام اطاعتوں پر مقدم ہے لیکن اگر وہ بھی شرک پر مجبور کریں تو ہرگز نہ مانو۔ہاں دنیوی معاملات میں ان سے محبت اور عزت سے پیش آؤ اور ان کے تمام حقوق احسن طریق پر ادا کرو۔اسی طرح کوئی حاکم یا عالم یا پیروغیرہ کوئی حکم خلافِ شریعت دیں تو ہرگز قبول نہ کرو۔اگر مجبور کریں اور اپنا دین بچانہ سکو تو ہجرت کرجاؤ۔

۱۰۔آیت :۸میں اعمال صالحہ بجالانے والوں کو ان کی بدیاں دور کرنے اور ان کے بہترین اعمال کے مطابق جزا دینے کی بشارت دی۔جب ان مقربین نے خدائی احکام کے مقابلے میں اپنے عزیز ترین رشتوں کو ٹھکرادیا تو انہیں صالحین میں داخل ہونے کی عظیم ترین بشارت دی۔ گویا اب ان کے اصل رشتہ دار یہی ہیں۔

۱۱۔۱۲۔مومنین کامل کے ذکر کے بعد منافقین کا ذکر کیا۔مومنین تو آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتے ہیں اور صالحین میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن محض زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو جونہی اللہ کی راہ میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، ان کی منافقت ظاہر ہو جاتی ہے۔وہ صبر کا دامن چھوڑ کر اللہ سے شاکی ہو جاتے ہیں اور ان ابتلاؤں کو عذابِ الٰہی قرار دیتے ہیں حالانکہ ابتلا اور عذابِ الٰہی میں بہت فرق ہے۔بیشک دکھ اور تکلیف دونوں طرح ہی پہنچتی ہے لیکن (۱) عذابِ الٰہی

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ
کفر کیا ان کو جو ایمان لائے پیروی کرو راہ ہماری کی اور اٹھالیویں گے ہم

خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ ۱۲
غلطیاں تمہاری حالانکہ نہیں وہ اٹھانے والے غلطیاں ان کی کچھ بھی

کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی ہے جبکہ ابتلا کے نتیجہ میں انجام بخیر ہوتا ہے۔(۲) مومنین کو ابتلا کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص سکینت عطا ہوتی ہے۔ وہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے عاجزانہ دعاؤں میں لگے رہتے ہیں اور ہرگز بے صبری نہیں کرتے ۔جبکہ دشمنانِ حق پر عذاب الٰہی سخت تباہی کی صورت آتا ہے اور وہ یا تو سخت مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں یا اس وقت بھی تکبر سے باز نہیں آتے جیسا کہ ابو جہل نے عبداللہ بن مسعودؓ کو مرتے ہوئے کہا کہ میری گردن سرداروں کے طریق پر لمبی چھوڑ کر کاٹنا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی یہ خواہش بھی پوری نہ کی اور گردن کو ٹھوڑی کے پاس سے کاٹا اور توریت کی پیشگوئی پوری ہوئی۔(یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا ۱۹)(سیرت نبویہ) (۳) بڑے سے بڑے ابتلا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا، انہیں سخت کس مپرسی میں بھی **اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** کی صدا ڈھارس بندھاتی رہتی ہے۔ جبکہ عذاب الٰہی کے مورد شدید بے بسی اور بے کسی میں ہلاک ہوتے ہیں ۔(۴) مومنین آزمائشوں میں صبر و شکر کا دامن نہیں چھوڑتے جو ان کی ترقیٔ درجات کا موجب ہوتا ہے اور وہ صالحین میں شامل ہو جاتے ہیں جبکہ موردِ عذاب کو عذابِ الٰہی کا کوڑا اسفل السافلین میں شامل کر دیتا ہے۔ (۵) مومنین کی تنگی اور آزمائش کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور بہترین عبادت شمار ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ پسند کرتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور بہترین عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔(جامع ترمذی کتاب الدعوات باب انتظار الفرج حدیث نمبر ۳۴۹۴)

منافقین مشکلات میں مومنوں کا ساتھ نہیں دیتے اگر مصائب کا دور ختم ہو جائے اور تیرے ربّ کی طرف سے فتح و نصرت کی نوید آئے۔ تو اپنی رفاقت کا یقین دلاتے ہیں تا انعامات کے حصہ دار ٹھہریں۔ اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے اور ان کی منافقت سے خوب باخبر ہے ۔ آزمائشوں کے بہت سے مواقع آئیں گے تب ان کی منافقت کھل کر سامنے آجائے گی اور دنیا پر ظاہر ہو جائے گا کہ مومن کون ہے اور کافر کون؟

۱۳۔ کفار مومنین کو سخت اذیتیں دیتے تا کہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں لیکن وہ نہایت

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۱۳ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ
یقیناً وہ البتہ جھوٹے ہیں اور ضرور وہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اور بوجھ ساتھ

اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا
اپنے بوجھوں کے اور ضرور وہ پوچھے جائیں گے بروز قیامت اس سے جو تھے وہ

يَفْتَرُوْنَ ۱۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ ع ۱۴ ۱ ۱۳
افترا کرتے اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم کے اس کی پس وہ ٹھہرا

فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ
ان میں ہزار سال بجز پچاس سال کے پس پکڑا انہیں

الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۱۵ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ
طوفان نے جبکہ وہ ظالم تھے پس نجات دی ہم نے اُسے اور

السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۱۶ وَاِبْرٰهِيْمَ
کشتی والوں کو اور بنایا ہم نے انہیں ایک نشان تمام دنیا کے لیے اور (بھیجا) ابراہیم کو

ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے۔منافقین اور کمزور ایمان مومنین کو لالچ دیتے کہ اگر تم ایمان کا انکار کر دو اور ہماری راہوں پر چلو تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم خود اٹھالیں گے۔آج کے نام نہاد پیر فقیر بھی اس قسم کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو گناہوں پر دلیر کرتے ہیں۔حالانکہ حشر کے ہولناک عذاب کو دیکھ کر یہ کبھی بھی کسی کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں ہوں گے۔وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کفار کا یہ کہنا اس لئے تھا کہ اوّل تو وہ حشر نشر کے قائل ہی نہ تھے۔ دوسرا اسلام کو جھوٹا سمجھتے تھے۔

۱۴۔ پچھلی آیت میں بتلایا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔(جیسا کہ ۶:۱۶۵ میں فرمایا **ولاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزرَاُخرٰی**)۔یہ سراسر جھوٹ ہے کہ وہ تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ تمہیں بہکانے اور راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرنے کا گناہ ان پر ضرور ڈالا جائے گا۔اس طرح ان کو دُہرا عذاب ملے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس نے راہِ حق کی طرف دعوت دی اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا۔جنہوں نے اس کی دعوت پر راہ راست اختیار کی ، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا، اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہو گا جنہوں نے اس کی پیروی کی بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔ (مسلم کتاب العلم باب من سن حسنة او سیئة بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

۱۵۔۱۶۔اس رکوع اور اگلے دو رکوع میں حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت لوطؑ

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
جب کہا اس نے اپنی قوم کو عبادت کرو اللہ کی اور ڈرو اس سے یہ بہتر ہے
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۷ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے سوائے اسکے نہیں کہ تم عبادت کرتے ہو سوائے

اور دیگر انبیاء کے مختصر حالات بیان فرمائے جو ایک لمبا عرصہ تک اپنے مخالفین کی طرف سے مختلف شدائد و مصائب کا شکار بنے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں کامیابیوں سے نوازا۔

مومنین کی آزمائشوں کے ذکر میں گزشتہ اقوام کی آزمائشوں کا ذکر تھا (آیت:۴)۔ اب انبیائے سلف اور ان کی امتوں کے واقعات میں ان کی آزمائشوں اور ابتلاؤں کا ذکر کیا۔ اس میں آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے متبعین کو تسلی دینا مقصود تھا کہ ازل سے یہی سلسلہ جاری ہے۔ مخالفین انبیاء کی طرف سے انبیاء اور ان کے متبعین پر ہر ظلم و ستم روا رکھا گیا۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا اور مکذبین یا تو ہلاک ہوئے یا ناکام و نامراد۔ ان واقعات کے ذیل میں کفار مکہ کو متنبہ کیا کہ گزشتہ مخالفینِ انبیاء کے انجام سے تمہارا انجام مختلف نہیں ہوگا۔

سب سے پہلے حضرت نوحؑ کے حالات بیان فرمائے۔ آپ پہلے صاحبِ شریعت نبی تھے۔ آپ کے حالات تفصیلاً سورۃ الاعراف رکوع ۸، سورۃ ھود رکوع ۳،۴ اور سورۃ الشعراء رکوع ۶ میں بیان کئے گئے ہیں (استفادہ فرمایئے)۔ حضرت نوحؑ کی عمر سے مراد آپ کی شریعت کی عمر ہے ورنہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے تک آپ کو زندہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ حضرت قتادہؓ کا قول ہے کہ بلا ضرورت آیاتِ قرآنی کو ایسے محل پر محمول کرنا جو تاریخ عالم سے متصادم ہو درست نہیں۔

اس کشتی کو تمام جہانوں کے لئے نشان بنانا یہ تھا کہ نہایت نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور بندوں کو ایسی عظیم کشتی بنانے کی توفیق دی اور اپنے خاص تصرف سے ان کے بچانے کا سامان کیا اور ظالم و متکبر مکذبین کو مع اُن کے ساز و سامان کے غرق کردیا۔ جس طرح موجودہ دور میں بہت سے سربستہ رازوں سے پردے اٹھ رہے ہیں اور قرآنِ عظیم کی حقانیت ایک نئی شان سے ظاہر ہو رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ حضرت نوحؑ کی پانچ ہزار سالہ پرانی کشتی بھی دریافت ہوجائے گی اور عبرت کے نشان کے طور پر دنیا کے لئے ایک نئے رنگ میں سامنے آئے گی۔

۱۷۔ اب ترتیب کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا حضرت ابراہیمؑ شروع میں حضرت نوحؑ کی شریعت پر تھے۔ تاآنکہ آپ کو شریعت عطا ہوئی (خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن

اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ
اللہ کے بتوں کی اور بناتے ہو تم جھوٹ یقیناً وہ لوگ جن کی تم عبادت کرتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا
سوائے اللہ کے نہیں قدرت رکھتے وہ تمہارے لیے رزق کی پس طلب کرو
عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ
پاس سے اللہ کے رزق اور عبادت کرو اس کی اور شکر کرو اس کا طرف اس کی
تُرْجَعُوْنَ ۝۱۸ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ
تم لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم تکذیب کرو تو یقیناً تکذیب کی قوموں نے

کلاس MTA) **صُحُف ابراهیم و موسیٰ** ٥ (سورۃ الاعلیٰ) میں یہ اشارہ ملتا ہے۔ آپ کے واقعات متعدد سورتوں میں آئے ہیں۔ مناھل العرفان جلد دوم سورۃ الشعراء آیت:۷۰ میں ان سورتوں کے نام درج ہیں جن میں آپ کے حالات تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی سخت آزمائشوں میں گزری۔ آتشِ نمرود میں ڈالے گئے، ہجرت پر مجبور ہوئے جوان بیوی اور پہلوٹھے بیٹے کو محض رضائے الٰہی کے لئے بے آب وگیاہ وادی میں بخوشی چھوڑ آئے۔ حکم خداوندی سے اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے کو بھی تیار ہوگئے۔ غرض کون سا امتحان تھا جس میں ڈالے نہ گئے اور سرخ رُو ہوکر نہیں نکلے۔ آپ کی یہی قربانیاں بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئیں اور ابوالانبیاء کہلائے۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی نسل سے تمام انبیائے بنی اسرائیل کے علاوہ فخرِ موجودات وجہِ تخلیقِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو آپ سے خاص روحانی تعلق تھا آپؐ فرماتے تھے میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔ آپ نے عبادت کے ساتھ تقویٰ کو لازم کیا کیونکہ تقویٰ مغز ہے جبکہ محض عبادت چھلکا۔

۱۸۔ ہر نبی کی تعلیم کا اصل الاصول توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت ہے۔ آپ نے اس مختصر سی آیت میں اپنی قوم کو یہی دعوت دی فرمایا! اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر بتوں کو پوجنا جھوٹ گھڑنا ہے اس لئے کہ تمہیں ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔ یہ تمہارے اپنے وضع کردہ اصول و قوانین ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بت پرستی شرفِ انسانیت کے منافی ہے۔ انسانیت کی تذلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ اپنے ہاتھوں کی تراشیدہ پتھر کی مورتیوں کو اپنا معبود اور رازق سمجھے۔ آپ نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ اللہ سے رزق طلب کرو۔ اپنی تمام ضروریات کو اللہ کے سامنے پیش کرو۔ اسی کے سامنے جھولی پھیلاؤ اسی سے مانگو۔ اس کا عملی نمونہ آپ نے اپنی بیوی اور بچے کو ایک بے آب وگیاہ ویران وادی میں چھوڑ کر پیش کیا۔ آپ توکل کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے، آپ کو یقین تھا کہ

قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۹ اَوَ

پہلے تم سے اور نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا کھلا کھلا کیا

لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ

نہیں دیکھا انہوں نے کہ کس طرح ابتداء کرتا ہے اللہ پیدائش کی پھر دوبارہ کرے گا اُسے یقیناً

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۰ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ

یہ اللہ پر آسان ہے تو کہدے سفر کرو زمین میں

جو خدا گھر پر رزق دینے پر قادر ہے۔ وہ جنگل میں بھی ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس عبادت کے لائق تو وہ ہے جو پیدا کرتا ہے اور اپنے بندوں کو رزق سے نوازتا ہے۔ رزق میں اس کی ہر عطا شامل ہے۔ جو رزق دینے پر قادر نہیں وہ کیسے معبود ہیں۔ پس معبودِ حقیقی وہی ہے جس سے ہر نعمت مانگی جاسکتی ہے۔اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ جو عطا کرنے والا ہے عبادت بھی اسی کو سزاوار ہے ۔ اور شکر اسی کے لئے واجب ہے۔ **الیہِ ترجعون** میں عقیدہ آخرت کی تعلیم ہے۔حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں **فابتغوا عِند اللّٰہِ الرّزق** میں اشارہ ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق رزق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ (تفسیر کبیر از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ تفسیر زیر آیت ھٰذا)

۱۹۔بیشک یہ حضرت ابراھیمؑ کے ذکر کا حصہ ہے لیکن اس آیت سے آیت:۲۴ تک کلام کا رُخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مخالفین کی طرف بھی ہے۔ پس اے محمدؐ :اگر آج آپؐ کی قوم آپؐ کو جھوٹا قرار دے رہی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں پہلی قوموں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ رسول کا کام تو اللہ کے پیغام کو کھول کر پہنچانا ہے ، زبردستی منوانا نہیں۔پس آپ فریضۂ رسالت کی بجاآوری میں مضبوطی سے قائم رہیں ، کفار کی ایذارسانیوں کی پرواہ نہ کریں۔

۲۰۔رسول پر پیغام حق پہنچانے کی ذمہ داری کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ کے جلال وجبروت اور اس کی لامتناہی قدرتوں کی طرف متوجہ کیا کہ جس ربّ کو یہ سب قدرتیں حاصل ہیں کیا وہ اپنے پیارے کی مدد پر قادر نہیں۔خلق میں کل کائنات کی خلق کے آغاز کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے غور نہیں کیا آج سائنسدان غور کررہے ہیں اور ثابت کررہے ہیں کہ بغیر خدا کے خلق ممکن نہیں۔ فرمایا!خلق دہرائی جائے گی وہ ہمیشہ سے خلق کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔کائناتیں بنتی رہیں گی اور مٹتی رہیں گی ۔ یہ اللہ پر آسان ہے ۔ اس کی دوسری تمام صفات کی طرح صفتِ خلق بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ

پھر دیکھو کس طرح شروع کی پیدائش پھر اللہ پیدا کرے گا

النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۱

پیدائش پچھلی یقیناً اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے

۲۱۔اس کے ثبوت کے طور پر قوموں کے بننے اور مٹنے کی طرف توجہ دلائی یعنی قوموں کی نشاۃ ثانیہ کا ذکر کیا اور اس ضمن میں سیاحت کی ترغیب دی۔ بیشک بعث بعد الموت برحق ہے۔ لیکن یہاں آخرت کا ذکر نہیں کیونکہ دنیا میں مردے زندہ نہیں ہوتے نہ آخرت کا سیاحت سے تعلق ہے۔آج آثارِ قدیمہ کے ماہرین قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے پردے اٹھا رہے ہیں کہ کس طرح ایک نبی کی اتباع میں ایک قوم دینی و دنیوی ترقی کے منازل طے کرتی ہوئی اوجِ کمال تک پہنچ جاتی ہے اور پھر ہر کمالے رازوالے کے اصول کے تحت اس کا روحانی اثر آہستہ آہستہ کم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ مُردوں کے زمرہ میں شمار ہونے لگتی ہے ۔ پھر اس مردہ قوم میں نبی کا ظہور ہوتا ہے اور زندگی کے آثار پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں اور یہ ایک زندہ قوم کے طور پر ابھرتی ہے ۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام قدرتیں حاصل ہیں ۔ پس کفار مکہّ سے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ سے یہ مردہ قوم بہت جلد زندوں میں شامل ہوگی بلکہ کل دنیا کی مزّکی و معلم بنے گی اور انہیں روحانیت کے زندگی بخش چشمہ سے سیراب کرے گی۔ اگر آج اقوام مغرب ترقی کی منازل طے کررہی ہیں تو اوّل یہ روحانی ترقی نہیں دوسرے مادی ترقی بھی بعض اوقات ارادۃً اور بعض اوقات غیرارادی طور پر اسلامی اصولوں پر ہی عمل کے نتیجہ میں کررہی ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن اسلام کے اصولوں کو اپنایا۔ آج عدل، علم، محنت ، سچائی ، صفائی، امانت، دیانت، غوروفکر اور بنی نوعِ انسان کی بہبود کے لئے سعی و کوشش جیسے اعلیٰ اخلاق میں کوئی اسلامی ملک ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

اسلامی اصولوں کو اپنانے کی ایک چھوٹی سی مثال جناب افتخار صاحب چیمہ جج لاہور ہائی کورٹ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے۔وہ کیمرج میں قانون کی تعلیم حاصل کررہے تھے کہ لندن ٹائمز میں ایک اخباری مراسلہ بعنوان A Leaf From Quran شائع ہوا کہ قرآن آسمانی صحیفہ نہیں۔ بلکہ نعوذباللہ محمدؐ کے ارشادات ہیں جنہیں آپؐ کے پیروکاروں نے کتاب کی صورت مرتب کرلیا۔اس کا جواب دینے کی کسی مسلمان کو توفیق نہ ہوئی۔لیکن چند دن بعد ایک انگریز مسٹر ٹیلر نے اس کا مدلل جواب دیا۔ اس غیر مسلم نے لندن ٹائمز میں اپنے جوابی مراسلے

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ

عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اور طرف اس کی

میں لکھا۔ میں عربی زبان و ادب کا ایک طالبعلم ہوں۔ میں نے قرآن پڑھا ہے اور حدیث بھی۔ ان دونوں کی زبان میں ہرگز کوئی مطابقت اور مشابہت نہیں۔ پھر قرآن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن سے محمدؐ ذاتی طور پر آشنا ہی نہیں تھے۔ تمام مؤرخ متفق ہیں کہ انہوں نے کبھی سمندری سفر نہیں کیا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ سمندر کے بارے میں قرآن جو کچھ بیان کرتا ہے وہ نہ صرف حرف بحرف درست ہے بلکہ اس کے بہت سے پہلو اُس زمانہ میں نگاہوں سے اوجھل تھے۔ محمدؐ سے گزرے ہوئے زمانوں کے بارے میں کوئی سوال کیا جاتا تو آپؐ کا جواب ہمیشہ درست ہوتا، زبور اور انجیل سے، بسااوقات جس کی تصدیق کی جاسکتی۔ وہ کبھی تو فوراً ہی جواب دیتے اور کبھی فرشتے کی آمد کا انتظار کرتے۔ قدرتی طور پر ہمیں ان سے ملنے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کا شوق ہوا اور ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ وہ کیمرج یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے ٨٢ سالہ استاد مسٹر ٹیلر تھے۔ مسٹر ٹیلر نے مسلمان طلباء سے پوچھا کہ انہوں نے برطانیہ کو کیسا پایا۔ طلباء نے اس ملک کی خوب ستائش کی جہاں ہر شخص کو بے روزگاری الاؤنس ملتا ہے۔ تعلیم اور علاج مفت ہے۔ تنخواہ ہفتہ وار دی جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کے سارے وسائل عام آدمی کے لئے مختص ہیں۔ مسٹر ٹیلر نے پوچھا کہ برطانیہ کو فلاحی مملکت بنانے کا خواب کس نے متشکل کیا۔ طلباء نے کہا یہ لیبر پارٹی کے مسٹر ایٹلی تھے جنہوں نے ١٩٤٦ء میں ایک ایسا منشور پیش کیا جس نے شاید انتخابی تاریخ میں پہلی بار ایک فاتح حکمران ونسٹن چرچل کی قدامت پسند جماعت کو شکست دی۔ مسٹر ٹیلر نے بتایا کہ فلاحی ریاست کا خواب سیاست دان ایٹلی کا نہیں بلکہ تاریخ کے طالبعلم ٹیلر کے زرخیز دماغ کی پیداوار تھا۔ یہی ٹیلر جو ١٩٤٦ء کی انتخابی مہم میں جناب ایٹلی کا مشیر تھا مسٹر ٹیلر نے بتایا کہ میں تاریخ کا طالبعلم ہوں۔ میں نے انسانی تاریخ پڑھی ہے، پڑھائی بھی اور لکھی بھی۔ میں نے یہ تصور عمرؓ سے لیا تھا۔ عمر فاروق اعظمؓ سے۔ (جناب ہارون الرشید۔ روزنامہ جنگ لاہور) آج ہماری حالت یہ ہے کہ کوئی باقاعدہ معاشی نظام رائج نہیں ہماری معیشت مسلسل زوال پزیر ہے۔ مالیاتی نظام کا کوئی قاعدہ نہیں۔ بجٹ بناتے وقت کوئی منصوبہ بندی نہیں۔ اخراجات اور آمد کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ کاش ہم اپنے اسلاف سے کچھ سیکھتے۔

٢٢۔ قوموں کے عروج و زوال کے ذکر میں فرمایا وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے۔ اللہ کا چاہنا یعنی اس کی مشیت قوموں اور بندوں کے اعمال کے

تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

تم پھیرے جاؤگے اور نہیں تم ہرگز عاجز کرنے والے زمین میں اور نہ

ع ٩ ١٤ السَّمَآءِ ز وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾

آسمان میں اور نہیں تمہارے لیے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آیات کا اللہ کی اور ملنے کا اسکے یہ لوگ

يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾

ناامید ہوگئے رحمت سے میری اور یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے دردناک

مطابق ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جس نے ایک ذرہ برابر نیکی یا بدی کی ہوگی اس کا نتیجہ اس کے سامنے آجائے گا۔ (الزلزال:٨و٩) پس سب کو اس کے حضور حاضر ہونا اور حساب دینا ہے۔

٢٣۔ **عاجز**، قادر کی ضد ہے۔ بے بس۔ **معجز**۔ عاجز کرنے والا۔ تھکانے والا۔ تم زمین و آسمان میں اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے۔ یعنی اس کی گرفت سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ نہ زمین کی پاتال میں نہ آسمان کی وسعتوں میں۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست یا مددگار تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچا نہیں سکتا۔ اللہ کی رحمت ہی ہے جو تمہیں بچا سکتی ہے۔ افسوس اُس کی رحمت سے ہی مایوس ہیں۔

٢٤۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات میں سے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ یہ صحیفہ کائنات میں بکھری ہوں یا اوراقِ قرآن میں۔ دیدۂ بینا رکھنے والے اپنے ربّ کی رحمت سے انہیں پہچان کر اور ان پر یقین کرکے لِقائے الٰہی پانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جو ایک انسان کا مقصودِ حیات ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی گناہوں پر دلیر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس لوگ اُس کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں نہ اس کی ملاقات پر۔ اللہ بھی ان کے یقین کے مطابق ان سے سلوک فرماتا ہے اور ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں اندھے ہی رہتے ہیں۔ ہاں اللہ کے ایسے کمزور اور گنہگار بندے جو اس کی رحمت سے مایوس نہیں، ان کی ہدایت پانے کی امید ہے وہ کبھی نہ کبھی توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیتے ہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے اس کا قُرب بھی حاصل کرلیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! میں اپنے بندے سے اس کے اس حسن ظن کے مطابق سلوک کرتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔ جہاں بھی وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ اتنا خوش وہ شخص بھی نہیں ہوتا جسے جنگل بیابان میں اپنی گمشدہ اونٹنی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ
پس نہ تھا جواب قوم کا اس کی مگر یہ کہ کہا انہوں نے قتل کر دو اسے یا

حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
جلا دو اسے پس نجات دی اُسے اللہ نے آگ سے یقیناً اس میں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ
البتہ نشان ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور کہا اس نے سوائے اسکے نہیں کہ بنا لیے ہیں تم نے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ
سوائے اللہ کے بُت محبت کے طور پر آپس میں زندگی

فرماتا ہے! جو شخص مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اس سے گز بھر قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ (مسلم کتاب التوبة باب فی الحض علی التوبة)

۲۵۔اب پھر حضرت ابراھیمؑ کے واقعات کی طرف عود فرمایا۔ حضرت ابراھیمؑ کے واقعات قرآن کریم میں متعدد سورتوں میں آئے ہیں۔ بتوں کو توڑنے اور آگ میں ڈالے جانے کی تفصیل سورۃ انبیاء رکوع ۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”۔۔۔۔۔۔اس دقیقہ کو دنیا کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ انسان کامل خدا تعالیٰ کی روح کا جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جب کبھی انسان کامل پر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ اس جلوہ کا عین وقت ہوتا ہے تو اس وقت ہر چیز اس سے ایسی ڈرتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سے۔ اُس وقت اس کو درندوں کے آگے ڈال دو، آگ میں ڈال دو، وہ اُس سے کچھ بھی نقصان نہیں اٹھائے گا کیونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کی روح اس پر ہوتی ہے۔ اور ہر ایک چیز کا عہد ہے کہ اس سے ڈرے یہ معرفت کا ایک آخری بھید ہے جو بغیر صحبت کاملین سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چونکہ یہ نہایت دقیق اور پھر نہایت درجہ نادر الوقوع ہے اس لئے ہر ایک فہم اس فلاسفی سے آگاہ نہیں۔۔۔۔۔“ (برکات الدعاء حاشیہ صفحہ ۲۶ و ۲۷ ایڈیشن اوّل)

یہ اس زمانہ سے خاص نہیں۔ آج بھی قوت کے نشہ میں بدمست لوگ دلائل و براہین کا جواب اسی طرح دیتے ہیں اس واقعہ میں ایمان لانے والوں کے لئے سامانِ بصیرت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ نے مکذبین کی طرف سے ان کو ہلاک کرنے کی ہر کوشش اپنے خاص تصرف سے ناکام کر دی۔ تمام انبیاء کا واسطہ فرعون و نمرود جیسے جابر و ظالم حکمرانوں یا ایسے ہی سردارانِ قوم سے پڑا۔ ان کے لئے بظاہر ایک کمزور انسان کو ہلاک کرنا کیا مشکل تھا لیکن وہ اپنی تمام کوششوں کے باوجود کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔

الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ
ورلی میں پھر بروز قیامت انکار کریگا بعض تمہارا بعض کا

وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ
اور لعنت کریگا بعض تمہارا بعض پر اور ٹھکانا تمہارا آگ ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارے

مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۶﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ
لیے کوئی مددگار پس ایمان لایا اس پر لوط اور کہا اس نے یقیناً میں ہجرت کرنیوالا ہوں

اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ وَوَهَبْنَا
طرف اپنے رب کی یقیناً وہ ہی عزت والا حکمت والا ہے اور بخشا ہم نے

۲۶۔ابراھیم خلیل اللہ جیسے توحید کے عاشق کی یہ شان تھی اور آپ ہی کا حوصلہ تھا کہ معجزانہ طور پر آگ سے بسلامت نکلنے کے بعد بھی تبلیغ کو جاری رکھا اور وعظ فرمائی۔

مودّة بینکم یعنی تم نے بت پرستی کو باہمی محبت کی بنا بنا رکھا ہے۔ جیسے ہم قوم، ہم مذہب یا ہم فرقہ ایک دوسرے کو اپنا سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قومی بھائی ہیں یا ایک فرقہ کی وجہ سے ہم بھائی بھائی ہیں یہ بھی مراد ہے کہ جن لوگوں کو راستباز سمجھ کر ان سے محبت کرتے تھے ان کی موت کے بعد ان کے بت بنالئے۔ یہ معنی بھی ہیں کہ تمہاری بت پرستی تمہاری آپس کی محبت اور دوستیوں کی وجہ سے ہے کہ قبولِ حق سے تمہارے تعلقات پر زد پڑتی ہے۔ اکثر لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے طریق پر رہتے ہیں۔ اوّل تو غور ہی نہیں کرتے اور اگر سمجھ بھی جائیں تو اپنے پیاروں کو چھوڑنا نہیں چاہتے کیونکہ ان کو چھوڑنے سے تعلقات کے علاوہ بہت سے مادی مفادات سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ حالانکہ قیامت کے دن ایک دوسرے سے تعلق کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنتیں ڈالیں گے کہ انہوں نے ہمیں قبولِ حق سے روکے رکھا۔ قبولِ حق میں یہ بھی ایک رکاوٹ تھی کہ ہم ان کی مدد سے محروم ہوجائیں گے حالانکہ جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے ان میں سے کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ بسا اوقات دنیا میں بھی یہ نظارے ملتے ہیں لیکن قیامت کو کھل کر سامنے آجائیں گے۔

۲۷۔یہ دیکھتے ہوئے کہ ابراھیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا، ان شدید خطرات میں آپ کا ساتھ دینے اور آپ پر ایمان لانے کی کوئی جرأت نہ کرسکا، یہ سعادت آپ کے بھتیجے لوطؑ کو نصیب ہوئی۔ حضرت لوطؑ نے آپ کی تبلیغ کے نتیجہ میں قبولِ حق کا اعلان کیا۔ حضرت ابراھیمؑ نے فرمایا! میں اپنے ربّ کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ یعنی اس طرف ہجرت کرکے جانے والا ہوں جدھر میرے ربّ نے مجھے حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء بلا اذنِ الٰہی کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ یہ ملک شام تھا۔

لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ

اسے اسحٰق اور یعقوب اور بنائی ہم نے اولاد میں اس کی نبوت

وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي

اور کتاب اور دیا ہم نے اُسے اجر اس کا دنیا میں اور یقیناً وہ

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

آخرت میں البتہ نیکوں سے ہوگا اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب اس نے کہا اپنی قوم کو

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

یقیناً تم البتہ کرتے ہو بے حیائی نہیں پہلے ہوا تم سے اس میں

یہ معنی بھی ہیں کہ میں اس طرف جانے والا ہوں جدھر میرا رب ہے۔ فرمایا وہ کامل غلبہ والا ہے۔ مجھے ضرور غلبہ سے نوازے گا۔ وہ بڑی حکمت والا ہے۔ اس حکمِ ہجرت میں بھی یقیناً اس کی کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

۲۸۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی قربانیوں کو قبول فرمایا۔ جب اس کی راہ میں گھربار عزیز و اقارب اور وطن عزیز چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے آپ کو بڑھاپے میں اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی بشارت دی۔قرآن کریم ایک مختصر کتاب ہے اکثر لمبے عرصہ کے واقعات کو چھوڑ دیتا ہے یہ بشارت آپ کو اس وقت ملی (۱۱-۷۲) جب کہ ہجرت کوایک لمبا عرصہ گزرچکا تھا اور حضرت اسمٰعیل پیدا ہوچکے تھے ۔ان کے بعد اسحاقؑ پیدا ہوئے۔لیکن آپ کا پوتا یعقوبؑ آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات میں سے یہ بھی تھا کہ آپ کی نسل میں نبوت اور کتاب جاری کی یہاں آپ کی نسل کا ذکر ہے۔ ورنہ دنیا میں ہر قوم میں ہدایت دینے والے آئے۔**وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ**ο (رعد:۸) آپ کو دنیا میں یہ اجر بھی عطا ہوا کہ آپ کا ذکر خیر جاری رکھا ۔(۲۶-۸۵) تمام الہامی مذاہب کے پیرو آپ کو مقدس اور راستباز سمجھتے ہیں ۔ اہلِ اسلام خاص طور پر آپ کو امام مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ یہ تو آپ پر دنیوی انعامات تھے ۔ آخرت میں بھی صالحین میں شامل ہوں گے۔ بیشک صالحیّت نبوت کی پہلی سیڑھی ہے لیکن یہاں مراد صالحیت کی انتہا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کو مسلمین میں سے بھی کہا گیا۔ حالانکہ المسلم مومن کا آغاز ہے۔

آپ کی ہجرت میں یہ اشارہ تھا کہ اگر اللہ کی راہ میں شدائد ناقابلِ برداشت ہو جائیں تو اس کی زمین وسیع ہے کسی ایسی جگہ ہجرت کر جاؤ جہاں کلمہ حق کہنے کے جرم میں ظلم وستم روا نہ رکھا جائے۔

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ

کوئی تمام دنیا میں سے کیا ضرور تم آتے ہو مردوں کے پاس اور

تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ

کاٹتے ہو راستہ اور کرتے ہو اپنی مجلس میں بات ناپسندیدہ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

پس نہ تھا جواب قوم کا اس کی مگر یہ کہ کہا انہوں نے لاؤ ہمارے پاس

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۰﴾ قَالَ رَبِّ

عذاب اللہ کا اگر ہے تو سچوں میں سے اس نے کہا اے رب میرے

انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ ۳ ع ۴ ۱۵

مدد کر میری بمقابل لوگوں مفسدوں کے اور جب لائے

رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ

بھیجے ہوئے ہمارے ابراہیم کے پاس خوشخبری انہوں نے کہا یقیناً ہم ہلاک کرنے والے ہیں باشندوں کو

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّ

اس بستی کے یقیناً باشندے اس کے ہیں ظالم اس نے کہا یقیناً

فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

اس میں لوط ہے انہوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں انہیں جو اس میں ہیں ضرور ہی ہم نجات دیں گے

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَ

اُسے اور گھر والوں کو اسکے سوائے بیوی کے اس کی ہوگی وہ پیچھے رہنے والوں میں اور

لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

جب کہ آئے بھیجے ہوئے ہمارے لوط کے پاس بُرا لگا اُسے اور تنگ ہوا ان سے

۲۹تا۳۶۔حضرت لوطؑ کا ذکر قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں آیا ہے ۔(سورۃ الاعراف ۸۱تا۸۵، سورۃ ھود ۔۷۰تا۸۴،سورۃ الحجر ۵۹تا۷۸۔ سورۃ الشعراء رکوع ۹میں یہ قصہ تفصیل سے بیان کیا گیاہے۔ مناھل العرفان جلد دوم سے استفادہ فرمایئے)۔آیت:۳۰ میں بتایا کہ تم فطری تقاضوں کو چھوڑ کر غیر فطری طریق اپناتے ہو اس طرح نسل انسانی کی بقا کو کاٹتے ہو۔ راستہ کاٹنے میں ان کی ڈاکہ زنی کی عادت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک پر امن راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرکے اسے غیر محفوظ بناتے ہو۔ اپنی مجالس میں غیر مہذب گفتگو اور فحش حرکات کرتے ہو۔ انسانی فطرت ہے کہ جب فواحش و جرائم عام لوگوں کی گفتگو کا حصہ بن جائیں تو ان کی سنگینی کم ہوجاتی ہے اسی لئے اسلام نے اشاعتِ فحش اور اشاعتِ جرم سے منع فرمایا ہے۔

ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۔ اِنَّا مُنَجُّوْكَ
دل میں اور کہا انہوں نے نہ ڈر اور نہ غمگین ہو یقیناً ہم نجات دینے والے ہیں تجھے
وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّا
اور گھروالوں کو تیرے سوائے بیوی کے تیری ہوگی وہ پیچھے رہنے والوں میں یقیناً ہم
مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ
اتارنے والے ہیں باشندوں پر اس بستی کے عذاب
السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ
آسمان سے اس لیے کہ تھے وہ فسق کرتے اور یقیناً یقیناً چھوڑا ہم نے اس سے
اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ
ایک نشان کُھلا کُھلا لوگوں کے لیے جو عقل کرتے ہیں اور (بھیجا ہم نے) طرف مدین کی بھائی ان کا
شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ
شعیب پس اس نے کہا اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی اور امید رکھو روز
الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۷﴾ فَكَذَّبُوْهُ
آخر کی اور نہ فساد کرو زمین میں مفسد بن کر پس تکذیب کی انہوں نے

اردو میں بشریٰ خوشخبری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔عربی میں بشریٰ کے معنی اہم خبر کے ہیں۔اچھی ہو یا بُری۔لازمی طور پر اچھی خبر کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراھیمؑ کے لئے بیٹے کی خوشخبری لائے اور لوطؑ کی قوم کی ہلاکت کی خبر لائے قومِ لوطؑ کی ہلاکت کی وجہ ان کا ظالم ہونا بتایا۔ظالم وہ ہے جو دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے۔ پس ان کا ظلم اپنی بیویوں کے حقوق ادا نہ کرنا اور مسافروں کو لوٹ کر انہیں ان کے حقوق سے محروم کرنا تھا۔

قرآن کریم میں عذاب کے تعلق میں جب بھی **مِنَ السَّمَآءِ** کا لفظ آئے تو یہ اٹل عذاب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔فرمایا ہم نے اس بستی کے آثار میں ایک کھلی نشانی پیچھے چھوڑی ہے (بیضاوی) یہ نشانی شاہراہِ عام پر موجود ہے جو وہاں سے گزرنے والوں کو قوم لوط کی عبرت ناک تباہی کی داستان سناتی ہے۔ یہ بحرِ مردار(Dead Sea) کا جنوبی حصہ ہے جو باقی حصہ سے زیادہ گہرا ہے۔ جب ایک ہولناک زلزلہ سے قومِ لوط کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں تو بحرمردار کا پانی اس نشیب پر چڑھ گیا۔اسے بحرلوط بھی کہتے ہیں۔ ہم نے عقلمندوں کے لئے اس بستی کے آثار میں ایک واضح نشان باقی چھوڑا ہے تاکہ آئندہ آنے والے عقلمندلوگ اس بستی اور اس کے نشان کو دریافت کرلیں آثارِقدیمہ کا کھوج لگانے والوں کی طرف اشارہ ہے۔

۳۷۔۳۸۔حضرت لوطؑ کے بعد ترتیب سے حضرت شعیبؑ کا ذکر کیا جو آپ کے بعد

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
انکی پس پکڑا انہیں زلزلہ نے پس ہوگئے وہ اپنے گھر میں
جٰثِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ
گھٹنوں کے بل اور (ہم نے ہلاک کیا) عاد اور ثمود کو اور یقیناً ظاہر ہیں تمہارے لیے بعض
مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
گھر ان کے اور خوبصورت کرکے دکھائے تھے انہیں شیطان نے کام ان کے
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۹﴾
پس روک دیا اس نے انہیں (سیدھی) راہ سے اور تھے وہ دیکھنے والے

آئے۔(آپ کے حالات سورۃ الاعراف:۸۶تا۹۴، سورۃ هودؑ:۸۵تا۹۶ اور سورۃ الشعراء رکوع ۱۰ میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ استفادہ فرمائیے)۔حضرت موسیٰؑ مدین میں جن شعیب نامی بزرگ کے پاس گئے وہ نبی نہیں تھے۔

آخرت پر یقین ہی انسان کو گناہوں سے باز رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی توفیق دیتا ہے۔ یہ حقوق اللہ کا ادا کرنا ہے۔ لوگوں کے معاملہ میں عدل سے کام لینا، ان کو ان کی اشیاء پوری دینا اور ان کے حقوق کما حقہ ادا کرنا،حقوق العباد میں شامل ہے۔ ان دونوں حقوق سے پہلو تہی فتنہ و فساد کا موجب ہے فرمایا زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔اس میں ہر وہ بُرا کام داخل ہے جس سے کسی معاشرہ کا امن تباہ ہونے کا خطرہ ہو یا ایک پر امن معاشرہ کی تشکیل میں رکاوٹ ہو۔

۳۹۔**مستبصرین** بصارت رکھنے والے۔خوب دیکھنے والے۔عاد اور ثمود کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔ان کی تباہی کے قصے عرب میں مشہور تھے۔ان کے تباہ شدہ علاقے شام کے راستہ میں آتے تھے اور اہل مکہ ان کی ویران بستیوں کے کھنڈرات سے خوب واقف تھے۔کیونکہ ان کے قافلے انہی راستوں سے گزرتے تھے۔عذابِ الٰہی کے نتیجہ میں تباہ ہونے والے کوئی معمولی لوگ نہیں تھے۔یہ اپنے زمانہ کی ترقی یافتہ اقوام تھیں اور بڑے صاحبِ کمال تھے۔فنِ تعمیر میں خاص دسترس رکھتے تھے۔مُستبصرین میں بتایا کہ ان کو اپنے جرائم دکھائی دے رہے تھے اور یہی ان کی ہلاکت کی وجہ تھی کہ جانتے بوجھتے ہوئے گناہوں پر مصر تھے۔دراصل اپنے شیطانی اعمال پر عرصہ دراز تک عمل پیرا رہنے کی وجہ سے ان کے عادی ہو چکے تھے۔نیز دنیوی منفعتوں اور عیش وعشرت کے مقابلہ میں انبیاء کی عائد کردہ اخلاقی پابندیاں اور قربانیاں بھی ان کے قبول حق میں مانع تھیں۔ مکہ کے اہلِ فراست کے لئے تنبیہ تھی۔آج بھی ترقی یافتہ قوموں کے مفکر اور دانشور جو علم وحکمت میں بہت آگے نکل گئے ہیں،ان کو بھی اپنے معاشرہ کے بعض نہایت قبیح افعال نظر تو

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی
اور قارون اور فرعون اور ہامان کو اور یقیناً یقیناً لایا انکے پاس موسیٰ
بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا
کھلے دلائل پس تکبر کیا انہوں نے زمین میں اور نہ تھے وہ
سٰبِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
آگے بڑھنے والے پس ہرایک کو پکڑ لیا ہم نے بوجہ اسکے گناہ کے پھر بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ
اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ
بھیجا ہم نے ان پر پتھراؤ اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ پکڑ لیا ان کو
الصَّیْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ
سخت آواز نے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ دھنسا دیا ہم نے انہیں زمین میں اور بعض ان میں سے
مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰکِنْ
ایسے ہیں کہ غرق کر دیا ہم نے انکو اور نہ تھا اللہ کہ ظلم کرے ان پر ولیکن
کَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا
تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے بنائے

آتے ہیں لیکن انہیں اپنی تہذیب کا حصہ سمجھتے ہوئے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ان کو بھی سخت تہدید ہے۔ کاش یہ سمجھیں اور آنے والی تباہی سے خود کو اور اپنی قوم کو بچا سکیں۔

۴۰۔۴۱۔قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ان کی گمراہوں کی سزا دی۔ان کا تکبر قبولِ حق میں روک تھا (روح البیان) کہ ہم بڑے لوگ ایک معمولی انسان کی اتباع کیوں کریں پس وہ ہماری پکڑ سے بچ کر بھاگ نہ سکے۔عاد اور ثمود ان سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔فرمایا ہم نے ان تمام سابقہ اقوام کو اُن کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا۔ بعض پر آتش فشاں پھٹنے سے پتھروں کی بارش ہوئی ، یہ قومِ لوط تھی (سورۃ قمر ۳۵) اور قومِ عاد پر مسلسل سات رات اور آٹھ دن سخت طوفانی ہواؤں نے کنکر برسائے۔(سورۃ الحاقہ :۷) کسی کو زلزلہ کی مہیب آواز نے آ پکڑا۔ یہ قومِ ثمود تھی جو زلزلہ سے تباہ ہوئی (سورۃ القمر:۳۲) بعض زمین میں دھنس کر صفحہ ہستی سے مٹ گئے جیسے قارون یا قومِ لوط جو زلزلہ سے زمین میں دھنس گئی، بعض کو پانی میں غرق کردیا جیسے قومِ نوح اور فرعون و ہامان مع اپنے لاؤ لشکر غرق ہوئے۔عموماً یہی چار ذرائع تھے جن سے مخالفینِ انبیاء ہلاک کئے گئے۔ یہ تمام عذاب ان کی بداعمالیوں کا نتیجہ تھے۔ ان سب قوموں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اپنی تباہی کو خود دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔گزشتہ اقوام میں ہر قوم کسی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ۚ
سوائے اللہ کے دوست مانند مثال مکڑی کی ہے
اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ
بنایا جس نے گھر اور یقیناً سب سے کمزور گھر گھر ہے
الْعَنْکَبُوْتِ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ
مکڑی کا کاش ہوں وہ جانتے یقیناً اللہ جانتا ہے اسے
مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ
جسے وہ پکارتے ہیں سوائے اس کے کچھ بھی اور وہ عزت والا
الْحَکِیْمُ ﴿۴۳﴾ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ
حکمت والا ہے اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم انہیں لوگوں کے لیے اور

ایک گناہ میں خاص طور پر ملوث تھی۔ آج یہ تمام گناہ بحیثیت مجموعی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔پس ان عذابوں کے ذکر میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر ایسے سب عذاب آنے والے ہیں۔ اُس وقت آدھی دنیا پردے میں تھی آپ ؐ کا پیغام تمام دنیا تک نہیں پہنچا تھا۔ آج آپ ؐ کے مسیح اور مہدی ؑ کی نیابت میں اس کے خلفاء اس پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور سب طرح کے عذاب دنیا میں اس شدت سے آرہے ہیں کہ پہلے کبھی نہ آئے تھے۔

۴۲۔۴۳۔پچھلی آیات میں مشرک اقوام کی تباہی کا ذکر تھا کہ جب ان پر تباہی آئی تو کوئی جھوٹا معبود ان کی مدد کو نہ آیا۔یہاں بتایا کہ اس زمانہ میں بھی ان لوگوں کا انجام جو خدا کو چھوڑ کر معبودانِ باطلہ کو اپنا یارو مددگار بناتے ہیں ، پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔کوئی مصنوعی خدا انہیں خدا کی پکڑ سے بچانے نہیں آئے گا۔ **لوکانوایعلمون**o کاش وہ جانتے کہ وہ کس کی عبادت کررہے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

یہاں ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے سوا معبود ٹھہراتے ہیں مکڑی سے دی ہے اور عقائد باطلہ اور شرک کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی کہ یہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔توحید کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے۔ بیشک مکڑی کا جالا اپنی طاقت کے لحاظ سے کمزور ترین ہے لیکن اپنی ذات میں مضبوط ترین ہے۔ کیونکہ اگر لوہے کی تاروں کا اتنا ہلکا جالا بنایا جائے تو وہ مکڑی کے جالے کی نسبت کمزور ہوگا۔اس کے باوجود وہ ایک کمزور ترین پھندا ہے۔یہاں بتایا کہ عقائد باطلہ بظاہر مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں اور مومنین کے لئے ان کی کوئی حقیقت نہیں لیکن مشرکین و منافقین

مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ

نہیں سمجھتے انہیں مگر جاننے والے پیدا کیا اللہ نے آسمان اور

الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۵﴾

زمین کو ساتھ حق کے یقیناً اس میں البتہ نشان ہے مومنوں کے لیے

مکھی کی طرح عقلمند ہوتے ہوئے بھی بیوقوف ہیں۔ وہ اس جال میں ضرور پھنستے ہیں اور اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس جالے سے کمزور اور کوئی پھندا نہیں غرض ان کے لئے یہ مضبوط ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح منافقین کے بچھائے ہوئے جال بھی بظاہر کمزور نظر آتے ہیں لیکن بسا اوقات سمجھدار لوگ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔

بیت میں اشارہ ہے کہ مشرکین اور منافقین اسی طرح بعض کمزور ترین سہاروں کو اپنی جائے سکون اور پناہ گاہ سمجھتے ہیں۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسے چاہیئے کہ بیتِ عنکبوت کی سی کمزور پناہ گاہوں کو چھوڑ کر غالب اور حکیم خدا کا سہارا ڈھونڈے اور اس کی پناہ میں آجائے ، اس سے اپنا تعلق پیدا کرے۔ کیونکہ سچے مذہب کی پہچان یہی ہے کہ وہ خدا سے ملا دیتا ہے ۔ وہ غالب اور حکیم ہے۔ غالب ہونے کی وجہ سے کسی پر ظلم یا حق تلفی کا امکان نہیں کیونکہ وہ حکیم بھی ہے۔ اس کے تمام کام اور احکام حکمت پر مبنی ہیں۔

۴۴۔قرآنی تمثیلات میں گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں جنہیں صاحبِ علم و دانش ہی سمجھتے ہیں۔ وہ ان کو سمجھ کر خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور بندگانِ خدا کی ہدایت کا موجب بنتے ہیں۔

۴۵۔شروع سورۃ سے کفار کی ایذا رسانیوں کے مضمون میں مشرک قوموں کی ہلاکت کا تفصیلاً بیان ہے۔بیتِ عنکبوت کی مثال میں بھی غیر اللہ کا باطل ہونا خوب واضح ہے۔اب آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں توحید کی صداقت اور شرک کے بطلان کو ثابت کیا اور بتلایا کہ جس خدا کو قرآن پیش کرتا ہے اس کے لئے زمین و آسمان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔ انسان جوں جوں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتا ہے ،ایک وحدہٗ لاشریک خدا کا تصور ابھرتا ہے۔ کائنات کو وجود میں آئے ہوئے قریباً پندرہ بلین سال گزر چکے ہیں لیکن اس میں کوئی سُقم نہیں۔ روز ازل سے خالق کون و مکاں نے جو قوانین وضع کئے ان سے سرمو انحراف نہیں۔ان میں کوئی تغیر آجائے تو کائنات درہم برہم ہوجائے۔ حق کے ساتھ پیدا کرنا یہی ہے کہ اس نے کائنات کو حکمت کے تقاضوں کے مطابق پیدا کیا اور اپنی خاص تدبیر سے پیدا کیا۔ (مفردات) اس عظیم ترین کائنات کی تخلیق میں یقیناً اللہ تعالیٰ کا ایک خاص مقصد تھا وہ بلا مقصد کوئی کام نہیں کرتا یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ

پڑھ جو وحی کیا گیا طرف تیری کتاب میں اور قائم کر نماز

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ

یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی اور ناپسندیدہ بات سے اور البتہ ذکر اللہ کا بہت

اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ

بڑی بات ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ جھگڑو اہل

بتایا کہ اگر عظیم مملکتوں کی تباہی میں اللہ تعالیٰ کا عزیز اور حکیم ہونا نظر نہیں آیا تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرو۔اللہ تعالیٰ کا عزیز اور حکیم ہونا ضرور ثابت ہوجائے گا کہ ایک زبردست غالب اور صاحبِ حکمت ہستی کی ہی یہ سب کاریگری ہے ۔ سائنسدان اس معاملہ میں ہنوز طفلِ مکتب ہیں۔ اس کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں مومنوں کے لئے بہت بڑا نشان یہ ہے کہ تخلیقِ کائنات کا مقصد انسان کی پیدائش ہے بلکہ انسان کامل کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا!**لولاک لما خلقت الافلاک** ۔ اگر میں نے تجھے پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں یہ زمین و آسمان پیدا نہ کرتا۔(المصنوع جلد۱ صفحہ ۱۵۰حدیث نمبر۲۵۵ علی بن سلطان محمد الھروی القاری مکتبہ رشد ریاض ۱۴۰۶ء طبع چہارم) پس ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ **خالق السمٰوٰت والارض** نے اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ۔قرآن کریم سے خوب واضح ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصدِ حقیقی اپنے ربّ سے ملنا ہے اور یہی ایک انسان کی زندگی کا ماحصل اور کمال ہے۔ اگلی آیت میں ربّ کو پانے کے ذرائع بتلائے۔

۴۶۔اس رکوع میں بتایا کہ جو لوگ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا، ان کا مطالبہ بھی جلد پورا ہوجائے گا۔لیکن رسول کے آنے کا مقصد لوگوں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ زندہ کرنا ہے سو یہ غرض پوری ہو رہی ہے۔اللہ تعالیٰ کو پانے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآنِ کریم کا پڑھنا ، پڑھانا ، اس پر غور وفکر کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ تمام علوم کا سرچشمہ صرف قرآن کریم ہے۔جو ہر زمانہ کے انسان کا رہنما ہے۔مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی قرآن کریم کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے ہی وابستہ ہے۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! لوگوں میں اللہ کے بھی عزیز ہوتے ہیں۔پوچھا گیا اس سے کون لوگ مراد ہیں فرمایا!قرآن والے اللہ کے عزیز ہیں اور اس کے خاص بندے ہیں۔(سنن ابن ماجہ المقدمہ۔باب فضل من تعلم القرآن حدیث نمبر ۲۱۱) آج امتِ مسلمہ کی حالت بخاری شریف کی اس

حدیث کے عین مصداق ہے کہ وہ قرآن کو پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے۔ جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔(بخاری) بیشک قرآنی علوم کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے لیکن قرآن کریم نے دوسرے علوم سیکھنے کی بھی ترغیب دی ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔ ظاہر ہے کہ چین میں قرآنی علوم نہیں سکھائے جاتے تھے۔ قرآن کریم میں ۷۵۶ مرتبہ مناظرقدرت اور قوانینِ فطرت پر غور کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو ہر دور کے علوم جدیدہ سیکھنے کی طرف متوجہ کیا۔

بیشک قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل میں نماز کا حکم شامل ہے لیکن نماز کی اہمیت کے پیش نظر تلاوتِ قرآن کے حکم کے معاًبعد نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ نماز سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے نہ وظیفہ۔نماز زبانِ حال سے اپنی عبودیت اور اللہ کی شکرگزاری کا اظہار ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، قرآن کریم کا کچھ حصہ، رسول پاکؐ پر درودو سلام، استغفار اور دعائیں ہیں۔ فرائض کو نوافل سے زیادہ سنوار کر ادا کرنا چاہیئے۔ نمازی بعد از نماز اپنی جگہ پر تسبیح وتحمید کرے تاکہ ملائکہ بھی دعائیں مانگتے رہیں کہ اے اللہ !اس کو بخش دے، اے اللہ !اس پر رحم فرما۔ احادیث میں ہے کہ یہ دعا جاری رہتی ہے جبتک نمازی باوضو رہتا ہے۔'' نماز کے اندر، سجدہ میں یا رکوع کے بعد کھڑے ہو کر یا کسی دوسرے موقع پر مسنون دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگنا جائز ہے۔کیونکہ اپنی زبان میں ہی انسان اچھی طرح اپنے جذبات اور دلی جوش کا اظہار کرسکتا ہے''(ملفوظات جلدسوئم صفحہ۱۹۷)دعا کے ساتھ ان اسباب کو بھی تلاش کرنا چاہیئے جن کا قبولیت دعا سے تعلق ہے۔قانونِ قدرت کو ایک طرف رکھ کر دعا کرنا بے معنی ہے۔ دعا ہی ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان روحانی رشتہ کا مرکزی نقطہ ہے۔**الدعا مخ العبادة** ۔ دعا عبادت کا مغز اور اس کی روح ہے جس کے بغیر انسان کی عبادت ایک کھوکھلی ہڈی کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ آج مغربی مفکرین دعا کی اہمیت سے باخبر ہیں۔ مشہور ماہر نفسیات ڈیل کرنیگی اپنی شہرہ آفاق کتاب How to stop worrying and start living میں رقمطراز ہیں ''دعا میں زبردست طاقت ہے۔زندگی کے تاریک ترین لمحے محض عارضی طور پر ہمیں اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں۔ پھر بہت جلد شاندار اور تابناک مستقبل کی روشنیاں جھلملانے لگتی ہیں۔ کاش ہم ایک اعلیٰ اور برتر طاقت سے مدد مانگیں اور زندگی کی جنگ تنہا نہ لڑیں۔ خدا سے رجوع کرکے اپنی باطنی قوتیں بیدار کریں''۔آپ لکھتے ہیں!'' بے خوابی کی وجہ سے آج تک کوئی نہیں مرا۔ بلکہ اس بارہ میں پریشان ہونے سے ضرور

مرتے ہیں۔ گہری نیند کے لئے ضرورت تحفظ کا احساس ہے۔ ہمیں یہ یقین ہو کہ کوئی برترقوت صبح تک ہماری حفاظت کرے گی۔ اس لئے ذہنی جسمانی اور اعصابی سکون کا یقینی ذریعہ لیٹتے وقت کی دعا ہے سب کچھ خدا کے سپرد کردو۔فوراً نیند آجائے گی''۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے نیک اعمال کی حاجت نہیں، نہ وہ کسی کی عبادت کا محتاج ہے۔ تمام قرآنی احکام پر عمل انسان کے اپنے ہی فائدہ کے لئے ہے کہ بدیوں کو ترک کرکے نیکی کی راہ اختیار کرے اور اپنے ربّ کا قرب حاصل کرے۔ نماز کی اصل غرض بھی یہی ہے۔ نماز میں شروع شروع میں اکثر دلوں میں خیالات نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے،یکسوئی نصیب نہیں ہوتی اور باوجود کوشش کے ناکامی ہوتی ہے۔ اسی نماز پر اجر ہے۔ اس وقت انسان اپنے دل میں عظمتِ الٰہی کا تصور کرے۔ نماز کے شروع میں خدا تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس سے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پیدا ہو، اس کا جلال و جبروت روئیں روئیں سے ظاہر ہو اور سمجھے کہ اگر میں اپنی حاجتیں کسی معمولی دربار میں لے کر جاؤں اور بادشاہ سے بات کرتے ہوئے کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاؤں تو کیا میں اس گستاخی کی سزا سے بچ جاؤں گا۔ میں تو اس وقت خالقِ کون و مکاں کے دربار میں حاضر ہوں۔

مسند بزاز میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز میں میرا بندہ مجھے چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے تو میں بھی اس سے دور ہو جاتا ہوں۔ جب پھر میری طرف متوجہ ہوتا ہے تو میں پھر اس کے قریب آجاتا ہوں۔دو مرتبہ تو ایسا ہوتا ہے۔اگر پھر اس کی توجہ پھر جائے تو میں پھر توجہ نہیں کرتا (کنزالعمال جلد۴ صفحہ ۱۰۸)۔اپنی توجہ کو کامل طور پر خدا کی طرف رکھنا اور اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دینا کوئی معمولی بات نہیں ایسا اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پرخاص کرم نوازی سے ہی ممکن ہے محض اپنی کوشش سے کامیابی ممکن نہیں۔جولوگ کوشش جاری رکھتے ہیں، ہمت نہیں ہارتے وہ ایک مدت کی جدوجہد، دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان سے اس مرتبہ کو حاصل کرلیتے ہیں جس کا وعدہ قرآن کریم نے کیا اِن کی طبیعت بدی سے متنفر ہوجاتی ہے اور ان کی نمازیں انہیں اس مقام تک لے جاتی ہیں کہ اس نہاں درنہاں ہستی سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔تاہم اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو زیادہ انتظار نہیں کرواتا حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا! جس شخص نے اللہ کی خاطر چالیس دنوں کو خالص کردیا حکمت کے چشمے اس کے دل سے پھوٹ پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔(الجامع الصغیر باب المیم جلد ۲ صفحہ۱۶۰)غرض نماز رویتِ الٰہی کا نام ہے۔نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتا اور اپنی حاجتیں بیان کرتا ہے۔وہ حاجت روائی فرماتا ہے۔پھر ایک وقت آتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ایک عرصہ تک سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے اور دعاؤں میں لگا رہتا ہے۔آخر اس کی دعاؤں کا جواب ضرور دیا جائے گا۔(ملفوظات جلد سوئم صفحہ ۲۰۱)

ذکر ،نماز میں اور نماز کے علاوہ اٹھتے بیٹھتے ، کام کاج کرتے ہوئے اپنے ربّ کو یاد کرنا ہے۔ بلکہ ہر نیکی پر عمل اور برائی سے اجتناب، اللہ کی یاد کی وجہ سے ہے اور ذکر میں شامل ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا! کون سے بندے سب بندوں میں درجہ کے اعتبار سے سب پر فضیلت رکھتے ہیں؟حضرت اقدسؐ نے فرمایا''اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے''۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ !کیا اللہ کی راہ میں جہادکرنے والوں سے بھی؟حضورؐ نے فرمایا! اگر اپنی تلوار کا فروں اور مشرکوں پر چلاتا ہے یہاں تک کہ ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہوجائے ۔تب بھی اللہ کا ذکرکرنے والے غازی سے مرتبہ میں بڑے ہیں۔(دوسری جگہ فرمایا سوائے اس کے کہ وہ شہید ہوجائے)(ترمذی ابواب الدعوات)نیز یہ معنی بھی ہیں کہ ایسی نمازاور ذکرو دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کو یاد کرتا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ جس وقت بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے گا تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کروں گا۔اگر وہ میرا ذکر محفل میں کرے گا تو میں اس بندے کا ذکر اس سے بہتر محفل میں کروں گا۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت بھر آئے گا تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاؤں گا ۔ اگر میری طرف ایک ہاتھ آئے گا تو میں اس کی طرف دو ہاتھ جاؤں گا۔ اگر وہ میری طرف چل کر آئے گا تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاؤں گا۔(ترمذی ابواب الدعوات)فرمایا **ولذکر اللّٰہ اکبر** یعنی اللہ جلّ شانہٗ کا اپنے بندے کو یاد کرنا بہت بڑی بات ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

قرآن کریم اوّل سے آخر تک نہایت مدلل کتاب ہے۔ قرآن کا کوئی دعویٰ بغیر دلیل نہیں۔ ہرمسئلہ پر یا وہیں یا آگے پیچھے کہیں نہ کہیں دلیل موجود ہوتی ہے ۔ یہاں نماز کا حکم دیا تو ساتھ ہی دلیل دی کہ نماز پڑھو کیونکہ نماز بے حیائی اور ہر ناپسندیدہ بات سے روکتی ہے۔ اگر نماز کے باوجود ہدایت نصیب نہیں ہوئی ،تو اپنی نماز کی فکر کرو۔

الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
کتاب سے مگر ساتھ اسکے کہ جو زیادہ بہتر ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے
وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ
اور کہو ایمان لائے ہم اس پر جو اُتارا گیا طرف ہماری اور اتارا گیا طرف تمہاری اور
اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَذٰلِكَ
معبود ہمارا اور معبود تمہارا ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں اور اس طرح

۴۷۔ **اتل ماأوحیَ** میں تبلیغ کا حکم بھی ہے۔ اللہ کے بندوں کو ہدایت کی طرف بلانا اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے ۔ اسے جہادً کبیرًا کہا گیا۔یہاں خاص طور پر اہل کتاب مخاطب ہیں ۔جن سے عنقریب ہجرتِ حبشہ اور بعد میں ہجرتِ مدینہ میں واسطہ پڑنے والا تھا۔قرآن کریم کی مختلف آیات میں کفار ومشرکین کو تبلیغ کا حکم بھی قریباً انہی الفاظ میں آیا ہے۔ اَحْسَن میں احسن دلیل بھی شامل ہے یعنی قرآن کریم کی احسن دلائل سے اہلِ کتاب سے بحث کرو۔ اس میں بہترین طریق سے وعظ ونصیحت اور حکمت سے بلانا، نیز اعلیٰ اخلاق کا ذاتی نمونہ پیش کرنا بھی ہے۔ کسی شخص کا مذہب خواہ کیسا ہی خلافِ عقل کیوں نہ ہو اسے چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ اس لئے داعی الی اللہ کو برداشت کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ دوسروں کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیئے، ان کی حق بات کو مان لینا چاہیئے اور بحث برائے بحث سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

الاالذین ظلموا۔۔۔۔۔۔۔۔میں ایک تو یہ معنی ہیں کہ وہ زیادتی بھی کریں تو اعراض کر ۔دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں زیادتی کرنے والے ہوں تو مناسب طریق پر حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کو الزامی جواب دیا جاسکتا ہے ۔ جیسا کہ حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر میں اس آیت کی تشریح میں یہ تاریخی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ شاہِ روم نے ایک مسلمان بادشاہ کو لکھا کہ اپنا کوئی عالم بھجوائیں ہم مذہب کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔حالانکہ مقصد اسلام کو نیچا دکھانا تھا۔ مسلمان بادشاہ نے غالباً امام ابن تمیمیہؒ یا آپ کے کسی شاگرد کو بھیجا۔شاہِ روم کے دربار میں ایک پادری اٹھا اور کہنے لگا۔ مولانا! آپ کے رسول کی بیوی عائشہؓ پر الزام لگایا گیا تھا۔ لگانے والے آپ کے ہم قوم تھے۔اس لئے یہ الزام کچھ مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان عالم نے جواب دیا!پادری صاحب دنیا میں دو ہی مقدس عورتوں پر الزام لگے ہیں۔ایک کا خاوند تھا ۔ خبیث لوگوں نے اس پر الزام لگایا مگر ساری عمر اس کے کوئی بچہ نہیں ہوا۔دوسری مقدس عورت کا خاوند نہیں تھا۔ دشمنوں نے اس پر الزام لگایا اور اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگیا ۔ اب فیصلہ کیجئے الزام کس عورت پر

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
اتاری ہم نے تیری طرف یہ کتاب پس وہ لوگ کہ دی ہم نے جنہیں کتاب

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ
ایمان لاتے ہیں اس پر اور بعض ان لوگوں میں سے ایسے ہیں کہ جو ایمان لاتے ہیں اس پر اور نہیں انکار کرتے

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ
آیات کا ہماری سوائے کافروں کے اور نہ تھا تو پڑھتا پہلے اس کے کوئی

لگتا ہے۔ جب عیسائی اور آریہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں حد سے گزر گئے تو حضرت مسیح موعودؑ نے بھی آنحضرتﷺ پر لگائے گئے ان کے الزامات کے الزامی جوابات دئے جس پر عیسائیوں کے علاوہ مسلمانوں نے بھی بہت شور مچایا۔ حالانکہ قرآن کریم موقع ومحل کے مطابق اس کی اجازت دیتا ہے۔

فرمایا اہل کتاب کو قدرِ مشترک کی طرف بلاؤ اور بتاؤ کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا اور جو تم پر اتارا گیا یعنی ہم اُس توریت اور انجیل پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی ۔تحریف شدہ بائبل کے سب مضامین پر ہمارا ایمان نہیں۔ اگلی آیت میں بائبل کے بعض تحریف شدہ مضامین کی کچھ جھلکیاں دکھائی ہیں ۔(ملاحظہ فرمائیں) پس ہم بائبل کے اسی حصہ پر ایمان لاتے ہیں جو تحریف سے پاک ہے۔

اگر غور کرو تو کفار ومشرکین کے مقابلہ میں اہل کتاب اور مسلمانوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں اور مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔تمہیں قبول حق کے نتیجہ میں اپنی شریعت کی کسی اچھی بات کو چھوڑنا نہیں پڑے گا بلکہ بعض ایسی اچھی باتیں جو تمہاری کتب سے محو ہو گئی ہیں یا مزید اعلیٰ ترین حقائق و معارف ، جن سے دوسرے مذاہب والے محروم ہیں ، ان سے بھی فیضیاب ہوگے۔ پھر انہیں توحید کی طرف بلاؤ اور بتاؤ کہ ہمارا اور تمہارا ایک خدا ہے ۔ ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

۴۸۔**بِـهٖ** کی ضمیر قرآن کریم کی طرف جاتی ہے اہل کتاب کو تبلیغ کے بیان میں فرمایا کہ جس طرح ہم نے انبیاءِ سلف پر کتابیں نازل کیں۔اے پیغمبرؐ! ہم نے تجھ پر بھی ایک مکمل کتاب نازل کی۔الکتاب میں قرآن عظیم کی کتب سابقہ پر فضیلت کو ظاہر کیا۔بائبل مختلف انبیاء کی چھیاسٹھ(۶۶) کتابوں کا مجموعہ ہے جو اندازاً ساڑھے تیرہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ۔بخت نصر نے یوروشلم پر حملہ کیا تو تمام لائبریریاں جلا ڈالیں۔توریت کا ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا۔ بعد میں عزراؔ نبی نے توریت لکھی۔یہود کا ایک طبقہ حضرت داؤدؑ کے خلاف ہوگیا۔ان کے علماء نے حضرت داؤد پر

نہایت گھٹیا الزمات لگائے اور انہیں توریت میں شامل کیا۔سموئیل کتاب نمبر۲باب ۱۱ آیت ۱۔۵ میں لکھا ہے کہ (۹۹ بیویوں کے باوجود) ایک دن آپ محل کی چھت پر ٹہل رہے تھے کہ ایک سپاہی کی نہایت حسین عورت کو صحن میں نہاتے دیکھ کر اس پر عاشق ہوگئے۔اُسے اپنے حرم میں داخل کرلیا اور اس کے خاوند کو جنگ میں مروا دیا۔ اس طرح کے کئی فحش الزمات انبیاء اور ان کی بیویوں پر لگائے۔(سموئیل ۲۔۱۳۔۱۴/۱۲)یہ بھی لکھا ہے کہ بڑھاپے میں حضرت سلیمانؑ اپنی بیویوں کے بہکانے پر شرک کے مرتکب ہوئے۔ (سلاطین ۔۱۔۱۱/۷۔۴)کوئی صاحبِ شعور کسی نبی کے متعلق ایسی گھٹیا باتیں ہرگز صحیح نہیں سمجھتا ۔ان کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں کے اخلاق سے گرے ہوئے قصے ہیں جن میں نصائح بہت کم ہیں ۔غرض توریت میں تحریف ہوتی رہی جس سے اُس وقت کے عوام بے خبر تھے۔ لیکن آج مغرب کے دانشور اسے تسلیم کرتے ہیں ۔(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۴ زیر لفظ .The golden Calf جلد۱۵ زیر لفظ Moses)توریت یہود و نصاریٰ کی شریعت کی کتاب ہے ۔ انجیل بطور نصیحت ہے جو عیسیٰؑ کے حواریوں نے آپ کی وفات کے بعد لکھی۔توریت میں تحریف کے باوجود الٰہی تصرف سے آخری صاحبِ شریعت نبی کی پیشگوئیاں من و عن محفوظ رہیں۔ یہود ونصاریٰ کے علماء کو ان پیشگوئیوں کی بنا پر مثیلِ موسیٰؑ اور ایک آتشی شریعت کا انتظار تھا۔(استثناء باب ۳۲ آیت ۲)چنانچہ آنحضرتﷺ کی بعثت سے بہت پہلے یہود کے کئی قبائل مکّہ کے گرد ونواح میں آباد ہوگئے۔ انہیں یقین تھا کہ ’’وہ نبی‘‘ بنی اسرائیل میں سے آئے گا ۔ جب آنحضرتﷺ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل میں مبعوث ہوئے تو یہود و نصاریٰ آپؐ کے خلاف ہوگئے یؤمنون میں مضارع کا صیغہ لا کر بتایا کہ اہل مکّہ جو دینی علوم سے بے بہرہ ہیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے وہ تیری تبلیغ سے اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ بھی ایمان لائیں گے اور اہل کتاب میں سے بھی جو صاحبِ شعور ہیں وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور لائیں گے۔ جیسا کہ یہود کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلامؓ اور زید بن سعنہ جو یہود کے حِبر تھے۔ یا حضرت مخیرّقؓ وغیرہ۔ مخیرّقؓ صاحبِ ثروت تھے ۔آپ نے قبول اسلام کے بعد اپنی تمام جائیداد راہِ خدا میں دے دی۔حضرت زید بن سعنہ بھی ایک مالدار شخص تھے۔ آپ نے اپنا آدھا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ (مستدرک مع التلخیص کتاب معرفۃ الصحابۃ صفحہ ۳/۶۰۵)حقیقت تو یہ ہے کہ جو بھی تعصب کی پٹی اتار کر قرآن کریم پر غور وخوض کرے گا وہ اس کی ابدی صداقتوں کا قائل ضرور ہوگا۔ منکرینِ صداقت ہی اس کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۹﴾

کتاب اور نہ لکھتا تھا اسے دائیں ہاتھ سے ہم اپنے تب تو ضرور شک کرتے باطل والے

۴۹۔ **تــخـــطّ** ۔ خط اسے کہا جاتا ہے جس کے لئے طُول ہو (یعنی لائن) جیسے خطِ استوا وغیرہ۔ اس سے مراد لکھنا ، کتابت کرنا بھی ہے۔(مفردات) حالانکہ کھول کر بتلایا گیا کہ یہ کتاب آپؐ پر اسی طرح نازل ہوئی جس طرح پہلے انبیاء پر کتابیں نازل ہوئیں۔اس کے باوجود اہل کتاب کو ہمیشہ یہ شک رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائبل کو پڑھ کر وہی باتیں دہرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے الہام ہوا۔ آج بھی بعض مستشرقین کی طرف سے قرآن کریم پر یہی الزام لگایا جاتا ہے کہ بائبل کے اس قدر حوالہ جات اور مضامین قرآن میں موجود ہیں جو سوائے اس کے ممکن نہیں کہ محمدؐ نے بائبل پڑھ کر اس کے حوالے (Notes) لے لئے ہوں اور پھر وقتاً فوقتاً مناسب مواقع پر انہیں قرآن میں داخل کردیا ہو۔ اس اعتراض کا یہاں نہایت مدلّل جواب دیا کہ آپؐ نزول قرآن تک کامل طور پر اُمّی تھے۔ آپؐ کے اُمّی ہونے میں ہی فضیلت ہے اور ایک عظیم حکمت بھی ۔اگر آپؐ پڑھنا لکھنا جانتے تو جھٹلانے والوں کو شک کی گنجائش ہوسکتی تھی کہ ممکن ہے آپؐ نے بائبل سے کچھ اخذ کر لیا ہو۔ لیکن آپؐ کے اُمّی ہونے اور مکّہ میں کسی یہودی یا عیسائی کے نہ ہونے کی وجہ سے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔اگر کچھ غلام عیسائی تھے تو اس وقت بائبل عبرانی میں لکھی جاتی تھی کسی دیگر زبان میں ترجمہ نہیں ہواتھا۔ وہ بائبل کے مفہوم سے نابلد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسے علوم اور حقائق و معارف ہیں جو پہلی کتابوں میں موجود نہیں۔ جب یہ کتابیں ان علوم سے خالی ہیں تو نقل کیسے ہوگئی۔

اگر قرآن کریم کی بہت سی باتیں توریت اور انجیل سے ملتی ہیں تو یہ قرآن کریم کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے اس لئے کہ تمام الہامی کتابوں میں بنیادی صداقتیں مشترک ہیں ۔ یہاں تک کہ بدھ مت اور ہندومت کی مقدس کتابوں نے بھی انہی بنیادی صداقتوں کو پیش کیا۔ کہیں بھی بت پرستی اور غلط کاموں کا حکم نہیں۔ازمنہ قدیم میں دنیا کا ایک دوسرے سے رابطہ نہیں تھا۔ہر علاقے میں الگ الگ ابنیاء آئے جنہوں نے اللہ کے بندوں کو وہی ہدایت دی جو دوسرے انبیاء نے دی۔تمام الہامی کتابیں ایک ہی چشمہ سے بندگان خدا کو سیراب کرتی رہیں۔البتہ ہر قوم کے حالات اور مزاج کے مطابق بعض فروعی تبدیلیاں کر دی جاتیں لیکن بنیادی صداقتیں ہمیشہ ایک ہی رہیں۔ پھر مرورِ زمانہ اور مذہبی اجارہ داروں کی دخل اندازی سے ان کتابوں میں بہت کچھ باطل

کی ملونی شامل ہوگئی۔ جب انسانی دماغ اپنی بلوغت کو پہنچ گیا اور شریعت کا ملہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کے قابل ہوگیا اور تمام دنیا سمٹنے کے قریب ہوئی تو صحائف سابقہ کے عین مطابق آخری صاحبِ شریعت نبی مبعوث ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے دائمی اور عالمگیر شریعت نازل کی۔ آپؐ نے اُمّی ہوتے ہوئے الہامِ الٰہی سے توریت اور انجیل کے تمام غلط واقعات کی تصحیح فرمائی۔ پچھلی آیت میں توریت کی تحریف اور انبیائے کرام پر لگائے گئے الزامات کا کچھ بیان ہے۔ قرآن کریم نے ان تمام گھٹیا الزمات سے انبیاء کو بری قرار دیا اور صحیح واقعات بیان کرکے ان کی عصمت کی حفاظت فرمائی ۔قرآنی واقعات میں بے شمار سبق آموز نصائح اور قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ یہ واقعات بار بار دہرائے جائیں گے۔

بیشک پرانی الہامی کتابیں اپنے اپنے زمانہ کے لئے ہدایت کا سرچشمہ تھیں ۔ لیکن ہر زمانے کی ضرورت کا حل صرف قرآن کریم نے پیش کیا۔قرآن کریم کو تمام الہامی کتب پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ کوئی الہامی کتاب کسی پہلو سے قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ قرآن کریم نے پرانے طریق اور تمدن کو مٹا کر ایک بالکل نئے تمدن کی بنیاد ڈالی اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کی۔ پس دنیا کی اخلاقی ،تمدنی اور روحانی زندگی کی اصلاح وترقی قرآن کریم پر عمل سے ہی وابستہ ہے۔ آج جو اقوام ترقی کررہی ہیں تو اس لئے کہ ان قوموں نے کسی نہ کسی طور قرآن کے بیان کردہ اصولوں کو ہی دستور بنایا۔(آیت:۲۱) قرآن کریم قیامت تک کے لئے ایک کامل شریعت ہے اس میں علوم کے وہ خزانے مخفی ہیں جو بقدرِ ضرورتِ زمانہ ظاہر ہوتے چلے جائیں گے۔(۲۲:۱۵)

آج صرف قرآن کریم ہی بندے کو ربّ سے ملانے کا دعویدار ہے ۔یہی وہ ہدایتِ کامل ہے جس نے انسان کو نقطہ کمال تک پہنچایا اور بندے کو خدا سے ملادیا۔ یہ صرف قرآن کریم پر عمل سے ہی ممکن ہوا۔ پھر ایسے انسان کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادتیں بشارتوں کے رنگ میں نازل ہوتی ہیں۔ ہر ایسا انسان اپنے روحانی مقام کے مطابق ان بشارتوں کا مورد بنتا ہے اور اپنے رب کے فضل و احسان سے رویاء وکشوف اور الہام سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں! ’’قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔‘‘ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۵۳۲)

اہل کتاب ساری عمر کی شدید ریاضتوں سے گزر کر بھی اس مقام عالیہ کو حاصل نہیں کرسکتے جسے قرآنی احکام پر عمل کرنے والا بفضل تعالیٰ نہایت آسانی سے حاصل کرلیتا ہے۔ ہاں وہ

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
(نہیں) بلکہ وہ آیات ہیں کُھلی کُھلی سینوں میں ان لوگوں کے جو دیئے گئے علم
وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ
اور نہیں انکار کرتے آیات کا ہماری مگر ظالم اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اُتاری گئیں
عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ
اس پر آیات طرف سے رب کے اسکے توکہدے سوائے اسکے نہیں کہ آیات پاس ہیں اللہ کے اور
اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ
سوائے اسکے نہیں کہ میں ڈرانیوالا ہوں کُھلا کُھلا کیا نہیں کافی ہوا انہیں کہ ہم نے اتاری تجھ پر

رحیم و کریم ان کی محنت کو بھی ضائع نہیں کرتا۔اگر طلب سچی ہے تو ہدایت کا راستہ ضرور دکھا دیتا ہے۔(تفصیل آیت :۷۰)

۵۰۔کیا ایسا عظیم قرآن کسی پہلی محرّف و مبدّل کتاب کی نقل ہوسکتا ہے۔ یہ تو وہ کھلی کھلی آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں۔حفاظِ کرام اور علماء کرام کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم ان کے سینوں سے محو نہیں کیا جائے گا جیسا کہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے سینوں سے محو ہوگئی۔ بیشک ان کے ہاتھوں اور صندوقوں میں رہی لیکن دل سے محو ہوگئی یعنی ان کے دل اس پر قائم نہ رہے۔ یہ بھی معانی ہیں کہ قرآنی صداقتیں صرف وہ نہیں جو پہلی کتابوں میں مذکور ہیں بلکہ قرآن کریم میں وہ صداقتیں بھی ہیں جو کسی گزشتہ کتاب میں نہیں صرف اہل علم کے سینوں میں ہیں۔یعنی اہل علم ہر زمانے کے لوگوں کو نئے نئے قرآنی حقائق و معارف اور رموز و اسرار سے مستفیض کرتے رہیں گے۔ ہر چیز کھل کر سامنے آچکی ہے۔اب اہل کتاب کا انکار کسی شک کی وجہ سے نہیں۔ وہ صرف ضد ،ہٹ دھرمی اور عداوت کی وجہ سے انکار کررہے ہیں۔جیسا کہ بہت سے اہل کتاب دل سے مومن تھے لیکن ان کی جھوٹی انا اور مفادِ عاجلہ نے انہیں اظہارِ ایمان سے روکے رکھا۔

۵۱۔منکرین نے ہمیشہ نشاناتِ ہلاکت کا مطالبہ کیا یا ایسے نشانات کا جن سے پردۂ غیبی بکلی کھل جائے جیسے آسمان پر چڑھنا اور کتاب لانا یا نہریں جاری کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے نشانات دکھانے سے انبیاء نے کلی طور پر انکار کیا کیونکہ اجروثواب ایمان بالغیب پر ہے جب کہ کچھ اخفا باقی رہے۔ جب قیامت کی طرح سارے پردے کھل جائیں تو ایسے ایمان پر اجر نہیں۔

الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِکْرٰی
یہ کتاب پڑھی جاتی ہے ان پر یقیناً اس میں البتہ رحمت ہے اور نصیحت ہے
لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ع ۵
واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں توکہدے کافی ہے اللہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے

نشاناتِ ہلاکت کے مطالبہ پر فرمایا کہ قہری نشان سب اللہ کے پاس ہیں اور میں ان قہری نشانوں سے ڈرانے والا ہوں کہ اس آنے والی تباہی سے پہلے سنبھل جاؤ اور اپنا بچاؤ کرلو۔ نذیر ہونے میں بھی نشان ہے کہ میرے مخالفین پر عذاب آنے والا ہے۔ یہ بندوں پر اللہ کا احسان تھا کہ رحمۃ للعالمین کی قوم مشرف باسلام ہوئی بجز معدودے چند جو اس عذاب کو پہنچے اور غزوات میں ہلاک ہوئے۔

۵۲۔کفار کے نشان ہلاکت کے مطالبہ کا جواب دیا کہ کیا تمہیں قرآن کافی نہیں جو رحمت کا نشان ہے اور تمہارے لئے باعث عزو شرف ہے تم موت اور ہلاکت کا نشان مانگتے ہو۔اللہ تمہیں اس کتاب کی صورت میں رحمت اور ہمیشہ کی زندگی کا نشان دیتا ہے۔اس لئے کہ ذکر میں یہ بھی مفہوم ہے کہ ان کا ذکر باقی رکھا جائے گا، دنیا میں ان کی عزت قائم کردی جائے گی۔ یعنی جو صدق دل سے اس کتاب پر ایمان لائیں گے وہ دنیا میں معزز و مکرم ہوجائیں گے۔ انہیں عزو شرف بخشا جائے گا۔ جہاں تک نشانات اور معجزات کا تعلق ہے قرآن سے بڑھ کر کوئی معجزہ ہے نہ نشان۔ آپؐ اُمّی تھے اور قرآن کریم جیسی عظیم کتاب آپؐ پر نازل ہوئی۔ کیا یہ نشان کافی نہیں کہ اس بنا پر لوگ آپؐ پر ایمان لے آتے۔ پس رسول ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم ہے۔ اگر تعصب اور ضد سے ہٹ کر غور وفکر کرو تو قرآن کریم تمہارے لئے کافی ہے۔اس میں ہر سچائی موجود ہے۔ قرآن جو نور ہے ، ہدایت ہے رحمت ہے اور شفا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی معجزہ کا مطالبہ کیا جاتا تو آپؐ فرماتے میرا معجزہ قرآن ہے۔فرمایا قرآن مومنین کے لئے رحمت اور باعث شرف ہے کفار کے لئے نہیں۔اگر غور کرو تو اس سے مستفیض ہوسکتے ہو۔ **یتلیٰ علیہم** کے معنی ہے **یُتلیٰ علیہم فی کلّ زمان و مکان** (تفسیر روح البیان) وہ ان پر ہمیشہ پڑھی جائے گی۔ گویا وہ ایک دائمی دستور ہے۔ یہاں واضح اشارہ فرمایا کہ ہر زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب موجود ہوگا جو لوگوں کو قرآنی علوم و معارف سے آگاہ کرے گا اور اس پر عمل کرائے گا۔

شَہِیۡدًا ۚ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِیۡنَ
گواہ وہ جانتا ہے اسے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور وہ لوگ جو

اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَکَفَرُوۡا بِاللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۳﴾
ایمان لائے باطل پر اور انکار کیا اللہ کا یہ لوگ ہی گھاٹا پانے والے ہیں

وَیَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَہُمُ
اور جلدی طلب کرتے ہیں وہ تجھ سے عذاب اور اگر نہ ہوتی میعاد مقررہ البتہ آتا ان کے پاس

الۡعَذَابُ ؕ وَلَیَاۡتِیَنَّہُمۡ بَغۡتَۃً وَّہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۴﴾
عذاب اور البتہ آوے گی ان کے پاس (میعاد مقررہ) اچانک اور وہ نہ جانتے ہوں گے

یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیۡطَۃٌۢ
جلدی طلب کرتے ہیں تجھ سے عذاب اور یقیناً جہنم ضرور ہی گھیرنے والی ہے

۵۳۔ کفار کے نشان ہلاکت مانگنے کے جواب میں فرمایا کہ اگر قرآن کریم کے نزول میں تمہیں کوئی نشان نظر نہیں آیا اور اس پر عمل کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے وارث بننے والوں اور اس کی جناب سے عز وشرف پانے والوں میں بھی تمہیں کوئی نشان نہیں ملا تو اے رسولؐ! تو کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ ضرور پورا ہوگا۔ اگر تم عذاب کا نشان ہی دیکھنا چاہتے ہو تو عذاب کا نشان وہ ضرور تمہیں دکھادے گا۔ اللہ جلّ شانہٗ جو آسمانوں اور زمین کے سب بھید جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ اس عذاب سے وہی لوگ نقصان اٹھائیں گے جو باطل پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں۔

۵۴۔ **اجلٌ مسمّی**۔ میعاد مقررہ۔ اجل مسمّٰی میں کتب سابقہ کی پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عذاب اس وقت آئے گا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے چلے جائیں گے۔ (یسعیاء باب ۱۔۳۰) کفار مکہ کا بار بار یہی مطالبہ تھا کہ جب ہم تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو انبیائے سلف کے مکذبین کی طرح ہم پر عذاب کا نشان کیوں نہیں اترتا۔ فرمایا علمِ الٰہی میں عذاب آنے کی میعاد معین ہے۔ اس سے مقصود مہلت دینا بھی ہوتا ہے اور حجت تمام کرنا بھی۔ پس جب وہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر آئے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ وہ کچھ سمجھ نہیں سکیں گے۔ چنانچہ دس ہزار قدوسیوں کا لشکر جرار جب اچانک مکہ میں داخل ہوا تو ابو سفیان جیسا جہاندیدہ سردار بھی بوکھلا اُٹھا اور اسلام کے سوا اسے کہیں پناہ نہ ملی۔

۵۵۔۵۶۔ جلدی تو اس دنیا کے عذاب کی مانگ رہے تھے۔ فرمایا وہ بھی آکر رہے گا مگر

بِالۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۵﴾ یَوۡمَ یَغۡشٰہُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَ
کافروں کو جس دن ڈھانکے گا انہیں عذاب اوپر سے ان کے اور

مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ وَیَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۶﴾
نیچے سے پاؤں کے ان کے اور فرمائے گا چکھو جو تھے تم کرتے

یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ
اے بندو میرے وہ جو کہ ایمان لائے ہو یقیناً زمین میری وسیع ہے پس میری ہی

فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۷﴾ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ۟ ثُمَّ اِلَیۡنَا
سو عبادت کرو ہر نفس چکھنے والا ہے موت (کا مزا) پھر طرف ہماری

وہ معمولی چیز ہے۔ تم آخرت کے عذاب کی فکر کرو۔ جو تمہیں گھیرنے والا ہے۔ وہ تمہیں اوپر سے بھی گھیر لے گا اور نیچے سے بھی۔ تم اس سے نکل نہیں سکو گے اور یہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا یعنی اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ (سورۃ دخان آیت:۴۹) اور نیچے سے آگ (سورۃ الحج رکوع۲) اگر دنیوی عذاب مراد لئے جائیں تو دنیا میں بھی تباہی نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

اوپر کے عذاب میں ہر قسم کے آسمانی عذاب اور نیچے کے عذاب میں ہر قسم کے زمینی عذاب شامل ہیں۔ پس اوپر کے عذاب سے مراد قحط سالی، بدر کے موقع پر آندھی اور بارش اور آخر فتح مکہ ہے۔ نیچے سے عذاب یہ کہ جن کو ذلیل سمجھتے تھے ان کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جن غلاموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور نیچ سمجھتے تھے، وہ ان پر فائق سمجھے جانے لگے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے جو آخری لشکر روانہ کیا اس کا سپہ سالار حضرت اُسامہؓ کو مقرر فرمایا جو ایک غلام اور لونڈی کی اولاد تھے۔ ان کے زیر کمان بڑے بڑے جید صحابہ اور ایسے جری سپاہ تھے جن کی تلواروں نے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کی بنیادیں ہلادیں۔

۵۷۔ اس آیت میں بتلایا کہ کفار پر عذاب ضرور آئے گا۔ مگر اس کے لئے صحائف اولیٰ کے مطابق ہجرت ضروری ہے (یسعیاء باب ۱۔۳۰) مقصدِ حیاتِ انسانی اپنے ربّ کی عبادت کرنا اور اس کی بندگی بجالانا ہے۔ اگر اپنے وطن میں یا جہاں بودو باش اختیار کئے ہوئے ہو، تمہیں تمہارے ربّ کی عبادت سے روکا جارہا ہے اور احکامِ الٰہی کی بجاآوری میں مشکلات پیش آرہی ہیں یا مذہب کی بنیاد پر تمہیں مظالم کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور اللہ کی زمین تم پر تنگ کردی گئی ہے تو اے میرے

تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تم لوٹائے جاؤ گے | اور وہ لوگ جو | ایمان لائے | اور کیں | نیکیاں

مومن بندو! میری زمین بہت وسیع ہے۔ ایسی جگہ ہجرت کر جاؤ جہاں دین کی وجہ سے ظلم نہ ہو اور تم اپنے ربّ کی عبادت بجا لاسکو۔ بندگانِ خدا کی دینی اور دنیوی ترقی ہجرت سے وابستہ ہے۔ ایک مومن جب اپنے ربّ کی رضا کے لئے اپنا ایمان بچا کر ہجرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیتا ہے(مسلم بروایت عمرو بن عاصؓ)اور اسے بہتر سے بہتر اجر سے نوازتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مبلغینِ اسلام قرآن کو لے کر دور دور نکل گئے۔ تبلیغ اور اپنے نیک نمونہ سے اللہ کے بندوں کو محمد عربیؐ کے جھنڈے تلے جمع کیا۔ یہاں ایک عام نصیحت بھی ہے اور یہ نصیحت داعی الی اللہ کے لئے خاص طور پر اہم ہے کہ اگر تمہیں اپنے ربّ کی عبادت کرنے، لوگوں کو پیغامِ حق پہنچانے اور انہیں ہدایت کی طرف بلانے سے روکا جائے تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے ایسی جگہ ہجرت کر جاؤ۔ جہاں اپنے ربّ کی عبادت کرسکو اور دنیا کی ہدایت کا موجب بن سکو۔

یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ بدوں کی صحبت چھوڑ دو۔ اگر ممکن ہو تو ایسی جگہ اور ماحول سے الگ ہو جاؤ۔ ہجرت صرف وطن کو چھوڑنا ہی نہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! پورا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے خدا نے منع فرمایا۔(متفق علیہ) گویا ایک مومن کو اگر راہِ خدا میں ہجرت کا موقع نہیں ملا۔ تو بھی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کر کے ہجرت کے اجر و ثواب کو حاصل کرسکتا ہے اور ہجرت کی برکات سے مستفیض ہوسکتا ہے۔

۵۸۔ ایک مومن کو ہجرت کے تعلق میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وطن، گھربار اور عزیز واقارب کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ ایسا خدا کی راہ میں ہجرت کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور موت کے نتیجہ میں بھی۔ پس مومن کو تمام جانی اور مالی قربانیوں کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے اور اسے اپنے مال یا جان کی نہیں بلکہ اپنے ایمان کی فکر ہونی چاہیئے۔ یہاں کی سب تکلیفیں اور راحتیں عارضی ہیں۔ آخر تمہیں اپنے ربّ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ موت سے کسی کو مفر نہیں وہ تو بہر حال آنی ہے۔ حضرت ابودرداءؓ سے کسی نے پوچھا ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم موت کو اس لئے ناپسند کرتے ہو کیونکہ تم نے اپنی دنیا کو آباد کر کے اپنی آخرت کو برباد

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ضرور جگہ دیں گے ہم انہیں | جنت میں سے | چوباروں میں | بہتی ہوں گی | نیچے ان کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ الَّذِيْنَ

نہریں | رہ پڑنے والے ہیں ان میں | کیا ہی اچھا اجر ہے کام کرنیوالوں کا | ان کا جنہوں نے

صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا

صبر کیا | اور رب پر اپنے وہ | توکل کرتے ہیں | اور کتنے ہی | جاندار ہیں | نہیں

کرلیا ہے۔ اس لئے تم نہیں چاہتے کہ آبادی سے بربادی کی طرف جاؤ۔

ہجرت مجبوری کی حالت میں محض رضائے الٰہی کے لئے کی جاتی ہے۔ کوئی بھی اپنی خوشی سے اپنا وطنِ عزیز، ماحول، گھربار اور عزیز و اقارب چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر مکہ سے روانہ ہوتے ہوئے مکّہ کی طرف آخری نظر ڈالی اور حسرت سے فرمایا۔ ''اے مکّہ کی بستی! تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے''۔(ترمذی ونسائی بحوالہ زرقانی کتاب المغازی) ایک مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کے مقابلہ میں کوئی اور محبت ٹھہر نہیں سکتی۔ وطن کی نہ اپنے پیاروں کی اور نہ کسی اور کی۔ اسے سوچنا یہ چاہیئے کہ جب اپنے ربّ کے حضور لوٹے گا تو کون سے اعمال لے کر حاضر ہوگا۔ کیا اس نے دین کو دنیا پر مقدم رکھا یا دنیا کو دین پر؟

۵۹۔ **غرفًا**۔ اونچے مقام۔ بالاخانے۔

۶۰۔ جب اپنے ربّ کے حضور حاضر ہوں گے تو اللہ کے وہ نیک بندے جو سچے دل سے ایمان لائے اور اپنے ایمان کو اعمالِ صالحہ کے پانی سے سینچا، اُن سے اُن کے ربّ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کو ضرور اخروی نعمتوں سے نوازے گا۔ یعنی وہ ایسے بالا خانوں میں رہیں گے جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگی احکامِ الٰہی کے تابع بسر کی، ہر آزمائش میں پورے اترے، کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، نمازوں میں کوتاہی کی نہ دعوتِ الی اللہ میں۔ ان کی زندگیاں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وقف رہیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل و احسان سے انہیں دنیا اور آخرت میں بلند مقامات عطا فرمائے اور بلند درجات سے نوازا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مشکلات پر صبر کیا۔ مشکلات میں ہجرت کی سختیاں بھی شامل ہیں اور اپنے ربّ پر توکل کیا۔ صبر کے معنی بدیوں سے اجتناب، نیکیوں اور عبادات پر ثابت قدم

رہنا اور اپنی تکالیف کا بیان خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ کرنا ہے کیونکہ اس صورت میں تُو رحیم خدا کی شکایت اس کے پاس کر رہا ہوگا جو یا تو رحم کرتا نہیں یا کر نہیں سکتا۔ پس تُو اپنی مشکلات صرف اس قادرِ مطلق کے حضور پیش کر جسے ہر قدرت حاصل ہے۔صبر کی جزا جنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ صبر کرو۔ یہاں تک کہ مجھے حوضِ کوثر پر ملو۔(بخاری) بیشک آنحضرت ﷺ میں تمام صفاتِ حسنہ اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔لیکن آپؐ کی پوری زندگی میں جو چیز نمایاں طور پر سامنے آتی ہے وہ آپؐ کا توکل تھا جس کی رفعتوں کا تصور بھی انسانی عقل وفہم سے بالا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہری اسباب و ذرائع سے منع نہیں کرتا ان پر کامل بھروسہ سے منع کرتا ہے اور یہ شرک ہے۔اس زمانہ کے بیشتر مادہ پرست مفکرین صبر و توکل اور قناعت کے روحانی فوائد سے تو بے خبر ہیں البتہ ان کے ظاہری فوائد کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان سے ہماری طبیعت اور صحت وغیرہ پر مثبت اثرات پڑتے ہیں۔ ڈیل کارنیگی (جن کا حوالہ آیت:۴۶ میں گزر چکا ہے) لکھتے ہیں۔صبر و تحمل سے کام لینے اور مناسب عرصہ تک انتظار کرنے سے ہماری پریشانیاں خود بخود ختم ہوجاتی ہیں۔ حالات سے سمجھوتہ کریں جو کچھ آپ کو میسر ہے اگر وہ آپ کو ناکافی ہے تو تمام دنیا کی دولت بھی آپ کو مطمئن نہیں کرسکتی ۔جن متوقع پریشانیوں کی وجہ سے ہم پریشان ہوتے اور کڑھتے رہتے ہیں ان میں سے ننانوے فیصد تو کبھی وجود میں نہیں آئیں۔

آپ لکھتے ہیں:صبر وتحمل اور قناعت پسندی میں نے عربوں سے سیکھی۔اگر صورتِ حال کو بدلنے پر قادر نہ ہوں تو اسے ناگزیر سمجھ کر قبول کرلیں۔ پس جسے بدلنا انسان کے بس میں نہیں اسے قبول کرلینے میں ہی بھلائی ہے ۔ محنت کریں نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں۔۔۔۔۔خدا کی جو نعمتیں آپ کو میسر ہیں۔ ان کا تصور کرکے اپنے ذہن میں بلند تر اور خوش آہنگ خیالات پیدا کرسکتے ہیں کیونکہ ہمارے خیالات ہی ہماری زندگی کی تشکیل کرتے ہیں۔۔ڈاکٹر اے ۔اے ۔برل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جو شخص صحیح طور پر مذہب کا پابند ہوتا ہے اسے کبھی اعصابی یا ذہنی عوارض لاحق نہیں ہوتے ۔ مذہب سے دوری کا نتیجہ پاگل پن، نروس بریک ڈاؤن، اختلاجِ قلب اور السر جیسے امراض ہیں۔ یورپ کے مشہور مفکر ولیم کیورنے لکھا :اگر ہم صبر ،بردباری اور برداشت کی زندگی گزاریں تو گھریلو ناچاقی، طلاقیں ، خودکشی، قتل اور لڑائیاں ختم ہوسکتی ہیں۔ آج کے اطباء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام بیماریاں مذہب سے دوری ، صفائی کی کمی اور جنسی بے راہ روی سے جنم لیتی ہیں

تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ
اُٹھاتے رزق اپنا اللہ رزق دیتا ہے انہیں اور تم کو اور وہ خوب سننے والا

الْعَلِيْمُ ۝۶۰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
خوب جاننے والا ہے اور البتہ اگر پوچھے تو ان سے کس نے پیدا کیا آسمان اور زمین

جیسے ٹائیفائڈ، ہیضہ، ہپی ٹائیٹس بی اور سی، آتشک، سوزاک اور ایڈز وغیرہ۔

۶۱۔جیسا کہ اللہ کی راہ میں قربانیوں اورخدمتِ دین میں سب سے بڑی روک مالی مشکلات ہیں۔ اسی طرح ہجرت کے نتیجہ میں ذرائع معاش سے محرومی کی فکر بھی ایک قدرتی امر تھا۔ مومنین کو تسلی دی کہ جو ربّ العالمین اپنی ارب ہاارب مخلوق کو رزق دینے پر قادر ہے وہ اشرف المخلوقات کے رزق کا متکفل کیوں نہیں ہوگا خاص طور پر جنہوں نے محض اس کی رضا کی خاطر ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جانور اور چرند پرند صبح سے شام تک رزق کی تلاش میں جدوجُہد کرتے ہیں،تم بھی اللہ کے بھروسے پر رزق حاصل کرنے کے لئے کوشش اور محنت کروگے تو تمہیں بھی رزق ضرور ملے گا۔دابّہ جانوروں اور چوپایوں کے لئے آتا ہے جو اپنا رزق جمع نہیں کرتے جبکہ چیونٹیاں وغیرہ اپنی خوراک ذخیرہ کرتی ہیں۔

فرمایا تمہارا خدا سمیع اور علیم ہے۔جب بھی سچے دل سے اسے پکارو گے تمہاری دعاؤں کو ضرور سنے گا۔اسے تمہاری ضروریات کا علم ہے اور انہیں پورا کرنے پر قادر ہے۔وہ ربّ رحیم جو ماں سے ستر گنا بلکہ ستر کروڑ گنا اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے وہ اپنے بندوں کو رزق کی مار نہیں دیتا۔ مگر تم اس کے بندے بنو تو سہی۔حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا حضرت داؤدؑ کا ایک قول ہے''کہ میں بچہ تھا جوان ہوا ، اب بوڑھا ہوگیا ہوں۔میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے ہوئے دیکھا۔ اللہ تو کئی پشت تک رعایت کرتا ہے۔(ملفوظات جلد۴صفحہ۴۴۴)(زبور۳۷آیت۲۵)ہاں اگر خدا کی طرف سے ہی کوئی آزمائش آجائے ۔تواللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اس کا وعدہ ہے۔ **وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا**(۶۵۔۳)آج اگر مخلوقِ خدا بھوکوں مررہی ہے تو یہ حضرتِ انسان کی لوٹ کھسوٹ اور خودغرضی کا نتیجہ ہے جو بے پناہ دولت سمیٹ کر بھی مزید کی ہوس رکھتے ہیں اور بندگانِ خدا کی بنیادی ضروریات سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ نیز محروم طبقہ بھی تقویٰ کے اس معیار پر پورا نہیں اترتا کہ غیب سے اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہو۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور کام میں لگائے سورج اور چاند البتہ ضرور کہیں گے اللہ نے پس کہاں وہ اُلٹائے جاتے ہیں

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ

اللہ پھیلاتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے بندوں میں سے اپنے اور تنگ کرتا ہے اس کیلئے

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ

یقیناً اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے اور البتہ اگر پوچھے تو ان سے کس نے اُتارا

۶۲۔ہجرت کے ذکر میں تبلیغ کا مضمون جاری ہے ۔ ہجرت کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ اگر توحید پر قائم رہنے اور بندوں کو توحید کی طرف بلانے میں شدید مشکلات پیش آرہی ہوں تو ہجرت کر جاؤ۔ پس دعوت الی اللہ میں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا ہے یہاں بتایا کہ عنقریب تمہیں ایسی قوموں سے واسطہ پڑے گا جو توحید کی منکر ہوں گی۔ تم اِن کو کائناتی قوانین کی طرف متوجہ کرواور پوچھو کہ سوائے رب العلمین کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اور سورج اور چاند کوتمہارے لئے مسخر کیا یعنی تمام سماوی اور ارضی قوتوں کوتمہاری خدمت پر لگادیا۔آیت ۴۷ سے اہل کتاب کوتبلیغ کا حکم تھا۔ یہاں انہی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آخری زمانہ میں جومسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہوگا ان سے ہی مقابلہ ہونے والا تھا۔اہلِ کتاب خواہ مشرک بھی ہوں چکے ہوں اس بنیادی عقیدے سے منحرف نہیں ہوسکتے وہ لازماًیہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے جو تمام کارخانۂ عالم کو چلا رہاہے۔ **یؤفکون** میں بتلایا کہ ان کو بہکایا جارہا ہے۔یہ دین کے معاملہ میں اپنی عقل استعمال نہیں کرتے۔اس میں عیسائی پادریوں کی طرف اشارہ ہے جو تثلیث کی تبلیغ کرکے بنی نوع انسان کو بہکارہے ہیں۔

۶۳۔ بتایا کہ جب تمہاری تبلیغ کا دائرہ اقوام عالم تک پھیل جائے گاتو یہ اعتراض بھی اٹھایا جائے گا کہ توحید کے ماننے والوں پر تنگی رزق اور مشرکین پر رزق کی فراخی کیوں ہے؟اس کا جواب ہے کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔جس طرح آسمانوں پر اس کے اٹل قوانین جاری ہیں ،زمین پر بھی اس نے بنی نوع انسان کی بہترین زندگی گزارنے کے لئے قوانین وضع کیے۔پس رزق کی تنگی اور کشادگی بھی اللہ تعالیٰ کے ان قوانین کے تحت ہے۔جب تک مسلمانوں نے ان کو اپنائے رکھا اور اپنی اعلیٰ اقدار پر قائم رہے، دنیا کے رہبر و مربی اور حاکم بنے رہے جب انہوں نے ان اقدار سے منہ موڑ لیا اور دیگر اقوام نے ان اعلیٰ اور قابل عمل اسلامی اصولوں کو اپنا لیا تو وہ دنیا کی

السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ

آسمان سے پانی پس زندہ کی ساتھ اسکے زمین بعد موت کے اس کی البتہ ضرور کہیں گے

اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ ع ۶ ۲ ۲

اللہ نے تو کہدے سب تعریف واسطے اللہ کے ہے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے اور

مہذب ،متمول اور طاقتور قومیں بن گئیں۔(آیت :۲۱)

یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ اپنے کمزور اور بے سہارا بندوں کو صاحبِ اقتدار کردے اور ان متموّل اقوام کو کمزور اور نادار بنادے۔ایسا اس وقت ہوگا جب محمد عربیؐ کے ماننے والے اسلامی اصولوں کو صحیح طور پر اپنا کرایک بار پھر خود کو ان انعامات کا حقدار ثابت کریں گے۔آج یہ دعویٰ صرف جماعتِ احمدیہ کا ہے جو بفضلِ تعالیٰ اسلام کے وضع کردہ اصولوں پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔بعض مغربی مفکرین نے بہت پہلے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا۔حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر میں آیت ۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔''Toynbee جو اس وقت سب سے بڑا مؤرخ مانا جاتاہے اور قریباً گبن Gibbn کی پوزیشن اس کو ملنے والی ہے، بلکہ بعض تو اسے گبن سے بھی بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا مؤرخ کبھی نہیں گزرا، اس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ دنیا میں جو تغیر آیا کرتے ہیں وہ اخلاقی اقدار کی وجہ سے آتے ہیں۔جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی بڑی طاقت ہو تو اس کی وجہ سے تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔یہ غلط بات ہے۔اس نے مزید لکھا کہ اب عیسائیت کے ساتھ اسلام کی ٹکّر ہوگی جس کے آثار نظر آرہے ہیں۔مسلمانوں میں سے احمدیوں میں مجھے آئندہ لڑائی والی جھلک نظر آرہی ہے۔اس ٹکّراؤ کے بعد یہ فیصلہ ہوگا کہ اگلی صدیوں میں تہذیب کی بنیاد اسلام پر قائم ہوگی یا عیسائیت پر۔ پھر اس نے ایک مثال دی ہے۔ وہ کہتاہے ۔'' ہم تو گھڑ دوڑ کے شوقین ہیں۔ ہمارے ہاں عام گھڑ دوڑ ہوتی ہے ۔ ہم گھڑ دوڑ والے جانتے ہیں کہ بسا اوقات جو گھوڑا سب سے پیچھے سمجھا جاتاہے وہ آگے نکل جاتاہے۔ اسی طرح اب تم کو یہ کمزور نظر آتے ہیں لیکن مجھے ان میں وہ ترقی کا بیج نظر آرہاہے جس سے معلوم ہوتاہے کہ یہ کسی وقت عیسائیت سے ٹکر لیں گے اور شاید یہی جیت جائیں۔''اسے''شاید'' کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہ قرآن کریم کی اس آیت سے آگاہ نہیں تھا ۔ **کتب اللّٰہ لاغلبنّ اناورُسُلی ط انّ اللّٰہ قویٌّ عزیزٌo**(۲۲:۵۸)

۶۴۔دعوتِ اسلام کے ذکر میں بتلایا کہ وہ اقوام وحی الٰہی کی بھی منکر ہوں گی۔تُو ان

مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۔ وَاِنَّ الدَّارَ

نہیں یہ زندگی ورلی سوائے غفلت اور کھیل کے اور یقیناً گھر

الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ٦٥ فَاِذَا

آخرت کا البتہ وہی ہے زندگی کاش ہوتے وہ علم رکھتے ہوتے پس جب

سے پوچھ کہ حضرت ابراهیمؑ ،حضرت موسیٰؑ ،حضرت عیسیٰؑ اور دیگر تمام انبیاء سابقہ کے زمانہ میں کس نے وحی الٰہی کے پانی سے ان مردہ اقوام کو زندہ کیا۔ پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے بنجر اور بے آب و گیاہ صحرا کو کس نے وحی الٰہی کے پانی سے سرسبز وشاداب کیا اور اس میں زندگی کی روح پھونکی۔ آج وہی آسمانی پانی مردہ اقوام کے احیاء کا باعث بن رہا ہے اور انہیں توحید کے جھنڈے تلے اکٹھا کر رہا ہے۔ تُو الحمدللہ کہہ کر اپنے ربّ کا شکر ادا کر۔اس لئے کہ حقیقی حمد صرف اسی ربّ جلیل کو سزاوار ہے جو آج حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عاشقِ زار اور غلام حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود ومہدیٔ معہود کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ فرما رہا ہے۔ کاش دنیوی طور پر یہ نہایت زیرک اور باشعور قومیں روحانی معاملات میں بھی عقل سے کام لیتیں۔

٦٥۔**الحَيَوَان**۔حیوان اور حیاۃ ایک ہی ہے۔(راغب) حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔اس جگہ حیوان کا لفظ حیاۃ کے مبالغہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ حقیقی زندگی۔حیاتِ طیبہ۔بتلایا کہ اگر اللہ کی خاطر گھر چھوڑ وگے تو اللہ ہمیشہ رہنے والے گھر عطا فرمائے گا۔یہاں عام خطاب بھی ہے لیکن خاص طور پر مغربی اقوام کے ذکر میں ان کی دنیوی زندگی کو لہو لہب سے تعبیر کیا جو روحانیت سے یکسر خالی ہے۔بلاشبہ ان اقوام نے مادی ترقی میں اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا لیکن دنیوی مشاغل میں اس قدر کھوئے گئے کہ زندگی کے حقیقی مقاصد سے غافل ہو گئے۔نتیجۃً اخلاقی اور روحانی اقدار ان کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئیں الاماشاء اللہ۔ اسلام اور اہل اسلام کو غیر مہذب کہنے والی ان مہذب اقوام کی اخلاقی حالت اس حد تک گر چکی ہے کہ ایک شریف انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ان کی رقص وسرود اور ناؤ نوش کی محفلیں،ان کے سرعام عریانی اور فحاشی کے بے باک مظاہرے ان کے اپنے دانشوروں کے لئے ایک سوالیہ نشان بن گئے ہیں۔ان کی تازہ ترین رپورٹیں یہ ہیں کہ آج امریکہ دنیا کا غیر محفوظ ترین علاقہ ہے۔ جہاں سالانہ چالیس(۴۰)ہزار قتل ہوتے ہیں۔نوے(۹۰)فیصد شادی شدہ عورتیں ناجائز تعلقات میں ملوث ہیں ۔لڑکے لڑکیوں کے ناجائز تعلقات کو قانونی تحفظ حاصل ہے (واشنگٹن پوسٹ)۔اس

کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ناجائز بچے خصوصی مراکز سے نفسیاتی مریض بن کر نکلتے ہیں اور زیادہ تر جرائم میں یہی ملوث ہیں۔آجکل امریکہ میں پانچ لاکھ لاوارث بچے خصوصی سنٹروں میں پرورش پا رہے ہیں۔ امریکہ کے مذہبی سکالر ریونڈ جیری فالول نے انکشاف کیا کہ امریکہ میں اس سال پچاس فیصد بچے بغیر شادی کے پیدا ہوئے ریونڈ کے مطابق یہ اس بات کی نشان دہی ہے کہ اکیسویں صدی کی پہلی چوتھائی تک امریکہ میں خاندانی نظام مکمل طور پر ختم ہو کر رہ جائے گا۔بعض رسائل و جرائد اور دیگر معتبر ذرائع سے آج کی مہذب دنیا سے جو حیا سوز اطلاعات ملی ہیں ، یہ اوراق ان کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اس کی ایک ہلکی سے جھلک روزنامہ جنگ ۱۱ اگست ۱۹۹۷ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔نوجوان مغربی تہذیب و ثقافت کے اس زہر کو اپنے معصوم ذہنوں میں اتارتے ہیں اور اس کی چکاچوند میں کچھ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔یہ ان دنیا پرست قوموں کا نقشہ ہے جن کو روحانیت کی طرف بلانے کا بیڑہ جماعتِ احمدیہ نے اٹھایا ہے ۔خدا کے فضل اور اس کی توفیق سے ان ترقی یافتہ اقوام کا اسلام کی طرف رجوع اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گا۔ انشاء اللہ۔بتایا کہ یہ دنیا کی زندگی تو غفلت اور کھیل تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے ۔کاش وہ یہ جانتے تو دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے۔(کشاف۔ روح البیان۔ بیضاوی)یعنی دنیا کو ہی اپنا منتہیٰ نظر نہ بنالیتے۔دین میں غور و فکر کرتے ۔دلائل سے سمجھنے کی کوشش کرتے تو ضرور ہدایت پاجاتے۔

کھیل تماشے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ دنیا کی زندگی محض بچوں کا کھیل ہے۔ یہاں کچھ وقت کے لئے کوئی بادشاہ کوئی وزیر اور کوئی غلام وغیرہ کا کردار ادا کرتا ہے۔وہ سب حقیقت نہیں ہوتا۔اسی طرح تمہیں دنیا میں عارضی عہدے اور آسائشیں ملی ہیں۔کوئی بادشاہ ہے کوئی فقیر، کوئی دولت سے آزمایا جا رہا ہے، کوئی غربت سے۔یہ چند روزہ تنگی یا کشادگی ہے۔اصل زندگی تو آخرت کا گھر ہے۔اسلام ہرگز ایک خشک اور بے رنگ مذہب نہیں۔سیر و تفریح اور ہر قسم کے پاکیزہ مشاغل کی اجازت دیتا ہے۔جو منشاء الٰہی کے تابع ہوں اور انسان کی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو اجاگر کرنے والے ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ کھیلوں اور مزاح وغیرہ میں حصہ لیا اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں ہنسی مذاق بھی ہوتا تھا اور باہم شائستہ مذاق سے محظوظ بھی ہوتے۔آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر کبھی تناؤ نہ ہوتا بلکہ ہمیشہ چہرہ مبارک پر مسکراہٹ رہتی۔حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت صہیب رومیؓ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے

رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
سوار ہوتے ہیں کشتی میں پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے واسطے اس کے

الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٦﴾
اطاعت کو پس جب نجات دیتا ہے انہیں طرف خشکی کے اچانک وہ شریک بنانے لگتے ہیں

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ
تاکہ وہ انکار کریں اس کا جو دیا ہم نے انہیں اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں پس عنقریب وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ
جان لیں گے کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ بنایا ہم نے حرم کو امن والا جبکہ اُچکے جاتے ہیں

ساتھ کھجوریں تناول فرما رہے تھے اور اُن کی ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ عرب آشوبِ چشم میں کھجوریں کھانا مضر سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے توجہ دلانے پر آنحضرت ﷺ نے صہیبؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو۔ حضرت صہیبؓ نے برجستہ جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک آنکھ دکھ رہی ہے اور میں دوسری آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں جو اچھی ہے۔ صہیبؓ کے جواب پر صحابہؓ ہنسنے لگے۔ اللہ کے رسولؐ بھی اس موقع پر اتنا ہنسے کہ دندانِ مبارک ظاہر ہونے لگے۔ حضرت جابر ابنِ سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی سو(۱۰۰) سے زائد مجالس میں شریک رہا ہوں۔ ان مجالس میں صحابہ کرام اشعار بھی پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے قصے کہانیاں بھی سناتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے یہ سنتے تھے بلکہ بعض اوقات خود بھی ان کے ساتھ ہنسی میں شریک ہوجاتے۔ (ترمذی کتاب الادب۔ باب ماجاء فی انشاد الشعر) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ بزرگ اور سن رسیدہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی پھیکی اور بے کیف ہو کر رہ جائے۔ بڑے بوڑھوں کا بھی حق ہے کہ وہ بے ضرر اور معصوم قسم کے مشاغل اور مزاح وغیرہ سے لطف اندوز ہوں۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۶۶۔۶۷۔ مغربی اقوام کی مادی ترقی کے بیان میں بحری سفروں کا ذکر کیا جن کا ان اقوام سے خاص تعلق ہے۔ (تفصیل کے لئے سورۃ بنی اسرائیل: ۶۷ تا ۷۱)۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو دنیا کی رنگینیوں اور لہوولعب میں اپنے ربّ کو بھولے ہوئے ہیں۔ تاہم ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسے مواقع آتے ہیں جب تمام مادی ذرائع جن پر بھروسہ کئے ہوتے ہیں، باطل ثابت ہوتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو اپنے نافرمان بندوں کی بھی دستگیری فرماتی ہے۔ سمندری سفر میں بعض اوقات ایسی ہی صورتِ حال سے واسطہ پڑتا ہے کہ یکایک موسم خراب ہو

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ
لوگ اردگرد سے کیا پس باطل پر وہ ایمان لاتے ہیں اور نعمت کا

اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
اللہ کی انکار کرتے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے گھڑ لیا اللہ پر

جاتا ہے اور لوگ طوفانوں میں گھر جاتے ہے، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، موت سامنے نظر آتی ہے۔ اس وقت تمام مادی سہاروں کو بھول کر اللہ کو نہایت اخلاص سے پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ جانتے ہوئے کہ اس مصیبت سے نجات پاتے ہی دوبارہ شرک کے مرتکب ہوں گے ان کی مضطربانہ دعاؤں کو سنتا ہے اور انہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہے۔ لیکن نجات پاتے ہی نہ صرف اس احسان کو بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرکے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہماری عقل نے ہمارا ساتھ دیا اور بروقت بچاؤ کی ایک تدبیر سوجھ گئی یا یہ کہ موسم ٹھیک ہوگیا اور طوفان تھم گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن عارضی فوائد سے متمتع ہولو، ایک دن جان لوگے کہ تمہارے بچاؤ میں تمہاری عقل کا کتنا دخل تھا اور تمہارے ربّ کے فضل کا کتنا حصہ تھا۔ اگر سوچو تو یہ ذہنی اور جسمانی قوتیں اور دیگر اسباب سب اسی کی عطا ہیں۔

۶۸۔ مغربی اقوام کو روحانی پانی سے فیضیاب کرنے اور توحید کی طرف بلانے کا ذکر تھا۔ سورۃ کے آخر میں اس مضمون کو وسیع کرکے تمام عالم میں پھیلا دیا۔ کیونکہ ایک داعی الی اللہ کا فرض تمام دنیا کو توحید کے جھنڈے تلے لانا ہے، کسی خاص قوم کو نہیں۔

کشتی کے ذکر کے بعد حرم کی بات کی جو دنیا کے سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں کشتی نوح کی طرح امن کا ضامن ہے حرم کے حصار میں جو داخل ہوجائے وہ ہر قسم کے فتنہ و فساد اور بدامنی سے محفوظ ہے۔

مصیبت کے وقت خدا کو پکارنے سے ثابت ہوا کہ انسانی فطرت توحید کا اقرار کرتی ہے گویا اس کی فطرت میں توحید کا بیج موجود ہے۔ اس اندرونی شہادت کے بعد توحید کے ثبوت میں ایک بیرونی شہادت کے طور پر مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کو پیش کیا۔ جس کے اردگرد حدودِ حرم میں سخت بدامنی اور قتل و فساد کے باوجود دعائے ابراھیمی کی برکت سے امن رہا۔ دعائے ابراھیمی میں اس شہر کو امن والا بنانے، اس کے مکینوں کو رزق دینے اور اللہ کے اس گھر کو توحید کا مرکز بنانے کی دعا تھی۔ چنانچہ آپ کے روحانی فرزند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود سے یہ کام

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ
جھوٹ یا اس نے جھٹلایا حق کو جب آیا اسکے پاس کیا نہیں جہنم میں
مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
ٹھکانا کافروں کے لیے اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی ہمارے بارے میں ضرور ہدایت دینگے ہم انہیں

پایۂ تکمیل کو پہنچا اور بیت اللہ صحیح معنوں میں توحید کا مرکز بنا۔عقیدہ توحید ہی تمام الہامی مذاہب میں قدر مشترک ہے اور عالمگیر امن قائم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے آج امن عالم کا قیام بیت اللہ سے وابستہ ہے۔ اس گھر سے تعلق رکھنے والے ہر انسان کے ہاتھ اور زبان کے شر سے ہر شخص محفوظ ہے۔ اے مال و دولت اور ایٹمی توانائی میں اپنی حفاظت کا سامان اور امن ڈھونڈنے والو! اگر امن چاہتے ہو تو توحید پر قائم ہو جاؤ ، بیت اللہ سے منسلک ہوجاؤ اور اس کشتی پر سوار ہوجاؤ۔اگر اس کشتی پر سوار نہ ہوئے اور توحید پر اکٹھے نہ ہوئے تو آج بھی **یتخطف الناس** کے تحت بدامنی اور لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار بنو گے اور تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔کب تک باطل سے چمٹے رہو گے اور اللہ کی نعمتوں سے منہ موڑے رہو گے۔

بیشک توحید پر قیام اور امن عالم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔لیکن اس کی سب سے بڑی نعمت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تمہیں عطا ہوئی۔آج آپ کا ایک غلام پھر تمہیں کشتی نوح کی طرف بلا رہا ہے۔ آؤ اور اس کے سواروں میں شامل ہو جاؤ اور دنیا کی آفات سے مامون ہو کر ابدی نجات پاؤ۔کب تک حقیقتوں کو جھٹلاتے رہو گے اور اس کی نعمتوں کا انکار کرو گے۔

۶۹۔جب اقوام عالم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو سچے اور جھوٹے کی پہچان کا ایک نہایت آسان طریق بتلا دیا تا کہ حق کی تلاش کرنے والوں کو کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔افترا خدا پر جھوٹ باندھنا اور خدا تعالیٰ کی طرف ایسے عقائد یا الہام وکشوف منسوب کرنا ہے جو خدا نے نہیں کہے۔یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سردارِ دوجہان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رعایت نہیں فرمائی۔فرمایا اگر تو بھی افترا کرے اور اپنی طرف سے الہام وغیرہ سنائے جو ہم نے نہیں کہے تو ہم تیری رگ جان کاٹ دیں گے یعنی تجھے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کی مہلت ہرگز نہ دیں گے۔گویا یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی جھوٹا دعویٰ ماموریت کرے اور پکڑا نہ جائے اور کامیاب ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو بندگانِ خدا کے ٹھوکر لگنے کا احتمال تھا۔اگر ماموریت کا جھوٹا دعویٰ ظلم ہے تو اتنا ہی سنگین ظلم یہ بھی ہے کہ سچے مدعی نبوت کی تکذیب کی جائے۔ایسے تمام

سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷ ۳
راہوں سے اپنی اور یقیناً اللہ البتہ ساتھ ہے محسنوں کے

کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تبلیغ کے مضمون میں خاص طور پر عیسائیوں کو متنبہ کیا جو عقیدہ تثلیث سے اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور جن سے آخری زمانہ میں اسلام کا مقابلہ مقدر تھا۔انہیں بتلایا کہ آنحضرت ﷺ جو دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے دنیا کے ایک کامیاب ترین انسان تھے آپ کی سچائی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آپؐ کی نیابت میں آنے والا مسیح اور اس کے تابعین عظیم کامیابیوں سے ہم کنار ہیں ۔آج یہی وہ چشمہ حیواں ہے جس سے قومیں اپنی روحانی پیاس بجھا رہی ہیں اور اپنے ربّ کا قرب حاصل کر رہی ہیں۔یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل کر مادیت میں گھری انسانیت کی بے چینی کا مداوا ہوسکتا ہے۔

۷۰۔ملحقہ آیت میں بتایا کہ قرآن اور صاحب قرآن کا انکار کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔یہاں بتلایا کہ جو ہماری جستجو میں پوری کوشش اور مجاہدہ کریں گے وہ محض جہنم ہی سے نجات نہیں پائیں گے بلکہ محسنین میں شامل ہوں گے۔

سورۃ کی اس آخری چھوٹی سی آیت میں قربِ الٰہی پانے اور دنیوی کامیابیوں کے تمام اصول بیان فرمائے۔فرمایا جو ہم میں ہو کر یعنی ہماری محبت میں محو ہو کر، ہمارے بتائے ہوئے اصولوں پر چل کر محض اخلاص اور نیک نیتی سے اپنے معبودِ حقیقی کی طلب میں اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں، آخر ہم ان پر اپنی ہدایت اور معرفت کی راہیں کھول دیتے ہیں یعنی ان کے سینہ کو عرفان اور فیضان الٰہی سے بھر دیتے ہیں اور رویاء وکشوف کے ذریعہ ان کی رہنمائی کرتے ہیں ایسے محسنین کو نہ صرف روحانی ترقیات عطا ہوتی ہیں بلکہ اپنے دنیوی مقاصد میں بھی کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں !ان قصوں میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں کہ کسی صاحب کرامت نے ایک نظر یا ایک پھونک سے ولی بنا دیا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔آپؑ فرماتے ہیں" پھر جب اِس کی کوشش اپنے انتہائی نکتہ پر پہنچے گی تو وہ خدا کے نور کو دیکھ لے گا۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے لیکن اس کے دروازے تنگ بنائے ہیں۔پہنچتا وہی ہے جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔۔۔۔۔۔۔

(البدر جلد۴ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

اگر کوئی شخص پوری جدوجہد کے بعد بھی اپنے ربّ کے قرب سے محروم ہے تو اِس سے یقیناً کہیں بھول ہورہی ہے اور قربِ الٰہی کی شرائط پوری نہیں ہو رہیں اور وہ محسنوں والا عمل نہیں کر رہا۔اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدوں کا سچا ہے ۔ اگر طالبِ حق عبادت میں نہایت درجہ توجہ دے اور نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرے، ابتلاؤں میں ثابت قدم رہے مالی اور جانی قربانیوں کو احسن طریق پر ادا کرے ۔گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ان کی تمام شرائط سے پورا کرے۔ تو وہ اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر ضرور فضل کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

محسنین وہ ہیں جو دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیتے ہیں اور خود اپنے حق سے کم لیتے ہیں (راغب) پس لفظ محسنین میں ان قربانیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو انہوں نے اس مقام کو حاصل کرنے میں کیں۔امنِ عالم کا راز بھی یہی ہے۔اقوامِ عالم سے خطاب تھا اس لئے کسی مسلم یا غیر مسلم کی شرط نہیں رکھی۔جو بھی سچی طلب اور نیک نیتی سے ہدایت کی راہ طلب کرنے کے لئے کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرمائے گا۔اس رب العالمین نے اپنی محبت کے دروازے تمام انسانوں کے لئے کھلے رکھے ہیں اور کسی کے لئے بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ جو تلاش کرتا ہے اسے ضرور ملتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے ایک واقعہ کو جو بعد میں اخبار ''الفضل'' میں شائع ہوا ہے ، اختصار سے بیان کرتی ہوں۔آپ کے پاس ایک ہندو گورداسپور سے آیا اور بتایا کہ مجھے گیان حاصل کرنے کا طریقہ بتائیں۔آپ نے پوچھا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے ؟ اس نے گورداسپور کے ایک معزز ہندوخاندان کے سربراہ کا نام لیا۔ غالبًا ٹاٹا کمپنی کے مالک کا۔حضرت مسیح موعودؑ نے ایک احمدی کو جو ہندو یا سکھ سے احمدی ہوا تھا۔ فرمایا کہ اسے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہندی میں لکھ دو اور اسے فرمایا کہ اُن کو جا کر کہہ دو کہ ہر روز رات کو پاک صاف ہو کر اسے پڑھ کر سچے دل سے دعا کریں کہ اللہ ہدایت کی راہ دکھادے۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہ صاحب ملے۔حضور نے پوچھا۔کیا ان کو گیان ملا؟اس نے کہا کہ انہوں نے بتلایا ہے کہ گیان تو مل گیا ہے لیکن اپنی قوم اور خاندان کو چھوڑنا بہت مشکل ہے ۔(اس آیت کی تفسیر میں حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعودؓ کی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ اِحْدٰی وَّسِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ روم۔یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی اکسٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

(سورۃ عنکبوت کے دیباچہ سے استفادہ فرمایئے کیونکہ ان سورتوں کا زمانہ نزول اور مضمون قریبًا ایک ہی ہے) مکّی سورتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ تمام مکّی سورتوں میں شرک کی تردید ،ہستی باری تعالیٰ کے دلائل ، بعث بعد الموت،قیامت، جزا سزا، جنت ، دوزخ اور تقدیر وغیرہ کے مسائل ہیں۔گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کی ترغیب اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے طریق کی طرف رہنمائی کی گئی ہے نیز بطور خاص نماز کا حکم ہے۔

سورۃ عنکبوت کے آخر میں بتایا کہ جو لوگ قربِ الٰہی پانے کے لئے مجاہدات کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی طرف ہدایت دیتے اور ان کو ان نیک مقاصد میں کامیاب کرتے ہیں۔اس سورۃ کی ابتدا ہی آئندہ کامیابیوں کی بشارت سے کی گئی ہے۔ان دنوں عرب کے دائیں بائیں دو عظیم سلطنتیں ایران اور روم آپس میں برسرِپیکار تھیں۔ یہ جنگ ۶۰۲ء عیسوی سے شدت اختیار کرگئی تھی مسلمان مجوسیوں (آتش پرستوں) کے مقابلہ میں عیسائیوں کے خیرخواہ تھے جبکہ کفار کی ہمدردیاں بوجہ مشرک ہونے کے مجوسیوں (اہل ایران) کے ساتھ تھیں۔اس جنگ میں ایرانیوں نے رومیوں کو کُچل کر رکھ دیا اور وہ لاکھوں کی تعداد میں مارے گئے۔''ان کی افواج نے سیریا (شام) اور ایشیائے کوچک کو لوٹا ۶۰۸ء عیسوی میں کیلسیڈون پر بڑھیں ۶۱۳ء اور ۶۱۴ء میں جرنیل شہ براز نے دمشق اور یروشلم فتح کیا اور مقدس صلیب کو لے گیا۔(عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ مسیح نے اس پر جان دی تھی)جلد ہی بعد مصر بھی فتح ہوگیا۔ رومی کوئی مقابلہ نہ کرسکے کیونکہ ایک طرف اندرونی جھگڑوں اور دوسری طرف سلافیوں کے دباؤ سے وہ بہت ہی کمزور ہورہے تھے''(انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا)جب ایرانیوں کی رومیوں پر فتح کی خبر مکہ پہنچی تو مشرکوں نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ مسلمان اپنے غلبہ کا دعویٰ کرتے ہیں، قدرت تو مشرکوں کے ساتھ ہے۔اس تعلق میں اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور بتایا کہ جو وقت رومیوں کے ایران پر غلبہ کا ہوگا وہی وقت مسلمانوں کا اپنے دشمنوں پر غلبہ کا ہوگا اور ایسا نو(۹) سال کے عرصہ میں ہوگا جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی اس وقت بظاہر عیسائیوں اور مسلمانوں کا اپنے طاقتور دشمنوں پر غالب آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔مشہور مورخ گبن کے بقول قرآن مجید کی اس پیشگوئی کے سات آٹھ برس بعد تک کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آجائے گی۔ بلکہ کسی کو یہ امید بھی نہ تھی کہ یہ سلطنت زندہ بھی رہے گی ۔

Gibbon,Decline and Fall of The Roman Empire. Vol ii,p 788.۱اسی
تعلق میں اس سورۃ کا نام جس میں غلبۂ اسلام کی پیشگوئی ایک معین مدت کے اندر پوری ہونے والی تھی الروم رکھا۔

اس پیشگوئی کے من وعن پورا ہوجانے سے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی۔اس پیشگوئی میں یہ خوشخبری بھی مضمر تھی کہ مسلمانوں کو بھی کسریٰ کی عظیم الشان مشرک سلطنت پر فتح نصیب ہوگی۔بلکہ اس میں مسلمانوں کی قیامت تک کی فتوحات کی طرف بھی اشارہ تھا جوانہیں مشرک اقوام پر محض خدا کے فضل سے حاصل ہوں گی اس سورۃ میں بتایا کہ اسلام دین فطرت ہے اور فطرتِ انسانی آخر اسے تسلیم کرے گی۔

اس سورۃ کا اختتام بھی غلبۂ اسلام کے وعدے پر فرمایا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓ ۝۲ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۳ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ

الف۔لام۔میم مغلوب کئے گئے رومی قریب کی سرزمین میں اور وہ

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۴ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

بعد مغلوبیت کے اپنی عنقریب غالب آویں گے چند سالوں میں واسطے اللہ کے ہے معاملہ

مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵

پہلے بھی اور پیچھے بھی اور اس دن خوش ہوں گے مومن

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶

ساتھ مدد کے اللہ کی وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہ عزت والا بہت رحم کرنیوالا ہے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا،بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔**الٓمّٓ ، انااللّٰه اعلمُ** کا مخفف ہے یعنی میں اللہ خوب جاننے والا ہوں ان حالات کو جوگزر چکے ہیں اور ان کو بھی جو گزرنے والے ہیں ۔تفسیر کے لئے سورۃ البقرہ ۲:۲۔حضرت ابوالحکم عبدالسلام بن برجان نے اپنی تفسیر میں **الٓمّٓ o غُلبت الروم o** سے استنباط کیا کہ مسلمان ۵۸۳ ھ میں بیت المقدس فتح کرلیں گے چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ از'' خاتمۃ المحققین '' مفتی بغداد اوالسید محمود الالوسی متوفی ۱۸۵۴ء ناشر مکتبہ امدادیہ ملتان)

۳۔۶۔ **فی ادنی الارض** ۔قریب کی زمین میں ۔مراد شام کا علاقہ ہے جوعرب کی سرحد سے قریب تھا۔ **بضع سنین** ۔تین(۳) سے نو(۹) سال کی مدت۔ **یَوْمَئِذٍ** ۔ یوم تغلب الروم ۔ جس دن رومی غالب آئیں گے(بیضاوی ۔ جلالین ۔ روح البیان)

الامر۔حکم۔ اختیار۔ معاملہ۔ حکومت۔ جب یہ بتادیا کہ میں اللہ خوب جاننے والا ہوں یعنی کوئی چیز میرے احاطہ علم سے باہر نہیں تو اب اپنے عالم الغیب ہونے کے ثبوت میں دو زبردست پیشگوئیاں فرمائیں اوّل یہ کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد اپنے دشمنوں پر نو(۹) سال کے اندر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کو اللہ کی مدد پہنچے گی اور وہ بہت خوش ہوں گے۔یہاں بدر کی فتح کی طرف اشارہ تھا جو اللہ کی خاص مدد سے ہی ممکن ہوئی۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ یہ بدر کا دن تھا۔ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے کہ ۶۲۴ عیسوی میں جنگ بدر ہوئی اور یہی وہ سال ہے جس میں قیصر روم نے ایران کو شکست دی اور ان کے سب سے بڑے آتشکدہ کو تباہ

کردیا۔قیصروکسریٰ کی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد اس طرح بھی فرمائی کہ اس زمانہ کی ان دونوں عظیم اور طاقتور حکومتوں کو باہمی جنگوں سے کمزور کردیا جس سے مسلمانوں کے لئے آئندہ فتوحات کی راہیں ہموار ہوئیں۔فرمایا تمام اختیار اور فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے پہلے بھی اختیار اسی کا تھا اور پیچھے بھی اسی کا ہوگا خواہ کسی کو فتح ہو یا شکست ، سب اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔گویا حکم اللہ کا ہی چلتا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔یہ پیشگوئیاں اس وقت کی گئیں جب یہ دونوں باتیں ناممکنات میں سے تھیں۔ رومی ایرانیوں سے بُری طرح پٹ رہے تھے اور شکست کھا چکے تھے۔ مسلمان مشرکین کے شدید مظالم کا شکار تھے اور حبشہ پناہ لینے پر مجبور ہوئے ان آیات سے مشرکین غصہ سے کھول اٹھے ۔اُبی بن خلف نے شدت سے انکار کیا کہ ایسا ممکن نہیں ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شرط لگائی کہ اگر تین سال تک اہل روم غالب نہ آئے تو میں دس اونٹ دوں گا اگر غالب آگئے تو تم سے دس اونٹ لوں گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ بضع کا لفظ ۹ نو تک کے لئے آتا ہے۔ اس لئے میعاد اور شرط دونوں کو بڑھادو۔ ابی بن خلف نے اسے منظور کیا۔چنانچہ طے یہ پایا کہ اگر نو سال کے اندر رومی غالب آگئے تو حضرت ابوبکرؓ سو(۱۰۰)اونٹ ابی بن خلف سے لیں گے۔ورنہ سو اونٹ حضرت ابوبکرؓ اسے دیں گے۔ ابی بن خلف نے اسے منظور کیا۔ ہجرت کے موقع پر ابی بن خلف کو اندیشہ ہوا کہ شاید حضرت ابوبکرؓ بھی ہجرت کرجائیں اس لئے اس نے آپ کو کفیل پیش کرنے کو کہا تاکہ اگر میعادِ مقررہ تک روم غالب نہ آیا تو میں اس سے اونٹ لے سکوں۔حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ کو کفیل بنادیا۔ جب روم جنگ جیت گیا تو ابی بن خلف مرچکا تھا ۔حضرت ابوبکرؓ کا صاحبزادہ اس کے بیٹے سے سو اونٹ لے کر مدینہ آیا۔ چونکہ یہ شرط کا مال تھا اس لئے آنحضرتﷺ نے اپنے لئے یا حضرت ابوبکرؓ کے لئے ناپسند فرمایا اور اسے صدقہ کردینے کا حکم دیا۔

آیت:۴ کی دوسری قرأت میں **سَيُغْلَبُون** کا لفظ ہے (بیضاوی) جس میں رومیوں کے دوبارہ مغلوب ہونے کی پیشگوئی ہے۔ ایسا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا اور رومیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی لیکن مکمل طور پر مغلوب نہیں ہوئے۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا ۔ اس لشکر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت ابنِ عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن زبیرؓ اور دیگر بہت سے صحابہؓ رسول شامل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ستائیس (۲۷) صحابہؓ رسول شہید ہوئے۔استنبول میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے جو اس جنگ میں باوجود پیرانہ سالی کے شامل ہوئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔یہ ایک عظیم

پیشگوئی ہے جو بار بار پوری ہو کر قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ پانچویں دفعہ یہ پیشگوئی سلطان محمد فاتح کے وقت میں کامل طور پر پوری ہوئی۔مسلمان سلطان محمد فاتح کی قیادت میں خشکی کی طرف سے حملے کرتے رہے لیکن قسطنطنیہ کا بادشاہ غالب آتا رہا۔ جب سلطان بیڑا لے کر قسطنطنیہ پر سمندر کی طرف سے حملہ آور ہوا تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحیاب کیا۔اس طرح یہ شہر ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہوا اور مسلمان قریباً ایک ہزار سال تک وہاں کے حکمران رہے۔ اس بحری مہم پر جانے والوں کے لئے آنحضرتﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔(اس حدیث کو قدرے اختصار سے لکھ رہی ہوں) حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتﷺ ام حرامؓ زوجہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کے گھر تشریف لے گئے وہاں کھانا کھا کر سو گئے۔ بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے۔ فرمایا میں نے اپنی امت کے بعض لوگوں کو جہاد کی غرض سے سمندر میں سفر کرتے دیکھا ہے۔ ام حرام نے عرض کی یارسول اللہ !دعا کیجئے میں بھی ان میں شامل ہوجاؤں۔ فرمایا تم ان میں سے ہو ۔اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کے لئے جنت واجب کردی ہے۔ آپؐ دوبارہ سوگئے اور پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے ۔ فرمایا مجھے اپنی امت کے وہ لوگ دکھائے گئے جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) میں داخل ہورہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی بخش دیا۔ ام حرام نے عرض کی یارسول اللہ! دعا کیجئے میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں تم ان میں سے نہیں ہو تم پہلے لشکر میں سے ہو۔(صحیح بخاری کتاب التعبیر باب الرؤیا بالنھار)

مسلمانوں کا پہلا بحری بیڑا حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں حضرت امیر ماویہؓ کی زیر نگرانی تیار ہوا۔ یہ اہل روم کے بحری حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تھا۔راستوں کے اعتبار سے نہایت دشوار گزار جزیرہ قبرص(CYPRUS) مسلمانوں نے بحری جنگ کے نتیجہ میں فتح کیا۔ امّ حرام اس میں شامل تھیں۔ عمر رسیدہ تھیں گھوڑے سے گر کر شہید ہوئیں ۔ قبرص میں آپ کا مزار ہے۔(صحیح بخاری کتاب الجھاد)''بعض ترکوں کا خیال ہے کہ ترکی کی فتح کی جو پیشگوئیاں کی گئی تھیں وہ معنوی طور پر ابھی پوری ہونے والی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ عظیم روحانی فتح انشاء اللہ العزیز حضرت مسیح موعودؑ کے غلاموں کے ہاتھوں امام وقت کی سرکردگی میں ہوگی ۔خدا تعالیٰ وہ دن جلد لائے''(الفضل انٹرنیشنل ۵ جون ۱۹۹۸ء) فرمایا ان فتوحات میں اللہ کا غالب اور رحیم ہونا بار بار ثابت ہوا۔ اس میں غالب آنے والوں کے لئے سبق ہے کہ وہ غالب آکر اللہ تعالیٰ کی صفت الرحیم کو نہ بھولیں یعنی مغلوب اقوام کے لئے ہمیشہ رحیم ثابت ہوں۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
وعدہ ہے اللہ کا نہیں خلاف کرتا اللہ وعدہ کا اپنے ولیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَ
نہیں جانتے وہ جانتے ہیں ظاہری بات زندگی ورلی سے اور

هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ
وہ آخرت سے غافل ہیں کیا نہیں سوچا انہوں نے

اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
دلوں میں اپنے نہیں پیدا کیئے اللہ نے آسمان اور زمین اور جو درمیان ان دونوں

اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
کے مگر ساتھ حق کے اور میعاد مقررہ کے اور یقیناً بہت سے لوگ

بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
ملاقات کی رب کے اپنے منکر ہیں کیا نہیں پھرے وہ زمین میں

۷۔۸۔ان تمام پیشگوئیوں کے بعد فرمایا کہ اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے ، وہ اپنے وعدہ کے خلاف کبھی نہیں کرتا مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے اس لئے کہ وہ پیشگوئیوں کے قانون سے واقف نہیں۔ وہ دنیا کی زندگی کو ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ظاہری معنوں میں جس انداز سے وہ سمجھ رہے ہیں اسی طرح پیشگوئی پوری ہو ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی نظر انجام پر ہے کہ اخروی اور روحانی لحاظ سے پیشگوئیاں پوری ہوں۔عام معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں مفاداتِ عاجلہ ہی ان کے مدِنظر ہوتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں یعنی کسی کام میں دور رس فوائد، اللہ کی رضا اور اس کی ملاقات جو اصل مقصود ہے، اس سے غافل ہیں۔

۹۔حق کا لفظ قرآن کریم میں باربار آتا ہے۔مفرداتِ راغب کے مطابق ''حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی ہے۔ لفظ حق کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔(۱) وہ ذات جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق اشیاء کو ایجاد کرے۔اسی معنی میں باری تعالیٰ پر حق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔(۲) ہر وہ چیز جو مقتضائے حکمت پیدا کی گئی ہو۔ اس اعتبار سے کہاجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کاہر فعل حق ہے۔(۳) وہ قول یافعل جو اسی طرح واقع ہو جس طرح پر اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت اس کا ہونا واجب ہے۔(۴) کسی چیز

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا
کہ وہ دیکھتے کیوں کر ہوا انجام ان لوگوں کا جو پہلے تھے ان سے وہ تھے

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ
زیادہ سخت ان سے قوت میں اور پھاڑا تھا انہوں نے زمین کو اور آباد کیا تھا انہوں نے اسے زیادہ

کے بارہ میں اُسی طرح کا اعتقاد رکھنا جیسا کہ وہ نفس واقع میں ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ بعث، ثواب وعقاب اور جنت و دوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے۔

دوسری کسی الہامی کتاب میں آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے اس کا ذکر نہیں ۔ آج سائنسدان قرآنی حقائق کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے درمیان Black Matter ہے جو کہ بے انتہا چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں۔جن کا مادہ کم از کم اتنا ہے جتنا کہ Inter Space Galaxies کا مادہ ہے۔جہاں بلیک میٹر نہیں وہاں Ether ہے۔ایتھر روشنی کی رفتار میں فرق نہیں پڑنے دیتا۔

قرآنی پیشگوئیوں نے جہاں مکّہ کے مشرکوں کے منہ بند کردئے وہاں گبن جیسے تاریخ ساز مستشرق کو انگشت بدنداں کردیا۔ بتایا کہ اگر کسی کو تاہ بین کو وہ تمام قرآنی پیشگوئیاں جو روز روشن کی طرح پوری ہوئیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی نظر نہیں آتیں تو وہ اپنے دل میں سوچے ،اپنے اندر جھانک کر دیکھے ۔ اس کا نفس بجائے خود اس پر شاہد ہے کہ کوئی اس کا خالق ہے۔اس داخلی گواہی کے بعد ظاہری گواہی کے طور پر مظاہرِ کائنات پر غور کرنے کی دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام اپنی خاص حکمت کے تحت ایک معین مدت کے لئے پیدا کیا ہے۔کیا اللہ تعالیٰ کی یہ تمام کاریگری ایک خالق کون و مکاں کا پتہ نہیں دیتی جس نے کمال حکمت سے یہ کارخانۂ عالم بنایا۔ جس میں ایک ہی قانون جاری وساری ہے ۔یہی خالقِ کُل ہے جس کی لقا انسان کی پیدائش کا مقصود ہے ۔لیکن افسوس لوگوں میں سے اکثر اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں حالانکہ عقیدہ آخرت کا انکار انسان کے اخلاقی بگاڑ کا سب سے بڑامحرک ہے جس کے تباہ کن نتائج سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔

۱۰۔۱۱۔**الذین اساءُوا** ۔ (سوء۔غم۔ بُرائی)جن لوگوں نے بُرائی کی ۔ **السُّوآی**۔ سوای سوء کی تانیث ہے ۔ بہت بُرا۔ الحسنٰی کے مقابلہ میں آتا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ اور بعث بعدالموت کے دلائل میں پہلے انسان کے نفس کو بطور گواہ پیش

مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا
اس سے جو آباد کیا انہوں نے اسے اور لائے ان کے پاس رسول ان کے دلائل پس نہ
كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝١٠
تھا اللہ کہ ظلم کرے ان پر ولیکن تھے وہ جانوں اپنی پر ظلم کرتے
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا
پھر ہوا انجام ان لوگوں کا جنہوں نے بُرائی کی بہت بُرا یہ کہ تکذیب کی تھی
ع ۲ ۱۱ ۴ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١١ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا
انہوں نے آیات کی اللہ کی اور تھے وہ ان سے ہنسی کرتے اللہ شروع کرتا ہے

کیا۔ پھر اس ضمن میں عجائباتِ قدرت پر غور وفکر کی دعوت دی اب گزشتہ اقوام کے عبرتناک انجام پر غور کرنے کی طرف متوجہ کیا اور سیاحت کی ترغیب دی کہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح ایک ہی جگہ جمے رہنے کی بجائے باہر نکلیں ، دنیا میں چلیں پھریں اور مکذبین انبیاء کا انجام دیکھیں۔ وہ عظیم الشان حکمران اور متمدّن اقوام جن کی ایک عالم پر حکومت تھی ان کے مادی عیش و آرام نے انہیں اپنے ربّ کی ملاقت سے غافل کئے رکھا۔ جب اس یاد دھانی کے لئے اللہ کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنی طاقت کے نشہ میں ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے اور نہ صرف پیغامِ حق کو جھٹلایا بلکہ ان کو تمسخر کا نشانہ بھی بنایا۔ پس بُرائی کرنے والوں کا حسرت ناک انجام ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کچل کر رکھا دیا۔ اللہ کے نزدیک تو اس کے سب بندے برابر ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لیکن جب اس کے پیاروں کو محض اعلائے کلمۃ اللہ کی پاداش میں مظالم کا نشانہ بنایا جائے تو اِن مجرمین کو دنیا میں بھی سزا ضرور دیتا ہے۔

قرآن کریم نے سیاحت کی افادیت پر بہت زور دیا۔ تبلیغ ، اشاعت دین اور حصولِ علوم کے علاوہ ایک سیاح کے لئے آثار قدیمہ کی سیاحت میں بے شمار عبرت کے نشان ہیں۔ ایسے ایسے صاحبِ جبروت بادشاہ جن کے محلوں کے قریب چڑیا پَر نہیں مار سکتی تھی، آج ان کی فرودگاہیں سیاحوں کے بوٹوں تلے پامال ہوتی ہیں ۔ یہ کوئی معمولی حکمران نہیں تھے ۔ انہوں نے زمین کے سینہ کو چیر کر اس کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو باہر نکالا، زرعی پیداوار کے علاوہ مختلف معدنیات سے انسان کو روشناس کرایااور اسے بنی نوع انسان کی بہبود پر صرف کیا۔ اُن کی بسائی ہوئی بستیاں اور شہران مخاطبین کی آباد کردہ بستیوں سے کہیں زیادہ تھے۔ لیکن اللہ کی نظر میں محض مادی ترقی اور تعمیری کام کسی قوم کی صالحیت کی دلیل نہیں کہ اللہ اس سے راضی ہے جب تک کہ اس کے تمام کام رضائے الٰہی کے تابع نہ ہوں اور ان کا مقصود اپنے ربّ کو راضی کرنا نہ ہو۔

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝١٢ وَيَوْمَ تَقُوْمُ
پیدائش پھر دوبارہ کریگا اُسے پھر طرف اس کی تم لوٹائے جاؤ گے اور جس دن قائم ہوگی
السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ
قیامت مایوس ہوجائیں گے مجرم اور نہ ہوں گے ان کے واسطے

تاریخِ عالم اور آثار قدیمہ کا مطالعہ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ کون سی طاقت تھی جس نے ان عظیم ترین مملکتوں اور تہذیب وتمدن کو ملیامیٹ کردیا ۔ پس چشم بینا کے لئے آثار قدیمہ میں بھی ہستی باری تعالیٰ کے کئی ثبوت ہیں۔ اگرچہ مرورِ زمانہ سے فراعینِ مصر کا نام و نشان تو باقی نہ رہا لیکن ان کے بنائے ہوئے اہرامِ مصر جو ان کے مظالم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انسانوں کو عبرت کا سبق دینے کے لئے ضرور موجود ہیں۔ مصر کی تہذیب جو کبھی دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیب کہلاتی تھی، اس کے سایہ تلے پروان چڑھنے والے مظلوم انسانوں نے بسا اوقات اپنی پوری زندگی صرف ایک ہرم کی تعمیر میں صرف کردی۔ جب مصر فتح ہوا تو خلیفہ وقت نے اپنے سب سے معمولی غلام کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تا کہ جس حکومت پر فرعون کو فخر تھا اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت ادنیٰ غلام حکمران ہو۔ (یہ غلام خلیفۂ وقت کے ہاتھ دھلانے پر مقرر تھا) (تاریخ اسلام)

۱۲۔ اس رکوع میں مومن اور کافر کے انجام کی وضاحت کی ، قیامت اور اس کے بعض احوال کا ذکر کیا تا کہ مومنین اعمالِ صالحہ میں ترقی کریں اور منکرین کے دلوں میں خوف پیدا ہو اور وہ اپنی اصلاح کریں۔ بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں کو بتایا کہ خلق کی ابتدا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا۔ پس جس نے بغیر مادہ و آلہ کے ایک عالم کو تخلیق کیا اس کے لئے اسے دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔

قرآن کریم بار بار اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی صفت خلق سے پیدائشِ عالم کو بار بار دہراتا ہے ۔ کائنات بار بار بنتی ہے اور مٹتی ہے ۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا کیونکہ اس کی ہر صفت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ بھی مراد ہے کہ انسان اور دیگر مخلوق ہمہ وقت خلق کی کیفیت میں رہتے ہیں۔ ان کا گوشت پوست، خون، ہڈیاں اور دیگر اجزا ہر وقت ضائع (Burn) ہوتے رہتے ہیں اور نئے بنتے رہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ بقول اطباء بارہ (۱۲) سال بعد ان کے جسم کی کوئی چیز پہلے والی نہیں رہتی۔ یہی صورت قوموں کے خلق کی ہے کہ وہ بنتی اور مٹتی رہتی ہیں۔

۱۳۔ **السّاعۃ**۔ تباہی کی گھڑی ہے اس دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۳ وَيَوْمَ

انکے شرکاء میں سے سفارشی اور وہ ہوں گے شرکاء سے اپنے منکر اور جس دن

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝۱۵ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

قائم ہوگی قیامت اس دن وہ جُدا جُدا ہو جائیں گے پس وہ جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝۱۶

ایمان لائے اور (جنہوں نے) کی تھیں نیکیاں پس وہ باغ میں آراستہ کئے جائیں گے

یہ مایوسیاں دنیا میں بھی وارد ہوتی ہیں۔جیسا کہ فتح مکہ کے روز ابوسفیان جیسا جہاندیدہ سردار بے بس اور مایوس ہوگیا اور اس کے لئے قبولِ اسلام کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس کی وفاداری کا دعویٰ کرنے والوں نے بلال کے جھنڈے تلے پناہ لینے میں ہی اپنی عافیت جانی۔ قیامت کو بھی ایسا ہی ہوگا اور منکرین سخت مایوسی کا شکار ہوں گے۔ کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے اور اپنی بداعمالیوں پر مصر تھے جبکہ قیامت کو حساب کتاب کا مرحلہ درپیش ہوگا۔

۱۴۔مشرکین کے خود ساختہ معبود ہی ان کے شرک کا باعث تھے۔خواہ یہ پتھر کی مورتیاں تھیں یا بعض انبیاء وغیرہ کے مجسمے جن سے بعض خدائی صفات منسوب کرکے ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے اور انہیں خدا تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔قیامت کے دن ان معبودانِ باطلہ میں سے کوئی ان کی شفاعت نہیں کرے گا اور وہ خود اپنے بنائے ہوئے معبودوں کا انکار کریں گے گویا ان پر کھل جائے گا کہ ان کے مزعومہ شرکاء میں سے کوئی بھی کسی خدائی صفت میں ہرگز شریک نہیں۔

۱۵۔فرمایا قیامت کے دن مومن اور کافر الگ الگ ہوجائیں گے۔ دنیا میں بھی ایسا ہوگا جب اسلامی انقلاب برپا ہوگا تو علاقائی ، نسلی اور لسانی تفریق مٹ جائے گی۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں دی جائے گی۔ عزت کا نشان صرف دین حقہ اور اعمالِ صالحہ ہوگا۔ ذلت و رسوائی منکرین حق اور اعمالِ بد کرنے والوں سے منسوب ہوجائے گی۔

قرآن کریم پر جتنا غور کرتے جائیں ، اتنی ہی ایمان و ایقان میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور قرآن کریم کا من جانب اللہ ہونا ثابت ہوتا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ''**الیوم**'' کا لفظ ۳۶۵ مرتبہ آیا ہے اور سال میں اتنے ہی دن ہوتے ہیں۔اسی طرح قرآن مجید میں ''**اشھر**'' کا لفظ ۱۲ مرتبہ آیا ہے اور سال میں بارہ ہی مہینے ہیں۔

۱۶۔**یحبرون**۔لفظی معنی وہ تعظیم کئے جائیں گے۔ آؤ بھگت کئے جائیں گے۔ایسا خوش کرنا کہ اس کے چہرے پر اس خوشی کے آثار ہوں۔**فی روضۃٍ یحبرونَ**o کے معنی ہیں کہ وہ

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ

اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا آیات کو ہماری اور ملنے کو آخرت کے

فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝۱۷ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ

تو یہ لوگ عذاب میں حاضر کئے جانیوالے ہیں پس پاک ہے اللہ جب تم

تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝۱۸ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ

شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو اور واسطے اس کے ہے سب تعریف آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝۱۹ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

اور زمین میں اور شام کے وقت اور جب تم دوپہر کرتے ہو وہ نکالتا ہے زندہ کو

جنت میں اس قدر خوش ہوں گے کہ وہاں کی خوشیوں کی تروتازگی کا اثر ان کے چہروں سے ہویدا ہوگا۔(مفردات) الحبر عالم کو کہتے ہیں جمع احبار ہے۔اس لئے کہ لوگوں کے دلوں پر اس کے علم کا اثر باقی رہتا ہے اور لوگ اعمال حسنہ میں اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ قیامت کے دن جب مومن اور کافر الگ الگ ہوجائیں گے تو وہ مومنین جو ایمان لانے کے بعد نیک اعمال بجالائے وہ ایک عالی شان باغ میں شاداں و فرحاں ہوں گے۔انہیں ہر قسم کی خوشیوں کے سامان مہیا ہوں گے۔وہ نئی نئی نعمتوں سے نوازے جائیں گے خوشیاں ان کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی ہوں گی۔ قرآن کریم میں ہمیشہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ آیا ہے۔اس لئے کہ بیشک ایمان مذہب کا اصل الاصول ہے۔مگروہ ایک باطنی چیز ہے۔ جسے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ زبان سے ایمان کا ظاہری اقرار ہر شخص کرسکتا ہے۔ اسی لئے اعمال صالحہ کو ایمان کی پہچان قرار دیا گیا ہے۔

۱۷۔قیامت کے روز دوسرا گروہ ان بدبخت لوگوں کا ہوگا ۔جنہوں نے اللہ کے دین اوراس کے رسول کا انکار کیا۔ اللہ کی نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

قرآنِ کریم نے ایمان کے ساتھ نیک اعمال کو لازمی قرار دیا جو جنت کا مستحق بناتا ہے۔ کفر کے ساتھ بداعمال کا ذکر نہیں بلکہ نشاناتِ الٰہیہ اور لقاءِ آخرت کو جھٹلانے کا ذکر کیا جو جہنم تک پہنچانے کا موجب ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ نشاناتِ الٰہیہ اور لقاءِ آخرت کو جھٹلانا ہی تمام بدیوں کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس لئے بطور خاص نیک اعمال کے مقابلہ میں بداعمال کا ذکر نہیں۔

۱۸،۱۹۔**تُمسون** مساء صباح کی ضد ہے۔ شام۔ **تُمسون**۔تم شام میں داخل ہوتے ہو۔ **عَشِیًّا** ۔ **عشّی** ۔بعد دوپہر۔ تیسرے پہر۔زوال آفتاب سے طلوع فجر کا وقت گویا رات بھی اس میں داخل ہے ۔ **تظھرون**۔تم دوپہر گزارتے ہو۔

قیامت کے احوال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ جنتیوں کو اخروی نعمتیں ، درجات ِعالیہ اور عزت وتکریم اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور ذکر وصلوٰۃ سے حاصل ہوئی اور جہنمیوں کی رسوائیوں کا سبب ان کی افعالِ حسنہ سے پہلوتہی تھی۔

پس اے میرے بندو! تم اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدوسیت بیان کرو۔ شام کو بھی اور صبح کو بھی۔ اسی کے لئے حمد ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔پس تیسرے پہر بھی اور ظہر کے وقت بھی اسی کی تسبیح کرو اور اسی کی حمد و ثنا کے گیت گاؤ۔اس لئے کہ قدوسیت اور حمد اسی کو سزاوار ہے۔غرض تمہارا کوئی لمحہ بھی اللہ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا سے خالی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور اذکار میں نماز سب سے افضل ہے۔ اس لئے اس میں نماز بدرجہ اَولیٰ داخل ہے ۔جمہورعلماء نے ان دونوں آیات سے پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے استدلال کیا ہے۔ تاہم ان آیات اور قرآن کریم کی دیگر آیات کو پڑھ کر جن میں نماز کا حکم ہے کسی کے لئے بھی نماز کی تعداد ،ارکان اور نماز کے وقت کا تعین کرنا ممکن نہیں تھا۔ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل نے یعنی احادیث مبارکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے مومنین کی رہنمائی فرمائی۔ پس منکرینِ حدیث کا قرآن کریم پر سوفیصد ایمان نہیں ہوتا۔

قرآنی ترتیب میں شام کو صبح پر مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں رات مقدم ہے کیونکہ غروب آفتاب سے تاریخ بدلتی ہے ۔نیز روحانیت کے لحاظ سے بھی شام صبح پر مقدم ہے۔ دن کے آخری حصہ کو ظہر پر فضیلت دینے کی وجہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے جو نماز عصر ہے ۔یہ وقت کام کاج کے لحاظ سے زیادہ مصروفیت کا سمجھا جاتا ہے جس میں نماز اور ذکر الٰہی وغیرہ کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔چونکہ عشیًا میں رات بھی داخل ہے اور رات کا روحانیت سے خاص تعلق ہے اس لئے بھی اسے ظہر پر مقدم رکھا۔

ان تمام اوقات میں انسانی زندگی کے مختلف ادوار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔کبھی اس کا آفتابِ اقبال انتہائی بلندیوں پر ہوتا ہے ،کبھی زوال پذیر،کبھی عروج کی طرف گامزن اور کبھی اندھیروں میں غائب ہوجاتا ہے۔باری تعالیٰ کی تسبیح وتحمید سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ہوتا ہے کہ اس کی ذات پاک ہر عیب اور نقص سے منزہ ہے جبکہ انسان کمزور ہے اس کی زندگی میں مختلف حالات کا پیش آنا اس کے اصلاحِ نفس کے لئے ہے یا کسی مصلحتِ الٰہی کی بناپر یا پھر یہ آزمائشیں اس کے شامتِ اعمال کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

رات اور دن میں قوموں کے عروج و زوال کی طرف بھی اشارہ ہے نیز روحانی طور پر بھی

الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ
بے جان سے اور نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو بعد

مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ ع ۲ ۹
موت کے اسکی اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے اور نشانات سے اسکے یہ ہے کہ اس نے پیدا کیا تم کو ۵

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ
مٹی سے پھر اچانک تم انسان (بنکر) پھیل جاتے ہو اور

قوموں پر کبھی جہالت کی اندھیری رات آتی ہے اور کبھی علم وعرفان کا روشن دن طلوع ہوتا ہے۔

۲۰۔اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کے اظہار اور اس کی عبادت کی تاکید کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت میں بعض حقائق کو بیان فرمایا۔یہاں بھی روحانی مُردوں اور زندوں کا ذکر ہے کہ تم میں کئی مُردے مثل ابوجہلؔ ہیں جس سے عکرمہؔ جیسے زندہ لوگ پیدا ہوں گے۔اسی طرح وہ خالق و مالک روحانی طور پر مردہ اقوام سے زندہ قومیں پیدا کرتا ہے۔**کذٰلک تخرجون** سے بھی یہی مراد ہے کہ تمہیں بھی مُردہ حالت سے زندہ کیاجائے گا۔مجاہدؔاور حسنؔ نے بھی اسے روحانی موت وحیات تسلیم کیا ہے یعنی کافر سے مومن اور مومن سے کافر کا پیدا ہونا مراد لیا ہے۔

مُردہ یعنی خشک زمین کازندہ ہونا اس کا سرسبز و شاداب ہونا ہے آج سائنسدان فی الحقیقت نباتات میں زندگی کا پایا جانا تسلیم کرتے ہیں۔ بتایا کہ جس طرح آسمانی پانی سے مردہ زمین جی اٹھتی ہے اور لہلہانے لگتی ہے اسی طرح مردہ اقوام بھی وحی الٰہی کے آسمانی پانی سے ہی زندہ ہوتی ہیں اور ترقی کی منزلیں طے کرنے لگتی ہیں۔

اگر ظاہری معنی لئے جائیں تو مٹی سے انسان کا پیدا ہونا اور مرکر مٹی میں مل جانا مراد ہے پھر اسی مٹی سے نئی زندگی پھوٹتی ہے۔ پس اسی مٹی سے تمہارا بعث ہوگا۔

۲۱۔پچھلے رکوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اس رکوع میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اورحکمتِ بالغہ کے چھ(۶)مظاہر کو بعث بعد الموت اور توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا۔ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ** کے الفاظ چھ(۶)آیات کے شروع میں ہیں جن سے یہ چھ(۶) مظاہرعیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانوں میں سے ایک عظیم نشان انسان کی پیدائش ہے۔بیشک پہلے تراجم بھی درست ہیں۔لیکن اُس زمانہ میں ان جدید حقائق سے پردہ نہیں اٹھاتھا۔ قرآن کریم جو قیامت تک کے لئے ہدایت ہے ، اس کے نئے نئے معانی زمانہ کی ضرورت کے مطابق ظاہر ہوتے رہتے ہیں جو اس کی حقانیت کا ثبوت ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بیان کرتے ہیں کہ یہاں آدمؑ کا نہیں بلکہ انسان کی پیدائش کا ذکر ہے۔سائنسدانوں کا خیال ہے کہ زندگی مختلف جگہوں

اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا

نشانات سے اسکے یہ کہ پیدا کیں اس نے واسطے تمہارے جانوں سے تمہاری بیویاں تاکہ آرام پاؤ

اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

طرف انکی اور بنائی درمیان تمہارے محبت اور رحمت یقیناً اس میں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (۲۲) وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ

البتہ نشانات ہیں واسطے لوگوں کے جو غور وفکر کرتے ہیں اور نشانات میں سے اس کے پیدائش ہے

پر پھوٹی ہے اور ابتدا میں مٹی سے ہی پھوٹی ہے پھر کروڑوں سال کے ارتقائی منازل سے گزر کر انسان اس مقام تک پہنچا کہ بشر کہلانے کے قابل ہوا۔ پھر یہ بشر ساری دنیا میں پھیلتے چلے گئے۔

جب زندگی پھوٹی تو دنیا اکٹھی تھی۔ ابھی براعظم الگ نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں سمندر درمیان میں حائل ہوتے گئے اور خشکی کے قطعے الگ الگ ہوگئے۔ انڈونیشیا اور آسٹریلیا کے درمیانی جزیروں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کشتیوں پر لوگ پہنچے۔ یہ نہایت جفاکش لوگ تھے۔ ان طویل اور دشوار سفروں میں کئی کشتیاں ڈوب بھی جاتی تھیں۔

۲۲۔ انسان کی پیدائش کی ابتدا اور اس کی بقا کے ذکر کے بعد بقائے نوعِ انسانی جو مرد اور عورت کے ملنے سے حاصل ہوتا ہے اس کی وضاحت کی کیونکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تمہارے اندر ہی سے تمہارے جوڑے پیدا کئے۔ آج سائنس ثابت کرتی ہے کہ مٹی سے جو کچھ پیدا کیا وہ زندگی کی ابتدائی شکل تھی۔ شروع میں مذکر اور مونث کی تقسیم نہیں تھی۔ جانور بیچ میں دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوجاتے تھے۔ تعلق کا آغاز اس وقت ہوا جب دونوں نے اجتماعی کوششوں سے بیج پانی میں چھوڑے۔ دونوں فریق اپنا اپنا ٹکڑا کاٹ کر پانی میں چھوڑ دیتے تھے۔ پھر یہ پانی میں ہی مل جاتے تھے۔ بعد میں یہ عمل پیٹ میں ہونے لگا اور پیٹ میں نر و مادہ بننے شروع ہوئے اس طرح زندگی مختلف مراحل سے گزری۔ زندگی جب دوسرے مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو خاص خدائی اشارے سے ہوتی ہے اور ان کی جبلت میں یہ صلاحیتیں پیدا کی جاتی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کا بندوں پر بہت بڑا احسان یہ تھا کہ میاں بیوی کے دلوں میں محبت اور رحم کا جذبہ پیدا کردیا۔ فرمایا **لتسکنوآ الیھا** تاکہ تم سکون کے لئے اس کی طرف جھکو۔ سکون اس کو تبھی ملے گا جبکہ وہ اپنی بی بی کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتا ہوگا اور یہ سمجھے گا کہ جیسا سکون

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ

آسمانوں کی اور زمین کی اور اختلاف زبانوں کا تمہاری اور رنگوں کا تمہارے

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (۲۳) وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ

یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں جاننے والوں کے لیے اور نشانات میں سے اس کے سونا ہے تمہارا

مجھے اپنے گھر سے ملے گا باہر میسر نہیں آسکتا۔ تب وہ صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے لئے سکون کا باعث ہوں گے اور اس طرح ایک بہترین معاشرہ وجود میں آئے گا۔ نکاح کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان گناہوں سے بچیں اور اپنی بیبیوں میں سکون اور آرام پائیں اور نیک بخت بیبیاں بھی خود کو ایسا ہی ثابت کریں۔ عورتیں طبعاً نازک مزاج اور کمزور ہوتی ہیں اس لئے پیار اور رحم کی زیادہ حقدار ہیں۔ ایک دوسرے سے پیار اور جذبہ رحم کے بعد اس رشتہ کی پختگی میں تقویٰ اور خدا تعالیٰ کا خوف سب سے اہم ہے۔ اسی لئے انسانی فطرت کے نبض شناس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح میں ان آیات کا انتخاب فرمایا جن میں تقویٰ اور خشیت الٰہی کا ذکر تھا۔ جہاں بغیر نکاح ازدواجی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں وہاں علیحدگی کی شرح بہت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ بھی تقویٰ اور خوفِ خدا کی کمی ہے نیز ان کی ازدواجی زندگی میں ناکامی کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ بچوں کی پیدائش کو روکا جاتا ہے جو اس رشتہ کی استواری میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

جن اقوام نے انسان کی پیدائش اور بقائے نوع انسانی کے تعلق میں تمام امور پر غور وفکر کیا انہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت میں لاتعداد نشانات اور دلائل ملے۔

۲۳۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق قدرت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ لیکن انسانوں کی **السنہ** اور **الوان** کا اختلاف بھی قدرتِ خداوندی کا خاص اعجاز وکمال ہے۔ پچھلی آیت کی مناسبت سے یہاں بتایا کہ انسانوں کے اندر دوستی اور ترحم کا جذبہ ان کی زبان اور رنگ ونسل کے فرق میں حائل نہیں ہونا چاہیئے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر کے ساتھ ہی زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہ تنوع زبان اور رنگ ونسل تک محدود نہیں، کائنات کی ہر شے میں باوجود اس حقیقت کے کہ بنیادی اکائی ایک ہی ہے تنوع پایا جاتا ہے اور ایک ہی نوع کی کوئی شے دوسری سے نہیں ملتی یہاں تک کہ ایک پتہ بھی دوسرے پتے سے نہیں ملتا۔ اسی تنوع میں حُسن ہے اور یہی احسن الخالقین کی واحدانیت کا ثبوت ہے۔ قرآن کریم وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے اربابِ علم وبصیرت کو نہ صرف آسمانوں اور زمین کے راز ہائے بستہ پر غور وفکر کی دعوت دی بلکہ مختلف زبانوں اور مختلف رنگ ونسل کی اقوام پر تحقیق کی طرف بھی متوجہ کیا۔ دنیا میں مختلف خطوں کی

بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

رات کو اور دن کو اور تلاش کرنا ہے تمہارا فضل اس کا یقیناً

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۲۳ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ

اس میں البتہ نشانات ہیں واسطے لوگوں کے جو سنتے ہیں اور نشانات میں سے اپنے وہ دکھاتا ہے تم کو

آب و ہوا اور دیگر کئی عوامل کے باعث مختلف نسلوں کی زبانوں اور رنگوں کے اختلافات میں بھی اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں اور مصلحتیں مخفی ہیں۔افسوس انسانوں نے زبان اور رنگ ونسل کے فرق کو عزت اور ذلت کا نشان بنالیا یہانتک گورے کو حکمرانی اور کالے کو غلامی کے لئے مخصوص سمجھنے لگے اور محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بھول گئے کہ کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں۔ بلکہ عزت کا نشان صرف تقویٰ ہے۔اس دور میں سائنسدان تہِ زمین اور بالائے آسمان تسخیرِ زماں و مکاں میں کوشاں ہیں۔ ان کی جدوجہد اور جستجو کی لگن انہیں کہکشاؤں تک لے گئی ہے اور چودہ بلین نوری سال تک کے سیاروں کا مشاہدہ کرنے کے دعویدار ہیں۔لیکن کائنات کی لامحدود وسعتوں کے سامنے وہ خود کو ہنوز طفلِ مکتب سے زیادہ نہیں سمجھتے۔اور اپنی کم مائگی کا برملا اظہار کرتے ہیں۔فطرت کا تناسا عظیم سائنسدان اور مفکر آئزک نیوٹن جس نے صرف انتالیس(۳۹) سال عمر پائی اور اپنے انکشافات سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا لکھتا ہے !میں اپنے کام میں کھویا ہوں۔ کیا یہ دنیا میرے متعلق کیا جانتی ہے ۔مگر میں اپنی نظر میں خود کو ایک چھوٹے بچے کی شکل میں دیکھتا ہوں۔ جو علم کے سمندر کے کنارے کھیل رہا ہے۔ وہ اپنا دل بہلانے کے لئے ایک ملائم پتھر ڈھونڈ لیتا ہے۔کبھی کوئی گھونگا تلاش کرلیتا ہے۔وہ شیل(Shell) جو عام شیل سے زیادہ خوبصورت مل جائے جبکہ عظیم الشان سچائی کا سمندر اس کے سامنے پڑا ہے اگر وہ بچہ خود کو عالم کہہ سکتا ہے تو ۔۔۔۔۔

۲۴۔ فضل کا لفظ روحانی اور دنیوی دونوں نعمتوں پر اطلاق پاتا ہے ۔لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ خاص طور پر دنیوی نعمتوں کے لئے آیا ہے اور متعدد مواقع پر دولت کو خیر اور فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان عموماً رات کو آرام اور دن کو کام کرتا ہے۔ لیکن ایسا ضروری نہیں ۔حالات اور ضرورت کے مطابق انسان رات اور دن کے مختلف اوقات میں آرام بھی کرتا ہے اور تلاش معاش کے لئے جدوجہد بھی کرتا ہے۔

پچھلی آیت میں تخلیق کائنات اور اختلاف زبان و الوان کا ذکر تھا جس میں صاحب علم لوگوں کے لئے نشانیاں تھیں ۔ضروری نہیں کہ ہر انسان میں غور وفکر کی ایسی صلاحیت ہو اور وہ

الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

بجلی خوف پیدا کرتے ہوئے اور طمع دلانے ہوئے اور اتارتا ہے بادل سے پانی

فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

سو زندہ کرتا ہے ساتھ اسکے زمین بعد موت کے اسکی یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۲۴ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ

ان لوگوں کیلئے جو عقل کرتے ہیں اور نشانات میں سے اسکے یہ ہے کہ قائم ہوتا ہے آسمان اور

عجائباتِ قدرت سے آگاہ ہوسکے۔اس آیت میں جن حقائق کی طرف توجہ دلائی ان کو ایک عام ذہن کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے فطرت کی پکار یا ایک ناصح کے چند الفاظ ہی انہیں بینا کردینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ پس اگو کوئی شخص غور وفکر نہیں کرتا یا اس کا علم محدود ہے تو یہ کم علمی ہدایت کے حصول میں مانع نہیں **یسمعون** میں اشارہ کیا کہ وہ عقلمندوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان کی باتیں سن کر صحیح نتائج پر پہنچ سکتا ہے اور ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔اس قادرِ مطلق کے بڑے بڑے نشانوں میں سے ایک ، انسان کے لئے رزق کی فراہمی ہے۔ اس نے انسان کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اسے زندہ رکھنے اور اس زندگی کو بھر پور طریقے سے گزرانے کے لئے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت تھی وہ سب مہیا فرمائے اور زمین و آسمان کی تمام قوتوں کو انسان کے رزق کی بہم رسانی پر لگا دیا اور انسان کو وہ تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور طاقتیں عطا فرمائیں جن سے اپنا رزق حاصل کرسکتا ہے ۔ کیا یہ سارا نظام ایک خالق کے وجود پر دال نہیں۔اس میں نیک و بد کی کوئی تفریق نہیں۔ جن لوگوں نے بھی قوانینِ خداوندی کے تحت کوشش کی عام طور پر ان نعمتوں کو حاصل کرلیا۔

انسان کی زندگی کو قائم رکھنے اور اس کی کھوئی ہوئی توانائیاں بحال کرنے میں خداتعالیٰ کی ایک اور نعمت کا بھی اہم کردار ہے اور وہ نیند ہے ۔تلاشِ معاش کی جدوجہد میں تھکاہارا انسان نیند کی آغوشِ عاطفت میں سکون اور آرام پاتا ہے اور چند گھنٹوں میں اس کی کھوئی ہوئی توانائیاں بحال ہوجاتی ہیں اور وہ ہر قسم کی ذہنی اور جسمانی مشقت کے لئے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ نیند کی افادیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر چند روز نیند نہ آئے یا کسی کو بعض مصنوعی طریقوں سے سونے سے بازرکھا جائے تو وہ شخص اپنا ذہنی اور جسمانی توازن کھودیتا ہے یا کم ازکم اس پر منفی اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔

۲۵۔انسان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں میں سے برق و باراں کا ذکر کیا جن پر دنیوی

الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ

زمین حکم سے اس کے پھر جب بلا دے گا تم کو بلانا زمین سے

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اچانک تم نکل جاؤ گے اور واسطے اس کے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

زندگی کا مدار ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت میں پیش کیا کیونکہ یہ سارا ادق و اکمل نظام ایک صانع حقیقی کے وجود کا پتہ دیتا ہے جس کی کنہ تک پہنچنا صرف عقلمندوں کا کام ہے۔بجلی سے خوف ایک قدرتی امر ہے جو بعض اوقات انسانوں کے جان و مال کے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہے لیکن بجلی کے بے حدوحساب فوائد سے بھی عقلمندانسان غافل نہیں ۔بجلی فضا میں آکسیجن اور ہوا کو برقانے کا اہم کام سرانجام دیتی ہے جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو ارد گرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں کچھ مقدار کھاد کی بھی شامل ہوتی ہے ۔بارش کا ہر قطرہ اس بیش بہا ذخیرے کو ہمراہ لے کر زمین پر اترتا ہے۔نائٹروجن دنیائے نباتات کی غذا ہے اور نباتات پر زندگی کا انحصار ہے۔پس سیاہ گھٹاؤں میں بجلی کا ہر تبسم خشک زمین کے لئے پیامِ حیات ہے۔جس طرح آسمانی بارش سے مردہ زمین میں آثارِ حیات پیدا ہوتے ہیں ، وہ لہلہانے لگتی ہے اور مخلوق کی بقا کا سامان فراہم کرتی ہے اسی طرح روحانی آسمانی پانی کے نزول پر انسان کی خُفتہ روحانی صلاحتیں بیدار ہو کر ہر سونیکی اور خیر پھیلاتی ہیں اور بنی نوعِ انسان کو روحانی مائدہ سے مستفیض کرکے ان کے روحانی احیا کا موجب بنتی ہیں۔جس طرح بعض انسانی امراض کا علاج بجلی سے کیاجاتا ہے اسی طرح زمین کی کئی بیماریوں کا علاج آسمانی بجلی کرتی ہے نیز کئی قسم کے موذی جراثیم اور فاسد مواد بجلی کی چمک سے تباہ ہوجاتے ہیں۔آسمانی بجلی میں بے پناہ طاقت ہے لیکن کوئی دانشور اس دیو کو مسخر نہیں کرسکا کہ اس سے کماحقہٗ استفادہ کرسکتے ۔ فضامیں ہر مربع میل میں دو کروڑ ٹن نائٹروجن ملتی ہے۔ قدرت کے یہ وسیع خزانے کسی مردِ جری کے انتظار میں ہیں جو ان کو قابو کرکے بنی نوع انسان کی بہبود پر خرچ کر سکے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

۲۶۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے جو اس کی واحدانیت پر دلیل ہے کہ کروڑہا کروڑ عظیم الشان اور عظیم الجثہ کُرّے یعنی اجرامِ فلکی اور زمین کا یہ چھوٹا سا کُرّہ فضا کی لامحدود وسعتوں میں بغیر کسی ظاہری سہارے کے محض اللہ تعالیٰ کے حُکم اور حکمت سے معلق اور قائم ہیں۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

سب اس کے فرمانبردار ہیں اور وہی ہے جو شروع کرتا ہے پیدائش پھر

اس رکوع میں اپنی قدرت کی نشانیوں میں ان تمام عوامل کو بیان کرنے کے بعد جن پر دنیوی حیات کی بقا کا مدار ہے ، اب انسان کو حیات اخروی کی طرف توجہ دلائی جو اس کی زندگی کا اصل مقصود ہے ۔پچھلی آیات کے تمام حقائق کو بیان کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا کچھ اندازہ کرکے اپنے انجام پر ہر وقت نظر رکھے اور حسبِ استطاعت اس کے لئے تیاری رکھے ۔اس لئے کہ وہ بلاوا اچانک آئے گا۔دنیا میں انفرادی طور پر بھی اور آخرت میں اجتماعی طور پر بھی جب ایک ہی پکار سے زمین سے تمہارا خروج ہوگا۔

۲۷۔مَــن کا لفظ ذی روح کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ستاروں پر مخلوق کی نشاندہی کرتا ہے۔گزشتہ آٹھ دس برسوں میں ہونے والے سائنسی انکشافات کی بنیاد پر کائنات کے دوسرے سیاروں پر زندگی کے امکان کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ ضروری نہیں کہ دوسرے سیاروں پر بھی ہم جیسی ہی مخلوق آبادہو۔ اس بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں دی جاسکتی تاہم ماہرین کو بھروسا ہے کہ کائنات کے لامتناہی سلسلے میں پھیلی ہوئی اندازاً سو (۱۰۰) ارب کہکشاؤں میں کہیں نہ کہیں زندگی ضرور موجود ہے۔

جنوری ۱۹۶۰ء میں امریکہ کی نیشنل ریڈیو ایسٹرا نامی رسدگاہ کو قریب ترین سیاروں سے ایسے سگنل ملے جسے اس سلسلہ کی پہلی کامیابی قرار دیا گیا۔اس کے بعد ناسا(Nasa) کو ان گنت دنیاؤں سے عجیب وغریب زبانوں میں سرگوشیاں اور سگنل سنائی دینا شروع ہوئے جس میں مردانہ اور زنانہ آوازیں تھیں۔جنوری ۱۹۹۸ء میں امریکی خلائی ادارے ناسا کے پاس نامعلوم سیارے سے اندازاً اسّی (۸۰) ہزار برس قبل بھیجا جانے والا ایک سگنل موصول ہوا۔ایک بین الاقوامی ہفت روزہ کے مطابق اس چونکا دینے والے پیغام کے بارے میں عالمی پریس خاموش ہے۔ مشہور روسی سائنسدان کولاف کے مطابق یہ سگنل ہماری کہکشاں سے آگے واقع کسی مقام سے آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تہذیب ہماری طرح ترقی یافتہ ہے اور ان کا علم اور تیکنیک ایسی ہے جس کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ڈاکٹر کولاف نے ذرائع ابلاغ کو اس کا متن فراہم کرنے سے انکار کردیا لیکن اتنا ضرور بتایا کہ یہ پیغام ''Help us'' کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔حال ہی میں امریکہ کے مشہور ماہر فلکیات اور سائنسدان پروفیسر فرینک ڈیراک نے ایسا نظریہ پیش کیا جس پر عمل کرکے کائنات میں موجود ترقی یافتہ تہذیبوں کا پتہ لگایا جاسکتا ہے جو کائنات کے دور دراز گوشوں میں بکھری ہوں گی۔

پروفیسر فرینک کے مطابق ہماری اپنی کہکشاں میں ایسی دس(۱۰) ہزار سے زائد تہذیبیں موجود ہیں جو ہمارے رابطے کا انتظار کررہی ہیں۔

ناسا نے کروڑوں ڈالر کی لاگت سے ایک پروگرام شروع کیا ہے جس سے کائنات میں پوشیدہ دوسری مخلوق کو تلاش کیا جائے گا۔ اس پروگرام کو Extra Terrestrial Search for Intelligence کانام دیا گیا ہے۔ جس میں دنیا بھر کے سائنسدان اور ماہر فلکیات شب و روز کائنات کی دوسری تہذیبوں کا پتہ لگانے میں مصروف ہیں۔ گزشتہ سال دو نوجوان جاپانی سائنسدانوں نے ایک عجیب وغریب نظریہ پیش کیا جس کے مطابق انسان کے پیٹ کی آنتوں میں ایک ایسا بیکٹیریا پایا جاتا ہے جو خلائی مخلوق کو سگنل دینے کے لئے بہترین پیغام کنندہ ثابت ہوسکتا ہے۔ان سائنسدانوں نے وائرس میں موجود D.N.A کوڈ کا تفصیلی معائنہ کیا تو انکشاف ہوا کہ اس وائرس کے کوڈ کو تین مختلف طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ کوئی بھی جدید تہذیب اس وائرس کو جدید ترین ٹیکنیک کی مدد سے ایک پیغام رساں وائرس میں تبدیل کرسکتی ہے اور پھر اسے کائنات کی وسعتوں میں موجود دوسری خلائی مخلوق کے لئے روانہ کرسکتی ہے۔ ان کے مطابق وائرس کے ذریعہ پیغام رسانی کا نظام مختلف وجوہات کی بنا پر ریڈیائی ٹرانسمیشن کے نظام پر فوقیت رکھتا ہے۔اس میں کسی رسیور یا اینٹنا کی ضرورت نہیں رہتی۔یہ وائرس قدرتی طور پر اتنی صلاحیت رکھتا ہے کہ کائنات میں کسی جگہ بھی مخصوص موسمی مادوں میں نہایت آسانی کے ساتھ خود کو برقرار رکھتا ہے بلکہ افزائش نسل بھی کرسکتا ہے۔یوں اس کے اندر پیغام ہمیشہ کے لئے موجود رہتا ہے۔جسے کوئی ذہین خلائی مخلوق پڑھ سکتی ہے۔ہارورڈ یونیورسٹی میں سائنسدانوں نے اس وائرس پر پیغام ریکارڈ کرایا ہے اور اس کی ایک ارب کا پیاں تیار کی ہیں تاکہ ان کو Inter Galaxy Bug کے ذریعہ فضا میں روانہ کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں ہارورڈیونیورسٹی کی سائنسدان جل ٹارٹر کا یہ پیغام ریکارڈ کرایا گیا ہے''We Are here''(تلخیص و ترجمہ جناب علاؤالدین۔ جنگ سنڈے میگزین ۱۸ /مارچ ۲۰۰۱ء) بیشک ان سے رابطہ قائم ہوسکتا ہے لیکن وہاں تک رسائی ناممکنات میں سے ہے۔اس لئے کہ کائنات کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے ایک سال میں ساٹھ کھرب میل کا فیصلہ طے کر لیتی ہے۔ دور کے ستارے جو جدید ترین دور بینوں سے دیکھے گئے ہیں وہاں سے روشنی ہم تک پہنچے کے لئے چھ ارب سال کا عرصہ لیتی ہے۔

آسمان و زمین اگر فضا میں قائم ہیں تو ان قوانین کی وجہ سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روزِ آفرینش سے اپنی تمام مخلوق کی جبلت میں نقش کردئے ہیں اور وہ ان قوانین پر عمل کرنے کی پابند

يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي

دوبارہ کرے گا اسے اور یہ آسان ہے اس پر اور اس کے لیے مثال ہے اعلیٰ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ ضَرَبَ ع ۸

آسمانوں اور زمین میں اور وہ عزت والا حکمت والا ہے بیان کی اس نے

لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ

تمہارے لیے ایک مثال جانوں سے تمہاری کیا ہے واسطے تمہارے ان سے کہ مالک ہوئے

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ

دائیں ہاتھ تمہارے کوئی شریک اس میں جو دیا ہم نے تم کو پس ہو تم

فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

اس میں برابر ڈرتے ہو ان سے جیسا کہ ڈرنا ہے تمہارا جانوں سے اپنی اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ

ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیات واسطے ان لوگوں کے جو عقل کرتے ہیں بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے

ہے خواہ سورج چاند ستارے ہوں یا اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق وہ ان فطری قوانین سے جو ان کی جبلت میں رکھ دئے گئے ہیں سرموانحراف نہیں کرسکتے اور ان پر کامل فرمانبرداری سے عمل پیرا ہیں۔ ان قوانینِ فطرت پر غور وفکر کے نتیجہ میں آج سائنسدان آسمانوں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور قدرت کے کئی راز ہائے بستہ کو بے نقاب کررہے ہیں۔یہ وہی قوانین ہیں جو سیب کو ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف گراتے ہیں اور انسان کی نیچے سے اوپر کی طرف پرواز میں روک ہیں سوائے اس کے کہ کسی مصنوعی طاقت کا سہارا لیا جائے اور یہ طاقتیں بھی اسی علیم وحکیم کے قوانین ازلی کے تابع ہیں۔

۲۸۔**مَثَــل**۔مثال ۔کہاوت۔ حال اور قصہ وغیرہ ۔یہاں مراد صفت اور شان ہے۔ہستی باری تعالیٰ اور عقیدہ معاد پر کئی دلائل دینے کے بعد اس رکوع کی آخری آیت میں اسی تعلق میں اس دلیل کو پیش کیا کہ جب کسی چیز کا بھی کوئی وجود نہیں تھا تب باری تعالیٰ نے بغیر کسی مادہ یا آلہ کے محض اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے سب کچھ پیدا کردیا تو اب اس کے لئے اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے ۔یقیناً یہ اَمر اس کے لئے نہایت آسان ہے ۔ اس لئے بھی کہ آسمانوں اور زمین میں اس کی صفات سب سے اعلیٰ ہیں ۔ ایک عاجز انسان اس کی صفات کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اگر وہ پیدائش عالم کو باربار دہراتا ہے تو یہ عبث نہیں۔اسے کامل غلبہ حاصل ہے اور اس کا ہر کام گہری حکمت اور مصلحت کے تحت انجام پاتا ہے۔

۲۹۔ پچھلے رکوع میں توحید کے دلائل میں متعدد نشانیاں بیان فرمائیں ، وہی دلائل بعث

ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ
جنہوں نے ظلم کیا اپنی خواہشات کی بغیر علم کے پس کون ہدایت دیوے جس کو
اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۰ فَاَقِمْ وَجْهَكَ
گمراہ کیا اللہ نے اور نہیں ان کے لیے کوئی مددگار پس قائم رکھ اپنی توجہ کو

بعد الموت کو ثابت کرتے تھے۔ یہاں سے سورۃ کے آخر تک خالصۃً توحید کا بیان ہے۔ پچھلی آیات میں تمام کائنات اور کائناتی قوتوں کا ذکر تھا جو خالقِ دوجہاں کی پیدا کردہ ہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ کیا مخلوق کسی صفت میں بھی اپنے خالق کے برابر ہوسکتی ہے؟ اب تمہاری اپنی مثال کے ذریعہ اسے واضح کیا کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم اپنے مال ومنال اور نعمتوں میں جو تمہاری اپنی نہیں بلکہ تمہارے خالق کی عطا کردہ اور مستعار ہیں اپنے غلام کو اس طرح شریک کرلو کہ تم دونوں برابر ہو جاؤ۔ بلکہ اسے اپنے اختیار و اقتدار میں بھی اس طرح شریک کرو کہ تم اس سے اس طرح خوف کھانے لگو جس طرح اپنے جیسے صاحبِ اقتدار سے خوف کھاتے ہو۔ تم ایسا کبھی بھی نہیں کروگے حالانکہ بطور انسان تم دونوں برابر ہو۔ جب تم اپنے جیسے ایک انسان کو اپنے برابر تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور نہ اسے اپنے برابر حقوق دینے کو تیار ہو۔ تو ایک ادنیٰ مخلوق کو خالقِ کون و مکاں کے ہمسر کیونکر ٹھہراتے ہو۔ فرمایا اسی طرح ہم عقلمندوں کے لئے حقائق کو خوب کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کسی بھی قانون کے لاگو ہونے سے تمام مخلوق مال ودولت اور دیگر صلاحیتوں میں برابر ہوجائے۔ یہ تفریق قائم رہے گی لیکن اسلامی تعلیم اور قوانین کے تحت امیر اور غریب کا فرق کم ہوجائے گا نیز غریب کی عزت نفس بحال ہوگی۔ کیونکہ اسلام میں عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے نہ کہ مال و دولت۔ جبکہ سرمایہ داری نظام میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے اور مخلوقِ خدا کا استیصال ہوتا ہے۔

۳۰۔ شرک کے بیان میں شرک خفی کا ذکر کیا جو شرک کی طرح ظلم کے مترادف ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ علم الٰہی کی روشنی کے بغیر اپنی خواہشات کے تابع زندگی کی راہیں استوار کرتے ہیں۔ ایسے ظالم گویا اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنالیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر محض اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا۔ اس نے ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو خوب واضح کردیا ہے اس کے باوجود اگر کوئی گمراہی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے گمراہ قرار دے دیتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا۔ ایسے گمراہ کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ
دین کے لیے فرمانبردار بن کر فطرت ہے اللہ کی جس نے پیدا کیا لوگوں کو اس پر
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ
نہیں تبدیلی اللہ کی مخلوق میں یہ دین ہے قائم رہنے والا ولیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۱ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ
اکثر لوگ نہیں جانتے جھکنے والے اس کی طرف اور اسی کا تقویٰ کرو

۳۱۔ **حنیف** جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں مختلف بیرونی شہادتوں کے بعد اس آیت میں ایک اندرونی شہادت کے طور پر نفس انسانی کو پیش کیا کہ توحید کا بیج انسانی جبلت میں موجود ہے۔ فطرتِ انسانی اس کا انکار نہیں کرسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مشرک بھی ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں۔ **فاقم** میں یہ امر ظاہر کیا گیا ہے کہ پہلی شریعتیں اپنی اصل پر قائم نہیں رہیں پس ہدایت پانے کا یہی طریقہ ہے کہ تو اپنی ساری توجہ کو اس دین حنیف پر قائم رکھ۔ قرآنِ کریم کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت سے اس طرح ہے کہ ایک آیت کے کئی کئی معانی ہیں۔ یہاں بھی حنیفاً، وجھک کے ساتھ بھی لگ سکتا ہے اور للدّین کے ساتھ بھی۔ پس یہ معنی بھی ہیں کہ تم اللہ کی طرف ہی ہمیشہ مائل رہتے ہوئے اپنی توجہ دین پر مرکوز رکھو۔ گویا تمہارے تمام اقوال و افعال، حرکات وسکنات اسی کی محبت کے تابع ہوں۔ یہی دین حنیف ہے اور یہی وہ الٰہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ بخاری شریف میں ہے الفطرۃ الاسلام یعنی فطرت اسلام ہے۔ گویا اسلام ہی دینِ فطرت ہے اور اسلام کی تعلیم اور تمام اصول واحکام فطرتِ انسانی کے عین موافق ہیں۔ یعنی ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ نیک فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (مسلم کتاب القدر باب کل مولود یولد علی الفطر۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ) اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ گویا جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں اسلام کا بیج موجود ہوتا ہے پھر ناقص تربیت، غلط ماحول، بدصحبت اور والدین کا غلط رویہ اسے صحیح راستہ سے ہٹا کر بُرائی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ تاہم انسان طبعاً بھلائی کی طرف ہی مائل رہتا ہے۔ اس فطری جذبے کو کتنا ہی دبادیا جائے، فطرت کی روشنی بجھتی نہیں کوئی نہ کوئی چنگاری سلگتی رہتی ہے، ہر گناہ پر فطرت اسے ضرور ملامت کرتی ہے اور اسے سکونِ قلب حاصل نہیں ہوتا اگر شامت اعمال سے اس کے دل پر مہر نہ لگ گئی ہو۔ یعنی اس کی فطرت اتنی مسخ نہ ہوگئی ہو کہ اسے بُری باتیں اچھی

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۲﴾ مِنَ

اور قائم رکھو نماز اور نہ ہو جاؤ مشرکوں میں سے ان

لگنے لگیں۔**لاتبدیل لخلق اللّٰہ** ط یعنی اصل فطرت جس پر انسان کو پیدا کیا اسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتاانسان کی فطرت میں توحید اور اسلام کا بیج ہے۔پس حق کو پہچاننے کی صلاحیتیں اور استعدادیں بہر حال قائم رہتی ہیں۔ جو نیکی کی طرف اس کی رہبری کرتی ہیں اور حق کو پہچاننے میں مد ہوتی ہیں اور آخر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان اور مجاہداتِ صیحہ اسے اپنے ربّ سے ملا دیتے ہیں ۔**لاتبدیل لخلق اللّٰہ** ط کا جملہ اگرچہ بصورتِ خبر ہے لیکن گرامر کے لحاظ سے اس کے ایک معنی امر کے بھی ہیں ۔پس یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ کی خلق میں تبدیلی نہ کرو۔ یہ معنی آج کے زمانہ پر اطلاق پارہے ہیں جبکہ Cloning سے انسانی خلق اور بعض دوسری مخلوق میں تبدیلی لائی جارہی ہے اور اس کے بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں ۔(تشریح کے لئے سورۃ النساء :۱۲۰)پس یہی دین قیم وہ نظام زندگی ہے جو نہایت محکم ہے اور تمہاری فطرت کے عین مطابق ہے۔لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور دیگر مذاہب میں سکون کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں ۔

۳۲۔اسلام فطرت کا مذہب ہے۔اب اس دین قیم پر قائم ہونے والوں کی صفات بیان فرمائیں اور توحید کے عملی پہلو کا ذکر کیا اس لئے کہ محض زبان سے توحید کا اقرار کافی نہیں۔بلکہ اپنی تمام صلاحیتوں اور طاقتوں کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنا ،اس کا تقویٰ اختیار کرنا یعنی ہر برائی سے بچنا اور نیکی پر قائم ہونا اور نماز جو اللہ سے تعلق قائم کرنے کا واحد ذریعہ ہے اسے اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنا ، دین قیم میں داخل ہونا ہے ۔نماز کو قربِ الٰہی پانے کا واحد ذریعہ اس لئے کہا کہ نماز ہی دین کا ستون ہے۔اگر اس پر مضبوطی سے قائم ہوگئے اور تمہاری نمازیں سدھر گئیں تو **الصّلوٰۃَ تنھٰی عن الفَحشآ ءِ والمنکر** ۔ (۲۹۔۴۶)تمہاری نمازیں تمہاری بدیوں کو دور کرنے کی خود ضمانت دیتی ہیں۔نماز کے ساتھ ہی بتایا کہ مشرکوں میں سے نہ بنو۔گویا تارکِ نماز میں شرک کا کوئی حصہ ضرور ہے جو وہ اللہ کے وقت میں کسی اور کو شریک کرتا ہے اور اللہ کے حضور حاضری اور اس کی ملاقات کے مقابلہ میں کسی اور امر کو فوقیت دیتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ’’کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ ’’جو کچھ مجھ سے روایت کرو پہلے کتاب اللہ پر غور کرلو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہوگی تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی ورنہ نہیں‘‘۔آپ فرماتے ہیں ’’سو میں نے اس حدیث کو **من ترک الصّلوٰۃ متعمدًافقد کفَرَ**۔ قرآن سے مطابق کرنا چاہا اور تیس (۳۰) سال اس بارہ میں فکر کرتا رہا۔ مجھے

اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا

لوگوں میں سے جنہوں نے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو اور ہو گئے کئی گروہ ہر گروہ (کے لوگ) ساتھ اسکے جو

لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ

ان کے پاس ہے خوش ہیں اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو تکلیف پکارتے ہیں اپنے رب کو

یہ آیت ملی۔**واقیموا الصّلوٰۃ ولاتکونوامن المشر کین**‘‘۔(الحق لدھیانہ صفحہ۳۸)پس ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ مقربین الٰہی قرآن کریم پر کس قدر تدبّر کرتے ہیں۔

۳۳۔دین قیم پر قائم اعمال حسنہ بجالانے والے مقربین الٰہی کے ذکر کے بعد ان میں سے کمزور اعمال والوں کو جنہوں نے خاص طور پر نمازوں سے پہلوتہی کی ،مشرکین کہہ کر مخاطب کیا۔ فرمایا ان لوگوں نے امتِ واحدہ کو جو توحید پر قائم تھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے کئی فرقوں میں تقسیم کردیا یعنی توحید الٰہی جو دین کا اصل الاصول تھی اس پر قائم نہ رہے۔جیسا کہ اہل تشیع نے حضرت علیؓ،امام حسنؓ امام حسینؓ کی شان میں غلو کیا یاجیسے بعض فرقے حضرت پیرانِ پیریا حضرت داتا گنج بخش اور بعض دوسرے اولیاء اللہ کے مزاروں پر ماتھے ٹیکتے، ان سے مرادیں مانگتے اور بعض خدائی صفات ان سے منسوب کرتے ہیں۔ایسا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا یہ آیت بھی آج کے زمانہ پر اطلاق پارہی ہے جب امتِ واحدہ تہتر (۷۳)فرقوں میں تقسیم ہوچکی ہے ، ہرفرقہ خود کو ہدایت پرسمجھتا ہے اور اسی پر خوش ہے۔ان میں سے کون سافرقہ ہدایت پر ہے یہ جاننے کا طریق پچھلی آیت میں واضح کردیا گیا ہے کہ جو بھی خدا کی طرف جھک کر تقویٰ اختیار کرتے ہوئے نمازوں کو حرزِ جان بنائے گا اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی صحیح راہ کی طرف ضرور رہنمائی فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گمراہی میں بھٹکنے نہیں دیتا۔اگر اس کی فطرت میں نیکی اور ہدایت پانے کی لگن ہے تو ضرور ہدایت عطا فرماتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے استخارہ کا طریق بتایا۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر بھی وہ حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے ۔۔۔۔۔بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔صحابہ نے دریافت فرمایا کہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔ (ترمذی کتاب الایمان باب افتــراق ھٰـذہ الامۃ ۸۹/۲)آنحضرت ﷺ نے مسیح ومہدی کے متعلق ستر (۷۰)احادیث میں اطلاع دی اور اسے ماننے کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جب

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا
جھکتے ہوئے اس کی طرف پھر جب چکھائی ان کو اپنی طرف سے رحمت جھٹ

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ
ایک گروہ (کے لوگ) ان میں سے رب کا اپنے شرک کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ ناشکری کرینگے اسکی جو دیا ہم نے انکو

تم اس کو (مہدی) دیکھو تو اس کی بیعت کرو۔(یعنی اس کی جماعت میں شامل ہوجاؤ) خواہ برف کے پہاڑوں پرسے گھسٹ کر اس کے پاس پہنچنا پڑے۔(ابن ماجہ۔ابواب الفتن۔باب خروجِ المہدی) آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جس نے مہدی کا انکار کیا۔اُس نے کفر کیا۔(حج الکرامہ۔صفحہ ۳۵۱)ابن سیرین بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! امام مہدی بعض انبیاء سے بھی افضل ہوں گے۔(حج الکرامہ صفحہ ۳۶۳)شیعہ مفسرین لکھتے ہیں کہ مہدی و مسیحؑ کا درجہ آنحضرت ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر ہوگا کیونکہ وہ رسول ﷺ کی تصویر ہوگا اور بقول شیعہ مفسرین تمام ائمہ سے بڑھ کر ہوگا ، پہلے لوگوں کو ان پر فخر ہونا چاہیئے۔ریاض الصالحین میں جو حضرت امام نوویؒ شارح مسلم کا ایک مشہور انتخاب ہے اس میں المسیح ابن مریم کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات ہیں اور آپ کے صحابہ کے ساتھ رضی اللہ عنھم کے۔(ریاض الصالحین صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ المکتبة المیسریة الکائنة الحمیة الطبقة الثانیة)نیز دیکھیں(ریاض الصالحین صفحہ ۶۳۴، ۶۳۵ مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور پاکستان)(حدیقۃ الصالحین مرتبہ حضرت ملک سیف الرحمٰن مرحوم صفحہ ۷۴۹)

۳۴۔ انسان کی فطرت میں توحید ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مشرکین کو بھی جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو باوجود توحید پر ایمان نہ ہونے کے اُس آڑے وقت میں اپنے تمام معبودانِ باطلہ کو بھلا کر اپنی کلی توجہ کو ایک خالق و مالک کی طرف مرکوز کرکے انتہائی عاجزی سے اسے پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی جو اپنے بندوں پر نہایت شفیق ورحیم ہے ان کی گزشتہ کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرکے ان کی تضرع میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ان کی پریشانیوں کو دور کردیتااور ان کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ خداتعالیٰ کے احسانوں کو بھلا کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور اپنے ربّ کے اختیار و اقتدار میں دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہیں جیسا کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان پریشانیوں یا تکالیف کو دور کرنے میں ہماری بعض تدابیر کا دخل تھایا یہ ہمارے پیر و مرشد کے اعجاز کا کمال تھا یا یہ کہ ڈاکٹر اچھا مل گیاوغیرہ وغیرہ۔

فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ
سو فائدہ اُٹھاؤ سو ضرور تم جان لوگے یا اتاری ہم نے اوپر ان کے

سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاِذَآ
دلیل پس وہ باتیں کرتی ہے اس کی جسے ہیں وہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے اور جب

اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
چکھائی ہم نے لوگوں کو رحمت خوش ہوتے ہیں اسکے ساتھ اور اگر پہنچتی ہے ان کو برائی

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ
انکے بدلے میں جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے اس وقت وہ ناامید ہوجاتے ہیں کیا نہیں دیکھا انہوں نے

۳۵۔اس شرک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں یعنی ہمارے احسانوں کا انکار کرتے ہیں۔ربّ رحیم بھی انہیں دوبارہ بلاؤں میں گرفتار نہیں کرتا بلکہ انہیں عارضی فوائد سے متمتع ہونے دیتا ہے اور ان کی سزا کو آخرت پر موخّر کردیتا ہے یا دنیا میں ہی ان کی سزامیں تاخیر ڈال دیتا ہے کہ شاید اپنے ربّ کی طرف رجوع کریں۔

۳۶۔**یتکلم** ۔وہ بات کرتا ہے۔دلیل کا کلام کرنا بطور مجاز ہے۔مراد دلالت کرنا ہے۔فطرتِ انسانی میں توحید کی روشنی ہے۔جو شرک کی ظلمتوں کو باربار دباتی ہے۔توحید کے ثبوت میں متعدد دلائل دے کر فطرتِ انسانی کو جھنجوڑا کہ انسان اس فطری روشنی کو کیوں قبول نہیں کرتااور اپنے اندر کی آواز پر کیوں کان نہیں دھرتا کہ خالق و مالک بس ایک خدا ہے۔کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے جو شرک کی تائید میں بولتی ہے۔گویا شرک کی تائید میں کسی مذہب میں بھی کوئی دلیل نہیں۔

۳۷۔انسانی زندگی کے دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا کہ کمزورایمان والے لوگ دکھ اور سکھ دونوں حالتوں میں شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں عزت دولت ، طاقت اور دیگر دنیوی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اتراتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ ان سارے خدائی انعامات میں ان کا اپنا حصہ کچھ بھی نہیں ۔ وسائل اس نے دئے،اعضا وجوارح اس کی عطاہیں ، طاقتیں اور صلاحتیں اُس کی عنایت کردہ ہیں،مواقع اس نے فراہم کئے۔غرض بجائے اللہ کا شکراداکرنے اور ان نعمتوں کو بندگانِ خدا کی بہبود پر خرچ کرنے کے وہ ان نعمتوں کے حصول کو اپنا ذاتی کمال سمجھنے لگتے ہیں اورعطا کرنے والے کو بھول جاتے ہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں ہوتا اس لئے یہ دنیوی فراوانیاں اور آسائشیں انہیں بُری راہوں کی طرف لے جاتی ہیں اور وہ اپنی بداعمالیوں،

اَللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

یہ کہ اللہ پھیلاتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگی کرتا ہے یقیناً اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ

البتہ نشانات ہیں واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں پس دے رشتہ داروں کو ان کا حق اور

الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

مسکینوں کو اور مسافروں کو یہ بہتر ہے واسطے ان لوگوں کے جو

بداعتدالیوں،کوتاہیوں اور ناشکرگزاری کی وجہ سے مختلف بلاؤں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین کامل نہیں ہوتا اور نہیں سمجھتے کہ جو لے سکتا ہے وہ دے بھی سکتا ہے اس لئے مصیبتوں، بلاؤں اور پریشانیوں کی وجہ سے مختلف عوارض کا شکار ہوجاتے ہیں۔مایوسی اور افسردگی انہیں گھیر لیتی ہے۔بعض اوقات دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور بعض حالات میں تو خودکشی کا ارتکاب بھی کرلیتے ہیں۔

۳۸۔زوال نعمت پر اس قدر تلملانے والوں نے کیا یہ نہیں دیکھا کہ رزق کی تقسیم رزّاقِ حقیقی نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے۔رزق کی کشادگی اور تنگی میں مومنین کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رازق حقیقی اور مختار کل ہونا ثابت ہوتا ہے دوسرا یہ کہ ان آزمائشوں سے مومنین کے لئے قُربِ الٰہی کی راہیں کھلتی ہیں۔امراء انفاقِ فی سبیل اللہ سے اور غرباء و مساکین صبر اور شکر سے قربِ الٰہی پانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔صبر اور شکر کا مقام بھی ہر شخص کا الگ ہے۔ایک بزرگ حج پر گئے تو مدینہ میں ایک مشہور ولی اللہ کو ملنے گئے۔ولی اللہ نے دریافت فرمایا کہ صبر اور شکر سے کیا مراد لیتے ہو۔بزرگ نے فرمایا یہی کہ کچھ مل جائے تو اللہ کا شکر ہے۔ نہ ملے تو صبر ہے۔ولی اللہ نے فرمایا۔یہ صبر اور شکر تو مدینہ کے کُتوں میں بھی ہے۔بزرگ نے فرمایا۔پھر آپ ہی بتلایئے۔ ولی اللہ فرمانے لگے!اگر مجھے کچھ نہیں ملتا تو میں اپنے ربّ کا شکر کرتا ہوں ان بہت سی دیگر نعمتوں کی وجہ سے جو مجھے میسر ہیں۔ اگر کچھ مل جائے تو بانٹ دیتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔یہ تو ولی کاملؒ کا صبر اور شکر ہے۔تاہم غرباء کے لئے رضائے الٰہی حاصل کرنا امراء کی نسبت آسان ہے۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتا ہے ۔(بیہقی)

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۹﴾

چاہتے ہیں توجہ اللہ کی اور یہ لوگ ہی کامیاب ہونیوالے ہیں

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا

اور جو دیا تم نے سود تاکہ بڑھے مالوں میں لوگوں کے پس نہیں

يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ

بڑھتا پاس اللہ کے اور جو دو تم زکوٰۃ چاہتے ہو تم

وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

رضامندی اللہ کی پس یہ لوگ ہی دوگنا کرنے والے ہیں اللہ (وہ ہے) جس نے

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ

پیدا کیا تم کو پھر رزق دیا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو کیا ہے کوئی

۳۹۔اب مخلوقِ خدا کی خدمت میں دینِ فطرت کا اصل الاصول بیان کیا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا کی ہے انہیں چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اپنا مال خوشدلی سے خرچ کریں اور اللہ کے عطا کردہ مال اور رزق کو مستحقین تک پہنچائیں۔یہ ان کا حق ہے جو اللہ کی طرف سے انہیں ملا ہے۔تمہارا احسان نہیں ۔ اس حق میں مالی و بدنی امداد اور زبانی ہمدردی سب شامل ہے یہاں زکوٰۃ مراد نہیں کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی۔رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر اللہ کی منشا کے مطابق خرچ۔کروگے تو کمی نہیں آئے گی۔اگر سمیٹ سمیٹ کر رکھو گے تو تمہارے مال اور رزق میں وسعت پیدا نہیں ہوگی۔حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!اے اسماء!خیر کے رستہ میں خرچ کیا کر اور گنِ گنِ کر نہ دے ورنہ اللہ بھی تمہارے حق میں گننا شروع کردے گا اور انفاق سے بچنے کے لئے بہت زیادہ حفاظت نہ برتو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی حفاظت کرنا شروع کردے گا اور کم ازکم جو تجھ سے ہو سکے اس کے دینے میں دریغ نہ کر۔(بخاری و مسلم) حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ ذوِی القرباء کا حق اس شخص کے لئے جس کو مالی وسعت حاصل ہے یہ ہے کہ مال سے اس کی امداد کرے جس کو یہ وسعت حاصل نہ ہو اس کے لئے جسمانی خدمت اور زبانی ہمدردی ہے۔ (قرطبی) اگر ذوِی القرباء صاحبِ ثروت ہیں تو بھی حُسنِ سلوک واجب ہے۔ رضائے الٰہی پانے کے یہی طریق ہیں۔ حقوق العباد ادا کرنے والے اپنے ان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے مفلحین میں شامل ہوں گے یعنی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے ۔

۴۰۔ زکوٰۃ کے اصل معنی اس نمو یا زیادتی کے ہیں جو برکتِ الٰہیہ سے حاصل ہو۔اس کا

شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ، سُبْحٰنَهٗ
تمہارے شریکوں میں سے جو کرے اس میں سے کچھ بھی پاک ہے وہ

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ع
اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں ظاہر ہوگیا فساد خشکی اور تری میں

تعلق دنیاوی چیزوں سے بھی ہے اور اخروی امور کے ساتھ بھی ۔زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں برکت کی امید ہوتی ہے یا اس لئے کہ اس سے نفس پاکیزہ ہوتا ہے۔(مفردات)

اَلْمُضْعِفُوْن۔ الضَّعفُ کمزوری ہے اسی سے ضُعف ہے جبکہ **الضِعفُ** دوگنا کے معنی دیتا ہے۔ **المُضعِفُون**۔ دوگنا کرنے والے ۔بڑھانے والے۔

جب توحید کے دلائل سے ثابت ہوا کہ رزق کی کشائش وقبض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو غلط ذرائع سے اموال حاصل کرنے سے روکا۔ بظاہر انسان دوسروں پر خرچ کرکے اپنا مال کم کرتا ہے لیکن اللہ کے نزدیک اس کا مال بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہوتا ہے اور وہ خارق عادت اس میں برکت ڈال دیتا ہے۔ اگر اس تعلق میں کبھی آزمائشیں آئیں تو بھی اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں ہونا چاہیئے ۔ اس کے فضل سے ضرور ہے کہ انجام بخیر ہو۔ جیسا کہ اس کا وعدہ ہے ۔**فانّ مع العُسریسرًاoانّ مع العسریُسرًاo**(۹۴:۶و۷)قرآن کریم نے انسانی نفسیات کے پیش نظر احکامِ حرمت کو بتدریج نازل فرمایا۔ یہ سود کی مذمت میں پہلی آیت ہے جس میں اپنا روپیہ کسی مالدار کے مال کے ساتھ تجارت وغیرہ میں لگانے کی مذمت کی۔ اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ مالک کو نفع ہو یا نقصان پیسہ لگانے والے کو ایک مقررہ رقم ملتی رہتی ہے ۔یہ حرام ہے۔ اگر مال لگانے والا نفع اور نقصان میں برابر کا شریک ہو تو یہ جائز ہے۔سود کا کُلّی استیصال حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہوا جب سود در سود کی بیخ کنی کی گئی جس سے غریبوں کا خون چوسا جاتا ہے اور جو سود کی بدترین شکل ہے۔پس وہ سود جس میں مقروض کے استیصال کا عنصر شامل ہو خواہ سود ہو یا سود درسود آج بھی یک قلم منسوخ کرنا ہوگا سود کی یہ دونوں قسمیں کلی طور پر حرام ہیں ۔ آج ہر قسم کے سود کا خاتمہ یکدم ممکن نہیں ۔ایسا تدریجی طور پر ہی کرنا پڑے گا۔اسی طرح زکوٰۃ اپنے معروف معنوں میں مدینہ میں رائج ہوئی۔ یہاں زکوٰۃ کا وہی مفہوم ہے جو پچھلی آیت میں بیان ہوا یعنی انفاق فی سبیل اللہ۔

۴۱۔سود کے ذکر کے ساتھ ہی (جس پر آج اقوام عالم کی معیشت کا انحصار ہے) بعض

بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
(ان کاموں) کی وجہ سے جو کئے ہاتھوں نے لوگوں کے تاکہ چکھا دے ان کو کچھ (نتیجہ) اس کا جو

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۲﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
انہوں نے کام کئے تاکہ وہ لوٹ آئیں تو کہدے سیر کرو زمین میں

صفاتِ باری تعالیٰ بیان فرمائیں اور آخرت کا ذکر کیا کہ اگر سودی نظام چھوڑنے سے بظاہر دنیوی فوائد نظر نہ آئیں تو بھی اس کا چھوڑنا اُخروی فوائد کا ضامن ضرور ہے۔

توحید کے ثبوت میں انسان کی پیدائش کا ذکر کیا کہ اللہ تعالےٰ نے اسے پیدا کرکے بے سروسامان نہیں چھوڑ دیا اس کے رزق کی فراہمی کے وسائل اس کی پیدائش سے پہلے خلق کئے اور اس کے مادی رزق کے علاوہ روحانی رزق کا بھی انتظام فرمایا پھر انسان کی موت اور اس کی اُخروی حیات ہے۔کیا تمہارے خود ساختہ شرکاء میں سے بھی کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرنے پر قادر ہو۔

اگر آج بعض افراد یا اقوام رزق کی محرومی کا شکار ہیں تو ایسا ان کے نظامِ معیشت کی ناہمواری اور عدل کے فقدان کی وجہ سے ہے ۔وہ یہ بھول گئے ہیں کہ ہمیں مرنا اور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے مقررکردہ قوانین کے تحت دنیا میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا اور نہ اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہ سکتا ہے۔

۴۲۔اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بحر سے سمندر مراد نہیں ہے بلکہ بحر سے زرخیز علاقے مراد ہیں اور بَرّ سے جنگلات (مفردات راغب) استعارۃً بحروبر کے معانی یہ بھی ہیں۔**البَحر**۔ تری۔وہ جن کو پانی دیا گیا۔ یعنی شریعت اور کتابیں رکھنے والے۔**البرّ**۔ خشکی۔ وہ جن کو اس روحانی پانی سے حصہ نہیں دیا گیا ۔لامذہب۔اس رکوع میں بتایا کہ تمام عالم میں فساد پھیل چکا تھا۔آمدِ اسلام سے ایک عظیم روحانی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی ہے جس کے آثار ظاہر ہورہے ہیں۔

توحید کا ذکر جاری تھا اس آیت میں توحید کے سب سے بڑے علمبردار اور منادی سرورِ کائنات ،فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کا حال بیان فرمایا کہ کس طرح آپؐ کی قوتِ قدسی اور فیضان جاریہ سے ایک مشرک معاشرہ موحّد معاشرہ میں بدل گیا۔یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس چھوٹی سی آیت میں زمانوں کی تاریخ رقم کردی۔ ہمارے

آقاومولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ظہور مبارک اس وقت ہوا جب بحروبرّ میں فساد برپا تھا کہیں امن نہیں تھا ۔ تمام عالم میں جنگ و جدل، فسق و فجور اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ اس زمانہ کی دو عظیم طاقتوں ایران اور روم نے امنِ عالم کو تہ و بالا کیا ہوا تھا اور آپس میں برسرپیکار تھیں (دیباچہ سورۃ الروم)۔روحانی لحاظ سے حالات اور بھی بدتر تھے ۔یہ سب ان کی اپنی سیہ کاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے تھا۔ روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں خدائے واحد کی پرستش ہوتی ہو۔ توحید کی جگہ شرک ، جہالت اور اعمالِ سیّۂ نے لے لی تھی ۔خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت سجا رکھے تھے اور اہل ہند ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے پجاری تھے (الحکم جلد۵ نمبر۲۱۔۱۰رجون ۱۹۰۱ء صفحہ۳) عیسائیت کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی ۔ سرولیم میور اور پادی فنڈل جیسے مخالفین حق نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ عیسائیت میں سخت بگاڑ پیدا ہوچکا تھا ۔گویازمانہ کی حالت ایک زبردست ہادی اور مصلح کا تقاضا کررہی تھی۔ چنانچہ ایسے وقت میں جب بت پرستی اور شرک اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، نبی کامل افضل الرسل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپؐ پر قرآن حکیم کی صورت ایک کامل ہدایت نازل ہوئی ۔ جس میں عقائدِ باطلہ کی تردید اور بندوں کی ہدایت کے تمام سامان تھے۔ یہ آپ کی قوتِ قدسی کا کمال تھا کہ مردے زندہ ہوگئے اور اندھے دیکھنے لگے۔ کفروشرک کے بادل چھٹ گئے اور بندگانِ خدا اسلام میں داخل ہو کر اس کی تقویت کا باعث بننے لگے۔ جو اس خدائی نور کو نہ پہچان سکے اور آپؐ سے برسرپیکار ہوئے ان کے اعمال کی کچھ سزا انہیں دنیا میں ہی ملی۔ اس سزا کا نتیجہ تھا کہ توحید کی طرف رجوع کیا۔آپؐ دنیا کے کامیاب ترین انسان تھے۔دینی لحاظ سے بھی اور دنیوی لحاظ سے بھی۔ آپؐ کو جو کامیابی اور سعادت نصیب ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی ۔غرض آپؐ کا ظہور ہوا تو **ظهرالفساد فی البروالبحر** والا نقشہ تھا اور جب آپؐ کا وصال ہوا تو **اذاجـآء نـصـرالـلّـه والفتحُ** ٥ کی سند آپؐ کو مل چکی تھی۔

الـلّٰهُم صلِّ علىٰ مُحمَّدٍ وّعلىٰ اٰلِ مُحمَّدٍ كما صلَّيت علىٰ ابراهيم وعلىٰ اٰلِ ابراهيم انّكَ حميدٌمجيدٌ۔ روح المعانی میں ہے کہ اس آیت کا حکم ہر اس فساد کے لئے عام ہے جو قیامت تک ظاہر ہو۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! معاملات شدت اختیار کر جائیں گے ۔ دنیا پر ادبار چھاجائے گا۔لوگ بخیل ہوجائیں گے۔شریر قیامت کا منظر دیکھیں گے۔ایسے نازک حالات میں اللہ کا مامور ظاہر ہوگا۔ **ولا الـمهـدی الاّ عیسی بـن مـریم** ۔ یعنی عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی نہیں۔(سنن ابن ماجہ) ینابیع المودہ صفحہ ۴۹۰ میں ہے

کہ ظہورِ مہدی کے وقت فتنے بہت بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ کے خادم ، نائب اور عاشقِ زار حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے زمانہ میں پھر **ظهـرالفسـاد فی الـبـرّوالبحـر** والی حالت تھی،دنیا میں ہر طرح کا فساد اور خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہر خطہ میں فساد برپا تھا۔اسلام کو تمام دنیا میں ایک بنیاد پرست اور دقیانوسی مذہب قرار دیا جارہا تھا جس پر الزام تھا کہ تلوار کے زور سے پھیلا ۔عیسائی پادریوں نے اپنی تبلیغ کو تمام دنیا میں پھیلا دیا تھا اسلامی اقدار وعقائد یعنی پردہ ،جہاد، تعدد ازدواج اور طلاق وغیرہ کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ مسلمان علماء جدید علوم کو کفر گردانتے تھے اور مسلمان بچوں کو ان علوم سے دور رکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ صحیح ہدایت نہ ملنے اور نام نہاد علمائے دین کی جہالت پر مبنی تعلیم سے بیزار ہو کر بعض مسلمان نوجوان اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کی گود میں پناہ ڈھونڈرہے تھے یا دہریہ خیالات کو اپنا رہے تھے ۔ہندو، مسلمانوں کی نئی نسل کو جو دین سے نابلد تھی اسلام سے متنفر کرکے شدھی جیسی تحریکوں سے اپنے ساتھ ملانے کے لئے سرتوڑ کوشش کررہے تھے ۔اسلام پر اس سے زیادہ سخت وقت کوئی نہیں آیا۔ کفر وشرک نئے نئے ہتھیاروں سے اسلام پر حملہ آور تھا اور مادیت کی تمام طاقتیں اکٹھی ہو کر روحانیت کو کچلنے کے درپے تھیں ۔ تقریباً ۳۰ لاکھ مسلمان مرتد ہو چکے تھے جن میں بعض معزز خاندانوں کے چشم و چراغ بھی شامل تھے۔(الحکم جلد ۸ نمبر۳۳ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳) ایسے خطرناک وقت میں اللہ عزوجل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً ستر(۷۰) احادیث کے مطابق عین وقت پر آپ ﷺ کے ایک غلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات سے سرفراز کرکے امت مرحومہ کی رہبری کے لئے مبعوث فرمایا۔ اسلام کی وسطی دور کی کمزوری کے بعد آپ کی قیادت میں پھر اسلام نے غیر معمولی ترقی اور عالمگیر غلبہ کی طرف قدم بڑھانے شروع کئے۔ہر مذہب ، فرقہ اور مکتبِ فکر میں سے سعید روحیں آپ کی طرف کھنچتی چلی گئیں اور اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت بحال ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض اوّل اسلامی اقدار کو بحال کرنا اور مسلمانوں کو تقویٰ پر قائم کرنا ، دوم اسلام کا احیاء اور غلبہ ، سوم کسر صلیب تھی۔ **یـکسِـرالصّلیب ویقتُل الخِنزِیر** کے مطابق آپ کا اصل مقابلہ عیسائیت سے تھا جو اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔آپ نے مسیحیت کے باطل عقائد ، عیسائی پادریوں کے دجل وفریب اور اسلام کے خلاف ان کے زہر آلود پراپیگنڈے کا جواب اپنی شہرہ آفاق تحریرات و تقاریر اور کامیاب مناظروں سے دیا۔ بفضل تعالیٰ یہ مقابلہ ہنوز

آقاومولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ظہور مبارک اس وقت ہوا جب بحروبَر میں فساد برپا تھا کہیں امن نہیں تھا۔ تمام عالم میں جنگ و جدل، فسق و فجور اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ اس زمانہ کی دو عظیم طاقتوں ایران اور روم نے امنِ عالم کو تہ و بالا کیا ہوا تھا اور آپس میں برسرِ پیکار تھیں (دیباچہ سورۃ الروم)۔ روحانی لحاظ سے حالات اور بھی بدتر تھے۔ یہ سب ان کی اپنی سیہ کاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے تھا۔ روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں خدائے واحد کی پرستش ہوتی ہو۔ توحید کی جگہ شرک، جہالت اور اعمالِ سیّئہ نے لے لی تھی۔ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت سجار کھے تھے اور اہل ہند ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے پجاری تھے (الحکم جلد۵ نمبر۲۱۔ ۱۰رجون ۱۹۰۱ء صفحہ۳) عیسائیت کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ سرولیم میور اور پادری فنڈل جیسے مخالفین حق نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ عیسائیت میں سخت بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ گویا زمانہ کی حالت ایک زبردست ہادی اور مصلح کا تقاضا کررہی تھی۔ چنانچہ ایسے وقت میں جب بت پرستی اور شرک اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، نبی کامل افضل الرسل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپؐ پر قرآن حکیم کی صورت ایک کامل ہدایت نازل ہوئی۔ جس میں عقائدِ باطلہ کی تردید اور بندوں کی ہدایت کے تمام سامان تھے۔ یہ آپ کی قوتِ قدسی کا کمال تھا کہ مردے زندہ ہو گئے اور اندھے دیکھنے لگے۔ کفروشرک کے بادل چھٹ گئے اور بندگانِ خدا اسلام میں داخل ہو کر اس کی تقویت کا باعث بننے لگے۔ جو اس خدائی نور کو نہ پہچان سکے اور آپؐ سے برسرِ پیکار ہوئے ان کے اعمال کی کچھ سزا انہیں دنیا میں ہی ملی۔ اس سزا کا نتیجہ تھا کہ توحید کی طرف رجوع کیا۔ آپؐ دنیا کے کامیاب ترین انسان تھے۔ دینی لحاظ سے بھی اور دنیوی لحاظ سے بھی۔ آپؐ کو جو کامیابی اور سعادت نصیب ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ غرض آپؐ کا ظہور ہوا تو **ظھرالفساد فی البروالبحر** والا نقشہ تھا اور جب آپؐ کا وصال ہوا تو **اذاجآء نصرالله والفتحُ** ٥ کی سند آپؐ کومل چکی تھی۔

اللّٰهم صلِ علیٰ مُحمَّدٍ وّعلیٰ اٰلِ مُحمَّدٍ کما صلَّیت علیٰ ابراهیم وعلیٰ اٰلِ ابراهیم اِنکَ حمیدٌمجیدٌ۔ روح المعانی میں ہے کہ اس آیت کا حکم ہر اس فساد کے لئے عام ہے جو قیامت تک ظاہر ہو۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! معاملات شدت اختیار کر جائیں گے۔ دنیا پر ادبار چھا جائے گا۔ لوگ بخیل ہو جائیں گے۔ شریر قیامت کا منظر دیکھیں گے۔ ایسے نازک حالات میں اللہ کا مامور ظاہر ہو گا۔ **ولا المھدی الاّ عیسی بن مریم** ۔ یعنی عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ (سنن ابن ماجہ) ینابیع المودہ صفحہ ۴۹۰ میں ہے

کہ ظہورِ مہدی کے وقت فتنے بہت بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ کے خادم، نائب اور عاشقِ زار حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے زمانہ میں پھر **ظھرالفساد فی البرّوالبحر** والی حالت تھی، دنیا میں ہر طرح کا فساد اور خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہر خطہ میں فساد برپا تھا۔ اسلام کو تمام دنیا میں ایک بنیاد پرست اور دقیانوسی مذہب قرار دیا جارہا تھا جس پر الزام تھا کہ تلوار کے زور سے پھیلا۔ عیسائی پادریوں نے اپنی تبلیغ کو تمام دنیا میں پھیلا دیا تھا اسلامی اقدار وعقائد یعنی پردہ، جہاد، تعدد ازدواج اور طلاق وغیرہ کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ مسلمان علماء جدید علوم کو کفر گردانتے تھے اور مسلمان بچوں کو ان علوم سے دور رکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ صحیح ہدایت نہ ملنے اور نام نہاد علمائے دین کی جہالت پر مبنی تعلیم سے بیزار ہو کر بعض مسلمان نوجوان اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کی گود میں پناہ ڈھونڈ رہے تھے یا دہریہ خیالات کو اپنا رہے تھے۔ ہندو، مسلمانوں کی نئی نسل کو جو دین سے نابلد تھی اسلام سے متنفر کرکے شدھی جیسی تحریکوں سے اپنے ساتھ ملانے کے لئے سرتوڑ کوشش کررہے تھے۔ اسلام پر اس سے زیادہ سخت وقت کوئی نہیں آیا۔ کفر و شرک نئے نئے ہتھیاروں سے اسلام پر حملہ آور تھا اور مادیت کی تمام طاقتیں اکٹھی ہو کر روحانیت کو کچلنے کے درپے تھیں۔ تقریباً ۳۰ لاکھ مسلمان مرتد ہو چکے تھے جن میں بعض معزز خاندانوں کے چشم و چراغ بھی شامل تھے۔ (الحکم جلد ۸ نمبر۳۳ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳) ایسے خطرناک وقت میں اللہ عزوجل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً ستر (۷۰) احادیث کے مطابق عین وقت پر آپ ﷺ کے ایک غلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات سے سرفراز کرکے امت مرحومہ کی رہبری کے لئے مبعوث فرمایا۔ اسلام کی وسطی دور کی کمزوری کے بعد آپ کی قیادت میں پھر اسلام نے غیر معمولی ترقی اور عالمگیر غلبہ کی طرف قدم بڑھانے شروع کئے۔ ہر مذہب، فرقہ اور مکتبِ فکر میں سے سعید روحیں آپ کی طرف کھنچتی چلی گئیں اور اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت بحال ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض اوّل اسلامی اقدار کو بحال کرنا اور مسلمانوں کو تقویٰ پر قائم کرنا، دوم اسلام کا احیاء اور غلبہ، سوم کسرِ صلیب تھی۔ **یکسِرالصّلیب ویقتُل الخِنزِیر** کے مطابق آپ کا اصل مقابلہ عیسائیت سے تھا جو اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے مسیحیت کے باطل عقائد، عیسائی پادریوں کے دجل وفریب اور اسلام کے خلاف ان کے زہر آلود پراپیگنڈے کا جواب اپنی شہرہ آفاق تحریرات و تقاریر اور کامیاب مناظروں سے دیا۔ بفضل تعالیٰ یہ مقابلہ ہنوز

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ

پس دیکھو کس طرح ہوا انجام ان لوگوں کا جو پہلے تھے تھے

اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ

اکثر ان میں سے مشرک پس قائم رکھ توجہ اپنی واسطے دین قائم رہنے والے

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ

کے اس سے پہلے کہ آئے وہ دن کہ نہیں لوٹنا اس کیلئے اللہ سے اس دن

يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٤﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

وہ الگ الگ ہو جائیں گے جو کفر کرے پس اس پر اس کا کفر ہے اور جنہوں نے کی نیکی

جاری ہے۔ آپ اپنے مشن میں بفضل تعالیٰ پوری طرح کامیاب رہے۔ آپ کے وصال کے وقت چار لاکھ فدائی آپ کے حلقہ بگوشوں میں داخل تھے۔ آپ کے وصال پر ابھی ایک صدی گزرنے نہیں پائی کہ ان کی تعداد اللہ کے فضل و احسان سے (خطبہ جمعہ ۲۷ستمبر ۲۰۰۱ء کے مطابق) ۲۰ کروڑ سے تجاوز کرچکی ہے **فالحمدللّٰہ علیٰ ذٰلک۔ وذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہِ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم**۔خدا کے فضل سے ساری دنیا سے نیک روحیں بڑے زور و شور سے اس الٰہی جماعت میں داخل ہورہی ہیں اور توحید کے گیت گا رہی ہیں۔

۴۳۔توحید کے مقابلہ میں شرک کا انجام بتایا اُس زمانہ میں جب کہ علم آثار قدیمہ (Archaeology) کا وجود نہیں تھا ۔قرآن کریم نے بار بار توجہ دلائی کہ دنیا میں سیاحت کرو اور زمانہ قدیم کے کھنڈرات کا مشاہدہ کروتو کئی حقائق سے آگہی حاصل کروگے اور تمہارے علم میں اضافہ ہوگا۔دیگر معلومات کے علاوہ ان کھنڈرات سے بت اور بت پرستی کے شواہد ملیں گے۔ اگر شرک کے نشان نہ ملے تو ان کی بداعمالیوں کے آثار ملیں گے جو دیدہ بینا کو عبرت دلانے کے لئے کافی ہیں کہ ایسی عظیم تہذیبیں بھی جب شرک کی مرتکب ہوئیں یا حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں میں ملوث ہوئیں تو ملیامیٹ کردی گئیں۔

۴۴۔**یصدعون**۔(صدع)وہ جداجداہوں گے۔بکھر جائیں گے۔یہ آثار قدیمہ توحید کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔کیا مشرک قوموں کا انجام دیکھ کر بھی تیری توجہ ادھر ادھر بھٹک رہی ہے۔پس اپنی توجہ دین قیّم کی طرف مرکوز رکھ۔ دین قیّم دین راست ہے یعنی دین کا وہ سیدھا راستہ ہے جو تجھے تیرے ربّ سے ملادے گا۔پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس کو کسی طرح ٹلنا نہیں ۔ بعض عذاب تو اللہ کی رحمت سے ٹلتے رہتے ہیں لیکن یہ ٹلنے والا نہیں ہوگا ۔ دنیا میں بھی ایسے

فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٥﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پس اپنی جانوں کے لیے وہ گہوارہ تیار کرتے ہیں تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَمِنْ

نیکیاں اپنے فضل سے کیونکہ وہ نہیں محبت کرتا کافروں سے اور اس کے

اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ

نشانات سے ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہوائیں بشارت دینے والیاں اور تاکہ چکھا دے تم کو اپنی

رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

رحمت سے اور تاکہ چلا دے کشتیاں اپنے حکم سے اور تاکہ تم تلاش کرو

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

فضل اس کا اور تاکہ تم شکر کرو اور یقیناً یقیناً بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے

نظارے نظر آتے رہتے ہیں ۔جب انقلاب برپاہوتے ہیں خواہ دنیوی انقلاب ہو یا روحانی لوگ قومی طور پر بکھر جاتے ہیں۔آخرت کو بھی ایسا ہی ہوگا کہ نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے۔

۴۵۔**یمهدون۔مهد**۔لفظی معنی جھولا کے ہیں۔کسی چیز کو تیار اور ہموار کرنے کے معنی دیتا ہے۔**یمهدون**۔ وہ تیار کرتے ہیں۔

کفر کا وبال کفر کرنے والوں پر دنیا میں بھی پڑتا ہے لیکن سمجھتے نہیں ۔آخرت میں کُھلا کُھلا ظاہر ہوگا۔ نیک عمل کرنے والوں کی نیکیاں گویا وہ تیاری ہے جو وہ اپنے نفس کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں حالانکہ ان کے مدنظر اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرنا اور اس کے بندوں سے نیک سلوک کرنا ہوتا ہے۔

۴۶۔وہ کافروں اور مومنوں کو اس لئے جدا کردے گا تاکہ مومنوں اور صالحہ اعمال بجالانے والوں کو اپنے فضل سے جزادے۔ گویا اگر اللہ کا فضل نہ ہوتو ایمان اور نیک اعمال بھی جزا کا موجب نہیں بن سکتے۔جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا کہ نجات کے لئے ایمان ،عمل اور فضل تینوں ضروری ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)

حقیقت تو یہ ہے کہ کفار،کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ سب سے بڑی نعمت نبی کا وجود ہے جس کا انکار کرکے ناشکری کرتے ہیں ۔کافروں کے دل میں کبھی اپنے خالق و مالک کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوتی اس لئے اللہ بھی انہیں پسند نہیں کرتا۔

۴۷ ۔ رحمت عام ہے مادی اور روحانی تمام نعمتیں اس میں داخل ہیں ۔ جبکہ فضل روحانی

رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا

رسول طرف ان کی قوم کے پس لائے وہ انکے پاس کھلے دلائل پس انتقام لیا ہم نے

مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ

ان لوگوں سے جنہوں نے قطع تعلق کیا اور ہے حق ہم پر مدد کرنا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا

مومنوں کی اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل

نعمتوں کے ساتھ خاص طور پر مادی رزق کے لئے آتا ہے۔ اس آیت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہوائیں بھی ہیں جو اُس کی وحدانیت کو ثابت کرتی ہیں۔ان کے چلانے میں تمہارے کسی خود ساختہ معبود کا دخل نہیں یہ اللہ کی خاص رحمت اور اس کے حکم سے چلتی ہیں اور خشکی وتری میں تمہارے لئے سامانِ زیست کا موجب ہیں تا کہ تم شکرگزار بنو۔

بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بحروبر میں ہر سُو بکھری پڑی ہیں اور تمہارے لئے بے شمار شکر کے مواقع ہیں ۔وہی ٹھنڈی ہوائیں جو خشکی پر بارانِ رحمت کی خوشخبری دیتی ہیں ، سمندروں میں کشتیوں کے ذریعہ تمہارے لئے معاش کا سبب بنتی ہیں ۔ بادوباراں کی رحمت تو گویا صرف چکھنے کے طور پر ہے ورنہ اس کی نعمتوں کا تو کوئی حدوحساب نہیں۔بادبانی کشتیوں کا انحصار ہواؤں پر ہے جو اس کے حکم سے چلتی ہیں گویا حکم نہ ہوتو ہوائیں بھی بیکار ہیں ۔ بادِموافق بادبانی کشتیوں کے لئے ہی خاص نہیں ، موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی اگر مخالف ہوائیں اور طوفان گھیرلیں تو بڑے بڑے جہاز ڈوب جاتے ہیں اور ساری ٹیکنالوجی دھری رہ جاتی ہے۔ وہ قومیں جنہوں نے بحری ترقی میں کمال حاصل کیا اور بحری تجارت سے خوب مال سمیٹا، وہ بھی اللہ کے شکر کا حق ادانہ کرسکیں۔

۴۸۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا جو کافرو مومن سب کے لئے یکساں ہیں لیکن کفار نے ہمیشہ ان نعمتوں سے آنکھیں بند رکھیں اور اللہ کا شکرادا کرنے کی بجائے اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مخالف میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس زمانہ میں جبکہ مومنین کی چھوٹی سی جماعت مخالفینِ حق کے شدید مظالم کا شکار تھی کس تحدی سے اللہ تعالیٰ مومنین کی مدد کا اعلان فرمارہا ہے اور ان کو تسلی دے رہاہے کہ تمام انبیاء اور ان کے متبعین پر یہ حالات گزرچکے ہیں ۔ مکذبین کا شرک پر مصر ہونا ، انکار رسول، انبیاء اور ان کے متبعین پر ظلم و ایذارسانی یہ وہ جرائم ہیں جن کا ارتکاب ہر نبی کے زمانہ میں

فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى

پھر وہ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان میں جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اُسے ٹکڑے پس تو دیکھتا ہے

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

بجلی کو نکلتی ہے اس کے درمیان سے پس جب پہنچاتا ہے اُسے جس کو چاہتا ہے

مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

اپنے بندوں میں سے جھٹ وہ خوشخبری حاصل کرتے ہیں اور یقیناً تھے پہلے اس کے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ اِلٰى

کہ وہ اتارا جائے ان پر پہلے اس سے ضرور ناامید ہونیوالے ہیں پس دیکھ طرف

ہوتارہا اور اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں سے ہمیشہ بدلہ لیا اس لئے کہ مومنین کی مددکرنا اللہ پر فرض ہے۔آج پھر مخالفین حق انہیں جرائم کا اعادہ کررہے ہیں اور شرک ،انکارِرسول نیز رسول اوراس کے متبعین پر مظالم کے مرتکب ہورہے ہیں ۔پس اللہ تعالیٰ عنقریب ان مجرمین سے انتقام لے گا، ان کو مغلوب اور اہل حق کو غالب کرے گا اس لئے کہ ہمیشہ سے سنت اللہ یہی ہے۔ پس مومنوں کی مدد کرنا اور ان کو کفار پر غالب کرنا اللہ پر فرض ہے۔اگر کبھی مومنین کو اللہ کی مدد نہیں پہنچی تو اس میں مومنین کی ہی کسی کوتاہی کا دخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جنگ اُحد میں ہوا یا ایسا اللہ تعالیٰ کی کسی خاص مصلحت یا حکمت کے تحت ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد کرتا اور ان کو کفار پر غالب کرتا ہے۔

۴۹۔۵۰۔بارش کا بیان تفصلاً (سورۃ النور :۴۴ اور الروم :۲۵ میں گزر چکا ہے ۔ استفادہ فرمائیں) **یبسط**۔ بسط پھیلانے کے معنی دیتا ہے۔ **یبسطُ** ۔ وہ پھیلاتا ہے ۔ **تثیرُ**۔ وہ اوپر اٹھاتی ہے۔ بارش کے مضمون میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کے تعلق میں مکذبینِ انبیاء کا ذکر کیا۔اب پھر اصل مضمون کی طرف عود فرمایا اور بارش کے عظیم الشان نظام کی طرف توجہ دلائی کہ یہ سب کچھ اتفاقاً نہیں ہوجاتا اس کے پیچھے ایک علیم و قدیر خدا کا ہاتھ ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہاہے۔قرآن کریم میں کائنات کے دقیق حقائق سے پردے اٹھائے گئے ہیں جو قرآن اور صاحبِ قرآن کی صداقت کا ثبوت ہے اور ربِّ کائنات کی واحدانیت کی زبردست دلیل ہے۔ ہوائیں سمندر سے بخارات بن کر اٹھتی ہیں اور یہ بخارات آسمان پر چھوٹی چھوٹی بدلیوں کی شکل میں پھیل جاتے ہیں بجلی کے کوندے بادلوں کو بارش کی صورت میں بدل دیتے ہیں (تفصیل کے لئے سورۃ النور : ۴۴) پھر اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے یہ فیض پہنچا دیتا ہے، تب وہ

اَثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ
نشانات رحمت کی اللہ کے کس طرح وہ زندہ کرتا ہے زمین کو پیچھے اس کی موت کے

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَ
یقیناً یہ (خدا) ضرور ضرور زندہ کرنیوالا ہے مُردوں کو اور وہ اوپر ہر چیز کے بڑا قادر ہے اور

لَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِيۡحًا فَرَاَوۡهُ مُصۡفَرًّا لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ
اگر بھیجیں ہم ہوا پس وہ دیکھیں اس کو زرد البتہ لگ جائیں اس کے بعد

خوشیاں منانے لگتے ہیں۔حالانکہ وہ بنزولِ بارش سے پہلے بالکل ناامید ہوچکے تھے۔پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے بارش کا فیض پہنچاتا ہے۔یہ حدیث نبویؐ ان آیات کو خوب واضح کرتی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک آدمی بے آب و گیاہ جنگل میں جارہا تھا۔بادل گھرے ہوئے تھے۔اس نے بادل میں سے آواز سنی کہ اے بادل فلاں نیک انسان کے باغ کو سیراب کر۔وہ بادل اس طرف کو ہٹ گیا۔پتھریلی سطح مرتفع پر بارش برسی اور پانی ایک چھوٹے سے نالے میں بہنے لگا وہ شخص بھی اس نالے کے کنارے کنارے چل پڑا۔کیا دیکھتا ہے کہ یہ نالہ ایک باغ میں جاداخل ہوا اور باغ کا مالک کدال سے پانی ادھر ادھر مختلف کیاریوں میں لگا رہا ہے۔اس آدمی نے باغ کے مالک سے پوچھا۔اے اللہ کے بندے! تمہارا نام کیا ہے؟اس نے وہی نام بتایا جو اس مسافر نے بادل میں سے سنا تھا۔باغ کے مالک نے اس مسافر سے پوچھا اے اللہ کے بندے!تم میرا نام کیوں پوچھتے ہو۔اس نے کہا میں نے اس بادل میں سے جس کا تم پانی لگارہے ہو یہ آواز سنی تھی کہ اے بادل فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر۔تم نے کون سا ایسا نیک کام کیا ہے جس کا یہ بدلہ تجھ کو ملا۔باغ کے مالک نے کہا اگر آپ پوچھتے ہیں تو سنیں۔میرا طریق کار یہ ہے کہ اس باغ میں سے جو پیداوار ہوتی ہے اس کا ایک تہائی خداتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں ایک تہائی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے گزارہ کے لئے رکھتا ہوں اور ایک تہائی دوبارہ ان کھیتوں میں بیج کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔(مسلم کتاب الزھد باب الصدقۃ فی المساکین)

۵۱۔پس اللہ کی رحمت کے نشانوں میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔یہاں ان تمام مراحل کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے گزر کر سمندر کا کھاری پانی میٹھے پانی میں تبدیل ہو کر بارش کی صورت مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔روحانی احیا کی طرف بھی اشارہ ہے۔

يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ
کفر کرنے پس یقیناً تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو اور نہ سُنا سکتا ہے بہروں کو

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ﴿۵۲﴾ وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡىِ
پکار جب وہ پھر جائیں پیٹھ پھیر کر اور نہیں تو ہرگز ہدایت دینے والا اندھوں کو

عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ
ان کی گمراہی سے نہیں تو سُنا سکتا مگر اسے جو ایمان لائے ہماری آیات پر پس وہ

مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ ع ۵ ۱۳ ۸
فرمانبردار ہیں اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ناتوانی سے پھر کی

بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّشَيۡبَةً ؕ
بعد ناتوانی کے قوت پھر کی بعد قوت کے کمزوری اور بڑھاپا

یقیناً وہی ہے جو مُردوں کو قیامت کے دن زندہ کرے گا۔وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵۲۔اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان گنت نعمتوں کے بعد اگر اللہ کی طرف سے کبھی کوئی آزمائش آجائے تو اس کی تمام نعمتوں کو بُھلا کر ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

۵۳۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کفار کو راہ ہدایت پرلانے کی شدید تڑپ تھی۔آپؐ دن رات اسی کوشش میں رہتے اور ان دشمنانِ خدا و رسول کے مظالم کا نشانہ بنتے۔آپؐ کو تسلی دی اور بتلایا کہ ان منکرین حق کی ناشکری اور غفلت اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ ان کی سوچنے اور سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفلوج ہو چکی ہیں۔گویا یہ مُردوں کے موافق ہیں۔ان سے ایمان کی توقع رکھنا عبث ہے۔پس تو ان روحانی مردوں اور بہروں کو نہیں سُنا سکتا۔بہرے بھی توجہ کریں تو لب و لہجہ اور اشارہ سے بات کو سمجھ جاتے ہیں لیکن اگر وہ توجہ ہی نہ دیں اور رک کر تیری بات سننا ہی نہ چاہیں بلکہ گستاخانہ طریق سے پیٹھ پھیر کر چلے جائیں تو ان سے ہدایت کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ہاں اگر بہرے پیٹھ پھیر کر نہ جائیں تو سمجھ سکتے ہیں اور ہدایت حاصل کرسکتے ہیں۔

۵۴۔اور نہ تو اندھوں کو ہدایت دے سکتا ہے۔یہاں بھی روحانی اندھے مراد ہیں۔نبی کا کام روحانی اندھوں کو غلط راستہ سے ہٹا کر راہِ راست دکھانا ہے۔ان کا ہاتھ پکڑ کر سیدھی راہ پر ڈالنا نہیں۔پس تو پیغام حق اُن کو ہی سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر یقین کریں یعنی انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں اور کامل فرمانبردار ہوں یعنی سرکش اور نافرمان نہ ہوں بلکہ فطرتاً فرمانبردار اور بات کو ماننے والے ہوں تو وہ ایمان لے آئیں گے خواہ بہرے اور اندھے ہی ہوں۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ٥٥ وَيَوْمَ تَقُوْمُ

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے اور جس دن قائم ہوگی

السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ

وہ گھڑی قسمیں کھائیں گے مجرم کہ نہیں وہ رہے سوائے ایک گھڑی کے

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ٥٦ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

اسی طرح وہ تھے اُلٹائے جاتے ... کہیں گے وہ لوگ جو دیئے گئے تھے علم

۵۵۔اس آخری رکوع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ حق کی مخالفت دور کر دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا غلبہ ٔ اسلام کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ بہرے اور اندھے مکذبینِ حق کا ذکر تھا جو اپنی قوت کے گھمنڈ میں کان اور آنکھیں بند کئے ہوئے تھے انہیں قانونِ قدرت سے آگاہ کیا کہ قوت شخصی ہو یا قومی دائم نہیں رہتی۔اس کے ثبوت میں انسانی زندگی کے مختلف ادوار کا ذکر کیا۔ انسان کمزوری کی حالت میں پیدا ہوتا ہے۔پہلے نطفہ کی شکل میں تھا تو نظر بھی نہیں آتا تھا پھر رحم میں کمزوری کی حالت میں رہا۔پیدا ہوا تو بھی کمزور تھا پھر بچپن کی کمزوری کے بعد جوانی میں قوت سے نوازا گیا۔اس قوت کے بعد پھر ضعف اور بڑھاپے کا زمانہ آیا۔یہاں بتایا کہ انسان جو اپنی قوت اور طاقت کے نشہ میں خدائی آواز پر کان نہیں دھرتا اور رسولوں کے مقابل کھڑا ہو جاتا ہے اس کی ابتدا بھی کمزور ہے اور انتہا بھی کمزور ہے۔تھوڑا سا درمیانی وقفہ قوت کا آتا ہے جس میں اگر وہ دنیوی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنی زندگی کے اصل مقصود کو نہ بھولے تو وہ اپنے ربّ کے خاص فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے اور اپنے ربّ کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو کمالِ حیاتِ انسانی ہے۔انسانی زندگی کے ان تینوں ادوار میں اسلام کی تاریخ بھی بتلا دی کہ اوّل اسلام پر کمزوری کی حالت ہے ،جلد ہی قوت سے نوازا جائے گا پھر ایک کمزوری کا دور آئے گا تا آنکہ آمدِ مسیح سے نشاۃِ ثانیہ کا ظہور ہوگا۔یہی قوموں کی تقدیر ہے۔

جس نے انسان کو ان حالات سے گزار کر موت سے ہمکنار کیا اس علیم وقدیر خدا کے لئے اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے نیز یہ بھی مراد ہے کہ وہ اس دنیا میں اسی طریق پر پھر پیدا کرے گا۔ تخلیقِ حیات دوبارہ بھی ہوگی۔ خدا جسے بھی پیدا کرتا ہے اسی طریق پر کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے اور قدرت رکھتا ہے جب چاہے اس قدرت کی رونمائی کرے۔

۵۶۔مجرم قیامت کے روز قسمیں کھائیں گے کہ وہ دنیا میں ایک لمحہ بھر کے سوا نہیں رہے۔

وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ

اور ایمان یقیناً یقیناً ٹھہرے تم اللہ کی کتاب میں تا روز قیامت

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥٧

پس یہ ہے دن اٹھائے جانے کا لیکن تم تھے نہیں جانتے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ

پس اس دن نہیں نفع دیگی ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا معذرت ان کی اور نہ وہ

يُسْتَعْتَبُوْنَ ٥٨ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

معذور سمجھے جائیں گے اور یقیناً یقیناً بیان کی ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ

ہر عمدہ بات اور البتہ اگر لائے تو ان کے پاس کوئی نشان ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے

ان مجرمین کے اندازے دنیا میں بھی غلط تھے کہ ہم نے مرکر دوبارہ زندہ نہیں ہونا اور اب بھی غلط ہیں کہ دنیا میں لمحہ بھر سے زیادہ نہیں رہے۔حقیقت یہ ہے کہ انسان طبعًا راحت و آرام کے زمانہ کو بہت کم سمجھتا ہے۔اگر مصیبت آجائے تو اور بھی کم نظر آتا ہے۔پس دنیا کا عیش وعشرت اور جوانی کا زمانہ قیامت کے ہول وہیبت کے سامنے بدرجہ اَولیٰ کم لگے گا۔یہ تمام حالات قیامت کُبریٰ کو بھی پیش آئیں گے اور دنیا میں بھی جب قیامتِ صغریٰ برپا ہوگی یعنی ہلاکت کی موعودہ گھڑی آئے گی اور شریروں کی صف لپیٹ دی جائے گی تو ان کو عیش وعشرت کا زمانہ بہت مختصر لگے گا۔پس جس طرح آج کے دن بہک رہے ہیں ، دنیا میں بھی اسی طرح بہکائے جاتے تھے۔یعنی اپنی عقل کا استعمال نہیں کرتے تھے گمراہوں کے پیچھے لگ کر آج کے دن کا انکار کرتے تھے۔مرنے کے بعد قبر میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق عذاب بھی ہوتا ہے اور جنت کی خوشخبریاں بھی ملتی ہیں۔رُوح کا شعور کچھ عرصہ تک اس کے ساتھ رہتا ہے پھر عالمِ برزخ میں ایک لمبے عرصہ تک کے لئے اسے بالکل غافل کر دیا جاتا ہے۔(یٰس :۵۳)ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

۵۷۔اہل علم مومنین کہیں گے کہ نوشتہ خداوندی کے مطابق تم یوم بعث تک رہے ہو۔ اگرچہ موت اور بعث کے درمیان تم پر لاشعوری کا ایک لمبا زمانہ آیا ہے۔ پس یہ ہے یوم بعث۔ چونکہ تم دنیا میں قیامت کی تکذیب کرتے تھے اور اس پر یقین نہیں رکھتے تھے۔اس لئے تمہیں ان تمام حقائق کا علم نہیں ہوا اور تم غافل رہے۔ جبکہ مومنین کو یہ سب علم تھا۔

۵۸۔ **یستعتبون**۔(العتب) **اَعتبتُ فُلاناً**۔ ناراضگی ظاہر کرنا۔ اسی سے عتاب

كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۹﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ
کفر کیا نہیں تم مگر جھوٹے اس طرح مہر لگاتا ہے اللہ

عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ
دلوں پر ان لوگوں کے جو نہیں جانتے پس صبر کر یقیناً وعدہ

اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ٦ ٧
اللہ کا سچا ہے اور نہ ہلکا کریں تجھے وہ لوگ جو نہیں یقین رکھتے

ہے **ولا ھم یستعتبون**۔ اور نہ ان کی معذرت قبول کر کے ان سے عتاب دور کیا جائے گا۔(مفردات)

پس آج ظالموں کو ان کا کوئی عذر نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور کرنے کا کوئی موقع دیا جائے گا۔ اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور کرنے کے کئی مواقع آئے تا یہ ظالم اپنی خطا کاریوں سے تائب ہو کر ایمان لے آتے اور اعمال صالحہ سے اپنے گناہوں سے نجات پاجاتے اور اپنے ربّ کو راضی کرلیتے۔ لیکن انہوں نے کسی موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔ پس آج ان کے عذر ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔

۵۹۔قرآنِ کریم نے تو ان کو ہدایت دینے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اس خدائی نوشتہ میں حقائق کو مختلف مثالوں سے واضح کیا۔ یہ سب مثالیں اِن کو ہدایت دینے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ اگر تم کوئی اور نشان بھی لے آؤ تو جن کی فطرت میں ہی انکار ہے وہ دلائل اور نشانیوں کو ماننے کی بجائے تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ہی جھوٹا کہیں گے کہ تم باطل پر ہو۔

۶۰۔باوجود ہر قسم کی مثالوں اور نشانیوں کے، ایمان لانے کی بجائے آپ کو ہی جھوٹا قرار دیتے ہیں تو ان افعال کے نتیجہ میں اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ یعنی ان کی حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہوجاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا فعل نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل پر مہر نہیں لگاتا۔

۶۱۔**یستخفنّک**۔ **اِستَخَفّہ**۔ ہلکا سمجھنا۔ اسی سے خفیف ہے۔ **لایستخفنّک**۔ تجھ کو خفیف نہ جانیں۔

سورۃ کی اس آخری آیت میں آپؐ کو تسلی دی اور فرمایا کہ اے رسول! ان کی ایذاء

رسانیوں، طعن وتشنیع اور مخالفت کی پروانہ کر اور صبر سے کام لے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ یعنی تو غالب اور تیرے دشمن مغلوب ہوں گے۔ پس تیرے مخالفین جو تجھ پر اور کلام الٰہی پر یقین نہیں رکھتے وہ تجھے ہلکا نہ جانیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی کل تعداد اکیاون تھی۔ یعنی چالیس مرد اور گیارہ عورتیں۔ انہیں دنوں حضرت عمر فاروق ایمان لائے اور مردوں میں آپ کا نمبر اکتالیسواں تھا۔ یہ ہجرت حبشہ کا زمانہ تھا۔ جس میں ۱۱ مرد اور ۴ عورتوں نے ہجرت کی۔ دوسری ہجرتِ حبشہ میں ۸۳ مرد، ۱۱ عورتیں اور ۷ غیر قریش مسلمان تھے اور آپؐ کے پاس صرف ۴۰ مسلمان رہ گئے تھے۔ اس حساب سے دوسری ہجرتِ حبشہ کے وقت کل ۱۴۱ مسلمان تھے۔ اگر پہلی ہجرت کے مہاجرین کو بھی شامل کرلیا جائے تو بھی ۱۵۶ مسلمان بنتے ہیں۔ غرض اسلام کی نہایت کمزور حالت میں بھی آپؐ کو تلقین فرمائی کہ آپؐ یا صحابہ کرامؓ کے کسی قول یا فعل سے دشمنانِ حق آپؐ کو بے وزن نہ پائیں۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ کفار آپؐ کو ہلکا سمجھنے کے باوجود جب مقابلے پر آئے تو آپؐ کو اپنے اندازوں کے برعکس ہمیشہ مضبوط اور توانا پایا اور منہ کی کھائی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ لقمان ۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

یہ سورۃ ، اس کے بعد کی سورۃ اور پہلی دونوں سورتیں **الٓمّٓ** سے شروع ہوتی ہیں ۔ ان سب کا زمانہ نزول اور مضمون قریباً ایک ہی ہے(پچھلی دونوں سورتوں کے دیباچہ جات سے استفادہ فرمایئے)

پچھلی سورۃ کو غلبہ اسلام کی خوشخبری پر ختم کیا۔ اس سورۃ میں اُن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی جو کسی فرد یا قوم کی ترقی کے لئے بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، تامسلمان ان پر عمل کر کے فلاح حاصل کریں اور غلبہ اسلام کے جو وعدے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمائے ہیں ان کے اہل ثابت ہوں۔ دوسرے رکوع میں حکیم لقمان کی وہ نصائح ہیں جو آپ نے اپنے بیٹے کو کیں اور بتایا کہ وہ اعلیٰ تعلیم جس سے قومیں ترقی اور فلاح پاتی ہیں ، کسی ایک قوم سے خاص نہیں ۔ ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ وحی الٰہی سے وہی اخلاقی تعلیم لے کر آئے جو ان سے قبل انبیائے کرام لائے تھے۔ پس یہی اخلاقی تعلیم ہے جو قوموں کی ہدایت کا موجب بنتی ہے اور انہیں دینی و دنیوی کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓ ﴿۲﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۳﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً

الف۔لام۔میم یہ آیات ہیں کتاب حکمت والی کی ہدایت اور رحمت

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

واسطے احسان کرنیوالوں کے وہ جو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۵﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

زکوٰۃ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہ لوگ ہدایت پر ہیں

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔ پہلے رکوع میں بتلایا کہ جو مومن حقوق اللہ اور حقوق العباد کو احسن طریق سے ادا کرتے ہیں وہی کامیاب ہوں گے۔ **انا اللّٰہ اعلم**۔ میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں کہ یہ علم و حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔

۴۔۵۔ **الم** سے شروع ہونے والی ہر سورۃ میں سورۃ البقرۃ کے مضامین کو ایک نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں متقین کے لئے ہدایت کا مضمون تھا یہاں ان کو ہدایت دینے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو تقویٰ کے منازل طے کر کے محسنین کے منصبِ جلیلہ پر فائز کئے جا چکے ہیں اس کے آگے ہدایت کے لاانتہاہی مراحل ہیں جن تک اللہ کے فضل سے قرآن حکیم رہنمائی کرتا چلا جاتا ہے ۔ سورۃ یوسف:۲۳ میں ہے کہ ہر محسن کو حکم اور علم بخشا جاتا ہے۔ پس محسنین کتابِ الٰہیہ کے علم و حکمت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کی نمازیں بھی متقین سے درجہ میں بڑھ جاتی ہیں۔ محسن میں احسان کا مادہ ہے پس وہ نمازیں بھی اللہ کے احسان کے طور پر پڑھتے ہیں گویا یہ ان پر اللہ کا احسان ہے کہ انہیں توفیق مل رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو نماز میں خدا کو دیکھے ورنہ یہ کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔(صحیح بخاری صحیح مسلم کتاب الایمان بروایت حضرت ابوہریرہؓ) محسنین کی نظر صرف اپنے ربّ پر رہتی ہے وہ ہمہ وقت اپنے رب کے حضور ہوتے ہیں۔ نماز پڑھیں یا زکوٰۃ دیں۔ اپنے ربّ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم میں آخرت کے لئے عام طور پر یوم آخرۃ، دارآخرۃ یا الدارالآخرۃ وغیرہ آیا ہے اور اس پر ایمان کا ذکر ہے، یقین کا نہیں ۔ سوائے سورۃ البقرہ:۵۔ نمل:۴ اور اس سورۃ میں ۔ یعنی ان تینوں سورتوں کے بالکل آغاز میں آخرۃ پر یقین کا ذکر ہے۔ ایمان غائب پر ہوتا ہے۔

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

طرف سے اپنے رب کی اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں اور کوئی لوگوں میں سے ایسا ہے جو

يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

خریدتا ہے بیہودہ بات تاکہ گمراہ کرے راہ سے اللہ کی بغیر

عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۷ وَ

علم کے اور تاکہ بناوے اسے ہنسی یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا اور

جبکہ یقین سامنے والی چیز پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حق الیقین۔ پس اس میں دنیا کی آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہے اس پر یقین ہے۔ یہاں ان کا میابیوں کی طرف اشارہ ہے جو آخری زمانہ میں قرآن اور حدیث کے مطابق مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر پوری ہوں گی، ان پر یقین ہے۔ پہلے لوگ انہی معنوں میں ان تینوں آیات پر یقین رکھتے تھے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی ترجمۃ القرآن کلاس سے استفادہ کیا گیا)

۶۔ پس یہی لوگ ہیں جو اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ وہی سورۃ الجمعہ:۴ والے **واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم** ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل علٰی ھُدًی کے معنی کرتے ہیں کہ گویا یہ ہدایت پر سوار ہوجاتے ہیں اور منزل مقصود پر مظفر ومنصور پہنچیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ راگست ۱۹۱۰ء)

۷۔ **یشتری** وہ خریدتا ہے۔ یہاں خریدنا بمعنی اختیار کرنا ہے۔ (تفسیر ابن جریر) **لھو۔** لھو ولعب ہے۔ کھیل تماشا۔ **لھو الحدیث۔** بیہودہ بات۔ ہر کھیل، شغل یا ایسی بات جو اللہ سے غافل کردے۔ اس میں تمام لغویات شامل ہیں۔ جیسے فحش رسائل و کتب، رقص و سرود کی محفلیں، اخلاق سوز فلمیں یا دیگر غیر اسلامی مشاغل۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے روکے جیسے بیہودہ کہانیاں، بیجا تمسخر، خرافات اور گانے وغیرہ۔ تاہم پاکیزہ اشعار یا خوشی کے مواقع پر عورتوں اور بچیوں کے ہلکے پھلکے گیت جو لغویات میں شامل نہ ہوں، وہ مستثنٰی ہیں۔

مفلحون کے مقابلہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو لغو مشاغل اختیار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود غلط راہوں پر چلتے ہیں اور دوسروں کو بھی بغیر کسی علم کے صحیح راستہ سے ہٹا کر جہالت کی راہوں پر ڈالتے ہیں اور دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ذلت آمیز عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ یہ عذاب ان کے جرائم کی مناسبت سے ہوگا۔ وہ اللہ کے رسول اور اس کے دین کی تذلیل کرنا چاہتے تھے۔ اللہ ان پر ذلیل کردینے والا عذاب مقدر کردے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ

جب پڑھی جاتی ہیں اس پر آیات ہماری پھر جاتا ہے تکبر کرتا ہوا گویا کہ نہیں سُنا اس نے گویا کہ

فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ

دونوں کانوں میں اسکے بہرہ پن ہے پس بشارت دے اُسے عذاب دردناک کی یقیناً وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۹ خٰلِدِيْنَ

ایمان لائے اور کیں نیکیاں ان کے لیے باغات ہیں نعمتوں کے رہ پڑنے والے ہیں

فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰ خَلَقَ

اس میں وعدہ اللہ کا سچا ہے اور وہ عزت والا حکمت والا ہے اس نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ

آسمان بغیر ستونوں کے کہ دیکھتے ہو تم جنہیں اور ڈالے زمین میں

رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ

پہاڑ کہ خوراک دیں تمہیں اور پھیلائے اس میں سب جاندار

میں بھی۔ یہ آیت آج کل کے زمانہ پر صحیح اطلاق پاتی ہے جبکہ لوگ احمدیت کے خلاف بیہودہ لٹریچر خرید کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

۸۔ دن رات گانے بجانے اور لغویات میں مشغول لوگوں کو جب ہدایت کی طرف بلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو وہ بجائے توجہ اور غور وفکر کرنے کے تکبر سے منہ پھیر لیتے ہیں گویا بہرے ہیں اور انہیں کچھ سنائی نہیں دیتا۔ انہیں یہ خوشخبری دے دو کہ ان کا یہ تکبر انہیں الم انگیز عذاب کا مستحق بنادے گا۔ گویا مکذبین کو ان کے جرائم کے مطابق مختلف سزائیں دی جائیں گی۔ یہاں **بشّر** کا لفظ بطور تہکم استعمال ہوا ہے یعنی بطور استہزا۔

۹۔۱۰۔ مکذبینِ حق کی سزاؤں کے مقابلہ میں اہلِ حق کی اُخروی نعمتوں کا ذکر کیا کہ انہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بدلے نعمتوں والی جنت کا وارث بنایا جائے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ وہ غالب ہے اور اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہے۔ اگر مجرمین کو سزائیں ملیں تو عین حکمت کے تحت تھیں۔ انصاف کا تقاضا یہی تھا۔ ان پر ہرگز ظلم نہیں ہوا۔ اگر مومنین کو نعمتوں والی جنت عطا ہوئی تو یہ ان کے نیک اعمال کی جزا تھی وہ اس کے مستحق تھے۔ ان سے ہرگز کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔

۱۱۔ **المید** کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی بڑی چیز کا مضطرب ہونا جیسا کہ ابتدا میں زمین میں سخت اضطراب تھا اور ہمہ وقت زلزلوں کی سی کیفیت رہتی تھی۔ پہاڑوں کے وجود

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

اور اُتارا ہم نے بادل سے پانی پس اُگائے ہم نے اس میں سب جوڑے

كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ

عمدہ یہ پیدائش ہے اللہ کی پس دکھاؤ مجھے وہ جو پیدا کیا ان لوگوں نے جو

نے اس لرزتی ہوئی زمین کو سکون بخشا۔(تفصیل کے لئے سورۃ نحل:۱۶)**المید** میں دسترخوان کا بھی مفہوم ہے۔ ہر قسم کی زندگی کی بقا کے لئے خوراک اور پانی کی تمام ضروریات پہاڑوں سے وابستہ ہیں(نحل:۱۶)علم کو بھی مائدہ سے تعبیر کیا کیونکہ علم روح کی غذا ہے جیسا کہ طعام بدن کی۔اس صورت میں پہاڑوں سے مراد انبیاء و اولیاء کے عظیم الشان وجود ہوں گے۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مید میں پیس ڈالنے کا بھی مفہوم ہے۔ جس سے ہندی لفظ میدہ نکلا۔ اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ زمین پر پہاڑ اس لئے رکھے کہ جب زمین نافرمانوں سے بھر جائے تو پہاڑ اپنی آتش فشانی اور زلازل سے بعض باغیوں کو پیس ڈالیں جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔۔۔۔۔ (بدر۲۴اگست ۱۹۰۵ء صفحہ۳)

ان تمید بکم ۔ تاکہ تمہارے ساتھ چکر لگائیں۔یہ بھی مفہوم ہے کہ کوئی اچک نہ لے۔ گویا اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہلکی ہونے کی وجہ سے کوئی سیارہ وغیرہ کی کشش اسے اپنی طرف کھینچ لیتی۔

بطور تمہید چند آیات کے بعد اب شرک کے ردّ اور توحید کا مضمون ہے جو ان سورتوں کا اصل موضوع ہے۔ قرآنِ کریم نے باربار اللہ تعالیٰ کی بے حدوحساب قدرتوں کا ذکر کیا۔ان قدرتوں میں سے آسمانوں کا ایسے ستونوں پر قائم ہونا ہے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے۔یہ کششِ ثقل کے ایسے غیر مرئی ستون ہیں جنہوں نے کائنات کے عظیم الجثہ کُرّوں کو سہارا دیا ہوا ہے اور اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے مدار سے اِدھر اُدھر ہٹ نہیں سکتے۔ سب اپنے اپنے راستوں پر قدرے بیضوی انداز سے گھوم رہے ہیں۔ یہاں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ بہت سی طاقتیں ایسی ہیں جن کو تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے جیسے کششِ ثقل وغیرہ۔پھر ان آنکھوں سے ان طاقتوں کے پیدا کرنے والے کو کیسے دیکھ سکتے ہو۔اس وسیع وعریض کائنات کی وسعت کا تصور انسانی عقل سے بعید ہے۔ کائنات میں کوئی چیز ساکت نہیں۔اس کا نہ تبدیل ہونے والا قانونِ قدرت یہ ہے کہ ہر کرہ اپنے سے بڑے کرے کے گرد گھوم رہا ہے۔چاند زمین کے گرد، زمین مع آٹھ سیارچوں کے سورج کے گرد ،اور یہ سب اپنے سے بڑے کسی سورج کے گرد اور وہ مع تمام سورجوں اور ان کی فیملیوں کے

مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ ع ۱۲ ۱۰

سوائے اسکے ہیں بلکہ ظالم گمراہی کھلی میں ہیں اور یقیناً یقیناً

اس سے بھی بڑے سورج کے گرد۔غرض یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ ہمارا نظامِ شمسی اپنی کہکشاں کے گرد اور وہ اپنے سے بڑی کہکشاں کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ ان گنت کہکشائیں اس کائنات میں موجود ہیں اور مزید بنتی جارہی ہیں۔ کائنات ہر دم وسعت پذیر ہے اور کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں ہے ۔گویا اس سے بھی بڑی کائنات موجود ہے جس کی کشش اسے کھینچے لئے جارہی ہے لیکن کہیں کوئی ٹکراؤ اور بدنظمی نہیں۔ تمام اجرامِ فلکی باوجود انتہاری تیز رفتاری کے ایسے نظام میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتے۔کائنات میں زبردست تناسب اور ہم آہنگی خالق کل کی واحدانیت کا ثبوت ہے۔

تخلیقِ کائنات کے بعد زمین کا ذکر کیا جس پر پہاڑوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔یہ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور زلازل سے زمین اور اہل زمین کی حفاظت پر مامور ہیں۔ تمہاری خوراک اور پانی کی تمام ضروریات کے کفیل ہیں۔اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان ہے کہ ہر قسم کے جانوروں کو زمین پر پھیلا دیا اور اپنی قدرت کا ملہ سے بادلوں سے پانی برسایا اور اس پانی سے زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اُگائے اب سائنسدان بھی ہر چیز کا جوڑا تسلیم کرتے ہیں جبکہ قرآنِ کریم نے چودہ سو سال قبل اس حقیقت کو بیان کیا۔زوجِ کریم میں ہر جنس کے جوڑے کی طرف اشارہ ہے خواہ اشجار میں سے ہوں یا غیر شجر میں(رازی)لفظ کریم میں بتایا کہ ہر جوڑا جو پیدا کیا اکرام کے لائق ہے۔سب سے ذہین جوڑا بدرجہ اَولیٰ لائقِ اکرام ہے۔اور اس سے نیچے بھی ہر جوڑا اکرام کا تقاضا کرتا ہے۔ سب اللہ کی مخلوق ہے کسی کی پیدائش بھی بے مقصد نہیں۔ جانوروں کا اکرام ان کو پیار کرنا،ان پر سختی نہ کرنا ان کی خوراک اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا۔ پودوں اور درختوں کا اکرام ان کو پانی اور کھاد وغیرہ دینا، بلاوجہ کاٹنا اور نہ اُجاڑنا، ان میں بھی ایک حسِ ہوتی ہے خواہ بہت ہی خفیف ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب درخت کی شاخیں وغیرہ کاٹی جاتی ہیں تو وہ روتا ہے۔اس میں بلاوجہ درختوں کو نہ کاٹنے کی طرف اشارہ ہے۔جنگلات کی کٹائی زمین اور اہل زمین کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ اس کٹائی کی وجہ سے سیلاب آتے ہیں، گرمی بڑھ جاتی ہے۔بارشیں کم ہوتی ہیں۔ہوا میں آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہے اور زمین کٹاؤ کا شکار ہوجاتی ہے۔

۱۲۔ یہ ہے اللہ کی تخلیق۔اس کے سوا ہے کیا جو غیر اللہ نے پیدا کیا۔ اللہ کی تو ہر تخلیق اس

اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا
دی ہم نے لقمان کو حکمت یہ کہ شکر کر اللہ کا اور جو شکر کریگا تو سوائے اسکے نہیں کر

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾
وہ شکر کریگا اپنے نفس کے لیے اور جس نے کفر کیا یقیناً اللہ بے پرواہ خوبیوں والا ہے

کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ مشرکوں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو خالقِ کائنات کی قدرتوں میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کھلی کھلی گمراہی میں ہیں۔

۱۳۔**الحکمة**۔ حکمت وسیع معنوں میں ہے۔ دانائی، علم وفہم، اصابت رائے، نبوت، حلم وبردباری، ذہانت، عقلمندی، علم اور علم کے مطابق عمل وغیرہ سب حکمت میں داخل ہے۔اس رکوع میں حضرت لقمان کی حکیمانہ نصائح بیان فرمائیں۔ جو آپ نے اپنے بیٹے کو کیں۔ یہ دس احکام تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں درج فرمائے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ ۱۔شرک سے مجتنب رہو۔ ۲۔ والدین سے حسن سلوک کرو۔سوائے حکمِ شرک کے ان کے سب حکم مانو۔ ۳۔علم الٰہی پر ایمان رکھو کہ وہ تمہاری ہر حرکت سے واقف ہے۔ ۴۔نماز قائم رکھو۔ ۵۔بھلی بات کا حکم دو۔ ۶۔بُری باتوں سے منع کرتے رہو۔ ۷۔لوگوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آؤ۔ ۸۔زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ ۹۔ہر ایک معاملہ میں میانہ روی اختیار کرو۔ ۱۰۔اپنی آواز کو دھیما رکھو۔شرک کے ذکر کے بعد اس آیت میں اپنے موحد بندے لقمان کا ذکر کیا۔فرمایا ہم نے لقمان کو حکمت سے نوازا۔اس حکمت کا تقاضا تھا کہ اللہ کا شکر گزار ہو۔شکر تو اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پرواجب ہے۔ لیکن حکمت جو افضل انعم ہے۔اس کے عطا ہونے پر بطور خاص شکر کا حکم دیا۔ بیشک علم وحکمت غیر نبی کو بھی عطا ہوتی ہے لیکن علم وحکمت کا اصل سرچشمہ جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہے وحی الٰہی ہے۔(بنی اسرائیل:۴۰)پس اللہ تعالیٰ کا بطور خاص حکمت عطا کرنا،انبیاء سے خاص ہے۔حضرت لقمان کی نبوت میں اختلاف ہے ۔ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی ،حکیم اور فقیر تھے۔صرف حضرت عکرمہؓ سے ان کا نبی ہونا نقل کیا جاتا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ غرض بقول بعض نبی تھے مگر ان کی حکمت اور ولایت پر سب کو اتفاق ہے۔

حضرت لقمان مصر کے رہنے والے حبشی نژاد تھے آپ نجار تھے۔آپ کا زمانہ حضرت داؤدؑ کے قریب کا زمانہ تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل۔عرب میں آپ ایک حکیم اور دانا کے طور پر مشہور تھے۔آپ سے بہت سے اقوالِ حکمت منقول ہیں۔حضرت لقمان حکیم کا قول ہے کہ میرے پاس عقل آئی میں نے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے۔اس نے کہا دماغ میں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ
اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جبکہ وہ وعظ کررہا تھا اے بیٹے میرے نہ شریک بنا تو

بِاللّٰهِ ؔؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
اللہ کا یقیناً شرک البتہ ظلم ہے بڑا اور تاکید کی ہم نے انسان کو

میرے پاس محبت آئی۔ میں نے اس سے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے۔ اس نے کہا دل میں۔ میرے پاس حیا آئی میں نے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے ۔ اس نے کہا آنکھوں میں ۔ میرے پاس حرص آئی میں نے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے ۔ اس نے کہا دل میں۔ میں نے کہا۔ وہاں تو محبت ہے۔ وہ بولی جب میں آتی ہوں تو محبت رخصت ہوجاتی ہے۔ میرے پاس عشق آیا۔ میں نے پوچھا تو کہاں رہتا ہے۔ اس نے کہا آنکھوں میں ۔میں نے کہا۔ وہاں تو حیا ہے۔ وہ بولا۔ جب میں آتا ہوں تو حیا نہیں رہتی۔ میرے پاس تقدیر آئی میں نے پوچھا تو کہاں رہتی ہے۔ وہ بولی دماغ میں۔ میں نے کہا۔ وہاں تو عقل ہے۔ وہ بولی جب میں آتی ہوں تو عقل نہیں رہتی گویا تقدیر کے سامنے بڑے بڑے عقل والوں کی مَت ماری جاتی ہے۔

حضرت لقمان نے کسی کے استفسار پر بتایا کہ مجھے یہ مقام میرے دو کاموں کی وجہ سے ملا ہے۔ پہلا سچ بولنا دوسرا فضول باتوں سے اجتناب ۔ ایک روایت ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہیں ۔ ۱۔اپنی نگاہ کو پست رکھنا۔ ۲۔زبان کو بند رکھنا۔ ۳۔ حلال روزی پر قناعت کرنا۔ ۴۔اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔ ۵۔سچائی پر قائم رہنا۔ ۶۔عہد کو پورا کرنا۔ ۷۔مہمان کا اکرام کرنا۔ ۸۔ پڑوسی کی حفاظت کرنا۔ ۹۔فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔(ابن کثیر)

حضرت لقمان کو حکمت عطا کرکے شکر کا حکم دیا اور فرمایا کہ شکر کا فائدہ انسان کی اپنی ذات کو ہی پہنچتا ہے۔ سورۃ ابراھیم :۸ میں فرمایا !**لـئن شکر تم لازید نکم** ۔اگر تم شکر کروگے تو ہمیں اپنی ذات کی قسم ہم ضرور بڑھ چڑھ کر دیں گے۔ شکر کرنے سے نعمت بڑھتی ہے دینی طور پر بھی اور دنیوی طور پر بھی۔ اللہ غنی ہے اسے تمہارے شکر کی حاجت نہیں ۔ وہ اپنی ذات میں صاحب حمد ہے خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے اس کی تخلیق کردہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی لامحدود صفات کا آئینہ دار ہے اور زبان حال سے اس کی حمد کے گیت گا رہا ہے۔

۱۴۔بیشک غیر نبی بھی شرک کے خلاف تعلیم دیتے ہیں لیکن انبیاء بطور خاص شرک کے خلاف جہاد کرتے ہیں بلکہ ان کی بعثت کی غرض ہی شرک کا قلع قمع کرنا اور توحید کو قائم کرنا ہوتا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا

دی ہم نے لقمان کو حکمت یہ کہ شکر کر اللہ کا اور جو شکر کریگا توسوائے اسکے نہیں کہ

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

وہ شکر کریگا اپنے نفس کے لیے اور جس نے کفر کیا یقیناً اللہ بے پرواہ خوبیوں والا ہے

کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ مشرکوں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو خالق کائنات کی قدرتوں میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کھلی کھلی گمراہی میں ہیں۔

۱۳۔ **الحکمۃ**۔ حکمت وسیع معنوں میں ہے۔ دانائی، علم وفہم، اصابت رائے، نبوت، حلم وبردباری، ذہانت، عقلندی، علم اور علم کے مطابق عمل وغیرہ سب حکمت میں داخل ہے۔ اس رکوع میں حضرت لقمان کی حکیمانہ نصائح بیان فرمائیں۔ جو آپ نے اپنے بیٹے کو کیں۔ یہ دس احکام تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں درج فرمائے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ ۱۔ شرک سے مجتنب رہو۔ ۲۔ والدین سے حسن سلوک کرو۔ سوائے حکم شرک کے ان کے سب حکم مانو۔ ۳۔ علم الٰہی پر ایمان رکھو کہ وہ تمہاری ہر حرکت سے واقف ہے۔ ۴۔ نماز قائم رکھو۔ ۵۔ بھلی بات کا حکم دو۔ ۶۔ بُری باتوں سے منع کرتے رہو۔ ۷۔ لوگوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آؤ۔ ۸۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ ۹۔ ہر ایک معاملہ میں میانہ روی اختیار کرو۔ ۱۰۔ اپنی آواز کو دھیما رکھو۔ شرک کے ذکر کے بعد اس آیت میں اپنے موحد بندے لقمان کا ذکر کیا۔ فرمایا ہم نے لقمان کو حکمت سے نوازا۔ اس حکمت کا تقاضا تھا کہ اللہ کا شکر گزار ہو۔ شکر تو اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر واجب ہے۔ لیکن حکمت جو افضل النعم ہے۔ اس کے عطا ہونے پر بطور خاص شکر کا حکم دیا۔ بیشک علم وحکمت غیر نبی کو بھی عطا ہوتی ہے لیکن علم وحکمت کا اصل سرچشمہ جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہے وحی الٰہی ہے۔ (بنی اسرائیل: ۴۰) پس اللہ تعالیٰ کا بطور خاص حکمت عطا کرنا، انبیاء سے خاص ہے۔ حضرت لقمان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی، حکیم اور فقیر تھے۔ صرف حضرت عکرمہؓ سے ان کا نبی ہونا نقل کیا جاتا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ غرض بقول بعض نبی تھے مگر ان کی حکمت اور ولایت پر سب کو اتفاق ہے۔

حضرت لقمان مصر کے رہنے والے حبشی نژاد تھے آپ نجار تھے۔ آپ کا زمانہ حضرت داؤدؑ کے قریب کا زمانہ تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل۔ عرب میں آپ ایک حکیم اور دانا کے طور پر مشہور تھے۔ آپ سے بہت سے اقوال حکمت منقول ہیں۔ حضرت لقمان حکیم کا قول ہے کہ میرے پاس عقل آئی میں نے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے۔ اس نے کہا دماغ میں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ

اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جبکہ وہ وعظ کررہا تھا اے بیٹے میرے نہ شریک بناؤ

بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ

اللہ کا یقیناً شرک البتہ ظلم ہے بڑا اور تاکید کی ہم نے انسان کو

میرے پاس محبت آئی۔ میں نے اس سے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے۔ اس نے کہا دل میں۔ میرے پاس حیا آئی میں نے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے۔ اس نے کہا آنکھوں میں۔ میرے پاس حرص آئی میں نے پوچھا تو کہاں ہوتی ہے۔ اس نے کہا دل میں۔ میں نے کہا۔ وہاں تو محبت ہے۔ وہ بولی جب میں آتی ہوں تو محبت رخصت ہوجاتی ہے۔ میرے پاس عشق آیا۔ میں نے پوچھا تو کہاں رہتا ہے۔ اس نے کہا آنکھوں میں۔ میں نے کہا۔ وہاں تو حیا ہے۔ وہ بولا۔ جب میں آتا ہوں تو حیا نہیں رہتی۔ میرے پاس تقدیر آئی میں نے پوچھا تو کہاں رہتی ہے۔ وہ بولی دماغ میں۔ میں نے کہا۔ وہاں تو عقل ہے۔ وہ بولی جب میں آتی ہوں تو عقل نہیں رہتی گویا تقدیر کے سامنے بڑے بڑے عقل والوں کی مت ماری جاتی ہے۔

حضرت لقمان نے کسی کے استفسار پر بتایا کہ مجھے یہ مقام میرے دو کاموں کی وجہ سے ملا ہے۔ پہلا سچ بولنا دوسرا فضول باتوں سے اجتناب۔ ایک روایت ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہیں۔ ۱۔ اپنی نگاہ کو پست رکھنا۔ ۲۔ زبان کو بند رکھنا۔ ۳۔ حلال روزی پر قناعت کرنا۔ ۴۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔ ۵۔ سچائی پر قائم رہنا۔ ۶۔ عہد کو پورا کرنا۔ ۷۔ مہمان کا اکرام کرنا۔ ۸۔ پڑوسی کی حفاظت کرنا۔ ۹۔ فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔ (ابن کثیر)

حضرت لقمان کو حکمت عطا کرکے شکر کا حکم دیا اور فرمایا کہ شکر کا فائدہ انسان کی اپنی ذات کو ہی پہنچتا ہے۔ سورۃ ابراھیم: ۸ میں فرمایا **لئن شکرتم لازیدنکم**۔ اگر تم شکر کروگے تو ہمیں اپنی ذات کی قسم ہم ضرور بڑھ چڑھ کر دیں گے۔ شکر کرنے سے نعمت بڑھتی ہے دینی طور پر بھی اور دنیوی طور پر بھی۔ اللہ غنی ہے اسے تمہارے شکر کی حاجت نہیں۔ وہ اپنی ذات میں صاحب حمد ہے خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے اس کی تخلیق کردہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی لامحدود صفات کا آئینہ دار ہے اور زبان حال سے اس کی حمد کے گیت گا رہا ہے۔

۱۴۔ بیشک غیر نبی بھی شرک کے خلاف تعلیم دیتے ہیں لیکن انبیاء بطور خاص شرک کے خلاف جہاد کرتے ہیں بلکہ ان کی بعثت کی غرض ہی شرک کا قلع قمع کرنا اور توحید کو قائم کرنا ہوتا

بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ

متعلق ماں باپ کے انکے حمل میں رکھا اسے ماں نے اس کی کمزوری پر کمزوری سے اور دودھ چھڑانا اس کا

فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ النصف

دوسال میں کہ شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا طرف میری ٹھکانا ہے

ہے۔آپ نے بھی سب سے پہلے شرک سے منع فرمایا اور اپنی حکیمانہ نصائح کی ابتدا گھر سے کی۔ اللہ کے برابر تو مشرک بھی کسی کو نہیں مانتے۔ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں، یہی شرک ہے۔اپنے کسی پیر و مرشد کے لئے یہ ماننا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیب پر یادیگر امور پر تصرف بخشا ہے ،شرک ہے۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قول قرآن کریم میں ہے کہ **لااعلم الغیب** (الانعام:۵۱) نیز آپ کا یہ فرمان کہ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے کیا سلوک ہوگا ۔(سورۃ الاحقاف:۱۰) شرک کی جڑ کاٹنے کے لئے کافی ہے۔

شرک کو ظلم سے تعبیر کیا۔ ظلم کسی کا حق دوسرے کو دینا ہے۔شرک میں بھی انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق میں دوسروں کو شریک کرتا ہے اس لئے اسے ظلم عظیم کہا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرماتے ہوئے ہر گناہ بخش دے گا لیکن شرک نہیں (سورۃ انساء :۴۹) جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے شرک محض بتوں کو پوجنا ہی نہیں ،اسباب پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنا، کسی دوسرے سے اللہ کی طرح محبت کرنا، اللہ کی طرح اس سے خوف کھانا یا اس پر بھروسہ کرنا یہ سب شرک میں داخل ہے۔یہ بھی شرک میں شامل ہے کہ اپنے تئیں کچھ سمجھنا۔نماز جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا ہے اسے چھوڑ کر اپنے بعض مشاغل کو اس پر فوقیت دینا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ افضل الذّکر **لاالٰہ الّااللّٰہ** کے ساتھ توحید کامل نہ ہوتی اگر اس کے ساتھ **محمدٌ رسول اللّٰہ** نہ ہوتا۔ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہم پر اور احسان کئے وہاں یہ بھی کیا کہ **لآ الٰہ الااللّٰہ** کے ساتھ **محمدٌ عبدہٗ ورسولہٗ** رکھ دیا۔یہ الفاظ شرک کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہیں۔دنیا والوں نے ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے فرستادوں کے وصال کے بعد ان کو بعض خدائی صفات میں شریک کرلیا اور ان کے بت تک بناڈالے۔یہاں بتایا کہ افضل الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے بندے ہیں اور کسی خدائی صفت میں شریک نہیں۔پس ان کے پیرو مرشد اللہ کی صفات کے حامل کیسے بن گئے ۔(بدر۱۳جنوری۱۹۱۰ءصفحہ۲ سے ماخوذ)

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کی شکرگزاری اور اطاعت کا تاکیدی حکم دیا جو والدین کے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔ خدا کے بعد تخلیق اور ربوبیت میں ماں باپ کا سب سے

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

اور اگر وہ دونوں جھگڑیں تجھ سے اس پر کہ تو شریک بنائے میرا کہ نہیں تجھے اس کا کوئی علم

فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ

تو نہ اطاعت کیجیو ان دونوں کی اور ساتھ رہ ان دونوں کے دنیا میں مناسب طور پر اور پیروی کر

سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

راہ کی اس شخص کی جو جھکا میری طرف پھر طرف میری لوٹنا ہے تمہارا پس آگاہ کروں گا تم کو اس سے جو

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ

تھے تم کرتے اے بیٹے میرے یقیناً اگر ہو تو بموزن دانہ کے

زیادہ حصہ ہے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ وہ ربّ سے اس معنی میں ظلی طور پر مشابہت رکھتے ہیں کہ بچوں کے پیدا ہونے کا ایک ظاہری سبب بن جاتے ہیں۔(قرآن کریم اردو ترجمہ ۔ حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ)والدین اولاد کے لئے بڑی تکلیفیں اٹھاتے ہیں ۔ ماں کے احسانات کا خاص طور پر ذکر کیا جو حمل میں ضعف پر ضعف کی حالت میں بچے کو اٹھائے رکھتی ہے۔عورت کے حمل کا عرصہ اور دوسال تک دودھ پلانے کا عرصہ ایک صبر آزما اور تکلیف دہ امر ہے جسے اپنی ماںتا کی وجہ سے وہ محسوس نہیں کرتی۔حضرت لقمان کا بیٹے کو شرک نہ کرنے کی نصیحت کرنا بتاتا ہے کہ بیشک جسمانی ربوبیت ماں کا فرض ہے لیکن اولاد کی روحانی تربیت اور اسے شرک سے بچانے کی ذمہ داری باپ پر عائد ہوتی ہے۔اس لئے کہ مائیں اپنی طبعی نرمی، کمزوری یا کم علمی کی وجہ سے ممکن ہے بچوں کو شرک میں مبتلا کردیں۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ترجمۃ القرآن کلاس MTA)اس آیت کا یہ منشا نہیں کہ لازماً بچے کو دوسال ہی دودھ پلایا جائے۔یہ مدت اس کے لئے ہے جو رضاعت پوری کرنا چاہے(سورۃ البقرہ:۲۳۴)حرمتِ رضاعت میں بھی دو سال کی شرط نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ بچے کا دوسری غذا پر انحصار نہ ہو۔ تب حرمتِ رضاعت ہوگی۔اگر اللہ کا شکرادا کیا اور نہ اپنے والدین کا تو میری طرف ہی لوٹ کرآنا ہے۔ میری پکڑ سے بچ نہیں سکو گے۔

۱۶۔والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید کے بعد فرمایا کہ اگر شرک کا حکم دیں یا تجھے شرک پر مجبور کریں تو والدین کی اطاعت بھی حرام ہے۔ تو ان کا یہ حکم ہرگز نہ مان۔ اور دنیوی طور پر معروف طریق سے ان دونوں کے ساتھ رفاقت رکھ۔ ہر طرح سے ان کی خدمت و خاطر ملحوظ رکھ۔ ہرگز کوئی بے ادبی نہ ہو۔ اور اُس کے رستے کی اتباع کر جو میری طرف جھکتا ہو۔ یہ گروہِ انبیاء ہیں جن کی اتباع ہر زمانہ میں فرض ہے تم سب کو میری طرف ہی لوٹ کرآنا ہے پھر میں تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کروں گا۔

خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
رائی کے پھر ہو جاوے پتھر میں یا آسمانوں یا زمین میں
يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۱۷ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ
تو لائے گا اُسے اللہ یقیناً اللہ مہربان خوب خبر رکھنے والا ہے اے میرے بیٹے قائم کر نماز
وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ
اور حکم دے مناسب بات کا اور روک بُری بات سے اور صبر کر اس پر جو مصیبت پہنچے تم کو
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۱۸ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
یقیناً یہ بڑے کاموں میں سے ہے اور نہ پھلا گال اپنے لوگوں کے لیے
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
اور نہ چل زمین میں اکڑ کر یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا کسی تکبر کرنیوالے

۱۷۔**ان تکُ**۔ اگر وہ ہوگی۔عام معنی یہی ہیں کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی لطیف و خبیر ربّ کی نظر سے مخفی نہیں خواہ کسی چٹان کے اندھیروں میں چھپی ہو یا آسمانوں کی رفعتوں میں ہو یا زمین کی پستیوں میں اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے ۔وہ اسے ظاہر کردے گا۔

چونکہ شرک کا مضمون جاری تھا اس تعلق میں یہ معنی ہوں گے کہ اگر تمہارے دل میں شرک کا ادنیٰ ساخیال بھی پیدا ہوا تو اس لطیف و خبیر کو اس کا علم ہوگا۔ اس لئے کہ اسے تو کسی چٹان یا آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی نہایت معمولی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے۔دوسرے معنے یہ ہیں کہ **انھا** میں ضمیر **ما کنتم تعملون** کی طرف جاتی ہے۔پس یہاں بتایا کہ تمہیں ہرگز یہ خیال نہ ہو کہ اس لطیف و خبیر خدائے عظیم سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ ہے ۔تمہارا کوئی عمل خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، نہایت مخفی ہو یا ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کردے گا۔آج عملاً بھی ایسا ہی ہورہا ہے کہ ایک انسان خواہ چٹانوں کے اندر کے بظاہر نہایت معمولی راز معلوم کرنے کی کوشش میں ہو یا راکٹ میں آسمانوں کی پہنائیوں میں قدرت کے راز ہائے بستہ کی باریکیوں کو جاننے میں مصروفِ عمل ہو یا زمین کی پاتال کے بعض لطیف راز دریافت کررہاہو۔ دوسرے سائنسدانوں کو اس کا علم ہوجاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ جو بہت باریک بین اور باخبر ہے اسے تمہارے ان سب اعمال کی خبر ہے وہ ان سب رازوں سے پردہ اٹھادے گا۔

۱۸۔آپ نے پہلے اپنے حکیمانہ انداز میں عقائد کے بارے میں بتلایا ۔اب عملی احکام میں سب سے پہلے نماز کا حکم دیا جو انسان کے تمام اعمال میں اصلاح کا ذریعہ ہے۔جیسا کہ فرمایا **اِنَّ الصّلٰوۃ تنھیٰ عنِ الفحشآءِ والمنکر**۔(۲۹۔۴۶)جب بندہ اپنی نماز کو اس مقام پر

فَخُوْرٍ ۱۹ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ
بہت فخر کرنیوالے کو اور درمیانہ روی اختیار کر چال میں اپنی اور نیچی کر آواز اپنی یقیناً
اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۲۰ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ ع ۲ ۸ ۱۱
سب سے بُری آوازوں میں سے البتہ آواز گدھوں کی ہے کیا نہیں تم نے دیکھا کہ اللہ نے

پہنچا دے گا تو محض اللہ کے فضل و احسان سے اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی توفیق ملے گی۔ اس لئے اپنی اصلاح کے ساتھ اب بنی نوع انسان کی اصلاح کا حکم دیا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دو ، انہیں نیکی کی طرف بلاؤ اور بدی سے منع کرو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سخت تاکید فرمائی۔ حضرت حُذیفہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، یا تو تم نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو ، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سخت عذاب سے دوچار کردے گا۔ پھر تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔(ترمذی کتاب الفتن باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)دعوت ِ الی اللہ کے نتیجہ میں لازماً مصائب ومشکلات پیش آتی ہیں۔یہ صبر کی راہ ہے۔اس میں سخت آزمائشیں ہیں۔پس ان آزمائشوں کا مقابلہ صبر و استقلال سے کرنا ۔ یا درکھو مصائب پر ثابت قدم رہنا کوئی معمولی بات نہیں یہ بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔

۱۹۔ **تصعّرِ**۔ لفظی معنی تُو پھیرتا ہے۔ یہاں پُھلانے کے معنی میں ہے ۔ **المشیٔ** ۔ چلنا۔ جب صبر واستقلال اور ثابت قدمی سے اس مقام پر پہنچو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابیوں اور اپنی گونا گوں نعمتوں سے نوازے تو متکبر نہ ہو جانا کہ گال پُھلائے رکھو، کسی غریب کو خاطر میں نہ لاؤ، اس سے سیدھے منہ بات نہ کرو اورزمین میں اکڑ کر چلو۔انسان میں تکبر اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنی کامیابیوں یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دیگر نعمتوں کو خود سے منسوب کرتا ہے اور عطا کرنے والے کو بھول جاتا ہے۔یاد رکھو نعمتیں روحانی ہوں یا مادی اللہ ہی کے فضل و احسان سے عطا ہوتی ہیں ۔اللہ تعالیٰ اپنے عاجز بندوں کو پسند کرتا ہے وہ کسی تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔تمہاری ان کامیابیوں کا تعلق بھی عجز سے ہے اب متکبر بن کر انہیں ضائع نہ کردینا۔تکبر کی قرآن و احادیث میں سخت مذمت بیان ہوئی ہے۔حضرت ثوبانؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جوشخص وفات پائے اور غرور وتکبر ، خیانت اور قرض سے پاک ہو خدا تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔(ابوداؤد۔ نسائی) گویا جنت میں جانے کا نہایت سہل نسخہ بیان فرمایا۔

۲۰۔**القصد** راستہ کا سیدھا ہونا ہے۔میانہ روی مراد ہے جو افراط وتفریط کے درمیان ہو۔

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ
کام میں لگا دیا ہے تمہارے لیے وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور پوری کیں اس نے تم پر

نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي
اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی اور بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑتے ہیں بارہ میں

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا قِيْلَ
اللہ کے بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا
ان کے لیے پیروی کرو اس کی جو اُتارا اللہ نے کہتے ہیں بلکہ ہم پیروی کرتے ہیں اسکی کہ پایا ہم نے

عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ
جس پر اپنے باپ دادا کو کیا اگرچہ ہے شیطان بلاتا انہیں طرف عذاب

السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ
آگ کے اور جو سونپے گا اپنی توجہ طرف اللہ کی اور وہ احسان کرنیوالا ہو تو یقیناً

اسی سے قصیدہ ہے جو کم از کم سات اشعار کی نظم ہے۔اردو میں قصد کے معنی ارادہ کے ہیں۔

واغضض ۔ الغضّ کے معنی کمی کرنے کے ہیں۔نظر میں ہو یا آواز میں۔**غضِ بصر** ۔ نظر کو نیچا رکھنا ہے۔غضِ صوت ۔ آواز کو نیچا رکھنا ہے۔

اب عجز کی تعلیم دی کہ تمہاری چال میں تکبر کی بجائے میانہ روی اور وقار ہو۔آواز میں بھی غرور کی کرختگی کی بجائے دھیماپن اور شائستگی ہو۔گدھے کی طرح چیخنے چلّانے سے زیادہ رعب نہیں پڑتا۔بلکہ انسان بیوقوف اور غیر مہذب نظر آتا ہے۔یہ میانہ روی چال تک محدود نہ ہو بلکہ تمام اقوال و افعال اور خیالات میں میانہ روی اور شائستگی ہو۔میانہ روی کے یہ معنی نہیں کہ آہستہ چلو۔ مجاہدؔ نے **قصد فی المشی** سے مراد متواضعانہ چال لی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تیز رفتار اور خوش گفتار تھے۔چلنے میں روانی کا یہ عالم تھا کہ گویا ڈھلوان کی طرف سے اتر رہے ہیں لیکن قدم پختگی سے جما کر رکھتے تھے۔دیگر صحابہ بھی خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ بہت تیز رفتار تھے۔آپ نے بازار میں ایک شخص کو آہستہ چلتے دیکھا تو پوچھا۔تم بیمار ہو۔اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے دُرّہ اٹھایا اور کہا!جوان ہو،قوت سے چلا کرو۔

۲۱۔۲۲۔**اسبغُ**۔ سابغٌ۔ کامل۔پوری چیز کو کہتے ہیں۔**اسبغَ اللّٰهُ علیه النَعمةَ** ۔ اس پر نعمت کو کامل کیا اور اتمام کو پہنچایا اور وسیع کیا۔ (لسان العرب)

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲
اس نے مضبوط پکڑ لیا کڑا مضبوط اور طرف اللہ کی انجام ہے سب کاموں کا

عظمت و جبروت ،اس کی قدرتوں اور وسعتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔حضرت لقمان کی نصائح کے بعد جن کا محور توحید باری تعالیٰ تھا اب پھر توحید کے مضمون کی طرف عود فرمایا جو اس سورۃ کا اصل موضوع ہے۔

جس طرح ربّ ذوالجلال نے انسان کی ظاہری نعمتوں کی تکمیل کے لئے سامان مہیا فرمائے اور آسمانوں اور زمین کی تمام قوتوں کو انسان کی خدمت اور نفع رسانی پر لگادیا اسی طرح انسان کی باطنی نعمتوں کی تکمیل کے لئے جو اخلاق اور روحانیت سے تعلق رکھتی ہیں، سامان مہیا فرمائے۔یہ سامان اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم اس کے انبیاء کے ذریعہ دی گئی ہدایت اور کتابِ منیر ہے۔پس انسان علم و معرفت سے انبیاء کی اس ہدایت کو قبول کرے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں اور خدائے عزّ وجلّ کی روشن کتاب پر عمل کرکے اپنی باطنی نعمتوں کی تکمیل کرے جو کمال انسانی ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں ہر فرد کے لئے کھلی ہیں۔اسی طرح اس کی باطنی نعمتیں بھی کسی فرد یا قوم کے لئے مختص نہیں۔

لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ظاہری نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن عطا کرنے والے کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی ان نعمتوں میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں۔اس طرح باطنی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔حالانکہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کتابِ منیر۔(اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک داعی الی اللہ کو ان تینوں ہتھیاروں سے لیس ہونا چاہیئے) جب انبیاء انہیں کتاب منیر کی طرف بلاتے ہیں تو باپ دادا کی اندھی تقلید کی اتباع کرتے ہیں خواہ یہ روش شیطان کی وضع کردہ ہی کیوں نہ ہو اور وہ انہیں بڑھکتی ہوئی آگ کی طرف بلائے تو کیا تب بھی اپنے آباء واجداد کی ہی اتباع کریں گے؟

پرانے خیالات کے لوگ ہوں یا آج کے روشن خیال کوئی بھی آباء واجداد کے مذہب اور رسم و رواج کو آسانی سے چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کی وجہ سے دنیا میں بھی ایک جہنمی معاشرہ وجود میں آتا ہے اور آخرت کو بھی واصل جہنم ہوں گے۔

۲۳۔**امساک الشئی** کے معنی کسی چیز سے چمٹ جانا اور اس کی حفاظت کرنا کے ہیں۔عُروۃ۔دستہ۔کڑا۔حلقہ۔جائے گرفت۔**وُثقٰی** ۔ مضبوط۔ (تفسیر کے لئے البقرۃ:۲۵۷)محسن کی تعریف آیت ۴ میں گزرچکی ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
اور جس نے کفر کیا تو نہ غم میں ڈالے تجھے کفر اُن کا طرف ہماری لوٹنا ہے ان کا

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾
پس ہم آگاہ کریں گے انہیں اس پر جو عمل کئے انہوں نے یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے سینوں والی بات کو

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ
ہم فائدہ پہنچائیں گے انہیں تھوڑا سا پھر مجبور کر کے لیجاویں گے انہیں طرف عذاب سخت کے اور البتہ اگر

اسلاف کی اندھی تقلید کرنے والوں کے مقابلہ میں اپنے ان مقربین کا ذکر کیا جو علم اور معرفت سے ہدایت کو پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور روشن کتاب کی اتباع سے اس مقام کو حاصل کر لیتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنی باطنی نعمتیں ان پر پوری کر دیتا ہے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی تمام توجہات کو اللہ کے سپرد کر دیا اور وہ محسن ہیں۔ یقیناً انہوں نے ایک مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے۔ گویا ایک مضبوط حلقے کو تھام کر گرنے اور ہلاک ہونے سے مامون ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں !''اسلام اللہ تعالیٰ کی تمام تصرفات کے نیچے آجانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچی اور کامل اطاعت ہے۔ مسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالیٰ کے حضور رکھ دیتا ہے، بدوں کسی امید پاداش کے **وَمن یسلم وجههٗ الی اللّٰه وهومُحسنٌ**''۔ (ملفوظات جلد سوئم صفحہ ۲۳۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۶۔ پرچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۲ء) آپ فرماتے ہیں ۔'' اگر تم اس دنیا میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خدا کی طرف جھک جاؤ اور اپنی اصلاح کر لو اور پورے طور پر خدا کے ہو جاؤ''۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۷) یہ مراد نہیں کہ دنیا سے کلی طور پر لاتعلق ہو جاؤ۔ ہاں مطلوب و مقصود اپنے رب کو پانا ہو، اُسی پر ہمیشہ نظر رہے نماز میں بھی اور دیگر افعال میں بھی ورنہ یہ تکبر ہوگا کہ جب میں نے خدا کے لئے دنیا چھوڑ دی تو وہی دے۔ اللہ کے سارے پاک بندے دنیا کے کاروبار کرتے رہے اور تمام معاملات کا آخری فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے یعنی انسان اپنی کوشش سے کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کا فضل و احسان ہے جو بندے کی دستگیری فرماتا ہے اور وہ اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔

۲۴۔ ہاں اگر کوئی ایمان کے بعد کمزوری دکھاتا ہے اور عروۃ الوثقٰی پر ہاتھ ڈال کر پھر کمزوری کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کا عمل تجھے غمگین نہ کرے۔ اگر ان کو دنیا میں سمجھ نہیں آئی تو آخرت کو اپنے اعمال کی حقیقت سمجھ آجائے گی۔ اللہ سے تو کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اسے تو اندر تک کی باتوں کا علم ہے۔

سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ
پوچھے تو ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ضرور کہیں گے اللہ نے تو کہدے

الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي
اور زمین میں ہے یقیناً اللہ ہی بے پرواہ خوبیوں والا ہے اور اگر ہوں وہ جو

الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ
زمین میں درخت ہیں قلمیں اور سمندر مدد کریں اسکی کو بعد اس کے

سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
سات سمندر نہ ختم ہوں باتیں اللہ کی یقیناً اللہ عزت والا

۲۵۔ **غلیظ**۔ سخت۔ گاڑھا۔ گندہ۔ عروۃ الوثقٰی کو چھوڑنے والوں کو کچھ دنیوی فوائد دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیوی فوائد سے محروم نہیں رکھے گا اس لئے کہ ظاہری نعمتیں کافر اور مومن دونوں کے لئے برابر ہیں۔ ہاں بعض منکرین کو دنیوی عذاب دوسروں کی عبرت کے لئے دئے جائیں گے۔ البتہ اشد ترین مخالفین کا عذاب شدید ہوگا اور انہیں زبردستی عذاب میں دھکیلا جائے گا۔ اس لئے کہ خوشی سے کوئی بھی جہنم میں جانا نہیں چاہے گا۔ ان کا دنیا کا عذاب بھی غلیظ ہوگا اور آخرت کا بھی۔ بوجہ گاڑھا ہونے کے اس میں ایسے پھنسیں گے کہ نکل نہیں سکیں گے۔

۲۶۔ چونکہ انسان کی فطرت میں توحید ہے اس لئے مشرک بھی باوجود کئی قسم کے شرک میں ملوث ہونے کے یہ اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے۔ پس جب تخلیق کائنات میں غیر اللہ کا دخل نہیں مانتے تو اس کی صفات میں ، اس کے اختیار و اقتدار میں غیر اللہ کا دخل کیوں تسلیم کرتے ہیں۔ تو انہیں بتلا کہ سب حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر یہ بات نہیں سمجھتے۔

۲۷۔ وہ صرف خالق ہی نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ بے نیاز ہے کسی کی حمد کا محتاج نہیں۔ تمہاری حمد تمہاری اپنی ذات کو ہی فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس خالق اور مالک کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی تمام مخلوق اپنے اپنے انداز سے ہمہ وقت اس کی تسبیح و تحمید کر رہی ہے۔ اس کے لئے زمان و مکاں بے معنی ہیں۔ اس کی مِلک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ پس الوہیت کا سزاوار بھی وہی ہے۔

۲۸۔ (تفصیل کے لئے سورۃ الکہف آیت ۱۱۰) توحید کا ذکر تھا۔ توحید کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ

حَكِيْمٌ (۲۰) مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ

حکمت والا ہے نہیں پیدائش تمہاری اور نہ اُٹھانا تمہارا مگر مانند نفس واحد کے یقیناً

کی عظمت و کبریائی کی طرف توجہ دلائی کہ اگر تمام دنیا کے اشجار قلمیں بن جائیں اور لاتعداد سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی تیرے ربّ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔اگر اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب یعنی قرآن کریم کے کلمات مراد ہیں تو روشنائی ختم ہو جائے گی مگر قرآنی معارف کبھی ختم نہ ہونے پائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب یعنی کائنات کے کلمات مراد لئے جائیں تو ان کلمات کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے سات کیا سات ہزار سمندر بھی کم ہیں۔اس لئے کہ اس کی قدرت وحکمت کے اسرار اور عجائبات غیر متناہی ہیں جبکہ اقلام اور ابحار متناہی ہیں۔ ربّ العالمین کا سب سے بڑا معجزہ یہ کائنات ہے جس کا ذرہ ذرہ خالق کائنات کی صناعی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔سائنسدانوں نے عمریں خرچ کرکے لاکھوں کتابیں عجائباتِ عالم پر لکھیں ہیں مگر اس کی کنہ کونہیں پہنچ سکے۔آج ایک ذرّہ میں پوشیدہ رازوں کی تحقیق پر لائبریریاں بھری پڑی ہیں ۔کائنات کی وسعتوں اور عجائبات کا یہ حال ہے کہ جس کہکشاں کا حصہ ہمارا نظام شمسی ہے۔وہ دس ملین ستاروں پر مشتمل ہے۔اس کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے۔ہمارا نظام شمسی اس کے گرد ایک چکر انتیس (۲۹) ہزار کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے ساڑھے بائیس کروڑ سال میں مکمل کرتا ہے۔ایسی اربوں کہکشائیں دریافت ہوچکی ہیں مزید بن رہی ہیں اور دریافت ہو رہی ہیں۔یہ اس کائنات کا کچھ حال ہے جو ہمارے سامنے ہے ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔**وماأُوتیتم مَن العلم الاّ قلیلا**۔

اس وسیع وعریض کائنات کی ایک چھوٹی سی ذی شعور مخلوق انسان ہے جو اس کی قدرت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔اس کے جسم کے ہر عضو اور ان کے افعال پر ان گنت کتابیں لکھی گئی ہیں۔ صرف دماغ پرہی غورکریں تو انسانی دماغ قریباً پچاس اونس وزن کا قدرت کا ایک کرشمہ ہے جو تمام جانوروں کے دماغوں سے وزنی ہے ۔ یہ اتنی پیچیدہ اور حیران کن مشینری ہے کہ انسان اس کے متعلق انتہائی کاوش کے باوجود ابھی تک سطحی علم ہی حاصل کرسکا ہے۔ انسانی دماغ کروڑوں کروڑ اعصاب کا مرکز ہے اور ایک ایک لمحہ میں بے حساب کام کرتا ہے ۔ اس کے مختلف خانوں میں ایک حافظہ کا خانہ ہے ۔ایک سائنسدان کے مطابق انسان اپنی دماغی صلاحیتوں کا عام طور پر سات (۷) فیصد ہی خرچ کرتا ہے۔

غرض اس کی خلق بنتی رہے گی اور مٹتی رہے گی۔اس کے کلمات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (۲۹) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي

اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے کیا نہیں دیکھا تُو نے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو

النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ

دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا اُس نے سورج اور چاند

كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۳۰)

ہر ایک چلتا ہے تا میعاد مقررہ اور یقیناً اللہ اسکی جو تم کرتے ہو خوب خبر رکھنے والا ہے

روشنائیاں ختم ہوجائیں گی لکھنے والے باقی رہیں گے۔وہ کامل غلبے والا اورزبردست حکمتوں والا ہے۔

۲۹۔اللہ تعالیٰ کی لازوال قدرتوں، اس کے تخلیقی نظام اور اسرارِ کائنات کاذکر تھا۔ یہ تمام شواہد توحید کا ثبوت اور شرک کی تردید کرتے ہیں۔فرمایا تمہاری پیدائش اور تمہارا دوبارہ اٹھایاجانا محض نفس واحدہ کی پیدائش اور اٹھائے جانے کے مشابہ ہے۔پیدا کرنا ہی اس کا احسان نہیں بلکہ اس نے ہمیشہ اپنے بندوں کی پکار کو سنا اور کبھی ان سے بے خبرنہیں رہا۔

جوں جوں زمانہ ترقی کررہاہے ، قرآنی حقائق سے پردہ اٹھ رہاہے نئے نئے معانی سامنے آرہے ہیں اور ازدیادِ ایمان کاباعث بن رہے ہیں۔آج ثابت ہوچکاہے کہ واحدخلیہ (Singl Cell) سے خلق کی ابتدا ہوئی جو اپنے اندر لامتناہی عجائبات لئے ہوئے تھا۔اس بنیادی خلیہ کی کُنہ تک ابھی کوئی سائنسدان نہیں پہنچ سکا یعنی اس کا کماحقہٗ احاطہ نہیں کرسکا۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انسانی تخلیق کے رازوں پر سے عجیب رنگ میں پردہ اٹھارہی ہے۔انسان کو متوجہ کیا کہ اگر وہ رحم مادر میں تشکیل پانے والے جنین پرغور کرے کہ وہ تخلیق کے کن بے انتہا مراحل میں سے گزرتا ہے تو اسے اپنی پہلی پیدائش کی پر اسرار حکمتوں کا کسی قدر علم ہوسکتاہے۔چنانچہ سائنسدان قطعیت سے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حمل کے آغاز سے لے کر جنین کی تکمیل تک جنین میں وہ ساری تبدیلیاں واقع ہورہی ہوتی ہیں جو آغاز زندگی سے لے کر تمام ارتقائی کہانی کو دہراتی ہیں۔یہ ایک بہت ہی وسیع اور گہرا مضمون ہے جس پر تمام اہل علم سائنسدان متفق ہیں۔ فرمایا یہ تمہاری پہلی پیدائش ہے جس طرح ایک حقیر کیڑے سے ترقی کرتے ہوئے تم اپنی بشری صلاحیتوں کی انتہا تک پہنچے اسی طرح تم اپنی نئی پیدائش میں قیامت تک اتنی ترقی کرچکے ہوگے کہ اس تکمیل شدہ صورت کے مقابل انسان کی وہی حیثیت ہوگی جیسے انسان کے مقابل پر اس بے حیثیت کیڑے کی تھی جس سے زندگی کا آغاز ہوا۔(قرآن کریم اردو ترجمہ۔حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

یہ بسبب اسکے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ جسے وہ پکارتے ہیں سوائے اس کے

ع ۳ ۱۱ ۱۲ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۱﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ

باطل ہے اور یقیناً اللہ ہی بلند (اور) بڑا ہے کیا نہیں دیکھا تونے کہ کشتیاں

تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهِ ۭ اِنَّ

چلتی ہیں سمندر میں ساتھ نعمت کے اللہ کی تاکہ دکھاوے تم کو اپنی آیات سے یقیناً

۳۰۔اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور بندوں پر اس کی بے حدوحساب نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن لاتا ہے۔(تشریح کے لئے سورۃ الروم:۲۴)اس نے رات اور دن کی اس گردش کے لئے سورج اور چاند کو مسخر کردیا ہے۔اور ایک ایسے نظام میں جکڑ رکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار پر ایک مقررہ مدت تک کے لئے چلتا چلا جارہا ہے۔ گویا اس مدت کے بعد ہر چیز ختم ہوجائے گی۔سائنسدان انتھک تحقیق اور جستجو سے آخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کائنات کا مسلسل پھیلاؤ ہی اس کے اختتام کا باعث ہوگا۔کہکشائیں،ستارے اور سیارے ایک دوسرے سے دور ہٹتے چلے جارہے ہیں۔بالآخر بیش تر ستارے بلیک ہولز میں گم ہو جائیں گے اور بلیک ہولز خود پھٹ کر تحت جوہری ذرّوں اور گرد کی شکل میں لامحدود خلا میں گم ہو جائیں گے اور وہ مادہ ایک بے پناہ دھوئیں کے بادل کی شکل میں اتنے وسیع جوّ میں پھیل جائے گا کہ اس کے صحیح ادراک کی صلاحیت بھی انسان کو نصیب نہیں۔یوں سرد و تاریک لامحدود خلا کے سوا کچھ نہیں ہوگا تآنکہ حکم الٰہی سے ایک نئی کائنات کو وجود میں لانے کے لئے حالات سازگار ہونے شروع ہوں گے جو نئی زمینوں اور نئے آسمان کی تخلیق پر منتج ہوں گے۔فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے اور جانتا ہے کہ تم میں سے کون کیا کررہا ہے۔

قرآن کریم میں انسانی نفسیات کے مطابق عموماً پہلے خوشی اور بعد میں غمی ہے۔یہاں اس کے برعکس خاص طور پر پہلے رات اور بعد میں دن آنے کا ذکر کیا۔یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمتوں کا وہ دن ہوگا جو مومنوں پر آکر جاتا نہیں۔یہ ہمیشگی کا دن ہوگا۔جس کے بعد اللہ کے فضل و احسان سے رات نہیں آئے گی۔

۳۱۔یہ تمام عجائباتِ قدرت اور ایک وسیع وعریض کائنات کا مربوط نظام اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ ہی ہے جو حق ہے۔وہ اس کائنات کو ایک قانون کے تحت چلا رہا ہے۔جبکہ تمہارے معبودانِ باطلہ کا ان امور میں کوئی دخل نہیں۔اگر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے اور اپنا اپنا قانون نافذ

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ

اس میں البتہ نشانات ہیں ہر بہت صبر کرنیوالے بہت شکر کرنیوالے کیلئے اور جب ڈھانکتی ہے انہیں

مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

موج مانند سایہ بادلوں کے پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو پس جب

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ

نجات دیتا ہے انہیں طرف خشکی کی تو بعض ان میں سے میانہ رو ہوتے ہیں اور نہیں انکار کرتا آیات کا ہماری

اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

مگر ہر دغاباز ناشکر گزار اے لوگو ڈرو اپنے رب سے اور ڈرو

کرتے تو فساد برپا ہوجاتا یعنی کائنات تہ و بالا ہوجاتی۔یقیناً اللہ بہت بلند شان والا اور بزرگ و برتر ہے۔

۳۲۔(تفصیل کے لئے سورۃ بنی اسرائیل :۶۸ تا ۷۰)

اپنی قدرتوں اور نعمتوں کے ذکر کے بعد اس رکوع میں بتایا کہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والے آخر پکڑے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار نشانوں کا ذکر تھا۔یہاں بتایا کہ کشتیوں کے سمندر میں چلنے میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے نشان دکھاتا ہے۔اگر یہ ذرائع رسل و رسائل نہ ہوتے تو انسان دنیا کی گوناگوں نعمتوں سے محروم رہتا۔پہاڑوں جیسے جہازوں کا سمندر کے سینہ کو چیرتے ہوئے چلنا اور راستے کی آفات سے محفوظ رہنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے نشان ہیں۔اللہ کے نشانوں میں سے وہ سمندری سفر بھی ہیں جن سے مسلمانوں نے عظیم فتوحات حاصل کیں۔نیز اللہ تعالیٰ کے نشانات وہ حیرت انگیز طبعی قوانین بھی ہیں جو دیدہ بینا کو سمندری سفروں میں نظر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ثبوت ہیں۔سمندری سفروں میں صبر اور شکر کے بہت سے مواقع ہیں اور اللہ کے صبّار وشکور بندوں کو صبر اور شکر کی بے حد توفیق ملتی ہے۔اس لئے کہ عام دعاؤں کے علاوہ جب وہ ایسے سفروں کے دوران کسی مصیبت سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کا کامل نمونہ دکھاتے ہوئے اپنی متضرّعانہ دعاؤں میں اپنے ربّ کو پکارتے ہیں اور وہ ان دعاؤں کو قبولیت سے نوازتا ہے۔اس کے فضل واحسان سے جب خیریت سے منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو اپنے ربّ کے احسانوں کو بھولتے نہیں بلکہ اس کا بے حد شکر ادا کرتے ہیں۔

۳۳۔**مقتصدٌ**۔میانہ رو۔**ختّار**۔سخت دھوکے باز۔جھوٹا۔بدعہد۔**کفور**۔سخت ناشکرا۔

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ؗ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ
اس دن سے نہیں کام آوے گا باپ اپنے بیٹے سے اور نہ بیٹا ہی کام آنیوالا ہے

عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
اپنے باپ سے کچھ بھی یقیناً وعدہ اللہ کا ہے سچ پس نہ دھوکہ میں ڈالے تم کو

صبّار و شکور بندوں کو تو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں جبکہ ختّار و کفور کی آنکھیں بند رہتی ہیں۔انہیں نہ قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں جو ان کے چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں اور نہ اللہ کے بے حد وحساب فضل واحسان پر ان کی نظر جاتی ہے۔غرضیکہ انسان تمام ممکنہ انتظامات کے ساتھ مضبوط ترین جہازوں میں تجارت یا سیر وتفریح کے لئے نکلتا ہے اور سوچتا بھی نہیں کہ جب سمندری آفات کا سامنا ہوگا تو ساری تدابیر دھری کی دھری رہ جائیں گی۔سمندروں کے نیچے آتش فشاں پھٹنے سے اکثر شدید طوفان آتے ہیں اور بڑے بڑے جہاز تنکوں کی طرح اڑ جاتے ہیں۔جیسا کہ سونامی کے طوفان سے متعدد ساحلی آبادیوں کا نام ونشان مٹ گیا۔بعض دفعہ جہاز اچانک کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔بعض دیگر طبعی عوامل بھی طوفان کا باعث بنتے ہیں۔سمندروں میں جونہی طوفان آتے ہیں ،شدید اندھیرا چھا جاتا ہے ، بڑی بڑی تندوتیز موجیں انہیں سائبانوں کی طرف ڈھانپ لیتی ہیں۔ تب سارے معبودانِ باطلہ کو بھول کر پورے خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں۔اُس وقت اللہ کی اطاعت میں ہرگز کسی کو شریک نہیں کرتے جب وہ اپنے فضل سے اس مصیبت سے بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو ان میں سے کچھ تو میانہ روی پر قائم رہتے ہیں یعنی کلیۃً خدا سے پھر نہیں جاتے۔وہ خشکی پر پہنچ کر اللہ کے اس احسان کو یاد رکھتے ہیں جس نے انہیں اس مصیبت سے بچایا اور کچھ شرک کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔اب صبّارٍ شکورٍ کے مقابلہ میں ختّارٍ کفورٍ کا ذکر کیا۔ فرمایا ہماری نشانیوں کا انکار تو سوائے سخت دھوکے باز اور ناشکرے کے اور کوئی نہیں کرتا۔اس لئے کہ جب بچ جاتے ہیں تو اپنی کاروائیاں بتاتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا، وہ کیا اور یوں جہاز کو طوفانوں سے نکال کر لے آئے۔جانتے ہیں کہ محض خدا کے فضل نے انہیں بچایا، نہ کہ ان کی تدبیروں نے۔اگر کوئی تدبیر کام بھی آئی تو وہ بھی اُسی کے فضل سے سوجھی۔ان کا مصیبت کو دیکھ کر وقتی طور پر ربّ کو پکارنا اور مصیبت کے دور ہو جانے پر ناشکری کرنا گویا اپنے ربّ کو دھوکا دینا تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ کے احسان کو یاد رکھتے اور مصیبت کے رفع ہونے پر اس کا شکر بجالاتے۔ یہاں اشارہ ہے کہ مومنین بھی اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے تو اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٭ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۴ اِنَّ
زندگی ورلی اور نہ دھوکہ میں ڈالے تم کو مقابل میں اللہ کے دھوکہ دینے والا (یعنی شیطان) یقیناً

۳۴۔ **غَـرُور** ۔ دھوکا اور دھوکا دینا ہے ۔جبکہ غَرُور دھوکہ دینے والا ہے۔ شیطان۔ دنیا۔ **یَـاَیُّهَـاالنَّـاسُ**۔اس میں سب لوگ شامل ہیں ۔اے نوعِ بشر۔غرور ہر وہ چیز جو انسان کو دھوکا دے۔ مال،مرتبہ، خاندانی فضیلت، حسن وجمال، شہوت،شیطان۔شیطان سے اس کی تفسیر کی گئی ہے۔اس لئے کہ وہ خبیث ترین دھوکا دینے والا ہے۔ (مفرداتِ راغب)

سورۃ کے آخر میں تمام نوعِ بشر کو مخاطب فرمایا کہ اگر تقویٰ اختیار کروگے تو ان تمام نعمتوں کے وارث بنو گے ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تقویٰ کے معنی باریک درباریک گناہوں سے بچنا ہے ۔تقویٰ یہ ہے کہ جس امر میں بدی کا شائبہ بھی ہو اس سے کنارہ کرے۔(ملفوظات جلد سوئم صفحہ۲۷۲) گویا اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دینا ہے۔ دنیا میں بھی تم دیکھتے ہو کہ بعض اوقات شدید آفت میں باپ کو بیٹے کی اور بیٹے کو باپ کی ہوش نہیں رہتی تو اس ہولناک دن میں کب کسی کو اپنے پیاروں کی ہوش ہوگی۔وہ دن تو آکر رہے گا ۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ دیکھو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور تم آخرت سے غافل ہوجاؤ پس دنیا میں ہی اس دن کے لئے کچھ تیاری کرلو۔ لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ روحانی اوراخلاقی مقاصد زندگی کو بھلا کر دنیا کی رنگینیوں میں کھوئے ہوئے ہو۔ یہ سب دنیوی زندگی کے دھوکے ہیں ۔ تمہاری ساری تگ و دو اپنی ذات یا بیوی بچوں کے گرد گھومتی ہے حالانکہ یہ آخرت میں تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے ۔ آپ نے فرمایا ! اپنا سب سے بڑا مشغلہ بیوی بچوں کی خدمت ہی نہ سمجھ بیٹھنا کیونکہ اگر تیرے اہل وعیال اللہ کے مقبول بندے ہیں تو وہ اپنے مقبول بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اگر اللہ کے نافرمان اور دشمن ہیں تو تمہیں اللہ کے دشمنوں سے کیا واسطہ۔غرض رشوت،چوری، ڈاکہ اور دیگر جرائم کے پیچھے اپنا اور بیوی بچوں کا معیارِ زندگی (High Standard of living) بلند کرنے اور دنیوی عیش وعشرت کے سامان حاصل کرنے کا خبط ہوتا ہے۔ چنانچہ جائز و ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کی جاتی ہے۔ اگر اللہ کے فضل سے کچھ اقتدار و اختیار حاصل بھی ہوجائے تو اللہ کا شکر اور اس کے بندوں پر احسان کرنے کی بجائے تکبر کے نشہ میں بندگان خدا کو مزید کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دنیوی زندگی میں غفلت کا بڑا سبب آخرت پر یقین کا نہ ہونا بھی ہے۔ احتساب سے بے فکری بہت سے گناہوں کا موجب بنتی ہے۔ تاہم اگر مطمحِ نظر اپنے ربّ کی رضا ہو تو اللہ تعالیٰ

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا

اللہ وہ ہےکہ پاس اسکے علم ہے قیامت کا اور وہ اُتارتا ہے بارش اور وہ جانتا ہے جو

فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا

رحموں میں ہے اور نہیں جانتا کوئی نفس کیا کماوے گا کل اور نہیں

ع ۴ تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۳۵

۱۳ جانتا کوئی نفس کہ کس زمین میں مرے گا یقیناً اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے

دولت سے منع کرتا ہے نہ اعلیٰ عہدوں سے ۔ جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت اپنے بال بچوں پر اور بندگانِ خدا کی بہبود پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے۔

شیطان یا شیطان صفت انسانوں کا اللہ کے بارے میں دھوکا دینا اللہ کی صفات کے بارے میں انسان کو دھوکا دینا ہے اور انسان اپنے تئیں کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی کامیابیوں کی وجہ اپنی ذہانت اورقابلیت قرار دیتاہے اور عطاکرنے والے کو بھول جاتا ہے۔ مصائب کے دور ہونے میں اپنی تدابیر یا اپنے کسی پیرو مرشد کی نظرِ کرم کا کمال سمجھتا ہے۔

۳۵۔اس سورۃ کا اختتام اس اعلان پر ہے کہ وہ گھڑی جس کا آیت:۲۹ میں ذکر کیا گیا ہے جب انسان مُردوں سے انتہائی تکمیل شدہ صورت میں دوبارہ اٹھایا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ساعت کے معنے قیامت کے بھی ہیں۔اس لئے کفار مکہ اکثر قیامت کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں کہیں اِن کے سوال کو دہراکر اور کہیں بغیر دہرائے جواب دیا گیاہے۔یہاں بتایا کہ اس آخری ساعۃ کا علم صرف خدا کو ہے۔ اس کے بعد بعض دنیوی امور کا ذکر کیا کہ تمہیں تو ان کی بھی خبر نہیں قیامت تو بہت دور کی بات ہے۔

اس پوری سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں کا ذکر تھا۔ اب سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور قدرت کے نشانوں میں سے چند کا ذکر کرکے اس وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کو ثابت کیا۔

یوم آخر کے ڈر کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اس گھڑی کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اُس کے لئے تیاری کرلو وہ اتنی اچانک آئے گی کہ کچھ مہلت نہیں ملے گی۔ اس آخری آیت میں مومنین کی کامیابیوں اور مکفرین کی ناکامیوں کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ اس صورت میں ساعۃ سے مراد ساعۃ وسطیٰ یعنی مخالفین کی تباہی کی گھڑی ہے نیز قوموں کے عروج وزوال کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اب اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے بارش کا ذکر کیا جس کے ساتھ انسان کے ان گنت

فوائد وابستہ ہیں۔ انسان کے جاننے یا نہ جاننے کا ذکرنہیں کیا۔ صرف اپنی قدرت نمائی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ بارش برساتا ہے۔وہی جانتا ہے کہ کس کے لئے فائدہ مند ہوگی اور کس کے لئے نقصان دہ ، کس زمین کو زیادہ سیراب کرے گی اورکس کو کم ، کب رُک جائے گی اور کب جاری ہوگی۔ غرض بارش کے تعلق میں ہزاروں امور ہیں جن کا انسان کوعلم نہیں۔اگر آج بارش کی پیشگوئی کی جاتی ہے یا کہیں مصنوعی بارش بھی برسائی جاتی ہے تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ اوّل تو اس بارش کا مقابلہ اصل بارش سے نہیں۔ دوم وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ صلاحیتوں اور اس کے خلق کردہ ازلی قوانین کے تحت برستی ہیں۔ برساتا پھر بھی اللہ ہی ہے۔ بارش کے ذکر میں قرآن کریم میں اکثر یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے اسی طرح تمہیں آسمانی پانی سے زندہ کیا جائے گا۔

فرمایا رحموں میں جو کچھ ہے اسے اللہ جانتا ہے ۔یہ ذکرنہیں کہ تم نہیں جانتے۔ آج Ultrasound وغیرہ جدید آلات سے کسی حد تک جنس کا تعین کرلیتے ہیں ۔لیکن قطعیت سے کوئی دعویٰ نہیں کرسکتے اور یہ دعوے غلط بھی ثابت ہوجاتے ہیں۔ یہ علم کہ پیدائش کے بعد وہ زندہ رہے گا یا نہیں، نیک ہوگا یا بد، یا دیگر صلاحیتیں منفی ہوں گی یا مثبت یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے ۔ دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کو علم ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ان کی گود سے نکل کر اسلام کی جھولی میں آ گریں گی۔

اب دو امور میں انسان کا علم محدود قرار دیااور بتایا کہ انسان نہیں جانتا گویا ان معاملات میں وہ کامل علم نہیں رکھتا ۔ اوّل یہ کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ زندہ رہا تو کیا کمائے گا۔ نیکوں والے کام کرے گا یا بدوں والے۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ آج کے مخالفین کل اسلام کے شیدائی ہوں گے۔ جس کا انہیں علم نہیں ۔

دوسری بات جس کا علم صرف اللہ کو ہے یہ ہے کہ وہ کس زمین میں مَرے گا اور کہاں دفن ہوگا۔ شہداء وصالحین والی موت نصیب ہوگی یابدوں والی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی قبریں کُھدوا کر رکھتے ہیں ۔ وہیں مرتے ہیں اور وہیں دفن ہوتے ہیں ۔ پس یہاں دنیوی قبریں مرادنہیں۔ بہت سے ہیں جو زمین میں نہیں مرتے ۔سمندر میں غرق ہوجاتے ہیں یا کسی ہوائی حادثہ کے نتیجہ میں فضا میں دم توڑ دیتے ہیں ۔ یہاں ایک عظیم پیشگوئی ہے کہ اب مسلمانوں کا جینا مرنا مکہ یا مدینہ تک محدود نہیں ہوگا۔ وہ دور دور کے ممالک فتح کریں گے اور پیغامِ حق کو لے کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیل جائیں گے اور کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آخری آرام گاہ کہاں ہوگی۔

پس ہر چیز کا کامل اور حتمی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ۔وہ بہت جاننے والا اور باخبر ہے۔
اس سورۃ کی ابتدا اللہ کے علیم ہونے کے ذکر سے کی اور اس کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علیم وخبیر کے بیان سے ہی کیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سجدہ۔یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس اکتیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

الٓـمّٓ کے مکی مجموعہ کی سورتوں میں سے یہ آخری سورۃ ہے۔ان چاروں سورتوں کا زمانہ نزول اور مضمون قریباً ایک ہی ہے۔ اس لئے (پچھلی تینوں سورتوں کے دیباچہ جات سے استفادہ فرمائیے)۔ان تمام سورتوں کا مرکزی مضمون دیگر مکی سورتوں کی طرح خاص طور پر توحید، رسالت اور بعث بعد الموت ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی ، نبوت کی صداقت، جنت کی نعماء اور جہنم کے عذابوں اور رسوائیوں کا بیان ہے۔

اس سورۃ کی عظمت اور اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورۃ اکثر جمعۃ المبارک کے دن نماز فجر کے فرضوں کی پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے ۔

گزشتہ سورۃ کی آخری آیت میں بتایا گیاتھا کہ ساعۃ کا علم اللہ کو ہے یعنی قوموں کا آخری فیصلہ اور ان کے عروج و زوال کا علم اللہ کے پاس ہے ۔گویا وہی کسی قوم کی مادی یاروحانی ترقی یاتنزل کے سامان کرتا ہے ۔ اس سورۃ کے شروع میں ہی بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا ربّ ہے ۔پس اس کی ربوبیت جہاں مادی اسباب مہیا کرتی ہے وہاں قوموں کی روحانی ترقی کے اسباب وذرائع بھی اسی کے اختیار میں ہیں اور ان کو وہی ظہور میں لاتا ہے ۔

مکی زندگی کے انتہائی پرآشوب دور میں یوم الفتح کی بشارت دی کہ عنقریب مومنین فتح یاب ہوں گے اور کفار ومشرکین شکست کی ہزیمت سے دوچار ہوں گئے۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝۱
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓ ۝۲ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۳
الف۔ لام۔ میم اُتارنا ہے اس کتاب کا نہیں کوئی شک اس میں طرف سے رب العالمین کے

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ۚ بَلۡ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ
کیا وہ کہتے ہیں خود گھڑ لیا ہے (نہیں) بلکہ وہ حق ہے طرف سے رب کی تیرے تاکہ ڈرائے تو

قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰٮهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۝۴
ایسی قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا پہلے تجھ سے تاکہ وہ ہدایت پاویں

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔**انا اللّٰہ اعلمُ ، الٓمّٓ** کا مخفف ہے یعنی میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اپنے نبیؐ پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اسلام کے لئے سعی و کوشش اور قربانیوں کو اور اس کو روکنے کے لئے تمہاری ناپاک کوششوں اور جور و ستم کو ۔اس سورۃ میں بتلایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو کامیابیوں سے سرفراز فرمائے گا اور دشمنانِ حق ناکام و نامرادا ہوں گے۔

۳۔قرآن کریم میں ہمیشہ **الٓمّٓ** کے ساتھ شروع ہونے والی سورتوں میں ساتھ ہی خاص طور پر کتاب اللہ کا ذکر ہے ۔فرمایا اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ جاننے والا ہے ، اُس ربّ العالمین کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ وہ جو اپنی تمام مخلوق کی مادی ربوبیت فرما رہا ہے ،اپنے بندوں کی روحانی ربوبیت بھی اسی کو سزاوار ہے۔

۴۔باوجود اس کے کہ قرآن کریم کے منزّل من اللہ ہونے میں ہرگز کسی شک کی گنجائش نہیں ، مکفرّین کا ہمیشہ یہ اعتراض رہا کہ اسے رسولؐ نے خود بنایا ہے۔ فرمایا یہ تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے یعنی ایک کامل سچائی ہے ۔اس کے نزول کی غرض یہ ہے کہ تو ایک ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا ہوشیار کرے ، تا کہ وہ ہدایت پاجائیں۔ مراد یہ نہیں کہ کبھی بھی کوئی پیغمبر نہیں آیا، ہاں یہ قوم زمانہ دراز سے براہ راست کسی پیغمبر کی ہدایت سے محروم تھی ۔زمانہ قبل تاریخ میں حضرت ہودؑ اور حضرت نوحؑ عرب میں مبعوث ہوئے۔ پھر ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ عرب میں آئے۔عرب جانتے تھے کہ ان کا اصل دین ابراھیمی دین ہی تھا ۔گو اُس پر قائم نہیں رہے تھے۔ نیز اُن کو گزرے ہوئے بھی قریباً اڑھائی ہزار برس کا عرصہ بیت چکا تھا۔
علمائے یہود و نصاریٰ کی طرف سے بھی عربوں کو خدائی ہدایات ملتی رہیں اگرچہ وہ خود بھی

اَللّٰهُ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِيۡ
اللہ وہ ہے کہ جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور جو درمیان ان دونوں کے ہے

سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ
چھ دنوں میں پھر ٹھیک ٹھاک ہوا عرش پر نہیں تمہارے لیے

دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۵ يُدَبِّرُ
سوائے اسکے کوئی دوست اور نہ سفارشی کیا پھر نہ تم نصیحت حاصل کروگے تدبیر کرتا ہے

بڑی حد تک شرک میں ملوث ہوچکے تھے ،تاہم عربوں میں بہت سے مؤحد بندوں کا پتہ چلتا ہے جو ابراھیمی مسلک پر قائم تھے۔ بعض ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو بہت سے ایسے شواہد اور کتبے ملے ہیں جن سے قبل از اسلام بعض لوگوں کے خدائے واحد پر ایمان کا علم ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں ایسے بہت سے لوگ تھے جن میں خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، قُس بن ساعدہ ،ورقہ بن نوفل، حضرت سعید بن عمرو (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کے والد محترم عمرو بن نُفیل، آپؐ کے اکثر صحابہ اور بعض علمائے یہود۔ یہ وہ معتبر خدا رسیدہ ہستیاں تھیں جو شروع ہی سے توحید پر قائم تھیں ۔شراب اور تمام مشرکانہ رسوم سے سخت متنفر تھیں۔

۵۔**عــرش** کے معنی کی تفصیل کے لئے (سورۃ توبہ کی آخری آیت ملاحظہ فرمایئے)۔
ایّام ۔دن۔وقت۔ ادوار۔**ثُمَّ**۔ لفظی معنی ''پھر'' کے ہیں۔یہاں یہ معنی نہیں کہ کائنات بنا کر پھر عرش پر بیٹھ گیا۔بلکہ یہ معنی ہیں ۔''پھر یہ بات ہے''۔ استوای علی العرش ط وہ اپنے تخت حکومت پر ہے ۔ وہ حکمران ہے ۔ مالک کونین ہے۔عرش کے متعلق جو کچھ کہا گیا استعارے کی زبان سے کہا۔ عرش کوئی مادی شے نہیں۔ تنزہ اور تقدس کے مقام کا نام عرش رکھا ہے۔عرش پر قرار پکڑنا بندوں کی نظر سے وراء الورا ہونا ہے۔بندوں کو سمجھانے کے لئے استعارہ کے رنگ میں خداتعالیٰ بلند مقام پر تسلیم کیا گیا ہے۔ جس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ (تشریح کے لئے الاعراف۔۵۵)

قرآنی حقائق کے بیان کے بعد اپنی بعض قدرتوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ اپنی اور کائنات کی تخلیق پر غور کروگے تو وحی الٰہی کا من جانب اللہ ہونا سمجھ جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ مختلف ادوار میں مرحلہ وار تخلیق کیا۔ سائنسدانوں کی حالیہ تحقیق بھی یہی ہے کہ Big Bang کے بعد چھ ادوار گزرے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے تصور سے انسانی عقل حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے اور ایک ناقابلِ فہم سچائی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔کائنات میں گلیکسیز (Glaxies) اربوں کی تعداد میں ہیں۔ جن میں

الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ
معاملہ کی طرف سے آسمان کی طرف زمین کی پھر چڑھتا ہے طرف اسکی ایسے
يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ
دن میں کہ ہے مقدار اس کی ہزار سال اس سے جو تم شمار کرتے ہو یہ

لاکھوں بلیک ہولز موجود ہیں۔ یہ سب کچھ خود بخود تشکیل نہیں پا گیا۔ ربّ العٰلمین نے تخلیق کائنات میں مسلسل نگرانی کی ہے ۔عرش اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ یہ معنی بھی ہیں کہ تخلیق کائنات کے بعد اپنی دیگر صفات کی طرف متوجہ ہوا نیز العرش سرور کائنات شہِ لولاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔جو صفات الٰہی کے مظہر اتم تھے۔ ہر وہ پاک دل جس پر صفات الٰہی کا نزول ہوتا ہے عرش ہے۔ روحانی کمال تک پہنچنے کے لئے بھی چھ درجات ہیں۔

شفاعت کے لئے (طٰہٰ:۱۱۰) جوں جوں انسان تخلیق کائنات میں اللہ تعالیٰ کی لامتناہی قدرتوں پر غور کرتا ہے خالق کائنات کے جلال و جبروت اور اس کی ہیبت سے لرز اٹھتا ہے اور اپنے ربّ کے قرب کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ لیکن ہمارا رحیم وکریم آقا ومولا اپنے کمزور بندوں کے لئے خود دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور سفارش کی پیش کش کرتا ہے۔ صفات باری تعالیٰ کے مضمون میں اشارہ ہے کہ اگر بندہ اپنی ہمت کے مطابق صفات باری تعالیٰ کو اخذ کرنے والا ہو۔ لگن سچی ہو اور وہ خدا تک پہنچ نہ پائے تو خدا خود اس تک پہنچتا ہے اور اس کا دوست اور شفیع بن جاتا ہے۔

۶۔**الامر**۔ شریعت۔ قرآن ۔ ترویج۔ اشاعتِ اسلام ۔ حکم۔ معاملہ۔ عام معنی تو یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام شریعت اپنی تدبیر سے آسمان سے زمین کی طرف نازل فرماتا ہے۔ جو ایک ہزار سال بعد اٹھا لئے جاتے ہیں۔

حضرت آدمؑ جن کی ہم اولاد ہیں قریباً چھ ہزار سال قبل پیدا ہوئے۔ ان سے پہلے کتنے آدم گزرے واللہ اعلمُ بالصواب۔ حضرت آدمؑ کو جو احکام ملے وہ قریباً ایک* ہزار سال تک نافذ العمل رہے۔ تا آنکہ حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے۔ آپ کی شریعت کی عمر بھی قریباً ایک ہزار سال ہے۔ جس کے بعد ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی بعثت ہوئی۔ آپ کی شریعت بھی قریباً آٹھ سو سال تک قائم رہی۔ پھر حضرت موسیٰؑ پر توریت کا نزول ہوا۔ حضرت موسیٰؑ کے قریباً دو ہزار سال بعد خاتم انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قرآن کریم کی صورت آخری شریعت کے ساتھ بندگانِ خدا کو ہدایت دینے کے لئے مبعوث ہوئے۔ گویا پہلی تمام شریعتیں قریباً قریباً ایک ہزار سال تک کے لئے ہی آتی رہیں۔ لیکن توریت اور قرآن کریم میں دو ہزار سال کا فرق ہے۔

بیشک ان کے درمیان کوئی نئی شریعت نازل نہیں ہوئی لیکن لاتعداد انبیاء کے علاوہ زبور اور انجیل ہدایت کے لئے نازل ہوئیں۔ پس اس آیت کے یہ معنی بھی ظاہر ہیں کہ ہر شریعت قریباً ایک ہزار سال بعد اٹھالی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کی نہایت لطیف تشریح بیان فرمائی ہے۔ آپ نے حاشیہ خطبہ الہامیہ صفحہ و،ذ میں فرمایا (اختصار سے بیان کرتی ہوں)۔ الامر سے مراد شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کرکے اپنی شریعت کے حکم کو اپنی تدبیر کے مطابق قائم کردیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس کی تدبیر کرنا اس کو دنیا میں محکم و مضبوط کرنا تھا۔ حدیث شریف بخاری اور مسلم میں عمران بن حصین سے مروی ایک لمبی حدیث ہے ۔ کہ میرے بعد تین (۳) قرن یعنی تین سو سال اسلام کی مضبوطی کا زمانہ ہے۔ یہی زمانہ **یُدَبِّرُ الْاَمْرَ** کا ہے جسے خیرالقرون کہا گیا، یہ صدق وصلاح او رعفت کا زمانہ ہوگا، جو تین سو سے تجاوز نہیں کرے گا، تین سو سال بعد اللہ کا امر اور ہدایت اُس کی طرف سعود کر جائیں گے۔ گویا قرآن آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور دس (۱۰) دن کی ایسی تاریک رات آئے گی جب ماہ کامل چھپ جائے گا ، یہ ہزار سال گمراہی فسق و فجور اور انحطاط کا زمانہ ہوگا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع ہوں گے ، دجالی فتنے پھیل جائیں گے اور متقی تھوڑے رہے جائیں گے۔ (آیت:۱۰) میں بتایا کہ ان کے تنزل کی وجہ ان کی ناشکری ہوگی۔

الٓمٓ کی سورتوں کے مجموعہ میں اسلام کی کامیابیوں کا ذکر ہے۔ اس مجموعہ کی اس آخری سورۃ میں کامیابی کی خوشخبری کے ساتھ ترقی کی روک کی معیاد کا بھی ذکر کر دیا کہ اسلام کی ترقی ایک ہزار سال تک رُکی رہے گی۔ آخر ایک ہزار سال کی نافرمانی کے بعد لوگوں کی فریاد رسی کی جائے گی اور آدمِ آخر الزّماں کو تجدید دین کے لئے مبعوث کیا جائے گا۔ مسیح کا زمانہ خیر القرون سے ایک ہزار سال ختم ہونے کے بعد مقدر ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حیرت انگیز طور پر کائنات کی عمر کا راز کھول رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری گنتی کے ہر دن کے مقابل پر اللہ کا دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر ایک سال کے دنوں کو ایک ہزار سے ضرب دی جائے تو جو عدد بنتا ہے ، اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ المعارج آیت ۵ میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پس اس دن کو جو پچاس ہزار سال کا ہے ، اگر اس ایک ہزار سال والے دن کے ساتھ (جو 365*1000 ہے) ضرب دی جائے تو قریباً بیس بلین سال بنتے ہیں۔ سائنس دانوں کے نزدیک بھی اس کائنات کی عمر اٹھارہ سے بیس بلین سال تک ہے۔ پس غیب اور شہادت کا علم رکھنے والا وہی اللہ ہے۔ جس نے ہر چیز کی

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۷﴾ الَّذِيْٓ

جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا عزت والا بہت رحم کرنیوالا ہے وہ جس نے

اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ

عمدہ بنایا ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اُسے اور شروع کیا پیدائش کو انسان کی

طِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۹﴾

کیچڑ سے پھر بنائی نسل اس کی خلاصہ سے پانی ذلیل سے

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

پھر ٹھیک ٹھاک کیا اسے اور پھونکی اس میں اپنی رُوح اور بنائے تمہارے لیے کان

بہترین تخلیق فرمائی۔(آیت۔۷۔۸)(قرآن کریم اردو ترجمہ۔حضرت مرزا طاہراحمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

۷۔ اس وراء الوراء ذات سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ گزری ہوئی، نہ موجودہ اور نہ آنے والی۔ وہ غالب اوررحیم ہے۔ وہ مسلمانوں کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر فرمائے گا اور اسلام کو دوبارہ زندہ کرے گا اوراپنے مسیح کے ہاتھوں اسلام کی نشاۃ ثانیہ فرمائے گا۔

۸۔۹۔ بیشک لفظی معانی بھی درست ہیں لیکن مضمون کے لحاظ سے یہ معنی بھی ہوں گے کہ آدمِ ثانی کی پیدائش پر بھی روحانی طور پر وہی پیدائش اوّل دہرائی جائے گی۔ اور انسان کو طینی حالت سے اٹھا کر احسن تقویم تک پہنچایا جائے گا۔ جب تمام اعضاء اعتدال پر قائم ہو جائیں گے اور انسان روحانی کمال کو حاصل کرلے گا تو اللہ تعالیٰ وحی سے نوازے گا۔ (آیت:۱۰)۔

پہلے سماوی قدرتوں کے ذکر میں تخلیقِ کائنات پر غور کی دعوت دی اب ارضی قدرتوں میں تخلیقِ بشر کا ذکر کیا۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کو احسن طریق پر بنایا۔ہر چیز کا حُسن اس میں ہے کہ وہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق بنی۔سب سے احسن تقویم انسان کی ہے۔(سورۃ التین:۵) ہر انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوتی ہے یہ آدمؑ سے خاص نہیں ازل سے مٹی میں وہ صفات بیج کے طور پر موجود تھیں جن سے پیدائش کا آغاز ہوا (تفصیل کے لئے الحجر:۲۷)اور انسان ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرکر بشر تک پہنچا۔اسی مٹی سے سللۃ یعنی خلاصہ بنتا ہے جو ماءِ مھین یعنی نُطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔اس ابتدائی حالت کی طرف بھی اشارہ ہے جب واحد خلیہ (Single Cell) سے نمود ہوئی اور انسان مختلف مراحل طے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا جب افزائش نسل نطفہ سے ہونے لگی (تفصیل کے لئے سورۃ الزمر:۶) ماءِ مھین میں وہ باریک ترین تخلیقی صلاحتیں موجود ہیں جن کی کُنہ تک پہنچنا ابھی تک سائنس کی پہنچ سے باہر ہے۔

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالُوْٓا

اور آنکھیں اور دل کم ہی تم شکر کرتے ہو اور کہا انہوں نے

ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ

جب گم ہوجائیں گے ہم زمین میں کیا یقیناً ہم البتہ پیدائش نئی میں ہوں گے

بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ

بلکہ وہ ملاقات سے اپنے رب کی منکر ہیں تو کہدے وفات دے گا تم کو

مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

فرشتہ موت کا وہ جو مقرر کیا گیا ہے تم پر پھر طرف اپنے رب کی

۱۰۔ قرآن کریم میں روح کا لفظ جان کے معنی میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ہر جگہ وحی الٰہی کے معنی دیتا ہے۔ **سوّٰہُ** میں بتلایا کہ پہلے آدمؑ اور پھر ہر اس آدم کے لئے جو اعتدالِ روحانی حاصل کرلیتا ہے اور کمال تک پہنچ جاتا ہے جناب الٰہی سے نفخ یعنی وحی سے نوازا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی وسیع وبسیط کائنات میں یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے۔اس میں بھی **سوّٰہُ** کی شرط ہے۔ افئدۃ سے مراد دل،دماغ یا اعصابی نظام(Nervous System) ہے۔گویا ایک حیرت انگیز اندرونی ریکارڈنگ نظام ہے جس کے لئے شعور کی ضرورت ہے۔قرآن کریم نے ہمیشہ سمع کو مقدم رکھا تفصیل کے لئے (سورۃ نحل :۷۹)تخلیق میں سماعت کی تخلیق پہلے شروع ہوئی اس لئے کہ جنین میں آواز کومحسوس کرنے کی صلاحیت پہلے پیدا ہوتی ہے اور بصارت کی بعد میں۔ کان ،آنکھ اور دل ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خاص نشان اور اُس خالق و مالک کے اپنے بندوں پر عظیم انعام ہیں۔لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کی روح پھونکے جانے کے بعد روحانی شنوائی، بینائی اور بصیرت عطا کرنے کا ذکر ہے تاکہ اپنے ربّ کو پہچانو اوراُس کے شکر گزرار بندے بنو۔لیکن بہت کم ہیں جو اپنے ربّ کی ودیعت کردہ صلاحیتوں سے صحیح طور پر متمتع ہوتے اوراس کا شکر اداکرتے ہیں۔ ہاں ظاہری معنی اس لئے بھی اطلاق نہیں پاتے کیونکہ نطفہ میں جان ہوتی ہے۔ اور **سوّٰہُ** کا مرحلہ بعد میں آتا ہے جبکہ یہاں **سوّٰہُ** پہلے ہے اور نفخ بعد میں۔

۱۱۔منکرینِ حق دوبارہ تخلیق کے منکر تھے کہ جب ہم ذرہ ذرہ ہوکرزمین میں بکھر جائیں گے تو کیا ان ذرات کو پھر اکٹھا کیاجائے گا اورہمیں ایک نئی پیدائش ملے گی حالانکہ انسان کی دوبارہ تخلیق مادی نہیں ہوگی بلکہ اسے ایک لطیف جسم دیاجائے گا۔ بعث بعد الموت سے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کی جوابدہی سے بچنا چاہتے ہیں۔

۱۲۔حقیقت تو یہ ہے کہ تم نہ موت سے بچ سکتے ہو نہ اپنے ربّ کے حضور جوابدہی سے۔

ع ۱۲ ۱۴ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ

تم لوٹائے جاؤگے — اور اگر تو دیکھے جبکہ — مجرم — نیچے کئے ہوں گے اپنے سر

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ

پاس اپنے رب کے — اے رب ہمارے دیکھا ہم نے — اور سنا ہم نے — پس لوٹا ہم کو — کریں گے ہم

صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ

نیک کام — ضرور ہم یقین کرنے والے ہیں — اور اگر چاہیں ہم — البتہ دیں ہم — ہر — نفس کو

هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

ہدایت اس کی — ولیکن — واجب ہوگئی — بات — طرف سے میری — ضرور بھر دیں گے ہم — جہنم کو

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ

جنوں — اور آدمیوں سے — سب سے — پس چکھو — بسبب اس کے بھول گئے تم

حضرت عزرائیلؑ کے ماتحت موت کے فرشتے ہر شخص پر متعین ہیں گویا ہر شخص کا ملک الموت الگ ہے جو اس کے عوارض اور باریک درباریک اندرونی خرابیوں کا علم رکھتے ہوئے بالکل صحیح نتیجہ نکالتا ہے کہ حکم الٰہی سے اس کی روح کب قبض ہونی چاہیئے۔ روح نکالتے وقت ان فرشتوں کا سلوک مومنین سے الگ ہوتا ہے، کفار سے الگ (تفصیلات کے لئے (الانعام :۹۴) موت کا جو فرشتہ تم پر مقرر ہے وہ تمہیں وفات دے گا پھر تم اپنے ربؑ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۱۳۔اس رکوع میں مومن اور کافر کا مقابلہ کرکے بتایا کہ ایمان احکام الٰہی کی فوراً اتباع کا تقاضا کرتا ہے۔

انسان کا اجر غیب پر ایمان لانے پر ہے۔ جب سب کچھ دیکھ لیا اور سن لیا تو ایمان بے معنی ہے۔ پس ان کی یہ التجا کی ہمیں اچھے اعمال بجالانے کے لئے دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے قابل اعتنا نہ ہوگی۔

۱۴۔**ولوشئنا**۔۔۔ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے سکتے تھے، ان کو پیدا ہی ایسا کرتے کہ ہمارے احکام کی مخالفت نہ کرسکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بااختیار بنایا ہے زبردستی ہدایت پر مجبور نہیں کیا۔

اسے کان، آنکھیں اور دل اسی لئے دیئے کہ وہ سن کر، دیکھ کر اور سوچ کر اچھے اور برُے میں تمیز کرسکے اور ہدایت حاصل کرے۔ فرمایا ہمارا یہ فرمان جاری ہو چکا ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنّوں اور انسانوں سے بھردوں گا۔ اس فرمان کی وضاحت (سورۃ الاعراف :۱۸۰) میں ہے کہ وہ کون سے بدنصیب ہیں جن سے جہنم کو بھروں گا۔ فرمایا ان کے دل ہیں لیکن سمجھنے سے عاری ہیں، ان کی

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

ملاقات — اپنے دن — اس کی — یقیناً ہم بھول گئے تم کو — اور چکھو — عذاب

الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا

ہمیشہ کا — بسبب اسکے جو تھے تم — عمل کرتے — سوائے اسکے نہیں کہ ایمان لاتے ہیں آیات پر ہماری

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ

وہ لوگ کہ — جب نصیحت کئے جاتے ہیں بذریعہ (ان آیات کے) گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور تسبیح کرتے ہیں ساتھ حمد کے

رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۶﴾ السجدۃ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ

اپنے رب کی — اور وہ — نہیں — تکبر کرتے — الگ ہو جاتے ہیں — پہلو ان کے

آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں لیکن اُن سے سنتے نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اعضاء اور ان کی صلاحیتیں دنیوی امور میں تو خوب تیز ہیں لیکن دین کے معاملہ میں حالت یہ ہے کہ دل مردہ ہیں، آنکھیں اندھی ہیں اور کان بہرے ہیں۔ فرمایا یہ انسان، انسان نہیں رہے یہ حیوان بن چکے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بدکرداری کا نتیجہ جہنم ہے۔ پہلے فرد جرم عائد ہوتی ہے پھر جہنم کی سزا ملتی ہے۔ ورنہ وہ رحیم وکریم اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا، موقع سب کو دیتا ہے۔ پھر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا اور جہنم میں جانا ان کا اپنا فعل ہے۔

۱۵۔یہ عذاب اس لئے ہے کہ تم نے دنیا کی رنگینیوں اور عیش وعشرت میں کھو کر آج کے دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا۔ اگر مرنا اور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے اپنے ربؑ کے حضور پیش ہونا یاد ہوتا تو تمہارے اعمال مختلف ہوتے۔ پس ہم نے بھی آج تمہیں بھلا دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں دنیا میں بھی بھلائے رکھا اور تم دنیا وآخرت میں اپنے ربؑ کی رحمتوں سے محروم رہے۔ پس اپنے اعمال کی سزا کے طور پر ہمیشگی کا عذاب چکھو۔

۱۶۔کفار کے احوال کے بیان کے بعد اپنے مخلص مومن بندوں کی خاص صفات بیان فرمائیں اور بتلایا کہ ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن آیات کے ذریعہ انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ بے اختیار اپنے ربؑ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اپنے ربؑ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ پکار اٹھتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بندہ میری حمد وثنا میں ہر وقت لگا رہے گا یہانتک کہ اس کو اپنے مطلب کی دعا مانگنے کی بھی فرصت نہ رہے، تو میں اس کو تمام مانگنے والوں سے بہتر دوں گا۔ یعنی بن مانگے اس کے سب کام پورے کردوں گا۔ (ترمذی) یہ ربؑ کے عاجز بندے اپنے تئیں لاشئے محض سمجھتے ہیں اور احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جبکہ منکرین حق دنیوی دولت اور وجاہت

عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا
بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف سے اور طمع سے اور اس سے جو

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۷﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ
دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں پس نہیں جانتا کوئی نفس وہ جو مخفی رکھی گئی ان کے لیے

کے نشہ میں خدا کے فرستادوں کے مقابل خود کو بہت عظیم سمجھتے ہیں اوران کی بات ماننا اپنی ہتک خیال کرتے ہیں پس ان کا تکبران کے قبول حق میں مانع ہوتا ہے۔

۱۷۔**تتجافٰی۔الجَفَاءُ**۔ایک چیز اپنی جگہ پر نہ رہی۔**تتجافٰی**۔وہ الگ ہوجاتی ہے۔

ان مخلصین کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ اِن کے پہلو رات کو نمازِ تہجد ادا کرنے کے لئے اپنے بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں۔دنیا پرستوں کی طرح ان کی راتیں لہوولعب میں نہیں گزرتیں۔ وہ اپنے ربّ کی عبادت اور دعا وذکر میں راتوں کا کچھ حصہ گزارتے ہیں۔وہ اپنے ربّ کو خوف اورامید سے پکارتے ہیں۔یعنی اللہ کی ناراضگی اور سزا سے ڈرتے بھی ہیں اوراس کی رحمت ورضا اور بخشش کے امیدوار بھی ہیں۔ تہجد کے وقت نیند کا شدید غلبہ ہوتا ہے اس وقت اُٹھنا اور نماز ادا کرنا ایک جہاد اور قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔احادیث میں تہجد کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔حدیث میں ہے خدا تعالیٰ رات کے وقت عرش سے اترتا ہے۔اس کے فرشتے پکارتے ہیں کہ اے بندو! خدا تعالیٰ تمہیں ملنے کے لئے آیا ہے۔اٹھو اور اسے مل لو۔حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! کہ جب بندہ (تہجد میں) یاربّ ! یاربّ !پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!ہاں بندے! سوال کر تجھے عطا ہوگا۔ (صحیح بخاری) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا ! ہمارا ربّ ہر رات قریبی آسمان تک نزول کرتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ! کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کو جواب دوں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے۔ تو میں اس کو بخش دوں ۔(متفق علیہ۔ ترمذی کتاب الدعوات) حضرت اسماء بن یزید بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیاجائے گا پھر ایک منادی اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں اور خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے۔ یہ سن کر تھوڑے سے لوگ میدان سے اٹھیں گے اور بے حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے ۔پھر باقی لوگوں سے حساب ہوگا۔(بیہقی۔ترمذی کتاب الدعوات) مظہری اور ابن کثیر سے بھی اسی مفہوم کی احادیث مروی ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تہجد کے آغاز میں کھڑے ہو کر دس (۱۰) مرتبہ **سبحان اللّٰہِ وَالحمدُللّٰہِ وَلَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اکبر** ط اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے۔(ابو داؤد ، نسائی) حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں جو شخص رات کو آنکھ کھلنے پر اوپر کے دونوں کلمات لاحول اور دس مرتبہ **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وحدہٗ لاشریکَ لَہٗ لَہُ المُلکُ ولَہُ الحمدُ وَھُوَ علیٰ کلِّ شَیْءٍ قدیرٌ** پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے۔اگر وضو کرکے نماز (تہجد) بھی پڑھے تو خاص قبولیت حاصل ہوگی۔(بخاری ۔ترمذی) سعید بن حسنہؓ اس دعا کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے جسے پڑھنے ولا خدا سے جو مانگے اسے دیاجاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تہجد کا آغاز اس دعا سے کرتے اور اس سے پہلے **اللّٰھُمَّ رَبَّ جِبریلَ وَمیکائیل واسرافیل** بھی کہتے۔(تفسیر القرطبی جلد۱۵صفحہ ۲۶۵) آیت یہ ہے۔ **اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ عٰلِمَ الغَیبِ والشَّھَادَۃِ اَنت تَحکُمُ بَینَ عِبادِکَ فِی مَا کَانُوا فِیہِ یَختَلِفُونَ** ○ (سورۃ الزمر:۴۷) حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام فرماتے ہیں۔’’ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کرلیں جو زیادہ نہیں وہ دو رکعت ہی پڑھ لے کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقع بہرحال مل جائے گا۔اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔جب تک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو اس وقت تک ایک شخص خوابِ راحت سے بیدار کب ہوسکتا ہے۔ پس اس وقت کا اٹھنا ہی ایک دردِ دل پیدا کردیتا ہے جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیتِ دعا کا موجب ہو جاتے ہیں۔لیکن اگر اٹھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں۔کیونکہ نیند تو غم کو دور کردیتی ہے لیکن جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔پھر ایک اور بات بھی ضروری ہے جوہماری جماعت کو اختیار کرنی چاہیئے۔وہ یہ ہے کہ زبان کو فضول گوئیوں سے پاک رکھا جاوے۔زبان وجود کی ڈیوڑھی ہے۔اور زبان کو پاک کرنے سے گویا خدا تعالیٰ وجود کی ڈیوڑھی میں آجاتا ہے۔جب خدا ڈیوڑھی میں آگیا تو پھر اندر آنا کیا تعجب؟‘‘ (الحکم جلد ۶ نمبر۱۲صفحہ ۶ ۔۳۱/ مارچ ۱۹۰۱ء۔ ملفوظات جلد سوم) نیز فرماتے ہیں۔’’سورۃ فاتحہ کا ورد نماز میں بہتر ہے۔بہتر ہے کہ نماز تہجد میں **اھدنا الصّراط المُستقیمَ ○ صراط الَّذین اَنعمت علیھم** ○ کا بدلی توجہ وخضوع وخشوع تکرار کریں ۔اوراپنے دل کو انوار الٰہیہ کے لئے پیش کریں اور کبھی تکرار آیت **اِیَّاکَ نعبدوَاِیَّاکَ نستعین** ○ کا کیا کریں۔ان دونوں

قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ كَانَ

ٹھنڈک آنکھوں کی بطور بدلہ کے اسکے جو تھے وہ عمل کرتے کیا پس جو شخص کہ ہے

مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۹﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ

مومن مانند اسکی جو ہے نافرمان نہیں برابر ہوتے وہ وہ لوگ جو

آیتوں کا تکرار انشاء اللہ القدیر تنویرِ قلب و تزکیہ نفس کا موجب ہوگا''۔(الحکم ۲۴جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۔ ملفوظات جلد سوئم)''نماز میں سورۃ فاتحہ کی دعا کا تکرار نہایت موثر چیز ہے۔کیسی بے ذوقی اور بے مزگی ہو اس عمل کو باربار جاری رکھنا چاہئے۔۔۔اور سجدہ میں **یاحیُّ یاقیّوم بِرحمتکَ اَستغیث** ''۔(الحکم ۲۰ فروری صفحہ ۹ ملفوظات جلد سوئم ۱۸۹۸ء) ابودرداء ؓ اور قتادہ ؓ نے بیان فرمایا کہ پہلوؤں کے بستروں سے الگ ہونے کی یہ صفت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے جو عشاء کی نماز باجماعت ادا کریں پھر صبح کی نماز جماعت سے پڑھیں۔حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جو لوگ جب آنکھ کھلے اللہ کا ذکر کریں لیٹے،بیٹھے اور کروٹ پر وہ بھی اس میں داخل ہیں۔آئمہ سلف کے نزدیک ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں لیکن آخرِ شب نماز ان سب میں اعلیٰ و افضل ہے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ہی حقوق العباد کا ذکر کیا کہ وہ اپنے ربّ کو پانے کے لئے عبادات اور ذکروصلوٰۃ ہی کافی نہیں سمجھتے بلکہ حقوق العباد کو بھی احسن طریق سے ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اموال اور دیگر صلاحیتوں کو بندگان خدا کی بہبود پر خرچ کرتے ہیں۔

۱۸۔تہجد بندے اور اس کے ربّ کے درمیان اخفاء میں نماز ہے اس لئے اس کا اجر بھی مخفی رکھا۔فرمایا کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان ہیں اور وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اُن کے لئے مخفی رکھی گئی ہیں۔یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ ہے۔حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو کچھ تیار کر رکھا ہے اسے نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خیال گزرا۔اس کی تصدیق کے لئے اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ **فلاتعلم نفس مااُخفی لھم من قرۃ اعین** ۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ تنزیل السجدہ فلاتعلم نفس مااخفی)پس قرآن کریم نے جنت کی زندگی کے صرف ان ہی لذائذ کا ذکر کیا۔جن کا ہم دنیا کی لذتوں پر قیاس کرکے کچھ اندازہ کرسکتے ہیں، گویا صرف نام کی مماثلت ہے۔

۱۹۔کیا مومن فاسق کی مانند ہوسکتا ہے؟فرمایا وہ کبھی برابر نہیں ہوسکتے ،نہ اعمال کے لحاظ سے نہ اجر کے لحاظ سے کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ ہے جبکہ فاسق انتہائی نافرمان اور باغی ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًا

ایمان لائے اور کیں نیکیاں پس ان کے لیے باغات ہیں رہائش کے بطور مہمانی کے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ

بسبب اسکے کہ جو تھے وہ عمل کرتے اور وہ لوگ جو فاسق ہوئے ٹھکانا ان کا

النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا

آگ ہے جب کبھی ارادہ کریں گے کہ نکلیں اس سے لوٹائے جائیں گے اس میں

وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

اور کہا جائے گا ان کو چکھو عذاب آگ کا وہ کہ تھے تم جس کی

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ

تکذیب کرتے اور البتہ ضرور چکھائیں گے انہیں عذاب معمول پہلے

الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

عذاب بڑے کے تاکہ وہ رجوع کریں اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے

۲۰۔جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالائے ، ان کے لئے جنت الماوٰی تو بطور مہمانی ہوگا ورنہ اصل انعامات تو اس کے علاوہ ہوں گے۔جیسے رضوان اللہ تعالیٰ۔حضرت صہیب ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں کچھ مزید دوں۔وہ عرض کریں گے۔کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا اور جہنم سے نہیں بچالیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹادے گا اور ان لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے ہوں گے ان میں سے کوئی انعام بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے ربّ کی دید سے مشرف ہوں گے۔(مسلم۔ترمذی)قریباً اسی مفہوم میں ایک حدیث حضرت ابو سعید خُدری سے مروی ہے۔بحوالہ مسلم کتاب الجنۃ نعیمھا باب احلال الرضوان علی اھل **الجنۃ**)

۲۱۔پہلے بتلایا کہ مومن اور فاسق برابر نہیں ہوسکتے(آیت ۱۹)اب مومنین کو ملنے والے انعامات کے مقابلہ میں فاسقین کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے فسق و فجور کی راہ اختیار کی اور نافرمانیوں میں حد سے بڑھ گئے۔ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔جب بھی اس سے نکلنا چاہیں گے ، اسی میں لوٹادئے جائیں گے کہ اُس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔اگر تمہیں آخرت کی جواب طلبی اور سزاؤں پر یقین ہوتا تو اطاعت سے اس حد تک نکل نہ جاتے۔

۲۲۔فرمایا اُخروی عذابِ عظیم سے پہلے ہم دنیا میں انہیں چھوٹے چھوٹے عذابوں میں

ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ

جسے نصیحت کی گئی ساتھ آیات کے اپنے رب کی پھر اعراض کیا اس نے ان سے یقیناً ہم مجرموں سے

ع ۲ ۱۱ ۱۵ مُنْتَقِمُوْنَ ۲۳ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ

انتقام لینے والے ہیں اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پس نہ ہو تو

مبتلا کریں گے۔ ان پر دنیوی مصائب آئیں گے تا کہ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائیں ،توبہ کریں، ہدایت کی طرف لوٹیں اور بڑے عذاب سے بچ جائیں۔ جو اِن آفات پر بھی رجوع نہ کریں اور نہ سمجھیں ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔توبہ اس وقت تک مقبول ہے جب خفیف آثار عذاب کے ظاہر ہوں اور توبہ کرلیں ورنہ عذاب وارد ہونے پر توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ فرعون نے بھی ڈوبتے وقت توبہ کرلی تھی۔ترمذیؔ میں بروایت ابن عمرؓ ہے کہ غرغرہ کی حالت سے پہلے بندہ جب بھی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔(ترمذی کتاب الدعوات باب فضل التوبۃ) البتہ انبیاء و اولیاء کا معاملہ الگ ہے ان پر آفات و مصائب بطور آزمائش آتے ہیں جو رفع درجات کا موجب ہوتے ہیں۔ بڑی سے بڑی تکلیف پر بھی انہیں سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنے ربّ کی رضا پر راضی ہوتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں!'' خدا کے پیاروں کو جو دکھ آتا ہے وہ مصلحت الٰہی سے آتا ہے ورنہ ساری دنیا اکٹھی ہوجائے تو ان کو ایک ذرہ بھر تکلیف نہیں دے سکتی۔ چونکہ وہ دنیا میں نمونہ قائم کرنے کے واسطے ہیں اس واسطے ضروری ہوتا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں تکلیف اٹھانے کا نمونہ بھی لوگوں کو دکھائیں ۔ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس سے بڑھ کر تردّد نہیں ہوتا کہ اپنے ولی کی روح قبض کروں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے ولی کو کوئی تکلیف آوے۔مگر ضرورت اور مصالح کے واسطے وہ دکھ دئے جاتے ہیں اور اس میں خود ان کے لئے نیکی ہے کیونکہ ان کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں ۔(ملفوظات جلد سوئم صفحہ ۲۶۵)

۲۳۔انبیاء کے ذریعہ بھیجے ہوئے نشانات الٰہیہ سے اعراض کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں جبکہ انبیاء اور ان کے متبعین انہیں باربار یاددہانی کرائیں اور وہ ہر بار منہ پھیر لیں۔ ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ضرور سزادیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا انتقام کبھی دنیا میں لیاجاتا ہے اور آخرت میں بھی لیاجائے گا۔ تاہم بعض جرائم ایسے ہیں جن کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ضرور ملتی ہے ۔ ابن جریر معاذ بن جبلؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ان میں اوّل حق کے خلاف اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچانے والے ، دوسرے والدین کی نافرمانی کرنے والے۔ تیسرے ظالم کی امداد کرنے والے۔

۲۴۔اس آخری رکوع میں مومنوں اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کاذکر ہے اور فتح کی

مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۲۴

شک میں ملنے سے اسکے اور بنایا تھا ہم نے اُسے ہدایت واسطے بنی اسرائیل کے

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ

اور بنائے ہم نے ان میں سے امام ہدایت کرتے تھے حکم سے ہمارے جب صبر کیا انہوں نے

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۲۵ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

اور تھے وہ آیات پر ہماری یقین رکھتے یقیناً رب تیرا ہی فیصلہ کریگا درمیان انکے

بشارت دی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مثیلِ موسیٰؑ تھے۔ اس لئے موسیٰؑ کا ذکر کیا جن پر یہ تمام حالات گزر چکے تھے۔ فرمایا ہم نے موسیٰؑ کو کتاب سے نوازا تھا جو صرف بنی اسرائیل کے لئے بطور ہدایت تھی نہ کہ تمام دنیا کے لئے۔ **لقآئہ** کی ضمیر کتاب اللہ کی طرف راجع ہے ۔قرآن کریم کے متعلق ایسے الفاظ (سورۃ النمل آیت:۷)میں گزر چکے ہیں۔ **وانک لتُلَقیّ القراٰنَ** ۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہے کہ جس طرح موسیٰؑ کو کتاب دی جس میں موسوی امت کو عملی طور پر زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے۔اسی طرح آپؐ کو بھی ایک کامل کتاب دی۔آپؐ اس کے ملنے کے متعلق کوئی شک نہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا **لااشکُ ولا اسئالَ** (تفسیر ابن کثیر) نہ میں شک کرتاہوں نہ سوال۔ آپؐ نے اپنے ربّ کی وحی پر کبھی شک کیا نہ سوال۔ آپؐ اوّل المسلمین تھے۔ پس یہاں خطاب عام ہے۔ ہر مخاطب کو خطاب کیانہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور یہ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے۔ تاہم بعض مفسرین کی رائے میں لقائہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔ یعنی تو اللہ کی ملاقات کے بارہ میں شک میں نہ رہ اس صورت میں بھی خطاب عام ہے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۲۵۔ صبر خود کو بدیوں سے بچانا اور حرام کاموں سے روکنا ، احکام الٰہیہ کی پابندی پر استقامت اختیار کرنا اور لوگوں کی ایذاء رسانیوں اور طعن و تشنیع کو دلیری سے برداشت کرنا ہے۔ بنی اسرائیل میں ان کے تمام مہدی اور انبیاء کو یہ مقام تب ملا جب وہ صبر کے معیار پر پورے اترے۔ یہاں امام و مقتدا بننے کے لئے تین شرائط بیان فرمائی۔ا۔صبر سے کام لیتے تھے۔ ۲۔ ہمارے حکم اور وحی سے لوگوں کو ہدایت دیتے تھے۔ ۳۔ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے تھے۔یہاں نشانیوں پر یقین لانے کا ذکر ہے۔ ایمان لانے کا نہیں۔ گویا نشانیاں ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ یقین ہے کہ ضرور پوری ہوں گی ۔ جب پوری ہوگئیں تب ایمان لائے ۔ دیگر نشانیوں کے علاوہ اُن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵ اَوَلَمْ يَهْدِ

بروز قیامت اس میں کہ تھے وہ جس میں اختلاف کرتے کیا نہیں ہدایت دی

لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ

انکو (اس بات نے کہ) کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے قومیں یہ چلتے پھرتے ہیں

پیشگوئیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو مثیل موسیٰ کے آنے سے پوری ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ اس لئے **جَعَلْنَا مِنْهُمْ** سے ظاہر ہے کہ امت محمدی میں بھی امتِ موسوی کی طرح وقتاً فوقتاً ایسے امام و پیشوا آتے رہیں گے جو خدا سے الہام پا کر ہادی اور امام بنیں گے اور قرآن کو نافذ کریں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی شناخت کے لئے ہمارے واسطے کوئی اتنی مشکل نہیں کیونکہ پہلے اولیاء و انبیاء کے نمونے موجود ہیں۔ اُن کے حالات ہم تک پہنچے ہیں۔ اسی منہاج پر ان کو پرکھ لیاجائے کہ کس طرح غریب آدمی ان کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور آخروہ آئمۃ الکفر پر غالب آتے ہیں۔ اُن کی تعلیم اصولی طور پر تمام اولیاء سابقین سے ملتی ہے۔ جس طریق پر ایک راستباز کو مانا، اسی طریق پر دوسرے کو مان لیں۔ آخر انسان اپنی ماں کو بھی ولادت کے معاملہ میں صرف اسی کی شہادت پر راست باز یقین کرتا ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم ستمبر ۱۹۱۰ء)

۲۶۔ یہاں بنی اسرائیل کے باہمی اختلافات کے فیصلہ کا ذکر ہے کہ وہ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے اور ان سے امامت جاتی رہی اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کا انکار کیا اور امت محمدیہ کے اختلافات کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے جو اب تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور انہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کیا۔ جو آنحضرت ﷺ کی نیابت تامہ اور مظہریت کاملہ میں نبی ہو کر مبعوث ہوئے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ''کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت وقرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتاہے ظلی اور طفیلی طور پر ملتاہے۔(ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۸ طبع اوّل) آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ان تہتر (۷۳) فرقوں میں سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا ناجی فرقہ کونسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا! وہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا۔(ترمذی کتاب ایمان باب افتراق ھذہ الامۃ صفحہ ۸۹/۲)

۲۷۔ ہدایت کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ گزشتہ اقوام کے حالات کا مطالعہ کیاجائے۔ جس

فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۶ اَوَ

ان کے گھروں میں یقیناً اس میں ضرور نشانات ہیں کیا پھر نہیں وہ سنتے کیا

لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ

نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم چلاتے ہیں پانی طرف زمین بنجر کی پھر ہم نکالتے ہیں ساتھ اسکے

زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۷

کھیتی کہ کھاتے ہیں اس سے چار پائے اور خود وہ کیا پھر نہیں دیکھتے وہ

قوم میں بھی خدا کا رسول آیا، ہمیشہ ایک جیسی تاریخ دہرائی جاتی رہی۔ انبیاء پر ایمان لانے والے چند غلام اور کمزور مومنین بڑے بڑے آئمۃ الکفر کے مقابلہ میں کامیاب و کامران ہوئے اور مخالفین انبیاء ہلاک کئے گئے۔ کیا یہ تاریخ اب نہیں دہرائی جائے گی؟ کیا مکفرین کے عالی شان محلات کے کھنڈرات ان کے لئے عبرت کا نشان نہیں جو زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

ان کے لئے ان کھنڈرات میں یہی نشانیاں ہیں کہ راستباز ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں جبکہ شریر و مفسد تباہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ حقائق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تو کیا ہدایت کی کوئی آواز بھی ان کو سنائی نہیں دیتی اور آنکھوں کے ساتھ کان بھی بند ہیں۔

۲۸۔ **جُرُز**۔ چٹیل میدان۔ بے آب وگیاہ میدان۔

اگر سننے سے عاری ہیں تو کیا ان کی آنکھیں بھی دیکھنے سے محروم ہوگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عام قانون جو اس دنیا میں جاری و ساری ہے وہ بھی انہیں نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ بنجر زمین کو پانی سے سیراب کرتاہے، اس پانی سے کھیتی اُگتی ہے جس سے ان کے چوپائے کھاتے ہیں اور یہ خود بھی۔

منکرین حق کی ہلاکت کے ذکر کے بعد بتلایا کہ اب اللہ تعالیٰ آسمانی پانی سے راستبازوں کی ایک جماعت قائم فرمائے گا۔ وہ رحیم وکریم پروردگار جو بنجر زمین کو سیراب کرکے اپنی مخلوق کو مرنے سے بچالیتاہے، وہ عرب کی روحانی بنجر زمین کو جو کسی کا اثر قبول نہیں کرتی تھی، زندگی بخش آسمانی پانی سے سیراب کرکے ایسے پھل پھول لگائے گا کہ اللہ کے مخلص بندے اس مائدہ سے جھولیاں بھر بھر کر مستفید ہوں گے۔ اور عامۃ الناس بھی جو ضلالت و گمراہی میں چوپایوں کی طرح تھے اپنے اپنے ظرف کے مطابق روحانی طور پر سیر ہوں گے۔ کاش ان کی روحانی آنکھیں کھل

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ
اور کہتے ہیں کب ہے فتح اگر ہو تم سچے تو کہہ دے
يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ
بروز فتح نہیں فائدہ دیگا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ایمان ان کا اور نہ وہ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۳ ۸ ۱۶
مہلت دیئے جائیں گے پس اعراض کر ان سے اور انتظار کر یقیناً وہ انتظار کرنیوالے ہیں

جائیں اور انہیں بصارت نصیب ہوجائے اور وہ دیکھنے لگیں۔

۲۹۔ عرب کے صحرا کو سیراب کرنے میں ایک پیشگوئی بھی تھی جیسا کہ بعد میں دریائے دجلہ سے نہر نکال کر عرب کے بنجر علاقہ کو سیراب کیا گیا۔ اس پیشگوئی کو سمجھتے ہوئے کفار نے سوال کیا کہ ایسا کب ہوگا؟ نیز مسلمانوں کی فتح کی پیشگوئیوں سے بھی یہ سوال پیدا ہوا کہ ایسا کب ہوگا کہ تم کامیاب ہوجاؤگے اور ہم تباہ کردیئے جائیں گے۔یعنی حق جیت جائے گا اور باطل مٹ جائے گا۔

۳۰۔فرمایا جب فیصلہ کا دن آئے گا تو کفار کا ایمان لانا لا حاصل ہوگا۔ کفار کا سوال تھا کہ فیصلہ کب ہوگا ۔جواب میں فیصلہ کی نوعیت بیان فرمائی۔اس لئے کہ اس سوال سے کفار کا مقصد محض استعجال اور استہزاء تھا۔ اس کا جواب یہ دیا کہ جلدی نہ کرو۔ وہ فیصلہ ہوکر رہے گا۔ مگر اس وقت کا ایمان لانا تمہیں فائدہ نہیں دے گا اور نہ تمہیں مہلت دی جائے گی۔ گویا ابھی وقت ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھالو۔ ان کے سوال کا جواب اگلی سورۃ میں دیا گیا ہے۔حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ فتح کے وقت ایمان لانے والے بیشک کچھ دنیوی فوائد حاصل کرلیتے ہیں ۔مگر اُخروی انعامات ان کو کم ہی ملتے ہیں ۔ سوائے اس کے کہ وہ عمل میں بہت زیادہ بڑھ جائیں اور دیر سے ایمان لانے کا کفارہ اداکریں (تفسیر صغیر ازحضرت مصلح موعودؓ) جیسا کہ حضرت عکرمہؓ اوربعض دوسرے صحابہ کرام۔

۳۱۔اے رسول ﷺ !ان سے تعرض کیجئے۔ فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تھوڑی دیر انتظار کرو۔ فیصلہ کے دن سچ اور جھوٹ نکھر کر سامنے آجائے گا ۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پھر فتح مکّہ کے دن ایسا ہی وقوع میں آیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احزاب۔یہ سورۃ مدنی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی چوہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

پچھلی سورتوں میں مسلسل اسلام کی ترقی اور غلبہ کی پیشگوئیاں تھیں۔سورۃ السجدہ کو خاص طور پر فتح کی بشارت پر ختم کیا۔ جس پر کفار کے استفسار کا ذکر ہے۔ کہ وہ وقت کب آئے گا ۔ اس سورۃ میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اب اسلام ایک بہت بڑی طاقت بن چکا ہے اور اس کی حکومت قائم ہوچکی ہے۔ مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و احسان سے انہیں یہود ومشرکین اور منافقین پر غالب کردیا ہے۔اس سورۃ کے اوّل تا آخر آپ ﷺ کی ذات بابرکات کا ہی ذکر ہے چونکہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی اس لئے بعض اہم سیاسی اور معاشرتی امور میں ان کی رہنمائی فرمائی ۔ نیز دیگر مدنی سورتوں کی طرح اس میں بھی بعض احکام اور فقہی مسائل ہیں ۔ جہاد اور منافقین کا ذکر ہے۔

اس سورۃ کا زمانہ نزول ۵ ہجری ہے۔ اس میں غزوہ احزاب کا ذکر ہے جس پر اس سورۃ کا نام ہے۔جنگ احزاب میں عرب کے بہت سے قبائل اکھٹے ہوکر مسلمانوں کو کچلنے کے لئے مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت سے ایک معمولی آندھی اس لشکرِ جرار کے بھاگ جانے کا موجب بنی۔ اس میں اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت مومنین کو حاصل ہے اورکوئی طاقت اس حق کو مٹانہیں سکتی۔ اس سورۃ کے اہم واقعات میں جنگ احزاب کے علاوہ غزوہ بنی قریظہ اور حضرت زینب بنت جحشؓ کے نکاح کا بیان ہے ۔حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے ان کے رشتہ کی بات کی جسے ان کے خاندان اور خود حضرت زینب نے پسند نہیں فرمایا۔ان کی خواہش تھی کہ آپؐ خود انہیں اپنے نکاح میں لاتے لیکن اللہ اور رسول کے فیصلہ کے سامنے کسی کو انکار کی جرأت نہ ہوئی (آیت :۳۸)اس نکاح سے آپؐ نے ایام جاہلیت کی اس رسم کو توڑا کہ ایک معزز خاندان کی بیٹی کا نکاح کسی غلام سے نہیں ہوسکتا۔اس طرح نسلی برتری کے خناس کو کچل کر انسانی مساوات کی ایک بہترین مثال قائم کی۔حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کی طبیعتوں میں تضاد تھا۔ آنحضرت ﷺ کی کوششوں کے باوجود یہ نکاح بمشکل ایک سال چل سکا اور حضرت زیدؓ نے حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ عرب میں متبنیٰ حقیقی بیٹے کی طرح متصور ہوتا اور وراثت میں حقدار قرار پاتا اور اس پر تمام رشتے اسی طرح حرام سمجھے جاتے تھے جس طرح حقیقی بیٹے پر۔ اللہ تعالیٰ جاہلیت کی اس رسم کو

اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا جس میں کئی قباحتیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو حضرت زینبؓ سے نکاح کا حکم دیا تا کہ اس رسم کو عملاً توڑا جائے اور لوگوں کے لئے متبنیٰ کی بیوہ سے نکاح کا جواز پیدا ہو۔ یہ واقعہ جنگ احزاب اور جنگ قریظہ کے بعد کا ہے جب کفار و منافقین مسلمانوں سے ہر میدان میں زِک اٹھا چکے تھے۔ اب مخالفینِ رسول کو ایک ایسا موقع ہاتھ آیا تھا کہ وہ اپنے زعم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذاتِ مظہر پر نعوذ باللہ کیچڑ اچھال سکتے تھے اور آپؐ کو مومنین کی نظروں سے گرا سکتے تھے۔ چنانچہ اس نکاح پر بہت سے بیہودہ افسانے تراشے گئے اور بے سروپا افواہیں پھیلائی گئیں۔ اس سورۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی مکمل اطاعت اور تعظیم و تکریم کی تلقین فرمائی اور آپؐ کو کسی قسم کی ایذاء پہنچانے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت زینبؓ کے نکاح کے تعلق میں بھی چند ضروری معاشرتی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں بعض احکام عورتوں کے لئے بطور خاص ہیں۔ آخر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو عظیم کامیابیوں کی بشارت دے کر اور کفار و مشرکین کو عذاب کی وعید کے ساتھ اس سورۃ کا اختتام ہوا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ

اے نبی ڈر اللہ سے اور نہ پیروی کیجیو کافروں اور منافقوں کی

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

یقیناً اللہ ہے خوب جاننے والا حکمت والا اور پیروی کر اسکی جو وحی کی جاتی ہے طرف تیری

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ مومنوں کا روحانی تعلق ہے۔ آپؐ کی محبت تمام محبتوں پر فائق ہونی چاہیئے۔ دوسرے اور تیسرے رکوع میں جنگ احزاب کا ذکر ہے۔ چوتھے رکوع میں ازواجِ مطہرات کا ذکر فرمایا۔ پانچویں رکوع میں توجہ دلائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی اُبوّت جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ اس لئے جب زیدؓ نے جو منہ بولا بیٹا تھا زینبؓ کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے زینبؓ کو آپؐ کی زوجیت میں دے دیا۔ پچھلی سورۃ کو مکذبین سے اعراض کے حکم پر ختم کیا۔ اس سورۃ کے شروع ہی میں کفار اور منافق کی اتباع نہ کرنے کا حکم دیا۔

یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو طلاق دے چکے تھے اور آپؐ کو اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کا حکم ہوا تھا۔ اس بنا پر لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا احتمال تھا۔ اس لئے فرمایا کہ کفار و منافقین کی باتوں کی پرواہ نہ کر۔ ۔۔ تیرے خلاف ان کی تمام تدبیریں ناکام ہوں گی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کو علیم و حکیم جانے گا۔ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور کفار و منافقین کی باتوں کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تو تمام اخلاقِ حسنہ کامل طور پر موجود تھے۔ آپؐ تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے۔ آپؐ تمام اوامر و نواہی پر پہلے سے ہی کاربند تھے۔ آپؐ سے کسی کوتاہی کا احتمال ہرگز نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کو خطاب کر کے حکم کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کہ جب رسولؐ مخاطب ہیں تو امت کا کوئی فرد اس حکم سے کیسے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ غرض آپؐ کے خطاب میں امت ہی مخاطب ہے۔

مکہ میں مومنین کا کفار اور مشرکین سے واسطہ تھا جبکہ ہجرت کے بعد مدینہ میں کفار کے علاوہ منافقین سے بھی واسطہ پڑا۔ کفار کھلم کھلا اسلام کی بیخ کنی کے درپے رہتے جبکہ منافقین خود کو

مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ
طرف سے تیرے رب کی یقیناً اللہ ہے اس کی جو تم کرتے ہو خوب خبر رکھنے والا اور بھروسہ کر

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ
اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز نہیں بنائے اللہ نے کسی آدمی کے

مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ
دو دل سینہ میں اس کے اور نہیں بنایا بیویوں کو تمہاری وہ کہ

تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ
تم ظہار کرتے ہو جن سے مائیں تمہاری اور نہیں بنایا لے پالکوں کو

اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ
تمہارے بیٹے یہ بات ہے تمہاری مونہوں سے تمہارے اور اللہ کہتا ہے

مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں کے خلاف درپردہ ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار ایسی علامتیں ہیں کہ جس میں وہ ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہوگی سوائے اس کے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔وہ چار باتیں یہ ہیں:۔کہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔جھگڑے میں فحش کلامی کرتا ہے۔یعنی گالی گلوچ پر اتر آتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔(مسلم کتاب الایمان باب خصائل المنافق ۔نسائی)

۳۔پس کفار و منافقین کی پروانہ کر۔اپنے ربّ کے حکم کی اتباع کر تیرا ربّ تیری اندرونی حالت سے خوب واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس میں تیری خواہشات کا دخل نہیں ۔ یہاں اشارۃً بتلایا کہ اگر زینبؓ کی طرف تیرا ادنیٰ سا میلان بھی ہوتا تو تُو زیدؓ کے ساتھ نکاح کروانے کے بجائے خود اس سے نکاح کرسکتا تھا۔

۴۔عربوں میں لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹے والے تمام حقوق حاصل تھے۔اس کی مُطلقہ یا بیوہ سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ تمام بدرسوم کو مٹانا چاہتا تھا۔پس آپؐ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کا حکم ہوا۔(آیت:۳۸)اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس معاملہ میں ایک طوفان برپا ہوگا ، فتنے اٹھیں گے اور آپؐ کو بدنام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔اس لئے فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ کر۔بطور وکیل وہی تجھے کافی ہے جو تیری برأت ظاہر کرے گا۔

۵۔**جوف**۔پست زمین۔انسان کا جوف اس کا پیٹ اور سینہ وغیرہ ہے۔**الّٓـئِ**۔**لائي**۔

الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ﴿۵﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ
حق اور وہ ہی ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ کی پکارو انہیں (نسبت کرکے) طرف انکے باپوں کی یہ

دو عورتیں۔مراد وہ عورتیں۔ **تظھرون ۔ظھر** کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ظہار زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی۔جس میں مرد بعض دفعہ غصہ میں آکر اپنی بیوی کو کہہ دیتا کہ تو مجھ پر ایسے ہی حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔یہ ایک قسم کی طلاق تھی۔**ادعیآء**۔ **دعیٌّ** کی جمع ہے۔**دعوَة** طعام میں ہے۔ دِعوَة نسب میں۔**دعیٌّ** وہ ہے جسے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے۔ متبنّیٰ کو بھی **دعیّ** کہا جاتا ہے۔(لسان العرب)

اس آیت میں زمانہ جاہلیت کی دو بدرسوم کو جڑ سے کاٹا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اتباعِ وحی کا حکم تھا جس میں ساری امت مخاطب تھی نیز منافقین کو سمجھانا مقصود تھا۔فرمایا اللہ نے کسی انسان کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے کہ ان دلوں میں دو وجودوں کی ایک جیسی محبت ہو۔اس میں اشارہ ہے کہ تیرے دل میں اللہ کی محبت ہی غالب رہے گی۔دوسری تمام محبتیں اس کے تابع ہوں گی۔تو حکم الٰہی کو ہی تمام محبتوں پر فوقیت دے گا۔پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ایک دل میں ایمان کا دعویٰ کرے اور دوسرے دل سے اس دعویٰ کے خلاف عمل ہو یا یہ کہ دعویٰ ایمان کے باوجود رسم و رواج اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع کرے۔جیسا کہ ایامِ جاہلیت کے خود ساختہ رسوم و قوانین میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مرد بعض دفعہ غصہ میں آکر اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتے اور انہیں ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیتے۔وہ گھروں میں تو رہتیں لیکن ان سے ازدواجی تعلقات نہ رکھتے اور نہ ہی انہیں دوسرے نکاح کی اجازت دیتے۔یہ ایک عورت کی صریح حق تلفی اور اس پر ظلم تھا۔قرآنِ کریم نے اس رسم کا خاتمہ کیا اور کفارہ کا حکم دیا کہ ان سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے قبل بطور کفارہ ایک غلام آزاد کریں۔اگر استطاعت نہ ہو تو متواتر دو ماہ روزے رکھیں۔اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔(تفصیل سوۃ مجادلۃ:۴۔۵)دوسری زمانہ جاہلیت کی رسم اپنے لے پالکوں کو حقیقی بیٹے قرار دینا تھا۔وہ متبنّیٰ کو وراثت میں شریک کرتے اور حرمتِ نکاح کے احکام ان پر عائد کرتے۔اسی بنا پر حضرت زینبؓ کے نکاح پر منافقین نے بہت شور مچایا اور شر پھیلایا حالانکہ قرآن کریم میں پہلے سے یہ قانون موجود ہے کہ صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں نہ کہ لے پالک کی (سورۃ النسآء آیت:۲۴)پس ان خود ساختہ لغو رسوم کو چھوڑ دو۔یہ محض زبانی باتیں ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں اللہ تعالیٰ سچی بات بیان کرتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔پس اسی راہ پر چلو۔

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

بہت انصاف والی بات ہے نزدیک اللہ کے پس اگر نہ جانو تم باپوں کو ان کے تو بھائی ہیں تمہارے

فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ۚ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ

دین میں اور دوست ہیں تمہارے اور نہیں تم پر کوئی گناہ اس میں کہ

اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

خطا کرو تم جس میں ولیکن (ہاں) جو عمداً کریں دل تمہارے اور ہے اللہ

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۶ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا نبی زیادہ حق رکھتا ہے مومنوں پر بہ نسبت جانوں کے ان کی

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۚ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی

اور بیویاں اس کی مائیں ہیں ان کی اور قرابت والے بعض ان کے زیادہ قریبی ہیں

بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ

بعض کے کتاب اللہ میں بہ نسبت مومنوں کے اور مہاجروں کے مگر

اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۚ كَانَ ذٰلِكَ فِی

یہ کہ کرو تم اپنے دوستوں سے نیک سلوک یہ ہے

۶۔اس سورۃ کی پہلی سات آیات میں مومنین کو حضرت زینبؓ کی بابت آئندہ آنے والے واقعات کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا گیا ہے۔فرمایا تم اپنے منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک منصفانہ امر ہے۔اگر تمہیں ان کے باپ کا علم نہیں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ان سے حسن سلوک کرو۔بخاریؔ اور مسلمؔ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے قبل ہم زید بن حارث کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔اس آیت کے نزول کے بعد ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔

تاہم کسی کے بیٹے کو اپنے گھر میں مثل بیٹے کے رکھنا اور بیٹا کہہ کر پکارنا منع نہیں یہ صرف ایک پیار کا اظہار ہے۔یتامیٰ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے کہ ان سے اپنے بچوں جیسا سلوک کرو۔پس یہاں خاص طور پر ایک رسم بد کا سدّ باب کیا کہ ایسے بیٹے پر حقیقی بیٹوں والے احکام عائد نہیں ہوں گے۔فرمایا اگر اس معاملہ میں پہلے کوئی بھول چوک ہوئی ہے تو قابل معافی ہے۔ہاں عمداً خلاف شرعی اُمور کے ارتکاب پر مؤاخذہ ہوگا۔اس پر بھی توبہ کرلو تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۷۔**اَولیٰ۔ادنیٰ** اوراقرب۔زیادہ حقدار۔زیادہ لائق۔شہ لولاک خاتم انبیاء فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنی امت کے اس قدر خیر خواہ تھے کہ دنیوی

الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۷ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ

کتاب میں لکھا ہوا اور جب لیا ہم نے نبیوں سے عہد ان کا

رشتہ داریاں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔آپؐ نے فرمایا! مومن کوئی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے اہل وعیال کو ملے گا اگر اس پر کوئی قرض ہو یا بے سہارا اولاد چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔وہ میرے پاس آئیں۔میں ان کا مولیٰ ہوں۔(مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ۔بروایت حضرت جابرؓ) گویا آپؐ ایک ایسے روحانی باپ تھے جو مومنین کی وفات کے بعد ان کے اموال میں وارث نہیں تھے لیکن وفات کے بعد ان کی ذمہ داریوں میں وارث تھے۔آپؐ نہ صرف دنیا میں مومنین پر حد درجہ شفیق و مہربان تھے بلکہ آخرت میں بھی جب تمام مخلوق کو صرف اپنی فکر ہوگی اور نفسانفسی کا عالم برپا ہوگا۔ہمارے پیارے آقا و مولیٰ سجدے میں گرے ہوں گے اور اُمتی ،امتی پکاریں گے اور اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو کسی ایک دعا کی قبولیت کا اختیار دیا جاتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا چھپا کر رکھ لوں اور آخرت میں امت کی شفاعت کے لئے خدا کے حضور یہ دعا مانگوں کہ میری امت کو بخش دے۔
(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب لکل نبی دعوۃ مستجابۃ حدیث نمبر ۵۸۳۰)

ایسے حالات میں جبکہ آپؐ کے خلاف تہمتوں کا طوفان اٹھ رہا تھا کہ نعوذ باللہ آپؐ نے اپنی مطلقہ بہو سے نکاح کرلیا ہے۔مومنین کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا حق تم پر تمہاری اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بنتا جبتک میں اس کو اس کے ماں باپ ، اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں۔(بخاری کتاب الایمان بروایت حضرت انسؓ۔مسلم) پس آپؐ کا ہر حکم مومنین پر ان کے والدین کے حکم سے بھی زیادہ واجب التعمیل تھا اور ہمیشہ رہے گا۔یہاں تک حکم ہے کہ اگر ایک شخص نماز میں ہو اور نبی اسے آواز دے تو وہ نماز توڑ کر نبی کا حکم سنے اور نماز بعد میں پوری کرے۔

ابھی ابھی مومنوں کو روکا کہ جن سے نسبی تعلق نہیں وہ تمہارے حقیقی بیٹوں کی طرح نہیں۔ یہاں بتلایا کہ آنحضرت ﷺ سے مومنین کا نسبی رشتہ نہیں لیکن نسبی تعلقات سے شدید تر روحانی تعلق ہے۔آپؐ مومنین کے روحانی باپ ہیں ۔ بیشک مومنوں کی منہ بولی مائیں ان کی مائیں نہیں ہوسکتیں لیکن آنحضرت ﷺ کی بیبیاں مومنین کے لئے اس حد تک واجب الاحترام ہیں کہ وہ مومنین کے لئے ان کی حقیقی ماؤں کی طرح ہیں اور ان سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس طرح ازواجِ مطہرات کی عظمت وحرمت اور تقدس کی گواہی خود قرآن کریم نے دی۔یہ وہ مائیں ہیں جن کے ذمہ مومنین کی

وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور تجھ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۸ لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ

اور لیا ہم نے ان سے عہد پختہ تاکہ وہ پوچھے سچوں سے

روحانی تربیت ہے انہوں نے اس فریضہ کو احسن طریق پر نبھایا۔دیگر مسائل کے علاوہ خاص معاشرتی احکام کی وضاحت میں مومنین کی رہنمائی فرمائی۔جید صحابہ دقیق ترین مسائل کا حل دریافت کرنے حضرت عائشہؓ اور دیگر اُمہات المومنین کے پاس آتے اور مطمئن واپس لوٹتے۔

امہات المومنین تمام دنیا کی عورتوں کے لئے ایک پاک نمونہ ہیں۔عورتیں آپ سے بہت سے نسوانی مسائل دریافت کرتیں اور دینی تعلیم حاصل کرتیں۔ بیشک امہات المومنین سے نکاح حرام ہے اور وہ تمہاری مائیں ہیں لیکن یہ وہ مائیں ہیں جو تمہارے ورثہ کی حقدار نہیں۔ یہ قانون سوائے آپؐ کی اور دیگر انبیاء کی ازواجِ مطہرات کے اور کسی کے لئے نہیں کہ ان سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ ان کے احترام کا یہی تقاضا ہے۔اس میں بھی استثنیٰ ہے کہ وہ حقیقی ماؤں کی طرح ہیں لیکن ان کی بیٹیاں حقیقی بہنوں کی طرح نہیں۔ ان سے مومنین کے نکاح جائز ہیں۔اسی طرح دیگر رشتہ دار ہیں۔ آنحضرت صلی للہ علیہ والہٖ وسلم سے مومنوں کے تعلقات کی نوعیت سب سے مختلف ہے لیکن عام مسلمانوں کے درمیان آپس کے تعلقات اس اصول پر قائم ہوں گے کہ رشتہ داروں کے ایک دوسرے پر حقوق عام مسلمانوں پر مقدم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔انصار نے مہاجرین کو اپنی جائیدادوں اور اموال میں شریک کیا۔ اس لئے بطور خاص واضح فرمایا کہ کتاب اللہ میں قانون وراثت کے مطابق رحمی رشتہ داروں کو ایک دوسرے پر اوّلیت حاصل ہے(سورۃ النساء آیت۱۲۔۱۳) بہ نسبت مومنین اور مہاجرین کے۔گویا تقسیم میراث رشتہ داری اور ارحام کی بنیاد پر ہوگی ہاں اگر تم اپنے دوستوں یا غیر رحمی رشتہ داروں سے بطور احسان کوئی نیک سلوک کرنا چاہو یا ان کی مدد کرنا چاہو تو اللہ کی کتاب میں بیان کردہ احکام کے مطابق تمہیں ان کے لئے وصیت کا حق ہے۔ (سورۃ انساء آیت۱۲۔۱۳) تاہم قرآن کریم نے والدین ، بیوی بچوں اور رحمی رشتہ داروں کو دوستوں پر فوقیت دی ہے۔ ان کے حقوق تلف کئے بغیر غیر رشتہ داروں پر معروف طریقہ سے خرچ کرنا جائز ہے۔ تاہم صاحبِ جائداد کلی طور پر بااختیار ہے۔

۸۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کا ذکر تھا۔ فرمایا تمام انبیاء سے اللہ تعالیٰ

عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۹ ع ۱ ۱۷

بابت سچائی کے ان کی اور اس نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے عذاب دردناک

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت اللہ کی اپنے پر

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ

جبکہ آئے تم پر لشکر تو بھیجی ہم نے ان پر ہوا اور ایسے لشکر کہ نہ

نے ایک پختہ عہد لیا۔ یہ انبیاء کا عہد کہلاتا ہے اور وہ اپنی امتوں سے یہ عہد لیتے آئے ہیں کہ جب بھی کوئی نبی آئے جو پہلی کتابوں کا مصداق ہو تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔(ال عمران آیت۸۲) پس یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں روزِ ازل سے اولوالعزم انبیاء دیتے آئے ہیں۔ توریت تحریف کا شکار ہوئی لیکن اس میں نبیٔ آخرالزماں کی پیشگوئیاں خاص تصرف الٰہی سے محفوظ رہیں۔ علمائے یہود کو آپؐ کے ظہور سے قبل ایک آتشی شریعت والے عظیم نبی کا شدت سے انتظار تھا۔ پس آج وہی عہد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے لیاجارہاہے۔ اگر آپؐ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا تو اس عہد کا کیا جواز تھا جس کی گواہ ستر(۷۰) کے قریب احادیث ہیں کہ میرے بعد آنے والے میرے مہدی اور مسیح کی اتباع کرنا اور اس کی مدد کرنا۔ جب آنحضرتﷺ کا اپنی امت سے روحانی باپ کا تعلق ہے تو لازم تھا کہ آپؐ کا خدا قیامت تک کے لئے آپؐ کی امت کی ہدایت کا سامان کرتا۔

۹۔یہ میثاق اس لئے تھا تا صادقین سے ان کے صدق کی بابت سوال کرے۔یعنی زبان سے سچ بولنے والوں سے ان کی عملی سچائی کے بارہ میں پوچھا جائے۔اس سوال کا ذکر (الاعراف:۷) میں مذکور ہے کہ جن کی طرف رسول بھیجے گئے ان سے ضرور پوچھا جائے گا اور رسول بھی ضرور پوچھے جائیں گے۔

پس یہ عہد اس واسطے لیا گیا تھا تا جن لوگوں نے اس عہد کو سچ کردکھایا اور ہمارے بھیجے ہوئے مرسلین کی تصدیق کی اور ان کی مدد کی ، ان کو اللہ تعالیٰ بہترین اجر سے نوازے اور جنہوں نے اس عہد کا پاس نہیں کیا اور آنے والے رسولوں کا انکار کیا، ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے ۔ ان کے لئے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔تمام انبیاء صدیق ہیں اور امت کے وہ لوگ صدیق ہیں جنہوں نے اپنا عہد وفا کیا اور آنے والے کی تصدیق اور تائید کی۔

۱۰۔دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کا ذکر ہے ۔احزاب

تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۱۰ اِذْ جَآءُوْكُمْ

دیکھا تم نے جنہیں اور ہے اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا جبکہ وہ آئے تمہارے پاس

حزب کی جمع ہے ۔ حزب بمعنی گروہ ہے۔

غزوہ احزاب میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی نعمتوں کی بارش ہوئی ۔ سب سے اوّل تو یہ کہ ان کو وقت پر اطلاع ہوگئی اور وہ اپنے دفاع کا انتظام کرسکے، دوسری یہ کہ لشکر کفار بغیر لڑے ایک معمولی آندھی سے بھاگ گیا۔ تیسری یہ کہ یہ غزوہ مسلمانوں کی آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔اس جنگ کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد مشرکین مکہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب کے درمیان دو سال کے وقفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہؓ کو چین کا ایک دن بھی نصیب نہیں ہوا۔اس مدت میں مشرکین کے چھاپہ مار دستے وقتاً فوقتاً مدینہ کا رخ کرتے ۔جن کا منہ توڑ جواب دیا جاتا۔تاہم اس عرصہ میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کا کام جاری رہا اور مختلف اسلامی قوانین نافذ فرمائے۔اس دوران کچھ لوگ خود کو مسلمان ظاہر کر کے چھ مبلغین اسلام کو اپنے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے دھوکے سے لے گئے اور ان میں سے چار کو شہید کردیا اور باقی دو کو مکہ میں دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کردیا۔ پھر ستر (۷۰) قاریوں کی ایک جماعت کو اسی طرح تربیت کے بہانہ دھوکہ سے لے جاکر بئر معونہ کے مقام پر اچانک نرغہ میں لے کر شہید کردیا۔ان شدید مشکل حالات میں بھی مسلمانوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ دلیری سے دشمنانِ حق کا مقابلہ کرنے کے لئے چوکس ہوگئے۔ان دنوں یہود قبیلہ بنی نضیر مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا۔(تفصیل دیباچہ سورۃ حشر) چار ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی لیکن راز فاش ہوگیا، آنحضرتﷺ نے ان کو دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا جسے کچھ شدّ ومدّ کے بعد انہوں نے قبول کرلیا اور اپنے اہل و عیال اور ضروری اسباب و اموال کے ساتھ شہر بدر ہوگئے اور خیبر اور وادیٔ القریٰ میں جاکر بس گئے جہاں یہود قبیلہ نبی قینقاع مدینہ سے نکل جانے کے بعد آباد تھا۔بنو نضیر کے سرداروں نے قریش مکہ اور دوسرے کئی قبائل کو آمادہ کیا کہ ایک مشترکہ حملے سے اسلام کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے۔ مشرکین مکہ بھی اب اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ مسلمانوں سے مقابلہ اکیلے قریش مکہ کے بس میں نہیں چنانچہ انہوں نے کئی قبائل کو ساتھ ملا کر ایک فیصلہ کن حملہ کی تیاری کی۔ مدینہ کے شمال سے یہود کے دونوں قبیلے بنوقینقاع اور بنو نضیر، خیبر اور وادیٔ القریٰ سے ہتھیاروں سے لیس ہوکر روانہ

ہوئے جنوب سے قریش مکہ اپنے حلیفوں کی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ان کے ساتھ شامل ہوئے۔ مشرق سے غطفانؔ کے قبیلوں نے پیش قدمی ۔ احادیث میں ان احزاب کی تعداد دس سے پندرہ ہزار تک بیان کی گئی ہے۔حیات مبارکہ میں قریباً اسی (۸۰) غزوات اور سرایات ہوئیں اور ہر ایک کے لئے حضورﷺ نے ایک الگ حکمت عملی وضع فرمائی جو اس رسولِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی قابلیت اور بہترین قائدانہ صلاحیتوں کی غماز تھی۔

آپ کو چھ دن قبل اس لشکر کی اطلاع ملی۔ آپؐ نے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے مدینہ کے شمال مغربی اطراف میں دفاعی نکتۂ نظر سے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا ۔ مدینہ کے مشرق اور مغرب میں لاوے کی چٹانیں ایک قدرتی دفاعی دیوار کا کام دے رہی تھیں۔ جنوب میں باغات کی کثرت تھی۔جنوب مشرقی کونہ میں یہود کا قبیلہ بنی قریظہ آباد تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیفانہ معاہدہ تھا جس کی رو سے مدینہ پر حملہ کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کے پابند تھے۔مسلمانوں نے اس طرف سے بے فکر ہو کر اپنے بیوی بچوں کو ان کے قریبی علاقوں میں بھجوادیا تھا۔ مسلمانوں نے شمال مغربی اطراف میں خندق کھودنے کا کام شروع کیا ۔ یہ ایک نیا دفاعی انداز تھا جس سے اہل عرب متعارف نہیں تھے۔ اس سے قبل آپؐ نے اہل مدینہ کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیشہ مدینہ سے نکل کر دفاع کیا۔یہ واقعہ شوال ۵ ہجری کا ہے۔آپؐ کے ساتھ قریباً تین ہزار صحابہ تھے۔گویا اس وقت مومنین کی تعداد عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر تین ہزار تھی۔ بعض احادیث میں کم تعداد بھی لکھی ہے۔ دس (۱۰) صحابہ کے حصہ میں چالیس گز زمین آئی۔آنحضرتﷺ نے بنفس نفیس صحابہ کرام کے ہمراہ اس کام میں حصہ لیا۔ حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔الٰہی اگر تو ہم کو ہدایت نہ کرتا تو نہ ہم کو ہدایت ملتی نہ ہم صدقہ دیتے ،نہ نماز پڑھتے،الٰہی ہمارے لئے اطمینان کا حکم نازل فرما اور کافروں کے مقابل ہمارے قدم جمائے رکھ۔(بخاری کتاب الجهاد باب حفر الخندق)۔پس دشمنوں کے پہنچنے سے قبل صرف چھ (۶) دن میں تقریباً ایک میل لمبی، چوڑی اور گہری خندق تیار کرلی۔ کُھدائی کے دوران دو اہم واقعات پیش آئے پہلا یہ کہ حضرت سلمان فارسیؓ خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان حائل ہوئی جو کسی صورت ٹوٹ نہیں رہی تھی۔آنحضرتﷺ کو اطلاع دی گئی۔آپؐ نے کدال لے کر اپنے دستِ مبارک سے تین ضربیں لگائیں اور چٹان پاش پاش ہوگئی۔ہر ضرب پر پتھر سے روشنی نکلتی۔آنحضرتﷺ نے فرمایا! پہلی ضرب کی روشنی میں میں نے یمن اور کسریٰ کے محلات

دیکھے اور جبریل امین نے مجھے بتلایا کہ آپؐ کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔ دوسری ضرب کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محلات دکھائے گئے اور جبریل امین نے مجھے ان کی فتح کی خوشخبری دی۔ کفار نے سنا تو خوب مذاق اڑایا جبکہ مومنین کے حوصلے مزید بلند ہوگئے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ کھدائی کے دوران حضرت جابرؓ نے محسوس کیا کہ آنحضرتﷺ فاقہ سے سخت نڈھال ہیں۔آپ نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ جو کچھ گھر میں ہے تیار کرلو میں آنحضرتﷺ کو لے کرآتا ہوں۔ان کی اہلیہ نے کہا گھر میں صرف ایک صاع یعنی قریباً ساڑھے تین سیر جَو رکھے ہیں، میں پیس کر آٹا بناتی ہوں۔ایک بکری کا بچہ تھا جسے حضرت جابرؓ نے ذبح کرکے گوشت بنایا۔ان کی اہلیہ کھانا بنانے لگیں اور حضرت جابرؓ نے آنحضرتﷺ کو حقیقت حال یعنی کھانے کی مقدار سے آگاہ کیا۔ آنحضرتﷺ نے پورے لشکر میں اعلان کروا دیا کہ جابرؓ کے گھر دعوت ہے۔ آپؐ قریباً ایک ہزار صحابہ کے ہمراہ حضرت جابرؓ کے گھر پہنچے۔ آپؐ اپنے دستِ مبارک سے ہرصحابی کو روٹی پر سالن رکھ کر دیتے گئے ہر بار ہنڈیا اور تنور کو ڈھانپ دیتے تمام لشکر نے سیر ہو کر کھایا۔ حضرت جابرؓ اور ان کے گھر والوں نے بھی پیٹ بھر کرکھایا اور باقی پڑوسیوں میں تقسیم کردیا گیا یہ آنحضرتﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق بروایت حضرت جابرؓ)

خندق تیار ہوئی تو دشمنوں کے لشکر آن پہنچے۔ آنحضرتﷺ اور صحابہ کرام نے جبلِ سلع کو اپنی پشت پر رکھ کر فوج کی صف بندی فرمائی اور مورچے سنبھال لئے۔اہل عرب کے لئے یہ ایک نئی صورت حال تھی،اس طریقِ دفاع سے وہ واقف نہیں تھے۔ صحابہ کرام دن رات خندق کی حفاظت پر مامور تھے۔ دونوں طرف سے مسلسل تیراندازی ہوتی رہتی۔باربار کی کوشش کے باوجود کفار کسی جگہ سے بھی خندق کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے لیکن تیراندازی کی وجہ سے بہت سے صحابہؓ زخمی ہوئے۔ جن میں سعد بن معاذؓ بھی تھے۔کبھی کبھی اکاّ دکاّ جوانوں میں مقابلہ بھی ہوا ان کا مشہور پہلوان عمر بن عبدود ، شیر خدا علی مرتضٰی کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ نوفل بن عبداللہ ہلاک ہوا تو اہل مکہ نے اس کی لاش لینے کے لئے دس ہزار درہم کی پیش کش کی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر رقم وصول کئے لاش دے دی اور فرمایا کہ ہم مُردوں کی قیمت وصول نہیں کرتے جبکہ وہ سخت تنگی کا وقت تھا۔سخت سردی میں انہیں قریباً ایک ماہ تک محاصرہ کرنا پڑا۔ سامانِ رسد ختم ہو رہا تھا ،کپڑے ناکافی تھے۔دراصل وہ اتنے لمبے عرصہ کے منصوبے سے آئے ہی نہیں تھے۔ آنحضرتﷺ کو اطلاع ملی کہ بنونضیر کے یہودی سردار نے مسلمانوں کے حلیف بنوقریظہ کو اپنے ساتھ ملالیا ہے۔اس عہدشکنی سے آپ کو قدرتی طور پر فکر ہوئی۔ اس دوران قبیلہ غطفانؔ کا ایک فرد

مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ
اوپر سے تمہارے اور نیچے سے تمہارے اورجبکہ پھرگئیں آنکھیں اور
بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝١١
پہنچ گئے دل حلق کو اورتم گمان کرتے تھے اللہ پر طرح طرح کے گمان

نعیم بن مسعود مسلمان ہو کر آنحضرتﷺ کی خدمت اقدس میں حاضرہوا اورعرض کی کہ میرے قبول اسلام کی ابھی کسی کو خبر نہیں مجھے کسی خدمت کا موقع دیجیئے۔آپؐ نے فرمایا کہ تم دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوئی تدبیر کرو۔ چنانچہ عین اس وقت جب اگلے دن تمام قبائل مدینہ پر مشترکہ حملہ کرکے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا پروگرام بنارہے تھے ۔نعیم بن مسعودؓ نے انتہائی تدبر اور حکمت سے یہود اورقبائل قریش میں پھوٹ ڈلوادی ۔ اس طرح یہ جنگی چال نہایت کامیاب ثابت ہوئی جس نے دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کردیا او رمحاصرین کے حوصلے پست ہوگئے ۔ پچیس(۲۵)دن سے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھیں کہ ایک شدید سردرات میں آندھی کی صورت سخت ٹھنڈی ہوا اتنے زور سے چلی کہ کنکر اور ریت لشکر کفار کے مونہوں اور آنکھوں میں گھسے جارہے تھے جس نے ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔خیمے اکھڑ گئے۔ جگہ جگہ جلائی ہوئی آگ بجھ گئی۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔عربوں میں میدان جنگ میں آگ کا بجھ جانا ایک بڑی بدشگونی سمجھا جاتا تھا۔ **جنودالم تروھا** سے مراد ملائکہ تھے جنہوں نے پانچ گنا دشمن کو ایسا خوفزدہ کیا کہ وہ سخت بدحواس ہوکر اپنے اپنے قبیلوں کو لے کر بھاگے۔کفار کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ لشکرِقریش کا کمانڈر ابوسفیان اونٹ کا گھٹنا کھولے بغیر اسے بھگانے کی کوشش کررہاتھا۔ کفار کامیدان جنگ سے اس طرح بھاگ جانا اللہ کے فضل واحسان سے آنحضرت کا ایک عظیم معجزہ تھا۔جس آندھی نے مسلمانوں کو بچالیا وہی آندھی کفار کی ہزیمت کا سبب بنی ۔ میدان کو خالی دیکھ کر آنحضرتﷺ نے ایک عظیم پیشگوئی فرمائی کہ آج کے بعد قریش تم پر کبھی حملہ نہ کرسکیں گے۔ اب تم ان پر چڑھائی کروگے(بروایت حضرت سلیمان بن صردؓ۔ بخاری)

اللہ تعالٰی تمہارے اعمال پر گہری نظر رکھتا ہے ۔ان کو بھی جانتا ہے جنہوں نے کمزوری دکھائی ۔ اوران کو بھی جانتا ہے جنہوں نے اپنا وعدہ وفا کیا۔

۱۱۔**زاغت**۔ وہ ٹیڑھی ہوئی۔ مراد پتھراگئیں۔ **الحناجر۔حَنْجَرہ** کی جمع ہے۔گلا۔ **بلغتِ القلوب الحناجِرَ**۔ دل گلوں تک آ گئے ۔ یعنی سخت دہشت سے دل گویا حلق تک آ گئے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۲﴾

اس جگہ آزمائے گئے مومن اور ہلائے گئے ہلایا جانا سخت

اوپر سے مراد بلندی ہے جو مدینہ کے مشرقی جانب تھی جدھر سے مشرکین مکہ چڑھ آئے۔ نیچے کی طرف سے مراد مدینہ کی مغربی جانب تھی جو سمندر کی طرف کا نشیبی حصہ تھا جدھر سے یہود کے قبیلوں نے پیش قدمی کی۔ ظنون سے مراد مختلف ظن ہیں۔گویا اللہ تعالیٰ پر مختلف لوگوں نے مختلف ظن کئے۔ منافقین نے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی کہ اب مسلمان بچ نہیں سکیں گے۔یہاں منافقین کی حالت کا نقشہ بیان فرمایا کہ دشمنوں کے گروہِ کثیر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔مارے دہشت کے انہیں یوں محسوس ہوتا تھا گویا کلیجے منہ کو آ گئے ہیں جبکہ مومنوں نے اس شدید آزمائش میں لشکرِ کفار کو دیکھتے ہی کہا **ھٰذا ما وعد اللّٰہ ورسولہ** کہ یہ وہی لشکر ہیں جن کا پہلے سے وعدہ دیا گیا تھا۔یہ وعدہ مکی سورتوں میں موجود تھا۔(القمر ۴۶)مومنین اور منافقین اسے خوب جانتے تھے۔ مومنین کو اپنے ربّ کے وعدہ پر یقین تھا کہ احزاب کے موقع پر اللہ کی نصرت ضرور آئے گی اور فوجیں بھاگ کھڑی ہوں گی چنانچہ ہوا کی صورت اللہ کی نصرت آئی اور ملائکہ نے ان کے دلوں پر ایسی دہشت طاری کی کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

۱۲۔یہ مومنوں پر ایک کڑی آزمائش کا وقت تھا گویا مومنین جھنجوڑے گئے لیکن ان کے پائے ثبات میں معمولی سی لغزش بھی نہ آئی اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ربّ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے۔ اس جنگ کی شدت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔اُمّ المومنین حضرت سلمہؓ فرماتی ہیں۔میں متعدد غزوات میں آنحضرتﷺ کے ساتھ رہی ہوں۔ آپ کو کسی غزوہ میں ایسی شدت اور مشقت پیش نہیں آئی جیسی غزوہ خندق میں۔اس غزوہ میں تیروں سے مسلمانوں کو بہت زخم لگے۔سردی کی شدت سے بھی تکلیف ہوئی۔اشیائے خورد ونوش میں بھی تنگی تھی۔ مسلمانوں کو خندق کی حفاظت میں اس قدر چوکنا رہنا پڑتا کہ بعض اوقات پوری پوری رات آنحضرتﷺ نے ایک لمحہ آرام نہیں فرمایا۔آنحضرتﷺ نے بعض اوقات حالتِ جنگ میں ایک رکعت فرض پڑھانے پر بھی اکتفا فرمایا۔آپؐ کی اقتداء میں مومنوں کی جماعت ایک رکعت ادا کر کے دشمن کے مقابل ہوجاتی اور باقی جماعت آپؐ کے پیچھے ایک رکعت ادا کرتی۔ دوسری رکعت مجاہدین اپنے طور پر کھڑے بیٹھے یا جس طور بن پڑتا ادا کرتے ورنہ ایک رکعت ہی کافی سمجھی جاتی۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مومنین پر نماز باجماعت کی پابندی کس قدر ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب نور القرآن حصہ دوم بار دوم صفحہ ۱۰۔۱۱ میں

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اور جب کہتے تھے منافق اور وہ لوگ کہ دلوں میں جن کے بیماری تھی

مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ

نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے سوائے دھوکہ کے اور جب کہا

طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ

ایک گروہ نے ان میں سے اے اہل مدینہ نہیں جگہ رہنے کی تمہارے لیے پس پھر جاؤ اور

يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا

اجازت مانگتا تھا ایک فریق ان میں سے نبی سے وہ کہتے تھے کہ یقیناً گھر ہمارے

عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۴﴾ وَلَوْ

خالی ہیں حالانکہ نہ تھے وہ ہرگز خالی نہیں وہ ارادہ کرتے تھے مگر بھاگنے کا اور گر

فرماتے ہیں۔” باقی رہا کہ خندق کھودنے کے وقت چار نمازیں جمع کی گئیں اس احمقانہ وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں حرج نہیں ہے یعنی ایسی سختی نہیں جو انسان کی تباہی کا موجب ہو۔ اس لئے اس نے ضرورت کے وقت اور بلاؤں کی حالت میں نمازوں کے جمع کرنے اور قصر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر اس مقام میں ہماری کسی معتبر حدیث میں چار نمازیں جمع کرنے کا ذکر نہیں بلکہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ واقعہ صرف یہ ہوا تھا کہ ایک نماز یعنی صلوٰۃ العصر معمول سے تنگ وقت میں ادا کی گئی۔۔۔۔۔ہاں ایک روایت ضعیف میں ہے کہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر کے پڑھی گئی تھیں لیکن دوسری صحیح حدیثیں اس کو رد کرتی ہیں اور یہی ثابت ہوتا ہے کہ عصر تنگ وقت میں ادا کی گئی تھی۔

۱۳۔منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ ہم سے اللہ اور رسول نے صرف ایک جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ مومنین کے ساتھ منافقین کو بھی اس وعدہ کا علم تھا کہ ایک جمِ غفیر مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا اور نصرتِ الٰہی سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا ۔ لیکن منافقین کو کبھی بھی خدا اور رسول کے وعدوں کا یقین نہیں تھا اور نہ ان میں صبر اور توکل تھا۔

۱۴۔**عورة**۔(عرٰی) **یعری** ننگا ہونا ہے۔ اسی سے عریانی ہے ۔**عورة** وہ چیز ہے جس کے دکھانے میں شرم محسوس ہو۔ شرمگاہ ۔ یہاں مراد غیر محفوظ ہونا ہے۔(راغب)

محاصرہ جوں جوں طول پکڑتا گیا منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آتا گیا اور انہوں نے علی الاعلان مسلمانوں میں مایوسی پھیلانی شروع کی کہ اتنے زبردست لشکر کا مقابلہ کرنا تمہارے بس

میں نہیں۔ کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہو۔اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آؤ یا میدانِ جنگ چھوڑ کر گھروں کو لوٹ جاؤ جیسا کہ کئی منافق جا بھی چکے تھے۔ منافقین کا ایک گروہ بیوی بچوں کا بہانہ بنا کر گھروں کو جانے کی اجازت مانگنے لگا کہ ہمارے گھر ننگے یعنی غیر محفوظ ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا ان کا مقصد محض میدانِ جنگ سے بھاگنا تھا۔

بنوقریظہ کی عہد شکنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ مسلمان عورتوں اور بچوں کی طرف سے بے خبر نہیں تھے۔ مسلمان عورتیں اس قدر بیدار مغز اور بہادر تھیں کہ جونہی ایک یہودی کو بُری نیت سے عورتوں کی طرف چکر لگاتے دیکھا،حضرت صفیہؓ نے خیمے کی چوب اکھاڑی اوراس قوت سے اس کے سر پر ماری کہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس کی ہلاکت سے یہودی سمجھے کہ مسلمانوں کا کوئی دستہ ادھر حفاظت پر مامور ہے اور انہوں نے دوبارہ ادھر آنے کی ہمت نہیں کی ۔تاہم ان کی حفاظت کے لئے آنحضرت ﷺ نے کچھ جوان مامور فرمائے۔بنوقریظہ کی عہد شکنی سے شہر میں بدامنی پھیل گئی اور بظاہر حالات شدت اختیار کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک وقت میں بنی غطفان کے سرداروں کواس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ مدینہ کی پیداوار کا تہائی حصہ لے کر جنگ سے دست بردار ہوجائیں ۔آپؐ نے انصار کے سردار سعد بن معاذ اورسعد بن عبادہ سے شرائط صلح کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ !اگر اللہ کا حکم ہے تو سرِ تسلیم خم ہے۔اگر ہماری تکلیف کی وجہ سے آپ ایسا کر رہے ہیں توجب ہم مشرک تھے تب وہ ہم سے ایک حبہ بطور خراج وصول نہیں کرسکے۔ اب مسلمان ہوتے ہوئے ہم ان کو ایک کھجور بھی نہیں دیں گے اب ہمارے درمیان تلوار ہے ۔ ہمار فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ چنانچہ معاہدہ چاک کردیا گیا کیونکہ ابھی فریقین کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔اس سے صحابہ کی قوتِ ایمانی اورتوکل علیٰ اللہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں مگر امام وقت کے پاس نہیں آتے اور اس کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل نہیں کرتے، آتے ہیں تو بہت جلدی میں ہوتے ہیں اور بیوی بچوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ **انّ بیوتنا عورۃٌ** کے الزام کے نیچے نہ آجائیں۔۔۔۔۔۔۔پس جب یہاں آؤ تو امام کی صحبت میں رہ کر فائدہ اٹھاؤ۔۔۔۔۔خدا کرے وہ اس ذوق اور لطف کو محسوس کرسکیں جو ہم کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ستار ہے اور جب تک کسی کی بدیاں انتہا تک نہ پہنچ جاویں اور **احاطت بہ خطیٓئتہٗ** (البقرۃ:۸۲) نہ ہو جاوے اور حد سے تجاوز نہ کرجاوے، خداتعالیٰ کی ستاری کام کرتی ہے۔بعد اس

دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ

داخل کئے جاتیں (لشکر) ان پر طرفوں سے اس (مدینہ) کی پھر طلب کیا جائے ان سے فساد

لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝١٥ وَلَقَدْ كَانُوْا

تو وہ کریں اسے اور نہ توقف کریں اس میں مگر تھوڑا سا اور یقیناً یقیناً تھا

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ

عہد کیا انہوں نے اللہ سے پہلے سے کہ نہ پھیریں گے وہ پیٹھیں اور ہے

عَهْدُ اللّٰهِ مَسْــُٔــوْلًا ۝١٦ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ

عہد اللہ کا پوچھا جانے والا تو کہدے ہرگز نہیں نفع دیگا تمہیں بھاگنا اگر

کے سزا کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس لئے اس سے پہلے کہ تمہاری بدیاں اورکمزوریاں اپنا اثر کرچکیں اور یہ زہر تمہیں ہلاک کردے ۔ اسکی تریاق توبہ کا فکر کرو۔(الحکم ۲۱ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۸)

۱۵۔**اقطارھا**۔ مدینہ کی اطراف سے۔**سئلوا الفتنۃ** ۔ان سے فساد کرنے کو کہا جاتا۔**لَاٰتوھا**۔وہ اس میں جاپڑتے۔گویا کفار کا مطالبہ قبول کرلیتے۔ **تَلَبَّثُوْا۔ لَبث** وہ ٹھہرا۔وہ رہا۔ منافقین کی دلی ہمدردیاں ہمیشہ کفارے ساتھ رہیں۔وقتی فائدہ کے لئے زبانی اسلام کا دعویٰ کرتے لیکن مشکل وقت میں ہمیشہ دھوکہ دیتے رہے۔اس کٹھن وقت میں بھی منافقین گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ تراش کر میدان جنگ سے بھاگ کر گھروں کو جانا چاہتے تھے۔یہاں ایک امکانی صورتِ حال بتائی کہ اگر خندق نہ کھودی جاتی اور کفار کے لشکر مدینہ کے اطراف سے شہر کے اندر داخل ہو جاتے اور ان کی طرف سے منافقین سے غداری کا مطالبہ کیا جاتا اورمسلمانوں کے خلاف فساد اور خانہ جنگی کے لئے کہا جاتا تو وہ ضرور اس کے مرتکب ہو جاتے اور کوئی خاص توقف نہ کرتے۔تب انہیں گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا خیال نہ آتا اور بہانہ کرکے محاذ جنگ سے نہ بھاگتے۔

۱۶۔حالانکہ اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کرچکے تھے کہ وہ دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے یادرکھو !اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا ۔جنگ احد کے بعد بھی عہد لیا گیا تھا کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں خاص طور پر اس عہد کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر یہود اور مسلمانوں میں ہوا تھا جس کی رو سے سب فریق اس بات کے پابند تھے کہ اگر باہر سے کوئی دشمن حملہ آور ہوتو سب مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ ظاہر ہے کہ منافقین بھی ان میں شامل تھے۔اس عہد کے متعلق دنیا میں بھی باز پرس ہوئی۔ جیسا کہ بنوقریظہ کو سزا ملی اورآخرت میں بھی ہوگی۔

فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا
بھاگے تم موت سے یا قتل سے اور تب تم نہ فائدہ دیا جاؤ گے مگر
قَلِيْلًا ﴿۱۷﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ
تھوڑا سا تو کہدے کون ہے جو بچاوے گا تم کو اللہ سے اگر وہ ارادہ کرے
بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
متعلق تمہارے برائی کا یا ارادہ کرے متعلق تمہارے رحمت کا اور نہ وہ پاویں گے اپنے لیے
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۸﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ
سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار یقیناً جانتا ہے اللہ (اوروں کو) روکنے والوں کو
مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ
تم میں سے اور کہنے والوں کو اپنے بھائیوں کے لیے آؤ طرف ہماری اور نہیں آتے وہ
الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۹﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ
لڑائی میں مگر چند بخیل ہیں تم پر پس جب آوے کوئی ڈر

۱۷۔اے محمدؐ! آپؐ انہیں بتلا دیجئے کہ میدانِ جنگ سے بھاگنا تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔اگر موت یا قتل کے ڈر سے بھاگو گے تو اس عہد شکنی کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔جیسا کہ پچھلی اور اگلی دونوں آیات سے ظاہر ہے۔اگر دنیوی سزا سے بچ بھی گئے اور معمولی دنیوی فوائد حاصل کر بھی لئے تو موت کا ایک دن بہر حال مقدر ہے اس سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے اور آخرت کی سزا سے کیسے بچ سکو گے۔

۱۸۔بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو تمہیں کون بچا سکتا ہے۔ یعنی اگر اللہ کی طرف سے تمہاری موت میدان جنگ ہی میں لکھی ہے تو تم اپنی تدبیر سے اسے کیسے ٹال سکتے ہو۔اللہ کے سوا ان کا کون دوست او رمددگار ہے جو اس کی طرف سے آنے والے دکھ سے انہیں بچا سکے۔

ان کی تمام نالائقیوں اور بے وفائیوں کے باوجود اگر اللہ ان پر رجوع برحمت ہو اور ان پر اپنا فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے۔جیسا کہ بعد میں منافقین تائب ہوئے اور اللہ کے فضلوں کے وارث بنے۔ پس اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کا دوست بھی ہے اور مددگار بھی۔

۱۹۔**مُعَوِّقِيْن**۔ (عَوَق) العائق وہ ہے جو لوگوں کو خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہو۔ لوگوں کو ان کے مقاصد سے روک کر اپنی طرف متوجہ کرے۔(مفردات)مراد روکنے والے۔ **هَلُمَّ**۔تم آؤ(اسم فعل)

رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى
دیکھے گا تو انہیں دیکھتے ہیں طرف تیری گھومتی ہیں آنکھیں انکی مانند اس شخص کی کہ غشی آتی ہے
عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ
اُن پر خوف سے پس جب جاتا رہتا ہے خوف دکھ دیتے ہیں تم کو
بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا
ساتھ زبانوں تیز کے بخیل ہیں مال پر یہ لوگ نہیں ایمان لاتے
فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۲۰﴾
پس ضائع کر دیئے اللہ نے اعمال ان کے اور ہے یہ اللہ پر آسان

منافقین مسلمانوں کے کبھی وفادار نہیں تھے۔ یہ لوگوں میں مایوسی پھیلاتے اور انہیں جہاد میں شمولیت سے روکتے۔اپنے بھائی بندوں سے کہتے کہ ہمارے پاس آؤ اور آرام سے رہو۔کیوں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالتے ہو۔ یہ خود بھی جہاد میں کبھی کبھار ہی حصہ لیتے ہیں۔کبھی کبھی حصہ لینے میں یہ مصلحت تھی کہ مسلمانوں میں شامل سمجھے جائیں اور مالِ غنیمت کے حقدار ٹھہریں۔

۲۰۔**اَشِحَّةً**۔ **شحيح** کی جمع ہے۔ بخیل۔**الشُّحُّ**۔اصل معنی حرص کے ساتھ بخل کے ہیں۔(مفردات)**سلقوكم**۔**سَلَق**۔آواز کی سختی اور تیزی ہے۔ **سَلَقَهُ بالكلام** سے مراد ہے۔ اسے کلام سے اذیت پہنچائی۔(لسان العرب) **اَشِحَّةً عَلَى الخَير** خیر کے معاملہ میں بخیل ہیں۔ خیر سے مراد مال بھی ہے اس لئے یہ معنی بھی ہے کہ مال کے معاملہ میں حریص ہیں۔

عام حالات میں بھی منافقین کا یہی حال ہے کہ ہرگز تمہارے خیر خواہ نہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچے لیکن یہاں خاص طور پر جنگ کے ذکر میں بتلایا کہ تمہارے معاملہ میں بخیل ہیں یعنی کسی قسم کی امداد دینے کو تیار نہیں گویا اپنی جان، مال اور اولاد میں سے کچھ بھی راہِ خدا میں قربان کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن جب جنگ کا خوف سَروں پر منڈلاتا ہے تو ان کی نگاہ تیری ہی طرف اٹھتی ہے ،تیرے سوا کوئی نجات دہندہ نظر نہیں آتا ۔ بُزدلی کا یہ عالم ہے کہ اس وقت دہشت سے ان کی آنکھیں یوں گھوم رہی ہوتی ہیں جیسے موت کی غشی میں کسی قریب المرگ شخص کو اپنے ڈھیلوں پر اختیار نہ ہو لیکن جنگ کا خوف دور ہوتے ہی اپنی تیز زبانوں سے تیری شان میں گستاخیاں شروع کر دیتے ہیں اور تمہیں اذیت پہنچاتے ہیں اس لئے کہ مال کے معاملہ میں سخت حریص ہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر کسی مالی یا جانی قربانی کے مالِ غنیمت میں پورا حصہ وصول کریں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کبھی دل سے ایمان لائے ہی نہیں۔ایمان کا دعویٰ تو ضرور کرتے

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ

وہ گمان کرتے ہیں فوجوں کو کہ نہیں گئیں اور اگر آئیں فوجیں

يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ

وہ چاہیں گے کہ کاش کہ وہ رہنے والے ہوتے جنگل میں پوچھا کرتے

ع ۲ ۱۲ ۱۸ اَنْۢبَآئِكُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۱﴾

خبریں تمہاری اور اگر ہوتے تم میں نہ لڑتے مگر تھوڑا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

یقیناً یقیناً ہے تمہارے لیے رسول اللہ میں نمونہ نیک اس شخص کیلئے

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۲﴾

جو ہے ڈرتا اللہ سے اور دن آخر سے اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت

ہیں لیکن ان کی وفاداریاں ہمیشہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ رہیں۔اگر کبھی دکھاوے کے لئے کچھ نیک کام کئے بھی تو **الاعمال بالنیّت** ۔وہ سب رائگاں جائیں گے۔اللہ کی نظر میں ان کا کوئی وزن نہیں۔

۲۱۔**الاحزاب** ۔حزب کی جمع۔جتھے۔گروہ۔

منافقین کی بزدلی کا یہ حال ہے کہ انہیں ابھی تک یقین نہیں کہ لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ہلاک کئے بغیر لوٹ جائیں۔دشمن کی ظاہری ہزیمت کے باوجود وہ ان کی واپسی کے متمنی تھے کہ پھر حملہ آور ہوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کریں۔لیکن خوف کے مارے ان کا اپنا یہ حال ہے کہ ان سے آمنا سامنا کرنے کی ہمت نہیں اور یہی چاہتے ہیں کہ کاش وہ بدوؤں کے درمیان صحرا میں رہ رہے ہوتے اور آنے جانے والوں سے تمہارے حالات پوچھ رہے ہوتے۔اگر بالفرض تمہارے درمیان ہوتے ،تو بھی حسبِ عادت قتال میں کم ہی حصہ لیتے۔جہاد میں دکھاوے کے لئے کچھ نہ کچھ حصہ لینا پڑتا تھا ورنہ مسلمانوں میں شامل نہ سمجھے جاتے اور نہ مالِ غنیمت کے حقدار ٹھہرتے جو ان کی اصل کمزوری تھی۔

۲۲۔**اُسوۃ**۔امور میں پیروی کرنا اُسوۃ ہے۔(لسان العرب) ۔پیروی۔نمونہ۔

مومنوں کا رسول اللہ کے ساتھ تعلق کا ذکر تھا پھر جنگ احزاب کے شدائد اور منافقین کا ذکر آیا۔اب پھر اصل مضمون کی طرف رجوع فرمایا اور بتلایا کہ آپؐ کی زندگی میں مومنینِ مخلصین کے لئے ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ وہ مومنین جو اللہ اور یوم حساب کے امیدوار ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔گویا ایسے مومنوں میں اس پاک نمونہ کو اخذ کرنے کی صلاحیت موجود ہے ورنہ

ایک کمزور ایمان کا آدمی آپؐ کے قدم بقدم نہیں چل سکتا۔ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں۔(الممتحنۃ:۵)لیکن وہاں ایک خاص امر میں اُسوۃ حسنہ کا ذکر ہے۔لیکن یہاں بتلایا کہ آپؐ تمام امور میں اسوۃ حسنہ ہیں۔ جس طرح قرآن کریم تمام مخلوق کے لئے کامل ہدایت ہے اسی طرح آپ کی حیات طیبہ پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ اور عملی نمونہ ہے گویا آپؐ قرآن کریم کی عملی تصویر ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا **کَانَ خُلُقُہُ القرآن** ۔ (ابوداؤد۔ جلد۲صفحہ ۸۸) آپؐ کا خلق قرآن تھا۔

انبیاء پر ہر قسم کے حالات نہیں گزرے کوئی رسول ایک حالت میں نمونہ تھا کوئی دوسری میں۔کسی نے ایک خلق میں کمال دکھایا کسی نے دوسرے میں۔لیکن جملہ حالات کسی ایک نبی پر نہیں گزرے نہ وہ جملہ اخلاقِ فاضلہ میں نمونہ بنے۔اس اعزاز سے اللہ تعالیٰ نے کل عالم میں صرف ایک ہستی کو نوازا ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قسم کے انسانوں کے لئے نمونہ نہیں بن سکتے تھے جبتک آپؐ خود جملہ حالات انسانی میں سے نہ گزرتے۔ آپؐ نے یتیمی کا زمانہ دیکھا پھر سارے عرب کے بادشاہ ہوئے۔ بادشاہ ہوتے ہوئے سب کے ساتھ مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا ۔مکہ والوں کی اذیتیں سہیں پھر وہی محکوم ہو کر آپؐ کے سامنے حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے **لاتثریب علیکم الیوم** کا نظارہ پیش کیا۔ غرض آپؐ پر وہ تمام حالات گزرے جن سے کوئی بھی انسان گزر سکتا ہے اور آپؐ نے بہترین نمونہ دکھایا۔اگر آپؐ کو جنگوں سے واسطہ نہ پڑتا تو آپؐ ایک بہترین سپاہی یا جرنیل کا نمونہ نہیں دکھا سکتے تھے۔اورآپؐ کا اسوۃ حسنہ اس پہلو سے ناقص ٹھہرتا۔بطور جرنیل آپؐ ایک لمحہ کے لئے محاذِ جنگ سے پیچھے نہیں ہٹے اور نہ غافل ہوئے۔ اسی طرح بطور حکمران ہر قسم کے انتظامی معاملات طے کئے۔آپؐ مقنن بھی تھے اور قاضی بھی۔ جب کبھی قربانی کا مطالبہ کیا گیا آپؐ نے سب سے پہلے اپنا سب کچھ نثار کیا۔غرض عائلی زندگی ہو یا رشتہ داروں اور دوستوں سے تعلقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام امور میں اسوۃ حسنہ ہیں اور آپؐ کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔پس انفرادی، اجتماعی،معاشرتی و معاشی اور سیاسی و دفاعی تمام امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی اور عملی اقدامات ہمارے لئے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔صحابہ کرام نے آپؐ کے پاک نمونہ پر عمل کرنے کے لئے آپؐ سے پوشیدہ سے پوشیدہ امور کو دریافت کیا اور اس نمونہ پر عمل کیا۔بعد میں آنے والوں نے جہاں تک ان کی طاقت میں تھا نبی کریم ﷺ کے دیکھنے والوں یا ان کے دیکھنے والوں سے آپؐ کے اقوال و افعال اکٹھے کئے اور آپؐ کے قدم بقدم چلے اور ہمارے لئے احادیث مبارکہ کا ایک ضخیم ذخیرہ چھوڑ گئے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا

اور جب دیکھیں مومنوں نے فوجیں کہا انہوں نے یہ وہ ہے جسکا وعدہ کیا ہم سے

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ

اللہ اور رسول نے اس کے اور سچ کہا اللہ نے اور رسول نے اس کے اور نہیں بڑھایا اس (چیز) نے انہیں مگر

اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؁۲۲ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

ایمان اور فرمانبرداری میں مومنوں میں سے وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کیا

پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رنگ میں خود کو رنگ لے۔آپؐ کے اقوال و افعال کی اقتداء کرے اور اس پاک نمونہ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے تادنیا وآخرت میں سرخرو ہوکر اپنے ربّ کا قرب حاصل کر سکے۔ خلیفۃ المسیح الرابعؒ اپنی کتاب ’’ایک مرد خدا‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ’’حضرت مسیح موعودؑ آپؐ کے عاشقِ زار اور غلام ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ نے ہمارے لئے جو کچھ کیا اور ہم جس رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ کے مقام اور منصب کو پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کے مثالی کردار کو اپنا مشعل راہ بنایا۔ اور نہایت سچائی، خلوص اور صدقِ نیت سے آپؐ کے اسوۃ حسنہ کی ایک ایک حرکت و سکون اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور ﷺ کی کامل اطاعت اور عشق کا حق ادا کرکے دکھادیا۔ پس ہمارے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ فی ذاتہٖ خود ایسا نمونہ نہیں ہیں جن کی اطاعت واجب ہو اور لازم آتی ہو۔ بلکہ آپ محض اس لحاظ سے نمونہ ہیں کہ آپ نے اس زمانہ میں اپنی ذات کے حوالے سے عملاً ثابت کرکے دکھادیا کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کامل اطاعت کس طرح کی جاسکتی ہے۔۔۔۔۔آپ نے قرآن کریم اور انسانِ کامل کے اُسوۃ حسنہ کے مطابق اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا اور حضور ﷺ کے مثالی نمونہ کے مطابق زندگی گزار کر یہ ثابت کردکھایا کہ حضور ﷺ کا اسوۃ حسنہ قیامت تک کے لئے زندہ اور قابلِ عمل ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اس عدیم المثال کامیابی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حسنِ کامل پر مکمل اور غیر متزلزل ایمان اور یقین کی نعمت حاصل تھی اور آپ حضور ﷺ کے عشق اور محبت میں کامل طور پر گم ہو چکے تھے اور آپ کو صحیح طور پر فنافی الرسول کا مقام حاصل تھا۔

۲۳۔(تفصیل کے لئے آیت:۱۱ ملاحظہ فرمائیں)۔پہلے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ اور آپ ﷺ کی اقتداء کا حکم دیا اب ان چند آیات میں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ

وہ کہ عہد کیا انہوں نے اللہ سے جس کا پس بعض ان میں سے ایسے ہیں جنہوں نے پورا کر دیا کام اپنا اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ښ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ؁۲۳ لِّيَجْزِيَ

بعض ان میں سے ایسے ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور نہیں تبدیلی کی انہوں نے کوئی تبدیلی تاکہ بدلہ دے

کو بطور نمونہ پیش کیا اور ان کی اقتداء کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ۔ ان میں سے تم جس کی اقتداء کروگے ہدایت پررہو گے۔(مشکوٰۃ کتاب المناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ زرّین)

مکی دور کے پُرمصائب حالات میں جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کسی ایک لشکر سے بھی مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ انہیں بہت سے لشکروں کے آنے اور ان کے بھاگ جانے کی بشارتیں دی گئی تھیں۔(ص :۱۲۔ القمر:۴۶) چنانچہ احزاب کو دیکھتے ہی مومنوں نے پہچان لیا کہ یہ وہی لشکر ہیں جن کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ کہا تھا ۔یہ یقیناً بھاگ جائیں گے۔ اس پیشگوئی کو من وعن پورا ہوتے دیکھ لینے سے مومنین کا ایمان اور جذبہ اطاعت فزوں تر ہوگیا۔

۲۴۔ **نحبہ** ۔نحبۃ۔ نذر۔عہد۔ذمہ۔حصہ۔

آنحضرت ﷺ کی قوتِ قدسی اور آپ ﷺ کے فیضان کا کمال تھا کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کی زندگیوں کے رُخ بدل دئے۔ آپ ﷺ نے انہیں دنیا کی پلیدیوں سے نکال کر روبخدا کردیا یہاںتک۔ ان کا اپنا کچھ نہ رہا۔ اگر کوئی تمنا تھی تو یہ کہ ربّ راضی ہوجائے اوراس کی راہ میں فنا ہوجائیں۔ اور انہوں نے اپنے ربّ کی رضا کو پانے کے لئے خود کو مٹی میں ملادیا۔ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوئے اور **رضیَ اللّٰہُ عنھُم وَرَضُوْاعنہُ** ط(البینۃ :۹) کی سند حاصل کی۔

رجالٌ میں خاص طور پر صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی بے لوث قربانیوں کی وجہ سے جس مقام عالی پر پہنچے، ان کی تعریف قرآن کریم نے یوں بیان فرمائی ہے گویا انہوں نے اپنی جانوں کو راہِ خدا میں قربان کرنے کی نذر مانی تھی۔ مرتبۂ شہادت کو پانا تو سب کی تمنا تھی۔بعض نے شہادت کے رتبہ سے اس نذر کو پورا کیااور اصل مقصود کو حاصل کرلیا اور بعض شہادت کے منتظر ہیں۔وہ اس انتظار میں ہیں کہ کب موقع ملے اور وہ اپنے خون کا نذرانہ پیش کریں۔میدان جنگ کے روح فرسا مناظر کو دیکھ کر بھی ان کے ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہ اپنے قول اور عہد پر قائم رہے۔صحابہ کرامؓ نے خواہ شہادت کا اعزاز حاصل کیایا

اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ

اللہ سچوں کو سچ کا انکے اور عذاب دے منافقوں کو اگر

شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۲۵

چاہے یا فضل سے متوجہ ہو ان پر یقیناً اللہ ہے بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَ

اور لوٹا دیا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ساتھ انکے غصہ کے نہیں حاصل کی انہوں نے کوئی بھلائی اور

كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا

کافی ہوا اللہ مومنوں سے جنگ میں اور ہے اللہ قوت والا

عَزِيْزًا ۲۶ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

غالب اور اتارا اس نے ان لوگوں کو جنہوں نے مدد کی تھی ان کی اہل کتاب میں سے

غازی کا ان کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شہداء کا تذکرہ کیا گیاتو آپ ﷺ نے فرمایا! میری امت کے اکثر شہداء وہ ہیں جو اپنے بستروں پر طبعی وفات پائیں گے۔اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں کو بہتر جانتا ہے۔(مسنداحمد حدیث نمبر ۳۵۸۴)انہیں مومنین سے الگ اس لئے کہا کیونکہ مومنین میں منافقین بھی ملے ہوئے تھے۔اگلی آیت میں ان کی طرف اشارہ بھی کردیا۔

۲۵۔اس غزوہ میں بہت سی حکمتیں پنہاں تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مومنین صادقین اور منافقین کھل کر سامنے آ گئے۔ پس اس غزوہ کی وجہ سے ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ سچوں کو یعنی شہیدوں اور غازیوں کو جنہوں نے اپنا عہد سچ کر دکھایا ،ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقین کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمائے۔ منافقین کے لئے توبہ کی خبر یہ ظاہر کررہی ہے کہ بالآخر ان میں سے بہت سے تائب ہوجائیں گے اور غفورٌ الرّحیم ربّ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

۲۶۔پندرہ ہزار کے لشکر جرار کا لڑے بغیر اور کوئی نفع حاصل نہ کرتے ہوئے تین ہزار مومنین سے ڈرکر بھاگ جانا، اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت سے ممکن ہوا۔حقیقت تو یہ ہے کہ مومنوں نے لڑائی میں حصہ لیاہی نہیں۔یہ اللہ تھا جس نے مومنوں کی طرف سے خود لڑائی کی اور کفار کی ہزیمت کے سامان کئے۔پس ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ لڑائی کی ضرورت ہی پیش نہ آئی اور کفار غصے میں پیچ وتاب کھاتے ہوئے بے نیل ومرام لوٹنے پر مجبور ہوئے۔اللہ تعالیٰ کے لئے یہ سب، کچھ بھی مشکل نہ تھا اس لئے کہ وہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

۲۷۔اہل کتاب میں سے کفار کی مدد کرنے والے بنوقریظہ تھے۔جن کی سزا کا اس آیت

مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

قلعوں سے ان کے اور ڈالا دلوں میں ان کے رعب

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۲۷ وَاَوْرَثَكُمْ

ایک فریق کو تم قتل کرتے تھے اور قید کرتے تھے دوسرے فریق کو اوراس نے وارث کیا تم کو

میں ذکر ہے۔ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ کے تینوں قبائل بنوقینقاع ، بنونضیر اور بنوقریظہ سے معاہدہ کیا تھا کہ کسی بھی وقت مدینہ پر دشمن کے حملہ کی صورت میں یہ تینوں قبائل اپنی جان اور مال سے آپؐ کی مدد کریں گے۔اسی طرح آپؐ بھی ان کی مدد کرنے کے پابند تھے۔بعد میں مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر یہ قبائل مسلمانوں سے حسد کرنے لگے اور ان کے دشمن ہوگئے۔جنگ بدر کے بعد بنوقینقاع سے جو یہود کا سب سے چھوٹا قبیلہ تھا، مسلمانوں کا جھگڑا ہوگیا۔آخر اعلان جنگ کرکے یہ قلعہ بند ہوگئے۔پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر مدینہ چھوڑنے پر راضی ہوگئے اور خیبر اور شام کے علاقہ میں جاکر آباد ہوگئے۔یہ واقعہ جنگِ بدر کے ایک ماہ بعد کا ہے۔بنونضیر نے معاہدہ کے باوجود شروع سے قریش مکہ سے ساز باز رکھی۔ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ ان کی کھلی کھلی دشمنی کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تجدید معاہدہ کی دعوت دی۔لیکن انہوں نے انکارکیا (جبکہ بنوقریظہ نے تجدید عہد کیا) آخرنوبت جنگ تک جاپہنچی اور قلعہ میں محصور ہوگئے۔ تصفیہ اس امر پر ہوا کہ جو مال وغیرہ ساتھ لے کر جاسکتے ہیں لے جائیں اور مدینہ چھوڑدیں۔ انہوں نے چھ سو اونٹوں پر اپنا مال واسباب لادا۔اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا اور باجے بجاتے ہوئے نکلے۔ان کا ایک حصہ خیبر میں آباد ہوگیا۔جنگ احزاب میں قریش مکہ اور دیگر قبائل کو اکسانے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا ان کے بیس سرداروں نے دورہ کرکے قبائل عرب کو اکٹھا کیا۔بنوقریظہ اب تک اپنے عہد پر قائم تھے لیکن جنگِ احزاب کے دوران بنونضیر کے اکسانے پر اپنا عہد توڑکر یہود اور کفار کے ساتھ مل گئے۔اس نازک موقع پر ان کی غداری نے بہت سی مشکلات پیدا کردیں۔ مسلمان مستورات اور بچے حفاظت کے پیش نظر ان کے قلعوں کے قریب ٹھہرائے گئے تھے۔عہد شکنی کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے اہل وعیال کو تہ تیغ کرنے کا عزم کیا جسے حضرت صفیہؓ کی دلیری اور فراست نے ناکام بنادیا۔لشکر کفار کے بھاگ جانے پر مسلمانوں نے ایک ماہ بعد ہتھیار کھولے لیکن جبریل امین نے بحکم الٰہی بنوقریظہ کو سزا دینے کے لئے فوراً ان کے محاصرہ کاحکم دیا۔ چنانچہ چار پانچ میل کے فاصلہ پر ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا گیا۔پچیس (۲۵) دن کے محاصرہ کے بعد

آخر انہوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔ سعدؓ قبیلہ اوس سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں بنوقریظہ کا حلیف تھا حضرت سعدؓ کی کلائی پر تیر لگنے سے رگ کٹ گئی تھی اور آپ شدید زخمی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو مسجد نبوی میں ایک خیمہ میں ٹھہرایا ہوا تھا تا آپ کے علاج اور تیمارداری میں غفلت نہ ہو اور رفیدہ نامی خاتون کو جو نرسنگ میں ماہر تھی آپ کی تیمارداری پر مقرر کیا تھا۔ آپ شدید زخمی حالت میں گدھے پر سوار ہو کر فیصلہ سنانے گئے۔ آپ کو ان کی غداری اور سازشوں پر بہت رنج تھا۔ آپ نے توریت (استثناء ۔۱۳۔۱۴۔۲۰۔) کے مطابق وہی فیصلہ دیا جو یہود اپنے دشمنوں کے حق میں عائد کرتے تھے (متفق علیہ مشکوٰۃ حکم الاسرآء۔ بروایت حضرت ابوسعید خدری) تمام جوان جو غالباً اڑھائی سو تھے یا بعض روایات کے مطابق آٹھ یا نو سو تھے، قتل کئے گئے۔ عورتیں، بوڑھے اور بچے جنگی قیدی بنائے گئے۔ جن کے قتل کا فیصلہ ہوا تھا ان میں سے بعض اسلام قبول کرنے کی وجہ سے آزاد کردئے گئے اور ان کے بیوی بچے اور اموال انہیں لوٹا دئے گئے۔ تاہم آپ ﷺ نے نرمی کا پہلو اختیار کیا جو جو معافی مانگتا گیا رہا ہوتا گیا۔ اگر آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہو جاتے تو ان سے وہی سلوک ہوتا جو دوسرے یہود قبائل کے ساتھ ہوا۔ لیکن انہوں نے سعد بن معاذؓ کو اپنا حکم بنایا۔ یہ فیصلہ نہ نبی کریم ﷺ کا تھا نہ قرآن کریم کا بلکہ ان کے اپنے مقرر کردہ منصف کا ان کی اپنی شریعت کے مطابق تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ اس فیصلہ کے بعد حضرت سعدؓ کے زخم سے خون جاری ہوگیا اور آپ نے وصال فرمایا۔ بنوقریظہ کے قلعوں سے مسلمانوں کو بے شمار اسلحہ ملا جو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جانے والا تھا۔ بنوقریظہ زبردست تھے۔ جبکہ بنونضیر کمزور تھے۔ بنوقریظہ ان سے ہمیشہ دوچند دیت لیتے۔ شاید ان کی یہ بداعمالیاں اور ظلم و زیادتیاں ہی تھیں کہ سخت ترین سزا ملی۔

یہود کی اس سزا پر سخت واویلا کیا جاتا ہے اور اسے صریح بربریت کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن جو مظالم مسلمانوں پر ہوئے اور آج فلسطین بوسنیا، سربیا اور عراق کے مسلمانوں پر ڈھائے گئے ہیں ان کی طرف سے آنکھیں ہمیشہ بند رہتی ہیں۔

بیشک بعض دفعہ انسان کا رحم اس کے عدل کے منافی ہوتا ہے۔ لیکن یہود کے جرائم ہرگز قابلِ معافی نہیں تھے۔ یہود کا قریش اور دیگر قبائل کو جنگ کی تحریص دلا کر مسلمانوں کے خلاف چڑھا لانا، عین دوران جنگ ان کی دغا بازی اور عہد شکنی، توریت کے توحید کے احکام کو مشرکین کے مقابلہ میں فراموش کردینا، باربار کی تنبیہ کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا جال پھیلانا یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا، جس کی وجہ سے

اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ

زمین کا ان کی　اور گھروں کا ان کے　اور مالوں کا ان کے　اور اس زمین کا کہ نہیں قدم رکھا تم نے اس میں

ع ۳ ۱۹ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ

اور ہے　اللہ　ہر　بات پر　قادر　اے　نبی　تو کہدے

لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

اپنی بیویوں کو　اگر　ہو تم　چاہتیں　زندگی　ورلی　اور زینت اس کی

فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَ

تو آؤ　میں کچھ سامان دوں تمہیں　اور رخصت کروں تم کو　رخصت کرنا　اچھا　اور

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ

اگر ہو تم　چاہتیں　اللہ　اور رسول اس کا　اور گھر　پچھلا　تو یقیناً

کسریٰ شاہ ایران نے آپؐ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے۔ جنگ موتہ اور جنگ تبوک میں بھی پس پردہ یہود کا ہی ہاتھ تھا۔ بلکہ دونوں عالمی جنگوں میں بھی اگر یہود کا پیسہ نہ لگتا تو یہ جنگیں کبھی اتنا طول نہ پکڑتیں اور دنیا اس قدر تباہی سے دوچار نہ ہوتی۔ گویا امنِ عالم کو تباہ کرنے میں ہمیشہ یہود کا دخل رہا ہے۔

۲۸۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر جاری تھا۔ بنوقریظہ جو معاہدہ توڑ کر دشمن کے ساتھ مل گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں دے دیئے۔ اور تمہیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں اور ان کے مال و اسباب کا وارث بنادیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے ممالک کا بھی مالک بنادے گا جن پر ابھی تمہارے قدم نہیں پڑے یعنی جن پر تمہارا کبھی گزر نہیں ہوا۔ یہاں فتح خیبر کی خصوصاً اور آئندہ ہونے والی فتوحات کی عموماً بشارت دی گئی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ احزاب کے ختم ہوتے ہی پیشگوئی فرمائی کہ اب کفار کے حملے ختم ہو چکے ہیں۔ آئندہ مسلمان پیش قدمی کریں گے اور ان کی فتوحات کا دور شروع ہوگا۔ (بروایت حضرت سلمان بن صردؓ۔ (بخاری) بنوقریظہ کے بعد مدینہ کے قریب کوئی دشمن نہ رہا۔ جنگیں دور دراز علاقوں کی طرف منتقل ہوگئیں اور مدینہ کا شہر سیاست اور حکومت کے لحاظ سے خالص اسلامی حکومت میں تبدیل ہوگیا اور مدینۃ الرسول کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص تائید و نصرت سے ہوا۔ ظاہری طور پر آنحضرت ﷺ کے جانثار غلاموں کا استقلال، اتحاد و تنظیم، قربانی کی روح اور بے مثال جذبہ اطاعت تھا۔ اللہ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

۲۹،۳۰۔ پچھلے رکوع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لئے اسوۃ حسنہ ہونے کا

اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۰﴾ یٰنِسَآءَ

اللہ نے | تیار کیا | نیکی کرنے والوں کے لیے | تم میں سے | اجر | بڑا | اے بیویو

ذکر تھا اس رکوع میں بتایا کہ ازواجِ مطہرات کا وجود نبی کریم ؐ کی زوجیت میں دینی اغراض کی تکمیل کے لئے ہے۔ اور انہوں نے دنیا کی عورتوں کے لئے ایک نمونہ بننا ہے۔ کیونکہ عورتوں کے بعض امور ایسے ہیں۔جن میں آپ ؐ نمونہ نہیں ہوسکتے تھے جیسے پردہ یا عورتوں کے بعض پوشیدہ مسائل۔ازواج مطہرات کو امت کی مائیں کہا کیونکہ وہ امت کی روحانی تربیت کی ذمہ دار تھیں ۔ پس کاشانہ نبوی کی تربیت یافتہ ازواج مطہرات دنیائے اسلام کے لئے ہدایت کے ستارے بن گئیں ۔(تفصیل آیت ۳۵۔)

یہ وہ زمانہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے دروازہ سے بغیر ملے اس لئے لوٹ آئے کہ سیّدہ نے اپنے دروازہ پر ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا۔آپؐ کے نزدیک خاتونِ جنت کی ایک معمولی سی زیبائش بھی ناقابلِ معافی تھی۔ اس لئے کہ بعض مسلمانوں کو ستر ڈھانپنے کے لئے پورا کپڑا میسر نہیں تھا اور بعض مسلمان خواتین کو نماز پڑھنے کے لئے ہمسائی سے اوڑھنی مستعار لینا پڑتی۔ نیز اس لئے کہ خاندانِ نبوت مسلمانوں کے لئے بطور نمونہ تھا۔

امہات المومنین تنگدستی میں گزارہ کرتیں۔ مالِ غنیمت کی تقسیم سے عام مسلمانوں میں کچھ آسودگی آگئی تھی ۔ اس مالی وسعت کو دیکھ کر ازواج مطہرات بھی طبعًا بعض آسائشوں کی خواہشمند ہوئیں اور اکٹھی ہو کر آپؐ سے مطالبہ کیا کہ ہمارا نان نفقہ بڑھایا جائے۔ تاہم ان کا مقصد آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچانا نہیں تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ اور بخاری کتاب الانکاح میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ کی ازواج آپؐ کے گرد بیٹھی ہیں اور آپؐ خاموش ہیں۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مجھ سے خرچہ کا مطالبہ کررہی ہیں۔ اس پر دونوں اصحاب نے اپنی بیٹیوں کو ڈانٹا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرتی ہو اور وہ چیز مانگتی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں۔اس کی تفصیل حضرت انسؓ نے (بخاری کتاب النکاح میں اور حضرت جابرؓ نے مسلم) میں بیان فرمائی ہے۔حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کو سمجھایا کہ تمہیں جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو خدا کی قسم حضور ﷺ میرا لحاظ کرتے ہیں ورنہ تمہیں طلاق دے دیتے۔حضرت عمرؓ سخت مضطرب تھے آپ ہر زوجہ مطہرہ کے دروازے پر گئے اور نصیحت کی۔حضرت ام سلمہؓ نے کہا عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے ہو یہاں تک کہ اب رسول اللہ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔

حضرت عمرؓ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہوگئے (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۰) حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو سمجھا کر اس مطالبہ سے باز رکھا۔ دیگر ازواج مطہرات اپنی بات پر قائم رہیں۔ان کے مطالبات سے آپؐ کو ایذا پہنچی اور آپؐ نے ایک ماہ تک کے لئے تمام بیبیوں سے عارضی علیحدگی اختیار فرمائی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ میں ایک ماہ کے لئے گوشہ نشین ہوگئے۔ یہ مسجد نبوی کی چھت پر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے مشربہ کہتے تھے۔یہ واقعہ ۹ھ کو پیش آیا اور واقعہ ایلاء کے نام سے موسوم ہے۔آپؐ نے کبھی کسی کا مطالبہ ردّ نہیں کیا تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی ہو اور آپ نے انکار کیا ہو۔جب آپؐ کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تھی تو وعدہ فرماتے تھے۔(سنن دارمی الترغیب والترھیب فی مجالس علماء صفحہ ۷۶ بحوالہ ابو العلیٰ) ازواجِ مطہرات کے مطالبات کو ردّ کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپؐ انہیں اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے اور انہیں دنیا داری میں ملوث نہیں کرنا چاہتے تھے ،آپؐ ان کے دل سے دنیا کی محبت سرد کرنا چاہتے تھے۔ انہیں سادگی، قناعت اور توکل کی ان راہوں پر چلانا چاہتے تھے جن پر چل کر خدا ملتا ہے۔ تاہم جب آپؐ کے پاس کچھ ہوتا تو عطا فرماتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تھیلا لایا گیا جس میں نگینے بھرے تھے۔ آپؐ نے ان نگینوں کو بیویوں اور لونڈیوں میں تقسیم کردیا۔(ابوداؤ)

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب ان آیات کا نزول ہوا۔ تو آپؐ نے مجھ سے ابتدا کی اور فرمایا میں ایک بات تم سے کہتا ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرلینا۔تب آپؐ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں تو میں نے کہا یارسول اللہؐ! کیا میں آپؐ کے بارہ میں مشورہ کروں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول اور دارالآخرت کو چاہتی ہوں۔ اس پر آپؐ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! میرے جواب کی اطلاع دوسری بیبیوں کو نہ دینا۔آپؐ نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ لوگوں کو تکلیف میں ڈالوں۔ مجھے معلم اور مبشر بنا کر بھیجا گیا ہے۔اگر کسی بیوی نے دریافت کیا تو بتادوں گا۔ تب آپؐ نے باقی بیبیوں سے بھی اسی طرح دریافت فرمایا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے طالب نہیں تھے آپؐ اپنے واسطے مال جمع کرنا اور مال و دولت سے دل لگانا گناہ سمجھتے تھے۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا میں غربا میں پیدا ہوا۔ غربا میں رہا اور غربا کے ساتھ ہی اٹھایا جاؤں گا۔(ترمذی۔بیہقی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے بھی کفاف رزق کی دعا کی۔دوجہاں کے بادشاہ کے گھر میں عُسرت کا

النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ

نبی کی جو کرے گی تم میں سے کوئی بے حیائی کھلی بڑھایا جائے گا

لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۱﴾

اسکے لیے عذاب دو چند اور ہے یہ اللہ پر آسان

یہ عالم تھا کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو گھر میں دیا جلانے کے لئے تیل نہیں تھا، جو ہمسائے سے مانگا گیا آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس کچھ جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔(صحیحین) آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔"انسان کو چاہیئے کہ اپنے گزارہ کے مطابق اپنی معیشت حاصل کرے اور دنیا کی بہت مراد یابیوں کے پیچھے نہ پڑے"۔(ملفوظات جلد سوئم صفحہ ۳۰۰) حضرت مسیح موعود اپنی زندگی کے آخری دن ہوا خوری کو نکلے تو چند آنے بگھی بان کو دے کر فرمایا !"ان پیسوں میں جہاں تک سیر کرواسکو لے جاؤ"۔آپ اپنے بیوی بچوں کے لئے کوئی ظاہری دولت چھوڑ کر نہیں گئے جیسا کہ حضرت اماں جان(حضرت مسیح موعودؑ) نے اپنے بچوں کو کہا۔ "بچو! گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے۔انہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے۔جو وقت پر تمہارے کام آتا رہے گا۔ (خطبات مسرور جلد اوّل صفحہ ۳۷۸)(مرسلہ مرکزی اصلاحی کمیٹی)(خزینۃ الدعا۔ادعیۃ المهدی صفحہ۲ مرتب جناب حافظ مظفر احمد۔) بیشک آسودگی سے زندگی گزارنا خلافِ شریعت نہیں لیکن نبی کی بیویاں ہونے کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ امت کی عورتوں کے لئے نمونہ بنیں۔خداتعالیٰ نے رسول کی بیویوں سے یہی چاہا کہ ان کا اصل مقصد دنیا کی زیب و زینت نہ ہو بلکہ خدا اور رسول کی اتباع اور آخرت کی خواہش ہو۔پس انہیں اختیار دیا کہ فقروافلاس کے موجودہ حالات کے ساتھ آپؐ کی زوجیت میں رہنا پسند کریں یا پھر طلاق لے لیں۔تمام ازواجِ مطہرات نے خدا اور رسول کی رضا کی خاطر تنگدستی میں آپ کی رفاقت کو ترجیح دی اور اس کے مقابلہ میں دنیا کے سازو سامان اور آسائشوں کو ٹھکرا دیا اور اس اجرِ عظیم کی طلبگار رہیں جن کا محسنات سے وعدہ ہے۔اس میں مسلمان بیبیوں کے لئے یہ سبق ہے کہ خاوندوں سے ایسے غیر ضروری مطالبات کر کے جو ان کے اختیار میں نہ ہوں ان کی تکلیف کا باعث نہ بنیں ، سادگی اور قناعت سے اپنی چادر کے مطابق گزر بسر کریں اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں۔

۳۲،۳۱۔**فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** ۔ عام معنی نشوز اور سوءِ خلق ہے ۔یہاں مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور بعض وہ امور ہیں جو آپؐ کی تکلیف اور حزن کا موجب ہوں۔ (روح المعانی) ازواج مطہرات امت کی بیبیوں کے لئے نمونہ تھیں۔ ان کا رہن سہن ، بات چیت اور چال چلن

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو فرمانبرداری کرے گی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اور عمل کرے گی نیک

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۲﴾

ہم دیں گے اسے اجر اس کا دوچند اور تیار کیا ہم نے اس کیلئے رزق عزت والا

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اے بیویو نبی کی نہیں ہو تم مانند ہر ایک کے عورتوں میں سے اگر تم تقویٰ کرو

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

پس نہ دب کر بات کرو کہ طمع کرے وہ کہ دل میں جس کے .بیماری ہے

ایسا ہونا چاہیئے تھا کہ دیگر خواتین ان کی پیروی کر کے نیکی کا نمونہ بنیں۔ ان کا کسی معمولی غلطی کا مرتکب ہونا بھی دوسری مسلمان عورتوں کی گمراہی کا سبب بن سکتا تھا ایسی صورت میں انہیں اپنے گناہ کے ساتھ دوسری عورتوں کے گناہ کی سزا بھی ملے گی ۔تمہیں سزا دینا اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔ یہود کی طرح اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ نبی کی قربت کے نتیجہ میں تمہیں سزا نہیں ملے گی۔اگر نبی کے اتنا قریب رہ کر بھی تمہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی تو تم دہری سزا کی مستحق ٹھہرو گی۔ آپ نے تو اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ کو بھی آگاہ فرما دیا کہ فاطمہ! اپنا بچاؤ کر لو۔ میں تمہیں ربّ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا۔ (صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۵۴۰ ۔ مسلم کتاب الایمان) پس بیبیوں کو یہی احساس دلانا مقصود تھا۔

اسی طرح جب ان کے نیک نمونہ کو دیکھ کر دوسری مسلمان خواتین اس نیک نمونہ کو اختیار کریں گی تو یہ اپنے ثواب کے ساتھ ان کے ثواب کا اجر بھی پائیں گی۔ یہاں ان بیبیوں کے لئے جو فرمانبردار ہوں گی رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا۔جس کے مقابلہ میں دنیوی رزق اور عیش وآرام ہیچ ہے۔ پس ان کے عمل صالحہ کا ثواب بھی دگنا ہوگا اور ان کی معصیت کا عذاب بھی دگنا ہوگا۔ یہاں فاحشہ سے زنا مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ انبیاء کی ازواج کو اس سخت عیب سے بری فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں بھی باوجود نافرمانی کے اس گناہ سے منزہ تھیں۔

پس انبیاء کے آنے سے جو عظیم انقلابات برپا ہوئے اس میں یہی جذبہ کارفرما تھا کہ ان کی زندگی عوام کے لئے نمونہ تھی۔وہ پہلے خود قدم اٹھاتے پھر قوم سے مطالبہ کرتے۔قوم ایک پتھر باندھتی تو ان کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوتے۔غرض دینی امام و مقتداء ہوں یا دنیوی لیڈر ان کے بگڑنے سے قوم بگڑتی ہے ان کے سنورنے سے قوم سنورتی ہے پس جس قوم کو ایک صحیح رہنما نصیب ہوگیا اس قوم کی تقدیر بدل جاتی ہے۔

اپنے لئے تو فقط محمد مثال ہیں
دنیا کا رخ بدلنے کو اک فرد ہے بہت (عرشی)

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۳﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا

اور کہو بات مناسب اور ٹھہری رہو گھروں میں اپنے اور نہ

تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ

دکھاتی پھرو سنگھار سنگھار دکھانے کی طرح جاہلیت پہلی کا اور قائم کرو نماز اور

اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی اس کے سوائے اسکے نہیں کہ چاہتا ہے

اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

اللہ دور کردے تم سے پلیدی اے اہل بیت اور پاک کرے تم کو

۳۳۔آپؐ کی ازواج سے خطاب کرنے میں سِرّ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے معاشرہ کی اصلاح کی ابتدا ہوگی تو باقی مسلمان گھروں کی خواتین ان کی تقلید کرکے خود اپنی اصلاح کرلیں گی۔ فرمایا تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔تمہارا مقام عام عورتوں سے بہت بلند ہے یعنی تمہاری ذمہ داریاں بدرجہ اتم زیادہ ہیں۔ تمہاری تقلید میں معاشرہ بگڑ بھی سکتا ہے اور سنور بھی سکتا ہے۔ پس تم پر دہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ان آیات میں کوئی ایسا حکم نہیں جو خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے لئے ہے اور باقی مومن خواتین اس سے مستثنیٰ ہیں بلکہ قرآن کریم میں سوائے چند احکام کے جو خاص مصلحت کی بنا پر دئے گئے، کوئی ایسا حکم نہیں جو خاص نبی کریم ﷺ صحابہ کرام یا ازواج مطہرات کے لئے ہو اور امت کو اس پر عمل کرنے کا حکم نہ ہو۔

عورتوں کی آواز میں فطری طور پر نرمی اور ملائمت ہوتی ہے۔لیکن تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات اس معاملہ میں خاص محتاط رہیں اور ایسے انداز سے کلام نہ کریں کہ کوئی غیر محرم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے حقیقت یہ ہے کہ برائی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔آج بھی پس پردہ ٹیلیفون یا انٹرنیٹ پر گھنٹوں لایعنی گفتگو بُرائیوں کو دعوت دیتی ہے۔پس اس آیت میں بُرائیوں کی جڑ کو کاٹا گیا ہے۔

چونکہ ازواجِ مطہرات کا منصب مردوں کو بھی تعلیم دینا تھا اور ہر قسم کے مردوں کا ان کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنا ضروری تھا اس لئے انہیں بطور خاص وقار سے بات کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ ان کی گفتگو سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور کوئی غلط نتیجہ اخذ نہ کریں ۔

۳۴۔**تبرُّج** کے معنی اپنا بناؤ سنگھار دکھانا ہے۔ تفصیل کے لئے سورۃ النور (رکوع ۴ آیت ۲۸ تا ۳۲) یہ تمام وہ احکام ہیں جو ازواجِ مطہرات کے علاوہ ہر مومنہ پر فرض ہیں۔زمانہ جاہلیت کی عرب عورتیں عریانی کی نمائش میں حسینانِ مغرب سے کم نہیں تھیں۔بن سنور کر نہایت باریک لباس

تَطْهِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

خوب پاک کرنا اور یاد کرو جو پڑھایا جاتا ہے گھروں میں تمہارے آیات میں سے اللہ کی

میں بعض اوقات جسم کے بعض حصوں کو کھلا چھوڑ کر باہر نکلتیں اور مردوں کو دعوتِ نظارہ دیتیں۔یہ آیت بھی آج کے نام نہاد مسلم معاشرہ پر زیادہ اطلاق پارہی ہے جہاں اسلام کے نام لیوا بعض معزز اور شریف حضرات کی بہو، بیٹیاں سولہ سنگھار کرکے نہایت نامناسب لباس میں دوپٹے سے بے نیاز

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی

کی تصویر بنی سرعام اپنے حسن کی نمائش کرتی ہیں۔اس بے حیائی کی آخری منزل وہ فحاشی ہے جو بقول حضرت خلفیۃ المسیح الرابعؒ لندن کی گلیوں اور بازاروں میں ناچتی نظر آتی ہے۔ **فاعتبروایآاُولی الابصار** ٥ورنہ ازواج مطہرات تو پردہ کے احکام سے قبل بھی اس انداز سے باہر نہیں نکلیں۔پس ازواجِ مطہرات کے ساتھ عام مسلمان بیبیوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تمہارا اصل مقام تمہارا گھر،تمہارے بچے تمہارا شوہر اور گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی ہے۔شریف بیبیوں کی طرح اپنے گھروں میں وقار سے رہو ضرورت کے تحت باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا۔شرط صرف یہ لگائی کہ بناؤ سنگھار کرکے اظہار زینت کے لئے نہ نکلیں۔اپنے کام کاج کے لئے پردے کے ساتھ نہایت وقار اور سادگی سے نکلیں۔ اگر بزرگ خواتین یا بعض دوسری خواتین کسی خاص مجبوری سے پردہ کا اہتمام نہ کرسکیں تو بناؤ سنگھار کی اجازت ہرگز نہیں۔عہدِ نبوی میں ازواج مطہرات اور دیگر مسلمان خواتین جنگوں میں حصہ لیتیں ، حج اور عمرہ کے لئے جاتیں ، سفر میں حضور ﷺ کے ہم رکاب ہوتیں، مسجدوں میں ادائیگی نماز کے لئے آتیں اور اپنی دیگر ضروریات کے تحت گھروں سے نکلتیں۔بلکہ ضرورتِ معاش کے لئے بھی گھروں سے نکلنا جائز ہے۔عورتوں پر ناجائز پابندیاں لگانا سنت نبوی کے منافی ہے۔مومنین اور مومنات دونوں کو مخاطب فرمایا کہ **ماجَعَلَ علیکم فی الدین من حرج۔** کہ دینؔ کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں۔نبی کریم ﷺ، مومنین اور ازواجِ مطہرات سے دنیا چھڑوا کر انہیں روبخدا کرنے آئے تھے جب ازواج مطہرات کے مطالبات سے ان کے دلوں میں دنیا کی ملونی دیکھی تو آپ کو رنج ہوا لیکن آپؐ کی بیبیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے خدا اور رسول اور اُخروی گھر کی محبت کو دنیوی مال و منال کی محبت پر ترجیح دی۔فقر وفاقہ کے ساتھ آپؐ کی رفاقت میں رہنا پسند کیا، زمانہ جاہلیت کی بدرسوم سے منہ موڑا، نماز اور زکوٰۃ پر قائم ہوئیں۔(**اٰتین الزکوٰۃ** میں عورتوں کو اپنے اموال اور زیورات وغیرہ پر علیحدہ خود زکوٰۃ ادا کرنا لازم کیا) خدا اور رسول کی اطاعت اور محبت میں گم ہوکر دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہوگئیں لیکن

ع ۴

وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ
اور حکمت یقیناً اللہ ہے مہربان بہت خبر رکھنے والا یقیناً مسلمان مرد

وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَ
اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور فرمانبردار مرد اور

الْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ
فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں

جب تک اللہ تبارک تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان سے اپنے ہاتھ سے بندے کو پاک نہ کرے وہ اپنی کوشش سے پاکی کے اس مقام کو حاصل نہیں کرسکتا جب بندہ اپنے ربّ کا مقرب بنتا ہے۔ پس ان کے قلوب مطہر میں اگر دنیوی طلب کی ایک رمق بھی باقی تھی اور بُرائی کا ایک شمّہ بھی موجود تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اسے باہر نکال پھینکا اور انہیں کامل طور پر پاک کردیا اوران کے دلوں میں ہر دوسری محبت کی جگہ خدا اور رسول اور آخرت کے گھر کی محبت اور طلب باقی رہ گئی۔ اس لئے کہ جس دل میں مال کی محبت ہوگی وہاں اللہ کی محبت نہیں ٹھہر سکتی۔ اللہ کی محبت کو پانے کے لئے سب سے پہلے اس بت کو نکالنا ہوگا تا یہ دل ملائک کا سجدہ گاہ بن سکے۔ آنحضرت ﷺ کو امت کے فقر و فاقہ کا غم نہیں تھا اگر تھا تو یہ کہ دنیا کے خزانوں کے منہ اِن پر کھول دئے جائیں گے جو بدیوں کے محرک ہوں گے۔ حضرت کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے“۔ (ترمذی)

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے دلوں میں دنیوی مال ومنال کی حیثیت ایک تنکے کے برابر بھی نہیں رہی۔ خلفاء وقت قیمتی تحائف اور مال وغیرہ بھیجتے جنہیں وہ راہ خدا میں تقسیم کر دیتیں۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق تو یہ ہے کہ بعض اوقات رات کے لئے بھی گھر میں کچھ نہ رکھتیں۔

اہل بیت کا لفظ تین (۳) دفعہ قرآن کریم میں آیا ہے اور تینوں مقامات پر ازواجِ مطہرات مراد ہیں جوکہ اہل تشیع کے لئے حجت ہے۔ پس اس آیت کی اوّل مصداق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیبیاں ہیں جن کا سیاق و سباق میں ذکر ہے ثانیاً آپؐ نے اس میں اپنی صاحبزادی جناب فاطمۃ الزہرہؓ ان کے شوہر محترم حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور ان کے فرزندگان عالی مقام امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بھی داخل فرمایا۔ ثالثاً امت کے برگزیدہ لوگ ان میں شامل ہیں۔

۳۵۔ آیٰت اللہ سے مراد قرآن کریم کی آیات ہیں۔ حکمت کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ فہم قرآن بھی ہے جو خاص آپ کو دیا گیا اور آپؐ نے امت کو سکھایا۔

حکمت میں تمام دانائی کی باتیں شامل ہیں جو نبی کریم ﷺ لوگوں کو سکھاتے تھے۔ حکمت سے مراد آپؐ کے اقوال وافعال بھی ہیں۔ جوکہ احادیث مبارکہ اور آپؐ کی سنت ہے۔ (بخاری) **اذکرن** میں یاد رکھنا، ان پر عمل کرنا اورانہیں امت کے دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہے۔

رکوع کی اس آخری آیت میں امہات المومنین کی عظمت اورمرتبۂ عالیہ پر مزید روشنی ڈالی اوران کی اس خاص ذمہ داری کو بیان فرمایا جو انہیں دوسری مسلمان خواتین سے ممتاز کرتی ہے یعنی قرآن وحدیث اورسنتِ رسول پر عمل اور انہیں دیگر مومنین تک پہنچانا اوران کی ہدایت کا موجب بننا یہی وہ پاک غرض تھی جو تعددِ ازدواج کا باعث بنی۔ مدنی زندگی میں شرائع اورمختلف احکام کی تفاصیل اس قدر تھیں کہ اکیلی بی بی کے لئے انہیں محفوظ رکھنا ممکن نہیں تھا۔ نیز ازواجِ رسول کو رسولؐ کی رفاقت میں ایسی بہت سی ہدایات کا علم تھا جو ان کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے لوگوں کو معلوم نہیں ہوسکتی تھیں۔ پس آپؐ کا پاک گھرانہ آیاتِ قرآنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وا فعال امت تک پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ امہات المومنین، صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے علمائے دین نے اس فرض کو خوب نبھایا اور اپنی زندگیاں ان علوم کو سیکھنے اور سکھلانے کے لئے وقف رکھیں۔ ابنِ عربی احکام القرآن میں بیان کرتے ہیں کہ ”اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ سے کوئی آیت قرآن یا حدیث سنے، اس پر لازم ہے کہ اسے امت کو پہنچائے یہاں تک کہ ازواجِ مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ آیاتِ قرآنی ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں“۔ علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ پر تھیں تاہم حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا مقام نہایت اعلیٰ اورارفع تھا۔ حضرت ام سلمہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ آپ قرآن کریم لحن کے ساتھ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز پر پڑھتی تھیں۔ (مسند جلد ۶ صفحہ ۳۰۰۔۳۰۲) حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی گئی احادیث کی تعداد تین سو سے زائد ہے جبکہ ایک کثیر تعداد فتاویٰ کی ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت حفصہؓ کو پورا قرآن حفظ تھا۔ (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۴۷۔۴۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو اور معاشرتی زندگی کا ایک تہائی حصہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے احکام وتعلیمات ازواجِ مطہرات کے رہینِ منت ہیں۔ مسلمانوں نے ان کو باقاعدہ انہی پاک ہستیوں سے سیکھا اور یاد کیا اور دوسروں کو سکھایا اورانہیں تعلیم دی۔ (”مطہر عائلی زندگی“ ازامۃ الرفیق ظفر صاحب سے استفادہ کیا گیا) حضرت عائشہؓ نہایت درجہ ذہین اور ذکی تھیں۔

افضل المومنین کی صاحبزادی ہونے کی وجہ سے ان کی تربیت نہایت عمدہ اوراسلامی شعار کے عین مطابق ہوئی۔ بوجہ کم عمر ہونے کے بظاہر توقع تھی کہ بفضل تعالیٰ لمبی عمر پائیں گی اور انہیں مسلمان عورتوں کی تعلیم وتربیت کا زیادہ موقع ملے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اڑتالیس (۴۸) برس تک علوم نبوت کی شمع کو روشن کئے رکھا۔آپ کو اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر ،حدیث فقہ اورفرائض میں ایک بلند مقام حاصل تھا۔آپ کے شاگردوں کی تعداد دو صد سے زائد تھی۔حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دریائے علم ہونے کے باوجود آپ کے چشمہ فیض سے مستغنی نہ تھے۔(مسند جلد ۶ صفحہ ۳۱۲) آپ سے احکام ومسائل، اخلاق و ادب اور سیرت کے متعلق دو ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں۔

آپ علم کا مرکز تھیں۔جید صحابہؓ آپ سے مسائل پوچھنے آتے۔امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کے آغوش میں تربیت پائی تھی آپ کا مقولہ ہے!اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم جمع کیاجائے تو عائشہؓ کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا(استیعاب ۷۔۶)امام صاحب فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔اکابر صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے(طبقات ابن سعد جلد۲ صفحہ ۲۶)عطابن ابی الریاح تابعی جن کو بہت سے صحابہ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ صاحبِ علم اور عوام میں سب سے اچھی رائے دینے والی تھیں(استیعاب صفحہ۷۶۵۔ مستدرک حاکم)حضرت ابوسلمہؓ جو ایک جلیل القدر تابعی تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ سنت نبوی کا علم ، تفقہ فی الدین کا ماہر اور آیات قرآن مجید کے شانِ نزول اور فرائض کو جاننے والا کسی اور کو نہیں دیکھا(مستدرک حاکم) حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں !میں نے قرآن، فرائض ، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔(استیعاب صفحہ ۷۶۵۔ زرقانی جلد۳ صفحہ ۲۲۷)غرض حضرت عائشہؓ فہم مسائل ، حفظ احکام اوراجتہاد فکر میں دیگر ازواج سے ممتاز تھیں اس لئے حضور اکرمؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا! عائشہ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔(استیعاب صفحہ۷۶۶) حضرت عائشہؓ کے ابوابِ مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ کا حجرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ بنا۔وہ لطیف وخبیر ہے۔اسے مخفی سے مخفی امور کا علم ہے اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی پس اس معاملہ میں بہت احتیاط کی ضرورت

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ

اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور حفاظت کرنیوالے اپنی شرمگاہوں کی اور

الْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ

حفاظت کرنیوالیاں اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں تیار کیا ہے

اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ

اللہ نے ان کے لیے بخشش اور اجر بڑا اور نہیں ہے کسی مسلمان مرد کے لیے اور

ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے احادیث کو نہایت احتیاط سے امت تک پہنچانے کا اہتمام کیا اور اس کام میں اپنے عمریں صرف کردیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مردوں کے علاوہ امت کی عورتوں کا حق ہے کہ انہیں قرآن و سنت اور احادیث مبارکہ سے آگاہ کیاجائے یعنی علوم دینیہ کی تعلیم دی جائے۔معلم انسانیت ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عورتوں کے لئے علم حاصل کرنے کے تمام دروازے کھول دئے اور اس معاملہ میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں رکھی۔ فرمایا **طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ**۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ (سنن النسائی کتاب النساء جلد دوم صفحہ ۴۵۴)پس مومنات پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حسب توفیق اپنے بچوں اور قریبیوں کو دینی تعلیمات سکھائیں۔

۳۶۔اس رکوع میں پھر اصل مضمون کی طرف عود فرمایا۔ یہ وہ آیات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت زینبؓ کے نکاح کے سلسلہ میں نازل ہوئیں تاکہ ایک غلط رسم کا قلع قمع کیاجائے۔

اس آیت میں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہیں اللہ کے ہاں فضیلت کا معیار اعمالِ صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔عرب کا معاشرہ مردوں کا معاشرہ تھا۔ جہاں عورت کی کوئی (say) آواز نہیں تھی۔اسے کوئی حقوق حاصل نہیں تھے۔وہ مرد کے سامنے بولنے یا مشورہ دینے کی مجاز نہیں تھی۔ورثے میں اس کا کوئی حق تسلیم نہیں کیاجاتا تھا بلکہ خود بھیڑ بکریوں کی طرح ورثے میں تقسیم ہوجاتی تھی۔اسلام نے بھیڑیوں کے اس معاشرہ میں پسی ہوئی اس مظلوم مخلوق کو زمین سے اٹھاکر مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کیا۔اسے پروقار طریقہ سے جینے کا حق دیا اور بتلایا کہ کسی نیک عمل کے اجر میں عورت مرد سے کم نہیں۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیار فضیلت

اعمالِ صالحہ ہیں نہ کہ کسی جنس کی تفریق۔پس ازواج مطہرات نے جو مقام حاصل کیا، دیگر خواتین بھی ان کی پیروی کرکے اور اپنے رب کو راضی کرکے وہ مقام حاصل کرسکتی ہیں اور اپنے ربّ کی مغفرت اور اجرِ عظیم کو حاصل کرسکتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

سوائے ذکر اللہ کے قرآن کریم میں کسی نیک عمل کو اس کثرت سے کرنے کا ذکر نہیں اس لئے کہ ذکر الٰہی میں کوئی قید نہیں،وضو بے وضو،اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کام کاج کے دوران ذکر الٰہی کرسکتے ہیں۔گویا دست بکار دل بیار والا معاملہ ہو۔بے شمار قرآنی دعائیں ہیں جن کا ورد کیا جاسکتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع کے مطابق دعائیں سکھائیں۔ہم اپنے دل سے جس طرح چاہیں اپنے ربّ کو یاد کرسکتے ہیں۔احادیث میں ذکر الٰہی کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ تفصیل کے لئے (سورۃ العنکبوت:۴۶۔اس سورۃ کی آیت ۴۲) حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !تمہارے جسم کا ہر حصہ نیکی اور صدقہ میں شامل ہوسکتا ہے۔ہر تسبیح صدقہ ہے ، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے ، لاالٰہ الاّ اللہ کہنا صدقہ ہے ، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا ان سب نیکیوں کے برابر ہے۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استجاب صلوٰۃ الضحیٰ۔۔۔۔۔)دیگر احادیث میں چار،آٹھ اور بعض جگہ بارہ رکعت نماز چاشت کا ذکر ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کا ثواب حج اور عمرہ کے برابر کہا گیا ہے۔(ترمذی۔ابن ماجہ) تاہم نہایت کامل اور جامع دعا سورۃ فاتحہ ہے۔سورۃ الفاتحہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل القرآن قرار دیا۔ (مستدرک حاکم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دی گئی کہ ایک کامل دعا جو اس سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئی وہ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔جو بھی ان دعاؤں کے ذریعہ خدا سے مانگتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔(صحیح مسلم)ان ماثورہ دعاؤں کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت سی دعائیں بتلائیں۔ آپؑ نے فرمایا! ''استجابت دعا کا مجھے نشان دیا گیا ہے جو چاہے میرے مقابلہ پر آئے۔''(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۵۴)ایک وبائی بیماری میں خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بتلایا کہ اس کے ان ناموں کا ورد کیا جاوے۔'' **یاحفیظُ۔ یاعزیزُ۔یارفیق**۔(البدر جلد ۲ نمبر ۵۳ صفحہ ۲۸ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۳ء) خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ دعا بھی القا کی گئی **ربِّ کلُ شیئٍ خادِمُکَ ربِّ فَاحفظنی وَانصُرنی وَارحَمنی**۔ (تذکرہ صفحہ ۴۴۲۔۴۴۳)حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولانا حکیم نورالدین کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر ایک تعزیتی مکتوب میں (اگست ۱۸۸۵ء)اس دعا کی طرف کمال انکساری سے توجہ

لَامُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

نہ کسی مسلمان عورت کیلئے کہ جب فیصلہ کردیں اللہ اور رسول اس کا کسی معاملہ کا کہ ہو ان کے لیے

دلاتے ہوئے تحریر فرمایا! ''یہ دعا اس عاجز کے معمولات میں سے ہے اور درحقیقت اس عاجز کے مطابق حال ہے۔'' نیز تحریر فرمایا! کہ مناسب ہے کہ بروقت اس دعا کے فی الحقیقت دل کے کامل جوش سے اپنے گناہ کا اقرار اور اپنے مولیٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف کرے کیونکہ صرف زبان سے پڑھنا کچھ چیز نہیں جوشِ دلی چاہیئے اور رقت اور گریہ بھی۔دعا کا طریق حضور نے یہ بیان فرمایا! ''رات کے آخری پہر میں اٹھو۔اور وضو کرو اور چند دوگانہ اخلاص سے بجالاؤ اور دردمندی اور عاجزی سے یہ دعا کرو! اے میرے محسن اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں۔تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔سو اب بھی مجھ نالائق اور پُرگناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس گناہ سے نجات بخش کہ بغیر تیرے کوئی چارہ گر نہیں۔آمین ثُم آمین۔(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ صفحہ ۳) حضرت نواب محمد علی خان صاحب کو آپ نے یہ دعا بتلائی۔''اے اللہ تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کیسا اندھا اور نابینا ہوں اور میں اس وقت بالکل مردہ حالت میں ہوں۔میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز آئے گی تو میں تیری طرف آؤں گا۔اس وقت مجھے کوئی روک نہ سکے گا لیکن میرا دل اندھا اور ناشناسا ہے۔تو ایسا شعلہ نور اس پر نازل کر کہ تیرا انس اور شوق اس میں پیدا ہوجائے تو ایسا فضل کر کہ میں نابینا نہ اٹھوں اور اندھوں میں نہ جاملوں۔''مصائب اور امراض سے نجات پانے کے لئے آپ کو یہ الہامی دعائیں سکھائی گئیں۔**سُبحان اللّٰہِ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہِ العظیم اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمدٍ واٰلِ محمدٍ**۔(تریاق القلوب صفحہ ۳۶۔۳۷)**بسم اللّٰہِ الکافی بسم اللّٰہِ الشّافی بسم اللّٰہِ الغفور الرّحیم بسم اللّٰہِ البَرِّالکریم یاحفیظُ یا عزیزُ یا رفیق یاولّیُ اشفِنی** ۔(تذکرہ صفحہ ۵۲۵)غرض مومن کا فرض ہے کہ کسی لحہ اپنے ربّ کی یاد سے غافل نہ ہو۔آنحضرت ﷺ ہر وقت اپنے ربّ کی باتیں کرتے اور اس کو یاد کرتے ۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ تو اپنے ربّ پر عاشق ہوگیا ہے۔ پس جس طرح عاشق کے دل میں صرف اس کا معشوق بستا ہے۔مومن کے دل میں بھی صرف اس کا ربّ ہو باقی تمام محبتیں اس کے تابع ہوں ۔ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ اس سے کوئی گناہ بالارادہ سرزد ہو۔

اَلْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ

اختیار اپنے معاملہ کا اور جو نافرمانی کریگا اللہ اور اس کے رسول کی تو یقیناً وہ

ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۷﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

گمراہ ہوا گمراہ ہونا کھلا کھلا اور جب تو کہتا تھا اُسے کہ انعام کیا اللہ نے جس پر

۳۷۔**خیرۃ**۔اختیار۔

حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کے کچھ حالات دیباچہ میں بیان ہوئے ہیں۔(استفادہ فرمایئے)بیشک ہر مسلمان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح جہاں چاہے طے کرے باوجود ہر طرح کی اطاعت کے مومنین کو نبی کریم ﷺ کی ذاتی رائے سے اختلاف کا حق حاصل تھا۔جیسا کہ آیت:۱۴ میں حضرت سعد بن معاذؓ نے آپؐ کی ذاتی رائے سے اختلاف فرمایا۔ احادیث میں ہے بریرہ نام ایک غلام عورت تھی جب وہ آزاد ہوگئی اور اپنے خاوند سے جو ایک غلام تھا بیزار ہوگئی مگر اس کا شوہر اس پر فدا تھا وہ اس کی علیحدگی کو گوارا نہ کرتا تھا۔وہ اس پر سخت کبیدہ خاطر ہوا اور آنجنابؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس امر کی شکایت کی۔آپؐ نے بریرہ سے اس کے ساتھ مصالحت کرلینے کو ارشاد فرمایا۔بریرہ نے جواب دیا۔آپؐ یہ وحی سے فرماتے ہیں یا عہدہ نبوت سے علاوہ بطور مشورہ کے فرماتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا۔میں رسالت کے لحاظ سے یہ حکم نہیں دیتا۔اپنی ذاتی رائے سے تجھے کہتا ہوں۔اس نے نہ مانا اور کہا مجھے اختیار حاصل ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۲۔۲۳۵)لیکن یہاں قرآنی حکم کا ذکر ہے۔جس کے بعد کسی مومن یا مومنہ کو اللہ اور رسول کے فیصلہ کے بعد اپنی رائے دینے کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔عام حالات میں بھی مومنین کو مشورہ کا حق ضرور ہے لیکن آخری فیصلہ کا حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو علم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی نکاح کی تحریک فرمائی لیکن لڑکی کے والد نے انکار کردیا۔آپ نے فرمایا کہ اگر حضور میری بیٹی امتہ الحیٔ کا نکاح نہالی(بھنگن)کے بیٹے سے کرنے کا فرماتے تو مجھے ہرگز انکار نہ ہوتا۔اللہ تعالیٰ کو آپ کا جذبہ اطاعت اتنا پسند آیا کہ بعد میں اس بچی کا نکاح حضرت مصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی سے ہوا۔

انبیاء علیہم السلام جہاں بندوں کی گردنوں کو بہت سے رسوم وقیود کے سلاسل سے آزاد کروانے آتے ہیں وہاں ان کے آنے کا ایک مقصد قومیت کے ہیکل کو توڑنا اور قومی تفریقات کو مٹانا بھی ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ابتدا اپنے ہی خاندان سے کی۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ ہر حکم پر عملدر آمد کی ابتدا اپنی ذات اور اپنے خاندان سے کرتے تھے۔عرب کے دستور کے مطابق کسی اعلیٰ خاندان کی لڑکی کا نکاح کسی ادنیٰ خاندان کے فرد یا غلام سے نہیں ہوسکتا

وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ

اور انعام کیا تونے جس پر کہ رہنے دے اپنے پاس اپنی بیوی اور ڈر اللہ سے اور

تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ

تو چھپاتا تھا اپنے دل میں وہ کہ اللہ ظاہر کرنیوالا تھا جسے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور

اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو ڈرے اس سے پس جب پوری کی زید نے اس سے حاجت

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ

بیاہ دیا ہم نے تجھ سے اس کو تاکہ نہ ہو مومنوں پر کوئی تنگی

اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ

بیویوں میں ان کے لے پالکوں کی جب وہ پوری کرلیں ان سے حاجت اور ہے حکم

تھا۔ جبکہ اسلام میں آپؐ کے ارشاد کے مطابق کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار تقویٰ قرار دیا اور حضرت زیدؓ تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر قائم تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس نکاح کی تحریک فرمائی تو خود حضرت زینبؓ اور آپ کے بھائی وغیرہ نے اپنی اعلیٰ نسبی اور خاندانی شرف کی بنا پر اسے ناپسند فرمایا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہوں نے خدائی حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور بطیب خاطر اس رشتہ کو منظور فرمایا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ نکاح پڑھایا اور اپنے لے پالک بیٹے زیدؓ کی طرف سے خود مہر ادا فرمایا جو دس دینار یعنی قریباً چار(۴) تولہ سونا ساٹھ(۶۰) درہم یعنی اٹھارہ(۱۸) تولہ چاندی ایک بار برداری کا جانور، کچھ پارچہ جات اور کچھ سامانِ خورد ونوش آٹا و کھجور وغیرہ تھا جو آپؐ نے حضرت زیدؓ کے گھر بھجوایا۔(ابن کثیر)حضرت زیدؓ آپؐ کے منہ بولے بیٹے تھے لیکن آپؐ نے ان کا گھر بسانے کے لئے جہاں تک ممکن تھا مالی طور پر مدد فرمائی عین ممکن ہے اس میں حضرت زینب کی دلداری بھی مقصود ہو کیونکہ اس زمانہ میں بلکہ آج بھی ایک معزز خاندان کی خاتون کا ایک غلام یا آزاد کردہ غلام سے نکاح نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو شادی کے موقع پر اپنی حیثیت کے مطابق ضروریات زندگی جہیز یا بری وغیرہ کی شکل میں دینا منع نہیں۔ منع یہ ہے کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر محض دکھاوے کے لئے دیا جائے۔ ہجرت کے جلد بعد ہی حضرت فاطمہؓ کی شادی ہوئی اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت نہایت کمزور تھی آپؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کو جہیز میں ایک گدا ایک مشکیزہ ایک چکی اور اسی قسم کی ضرورت کی چند چیزیں دیں۔

۳۸۔**وطرًا**۔ بڑی حاجت کو کہتے ہیں ۔(مفردات راغب) قضائے وطر حاجت کا پورا

اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۸﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ

اللہ کا ہونیوالا نہیں ہے نبی پر کوئی تنگی اس میں کہ مقرر کیا

کرلینا ہے یہاں مراد طلاق ہے۔ جب دونوں میں کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔

حضرت زید بن حارثؓ وہ مقدس انسان تھے جو بطور غلام عکاظ کی منڈی میں بکے۔ آپ پر اللہ اور رسول کے بے شمار انعامات تھے۔ حضرت خدیجہؓ جیسی فرشتہ سیرت پارسا خاتون اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شفیق و رحیم ہستی نے آپ کو بیٹا بنایا۔آپؑ کی پاک صحبت میں اعلیٰ ترین تربیت ہوئی۔خدائی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور بالکل ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے۔عالی خاندان میں نکاح ہوا۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس جہاد میں حضرت زیدؓ نے شمولیت فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہی امیر لشکر بنایا(ابن کثیر)اور آخر شہادت کے رتبہ جلیلہ سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے لئے بہت بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ وہ واحد پاکباز انسان ہیں جن کا انبیاء کے علاوہ قرآن کریم میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت زیدؓ ایک معزز یہودی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔آپ آٹھ(۸) سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ ڈاکوؤں نے قافلہ کو لوٹا اور آپ کو غلام بنا کر لے گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے بھائی حکیم بن حزام نے آپ کو عکاظ کے میلہ میں خریدا اور حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خدیجہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا تو حضرت زیدؓ کی عمر پندرہ برس تھی آپ کے عمدہ اطوار کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنے لئے پسند فرمایا۔حضرت زیدؓ کے والدین کو خبر ہوئی تو آپ کے چچا اور والد آپ کو لینے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فدیہ دینا چاہا۔آپؑ نے فرمایا میں زید کا فدیہ نہیں لیتا۔یہ آزاد ہے۔چاہے تو آپ لوگوں کے ساتھ جاسکتا ہے۔حضرت زیدؓ نے فرمایا میں آپؑ کی جدائی گوارا نہیں کرسکتا۔میں آپؑ کی غلامی میں رہنا چاہتا ہوں اور والدین کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی یہ وفاداری دیکھی کہ آپ کو والدین پر ترجیح دی تو پرانے طریق کے مطابق حرم میں اعلان فرمایا کہ آج کے بعد زیدؓ میرا متبنّٰی ہے۔اس کے بعد آپ زید بن محمد کہلائے جانے لگے۔ تآنکہ قرآنی آیات نازل ہوئیں۔آپ گورے رنگ کے نہایت وجیہہ جوان تھے آپ کی پہلی بیوی سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔حضرت زینبؓ سے نکاح کے بعد مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے نبھانہ ہوسکا۔ حضرت زیدؓ طلاق دینا چاہتے تھے۔**اَمسک علیکَ زوجک**، سے ظاہر ہے کہ آپؑ حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے روکتے تھے اس لئے کہ طلاق بذات خود ایک مکروہ فعل ہے۔ آپؑ کی پوری کوشش تھی کہ

اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ

اللہ نے اس کیلئے (مقرر کی) سنت اللہ کی ان لوگوں میں جو گزر چکے پہلے سے اور ہے

اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ

حکم اللہ کا اندازہ پر مقرر کیا ہوا وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام

دونوں میں مصالحت ہوجائے۔واتق اللہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قصور کچھ حضرت زیدؓ ہی کا تھا۔ بیشک حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کی طبائع میں ناموافقت کی وجہ سے مشیت الٰہی سے دونوں میں علیحدگی ہوئی مگر ان کے مناقب اور محاسن اپنی اپنی جگہ مُسلّم ہیں۔حضرت زینبؓ نہایت دیندار خاتون تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زینبؓ کے متعلق فرمایا کہ وہ **اوّاہ** ہیں یعنی بہت خاشع اور متضرع ہیں۔ اللہ سے بہت ڈرنے والی اور اس کی بارگاہ میں بہت گڑگڑانے والی ہیں۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا! میں نے زینبؓ سے زیادہ کوئی عورت دیندار، پرہیز گار، راست گفتار، فیاض اور مخیّر نہیں دیکھی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر تیئیس برس تھی۔ ۴۰ ہجری میں ترپین(۵۳) برس میں وفات پائی۔ حضرت زیدؓ کے اوصاف حمیدہ اور مراتبِ عالیہ میں سے کچھ شروع آیت میں بیان کئے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دے دی تھی کہ زیدؓ حضرت زینبؓ کو طلاق دینے والے ہیں اور وہ آپؑ کے نکاح میں آئیں گی۔(ترمذی) یہ حکم آپؑ پر بہت گراں گزر رہا تھا اور آپؑ اس معاملہ میں سخت متردد تھے۔جب تک حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق نہیں دے دی آپؑ نے اس امر کو چھپایا۔لیکن اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ آپؑ لوگوں سے نہیں ڈرتے تھے لیکن لوگوں کے ابتلا میں پڑنے سے ڈرتے تھے کہ جو نکاح آیت قرآنی کے نزول پر ہوا وہ طلاق پر منتج ہو۔لوگوں کی ٹھوکر کا باعث یہ امر بھی تھا کہ عربوں کے نزدیک متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح سخت قابل مذمت تھا۔اگلی آیت میں بتایا کہ انبیاء سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرتے۔ **زوّجنٰکھا** میں بتلایا کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوا تا رسم متبنّٰی کا اس طور سے ابطال ہو کہ مومنوں کو اپنے متبنّٰی بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ خدائی فیصلہ بہرحال پورا ہو کر رہنا تھا۔ ان آیات سے بحکم الٰہی آپؑ نے دو اہم اصلاحات فرمائیں۔اوّل یہ کہ متبنّٰی حقیقی بیٹے کی مانند نہیں۔ دوئم اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے جو عرب معاشرہ میں سخت قابل ملامت متصور ہوتا تھا۔

۳۹۔**قدرًا مقدورا۔قدر**۔اندازہ۔مقدور تاکید کے لئے ہے جیسے ظل ظلیل (روح المعانی)

اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَکَفٰی

اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ کے اور کافی ہے

بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ﴿۴۰﴾ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ

اللہ حساب لینے والا نہیں ہے محمدؐ باپ کسی کا مردوں میں تمہارے

وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ

ولیکن رسول اللہ کا اور مہر ہے تمام نبیوں کی اور ہے اللہ ہر

شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۱﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا ع ۶ ۲

بات کو خوب جاننے والا اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کو یاد کرنا

۴۰۔یاقدر سے اشارہ اس طرف ہے جو اندازہ خلق کا ہو چکا اور مقدور سے اشارہ اس طرف ہے جو آئندہ مختلف حالات میں اندازہ ہوتا رہتا ہے (مفرداتِ راغب) **فیمافرض اللّٰہ** میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زینبؓ کے نکاح کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے ۔گزشتہ انبیاء علیہم السلام جو پیغامات الٰہی پہنچانے پر مامور تھے ۔ ان میں بھی یہ دستور جاری تھا کہ احکام الٰہی پر من وعن عمل کرتے ۔وہ کسی معاملہ میں بھی اللہ کے سوا نہیں ڈرتے تھے،نہ خدا کے احکام پہنچانے کے بارہ میں ، نہ کسی دوسرے حکم کی بجاآوری میں۔ اللہ حساب لینے میں کافی ہے یعنی طعن کرنے والوں کے محاسبہ کے لئے کافی ہے ان کو سزا ملے گی۔ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے کیونکہ حکمت اس کی مقتضی تھی۔ جب تک آپؐ اسے خود عملاً نافذ نہ کرتے اس رسم بد کا استیصال ممکن نہیں تھا۔

۴۱۔**خاتَم**۔ مہر ہے جبکہ خاتِم ختم کرنے والا ہے۔حضرت علیؓ جو باب العلوم تھے۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو کہا تم ان دونوں (حسنؓ اور حسینؓ کو قرآن پڑھا رہے ہو) کو پڑھاؤ کہ تاپر زبر ہے(الدرالمنثور) یہاں خوب واضح کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف زیدؓ کے باپ نہیں بلکہ مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر ہیں۔خاتم النبیّین کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں! ’’تمام کمالاتِ نبوت کی آپؐ پر حد ہوگئی۔‘‘(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر۹ صفحہ ۴۷۴)اب کوئی شخص روحانیت کا کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس پر مہر محمدی کی تصدیق نہ ہو۔یعنی سوائے اسلام کے باقی تمام مذاہب والے ماتھے رگڑ رگڑ کر عمریں گزار دیں مگر اُن میں سے کسی شخص کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ اعزاز صرف آپؐ کی امت کو حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ’’پس آپؐ

جسمانی طور پر مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اپنی رسالت کے فیضان کی رو سے ہر اس شخص کے باپ ہیں جس نے روحانیت میں کمال حاصل کیا‘‘(مواہب الرحمٰن صفحہ ۶۶ تا ۶۹)

حضرت مسیح موعودؑ نے آپؐ سے فیض پاکر اور آپؐ کے چشمے سے پانی پی کر یہ مقام حاصل کیا کہ آپ امتی بھی ہیں اور نبی بھی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ **امامکم منکم** (بخاری) حدیث میں ہے کہ قرب قیامت میں عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو باوجود اپنے وصف نبوت اور عہدہ نبوت پر قائم رہنے کے اس وقت وہ بھی آپؐ کی شریعت پر عمل کریں گے۔(تفسیر ابن کثیرؒ) فرمایا **ولاالمھدی الاعیسی بن مریم** (ابن ماجہ باب شدۃ الزمان صفحہ ۴۵۷ ۔ بروایت حضرت انسؓ) بہت سے مفسرین نے اس معنی کی تائید کی ہے۔

حضرت عائشہؓ جن سے جیّد صحابہؓ مسائل پوچھنے آتے تھے فرماتی ہیں ! **قولو انّہٗ خاتم النّبیّن ولاتقولوالانبیَّ بعدہٗ** ۔تم آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیّن تو کہو لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد نبی نہیں آئے گا۔(تکملہ مجمع البحار جلد ۴ صفحہ ۸۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! اے علیؓ میں خاتم الانبیاء ہوں اور تم خاتم الاولیاء ہو۔(تفسیر صافی زیرآیت خاتم النّبیّن)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں نبیوں میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے(صحیح مسلم باب فضل مسجد المدینہ) کیا حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی نہیں ہوا یا مسجد نبوی کے بعد کوئی مسجد نہیں بنی۔مراد صرف یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد آپ کے پائے کا کوئی ولی نہیں ہوسکتا۔اور مسجد نبوی کے مقام کو کوئی مسجد نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں ’’رئیس المتصوّفین حضرت ابن عربیؒ فرماتے ہیں ! نبوت کا دروازہ بند ہوجانا اور اسلام کا مرجانا ایک ہی بات ہے۔(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۲۔ ۱۰ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے قریباً ستر (۷۰) احادیث میں آنے والے مسیح اور مہدی کی پیشگوئی فرمائی اور امت کو اسے ماننے کی تلقین فرمائی۔ تفسیر کے لئے سورۃ المائدہ ۱۱۸۔

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن کریم سے امکانِ نبوت ثابت نہیں حالانکہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے امکان نبوت ثابت ہے۔یہ کہنا کہ صریح طور پر بتایا جاتا۔ایسا کسی الہامی کتاب میں نہیں ہوتا۔توریت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی پیشگوئیاں مجمل طور پر ہیں ورنہ تمام یہود و نصاریٰ ایمان لے آتے اورانہیں ٹھوکر نہ لگتی ۔ سورۃ الحج : ۷۶ میں مضارع کا صیغہ لاکر بتایا کہ انبیاء کا آنا ایک جاری سلسلہ ہے ۔ سورۃ النساء : ۷۰ میں اللہ اور رسول کی اطاعت

کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ان میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام نازل کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اگر مومنین کو بعد والے تینوں مراتب مل سکتے ہیں تو پہلا کیوں نہیں؟ نیز ان کا اکٹھا ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟ امام راغبؒ نے اس آیت کا وہی ترجمہ کیا جو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے اور امت میں انبیاء کی بعثت کو تسلیم کیا۔ (تفسیر بحرالمحیط مولفہ محمد بن یوسف اندلسی) سورۃ النور:۵۶ ۔ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور مناسب حال عمل کئے یہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا۔ اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت مہدیِ علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بحار الانوار جلد۱۳ صفحہ۳) سورۃ الاعراف:۳۶ میں فرمایا کہ تمہارے پاس جب بھی رسول آئیں اور ضرور آئیں گے ۔۔۔۔۔کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ خطاب اس زمانہ اور اگلے زمانہ کے تمام لوگوں کو ہے۔ (تفسیر حسینی جلد۱ صفحہ۳۰۵) **هو الذی ارسل رسولهٗ بالهدٰی و دین الحق لیظهرهٗ علی الدین کلّه** ۔ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ادیان باطلہ پر دین کا کامل غلبہ مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوگا جب صرف ایک ہی دین باقی رہ جائے گا۔ (ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ۵۳) اس کے باوجود اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آپؐ کے بعد نبوت ختم ہے۔ حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں اس وقت بھی خاتم النبیّن تھا جب آدمؑ کی مٹی کو گوندھا جارہا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ۱۲۷ کنزالعمال جلد۶ صفحہ۱۱۲) یعنی اس کی پیدائش کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ اگر ایسا تھا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے آنے سے آپؐ کی صفتِ خاتم النبیّن کیسے قائم رہی۔

پس خاتم النبیّن کے معنی یہ ہیں کہ اب کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آسکتا۔ آپؐ کی اتباع میں غیر تشریعی نبی آسکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ظل اور بروز ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں! (۱)'' صاحبِ انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔'' (انجام آتھم صفحہ ۲۷۔۲۸ حاشیہ) (۲) ''کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں آسکتا۔'' (کتاب البریہ صفحہ ۱۸۴۔۱۸۵ حاشیہ) (۳) ''یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوتِ تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطّل کرے بلکہ اس کا عمل

كَثِيْرًا ﴿۴۲﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۳﴾ هُوَالَّذِيْ يُصَلِّيْ

بہت | اور تسبیح کرو اس کی | صبح | اور | شام | وہی ہے جو | رحمت بھیجتا ہے

قیامت تک ہے۔'' (رسالہ الوصیت صفحہ۱۱ حاشیہ) (۴) '' قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اس کے ساتھ نہیں (کشتی نوح صفحہ ۲۲ حاشیہ) (۵)'' آسمان کے نیچے محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہمارا کوئی نبی نہیں اور قرآن کریم کے سوا ہماری کوئی کتاب نہیں اور جس نے بھی اس کی مخالفت کی وہ اپنے آپ کو جہنم میں کھینچ کرلے گیا۔ (مواہب الرحمٰن صفحہ ۶۶ تا۶۹)

دراصل یہاں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ جس طرح رسولؐ کی بیبیاں امت کی مائیں ہیں آپؐ امت کے روحانی باپ ہیں۔ فرمایا جسمانی طور پر تم کسی مرد کے باپ نہیں ہو۔ اس کے بعد آپؐ کے فرزند ابراھیم پیدا ہوئے جن کے لئے یہاں اشارتاً بتلادیا کہ عمر نہیں پائیں گے۔ آپؐ کے بیٹوں کے زندہ نہ رہنے میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں تھیں۔ اگر بیٹے زندہ رہتے تو بعض مسلمانوں کے شرک میں ملوث ہونے کا احتمال تھا۔ پس توحید کا تقاضا تھا کہ آپؐ کو روحانی بیٹوں سے نوازا جائے۔ اُس زمانہ میں بلکہ آج کے دور میں بھی یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ نسلیں بیٹوں سے چلتی ہیں اس لئے کفار کہتے کہ آپؐ ابتر ہیں چند روز میں آپؐ کا سلسلہ ختم ہوجائے گا۔ سورۃ کوثر میں آپؐ کے دشمنوں کو ابتر کہا گیا۔ اب جبکہ آپؐ کو بتادیا کہ آپؐ کسی مرد کے باپ نہیں تو یہی بات معاذاللہ خود آپؐ پر صادق آتی۔ اس آیت میں تصریح فرمائی کہ جسمانی طور پر اولاد نرینہ نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ آپؐ ابتر ہیں۔ رسالت و نبوت کے کام کو جاری رکھنے کے لئے نسبی نہیں بلکہ روحانی اولاد کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا۔ (ابو داؤد جلد دوم کتاب الملاحم بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) اس معنی کی رو سے آپؐ سب سے زیادہ کثیر الاولاد ہیں کیونکہ آپؐ کا فیضان قیامت تک جاری رہے گا۔ اور دشمنانِ حق باوجود بیٹوں کے ابتر ہیں اس لئے کہ ان کی اولادیں روحانی لحاظ سے مردہ ہیں۔ ان کے تمام جگر گوشے جو روحانی طور پر زندہ تھے وہ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جھولی میں آ گرے اور آپؐ کی روحانی اولاد میں شامل ہوگئے۔ آخر میں بتایا کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسے اپنے بندوں کی ہر ضرورت کا علم ہے۔ مادی ہو یا روحانی۔

۴۲۔۴۳۔ ایک بیٹے کی خوشخبری پر حضرت ذکریاؑ کو بھی یہی حکم دیا۔ آپؐ کے جسمانی لحاظ

عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ

تم پر اور فرشتے اس کے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے طرف نور کی اور

سے لاولد ہونے پر مومنوں کے لئے یہ خوشخبری کا موقع نہیں پس خوشخبری کا موقع یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت سے آپ ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں تو لاولد نہیں۔ قیامت تک آپؐ کے روحانی فرزند پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو آپؐ کے کام اور نام کو زندہ رکھیں گے۔ اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے مومنوں کو حکم دیا کہ تمہاری زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ ہو جو اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید سے خالی ہو۔ تا ان نعمتوں کے تم وارث بن سکو۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ذکر الٰہی کی بے حد فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے (سورۃ العنکبوت:۴۶۔) حضرت احمدؒ نے حضرت ابودرداءؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے فرمایا! کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلادوں جو تمہارے سب اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہے اور تمہارے درجات بلند کرے والی ہے اور تمہارے لئے سونے چاندی کے صدقہ و خیرات سے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو اور تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کونسی چیز اور کونسا عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا **ذِكْرُاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ** یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد۔ (ابن کثیر) ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کی کہ اسلام کے فرائض و واجبات تو بہت ہیں۔ آپؐ مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلادیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا! تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (مسند احمد ،ابن کثیر) یعنی فرائض کے علاوہ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا! تم اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ دیکھنے والے تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۱۲۲۶) جیسا کہ آنحضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ محمدؐ اپنے ربّ پر عاشق ہو گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں وکیل اور کفیل اور تمام مخلوق کے ہر قسم کے شر سے اس کو بچائے اور پیش آمدہ مصائب اور مہمات اور مشکلات میں اپنی مدد، تائید، وکالت اور کفالت کرے اور بندوں کے دل میں اس کی ہیبت اور محبت ڈالے تو اسے یہ وظیفہ پڑھنا چاہئے۔ **حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل**۔ (سورۃ ال عمران:۱۷۴)

۴۴۔ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنا، رحمت نازل کرنا اور بندوں کو اعلیٰ اعمال کی توفیق دینا ہے۔

كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۴﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ

ہے وہ مومنوں پر بہت رحم کرنے والا دعا ان کی جس روز ملیں گے اس سے

سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۵﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ

سلام ہوگی اور تیار کیا اس نے ان کیلئے اجر عزت والا اے نبی ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى

بھیجا تجھے گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور بُلانے والا طرف

فرشتوں یا انسانوں کا صلوٰۃ بھیجنا دعا یا استغفار کرنا ہے۔ (اقرب) چونکہ فرشتے یا انسان خود کسی کام پر قادر نہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے نزول رحمت کی دعا مانگتے ہیں اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں یعنی بندوں کے لئے حفاظت الٰہی طلب کرتے ہیں۔ جب مومنین ذکر الٰہی کی کثرت اور صبح و شام تسبیح و تقدیس پر مداومت اختیار کرلیتے ہیں تو اے محبوبِ خدا کے روحانی فرزندو! خدائے عزّ وجلّ اور اس کے ملائکہ تم پر درود بھیجتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ربّ رحیم تم کو جہالت اور ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم وعرفان کے نور کی طرف لے آتا ہے۔ اس لئے کہ عبادات کے باوجود خدائے رحیم کے خاص فضل ورحم کے بغیر تم اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ مومنوں پر بے حد رحیم ہے انہیں اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے زیادہ دیر تک نہیں چھوڑتا جلد ان کی دستگیری فرماتا ہے اور کسی ہادی کو مبعوث فرمادیتا ہے۔

۴۵۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ان روحانی فرزندوں پر دنیا میں ہی انعامات کی بارشیں نہیں ہوئیں آخرت میں بھی ان کو اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اپنے ربّ کی ملاقات کے دن ان کا خیر مقدم سلامتی سے ہوگا یعنی ربّ رحیم خود السلام علیکم کے ساتھ ان کا استقبال فرمائے گا (سورۃ یٰس:۵۹) وہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کہیں گے (سورۃ یونس:۱۱) ملائکہ بھی ان پر سلامتی کے پھول نچھاور کریں گے (سورۃ نحل:۳۳) ان معززین کے لئے جنہوں نے دنیا میں ذکر الٰہی کو حرزجان بنائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے بہت معزز اجر تیار کر رکھا ہے۔

۴۶۔۴۷۔۴۸۔ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خاتم النبیین کے اعزاز سے نوازا اب آپؐ کے مراتب عالیہ کا ذکر کیا اور آپؐ کی ان گنت صفات میں سے پانچ بیان فرمائیں اور بعض احکام صادر فرمائے۔ سب سے پہلے آپؐ کو شاہد کے خطاب سے نوازا۔ آپؐ اپنے سے پہلے عظیم المرتبت نبی حضرت موسیٰؑ کی صداقت پر شاہد ہیں اور اپنے بعد آنے والے اپنے غلام کی صداقت پر بھی شاہد ہیں۔ آپؐ نے قریباً ستر (۷۰) احادیث میں اپنے مسیح و مہدی کی

اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ
اللہ کی حکم سے اس کے اور سورج روشنی دینے والا اور خوشخبری دے مومنوں کو کہ یقیناً

شہادت دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ الہٖ وسلم شاہد ہیں اس لئے کہ آپؐ اس تعلیم کے عملی گواہ ہیں جو آپؐ دوسروں کے لئے لائے۔ آپؐ نے اپنے قول وفعل سے اسے سچا ثابت کیا۔ شاہد نگران کے معنی بھی دیتا ہے۔ آپؐ نے ضلالت و گمراہی میں بھٹکتے ہوئے بندوں کی روحانی تربیت کرکے اپنے شاہد ہونے کا حق ادا کیا۔ آپؐ مبشر ہیں۔ آپؐ نے اعمالِ صالحہ بجالانے والے مومنین کو دنیا و آخرت کے انعامات کی بشارت دی۔ آپؐ نذیر ہیں آپؐ نے نافرمانوں کو ان کے بدانجام اوران پر آنے والی تباہیوں سے ڈرایا۔ آپؐ کا چوتھا اور اصل کام لوگوں کو حق کی طرف بلانا تھا۔ انبیاء کا سب سے اہم کام یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے اورانہیں ان کے ربّ سے ملانے والے ہوتے ہیں۔ نبی کا تو ہر کام باذنہٖ سے مشروط ہے۔ دراصل اس کام کی راہ میں مشکلات اور دشواریوں کے پیش نظر بتلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اذن اوراعانت کے ساتھ ہی تکمیل پاتا ہے۔ یہاں خاص آنحضرت ﷺ مخاطب ہیں ورنہ ہر مومن داعی الی اللہ ہوتا ہے اور اللہ کے اذن واعانت سے حصہ پاتا ہے۔

آپؐ کی ایک عظیم صفت سراجاً منیراً ہے گویا آپؐ وہ سورج ہیں جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم جگمگا اٹھا۔ جو بھی آئینۂ قلب صاف کرکے اس آفتاب کے سامنے آتا ہے اس کے اندر اس آفتاب کا نور منعکس ہوجاتا ہے اوروہ حسبِ استطاعت استفاضۂ نور کرتا ہے۔ آپؐ کا فیض عام اورجاری ہے۔ آپؐ کے صحابہ کرام ستاروں کی مانند تھے جنہوں نے آپؐ کے نور سے حصہ لیا اور اپنے اپنے وقت میں عالم کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی اپنے خاص مقرب کوعلم و معرفت سے نوازکر بندوں کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے۔ چودھویں صدی میں جبکہ دنیا روحانی طور پر اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی اورکسی ہادی کی منتظر تھی۔ آپؐ کے عاشق صادق اور روحانی فرزند حضرت میرزا غلام احمد قادیانی آپؐ کی کامل اتباع سے بطور قمر آپؐ کے نور سے روشنی حاصل کرکے مسیح موعود اورمہدی معہود کے خدائی خطابات کے ساتھ ظلّی نبی کے طور پر مامور ہوئے اور ایک عالم کو عقائد باطلہ، غیر اسلامی رسوم و رواج او رجہالت وضلالت کے اندھیروں سے نکال کرنور و ہدایت کی طرف لے آئے اور مقربین میں شامل کردیا۔

لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا ﴿۴۸﴾ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَ
ان کے لیے طرف سے اللہ فضل ہے بڑا اور نہ پیروی کر کافروں کی اور

الْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىھُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰہِ ؕ وَکَفٰى بِاللّٰہِ
منافقوں کی اور چھوڑ دے ایذاء دینا انکا اور بھروسہ کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ

وَکِیْلًا ﴿۴۹﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ
کارساز اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب نکاح کرو تم مومن عورتوں سے پھر

طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ
طلاق دو تم ان کو پہلے اس سے کہ پاس جاؤ تم ان کے تو نہیں تمہارے لیے ان پر

مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا ۚ فَمَتِّعُوْھُنَّ وَسَرِّحُوْھُنَّ سَرَاحًا
کوئی عدت کہ گنواؤ تم اسے پس کچھ سامان دو انہیں اور رخصت کرو انہیں رخصت کرنا

۴۸۔ مومنین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے بے حد و حساب انعامات کا ذکر جاری تھا جن میں خاص طور پر آپؐ کے روحانی فرزندوں کا ذکر تھا جو آپؐ کے پیغام کو قیامت تک پہنچاتے رہیں گے۔ فرمایا مومنوں کو بشارت دے کہ یہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ان میں سے فرزندان رسول چنتا رہے گا۔

۴۹۔ **ودع**۔ چھوڑ دے۔ نظرانداز کردے۔ **ماودعک ربّک**۔۹۳۔۴۔ فرمایا تبلیغ حق کے معاملہ میں کافرین اور منافقین کی بات ہرگزنہ مان۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے اس کا قطعاً امکان نہیں تھا کہ کفار و منافقین کے کہنے پر تبلیغ وہدایت کا کام چھوڑ دیتے۔ یہاں بھی عام داعی الی اللہ سے خطاب ہے اور نہ ان کی ایذارسانی کی پرواہ کر۔ اللہ پر توکل کر۔ اللہ کافی ہے کہ بندہ اپنے معاملات اس کے سپرد کردے۔ یہاں بتلایا کہ تبلیغ کے معاملہ میں کفار اور منافقین ضرور رکاوٹیں ڈالیں گے او رمخالفت کریں گے لیکن توان کی بات ہرگز نہ مان۔ تبلیغ کے سلسلہ میں یہ بھی ضرور ہے کہ تمہیں دکھ دئے جائیں لیکن آپؐ ان کی پرواہ نہ کیجئے اوراللہ پرتوکل کرتے ہوئے اپنے کام کوجاری رکھیئے۔

قرآن کریم کی آیات ہمیشہ کے لئے ہیں اور یہ واقعات باربار دہرائے جائیں گے۔ یہ آیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی نازل ہوئی جس میں اشارہ تھا کہ آئندہ بھی یہی صورت حال پیش آنے والی ہے۔

۵۰۔ ازواجِ مطہرات کے مطالبات پر انہیں عمدگی سے رخصت کرنے کا ذکر تھا۔ درمیان میں کئی دوسرے اہم مسائل آئے۔ اب مضمون کو پھر ازواجِ مطہرات کی طرف لوٹایا۔ طلاق کی

جَمِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ

اچھی طرح — اے — نبی — یقیناً ہم نے حلال کیں تیرے لیے — بیویاں تیری — وہ کہ جنہیں

اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ

دے چکا ہے — مہر ان کے — اور وہ کہ جن کا مالک ہوا — دایاں ہاتھ تیرا ان میں سے کہ جنہیں غنیمت میں لایا اللہ

عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَ

تیرے لیے — اور بیٹیاں — تیرے چچا کی اور بیٹیاں تیری پھوپھیوں کی اور بیٹیاں — تیرے ماموں کی — اور

بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ

بیٹیاں تیری خالاؤں کی — وہ جنہوں نے ہجرت کی — ساتھ تیرے — اور (حلال کی) عورت مسلمان — اگر

وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ

وہ بخشدے — اپنی جان — نبی کے لیے — اگر — ارادہ کرے نبی — کہ — نکاح کرے اس سے

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا

صرف تیرے لیے — سوائے (اور) مسلمانوں کے — یقیناً جان لیا ہم نے جو کچھ فرض کیا ہم نے

صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو ازواجِ مطہرات کو عمدگی سے رخصت کرنے کا ذکر تھا۔یہاں بتایا کہ اس معاملہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اُسوہ حسنہ ہیں۔یہ حکم نبیؐ اور ازواجِ مطہرات سے مخصوص نہیں جب بھی کسی مومنہ کو طلاق دی جائے تو اسے عمدگی سے متاع دینا اور خوبی سے رخصت کرنا ضروری ہے یہانتک کہ اس کے ساتھ ازدواجی تعلق پیدا ہونے سے پیشتر بھی اگر خاص وجوہ کی بنا پر طلاق دینی پڑے تو یہی حکم ہے۔(تفصیل سورۃ البقرہ:۲۳۷-۲۳۸) ایسی صورت میں عدت کا شمار نہیں ہوگا جس میں ان کا نان نفقہ تمہارے ذمہ ہوتا ہے اور وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتیں۔اگر مہر مقرر ہوچکا ہے تو متاع نصف مہر کا ادا کرنا ہے جو واجب ہے۔اس سے زائد دینا مستحب ہے،لازم نہیں۔اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو بھی اسے کچھ تحائف وغیرہ دے کر عزت سے رخصت کرنا چاہیئے۔سوائے اس کے کہ وہ عورت خود معاف کر دے یا مرد احسان کرتے ہوئے پورا ادا کردے۔متاع میں یہ بھی داخل ہے کہ انہیں نکاح کے موقع پر جو کپڑے زیورات یا تحائف وغیرہ دئے ہیں وہ واپس نہ لے۔قرآن کریم نے طلاق کی صورت میں مرد پر مالی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا ہے تاکہ وہ طلاق کو بچوں کا کھیل نہ سمجھے، اپنے اس اختیار کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔طلاق کے موقع پر فریقین کے درمیان عموماً تلخی اور بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے باربار فرمایا کہ اسے عمدگی سے رخصت کرو۔کوئی بات اس کی عزت کے منافی نہ ہو۔

عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ

ان پر — بارہ میں انکی بیویوں کے اور (بارہ میں) انکے کہ جنکے مالک ہوئے داہنے ہاتھ ان کے — تاکہ نہ ہو

عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ تُرْجِيْ مَنْ

تجھ پر — کوئی تنگی — اور ہے — اللہ — بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا — تو پیچھے کردے جسے

۵۱۔ **اَفَاءَ**۔ اس نے دیا۔ سورۃ النّساء میں تعدد ازدواج کو چار تک محدود کیا گیا۔جن مومنین کے پاس چار سے زیادہ بیبیاں تھیں انہیں چار کو زوجیت میں رکھ کر باقی کو رخصت کردینے کا حکم ہوا۔ اگر ازواجِ مطہرات کو طلاق دیتے تو ان کا کہیں نکاح نہیں ہوسکتا تھا نیز جن مصالح کی بنا پر یہ نکاح ہوئے تھے وہ باطل ٹھہرتے۔اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اجازت دی گئی کہ جو ازواج آپؐ کے نکاح میں ہیں وہ آپؐ کے لئے جائز ہیں خواہ ان کی تعداد چار سے زیادہ ہو۔اس فرق کی وجہ آیت:۳۵ میں بیان ہوئی کہ آپؐ کے نکاح محض تعلقاتِ زوجیت کے لئے نہیں بلکہ خاص دینی اغراض کے لئے تھے۔اگر آپ کے نکاحوں کی غرض محض تعلق زوجیت ہوتی تو آپؐ سب سے پہلے خود چار کی حدبندی پر عامل ہوتے جیسا کہ ہر قرآنی حکم آپؐ نے سب سے پہلے خود پر اور اپنے خاندان پر عائد فرمایا۔

تعددِ ازدواج کی وجہ سے مستشرقین آپؐ پر حظِ نفس کا الزام لگاتے ہیں۔حالانکہ آپؐ نے پچیس(۲۵) برس تجرد میں رہ کر نہایت پاکیزہ زندگی گزاری۔اس کے بعد پچاس(۵۰) برس کی عمر تک اپنی سن رسیدہ زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے اعلیٰ درجہ کا تعلقِ محبت رکھا۔ان کی وفات کے بعد ایک بزرگ خاتون حضرت سودہؓ آپؐ کے نکاح میں آئیں۔پچپن(۵۵) سال کی عمر میں بحکم الٰہی ایک مقدس دوشیزہ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ کے عقد میں آئیں جن سے آپؐ کی محبت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں میں نے حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہﷺ!آپؐ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے آپؐ نے فرمایا! عائشہ۔ میں نے عرض کی! مردوں میں کون ہے۔آپؐ نے فرمایا! اس کا باپ (جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل)جس شخص کو جوانی میں اپنے نفس پر اس قدر ضبط رہا ہو۔ اسے اس عمر میں حضرت عائشہؓ جیسی بیوی کے بعد بظاہر کسی اور بیوی کی خواہش نہیں ہوسکتی تھی۔پس متعدد بیواؤں سے نکاح کرنے میں سوائے دینی اغراض کے اور کوئی غرض نہیں تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نبی کے لئے ایک ایسی ضرورت تھی جو باقی مومنین کے لئے نہیں تھی۔پس اس آیت میں بتایا کہ آپؐ کی

سب بیبیاں جو آپؐ کے نکاح میں ہیں اور جن کے مہر آپ ﷺ نے ادا کردیے ہیں وہ سب آپ ﷺ پر حلال ہیں۔ دوم ان عورتوں کو آپؐ پر جائز قرار دیا جو **مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ** کے تحت جنگ میں بطور غنیمت آپؐ کو عطا ہوئیں اور آپؐ نے ان سے نکاح کرکے انہیں ازواجِ مطہرات میں داخل کیا اور ان سے لونڈی کا کریہہ داغ دور کیا۔ یہاں جنگ کی شرط لگائی۔ گویا لونڈی خریدی نہیں جاسکتی۔ اسلام نے دوسری قبیح رسوم کی طرح اسے بھی بتدریج ختم کیا۔ آجکل جنگی قیدی حکومت کی حراست میں رکھے جاتے ہیں کسی کے حصہ میں نہیں آتے اس لئے کسی کو بطور غلام یا لونڈی رکھنا حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ان سے نکاح کی غرض دشمن کی عداوت کو ختم کرنا بھی تھا۔ اس لحاظ سے آپؐ کے بعض نکاح سیاسی نوعیت کے بھی تھے۔ حضرت جویریہؓ جو بنو المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں ان کے ساتھ نکاح سے یہ غرض پوری ہوئی۔ مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سوگھرانوں کے قیدی یہ کہہ کر چھوڑ دئے کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کی ہے وہ غلام نہیں ہوسکتا۔ حضرت صفیہؓ سے شادی کی غرض بھی یہی تھی لیکن یہود نے اپنی شقاوتِ قلبی کی وجہ سے دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ حضرت ماریہؓ ایک معمولی لونڈی کے طور پر آپؐ کی خدمت میں بھیجی گئیں۔ آپؐ نے بطور لونڈی کسی کو نہیں رکھا۔ انہیں آزاد کرکے ازواجِ مطہرات میں شامل کیا اور عزت و احترام بخشا۔ تیسری قسم کی عورتیں جن کا یہاں ذکر ہے آپؐ کی قریبی رشتہ دار تھیں ان کے ساتھ ہجرت کی شرط لگائی ہجرت ایک بڑی قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر آپؐ کے قریبیوں میں سے کسی نے ہجرت نہیں کی حالانکہ اس وقت ہجرت فرض تھی۔ تو اس کا ایمان کمزور ہے اور وہ آپؐ کے لئے حلال نہیں۔ اسے یہ اعزاز حاصل نہیں ہوسکتا کہ آپؐ کی زوجیت میں آئے۔ یہ شرط خاص آپؐ کے لئے تھی۔ گویا ازواجِ مطہرات کے لئے تقویٰ کا اعلیٰ ترین معیار مقرر فرمایا۔ پس یہ ایسی مہاجر خواتین تھیں جو بے آسرا تھیں اور ان کی خبر گیری آپؐ کے ذمہ تھی۔ اس ضمن میں حضرت زینبؓ بنت جحش ہیں جو یتیم تھیں۔ چچازاد تو نہیں چچازاد بہن کی بیٹی تھیں جن کا نکاح آپؐ نے حضرت زیدؓ سے کیا لیکن طلاق کے بعد وہ آپؐ کی زوجیت میں آئیں۔ چوتھی قسم کی وہ فدائی خواتین تھیں جو بلامہر آپؐ کے نکاح میں آنا باعثِ عزت و ثواب سمجھتی تھیں اور جانتی تھیں کہ معمولی مسلمانوں کے گھروں میں جو آسودگی ہے ازواجِ نبیؐ کو وہ بھی میسر نہیں۔ یہ اجازت اس لئے تھی کہ اگر کسی بی بی کے دل میں خدمت دین کی تڑپ ہو تو اس کے لئے یہ دروازہ بند نہ ہو بشرطیکہ نبیؐ بھی اسے اس کا اہل سمجھیں۔ بعض نے میمونہؓ بنت الحارث اور بعض نے ام المساکین زینبؓ بنت خزیمہ کے لئے کہا کہ وہ ان میں

شامل تھیں۔ یہ اعزاز بھی خاص آپؐ کے لئے تھا۔

عرب قبائل جنگ و جدل میں مصروف رہتے۔ جوانوں کی بڑی تعداد جنگوں میں کام آتی۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہتی۔ اس بنا پر بھی مرد زیادہ شادیاں کرتے خصوصاً سردار اور صاحب حیثیت لوگ۔ مدنی زندگی میں جنگوں سے واسطہ رہا۔ یہاں بھی وہی مسئلہ تھا عورتیں بیوہ ہوجاتیں۔ ان کا اور یتیم بچوں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ نے ان سے نکاح کئے۔ مدینہ میں آپؐ کے تمام نکاح ۲ھ سے ۷ھ تک محدود ہیں جو جنگوں کا زمانہ تھا۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے شوہر جنگ بدر میں شدید زخمی ہوئے ان زخموں کے باعث شہادت کا رتبہ پایا اور حضرت حفصہؓ ۳ ہجری میں آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت صفیہؓ جنگ خیبر میں بیوہ ہونے کے بعد، حضرت زینب بنت خزیمہ جنگ احد میں بیوہ ہونے کے بعد، حضرت ام سلمہؓ ۴ھ میں بیوہ ہونے کے بعد، حضرت زینبؓ بنت جحش ۷ھ میں مطلقہ ہونے کے بعد، حضرت جویریہؓ ۵ھ میں غزوہ بنی مصطلق میں بیوہ ہوکر آپؐ کے نکاح میں آئیں۔ آپؐ پر جو حدبندی اس آیت کی رو سے کی گئی وہ یہ تھی کہ خاص خاص عورتوں سے آپؐ کو نکاح کی اجازت تھی جس میں کوئی نہ کوئی دینی غرض پوشیدہ تھی۔ فرمایا ہمیں معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں ہم نے کیا حدود مقرر کی ہیں تمہیں ان حدود سے اس لئے مستثنیٰ کیا ہے۔ **لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَیۡکَ حَرَجٌ** تاکہ آپؐ پر امور دینی میں تنگی نہ ہو۔ یہ مراد نہیں کہ مومنوں پر ازواج کے بارہ میں تنگی ہو اور نبیؐ پر نہ ہو۔ **قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا** میں اشارہ تعداد ازدواج کی چار تک حدبندی کی طرف ہے۔ اسلام میں کثرتِ ازدواج پر مستشرقین نے سخت اعتراضات کئے حالانکہ اسلام سے قبل قریباً تمام انبیاء نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ توریت جو یہود و نصاریٰ کی قانون کی کتاب ہے اس میں عام شخص کو چار اور بادشاہ کو اٹھارہ (۱۸) بیویوں کی اجازت ہے۔ بعد میں انہوں نے ایک شادی کا قانون پاس کیا۔ اسلام نے کڑی شرائط کے ساتھ کثرتِ ازدواج کی حوصلہ شکنی کی ہے البتہ خاص حالات میں اس کی اجازت دی۔ بیویوں کے درمیان انصاف رکھنا نہایت مشکل امر ہے حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب آدمی کے پاس دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے حقوق میں انصاف اور برابری نہ رکھی تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا۔ (ترمذی)

تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ
تُو چاہے ان میں سے اور جگہ دے اپنی طرف جسے تُو چاہے اور جسے طلب کرے تو
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ
ان میں سے کہ جُدا کیا تُو نے (جنہیں) تو نہیں کوئی گناہ تجھ پر یہ بہت نزدیک ہے اسکے کہ ٹھنڈی ہوں
اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ
آنکھیں ان کی اور نہ غمگین ہوں اور راضی ہوجائیں اس پر جو دیا تو نے انہیں سب کی سب
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۲﴾
اور اللہ جانتا ہے جو دلوں میں ہے تمہارے اور ہے اللہ بہت جاننے والا بُردبار

۵۲۔**تُرجی۔ ارجاء** سے مشتق ہے جس کے معنی موخر کرنے کے ہیں۔تو پیچھے رکھ دے گا۔ الگ کردے گا۔ **تـئوی۔** ایواء سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کردینے کے ہیں۔تو جگہ دیتا ہے۔ اپنے پاس رکھتا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ایلاء سے تعلق رکھنے والی آیت ہے۔ جب ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا کہ آپؐ کی رفاقت میں تنگدستی میں رہنا چاہیں تو رہیں۔ورنہ آپؐ ان کو دنیا کا سامان دے کر رخصت کردیں۔ اسی طرح آپؐ کو بھی اختیار دیا گیا کہ ان میں سے جسے چاہیں الگ کردیں جسے چاہیں اپنی زوجیت میں رکھیں۔**ممّن عزلت** میں اسی علیحدگی کی طرف اشارہ ہے۔چونکہ ازواجِ نبیؐ نے دارِ آخرت کو دنیا کی فراخی پر ترجیح دی۔ اس لئے فرمایا کہ ان کا تیرے پاس رہنا ان کی راحت کا موجب ہے کہ انہیں کوئی غم نہ ہو اور جو تو ان کو دے اس پر راضی رہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے حال جانتا ہے۔ یعنی نہ آپؐ کو ان کا الگ کرنا پسند تھا نہ وہ آپؐ سے علیحدہ ہونا چاہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے آپؐ بھی اس صفت کو اختیار کرکے اپنے حلیم ہونے کا ثبوت دیں جیسا کہ آپؐ نے تمام ازواجِ مطہرات سے درگزر فرمایا۔

بعض مفسرین نے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ازواجِ مطہرات کی باری وغیرہ میں اختیار مراد لیا ہے اگر یہ معنی ہیں تو بھی آپؐ نے کبھی اس رعایت کا فائدہ نہیں اٹھایا اور ازواجِ مطہرات سے کامل عدل کا سلوک فرمایا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سب ازواج میں برابری فرماتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! جس چیز میں میرا اختیار ہے اس میں تو میں نے برابری کرلی۔(یعنی نفقہ اور باری وغیرہ میں) مگر جس میں میرا اختیار نہیں اس معاملہ میں مجھے ملامت نہ کیجیو۔ (مراد دل کی محبت ہے جس میں انسان کو اختیار

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ
نہیں جائز تیرے لیے عورتیں بعد اس کے اور نہ یہ کہ بدل میں لے تو ان کے
اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ
اور بیویاں اور اگرچہ اچھا لگے تجھے حسن ان کا سوائے اسکے کہ جن کا مالک ہوا دایاں ہاتھ تیرا
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۶ ۱۲ ۳
اور ہے اللہ ہر بات پر نگہبان اے لوگو جو ایمان لائے ہو

نہیں ہوتا)(ترمذی ابواب النکاح باب اماجاء فی تسویۃ الضرائر)

۵۳۔ **حُسنُهنَّ** ۔ان کی خوبیاں۔ **لایحلُّ لک انسآء** کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ عام مومنوں کو تو آزادی ہے کہ چار چھوڑ کر اور کرلیں مگر نبیؐ کو یہ اجازت بھی نہیں ۔**الاّ ماملکت بیمینک** جو ترے نکاح میں آ چکیں ،اب اور نہیں۔(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۷۵)

اب آپؐ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائیں۔جب بیبیوں نے دین کی خاطر آپؐ کی رفاقت اختیار کی تو بیبیوں کی پاسداری کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا۔اس وقت آپؐ کے نکاح میں نو بیبیاں تھیں نہ صرف یہ کہ مزید نکاح سے روک دیا بلکہ ان بیبیوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ اور نکاح کرنے سے بھی روک دیا گیا۔**الاماملکت** سے زیرنگیں بھی مراد ہیں یعنی وہی بیبیاں جو بذریعہ عہد نکاح آپؐ اپنی زوجیت میں لے چکے تھے۔اگر اس سے مراد لونڈیوں کی اجازت ہے تب بھی آپؐ نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔۷ھ کے بعد آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا جبکہ واقعہ ایلاء نویں سال میں پیش آیا۔نکاح کی بڑی ضرورت جنگوں کی وجہ سے پیش آئی جب جنگوں کا خاتمہ ہوگیا ،عرب میں امن قائم ہوگیا تو مزید نکاحوں کا بھی جواز نہ رہا۔حُسن میں ظاہری اور باطنی دونوں خوبیاں شامل ہیں یہاں یہ معنی ہیں کہ خواہ ان عورتوں کی خوبیاں تجھے پسند آئیں اور وہ تمہیں اچھی لگیں۔ بیشک نکاح میں تقویٰ کو اولیت حاصل ہونی چاہیئے لیکن اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نکاح اس عورت سے ہونا چاہیئے جو ظاہری طور پر بھی قبول صورت ہو اور پسند ہو۔زبردستی کی شادیاں جن میں لڑکے لڑکی کی پسند کا دخل نہ ہو اسلامی رو سے جائز نہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا''سب سے برکت والی بیوی وہ ہے جس کا بوجھ کم ہو۔ (یعنی مالی طور پر زیادہ بوجھ ڈالنے والی نہ ہو) اور وہ حسین چہرے والی اور عصمت کی حفاظت کرنے والی ہو۔''

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
نہ داخل ہو گھروں میں نبی کے مگر یہ کہ اجازت دی جاوے تمہیں کھانے کے لیے

غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا
نہ انتظار کرنے والے پکنے کا اسکے دیکن جب بلائے جاؤ تم تو داخل ہو پھر جب

طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ
کھاچکو تم تو منتشر ہو جاؤ اور نہ لگے رہنے والے بات میں یقیناً

حضرت حکیم نورالدینؓ کی پہلی بیویوں سے اولاد نہیں تھی۔حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کے لئے نکاح کی تحریک فرمائی۔حضور کو ایک شریف خاندان کی لڑکی کا بتایا گیا۔آپ نے شکل کا پوچھا تو بتایا گیا کہ شکل تو معمولی ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے کوئی اور رشتہ تلاش کرنے کو کہا۔آخر ایک نہایت پاکباز پیر خاندان کی خوش شکل لڑکی سے حکیم صاحب کا نکاح ہوا جس سے آپ کی اولاد ہوئی۔

مشہور ماہر نفسیات ڈیل کارنیگی اپنی شہرہ آفاق کتاب How to stop worrying and start living میں لکھتے ہیں۔اپنی زندگی کے دو اہم ترین فیصلے کرنے سے پہلے جہاں تک ممکن ہو غور و خوض اور مشورہ کریں۔خوب سمجھ سوچ کر فیصلہ کیجئے۔ا۔روزی کمانے کے لئے کون سی لائن اختیار کرنی ہے۔۲۔بیوی کسے بنانا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان فیصلوں کے لئے استخارہ کا طریق بتلایا۔

بیوی کا تمام عمر کا ساتھ ہے۔اسی لئے آپؐ نے منگیتر کو دیکھ لینے کا ارشاد فرمایا۔تا دِلوں میں انسیت پیدا ہو۔حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک جگہ منگنی کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اس لڑکی کو دیکھ لو کیونکہ اس طرح دیکھنے سے تمہارے اور اس کے درمیان موافقت اورالفت کا امکان زیادہ ہے۔(ترمذی کتاب النکاح باب فی النظرالی المخطوبة) اللہ ہر بات پر نگہبان ہے۔وہ اپنے بندوں کی ضرورتوں کو جانتا ہے اوران کے مطابق احکام نازل فرماتا ہے۔

۵۴۔**غیرَ نٰظرینَ**۔منتظر نہ رہو۔**اِنٰهُ**۔**اِنَا** کھانا پکنے کا معنی دیتا ہے **اَنَا**۔میں۔ **مستانسینَ**۔**اُنس** پکڑنے والے۔بات سننے والے۔(باتوں میں) لگے رہنے والے۔

اس رکوع میں بعض معاشرتی آداب بتائے گئے جو امت کی اصلاح کے لئے اس وقت بھی اہم تھے اور آج بھی اتنے ہی اہم ہیں۔نیز منافقین کی ایذادہی کا علاج بتایا اور انہیں تنبیہ

ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ
یہ بات ہے ایذا دیتی نبی کو پس وہ شرماتا ہے تم سے اور اللہ نہیں شرماتا

مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔــلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ
حق بات سے اور جب مانگو تم ان عورتوں سے سامان تو مانگو ان سے پیچھے سے

حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا
پردہ کے یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے دلوں کے لیے اور انکے دلوں کے لیے اور نہیں

كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا
ہے مناسب تمہارے لیے کہ تم ایذا دو رسول کو اللہ کے اور نہ یہ کہ نکاح کرو

اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
بیویوں سے اسکی بعد اسکے کبھی بھی یقیناً یہ بات ہے نزدیک اللہ کے

عَظِيْمًا ۵۴ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔـا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بہت بڑی اگر تم ظاہر کرو کچھ یا تم چھپاؤ اسے تو یقیناً اللہ ہے

فرمائی۔عرب میں کئی غیر مہذب طریق رائج تھے۔بغیر اجازت دوسروں کے گھروں میں چلے جاتے، بن بلائے دعوت میں شریک ہونے کو معیوب نہ سمجھتے۔کبھی وقت سے بہت پہلے پہنچ جاتے اور کھانا پکنے کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔دعوت کے بعد اکثر رات گئے تک گپ شپ میں مشغول رہتے اور اہل خانہ کی تکلیف کا باعث بنتے۔اس آیت میں ان تمام امور میں ہدایات فرمائیں۔اس آیت کا نزول حضرت زینبؓ بنت جحش کی شادی کی دعوت کے موقع پر ہوا۔(ترمذی میں اس واقعہ کی تفصیل درج ہے) کہ کھانے کے بعد حضور ﷺ کمرے میں تشریف لائے تو حضرت زینبؓ دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھی تھیں اور لوگ گپ شپ میں مشغول تھے۔آپؐ باہر نکل گئے اور ازواجِ مطہرات کے گھروں میں خیرت پوچھنے چلے گئے۔واپس آئے تو بھی کچھ لوگ بیٹھے تھے۔آپؐ پھر باہر تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ کے گھر چلے گئے۔جب وہ لوگ چلے گئے تو آپؐ تشریف لائے۔تب یہ آیات نازل ہوئیں اور بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کے گھروں بلکہ غیروں کے گھروں میں بھی بلا اجازت جانا مناسب نہیں۔جب دعوت میں بلایا جائے تو ضرور جاؤ لیکن بہت پہلے پہنچ کر اپنا اور اہل خانہ کا وقت ضائع نہ کرو اور نہ بعد میں دیر تک باتوں میں مشغول رہو اور نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صاحب خانہ کو اذیت دو۔آپؐ کی طبیعت میں حجاب تھا،اپنی تکلیف پر کسی کو کچھ کہنا گوارا نہ تھا۔لیکن ربّ رحیم کو حق بات کہنے سے حجاب نہیں اسے اپنے محبوب کی تکلیف کا احساس تھا۔پس مومنوں کو نہایت عمدہ نصائح فرمائیں اورانہیں دیگر امور کے علاوہ وقت

کی قدر کا احساس دلایا۔ پابندئ وقت اوروقت کی قدر کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ آج بھی مہذب قوموں کی ترقی کا یہی راز ہے۔ نپولین نے کہا میں جنگ ہار سکتاہوں مگر وقت ضائع نہیں کرسکتا۔۔۔میرے حریف چندلمحوں کو کچھ نہیں سمجھتے اور میں چندلمحوں کی قدر وقیمت جانتاہوں۔ تاریخ میں ہے کہ نپولین کی شکست کا سبب یہی تھا کہ اس کی فوج وقت پر نہ پہنچ سکی۔

آپ پر یہ الزام لگایا جاتاہے کہ آپؐ نے اپنے آرام کی خاطر یہ ہدایات قرآن میں داخل کیں۔دراصل آپؐ کے کاندھوں پر جس قدر ذمہ داریوں کا بوجھ تھا اس کا تصور کوئی دوسرانہیں کرسکتا۔آپؐ کی مصروفیات کا کچھ اندازہ آپؐ کے ان اشغال سے کیاجاسکتا ہے۔آپؐ ایک بیدار مغز حکمران اور بہترین منتظم تھے۔دشمن کے منصوبوں اورمنافقین کی ریشہ دوانیوں سے پوری طرح باخبر رہتے اوران کا سد باب فرماتے۔جنگوں میں ایک سپاہی کی طرح شامل ہوتے اورایک تجربہ کار جرنیل کی طرح فوجوں کی کمان کرتے۔آپؐ قاضی بھی تھے اور مقنن بھی۔ آپؐ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے وحی الٰہی خود یاد کرتے اور صحابہ کرام کو یاد کرواتے۔ ان کو اخلاقِ فاضلہ پر قائم کرنے کے لئے ان کی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے ہر دم کوشاں رہتے۔ہر مسلمان کی خیریت کا علم رکھتے اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ نمازوں کی امامت کے علاوہ وعظ ونصیحت ، خطبہ جمعہ، خطبہ نکاح اورنماز جنازہ پڑھاتے اور ،میت کے ساتھ قبرستان جاتے اور تدفین میں حصہ لیتے۔ بیکسوں کی مدد فرماتے اور گھر کے کام کاج میں ازواجِ مطہرات کا ہاتھ بٹاتے ۔ تمام رات وقفہ وقفہ سے تہجد اداکرتے اور اپنے ربّ کے حضور دعائیں اور گریہ وزاری کرتے۔ غرض آنحضرتﷺ کی پوری زندگی اپنے ربّ کو راضی کرنے ،بندگان خدا کی تعلیم و تربیت اوران کی خدمت کے لئے وقف تھی۔اس پر یہ الزام لگانا کہ آپؐ کو اپنے آرام کا خیال تھا ،آپؐ کی شان میں سخت گستاخی ہے۔

پردہ کے متعلق یہ سب سے پہلے احکام ہیں جب غیر محرم مردوں کو گھروں میں آنے سے روکا۔فرمایا کوئی شے طلب کرنی ہوتو پردہ کے پیچھے سے مانگیں۔اس کے بعد(سورۃ النور رکوع ۴) کے احکام نازل ہوئے جو ترتیب میں پہلے رکھے گئے ۔(استفادہ فرمایئے)اس سورۃ میں(:۳۳ تا ۳۵)میں اسی ضمن میں احکام گزرے ہیں۔اگلی آیات میں مزیداحکامات دیئے۔اسلامی احکام گہری حکمت پر مبنی ہیں۔ایک پاکیزہ معاشرہ کے وجود کے لئے گناہ کے ساتھ گناہ کے تمام لوازم کو بھی حرام قرار دیا۔ شراب حرام کی تو شراب کا بنانا، بیچنا حتیٰ کہ اٹھا کر لے جانا تک حرام کیا۔اسی طرح پردہ کے تعلق میں غضِ بصر کا حکم دیا بلا ضرورت بن سنور کر پھرنے پر پابندی لگائی ، چادر کا حکم دیا(: ۶۰)

احادیث میں حضرت عمرؓ کی جن تین باتوں میں باری تعالیٰ کے ساتھ موافقت کا ذکر ہے ان میں سے ایک پردہ کا حکم ہے۔حضرت عمرؓ نے آنحضرتﷺ سے عرض کی کہ آپؐ کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں،نیک بھی اور بد بھی آپ ازواجِ مطہرات کو پردہ کا حکم دیجیئے ۔نبی کریمﷺ شریعت کے احکام میں خود مختار نہیں تھے بلکہ وحی الٰہی کا انتظار فرماتے۔باوجود اس کے کہ امہات المومنین اور صحابہ کرام پاکیزگی کے اعلیٰ مقام پر تھے اورازواجِ مطہرات امت کی مائیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے پردے کے احکام نازل فرمائے۔فرمایا دلوں کی پاکیزگی کے لئے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے۔یہ بھی مراد ہے کہ ظاہری حجاب کے ساتھ پاکیزگی قلوب بھی مدنظر رہے۔حالات اور ضرورت کے تحت پردے میں لچک موجود ہے تاہم غضِ بصر اورسادگی کی شرط بدستور قائم رہے گی۔ فرمایا تمہارے لئے ہرگز جائزنہیں کہ تم کوئی ایسی بات کرو جو رسول کے لئے ایذا کا باعث ہو۔یہ ایذا منافقوں کا رسول اللہ اورامہات المومنین کے بارہ میں غلط باتوں کا پھیلانا تھا جس میں بعض دفعہ کمزور مومنین بھی شامل ہوجاتے۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر الزام لگاکر آپؐ کو اذیت دی یا حضرت زینبؓ کے معاملہ میں غلط باتیں مشہور کیں۔ازواجِ مطہرات کو امہات المومنین کا اعزاز دیا گیا اور اس بات سے منع فرمایا کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص ان میں سے کسی کو اپنے نکاح میں لائے۔ فرمایا یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔دراصل بعض رشتے تعظیمی ہونے کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں مثلاً ساس ، بہو ، سوتیلی ماں اور ازواجِ نبی۔ظاہر ہے کہ میاں بیوی میں مدارج کی برابری ہے۔جب فریقین میں عظمت کا سوال آجائے اور برابری نہ رہے وہاں حرمت بھی آجائے گی۔نیز اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نکاح کی اصل غرض ہی یہ تھی کہ یہ امت کے لئے بطور نمونہ ہوں اور ایک ماں کی طرح ان کی تربیت کی ضامن ہوں۔جبکہ دوسرے نکاح سے یہ غرض باطل ہوجاتی۔حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رفاقت میں ازواجِ مطہرات کی تربیت اس انداز سے ہوئی کہ ان کی نظر میں دنیا اور دنیا کی آسائشوں کی اہمیت ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں رہی اور وہ تمام دنیوی آسائشوں کو خدا اور رسول کی خاطر ترک کرچکی تھیں۔یہ بھی ایک آسائش تھی جسے ترک کرایا گیااور انہیں دین سیکھنے اور سکھانے کے لئے مختص کردیا گیا۔حضرت حذیفہؓ کا قول ہے کہ ہر عورت جنت میں اپنے آخری شوہر کے ساتھ ہوگی۔(قرطبی) اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو رسول اللہﷺ کی زوجیت کی وجہ سے جو عزوشرف دنیا میں عطا فرمایا، عین ممکن ہے اس کو آخرت اور جنت میں باقی رکھنے کے لئے یہ حکم ہوا ہو جو ان سے خاص تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْ اٰبَآئِهِنَّ وَلَا
ہر بات کو خوب جاننے والا نہیں کوئی گناہ ان پر بارہ میں (سامنے ہونے) اپنے باپوں کے اور نہ

اَبْنَآئِهِنَّ وَلَا اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَا
اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ

اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ
اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ انکے کہ جنکے مالک ہوئے داہنے ہاتھ ان کے

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۶﴾
اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ ہے ہر بات پر نگہبان

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
یقیناً اللہ اور فرشتے اس کے رحمت بھیجتے ہیں نبی پر اے لوگو جو

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
ایمان لائے ہو درود بھیجو اس پر اور سلام بھیجو خوب سلام بھیجنا یقیناً جو لوگ ایذاء دیتے ہیں

۵۵۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم یا ازواجِ مطہرات کے متعلق کسی کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو یا بدظنی کرے تو خواہ وہ اسے ظاہر کرے یا چھپائے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

۵۶۔ ازواجِ مطہرات کے علاوہ یہ حکم عام ہے۔یہ استثنا اظہار زینت میں ہے کہ ان قریبیوں کے سامنے تقویٰ کی شرائط کے ساتھ زینت کا اظہار جائز ہے۔ تفصیل (سورۃ النور:۳۱۔۳۲۔) اس میں تمام محرم رشتہ دار شامل ہیں نسبی ہو یا رضاعی۔پردے کے احکام میں بھی تقویٰ کا حکم دیا کہ اگر اور کوئی نہیں دیکھتا تو اللہ تو دیکھتا ہے۔

۵۷۔**یُصَلِّي**۔ وہ درود بھیجتا ہے۔ وہ نماز پڑھتا ہے۔صلوٰۃ دعا ہے۔نماز چونکہ دعا پر مشتمل ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہاجاتا ہے۔ **صلوٰۃ** ۔دعا۔ دعائے خیر۔ رحمت خاصہ۔ حمد وثنا۔ اعلیٰ درجہ کی وہ دعا مانگنا جس سے انسان پر گناہ کا تصرف باقی نہ رہے۔ نماز۔**سلّموا تسلیماً**۔ تم سب کثرت سے سلام بھیجو۔ **سلّموا تسلیمًا** میں آپؐ کے لئے سلامتی طلب کرنا اور آپؐ کی اطاعت شامل ہے۔

آیت :۴۴ میں درود شریف کے فضائل و برکات بیان فرمائے یہاں مزید وضاحت فرمائی۔ کہ اگر کوئی اندھیروں میں بھٹک رہاہے اور روشنی کا طالب ہے تو درود شریف کی کثرت اسے منزل مقصود تک پہنچادے گی یعنی درود کا فیض اسے اس کے ربّ سے ملادے گا۔فرمایااللہ تبارک و تعالیٰ اوراس کے ملائکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی اس پر

درود بھیجو اور کثرت سے اس پر سلام بھیجو۔حضرت کعب بن عجزہؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی۔اے اللہ کے رسول! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے۔ (تشہد میں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلادیجیئے تو آپؐ نے نماز والا درود شریف بتلایا جو سب سے افضل ہے۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی۔ صحیح بخاری) پس سب سے بہتر درود یہی ہے جو اپنی فضیلت کی وجہ سے نماز میں شامل ہے۔احادیث میں دیگر درود شریف بھی درج ہیں اور اپنی زبان میں بھی درود و سلام بھیج سکتے ہیں۔ تاہم مومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو براہِ راست فیض نہیں پہنچاسکتے نہ براہِ راست فیض حاصل کرسکتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ آنحضرت ﷺ پر رحمت و برکت نازل فرما۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے لئے مانگی ہوئی دعاؤں کو رد نہیں کرتا۔ہمارے درود لازماً آنحضرت ﷺ تک پہنچ جاتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں جو شخص نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر ستر (۷۰) مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔(احمد) حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اس سے کہیں بڑھ کر گناہوں کو نابود کرتا ہے جتنا کہ ٹھنڈا پانی پیاس کو اور آپ ﷺ پر سلام بھیجنا گردنوں کو آزاد کرنے سے بھی زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت اللہ کی راہ میں جان دینے یا جہاد کرنے سے بھی افضل ہے۔(تفسیر الدر المنثور جلد۶ صفحہ ۶۵۴) اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ درود کی برکت سے بندوں پر لامتناہی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔اس محسنِ اعظم کے بنی نوع انسان پر بے حد وحساب احسانات ہیں جن کا معمولی سا بدلہ یہ ہے کہ ہم ربِّ جلیل سے آپؐ اور آپؐ کی آل کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ یہ شان صرف ہمارے رسول ﷺ محبوب کبریا کی ہے۔کسی دوسرے نبی کی شان میں ایسے کلمات نہیں آئے۔آپؐ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ دعا کے لئے اپنی ذات کو مختص فرماتے۔آپؐ نے اپنے ساتھ اپنی آل کو بھی شامل فرمایا یعنی آپؐ کی ازواج اور ذریت کے علاوہ آپؐ کے سچے متبعین بھی شامل ہیں خواہ وہ قیامت تک آئیں ۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کی آل سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہر نیک اور متقی آدمی میری آل میں شامل ہے۔ (المعجم الصغیر للطبرانی باب الجیم من اسم جعفر صفحہ ۱۱۵ ۔الدرالمنثور جلد۳ صفحہ۱۸۳) آپؐ نے صحابہ کرام کو **اللّٰھُمَّ صل علیھم** کے الفاظ میں دعا دی۔بعد میں یہ الفاظ انبیاء کے لئے مخصوص ہوگئے۔احادیث میں درود کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔درود کا پڑھنا موجبِ ثواب، بہت بڑی

نیکی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔(جامع ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب فضل الصلوٰۃ علی النبی حدیث نمبر ۴۴۶) بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔(ترمذی) وہ اللہ کے فضلوں سے محروم رہنے والا ہے۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کے خطرات اور ہولناک مواقع سے تم میں سے سب سے زیادہ محفوظ اور نجات یافتہ وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔ میرے لئے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود ہی کافی تھا یہ تو اللہ نے مومنوں کو ثواب پہنچانے کا ایک موقع بخشا ہے۔(تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳) نماز میں درود کا پڑھنا مسنون ہے۔جب آپؐ کا نام آئے ، درود پڑھنا مستحب ہے۔ پیارے رسولﷺ کے لئے درود پڑھنا آپؐ کے لئے سب سے عظیم دعا ہے جو آپؐ نے خود سکھلائی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے) ”اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپؐ کی روح میں وہ صدق و وفا تھا اور آپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکر گزاری کے طور پر درود بھیجیں۔“ (ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔جلد اوّل صفحہ ۲۴ مطبوعہ ربوہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے درود شریف میں حضرت ابراہیمؑ والے انعامات کے لئے دعا فرمائی ۔ حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء تھے آپ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ تھا کہ آپ کے بعد تمام انبیاء آپ کی اولاد میں سے آئے۔درود شریف ایسی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور شرفِ قبولیت حاصل کرچکی ہے پس محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آنے والے تمام انبیاء آپؐ کی روحانی اولاد میں سے ہوں گے۔ مومنین کے لئے اپنی عام دعاؤں سے پہلے اور پیچھے سورۃ فاتحہ اور درود شریف کا پڑھنا اللہ کے فضل اور احسان سے قبولیتِ دعا کا ضامن ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ ۲۴رفروری ۲۰۰۶ء میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ دعا زمین اور آسمان کے درمیان ٹھہر جاتی ہے جب تک کہ مجھ پر درود نہ بھیجا جائے اس کا کوئی حصہ آسمان تک نہیں جاتا۔(کتاب الصلوٰۃ جلد اوّل جامع بخاری صفحہ ۱۵۷) حضور انور نے فرمایا! کہ درود کے بے شمار فضائل و برکات ہیں۔اس کے ذریعہ قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے تنگی دور ہوتی ہے اور مشکلات حل ہوجاتی ہیں پس اس

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ
اللہ کو اور رسول کو اس کے لعنت کریگا ان پر اللہ دنیا میں اور آخرت میں اور اس نے تیار کیا

لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
ان کے لیے عذاب ذلیل کرنیوالا اور جو لوگ ایذاء دیتے ہیں مومن مردوں اور

الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا
مومن عورتوں کو بغیر اس کے کہ کچھ کیا انہوں نے تو یقیناً اٹھایا انہوں نے بہتان

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ ع ۶ ۴
اور گناہ کھلا کھلا اے نبی تو کہدے اپنی بیویوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور

محسن نبی کے احسانات کو یاد کرکے تضرع کے ساتھ درود بھیجنا چاہیئے اور درود بھیجنے سے کبھی تھکنا نہیں چاہیئے۔حضور انور نے فرمایا کہ احمدیوں کا فرض ہے کہ جہاں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں وہاں اپنے ماحول میں دوسروں کو بھی سمجھائیں کہ وہ ایسی راہ اختیار کریں جسے اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا ہے اور وہ ہے کثرت کے ساتھ درود پڑھنا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر درود نہیں بھیجتا اس کا کوئی دین ہی نہیں۔ حضور نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجو۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اپنے نفسوں کو ٹٹولو کہ کس حد تک محبتِ رسول ہے۔

۵۸۔اللہ تعالیٰ کا لعن ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی اور آخرت میں عقوبت کا مستحق ہونا ہے۔انسان کی طرف سے کسی پر لعنت ڈالنا ۔بددعا اور پھٹکار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کفار اور منافقین کی ایذارسانی کا ذکر جاری تھا۔یہاں بتایا کہ رسول اللہﷺ کو ایذا دینا گویا خدا کو ایذا دینا ہے۔ ملحقہ آیت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر رحمت نازل فرماتا ہے یہاں بتلایا کہ رسول اللہﷺ کو ایذا دینے والے دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوں گے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے نعوذباللہ رسول اللہﷺ کو ذلیل کرنے کی کوشش کی۔

۵۹۔ چونکہ مومنین کو قبولِ حق میں گراں ترین قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور وہ سخت آزمائشوں سے گزرتے ہیں اس لئے فرمایا کہ رسول کو ایذا دینا ہی قرب الٰہی سے دوری کا باعث نہیں بلکہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بلا کسی قصور کے مصائب کا نشانہ بنانا بہتان اور گناہ مبین کا ارتکاب ہے۔چونکہ مومنین پر ناکردہ گناہوں کا الزام عائد کرکے ان کی ایذا رسانی کے مرتکب ہوئے اس لئے ان لوگوں نے بہتان اور بھاری گناہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھالیا ہے۔

نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ
بیویوں کو مومنوں کی کہ وہ لٹکا دیں اپنے اوپر چادریں اپنی
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
یہ بات بہت قریب ہے کہ وہ پہچانی جاویں تا نہ دکھ دی جائیں اور ہے اللہ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٦٠ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ضرور اگر نہ باز آئے منافق اور وہ لوگ کہ

٦٠۔**یُدنین۔ دنیٰ**۔قریب ہوا۔اسی سے دنیا ہے۔**یُدنینَ** وہ لٹکاویں۔ چادروں کے قریب کرنے سے مراد ان کا اوڑھنا اور لٹکانا ہے۔ گویا بڑی چادر کو تھوڑا سا کھینچ کر گھونگھٹ یا نقاب کی صورت چہرے پر لے آئیں۔ **جلابیب** ۔ جلباب کی جمع ہے۔وہ کپڑا جو لباس کے اوپر لیا جائے۔ بڑی چادر یا اورکوٹ وغیرہ۔ انصار عورتیں اوپر سیاہ لباس پہنتی تھیں۔(روح المعانی)

تفصیل کے لئے (سورۃ النور۔ ۳۲۔ الاحزاب:۳۳۔۳۴۔)اس وقت آپؐ کی صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہؓ زندہ تھی۔مومنوں کی بیٹیوں کو رسول کی بیٹیاں کہا۔یہاں اہل بیت کے ساتھ تمام امت کی بیٹیاں مخاطب ہیں کہ باہر نکلتے وقت اپنی بڑی چادریں اوڑھ لیں اور اس کے کچھ حصہ سے چہرہ کا پردہ کریں۔یہ زیادہ مناسب ہے تا کہ پہچانی جائیں اور بدکردار لوگوں کے ضرر سے محفوظ رہیں۔

عرب میں فحاشی کی بڑی وجہ کنیزیں تھیں۔یہ نچلے طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کی مناسب تربیت نہیں ہوئی تھی۔انہیں کام کاج کے سلسلہ میں بازاروں میں گھومنا پڑتا۔ بدقماش قسم کے لوگ یا بعض منافقین ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے لیکن کسی کو شریف خاندانی مومن عورتوں کو چھیڑنے کی جرأت نہیں تھی۔ کبھی کوئی شریف عورت رات کو کسی ضرورت کے تحت باہر نکلتی تو بعض بدکردار لوگ کنیز کے شبہ میں اسے تنگ کرتے ۔بعد میں عذر کرتے کہ ہم نے اس بی بی کو لونڈی خیال کیا۔ان کے شر سے بچنے کے لئے بڑی چادر سے پردہ کا حکم دیا دیگر فوائد کے علاوہ یہ مومن عورتوں کے لئے ایک امتیازی نشان کے طور پر تھا تا کہ پہچانی جائیں ، شریر لوگوں کے فتنہ سے مامون رہیں اور آزار نہ دی جائیں۔ابن جریر سے دونوں قسم کے قول منقول ہیں ایک یہ کہ جلباب سے چہرہ ڈھانپا جاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ پیشانی سے نیچے چہرہ ننگا رکھا جاتا تھا۔اسلام نے بعض دیگر احکام کی طرح پردہ میں بھی عمر، حالات اور ضرورت کے تحت لچک کی گنجائش رکھی ہے۔اگر کسی عورت سے پردہ کے معاملہ میں بے احتیاطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ صرفِ نظر فرمائے گا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ
دلوں میں انکے بیماری ہے اور بد خبریں اُڑانے والے مدینہ میں تو البتہ ضرور ہم پیچھے لگا دینگے تجھے
بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ٦١ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ
ان کے پھر نہ پڑوسی نہیں گے وہ تیرے اس میں مگر بہت کم لعنت کئے گئے
اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ٦٢ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى
جہاں کہیں پائے جاوینگے پکڑے جاویں گے اور قتل کئے جاویں گے خوب قتل کرنا سنت اللہ کی
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ٦٣
ان لوگوں میں جو گذر چکے پہلے اور ہرگز نہ تو پاوے گا سنت کیلئے اللہ کی تبدیلی

شریف عورتوں کو سرِ راہ تنگ کرنے والے منافقین اگر باز آ جائیں تو اللہ غفورالرحیم ہے ضرور معاف فرمائے گا۔

اسلام نے پردہ نشین مستورات کے ساتھ کنیزوں کی عصمت کی بھی حفاظت فرمائی۔اگلی آیت میں بتلایا کہ جو اپنی بیہودہ حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے ان سے سختی سے نپٹا جائے گا۔ لونڈیوں کی اصلاح کے لئے (سورۃ النور ۳۳۔۳۴)میں ان کے نکاح کرنے اوراس معاملہ میں ان کی مدد کرنے کا حکم دیا۔نیز ایسی قوانین بنائے جن سے وقت کے ساتھ غلامی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔البتہ بعد میں مغربی اقوام نے افریقہ کے باشندوں کو غلام بنایا اوران پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔آج امریکہ میں ان کی نسلیں اپنے آباء و اجداد پر کئے گئے مظالم کا بدلہ لے رہی ہیں۔

٦١ تا ٦٣۔**مُرجفون** سے مراد وہ لوگ ہیں جو جھوٹی خبریں پھیلا کر لوگوں میں اضطراب پیدا کرتے ہیں۔ **لنغرینک** ۔غراء وہ ہے جس سے کسی چیز کو دوسری چیز سے چپکا دیا جاتا ہے۔ اغراء برانگیختہ کرنا ہے۔**فاغرینابینھُم العداوۃ**۔(المائدہ:١٥۔) **لنغرینک بھم** ۔ ہم تجھے ان کے خلاف برانگیختہ کردیں گے۔ہم تجھے ان کے خلاف کھڑا کردیں گے۔ان کے پیچھے لگادیں گے۔

آیت ۵۸۔۵۹۔ میں گزر چکا ہے کہ منافقین بلاکسی قصور کے مومنین کو ایذا دیتے اور فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں۔ اب بتایا کہ اگر یہ اپنی شرانگیزیوں سے باز نہ آئے تو ہم انہیں فساد پھیلانے کے لئے کھلا نہیں چھوڑیں گے ۔یہ تیرے پڑوس میں زیادہ دیر نہیں رہ پائیں گے جہاں کہیں فساد کے مرتکب پائے گئے گرفتار ہوں گے اوران کا استیصال کیاجائے گا۔ گرفتاری اور قتل کے احکام اسلامی ریاست میں ان فتنہ پرداز باغی بدمعاشوں کے متعلق ہیں جنھوں نے مومن مردوں اور

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۗ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

پوچھتے ہیں تجھ سے لوگ متعلق قیامت کے تو کہدے سوائے اسکے نہیں کہ علم اس کا پاس ہے

اللّٰهِ ۗ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ

اللہ کے اور کون آگاہ کرے تجھے شاید قیامت ہو قریب یقیناً

عورتوں کو بغیر قصور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کیا۔شریف لوگوں پر بہتان لگا کر ان پر کیچڑ اچھالا۔فتنہ وفساد اورشرانگیز افواہوں سے معاشرہ کا سکون برباد کیا۔ ایک لمبے عرصہ تک ہر طرح کی تنبیہ کے باوجود فساد اور بغاوت پر تلے رہے۔فساد کوئی معمولی چیز نہیں۔ الفسادُ اکبرُ من القتل۔ اس فساد کو ختم کرنے اور امن و امان قائم کرنے کے لئے سخت ترین سزاؤں کا حکم دیا۔یہ انتہائی سزا ہے جو اسلامی ریاست میں کسی مفسد یا سرکش باغی کو دی جاسکتی ہے یہ قاضی کے فیصلہ پر ہے کوئی خود سزا دینے کا مجاز نہیں لیکن عملاً ایسا ہوا نہیں۔اسلامی تاریخ میں ایک بھی مثال نہیں کہ کوئی منافق قتل ہوا ہو۔زیادہ سے زیادہ ان کو یہ سزا دی گئی کہ جو آخرتک منافقت پر مصر رہے انہیں آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ کے دوران وحی الٰہی کی بنا پر نام لے کر مسجد سے نکال دیا۔

اس آیت سے استدلال کرکے بعض غیراز جماعت علماء قتل کا فتویٰ دیتے ہیں ۔ اسلام میں تو مرتد کی سزا بھی قتل نہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں منافقین کے باربار ایمان لانے، پھر کفر کی طرف لوٹ جانے اور پھر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ اگرارتداد کی سزا قتل ہے تو دوبارہ ایمان کیسے لائے ۔ مسیلمہ کذاب اور اسودالعنسی کو اسلامی حکومت میں بغاوت کی سزا دی گئی انہوں نے باقاعدہ فوج اکٹھی کرکے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا اور قتل ہوئے۔

سنت اللہ یہی ہے کہ جب تک تمہارے خلاف ظالمانہ کاروائی نہ کریں تم نہیں کرسکتے۔ اسلام نے وہی تعلیم دی جو پہلے انبیاء کو دی گئی۔

۶۴۔**الســـــاعة** لفظ ساعت کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ گھڑی۔روز قیامت۔ عذاب۔ کسی قوم کی تباہی۔ کسی قوم کی ترقی۔ معین وقت کسی کام کا ، فتح کا، یا نقصان کا۔

تمام قرآنی احکام کی اصل کفارو منافقین کو ساعت سے ڈرانا ہے تاکہ راہِ راست اختیار کریں لیکن یہ کمال ڈھٹائی سے بطور استہزاء پوچھتے کہ ساعت کب ہوگی۔اگرساعت سے مراد وہ گھڑی ہے جب منافقین ذلیل ہوں گے تو وہ گھڑی تو بالکل قریب ہے۔خطبہ جمعہ کے دوران وحی نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نام بنام تمام منافقین کو مسجد سے نکال دیا۔اگر

اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے لعنت کی کافروں پر اور تیار کیا ان کے لیے دوزخ رہ پڑنے والے ہیں

فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ

اس میں ہمیشہ نہیں پاویں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جس روز اوندھے کئے جاویں گے

وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ

مونہہ ان کے آگ میں وہ کہیں گے اے کاش ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور

اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا

اطاعت کی ہوتی رسول کی اور وہ کہیں گے اے رب ہمارے یقیناً اطاعت کی ہم نے اپنے سرداروں کی

وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ

اور اپنے بڑوں کی پس گمراہ کردیا انہوں نے ہمیں راہ سے اے رب ہمارے دے انہیں دُگنا

مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ع ۱۰ ۵

عذاب اور لعنت کر ان پر لعنت بڑی اے لوگو

ساعت کفار ومنافقین کی ہزیمت اور مومنین کی فتح کا دن ہے تو وہ بھی دور نہیں۔عنقریب ایک عظیم انقلاب برپا ہوگا جب تمام نظام کہنہ مٹادئے جائیں گے اور ایک نیانظام قائم ہوگا۔اگر قیامت مراد لی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ قیامت بھی قریب ہی ہے۔

۶۵۔۶۶۔ان کے سوال کے جواب میں کہ ساعت کب ہوگی پھر ان کو قیامت کے ہولناک واقعات اوراشتداد سے ڈرایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے محروم کر دیاہے اور ان کے لئے بڑھکتی ہوئی آگ تیار کی ہے اس میں ایک لمبے عرصہ تک رہتے چلے جائیں گے۔ دنیا کی دوستیاں جو گناہوں میں مدتھیں یہیں ختم ہوجائیں گی وہاں کوئی ان کی مدد کو نہ آئے گا۔

۶۷ تا۶۹۔**تُقَلَّبُ**۔قلب کسی چیز کو پھیرنا اور پلٹنا ہے اسی سے قلب بمعنی دل ہے۔ **تُقَلَّبُ** ۔ پھیرے جائیں گے۔اوندھے کئے جائیں گے۔**سادات** ، سردار۔واحد سیّد ''کسی جگہ ان سرداروں کو جنّ کہا ہے۔اس محکم آیت سے جنّ کے معنی حل ہوگئے۔''(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر۹ صفحہ۴۷۵)

یہاں بتلایا کہ آخرت کی حسرتیں اور پچھتاوے ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں اوندھے کئے جائیں گے تب حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کی بات مانتے اور اقرار کریں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی باتیں مانیں ۔

اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ
جو ایمان لائے ہو نہ ہونا مانند ان لوگوں کی جنہوں نے ایذا دی موسیٰ کو پس بری ٹھہرایا اسے اللہ نے
مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۷۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اس سے جو کہا انہوں نے اور تھا وہ نزدیک اللہ کے عزت والا اے لوگو جو
اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۷۱ يُّصْلِحْ
ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور کہو بات مضبوط وہ درست کردیگا
لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
تمہارے لیے اعمال تمہارے اور بخش دیگا تمہارے لیے گناہ تمہارے اور جو اطاعت کریگا اللہ کی
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۷۲ اِنَّا عَرَضْنَا
اور رسول کی اس کے تو یقیناً وہ کامیاب ہوا کامیابی بہت بڑی یقیناً ہم نے پیش کی

انہوں نے ہم کو سیدھے راستہ سے گمراہ کردیا۔ اے ہمارے ربّ !ان کو دہرا عذاب دے اور ان کو اپنی رحمت سے یکسر محروم کردے۔

۷۰۔ **بَرَّاَهُ**۔ اسے بری کیا۔ اس کی براءت فرمائی۔ اسے پاک کیا۔ **وَجِيه** ۔ خوبصورت پروقار عزت و بزرگی والا۔ مرتبے والا۔

اس آیت کی شان نزول میں لکھا ہے کہ یہ زینبؓ سے نکاح کے قصہ میں نازل ہوئی (روح المعانی) حضرت موسیٰؑ کا ذکر یہاں اصل مقصود نہیں۔ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح صاحبِ شریعت نبی موسیٰؑ پر اتہام لگا کر ان کو ایذاء دی گئی (گنتی۱۱:۱)اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ان تہمتوں سے بری فرمایا اسی طرح زینبؓ کے نکاح کے معاملہ میں منافقین نے ناپاک قصے گھڑے اور آپ کو ایذاء پہنچائی۔ انبیاء علیہم السلام کو ایذاء دینے والے دنیا میں ہی ذلیل ہوئے۔ فرعون غرق ہوا۔ قارون زمین میں دھنس گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دکھ دینے والے جنگوں میں چن چن کر ہلاک ہوئے۔ جو بچ رہے وہ تائب ہوئے۔ مومنین کو جن میں منافقین گھسے ہوئے تھے۔ متنبہ فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل والی بیہودہ حرکات سے باز رہیں۔

قرآن کریم نے موسیٰؑ اور مثیلِ موسیٰ پر لگائے گئے الزامات سے دونوں عظیم المرتبت انبیاء کی براءت فرمائی ۔ توریت اور بعض روایات میں درج تمام ناپاک قصوں کو ردّ فرمایا۔

۷۱۔۷۲۔انبیاء پر اتہام لگانے کے ذکر میں تقویٰ اور قولِ سدید کا حکم ہوا۔ الزام لگانے والے سیدھی اور کھری بات نہیں کرتے گول مول اور ذومعنی بات کرتے ہیں تاکہ پکڑے نہ جائیں۔

الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ
امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پس انہوں نے انکار کیا کہ
يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ
اٹھاویں اسے اور ڈر گئے اس سے اور اٹھایا اسے انسان نے یقیناً وہ
كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۷۳ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ
ہے بہت ظلم کرنے والا بہت جوش والا تاکہ عذاب دے اللہ منافقوں مردوں اور

ان میں یقیناً تقویٰ اور قولِ سدید کی کمی تھی۔ ایک متقی اور سچا انسان کسی عام انسان پر بھی بہتان لگانے کا سوچ نہیں سکتا چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں کچھ کہے۔ تقویٰ جس میں تمام احکام الٰہیہ کی مکمل اطاعت ہے ،بظاہر اتنا آسان نہیں ۔ قرآن کریم میں عموماً تقویٰ کے ساتھ کسی ایسے عمل کا ذکر ہے جس کے اختیار کرنے سے تقویٰ پر عمل آسان ہوجائے۔ یہاں حصولِ تقویٰ میں قولِ سدید کا حکم دیا۔ **اتّقوا اللّٰہ وکونوا مع الصّدقین** ۔ میں تقویٰ کے حصول کو آسان کرنے کے لئے صحبتِ صادقین کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

جو تقویٰ پر قائم ہوگئے اپنی زبان پر قابو پالیا، راست گوئی اور سیدھی بات کو اپنی عادت بنالیا اللہ تعالیٰ ان سے اصلاح اعمال کا وعدہ فرماتا ہے دینی طور پر بھی اور دنیوی طور پر بھی ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال و معاملات کو درست فرمادے گا اور ان کے پچھلے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ فوزِ عظیم ہر اس شخص کے مقدر میں ہے جو اللہ اور رسول کو اپنا مطاع بنائے گا۔ پس وہی حقیقی طور پر بامراد اور کامیاب ہوگا۔

آیت:۷۱ کو خطبہ نکاح میں تلاوت کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے خدا کی وحی سے یا اپنی صوابدید سے منتخب فرمایا۔ اس لئے کہ رشتہ طے کرتے وقت اگر تقویٰ اور قول سدید کو مدنظر رکھا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تمہارے کام سنوار دے گا۔ ازدواجی زندگی میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے اور باہمی اعتماد کے حصول کے لئے تقویٰ اور قولِ سدید پر عمل ہوگا تو تمہارے اعمال کی اصلاح کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ خود ہوجائے گا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمادے گا۔

۷۳۔اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعودؑ کی تفسیر جلد سوم صفحہ ۷۳۶ سے استفادہ کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں ابن جریر جو رئیس المفسرین ہیں ،اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ظلوم اور جھول کے الفاظ محلِ مدح میں ہیں نہ کہ ذمّ میں۔ یہ سورۃ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذات کے متعلق ہی ہے ۔آخر میں یہ آیت گویا خلاصہ ہے آپؐ کے کمالات کا ۔ پچھلی آیت میں بتایا کہ جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ یہاں وضاحت فرمائی کہ خدا اور رسول کی اطاعت ہی شریعت ہے جس پر عمل فوزِ عظیم کے حصول کا موجب ہے ۔ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اعلیٰ وارفع مقام کاذکر ہے اور مومنین کو آپؐ کی تعظیم و تکریم کی خاص تلقین فرمائی ہے۔ اس آخری آیت میں بتایا کہ دیگر انبیاء اور روحانی لوگ بھی پہاڑوں کی طرح مضبوط ، قد آور اور بلند ترین روحانی مقام پر فائز تھے۔ تاہم حضرت موسیٰؑ جیسے صاحبِ شریعت نبی بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ موسیٰؑ کے زمانے میں مادی جلوہ تھا جسے پہاڑ برداشت نہ کرسکا، ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہوگئے۔موسیٰؑ انسان تھے الانسان نہیں تھے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اور پہاڑوں پر پیش کیا۔انہوں نے اس بارگراں کو اٹھانے سے انکار کیا۔ انہوں نے نافرمانی نہیں کی ان کا انکار خوف کی وجہ سے تھا کہ وہ اس ذمہ داری کے متحمل نہیں ہوسکتے اور اس کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تھے۔ ممکن ہے اس امانت کو پیش کرنے کا وقت بھی وہی ہو جب روحوں سے سوال کیا گیا **اَلَستُ بِرَبِّکُم**۔ اور انکار کی وجہ گزشتہ حقائق کے پیش نظر ہو۔ اس لئے کہ تخلیق کائنات بار بار دہرائی جاتی ہے۔

صرف انسانِ کامل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے شریعت یعنی قرآن عظیم کی امانت کو اٹھالیا اور اس امانت کا حق ادا کیا ۔ اس لئے کہ الانسان میں دوخوبیاں تھیں وہ ظلوم او رجھول تھا۔ ظلوم تھا یعنی خدا کی راہ میں اپنے نفس پر بے انتہا ظلم اورسختی کرسکتا تھا اور اپنے نفس کو حرام چیزوں سے روک سکتا تھا۔ جھول وہ ہے جو غیر اللہ سے بکلی غافل اور نادان ہو جائے ۔ اس کے احکام کی بجاآوری میں اپنے جذباتِ نفسانی کو کلی طور پر معدوم کردے اور اس ذمہ داری کے عواقب سے بالکل بے پرواہ ہو۔ نیز یہ بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور آپؐ کے متبعین میں سے ہر ایک نے حسبِ مراتب اپنا تمام وجود اور قویٰ و جوارح جو خدا کی امانت کے طور پر تھے اسی کی راہ میں خرچ کردئے اور امانت کا حق ادا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام طاقتیں ، صلاحیتیں اور توانائیاں اس کے بخشے ہوئے تمام انعامات و عنایات ہمارے پاس اس کی امانت ہیں۔ان سب کو اس کی رضا کے تابع خرچ کرنا مالک کو اس کی امانت کا لوٹانا ہے۔

الْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى

منافق عورتوں — اور مشرک مردوں — اور مشرک عورتوں کو — اور فضل سے متوجہ ہو اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۷۳ ع ۹ ۵ ۶

مومن مردوں پر — اور مومن عورتوں پر — اور ہے — اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا

۷۳۔ تمام انسانوں نے اس امانت کو قبول نہ کیا۔ الانسان نے اسے کامل طور پر قبول کیا اور اس کی اتباع میں اس کے پاک بندوں نے اس امانت کو قبول کیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہواکہ منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات جنہوں نے اس امانت کو قبول نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مورد ہوں گے ۔ وہ مومنین اور مومنات جنہوں نے اس امانت کو قبول کرنے کا اقرار محض زبانی نہیں کیا بلکہ اپنے اقوال اوراعمال سے ثابت کردیا کہ جو امانت لی تھی، کمال دیانت کے ساتھ اس کو واپس لوٹا دی اور حقِ امانت ادا کردیا۔ پس یہی وہ مقربینِ الٰہی ہیں جو موردِ رحمت الٰہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔ اس کے بندوں سے اس امانت کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی ہوگی، اس سے صرف نظر فرمائے گا۔

☆☆☆

ظلوم اور جھول کے الفاظ محلِ مدح میں ہیں نہ کہ ذمّ میں۔ یہ سورۃ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات کے متعلق ہی ہے۔ آخر میں یہ آیت گویا خلاصہ ہے آپؐ کے کمالات کا۔ پچھلی آیت میں بتایا کہ جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ یہاں وضاحت فرمائی کہ خدا اور رسول کی اطاعت ہی شریعت ہے جس پر عمل فوزِ عظیم کے حصول کا موجب ہے۔ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعلیٰ وارفع مقام کا ذکر ہے اور مومنین کو آپؐ کی تعظیم و تکریم کی خاص تلقین فرمائی ہے۔ اس آخری آیت میں بتایا کہ دیگر انبیاء اور روحانی لوگ بھی پہاڑوں کی طرح مضبوط، قد آور اور بلند ترین روحانی مقام پر فائز تھے۔ تاہم حضرت موسیٰؑ جیسے صاحبِ شریعت نبی بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ موسیٰؑ کے زمانے میں مادی جلوہ تھا جسے پہاڑ برداشت نہ کرسکا، ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہوگئے۔ موسیٰؑ انسان تھے الانسان نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ انہوں نے اس بارگراں کو اٹھانے سے انکار کیا۔ انہوں نے نافرمانی نہیں کی ان کا انکار خوف کی وجہ سے تھا کہ وہ اس ذمہ داری کے متحمل نہیں ہوسکتے اور اس کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تھے۔ ممکن ہے اس امانت کو پیش کرنے کا وقت بھی وہی ہو جب روحوں سے سوال کیا گیا **اَلَستُ بِرَبِّکُم**۔ اور انکار کی وجہ گزشتہ حقائق کے پیش نظر ہو۔ اس لئے کہ تخلیق کائنات بار بار دہرائی جاتی ہے۔

صرف انسانِ کامل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے شریعت یعنی قرآن عظیم کی امانت کو اٹھالیا اور اس امانت کا حق ادا کیا۔ اس لئے کہ الانسان میں دو خوبیاں تھیں وہ ظلوم او رجھول تھا۔ ظلوم تھا یعنی خدا کی راہ میں اپنے نفس پر بے انتہا ظلم اور سختی کرسکتا تھا اور اپنے نفس کو حرام چیزوں سے روک سکتا تھا۔ جھول وہ ہے جو غیر اللہ سے بکلی غافل اور نادان ہو جائے۔ اس کے احکام کی بجا آوری میں اپنے جذباتِ نفسانی کو کلی طور پر معدوم کردے اور اس ذمہ داری کے عواقب سے بالکل بے پرواہ ہو۔ نیز یہ بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپؐ کے متبعین میں سے ہر ایک نے حسبِ مراتب اپنا تمام وجود اور قویٰ و جوارح جو خدا کی امانت کے طور پر تھے اسی کی راہ میں خرچ کردئے اور امانت کا حق ادا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام طاقتیں، صلاحیتیں اور توانائیاں اس کے بخشے ہوئے تمام انعامات و عنایات ہمارے پاس اس کی امانت ہیں۔ ان سب کو اس کی رضا کے تابع خرچ کرنا مالک کو اس کی امانت کا لوٹانا ہے۔

الْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى
منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور فضل سے متوجہ ہو اللہ

ع ٩ ٥ ٦ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾
مومن مردوں پر اور مومن عورتوں پر اور ہے اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا

۷۳۔ تمام انسانوں نے اس امانت کو قبول نہ کیا۔ الانسان نے اسے کامل طور پر قبول کیا اور اس کی اتباع میں اس کے پاک بندوں نے اس امانت کو قبول کیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات جنہوں نے اس امانت کو قبول نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مورد ہوں گے۔ وہ مومنین اور مومنات جنہوں نے اس امانت کو قبول کرنے کا اقرار محض زبانی نہیں کیا بلکہ اپنے اقوال اور اعمال سے ثابت کردیا کہ جو امانت لی تھی، کمال دیانت کے ساتھ اس کو واپس لوٹا دی اور حقِ امانت ادا کردیا۔ پس یہی وہ مقربینِ الٰہی ہیں جو موردِ رحمت الٰہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔ اس کے بندوں سے اس امانت کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی ہوگی، اس سے صرف نظر فرمائے گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سبا۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی پچپن آیات اور چھ رکوع ہیں۔

یہ سورۃ مکی ہے۔اس کا زمانہ نزول ۶ نبوی کے لگ بھگ ہے۔ اس سورۃ سے لے کر سورۃ الزمر تک چھ سورتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ان سب کا زمانہ نزول قریباً ایک ہے اور مضامین بھی ملتے جلتے ہیں۔ مکی سورتوں کی طرح توحید اور آخرت کا بیان، حق کی کامیابی اور مختلف انبیاء کے حالات ہیں، جن میں بہت سی نصائح اور پیشگوئیاں ہیں۔پچھلی سورۃ میں بتایا کہ مشرکین و منافقین اور یہود کی مشترکہ کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔اس سورۃ میں دیگر احکام و نصائح کے علاوہ خاص طور پر قوم سبااور حضرت سلیمانؑ کے واقعات بیان فرمائے اور بتایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتیں ان کی شکر گزاری کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ ان کے بعد بنی اسرائیل روحانی اور اخلاقی اقدار کو فراموش کرکے خدائی غضب کے نیچے آئے۔حکومت چھن گئی اور دینی و دنیوی نعمتوں سے محروم ہوئے۔ قرآنی واقعات مسلمانوں کے لئے بطور عبرت تھے کہ مسلمان اقتدار کے نشہ میں خدا کی عبادت سے غافل نہ ہوجائیں اور رسول کی تعلیم پر کاربند رہیں ورنہ جو دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے۔

قوم سبا ملک یمن میں رہتی تھی جو حجاز کے بالکل قریب تھا۔قریش مکہ کی تجارتی اغراض سے یمن میں آمدورفت رہتی تھی۔اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتوں اور پھر ان نعمتوں پر ناشکری کی سزا میں ان کی تباہی سے اہل مکہ واقف تھے۔یہ زمانہ مسلمانوں پر سخت مصائب کا تھا۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں خود کو بہت دولتمند اور صاحبِ حشمت سمجھتے تھے۔ان کے تمسخر و استہزاء کے جواب میں انہیں تنبیہ فرمائی کہ قوم سبا جو حکومت وحشمت اور تہذیب و تمدن میں تم سے بہت عظیم سمجھی جاتی تھی جبکہ ان کے مقابلہ میں تمہاری کچھ بھی حیثیت اور وقعت نہیں ،ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ان کا تکبر،ناشکری اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری ان کی تباہی کا باعث بنی۔تمہارے متکبر اوراللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترانے والے سرداروں کا انجام بھی ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔

آخر میں اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں ایمان ، اعمال صالحہ اور حق کی عظمت کاذکر کیا اور تکذیب انبیاء تکبر اور باطل اعمال پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے متنبہ کیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ کہ جس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۲﴾ يَعْلَمُ

اسی کی سب تعریفیں ہیں آخرت میں اور وہ حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے جانتا ہے

مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ

جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے

السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۳﴾

آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے بہت بخشنے والا

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔**حمد** کے معنی میں تعریف اور شکر دونوں شامل ہیں سورۃ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی لامحدود ملکیت کے ذکر سے کیا جو تمام کائنات پر محیط ہے۔ بیشک دنیا میں حمد کا وہی مستحق ہے لیکن آخرت کو کامل حمد کا حقدار ہوگا جب کوئی اشتباہ نہیں رہ جائے گا اور غیر اللہ کی کلیۃً نفی ہو جائے گی۔اس آیت کا یہ بھی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ابتدا میں بھی حمد تھی اور آخری زمانہ میں بھی ہوگی جب آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور مخفی خزانے نکلیں گے۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد ایک کامل رنگ میں دنیا کے سامنے آئے گی اور انسان پکار اٹھے گا کہ بیشک اس کے تمام کام کمال درجہ کی حکمت پر مبنی ہیں اور وہ اپنی خلق کی ہوئی ہر چیز کی کنہ کو جانتا ہے وہ ان سے بے خبر نہیں ہے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ترجمۃ القرآن کلاس MTA سے استفادہ کیا گیا)

۳۔آسمانوں اور زمین کی مخفی اشیاء کا ذکر تھا اب ان سے کچھ پردہ اٹھایا اور اُس علیم وخبیر کے لامحدود علم کا ذکر کیا۔ بیشک پہلے تراجم بھی درست تھے لیکن آج ان آیات کے مفہوم ایک نئی شان سے سامنے آرہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن ہر زمانہ کے لئے ہے۔سائنسدان ثابت کررہے ہیں کہ مختلف مرئی اور غیر مرئی اشیاء زمین میں داخل بھی ہورہی ہیں اور خارج بھی ہورہی ہیں جیسے بارش کے ساتھ بے شمار اجزاء زمین میں داخل ہوتے ہیں۔سورج کی تپش بھی زمین

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ۚ قُلْ بَلٰى وَ

اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا نہیں آوے گی ہم پر قیامت تو کہدے کیوں نہیں قسم

میں داخل ہوتی ہے۔ زلزلوں سے مختلف اشیاء زمین میں داخل بھی ہوتی ہیں اور خارج بھی ہوتی ہیں درختوں کی جڑیں اور مختلف جانور زمین میں داخل ہوتے رہتے ہیں اور نکلتے بھی ہیں۔ اس طرح مختلف اشیاء زمین سے خارج ہوتی رہتی ہیں مثلاً زمین سے مختلف معدنیات ، نباتات اورتیل وغیرہ نکلتا ہے نیز زمین سے لاوے کے ساتھ پگھلی ہوئی دھاتیں چٹانیں اورگیسیں وغیرہ خارج ہوتی ہیں اور زمین کے اندر کی شدید گرمی کی وجہ سے زمین سے مختلف توانائیاں خارج ہوتی رہتی ہیں اور بھی لاتعداد حقائق ہیں جن سے رفتہ رفتہ پردے اٹھ رہے ہیں۔

اسی طرح آسمان سے مختلف چیزیں اترتی ہیں ۔ فضا میں ٹوٹنے والے شہاب ثاقب کے ذرات کی بارش ہوتی رہتی ہے جو زمین کے حجم میں اضافے کا باعث ہیں نیز آفتاب کی حرارت ہم تک پہنچاتے ہیں اور بارش برسانے میں ممد ہیں۔فضا سے کاسمک ریڈی ایشن (Cosmic Radiation) اور سورج سے الٹرا وائلٹ (Ultra violet Rays) قسم کی مختلف شعائیں زمین پر پڑتی رہتی ہیں۔ سورج کی حدت اور روشنی زمین پر اترتی ہے نیز کروڑوں اجرام سماوی کی شعائیں زمین تک پہنچتی ہیں جو پھولوں میں تنوع کا باعث ہیں۔ چاند کی کشش بھی زمین پر اثر انداز ہوتی ہے جو سمندروں میں مدوجزر پیدا کرتی ہے ۔بارش کے ساتھ بھی نائٹروجن اور بہت سے مفید اجزاء نیچے اترتے ہیں۔اسی طرح بخارات ،گرد و غبار اور مختلف گیسیں اوپر کی طرف چڑھتی ہیں نیز ریفریجریٹر اور ایرکنڈیشنر وغیرہ سے ایک نقصان دہ گیس C.F.C اوپر چڑھتی ہے۔غرض یہ اتنا وسیع علم ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔روحانی طور پر کلمہ طیبہ اور مومنین کی دعائیں اوپر چڑھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں او رانوارالٰہی نیچے اترتے ہیں۔

یہاں اشارہ کیا کہ جو اقوام ان کائناتی قوتوں کو مسخر کریں گی اوران سے فوائد حاصل کریں گی وہ تکبر میں خود کو دوسری اقوام سے بالا اورانہیں حقیر جانیں گی۔ اللہ تعالیٰ الرحیم الغفور ہے وہ ان کو جلد نہیں پکڑے گا۔ انہیں ڈھیل دے گا کہ شاید ہدایت حاصل کرلیں۔ رحیم کو پہلے رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سورۃ میں رحیمیت کا مضمون غالب ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے رحم کو باربار دہراتا ہے اور معاف فرماتا ہے۔

۴۔**الساعة** کے معنی سورۃ الاحزاب آیت ۶۴ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

رَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ

ہے رب کی میرے البتہ ضرور آئے گی تم پر جاننے والا غیب کا نہیں پوشیدہ ہوتی اس سے (کوئی چیز) ہموزن

ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ

ذرہ کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ چھوٹی اس سے

وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور نہ بڑی مگر کتاب بیان کرنے والی میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

اور انہوں نے عمل کئے نیک یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لیے بخشش ہے اور رزق

كَرِيْمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ أُولٰٓئِكَ

عزت والا اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی آیات میں ہماری عاجز کرنیوالے ہو کر یہ لوگ وہ ہیں کہ

عالم الغیب کے رازوں کا نہایت معمولی علم حاصل کرکے یہ اقوام ساعت سے منکر ہوجائیں گی کہ نہ ہم پرکوئی قریبی ہلاکت آئے گی ، نہ ہم زوال پذیر ہوں گی اورنہ انہیں قیامت پر یقین ہوگا۔قیامت کاانکار کرنے والوں کے لئے اس سے بہتر قسم نہیں ہوسکتی بتایا جس کا رب عالم الغیب ہے وہ یہ خبر دے رہاہے کہ تم پر یہ گھڑی ضرور آئے گی۔

اس زمانہ میں ذرہ سے کم کسی چیز کا تصور نہیں تھا۔بتایا عالم الغیب کو ذرہ سے بھی چھوٹی چیز کا علم ہے جس تک تمہارا علم نہیں پہنچا ہاں آنے والی اقوام اسے دریافت کرلیں گی۔قرآن کریم کھلی کھلی کتاب ہے۔اس میں وہ سب موجود ہے جس کا علم تمہیں رفتہ رفتہ ہوتارہے گا۔صحیفۂ کائنات بھی کتابِ مبین ہے جسے آج کے سوچنے اور تحقیق کرنے والے سائنسدانوں نے پڑھا اور خدائی عجائبات کے راز کھولے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ترجمۃ القرآن کلاس MTA سے استفادہ کیا گیا)

۵۔ساعت کے برحق ہونے کا ذکرتھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کا علم ہے اور وہ کتابِ مبین میں محفوظ ہے۔ یعنی ہر چیز کا ریکارڈ رکھاجاتاہے۔اب سائنسدان یہ دریافت کرچکے ہیں کہ فضا میں ہر آواز اور حرکت محفوظ رہتی ہے۔قیامت کومومن کو جزا او رکافر کوسزا دینے کے لئے یہ ریکارڈ بطور گواہ ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جب اعمال پیش کئے جائیں گے تو انسان حیران ہوگا کہ یہ کتاب چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہیں چھوڑتی ۔ بیشک جرائم کی سزا ملے گی لیکن اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفتِ مالکیت ایک نئی شان سے جلوہ افروز ہوگی بندوں کی مغفرت بھی

لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝٦ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا
ان کیلئے عذاب ہے سخت قسم کا دردناک اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جو دیئے گئے

الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ
علم کردہ جو اتارا گیا طرف تیری طرف سے رب کی تیرے وہی حق ہے اور

يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٧ وَقَالَ الَّذِيْنَ
وہ ہدایت دیتاہے طرف راہ (اللہ) عزت والے خوبیوں والے کی اور کہا ان لوگوں نے جنہوں

كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ
نے کفر کیا کیا ہم آگاہ کریں تم کو ایک شخص پر جو خبر دیتا ہے تمہیں جب ریزہ ریزہ کئے جاؤ گے تم

كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝٨ اَفْتَرٰى عَلَى
بالکل ریزہ ریزہ کیا جانا یقیناً تم البتہ پیدائش نئی میں ہوگے کیا باندھ لیا ہے اس نے

اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
اللہ پر جھوٹ یا اسے جنون ہے (نہیں) بلکہ وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے

ہوگی اور رزق کریم سے بھی نوازے جائیں گے۔

۶۔حساب کتاب کے ذکر میں فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات کو عاجز دکھانے ، ہمارے انبیاء کو جھٹلانے اوران کو ان کے مقاصد میں ناکام بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کازور لگاتے ہیں ان کے لئے عذاب الیم میں سے ایک دردناک عذاب مقدر ہے یعنی انہیں عذاب کا کچھ حصہ ملتاہے۔یہ دنیا کے عذاب کی طرف اشارہ ہے جبکہ آخرت میں عذاب الیم ملے گا۔

۷۔اس آیت میں بتایاکہ آیات الٰہی کو عاجز کرنے کی کوشش کرنے والے علم سے محروم ہیں۔اگرچہ وہ دنیوی طور پر ابوالحکمت بھی ہوں ،حقیقت میں ابوجہل ہیں۔ اب آیات الٰہی کو جھٹلانے،والے منکرین کے مقابلہ میں ان مومنین کاذکر کیاجنہیں اللہ تعالیٰ نے علم وعرفان سے نوازا ہے وہ جانتے ہیں کہ آیات الٰہی حق ہیں یہ یقیناً تیری طرف تیرے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں ۔ انہیں یہ بھی علم ہے کہ یہ تعلیم خدائے عزیز الحمید کی طرف لے جاتی ہے ۔گویا اس تعلیم پر چلنے والا خود بھی اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات سے حصہ پائے گا۔ اسے غلبہ بھی نصیب ہوگا اوردنیا وآخرت میں اس کی تعریف بھی ہوگی۔

۸۔۹۔ **ممزّق۔ مزق** کپڑے وغیرہ کا پھاڑنا اورٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔

مومنین خدائے عزیز وحمید کی صفات کو اپنا کر قربِ الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو

بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝٩ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى
آخرت پر عذاب میں ہیں اور گمراہی میں دور کی کیا پس نہیں دیکھا تو نے طرف

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ
اسکی جو آگے ان کے ہے اور جو پیچھے ان کے ہے آسمان اور زمین سے

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا
اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ساتھ ان کے زمین یا ہم گرا دیں ان پر ٹکڑا

مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝١٠ ع ۱
آسمان سے یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں ہر بندے جھکنے والے کے لیے

جاتے ہیں جبکہ منکرین حق ہمیشہ قیامت کاانکار کرتے ہیں اور بطوراستہزا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس قول کو کہ ذرہ ذرہ کی صورت منتشر ہونے کے بعد انسان ایک نئی خلق میں ظاہر ہوگا، اس صادق وامین کا جس نے بندوں پر جھوٹ نہیں باندھا، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بیان کرتے ہیں نعوذباللہ علیٰ ذٰلک۔ یا یوں کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہوگیاہے جو ایسی خلاف عقل باتیں کررہا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں مومنین خدا تک پہنچنے کی راہ کو پانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں وہاں منکرین قیامت کے مقدر میں عذاب اور گمراہیاں ہیں ان کی اصلاح کاامکان نہیں وہ اس راستے پر چلتے ہیں جو انہیں جہنم تک لے جاتاہے۔ دورکی گمراہی میں اشارہ کیا کہ ہدایت سے اتنا دور ہیں کہ ان کی واپسی جلد نہیں ہوگی۔

بعض اوقات ان افتراء پر دازیوں اورگمراہیوں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے ۔پھر ان کا روحانی نشاۃ ہوتاہے جب شریر مٹادئے جاتے ہیں اور دوسروں کے بچنے کا سامان کردیتاہے۔

۱۰۔**اَفَلَمْ يَرَوْا** میں منکرین قیامت کے ضلٰل بعید میں ہونے کا ثبوت ہے کہ معمولی غور وفکر سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتے تھے کہ زمین وآسمان کی پیدائش اور انسان کی اپنی پیدائش میں ضرور کوئی مقصد ہے۔

رکوع کی اس آخری آیت میں کائناتی حقائق سے مزید پردہ ہٹایا اورمنکرین قیامت سے خطاب فرمایاکہ اگر قیامت تمہیں نظر نہیں آرہی تو کیا زمین وآسمان کی بے حدوحساب نعمتیں جو تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ،وہ بھی دکھائی نہیں دیتیں۔یوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر سے قرآن کریم بھراپڑاہے تاہم آسمانوں اور زمین کی کچھ ظاہر ومخفی نعمتوں کا ذکر آیت:۳ میں گزرا ہے۔ اگر ان کے مشاہدہ اور ان سے استفادہ کے بعد بھی تکذیب وانکار پر مصر رہے تو

اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ انہی نعمتوں کو تمہاری تباہی کا باعث بنادے۔ انسان ایک دہکتے ہوئے جہنم کے اوپر عاقبت سے بے خبر رنگ رلیوں میں مصروف ہے اور نہیں جانتا کہ زمین کے اندر ابلتی ہوئی مخفی توانائیاں اسے پل بھر میں نیست و نابود کرسکتی ہیں۔ربِّ رحیم کی کرم نوازی ہے کہ انسان کو اس جہنم اور دیگر ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ارب ہا ارب ستارے اپنے محوروں کے گرد گھوم رہے ہیں کوئی تصادم نہیں ، کوئی ٹکراؤ نہیں۔ اگر ان کے بے مثال ربط و ضبط میں ذرا سا خلل بھی آجائے تو عظیم تباہی برپا ہوجائے۔ فضا سے ہر وقت شہاب ثاقب کے بڑے بڑے ٹکڑے گرتے ہیں جو زمین کے مدار میں داخل ہوتے ہی ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں۔بعض اوقات بڑے ٹکڑے بھی گرتے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے اور تصرف الٰہی سے سمندروں اور صحراؤں میں گرتے ہیں اور انسانوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔اگر ایک باشعور ہستی ان ارضی و سماوی بلاؤں کو نہ روکتی تو یہ دنیا مٹ چکی ہوتی۔ علم الابدان کے ایک ماہر کہتے ہیں کہ ’’معجزہ یہ نہیں کہ ہم پیدا کیسے ہوئے معجزہ یہ ہے کہ ہم زندہ کیسے ہیں جبکہ موت چاروں طرف ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے اور ہم پھر بھی زندہ ہیں‘‘ آسمانی بجلی ہر وقت زمین پر گرتی رہتی ہے لیکن شاذ کے طور پر ہی نقصان پہنچاتی ہے جبکہ فوائد بے شمار ہیں۔اس رحیم وکریم کی بے حد و حساب نعمتوں اور زمینی و آسمانی بلاؤں سے حفاظت کے حیرت انگیز نظام کو دیکھتے ہوئے اس بے حیثیت و بے مقدور مُشتِ خاک کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس مُنعم حقیقی کا انکار کرے اور اس کے احکام سے انحراف کرے۔

آج آخرت پر یقین رکھنے والوں کو ماسویٰ چند ایک کے آسمانوں اور زمین کے رازوں پر غور کرنے کی توفیق نہیں ملی حالانکہ یہ ان کا فرض تھا۔البتہ آخرت کا انکار کرنے والے غور کررہے ہیں اور کائناتی بھیدوں کو جاننے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں جو ان پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ **لیس للانسانِ الاّ ماسعیٰ** ۔(۵۳:۴۰) انہوں نے ثابت کیا کہ خدا کی خدائی میں کوئی چیز باطل نہیں۔اس حکیم وخبیر نے ہر چیز کو کمال حکمت سے ایک خاص مقصد کے لئے تخلیق کیا لیکن وہ عبد منیب نہیں ہیں اس لئے اپنی ایجادات کو منفی رنگ میں بھی استعمال کیا اور بے حد فوائد پہنچانے کے ساتھ بنی نوع کی تباہی کا باعث بھی بنے۔

ان کے مقابلہ میں نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام جیسا عبدِ منیب جوں جوں اس پُر ہیبت اور باعظمت کائنات پر غور کرتا ہے اور اس کے مخفی راز اس پر آشکار ہوتے ہیں ،اس کا سر اپنے خالق و مالک کے حضور جھک جاتا ہے۔ وہ جان جاتا ہے کہ اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ

اور یقیناً یقیناً دیا ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل اور حکم دیا اے پہاڑو جھکو ساتھ اسکے

وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۱ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ

اور پرندے بھی اور نرم کیا ہم نے اس کے لیے لوہا یہ کہ بنا زرہیں پوری اور اندازہ کر

فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۲

جوڑنے میں اور کرو نیک کام یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہوں

تخلیق ، اس کا ربط و ضبط اور نظامِ عدل و توازن اس کے لئے اس کے ربّ کا ایک عظیم نشان ہے اس لئے کہ یہ سب اس بندہ ناچیز کی بقا اور حفاظت پر مامور ہے۔

۱۱۔۱۲۔ **اوّبی** ۔اوّاب اللہ کی طرف بکثرت رجوع کرنے والا۔تسبیح کرنے والا۔ یا وہ جو توبہ اور اطاعت کی طرف لوٹ لوٹ کرآتا ہے۔**اوّبی** تم تسبیح کرو یا تسبیح کو دہراؤ۔تم جھکو۔**سٰبغٰت**۔ سابغ کی جمع ہے۔فراخ زرہیں۔ **سرد** ایک چیز کو دوسری میں لانا۔ یہاں مراد زرہ کے حلقوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنا ہے یعنی تنگ حلقوں کی زرہ بنا۔حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور قوم سبا کے واقعات (سورۃ الانبیاء ۷۹ تا ۸۳ ۔سورۃ النمل رکوع ۲ تا ۳ میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ استفادہ فرمایئے۔)

اصل غرض قومِ سبا کا ذکر ہے بطور تمہید حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا اس لئے کہ قوم سبا کے عروج کا زمانہ حضرت سلیمانؑ سے تعلق رکھتا ہے۔بتایا کہ قوموں پر ان کے صبر اور شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے ہیں۔بعد میں یہ قومیں کفرانِ نعمت اور مظالم کی وجہ سے سزا کی مستحق ٹھہرتی ہیں۔بتایا کہ جب عبد منیب کائنات کے عجائبات پر غور کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور جھک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ عظیم طاقتیں اس کے ساتھ سرنگوں ہوجاتی ہیں اور اس کی خدمت پر مامور ہوجاتی ہیں۔پس حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی عظیم طاقتوں پر تصرف بخشا آپ پر اللہ کا بڑا فضل نبوت اور حکومت کا ملنا اور ان عظیم طاقتوں کا باذنِ الٰہی آپ کے ساتھ جھکنا اور آپ کا تابع فرمان ہونا تھا۔جو قومیں عبد منیب بنیں خدا تعالیٰ کی طاقتیں ان کے آگے جھک گئیں۔آپ قبیلہ یہودا کے ایک معمولی نوجوان تھے۔ اپنی طویل القامتی کی وجہ سے طالوت کہلاتے تھے۔ایک معرکہ میں تائید خداوندی سے صرف ۳۱۳ فدایان کے ساتھ جالوت جیسے دشمن کی اپنے سے بہت بڑی فوج کو شکست دی، اسے قتل کرکے یہودیہ کے فرمانروا بنائے گئے اور

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ

اور (کام میں لگا دی) سلیمان کے لیے ہوا صبح کا سفر اس کا ایک ماہ کا تھا اور شام کو سفر اس کا ایک ماہ کا تھا اور

اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ

بہایا ہم نے اس کے لیے چشمہ پگھلے تانبہ کا اور بعض جن ایسے تھے کہ جو کام کرتے تھے آگے

يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا

اس کے ساتھ حکم کے اسکے رب کے اور جو انحراف کریگا ان میں سے حکم سے ہمارے

نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ

ہم چکھا دیں گے اُسے عذاب جلنے کا وہ بناتے تھے اس کے لیے جو وہ چاہتا تھا

مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

قلعوں اور تصویروں اور لگنوں میں سے مانند تالابوں کے اور دیگیں اپنی

اپنے ذاتی نام داؤد سے پکارے گئے۔آپ نے بنی اسرائیل کے منتشر قبائل کو اکٹھا کر کے یوروشلم کو فتح کیا اور خلیج عقبہ سے دریائے فرات کے مغربی کنارے تک ایک عظیم یہودی سلطنت قائم کی۔ (تفصیل کے لئے سورۃ البقرۃ:۲۴۸ تا ۲۵۳) روحانی لحاظ سے نبوت سے نوازے گئے ۔آپ نہایت زیرک اور عادل حکمران تھے۔ خداداد علم و حکمت کی وجہ سے بہت سی چیزوں کے موجد تھے۔ خداترسی اور بندگی آپ کا خاص شیوہ تھا۔ باوجود ایک وسیع سلطنت کے حکمران ہونے کے آپ نے نہایت سادہ زندگی گزاری۔**جبال** اور **طیر** کی تشریح (الانبیاء :۸۰ ۔سورۃ النمل:۱۸)۔ **اَلَنَّالہُ الحدید** ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کیا بیشک لوہے کا استعمال پہلے بھی تھا لیکن حضرت داؤدؑ نے لوہے کی صنعت کو کمال بخشا اور چھوٹے حلقوں والی ایسی ہلکی پھلکی اور نفیس زرہیں ایجاد کیں جو تمام جسم کو ڈھانپ لیتی تھیں جن سے جنگ میں نقل و حرکت میں آسانی ہوئی۔اور آپ نے عظیم فتوحات حاصل کیں۔آپ سے قبل زرہیں پلیٹ نما تھیں یا بڑے چھلوں والی بھدی اور بوجھل تھیں۔ **قدرفی السّرد** میں چھلوں کو چھوٹے اور مناسب اندازہ سے بنانے کے علاوہ یہ بھی معنی ہے کہ زرہ بنانے میں اندازہ سے وقت صرف کر۔ سارا وقت اس میں صرف نہ کر۔(روح المعانی) اس لئے کہ جنگ ایک وقتی چیز ہے۔ نبی اور اس کے متبعین کی اصل غرض عمل صالحہ اور تبلیغ حق ہے۔

۱۳۔۱۴۔**غدُوٌّ** کے معنی صبح سویرے جانا کے ہیں۔ **رواح** شام کو چلنا۔ **اَسلنا ۔ سَیل** اسی سے سیلاب ہے۔مراد بہا دینا۔**اسلنا**۔ ہم نے بہا دیا۔**محاریب**۔محراب کی جمع ہے۔حجرہ۔ عبادت گاہ ۔محل ۔قلعہ ۔ جن کی تشریح (سوۃ الانبیاء :۸۳۔ سورۃ النمل:۱۸ میں ملاحظہ فرمایئے۔)

رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ

جگہ دھری رہنے والیاں کرو اے خاندان داؤد شکر اور کم ہیں

عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا

بندوں سے میرے شکر گزار پس جب فیصلہ کیا ہم نے اس پر موت کا نہیں

حضرت سلیمانؑ کے لئے ہواؤں کا مسخر ہونا او ر بحری بیڑے کی تفصیل کے لئے (سورۃ الانبیاء :۸۲۔) حضرت سلیمانؑ نے جہاز رانی کو غیر معمولی ترقی دی۔توریت میں آپ کے دو بحری بیڑوں کا ذکر ہے، ایک خلیج فارس اور بحر ہند میں، دوسرا بحیرہ روم میں چلتا تھا۔(سلاطین ۹ باب ۲۶۔اخبار الایام ۲ باب ۲۔ ۱۶) اس زمانہ میں خشکی کے سفر نہایت دشوار گزار اور غیر محفوظ تھے چپوؤں سے چلنے والی کشتیاں سست رفتار تھیں اور طویل بحری سفروں کی متحمل نہیں ہوسکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادبانی کشتیوں کا راز سکھایا جس سے آپ نے بڑے بڑے بُحری بیڑے تشکیل دئے۔ بادبانی کشتیوں کا انحصار ہواؤں پر ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا آپ پر یہ بھی خاص احسان تھا کہ ہواؤں کے معاملہ میں آپ کو خاص علم وفہم عطا فرمایا اور آپ ساحل سمندر پر چلنے والی تیز ہواؤں کا رخ جاننے میں کامیاب ہوگئے کہ یہ ہوائیں ایک ماہ بعد رخ بدل لیتی ہیں۔ان ہواؤں کی قوت سے آپ کی بادبانی کشتیاں تیزی سے ہواؤں کے رخ پر چلتیں اور جب ایک ماہ بعد ہواؤں کا رخ بدلتا تو لوٹ آتیں۔آپ کے جہاز صبح سے دوپہر تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت کے برابر طے کر لیتے اور دوپہر سے شام تک بھی اتنا ہی فاصلہ طے کر لیتے۔ گویا اس زمانہ میں اگر یہی سفر خشکی کے راستہ ہوتا تو دو ماہ میں پہنچتے یہ بھی ممکن ہے حضرت سلیمانؑ نے ایسے بحری راستے دریافت کر لئے ہوں جن سے خشکی کے مقابلہ میں مسافت بہت کم رہ جاتی ہو۔

حضرت داؤد کو لوہے پر قدرت بخشی اور آپ کو لوہے کے علاوہ دیگر دھاتوں پر بھی تصرف حاصل ہوا اور ایک اعلیٰ درجہ کی دھات یعنی تانبے کی کان کنی اور اس کے مختلف استعمال کی صنعت سکھائی گئی۔دھاتوں کو پگھلانے کے لئے آپ نے بڑی بڑی بھٹیاں لگائیں اور تانبے کو صنعتی طور پر استعمال کیا۔تفصیل کے لئے (سورۃ الانبیاء :۸۱)ان بھٹیوں پر کام کرنے کے لئے نیز دیگر مشکل اور مشقت طلب کاموں کے لئے آپ کو جفاکش پہاڑی قومیں عطا ہوئیں جو آپ کی نگرانی میں بحکم الٰہی کام سرانجام دیتی تھیں۔ان میں باغیانہ طبیعت کے لوگ بھی تھے۔جنہیں سختی سے مطیع کیا گیا۔ یہاں نبی کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم کہا جس سے انحراف کی سزا دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی ملے گی۔

حضرت سلیمانؑ نے ان جفاکش اقوام کی طاقت کا صحیح استعمال کیا۔جنگی ضروریات کے لئے قلعے تعمیر کروائے جن میں لوہے کا استعمال کیا۔ فوجوں کے سامان رسد کے لئے حوضوں جیسے بڑے لگن اور ان کا کھانا پکانے کے لئے بڑی بڑی تانبے کی دیگیں ایجاد کیں جو بڑی اور بھاری ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ پڑی رہتی تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کی زندگی جنگوں میں گزری تاہم آپ میں جمالیاتی حس بھی تھی۔ان سرکش قوموں میں جو لوگ ہنرمند اور فنونِ لطیفہ میں ماہر تھے ان سے مختلف تصاویر اور تماثیل بنوائیں۔آپ نے ہی بیت المقدس کا مشہور معبد ہیکل سلیمانی تعمیر کروایا جو آپ کے فن تعمیر کا ایک عظیم شاہکار ہے اور اس کی دیواروں کو نفیس اور قیمتی نقش و نگار سے مزین کیا۔آپ کی بنوائی ہوئی تصاویر قدرتی نظاروں کی بھی ہوسکتی ہیں ، فاتحین اور بادشاہوں وغیرہ کی بھی ہوسکتی ہیں ممکن ہے یہ پیتل وغیرہ کے مجسمے ہوں۔لیکن ان میں شرک کا شائبہ نہیں تھا۔(بدھ کے مجسموں پر بھی کندہ ہے۔''یہ وہ ہے جسے خدا نے بھیجا، خدا نہیں'')حضرت عائشہؓ کی گڑیاں بھی ایک رنگ میں تماثیل تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یروشلم فتح ہوا تو وہاں کے معبد کی پتھر کی دیواروں میں نہایت خوبصورتی سے بعض تماثیل کندہ تھیں۔مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا آپ نے فرمایا اگر نماز میں سامنے نہیں آتیں تو دیواروں کو توڑنے کی ضرورت نہیں۔وہ سامنے نہیں آتی تھیں۔ لہٰذا انہیں قائم رکھا گیا۔

اعملوآ اٰل داؤد شکرًا یہ تمام امور یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان، اٰل داؤد پر شکر واجب کرتے ہیں۔چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے جو اوّل درجہ پر اٰل داؤد تھے، اس شکر کا حق ادا کیا۔شکر، تقویٰ اور عمل صالحہ کا نام ہے (ابن کثیر) **اعملوآ اٰل داؤد شکرًا** میں اٰل داؤد کو عملی شکر کا حکم دیا۔ جس میں اوّل صلوٰۃ و صوم ہے۔ جس کی تعمیل حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور ان کے خاندان نے قول وعمل دونوں سے اس طرح کی کہ ان کے گھر میں کوئی وقت ایسا نہ گزرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد اللہ کی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ افراد خاندان پر اوقات تقسیم کردئے گئے تھے۔ اس طرح حضرت داؤد کا مصلّٰی کسی وقت نماز پڑھنے والے سے خالی نہ رہتا تھا۔ (ابن کثیر) بخاری اور مسلم میں حضرت داؤدؑ کی عبادت کا ذکر ہے ۔صوم داؤدی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار ہے، جس پر آپ نے تمام عمر عمل کیا۔حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کا ذکر آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار آدمی تھا۔ (بخاری) اٰل داؤد کے شکر کے ذکر میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے کم ہیں جو شکر گزار

دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ

آگاہ کیا ان کو موت پر اس کی مگر کیڑے نے زمین کے وہ کھاتا تھا عصا اس کا

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

پس جب وہ گر گیا جان لیا جنوں نے کہ اگر ہوتے وہ جانتے

الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝١٥ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ

غیب نہ رہتے عذاب ذلیل کرنے والے میں یقیناً یقیناً ہے سبا کے لیے

ہیں ۔گویا تھوڑے ہیں جو جہنم کی سزا سے بالکل محفوظ ہیں۔

۱۵۔ **دلّ** ۔وہ جس سے دلالت حاصل ہو ،معرفت حاصل ہو۔ معلوم ہونا مراد ہے دلیل صیغہ مبالغہ ہے ۔ **منساۃ۔ نسٔ** سے ہے جس کے معنی پیچھے ڈال دینا کے ہیں۔ **منساۃ** عصا کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس سے چیزوں کو پیچھے کر دیا جاتا ہے (مفردات راغب) عصا سے مراد حکومت یا حکومت کا دبدبہ ہے ۔**خرّ عصا** ۔ عصا گر گیا ۔منہدم ہوگیا۔ نظام حکومت منہدم ہوگیا۔ حضرت سلیمانؑ پر نعمتوں کے ذکر میں بتایا کہ جب قومیں ناشکری کی مرتکب ہوتی ہیں اور ان نعمتوں کی اہل نہیں رہتیں تو یہ نعمتیں ان سے چھین لی جاتی ہیں ۔ اس آیت کے واقعات کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد آپ کا نالائق اور عیش پرست بیٹا رحعام تخت نشین ہوا جو دنیادار بادشاہوں کی طرح خوشامدی مصاحبوں میں گھرا ہوا تھا ۔ اسے زمینی کیڑا کہا گیا اس لئے کہ روحانیت سے بے بہرہ تھا سورۃ ص۳۵۔ میں اسے جسد کہا گویا ایک بے جان دھڑ تھا جس میں دل اور دماغ نام کی کوئی چیز نہیں تھی یعنی دنیوی امور میں بھی نابلد تھا۔ غرض یہ دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے نااہل ثابت ہوا۔توریت میں اسرائیلیوں پر اس کے بے جاسخت رویے کا ذکر ہے۔ جس سے بنی اسرائیل کے دس قبائل اس سے سرکش ہوگئے اور وحشی قبائل جو حضرت سلیمانؑ کے مطیع تھے وہ بھی باغی ہوگئے (سلاطین:۱)ان سرکش قوموں کو حضرت داؤدؑ نے سختی سے اور حضرت سلیمانؑ نے نرمی اور حکمت سے مطیع کیا تھا اور ان سے محنت اور مشقت کے کام لئے تھے ۔حضرت سلیمانؑ کی وفات کے کچھ دیر بعد تک وہ بدستور ان مشقت طلب کاموں میں مشغول رہے لیکن جب انہیں نئے شہنشاہ کی کارگزاریوں کا علم ہوا کہ سلطنت کی بنیادیں اکھڑ چکی ہیں اور اب صرف نام کی حکومت رہ گئی ہے تو انہوں نے بغاوت کردی اور حضرت سلیمانؑ کی ظاہری سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔ ان قوی ہیکل ، جفاکش پہاڑی اقوام کو جو عمالقہ سے تھیں، افسوس ہوا کہ اگر ہمیں پہلے اندازہ ہوجاتا تو ان

فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا
گھروں میں ان کے نشان دوباغ دائیں اور بائیں کھاؤ
مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ
رزق اپنے رب کا اور شکر کرو اس کا شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے
غَفُوْرٌ ﴿۱۶﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ
بہت بخشنے والا پس اعراض کیا انہوں نے پس بھیجا ہم نے ان پر سیلاب تیز اور

مشقت کے کاموں کو چھوڑ دیتے۔یہاں بھی ثابت ہوا کہ یہ کوئی غیر مرئی قسم کے جنّ نہیں تھے جنہیں بقول ان کے غیب کا علم ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں یہ قصے اور داستانیں نہیں بلکہ حقائق و معارف ہیں۔اسلام راستی کا عصا تھا جو اپنے سہارے کھڑا تھا اس کے سامنے کوئی آریہ ہندو عیسائی دم نہ مار سکتا تھا۔لیکن جب سے یہ دابۃ الارض پیدا ہوئے اور انہوں نے قرآن کو چھوڑ کر موضوع روایتوں پر اپنا انحصار رکھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرطرف سے اسلام پر حملے ہونے شروع ہوگئے۔۔۔۔۔ اور ایک لاکھ سے زائد لوگ مرتد ہوگئے۔۔۔۔۔یہ مسلمان دابۃ الارض ہیں انہوں نے عصا اسلام کو کھا لیا۔۔۔جب جنّوں کو پتہ چلا تو انہوں نے سرکشی اختیار کی۔اسی طرح عیسائی قوم نے جب اسلام کی یہ حالت دیکھی یعنی اس دابۃ الارض نے اس عصائے راستی کو کمزور کردیا ہے تو ان قوموں کو اس پر وار کرنے کا موقع دے دیا۔(تفسیر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام جلدسوم صفحہ ۷۴۳)

۱۶۔حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں بتایا کہ ناشکری کی سزا نعمتوں کا چھن جانا ہے ۔ اب اصل مضمون کی طرف رجوع فرمایا اورقومِ سبا کا ذکر کیا ۔ سباجنوبی یمن کا ایک شہرہے یہ علاقہ بھی اسی نام سے موسوم ہے ۔قومِ سبا کی شان و شوکت کا بیان ملکہ سبا کے ذکر میں تفصیلاً گزرچکا ہے (سورۃ النمل :۱۸۔) قوم سبا کے لئے ان کے شہر میں ایک بڑی نشانی دوباغوں کی صورت میں تھی جو ان کے دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے۔ان کی وجہ سے نعمتوں کی فراوانی تھی۔(زبورباب ۱۰آیت۷۲) فرمایا اے قومِ سبا!اپنے ربّ کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کاشکر ادا کرو۔ پس وہ ایک پاکیزہ شہر تھا جہاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی تھی اوراس کے شکر کے گیت گائے جاتے تھے۔اس شہر کا ایک بہت بخشنے والا ربّ تھا۔ جوشکرادا کرنے والوں کو ان کی غلطیوں

بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ
بدلہ میں دیئے ہم نے انہیں عوض میں انکے دو باغوں کے دو باغ میوے بدمزہ والے اور جھاؤ
وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ
اور کچھ بیریوں والے یہ بدلہ دیا ہم نے بسبب اس کے کہ کفر کیا انہوں نے
وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
اور نہیں سزا دیتے ہم مگر ناشکر کو۔ اور بنائی تھیں ہم نے درمیان انکے اور درمیان
الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا
ان بستیوں کے کہ برکت دی ہم نے جن میں بستیاں پاس پاس اور مقرر کیں ہم نے ان میں

کی سزا نہیں دیتا ۔

۱۷۔۱۸۔**العرم**۔ شدت اور کثرت کو کہتے ہیں ۔عرم بند (ڈیم) کو کہاجاتا ہے۔**خمط** کڑوا پھل۔ **اثل**۔ جھاؤ۔

تاریخ سے پتہ چلتاہے کہ قوم سبا ایک متمدن قوم تھی۔ زمین زرخیز تھی۔آب پاشی کا نظام نہایت عمدہ تھا۔ قوم کے دانشوروں نے دو پہاڑوں کے درمیان بند باندھ کر سدّ معارب(معارب بمعنی ڈیم) تعمیر کیاتھا جس سے نہریں نکال گئی تھیں جوسارے علاقے کو سیراب کرتی تھیں۔ہر طرف باغات اور کھیتیاں لہلاتی تھیں۔خوشحالی کادور دورہ تھا۔یہ قوم سورج پرست تھی ان کی اصلاح کے لئے متعدد انبیاء آئے۔لیکن احکام الٰہی سے روگردانی، کفرانِ نعمت تکبر اورشوخی اس قوم کی بربادی کاباعث بنی۔بعض وجوہ کی بنا پر تقدیر الٰہی سے معارب بندٹوٹ گیا اور پورا علاقہ سیلاب کی زد میں آ گیا۔سیلاب نے شدید تباہی مچائی۔ وہی بند جو ان کی خوشحالی کا سبب تھا ان کی ناشکری کی وجہ سے تباہی کا موجب بن گیا۔آبپاشی کا نظام درہم برہم ہوگیا۔تمام زرخیز علاقہ بنجرعلاقے میں تبدیل ہوگیا اور جھاڑ جھنکاڑ سے بھرگیا۔سیلاب کے بعد زمین کی یہی حالت ہوتی ہے۔فرمایا یہ ان کی ناشکری کا بدلہ تھا۔کیا سخت ناشکرے کے سوا بھی ہم کسی کو ایسی سزا دیتے ہیں؟ ناشکری میں تکذیب انبیاء بھی شامل ہے کیونکہ نبی کا آنا سب سے بڑی نعمت ہے۔کفور کے لفظ میں بتایا کہ اللہ کا عذاب معمولی گناہوں پرنہیں آ تا۔یہاں اہل مکّہ کو بھی تنبیہ تھی جن کو اللہ کی نعمتیں بافراغت ملیں۔ لیکن تکذیب رسول، کفرانِ نعمت ، شوخی و شرارت اور تکبر کی وجہ سے ہجرت رسول کے چند سال بعد ہی بدترین قحط کاشکار ہوئے۔آج کفران نعمت کرنے والی متکبر قوموں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ ہے۔

السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَقَالُوْا
منزلیں سفر کرو ان میں رات اور دن امن سے پس کہا انہوں نے
رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ
اے ہمارے رب دُوری ڈالدے درمیان سفر کے ہمارے اور ظلم کیا انہوں نے اپنی جانوں پر پس کر دیا ہم نے انہیں
اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
افسانے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہم نے انہیں بالکل ٹکڑے ٹکڑے کرنا یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۲۰﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ
ہر بہت صبر کرنیوالے بہت شکر کرنیوالے کیلئے اور یقیناً یقیناً ٹھیک کیا تھا ان پر ابلیس نے اپنا گمان

۱۹۔**قریٰ**۔ واحد قریۃ ہے۔ شہر۔ بستی۔ **بٰرکنا فیھا** ۔ہم نے اس میں برکت دی۔ قرآن کریم میں جہاں بھی ایسے الفاظ آئے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ **ظاھرۃً**۔ نمایاں ہر وہ چیز جو نظر آئے۔ **السّیر** ۔ چلنا پھرنا ہے۔ **قدّرنا فیھا السّیرَ** ط۔ ہم نے ان کے سفر میں اندازہ کر دیا تھا یعنی مسافت کی مناسب منازل قائم کر دی تھیں۔

قوم سبا پر انعامات کے ذکر میں بتایا کہ ہم نے قوم سبا کی بستیوں اور فلسطین کی بستیوں کے درمیان بستیوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم کر رکھا تھا کہ ایک بستی کے آثار ختم نہ ہوتے کہ دوسری بستی نظر آنے لگتی گویا درمیانی پورا علاقہ آباد تھا راستہ میں کوئی غیر آباد یا ویران علاقہ نہیں تھا کہ کوئی خطرہ پیدا ہوتا۔ہم نے ان کے سفروں میں سہولت کے لئے منازل مقرر کر دی تھیں تا کہ وہ اپنے سفر کو ایک متعین اندازے سے طے کریں اور منزلوں پر قیام کرتے ہوئے بحفاظت منزل مقصود پر پہنچیں۔

یہ ایک تاجر قوم تھی ۔ان کو دن رات تجارتی سفر درپیش رہتے ۔ راستہ پر امن ہونے کی وجہ سے تجارت میں ترقی ہوئی اور یہ قوم خوب دولتمند ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ اس کی توفیق اور اس کے عطا کردہ اسباب سے ہی سب کچھ ممکن ہوتا ہے۔

۲۰۔اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے یہ قوم مختلف برائیوں میں ملوث ہوگئی۔ضروری نہیں کہ انہوں نے سفروں میں دوری کی دعا کی ہو۔یہاں ان کا اپنے اعمال اور زبان حال سے یہ آرزو کرنا مراد ہے اس لئے کہ اب انہیں پسند نہیں تھا کہ انہی جانی پہچانی راہوں پر چلیں ،راستے میں انہی منزلوں پر قیام کریں اور انہی لوگوں سے ملیں۔ انہوں نے نسبتاً مختصر اور محفوظ راستے کو چھوڑ کر دور دراز کے راستوں کو اختیار کیا تا کہ راستے میں

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ
پس پیروی کی انہوں نے اسکی سوائے ایک فریق کے مومنوں سے اور نہیں تھا اس کا
عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ
ان پر کوئی غلبہ مگر تاکہ ظاہر کر دیں ہم کہ کون ایمان لاتا ہے آخرت پر بمقابل اس کے
هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۲﴾ قُلِ ع ۲ / ۱۲ / ۸
کہ جو متعلق اس (آخرت) کے شک میں ہے اور رب تیرا ہر بات پر نگران ہے تو کہدے

ناؤ نوش کی محفلیں سجاتے اور رنگ رلیاں مناتے ہوئے جائیں اور کوئی ان کی جان پہچان والا نہ ہو۔ یہ ان کا اپنی جانوں پر ظلم تھا۔ پس یہ بدکردار قوم کچھ تو سیلاب وغیرہ میں تباہ ہوئی۔ باقی وطن چھوڑ کر عرب کے مختلف علاقوں میں منتشر ہوگئی۔ غرض بحیثیت قوم دنیا سے مٹادی گئی۔آج سبا نام کی کوئی قوم دنیا میں باقی نہیں رہی صرف ان کے افسانے رہ گئے ہیں جن میں ہر صبّار اور شکور کے لئے بڑے بڑے نشانات ہیں ۔ وہ ان کے حالات سے عبرت حال کر سکتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ صبّار وہ ہیں جو اپنے آپ کو بدیوں سے روکتے ہیں ۔شکور۔اور پھر خدا کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں اور اس کی دی ہوئی طاقتوں کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ”جب عظیم سلطنتیں ٹوٹا کرتی ہیں تو بجائے اس کے کہ اہل سلطنت آپس میں محبت کے نتیجہ میں یہ دعا کرتے رہیں کہ ہمیں ایک دوسرے سے قریب تر رکھ ، وہ نفرتوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے دور ہٹنے کی دعائیں کرتے ہیں ، تو ایسی صورت میں وہ قصے بنادئے جاتے ہیں اور اللہ کے غضب کی چکی تلے پیسے جاتے ہیں۔پھر ان کی بستیوں میں اتنی دوری ڈال دی جاتی ہے کہ ان کے درمیان ایک عجیب ویرانی کا منظر دکھائی دیتا ہے جس میں جھاؤ وغیرہ اگتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے ان کو عظیم الشان باغات اور کھیتوں سے نوازا گیا تھا“۔(قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

۲۱۔ ابلیس کا ظن یہی تھا کہ انسان اس کے پیچھے لگ کر گمراہی اختیار کریں گے اور تباہ ہوں گے۔ پس جنہوں نے خدا سے ناطہ توڑا، وہ ابلیس کے بندے بن گئے اور تباہ و برباد ہوئے۔ تاہم ہر قوم میں مومنوں کا ایک گروہ ضرور ہوتا ہے۔ خواہ قلیل ہی ہو۔ اثری تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہوا کہ ان میں موحد گروہ موجود تھا۔ ایسے کئی کتبے دریافت ہوئے ہیں۔

اُدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ
پکارو ان لوگوں کو کہ جنہیں گمان کیا ہے تم نے سوائے اللہ کے نہیں اختیار رکھتے وہ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ
برابر ذرہ کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہیں ان کے لیے ان دونوں میں کوئی
شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۳﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
شراکت اور نہیں اسکے لیے ان میں سے کوئی مددگار اور نہیں فائدہ دیتی سفارش
عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ
اس کے ہاں مگر اس کے لیے کہ اجازت دے اسے یہاں تک کہ جب دور کی جاتی ہے گھبراہٹ دلوں سے انکے
قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۲۴﴾
کہتے ہیں کیا کہا رب نے تمہارے کہتے ہیں (اس نے کہا) حق اور وہ بہت بلند (اور) بہت بڑا ہے

۲۲۔شیطان کو تم پر کوئی اختیار نہیں ۔تم اپنی بے رہروی کے الزام کو اس کے سر ڈال کر خود بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔ **الا لنعلم** میں ابلیس کو مقرر کئے جانے کی حکمت بیان فرمائی تا مومن اور کافر میں امتیاز ہوجائے۔ یہاں آخرت پر ایمان لانے والوں کو مومنین اور اس دن کے بارے میں شک میں مبتلا لوگوں کو کافرین میں شامل کیا اس لئے کہ بقول حضرت مسیح موعودؑ آخرت پر یقین کامل ہی انسان کو تقویٰ کی راہوں پر لے جاتا ہے۔اگر کوئی ایمان کے باوجود گناہوں پر دلیر ہے تو وہ یقیناً آخرت پر ایمان کے معاملہ میں کمزور ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اس جنگل میں جا گھسے جہاں درندے اور خونخوار جانور ہوں یا کسی سوراخ میں ہاتھ ڈال دے جس میں سانپ ہو۔ اللہ تعالیٰ حفیظ ہے وہ اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے ۔لیکن جو خود خدا کی حفاظت سے نکل کر شیطان کی حفاظت میں چلے جائیں ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں۔

۲۳۔اس رکوع میں بتایا کہ مومنین کفار کے مقابلہ میں نصرتِ الٰہی سے غالب ہوں گے۔

قوموں کے عروج وزوال کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کے اختیار واقتدار کو بیان فرما کر معبودانِ باطلہ کی بے اختیاری و بے بضاعتی بیان کی کہ تمہارے مزعومہ معبود کائنات کی کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کے بھی مالک نہیں اور نہ اس کائنات میں ان کا کوئی حصہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار نہیں۔

۲۴۔اس ربّ جلیل کی ملکیت میں شریک ہونا یا اس کا مددگار ہونا تو درکنار اس کائنات میں تو کوئی ایسی ہستی بھی نہیں جو اس کے حضور میں بنا اذنِ الٰہی کسی کے حق میں سفارش کر سکے۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ
تو کہدے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمانوں سے اور زمین سے تو کہدے اللہ اور یقیناً ہم یا
اِیَّاكُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قُلْ لَّا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّاۤ
تم البتہ ہدایت پر ہیں یا گمراہی کھلی کھلی میں تو کہدے نہیں پوچھے جاؤ گے تم متعلق اسکے

یہاں بتایا کہ ربّ جلیل کا لامحدود اختیار واقتدار محض دنیا تک محدود نہیں۔ قیامت کے روز اس کی مالکیت کامل شان سے ظاہر ہوگی جس سے ہر غیر کی نفی ہوجائے گی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ہیبت و جلال اور اس ہولناک گھڑی کا نقشہ پیش کیا اور بتایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بعث ہوگا پھر حسب مراتب انبیاء و اولیاء اور باقی مقربین الٰہی کا۔سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ دور کی جائے گی پھر دیگر مقربین کی۔عام مومنین کی گھبراہٹ بعد میں دور کی جائے گی۔وہ پہلے ہوش میں آنے والے شافعین سے پوچھیں گے جو اپنے ربّ سے بات چیت میں مشغول ہوں گے کہ **ماذاقال ربکم** تمہارے ربّ نے تمہیں کیا حکم دیا یعنی کیا فیصلہ دیا۔وہ جواب دیں گے کہ سچا فیصلہ دیا ہے وہ بلند شان والا اور بڑے اختیارات والا ہے۔

الا لمن اذن لہ میں ہمارے پیارے رسول،محبوب کبریا شافع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مراد ہیں ۔ تفصیل (سورۃ مریم:۸۸)پس شفاعت کے اوّل حقدار آنحضرتﷺ ہیں۔آپﷺ کے بعد دیگر کامل الایمان ، حسب مراتب ہیں۔یہ درست نہیں کہ آنحضرتﷺ ہر گنہگار مسلمان کی شفاعت فرمائیں گے اور وہ بخشا جائے گا۔ شفع کے معنی کسی ہم جنس و ہم مشابہ اعلیٰ چیز کے ساتھ ادنیٰ چیز کو ملانے کے ہیں۔قیامت میں آنحضرتﷺ کی شفاعت بھی انہی معنوں میں ہوگی کہ وہ لوگ جنہوں نے آپؐ کی سنت پر عمل کیا، آپؐ کے نقشِ قدم پر چلے اور آپؐ کے مثیل بننے کی کوشش کی مگر بعض بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ان کی کوششوں میں کچھ کمی رہ گئی ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سفارش فرمائیں گے۔ پس جس نے مسلمان ہونے کے باوجود آپؐ کی سنت پر عمل نہیں کیا اور آپؐ کا مثیل بننے کی کوشش ہی نہیں کی، وہ آپؐ کی سفارش کا بھی مستحق نہیں۔ یہ معنی بھی ہیں کہ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ آنحضرتﷺ کو شفاعت کی اجازت دے گا، ان کی شفاعت قبول ہوگی۔

۲۵۔۲۶۔غیر اللہ کے ردّ اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر تھا۔مشرکین بھی آفاقی حقائق کو

اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۶﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا

کہ جرم کیا ہم نے اور نہ ہم پوچھے جائیں گے متعلق اسکے جو تم کرتے ہو تو کہدے جمع کریگا ہمیں

رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۗ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۷﴾ قُلْ

رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا درمیان ہمارے ساتھ حق کے اور وہ خوب فیصلہ کرنیوالا خوب جاننے والا ہے تو کہدے

اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ۗ بَلْ هُوَ اللّٰهُ

دکھاؤ مجھے وہ لوگ کہ جنہیں ملایا ہے تم نے ساتھ اسکے شریک ہرگز نہیں بلکہ اللہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

عزت والا حکمت والا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر سب لوگوں کے لیے

ماننے پر مجبور تھے اور جانتے تھے کہ رزق دینے والا اللہ ہی ہے نہ کہ ان کے خود ساختہ معبود۔اس زمانہ میں بارش کو ہی آسمانی رزق سمجھا جاتا تھا یا کچھ زمینی پیداوار کو۔ آج کا انسان آسمانی اور زمینی رزق کی گہرائیوں سے خوب واقف ہے۔

اِنَّآ، هُدًى کی طرف اور **اِيَّاكُمْ ،ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** کی طرف پھیرا جائے گا۔(یہ علم معانی میں لف ونشر کہلاتا ہے) ظاہر ہے کہ ہم سیدھے راستے پر ہیں جبکہ تم کھلی کھلی گمراہی میں ہو۔ پس تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو اور ہم اپنے اعمال کے۔

۲۷۔ ہمارے اور تمہارے درمیان یوم الجمع کو سچا فیصلہ ہوگا۔ اس کے فیصلہ میں کوئی سقم نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ علیم بھی ہے۔

ایک یوم الجمع دنیا میں ہی آجاتا ہے جب حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوجاتا ہے ۔یہ بدر کا دن تھا۔ مکّہ کی پرآشوب زندگی میں دو لشکروں کے مڈبھیڑ کی خبر دی گئی تھی۔ جہاں دونوں کے درمیان حق و انصاف سے فیصلہ ہوگا۔ یہاں جنگ بدر کی پیشگوئی فرمائی اور فتح کی بشارت دی۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا اور علیم ہے۔

۲۸۔ دکھانے سے مراد دلائل سے قائل کرنا ہے۔مراد یہ ہے کہ تم دلائل سے ان بے مقدور ہستیوں کو خدا کا شریک ثابت نہیں کرسکتے۔اس غالب اور حکیم خدا کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ اُس پر ایمان لانے والے اس کی صفات سے حصہ لیں گے اور غالب آئیں گے یہ اس حکمت کی بنا پر ہوگا جو اس غالب اور حکیم کی عطا کردہ ہوگی۔

۲۹۔ باری تعالٰی کے قادر مطلق ہونے کا بیان تھا اب ربّ دوجہاں کے انسانیت پر کیئے گئے سب سے بڑے انعام کا ذکر کیا اور محبوب کبریا کے مقام کو بیان فرمایا۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ

خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور

يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ

وہ کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر ہو تم سچے تو کہدے

لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا

تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا نہ پیچھے ہوگے تم اس سے ایک گھڑی اور نہ

۳ ع ۹ ۴ النصف تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا

آگے بڑھوگے اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ہرگز نہیں ہم ایمان لائیں گے اس

الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ

قرآن پر اور نہ اس پر جو پہلے اس سے ہے اور کاش دیکھے تو جبکہ

الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ

ظالم کھڑے کئے جائیں گے نزدیک اپنے رب کے پھیرے گا بعض ان کا

آنخضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! کہ مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ مجھے تمام عالم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔(ابن کثیر) آپ عالمی رسول ہیں آپؐ کو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپؐ مومنوں کو دنیا و آخرت کی بشارتیں دیتے اور کافروں کو ان کی بداعمالیوں کے بد نتائج سے خبردار کرتے ہیں لیکن لوگوں میں سے اکثر نہیں جانتے، آپؐ کے عالی مقام کو اور نہ غلبہ اسلام کو ۔ بیشک آج وہ آپ ﷺ کو نہیں پہچانتے لیکن یہ رسول قیامت تک کے لئے ہے۔ دنیا اسے لازماً پہچانے گی۔

۳۰۔۳۱۔ **یوم**۔ عربی میں یوم مطلقاً وقت اور زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ زمانہ ایک دن کا ہو یا ایک سال اور صدی کا یا ہزار سال کا ۔(مفردات راغب)

معلوم ہوتا ہے کہ **يَجْمَعُ بَيْنَنَا** کی پیشگوئی کا کفار مکّہ میں عام چرچا تھا اور وہ پوچھتے تھے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ ان کے سوال کے جواب میں ایک یوم کی میعاد مقرر فرمائی اور بتایا کہ یہ وقت آگے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے ۔ یہاں جنگ بدر کی پیشگوئی کا معین وقت بتایا جو ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی۔ بائبل میں جنگ بدر کے ایک سال بعد ہونے کی متعدد پیشگوئیاں ہیں۔(یسعیاء نبی۔ باب ۲۱۔آیت ۱۳، ۱۷) میں آنحضرت ﷺ کے ہجرت کرنے اور اس کے ایک سال بعد مکّے کے بہادروں کے گھٹ جانے اور تیرانداز کم ہوجانے کی واضح پیشگوئی موجود ہے۔

چونکہ آپؐ تمام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اس لئے اس میں غلبہٴ اسلام کی پیشگوئی بھی

اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ
طرف بعض کے بات کو کہیں گے وہ لوگ جو کمزور سمجھے گئے ان لوگوں کو جنہوں نے

اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ
تکبر کیا اگر نہ ہوتے تم البتہ ہوتے ہم ایمان لانے والے کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے

اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ
تکبر کیا ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے گئے کیا ہم نے روکا تھا تم کو

عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَقَالَ
ہدایت سے بعد اس کے کہ آئی تمہارے پاس بلکہ تھے تم مجرم اور کہیں گے

ہے اور بتایا کہ تمام عالم پر غلبۂ اسلام کا زمانہ آخری ہزار سال ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تحریروں میں یہ ثابت کیا ہے۔ (تفصیل سورۃ التوبہ :۳۳) **هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ** (۹۔۳۳) وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ادیانِ باطلہ پر دین کا کامل غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ہوگا جب صرف ایک ہی دین باقی رہ جائے گا (ابن جریر جلد ۲۸۔ صفحہ ۵۳) یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا وقت ہوگا جو آگے ہوسکتا ہے نہ پیچھے۔

۳۲۔۳۳۔ **اُستُضعِفوا**۔ وہ کمزور سمجھے گئے۔ وہ کمزور بنادئے گئے۔ **اُستُضعِفوا** میں اشارہ ہے کہ یہ طبقات امراء کے ہی وضع کردہ ہیں جنہوں نے لوٹ کھسوٹ کرکے ایک طبقہ کو بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم کردیا۔ اس رکوع میں کفار کے انہی دوگروہوں کا ذکر کیا۔ متمول طبقہ حق کی مخالفت کے لئے کمزور وضعیف طبقہ کو اکساتا ہے اور وہ بغیر سوچے سمجھے ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ دونوں سزا کے مستحق ہیں۔

پہلے غلبۂ اسلام اور کفار کی ہزیمت کے متعلق پیشگوئیاں بیان کیں اور بتایا کہ وحی الٰہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نشان ہے۔ اس پر کفار نے نہایت متکبرانہ انداز میں کہا کہ ہم اس وحی پر ایمان لاتے ہیں نہ اس سے پہلی پر۔ یہاں بتایا کہ انہیں اس کی سزا قیامت کو ملے گی۔ اب میدانِ حشر میں کفار کی حالت کا نقشہ پیش کیا اور بتایا کہ کاش تم میدانِ حشر میں ان ظالموں کو دیکھو جب یہ اپنے ربّ کے حضور مجرموں کی طرح کھڑے ہوں گے اور اپنی گمراہی کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ کوئی بھی اپنا جرم ماننے کو تیار نہیں ہوگا۔ عامۃ الناس، متکبر سردارانِ قوم سے

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ
وہ لوگ جو کمزور سمجھے گئے ان لوگوں کو جنہوں نے تکبر کیا بلکہ (یہ) تدبیریں تھیں رات

وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ
دن کی جب کہ تم حکم کرتے تھے ہمیں کہ ہم کفر کریں اللہ کا اور ٹھہرادیں ہم اس کے

اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ
شریک اور چھپائیں گے وہ ندامت جب دیکھیں گے عذاب

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ
اور ڈالیں گے ہم طوق گردنوں میں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا نہیں

يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ
بدلہ دیئے جائیں گے مگر اس کا جو تھے وہ عمل کرتے اور نہیں بھیجا ہم نے کسی

کہیں گے کہ ہم تو تمہاری وجہ سے برباد ہوئے اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔ اس پر خواص، کمزور طبقہ لوگوں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہیں زبردستی ہدایت سے نہیں روکا بلکہ تم خود مجرم تھے یعنی ہمارا ساتھ دینے میں تمہارے اپنے بھی کئی مفاد وابستہ تھے۔

۳۴۔ **اغلٰل**۔ واحد غُل۔ طوق۔ گلوبند۔

تب وہ لوگ جو دنیا میں ضعیف بنادئے گئے تھے کہیں گے کہ ہم یونہی مجرم نہیں بن گئے۔ تمہاری دن رات کی تدبیروں اور چالبازیوں نے ہمیں قبول حق سے روکے رکھا تم ہمیں ترغیب دیتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس کا شریک ٹھہرائیں۔ پس عذاب کو دیکھ کر سخت ندامت محسوس کریں گے اور اپنی ندامت ایک دوسرے سے چھپائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں سب کے سامنے ذلیل کرے گا اور ان کی گردنوں میں طوق ڈالے گا۔ یہ سزا ان کی بداعمالیوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ان کے اعمال کے مطابق ہی انہیں سزا ملے گی۔

انبیاء علیہم السلام بندگان خدا کی گردنوں کو عقائد باطلہ اور غلط رسوم و قیود کے طوق و سلاسل سے آزاد کروانے آتے ہیں لیکن یہ اپنی ہٹ دھرمی اور جھوٹی انا کی وجہ سے انہیں چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ پس یہی طوق و سلاسل قیامت کو حقیقی شکل میں ان کی گردنوں سے لپٹ جائیں گے۔

یہ نقشہ جنگ بدر میں بھی سامنے آیا جب یہ مجرم شکست خوردہ قیدیوں کی صورت کھڑے تھے اور ان کی مشکیں کسی گئیں۔

قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ
بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہا خوشحالوں نے اس کے یقیناً ہم اسکے کہ

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ
بھیجے گئے ہو ساتھ جسکے کافر ہیں اور کہا انہوں نے ہم زیادہ ہیں اموال اور

اَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ
اولاد میں اور نہیں ہم ہرگز عذاب دیئے جانیوالے تو کہدے یقیناً رب میرا فراخ کرتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ ع ۴ ۱۰
جانتے اور نہیں مال تمہارے اور اولاد تمہاری وہ کہ جو قریب کرے تم کو

عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ
نزدیک ہمارے قرب میں مگر وہ شخص جو ایمان لایا اور عمل کئے نیک تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ
ان کے لیے بدلہ ہے دگنا اس کا جو کیا انہوں نے اور وہ بالا خانوں میں

اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ
امن سے ہونگے اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں آیات میں ہماری عاجز کرنیکے لیے

۳۵۔۳۶۔اگر آج سردارانِ مکّہ تمہاری رسالت کے منکر ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ۔ ہر نذیر کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کہ اس بستی کے متموّل لوگوں نے پیغام حق کو جھٹلایا ۔اس لئے کہ انہیں ہمیشہ اپنے اموال اور اولاد کی کثرت پر زعم رہا نیز یہ کہ ہمیں کبھی سزا نہیں ہوگی اور ہمارے اموال و نفوس ہمیں عذاب سے بچانے کا باعث ہوں گے۔ اگلی دو آیات میں اس خوش فہمی کا جواب دیا گیا ہے۔

۳۷۔اے محمدؐ آپ ان کو بتادیجئے کہ جن نعمتوں پر تم گھمنڈ کرتے ہو یہ میرے ربّ کی عطا ہیں۔وہ جس پر چاہتا ہے اپنا رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے ۔ یہاں پیشگوئی فرمائی کہ عنقریب اس رزق کے وارث مسلمان ہوں گے۔ تاہم دنیا میں رزق کی تنگی و کشادگی ، قانونِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحتوں اور حکمتوں کے تحت ہوتی ہے۔کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ۔ لیکن اکثر لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے اور دنیوی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی دلیل گردانتے ہیں۔

۳۸۔ اس رکوع میں بتایا کہ جس کثرتِ مال پر کفار مکّہ کو زعم ہے وہ گزشتہ اقوام کے

اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ
وہ لوگ عذاب میں حاضر کئے جانیوالے ہیں تو کہدے یقیناً رب میرا فراخ کرتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ
رزق جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا اس کے لیے اور نہیں

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
خرچ کروگے تم کوئی چیز تو وہ بدلہ دے گا اس کا اور وہ بہتر ہے

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ
رزق دینے والوں سے اور جس دن اکٹھا کرے گا ان سب کو پھر کہے گا

اموالِ کے مقابلہ میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتے یہاں دو معنی مراد لئے جاسکتے ہیں اوّل یہ کہ اللہ سے قریب کرنے والی چیز مال اور اولاد نہیں بلکہ ایمان اور نیک اعمال ہیں۔ دوم یہ کہ مال اور اولاد اس مومن صالح کے لئے ذریعہ تقرّب الٰہی بن سکتے ہیں جو اپنے اموال کو راہ خدا میں خرچ کرے اور جن کی اولادیں سچے دل سے ایمان لائیں ، نیک اعمال بجالائیں اور اللہ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کریں۔ایسی نیک اولاد اپنے والدین کے لئے دوہرے اجر کا باعث ہوگی۔پہلا صالح والدین کے اپنے اعمال کا اجر دوسرا اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کرکے انہیں ہدایت کی راہ پر ڈالنے کا اجر۔ دوگنا تو کم ازکم ہے ورنہ یہ اجر بے حد وحساب بھی ہوسکتا ہے۔وہ بالا خانوں میں امن سے رہیں گے۔ یعنی ان نعمتوں کے چھن جانے کا خطرہ نہیں ہوگا۔

۳۹۔ابھی مومنین صالحین کا ذکر ہوا جن کی زندگی کا مطلوب و مقصود اپنے ربّ کا قرب حاصل کرنا تھا وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے اور اعلیٰ ترین اجر سے نوازے گئے۔اب ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مال اور اولاد کو اپنا خدا بنائے ہوئے تھے۔انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو نیچا دکھانا ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالیا انہوں نے اسی تگ و دو میں زندگی گزاری ۔یہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جانے والے ہیں۔

۴۰۔ **خَلَفَ** ۔ پیچھے رہنے کا معنی دیتا ہے۔ **اَخْلَفَ اللّٰهُ عَلَيْكَ** ۔ اللہ تجھے ضائع شدہ چیز کا نعم البدل عطا فرمائے ۔(راغب) **يُخْلِفُهٗ**۔ وہ اس کا اچھا بدلہ دے گا۔

معمولی فرق کے ساتھ اس مضمون کی تکرار ہوئی ہے۔(آیت:۳۷)میں کفار سے خطاب تھا اور مقصود یہ بتانا تھا کہ رزق کی تنگی یا کشادگی وہ پیمانہ نہیں جس سے کسی کی نیکی یا بدی کو ماپا جائے۔ اس آیت میں مخاطب مومنین صالحین ہیں اور بتانا یہ مقصود ہے کہ راہ خدا میں خرچ کئے

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۱﴾ قَالُوْا
فرشتوں کو کیا یہ لوگ تمہاری تھے عبادت کرتے وہ کہیں گے

سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
پاک ہے تو ، تو کارساز ہے ہمارا سوائے ان کے (نہیں) بلکہ تھے وہ عبادت کرتے

الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
جنوں کی اکثر ان کے ان پر ایمان رکھنے والے تھے پس آج نہیں اختیار رکھتا

ہوئے مال کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ بہترین بدلہ دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔اس لئے کہ وہ رزق عطا کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہے۔ رازقین میں مجازاً مخیّر بندوں کو شامل کیا۔ اللہ تعالیٰ رازقِ حقیقی ہے اس لئے اسے خیرالرازقین کہا۔یہاں مومنوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب وتحریص فرمائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے زمانہ میں راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کو قیصرِ و کسریٰ کے خزانے ملے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں دو دو اور چار چار آنہ چندہ دینے والوں کی اولادیں آج لاکھوں اور کروڑوں روپے چندہ میں دیتی ہیں۔ (تفصیل ۳۶-۵۳)

۴۱-۴۲۔اب شرک کے مضمون کی طرف عود فرمایا جو تمام مکی سورتوں کا مرکزی نکتہ ہے۔ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور دیویاں سمجھ کر ان کے ناموں پر بت بناتے اور ان کی پرستش کرتے تھے تاہم جنّوں کی عبادت ثابت نہیں البتہ بعض پیر فقیر اور سفلی علوم والے ان کو قابو کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔بیشک جنّ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے تفصیل (سورۃ الحجر:۲۸۔سورۃ النمل:۱۸) یہاں جنّ سے مراد **جِنَّ النَّاسِ مُعَظَّمُهُمْ**۔(اقرب) کے تحت بڑے لوگ یعنی سرداران قوم تھے۔قرآن کریم میں غریب اور کمزور لوگوں کے مقابل جس گروہ کا ذکر ہے اس کے لئے جنّ کا لفظ آیا ہے۔اسی لئے ہندی میں بھی بہت پیسے والے کو مہاجن کہا جاتا ہے۔یعنی بڑا جنّ۔ قیامت کے روز یہ سوال صرف فرشتوں سے ہی نہیں ہوگا بلکہ ان تمام ہستیوں سے پوچھا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی گئی۔(سورۃ فرقان:۱۸) ترمذی میں عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگ اپنے سرداروں کی عبادت کرتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم ان کی عبادت تو نہ کرتے تھے۔آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا! کیا ان کے کہنے پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کہتے تھے۔حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
بعض تمہارا بعض کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا اور ہم کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے

ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۳﴾
ظلم کیا چکھو عذاب آگ کا وہ کہ تھے تم جس کی تکذیب کرتے

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا
اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات ہماری کھلی کھلی وہ کہتے ہیں نہیں یہ مگر

رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ
ایک مرد جو چاہتا ہے کہ روک دے تم کو اس سے کہ تھے جسکی عبادت کرتے باپ دادا تمہارے

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اور کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر جھوٹ گھڑا ہوا اور کہا ان لوگوں نے

كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۴﴾
جنہوں نے کفر کیا حق کے لیے جب وہ آیا ان کے پاس نہیں یہ مگر جادو کھلا کھلا

ہاں یارسول اللہ ﷺ ایسا تو تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔ گویا سرداران قوم یا دیگر سیاسی یا مذہبی اجارہ داروں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام کہنا نیز ان کی غلط راہوں کو اختیار کرنا گویا ان کی عبادت کرنا ہی ہے۔

۴۳۔اس دن کوئی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ دنیا میں ظالم لوگ جسے چاہتے فائدہ پہنچاتے ہیں اور جسے چاہتے نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ بعض اوقات کمزور اور ماتحت لوگ بھی اپنے آقاؤں کو نقصان پہنچادیتے ہیں یا ان کے نفع کا باعث ہوجاتے ہیں۔پس اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو مع ان کے متبعین کے کہے گا کہ جس عذاب کی تم تکذیب کرتے تھے اور جس سے بے فکر ہوکر مظالم کرتے تھے اب اس کا مزا چکھو۔ گویا یہ عذاب صرف چکھنے کے لئے ہے۔ اصل عذاب آگے ہے۔یا یہ کہ چکھنے سے زیادہ کی ان میں طاقت نہیں ہوگی۔

۴۴۔کفار مکّہ اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ انہی بتوں کو پوجتے تھے جن کی پوجا ان کے آباء واجداد کرتے آئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ خدائے واحد کی طرف بلانے آئے تھے۔پس وہ آپؐ پر یہی الزام دھرتے کہ آپؐ ایک عام انسان ہیں جو ہمیں ہمارے آباء واجداد کے معبودوں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں وحی الٰہی پر یقین نہیں تھا۔ وہ آپؐ پر یہ بھی الزام لگاتے کہ آپ اپنے نفس سے جھوٹ گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کفار مکّہ جب قرآن جیسے حق کو نہ جھٹلا سکے تو انہیں کہنا پڑا کہ یہ تو کھلا کھلا جادو ہے تاکہ لوگ جادو

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ

حالانکہ نہیں دی تھیں ہم نے انہیں کوئی کتاب کہ پڑھتے ہوں وہ جنہیں اور نہیں بھیجا ہم نے

اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

طرف ان کی پہلے تجھ سے کوئی ڈرانے والا اور تکذیب کی ان لوگوں نے جو

قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا

پہلے تھے ان سے حالانکہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اسکے جو دیا تھا ہم نے ان کو پس تکذیب کی انہوں

رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ ع ۵ ۹ ۱۱

نے رسولوں کی میرے پس کیسا ہوا عذاب میرا توکہدے سوائے اسکے نہیں کرمیں نصیحت کرتا تمکو

بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ

ایک بات کی یہ کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک پھر

تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا

غور وفکر کرو نہیں ساتھی کو تمہارے کوئی جنون نہیں ہے وہ مگر

سمجھ کر آپؐ کی بات پر کان نہ دھریں۔

۴۵۔۴۶۔ **معشار**۔ کسی چیز کا عُشر یعنی دسواں حصہ ہے۔ (مفردات راغب) نکرا انکار کے معنی دیتا ہے۔ **نکیر**۔ سخت عذاب۔

کفار مکّہ کی بت پرستی کسی علم یا وحی الٰہی کی بنا پر نہیں تھی یہ محض اسلاف کی اندھی تقلید تھی۔ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ نہیں تھا اور نہ ماضی قریب میں ان کے پاس کوئی نذیر آیا۔ گو انہیں یہ علم تو تھا کہ بہت قدیم زمانہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ آئے تھے لیکن ان کی کسی تعلیم کا علم نہیں تھا۔ ہاں یہ ضرور جانتے تھے کہ ان کے اردگرد بعض قوموں پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہوئیں اور جو حکومت اور دبدبہ انہیں حاصل ہوا اہل عرب ان کے عشرعشیر کو بھی نہیں پہنچتے۔ گویا ان کی شان و شوکت کے مقابلہ میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہ تھی۔ جب ان قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو ان کی دنیوی طاقت اور جاہ و جلال انہیں اللہ کی سزا سے نہ بچا سکے تو ان کی کیا حقیقت ہے۔ پس ان قوموں کے انجام سے انہیں عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ یہاں خاص طور پر قوم سبا کی طرف اشارہ ہے۔

۴۷۔ آخری رکوع میں اس پیشگوئی پر سورۃ کو ختم کیا کہ حق غالب آ کر رہے گا۔ سرداران مکہ آپؐ کی مخالفت میں اندھے ہو رہے تھے اور کچھ سوچنے سمجھنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے مختلف اعتراضات کے جوابات دینے کے بعد انہیں غور و فکر کی دعوت دی اور دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے

نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ

ڈرانیوالا تمہارے لیے آگے عذاب سخت کے توکہدے

مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

جو مانگا ہو میں نے تم سے کوئی اجر وہ تمہارے لیے ہے نہیں اجر میرا مگر ذمہ

اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ

اللہ کے اور وہ ہر چیز پر نگران ہے توکہدے یقیناً رب میرا ڈالتا ہے

بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ

حق خوب جاننے والا ہے غیبوں کا توکہدے آگیا حق اور نہیں پہلی بار پیدا کرتا

الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ

(معبود) باطل اور نہ دوبارہ پیدا کرتا ہے توکہدے اگر گمراہ ہو جاؤں میں تو سوائے اسکے نہیں کہ گمراہ ہونگا

فیصلہ طلب کرنے کی طرف متوجہ کیا کہ ہر قسم کے تعصب سے خالی الذہن ہو کر اکیلے اکیلے یا دو دو اللہ کے حضور کھڑے ہو کر دعائیں کریں اور غور کریں۔ جب خلوت و تنہائی میں تمام معبودان باطلہ کی نفی کر کے اللہ سے فیصلہ کے طالب ہوں گے۔ پھر باہم صلاح مشورہ اور غور و فکر کریں گے تو ضرور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ **صاحبکُم** میں اشارہ کیا کہ یہ کوئی غیر نہیں جسے تم جانتے نہیں تمہارا اپنا دوست اور ساتھی ہے جس کے حالات سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ کل تک جو تمہارے درمیان نہایت دانا اور سمجھدار تسلیم کیا جاتا تھا یکایک مجنوں کیسے ہو گیا۔ مجنوں کو تو اپنے نفس کی ہوش نہیں ہوتی چہ جائیکہ دوسروں کی فکر کرے۔ اس کے تو سارے وعظ و نصیحت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ آنے والے شدید عذاب سے پہلے تمہیں ڈرانا چاہتا ہے۔

۴۸۔ سرداران مکّہ کے اس باطل خیال کو ردّ فرمایا کہ آپؐ کے دعویٰ میں کوئی دنیوی غرض پوشیدہ ہے۔ فرمایا میں اس محنت کے بدلہ، جو دن رات تمہاری ہدایت اور بہبود کے لئے کوشاں ہوں، تم سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو میرے اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ گواہ ہے کہ بندگان خدا کی ہدایت میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ یہ معنی بھی ہیں کہ اگر ایک نبی مالی قربانیوں کی تحریک کرتا ہے تو اس میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ وابستہ نہیں ہوتا، امت کا ہی فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ اس کا اجر تو اللہ کے سوا کسی پر نہیں۔

۴۹۔۵۰۔ **قذف**۔ پھینک مارنا۔ باطل سے مراد شرک ہے۔ جو بھی غور و فکر کرے گا وہ اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ **قل جآءَ الحقُّ وزهق الباطلُ ط انَّ الباطلَ كان زهوقًا٥**

عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ
اپنے آپ پر اور اگر ہدایت پاؤں میں تو بسبب اس کے کہ وحی کرتا ہے طرف میری رب میرا

اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۱﴾ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا
یقیناً وہ خوب سننے والا قریب ہے اور کاش دیکھے تو جبکہ وہ گھبرائیں گے پس نہ

فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ
بھاگنا ہوگا اور پکڑے جائیں گے مکان قریب سے اور کہیں گے ایمان لائے ہم اس پر

وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا
حالانکہ کہاں ہوگا ان کے لیے پکڑنا مکان دور سے اور یقیناً کفر کیا انہوں نے

(۱۷: ۸۲) کے تحت باطل کو انجام کار مٹنا ہی ہے۔

پس یہاں ایک عظیم پیشگوئی فرمائی جو آج بھی اپنی پوری شان سے آشکار ہورہی ہے۔ فرمایا میرا ربّ حق کے ذریعہ باطل کا سر توڑدے گا یہ پیشگوئی اس علاّم الغیوب کی طرف سے ہے جو غیب کا علم رکھتا ہے۔ فرمایا شرک اب پیدا ہوگا نہ دوبارہ جاری ہوگا گویا اب کبھی سر اٹھائے گا اور نہ لوٹ کر آئے گا۔ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور مکّہ میں پھر کبھی بت پرستی نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں بھی جہاں جہاں بت پرستی ختم ہوئی دوبارہ کبھی جاری نہیں ہوئی۔ ان آیات میں یہ بھی پیشگوئی تھی کہ حق اکنافِ عالم میں غالب آئے گا، باطل حق کے سامنے کبھی ٹھہر نہیں سکے گا اور شرک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔

۵۱۔ کفار و مشرکین آپ پر گمراہی کا الزام لگاتے تھے۔فرمایا اگر تمہاری نظر میں مَیں گمراہ ہوں تو تمہیں فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس گمراہی کا وبال میری ذات پر ہوگا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ مجھے ہدایت دیتا ہے میرا ہادی خود خدا ہے۔ پس میری گمراہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔وہ میری دعاؤں کو سنتا ہے اور میرے بہت قریب ہے۔ کیا اس کا مقرب کبھی گمراہ ہوسکتا ہے۔یہاں نبی کی صداقت کی ایک نشانی یہ بتائی کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور اپنے ربّ سے بہت قریب ہوتا ہے۔

۵۲-۵۳۔**فوت** ۔بھاگنا۔ بچنا۔ قابو سے نکلنا۔ **تناوُش** کے معنی ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو اٹھالینے کے ہیں۔ مقربین تو اپنے ربّ سے بہت ہی قریب ہیں۔ اب کفار و مشرکین کا حال بتایا کہ وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے ربّ سے بہت دور رہیں گے۔ **اذا فزعوا** میں قیامت کی گھبراہٹ مراد ہے۔ جب بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔تھوڑی ہی دور جائیں گے کہ

بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَیَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ
اس کا پہلے سے اور تیر تکے چلاتے ہیں متعلق غیب کے مکان

بَعِیْدٍ ﴿۵۴﴾ وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ
دُور سے اور روک ڈالی گئی درمیان انکے اور درمیان اسکے جو وہ چاہیں گے جیسا کہ کیا گیا

بِاَشْیَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ﴿۵۵﴾
ہم جنسوں سے اس کے پہلے یقیناً وہ تھے شک ہلاک کرنیوالے میں

ع ۶ ۹ ۱۲

پکڑ لئے جاہیں گے اور ایمان کا اقرار کریں گے۔ افسوس اب اتنی دور نکل گئے ہیں کہ ایمان کو پکڑنا ان کے بس میں نہیں۔ گویا اب ایمان ان کی پہنچ سے باہر ہے اس لئے کہ ایمان لانے کی جگہ دنیا تھی۔ جو دارالعمل تھی وہ مقام اب بہت دور رہ گیا ہے۔

مقامِ قریب سے پکڑے جانے سے دنیا کے عذاب کی طرف بھی اشارہ ہے۔ تفسیرابن جریر کے مطابق یہاں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے ۔فتح مکّہ بھی کوئی دور نہیں تھی **اذا فزعوا** میں بھی علاوہ قیامت کے فتح مکّہ کا نقشہ ہے جب آنحضرت ﷺ کی اچانک آمد سے سخت گھبراہٹ پھیلی اور مکّہ کی ان گلیوں میں پکڑے گئے جن میں حضرت بلالؓ جیسے صحابیٔ رسول کو گھسیٹا جاتا تھا اور اُسی جگہ بلالؓ کے جھنڈے تلے اٰمنّا کہتے ہوئے پناہ کے طالب ہوئے۔

۵۴۔**یقذفون**۔(قذف) وہ پھینکے جائیں گے۔ تیر تکے چلائیں گے۔ جب تمام غیب کے پردے ہٹ گئے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں حالانکہ قبل ازیں اس کا انکار کرچکے تھے اور دور بیٹھے بغیر غور وفکر کئے غیب کے متعلق قیافے کرتے رہے۔گویا کبھی حساب کتاب نہیں ہوگا یا یہ خیال کہ نبی کریمؐ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے یا جیسے آپ کو ساحر یا مجنون کہنا اور توحید کا مذاق اڑانا وغیرہ وغیرہ۔

۵۵۔**اشیاع**۔ شیعہ کی جمع ہے بمعنی مثیل یعنی اس جیسا۔ ہم مثل۔ **انھم کانوا۔** فی الدنیا۔ (روح البیان)

کفار ومشرکین نے دنیا میں خواہشاتِ نفسانی کو خدا بنائے رکھا۔ مال ومنال اور دنیوی مقاصد کی خاطر رسول کو جھٹلایا اور ایمان و ایقان کی دولت سے محروم رہے۔ یہاں بتایا کہ جن محبوب چیزوں کی وجہ سے حق کا انکار کیاوہ ان سے الگ کردی جائیں گی۔ ان کے اور ان چیزوں کے درمیان ایک روک ڈال دی جائے گی۔ ایسا دنیا میں بھی ہوا جب ان کے جگر گوشے اسلام میں

داخل ہوئے۔ بوقتِ مرگ بھی یہی نقشہ ہوگا جب تمام محبوب چیزیں جدا ہو جائیں گی او رقیامت کو بھی یہی ہوگا۔ آخرت میں ان کی خواہشات کے درمیان روک یہ ہوگی کہ وہ ان سے محروم کئے جائیں گے۔ یہ بھی مراد ہے کہ قیامت کو ان کی ایمان لانے کی خواہش یانجات پانے اور جنت میں جانے کی خواہشیں ردّ کردی جائیں گی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں نہ ان سے کوئی الگ سلوک ہے ان جیسے ہم قماش لوگوں سے ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ ان کی محبوب اشیاء ان سے چھین لی جاتی ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ خدائی صداقتوں کے متعلق ہمیشہ شک و شبہ میں مبتلا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی دن رات کی سعی و تبلیغ کے باوجود نہ آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے نہ قرآن پاک پر جو آپؐ ان کی ہدایت کے لئے لے کر آئے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ فاطر۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی چھیالیس آیات اور پانچ رکوع ہیں

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور بعث بعد الموت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا نزول غالباً مکی زندگی کے آخری دور میں ہوا۔ جب کفار کی مخالفت شدت اختیار کرچکی تھی۔

پچھلی سورۃ میں قومِ سبا، حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کے واقعات میں مسلمانوں سے حکومت اور دنیوی انعامات کا وعدہ فرمایا تھا، ساتھ ہی تنبیہ فرمائی تھی کہ قرآنی تعلیمات کو نظر انداز کرنے اور دنیوی عیش و عشرت میں کھو جانے کا نتیجہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ قومِ سبا کی تباہی میں تم دیکھ چکے ہو اور یہ خدا تعالیٰ کی ایک جاری سنت ہے۔

اس سورۃ میں انہی حقائق کا اعادہ فرمایا اور مسلمانوں کو وعدہ دیا گیا ہے کہ اگر وہ قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف دنیوی نعمتوں سے متمتع فرمائے گا بلکہ حکومت سے بھی نوازے گا۔ گویا مسلمانوں کی دنیوی ترقیات قرآنی تعلیمات پر عمل سے مشروط ہیں۔ وہ غیر اقوام کی طرح دین سے الگ رہ کر دنیوی ترقی نہیں کرسکتے۔ پس یادرکھیں کہ اللہ غنی ہے۔ جب مسلمان قرآن کریم پر عمل کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بھی محروم ہو جائیں گے یہ مسلمانوں پر ظلم نہیں کیونکہ قبولِ اسلام کی شرط ہی یہ ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ اگر اس وعدہ سے انحراف کریں گے تو سزا بھی پائیں گے۔ نیز ترقی یافتہ اقوام اگر بعض خدائی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر اپنے دین سے منحرف ہو کر ترقی کر رہی ہیں تو اس کی وجہ ان کا بعض اوقات ارادۃً اور بعض اوقات غیرارادی طور پر بعض اسلامی اقدار کی بنیادی سچائیوں (Universal Truth) کو اپنانا ہے جنہیں مسلمان عام طور پر فراموش کر چکے ہیں جیسے محنت، امانت، دیانت، علم، تفکر، خدمت خلق، سچائی، صفائی وغیرہ (تفصیل کے لئے سورۃ العنکبوت آیت ۲۱) تاہم یہ اقوام بھی اگر رجوع بخدا نہ ہوئیں تو اپنی دیگر بداعمالیوں کی وجہ سے جلد ہی اللہ کی پکڑ میں آنے والی ہیں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پیدا کرنیوالا ہے آسمانوں کا اور زمین کا بنانے والا ہے فرشتوں کو

رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی

پیغام بر پروں والے دو دو اور تین تین اور چار چار بڑھاتا ہے

الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝۲ مَا

پیدائش میں جسے چاہتا ہے یقیناً اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے جو

پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی روحانی اور مادی نعمتوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ شیطان انسان کو روحانی نعمتوں سے محروم کر کے دکھوں میں مبتلا کرتا ہے۔

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **فاطر** اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ پیدا کرنے والا۔**الفطرۃ** کے اصل معنی کسی چیز کو پہلی مرتبہ پھاڑنے کے ہیں ۔ اسی سے روزہ افطار کرنا ہے۔ **اَجۡنِحَۃ**۔ جناح کی جمع ہے۔ جناح پرند کے بازوؤں اور کسی چیز کے دو جوانب کو کہتے ہیں ۔ انسان کے بازو کو بھی کہتے ہیں۔

تخلیقِ کائنات کی ابتدا کی طرف توجہ دلائی جب ہر چیز بند تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم دھماکے سے کھول دیا۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے ذکر میں انسان پر اللہ تعالیٰ کی مادی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا۔ساتھ ہی ملائکہ کے ذکر میں روحانی نعمتوں کی طرف اشارہ فرمایا اس لئے کہ ملائکہ، انبیاء و اولیاء پر اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے ہیں اور انسان پر روحانی نعمتوں کے نزول کا موجب ہیں۔ملائکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مومنوں کو نیکی کی تحریک کرتے ،ان کی نصرت و حفاظت کرتے، ان کی نیک مجالس کو دیکھتے اور حکم الٰہی سے ان پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ جبکہ کافروں کی تباہی کے لئے آتے ہیں۔ فرشتوں کے پَر ان کی طاقت ، صفات اور صلاحیتوں کے مظہر ہیں۔ تاہم ان کو ظاہر پر محمول کرنا درست نہیں۔ ان کی صحیح کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے جبریل علیہ السالم کو دو مرتبہ ان کی اصل شکل میں دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور وہ پورے افق پر چھائے ہوئے تھے۔(ترمذی) دو دو، تین تین اور چار چار میں ان کے فرائض کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو ان کو تفویض کئے گئے ہیں۔

یَّفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَ مَا

کھول دے اللہ لوگوں کے لیے کوئی رحمت تونہیں کوئی بند کرنے والا اُسے اور جو

یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ

بند کرے تونہیں کوئی جاری کرنیوالا اُسے بعد اس کے اور وہ عزت والا

الۡحَکِیۡمُ ۝۳ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ

حکمت والا ہے اے لوگو یاد کرو نعمت اللہ کی

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی خلق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اس میں کائنات کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہر دم وسعت پذیر ہے ۔ملائکہ اور دیگر مخلوق کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے کام کی نوعیت کے مطابق جن خواص کو چاہتا ہے ترقی دیتا ہے۔ ملائکہ نہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور انبیاء و اولیاء کے مابین پیغام رسانی کی خدمت انجام دیتے ہیں بلکہ تمام کائنات کے کاروبار کو انتہائی نظم ونسق سے چلانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

اگر موجودہ زمانہ میں سائنسی لحاظ سے دیکھیں تو کیمیائی دنیا میں چار بنیادی طاقتوں کا مختلف طریق سے ملنا اربوں اشیاء کی تخلیق کا موجب بنتا ہے۔ فرشتے مامور ہیں جن کے زیر اثر یہ چار (۴) صفات اثر کرتی ہیں۔نوبیل انعام یافتہ محترم ڈاکٹر عبدالسلام نے چار(۴) بنیادی توانائیوں کو دو(۲) ثابت کیا۔آپ نے برقی مقناطیس اور کمزور نیوکلیر کو ایک یعنی Weak Nuclear ثابت کیا اور نوبیل پرائز حاصل کیا۔آپ طاقتور نیوکلیر اور تجذیبیGravitational کو بھی اکٹھا ویک ثابت کرنے کی کوشش میں تھے تا ایک واحد سُپر توانائی رہ جائے۔اس طرح فاطر السمٰوٰتِ والارض کی وحدانیت کو ثابت کریں۔ لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔جب بھی کوئی آنے والا اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کا مالک(Genius) ایسا ثابت کردے گا تو اس آیت کی تشریح ایک نئے رنگ میں ظاہر ہوگی۔محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ انیسویں صدی کیمیا کی ، بیسویں صدی فزکس کی اور اکیسویں صدی Genetics کی صدی ہوگی اور حال کے تجربات سے ان کی یہ پیشگوئی بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔محترم ڈاکٹر سلام صاحب کے کچھ حالات (رعد ۵۸) میں گزرے ہیں آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ دنیا کے چنیدہ دماغوں میں سے ایک بہترین دماغ کے مالک تھے۔

۳۔انسان پر اللہ تعالیٰ کی مادی اور روحانی نعمتوں کا ذکر تھا۔ کسی پر رحمت کو جاری کردینا اور کسی پر رحمت کو روک دینا اس مقتدر اعلیٰ کے کامل غلبہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ تاہم وہ اپنے بندوں

عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

اپنے اوپر کیا ہے کوئی خالق سوائے اللہ کے جو رزق دے تم کو آسمان سے

وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۳ وَاِنْ

اور زمین سے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پس کہاں تم پھیرے جاتے ہو اور اگر

يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

جھٹلادیں وہ تجھے تو یقیناً جھٹلائے گئے رسول پہلے تجھ سے اور طرف اللہ کی

پر بے حد رحیم ہے اوراس کا ہر کام گہری حکمت کی بنا پر ہوتا ہے اگر کسی کو عطا کرتا ہے تو حکمت کا تقاضا یہی ہے۔اگر کسی سے روکتا ہے تو اسی میں حکمت ہوتی ہے صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خُدریؓ کی یہ روایت ہے کہ یہ کلمہ آپؐ نے رکوع سے سراٹھانے کے وقت پڑھا اوراس کلمہ سے پہلے فرمایا **اَحقُّ ماقال العبدو کُلُّنا لکَ**۔یعنی یہ کلمہ ان تمام کلمات میں جو کوئی بندہ کہہ سکتا ہے سب سے زیادہ اَحق اورمقدم و اعلیٰ ہے ۔ایسا آپؐ نے اس لئے فرمایا کہ یہ آیت اللہ عزّ وجلّ پر کامل توکّل کا سبق دیتی ہے اور غیر اللہ کی بکلی نفی کرتی ہے۔

۴۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کاذکر جاری تھا۔ فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اس کی نعمتوں اوراحسانوں کو یادکرنا، ان پر غور کرنا اور ان کا شکر اداکرنا ہے۔ آسمان و زمین سے رزق کا عطا ہونا۔ تفصیل کے لئے (سورۃ سبا:۲۵) رزق میں اس کی ہر عطا شامل ہے ۔ رازقِ حقیقی نے رزق کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی ہے ۔رزق کا نظام روزِازل سے لے کر قیامت تک تمام مخلوق کے لئے مقدر کررکھا ہے ۔ربّ العالمین کے سوا کوئی اس رزق کو جاری رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ پس تمام مخلوق کو رزق کی فراہمی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر آج اللہ کی کچھ مخلوق بھوکوں مررہی ہے تو یہ انسانی خودغرضیاں ہیں کہ چند افراد جائز و ناجائز طریقہ سے سب کچھ سمیٹ کر دوسروں کے حقوق پامال کررہے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ جب مقتدر اعلیٰ وہی ہے تو عبادت او ر اطاعت بھی اسی کو سزاوار ہے۔ شرک کے ابطال میں اتنے واضح دلائل کے باوجودتم کہاں سے دھوکا کھارہے ہویعنی کون لوگ ہیں جو تمہیں راہ راست سے بہکا کر غلط راہوں پر لے جارہے ہیں۔

۵۔وہ خالق و مالک جو آسمان اور زمین کے ذریعہ مادی رزق عطا کرنے پر قادر ہے وہ اپنے انبیاء کے ذریعہ روحانی رزق کا بھی بندوبست فرماتا ہے۔ پس اگر شرک سے باز نہیں آتے اور تجھے جھٹلارہے ہیں تو ان کا انجام بھی پہلے مکذبین انبیاء سے مختلف نہیں ہوگا۔ تمام امور کا آخری

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

پھیرے جاتے ہیں سب کام اے لوگو یقیناً وعدہ اللہ کا سچا ہے

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٭ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

پس نہ فریب دے تم کو زندگی ورلی اور نہ فریب دے تم کو بارہ میں اللہ کے

الْغَرُوْرُ ۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ

بڑا فریبی (یعنی شیطان) یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے پس سمجھو اسے دشمن

اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۶ ؕ

سوائے اسکے نہیں کہ وہ بلاتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ ہو جاویں دوزخ والوں سے

فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن یہ فیصلہ کبھی دنیا میں بھی نافذ کردیتا ہے۔

۶۔**غَرُوْر**۔ اس لفظ میں حرفِ غین پر زبر ہوتو دھوکہ دینے والا ہے ۔مراد شیطان ۔ اس لفظ میں حرف غین پر پیش ہوتو مصدر یا اسم ہے یعنی دھوکا یا دھوکا دینا۔

اللہ کا وعدہ خاص طور پر اسلام کے غلبہ اوربعث بعد الموت کا وعدہ ہے ۔پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تم دنیا کی رنگ رلیوں میں کھو کر آخرت سے غافل ہوجاؤ۔ یہ بھی مراد ہے کہ جب غلبۂ اسلام کا وعدہ سچاہو جائے اور تمہیں دنیا کی فراوانیاں نصیب ہو جائیں تو دنیوی عیش وعشرت میں مشغول ہو کر وعدہ آخرت کو نہ بھول جاؤ جہاں سب حساب کتاب دینا ہے۔ شیطان کا اللہ کے بارہ میں دھوکہ دینا یہ ہے کہ اللہ کے وجود اور صفات کے بارہ میں تمہارے ایمان کو کمزور کردے یا اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور قرآن کے بارہ میں تمہیں شک میں ڈال دے یا بعث بعد الموت پر تمہارے یقین کو متزلزل کردے ۔یہ بھی مراد ہے کہ شیطان بُرے کاموں کو اللہ کی طرف منسوب کرکے تمہیں دھوکہ دے اورتم اس کے بہکاوے میں آجاؤ اورگمراہیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود یہ سمجھو کہ ہم اللہ کے نزدیک مقبول ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا یا یہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخشے جائیں گے یا ہمارے پیر فقیر اس مقام پر ہیں کہ ہمیں بچالیں گے۔

۷۔شیطان تو ازّل سے تمہارا دشمن ہے اورمخلوقِ خدا کو راہ راست سے بہکاتا چلاآیا ہے۔ انبیاء کے آنے کا مقصد ہی مخلوقِ خدا کو شیطان کے دھوکے سے بچا کر سیدھے راستے پر ڈالنا تھا۔ پس شیطان کو اپنا حقیقی دشمن سمجھو اوراس کے دھوکے میں نہ آؤ ۔یہ کسی روپ میں بھی تمہارا خیر خواہ نہیں۔ وہ اپنے جیسے لوگوں کو جواس کے ہم خیال ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں کفر کی طرف بلاتا ہے ۔ **یدعواحزبہٗ فی الکفر** (جلالین) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہو

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے عذاب ہے سخت اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۸﴾ اَفَمَنْ ع ۸ ۱۲
عمل کئے نیک ان کے لیے بخشش ہے اور اجر بڑا کیا پس وہ شخص
زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ
کہ خوبصورت کی گئی اس کیلئے بُرائی اس کے کام کی پس دیکھا اُسنے اسے اچھا پس یقیناً اللہ گمراہ کرتا ہے
مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ
جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے پس نہ جاتی رہے جان تیری
عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۹﴾
ان پر افسوس سے یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے اُسے جو وہ کرتے ہیں

جاتے ہیں۔ یہاں صاف بتلایا کہ مومنین پر اس کا ہرگز اختیار نہیں۔

۸۔گروہِ ابلیس کا ذکر تھا۔ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے لئے سخت عذاب مقدر ہے۔ ان کے مقابلہ میں مومنین، صالحین کے لئے مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دی یعنی اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے ان کی مغفرت فرمائے گا۔ ایمان اور نیک اعمال پر بہت بڑے اجر سے نوازے گا۔ بڑے اجر میں اشارہ فرمایا کہ ان کے اعمال سے بہت بڑھ کر انہیں اجر ملے گا۔جبکہ اہل دوزخ کو ان کے اعمال کے مطابق سزا ملے گی یا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سزا میں کمی فرمائے گا یا بعض کو اپنے خاص فضل و احسان سے بخش دے گا۔

۹۔**تذهب نفسک**۔ تیری جان جاتی رہے۔ تو ہلاک ہوجائے۔

دوسرے رکوع میں بتایا کہ انسان کو عزت تعلق باللہ سے ملتی ہے۔انسان کی گمراہی کی بدترین شکل وہ ہے جب اسے اپنے بد اعمال اچھے لگنے لگتے ہیں۔ چونکہ وہ بُرائی کو بُرائی نہیں سمجھتا اس لئے کبھی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔یہ نقشہ اُس زمانہ میں عرب معاشرہ کا تھا اور آج بیشتر اقوام کی ایسی ہی حالت ہے کہ وہ اپنی بُرائیوں پر فخر کرتے ہیں۔ عرب میں شراب نوشی اور فحاشی کو سرداری کی علامت (Symbol) سمجھا جاتا تھا ۔ اگر یہ گمراہی کو اختیار کئے ہوئے ہیں تو اس کے یہ خود ذمہ دار ہیں ۔اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ ہاں اُن کو گمراہ قرار دیتا ہے جو عمداً ضلالت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ہدایت یافتہ بھی ان کو قرار دیتا ہے جو خوب سوچ سمجھ کر ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور پھر اس پر مداوٗمت اختیار کرتے ہیں۔ آپؐ کی شفقت علیٰ خلق اللہ کی کیفیت یہ تھی کہ جانی دشمنوں کے غم میں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے ہوئے تھے کہ یہ کیوں ہدایت حاصل نہیں

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ
اور اللہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل پھر ہم ہانک کر لیجاتے ہیں
اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ
طرف شہر مُردہ کے پس زندہ کرتے ہیں ہم اس سے زمین کو بعد موت کے اس کی
كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۱۰﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ
اسی طرح دوبارہ جی اُٹھنا ہے جو شخص ہے چاہتا عزت تو اللہ کیلئے ہے

کرتے۔ یہ آپؐ کے قلب کا اضطراب ہی تھا کہ ایسے پتھر دل لوگ ہدایت پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاروائیوں سے خوب واقف ہے ۔اگر باز نہ آئے تو اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

۱۰۔یہاں مردہ زمین کے زندہ ہونے کو بعث بعدالموت کے لئے دلیل قراردیا ۔ ہواؤں کا بادل کو اٹھانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کرنا تشریح کے لئے (سورۃ النور :۴۴ ۔ سورۃ الروم:۲۵) حقیقت تو یہ ہے کہ محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی درد میں ڈوبی ہوئی آہیں اور اضطراب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بادل کو کھینچ لائے جو مردہ دلوں کی سیرابی کا باعث ہوئے اور دنیا میں ہی ایک قیامت برپا ہوگئی جس سے مردے جی اٹھے۔ ظاہری معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو سمندر کے بخارات کو بادل کی شکل میں اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو مردہ زمین کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں گویا یہ بادل حکم خداوندی سے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے وہیں پہنچ جاتے ہیں اورمردہ زمین کو ازسرنو زندہ کردیتے ہیں۔ انسانوں کی روحانی احیاء بھی اسی قانون کے مطابق ہے وہ بھی وحی الٰہی کے ابر کرم سے سیراب ہوتے ہیں اور نئی روحانی زندگی پاتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے۔ جس طرح حکم الٰہی سے بظاہر مردہ زمین پر بارش ہوتے ہی روئیدگی پھوٹ پڑتی ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی حکم الٰہی سے اسرافیلؑ کے صور پھونکتے ہی مردے جی اٹھیں گے اور زمین سے نباتات کی طرح ہی پھوٹیں گے۔

۱۱۔ **کَلِمة**۔ بات۔ کَلِم جمع ۔باتیں۔ **یبوُر**۔ وہ خراب ہوگا۔ اکارت جائے گا۔

بعث بعد الموت کا بیان تھا ۔اب وہاں کی ذلت و رسوائی سے بچنے کی تدابیر بتائیں سردارانِ قریش اپنی جھوٹی عزت و انا کی خاطر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔قبولِ اسلام کی صورت میں ان کو اپنی اجارہ داریوں، معاشرے میں عزت و اکرام اور نذر و نیاز سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔سو ان پر واضح کیا کہ حقیقی عزت صرف اللہ کے لئے ہے یا پھر اس کے لئے جسے وہ خود عطا فرمائے۔ان کے معبودانِ باطلہ کے لئے ہے نہ ان کے سرداروں اور پروہتوں کے لئے۔ اب

الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ

عزت سب کی سب طرف اس کی چڑھتی ہیں باتیں اچھی اور عمل

الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ

نیک بلند کرتا ہے اسے اور وہ لوگ جو تدبیریں کرتے ہیں بُرائیوں کی ان کے لیے

عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿۱۱﴾ وَاللَّهُ

عذاب ہے سخت اور تدبیر ان لوگوں کی ہی اکارت جائے گی اور اللہ نے

خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ

پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر بنایا تم کو

أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ

جوڑے اور نہیں حمل والی ہوتی کوئی عورت اور نہ وہ جنتی ہے مگر علم سے اس کے

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا

اور نہیں عمر دیا جاتا کوئی عمر دیا ہوا اور نہ کم کیا جاتا عمر سے اس کی مگر

معبود حقیقی سے عزت حاصل کرنے کا طریق بتلایا کہ یاد رکھو جو چیز بلند ہوتی ہے وہ پاکیزہ کلمات ہیں اور نیک عمل اس کے رفع میں ممد ہوتا ہے یعنی بیشک پاکیزہ کلمات کا صعود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے لیکن رفع اور قربِ الٰہی عمل صالحہ کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا رفع اور قربِ الٰہی کے لئے نیک اقوال کے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ جو اسے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ کلم الطّیّب میں اوّل کلمہ توحید **لاالٰہ الااللّٰہ** لیا گیا ہے جو تمام پاکیزہ کلمات کا اصل ہے گویا سب سے پہلے توحید کا اقرار ہے۔ دیگر اذکار الٰہی اس میں شامل ہیں نیک اعمال میں تمام اوامر و نواہی داخل ہیں پس اقرار توحید کے بعد ان پر عمل کرنے والے ہی دنیا اور آخرت میں معزز و مقبول ہوں گے۔

جو مکذبین نعوذ باللہ من ذٰلک آپؐ کو ذلیل و نامراد کرنا چاہتے ہیں اور آپؐ کے خلاف بُری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب مقدر ہے جو ان کی ذلت کا موجب ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تدبیر تو ان لوگوں کی ہی اکارت جائے گی جب کہ آپؐ کے لئے کامیابی مقدر ہے۔

الیہ یصعدُ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی دعائیں سننا بھی ظاہر کیا گیا ہے لیکن دو شرائط کے ساتھ۔ دعائیں پاکیزہ ہوں اور ان کے ساتھ عمل صالحہ بھی ہو یعنی دعا کرنے والا نیک اعمال بجالانے والا بھی ہو یا کم از کم اس دعا کے مناسب حال کوشش کرنے والا ہو تب وہ کوشش اور نیک عمل اس دعا کی قبولیت اور خدا کے حضور بلند ہونے کا باعث بنے گا، ورنہ نہیں۔

۱۲۔ جھوٹی عزت کے متلاشیوں کو اس قادر مطلق کی بعض قدرتوں کی طرف متوجہ کیا اور ان

فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۲﴾ وَمَا يَسْتَوِي

ایک کتاب میں ہے یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے اور نہیں برابر ہوتے

الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَ

دو دریا یہ میٹھا خوشذائقہ خوشگوار ہے پانی اس کا اور

هَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَ

یہ نمکین بہت کڑوا اور ہر ایک سے تم کھاتے ہو گوشت تازہ اور

تَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ

نکالتے ہو زیور (کی چیزیں) پہنتے ہو تم اسے اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو اس میں

مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۳﴾

پھاڑنے والیاں (پانی کو) تاکہ حاصل کرو تم فضل اس کا اور تاکہ تم شکر گذار ہو

کی بے اختیاری اور بے وقعتی سے ان کو آگاہ کیا۔ جس بشر کی ابتدا مٹی جیسی ارذل شے سے ہوئی، پھر ایک حقیر قطرہ سے وجود میں آیا۔ یہ اُس رحیم و کریم کی ذرہ نوازی ہے کہ ترقی کے مراحل طے کرتا چلا گیا یہاں تک کہ زوج کی شکل میں بہترین ساتھی سے نوازا۔ تاہم تمام تر ترقیات کے باوجود اس کرمِ خاکی کا علم نہایت محدود ہے۔ اس کی کم علمی کی حد تو یہ ہے کہ دیگر بے شمار امور کے علاوہ حمل اور وضع حمل اور عُمروں کی طوالت و کوتاہی تک کا بکلی احاطہ نہیں کرسکتا۔ جبکہ علاّم الغیوب کا علم لامحدود ہے۔ اس کے لئے کل کائنات اور اس کے ذرّے ذرّے کا علم رکھنا نہایت آسان ہے۔ پس عزت کا سزاوار بھی وہی ہے۔ اس خالق و مالک کے مقابلہ میں تم کس عزت کا دعویٰ کرتے ہو۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے اس کی تشریح یہ فرمائی کہ نہ کوئی بڑی عمر والا بڑی عمر پاتا ہے اور نہ کسی کی عمر میں کوئی کمی کی جاتی ہے مگر وہ ایک قانون کے مطابق ہے۔ یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ یعنی عمر کا معاملہ تقدیر معلق ہے زیادہ بھی ہوتی ہے کم بھی ہو جاتی ہے اور یہ خدا کی آسان تبدیلیوں میں سے ہے۔ مشکل اور مبرم باتوں میں سے یہ بات نہیں۔ (مضامین حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل جلد دوم صفحہ ۷۶۷)

گویا اللہ تعالیٰ کا اپنے حکم منسوخ کرنے کا نام تقدیر معلق ہے۔ کتاب سے مراد کتاب قدرت بھی ہے۔ صحیفۂ کائنات میں غیر مبدّل قوانین جاری ہیں اور ہر چیز ازل سے لکھی ہوئی ہے جسے عقلمند اور غور و فکر کرنے والے ہمیشہ سے پڑھنے کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔

۱۳۔ **بحر** کے لفظی معنی دریا کے ہیں۔ اصل میں اس وسیع مقام کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے پانی جمع ہو۔ (مفردات راغب) سمندر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ
وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
اس نے کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے تا میعاد مقررہ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
یہی ہے اللہ رب تمہارا اس کی بادشاہی ہے اور وہ لوگ کہ جنہیں پکارتے ہو تم
دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا
سوائے اسکے نہیں وہ اختیار رکھتے کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کا بھی اگر تم پکارو انہیں نہیں

دو سمندروں کا ذکر جس میں ایک کا پانی بہت میٹھا اور ایک کا سخت کڑوا ہے سورۃ الفرقان (آیت:۵۴) میں گزر چکا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے بیان میں فرمایا کہ دریاؤں، چشموں اور جھیلوں وغیرہ کا میٹھا پانی اور سمندروں کا کھاری پانی ایک جیسے نہیں ہوسکتے لیکن تم دونوں سے برابر فوائد حاصل کرتے ہو۔ دونوں سے مچھلی کی صورت تازہ بتازہ گوشت حاصل کرتے ہو جو گوشت کی بہترین قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کھاری پانی میں پرورش پانے والی اور میٹھے پانی میں پرورش پانے والی مچھلیوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کھارا پانی مسلسل پینے کے باوجود کھارے پانی کی مچھلی میں ہرگز کوئی کڑواہٹ نہیں ہوتی۔ مچھلی کو **لحما طریا** کہا گویا یہ بنا بنایا تازہ گوشت ہے جسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ نیز موتی وغیرہ نکالتے ہو جنہیں زیبائش کے لئے پہنتے ہو۔ یہاں مذکر کا صیغہ استعمال کیا کیونکہ موتیوں اور قیمتی پتھروں وغیرہ کا پہننا مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ ان فوائد کے علاوہ تمہاری بحری تجارت کا تمام دار ومدار سمندروں پر ہے۔ تفصیل کے لئے (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶۷) پس اللہ تعالیٰ کے یہ بے شمار فضل و احسان اس لئے ہیں کہ تم شکر گزار بنو۔ روحانی معنی یہ ہوں گے کہ جب میٹھے اور کڑوے دونوں پانی نفع رساں ہیں تو اہل کفر کیوں دنیوی نفع رسانی کا موجب نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج قریباً تمام اہم اور حیران کن ایجادات کے موجد مغرب کے سائنسدان ہی ہیں۔

۱۴۔ اللہ عزّوجل کی قدرتوں کا ذکر جاری تھا۔ رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں سورج اور چاند کی گردش کی طرف اشارہ ہے جو دن رات اور مہ وسال کو ظہور میں لاتی ہے فرمایا اس نے شمس وقمر کو مخلوق کی خدمت میں لگا رکھا ہے جو دن رات، مہ و سال اور موسموں کے تغیر و تبدل کے علاوہ مختلف انداز سے اہلِ زمین کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ **کُلٌّ** میں شمس وقمر کے علاوہ تمام اجرام فلکی اور فضا میں موجود تمام دیگر اشیاء شامل ہیں جو ایک معین مدت کے لئے ایک سمت

يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ
سنیں گے پکار تمہاری اور اگر سنیں تو نہ جواب دیں گے تم کو
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ
اور بروز قیامت وہ انکار کریں گے شرک کا تمہارے اور نہ آگاہ کرے گا تجھے
مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۵ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى ع ۲ ۱۴
مانند بہت خبردار کے اے لوگو تم محتاج ہو
اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۶ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
اللہ کے اور اللہ ہی بے پرواہ خوبیوں والا ہے اگر وہ چاہے لے جاوے تمہیں

میں رواں ہیں اور اس مدت سے آگے نہیں نکل سکتیں۔ اے لوگو! یہ ہے اللہ، تمہارا ربّ، عظیم قدرتوں والا۔ اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی بادشاہت ہے۔ جن ہستیوں کو تم اس کے سوا اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہو وہ تو کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی مالک نہیں۔ تمہاری حاجت روائی کیا کریں گی۔ **والذین** میں بتلایا کہ یہاں بُت مراد نہیں بلکہ وہ قابل احترام ہستیاں مراد ہیں جن کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے جیسے انبیاء و اولیاء یا ملائکہ وغیرہ یا جن کے مزاروں پر جاکر مرادیں مانگتے تھے۔

۱۵۔ وہ بزرگ جن کو خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ مرنے کے بعد تمہاری پکار سن نہیں سکتے۔ اگر فرشتے وغیرہ یہ پکار سنتے ہیں تو بھی جواب دینے یا تمہاری درخواست پر غور کرکے تمہاری حاجت براری پر قادر نہیں۔ حتیٰ کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بھی ہماری پکار سن سکتے ہیں نہ براہ راست فیض پہنچا سکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے (سورۃ احزاب:۵۷) یہ اللہ کا احسان ہے کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے انوار اور فیوض و برکات جاری ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کو مستفیض فرماتا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ قبروں پر کی گئی دعائیں اہل قبور کو کسی نہ کسی رنگ میں سنائی دیتی ہیں۔ تاہم وہ جواب دینے یا کسی کی مراد پوری کرنے پر قادر نہیں۔ قیامت کے روز وہ اس سے انکار کریں گے کہ تم ان کو شریک ٹھہراتے تھے یا ان کی عبادت کرتے تھے۔ اے رسول، یہ تمام حقائق اور آخرت کی باتیں جو ہم تمہیں بتلا رہے ہیں خدائے علیم وخبیر کی مانند کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا۔ یہ خدائے علیم وخبیر ہی ہے جو ان حقائق سے پردہ اٹھا رہا ہے اور تمہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کر رہا ہے۔

۱۶ تا ۱۸۔ تیسرے رکوع میں بتایا کہ سب قوموں کی طرف رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان کی ربوبیت روحانی فرمائی۔

وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۷﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۸﴾
اور لائے خلقت نئی اور نہیں یہ اللہ پر ہرگز مشکل
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى
اور نہیں اُٹھاتا کوئی بوجھ اُٹھانیوالا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے بوجھ والی طرف
حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا
اپنے بوجھ کی نہیں اُٹھایا جاویگا اس سے کچھ بھی اور اگرچہ ہو وہ رشتہ دار سوائے اسکے
تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا
نہیں کہ تو ڈراتا ہے ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے غائبانہ اور قائم کرتے ہیں
الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى
نماز اور جو پاکیزگی حاصل کرے تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے اپنے لیے اور طرف

جب یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ کوئی جھوٹا معبود تمہاری دادرسی نہیں کرسکتا اور انسان حقیقتاً اللہ ہی کا محتاج ہے تو اسی کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرو۔ جبکہ خود وہ غنی ہے اور ہر حاجت سے بے نیاز ہے۔ اسے تمہاری اطاعت و عبادت کی کوئی حاجت ہے اور نہ وہ تمہاری حمد کا محتاج ہے ۔وہ حمید ہے یعنی کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے اپنی ذات میں خود محمود ہے ۔پس تمہارے نیک اعمال تمہاری اپنی ذات کو ہی فائدہ پہنچانے کے لئے ہیں تاتمہاری دنیا و آخرت سنور جائے۔

اس کی لامحدود قدرتوں اور قوتوں اور تمہاری بے اختیاری اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ جب چاہے تمہارے کفر و عصیان کی وجہ سے تمہیں فنا کردے اور ایک نئی مخلوق لے آئے جو تمہاری جیسی بداعمالیوں کی مرتکب نہیں ہوگی۔ یہ تقدیر الٰہی ہے ایسا ازل سے ہوتا آیا ہے کئی فرعون و ہامان اور قیصر و کسریٰ مٹادئے گئے اور ذلیل و حقیر سمجھے جانے والے اللہ کے نیک بندے ان کے وارث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق ہمیشہ سے ہے ۔ وہ ہمیشہ سے خلق کرتا آیا ہے پس یہ بھی مراد ہے کہ تمہاری صف لپیٹ دی جائے اور کوئی نئی مخلوق پیدا کردے۔ اللہ پر یہ بات ہرگز دشوار نہیں۔ اگر تمہیں مہلت مل رہی ہے تو اللہ کی صفات غنی اور حمید کی وجہ سے ہے کہ شاید سمجھ جاؤ۔

۱۹۔**مُثْقَلَةٌ۔ اَثْقَلَهٗ** کے معنی ہیں اسے بوجھ کے نیچے دبادیا۔ **مُثْقَلَة** وہ ہے جو اس طرح دبا ہوا ہو۔ (لسان العرب) مراد گناہوں کے نیچے دبا ہوا ہے۔ کیونکہ **ثِقْل** ذنب کو بھی کہتے ہیں۔

تمہاری بے بسی کا تو یہ حال ہے کہ اس ربّ رحیم کے حضور حاضری کے وقت کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔ کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ

نہیں اٹھائے گا خواہ وہ اپنے کسی قریبی کو ہی مدد کے لئے کیوں نہ پکارے۔ یہاں ان کا بھی ردّ فرمایا جو معبودانِ باطلہ پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں کہ ہماری بخشش کروادیں گے۔ یا دور حاضر کے بعض نام نہاد مسلمان جو آنحضرتﷺ کی شفاعت کا غلط مفہوم لیتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین مکذبین کے اس انجام سے ہمیشہ رنجیدہ رہتے۔ آپ کو تسلی دی کہ ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر غم نہ کریں آپؐ کے انذار سے طالبانِ حق ہی مستفید ہوں گے۔ جو اپنے ربّ سے اس کے غیب میں ہونے کے باوجود ڈرتے ہیں۔ جن کو حق کی طلب ہی نہیں ، آپؐ ان کی فکر میں اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ یہاں بتلایا کہ طالبانِ حق مومنین کاملین ہیں۔ اب ان کی بعض صفات کا ذکر کیا۔ اوّل یہ کہ وہ اپنی خلوتوں میں اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا نہیں دیکھ رہا تو ربّ تو دیکھتا ہے۔ پس وہ ہر اس گناہ سے بچتے ہیں جو لوگوں سے چھپ کر کئے جاتے ہیں۔ ان میں ہر قسم کے فسق و فجور کے علاوہ چوری ، رشوت اور غیبت وغیرہ بھی شامل ہے۔ جو پوشیدہ گناہوں سے بچتا ہے وہ علانیہ گناہوں کا مرتکب کیونکر ہوسکتا ہے۔ جسے اپنے ربّ سے شرم آتی ہے اسے بندوں سے تو لازماً آئے گی۔ دوم یہ کہ نمازیں قائم کرتے ہیں۔ نماز قائم کرنا نماز باجماعت کے علاوہ نماز کو کھڑے کرنا یعنی گرنے سے بچانا ہے۔ نماز میں بندہ اپنے ربّ سے سرگوشی کررہا ہوتا ہے۔ کچھ اس کی سنتا ہے کچھ اپنی کہتا ہے۔ پس نماز اس طرح ادا کرے کہ وہ اپنے ربّ کو دیکھ رہا ہے یا کم ازکم یہ کہ اُس کا ربّ اسے دیکھ رہا ہے اور یہ احسان ہے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم کتاب الایمان بروایت حضرت عمر بن خطابؓ) پس انسان حضورِ قلب و ذہن سے نماز ادا کرے ۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا !نماز میں (اِدھر اُدھر) متوجہ ہونے سے بچو۔ کیونکہ نماز میں (اِدھر اُدھر) متوجہ ہونا ہلاکت ہے۔ اگر ضروری ہو تو نفل میں ، نہ کہ فرض میں۔ پس نفل میں اگر کسی وجہ سے غلطی سے توجہ ہٹ جائے تو اس کی کچھ نہ کچھ گنجائش ہے لیکن فرض نماز کے دوران اس کی اجازت نہیں۔ فرض نماز کی اہمیت و فضیلت کے مدنظر اس میں پوری دلجمعی اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ یہی وہ نماز ہے جس کے لئے کہا گیا کہ اگر سوا ماہ تک پڑھی جائے تو اللہ کا قرب نصیب ہوجاتا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! کہ جس شخص نے اللہ کی خاطر چالیس دنوں کو خالص کر دیا حکمت کے چشمے اس کے دل سے پھوٹ پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں (الجامع الصغیر باب الحیم جلد ۲ صفحہ ۱۶۰) سوم تزکیہ نفس ہے۔ فرمایا جو پاکیزگی اختیار کرے گا اس کا فائدہ اس کی اپنی جان کو ہی پہنچے گا اور جو ناپاکی کی راہوں پر چلے گا اور اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں آئے گا تو ضرور ہے کہ سزا پائے ، اس لیئے کہ

اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۹﴾ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا
اللہ کی ٹھکانا ہے اور نہیں برابر ہوتا اندھا اور دیکھنے والا اور نہ

الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۱﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۲﴾ وَمَا
اندھیرے اور نہ روشنی اور نہ سایہ اور نہ دھوپ اور نہیں

یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ
برابر ہوتے زندے اور نہ مُردے یقیناً اللہ سُنادیتا ہے جسے

یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۳﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا
چاہے اور نہیں تو ہرگز سنانے والا ان کو جو قبروں میں ہیں نہیں تو مگر

نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ؕ وَاِنْ
ڈرانے والا یقیناً ہم نے بھیجا تجھے ساتھ حق کے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور نہیں

آخر کار لوٹنا تو سب کو اپنے ربّ کی طرف ہی ہے۔ جہاں پاکوں کو جزا اور پلیدوں کو سزا ملے گی۔

۲۰۔۲۳۔ **حَرُور۔ حَرّ** اور **حرارۃ** گرمی ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! آپؐ ان کی گمراہی پر غم نہ کریں۔ ان روحانی اندھوں کو یہ نور نظر نہیں آتا جو **نورالسمٰوٰت والارض** نے خاص تیرے وجود اور قرآن کریم میں رکھا ہے۔ ہر طرف نور کی بارش ہو رہی ہے لیکن یہ اندھے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ دین حق کی ٹھنڈی چھاؤں انہیں اپنی آغوش میں لینے کے لئے آواز دے رہی ہے لیکن یہ کفر و ضلالت کی چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہیں۔ میدان حشر کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جب مومنین اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں ہوں گے اور کافرین اس میدان کی تپش میں جھلس رہے ہوں گے۔ پس یہ مُردے زندوں کی طرح کیسے ہوسکتے ہیں جو گمراہی اور ضلالت کی قبروں میں پڑے ہیں اور ان سے نکلنا نہیں چاہتے۔ ان کو پیغام حق سنانا تیرے بس میں نہیں۔ ہاں جن میں روحانی زندگی کی کچھ رمق باقی ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور رحمت سے عین ممکن ہے کہ ان کے کانوں تک حق کی آواز پہنچ جائے، وہ سننے لگیں اور زندوں میں ہو جائیں۔ ظاہری معنی یہ ہیں کہ اے محمدؐ! قبروں میں مُردوں کو آپؐ نہیں سنا سکتے اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا سکتا ہے جیسا کہ (آیت ۱۵) میں گزرا۔

۲۴۔ اے محمدؐ! آپؐ نذیر ہیں لوگوں کو ان کے بد انجام سے ڈرانے آئے ہیں، زبردستی انہیں ہدایت دینے نہیں آئے۔ بیشک آپؐ کی قوتِ قدسی اور فیضان جاریہ سے کئی اندھے بینا ہو گئے اور کئی مُردے جی اٹھے لیکن جو اندھے بینا ہونا چاہتے ہیں اور نہ زندہ ہونا، آپؐ ان کو زبردستی راہ راست پر نہیں لا سکتے کہ ان کی روحانی آنکھیں کھل جائیں اور زندوں میں شامل ہو جائیں۔

مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْہَا نَذِیْرٌ ﴿۲۵﴾ وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ
کوئی قوم مگر گذرا ہے اس میں ڈرانے والا اور اگر وہ جھٹلاویں تجھے تو یقیناً

کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ۚ جَآءَتْہُمْ رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ
جھٹلایا ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے آئے تھے انکے پاس رسول انکے ساتھ دلائل کے

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ
اور چھوٹی چھوٹی کتابوں اور کتاب روشن کے پھر پکڑا میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے

۲۵۔ ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ حق میں دین حق کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ کہ اس کتاب کے ساتھ تجھے بھیجا ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی صداقت ہے تاکہ لوگوں کو ان انعامات کی بشارت دے جو اس دین حق کو قبول کرنے پر عطا ہوں گے اور اُس انجام سے ڈرا جو اس کا انکار کرنے پر دامن گیر ہوگا۔ اے رسولؐ! آپؐ کا آنا کوئی نئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کی طرف رسول بھیجے۔ اس کی رحمت کسی خاص قوم سے مختص نہیں۔ وہ ربّ العالمین جو جسمانی طور پر تمام دنیا کی ربوبیت فرما رہا ہے اور انہیں اپنی نعمتوں سے مستفید کر رہا ہے وہ روحانی ربوبیت اور فیضان سے کسی قوم کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے۔ البتہ جب تک دنیا ایک دوسرے سے کٹی رہی، مختلف اقوام کی ہدایت کے لئے مختلف رسول آتے رہے۔ جب دنیا سمٹنے کو ہوئی۔ ذرائع رسل و رسائل سے دوریاں ختم ہونے لگیں، انسانی دماغی قویٰ اپنے کمال کو پہنچے اور وہ ایک کامل اور عالمگیر شریعت کو سمجھنے اور قبول کرنے کے قابل ہوئے تو افضل الرسل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی وساطت سے ایک دائمی اور عالمگیر شریعت نازل فرمائی۔ پھر آپ ﷺ کے نائب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ساری دنیا کو اس شریعت کی دعوت دی کہ جس طرح دنیا کا ایک خدا ہے، رسول بھی ایک ہو اور شریعت بھی ایک۔ دنیا کی مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کی قومی اور ملکی تہذیب و تمدن کے جزوی اختلافات کے باوجود ان کا مرکزی نقطہ ایک رہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس معاملہ میں ایک زبردست پیشگوئی فرمائی کہ ”دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا“۔ (حوالہ سورۃ الصّف)

۲۶۔ **الزُّبر** زبور کی جمع ہے۔ صحائف۔ چھوٹی کتابیں۔

ان حقائق کو بیان کر کے گزشتہ اقوام کے احوال میں تنبیہ فرمائی کہ دین حق کی مخالفت کرنا اور جھٹلانا تجھ سے ہی خاص نہیں۔ تجھ سے پہلے رسولوں کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا۔ ان کے مخالفین کا بھی یہی اسلوب تھا کہ جب ان کے رسول کھلے کھلے دلائل و براہین اور صحائف یا بعض رسول

ع ۱۲ ۱۵

كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٧﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ

کفر کیا پس کیسا ہوا عذاب میرا کیا نہیں دیکھا تونے کہ اللہ نے اُتارا

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ

آسمان سے پانی پھر نکالے ہم نے اس سے پھل کر مختلف ہیں رنگ ان کے

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا

اور پہاڑوں سے ٹکڑے ہیں سفید اور سرخ مختلف ہیں رنگ ان کے

وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿٢٨﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ

اور کالے سیاہ اور آدمیوں میں سے اور جانوروں میں سے اور چارپایوں میں سے

روشن کتاب یعنی کتاب شریعت کے ساتھ آئے تو مکذبین نے انہیں جھٹلایا۔ کوئی رسول بیّنات کے بغیر نہیں آتا خواہ بیّنات کے ساتھ صحائف ہوں یا کتابِ منیر۔

۲۷۔ پس ان کے جھٹلانے کی وجہ سے میں نے ان کو پکڑ لیا۔ سو دیکھو کہ میرے انکار کا نتیجہ کیسا تھا۔ اگر اہل مکہ میں بصیرت کی ہلکی سی رمق بھی ہوتی تو گزشتہ اقوام کا انجام انہیں سمجھانے کے لئے کافی تھے۔

۲۸۔ **لَون** میں رنگ کے علاوہ نوع اور صنف بھی شامل ہے۔ **جُدَدٌ**۔ **جدّۃ** کی جمع ہے ہموار زمین کا قطع کرنا ہے۔ ٹکڑے۔ اسی سے جادۃ بمعنی کھلا راستہ ہے جَدّ نسب بھی ہے۔ **غرابیب** غربیب کی جمع ہے۔ **غراب** کوّا ہے یعنی سیاہی میں کوّے سے مشابہ۔

چوتھے رکوع میں بتایا کہ مختلف اشیاء کے تنوع میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اس رکوع میں مومنوں کو عظیم خوشخبریاں دیں جبکہ کفار کو ان کے بداعمال کے عواقب سے ڈرایا۔ انبیاء کے نذیر ہونے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں بتایا کہ انبیاء کی بعثت کی بنیادی غرض ڈرانا نہیں بلکہ روحانی پانی کی خوشخبری دینا ہے۔ پانی روحانی ہو یا مادی زمین پر زندگی کی ہر شکل آسمانی پانی کی ہی مرہون منت ہے۔ جس طرح ایک ہی پانی سے مختلف بیجوں اور مختلف زمینوں کے لحاظ سے مختلف رنگ و بو اور ذائقہ کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں اسی طرح وحی الٰہی کا آسمانی پانی مختلف طبائع پر مختلف انداز سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح پہاڑوں کے اندر مختلف کیمیائی تبدیلیاں پتھروں پر مختلف طریق سے اثر انداز ہوتی ہیں اور ان پتھروں میں سے کوئی ہیرا یا سنگِ مرمر، کوئی لعل و یاقوت اور کوئی کالے سیاہ پتھر یا کوئلہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم اپنے سننے والوں پر ان کی طبائع کے لحاظ سے مختلف انداز سے اثر کرتا ہے۔ کسی کو ہیرا اور کسی کو پتھر بنا دیتا ہے۔ اگر پہاڑوں سے مراد مختلف شریعتیں لی جائیں تو ان کے مختلف رنگ حسب حالات حکمت کے تحت تھے۔

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ

مختلف ہیں رنگ ان کے اسی طرح صرف ڈرتے ہیں اللہ سے

عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بندوں میں سے اسکے عالم یقیناً اللہ عزت والا بہت بخشنے والا ہے یقیناً وہ جو

جو وقتی ضرورت اور فائدہ کے لئے تھے۔ ظاہری رنگوں کے اختلاف کے باوجود ہر مذہب کے بنیادی حقائق اور اصول وقوانین ایک ہی تھے جو بھیجنے والے کی وحدانیت کا ثبوت ہیں نیز جس طرح ایک مٹی سے پیدا ہونے والے پھل اور پھول انواع و اقسام رنگوں کے ہیں اسی طرح ایک مٹی سے پیدا ہونے والے ایک ہی جد امجد کی اولاد کے رنگ بھی مختلف ہیں اور زبانیں بھی۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا اور کوئی سانولا۔ کسی کا رنگ سرخی مائل ہے کسی کا زردی مائل۔ اسی طرح زبانیں مختلف ہیں حالانکہ وہ ایک ہی زبان سے نکلی ہیں۔ اب ان کے درمیان بظاہر کسی کو کوئی بھی مشابہت دکھائی نہیں دیتی سوائے اہل عرفان کے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے عربی کو **ام الالسنہ** ثابت کیا یا جیسے جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد نے اس پر قابل تحسین کام کیا۔

۲۹۔ کذٰلک میں اس امر کو واضح کیا کہ اسی طرح ہر شے میں تفاوت ہے اور اسی میں حکمت ہے۔ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو تفاوت میں ہی رحمت ہے ورنہ انسان یکسانیت سے اکتا جاتا۔ یہ بھی معنی ہے کہ الناس میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی طرف اشارہ ہے جبکہ عام لوگ جانوروں اور مویشیوں کی مانند ہیں جن کی زندگی کا مقصد محض کھانا پینا اور بچے پیدا کرنا ہے۔ پہلے نباتات اور جمادات کے مختلف رنگوں اور قسموں کا ذکر کیا اب انسانوں اور جانوروں کے مختلف النوع ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ قدرت خداوندی سے ان اختلافات میں گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں جن پر غور کرنے کے لئے گہرے تدبر کی ضرورت ہے جوں جوں انسان عجائبات عالم کی بوقلمونیوں پر غور کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی صفات اور عظمت وجبروت کا ادراک ہوتا جاتا ہے اور خشیت اللہ اس پر غالب آنے لگتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں ’’یہ خشیت بدیوں سے محفوظ رہنے کا ایک باعث ہوتی ہے اور انسان کو متقی بناتی ہے اور تقویٰ سے محبت الٰہی میں ترقی ہوتی ہے۔ پس خشیت سے گناہ سے بچے اور محبت سے نیکیوں میں ترقی کرے۔ تب بیڑا پار ہوتا ہے اور مامور من اللہ کے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ کے غضبوں سے جو زمین سے یا آسمان سے یا جو سے نکلتے ہیں محفوظ ہو جاتا ہے۔‘‘ (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۷) **اِنَّمَا** میں علماء کو جانچنے کی کسوٹی بتائی کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء وہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ صرف ونحو پر عبور یا عربی دانی کا دعویٰ

يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور قائم کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں اس سے جو
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۳۰
دیا ہم نے ان کو پوشیدہ اور ظاہر امید رکھتے ہیں اس تجارت کی جو ہرگز نہ تباہ ہوگی

کرنے والے اگر خدا سے نہیں ڈرتے تو علماء کہلانے کے مستحق نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''اس جگہ علم سے مراد علمِ قرآن ہے جس سے تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے ۔۔۔۔ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔۔۔وہ خود اللہ تعالیٰ سے علم و معرفت سیکھتے ہیں اور اس سے فیض پاتے ہیں اور یہ مقام اور درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی کامل اتباع اور آپؐ کی پوری محبت سے ملتاہے۔ یہاں تک کہ انسان بالکل آپؐ کے رنگ میں رنگین ہوجاوے۔۔۔ جن لوگوں کو سچی معرفت اور بصیرت دی جاتی ہے اور وہ علم جس کا نتیجہ خشیت اللہ ہے عطا کیا جاتاہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو حدیث میں انبیاءِ بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی (تفسیر بیان فرمودہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام جلد سوم صفحہ ۷۵۱،۷۵۲) خشیت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غالب اور بہت بخشنے والا تسلیم کیا جائے۔

۳۰۔اب اللہ سے ڈرنے والے علماء کی بعض صفات بیان فرمائیں۔سب سے پہلے یہ کہ وہ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔اس کی تلاوت میں مداومت اختیار کرنے کے علاوہ قرآن کریم پر تدبر کرنا ، اس کا عرفان حاصل کرنا اور اس پرعمل کرنا ہے۔ان کی دوسری صفت نماز باجماعت کو اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔تفصیل کے لئے (آیت :۱۹)ان کی تیسری صفت یہ کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خفیہ بھی اور ظاہراً بھی خرچ کرتے ہیں۔ سِرًّا کا ذکر پہلے فرمایا۔اسی میں فضیلت ہے تاہم بعض اوقات دوسروں کو ترغیب دینے یا بعض دیگر مصالح کی بنا پر اعلاناً دینا بھی ضروری ہے۔بعض فقہا کی نظر میں فرائض اور واجبات کو علانیہ ادا کرنا افضل ہے جبکہ نفلی عبادات اور صدقات وغیرہ میں اخفا بہتر ہے اور اس میں فضیلت ہے۔ یہاں ان تینوں اعمال صالحہ کو تجارت سے تشبیہ دی۔ایسی تجارت جس میں مومن کو خسارہ کی امید نہیں۔ اس لئے کہ یہ تجارت خود حق تعالیٰ سے ہے۔ تاہم امید کہا یقین نہیں کہا اس لئے کہ کسی مومن کا فقط نیک عمل اس کی نجات کا باعث نہیں بن سکتا۔ خدائے رحمٰن کا فضل ہی اس کی دستگیری فرمائے گا جو اس کی نجات کا باعث ہوگا۔

۳۱۔اس تجارت مین مومنین نے اپنا سب کچھ اس لئے قربان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
تاکہ وہ پورے دے انہیں اجر ان کے اور زیادہ دے انہیں فضل سے اپنے یقیناً وہ
غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۳۱ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
بہت بخشنے والا قدردان ہے اور وہ جو وحی کی ہم نے طرف تیری اس کتاب میں سے
هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
وہ حق ہے تصدیق کرنیوالی ہے اس کی جو پہلے ہے اس سے یقیناً اللہ
بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۳۲ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ
اپنے بندوں کا البتہ بہت خبردار خوب دیکھنے والا ہے پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں

کے اعمال کا پورا پورا اجر دے بلکہ اپنے فضل سے ان کے اعمال سے بہت زیادہ عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی یہ بات ہمیں بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور بدیاں دونوں لکھ لی ہیں اور ہر ایک کو واضح کردیاہے۔ پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اسے نہ کرسکے تو اسے پوری ایک نیکی کا ثواب ملتاہے اور اگر وہ نیت کے بعد اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں اس کے حساب میں لکھ دیتاہے اوراگر کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کے ارتکاب سے باز رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حضور میں اس کی ایک پوری نیکی لکھ دیتاہے البتہ اگرکوئی شخص جان بوجھ کر یہ بدی کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ایک بدی شمار ہوتی ہے۔(مسلم کتاب الایمان باب اذاھم العبد بحسنة)

انسان کمزور اور خطا کا پتلا ہے اپنی پوری کوشش کے باوجود عبادات کا حق ادا کرسکتا ہے نہ دیگر حقوق اللہ اورحقوق العباد کماحقہٗ ادا کرسکتاہے۔وہ غفورالرحیم اس کی بشری کمزوریوں او رکوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے گا اور اس کی جدوجہد اور اس کے نتیجہ میں نیک اعمال کی قدر فرمائے گا۔اس لئے کہ وہ بہت بخشنے والا او ربڑا قدردان ہے۔

۳۲۔ اب کتاب اللہ کی کچھ صفات بیان فرمائیں جس کی اتباع سے مومنین بفضل تعالیٰ مراتب عالیہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ الکتٰب میں اس کتاب کے کامل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔فرمایا یہ حق و صداقت پر مبنی کتاب ہے۔یہ بائبل کے ان حقائق کی تصدیق کرتی ہے جو وحی الٰہی کے مطابق ہیں۔گویا بائبل کا وہی حصہ حق ہے جس کی قرآن تصدیق کرتاہے۔ تحریف شدہ حصے کی تصدیق نہیں کرتا۔ مِن الکتٰب کہا کیونکہ آپؐ کومکمل کتاب ایک ہی مرتبہ نہیں دی گئی بلکہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا حصہ بذریعہ وحی نازل ہوتا رہا۔ وہ **خبیرٌ بصیر** جو بندوں کے

اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ
چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پس کوئی ان میں سے ظلم کرنے والا ہے اپنی جان پر
وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ
اور کوئی ان میں سے میانہ رَو ہے اور کوئی ان میں سے سبقت لیجانیوالا ہے نیکیوں میں حکم سے
اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۳﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ
اس کے یہ ہی فضل ہے بڑا باغات ہیں ہمیشگی کے
يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ
داخل ہوں گے وہ جن میں وہ پہنائے جائیں گے ان میں کنگن سونے کے اور موتی

ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔(روح البیان)اور جسے ان کی تمام ضروریات کا علم ہے وہی ایسی کامل اور جامع قوانین کتاب دے سکتا ہے جو بندوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے والی ہو۔

۳۳۔قرآن کریم کے ذکر میں فرمایا کہ دنیا کی اصلاح نیز ہدایت و تربیت کے لئے ہم نے جو کامل کتاب نازل فرمائی اس کے وارث کوئی معمولی لوگ نہیں یہ تمام بندگانِ خدا میں سے برگذیدہ ہیں۔یہاں بتایا کہ آپؐ نے امت کے لئے کوئی مال و زر کی وراثت نہیں چھوڑی بلکہ کتاب الٰہی بطور ورثہ چھوڑی ہے۔گویا امت کو یہ دولت بغیر محنت ملی جیسا کہ فرمایا **الرحمٰن ٥ علّم القرآن ٥**(سورۃ الرحمٰن :۲۔۳) **اصطفینا** کا لفظ قرآن کریم میں اکثر انبیاء کے لئے آیا ہے۔ امت محمدیہ کے لئے **اصطفینا** کا لفظ اس کی غیر معمولی فضلیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں ان کے تین گروہوں کے ذکر میں راہِ سلوک کے تین درجوں کو بیان فرمایا۔ پہلے گروہ والے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔حقیقت میں نیکی کے حصول کے لئے آغاز میں اپنے نفس پر ظلم کرکے بدی کو بالجبر دبانا پڑتا ہے۔اور اپنے نفس کو باکراہ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلانا پڑتا ہے۔جیسے سخت سرد راتوں میں نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر نماز فجر کے لئے مسجد جانا یا تہجد ادا کرنا یا دیگر مجاہداتِ شاقہ میں مشغول ہونا، رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی محبوب چیزوں کو اس کی راہ میں قربان کرنا اور اپنے نفس کو بدیوں سے روکنا ، یہ سب نیک اعمال اپنے نفس پر ظلم اور جبر ہیں۔ غرض یہ گروہ انتہائی جدوجہد کرکے اپنے نفس کو نیکیوں کی طرف لگاتا ہے اور **ظلوماً جهولاً** میں شامل ہوجاتا ہے۔ دوسرا درجہ میانہ رو گروہ کا ہے۔ان سے طبعاً نیکیاں سرزد ہوتی ہیں اوران کو اپنے نفس سے اُس طرح جہاد نہیں کرنا پڑتا۔یہ لوگ کچھ تو دلی شوق اور طبعی جوش سے اور کچھ تکلف اور مجاہدہ سے خداتعالیٰ کے احکام پر چلتے ہیں تاہم ان میں گناہ کی آلائش ہوتی ہے اور نفس کو جنگ اور مخالفت سے کلی فراغت نہیں ہوتی۔اگر کبھی بدی سراٹھاتی ہے تو اس کا سر کچل دیتے ہیں۔ غرض ان کے نفس

وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ
اور لباس ان کے اس میں ریشم ہوگا اور کہیں گے سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے
اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۚ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ ﴿۳۵﴾ الَّذِيْٓ
دور کیا ہم سے غم یقیناً رب ہمارا البتہ بہت بخشنے والا قدردان ہے جس نے
اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا
اُتارا ہمیں گھر دائمی میں اپنے فضل سے نہیں پہنچتی ہمیں اس میں
نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کوئی تکلیف اور نہ پہنچتی ہمیں اس میں تکان اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

اور معصیت میں رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ بالآخر یہ معصیت پر غالب آجاتے ہیں اور اپنے رب کا قرب حاصل کرلیتے ہیں۔ تیسرا گروہ **سابقٌ بالخیرات** کا ہے۔ یہ نیکیوں کے بجالانے میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ یہ وراثت کا حق ادا کرنے والے اور اس کے امین ہیں۔ان کا نفس ، نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ **راضیةً مّرضیّة** والے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کی بارش ہوتی ہے اور مکالمہ الٰہیہ سے نوازے جاتے ہیں۔ ان پر فضل کا بہت بڑا حصہ ہے۔تاہم تینوں گروہ فضل میں شامل ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا یہ تینوں گروہ اس امت میں سے ہیں اور تینوں جنت میں جائیں گے۔ تیسرے گروہ میں روحانی رہنما ہیں۔ یہ بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔(ابن کثیر) یہاں تعداد کے لحاظ سے ظالم کو مقدم رکھا۔ (اس آیت کی تفسیر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر جلد سوم میں کی گئی اس آیت کی تفسیر سے استفادہ کیا گیا ہے)

۳۴۔ان تینوں گروہوں پر بڑا فضل ہمیشگی کی جنتوں میں داخل ہونا ہے۔ فضلِ کبیر والے اس فضل سے دنیا میں ہی نوازے جاتے ہیں۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق سراقہ نے کسریٰ کے کنگن پہنے۔ آخرت میں بھی اللہ کے فضل سے ان تمام نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔قرآن کریم نے نعمتوں کے ذکر میں کبھی بھی مومن اور مومنہ کی تفریق نہیں رکھی۔طبقۂ نسواں کو ہمیشہ ان تمام نعمتوں میں شامل کیا گیا ہے۔

۳۵۔۳۶۔ **دارالمقامة** سے مراد **دارالاقامة** ہے ۔ دائمی ٹھہرنے کی جگہ۔**نصب**۔ مشقت ۔تکلیف۔ **لغوب**۔تکان۔

ان آیات کی تشریح اس حدیث سے بخوبی ہوتی ہے جسے حضرت ابودرداءؓ روایات کرتے ہیں۔بعض دوسرے معتبر محدثین نے بھی اسے نقل کیا ہے۔جیسے امام احمدؒ، ابن جریرؒ طبرانی اور

لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا

ان کے لیے آگ ہے جہنم کی نہ قضالائی جائے گی ان پر کہ وہ مرجاویں اور نہ

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۳۷

ہلکا کیا جاوے گا ان سے عذاب اُس کا اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر کفر کرنیوالے کو

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

اور وہ چلائیں گے اُس میں اے رب ہمارے نکال ہمیں عمل کریں گے ہم نیک

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ

سوائے ان کے جو تھے ہم کرتے کیا نہیں عمر دی تھی ہم نے تم کو اس قدر کہ نصیحت حاصل کر لیتا

بیہقی وغیرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے جو میانہ رو ہیں ان سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا محاسبہ ۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا وہ حشر کے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے۔ پھر ان کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کردیا۔

دوسرے دونوں گروہوں کے متقین کو بھی دنیا میں رنج و غم ضرور آتے ہیں لیکن اپنے ربّ کی **لاتخافوا ولاتحزنوا** کی محبت بھری پکار ان کو دنیا میں ہی جنت میں داخل کر دیتی ہے اور وہ دنیا کے غم و ہم کو اپنے ربّ کی طرف سے ابتلاء سمجھ کر اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ عبادات کی مشقت تو ان کے لئے عین راحت ہوتی ہے۔آخرت کے علاوہ ان کو دنیا میں ہی دارالامان عطا ہوتا ہے اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی مشقت اور تکلیف کو کم کردیا جاتا ہے اور ان کے حزن دور کردئے جاتے ہیں۔ یہاں پہلے گروہ کا ذکر ہے کہ ان کو دنیا میں غم و حُزن ، خدا کی راہ میں مجاہدہ میں باکراہ اپنے نفس کو نیکی کی طرف لگانے میں ، ان نیکیوں کی پاداش میں ظلم وستم سہنے میں پہنچے ۔ ان کے تعلق میں خاص طور پر میدانِ حشر کی سختیوں اور حساب کتاب کے غم کی طرف اشارہ کیا۔ یہی ان کی مغفرت کا موجب ہوگا۔اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا، ان کی تھوڑی سی نیکیوں کو بھی قبول فرمائے گا اوران کے اعمال کی تھوڑی سے پونجی کی بھی قدر افزائی کی جائے گی اوراس کے بدلہ جنت عطا فرمائے گا۔ ان **دارالمقامة** کی چند خصوصیات بیان فرمائیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو ایسی دائمی قیام گاہ پر اتارے گا جہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ وہاں کسی کو کوئی غم نہیں ہوگا۔ تیسری کسی کو کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑے گی جس کے نتیجہ میں تکان محسوس ہو۔

۳۷۔۳۸۔**یصطرخون**۔ اصطراخ استغاثہ کے معنی میں ہے۔ مدد طلب کرنا۔

فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا

اس میں وہ جو نصیحت حاصل کرتا اور آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا پس چکھو (عذاب) پس نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۳۸ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ ع ۴/۱۱/۱۶

ظالموں کے لیے کوئی مددگار یقیناً اللہ جاننے والا ہے غیب آسمانوں اور

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ حجت تمام کئے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا۔ جس طرح اہل جنت کی جنت دنیا سے شروع ہوجاتی ہے اس طرح اہل جہنم بھی جہنم کا مزا دنیا میں ہی چکھتے ہیں اوران کو اپنی بدیوں کا خمیازہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ ایڈز (Aids) اورایسے دیگر عوارض جن کا تعلق خاص قسم کی بدیوں سے ہوتا ہے جب لاحق ہوتے ہیں تو دنیا میں بھی چیختے چلاتے ہیں۔مگر ان کا کوئی ہمدرد ان کو اس عذاب سے چُھڑانے نہیں آتا۔اگر جہنم سے اپنی اصلاح کے وعدہ پر واپس جانا چاہتے ہیں تو دنیا میں بھی ان کی یہی حالت تھی کہ ہر تکلیف پر یہی کہتے تھے کہ اگر اب بچ جائیں تو پھر کبھی یہ غلطی نہیں ہوگی۔ جونہی اللہ تعالیٰ انہیں اس مصیبت سے نکالتا وہ پھر اسی بدی کا ارتکاب کرتے۔ اگر بفرض محال ان کی التجا قبول ہوجائے اور دنیا میں واپس آجائیں۔ تو دنیا میں تو پھر غیب کا معاملہ ہوگا لہٰذا پھرانہیں کرتوتوں کا اعادہ کریں گے ۔ اس لئے ان کی التجا قبول نہیں کی جائے گی۔ ان کی سزا کے جواز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو حجتیں پیش کی جائیں گی اوّل یہ کہ کیا تمہیں اتنی عمر نہیں ملی تھی کہ اگر سمجھنا چاہتے تو سمجھ سکتے تھے ۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا! اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے عُذر کا کوئی موقع باقی نہیں رکھا جس کی موت میں مہلت دی اور ساٹھ سال عمر عطا فرمائی۔ (بخاری) حضرت خلیفة المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ ''میرے نزدیک ادنیٰ حقدار اٹھارہ سال ہے۔'' (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۷۶) یہ بلوغت کی عمر ہے اور انسان بُرے بھلے میں تمیز کرسکتا ہے اس لئے اسی عمر سے احکام شرعیہ کا مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ غرض حق و باطل میں تمیز کرنے اور اپنے خالق و مالک کو پہچاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عقل و شعور سے نوازا، عمر اور مہلت دی ۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا تم پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ تمہیں تمہاری بدیوں کے عواقب سے ڈرانے کے لئے نذیر آیا۔ انبیاء بطور بشر آتے ہیں وہ بندگان خدا کو حق کی طرف ہدایت دینے اوراس ہدایت کو قبول کرنے والوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں کی بشارتیں دینے آتے ہیں ۔ یہاں اہل دوزخ مخاطب ہیں جنہوں نے حق کو قبول نہیں کیا، کتاب اللہ پر ایمان نہیں لائے اور رسول کا انکار کیا، ان کے لئے انبیاء بطور نذیر تھے جنہوں نے ان کو بدیوں کے بد انجام سے ڈرایا لیکن یہ ان پر مصر رہے اور آخر اس انجام کو پہنچے۔

الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

زمین کا یقیناً وہ خوب جاننے والا ہے بات سینوں والی وہ جس نے بنایا تم کو

خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ

جانشین زمین میں پھر جس نے کفر کیا اسی پر ہے کفر اس کا اور نہیں بڑھاتا

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ

کافروں کو کفر ان کا نزدیک انکے رب کے مگر ناراضی ہیں اور نہیں زیادہ کرتا

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ

کافروں کو کفر ان کا مگر نقصان ہیں تو کہدے بتاؤ تو سہی شرکاء تمہارے

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

وہ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے دکھاؤ مجھے جو کچھ پیدا کیا انہوں نے

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

زمین میں سے یا ان کے لیے شراکت ہے آسمانوں میں یا دی ہم نے انہیں

كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

کتاب کہ وہ دلیل پر ہیں اس سے بلکہ نہیں وعدہ دیتے ظالم

۳۹۔ سورۃ کے آخری رکوع میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے انسان خود ہی دکھ میں مبتلا ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے وہ فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

جس مالک کون مکان سے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں وہ تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے رازوں سے کیونکر واقف نہیں ہوگا۔ اس میں اشارہ کیا کہ بیشک آسمانوں اور زمین کے راز آج تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن وہ جب چاہے گا ان رازوں سے پردہ اٹھادے گا۔

۴۰۔ **مقتًا**۔ مقت۔ ناراضگی۔ شدید ناراضگی۔

تمہارے رب کا تم پر خاص احسان ہے کہ تمہیں زمین میں خلافت سے نوازا۔ اس میں حکومت کی بشارت دی نیز اشارہ کیا کہ اب پہلی حکومتوں کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ ساتھ تنبیہ فرمائی کہ حاکم بن کر بھی تم مالک حقیقی کے صرف نائب ہو۔ مالک نہیں۔ اس انعام کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔ پس جو انعام کے بعد ناشکری کی راہ اختیار کرے گا تو اس ناشکری کا وبال بھی اسی کی گردن پر ہوگا۔ **مقتًا** میں اشارہ ہے کہ ناشکری میں حد سے بڑھ جانے والوں پر اللہ کی ناراضگی بھی شدید ہوتی ہے۔ ناشکر گزار بندوں کی ناشکری دنیا میں اللہ کی مزید ناراضگی کا موجب ہوگی اور آخرت میں ان کی ناشکری ان کے لئے خسارے میں زیادتی کا باعث ہوگی۔

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ

ایک دوسرے کو سوائے دھوکہ کے یقیناً اللہ تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور

الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ

زمین کو کہ نہ ٹل جاویں اور البتہ اگر دونوں ٹل جاویں نہ تھام سکے انہیں کوئی

مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

بعد اس کے یقیناً وہ ہے بردبار بہت بخشنے والا اور کھائی تھیں انہوں نے اللہ کی

۴۱۔ اگر اس خوش فہمی میں ہو کر ان عذابوں سے تمہارے مزعومہ معبود تمہیں چھڑا لیں گے تو ان کی بے اختیاری کا تو یہ حال ہے کہ زمین میں ان کی کوئی تخلیق نظر آ رہی ہے اور نہ آسمانوں میں ان کی کسی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ تمام کائنات میں ایک ہی نظام اور قانونِ قدرت کا جاری ہونا اسے ایک ہی خالق کی تخلیق ثابت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر سب سے بڑا انعام ان کی ہدایت کے لئے کتاب کا نازل کرنا ہے جو ان کے لئے ایک بیّن دلیل کے طور پر ہوتی ہے کہ وہ سچائی پر قائم ہیں۔ ان کے معبودانِ باطلہ کو طاقت نہیں کہ کوئی آسمانی کتاب دیں اور نہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے۔ پس ان کا کتاب سے عاری ہونا بتاتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ ان کے وعدوں کی بنیاد محض دھوکہ اور فریب پر مبنی ہے۔ ظالم ایک دوسرے کو یہی فریب دیتے ہیں کہ معبودانِ باطلہ تمہیں عذاب سے بچالیں گے مثلاً فلاں بزرگ بڑا پہنچا ہوا ہے اس کا دامن تھام لو، پار ہو جاؤ گے۔ فلاں مزار پر حاضری دو، کچھ نذر نیاز پیش کر دو صاحبِ روضہ تمہیں بخشوالیں گے حالانکہ وہ سب زندہ اور مردہ محض بے اختیار ہیں۔ اختیار و مقدرت صرف ذات باری تعالیٰ کو حاصل ہے جو اسے مستحق عبادت بناتا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر مشرکوں کو ظالم کہا۔ ظالم وہ ہے جو کسی دوسرے کے حقوق غصب کرتا ہے۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کی صفات اور اختیارات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اس لئے ظالم ہیں۔

۴۲۔ **تزولا**۔ وہ دونوں ٹل جائیں۔ زائل ہوجائیں۔ گر جائیں۔ **ذالتا**۔ وہ دونوں ٹل گئے۔ بیشک پرانے تراجم بھی صحیح ہیں مگر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے قرآنی حقائق کو سائنس کی روشنی میں ایک نئی شان سے درست ثابت کیا جو قرآن کریم کے کتاب الٰہیہ ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔

ان کے بے اختیار شرکاء کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کا اقتدار و اختیار، زمین سمیت تمام کائناتی کُرّوں تک محیط ہے۔ اربہا ارب اجرام فلکی اپنے اپنے محور پر محوِ گردش ہیں۔ خدا کی ذات ہے جو

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى

پختہ قسمیں اپنی کہ اگر آئے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا ضرور وہ ہوں گے بہت ہدایت

مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا

والے ہر ایک اُمت سے پس جب آیا انکے پاس کوئی ڈرانے والا نہ زیادہ کیا اس نے انہیں مگر

نُفُوْرَا ۝۴۳ اِۨسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ

نفرت میں تکبر کی وجہ سے زمین میں اور بوجہ تدبیر بُری کے اور نہیں گھیرتی

الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ

تدبیر بُری مگر اپنے کرنے والے کو پس نہیں وہ انتظار کرتے مگر سُنت کا

ان عظیم الجثہ کروں کو تھامے ہوئے ہے۔ ان میں ٹکراؤ ہے اور نہ یہ اپنے راستوں سے ذرہ برابر ادھر ادھر ہوسکتے ہیں اس لئے کہ قوانینِ قدرت نے انہیں جکڑ رکھا ہے۔ کشش ثقل ان کو کھینچ رہی ہے اوران کی اندرونی قوت انہیں دور پھینک رہی ہے یہ وہ ازلی اور ابدی کائناتی قوانین ہیں جن سے اس زمانہ کا انسان لاعلم تھا اور جو آئندہ زمانے میں ظاہر ہونے والے تھے۔نظامِ کائنات میں ادنیٰ سی مداخلت ممکن نہیں۔اگر یہ اپنے محوروں سے ٹل جائیں تو سار نظام درہم برہم ہوجائے اور قیامت برپا ہوجائے۔پھر ان کو ان کے اصل مقام پر واپس لانا ہرگز ممکن نہیں۔ان کے شرک کا تقاضا تھا کہ فوراً پکڑے جاتے اور سزا پاتے لیکن اللہ تعالیٰ حلیم ہے جلد نہیں پکڑتا مہلت دیتا ہے تا اس مہلت سے فائدہ اٹھائیں اور توبہ کریں۔ وہ غفور ہے اگر توبہ کرلیں تو تمام خطاؤں کو معاف کردیتا ہے۔

۴۳۔ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ ضرورتِ زمانہ کے تحت یا بعض پیشگوئیوں کی بناپر اللہ کے رسول کا انتظار ہوتا ہے۔لیکن جب وہ عین وقت پر ظاہر ہو جاتا ہے تو اس پر مختلف اعتراضات کئے جاتے ہیں ۔ انہیں وہ اپنے جیسا ایک عام آدمی نظر آتا ہے جو ان کے تخیل کردہ رسول سے مطابقت نہیں رکھتا۔ پس وہ بجائے ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے کے نفرت اور مخالفت میں بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔ قریش مکّہ کا بھی یہی حال تھا کہ قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نبی آئے تو ہم ہدایت پانے میں تمام گزشتہ اقوام سے سبقت لے جائیں گے۔

۴۴۔**مکر** تدبیر ہے اچھی ہو یا بُری۔ **مکرالسَّیِّیٔ** بُری تدبیر ۔**تبدیلًا** تبدیل کرنا کسی چیز کو بالکل ہٹا دینا یا دوسری چیز سے بدل دینا ہے جبکہ تحویل کے معنی ایک چیز کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ کر دینے کے ہیں۔تغیر کے معنی دیتا ہے۔

نفور ایسی نفرت ہے جس میں تکبر بھی پایا جاتا ہو۔ پس نفور میں بڑھنے کے نتیجہ میں ان کا

الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ

پہلوں کی پس ہرگز نہ پاوے گا تو سُنت کیلئے اللہ کی کوئی تبدیلی اور ہرگز نہ پاوے گا

لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝۴۴ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

سنت کے لیے اللہ کی کوئی تغیر کیا نہیں چلتے پھرتے وہ زمین میں کہ دیکھیں وہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ

کیسا ہوا ہوا انجام ان لوگوں کا جو پہلے تھے ان سے اور تھے وہ بہت سخت

مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي

ان سے قوت میں اور نہیں ہے اللہ کہ عاجز کرے اسے کوئی چیز

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝۴۵

آسمانوں میں اور نہ زمین میں یقیناً وہ ہے بہت جاننے والا بہت قدرت رکھنے والا

تکبر ظاہر ہوا جو سرداروں اور بڑے لوگوں کے قبول حق میں مانع ہوا۔ اس لئے کہ وہ انبیاء کو دنیوی لحاظ سے خود سے کم تر جانتے اور خود کو بزعم خود ان معمولی لوگوں سے ارفع و اعلیٰ سمجھتے تھے۔اس لیئے ان کی اتباع میں ہتک محسوس کرتے۔ پس وہ اس خدائی آواز کو دبانے اور انبیاء کو ناکام کرنے کے لئے ،انہیں نقصان پہنچانے کی مختلف تدابیر کرتے اور ان کی ایذارسانی کے درپے رہتے۔ لیکن یہ تدبیریں انہی پر الٹ پڑتیں اور ان کا وبال انہیں گھیر لیتا ہے۔ فرمایا کیا وہ پہلے لوگوں پر جاری ہونے والی سنت کا انتظار کررہے ہیں کہ جو انجام پہلے مخالفین انبیاء کا ہوا، ان کا بھی ویسا ہی ہو۔ پس تمہاری ہلاکت و نامرادی اور انبیاء کی کامیابی اور غلبہ ہو کر رہے گا۔اس لئے کہ اللہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور نہ اس میں کوئی تغیر آتا ہے یہ کبھی نہیں ہوگا کہ ان پر عذاب کی بجائے رحمتیں برسنے لگیں یا ان کی جگہ دوسروں کو عذاب پکڑلے ۔

۴۵۔ان متکبرین کو آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات کی سیاحت کی طرف توجہ دلائی تاکہ عاد وثمود اور فرعون و نمرود کے انجام سے عبرت حاصل کریں جو ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ ان اقوام کے فنون اور ان کی قوت و شوکت ناقابل تسخیر تھی۔ اہرام مصر اس کی ایک مثال ہیں فراعین تو اپنے انجام کو پہنچے لیکن ان کی تعمیرات اور فنون تمام زمانہ کے لئے عبرت کا نشان ہیں۔ ان متکبرین کی یا گزشتہ طاقتور اقوام کی اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا حقیقت ہے۔ کائنات کی کوئی شے بھی اسے عاجز نہیں کرسکتی کہ اس پر غالب آجائے اس لئے کہ اس کے علم اور قدرت کا احاطہ کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ جوں جوں قدرت کے راز کھلتے جائیں گے اللہ تعالیٰ کا صاحبِ علم اور صاحب قدرت ہونا ظاہر ہوتا جائے گا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى
اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو بسبب اس کے جو وہ کماتے ہیں نہ چھوڑے

ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
پشت پر اس کی کوئی جاندار ولیکن مہلت دیتا ہے انہیں تا میعاد مقررہ

ع ۵ ۸ ۱۷ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۴۶
پس جب آوے گی میعاد ان کی تو یقیناً اللہ ہے بندوں کو اپنے خوب دیکھنے والا

ایسی تمام آیات میں مومنین کو سیاحت کی تحریص دلائی کہ وہ ان مقامات پر جائیں ،ان قوموں کے آثار تلاش کریں اور قرآن کریم کی حقانیت کو ثابت کریں۔

۴۶۔اللہ تعالیٰ حلیم وغفور ہے (آیت :۴۲) ورنہ ان کے کرتوت تو ایسے ہیں کہ اگر ان کی وجہ سے پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کوئی جان دار نہ چھوڑتا۔لیکن وہ ان کو ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دیتاہے جب مہلت کی آخری گھڑی آجاتی ہے تو پکڑ لیتاہے.اور وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندوں کے عمل پر گہری نظر ہے اور وہ بلاوجہ نہیں پکڑے گئے۔یہ معانی بھی ہیں کہ جب تک ان کے مقاصد پورے نہیں ہوں گے اور غلبہ اسلام وقوع پذیر نہیں ہو جاتا آخری گھڑی نہیں آئے گی۔

انسانوں کے گناہوں کی سزا باقی جانداروں کو کیوں ملے گی۔ دراصل تمام جانور انسان کے فائدے کے لئے پیدا کئے گئے جب انسان نہ رہے تو ان کی زندگی کا کیاجواز۔

☆☆☆

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورة یٰس۔یہ سورة مکی ہے،بسم اللہ سمیت اس کی چوراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

یہ سورة درمیانی مکّی زمانہ کی ہے۔ دیگر مکّی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی توحید ، رسالت ، روزِ معاد ، انبیاء علیھم السلام اور ان کے متبعین کی کامیابی اور اعداءِ رسل کی ناکامی کا بیان ہے۔

پچھلی سورة میں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مادی ربوبیت کے ساتھ روحانی ربوبیت بھی فرماتاہے اور اس مقصد کے لئے رسول بھیجتاہے۔ اس سورة میں بتایا کہ روحانی ربوبیت کے کمال کے لئے رسول کاملؐ ، قرآن حکیم کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ پس روحانیت میں کمال حاصل کرنے کے لئے قرآن اور صاحبِ قرآن کی اتباع لازم ہے تا یہ مقصد بخوبی حاصل ہو اور بندہ اپنے ربّ کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ شروع سورة میں ہی ''ذکر'' یعنی قرآن کریم کی اتباع کرنے والوں اوررحمٰن خدا سے غیب میں ڈرنے والوں کومغفرت اور اجرکریم کی بشارت دی۔

آنحضرت ﷺ نے اس سورة کو قلبِ قرآن کاخطاب دیا(ترمذی۔ بروایت حضرت انسؓ) اس لئے کہ یہ سورة انسان کو اس کے مقصودِ حقیقی تک پہنچانے والی ہے۔اس میں آئندہ کے لئے عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں ۔ احادیث میں اس سورة کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ حضرت معقل بن یسار مزنیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سورة یٰس کو پڑھا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ پس تم اپنے مرنے والوں پر (یعنی قریب المرگ افراد کے سامنے) اس سورة کو پڑھا کرو، (امام احمد،ابوداؤد، ابن ماجہ) حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورة یٰس پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہوجاتی ہے۔ (مظہری) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص سورة یٰس کو اپنی حاجت کے آگے کردے تو اس کی حاجت پوری ہوجاتی ہے(مظہری)ترمذی اور دارمی میں حضرت انسؓ سے روایات ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہر چیز کا دل ہوتاہے اور قرآن کا دل یٰس ہے۔ جو شخص اس کو ایک مرتبہ پڑھے اسے دس مرتبہ پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ہے ۔ نیز فرمایا اسے صبح کے وقت پڑھا کرو۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تکلیف میں سورة یٰس پڑھی جائے تو تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں ”بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پرہی رات دن جھکا رہے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں“۔۔۔(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ مورخہ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۵)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (١)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰسٓ (٢) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (٣) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (٤)

یٰسٓ - قسم ہے قرآن حکمت والے کی کہ یقیناً تو البتہ رسولوں میں سے ہے

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٥) تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (٦)

راہ راست پر اُتارنا ہے عزت والے بہت رحم کرنے والے کا

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (٧) لَقَدْ

تاکہ تو ڈراوے اس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے باپ دادا ان کے پس وہ غافل ہیں یقیناً یقیناً

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۵۔ **یٰسٓ** یا سیّد۔ اے سردار! قرآن حکیم کی قَسم تو یقیناً مرسلین میں سے ہے اور سیدھے راستہ پر ہے۔یہاں اللہ تعالیٰ نے حکمتوں والے قرآن کو بطور گواہ پیش کیا کہ تو یقیناً خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے رسولوں میں سے ہے اور ہدایت پر ہے۔

ایک انسان کی قسم اور اللہ تعالیٰ کی قَسم میں فرق ہے۔انسان اپنے بیان کو کسی زبردست شہادت سے مؤید کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ شہادت سے ایک بیان کو مؤید کرتا ہے تا انسان حقائق کو جان کر ہدایت حاصل کر سکے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منکرین کی ہدایت کے لئے موقع و محل کے مطابق مختلف اشیاء کو بطور گواہ پیش کیا تا وہ غور کریں اور صراطِ مستقیم کو پالیں۔اہل مکّہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی رسالت کے منکر تھے ان کے سامنے قرآن کی حکمت کو نبی کریمؐ کی رسالت پر بطور گواہ پیش کیا اور بتایا کہ یہ حکیمانہ کلام شاہد ہے کہ ایک اُمّی ایسے عارفانہ کلام پر قادر نہیں ہو سکتا پس وہ جو کچھ پیش کر رہا ہے وہ غالب اور رحیم خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔آیت ۶۔

۶۔**تنزیل** میں قرآن اور صاحبِ قرآن دونوں شامل ہیں ۔ دونوں میں یہ خدائی صفات جلوہ گر ہیں۔پس وہ منکرین پر غالب آئیں گے اور مومنین کے لئے رحیم ثابت ہوں گے۔ اس لئے کہ صفتِ رحیمیت مومنین سے خاص ہے۔جو ان کے مراتب عالیہ کا موجب ہے۔

۷۔کتاب اور رسول کے نزول میں حکمت یہ تھی کہ وہ اس قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کریں جس کے پاس مدت سے کوئی نذیر نہیں آیا ۔ بیشک ازمنہ قدیم میں ابوالانبیاء

حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨﴾ اِنَّا
لگ چکا ہے فرد جرم اکثر پر ان میں سے پس وہ نہیں ایمان لاتے یقیناً
جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ
ہم نے ڈالے گردنوں میں ان کی طوق پس وہ ٹھوڑیوں تک ہیں پس وہ
مُّقْمَحُوْنَ ﴿٩﴾ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ
سرادنچا کئے ہوئے ہیں اور بنائی ہم نے آگے ان کے ایک دیوار اور

حضرت ابراہیمؑ اپنے عظیم پسر اور زوجہ محترمہ کو ملنے مکہ میں آتے رہے لیکن ان کی تبلیغ کا کہیں ذکر نہیں نہ حضرت اسمٰعیلؑ کی تبلیغ کا کہیں ذکر ملتا ہے۔ نیز ان کو گزرے ہوئے بھی عرصہ دراز بیت چکا تھا۔ یہود و نصاریٰ کے ذریعہ اہل حجاز کو کسی حد تک انذار ہوا لیکن اس سخت دل قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کی حالت غافلوں کی سی رہی۔ ایک لمبا عرصہ تک خدائی ہدایت سے محروم رہنے کی وجہ سے ماسوائے معدودے چند یہ قوم سخت اکھڑ، جاہل اور ضدی ہوچکی تھی۔ گویا نبی کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کو سخت ترین کام سپرد ہوا۔

۸۔ **حقّ القولُ علٰی اکثرِهم**۔ ان میں سے اکثر پر قول صادق آ گیا ہے۔ قول یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت اپنی غفلت کی وجہ سے ایمان نہیں لائے گی۔ یہ قول آج بھی اسی طرح صادق آ رہا ہے۔ اس طرح ان کا وہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوا جو گزشتہ سورۃ کے آخر پر تھا کہ اگر کوئی نذیر ان کے پاس آیا تو ضرور ایمان لے آئیں گے۔

۹۔ **مُقمحُون**۔ **قمح** اونٹ کے لئے کہا جاتا ہے جب وہ سر اونچا کئے ہوئے ہو اور پانی نہ پئے۔ مُقمح وہ شخص ہے جو اپنا سر اونچا کئے ہوئے ہے گویا اسے نیچا کر ہی نہیں سکتا۔

یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ غلط رسوم و قیود کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ دنیا کے رسم و رواج طوقوں کی طرح ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو قبول ہدایت میں مانع ہیں ٹھوڑیوں تک ہونا مبالغہ کے طور پر ہے کہ ان طوقوں سے گردنیں اس طرح اکڑی ہوئی ہیں کہ سر کو بالکل جھکا نہیں سکتے۔ گویا اپنی خود ساختہ رسوم و رواج سے خود بھی تنگ ہیں لیکن ان میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ نکل نہیں سکتے۔ اس لئے کہ معاشرہ سے مقابلہ کی جرأت نہیں رکھتے نہ مفادات عاجلہ سے تہی دست ہونے کو تیار ہیں گردنوں کے اکڑے ہونے میں ان کے تکبر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ گردنوں میں طوق ڈالنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اس لئے کہ ان کے

خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٠﴾ وَسَوَآءٌ
پیچھے ان کے ایک دیوار پس ڈھانکا ہم نے انہیں پس وہ نہیں دیکھتے اور برابر ہے
عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾
ان پر خواہ ڈرائے تو انہیں یا نہ ڈرائے تو انہیں نہیں ایمان لاتے وہ
اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ
سوائے اسکے نہیں کہ تو ڈراتا ہے اسے جو پیروی کرتا ہے نصیحت کی اور ڈرتا ہے رحمان سے بن دیکھے
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى
پس خوشخبری دے اسے بخشش کی اور اجر عزت والے کی یقیناً ہم زندہ کرتے ہیں مُردوں کو

اعمال کا نتیجہ یہی تھا جو اللہ نے ان کے مقدر کردیا۔ جنگوں میں قیدی بن کر آئے تو یہی نظارہ تھا۔ قیامت کو ان کی یہ حالت کھلے طور پر ظاہر ہو گی۔

۱۰۔۱۱۔ سامنے کی روکیں ان کی اپنی پیدا کردہ رسوم ہیں۔ پیچھے کی روکوں سے مراد آباء واجداد کی غلط روش اوران کے وضع کردہ مذموم رسم و رواج ہیں جن کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ان روکوں نے بظاہر ان کو اس طرح چاروں طرف سے ڈھانپ لیا ہے کہ کچھ سجھائی دیتا ہے نہ دکھائی۔ گویا سمجھ بوجھ اور بصارت و بصیرت سے قطعاً عاری ہوگئے ہیں۔ پس تیرا انہیں آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ یہ فیصلہ کئے بیٹھے ہیں کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا اس لئے کہ یہ سب باتیں ان کے افعال کا نتیجہ ہیں۔

۱۲۔ تو صرف اس شخص کو آنے والے عواقب سے ڈرا سکتا ہے جو "ذکر" یعنی وحی الٰہی پر غور کرے، اسے قبول کرے اور اس کی اتباع کرے۔ ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھی کہا گیا ہے۔ پس آپؐ کی اتباع کرنا یعنی آپؐ کی سنت پر عمل کرنا بھی شامل ہے اور رحمٰن سے غیب میں ڈرے۔ جو غیب میں اپنے پروردگار سے ڈرے گا اور خود کو گناہوں سے بچائے گا وہ لوگوں کے سامنے گناہ کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہے۔ رحمٰن سے غیب میں ڈرنا یہ بھی ہے کہ جو باتیں بظاہر دکھائی نہیں دیتیں ان پر بھی یقین رکھے۔ صفت رحمٰن کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ رحمٰن کا غیب سے تعلق ہے۔ یہ رحمانیت ہی ہے جو بندے کے لئے غیب سے سارے انتظامات کر رہی ہے۔ پس ایسے نیکو کاروں کو ایک عظیم مغفرت اور معزز اجر کی خوشخبری دے۔ عظیم مغفرت میں سارے گناہوں سے معافی کا اشارہ ہے۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ

اور لکھتے ہیں جو آگے بھیجا انہوں نے اور نشانوں کو ان کے اور ہر چیز شمار کر لیا ہے ہم نے اسے

ع ۱۳/۱ ۱۸ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۳﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ

کتاب ظاہر میں اور بیان کر ان کے لیے مثال بستی والوں کی

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

جس وقت آئے اس میں بھیجے ہوئے جب بھیجے ہم نے طرف ان کی دو

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ

تو جھٹلایا انہوں نے ان دونوں کو پس قوت دی ہم نے ساتھ تیسرے کے پس کہا انہوں نے یقیناً ہم طرف تمہاری

مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ

بھیجے ہوئے ہیں انہوں نے کہا نہیں تم مگر انسان مانند ہماری اور نہیں

۱۳۔ چونکہ ذکر میں قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات دونوں شامل ہیں۔ پس ذکر کی اتباع کی وجہ سے ہم نے ان روحانی مردوں کو زندہ کردیا۔ جو کچھ وہ آگے بھیجتے ہیں ہم اسے محفوظ رکھتے ہیں جو آثار وہ اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں اسے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ آثار میں دیگر نشانوں کے علاوہ آثار قدیمہ کی طرف بھی اشارہ ہے آثارِ قدیمہ نے حصار کی طرح ان کے حالات کو محفوظ کررکھا ہے ان نشانات کو اور ہر شے کو ہم نے امام مبین یعنی ایک واضح شاہراہ میں محفوظ کررکھا ہے۔ ''فی'' زیرزمین کی طرف اشارہ کررہاہے۔ ان سے آگاہی ازدیاد ایمان کا موجب ہوگی۔

۱۴-۱۵۔ **عزّزنا۔ عزَّ**۔ عزۃ۔ شدت اور قوت کے معنی بھی دیتا ہے۔ تقویت۔ دوسرے رکوع میں مثال کے رنگ میں سمجھایا کہ جس قوم کی اصلاح کا کام آپؐ کے سپرد ہوا کوئی دوسرا مذہب اس کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ عملاً بھی پہلے مذاہب اس قوم کی اصلاح میں ناکام ہوچکے تھے۔ مثال کے طور پر بیان فرمایا کہ ہم نے ایک بستی والوں کی طرف دو رسول بھیجے جن کو انہوں نے جھٹلایا ہم نے ان کی تائید کے لئے تیسرا رسول بھیجا تمام انبیاء ایک ہی مقصد لے کر آئے۔ ہر آنے والا نبی پہلے انبیاء کی تائید کرتا ہے آنحضرت ﷺ پہلے انبیاء کی تائید وتقویت کا باعث تھے۔ مفسرین نے متعدد رسولوں کے نام لکھے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی رائے میں یہاں دو(۲) رسولوں سے مراد حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ہیں جن کا پیغام پہنچانے اور اہل عرب کو ہدایت دینے کے لئے یہود ونصاریٰ نے یکے بعد دیگرے بھاری کوششیں کیں لیکن اس سخت دل

اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۶﴾

اتاری رحمٰن نے کوئی چیز نہیں تم مگر جھوٹ بولتے

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَا

انہوں نے کہا رب ہمارا جانتا ہے کہ یقیناً ہم طرف تمہاری البتہ بھیجے ہوئے ہیں اور نہیں

عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ

ذمہ ہمارے مگر پہنچا دینا کھول کھول کر انہوں نے کہا یقیناً ہم نے بدشگونی لی تم سے

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

البتہ اگر نہ باز آؤگے تم ضرور سنگسار کریں گے ہم تم کو اور ضرور پہنچے گا تم کو طرف سے ہماری عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۹﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ

دردناک انہوں نے کہا بدشگونی تمہاری تمہارے ساتھ ہے کیا اگر نصیحت کئے گئے تم بلکہ

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ

تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو اور آیا کنارے پرلے سے شہر کے

قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ ناکام رہے۔ تیسرے رسول سے مراد نبیوں کے سردار وجہ کائنات محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہیں جو اس اکھڑ قوم کی ہدایت پر مبعوث ہوئے اور آپؐ نے ان گزشتہ انبیاء کی تائید کے ذریعہ ان کو عزت بخشی لیکن افسوس آپؐ کی تکذیب میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۴۵۸ سے استفادہ کیا)

۱۶ تا ۱۸۔ قرآن کریم میں متعدد بار کفار کے اس الزام کو دہرایا گیا ہے کہ یہ شخص محض ایک بشر ہے، رسول نہیں ۔ آپؐ کا جواب بھی بار بار بیان ہوا کہ میرا ربّ جانتا ہے کہ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میرے ذمہ صرف پیغام حق کو کھول کر پہنچادیتا ہے۔

۱۹-۲۰۔ **طیّر** پرندوں سے شگون لینا ہے۔ **تطیّر** کے معنی بدشگونی اور کسی کو منحوس سمجھنے کے ہیں۔

تکذیب انبیاء اور انبیاء پر ظلم وستم کی وجہ سے جب مکذبین پر اللہ کی طرف سے بیماری، قحط یا زلزلوں وغیرہ کی صورت عذاب الٰہی آتے ہیں تو وہ ان بلاؤں کو انبیاء کی نحوست قرار دیتے ہیں۔ پس انہیں تبلیغ حق سے نہ رکنے کی صورت میں سنگسار یا دیگر سخت سزاؤں کی دھمکیاں دی جاتی ہیں ۔انبیاء کا جواب بھی ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے ۔ کیا اس چیز کی سزا دے رہے ہو کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے ۔حقیقت تو یہ ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والی قوم ہو اس لئے لازماً سزا پاؤ گے۔

رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾

ایک آدمی دوڑتا ہوا اس نے کہا اے قوم میری پیروی کرو بھیجے ہوؤں کی

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

پیروی کرو ان کی جو نہیں مانگتے تم سے مزدوری اور وہ راہ پائے ہوئے ہیں

الجزء ۲۳

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور کیا ہوا مجھے کہ نہ عبادت کروں اس کی جس نے پیدا کیا مجھے اور طرف اسکی تم پھیرے جاؤ گے

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا

کیا بنا لوں میں سوائے اس کے معبود اگر چاہے مجھے رحمٰن نقصان پہنچانا نہ

۲۱۔ **یسعٰی** دوڑنے کے علاوہ وقار سے جلد جلد چلنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ (سورۃ الجمعہ:۱۰) بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل **رجلٌ یّسعٰی** سے مراد حضرت مسیح موعود کا پاک وجود بھی ہوسکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آیا اور آپ کی تبلیغ کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔ تاہم ہر نبی کے وقت کوئی ایک ایسا انسان ضرور ہوتا ہے جو جرأت کے ساتھ مخالفوں کو جواب دیتا ہے اور ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ایک مومن کا ذکر قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اور شہید کابل شہزادہ عبداللطیفؓ۔

۲۲۔ اس مرد مومن نے نبوت کو پرکھنے کا ایک معیار بتادیا کہ رسول جو خلقِ خدا کو پیغام حق پہنچاتے اور انہیں ہدایت کی طرف بلانے میں اپنی زندگی کھپاتے ہیں اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی نیز ان کی زندگیاں ایک کھلی کتاب کی طرح ان مکذبین کے سامنے ہوتی ہیں وہ ان پر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔ پس ان فرستادوں کا قول و فعل گواہی دیتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وہ تم سے کچھ لینے نہیں آتے۔ ہاں تمہیں ہدایت دے کر دینی و دنیوی متاع سے مالا مال کرنے ضرور آتے ہیں۔

۲۳۔ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوتے فرمایا کہ جس نے مجھے پیدا کیا عبادت کا مستحق بھی وہی ہے پس یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کروں۔ تمہیں بھی اس نے نہ صرف پیدا کیا بلکہ اسی کے حضور تم سب کو لوٹ کر بھی جانا ہے۔ گویا تمہیں اپنے پیدا کرنے والے کو حساب بھی دینا ہے۔ پس اسے چھوڑ کر کس کی عبادت کررہے ہو۔

۲۴۔ انسانی فطرت ہے کہ ہر شخص زبردست کو ساتھی بنانا چاہتا ہے۔ میں اپنے زبردست

تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ

کفایت کرے مجھے سفارش ان کی کچھ بھی اور نہ چھڑا سکیں گے وہ مجھے یقیناً میں اس وقت البتہ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۵﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۶﴾ قِيْلَ

گمراہی کھلی کھلی میں ہونگا یقیناً میں ایمان لایا رب پر تمہارے پس سنو میری کہا گیا اس سے

ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ بِمَا

داخل ہو جا جنت میں اس نے کہا اے کاش کہ قوم میری جانتی اس کو کہ

غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا

بخشا مجھے رب نے میرے اور بنایا مجھے معززین میں سے اور نہیں اُتارا ہم نے

ربّ کو چھوڑ کر ان بے وقعت اور بے اختیار معبودوں کو کیونکر اختیار کر سکتا ہوں جو میری مدد پر ہرگز قادر نہیں۔ ربّ رحمٰن جس نے ازل سے میری بقاء کے سامان کئے اور بن مانگے میری حاجتیں پوری کررہا ہے اس قادر خدا کے سامنے ان کی حیثیت کیا ہے۔ ہاں اگر میرے ربّ کی طرف سے ہی کوئی تکلیف میرے مقدر میں ہو تو ان معبودانِ باطلہ کی شفاعت میرے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ یہ مجھے دنیا یا آخرت کی مصیبتوں سے بچا سکتے ہیں۔ گویا اگر مجھے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے تو یہ میرے ربّ کے حکم سے ہے ورنہ ان کی کیا مجال۔

۲۵۔۲۶۔ اگر میں ایسا سوچوں بھی تو یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہوں گا۔ تمہارا ربّ کہا گویا اس نے مجھے ہی پیدا نہیں کیا تمہیں بھی پیدا کیا تمہاری بھی ربوبیت فرمارہا ہے۔ میں تمہارے ربّ پر ایمان لایا ہوں تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تمہارے پیدا کرنے والے کی طرف سے پیغام پہنچے تو پیغام حق پہنچانے والے کی بات سنو۔ بنا سُنے اور غور کئے انکار نہ کرو۔

۲۷۔۲۸۔ چونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید کو بعد از موت بلاتوقف بہشت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس مرد مومن کے اس بیان سے مفسرین نے استنباط کیا کہ آپ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا لیکن کسی ایک کی نشاندہی نہیں کرسکے۔ تاریخ میں بہت سے شہداء کا ذکر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت اور مصلحت کی بنا پر کسی کا نام نہیں لیا نیز قرآنی آیات باربار دہرائی جاتی ہیں اس لئے عین ممکن ہے کہ دو (۲) رسولوں سے مراد صاحب شریعت رسول حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پاک وجود ہو اور تیسرے سے مراد حضرت مسیح موعودؑ ہوں جو آپؐ کی اتباع میں غیر تشریعی نبی تھے اور جن کی بعثت کی غرض احیاء دین تھی جبکہ **رجلٌ یّسعٰی** سے مراد شہید کابل اخوندزادہ شہزادہ عبداللطیف ہوں۔ جو کابل کی دور دراز بستی

سے آمد مسیح کی خبر سن کر قادیان پہنچے اور نور حق کو گلے لگالیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تالیف تذکرۃ الشہادتین (صفحہ ۱۰۵) میں تحریر فرماتے ہیں وہ دور کی زمین کا رہنے والا تھا آپ کی عظیم شہادت کا تقاضا ہے کہ میں اپنے پڑھنے والوں کو ان کے حالات سے کچھ آگاہ کروں۔ جناب مولوی عبداللطیف شہید کابل کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ریاست کابل میں آپ کی کئی لاکھ کی جاگیر تھی۔ اپنے فضائل علمی اور تقویٰ کی وجہ سے گویا تمام کابل کے روحانی پیشوا تھے۔ آپ کے معتقدین خاصی تعداد میں تھے۔ آپ صاحب کشوف و الہام تھے۔ آپ کچھ ماہ حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت میں رہے اور اپنے احمدی ہوجانے کی اطلاع امیر کابل حبیب اللہ خان کو دی اور اس سے واپسی کی اجازت چاہی۔ اس نے دھوکے سے آپ کو بلایا۔ آپ کے بعض شاگرد کہتے ہیں کہ جب وطن کی طرف روانہ ہوئے تو بار بار کہتے تھے کہ کابل کی زمین اصلاح کے لئے میرے خون کی محتاج ہے۔ وہاں پہنچنے پر ابھی گرفتاری کی کوئی خبر نہیں تھی۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کر کے فرمایا! اے میرے ہاتھو! کیا تم ہتھکڑیوں کی برداشت کرلوگے۔ گھر والوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات آپ کے منہ سے نکلی۔ فرمایا نماز عصر کے بعد معلوم ہوجائے گا۔ عصر کے بعد گرفتار ہوئے اور دربار میں پیش کئے گئے۔ آپ کو اپنا عقیدہ چھوڑنے کے لئے کہا گیا۔ انکار پر آپ کو ہتھکڑی اور زنجیر غراغراب لگادی گئی یہ ایک چوبیس (۲۴) سیر کی آہنی زنجیر ہے جو گردن سے لے کر کمر تک جکڑ لیتی ہے۔ پاؤں میں آٹھ سیر وزنی بیڑیاں پہنا دی گئیں اور زندان میں ڈال دیا گیا۔ پچاس برس تک ناز و نعم میں پلے ہوئے شہزادے کے لئے یہ اذیتیں ناقابل برداشت تھیں لیکن آپ نے ثابت قدمی کا شاندار نمونہ دکھایا۔ قید میں آپ کئی ماہ رہے آپ کو بار بار اپنے عقیدہ سے توبہ کرنے کو کہا گیا لیکن آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ میں صاحب علم ہوں ،حق اور باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے میں نے پوری تحقیق سے معلوم کرلیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے۔ مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔ اخوندزادہ شہید نے امیر سے کہا کہ ان مولویوں سے میری بحث کروائی جائے۔ بحث تحریری ہوئی۔ آپ کے سر پر آٹھ سپاہی تلواریں لئے کھڑے رہے اور کسی کو کچھ بتائے بغیر آپ پر کفر کا فتویٰ لگادیا گیا۔ آپ نے مولویوں کو کہا تمہارے دو (۲) خدا ہیں تم امیر سے ایسے ڈرتے ہو جیسے خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ میرا ایک خدا ہے۔ میں امیر سے نہیں ڈرتا۔ تب

آپ کو پھر توبہ کے لئے کہا گیا۔ مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں سچائی سے توبہ کرلوں۔ میں حق سے توبہ نہیں کرسکتا۔ کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ تب تمام مولویوں کا متفقہ فتویٰ آپ کے گلے میں ڈال دیا کہ آپ کافر ہیں اور ایسے کافر کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ اس ظالم امیر کے حکم سے سخت عذاب کے ساتھ ناک میں سوراخ کر کے اس میں رسی ڈالی گئی۔ اس رسی سے کھینچتے ہوئے ٹھٹھے، گالیوں اور لعنت کے ساتھ آپ کو مقتل تک لائے۔ امیرؔ ،علماء اور مفتیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار اس دردناک نظارہ کو دیکھتے ہوئے مقتل تک پہنچا۔ جہاں ایک خلقت اس تماشا کو دیکھنے پہنچی ہوئی تھی۔ آپ کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا۔ اس وقت امیرؔ پھر آپ کے پاس آیا اور کہا اپنی جان اور اہل و عیال پر رحم کرو اور انکار کردو۔ میں چھوڑے دیتا ہوں۔ آپ خون میں نہائے ہوئے تھے۔ موت سامنے نظر آرہی تھی۔ آپ نے پیغمبرانہ دلیری سے کہا میں سچائی کو کیسے چھور سکتا ہوں۔ جان کیا ہے اور اہل و عیال کیا چیز ہیں جن کے لئے سچائی چھوڑ دوں ایسا کبھی نہ ہوگا میں حق کے لئے جان دوں گا۔ تب شہید مرحوم نے وحی الٰہی سے کہا کہ میں قتل کے چھ (۶) روز تک پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ امیر نے مفتی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ۔ قاضی نے کہا آپ بادشاہ وقت ہیں آپ چلائیں۔ امیر نے کہا شریعت کے آپ بادشاہ ہیں اور فتویٰ بھی آپ نے دیا ہے۔ تب بدبخت قاضی گھوڑے سے اترا اور ایک پتھر چلایا۔ آپ نے وقت شہادت پڑھا **انت وَلّیِ فی الدُّنیا والاٰخرۃ ج توفَّنی مُسلِمًا وَّ اَلحِقنی بالصّٰلحین** ٥ (سورۃ یوسف :۱۰۲) پہلے پتھر سے ہی کاری زخم آیا اور گردن ڈھلک گئی۔ دوسرا پتھر بدنصیب امیر نے اپنے ہاتھ سے چلایا۔ پھر ہر طرف سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے یہاں تک کہ پتھروں کا ایک کوٹھا سا بن گیا۔ **انا لِلّٰہِ وانّا الَیہِ راجِعُونَ** ۔ واپس جاتے ہوئے امیر نے کہا یہاں پہرہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ (۶) دن میں زندہ ہوجاؤں گا۔

مولوی عبداللطیف شہید مرحوم کے شاگرد خاص میاں احمد نور ۸ نومبر ۱۹۰۳ء کو مع اہل و عیال خوست سے قادیان پہنچے انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو بتلایا کہ شہادت کی رات آسمان سرخ ہوگیا۔ صبح ہوتے ہی کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ امیر کابل حبیب اللہ خان کا بھائی جو اس خونریزی کا اصل سبب تھا اس کی بیوی اور بچہ اور دیگر شاہی خاندان کے افراد ہیضہ سے ہلاک ہوئے۔ چار سو (۴۰۰) کے قریب آدمی ہر روز مرتا تھا۔ میاں نور احمد نے بتایا مولوی صاحب شہید کی

نعش کے گرد پہرہ تھا چالیس (۴۰) دن تک پتھروں میں پڑی رہی۔ سوا ماہ بعد ہمیں موقع ملا اور رات کو ہم نے نعش کو نکالا جس میں سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ ہم نے قبرستان میں جنازہ پڑھ کر آپ کو دفن کردیا۔

حضرت مسیح موعودؑ شدید درد گردہ کی وجہ سے تذکرۃ الشہادتین کو تالیف کرنے کی طاقت نہیں پا رہے تھے تب بعد دعا آپ کو الہام ہوا **سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ** ۝ اور معجزانہ طور پر آپ کو شفا ہوئی اور اسی روز نصف کے قریب کتاب لکھ لی۔ حضرت مسیح موعودؑ تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں "شہزادہ عبداللطیف کے لئے جو شہادت مقدر تھی وہ ہوچکی۔ اب ظالم کی پاداش باقی ہے۔" یہ پاداش افغانستان کو آج تک مل رہی ہے۔ اس کی زمین بیرونی طاقتوں کی یلغار اور آپس کی خانہ جنگی سے خون میں نہائی ہوئی ہے اور تباہ و برباد ہے۔ ابھی آگے کیا ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے اور ان پر رحم فرمائے۔ حضرت مسیح موعودؑ تذکرہ صفحہ ۷۰۵ میں تحریر فرماتے ہیں ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مریں گے۔ ان شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا۔ (تذکرہ صفحہ ۷۱۹) حضرت مسیح موعودؑ نے تذکرۃ الشہادتین میں ایک درد ناک فارسی نظم لکھی اس کتاب کے علاوہ کئی جگہ آپ کا ذکر خیر کیا اور اس عظیم شہادت پر آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اخوندزادہ مولوی عبداللطیف شہید کابل کے واقعات حضرت مسیح موعود کی تصنیف منیف "تذکرۃ الشہادتین" سے لئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں "مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہورہا ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۳۵۴) نیز آپ فرماتے ہیں ترجمہ! ہم یہ نہیں کہتے کہ اہل جنت دنیا سے دارالآخرت کی طرف انتقال کے بعد قیامت تک کے لئے جنت سے ایک دور کی جگہ میں روک لئے جاتے ہیں اور قیامت سے قبل سوائے شہداء کے کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ بات ہرگز درست نہیں بلکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق انبیاء سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ہیں کیا وہ مومن جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہو۔ یہ گمان کرسکتا ہے کہ نبی اور صدیق یوم بعث تک جنت سے دور رکھے جائیں گے اور اس کی راحت بخش ہوا کو نہیں پائیں گے لیکن شہداء بلا توقف جنت میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہتے چلے جائیں گے؟ ------ کیا تو نے رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پڑھی کی جنت میری قبر کے نیچے ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ مومن کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے ------ (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۵۲-۵۳)

عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا
قوم پر اس کی بعد اس کے کوئی لشکر آسمان سے اور نہیں تھے ہم

مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
اُتارنے والے نہ تھی مگر آواز سخت یک دم پس اچانک وہ

خَامِدُوْنَ ﴿۳۰﴾ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ
بجھے ہوئے تھے اے افسوس بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۱﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
مگر تھے وہ ساتھ اس کے ہنسی کرتے کیا نہیں دیکھا انہوں نے کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان کے

مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا
قومیں کہ وہ طرف ان کی نہیں لوٹتے اور نہیں ہیں سب مگر

جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚ ع ۲/۱
اکٹھے پاس ہمارے حاضر کئے جانیوالے اور نشان ہے انکے لیے زمین مُردہ

۲۹-۳۰۔ **خامدون** ۔خمود آگ بجھ جانے کے معنی دیتا ہے گویا سارا کرّ وفر جاتا رہا اور راکھ کا ڈھیر ہوگئے۔

اب اس بدقسمت قوم کی تباہی کا ذکر فرمایا اور واضح کیا کہ ہم نے کسی قوم کی تباہی کے لئے آسمان سے لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ آسمان سے فرشتے آئیں اور انہیں تباہ کردیں۔ گویا زمین سے ہی ایسے طبعی عوامل پیدا ہوجاتے ہیں جو اس قوم کی تباہی کا موجب بنتے ہیں۔ خواہ زلزلہ ہو، آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا یا شدید آندھی ہو، کسی قوم کا غرق ہونا ہو یا جنگوں وغیرہ کی تباہ کاریاں ہوں۔ پھر وہ قوم یا تو کلیۃً مٹادی جاتا ہے یا مغلوب کردی جاتی ہے۔ اور اپنے وقت کا کمزور ترین سمجھا جانے والا انسان یعنی اللہ تعالیٰ کا فرستادہ غالب آجاتا ہے۔

الٰہی عذابوں اور عام حوادث میں خاص امتیاز ہوتا ہے۔ انبیاء اس تباہی کی خبر پہلے سے کر دیتے ہیں پھر خاص تصرف الٰہی سے مقربین بچالئے جاتے ہیں اور انبیاء مع اپنے متبعین خدائی حکم سے یا تو اُن مقامات کو چھوڑ دیتے ہیں یا ان کی قوم ان کے آبائی وطنوں سے انہیں جلاوطن کردیتی ہے۔

جنگوں میں نزول ملائکہ کا ذکر آتا ہے وہ مومنوں کے دلوں کو قوت دینے اور دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آتے ہیں (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تصنیف ("حوادثات طبعی یا عذاب الٰہی" سے استفادہ کیا گیا)

۳۱۔ یہ بندوں کی بدقسمتی ہے کہ ہر رسول سے ٹھٹھا کیا گیا اور تحقیر آمیز سلوک ہوا۔

اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا
کو زندہ کیا ہم نے جسے اور نکالے ہم نے اس سے دانے پس اس سے وہ کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے

فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ
اس میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے اور جاری کیئے ہم نے اس میں

الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ
چشمے تاکہ وہ کھاویں پھل اس کے اور اس سے کر بنایا ہے جسے انکے ہاتھوں نے

اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا
کیا پھر نہیں شکر کرتے وہ پاک ہے وہ جس نے پیدا کئے جوڑے سب کے سب

۳۲۔۳۳۔مکذبین کے سب وشتم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بستیوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر یہ قومیں دنیا میں واپس نہیں لوٹتیں البتہ جزا وسزا کے لئے ہمارے حضور حاضر کی جائیں گی۔

۳۴۔تیسرے رکوع میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت کے چند مظاہر کا ذکر کیا جو ربّ کائنات کی توحید اور علم و قدرت پر دال ہیں۔ سب سے پہلے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود سے اس مردہ زمین کو زندہ کرے گا۔ فرمایا ان کفار کے لئے مردہ زمین ایک نشان ہے کہ کس طرح ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے اناج نکالا۔ وہ اس میں سے کچھ کھاتے ہیں ۔ کچھ اس لئے کہا کہ انسان سب کچھ نہیں کھاجاتا ۔ جانور اور چرند پرند بھی اس میں سے کھاتے ہیں۔اسی طرح روحانی طور پر یہ زمین بالکل مردہ ہوچکی تھی۔آسمانی پانی نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا اور تمہارے لئے روحانی مائدہ کا انتظام کیا جس سے تمہاری احیاءِنو ہوئی۔ اس روحانی مائدہ میں کچھ اور لوگ بھی تمہارے شریک ہیں ۔

۳۵۔۳٦۔اناج وغیرہ کے علاوہ اس نے تمہارے لئے باغ لگائے اور ان میں طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ان کی آبپاشی کے لئے چشمے جاری کئے تاکہ ان باغوں کے پھلوں میں سے حسب ضرورت کھائیں اور کچھ دیگر استعمال میں لائیں حالانکہ یہ سب ان کے ہاتھوں کی محنت نہیں۔زمانہ قدیم کی طرف بھی اشارہ ہے جب انسان خود محنت نہیں کرتا تھا۔قدرتی وسائل سے جو کچھ اگتا انسان اور چرند پرند کھالیتے۔موجودہ دور میں بیشک تُخم ریزی اور آبپاشی وغیرہ بظاہر انسان کے ہاتھوں سے ہوئی لیکن غلہ اور پھل وغیرہ کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کا کمال ہے جس میں انسان کا حصہ بہت کم ہے۔اسی طرح روحانی طور پر اللہ تعالیٰ نے عرب کی مردہ زمین کو روحانی آسمانی پانی سے سیراب کیا اور اس مردہ قوم میں عظیم انسان پیدا کئے جن سے علوم کے چشمے

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳٦﴾
اس سے جو اگاتی ہے زمین اور خود ان سے اور اس سے جو نہیں وہ جانتے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
اور نشان ہے ان کے لیے رات ہم کھینچ نکالتے ہیں اس سے دن پس اچانک وہ اندھیرے والے ہوتے ہیں

پھوٹے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے ہوا۔اس نے بندوں کی مادی اور روحانی ضروریات کے لئے بے شمار ظاہری اور مخفی سامان کئے اور ایسا حکیمانہ نظام قائم کیا کہ یہ کمزور انسان ان سے مستفید ہوسکا ورنہ کسی انسان کے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں تھی۔کیا ان تمام نعمتوں پر وہ اپنے ربّ کا شکر بجانہیں لائیں گے۔

۳۷۔ایک زبردست پیشگوئی کے ذریعہ اُن عالمگیر حقائق سے پردہ اٹھایا جن سے اس زمانہ کا انسان واقف نہیں تھا۔ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا۔ تمام نباتات میں بھی،ان کے اپنے نفوس میں بھی اور اُن اشیاء میں بھی جن کے جوڑا ہونے کا علم ابھی انہیں نہیں جیسے جمادات وغیرہ اب سائنسدان معلوم کر چکے ہیں کہ مادے کی بنیادی ترکیب بھی منفی اور مثبت برقی توانائی کے ارتباط سے ہوئی ہے جس سے یہ ساری کائنات وجود میں آئی۔جب مادی دنیا میں ہر چیز کی نشو ونما زوج کی مرہونِ منت ہے تو قوائے روحانی کی ترقی کے لئے بھی کسی نہ کسی صورت میں کسی دوسری ہستی سے تعلق کی ضرورت ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

سبحان اللہ سے شروع کرنے میں یہی حکمت تھی کہ یہ تعلق روح کا ہے نہ کہ جسم کا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمزوری اور عیب سے پاک ہے۔پس روحانی نشونما تعلق باللہ کے بغیر ممکن نہیں۔

۳۸۔**نسلخ**۔سلخ کسی چیز کا چمڑا اتارنا ہے۔ اب لیل ونہار کے روزانہ انقلاب کا ذکر کیا اور اس حقیقت کو بیان کیا کہ اس وسیع و بسیط کائنات پر پھیلا ہوا مہیب اندھیرا ہی اصل ہے جہاں دور دور تک ستاروں اور سیاروں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی بھی نہیں پہنچ سکتی۔یہاں بتلایا کہ نور اور روشنی گویا ایک لباس ہے جو تاریکی کو لپیٹ لیتا ہے اور دن روشن ہو جاتا ہے۔جب نور کا لباس اتار لیا جاتا ہے۔تو پھر تاریکی چھاجاتی ہے اور رات ہوجاتی ہے رات سے دن کے نکلنے میں نشان یہی ہے کہ زمین اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے جس سے رات اور دن کا وجود ہے۔زمین کا گول ہونا بھی اس سے ثابت ہے۔روحانی دنیا میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔جب زمانے میں جہالت کی تاریکی پھیل جاتی ہے توانبیاء روشنی کا مینار بن کر آتے ہیں اور اپنی ضیاء پاشیوں سے چہار دانگ عالم

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

اور سورج چلتا ہے مقرر جگہ پر اپنی یہ اندازہ ہے غالب بہت

الْعَلِيْمِ ﴿۳۹﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ

علم والے کا اور چاند کہ ہم نے مقرر کردیں اسکی منزلیں یہاں تک کہ ہوجاتا ہے مانند شاخ کھجور

کو روشن کردیتے ہیں۔ان کے بعد آہستہ آہستہ پھر جہالت و الحاد کے اندھیرے پھیلنے لگتے ہیں۔گویا ایک سیاہ رات اس نور کو ڈھانپ دیتی ہے تآنکہ پھر نبی کا ظہور ہوتا ہے۔بعثت رسولؐ سے پہلے دنیا تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تمام مذاہب روحانی روشنی سے محروم تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم روحانی دنیا میں آفتاب بن کر ظاہر ہوئے۔ آپؐ کے وجود باجود سے دنیا میں روحانی بیداری پیدا ہوئی اور تمام مذاہب میں پھیلی ہوئی تاریکی دور ہوئی ۔ اسلام کے سنہری اصولوں سے تمام مذاہب کے اندر بالواسطہ یا بلاواسطہ اصلاحات ہوئیں۔(تفصیل کے لئے سورۃ عنکبوت:۲۱)

۳۹۔ **مُستقَرٌ لَّها۔ مُستقر**۔ٹھہرنے کی جگہ۔جہاں جاکر ٹھہر جانا ہے۔فنا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔**تجری لمستقرٍ لَّها** ۔اپنی مقررہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔اگر لها میں ل بمعنی فی ہو جیسے لسبیلہٖ میں ہے اس صورت میں معنی ہوں گے کہ سورج اپنے مقررہ راستوں پر چل رہاہے یعنی اپنے مدار پر چل رہاہے۔گویا ایک آیت میں سورج کی دونوں حرکات کی طرف اشارہ ہے۔

رات کی طرح سورج بھی نشان ہے جواپنی مقررہ منزل کی طرف رواں دواں ہے یہ غالب علم والے کی جاری کردہ تقدیر ہے۔ اس میں سورج کے اپنے ارادے کا دخل نہیں بلکہ کامل قدرت والے اور خوب جاننے والے کے مقرر کردہ نظام کے تحت اپنے نظام شمسی سمیت قریباً بیس کلومیٹر فی سکینڈ کی رفتار سے اس کا سفر جاری ہے ۔ اور یہ اپنے سے بڑے کسی نظام شمسی کے گرد گھوم رہاہے اور وہ ان سب کے ساتھ کسی اور بڑے نظام شمسی کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اس طرح یہ کہکشائیں ایک خاص سمت میں کسی نامعلوم منزل کی طرف محوِ سفر ہیں۔ گویا ساری کائنات مجموعی طور پر حرکت کر رہی ہے ورنہ ایک سیارے کا دوسرے سے ٹکراؤ ہوجانا چاہیئے تھا ۔باوجود اس کے کہ پوری کائنات متحرک ہے ان اجرام فلکی کے آپس کے فاصلے اتنے ہی رہتے ہیں۔ اس سے ضمناً یہ ثابت ہوتاہے کہ کوئی اور نامعلوم کائنات اس سے بھی بڑی ہے جس کی کشش کے ساتھ یہ اس کی جانب متحرک ہے۔ **تبارک اللّٰہ احسن الخالقین**(قرآن کریم۔اردو ترجمہ۔

الْقَدِيْمِ ﴿۴۰﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ

پرانی کے نہیں سورج کہ ممکن ہو واسطے اس کے کہ پکڑ لیوے چاند کو

وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ

اور نہ رات آگے نکلنے والی ہے دن سے اور سب آسمان میں تیرتے ہیں اور

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) حدیث میں ہے کہ قربِ قیامت میں آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا الحمدللہ کہ مسیح کے غلاموں نے اپنی زندگیوں میں یہ نظارہ دیکھا کہ آفتابِ اسلام جو پہلے مشرق سے طلوع ہوا تھا آج مغرب سے طلوع ہو رہاہے اور مغرب میں بسنے والی قومیں غور وفکر کرکے بفضلِ تعالیٰ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی طرف رجوع کر رہی ہیں۔

۴۰۔ **عُرجون** ۔ کھجور کی وہ شاخ جو خشک ہو کر ٹیڑھی ہوگئی ہو۔قَمر چودھویں کا چاند ہے اس میں چودھویں صدی کی طرف بھی اشارہ ہے گزشتہ مفسرین نے لکھا ہے کہ نزولِ مسیح میں کوئی شخص چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دیگر مکاشفات و اخبار بھی چودھویں صدی تک کی خبر دیتے ہیں۔ فرمایا ہم نے چاند کے لئے بھی منازل مقرر کردی ہیں ۔ وہ مہِ کامل سے گھٹتا گھٹتا مُڑی ہوئی خشک شاخ کی طرح ہلالی شکل اختیار کرلیتاہے۔ایسا چاند کی زمین کے گرد حرکت سے ممکن ہوتاہے۔ چونکہ چاند سورج سے روشنی لیتاہے اس لئے سورج کی روشنی کے لحاظ سے گھٹتا بڑھتا ہے ۔ لیکن فاصلے گھٹتے بڑھتے نہیں۔

۴۱۔**فَلک**۔ کے معنی ستاروں کا مدار ہے ۔ آسمان نہیں۔ جبکہ **فُلک** کشتی ہے۔ **یَسبَحون**۔ سبح سیال چیز میں تیرنے پر بولا جاتا ہے ۔بظاہر یوں محسوس ہوتاہے گویا تمام اجرام فلکی پانی یا ہوا کی طرح کی کسی رقیق شے پر تیر رہے ہوں۔

سورج اپنے مقرر کردہ راستہ پر رواں ہے۔اسے یہ طاقت نہیں کہ چاند کے مدار میں داخل ہوجائے اور اسے پکڑلے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے کہ رات لمبی ہوتی جائے اور دن نہ آئے۔چاند اور سورج پرہی کیا منحصر ہے تمام اجرام فلکی اپنے اپنے مداروں پر تیر رہے ہیں ۔ اجرام فلکی کا لامحدود فضاؤں میں چلنا تیرنے کے عین مشابہ ہے۔فضامیں ہر جگہ کچھ نہ کچھ موجود ہے جہاں ہوا نہیں وہاں سیاہ مادہ (Black Matter) ہے تمام اجرام فلکی مقررہ فاصلہ پر مقررہ رفتار سے اپنے اپنے مدار پر قدرے بیضوی انداز سے ایک نامعلوم سمت کی طرف رواں دواں ہیں۔ ان کی رفتار اور فاصلہ میں معمولی تغیر بھی قیامت برپا کرنے کے لئے کافی ہے۔

اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤٢﴾

نشان ہے انکے لیے کہ ہم نے سوار کیا نسل کو ان کی کشتی بھری ہوئی میں

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ

اور پیدا کیا ہم نے ان کیلئے مانند اس کی جس میں وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں غرق کردیں انہیں

فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٤﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ

پس نہ ہو کوئی فریادرس ان کے لیے اور نہ وہ چھڑائے جائیں گے سوائے رحمت کے طرف سے ہماری اور

مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٥﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ

فائدہ پہنچانے کیلئے ایک وقت تک اور جب کہا جاتا ہے ان کو ڈرو اس سے جو آگے ہے تمہارے

یہ تمام حقائق ایک انتہائی مقتدر بالا ہستی کے وجود کی زبردست دلیل ہیں۔ **کُلٌّ فی فلک یسبحون** ہ میں روحانی سورج ، چاند اور ستاروں کی طرف اشارہ ملتا ہے جو اپنے دائرۂ استعدادِ فطرت کے مطابق الٰہی نور حاصل کرتے ہیں۔

۴۲۔ **فُلک** جمع اور واحد دونوں کے لئے آتا ہے۔

یہاں سے آئندہ ہونے والی عظیم پیشگوئیوں کا ذکر ہے۔فلکؔ کے ذکر کے ساتھ ہی مضمون کو فُلک کی طرف پھیر دیا۔یہاں کشتیٔ نوح مراد نہیں بلکہ آئندہ ایجاد ہونے والے عظیم بحری بیڑے مراد ہیں جن میں ان کی اولادیں سوار ہوں گی۔ام حرامؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ کو لوگ جہازوں پر سوار ہو کر جاتے ہوئے دکھائے گئے۔(بخاری کتاب التعبیر باب الرؤیاء بالنھار بروایت حضرت انسؓ)

۴۳۔ پیشگوئی فرمائی کہ اس طرح کی اور سواریاں بھی ایجاد ہوں گی جن پر یہ سوار ہوں گے۔اس میں اوّل بڑے بڑے بحری جہاز ہیں جو سمندروں کا سینہ چیر کر تیرتے ہوئے جاتے ہیں۔ پھر ہوائی جہاز ہیں جو ہواؤں کے دوش پر اڑتے چلے جاتے ہیں۔نیز اس میں قیامت تک ایجاد ہونے والی سب سواریاں شامل ہیں۔یہاں آئندہ آنے والی کسی خاص قوم کا ذکر ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ بحر و برّ کے علاوہ ہواؤں کو بھی مسخر فرمائے گا۔ اگلی آیات میں اسی قوم کا ذکر ہے۔

۴۴۔ ۴۵۔ **صریخ**۔فریادرس۔ ان عظیم طاقتوں کو مسخر کرنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے ہی ممکن ہوگا۔جب تک وہ چاہے گا ان سے فائدہ اٹھائیں گے ، جب وہ چاہے گا یہی طاقتیں ان کی تباہی کا موجب بن جائیں گی۔ پھر نہ ان کی فریاد رسی ہوگی اور نہ کوئی دنیوی طاقت یا ان کی کوئی تدبیر انہیں بچاسکے گی۔ ہاں اللہ کی رحمت ہے جو بچالے اور ایک مقررہ مدت

وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ

اور جو پیچھے ہے تمہارے تاکہ تم رحم کئے جاؤ اور نہیں آتا انکے پاس کوئی نشان

مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا قِيْلَ

نشانوں میں سے انکے رب کے مگر ہوتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

انہیں خرچ کرو اس سے جو دیا تم کو اللہ نے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

تک دنیوی فوائد سے متمتع کرے۔

۴۶۔قرآنی آیات ہمیشہ کے لئے ہیں لیکن یہ آیات خاص طور پر آج کی ترقی یافتہ مغربی اقوام پر اطلاق پارہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بے حساب نعمتیں میسر آئیں مگر انہوں نے شکر کا حق ادا نہ کیا۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں! اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔''(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶،۲۵۷)اب انہیں اللہ کی رحمت حاصل کرنے اور ان بلاؤں سے بچنے کا طریقہ بتایا کہ اس عذاب سے اپنا بچاؤ کرلو جس نے تمہیں آگے اور پیچھے سے گھیر رکھا ہے۔گویا ایک عذاب وہ ہے جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور تمہیں اپنے سامنے نظر آرہا ہے اور دوسرا وہ جو پیچھے آرہا ہے اور عنقریب تمہیں دبوچ لے گا۔پس متقی بنو، اللہ کی پناہ میں آجاؤ اور آگے اور پیچھے کے تمام خطرات سے مامون ہو جاؤ۔بیشک وہ رحیم و کریم غیر متقی کو بھی بچالیتا ہے لیکن متقین سے خاص وعدہ ہے کہ وہ ضرور بچائے جائیں گے۔آج یہ وعدہ اللہ کے فضل اور احسان سے جماعت احمدیہ پر خصوصاً اطلاق پارہا ہے کہ اگر متقی بنیں گے تو ضرور رحم کیا جائے گا۔اس کی ایک مثال کانگڑہ کا شدید زلزلہ بھی ہے جو ۱۹۰۵ء میں آیا اور ۹۵ فیصد آبادی ہلاک ہوئی لیکن اللہ کے خاص فضل و احسان سے ایک احمدی بھی ہلاک نہیں ہوا۔پھر قریب کے زمانہ میں اوجری کیمپ کا حادثہ اور پاکستان میں شمالی علاقہ جات کا حالیہ شدید زلزلہ جو ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں آیا اور کئی دیگر حادثات ہیں جن میں بفضل تعالیٰ تمام احمدی محفوظ رہے **ذٰلک فضلُ اللّٰہِ یُؤتیہ من یشآء** ط (۶۲-۵)

۴۷۔ان تمام نصائح کے باوجود ان کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اللہ کی طرف سے آنے والے ہر نشان سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور ہرگز توجہ نہیں کرتے ۔اس میں ان تازہ بتازہ

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ
ان لوگوں کو جو ایمان لائے کیا کھلاویں ہم ان لوگوں کو اگر چاہتا اللہ کھلا دیتا انہیں نہیں
اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
تم مگر گمراہی کھلی کھلی میں اور وہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
اگر ہو تم سچے نہیں انتظار کرتے مگر تیز آواز ایک دم کا
تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً
جو پکڑے انہیں اور وہ جھگڑتے ہوں گے پس نہ طاقت رکھیں گے وصیت کرنے کی

نشانات کی طرف بھی اشارہ ہے جو مسیح زمان کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

۴۸۔ تباہی سے بچنے اور اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔قرآن کریم میں جس قدر تاکید کھانا کھلانے کی آئی ہے دیگر ضروریات کو پورا کرنے کی اُتنی تاکید نہیں آئی۔ دراصل انسان کی بنیادی ضروریات میں اول کھانا ہی ہے ۔آج بھی اللہ کے بندے بھوکوں مر رہے ہیں جن میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ایتھوپیا اور دیگر کئی افریقی ممالک کی حالت ہمارے سامنے ہے ۔عالمی انسانی حقوق کا علمبردار امریکہ فالتو غلہ سمندر میں پھینک دیتا ہے لیکن ان مفلوک الحال لوگوں تک نہیں پہنچنے دیتا کہ عالمی منڈی میں بھاؤ نہ گر جائے۔ دولتمند اسلامی ممالک خصوصاً سعودی عرب ، کویت ، امارات اور ایران وغیرہ گو کفار کی طرح برملا تو نہیں کہتے کہ جس نے پیدا کیا وہی دے لیکن ظاہر یہی ہو رہا ہے کہ ان کے مصائب سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں حالانکہ ان قحط زدہ مخلوقِ خدا کو غلہ وغیرہ فراہم کرتا تمام انسانوں کا فرض تھا۔

یہاں صاف بتلادیا کہ یہ رزق اللہ کا ہے جس میں اس کے محروم بندوں کا حق ہے ۔اس کے حصول میں تمہارا حصہ بہت کم ہے۔ اگر بندگانِ خدا کو ان کی بنیادی ضروریات سے محروم رکھا تو آنے والی تباہی سے بچ نہیں سکو گے۔

مادی رزق کے علاوہ روحانی رزق کو تقسیم کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے ۔اگر مادی رزق جسم کی توانائی کے لئے ضروری ہے تو روحانی رزق روح کی بالیدگی کے لئے اہم ہے۔

۴۹۔۵۱۔ یہاں دنیوی عذاب کا ہی ذکر ہے جس کے لئے کفار بطور استہزا پوچھا کرتے تھے کہ یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ فرمایا وہ ایک ہولناک آواز ہوگی جو ان کو ایسے حالات میں آ پکڑے گی کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے یعنی مختلف دنیوی امور میں بجائے صلح صفائی سے

۳ ع ۸ ۲ وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ
اور نہ طرف اپنے گھروں کی لوٹیں گے وہ اور بجایا جائے گا بگل پس اچانک وہ
مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ
قبروں سے طرف اپنے رب کی دوڑیں گے کہیں گے اے افسوس ہم پر کس نے
بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ
اُٹھایا ہم کو خوابگاہ سے ہماری یہ وہ ہے جس کا وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
رسولوں نے نہیں ہے وہ مگر تند آواز یک دم پس اچانک وہ
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا
سب کے سب پاس ہمارے حاضر کئے جانیوالے ہونگے پس آج نہ ظلم کیا جائیگا کوئی نفس کچھ بھی

معاملات نمٹانے کے آپس میں جھگڑنا ان کا معمول بن چکا ہوگا اور انہیں دنیوی عذاب یا آخرت کی جواب طلبی کا خیال تک نہیں ہوگا۔ پس اچانک عذاب کی وجہ سے اہل وعیال کو کوئی وصیت کر سکیں گے نہ ان کی طرف لوٹ کر جاسکیں گے۔ ایسا جنگ بدر میں بھی ہوا کہ اچانک واصل جہنم ہوئے۔ اہل و عیال کو وصیت کر سکے نہ لوٹ کر ان کے پاس جاسکے۔ آخری زمانہ میں بھی یہ پیشگوئیاں دہرائی جائیں گی۔

۵۲۔۵۴۔چوتھے رکوع میں قیامت کے احوال کا بیان ہے اور بتلایا کہ ان کی پکڑ دنیا تک ہی محدود نہیں اس کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا جب بگل بجایا جائے گا اور وہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے ربّ کی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے خواہ وہ قبروں میں دفن ہوئے یا نہ ہوئے مراد ان کا اس حالت سے نکلنا ہے جس میں بعد از مرگ رہے اور کہیں گے کہ ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری خوابگاہ سے اٹھایا ۔تب جان جائیں گے کہ یہی وہ ہے جس کا رحمٰن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا جسے ہم جھٹلاتے رہے یہاں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کو اختیار کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمانیت ہے جو بندے کی ہدایت کے سامان کرتی ہے ۔انبیاء اور ان پر کتابوں کا نازل کرنا بھی رحمانیت سے خاص ہے۔**الرحمٰن o علّم القراٰن** گویا یہ انعامات انسان کے کسی اپنے فعل کا نتیجہ نہیں۔ مرنے کے بعد کے احوال کا علم انسان کو بہت کم دیا گیا ہے اسے اتنا ہی علم ہے جتنا قرآن اور حدیث سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شہداء شہادت کے بعد بلا توقف جنت میں داخل کردئے جاتے ہیں (آیت ۲۷) قرآن کریم اور احادیث

وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

اور نہ تم بدلہ دیئے جاؤ گے مگر اس کا جو تھے تم کرتے یقیناً رہنے والے جنت کے

الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۶﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى

آج شغلوں میں مزے پا رہے ہونگے وہ اور بیویاں ان کی سایوں میں

الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۷﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا

تختوں پر تکیہ لگانے والے ہوں گے ان کے لیے اس میں میوہ ہوگا اور ان کیلئے ہوگا جو وہ

يَدَّعُوْنَ ﴿۵۸﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۹﴾ وَامْتَازُوا

مانگیں گے سلام کہا جائیگا طرف سے رب بہت رحم کرنے والے کی۔ اور جدا ہو جاؤ

سے ثابت ہے کہ قبر میں اعمال کے مطابق جنت کی خوشخبریاں بھی ملتی ہیں اور عذاب بھی ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں۔ ”روح کا شعور کچھ عرصہ تک اس کے ساتھ رہتا ہے پھر عالم برزخ میں ایک لمبے عرصہ تک بالکل غافل کر دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس لمبی غفلت کی وجہ سے انہوں نے کہا کہ کس نے ہمیں ہماری خوابگاہ سے اٹھایا۔ یا جہنم کے سخت عذاب کو دیکھ کر برزخ کا عذاب کم لگے گا اور اسے مرقد قرار دیں گے“۔ فرمایا ایک ہولناک آواز ہوگی اور وہ سب ہمارے حضور حاضر کر دیئے جائیں گے۔

۵۵۔ اب اللہ تعالیٰ کی عدالت کا بیان ہے جہاں کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر ضرور غالب ہوگی۔

۵۶۔۵۹۔ اب اہل جنت کے احوال اور جنت کی نعمتوں کا بیان ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے ذہن میں گزریں (بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔ بخاری) احادیث اور قرآن کریم میں ہمیں سمجھانے کے لئے ان روحانی کیفیات کا ایک ظاہری نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں صرف ناموں کی مماثلت ہے۔ اہل جنت جنت میں فارغ وقت نہیں گزاریں گے نہ بیکار بیٹھیں گے۔ مشغولیت ہوگی مگر تھکان نہیں ہوگی۔ ہر ایک کی جنت اپنی پسند کے مطابق مختلف ہوگی جہاں بشاشت اور خوشی سے مختلف مشاغل سے لطف اندوز ہوں گے اور اپنے ربّ کی تسبیح وتہلیل اور حمد وثنا میں مشغول رہیں گے۔ جنتیوں کا سایوں میں تختوں پر آرام فرما ہونا بھی مثال کے طور پر ہے گویا نہایت آرام اور سکون سے ہوں گے۔ ان کے لئے نہ صرف پھل ہوں گے بلکہ ہر وہ نعمت میسر ہوگی جسے طلب کریں گے۔ جوڑے میں ہم مزاج ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ دنیا والے جوڑے وہاں اکٹھے ہوں۔ اگر میاں بیوی متقی تھے اور زوج

الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

آج اے مجرمو! کیا نہیں تاکیدی حکم بھیجا تھا میں نے طرف تمہاری اے بنی آدم

اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۱﴾ وَّاَنِ

کہ نہ عبادت کرنا تم شیطان کی یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے کھلا کھلا اور یہ کہ

اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ

عبادت کرو میری یہ راہ ہے سیدھی اور یقیناً گمراہ کیا اس نے تم میں سے

جِبِلًّا كَثِيْرًا ۚ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ

مخلوق بہت کو کیا پھر نہیں ہو تم سمجھتے یہ ہے جہنم جس کا

کہلانے کے مستحق تھے تو ضرور جنت میں بطور زوج ہوں گے۔ اگر ایک کے اعمال کم ہوں گے تو بھی ربِّ رحیم اس کے اعمال بڑھا کر دونوں کو اکٹھا کر دے گا۔ اگر ان میں ایک متقی اور ایک فاسق ہوگا تب ان کے ٹھکانے الگ الگ ہوں گے اور متقی کو اللہ تعالیٰ بہترین ساتھی سے نوازے گا۔ جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ربِّ رحیم کی طرف سے سلام کے پیغام کا ملنا ہوگا۔ اس سے بڑی عزت افزائی کیا ہوگی کہ ربِّ رحیم خود ان کو سلام کہے گا۔

۶۰۔۶۳۔ **امتازوا۔ مَازَ**۔ دو چیزوں کو الگ الگ کیا۔ **تمیَّزَ** ایک چیز الگ ہوگئی یا کٹ گئی **امتازوا** ۔ دور ہٹ جاؤ۔ **تکاد تمیَّز من الغیظ** ۔ (الملک :۸) قریب ہے کہ جوش سے پھٹ جائے۔ شیطان کی عبادت اس کی اطاعت ہے۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

اب جہنمیوں کے حالات کا کچھ ذکر کیا اوران کے جرائم کی وجہ سے انہیں مجرم کہہ کر مخاطب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مجرمین کو سخت تہدید فرمائے گا کہ پرے ہٹ جاؤ اور میرے مومن بندوں سے الگ ہو جاؤ اب انہیں وہ عہد یاد دلایا جسے بھلا کر اس حال کو پہنچے۔ مراد وہ عہد بھی ہو سکتا ہے جو روحوں سے لیا گیا اور انسان کی جبلت میں ہدایت کا مادہ رکھا تا وہ بُرے اور بھلے میں تمیز کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مجرم بھی جرم کو پسند نہیں کرتا۔ یا مراد وہ وعدہ ہے جو انبیاء کے ذریعہ لیا گیا۔ یہ وہ احکام تھے جو انبیاء کے ذریعہ پہنچے۔ انہوں نے خوب کھول کر بتا دیا کہ شیطان کی اتباع نہ کرو وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور ایک اللہ کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ عقل تو تمہیں اس لئے دی گئی تھی کہ تم ان لوگوں کے حالات پر غور کرتے جو شیطان کی اتباع میں گمراہ ہوئے۔ افسوس! تم نے عقل سے کام لیا نہ اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرا اور نہ انبیاء کی تعلیم پر غور کیا۔

۶۴۔۶۵۔ پس یہی وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ اگر باز نہ آئے تو جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔ تم نے جن جرائم کا ارتکاب کیا اور حق کو جھٹلایا اس کی سزا یہی ہے کہ آج اس

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾

تھے تم وعدہ دیئے جاتے داخل ہو اس میں آج بسبب اسکے کہ تھے تم کفر کرتے

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ

آج ہم مہر کردیں گے مونہوں پر ان کے اور باتیں کریں گے ہم سے ہاتھ ان کے اور گواہی دینگے

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى

پیر ان کے اس کی جو تھے وہ کرتے اور اگر ہم چاہیں البتہ مٹا دیں

اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ

آنکھیں ان کی پس آگے بڑھیں طرف راہ کی پھر کہاں سے وہ دیکھیں گے اور اگر

نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا

ہم چاہیں ضرور مسخ کردیں ہم انہیں جگہ پر ان کی پس نہ طاقت رکھیں گے آنے جانے کی

وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا ع ٤ ١٧ ٣

اور نہ لوٹ سکیں گے اور جو شخص کہ ہم عمر دیتے ہیں جسے ہم کم کرتے جاتے ہیں اُسے پیدائش میں، کیا پھر نہیں

میں داخل ہو جاؤ۔

٦٦۔مونہوں پر مہر لگانے سے مراد ہے کہ وہ اپنے اختیار سے بول نہیں سکیں گے کیونکہ دوسری جگہ کان ، آنکھ اور کھال کا بولنا مذکور ہے بلکہ ان کی زبانوں کی گواہی بھی مذکور ہے۔ غرض اس دن ان کے منہ سے اقبال جرم کروانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دنیا میں کئے ہوئے اعمال ان کے وجود میں چھپ چکے ہوں گے۔ ان کے ہاتھ اللہ تعالیٰ سے کلام کریں گے اور ان کی کرتوتوں کو بیان کریں گے اور ان کے پیر ان کے جرائم کی گوائی دیں گے۔ اس دنیا میں بھی بعض جرائم انسانی اعضاء پر ظاہر ہوجاتے ہیں خواہ منہ سے نہ بھی تسلیم کریں۔ جیسے آتشک زدہ انسان کی ناک اور گلا وغیرہ اس کے گناہ کا پردہ چاک کردیتے ہیں ۔ آج سائنسدان یہ نظریہ پیش کررہے ہیں کہ انسان کے افعال واقوال محفوظ رہ سکتے ہیں۔

٦٧۔ان مجرمین کاذکر تھا جن کے جرائم دنیا میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے ۔رکوع کی ان آخری آیات میں ان کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلائے کہ ان کی سرکشیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دی۔ فرمایا اگر ہم چاہتے تو ان گنہگار آنکھوں کو دنیا میں ہی مٹا دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا محض اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے کہ شاید صحیح راستہ کی تلاش میں وہ راہ ڈھونڈتے آگے بڑھیں مگر اندھے ہونے کی صورت میں وہ سچی راہ کیونکر دیکھ سکیں گے۔ پس ہم نے اس امید پر ان کی بینائی کو قائم رکھا کہ شاید انہیں راہِ ہدایت نظر آجائے۔

٦٨۔**مُضِيًّا۔مُضِیّ** کسی چیز کا گزر جانا۔ چلے جانا۔ **وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ** ○

يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ

وہ سمجھتے اور نہیں سکھایا ہم نے اُسے شعر اور نہیں لائق اسکے لیے نہیں وہ

(سورۃ الزخرف: ۴۳۔۹) فرمایا اگر ہم چاہتے تو ان کو دنیا میں فوری عذاب دیتے اور ان کو ان کے ٹھکانوں میں ہی مٹا دیتے یا ان کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو تہس نہس کردیتے۔ان کے اعمال کا تقاضا بھی یہی تھا۔ پھر وہ آگے بڑھنے کی طاقت پاتے اور نہ لوٹ سکتے مگر ہم نے اپنی رحمت سے انہیں ڈھیل دے رکھی جس کا انہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بیشک دنیا میں ظاہری طور پر نابینائی اور مسخ سے بچائے گئے لیکن روحانی طور پر اندھے رہے اور روحانی صورتیں بگڑ گئیں۔

٦٩۔قیامت کے احوال کا ذکر تھا بتایا کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ انسان ضعف کی حالت میں پیدا ہوتا ہے آخر ضعف کی حالت میں ہی اپنے ربّ کی طرف لوٹ جاتا ہے ۔ اسے قوت کا جو تھوڑا سا عرصہ ملتا ہے اگر اس سے صحیح فائدہ اٹھالے اور اپنے ربّ کو راضی کر لے تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔**نُنَكِّسْهُ**۔نکس کے معنی کسی چیز کو الٹا کردینے کے ہیں گویا جسے لمبی عمر دیتے ہیں اسے خلق میں الٹا دیتے ہیں اور اس میں بچپن والی کمزوریاں عود کر آتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اس مولا کریم کا معاملہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ کچھ الگ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "جو لوگ جوانی میں دینی زندگی گزارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کا بڑھاپا اچھا ہوتا ہے ۔ورنہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں عقلیں ماری جاتی ہیں اور انسان مخبوط الحواس سا ہوجاتا ہے۔"(ملفوظات جلدسوم صفحہ۲۰۲) بلکہ آپ درازیٔ عمر کا نسخہ بھی (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۱۷ میں تحریر فرماتے ہیں) کہ "اگر انسان چاہتا ہے کہ لمبی عمر پائے تو اپنا کچھ وقت اخلاص کے ساتھ دین کے لئے وقف کردے۔ خدا کے ساتھ معاملہ صاف ہونا چاہئے۔ وہ دلوں کی نیت کو جانتا ہے۔ درازیٔ عمر کے واسطے یہ مفید ہے کہ انسان دین کا ایک وفادار خادم بن کر کوئی نمایاں کام کرے۔آج دین کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کا بنے اور اس کی خدمت کرے۔" حدیث میں ہے کہ مہدی کے زمانہ میں عمریں لمبی ہوں گی۔ بہشتی مقبرہ قادیان اور ربوہ اس حدیث کی سچائی پر گواہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام "تذکرہ صفحہ ۴۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں!" حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت عمریں بڑھا دی جائیں گی۔اس کے معنی یہی مجھے سمجھائے گئے ہیں کہ جو لوگ خادم دین ہوں گے ان کی عمریں بڑھائی جاویں گی۔ جو خادم نہیں ہوسکتا وہ بڈھے بیل کی مانند ہے کہ مالک جب چاہے اسے ذبح کر ڈالے۔" تاہم بڑھاپا ایک حقیقت ہے اسے خوشدلی سے تسلیم کرنا چاہئے۔اسے پر وقار

طریقے سے اپنے رب کی رضا کے تابع گزارنا چاہئے۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں اس کا شکر ادا کریں خود بھی خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوشیاں بانٹیں۔ بزرگوں کا وجود رحمتِ باری تعالیٰ ہے۔

پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے بزرگ زندہ ہیں ۔ وہ ان کو خوش رکھیں اور ان کی خدمت کرکے اپنی عاقبت سنواریں ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا مٹی میں ملے اس کی ناک ،مٹی میں ملے اس کی ناک ،مٹی میں ملے اس کی ناک (یعنی ایسا شخص سخت قابل مذمت اور بدقسمت ہے) جس نے اپنے بوڑھے والدین کو پایا اور پھر ان کی خدمت میں کوتاہی کرکے جنت میں داخل نہ ہوسکا۔ (مسلم کتاب البر والصلوٰۃ عن ابوہریرہؓ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا " بزرگ اور سن رسیدہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی پھیکی اور بے کیف ہوکر رہ جائے۔ بڑے بوڑھوں کا بھی حق ہے کہ وہ بے ضرر اور معصوم قسم کے مذاق سے لطف اندوز ہوں"۔ایک عرب شاعر نے اپنے منظوم کلام میں کہا۔جب میں زیادہ کھانا کھانے لگوں تو مجھے متنبہ کرو کیونکہ کثرتِ طعام دل کو خراب کرتا ہے۔ جب میں زیادہ بولنے لگوں تو مجھے خاموش کردو کیونکہ کثرتِ کلام دین کو تباہ کرتا ہے ۔ جب میں زیادہ سونے لگوں تو مجھے بیدار کردو کیونکہ کثرت نوم عمر کو کم کردیتی ہے ۔ جب بڑھاپا مجھ پر غالب آنا شروع کر دے تو مجھے حرکت کی طرف مائل کرو کیونکہ حرکت نہ ہو تو بڑھاپا انسان کو موت کی طرف جلد لے جاتا ہے۔

پس بزرگوں کی خدمت میں یہی مشورہ ہے کہ کبھی بے کار نہ بیٹھیں۔ اوّل ان کے کندھوں پر نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری ہے پھر خدمت خلق ہے ۔ ہماری جماعت کے بزرگوں کی تو بیکار بیٹھنے کی کوئی وجہ نہیں جماعت کے کام بفضل تعالیٰ اتنے ہیں کہ ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملے گی ۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور راضی ہو۔

غرض اس عالمگیر سچائی سے انکار نہیں کہ ہرکمالے رازوالے۔ پس بندوں پر منحصر نہیں قوموں پر بھی یہی سچائی اطلاق پاتی ہے اور وہ ترقی کی انتہائی منازل کو طے کرکے آہستہ آہستہ رو بہ تنزل ہوجاتی ہیں۔ پس برسر عروج قوموں کو اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ آخر ان پر بھی زوال آئے گا۔ البتہ دین اسلام اس زوال سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اسلام اور اس کے قوانین قیامت تک کے لئے ہیں ۔ بیشک مختلف اسلامی ممالک اور مسلم اقوام عروج و زوال سے ہمکنار ہوں گی مگر اسلام پر زوال نہیں آئے گا ۔اگر اسلام کی دعویدار ایک قوم گمراہی اور تنزل کی طرف مائل ہوگی تو

إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿۷۰﴾ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ
مگر نصیحت اور قرآن بیان کرنے والا تاکہ ڈرادے تواسے جو ہے زندہ اور ثابت ہو
الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۷۱﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا
بات کافروں پر کیانہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے پیدا کئے ان کے لیے اس سے کہ
عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿۷۲﴾ وَذَلَّلْنَاهَا
بنائے ہاتھوں نے ہمارے لیے چار پائے پس وہ ان کے مالک ہیں اور فرمانبردار بنایا ہم

دوسری مسلمان قوم اس کی جگہ کھڑی ہوجائے گی اور اسلامی اصولوں پر عمل کرکے ترقی کی منازل طے کرنے لگے گی۔ ہرصدی کے سر پر مجدد اور چودھویں صدی میں امام مہدی کے ظہور میں یہی سِر تھا کہ اسلام کے بستان پر خزاں نہ آئے اور کوئی نہ کوئی مامور اس کی آبپاشی کے لئے آتا رہے جو اسے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کرکے تازہ بتازہ پھلوں اور پھولوں سے آراستہ کرے۔

۷۰۔ شعر وشاعری پر تفصیلاً بحث سورہ الشعراء کے آخری رکوع میں گزر چکی ہے۔ (استفادہ فرمائیے)

فرمایا یہ کتاب ہرگز کسی شاعر کی تخلیق نہیں ۔ ایسے پُر اثر اور اعلیٰ مضامین جن میں قیامت تک کی پیشگوئیاں ہیں جنہیں پڑھ کر اور ان پر عمل کرکے انسان اپنے ربّ کو پانے میں کامیاب ہوسکتا ہے ، اس کو شاعرانہ کلام سے کیا نسبت ہوسکتی ہے ۔ شاعرتو اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ تو سراسر نصیحت ،بہت پڑھی جانے والی اورحق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔

۷۱۔ اس کے نزول کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جن میں روحانی زندگی کی معمولی سی رمق بھی ہو وہ نصیحت کو سُن کر اس پرغور کرسکیں اور تو ان کو آنے والے خطرات سے آگاہ کردے ۔ وہ جن میں بظاہر زندگی کے کوئی آثار نہ تھے اور روحانی طور پر مردہ تھے ان سے بھی رحمۃ للعالمین کی ذات بابرکات مایوس نہیں ہوئی۔ آپؐ کی دعاؤں نے ان کو بھی توحید کا حیات بخش جام پلایا اور وہ زندہ ہوگئے اور ڈرنے والوں میں شامل ہوگئے۔ جوآخرتک کفر پر مصر رہے، اِس زندگی بخش پیغام کو سننے سے کان بند رکھے، ان پر خدا کا فرمان صادق آیا اور ان پر سزا واجب ہوگئی۔

۷۲۔ اب ان آنکھوں کے اندھوں کو اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص دستِ قدرت سے جوچیزیں تمہارے لئے تخلیق کیں ،ان میں چوپائے بھی ہیں ۔ باوجود اس کے کہ ان کے پیدا کرنے میں تمہارا کچھ بھی دخل نہیں تم ان کے مالک بن بیٹھے ہو گویا تم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔

لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (۷۲) وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

نے انہیں ان کیلئے پس بعض ان میں سے سواری ہیں انکی اور بعض ان میں سے وہ کھاتے ہیں اور ان کیلئے ان میں فائدے ہیں

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (۷۳) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور پینے کی چیزیں ہیں کیا پھر نہیں شکر کرتے اور بنائے انہوں نے سوائے اللہ کے

اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ (۷۴) لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ

معبود تاکہ وہ مدد دیئے جائیں نہیں کرسکیں گے مدد ان کی اور

هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (۷۵) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا

وہ ان کے لیے لشکر ہوں گے حاضر کئے جانے والے نہ غم میں ڈالے تجھے بات ان کی یقیناً

۷۳۔ اس رحیم وکریم مالک کا یہ احسان بھی کیا کم ہے کہ ان طاقتور اور سرکش جانوروں کو تمہارا مطیع کردیا۔پس ان میں سے بعض تمہاری سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کا تم گوشت کھاتے ہو۔

۷۴۔ نیز ان سے کئی قسم کے دیگر فوائد بھی حاصل کرتے ہو جیسے جنگوں میں ان سے کام لیاجاتاہے ،سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں۔نیز ان کی کھالوں سے مختلف اشیاء بنائی جاتی ہیں جیسے ملبوسات، جوتے، خیمے، بیگ اور اٹیچی وغیرہ۔ان کا ایک بڑا فائدہ ان سے دودھ حاصل کرنا ہے جو ایک بہترین مشروب ہے۔تمہاری کوئی دنیوی مشین ایسا مشروب تیار نہیں کرسکتی جو دودھ کی افادیت کا مقابلہ کرسکے۔بچوں کے لئے دودھ تیار کرنے والی دنیا کی چوٹی کی کمپنیاں اپنی سرتوڑ کوشش کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ماں کے دودھ میں ایسی ۵۰ کیلریز ہیں جو بچے میں قوتِ مدافعت پیداکرتی اور بچے کی ذہنی و جسمانی نشوونما میں اہم کردار اداکرتی ہیں۔جبکہ مصنوعی دودھ میں یہ خاصیتیں نہیں پائی جاتیں۔اس سے جانوروں کے دودھ کی افادیت کااندازہ ہوسکتاہے۔ اکثر علاقوں میں دور دور سے پانی لانے کا کٹھن کام بھی ان سے ہی لیاجاتاہے۔ پہاڑی علاقوں میں بہت سے ایسے خطرناک راستے ہیں جہاں سوائے خچر وغیرہ کے کوئی سواری نہیں جاسکتی۔اللہ تعالیٰ کے یہ سب احسان تمہیں نظر آرہے ہیں ۔کیا اب بھی اس عطا کرنے والے کا شکر ادانہیں کروگے؟

۷۵۔۷۶۔ شکراداکرنا تو بڑی بات ہے ان کی ناشکری کا تو یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ مصیبت کے وقت ان کی مدد کریں گے۔ گویا عطا کرنے والے بھی وہ ہیں اور مصیبت میں کام آنے والے بھی وہی ہیں۔ وہ تو مدد کرنے پر دنیا میں بھی قادر نہ تھے اب قیامت کو ان کی کیا حقیقت ہے۔ بلکہ وہ سب اللہ کے

نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۷۶) اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا

ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں کیا نہیں دیکھا انسان نے کہ ہم نے

خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (۷۷) وَضَرَبَ

پیدا کیا اُسے نطفہ سے پھر جھٹ وہ جھگڑنے والا ہے کھلا کھلا اور بیان کرنے لگا

لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ

ہمارے لیے مثال اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کریگا ہڈیاں جبکہ وہ

رَمِيْمٌ (۷۸) قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ

بوسیدہ ہوں گی تو کہدے زندہ کریگا وہ جس نے پیدا کیا تھا انھیں پہلی بار اور وہ ہر

حضور ان کے خلاف گواہی دینے فوج درفوج حاضر کئے جائیں گے۔یہ وہ حکمران ، لیڈر اور پیر فقیر تھے جو دنیا میں خدا بنے بیٹھے تھے اور عوام نے خدا کو بھلا کر ان کو اختیار و اقتدار کا مالک تصور کرلیا تھا اور ساری امیدیں ان سے وابستہ کررکھی تھیں کہ دنیا و آخرت میں یہی ہماری مدد کریں گے۔

بعض اوقات یہ نظارے دنیا میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں جیسا کہ فتح مکّہ کے روز پتھر کے معبود اپنے پجاریوں کی کچھ مدد نہ کرسکے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ایک ٹھوکر سے پاش پاش ہوگئے البتہ ان کے پروہت اور پجاری جو اختیار و اقتدار میں خود کو ان سے کم نہیں سمجھتے تھے گروہ درگروہ رحمۃ للعالمین کے حضور حاضر کئے گئے۔

۷۷۔آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ ان کی بیہودہ باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں آپؐ کے خلاف ان کی چھپی اور ظاہر منصوبہ بندیوں سے اللہ تعالیٰ خوف واقف ہے وہ ان کو باطل کردے گا۔ درحقیقت آپؐ کی ذاتِ بابرکات پر جو بھی الزامات لگائے گئے منکرین جانتے تھے کہ وہ محض بہتان ہیں۔ آپؐ کو شاعر، مجنون اور ساحر کہنے والے دل میں آپؐ کی امانت و صداقت اور شرافت و فطانت کے قائل تھے بلکہ برملا اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ اپنی نجی محفلوں میں تسلیم کرتے کہ آپؐ کی مخالفت کا مقصد محض آپؐ کو جھٹلانا ہے۔

۷۸۔۷۹۔**رَمِیم۔ رِمّۃ**۔ بوسیدہ ہڈیوں سے مخصوص ہے۔

مشرکین کی گستاخیاں محبوب خدا تک محدود نہیں تھیں۔ فرمایا ایک قطرۂ حقیر سے پیدا ہونے والے انسان کی جرأت تو دیکھو کہ اپنے خالق و مالک سے جھگڑنے لگا اور اس کی شان میں مثال بیان کرتاہے اور اپنی مثال کو بھول گیا کہ اس کی پیدائش کیسے ہوئی۔مشرکین کا مثال بیان کرنا یہ تھا کہ ایک موقع پر عملاً ایک گلی سڑی ہڈی بطور مثال پیش کی کہ ایسی بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

خَلْقٍ عَلِيْمُ ﴿۸۰﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ
پیدائش کا خوب علم رکھنے والا ہے وہ جس نے بنائی تمہارے لیے درخت سبز سے

نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ
آگ پھر تم اس سے آگ جلاتے ہو کیا نہیں ہے وہ جس نے پیدا کئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۣ بَلٰى ۤ
آسمان اور زمین قادر اس پر کہ پیدا کرے مانند ان کی کیوں نہیں

وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۲﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ
جبکہ وہی بہت پیدا کرنے والا بہت علم والا ہے سوائے اسکے نہیں کہ حکم اسکا جب چاہے کوئی چیز یہ کہ کہتا ہے

ضَربَ لنا مَثلاً۔کا یہ بھی معنی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان میں باتیں بنانے لگا۔

۸۰۔ اب احیائے موتی کے ثبوت میں چند دلائل دئے۔اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ بتلا دیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا۔ فرمایا وہ ہر قسم کی خلق کا خوب علم رکھنے والا ہے۔ گویا اسے ہر قسم کی پیدائش پر قدرت حاصل ہے۔ جو بغیر مادہ کے خلق کرسکتا ہے اور نطفہ سے انسان پیدا کرسکتا ہے اس کے لئے ان بوسیدہ ہڈیوں سے دوبارہ انسان کا خلق کرنا کیا مشکل ہے۔ اب تو ہزاروں سال پرانے ایک زندہ خلیہ (Cell) سے پورا انسان بنانا ممکن ہوگیا ہے۔اگر چہ اس میں بہت قباحتیں ہیں۔(ملاحظہ فرمائیں سورۃ النساء :۱۲۰)

بِکلّ خلق میں بتایا کہ یہ پیدائش پہلی پیدائش سے بالکل الگ ہوگی۔ ہر قسم کی خلق کا علم رکھنے والا جانتا ہے کہ دوسری پیدائش کس طرح ہوگی اور کس قسم کی ہوگی۔

۸۱۔ احیائے موتی کے ثبوت میں دوسری دلیل دی کہ بیشک خاص قسم کے درختوں کی سبز ٹہنیوں کی رگڑ سے نہایت خفیف آگ کا شعلہ پیدا ہوتا ہے لیکن یہ حرارت ان میں دبی رہتی ہے یہاں تک کہ لکڑیاں خشک ہوکر مثل مردہ کے ہوجاتی ہیں۔تب معمولی سی آگ دکھانے سے بھڑک اٹھتی ہیں گویا زندہ ہو جاتی ہیں۔اسی طرح بوسیدہ ہڈیوں میں ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی کوئی نہ کوئی زندہ خلیہ باقی رہ جاتا ہے جس کی Cloning سے سائنسدان ایک زندہ انسان یا جانور بناسکتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ اس قادر مطلق کو نہ کسی خلیے کی ضرورت ہے اور نہ مادہ و آلہ کی۔

۸۲۔ احیائے موتی کے ثبوت میں بطور پیشگوئی اب ایک زبردست دلیل دی کہ تم ہڈیوں کے زندہ ہونے پر متعجب ہو۔جس نے کل کائنات کو پیدا کیا وہ اسے مٹا کر اس جیسی دوسری کائنات تخلیق کرنے پر بھی قادر ہے اس خلّٰق العلیم کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں اس لئے کہ جس نے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۳﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ
اسے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ کہ ہاتھ میں جس کے بادشاہی ہے ہر

شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۴﴾ ع
چیز کی اور طرف اسکی تم لوٹائے جاؤ گے

پہلی بار پیدا کیا وہ دوبارہ بھی کرسکتا ہے۔ وہ ہر طرح سے خلق کرنی جانتا ہے اور کامل علم والا ہے۔

مثلھم میں بتایا کہ وہ مخلوق ان سے ملتی ہوئی ہوگی۔ یہی انسان نہیں ہوں گے۔

۸۳۔آیت ۸۰ اور ۸۲ میں بتلایا کہ خلاق العلیم کو ہر قسم کی خلق پر قدرت حاصل ہے۔ اب وضاحت فرمائی کہ ”کُن“ میں تخلیق کی تمام اقسام ہیں۔حکم کُن کے تحت اپنی مصلحت اور قدرت سے تدریجاً بھی خلق کرتا ہے۔حکم کُن کے بعد وہ چیز ہونے لگتی ہے اور مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ جیسے کائنات مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی قریباً ۱۳ارب ۵۰ کروڑ سال میں موجودہ حالت تک پہنچی۔

جس چیز کو اپنی حکمت و مصلحت کے تحت فوراً پیدا کرنا چاہتا ہے وہ حکم کُن سے فوراً وجود میں آ جاتی ہے۔جیسا کہ لفظ کُن سے Big Bang کا دھماکہ ایک سیکنڈ کے بہت کم حصہ میں ہوا اور آغاز ہی میں آئندہ آنے والے سارے واقعات اس تخلیق پر مرتسم ہوگئے جو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر وجود میں آئی۔وہ قادر ہے اسے سب قدرتیں حاصل ہیں۔

۸۴۔ اللہ عزّ وجلّ کی عظیم قدرتوں کے بیان میں دل اور زبان سے بے اختیار سبحان اللہ نکلتا ہے کہ وہی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کا پورا پورا اختیار ہے۔ احیائے موتی کے قانون کے تحت تم سب بھی ایک نئی خلق کے ساتھ اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھو اور اپنی اصل زندگی کے لئے کچھ سامان کر لو۔ جناب غلام رسول راجیکی صاحبؓ فرماتے ہیں سورت یٰسٓ کی آخری تین آیات میں اسم اعظم ہے۔ان دعاؤں کا مستقل ورد ہر انسانی درد کا درمان ہے۔(حیاتِ قدسی)

☆☆☆

خَلْقٍ عَلِيْمُ ﴿۸۰﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ

پیدائش کا خوب علم رکھنے والا ہے وہ جس نے بنائی تمہارے لیے درخت سبز سے

نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ

آگ پھر تم اس سے آگ جلاتے ہو کیا نہیں ہے وہ جس نے پیدا کئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ؗ

آسمان اور زمین قادر اس پر کہ پیدا کرے مانند ان کی کیوں نہیں

وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۲﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ

جبکہ وہی بہت پیدا کرنے والا بہت علم والا ہے سوائے اسکے نہیں کہ حکم اسکا جب چاہے کوئی چیز یہ کہ کہتا ہے

ضَربَ لنا مَثلاً۔کا یہ بھی معنی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان میں باتیں بنانے لگا۔

۸۰۔ اب احیائے موتیٰ کے ثبوت میں چند دلائل دئے۔اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ بتلا دیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا۔ فرمایا وہ ہر قسم کی خلق کا خوب علم رکھنے والا ہے۔ گویا اسے ہر قسم کی پیدائش پر قدرت حاصل ہے۔ جو بغیر مادہ کے خلق کرسکتا ہے اور نطفہ سے انسان پیدا کرسکتا ہے اس کے لئے ان بوسیدہ ہڈیوں سے دوبارہ انسان کا خلق کرنا کیا مشکل ہے۔ اب تو ہزاروں سال پرانے ایک زندہ خلیہ (Cell) سے پورا انسان بنانا ممکن ہوگیا ہے۔اگر چہ اس میں بہت قباحتیں ہیں۔(ملاحظہ فرمائیں سورۃ النساء :۱۲۰)

بِکلِّ خلق میں بتایا کہ یہ پیدائش پہلی پیدائش سے بالکل الگ ہوگی۔ہر قسم کی خلق کا علم رکھنے والا جانتا ہے کہ دوسری پیدائش کس طرح ہوگی اور کس قسم کی ہوگی۔

۸۱۔ احیائے موتیٰ کے ثبوت میں دوسری دلیل دی کہ بیشک خاص قسم کے درختوں کی سبز ٹہنیوں کی رگڑ سے نہایت خفیف آگ کا شعلہ پیدا ہوتا ہے لیکن یہ حرارت اُن میں دبی رہتی ہے یہاں تک کہ لکڑیاں خشک ہوکر مثل مردہ کے ہوجاتی ہیں۔تب معمولی سی آگ دکھانے سے بھڑک اٹھتی ہیں گویا زندہ ہو جاتی ہیں۔اسی طرح بوسیدہ ہڈیوں میں ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی کوئی نہ کوئی زندہ خلیہ باقی رہ جاتا ہے جس کی Cloning سے سائنسدان ایک زندہ انسان یا جانور بنا سکتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ اس قادرِ مطلق کو نہ کسی خلیے کی ضرورت ہے اور نہ مادہ و آلہ کی۔

۸۲۔ احیائے موتیٰ کے ثبوت میں بطور پیشگوئی اب ایک زبردست دلیل دی کہ تم ہڈیوں کے زندہ ہونے پر متعجب ہو۔جس نے کل کائنات کو پیدا کیا وہ اسے مٹا کر اس جیسی دوسری کائنات تخلیق کرنے پر بھی قادر ہے اس خلّٰق العلیم کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں اس لئے کہ جس نے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۳﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ

اسے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ کہ ہاتھ میں جس کے بادشاہی ہے ہر

شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۵

چیز کی اور طرف اسکی تم لوٹائے جاؤ گے

پہلی بار پیدا کیا وہ دوبارہ بھی کرسکتا ہے۔ وہ ہر طرح سے خلق کرنی جانتا ہے اور کامل علم والا ہے۔ مثلھم میں بتایا کہ وہ مخلوق ان سے ملتی ہوئی ہوگی۔ یہی انسان نہیں ہوں گے۔

۸۳۔آیت ۸۰ اور ۸۲ میں بتلایا کہ خلاق العلیم کو ہر قسم کی خلق پر قدرت حاصل ہے۔ اب وضاحت فرمائی کہ "کُن" میں تخلیق کی تمام اقسام ہیں۔ حکم کُن کے تحت اپنی مصلحت اور قدرت سے تدریجاً بھی خلق کرتا ہے۔ حکم کُن کے بعد وہ چیز ہونے لگتی ہے اور مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔جیسے کائنات مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی قریباً ۱۳ارب ۵۰ کروڑ سال میں موجودہ حالت تک پہنچی۔

جس چیز کو اپنی حکمت و مصلحت کے تحت فوراً پیدا کرنا چاہتا ہے وہ حکم کُن سے فوراً وجود میں آجاتی ہے۔جیسا کہ لفظ کُن سے Big Bang کا دھماکہ ایک سیکنڈ کے بہت کم حصہ میں ہوا اور آغاز ہی میں آئندہ آنے والے سارے واقعات اس تخلیق پر مرتسم ہوگئے جو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر وجود میں آئی۔وہ قادر ہے اسے سب قدرتیں حاصل ہیں۔

۸۴۔ اللہ عزّ وجلّ کی عظیم قدرتوں کے بیان میں دل اور زبان سے بے اختیار سبحان اللہ نکلتا ہے کہ وہی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کا پورا پورا اختیار ہے۔ احیائے موتیٰ کے قانون کے تحت تم سب بھی ایک نئی خلق کے ساتھ اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھو اور اپنی اصل زندگی کے لئے کچھ سامان کر لو۔ جناب غلام رسول راجیکی صاحبؓ فرماتے ہیں سورت یٰسٓ کی آخری تین آیات میں اسم اعظم ہے۔ان دعاؤں کا مستقل ورد ہر انسانی درد کا درمان ہے۔ (حیاتِ قدسی)

☆☆☆

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ صافات۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

یہ سورۃ وسطی مکّی زمانہ میں نازل ہوئی۔ دیگر مکّی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت اور بعث بعد الموت کا بیان ہے کیونکہ مشرکین انہی عقائد کے منکر تھے ۔شدید پُرآشوب حالات میں جبکہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گرد بمشکل چالیس صحابہ رہ گئے تھے مومنین کو غلبہ اسلام کی عظیم خوشخبریاں دیں۔ اس سورۃ کو غلبہ اسلام کی پیشگوئی سے شروع کیا اور اسی پیشگوئی پر ختم کیا۔

پچھلی سورۃ میں رسول کامل کا قرآن حکیم کے ساتھ مبعوث ہونے کا ذکر تھا ۔گویا روحانیت میں کمال حاصل کرنے کے لئے تعلیم قرآنی پر عمل اور سنت رسول کا اتباع ضروری قرار دیا گیا ۔اس سورۃ کی ابتدا میں ہی بتایا کہ یہ مردِ کامل تعلیم قرآن اور اپنے اسوہ حسنہ سے قدوسیوں کی ایسی جماعت بنانے میں کامیاب ہوگا جو ہر قسم کی جانی اور مالی قربانیوں سے اسلام کو غالب کرے گی۔

اس سورۃ میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کرکے مومنین کو تسلی دی کہ ان پر بھی یہ تمام حوصلہ شکن حالات گزرے جن کا مقابلہ انہوں نے دلیری اور استقامت سے کیا اور ان کے پائے ثبات میں معمولی سی لغزش بھی نہ آئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے ان کی نصرت فرمائی اور مخالفین انبیاء ناکام و نامراد ہوئے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپؐ کے اتباع کو اپنے مخالفین پر غلبہ نصیب ہوگا اور دشمن ناکام و نامراد ہوں گے۔یہ عظیم پیشگوئی چند ہی سال بعد بڑی شان سے پوری ہوئی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

منزل ۶

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ﴿۲﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۳﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۴﴾

اور قسم ہے باندھنے والیوں کی اچھی طرح صف پھر ڈانٹنے والوں کی اچھی طرح پھر پڑھنے والیوں کی نصیحت نامہ

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

یقیناً معبود تمہارا ایک ہے رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۵۔ صٰفّٰت۔ صافّة کی جمع ہے۔صف باندھنے والی جماعتیں۔ **زاجرات**۔ زَجر منع کرنا اور روکنا ہے۔ڈانٹنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ **فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ** ٥(النّٰزعٰت ۷۹ آیت ۱۴)ڈانٹنے والیاں۔ **تٰلِيٰت** ۔تلاوت سے ہے۔ پڑھنے والیاں۔ایسی جماعتیں جو پڑھنے والی ہوں **فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا**۔ پھر ذکر بلند کرنے والیاں۔اس پہلے رکوع میں توحید کے آخری غلبہ کا بیان ہے اور توحید کے ثبوت میں دلائل دیئے۔یہاں قدوسیوں کی ان جماعتوں کا ذکر ہے جو قرآن کریم پر عمل کرکے اور سنت رسول کی پیروی سے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کریں گی۔ توحید کے دلائل اور غلبۂ اسلام پر ہی سورت کا اختتام ہوا۔ ان ایام میں جب گنتی کے چند مسلمان تھے، مومنین کو جماعتوں اور لشکروں کی خوشخبری دی۔ یہاں نماز باجماعت کے قیام کے لئے صفیں بندھنے والی جماعتوں ، امر بالمعروف اورنہی عن المنکر پر سختی سے عمل کرنے اور کروانے والی جماعتیں اور اللہ کا ذکر بلند کرنے والی جماعتوں کو بطور گواہ پیش کیا کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔مجاہدین کے صفیں باندھے ہوئے لشکر بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ان میں وہ دستے بھی ہیں جو قواعد وضوابط کی سختی سے پابندی کروانے والے ہیں۔وہ بھی جو جنگ کے ہولناک لمحات میں بھی ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔یہ سب جماعتیں شاہد ہیں کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے۔ قرآن کریم میں فرشتوں کے صف باندھنے کا بھی ذکر ہے۔صف باندھنے میں مومنین کو خاص نظم و ضبط (Discipline) کی تعلیم دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں یا میدان کارزار میں یا دیگر امور درپیش ہوں اللہ تعالیٰ کو نظم و ضبط اور سلیقہ نہایت محبوب ہے۔

نیز آئندہ زمانے کے حالات کو بطور پیشگوئی بیان فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ اگر مختلف مذاہب کے بڑے اور لائق لوگ حق کی تلاش میں نہایت منظم طریقے سے مجالس منعقد کریں، لوگ ڈسپلن اور ترتیب سے بیٹھیں۔ کچھ لوگ بٹھانے اور خاموش کروانے کا انتظام

بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٦ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا
درمیان ہے ان دونوں کے اور رب ہے مشرقوں کا یقیناً ہم نے زینت دی آسمان ورے کو

بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۝٧ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝٨ لَا
ساتھ زینت کے ستاروں کی اور بغرض حفاظت کے ہر شیطان سرکش سے نہیں

يَسَّمَّعُوْنَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝٩
کان رکھتے وہ طرف جماعت اعلیٰ کے اور وہ پھٹکارے جاتے ہیں ہر طرف سے

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝١٠ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ
دھکّے دیکر اور واسطے ان کے عذاب ہے دائمی مگر جو اچک کر لیا گیا اچکنا ایک بار

فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝١١ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا
تو پیچھے لگتا ہے اسکے شعلہ چمکتا ہوا پس پوچھ ان سے کیا وہ سخت ہیں بہ اعتبار پیدائش میں

کریں۔ پھر مقررین اپنے اپنے مذاہب کے بارے میں مضامین پڑھیں تو خلاصہ یہی نکلے گا کہ اللہ ایک ہے۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۴۶۸) ایسا ایک جلسہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں لاہور میں منعقد ہوا۔ تمام مذاہب والوں نے اپنے اپنے مضامین پڑھے۔ پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون بالا رہا اور اسلام تمام مذاہب پر سبقت لے گیا بعد میں اس مضمون کو ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

تمام آیات کو مؤنث کے صیغہ میں بیان کرنے میں ممکن ہے آئندہ آنے والی ایسی نسوانی تنظیموں کی طرف اشارہ ہو جو ان صفات کی حامل ہوں۔ بفضل تعالیٰ لجنہ اماء اللہ بھی کم فعال نہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و احسان سے انہیں ان آیات کا مصداق بنائے اور مزید ترقی کی توفیق عطا فرمائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۶۔ اب بتایا کہ ساری کائنات اس کے وجود اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ قرآن کریم پہلی الہامی کتاب ہے جس نے کائنات کے کئی رازوں سے پردہ اٹھایا۔ سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کچھ نہ ہو۔ جہاں بظاہر کچھ نہیں وہاں سیاہ مادہ (Black Matter) ہے۔

مشارق میں زمین کے گول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ زمین کے گول ہونے کی وجہ سے سورج ہر وقت کہیں نہ کہیں سے طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

۷ تا ۱۱۔ **مارد** ۔ سرکش۔ **یُقذفون** ۔ **قَذَف** کے معنی دور پھینکنا یا پھینکنا ہے۔ **الملاالاعلیٰ** ۔ اشراف ملائکہ۔ **دُحُورًا** ۔ دھتکارے ہوئے۔ دور کئے گئے۔ **واصب** چمٹنے والا۔ **شھاب** ۔ شعلہ۔ ثاقب۔ چمکتا ہوا۔

یہ آیات بھی توحید کے اثبات میں بیان ہوئیں کہ جس ذات نے تنہا یہ سارے آفاقی انتظامات کئے ہیں عبادت کے لائق بھی وُہی ہے۔ یہ آیات مادی اور روحانی دونوں معانی رکھتی ہیں۔ کچھ تفصیل (سورۃ الحجر:۱۹) میں گزری ہے۔ روحانی لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ عالمِ روحانیت میں بھی بعض وجود ستاروں کی طرح ہیں جو سماءِ روحانی میں موجب زینت ہیں اور دوسروں کو روشنی مہیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اصحابی کالنجوم** میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ (مشکوۃ۔ کتاب المناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ رزّین) یہ انبیاء علیھم السلام اور مقربین الٰہی کا گروہ ہے جن کے وجود نے سماءِ روحانی کو ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔ شیطان مارد کاہن اور نجومی وغیرہ ہیں جو ستاروں سے علم غیب حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسے وحی الٰہی کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ فرمایا وہ خدائی آواز نہیں سن سکتے۔ ان کی رسائی عالمِ بالا تک نہیں۔ ان کو ہر طرف سے دھتکارا جاتا ہے ان پر پتھراؤ ہوتا ہے یعنی تقدیر الٰہی ان کو ہر پہلو سے نامراد کر دیتی ہے۔ روحانی بندوں کی بددعائیں بھی پتھروں کی طرح ان پر برستی ہیں اور انہیں تباہ کر دیتی ہیں۔ بندگان خدا کو گمراہ کرنے کے لئے انہیں کھلا نہیں چھوڑا جائے گا پس ان کے لئے چمٹ جانے والا عذاب ہے جو ان کو جلد چھوڑنے والا نہیں۔

اُچک لینے سے مراد یہ نہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کی کوئی بات سن لیتے ہیں **لایسّمّعون** میں اس کی سختی سے تردید ہے۔ شیطان نزول وحی کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ ان کا کسی بات کو اُچک لینا علم نجوم یا قیافہ شناسی یا بعض سفلی علوم کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کی کوئی بات سچ نکل آتی ہے اور بعض بیوقوفوں کو کسی حد تک دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چمکتا ہوا شعلہ سے مراد وہ روشن دلائل ہیں جن سے ان کی بات جھٹلادی جاتی ہے یا کوئی روحانی وجود ثاقب بن کر ان کا پیچھا کرتا ہے اور انکے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ مادی لحاظ سے سماءِ دنیا سے مراد ہمارا نزدیکی آسمان ہے جو ہماری حدنگاہ تک ہے جبکہ کواکب سماءِ دنیا سے باہر ہیں۔ فرمایا ہم نے سماءِ دنیا کو ستاروں سے زینت بخشی۔ یہ ستارے بعض سرکش قوتوں سے سماءِ دنیا کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ بعض مرئی اور غیر مرئی آفاقی قوتوں پر کواکب کی تاثیریں اثر انداز ہوتی ہیں جو زمین کو ان کے بداثرات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ قوتیں کئی دیگر سرکش قوتوں کے علاوہ شہاب ثاقب بھی ہیں۔ کواکب ان کے نقصانات سے سماءِ دنیا کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ان میں سے بڑے شہابیوں (Meteors) کو مُشتری (Jupiter) اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یہ زمین سے قریباً ۱۳۰۰ گنا بڑی جسامت والا سیارہ ہے۔ اس کی کشش ثقل اتنی زیادہ ہے کہ وہ اکثر شہابیوں کو بہت دور سے اپنی

بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٦﴾ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
درمیان ہے ان دونوں کے اور رب ہے مشرقوں کا یقیناً ہم نے زینت دی آسمان ورلے کو

بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴿٧﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿٨﴾ لَا
ساتھ زینت کے ستاروں کی اور بغرض حفاظت کے ہر شیطان سرکش سے نہیں

يَسَّمَّعُوْنَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٩﴾
کان رکھتے وہ طرف جماعت اعلیٰ کے اور وہ پھٹکارے جاتے ہیں ہر طرف سے

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ
دھکے دیکر اور واسطے ان کے عذاب ہے دائمی مگر جو اچک کر لے گیا اچک ایک بار

فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١١﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا
تو پیچھے لگتا ہے اسکے شعلہ چمکتا ہوا پس پوچھ ان سے کیا وہ سخت ہیں بناوٹ میں

کریں۔پھر مقررین اپنے اپنے مذاہب کے بارے میں مضامین پڑھیں تو خلاصہ یہی نکلے گا کہ اللہ ایک ہے۔(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۴۶۸)ایسا ایک جلسہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں لاہور میں منعقد ہوا۔تمام مذاہب والوں نے اپنے اپنے مضامین پڑھے۔ پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون بالا رہا اور اسلام تمام مذاہب پر سبقت لے گیا بعد میں اس مضمون کو ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

تمام آیات کو مؤنث کے صیغہ میں بیان کرنے میں ممکن ہے آئندہ آنے والی ایسی نسوانی تنظیموں کی طرف اشارہ ہو جو ان صفات کی حامل ہوں۔بفضل تعالیٰ لجنہ اماء اللہ بھی کم فعال نہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و احسان سے انہیں ان آیات کا مصداق بنائے اور مزید ترقی کی توفیق عطا فرمائے۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

۶۔اب بتایا کہ ساری کائنات اس کے وجود اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ قرآن کریم پہلی الہامی کتاب ہے جس نے کائنات کے کئی رازوں سے پردہ اٹھایا ۔ سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کچھ نہ ہو۔جہاں بظاہر کچھ نہیں وہاں سیاہ مادہ (Black Matter) ہے۔

مشارق میں زمین کے گول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ زمین کے گول ہونے کی وجہ سے سورج ہر وقت کہیں نہ کہیں سے طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

۷ تا ۱۱۔ **مارد** ۔سرکش۔ **یُقذفون** ۔ **قَذَف** کے معنی دور پھینکنا یا پھینکنا ہے۔ **الملاالاعلیٰ** ۔ اشراف ملائکہ۔ **دُحُورًا**۔ دھتکارے ہوئے۔ دور کئے گئے۔ **واصب** چمٹنے والا۔ **شھاب**۔ شعلہ۔ ثاقب۔ چمکتا ہوا۔

یہ آیات بھی توحید کے اثبات میں بیان ہوئیں کہ جس ذات نے تنہا یہ سارے آفاقی انتظامات کئے ہیں عبادت کے لائق بھی وُہی ہے۔یہ آیات مادی اور روحانی دونوں معانی رکھتی ہیں۔کچھ تفصیل (سورۃ الحجر:۱۹) میں گزری ہے۔ روحانی لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ عالمِ روحانیت میں بھی بعض وجود ستاروں کی طرح ہیں جو سماءِ روحانی میں موجب زینت ہیں اور دوسروں کو روشنی مہیا کرتے ہیں۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اصحابی کالنجوم** میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔(مشکوٰۃ۔کتاب المناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ زرّین)یہ انبیاء علیہم السلام اور مقربین الٰہی کا گروہ ہے جن کے وجود نے سماءِ روحانی کو ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔ شیطان مارد کاہن اور نجومی وغیرہ ہیں جو ستاروں سے علم غیب حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسے وحی الٰہی کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔فرمایا وہ خدائی آواز نہیں سن سکتے۔ ان کی رسائی عالمِ بالا تک نہیں۔ ان کو ہر طرف سے دھتکارا جاتا ہے ان پر پتھراؤ ہوتا ہے یعنی تقدیر الٰہی ان کو ہر پہلو سے نامراد کر دیتی ہے۔روحانی بندوں کی بددعائیں بھی پتھروں کی طرح ان پر برستی ہیں اور انہیں تباہ کر دیتی ہیں۔بندگان خدا کو گمراہ کرنے کے لئے انہیں کھلا نہیں چھوڑا جائے گا پس ان کے لئے چمٹ جانے والا عذاب ہے جو ان کو جلد چھوڑنے والا نہیں۔

اُچک لینے سے مراد یہ نہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کی کوئی بات سن لیتے ہیں **لایسّمّعون** میں اس کی سختی سے تردید ہے ۔شیطان نزول وحی کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ ان کا کسی بات کو اُچک لینا علم نجوم یا قیافہ شناسی یا بعض سفلی علوم کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کی کوئی بات سچ نکل آتی ہے اور بعض بیوقوفوں کو کسی حد تک دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چمکتا ہوا شعلہ سے مراد وہ روشن دلائل ہیں جن سے ان کی بات جھٹلا دی جاتی ہے یا کوئی روحانی وجود ثاقب بن کر ان کا پیچھا کرتا ہے اور انکے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔مادی لحاظ سے سماءِ دنیا سے مراد ہمارا نزدیکی آسمان ہے جو ہماری حدنگاہ تک ہے جبکہ کواکب سماءِ دنیا سے باہر ہیں۔فرمایا ہم نے سماءِ دنیا کو ستاروں سے زینت بخشی ۔ یہ ستارے بعض سرکش قوتوں سے سماءِ دنیا کی حفاظت کر رہے ہیں۔اس لئے کہ بعض مرئی اور غیر مرئی آفاقی قوتوں پر کواکب کی تاثیریں اثر انداز ہوتی ہیں جو زمین کو ان کے بداثرات سے محفوظ رکھتی ہیں۔یہ قوتیں کئی دیگر سرکش قوتوں کے علاوہ شہاب ثاقب بھی ہیں ۔ کواکب ان کے نقصانات سے سماءِ دنیا کی حفاظت کر رہے ہیں۔ان میں سے بڑے شہابیوں (Meteors) کو مُشتری (Jupiter) اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یہ زمین سے قریباً ۱۳۰۰ گنا بڑی جسامت والا سیارہ ہے ۔ اس کی کشش ثقل اتنی زیادہ ہے کہ وہ اکثر شہابیوں کو بہت دور سے اپنی

اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۲﴾ بَلْ
یا جو پیدا کئے ہیں ہم نے یقیناً پیدا کیا ہم نے انہیں کیچڑ لیسدار سے بلکہ
عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا رَاَوْا
تعجب کیا تونے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں اور جب وہ نصیحت کئے جاتے ہیں نہیں نصیحت پکڑتے اور جب دیکھتے ہیں

طرف کھینچ لیتا ہے۔ جو شہابیئے سماءِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں وہ بھی اکثر ٹوٹ کر گرد کی صورت زمین پر گرتے ہیں۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے سمائے دنیا کو جس میں ایک ہماری زمین ہے ان خطرناک شہابیوں سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا ہے ورنہ ہر روز قریباً ۵۰۰ ٹن چھوٹے بڑے شہابیئے بڑی تیزی سے زمین کی طرف بڑھتے ہیں۔ اگر کوئی شہابیہ دس کلومیٹر قطر سے زیادہ ہو تو اس کے گرنے سے سخت تباہی پھیلے گی اور زندگی کے آثار ختم ہو جائیں گے۔

سائنسدان کائنات کے راز ہائے بستہ کی تلاش میں راکٹوں پر اوپر جاتے ہیں لیکن قدرت کے عظیم رازوں تک ان کی رسائی نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ قریب کے آسمانوں کے کچھ راز حاصل کرلیں۔ان پر کثرت سے شعلے برستے ہیں اور پتھراؤ ہوتا ہے۔ یعنی اجرام فلکی سے برسنے والے نہایت خطرناک پتھروں (Meteors) کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔ ان راکٹوں پر ہر طرح کے حفاظتی انتظامات کیئے جاتے ہیں پھر بھی کبھی نقصان پہنچتا ہے اور تباہ ہو جاتے ہیں۔کائنات کے گہرے راز ہنوز پردہ میں ہیں۔ تھوڑے تھوڑے راز اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں۔بظاہر بھی راکٹ کے پیچھے شعلہ لگا ہوا ہے۔

۱۲۔**طین**۔ مٹی۔کیچڑ۔ **لازب**۔ چپکنے والی۔لیسدار۔

کائنات کے عظیم کرّوں اور بعض کائناتی قوتوں کا بیان تھا۔اس زمانہ کے کاہنوں سے خطاب فرمایا جو عرب کے روحانی پیشوا تسلیم کئے جاتے تھے اور خود کو غیبی قوتوں کے حامل سمجھتے تھے انہیں ان کی حیثیت یاد دلائی کہ تم جو کیچڑ سے پیدا کئے گئے اور مختلف ارتقائی مراحل سے گزر کر اس مقام تک پہنچے ہو۔کیا خلق کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہو کہ اپنے پیدا کرنے والے کے مقابل کھڑے ہوگئے ہو یا وہ خِلقت جس کا ذکر ابھی گزرا، مضبوط ترین ہے جسے خالق دوجہاں نے پیدا کیا۔ اس دور کے بعض موجدین کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو چند ایجادات کرکے خود کو اس خالق حقیقی کے بالمقابل خیال کرنے لگتے ہیں۔

۱۳۔۱۴۔ محبوبِ خدا معرفت الٰہی سے کائنات کے گہرے رازوں سے واقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص علم عطا فرمایا تھا۔آپ تفصیل سے نہیں بتاتے تھے کہ اس زمانہ کا آدمی

اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶﴾
کوئی نشان ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں نہیں یہ مگر جادو کھلا کھلا
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَوَ
کیا جب مرجائیں گے ہم اور ہو جائیں گے ہم مٹی اور ہڈیاں کیا یقیناً ہم اُٹھائے جانے والے ہیں یا
اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۸﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاِنَّمَا
باپ دادا ہمارے پہلے تو کہدے ہاں اور تم ذلیل ہو گے پس سوائے اسکے
هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا
نہیں کہ وہ ڈانٹ ہوگی یک دم پس اچانک وہ دیکھنے لگیں گے اور کہیں گے اے واۓ ہم کو
هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۱﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ
یہ ہے دن جزا کا یہ ہے دن فیصلہ کا وہ کہ تھے تم
بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَ ع ۲۲ ۵
جس کو جھٹلاتے اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور بیویوں کو ان کی اور

بھٹک نہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باب العلم حضرت علیؓ سے فرمایا اے علیؓ! لوگوں کو اتنا بتاؤ جتنا وہ سمجھ سکیں۔کیا تم چاہتے ہو کہ قرآن جھٹلایا جائے؟ (بخاری) آپؐ خالق و مالک کی حیرت انگیز صناعی اوراس کی قدرتوں کو دیکھ کر متعجب ہوتے اور اپنے رب کی عظمتوں کے گیت گاتے مکذبین ان سب سے لاعلم تھے وہ ان حقائق کا انکار کرتے اور آپ کی باتوں کو تمسخر میں اڑاتے۔ اگر انہیں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور نصیحت حاصل کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

۱۵۔۱۶۔ جب ان کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص نشان آتا ہے تو اسے دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود سب مل کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے کہ یہ تو صاف جادو ہے گویا اس کی حقانیت کو جاننے کے باوجود جادو کہہ کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ کہیں ہدایت نہ پاجائیں۔

۱۷۔۱۸۔ان نشانوں کا ردّ اس طرح بھی کرتے ہیں کہ جب دوبارہ جی اٹھنا نہیں اور نہ حساب کتاب دینا ہے تو اسلام کو قبول کرکے مصیبتیں کیوں سہیڑیں۔

۱۹۔۲۲۔ اب بعث بعد الموت کے ثبوت میں یوم حشر کا کچھ نقشہ پیش کیا۔فرمایا! تم زندہ ہی نہیں کئے جاؤ گے، ذلیل بھی کئے جاؤ گے۔ جس تخلیق پر زعم کرتے تھے اسے بھول جاؤ گے اور سمجھ جاؤ گے کہ اشدُّ خلقًا (آیت ۱۲) اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات ہے جو اس بات پر قادر ہے کہ جب تم مرکر مٹی ہو جاؤ تو پھر تمہیں زندہ کرے۔ذلیل کئے جانے میں یوم حشر کی رسوائیوں کی طرف

مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى
ان کو جن کی تھے وہ عبادت کرتے سوائے اللہ کے پس لے چلو انہیں طرف

صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ
راہ دوزخ کی اور کھڑا کرو انہیں یقیناً وہ پوچھے جانیوالے ہیں کیا ہوا تم کو

لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ
کہ نہیں تم مدد کرتے ایکدوسرے کی بلکہ وہ آج گردن نیچے ڈالنے والے ہیں اور متوجہ ہوا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
بعض ان کا بعض پر ایکدوسرے سے پوچھیں گے کہیں گے یقیناً تم تھے

بھی اشارہ ہے جن کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔فرمایا! صرف ایک ڈانٹ کی آواز سے تم دیکھنے لگو گے یعنی تمہیں حالات کا اندازہ ہوجائے گا کہ یہ جزا سزا کا دن ہے۔ تب کہاجائے گا کہ یہ تو وہ فیصلہ کا دن ہے جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ کبھی فیصلہ کا دن اس دنیا میں بھی آجاتا ہے جب کھرے اورکھوٹے الگ کردئے جاتے ہیں۔

۲۳۔۲۴۔ازواج سے مراد بیویاں یا خاوند ہیں اور ساتھی بھی۔ جس نے بھی غلط کاموں میں ان کا ساتھ دیا۔ شرک سب سے بڑاظلم ہے۔جوکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی کو شامل کرنا ہے اب اس رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام شروع ہوتاہے وہ فرشتوں کو فرمائے گا کہ مشرکوں اور ان تمام ظالموں کو جنہوں نے بندگانِ خدا کے حقوق غصب کئے اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، ان سب کو اکھٹا کرکے جہنم کے راستہ کی طرف لے جاؤ۔

یہاں وہ معبود دانِ باطلہ مراد ہیں جو دنیا میں فرعون بنے ہوئے تھے، جن کے پیچھے یہ آنکھیں بند کرکے چلتے تھے اور جنہیں خدا کے مقابلہ میں اپنا حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرتے تھے۔

۲۵۔۲۶۔ فرشتے ان تمام مجرمین کو جہنم کی طرف لے جارہے ہوں گے کہ اللہ عزّ وجلّ فرمائے گا ان کو روکو، ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔ جہنم میں داخلہ سے پہلے ان کا روکنا اس وجہ سے ہوگا کہ انہیں ان کے جرائم سے آگاہ کیاجائے اور ان پر فردجرم عائد کی جاسکے۔ تب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں ہر غلط کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے آج تمہیں کیا ہوا کہ کوئی کسی کی مدد نہیں کررہا۔

۲۷۔آج وہ کسی جرم کا انکار نہیں کرسکیں گے۔ اپنے جُرموں کو تسلیم کرنے والے ہوں گے یا یہ کہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور سَر تسلیم خم کئے کھڑے ہوں گے۔

۲۸۔ ۲۹۔ وہ ایک دوسرے سے بحث کریں گے اور اپنے مزعومہ معبودوں کو کہیں گے کہ تم

تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾
آتے ہمارے پاس دائیں طرف سے وہ کہیں گے (نہیں) بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا
اور نہ تھا ہمارا تم پر کوئی غلبہ بلکہ تھے تم لوگ

طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾
سرکش پس ثابت ہوگئی ہم پر بات رب کی ہمارے یقیناً ہم البتہ چکھنے والے ہیں

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ
پس گمراہ کیا ہم نے تمہیں یقیناً ہم تھے گمراہ پس یقیناً وہ اس دن عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ
شریک ہوں گے یقیناً ہم اسی طرح کرتے ہیں ساتھ مجرموں کے یقیناً وہ

ہماری دائیں طرف سے آیا کرتے تھے۔ دائیں جانب مذہبی عقائد سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ حدیث ہے کہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا گویا مذہبی لحاظ سے اندھا ہوگا۔ یہاں دائیں طرف سے آنا دین کی جہت سے بہکانا ہے یعنی مذہب کا لبادہ اوڑھ کر دھوکا دیتے تھے۔

۳۰۔۳۱۔ان کے فرضی معبود اپنی صفائی میں کہیں گے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہیں تھے۔ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل نہیں تھا کہ تمہیں زبردستی گمراہ کرلیتے اور نہ ہمارے پاس ایسے قوی دلائل تھے کہ تم پر برتری حاصل کرسکتے۔ بلکہ تم خود ہی باغیانہ طبیعت کے مالک تھے اور فرمانبرداروں میں شامل ہونا نہیں چاہتے تھے۔

۳۲۔وہ تسلیم کریں گے کہ ہم پر ہمارے ربّ کی بات سچ ثابت ہوئی۔ ہمیں عذاب کا مزا ضرور چکھنا ہوگا۔ چکھنے کا لفظ اس لئے آتا ہے کہ اصل عذاب کی برداشت نہیں ہوگی یا یہ کہ وہ آگے آئے گا۔ یہ بطور نمونہ ہے۔

۳۳۔ان کے فرضی معبود تسلیم کریں گے کہ ہم نے تمہیں گمراہی کی طرف بلایا کیونکہ ہم خود بھی گمراہ تھے انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی مجرم جرم کو اپنے تک نہیں رہنے دیتا بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرتا ہے۔

۳۴۔۳۵۔پس اس دن وہ عذاب میں مشترک ہوں گے گمراہ کرنے والے بھی اور گمراہ ہونے والے بھی۔اس لئے کہ دونوں جرم میں برابر کے شریک تھے۔ گمراہ کرنے والوں کا عذر قبول نہیں کیاجائے گا کہ گمراہ ہونے والے خود ہی راہ راست کے طالب نہ تھے اور گمراہ ہونے والوں کا کہ وہ خود گمراہ نہیں ہوئے بلکہ ان کو گمراہ کیا گیا۔ فرمایا ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے

كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ
تھے جب کہا جاتا تھا ان کو نہیں کوئی خدا سوائے اللہ کے تکبر کرتے تھے اور

يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ
وہ کہتے تھے کیا ہم چھوڑنے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانے کیلئے (نہیں) بلکہ

جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا
وہ لایا ہے حق اور اس نے تصدیق کی ہے رسولوں کی یقیناً تم البتہ چکھنے والے ہو

الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾
عذاب دردناک اور نہیں بدلہ دیئے جاؤ گے تم مگر اس کا جو تھے تم کرتے

ہیں۔آیت ۳۵ سے مجرموں سے خطاب ہے۔

۳۶۔۳۷۔پچھلی آیات میں ان فرضی خداؤں کا ردّ فرمایا جو مشرکین کے مذہبی پیشوا، پروہت اور کاہن وغیرہ تھے۔اب ان معبودان باطلہ کا ردّ ہے جو ان کے پتھر کے خدا تھے یا دیگر مظاہر قدرت جن کو خدا کا درجہ دیتے تھے۔وہ ان کو طاقت کا سرچشمہ تسلیم کرتے تھے اور خود کو ان کا نمائندہ قرار دیتے ہوئے اقتدار و اختیار میں کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ان کا تکبر اسی جھوٹی طاقت کی وجہ سے تھا۔اہل عرب ہبلؔ اور لاتؔ و مناتؔ کو انہی معنوں میں خدا مانتے تھے۔ہندو ہنومان دیوتا کو شکتی یعنی طاقت کا مظہر سمجھتے ہیں جبکہ لکشمی دیوی کو دولت کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں کہ جس پر لکشمی دیوی مہربان ہوگئی اسے دولت کی کیا کمی۔پھر ان دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے چڑھاوے چڑھاتے اور انواع واقسام کے کھانے پیش کرتے ہیں خواہ پروہت کھاجائیں یا کتے بلیاں۔

پس جب انہیں کہاجاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی ایسا محبوب و معشوق جس کی پرستش کی جائے سوائے خدا کے کوئی نہیں۔تو وہ تکبر کرتے ہوئے کہتے کیا ایک شاعر اور دیوانے کی خاطر ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ان طاقت کے سرچشموں سے الگ ہو جائیں اور صرف ایک خدا کو تمام طاقتوں کا مظہر قرار دیں۔

۳۸۔حقیقت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر تھے نہ مجنوں۔ثبوت یہ ہے کہ آپؐ ایک کامل سچائی لے کر آئے اور آپؐ تمام پہلے رسولوں کو سچا قرار دیتے ہیں۔شاعری اور دیوانگی میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔شاعری اکثر جھوٹ کا پلندہ ہوتی ہے جبکہ آپؐ حق لے کر آئے۔کسی مجنوں کو گزشتہ انبیاء سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ وہ ان کو سچا قرار دے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ آپؐ کے کلام میں شاعروں والا حسن اور اثر تھا اور آپؐ اپنے ربّ کے دیوانے تھے۔

۳۹۔۴۰۔جیسا کہ (آیت ۳۵) سے مجرموں سے خطاب جاری ہے۔فرمایا اے مجرمو! یقیناً

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾
سوائے بندوں کے اللہ کے مخلصوں کے یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے رزق ہے معلوم

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى
میوے ہیں اور وہ عزت دیئے جائیں گے باغوں نعمتوں کے اوپر

سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾
تختوں کے آمنے سامنے پھرائے جائیں گے ان پر پیالے لطیف شراب کے

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا
سفید مزیدار پینے والوں کے لیے نہ تو اس میں خرابی ہے اور نہ وہ اس سے

يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ
متوالے کیئے جائیں گے اور پاس ہوں گی ان کے نیچی رکھنے والیاں نظر کو بڑی آنکھوں والیاں گویا کہ وہ

تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔تمہاری سزا تم پر ہرگز زیادتی نہیں بلکہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

۴۱۔۴۲۔اہل دوزخ کے حالات بیان کرنے کے بعد اہل جنت کے احوال بیان فرمائے۔تاہم یہ تمثیلی نقشہ ہے۔فرمایا اللہ کے مخلص بندوں کا معاملہ الگ ہے۔ان کو رزقِ معلوم ملے گا۔یعنی وہ رزق جس کی خبر قرآن کریم میں بار بار دی گئی ہے اور جسے یہ جانتے ہیں۔ہاں اس کی کیفیات کا انہیں علم نہیں تھا۔

۴۳۔۴۴۔انہیں طرح طرح کے پھل دئے جائیں گے اور نعمتوں والے باغوں میں معزز مہمانوں کی طرح خوش آمدید کہا جائے گا۔اس میں اشارۃً بتلایا کہ مہمانوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ عزت وتکریم بھی اُن کا حق ہے۔

۴۵۔تختوں پر آمنے سامنے بیٹھنے میں ان کے درمیان محبت و اُنسیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کی دنیوی زندگی بھی پیار ومحبت سے گزری۔کیونکہ اُخروی زندگی دنیوی زندگی کا ہی پرتو ہوگی۔

۴۶تا۴۸۔ **کاس**۔کٹورہ۔پیالہ۔ **معین**۔چشمہ۔آبِ رواں۔ **غولٌ**۔کسی چیز کا ہلاک کردینا ایسے طریق پر کہ محسوس نہ ہو۔سردرد۔ **یُنزفون**۔ **نزف**۔عقل کا بہک جانا۔عقل میں فتور آنا۔مدہوش ہونا۔

ان تینوں آیات میں جنت کی نعمتوں میں سے پینے کی چیزوں کا ذکر ہے۔ان مشروبات کی **پہلی صفت** یہ ہے کہ وہ بہتے ہوئے چشموں کا پانی ہے جو باسی ہوگا نہ ختم ہوگا۔ **دوسری صفت**

بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۵۰﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۱﴾
انڈے ہیں چھپائے ہوئے پس متوجہ ہوں گے بعض ان کے بعض پر ایکدوسرے سے سوال کرینگے
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۲﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ
کہے گا ایک کہنے والا ان میں سے کہ تھا ہمارا ایک ساتھی کہا کرتا تھا کیا یقیناً تو بھی ضرور

اس کا سفید ہونا ہے یعنی ہر عیب سے پاک ہوگا۔**تیسری صفت** یہ کہ خوش ذائقہ ہوگا۔جبکہ دنیا میں جسے پی کر سرور حاصل کرتے ہیں وہ لذت سے خالی ہے۔**چوتھی صفت** یہ کہ غول کا باعث نہیں ہوگا۔یہاں بتایا کہ دنیوی شراب غول کا باعث ہے۔وہ انسان کو آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور پینے والے کو احساس تک نہیں ہوتا۔**پانچویں صفت** یہ کہ اس کو پینے والے بہکیں گے نہیں۔جبکہ دنیا میں شراب پی کر بہک جاتے اور بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔

۴۹۔۵۰۔**قٰصِرٰتُ**۔قصر چھوٹا کرنا ہے جیسا کہ نماز کا قصر کرنا۔نیچا کرنا۔**الطَّرف**۔کسی چیز کی جانب ہے۔کنارہ۔آنکھ۔نگاہ۔**عیــن**۔چشمہ۔آنکھ۔عین آنکھ کی خوبصورتی کے لئے بولا جاتا ہے اس کے ساتھ عورتوں کو تشبیہ دی گئی ہے۔**حــورعیــن**۔(الواقعہ ۵۶۔۲۳) **بیضٌ**۔ **بیضة** کی جمع ہے۔انڈے۔**مکنون**۔چھپائے ہوئے۔محفوظ۔

یہاں بتایا کہ ان کے پاس ایسی بیبیاں ہوں گی جو نظریں جھکائے رکھنے والیاں اور خوبصورت آنکھوں والیاں ہوں گی۔گویا حسن کے ساتھ عفت اور پاکیزگی ان کا خاصہ ہوگی۔ان کو چھپائے ہوئے انڈوں سے تشبیہ دی، رنگ کی سفیدی اور ان کے محفوظ ہونے اور پاک و شفاف ہونے کی وجہ سے۔**لَمْ یطمِثهُنّ** (۵۵۔۵۷) کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے یعنی انہیں کسی نے چھوا نہ ہو۔

قرآن کریم میں اکثر حوروں کے ملنے کا ذکر ہے بظاہر کہیں بھی عورتوں کے لئے ایسی کسی نعمت کا ذکر نہیں۔حالانکہ جنت کی تمام نعمتیں ایمان اور اعمال صالحہ پر مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے یکساں ہیں۔مرد اور عورت کی تخصیص کہیں نہیں۔جس طرح پھل اور دودھ وغیرہ مردوں اور عورتوں کے لئے بلاامتیاز ہیں۔اسی طرح قٰصِرٰت الطرف اور دیگر تمام نعمتیں بھی مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں ہیں۔حُسن جس طرح مردوں کو محظوظ کرتا ہے،عورتوں کو بھی کرتا ہے۔اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا کہ جنت میں تانیث و تذکیر کی کوئی تفریق نہیں، وہ روحیں ہوں گی اور ایکدوسرے کی ساتھی ہوں گی۔تاہم بہشت کی کسی نعمت کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ان کی اصل کیفیت کا علم مومنوں کو وہاں جاکر ہی ہوگا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۳﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
تصدیق کرنے والوں میں سے کیا جب مرجائیں گے اور ہوجائیں گے ہم مٹی اور ہڈیاں کیا یقیناً ہم
لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ
البتہ جزا دیئے جانیوالے ہیں کہا کیا تم جھانکنے والے ہو پس جھانکا تو دیکھا اُسے
فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۷﴾ وَلَوْلَا
درمیان دوزخ کے کہا قسم ہے اللہ کی یقیناً قریب تھا تو کہ ہلاک کردے مجھے اور اگر نہ
نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۹﴾
ہوتی نعمت رب میرے کی البتہ ہوتا میں (عذاب میں) حاضر کئے جانیوالوں میں سے کیا پس نہیں ہم مرنے والے
اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۶۰﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
سوائے اپنی موت پہلی کے اور نہیں ہیں ہم ہرگز عذاب دیئے جانیوالے یقیناً یہ ہی

۵۱۔۵۴۔**قرین**۔ساتھی۔ہم نشیں۔**مدینون**۔دَین۔قرضہ۔جزا کے معنی بھی دیتا ہے۔ مدینون۔جزا دیئے جانے والے۔

جنتی خوشگوار ماحول میں آپس میں بات چیت کررہے ہوں گے کہ ایک شخص کو اپنے دنیا کے ساتھی کا خیال آئے گا۔جو منکرِ بعث تھا اور اس سے پوچھا کرتا تھا کہ کیا تم تصدیق کرتے ہو کہ جب ہم مرکر خاک ہوجائیں گے اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم کو ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

۵۵۔**مطلعون**۔طلع طلوع آفتاب کے معنی دیتا ہے محاورۃً کسی کے سامنے ظاہر ہونا اور اوپر پہنچ کر نیچے کی طرف جھانکنا ہے۔کہنے والا ایک ہے۔عاطفِ غیبی سب سے مخاطب ہوگا کہ کیا آپ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں۔گویا ایسے بہت ہوں گے جن کو نظارہ کرنے کی اہلیت دی جائے گی۔

۵۶۔قرآن کریم میں ہے۔**فبصــرُکَ الیــومَ حَــدیدہ** ۵۰:۲۳۔آج کے دن تیری نظر بڑی تیز ہے۔چنانچہ وہ شخص لامتناہی فاصلہ سے جھانکے گا تو اسے جہنم کا اندرونی حصہ دکھایا جائے گا جہاں وہ اپنے دوست کو دیکھے گا۔

۵۷۔۵۸۔ایک عام نصیحت فرمائی کہ غلط عقیدہ کے لوگوں اور دہریوں وغیرہ کو دوست بنانا بیشک جائز ہے مگر فطرتِ انسانی قریبیوں کے اثرات قبول کرتی ہے اگر اللہ کا خاص فضل نہ ہو تو ایسے لوگ بسااوقات گمراہ بھی کردیتے ہیں۔اس لئے ان سے الگ رہنا ہی بہتر ہے۔

۵۹۔۶۰۔اب یہ جنتی شخص جس نے اپنے دوست کی بدصحبت کا اثر قبول نہیں کیا اور اپنے ایمان کو بچانے میں کامیاب رہا۔اپنے جہنمی دوست سے بات کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہے۔

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (٦٠) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (٦١) اَذٰلِكَ

کامیابی ہے بڑی ایسے (دن) کے لیے پس چاہیئے کہ عمل کریں عمل کرنیوالے کیا یہ

خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (٦٢) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً

بہتر ہے مہمانی یا درخت تھوہر کا یقیناً ہم نے بنایا ہے اسے عذاب

لِّلظّٰلِمِيْنَ (٦٣) اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (٦٤) طَلْعُهَا

ظالموں کے لیے یقیناً وہ ایک درخت ہے نکلتا ہے جڑ میں دوزخ کی خوشے اسکے

كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ (٦٥) فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ

گویا کہ وہ سر ہیں سانپوں کے پس یقیناً وہ کھانیوالے ہیں اس سے پھر بھرنے والے

جیسے کوئی شخص انتہائی حیرت اور مسرت کے ساتھ خود ہی بول رہا ہو کہ کیا یہ سچ نہیں کہ اب ہمیں موت نہیں آئے گی سوائے ہماری پہلی موت کے اور نہ ہم کوئی دکھ دئے جائیں گے ۔ گویا ہمارے سارے دکھ موت کے ساتھ دنیا میں ہی ختم ہوگئے۔ اب جنت کی نعمتیں ہیں اور حیاتِ جاوداں۔

٦١۔٦٢۔اس سارے تذکرے کا مقصد مومنین کو خوشخبری دینا اور بتانا ہے کہ مومن کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اس کا ایمان مضبوط ہو۔ ایک مومن کو دنیا میں نیک اور بد ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ رہتا ہے۔بعض شریف لوگ بھی دہریہ خیالات کے ہوتے ہیں جن سے دوستی ہوجاتی ہے یا تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں ۔چاہیئے کہ مومن ان پر اپنا اچھا اثر ڈالے نہ کہ ان کا بد اثر خود قبول کرے۔ پس نیک اعمال بجالانے والوں کو ایسے ہی مقام کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہیئے کہ انہیں استقامت نصیب ہو، ان کا ایمان کبھی متزلزل نہ ہو اور انہیں جنت نصیب ہو۔

٦٣ تا٦٦ ۔اہل جنت کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی کا شرف حاصل ہوگا۔ مختلف میووں اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے ان کی مہمان نوازی ہوگی جبکہ جہنمیوں کی مہمان نوازی شجرۃ الزقوم سے کی جائے گی۔بعض نے تھوہر کا درخت مراد لیا ہے جس کے پتے اور پھل سانپ کے پھن کی طرح ہوتے ہیں اور آتشک کے مریضوں کو بطور دوا دئے جاتے ہیں۔گویا وہاں بھی ان کا علاج اسی درخت کے پھل سے ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مومنین کے اعمال صالحہ اثمار و انہار کی صورت متمثل ہوں گے جبکہ کفار و مشرکین کی بداعمالیاں اور بے ایمانیاں تھوہر کے خبیث درخت کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔یہ درخت ظالموں کے لئے ایک بلا ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ برائیوں کی جڑ تکبر اور خودبینی ہے۔یہ درخت اسی جڑ سے نکلتا ہے۔(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ٧٨) یہ درخت ظالموں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بھی بنا۔ظالموں نے طعن کیا اور مذاق اڑایا کہ آگ تو درخت کو جلاتی ہے۔یہ کون سا درخت ہے جو آگ میں اگتا ہے۔ اس

مِنْهَا الْبُطُوْنَ (٦٦) ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ (٦٧)

اس سے پیٹ پھر یقیناً ان کے لیے اس پر البتہ ملونی ہے گرم پانی کی

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (٦٨) اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ

پھر یقیناً لوٹنا ان کا البتہ طرف دوزخ کی ہے یقیناً انہوں نے پایا اپنے باپ دادا کو

ضَآلِّيْنَ (٦٩) فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (٧٠) وَلَقَدْ ضَلَّ

گمراہ پس وہ قدموں پر ان کے دوڑے جاتے ہیں اور یقیناً یقیناً گمراہ ہوگئے

کے خوشے کو اس کی بدنمائی اور کریہہ شکل کی وجہ سے شیطان یا سانپ کا سر کہا گویا اس میں زہر ہی زہر بھرا ہوتا ہے۔ یہاں ان شوریدہ سَروں کی طرف بھی اشارہ ہے جن کی کھوپڑیوں میں تکبر و نخوت کے زہر کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور جو اپنے تیئں دنیا کے بہترین اور عقل مند ترین انسان سمجھتے ہیں اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ (مزید تشریح کے لئے سورۃ الواقعہ٥٣۔)

٦٧۔جہنمی اسی درخت سے اپنا پیٹ بھریں گے۔ یہ ظلم و استبداد سے کھایا ہوا مال حرام ہوگا جس سے دنیا میں تو ان کا پیٹ نہیں بھرا۔ ہاں وہاں ضرور بھر جائے گا۔

٦٨۔ **شوب**۔ ملاوٹ۔ملونی۔ جنتی اور جہنمی اپنا کھانا پینا دنیا سے ہی لے کر جائیں گے اور یہ سب ان کے اپنے اعمال کے ہی نتائج ہوں گے۔

اللہ کے مخلص بندوں کو شفاف جنتی پانی پیش ہوگا۔آیت:٤٦۔ اس لئے کہ دنیا میں ان کے تمام معاملات شفاف رہے۔ اپنے ربّ سے بھی اور اس کے بندوں سے بھی۔جبکہ جہنمیوں کے مشروب میں ابلتے ہوئے پانی کی ملونی ہوگی، دوسری جگہ پیپ وغیرہ کا ذکر ہے۔ گویا ان کے پینے کا پانی نہایت کثیف ہوگا۔ اس لئے کہ دنیا میں ان کا کوئی معاملہ بھی صاف نہیں تھا۔ دنیا میں ان کی حرص و ہوس کی پیاس نہیں بجھی۔ اب جہنم کا کھولتا ہوا پانی کھانے کے بعد ان کی پیاس بجھائے گا۔

٦٩۔جب کھانے پینے سے فارغ ہوجائیں گے تو پھر جہنم کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہوگا۔گویا جہنم میں بھی مختلف مقامات ہوں گے جہاں سے لوٹ لوٹ کر جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

٧٠۔٧١۔اب بتلایا کہ ان کے جہنم میں جانے کی وجہ ان کی اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے۔ایک معنی یہ ہیں کہ ان کے باپ دادا گمراہ تھے اور یہ بغیر سوچے سمجھے ان کے پیچھے بھاگے چلے گئے۔دوسرے معنی یہ ہیں کہ جانتے ہوئے کہ ان کے باپ دادا غلط راہوں پر چل رہے ہیں پھر بھی یہ بڑے یقین اور شوق سے ان کے پیچھے بھاگتے گئے۔ یھرعون میں اشارہ ہے کہ ان کے پیچھے کوئی ہے جو ان کے دوڑائے لئے جارہا ہے۔ گویا اپنی عقل سے کام نہیں لے رہے۔ گنہگار

قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾

پہلے ان سے اکثر پہلوں میں سے اور یقیناً یقیناً بھیجے تھے ہم نے ان میں ڈرانے والے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

پس دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا سوائے بندوں کے اللہ کے

عٓ۵۳ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

چنے ہوؤں کے اور یقیناً یقیناً پکارا ہمیں نوح نے پس کیا ہی اچھے (ہم) جواب دینے والے ہیں

دونوں ہیں لیکن جو جانتے اور سمجھتے ہوئے گمراہی کی راہ کو نہیں چھوڑتا وہ زیادہ مجرم ہے۔

۷۲۔۷۳۔**وَلَقَد**۔ شدت کے لئے آتا ہے۔ لازماً۔

ان کا یہ طریق کوئی نیا نہیں ۔ ان سے پہلی قوموں سے بھی اکثر گمراہ ہوچکے تھے۔ اور ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے ۔ تاوہ اپنی اصلاح کرلیں اور آنے والے عواقب سے بچیں۔

۷۴۔اب ایک لمبی داستان کو چھوڑ کر کہ کس طرح انبیاء نے لوگوں کو راہِ راست کی طرف لانے کے لئے دن رات کوششیں کیں، دکھ اور تکلیفیں اٹھائیں مگر وہ کسی طور اپنے آباء واجداد کے غلط عقائد اور نظریات چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے اور ہدایت کی طرف نہ آئے۔ آخر خدائی عذاب کی پکڑ میں آگئے۔ یہ سب کچھ ان چند لفظوں میں بتادیا تا ان کے انجام کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اللہ کے مامور کی آواز پر کان دھریں۔

۷۵۔پس منذرین کا انجام تو بہت ہی درد ناک تھا البتہ اللہ کے مخلص بندوں کا معاملہ الگ ہے۔ اس سورۃ میں اس آیت کی تکرار ہے ۔اس میں حکمت یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ایک جاری قانون بیان فرمایا کہ وہ ہر مامور کے وقت اپنے مخلص بندوں کو بچالیتا ہے۔عذابِ الٰہی کو اس امر کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ کافروں کے ساتھ مومنوں کو بھی ہلاک کرے۔پس ہر مامور کے وقت مومن بچائے جاتے ہیں اور منکرین ہلاک کردئے جاتے ہیں۔کبھی تو وہ حکم الٰہی سے ہجرت کرجاتے ہیں ۔کبھی جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں وہ لوگ انہیں اس بستی سے نکلنے پر مجبور کردیتے ہیں۔اللہ کا عذاب بھی اُس وقت تک ٹلا رہتا ہے جب تک وہ مخلصین اس بستی میں موجود رہتے ہیں۔ اگر کبھی ان کے ہوتے ہوئے عذاب آئے تو بھی اللہ تعالیٰ اپنے تصرفِ خاص سے ان کو بچالیتا ہے۔جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ آپ کے اہل دار اور جماعت کو طاعون سے بچالیا جبکہ سارا پنجاب طاعون کی لپیٹ میں تھا اور کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی نہ تھی۔ تفصیل کے لئے (''کشتی نوح'' ملاحظہ فرمائیں۔) آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر پہلے سے بطور پیشگوئی

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ

اور نجات دی ہم نے اسے اور گھر والوں کو اس کے گھبراہٹ بڑی سے اور رکھا ہم نے اسکی اولاد

هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى

ہی کو باقی اور چھوڑا ہم نے اس پر پچھلوں میں سلامتی ہو

نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾

نوح پر تمام دنیا میں یقیناً ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں محسنوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

یقیناً وہ تھا بندوں ہمارے ایمانداروں میں سے پھر غرق کردیا ہم نے اوروں کو

طاعون کی خبر دے دی تھی نیز خود اور اپنے اہلِ دار کو بحکم الٰہی طاعون کا حفاظتی ٹیکہ نہیں لگوایا تھا تا ایک نشان کے طور پر ظاہر ہو۔

۷۶۔ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں کہ ہم ہمیشہ اپنے انبیاء کی مدد کرتے ہیں اور ان کے منکرین کو سزا دیتے ہیں اس سورۃ کے آخر تک مختلف انبیاء کے قصص بیان فرمائے۔ سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر کیا جو حضرت آدمؑ کے بعد عظیم المرتبت اور صاحبِ شریعت نبی تھے۔ آپ کا ذکر تفصیلاً (سورۃ الاعراف ع۸۔ سورۃ ھود ع ۳۔۴۔ سورۃ الشعراء ع۶) میں گزر چکا ہے استفادہ فرمایئے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور بندوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ ہم بہت اچھا جواب دینے والے ہیں ۔تم پکارو تو سہی۔

حضرت نوحؑ کی پکار وہ درد ناک دعا تھی جو قوم کی ہدایت سے مایوس ہوکر آپ نے اپنے ربّ سے کی۔**انّی مغلوبٌ فانتصر** ٥ قمر۵۴۔۱۱۔ میں مغلوب ہوگیا ہوں اب تو میری مدد کو پہنچ یا سورۃ نوح آیت ۲۷ کی دعا ہے۔

۷۷۔یہ کَرَبِ عظیم قوم کی شدید اذیتیں بھی تھیں یہانتک کہ آپ کے قتل کے درپے ہوئے اور طوفان کی ہلاکت خیزیاں بھی تھیں۔ جن سے آپ اور آپ کے اہل کو بچالیا حالانکہ آپ کے بیٹے کو نجات ملی نہ آپ کی ایک بیوی کو ۔اس لئے کہ جو بیوی یا بچے ایمان نہ لانے والے ہوں یا جن کے اعمال غیر صالح ہوں۔ وہ اہل میں شامل نہیں گردانے جاتے۔ **انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح** ۔(ھود ۴۷۔)یہاں صاف بتادیا کہ انبیاء کی ال اللہ کے **عبادالمخلصین** ہوتے ہیں ۔اگر چہ وہ ظاہراً ان کی ذریت میں سے نہیں ہوتے۔

۷۸تا۸۳۔ پس آپ کی ذریت ہی باقی رہی اور دوسروں کو ہم نے غرق کردیا۔ ہم نے بعد میں آنے والوں میں آپ کا ذکر خیر باقی رکھا۔ آج تمام مذاہب والے آپ کو عزت و احترام

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ (٨٤) اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ

اور یقیناً جماعت میں سے تھا اس کی ابراہیم جب وہ آیا اپنے رب کے پاس ساتھ دل

سَلِيْمٍ (٨٥) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ (٨٦) اَئِفْكًا

سلامتی والے کے جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کس کی تم عبادت کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ

اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ (٨٧) فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٨٨)

معبود سوائے اللہ کے تم چاہتے ہو پس کیا گمان ہے تمہارا متعلق رب العالمین کے

سے یاد کرتے ہیں اور آپ کو ایک جلیل القدر نبی مانتے ہیں۔فرمایا نوح پر تمام جہانوں میں سلامتی ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودونصاریٰ سب آپ کے مرتبہ عالیہ کے قائل ہیں اور آپ کی سلامتی کے خواہاں ہیں۔تشہدّ میں **السّلام علینا وعلیٰ عباداللّٰہ الصّٰلحین** ۔کی دعا میں یہ سب صالحین شامل ہیں۔

۸۴۔اب آپ کے بعد آنے والے عظیم نبی ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا۔آپ کا ذکر تفصیل سے (سورۃ البقرۃ:۱۲۳تا ۱۳۳ ۔سورۃ الانعام ۷۵تا ۸۴۔ سورۃ ابراہیم :۳۶تا ۴۲ ۔سورۃ مریم رکوع ۳۔ سورۃ الانبیاء ۵۲تا۷۱ ۔سورۃ الشعراء ع ۵ میں بیان ہوا ہے۔) استفادہ فرمایئے۔ اس رکوع میں خاص طور پر آپ کی حیات طیبہ کے دو اہم واقعات کا ذکر ہے دونوں میں آپ نے محض رضائے الٰہی کے لئے دو عظیم قربانیاں پیش کیں۔ پہلی اپنی جان کی قربانی جب آگ میں ڈالے گئے۔ دوسری اپنے لخت جگر کی قربانی جب اسے ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ ان دونوں قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی شریعت سے پہلے حضرت نوحؑ کی شریعت پر عمل پیرا تھے اس لئے فرمایا کہ نوحؑ کے گروہ میں سے ابراہیمؑ بھی تھے۔ دراصل تمام انبیاء ایک ہی گروہ ہیں کیونکہ سب کی تعلیم اور اصل الاصول ایک ہی ہے یعنی توحید الٰہی کو دنیا میں پھیلانا اور شرک کا قلع قمع کرنا۔

۸۵۔قلبِ سلیم میں بتایا کہ آپ کا پاک دل ہر ظاہری اور باطنی خرابی سے محفوظ تھا۔ ایسا دل جو غیر کی محبت سے کلیۃً خالی تھا اور اپنے ربّ کے حضور پیش کرنے کے قابل تھا۔

۸۶تا۸۸۔آپ نے اپنے مشرک باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ یہ ہے کیا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔کیا جھوٹ کی؟ آپ نے بتوں کو جھوٹ کہا جو مجسم فریب تھے۔اس لئے کہ ان سے جو جو صفات منسوب کررکھی تھیں وہ سراسر جھوٹ پر مبنی تھیں ان میں ایک بھی سچائی نہیں تھی۔تم ان پتھر کے بتوں کو تو خدا کہتے ہو اور جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ (٨٩) فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ (٩٠) فَتَوَلَّوْا

پھر دیکھا اس نے ایک دفعہ ستاروں کو پس کہا یقیناً میں بیمار ہوں پس چلے گئے

عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (٩١) فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ (٩٢)

اس سے پیٹھ موڑ کر پس چپکے سے گیا طرف ان کے معبودوں کی پس کہا کیا نہیں کھاتے تم

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (٩٣) فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ (٩٤)

کیا ہوا تمہیں نہیں بات کرتے تم پھر جھکا ان پر مارتا ہوا دائیں ہاتھ سے

۸۹تا۹۱ ۔**سَقم** ہلکی پھلکی بیماری کے لئے آتا ہے۔ خاص مرض کے لئے نہیں یعنی ناسازیٔ طبع۔

قرآن کریم ایک مختصر کتاب ہے۔ موقع اور محل کے مطابق اہم امور بیان کرتا ہے اور غیر ضروری تفصیلات چھوڑ دیتا ہے۔

سورۃ الانعام رکوع ۹ میں آپ کی اپنی قوم سے تھکادینے والی طویل بحثوں کا ذکر ہے جورات گئے تک جاری رہتیں۔بعض اوقات ان بحثوں میں صبح بھی ہو جاتی۔

مفسرین نے آپ سے منسوب کئے گئے تین جھوٹوں میں سے ایک یہ ٹھہرایا کہ آپ نے بیماری کا بہانہ کیا۔آپ کو صدیقًا نبیًا کا خطاب ملا۔آپ سے کسی جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوسکتا۔ آپ ایک راستباز نبی تھے۔جب آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں تو آپ یقیناً بیمار تھے۔حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ان مباحثوں سے بہت تھک چکے تھے اورآپ کی طبیعت ناساز تھی۔آپ کا ستاروں پر نظر ڈالنا وقت جاننے کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور دوسروں کو یہ احساس دلانا بھی مقصود ہوسکتا ہے کہ رات زیادہ گزر گئی ہے اب اٹھنا چاہئے۔آج بھی مہذب اقوام میں یہ دستور ہے کہ کسی کو چلے جانے کا اشارہ دینا ہو یا خود جانے کی اجازت لینی ہو تو گھڑی پر نظر ڈالتے ہیں۔ایک دفعہ چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ ملکہ برطانیہ کو ملنے گئے تو بات طویل ہوگئی اورنمازعصر کا وقت تنگ ہوگیا۔گو آپ جانتے تھے کہ ملکہ جیسی شخصیت کے سامنے گھڑی پر نظر ڈالنا خلاف تہذیب ہے لیکن آپ مجبور تھے۔آپ نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ملکہ نے فوراً بھانپ لیا اور کہا! مسٹرظفر اللہ! کیا مجھ سے بھی اہم کوئی شخصیت ہے جس کو آپ ملنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! ہاں۔ وہ تعجب سے بولی ! کون ہے وہ؟ آپ نے فرمایا! میرا اللہ ۔تب ملکہ نے اپنے سیکرٹری کو کہا کہ چوہدری صاحب کو ملاقات کا ٹائم دیتے وقت ان کی عبادت کے اوقات کا خیال رکھا کریں۔(تحدیث نعمت از چوہدری ظفراللہ خانؓ)پس وہ حضرت ابراہیمؑ کو چھوڑکر چلے گئے۔

۹۲تا۹۵۔**راغ۔ روغ**۔ حیلہ اور تدبیر سے ایک جانب مائل ہونا ۔ متوجہ ہونا۔ **یزِفّون**۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۶﴾
پس آئے وہ لوگ طرف اسکی دوڑتے ہوئے اس نے کہا کیا تم عبادت کرتے ہو اسکی جسے تم خود تراشتے ہو

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا
حالانکہ اللہ نے پیدا کیا تمہیں اور جو تم بناتے ہو انہوں نے کہا بناؤ اس کے لیے ایک جگہ

فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۸﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
پھر ڈالدو اسے آگ میں پس چاہی انہوں نے متعلق اسکے مخفی تدبیر۔ پس پس کردیا ہم نے انہیں

الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۱۰۰﴾
ذلیل اور اس نے کہا یقیناً میں جانے والا ہوں طرف اپنے رب کی ضرور رہنمائی کریگا میری

یزیف ہوا کا چلنا۔ شتر مرغ کی تیزی ہے جس کے چلنے میں پرواز ملا ہوا ہوتا ہے۔ **یـزِفُّون** بمعنی یسرعون ہے ۔ تیزی سے دوڑتے ہوئے آنا ہے۔

ناسازیٔ طبع کے باوجود آپ تبلیغ کے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے معبد میں پہنچ گئے۔ آپ جانتے تھے کہ یہ مٹی کے بت نہ کھاتے ہیں نہ بولتے ہیں پھر بھی ان کے پاس کھانا پڑا دیکھ کر آپ طنزاً ان سے مخاطب ہوئے اور ساتھ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے ان پر ایک کاری ضرب لگائی۔(سورۃ الانبیاء : ۵۹ میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ذکر ہے۔) آپ نے یہ کاروائی ان کی غیر موجودگی میں کی کیونکہ آپ کی قوم نے آپ کو کھلے عام ہرگز ایسا کرنے نہیں دینا تھا۔جب زبانی نصائح کا ان پر اثر نہ ہوا تو آپ نے عملاً ان کو سمجھانا چاہا۔پس وہ لوگ غصے میں بھرے ہوئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

۹۶۔۹۷۔حضرت ابراھیمؑ ان کو نصیحت کرنے کے لئے دلیرانہ انداز سے وہیں کھڑے رہے، فرار نہیں ہوئے اور کہا کہ تم اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور پھر انہی کی عبادت کرتے ہو۔یہ کیسے خدا ہیں۔ خدا تو وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔ یہ معنی بھی ہیں کہ وہ تمہیں بھی پیدا کرتا ہے اور تمہارے عملوں کو بھی یعنی عمل کی توفیق بھی وہی دیتاہے۔تو کیوں نیک عمل کرکے اس کے مومن اور صالح بندوں میں شامل نہیں ہوجاتے۔

۹۸۔۹۹۔(تفصیل کے لئے سورۃ الانبیاء ۵۸۔۵۹)منکرینِ انبیاء کی یہ پرانی عادت ہے کہ جب دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں۔پس آپ کو قید میں ڈالا گیا،مقدمہ چلااور آخرآگ کے دہکتے ہوئے الاؤمیں پھینکے گئے۔ظالموں نے آپ کے خلاف ایک تدبیر کی لیکن اللہ کی تدبیر کامقابلہ نہ کرسکے۔اللہ تعالیٰ نے بارش سے آگ بجھائی یا کسی اور تدبیر سے ،آپ کا معجزانہ طور پر بچ جانا آپ کی سچائی کی دلیل ثابت ہوا جبکہ منکرین سخت ذلیل ہوئے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۲﴾
اے رب عطا کر مجھے اولاد نیکوں میں سے پس بشارت دی ہم نے اسے ایک لڑکے بردبار کی

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ
پس جب وہ پہنچا ساتھ اسکے کام کاج (کی عمر) کو کہا اے بیٹے میرے یقیناً میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ میں

اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ
ذبح کرتا ہوں تجھے پس دیکھ کیا رائے رکھتا ہے تو اس نے کہا اے باپ میرے کر جسکا تو حکم دیا جاتا ہے

اس میں کفارِ مکّہ کو تنبیہ فرمائی کہ جس ابراھیمؑ کی اولاد ہونے کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہو آج اسی ابراھیمی مسلک پر آپ کے روحانی فرزند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تمہارا طریق منکرینِ ابراھیم سے الگ نہیں۔ اگر وہی منکرین ابراھیم والی چالیں چلو گے تو تمہارے ساتھ منکرین ابراھیم جیسا سلوک ہی ہوگا اور تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال تک بیکا نہیں کرسکو گے اور سخت ذلیل ہوگے۔

۱۰۰۔آخر ہجرت پر مجبور ہوئے۔فرمایا مجھے تو اپنی منزل کا بھی علم نہیں۔ میں تو وہیں جاؤں گا جہاں میرا ربّ مجھے لے جائے گا۔ گویا میرا ہر قدم اپنے ربّ کی رضا کے لئے اٹھے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں۔ آپ نے کہا میں اپنے ربّ کی طرف جارہاہوں۔ گویا یہ مُشرک معاشرہ عملاً ربّ سے ناآشنا ہو چکاہے۔ یہاں سے ہجرت کرکے میں اس جگہ جارہاہوں جہاں میرا ربّ ہی ہوگا۔(ترجمۃ القرآن کلاسMTA)

۱۰۱۔ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہوگئے تو صالح اولاد کے لئے دعا کی تاکہ آپ کا مقصد یا کام (مشن) جاری رہے۔مِن الصّالحین سے آپ نے ایک ایسی بستی کا تصور کیا جہاں صالحین ہی ہوں گے اور ان میں آپ کا بیٹا بھی ہوگا۔

۱۰۲۔آپ کے ربّ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ایک حلیم غلام کی بشارت دی۔بیٹا نہیں کہا، غلام کہا۔یعنی یہ بیٹا انتہائی سعادت شعار اور حلیم الطبع ہوگا۔یہ بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ تھے جن کی ساری زندگی اس بشارت کی آئینہ دار تھی۔آپ نے فرمانبرداری ، تحمل و بردباری اورصبر و ضبط کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے وعدوں اور بشارتوں کے ایفاء میں بسا اوقات حکمتِ الٰہی سے تاخیر ہوجاتی ہے چنانچہ حضرت ابراھیمؑ کو بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ عطا ہوئے۔

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٣﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا

ضرور پائے گا تو مجھے اگر چاہا اللہ نے صبر کرنے والوں میں سے پس جب دونوں نے فرمانبرداری

۱۰۳۔اب اس سارے واقعہ کو چھوڑ دیا جو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حکم الٰہی سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑا۔استفادہ فرمایئے۔(سورۃ البقرۃ :۱۵۹) ان کو ایک دور افتادہ مقام پر چھوڑ کر بھی حضرت ابراھیمؑ اپنے بچے اور بیوی سے غافل نہیں ہوئے۔ بڑھاپے میں طویل اور دشوار گزار سفر طے کر کے آپ فلسطین سے وادیٔ مکّہ میں اپنی بیوی اور بچے کو ملنے آتے۔ حضرت ابراھیمؑ جیسے عظیم باپ کی دعاؤں اور حضرت ہاجرہ جیسی صالحہ ماں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ خلیل اللہ کا حلیم بیٹا جو خود بھی منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے والا تھا، رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس کی راہ میں جان قربان کرنے کے لئے خوشدلی سے تیار ہوگیا۔مفسرین کا خیال ہے کہ اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر تیرہ برس تھی۔اس زمانہ میں انسانی قربانی کا رواج عام تھا۔اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لئے مٹانا چاہا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں۔ حضرت ابراھیمؑ باربار رویاء دیکھا کرتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں لیکن جب تک حضرت اسمٰعیلؑ سن شعور کو نہیں پہنچے اور آپ کے ساتھ بھاگ دوڑ اور کام کاج کے قابل نہیں ہوئے اور خود اپنی مرضی سے اس قربانی کے لئے تیار نہ ہوئے اس وقت تک آپ نے اپنے بیٹے کی جان پر تصرف کرنے کا اظہار نہیں کیا۔نبی کا رویاء بھی وحی خفی کا درجہ رکھتا ہے۔اس رویاء کی تعبیر بیٹے کی قربانی تھی جو ظاہراً تو اس وقت پوری ہوچکی تھی جب آپ نے بیٹے اور بیوی کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا۔ اب اس رویاء میں اشارہ تھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی انہیں رضائے الٰہی کی خاطر اپنی باقی زندگی بھی اپنے والد سے دور انہی بیابانوں اور سنگلاخ چٹانوں کے درمیان گزارنی ہوگی تا اس دارالکفر میں توحید کا مرکز قائم ہو جس کی پاسبانی آپ اور آپ کی نسلوں کے سپرد ہوگی۔ نیز اس رویاء کے ذریعہ اس عظیم باپ اور اس کے موعود بیٹے کی آزمائش بھی منظور تھی جس میں دونوں پورے اترے۔انبیاء و مرسلین ہمیشہ سخت امتحانوں سے آزمائے جاتے ہیں اور وہ صبر و استقلال سے ان آزمائشوں میں کامیاب ہوکر مراتبِ عالیہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت ابراھیمؑ نے اپنے اخلاص ، صدق و صفا اور بے پناہ قربانیوں سے وہ مرتبہ حاصل کیا کہ خلیل اللہ کا خطاب ملا اور ابوالانبیاء کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا۔آپ کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ کی نسل سے نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔اس واقعہ کے بعد انسانی قربانی کی رسم ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی اس کی بجائے جانوروں کی

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٤﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٥﴾ قَدْ

کی اور اُس نے لِٹا دیا اُسے پیشانی کے بل اور آواز دی ہم نے کہ اے ابراہیم یقیناً

صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنَّ

سچ کردکھایا تونے خواب یقیناً ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو یقیناً

هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٧﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٨﴾

یہ ضروری آزمائش تھی کُھلی کُھلی اور چھڑا لیا ہم نے اُسے ساتھ قربانی بڑی کے

قربانی کا حکم ہوا۔حضرت اسمٰعیلؑ کے یہ الفاظ کہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ، نہایت عاجزی کا اظہار ہے یعنی یہ میرا ہی کمال نہیں اور بھی بہت سے صابرین ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔

۱۰۴تا۱۰۷۔ **تَلٌّ** بلند جگہ۔ ٹیلہ۔ **تَلَّهٗ** کے معنی ٹیلے پر لٹادینے کے ہیں۔ **الجبین** پیشانی کا کنارہ ہے۔ پیشانی کے دونوں طرف کے کناروں کو **جَبِیْنَانِ** کہا جاتا ہے۔ **اَلْجَبهة** پیشانی کا وہ حصہ ہے جو سجدہ میں زمین پر لگتا ہے ماتھا جمع جِباہ ہے۔ **فتکویٰ بها جِباهُهُم و جُنُوبُهُم**۔ (۹۔۳۵)۔ پھر اس سے ان پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابراھیمؑ بیٹے کو قربان کرنے کے لئے لے کر چلے تو راستہ میں آپ کو تین بار شیطان نے بہکانے کی کوشش کی۔ آپ نے ہر مرتبہ اسے سات کنکریاں ماریں اور بھگا دیا۔اسی واقعہ کی یاد میں حج کے دوران منیٰ میں تین جُمرات کو سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔گویا یہ عہد کیا جاتا ہے کہ ہم شیطان کے بہکاوے میں کبھی نہیں آئیں گے۔آپ بیٹے کو ماں سے دور ایک پہاڑی پر لے گئے۔آپ اوّاب اور حلیم تھے بیٹے کے چہرے کو دیکھ کر چھری نہیں چلاسکتے تھے۔آپ اسے کروٹ کے بَل لٹا کر چھری چلانے ہی والے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے خلیل کو پکارا کہ اے ابراھیم تو نے اپنے خواب کو پورا کردیا۔ ہم محسنوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ۔گویا اللہ کی راہ میں کی گئی قربانیاں اللہ پر احسان تھیں جن کا بدلہ شدید ابتلاء کے وقت ان کو بچالینا، اپنا قرب عطا کرنا۔ اور دنیا و آخرت میں ان کو سرفراز کرنا ہے۔بیشک یہ ایک انتہائی کڑی آزمائش تھی جس میں اللہ کے خاص بندے ہی کامیاب ہوسکتے ہیں۔

۱۰۸۔حضرت ابراھیمؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیہ میں ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ اسے ذبح عظیم اس لئے کہا گیا کہ اس مینڈھے کی قربانی نسلِ انسانی پر بہت بڑا احسان ثابت ہوئی۔ ہمیشہ کے لئے انسانی قربانی کا رواج ختم ہوا اور آپ کی برکت سے جانور کی قربانی مسلمانوں کا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۱۰﴾ كَذٰلِكَ
اور چھوڑا ہم نے اس پر پچھلوں میں کہ سلامتی ہو ابراہیم پر اسی طرح ہم
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ
جزا دیتے ہیں محسنوں کو یقیناً وہ تھا بندوں ہمارے ایمانداروں میں سے اور
بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى
بشارت دی ہم نے اُسے اسحٰق نبی کی جو نیکوں میں سے تھا اور برکت دی ہم نے اس پر اور
اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۴﴾
اسحٰق پر اور (کوئی) اولاد میں سے ان دونوں کی اچھے کام کرنیوالا ہے اور (کوئی) ظلم کرنیوالا ہے اپنی جان پر کھلا کھلا

شعار قرار پائی۔ عظیم قربانی اس لئے بھی کہا کیونکہ اس قربانی کی یاد میں اسی تاریخ یعنی دس ذی الحج کو تمام دنیا کے مسلمان جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اور یہ نیت کرتے ہیں کہ اگر ہمیں بھی کبھی اپنی محبوب ترین شے اللہ کی رضا کی خاطر قربان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ہم ہرگز دریغ نہیں کریں گے۔ یہ مفہوم بھی ہے کہ ہم نے اسمٰعیلؑ کو ایک عظیم قربانی کے لئے بچالیا۔ وہ بڑی قربانی یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام کی سرسبز و شاداب وادی کی سرداری کے بجائے اس بیابان میں ہمیشہ کے لئے اپنے گھر کی پاسبانی کے لئے چن لیا تا کہ توحید کے اس مرکز کے اصل متولی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آپ کی نسل سے ہو۔

۱۰۹تا۱۱۲۔ فرمایا ہم نے آنے والی نسلوں میں اس کا ذکر خیر جاری رکھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج تک ابراہیمؑ اور آپ کی ال پر درود و سلام بھیجا جارہا ہے اور قیامت تک بھیجا جاتا رہے گا۔ وہ یقیناً ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہمارے ان انعامات کا اہل تھا۔ ہم محسنوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں کہ ان کی نسلوں تک کو سنوار دیتے ہیں۔

۱۱۳۔ اس پر ہمارا ایک انعام یہ بھی تھا کہ ہم نے اسے دوسرے بیٹے اسحاقؑ کی خوشخبری دی۔ اس میں اُس کی نبوت کی بشارت تھی جو صالحین میں سے تھا۔

۱۱۴۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ پر برکتیں یہ تھیں کہ ان کی نسل بہت پھیلی اور ان میں کثرت سے انبیاء ہوئے۔ یہاں بتایا کہ انبیاء کی نسلوں میں بھی نیک اور بد ہوتے ہیں پس کسی نیک کی نسل میں سے ہونا باعثِ افتخار نہیں اور نہ ہی یہ نجات کے لئے کافی ہے۔ نجات اور فضیلت ایمان اور اعمال صالحہ سے مشروط ہے۔ اپنی جانوں پر کھلا کھلا ظلم کرنے والے بالعموم یہود اور بالخصوص علمائے یہود ہیں جو اس تکبر میں مبتلا تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد میں سے ہیں۔ اس سارے قصہ میں اُن کو ان کے آباء و اجداد کی قربانیاں یاد دلائیں جو اللہ کے انتہائی عاجز بندے تھے اور

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا
اور یقیناً یقیناً احسان کیا ہم نے موسیٰ اور ہارون پر اور نجات دی ہم نے دونوں کو اور قوم کو اس کی
مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾
گھبراہٹ بڑی سے اور مدد دی ہم نے انہیں پس ہوئے وہی غالب
وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ
اور دی ہم نے ان دونوں کو کتاب روشن اور ہدایت دی ہم نے انہیں راہ
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۹﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ سَلٰمٌ عَلٰى
سیدھی کی اور چھوڑا ہم نے ان دونوں پر پچھلوں میں کہ سلامتی ہو

بتایا کہ اگر عزت اور نجات چاہتے ہو تو ان کی اتباع کرو۔

۱۱۵۔۱۱۶۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے حالات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ کی نسل پر احسانات کے ذکر میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مختصر طور پر بیان ہے جو نبی اسرائیل میں اولوالعزم انبیاء تھے۔ آپ پر پہلا انعام دونوں کو نبوت کا عطا ہونا ہے۔ دوسرا آپ اور آپ کی قوم کو کربِ عظیم سے نجات دینا تھا۔ یہ فرعون کی طرف سے دی گئیں ایک لمبے عرصہ کی اذیتیں تھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ دونوں کو مع آپ کی قوم کے بچالیا اور فرعون کی غلامی سے آزادی بخشی۔

۱۱۷۔ یہاں بتایا کہ انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مدد سے ہی غالب ہوتے ہیں ورنہ بذاتِ خود ان میں بھی اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ زمانہ کے فرعون سے مقابلہ کرسکیں۔ پس اللہ کی مدد سے سرکش حکمرانوں پر غالب آنا بھی اس کے احسانات میں سے ایک ہے۔

۱۱۸۔ **مُسْتَبِين** ۔ (بان) **استبان** اور **تبيّن** کے ایک ہی معنی ہیں یعنی واضح ہوا۔ خوب کھول کر بیان کیا۔

اب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے احسان کا ذکر کیا جو انہیں شریعت کی کتاب کا ملنا تھا۔ دونوں کو کتاب دینے میں اشارہ ہے کہ یہ کتاب دونوں کی وحی پر مشتمل تھی۔ چونکہ عبادت کروانا حضرت ہارون کے سپرد تھا جیسا کہ بعد میں بھی یہ خدمت آپ کی نسل بنی لادی کے سپرد رہی۔ اس لئے ممکن ہے عبادت کے متعلق وحی حضرت ہارونؑ پر نازل ہوئی ہو جبکہ تفصیلاتِ شریعت حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی ہوں۔

۱۱۹۔ انبیاء تو ہدایت پر ہمیشہ سے ہی قائم ہوتے ہیں لیکن نزولِ شریعت کے بعد یہ ہدایت ایک نیا رنگ اختیار کرتی ہے اور بنی نوعِ انسان کی ہدایت کا باعث بنتی ہے۔

مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا
موسیٰ اور ہارون پر یقیناً ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں محسنوں کو یقیناً وہ دونوں

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾
بندوں ہمارے ایمانداروں میں سے تھے اور یقیناً الیاس البتہ رسولوں میں سے ہے

۱۲۰۔ ۱۲۱۔اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء پر یہ بھی احسان تھا کہ بعد میں آنے والوں میں ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب آپ کو عظیم نبی مانتے ہیں ۔ درود شریف میں حضرت ابراھیمؑ اور ال ِابراھیم پر درود و سلام میں حضرت ابراھیمؑ کی نسل کے تمام انبیاء اور صالحین شامل ہیں ۔ نیز انبیاء کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام بھی ان پر سلامتی کی دعا ہے۔

۱۲۲۔اللہ تعالیٰ اپنے محسن بندوں کو اسی طرح جزا دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ذکر میں بیان فرمایا۔ انہیں ابتلاؤں سے نجات دیتا ہے۔انتہائی نامساعد حالات میں ان کی مدد فرماتا ہے اور زمانے کے فرعونوں پر انہیں غالب کرتا ہے۔انہیں وحی کے ذریعہ ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔ بعد میں آنے والوں میں ان کا ذکر خیر جاری رکھتا ہے اور ان پر دنیا و آخرت میں سلامتی نازل فرماتا ہے۔

۱۲۳۔فرمایا یقیناً وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ بیشک مومن ہونا بالکل ابتدائی درجہ ہے لیکن یہی ابتدائی درجہ جب اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو نبوت کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔

۱۲۴۔اب حضرت الیاسؑ کا ذکر فرمایا ۔آپ بھی انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔آپ کا ذکر اس مقام کے علاوہ سورۃ الانعام :۸۶ میں انبیاء کے ناموں کے ساتھ آیا ہے ،کوئی واقعہ بیان نہیں ہوا۔ یہاں بھی نہایت اختصار سے آپ کے واقعات بیان ہوئے۔آپ کے واقعات کی کچھ تفصیل اسرائیلی روایات میں ملتی ہے لیکن وہ زیادہ بھروسہ کے قابل نہیں۔آپ کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے قریباً ۵۰۰ سال بعد کا ہے۔ توریت میں آپ کو ایلیا کہا گیا۔ان واقعات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد آپ کا نااہل بیٹا اس عظیم سلطنت کو سنبھال نہ سکا اور یہ اسرائیل اور یہوداہ کے نام سے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے جلد جلد انبیاء آتے رہے لیکن ہر نبی کے بعد یہ قوم پھر شرک میں مبتلا ہوجاتی۔حضرت سلیمانؑ کے بعد ان کے شرک میں مبتلا ہونے کی بڑی وجہ مشرک اقوام سے رشتے ناطے جوڑنا تھا۔ اسرائیل کے حکمران نے لبنان کی شہزادی ایزبیل(Ezebel) سے شادی کی جو بعل دیوتا کی پجاری تھی یہ سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا اور سورج دیوتا کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ بعل کا لفظ الہٰ یا خداوند کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا نہیں تقویٰ کرتے تم کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو

اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾
بہتر کو سب پیدا کرنے والوں سے (یعنی) اللہ کو جو رب ہے تمہارا اور رب ہے باپ دادا تمہارے پہلوں کا

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾
پس تکذیب کی انہوں نے اس کی پس یقیناً وہ البتہ حاضر کئے جانیوالے ہیں سوائے بندوں کے اللہ کے چنے ہوؤں کے

اس نے بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کروائی جس سے بنی اسرائیل بت پرستی کی طرف مائل ہوئے۔یہوداہ میں بسنے والے یہود بھی انہیں کے نقش قدم پر چلے۔حضرت الیاس بنی اسرائیل کی دونوں ریاستوں کی طرف مبعوث ہوئے۔آپ کا وعظ خاص طور پر بعل کے خلاف تھا (Jew Encyclopedia) گویا آپ کی تبلیغ کا مرکزی نکتہ بھی شرک کا ابطال ہی تھا۔

۱۲۵تا۱۲۷۔آپ نے اپنی مشرک قوم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور کہا کہ کیا تمہیں خدا کا کوئی خوف نہیں۔تم احسن الخالقین کو چھوڑ کر اپنی حاجت روائی کے لئے بعل کو پکارتے ہو۔ اللہ نے تمہیں اور تمہارے آباء واجداد کو محض پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ان سب کی ربوبیت بھی فرمائی۔ انہیں یاد دلایا کہ حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو گزرے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے جو تمہارے آباء و اجداد تھے اور اللہ کے موحدّ بندے تھے۔ انہیں بتلایا کہ اس خالق کون و مکان کے مقابلہ میں تمہارے پتھر کے معبود کی بے بسی اور بے اختیاری کا یہ عالم ہے کہ کچھ بھی بنانے پر قادر نہیں بلکہ خود انسانوں کا تراشیدہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو خلق کرنے والوں میں سے سب سے بہتر کہا گویا بعض کو کسی حد تک خلق کی قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں جیسا کہ سائنسدان Cloning وغیرہ سے خلق کرنے کی کوشش کررہے ہیں لیکن احسن الخالقین کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

۱۲۸۔۱۲۹۔ دیگر تمام انبیاء کی طرح آپ کو بھی تبلیغ حق کی پاداش میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا اور اپنی قوم کی ہدایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔آپ کا مقابلہ حیفہ کے قریب کرمل پہاڑی پر بعل بت کے ۴۰۰ پجاریوں سے ہوا۔ جنہوں نے شکست کھائی لیکن ہدایت کی طرف مائل نہ ہوئے۔ان پر اللہ کی طرف سے خشک سالی اور قحط کا عذاب آیا جو آپ کی دعا سے دور ہوا لیکن یہ قوم ہدایت حاصل کرنے کی بجائے آپ کی مخالفت میں بڑھتی ہی چلی گئی یہانتک کہ آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا مگر آپ ہجرت فرما گئے۔ ان کی ساری سرکشیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عذاب کے لئے پیش کئے جانے والوں میں سے ہوگئے۔یہ

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّا

اور چھوڑا ہم نے اس پر پچھلوں میں ذکر کہ سلامتی ہو الیاس پر یقیناً ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو یقیناً وہ بندوں ہمارے ایمانداروں میں سے تھا

عذاب دنیا میں بھی ملا اور دونوں ریاستیں اپنے حکمرانوں سمیت عذاب کی لپیٹ میں آئیں اور آخرت کو بھی مقدر ہوگا۔ سنت اللہ ہمیشہ سے یہی ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کو بچا لیتا ہے۔ پس آپ کے ساتھ آپ کے متبعین بھی بچائے گئے۔

۱۳۰۔۱۳۱۔حضرت الیاسؑ کی زندگی میں آپ کی شدید مخالفت کی گئی لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے رتبہ کو حد سے زیادہ بڑھا دیا اور یہ مشہور کیا گیا کہ الیاسؑ ایک بگولے میں آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔ (۲سلاطین۔ باب دوم) اور وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی یہی الفاظ مشہور ہیں۔ یہاں الیاسین پر سلام بھیجا جو الیاس کی جمع ہے گویا بتادیا کہ الیاس اور بھی آنے والے ہیں ،جن پر سلام ہو۔یہودی اور اسلامی لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ الیاس تین ہیں۔ ایک یہ الیاس دوسرے حضرت یحیٰؑ جو مسیحؑ سے پہلے الیاس کے رنگ میں آئے اور تیسرے حضرت مسیح موعودؑ سے پہلے الیاس کے رنگ میں آنے والے حضرت سید احمد شہید بریلویؒ ہیں۔نیز اردو اور پنجابی کی طرح عبرانی طرز کلام میں بھی واحد کے لئے عزت کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا آپ کی غیر معمولی قربانی کی وجہ سے تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کی بعثت سے پہلے یہود تین آنے والے نبیوں کا انتظار کرتے تھے ۔ پہلے ایلیا دوسرے مسیح تیسرے ''وہ نبی'' (آنحضرت ﷺ)جب حضرت یحیٰؑ مبعوث ہوئے اور لوگوں سے بپتسمہ لینا شروع کیا تو یہودی علماء نے آپ سے پوچھا کہ کیا تم مسیح ہو؟انہوں نے کہا نہیں۔پھر پوچھا کیا تم ایلیا ہو۔انہوں نے کہا: نہیں۔پھر پوچھا کیا تم ''وہ نبی'' ہو ۔انہوں نے کہا میں وہ بھی نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر تم ان تینوں میں سے نہیں ہو تو بپتسمہ کیوں لیتے ہو۔(یوحنا :۱۹۔۲۶) جب حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ہوئی تو یہودیوں کو خیال ہوا کہ شاید ایلیاہ نبی آگئے ہیں (مرقس :۶۔۱۴۔۱۵)خود حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو بھی خیال تھا کہ ایلیا نبی آنے والے ہیں مگر عیسیٰؑ نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو دور کردیا کہ'' ایلیاہ تو آچکا اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا'' اس سے حواری سمجھ گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحیٰؑ ہی تھے جو ایلیاہ کے رنگ میں آئے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گزرے ہوئے حضرت الیاسؑ ۔(متی ۱۱:۱۴۔متی ۱۷:۱۰۔۱۳)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور یقیناً لوط البتہ رسولوں میں سے تھا جب نجات دی ہم نے اسے اور گھر والوں کو اس کے سب کو

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَاِنَّكُمْ

سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی پھر ہلاک کیا ہم نے اوروں کو اور یقیناً تم

لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَ ع۴ ۲۵ ۸

البتہ گذرتے ہو ان پر صبح کرتے ہوئے اور رات کو کیا پھر نہیں عقل کرتے تم اور

اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۱﴾

یقیناً یونس البتہ رسولوں میں سے ہے جب وہ بھاگا طرف کشتی بھری ہوئی کے

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ

پس قرعہ ڈالا تو ہوگیا وہ دھکیلے ہوؤں میں سے پس نگل لیا اُسے مچھلی نے اور وہ

۱۳۲۔ہم محسنوں کو اس طرح بھی جزاء دیتے ہیں کہ ان میں الیاسین کثرت سے پیدا کرتے ہیں۔

۱۳۳۔حضرت الیاسؑ جن کا تذکرہ جاری تھا وہ یقیناً ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

۱۳۴تا۱۳۹۔حضرت لوطؑ کا ذکر تفصیلاً(سورۃ الاعراف ۸۱تا۸۵ ۔سورۃ ھود ۷۰ تا ۸۴۔ الحجر ۵۹تا۷۸ اور سورۃ الشعراء ۱۶۱تا۱۷۶)میں گزر چکا ہے استفادہ فرمایئے۔

انبیاء علیہم السلام کا ترتیب سے ذکر جاری تھا۔ اب ترتیب سے ہٹ کر حضرت ابراھیمؑ کے ہم عصر حضرت لوطؑ کا ذکر فرمایا۔ آپ کے بعد حضرت یونسؑ کا ذکر پھر ترتیب سے ہے۔ دراصل تاریخی ترتیب کو چھوڑ کر حضرت لوطؑ کا ذکر محض اس لئے آیا کہ اہل عرب نے ان تمام انبیاء کا صرف ذکر ہی سنا ہوا تھا جبکہ لوطؑ کی تباہ شدہ بستیوں سے وہ دن رات گزرتے تھے ۔ یہاں اس طرف توجہ دلائی کہ سامان عبرت تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے ۔قوم لوط کی تباہی کے آثار اپنے سفروں میں دیکھتے ہو پھر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے اور منکرین انبیاء کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

۱۴۰۔۱۴۲۔حضرت یونسؑ کے واقعات تفصیلاً(سورۃ یونس :۹۹اور سورۃ الانبیاء ۸۸۔۹۸) میں بیان ہوئے ہیں استفادہ فرمایئے۔

اَبَقَ۔اِباق ۔ غلاموں کا بھاگنا اور چلا جانا ہے جبکہ انہیں کوئی خوف ہو نہ ان سے زیادہ مشقت لی جاتی ہو۔**المشحون۔ الشحن** کشتی یا جہاز میں سامان لادنا **المشحون**۔بھری ہوئی۔ **ساھم۔ سَھْم** تیر کو کہتے ہیں۔ **سَاھَمَ** دوسرے کے ساتھ قرعہ اندازی کی ۔

هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ

اپنے آپکو) ملامت کرنیوالا تھا — پس اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ تھا — تسبیح کرنے والوں میں سے — البتہ رہتا

فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ

پیٹ میں اسکے — اس دن تک کہ لوگ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے — پس ڈال دیا ہم نے اُسے کھلے میدان میں — اور وہ

مُدحضین۔ **دحض** اصل میں پھسلنا ہے۔ دلیل کا باطل ہونا۔ مراد مغلوب ہونا۔ **مدحضین** دھکیلے ہوؤں میں سے۔

اس آخری رکوع کے شروع میں حضرت یونسؑ کا ذکر ہے پھر توحید کا بیان ہے۔ اس کے بعد صاف صاف پیشگوئی فرمائی کہ نبی کامل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخرکار مظفر ومنصور ہوں گے اور مومنین اپنے مخالفین پر غالب آئیں گے۔ فرمایا یونسؑ بھی ہمارے رسولوں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ منصبِ نبوت پر اُسے فائز کرتا ہے جو اس مرتبہ عالیہ کا اہل ہو۔ حضرت یونسؑ یقیناً اہل تھے۔

ہجرت سنتِ انبیاء ہے جو شدید مصائب کے بعد حکم الٰہی سے کی جاتی ہے۔ اس میں بہت اجر ہے۔ حضرت یونسؑ کی ہجرت کو اَبَقَ کہا گویا آپ اپنے آقا و مالک سے بِنا اِذن بھاگے ہوئے تھے۔ دراصل آپ کے مصائب ابھی اُس حد تک نہیں پہنچے تھے کہ ہجرت ضروری ہوتی سورۃ القلم ۴۹:۲۸ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو مخاطب فرمایا **فاصبر لحُکمِ ربِّکَ ولاتکن کصاحبِ الحُوت** ط مصائب پر صبر کر یعنی خوف کی حالت میں رہ کر دعوت اور تبلیغ کا کام جاری رکھ اور صاحبِ حوت کی طرح مت بن۔ انبیاء اطاعت کے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ بلا اذنِ الٰہی ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ حضرت یونسؑ سے کوتاہی یہ ہوئی کہ آپ غلط فہمی میں اپنے ربّ کی اجازت کے بغیر بھاگے اور ایک بھری ہوئی کشتی میں سوار ہوگئے۔ راستے میں کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ کشتی میں گنجائش سے زیادہ مسافر بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے فیصلہ ہوا کہ کشتی کا وزن کم کرنے کے لئے ایک مسافر کو سمندر میں پھینک دیا جائے تاکہ کشتی الٹنے سے بچ جائے۔ قرعہ اندازی کی گئی تو آپ کا نام نکلا اور آپ سمندر میں پھینک دئے گئے۔ یہ قرعہ اندازی کسی کو مجرم ثابت کرنے کے لئے نہیں تھی بلکہ صرف اس لئے تھی کہ کسی ایک کا تعین کیا جاسکے اور یہ جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سفر پر جانے سے پہلے قرعہ ڈالتے۔ جس بیوی کا نام نکلتا وہ آپؐ کے ہمراہ جاتی۔

۱۴۳تا۱۴۵۔ **التقم**۔ **لقم**۔ لُقمہ لینا۔ جلدی سے نگل جانا۔ **حُوت** بڑی مچھلی۔ **ملیم** ملامت کرنے والا۔ (اپنے نفس کو)

سَقِيْمٌ ﴿۱۴۶﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَ

بیمار تھا — اور اُگایا ہم نے — اس پر — ایک درخت — بیل والا — اور

آپ کو مچھلی نے نگل لیا۔ اندازہ ہے کہ یہ وھیل مچھلی تھی۔ وھیل کے پیٹ میں آکسیجن ہوتی ہے جس سے آپ کا سانس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ آپ کی تسبیح کا ذکر سورۃ الانبیاء:۸۸ میں ہے جب آپ نے اندھیروں میں اپنے رب کو پکارا **لآ اِلٰـہ اِلّا اَنت سُبحٰنک اِنّی کُنتُ مِنَ الظّٰلمِیْنَ** o اللہ تعالیٰ نے آپ کی درد میں ڈوبی ہوئی پکار کو سنا اور آپ کو غم سے نجات دی۔ ساتھ ہی اپنے خطا کار کمزور بندوں کو خوشخبری دی کہ جو بھی سچے دِل سے اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ ہم اس آیت کریمہ کے ورد کی برکت سے اس کے گناہوں اور ہر قسم کی پریشانیوں سے اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ الانبیاء:۸۹۔ **یوم یُبعَثون** محاورہ کے طور پر کہا کہ اگر آپ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو ایک لمبے عرصہ تک اس کے پیٹ میں رہتے۔ گویا مچھلی کا پیٹ ہی آپ کی قبر بنتا۔

۱۴۶۔۱۴۷۔ **عَـرَآء**۔ جس میدان میں کاشت نہ ہوتی ہو۔ خود رو جھاڑیاں ہوں۔ **یقطین**۔ ہر بیلدار پودا۔ کدو یا کریلے کی طرز کی بیل۔ بعض نے تربوز کی بیل لکھا ہے جو صحرا میں دریا کے کنارے عام اگتی ہے۔ **شجر** کے لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ بیل کسی درخت پر چڑھی ہوئی تھی۔ ممکن ہے یہ ناریل کا درخت ہو۔ اس کے لئے بھی ایسی ہی زمین درکار ہوتی ہے۔

آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنی دیر رہے۔ اقوالِ سلف میں مختلف آراء ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مچھلی نے چاشت کے وقت آپ کو نگلا اور ظہر کے وقت پھینک دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی رائے میں آپ مچھلی کے پیٹ میں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہے۔ آج کل یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ وھیل مچھلی ثابت انسان کو نگل نہیں سکتی۔ سو عین ممکن ہے کہ آج سے تقریباً تین ہزار سال قبل وھیل مچھلی کی کوئی ایسی عظیم الجثہ قسم موجود ہو جو اِس زمانہ میں ناپید ہوچکی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے دل میں تحریک کی کہ وہ قے کرکے آپ کو میدان میں پھینک دے۔ اس کڑی آزمائش میں اللہ کے خاص احسان سے معجزانہ طور پر آپ کی جان بچ گئی مگر آپ کا بیمار ہونا لازمی تھا۔ اس میدان میں درخت پر چڑھی ہوئی بیل سے نہ صرف سایہ مہیا ہوا بلکہ آپ کے کھانے پینے کا انتظام بھی ہوگیا۔ اس بیل میں الٰہی تصرف سے آپ کے لئے شفا بھی تھی۔ آج بھی اطباء کدو کو شفا بخش قرار دیتے ہیں۔ اس میں سِل سے بچاؤ کا مدافعتی مادہ ہے۔ کیمیاوی اعتبار سے کدو دوسری ترکاریوں سے بہتر ہے اس میں وٹامن B اور C

اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ

بھیجا ہم نے اُسے طرف لاکھ آدمی کے بلکہ زیادہ تھے پس وہ ایمان لائے تو فائدہ دیا ہم نے انہیں

اِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾

کچھ وقت تک پس پوچھ ان سے کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں اور ان کے بیٹے ہیں

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ

یا پیدا کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں اور وہ حاضر تھے آگاہ ہو جاؤ یقیناً وہ

مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾

اپنے افترا سے البتہ کہتے ہیں بیٹا بنایا خدا نے اور یقیناً وہ البتہ جھوٹے ہیں

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾

کیا اس نے ترجیح دی بیٹیوں کو بیٹوں پر کیا ہوا تمہیں کیسا فیصلہ کرتے ہو

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَاْتُوْا

کیا پھر نہیں نصیحت پکڑو گے تم کیا تمہارے لیے ہے کوئی دلیل کھلی کھلی پس لاؤ

بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ

اپنی کتاب اگر ہو تم سچے اور ٹھہرائی انہوں نے درمیان اس کے اور درمیان

کے علاوہ کیلشیم، فاسفورس، آئرن پوٹیشیم اور آئیڈین جیسی مفید دھاتیں ملتیں ہیں کدو کی تاثیر سرد ہے پیشاب آور ہے اور صفراوی کیفیت کو ختم کرتا ہے۔مزاج کا چڑچڑاپن دور کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ ترکاری بہت مرغوب تھی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو کدو پسند تھا۔ ایک دعوت میں کدو تھا مجھے معلوم تھا آپؐ کو بہت پسند ہے میں اس کے قتلے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضورؐ کے سامنے کردیتا تھا۔(شمائل ترمذی۔۸۳)

۱۴۸۔۱۴۹۔ یہاں سے شفا یاب ہو کر آپ پھر اپنے مشن پر روانہ ہوئے اور واپس اپنی بستی میں آئے جو ایک لاکھ سے زائد نفوس پر مشتمل تھی۔ وہ سب ایمان لے آئے اور ایک لمبا عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے متمتع ہوتے رہے۔

۱۵۰۔۱۵۸۔ اس سورۃ کو توحید کے بیان سے شروع کیا۔پھر مختلف انبیاء علیھم السلام کے واقعات میں منکرین کے لئے بہت سی نصائح بیان فرمائیں تا وہ غور کریں کہ آیا وہی کچھ تو نہیں کر رہے جو پہلے تمام منکرین انبیاء کرتے رہے ہیں ۔اب مضمون کو شروع سورۃ کے مضامین کی طرف عود فرمایا اور اثبات توحید اور شرک کے بطلان کو مختلف دلائل سے ثابت کیا۔سب سے پہلے اہل مکہ کے اس باطل عقیدہ کا ردّ فرمایا جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔فرمایا کیا وہ اس پر شاہد ہیں یا محض ایک جھوٹ گھڑ رہے ہیں۔ قرآن کریم نیکی کے معاملہ میں مرد اور عورت میں کوئی

الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

جنوں کے رشتہ داری حالانکہ یقیناً یقیناً جان لیا ہے جنوں نے کہ وہ ضرور حاضر کیے جانے والے ہیں

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾

پاک ہے اللہ اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں سوائے بندوں اللہ کے چنے ہوؤں کے

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا

پس یقیناً تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو نہیں تم مقابلہ پر اس کے ہرگز گمراہ کرنے والے مگر

مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّ

اسی کو کہ جو داخل ہونیوالا ہے دوزخ میں اور نہیں ہم میں سے مگر اس کا ہے مقام مقرر اور

تفریق نہیں کرتا ہر نیکی میں دونوں برابر کے شریک اور برابر اجر کے مستحق ہیں۔ اہل عرب بیٹوں کو بیٹیوں پر فائق سمجھتے تھے۔ جبکہ اسلام نے عورت کو اس کے جائز حقوق دلائے اور اس کی عزت کو بحال کیا۔ یہاں یہ بتایا کہ تمہارا یہ عقیدہ تمہارے اپنے رسم و رواج کے منافی ہے ۔ وہ ذات پاک جو تمام جہانوں میں افضل و اعلیٰ ہے اس کے لئے وہ پسند کرتے ہو جو تمہیں اپنے لئے پسند نہیں۔ تمہیں کیا ہوا۔ کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیوں سمجھتے نہیں کیا اس باطل عقیدہ کے اثبات میں تمہارے پاس کوئی کھلی اور روشن دلیل ہے یا کسی آسمانی کتاب سے یہ ثابت ہے ۔ جب کوئی شہادت ہے نہ دلیل اور نہ ہی کوئی کتاب، تو کیوں جھوٹ گھڑتے ہو۔

۱۵۹۔ فرشتوں کا ذکر تھا۔ فرشتوں کے لئے بوجہ ان کے پوشیدہ ہونے کے جنّ کا لفظ استعمال کیا ۔ کفار مکہ نے ان سے اللہ تعالیٰ کا رشتہ جوڑا ہوا ہے ۔ حالانکہ فرشتے جانتے ہیں کہ ایسے تمام غلط عقائد کے لوگ مجرم کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے والے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ مشرکین مکہ میں یہ باطل عقیدہ بھی رائج تھا کہ خداتعالیٰ جنوں میں شادی کرتا ہے اور بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں جو فرشتے کہلاتے ہیں ۔ حالانکہ شیاطین اور جنّات جانتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کے حضور ضرور پیش کئے جانے والے ہیں ۔ جیسے ابلیس اور اس کی ذریت وغیرہ۔

۱۶۰۔ جب بھی شرک کی بات ہو سبحان اللہ آتا ہے ۔یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بیہودہ لغویات سے پاک ہے۔

۱۶۱۔ ہاں اللہ کے خاص بندے ان باتوں سے مستثنیٰ ہیں ۔ یہ معنی بھی ہیں کہ بیشک اسے کسی رشتہ داری کی حاجت نہیں ہاں اس نے بعض بندوں کو اپنے لئے خالص کرلیا ہے جن سے اسے شدید تعلق ہے اور وہ اس کے دوست اور پیارے ہیں ۔

۱۶۲تا۱۶۴۔**علیہ** میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے ۔یعنی اس کے خلاف یا اس کی راہ

اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ

یقیناً ضرور ہی ہم صف باندھنے والے ہیں اور یقیناً ہم ضرور ہی تسبیح کرنے والے ہیں اور یقیناً

كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

ہیں وہ ضرور کہتے کہ اگر ہوتی یقیناً پاس ہمارے کوئی کتاب پہلوں کی

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ

البتہ ہوتے ہم بندے اللہ کے چنے ہوئے پس کفر کیا انہوں نے اس کا سو عنقریب وہ

سے ہٹا کر۔ **فتنین** ۔ فتن آگ یا دکھ میں ڈالنا۔ ابتلاء و آزمائش میں ڈالنا **فاتنین** ۔ فتنہ میں ڈالنے والے ۔ گمراہ کرنے والے۔

ان کے عقائد باطلہ کے بیان کے بعد بتایا کہ مشرکین یا ان کے جھوٹے معبود یعنی شیاطین وغیرہ کا انسان پر کوئی اختیار نہیں کہ کسی کو زبردستی کسی فتنہ یعنی امتحان، آزمائش یا دکھ وغیرہ میں ڈال سکیں اور گمراہ کرسکیں۔ ہاں جو بدبخت اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے جہنم کی راہ اختیار کرتا ہے وہی جہنم میں جانے والا ہے۔ اس میں کمزور ایمان والوں کے اس عقیدہ کا بھی ردّ ہے کہ فلاں پیر کے قابو میں جنّ ہے وہ جسے چاہے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

۱۶۵تا۱۶۷۔شروع سورۃ سے مشرکین و مومنین دونوں کا ذکر جاری ہے ۔مشرکین کے عقائدِ باطلہ کے بیان کے بعد اب مومنین کا ذکر کیا جن کو باربار **عباداللہِ المخلصین** کہہ کر پکارا جن کے لئے مقامِ معلوم وہی ہے جس کا قرآن کریم میں بار بار ذکر ہے اور جن کے لئے رزقِ معلوم ہے(آیت :۴۲)یہی صف باندھنے والے ہیں جن کا ذکر شروع سورۃ میں ہوا۔ (استفادہ فرمایئے) اب سورۃ کے آخر میں پھر ان کا ذکر ہے۔ شروع میں فرمایا وہ ذکر کرنے والے ہیں یہاں ان کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ تسبیح کرنے والے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں ملائکہ مراد ہیں۔چونکہ ملائکہ سے بعض مشرکانہ عقائد منسوب کئے گئے تھے اور انہیں خدائی میں شریک کرتے تھے۔ اس لئے ملائکہ اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے عاجز بندے ہیں ہم اپنے مقام و مرتبہ سے سرِ مو تجاوز نہیں کرسکتے۔ مقام معلوم کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہم سب کے لئے ایک مقررہ مقام ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم اپنے فرائض کی بجاآوری کے لئے ظلی وجود سے نازل ہوتے ہیں گویا ہمارا نزول تمثیلی رنگ میں ہوتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا حکم سننے کے لئے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ۔ کیا اللہ کے یہ عاجز بندے خدائی میں اس کے شریک ہوسکتے ہیں۔

۱۶۸ تا ۱۷۱ ۔ ذکر کتاب اور رسول دونوں کے لئے آتا ہے ۔ نصیحت کی کتاب

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

جان لیں گے اور یقیناً یقیناً پہلے ہوچکی ہے بات ہماری واسطے بندوں ہمارے بھیجے ہوؤں کے

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

کہ یقیناً وہ ضرور ہی مدد دیئے جانے والے ہیں اور یقیناً لشکر ہمارے ضرور ہی غالب آنے والے ہیں

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾

پس منہ پھیر ان سے کچھ وقت تک اور دیکھ انہیں پس ضرور وہ دیکھ لیں گے

(سورۃ فاطر:۴۳) میں مشرکین کا یہ قول گزر چکا ہے (استفادہ فرمایئے) بعثت رسول سے قبل مشرکین مکّہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی پہلوں کی طرح رسول آتا تو ہم ضرور اللہ کے برگزیدہ بندے بن جاتے۔ جب رسول آیا تو انکار کردیا۔اس انکار کا نتیجہ وہ جلد ہی دیکھ لیں گے۔

ہمیشہ سے اس طرح ہی ہوتا آیا ہے کہ انبیاء سے پہلے بعض پیشگوئیوں کی بناء پر رسول کا انتظار ہوتا ہے۔ زمانے کے حالات بھی ایک رسول کا تقاضا کرتے ہیں ۔عین وقت پر جب رسول آجاتا ہے تو انکار کردیتے ہیں ۔ وہ جلد ہی اپنا انجام جان جائیں گے۔

۱۷۲تا۱۷۴۔ یہ سورۃ اُن نامساعد حالات میں نازل ہوئی جب کفار کے ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے ۔مکّہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ ہوچکی تھی اور وہ حبشہ پناہ لینے پر مجبور ہوگئے تھے ۔ ان حالات میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ان آیات میں کس تحدی سے اعلان فرمایا کہ ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں کے حق میں ہمارا یہ فیصلہ بہت پہلے سے ہوچکا ہے ۔ گویا یہ طے شدہ امر ہے کہ وہ ضرور مدد دئے جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کبھی بے یارومددگار نہیں چھوڑے گا اور یہ کہ لشکر ہمارا ہی غالب آئے گا اور آخر یہ لشکر مکہ اور عرب سے ہوتا ہوا ایران اور روم کی عظیم سلطنتوں پر غالب آگیا۔

۱۷۵۔۱۷۶۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کچھ عرصہ کے لئے ان سے اعراض کیجئے یہ مراد نہیں کہ ان کی اصلاح سے بالکل غافل ہوجاؤ۔ہاں !اس وقت تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔اس لئے کہ اس وقت ان کا حاصلِ مقصد صرف آپؐ اور آپؐ کے چند جانثاروں کو دکھ دینا تھا۔ہدایت کی طرف اُن کی توجہ ہرگز نہیں تھی۔حقیقت تو یہ ہے کہ ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔پس تو ان کے حال و کردار کو دیکھتا رہ کہ کس طرح گمراہیوں میں بڑھتے چلے جارہے ہیں۔عنقریب وہ بھی دیکھنے لگیں گے، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور جان لیں گے کہ کس طرح ان کی مسلسل مخالفانہ کوششوں کے باوجود اللہ کا لشکر کامیاب ہوا اور ان کو ناکامی اور

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ
کیا پھر عذاب کو ہمارے وہ جلدی طلب کرتے ہیں پس جب وہ اترے گا صحن میں ان کے تو بُری ہوگی
صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ
صبح ڈرائے ہوؤں کی اور منہ پھیر ان سے کچھ مدت تک اور دیکھ
فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾
پس ضرور وہ دیکھیں گے پاک ہے رب تیرا عزت والا اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں
ع ۵ ۴۴ ۹ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾
اور سلامتی ہو رسولوں پر اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں

رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا یہ طے شدہ معیار ہے انبیاء کی صداقت کا، جو آخر ان کی سمجھ میں آجائے گا۔

۱۷۷۔۱۷۸۔ساحۃ۔صحن۔ آنگن۔

عذاب کی آیات نازل ہوتیں تو منکرین انہیں ہنسی میں اڑاتے کہ آخر تم یہ عذاب لے کیوں نہیں آتے ۔ فرمایا جب وہ ان کے آنگن میں اترے گا گویا ان کے سروں پر پہنچ جائے گا اور وہ اپنے گھروں میں مغلوب ہوں گے جیسا کہ دس ہزار قدوسیوں کا لشکر جرار میدان جنگ میں نہیں بلکہ ان کے گھروں تک پہنچ گیا۔ تو ڈرائے ہوؤں کی صبح بہت بُری ہوگی۔ یعنی یہ عذاب اچانک نہیں آ گیا بلکہ وقت کا رسول انہیں مسلسل ڈراتا رہا۔ مگر انہوں نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔

۱۷۹۔۱۸۰۔ان دونوں آیات کی تکرار بتارہی ہے کہ یہ آنے والے زمانے کے لئے ہیں جب ایسے ہی حالات ہوں گے اور یہ غلبہ صحنوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ دنیا کے کونے کونے تک پھیل جائے گا۔ یقیناً یہ آنے والے مسیح کا زمانہ ہے۔

۱۸۱تا۱۸۳۔آخری تین مختصر آیات میں گویا پوری سورۃ کا خلاصہ بیان فرمادیا۔ پہلی آیت میں ان عقائد باطلہ کا ردّ ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوئے۔ فرمایا تیرا ربّ جو تمام عزت اور قوت کا مالک ہے ان عیوب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ دوسری آیت میں تمام مُرسلین پر سلام بھیجا جیسا کہ اس سورۃ میں ہر مُرسل کے بیان کے بعد اس پر سلام بھیجا گیاہے۔ اس سورۃ کے آخر میں غلبۂ اسلام کی پیشگوئیاں بیان فرمائیں ۔اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان کو دیکھتے ہوئے اس آخری آیت میں بندے کی زبان پر بے اختیار اس رب العالمین کی حمد و ثنا جاری ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حمد و ثنا پر ہی اس سورۃ کو ختم کیا۔

احادیث میں ان تینوں آیات کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو سعید خُدریؓ کا

قول ہے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے کئی بار سنا کہ آپؐ نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیات تلاوت فرماتے تھے۔ (قرطبی) تفسیر کبیر میں امام بغویؒ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا یہ قول منقول ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اسے بھرپور پیمانے سے اجر ملے، اسے چاہیئے کہ وہ اپنی ہر مجلس کے آخر میں یہ پڑھا کرے۔ **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○**

☆☆☆

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورة **صٓ**۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی نواسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

یہ سورۃ مکی ہے اورغالباً مکی زمانہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی زیادہ تر توحید و آخرت کا بیان ، حق کی کامیابی کی پیشگوئیاں اور انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں مختلف نصیحت آموز باتیں بیان فرمائیں ۔

پچھلی سورۃ اس انذاری پیشگوئی پر اختتام پذیر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کے صحنوں پر اترنے والا ہے۔اس سورۃ کے آغاز ہی میں انبیاء کی مخالف قوموں کی تباہی کاذکر کرکے مخالفینِ رسول کو متنبہ کیا۔ پچھلی سورۃ کی آخری آیات میں بتلایا کہ لشکر اللہ کا ہی غالب ہوگا۔ اب ایک عظیم لشکر کی پیشگوئی فرمائی جو آنحضرت ﷺ کے مقام پر حملہ آور ہوگا اور بھاگ جائے گا۔ یہ پیشگوئی ہجرت کے بعد جنگ احزاب کے موقع پر بڑی شان سے پوری ہوئی او رمومنین کے تقویت ایمان کا باعث بنی۔ مختلف انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں خاص طور پر حضرت داوٴدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے عروج کے زمانہ میں حکومت کے خلاف بعض سازشوں اور فتنوں کا ذکر کیا جس میں مسلمانوں کے لئے یہ سبق تھا کہ اپنے دورِ اقتدار میں اس قسم کے فتنوں سے ہوشیار ہیں اور ان کا پیشگی سدِّ باب کریں۔ سورۃ کے آخر میں آدمؑ اور ابلیس کے ذکر میں کفار مکّہ کہ یہ باور کروانا مقصود تھا کہ ابلیس کا انکار کرنا تکبر کی وجہ سے تھا جو ہمیشہ کے لئے لعنت کا مورد ٹھہرا۔ اب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے ابلیس جیسے انجام کو دعوت نہ دینا۔

اس سورۃ کے شانِ نزول میں ملتی جلتی مختلف احادیث ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی مخالفت زوروں پر تھی تو سردارانِ مکّہ مختلف وفود کی صورت آپؐ کے چچا ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوتے کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کرتا رہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ بُرا بھلا تو آپؐ پہلے بھی نہیں کہتے تھے ۔ ان کا مقصد تھا کہ لوگوں میں توحید کی تبلیغ بند کردیں یعنی یہ کہ خدا ایک ہے اور پتھر کے معبود محض بے بس اور بے اختیار ہیں جو تمہاری کوئی فریاد رَسی نہیں کرسکتے۔ ایسے ہی ایک وفد کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ! کیا میں تمہیں وہ کلمہ نہ بتاؤں جسے قبول کر لو تو سارا عرب تمہارا مطیع ہوجائے اور اہل عجم تمہارے باج گزار بن جائیں۔ سردارانِ مکّہ نے حیرت سے کہا کہ اگر ایسا ہو تو ایک کلمہ چھوڑ ہم دس کلمے ماننے

کو تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ کلمہ **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ** ہے۔ یہ سن کر وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ کیا ہم اپنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کرلیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اس موقع پر سورۃ ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں سردارانِ قریش کی گفتگو کا ذکر ہے۔ (ترمذی و مسند احمد۔ بروایت حضرت ابن عباسؓ)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿۲﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ

صٓ قسم ہے قرآن نصیحت والے کی بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۳﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا

غرور اور مخالفت میں ہیں کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے قومیں پس چلا اُٹھے

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۴﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

اور نہ رہا تھا وقت خلاصی کا اور تعجب کیا انہوں نے اس پر کہ آیا انکے پاس ڈرانے والا ان میں سے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔**صٓ**۔ صادق۔ صادق القول ۔حروف مقطعات کے کئی معانی ہوسکتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ اسماءِ حُسنیٰ میں سے جن میں بھی لفظ ص آئے ،شروع میں آئے ، آخر میں یا درمیان میں وہ تمام اسماءِ حُسنیٰ یہاں لگ سکتے ہیں۔ **ذکــــر** ۔ یادکرنا قلبی ہو یا لسانی۔ نصیحت۔شرف۔عزت۔ **عزّۃ**۔ **عزّۃ** کبھی باعثِ مدح ہوتی ہے جیسا کہ عام معنی عزت کے ہیں۔ کبھی باعثِ مذمت ہوتی ہے بمعنی جھوٹی عزت اور غرور وغیرہ۔

پچھلی سورۃ کے مضمون کو جاری رکھا اور پہلے رکوع میں ہی قرآن کریم کو ماننے اوراس پر عمل کرنے والوں کی کامیابیوں اور منکرین کے مغلوب ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

فرمایا قرآن کریم کو صادق خدا نے اتارا ہے وہ خدا جس کی باتیں ضرور پوری ہوکر رہیں گی۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن کریم کو شہادت کے طور پر پیش کیا جو نہ صرف خود نصیحت اور شرف ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کے لئے بھی عز وشرف کا موجب ہے ۔ زمانہ گواہ ہے کہ قرآن کریم کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والے بظاہر انتہائی معمولی حیثیت کے لوگوں نے شرفِ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام کو حاصل کیا اور دنیا پر غالب آئے۔ جبکہ انکار کرنے والے جو دنیوی مال ومنال کے زعم میں جھوٹی عزت کے دعویدار تھے اورحق کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے وہ حقیقی شرفِ انسانیت کو ہرگز حاصل نہ کرسکے، اور بالآخر مغلوب ہوئے۔

۴۔**لَات**۔ بعض کے نزدیک **لات** بمعنی **لَیْسَ** ہے ۔بعض نے بمعنی لا کہا ۔ **مناص**۔ ملجا۔ پناہ۔ خلاصی۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۵﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ

اور کہا کافروں نے یہ ہے جادوگر (اور) بہت جھوٹا کیا کر دیا اس نے سب معبودوں کو

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿۶﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ

معبود ایک یقیناً یہ البتہ بات ہے عجیب اور بول اُٹھے سردار

مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ

ان میں سے کہ چلو اور قائم رہو اپنے معبودوں پر یقیناً یہ البتہ بات ہے جس میں کچھ

یہاں بتایا کہ معافی کا وقت عذاب آنے سے پہلے پہلے ہوتا ہے ۔عذاب آجائے تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔ گزشتہ اقوام بھی اسی روش پر تھیں کہ دعوتِ حق کے انکار پر مسلسل ڈٹی رہیں جب پکڑ کا وقت آیا تو چلا اٹھیں ۔مگر اب نجات کا وقت نہیں رہا تھا کہ اس تباہی سے پناہ مل سکتی۔

۵۔انبیاء ہمیشہ ان کی اپنی قوم میں سے ہی ہوتے ہیں اور انہی کی زبان میں دعوت حق دیتے ہیں لیکن کفار کو اس پر بھی تعجب ہوتا ہے۔ وہ نبی کو انسانوں سے ماوریٰ کوئی مخلوق دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے اپنے جیسے ایک عام انسان کو نبی ماننے کو تیار نہیں ہوتے اور ان پر جادوگر اور جھوٹا ہونے کا الزام لگاتے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر بھی یہ سب حالات گزرے آپؐ کو جادوگر اس طور پر (اس Sense میں) کہتے کہ آپ ﷺ کی زبان میں ایسا اثر ہے کہ اچھلے بھلے سمجھدار لوگ آپؐ کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور اپنی عزیز ترین شے آپ ﷺ کے ایک اشارے پر قربان کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ جان کی پروا نہ مال و اولاد کی۔ یقیناً یہ بہت بڑا جادوگر ہے جس نے بھائی کو بھائی سے ماں کو بیٹے سے اور بیوی کو شوہر سے الگ کردیا ہے۔ آپ ﷺ امین اورصدیق تھے۔ جھوٹا اس لئے کہتے کہ شرک کے ہمیشہ کے لئے مٹ جانے اور توحید کے غلبہ کی جو پیشگوئیاں آپ ﷺ فرماتے ، ان کو جھوٹا سمجھتے۔

۶۔جیسا کہ سورۃ کے تعارف میں لکھا گیا ہے کہ اس سورۃ کا ابتدائی حصہ اُس وقت نازل ہوا جب سرداران مکّہ کا وفد ابوطالب کے پاس آیا۔ ان آیات میں اُنہیں کی گفتگو کا ذکر ہے ۔ان کے لئے یقیناً یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ۳۶۰ پتھر کے خداؤں کو اس نے ایک بنا دیا ۔ یہ کیسے سچا ہو سکتا ہے کہ اس کے ایک خدا کو سارے اختیار حاصل ہوں اور ہمارے سارے خدا بے کار ہوجائیں۔ یہ ان کے لئے ایک بالکل نئی اور انہونی بات تھی۔

۷۔**یُراد**۔ ارادہ کیا گیا۔ **ان ھٰذا لشیءٌ یراد**۔ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا ارادہ

يُّرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ إِنْ هٰذَآ

غرض رکھی گئی ہے نہیں سنی ہم نے یہ کسی مذہب پچھلے میں نہیں ہے یہ

إِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ

مگر من گھڑت کیا اُتارا گیا اسی پر ذکر درمیان سے ہمارے بلکہ وہ

فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿٨﴾ اَمْ

شک میں ہیں ذکر سے میرے بلکہ ابھی تک نہیں چکھا انہوں نے عذاب کیا

کرلیا گیا ہے۔گویا توحید کو قائم کرنا اور بت پرستی کا قلع قمع کرنا ایک ایسا امر ہے جس کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرلیا ہے کہ وہ ایسا کر کے رہیں گے۔نیز یہ معنی بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تقریر سے لاجواب ہو کر آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہاں سے چلو اور اپنے معبودوں پر ثابت قدم رہو۔ اس کی تہ میں کوئی بات ضرور ہے۔ آخر کوئی تو غرض ہوگی جو سارے مکّہ کی مخالفت اور سختیاں سہہ رہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طریق سے آپؐ اِن پر حکومت کرنا چاہتے ہیں یا بعض دوسرے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۸۔ **اختلاق**۔ (خَلق) نئی بنائی ہوئی۔

یہ توحید کا پرچار تو قطعی باطل ہے۔کسی پہلے مذہب میں تو ہم نے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا دین ہے جو اس نے خود گھڑ لیا ہے ۔ دراصل آنحضرتﷺ کے زمانہ میں کوئی مذہب بھی خالص توحید پر قائم نہیں تھا سب میں شرک کی ملونی تھی۔ عیسائی بھی تین خداؤں کے قائل تھے۔قرآن کریم کی ہر آیت کے کئی کئی معانی ہیں۔عربی میں **اٰخــرُ اوّل** کے مقابلہ میں آتا ہے جبکہ **اٰخَرُ** واحد کے مقابلہ میں یعنی دوسرا۔ **الدارالاٰخرہ** سے نشاۃ ثانیہ مراد لی جاتی ہے (مفردات) اس لحاظ سے **الـملّۃ الاٰخرۃ** سے مراد آنے والی ملت ہے گویا ہم نے کسی آنے والی ملت کے بارہ میں بھی ایسا نہیں سنا تھا۔

۹۔سردارانِ مکّہ کو ہمیشہ یہی اعتراض رہا کہ وہ کتاب جس کے ماننے والوں سے عرب و عجم کی حکمرانی کے وعدے ہیں اور جو قوموں کے لئے باعثِ عزّ و شرف ہوگی۔ اس کا اہل عبدالمطلب کا یتیم پوتا ہی کیوں تھا؟ ہم جو قوم کے سردار ہیں کیا ہم میں سے کوئی اس قابل نہ تھا؟ یہی تکبر اور جھوٹی عزت ان کے قبول اسلام میں مانع رہی۔(آیت :۳)

اے محمدؐ! حقیقت یہ ہے کہ یہ تجھے نہیں جھٹلاتے، تیرے خدا کو جھٹلا رہے ہیں ۔ اس لئے

عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ اَمْ

پاس ان کے خزانے ہیں رحمت کے رب کے تیرے جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے کیا

لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا

ان کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی اور اس کی جو درمیان ہے ان دونوں کے پس چاہیئے کہ چڑھ

فِي الْاَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿١١﴾

جائیں اسباب میں لشکر کئی یہاں پر بھگایا جانے والا ہے مختلف جماعتوں میں سے

کہ ہماری وحی کے نازل ہونے میں شک میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہ آپؐ کے شدید دشمن ابوجہل نے ایک موقع پر کہا کہ محمدؐ ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے ہم تو اس تعلیم کی تکذیب کرتے ہیں جسے تو پیش کررہا ہے۔(ترمذی کتاب التفسیر)ان کی یہ ساری شوخی اور گستاخی محض اس لئے ہے کہ انہوں نے ابھی آنے والی تباہی کو نہیں دیکھا۔آیت:۴ میں گزرا کہ عذاب سے پہلے حق بات سننے اورغور کرنے کو تیار نہیں ہوتے جب عذاب آجاتا ہے تو مہلت نہیں ملتی کہ توبہ کرسکیں اور پکڑے جاتے ہیں۔

۱۰۔۱۱۔**ارتقاء**۔ اوپر چڑھنا۔ ترقی کرنا۔ یہاں **ارتقاء** سے مراد اسباب یا ذرائع میں ترقی کرنا یا آگے بڑھنا ہے۔

سردارانِ مکّہ کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ نبوت محمدؐ کو کیوں ملی۔ فرمایا اللہ غالب اور بہت عطا کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں روحانی نعمتوں کی نہ مادی نعمتوں کی۔ وہ جس کو اہل سمجھتا ہے عطا کرتا ہے۔ ان کو بھی اس کی رحمت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ عزیز الوھّاب کی رحمت کے خزانے سب کے لئے کھلے ہیں۔ اہل تو بنیں۔

ان کی بے اختیاری کا تو یہ حال ہے کہ اللہ کی رحمت کے خزانوں میں ان کا کوئی دخل ہے نہ کائنات کی کسی چیز کے مالک ہیں۔اگر ان کو کچھ بھی اختیار حاصل ہے تو ہر تدبیر کو بروئے کار لائیں۔وسائل و ذرائع سے اوپر چڑھ جائیں اورتلاش کریں کہ کائنات میں اللہ کے سوا کسی اور کا بھی دخل ہے ظاہر ہے کہ انہیں یہ قدرت حاصل نہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کو جو احکام مل رہے ہیں وہ انہیں پسند نہیں۔ان کے بس میں ہے تو اوپر جائیں اور اپنی منشا کے مطابق احکام صادر کروا لائیں یا یہ کہ اپنی پسند کی کتاب لے آئیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ محمدؐ کی نصرت الٰہی کو رکوا دیں۔ **فلیرتقوا فی الاسباب** کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ مختلف اسباب سے ترقی کرلیں مختلف طریقے آزمالیں ، اسی نتیجہ پر پہنچیں گے ۔ آج سائنسدان اوپر گئے اور بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے کسی

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾

تکذیب کی پہلے ان سے قوم نوح اور عاد اور فرعون میخوں والے نے

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۚ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾

اور ثمود اور قوم لوط نے اور بن والوں نے یہ لوگ مختلف جماعتیں ہیں

ع ۱۵ ۱۰ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ

نہیں ان سب نے مگر جھٹلایا رسولوں کو پس ثابت ہوا عذاب میرا اور نہیں انتظار کرتے

نے زبان سے اقرار کیا اور کسی نے زبان حال سے کہ کل کائنات تیرے عزیز القہار ربّ کی ملکیت ہے ۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں۔ ان دونوں آیات میں یہ بتایا کہ غالب آنے کے اسباب ان کے قبضہ میں نہیں۔وہ صرف اللہ **عزیز الوهاب** کے قبضہ میں ہیں ۔ جسے چاہے غالب کرے۔

۱۲۔ **هُنَالِكَ** ۔وہاں۔ مدینہ منورہ کی طرف اشارہ ہے۔ **جُنْدٌ**۔لشکر۔ **مهزومٌ**۔ هزم۔ کسی چیز کو دبانا یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے۔ اسی سے **هزيمت** بمعنی شکست ہے ۔ **مهزوم** ۔ شکست کھایا ہوا ۔ شکست خوردہ۔ **احزاب** ۔حزب کی جمع۔ گروہ۔

متصل آیات میں خوب واضح کیا کہ کفار و مشرکین جتنا چاہیں زور لگائیں ہرگز غالب نہیں آئیں گے۔ ان ناموافق حالات میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے غالب آنے کے آثار قطعاً معدوم تھے ایک ایسے لشکر کی خبر دی جو مختلف جتھوں میں اکٹھا ہو کر آئے گا اور شکست کھائے گا۔ یہ عظیم پیشگوئی جنگ احزاب کے موقع پر پوری ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک روشن دلیل ثابت ہوئی۔ ابتدائی سورۃ کی اس چھوٹی سی آیت میں جنگ احزاب کا پورا نقشہ بیان فرمایا۔ کہ کفار و مشرکین اور اہل کتاب ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں کے مقابل آئیں گے اور شکست کھائیں گے۔ **من الاحزاب** میں اشارہ پہلی قوموں کے لشکروں کی طرف ہے اور بتایا کہ جس طرح انبیاء سابقہ کی مخالفت میں مختلف لشکر اکٹھے ہوئے اور شکست کھائی آپ کی مخالفت میں بھی مختلف لشکر جمع ہو کر حملہ آور ہوں گے اور شکست کھائیں گے ۔ اگلی دونوں آیات میں ان کی تصریح فرمائی۔ ممکن ہے اس آیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس جنگ کا نام غزوہ احزاب اور لشکروں کا نام احزاب رکھا گیا ہو۔

۱۳تا۱۵۔ **اوتاد** ۔وتد کی جمع ہے۔ میخ۔ **ذوالاوتاد** ۔ میخوں والا۔ میخ زمین میں مضبوطی سے گڑ جاتی ہے ۔ یا تو فرعون کی طاقت اور سلطنت کی مضبوطی کی طرف اشارہ ہے یا اس کے

هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا

یہ لوگ مگر ایک تند آواز یکدم کا نہیں اس کیلئے کوئی مہلت اور کہا انہوں نے

رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى

اے رب ہمارے جلدی دے ہمیں حصہ ہمارا قبل روز حساب کے صبر کر اس پر

مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ

جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر بندے ہمارے داؤد صاحب قوت کو یقیناً وہ تھا بہت

لشکروں کی طرف اشارہ ہے جن کے خیمے دور دور تک میخوں سے گڑے نظر آتے تھے۔ **اصحابُ لـئيكة** ۔ بَن والے۔قوم شعیبؑ ۔(تشریح سورۃ الحجر:۷۹) اس سورۃ میں مختلف انبیاء کا ذکر ہے۔ ان کے حالات میں بطور پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان فرمائے نیز ان قصص میں بہت سی نصیحت آموز باتیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو تسلی دی کہ مختلف جتھوں کا اکٹھا ہو کر حملہ آور ہونا آپؐ سے ہی خاص نہیں۔ آپؐ سے پہلے تمام انبیاء کے ساتھ ان کے مخالفین کا یہی سلوک رہا۔ وہ جتھوں کو اکٹھا کر کے لاتے اور شکست کھاتے مِن الاحزاب میں انہی جتھوں کا ذکر ہے۔یہاں مکذبین انبیاء کی ترتیب تاریخی نہیں بلکہ مکانی ہے۔پہلی آیت میں وہ مقامات ہیں جو حجاز سے دور تھے۔ دوسری آیت میں وہ مقامات ہیں جو بالکل قریب تھے اہل حجاز اپنے سفروں میں ان مقامات کے کھنڈرات سے گزرتے رہتے تھے جہاں ان قوموں کی تباہی کے نشانات موجود تھے۔فرمایا ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا ۔ پس ان پر عذاب واجب ہوگیا۔ جب تک ان کی بداعمالیاں اور سرکشیاں اس آخری مقام تک نہیں پہنچیں کہ ہلاک کئے جاتے انہیں مہلت ملتی رہی مگر افسوس انہوں نے مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا اور مٹادئے گئے۔

۱۶۔۱۷۔ **فواق**۔ (فوق)افاقہ۔ وقفہ۔ تھوڑا عرصہ۔ **قِطَّنَا**۔ قِط حصہ ہے جو کسی کے لئے الگ کردیا جائے گویا وہ قطع کردیا۔ قطّنا۔ ہمارا حصہ۔

اس دوسرے رکوع میں حضرت داؤدؑ اور ان کے مخالفین کا ذکر ہے جو ہر طرح کے حفاظتی انتظامات کے باوجود آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ مکذبین انبیاء کی تباہ شدہ بستیوں سے ان کا شب و روز گزر ہوتا ہے لیکن ہرگز عبرت حاصل نہیں کرتے۔ چونکہ یومِ بعث کے قائل نہیں تھے اس لئے بطور استہزا کہتے کہ آخرت کا تو اعتبار نہیں آئے نہ آئے ۔ تو ہمارے حصہ کا عذاب ابھی ہم پر نازل کردے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۳﴾
تکذیب کی پہلے ان سے قوم نوح اور عاد اور فرعون میخوں والے نے

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۴﴾
اور ثمود اور قوم لوط نے اور بن والوں نے یہ لوگ مختلف جماعتیں ہیں

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۵﴾ ع وَمَا يَنْظُرُ
نہیں ان سب نے مگر جھٹلایا رسولوں کو پس ثابت ہوا عذاب میرا اور نہیں انتظار کرتے

ع ۱۵/۱

۱۰

نے زبان سے اقرار کیا اور کسی نے زبانِ حال سے کہ کل کائنات تیرے عزیز القہار ربّ کی ملکیت ہے ۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں۔ ان دونوں آیات میں یہ بتایا کہ غالب آنے کے اسباب ان کے قبضہ میں نہیں۔وہ صرف اللہ **عزیز الوھاب** کے قبضہ میں ہیں ۔ جسے چاہے غالب کرے۔

۱۲۔ **ھُنالکَ** ۔وہاں۔ مدینہ منورہ کی طرف اشارہ ہے۔ **جُندٌ** ۔لشکر۔ **مھزومٌ** ۔ ھزم۔ کسی چیز کو دبانا یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے۔ اسی سے **ھزیمت** بمعنی شکست ہے ۔ **مھزوم** ۔ شکست کھایا ہوا ۔ شکست خوردہ۔ **احزاب** ۔ حزب کی جمع۔ گروہ۔

متصل آیات میں خوب واضح کیا کہ کفار و مشرکین جتنا چاہیں زور لگائیں ہرگز غالب نہیں آئیں گے۔ ان ناموافق حالات میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غالب آنے کے آثار قطعاً معدوم تھے ایک ایسے لشکر کی خبر دی جو مختلف جتھوں میں اکٹھا ہو کر آئے گا اور شکست کھائے گا۔ یہ عظیم پیشگوئی جنگ احزاب کے موقع پر پوری ہو کر آنحضرت ﷺ کی صداقت پر ایک روشن دلیل ثابت ہوئی۔ ابتدائی سورۃ کی اس چھوٹی سی آیت میں جنگ احزاب کا پورا نقشہ بیان فرمایا۔ کہ کفار و مشرکین اور اہل کتاب ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں کے مقابل آئیں گے اور شکست کھائیں گے۔ **من الاحزاب** میں اشارہ پہلی قوموں کے لشکروں کی طرف ہے اور بتایا کہ جس طرح انبیاء سابقہ کی مخالفت میں مختلف لشکر اکٹھے ہوئے اور شکست کھائی آپ کی مخالفت میں بھی مختلف لشکر جمع ہو کر حملہ آور ہوں گے اور شکست کھائیں گے ۔ اگلی دونوں آیات میں ان کی تصریح فرمائی۔ ممکن ہے اس آیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس جنگ کا نام غزوہ احزاب اور لشکروں کا نام احزاب رکھا گیا ہو۔

۱۳تا۱۵۔ **اوتاد** ۔وتد کی جمع ہے۔ میخ۔ **ذوالاوتاد** ۔ میخوں والا۔ میخ زمین میں مضبوطی سے گڑ جاتی ہے ۔ یا تو فرعون کی طاقت اور سلطنت کی مضبوطی کی طرف اشارہ ہے یا اس کے

هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۶﴾ وَقَالُوْا
یہ لوگ مگر ایک تند آواز یکدم کا نہیں اس کیلئے کوئی مہلت اور کہا انہوں نے

رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ اِصْبِرْ عَلٰى
اے رب ہمارے جلدی دے ہمیں حصہ ہمارا قبل روز حساب کے صبر کر اس پر

مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ
جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر بندے ہمارے داؤد صاحب قوت کو یقیناً وہ تھا بہت

لشکروں کی طرف اشارہ ہے جن کے خیمے دور دور تک میخوں سے گڑے نظر آتے تھے۔ **اصحابُ لـئیکة** ۔ بَن والے۔قوم شعیبؑ ۔ (تشریح سورۃ الحجر:۷۹) اس سورۃ میں مختلف انبیاء کا ذکر ہے۔ ان کے حالات میں بطور پیشگوئی آنحضرت ﷺ کے حالات بیان فرمائے نیز ان قصص میں بہت سی نصیحت آموز باتیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تسلی دی کہ مختلف جتھوں کا اکٹھا ہو کر حملہ آور ہونا آپؐ سے ہی خاص نہیں۔ آپؐ سے پہلے تمام انبیاء کے ساتھ ان کے مخالفین کا یہی سلوک رہا۔ وہ جتھوں کو اکٹھا کر کے لاتے اور شکست کھاتے مِن الاحزاب میں انہی جتھوں کا ذکر ہے۔یہاں مکذبین انبیاء کی ترتیب تاریخی نہیں بلکہ مکانی ہے۔پہلی آیت میں وہ مقامات ہیں جو حجاز سے دور تھے۔ دوسری آیت میں وہ مقامات ہیں جو بالکل قریب تھے اہل حجاز اپنے سفروں میں ان مقامات کے کھنڈرات سے گزرتے رہتے تھے جہاں ان قوموں کی تباہی کے نشانات موجود تھے۔فرمایا ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا ۔ پس ان پر عذاب واجب ہوگیا۔ جب تک ان کی بداعمالیاں اورسرکشیاں اس آخری مقام تک نہیں پہنچیں کہ ہلاک کئے جاتے انہیں مہلت ملتی رہی مگر افسوس انہوں نے مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا اور مٹادئے گئے۔

۱۶۔۱۷۔ **فواق** ۔ (فوق) افاقہ۔ وقفہ۔ تھوڑا عرصہ۔ **قطَّنا** ۔ قِط حصہ ہے جو کسی کے لئے الگ کردیا جائے گویا وہ قطع کردیا۔ قطّنا۔ ہمارا حصہ۔

اس دوسرے رکوع میں حضرت داؤدؑ اور ان کے مخالفین کا ذکر ہے جو ہر طرح کے حفاظتی انتظامات کے باوجود آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ مکذبین انبیاء کی تباہ شدہ بستیوں سے ان کا شب و روز گزر ہوتا ہے لیکن ہرگز عبرت حاصل نہیں کرتے۔ چونکہ یومِ بعث کے قائل نہیں تھے اس لئے بطور استہزا کہتے کہ آخرت کا تو اعتبار نہیں آئے نہ آئے ۔ تو ہمارے حصہ کا عذاب ابھی ہم پر نازل کردے۔

اَوَّابٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ

رجوع کرنیوالا یقیناً ہم نے مسخر کیا تھا پہاڑوں کو ساتھ اس کے وہ تسبیح کرتے تھے سورج ڈھلے

وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۹﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۲۰﴾ وَ

اور سورج نکلے اور پرندے اکٹھے کئے ہوئے سب اس کیلئے رجوع کرنیولے تھے اور

شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۱﴾ وَ

مضبوط کی ہم نے بادشاہی اس کی اور دی ہم نے اُسے حکمت اور فیصلہ کن بیان اور

۱۸تا۲۰۔ **ذاالا ید**۔ اید۔ ہاتھ۔ قوت۔ **ذا الاید**۔ بڑی قوتوں والا۔ **اوّاب**۔ **توّاب** کی طرح ہے۔اللہ کی طرف ترک معاصی اور اچھے کام کرنے سے رجوع کرنا۔اللہ کی طرف بار بار رجوع کرنا۔یہ صرف انسان سے مخصوص ہے۔(مفردات راغب)یعنی سوائے انسان کے دوسرے جانداروں پر بولانہیں جاسکتا۔ پس **جبال** اور **طیر** سے مراد انسان ہی ہیں۔**جبال** میں طاقتور انسانوں کی طرف اشارہ ہے جبکہ **الطیر** میں روحانی انسانوں کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل سورة الانبیاء:۸۰۔ **ذا الاید** میں بتایا کہ آپ صاحبِ قوت تھے۔ اس میں جسمانی اور روحانی دونوں قوتیں شامل ہیں۔ جسمانی قوت کی دلیل اس زمانہ کی عظیم قوت جالوت کو صرف ۳۱۳ جان نثاروں کے ساتھ شکست دینا تھا۔اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بدر کی فتح کی طرف اشارہ تھا۔ نیز ارد گرد کی مشرک اقوام کو شکست دے کر ایک مضبوط اسرائیلی حکومت کا قیام تھا۔روحانی قوت آپ کی غیر معمولی عبادت و ریاضت تھی جس کا کچھ ذکر سورة سبا :۱۴ میں گزرا۔(استفادہ فرمائیے)حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ایک درویش صفت بادشاہ تھے۔ جس نے بادشاہی میں فقیری کی اور اپنے بعد آنے والے بادشاہوں کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل چھوڑا۔ حضرت داوٗدؑ کے واقعات تفصیلاً (سورة الانبیاء ۷۹تا ۸۳)میں گزرے ہیں استفادہ فرمائیے۔ اپنے بندے داوٗدؑ کے ذکر میں آپ کو بتلایا کہ آپ کو بھی دونوں صفات والے انسان دیئے جائیں گے۔آپؐ کے دشمن آپؐ کی عزت، جان ،مال اور دین پر حملہ کرتے ،آپؐ کو ہر طرح کا دُکھ دیتے اور بطور استہزاء بیہودہ فرمائشیں کرتے۔آپؐ کو تسلی دی اور بتایا کہ حضرت داوٗدؑ آپؐ کی نسبت صاحبِ اقتدار اور صاحبِ قوت تھے۔ مگر شریر لوگ آپ پر بھی حملوں سے باز نہ آتے۔ پس آپ صبر سے کام لیجئے۔ اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ آپؐ بھی عنقریب حضرت داوٗدؑ کی طرح صاحبِ قوت و جبروت ہوں گے اور عظیم قوموں پر آپؐ کا غلبہ ہوگا۔

۲۱۔ **فصل الخطاب** ۔فیصلہ کرنے والی بات مراد حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا فہم ۔

هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۲﴾ اِذْ

کیا پہنچی ہے تجھے خبر جھگڑنے والوں کی جبکہ وہ دیوار کود کر آئے قلعہ میں جب

دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ

وہ داخل ہوئے داؤد پر پس گھبرا گیا ان سے انہوں نے کہا نہ ڈر

خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا

ہم دو جھگڑنے والے ہیں زیادتی کی ہے بعض ہمارے نے بعض پر پس فیصلہ کر درمیان ہمارے ساتھ حق کے اور نہ

تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۳﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ

زیادتی کر اور ہدایت دے ہمیں طرف درست راہ کی یقیناً یہ بھائی ہے میرا اس کی

تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ

نو اور نوے دُنبیاں ہیں اور میری دُنبی ہے ایک پس کہا اس نے

اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۴﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ

سپرد کر دے میرے وہ (دنبی) اور غالب آگیا مجھ پر بات میں کہا یقیناً یقیناً اس نے ظلم کیا تجھ پر

بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ

مانگ کر دُنبی تیری (شامل کرنے کیلیے) اپنی دنبیوں میں اور یقیناً بہت سے شریک

حضرت داوٗد علیہ السلام کی مملکت کی مضبوطی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا اس لئے کہ تمام عنایات اسی کے فضل و کرم سے عطا ہوتی ہیں وہی توفیق دیتا ہے ورنہ ایک جلیل القدر نبی بھی خود کچھ حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔فرمایا ہم نے اسے دنیوی عظیم مملکت کے علاوہ حکمت سے نوازا۔ آپ نے اپنی خاص حکمت اور فہم و فراست سے اسرائیل کی منتشر ریاستوں کو اکٹھا کیا ، ازدگرد کے مشرک قبائل کو شکست دی اور ایک مضبوط سلطنت قائم کی۔حکمت کے ساتھ آپ کو بہترین قوت فیصلہ عطا ہوئی۔گویا آپ ایک عادل حکمران تھے۔آپ کی مملکت میں انصاف کا دور دورہ تھا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہوتی تھی۔اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بھی بشارت تھی کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو بھی حضرت داوٗدؑ کی طرح حکومت سے نوازے گا اور آپؐ بھی اُن کے درمیان حق و انصاف سے فیصلے کریں گے۔

۲۲تا۲۵۔**خصم**۔خصومت ۔جھگڑا کرنا ہے۔ **خَصمِ** ۔ دشمن۔ جھگڑا کرنے والا۔ واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ **تسوّرُوا**۔سور۔ دیوار۔ **تسوّرُوا**۔ انہوں نے دیوار پھاندی۔ **فَزِعَ**۔ وہ گھبرا گیا۔ **تُشطِطْ** ۔شطّ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ زیادتی کرنا۔ **تشطط** ۔تو زیادتی کرتا ہے۔ **عَزّنی** ۔ **عزّ**۔عزت ۔ **العزة** اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے۔ **عزّنی**۔ مجھ پر غالب آ گیا۔

لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البتہ زیادتی کرتے ہیں بعض ان کے بعض پر سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں
وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ
اور کم ہیں وہ اور جانا داؤد نے کہ ابتلا میں ڈالا ہم نے اسے پس بخشش مانگی اس نے اپنے رب سے اور
خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۵﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا
گر پڑا رکوع کرتا ہوا اور رجوع کیا پس بخشا ہم نے اُسے یہ اور یقیناً اس کیلئے نزدیک ہمارے

توریت میں حضرت داؤدؑ پر نہایت شرمناک اور لغو الزامات لگائے گئے ہیں جو اس کی تحریف کا واضح ثبوت ہے۔افسوس یہ اسرائیلی روایات احادیث میں بھی جگہ پا گئیں جو کہ سب ضعیف ہیں۔ قرآن کریم راستبازوں پرلگائے گئے تمام الزامات سے انہیں بَری قرار دیتا ہے اور ان کی عزت کو بحال کرتا ہے۔چنانچہ آیت:۱۸ سے آپ کی صفات کا ذکر خاص طور پر جاری ہے اور بتایا کہ آپ ان لغویات سے پاک تھے۔ قصہ یہ تھا کہ عمالقہ جیسی طاقتور، سرکش اور باغی اقوام کو آپ نے اپنی غیر معمولی طاقت ، حکمت ،فہم و فراست اور حُسنِ تدبیر سے زیر کرکے ایک وسیع سلطنت قائم کی۔ لیکن ان میں سے بعض باغی مکمل طور پر مطیع نہیں ہوئے وہ ملک میں فتنہ وفساد برپا کرتے اور امنِ عامہ میں خلل ڈالتے۔ایک رات حفاظت پر مامور محافظوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر بعض مفسد قلعہ کی دیوار پھاند کر حضرت داؤدؑ کی خوابگاہ میں گھس آئے۔ظاہر ہے کہ ان کے ارادے خطرناک تھے۔وہ قتل کے ارادہ سے آئے تھے۔اللہ تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو خاص رُعب عطا کرتا ہے اور خود ان کی حفاظت کرتا ہے جس سے وہ دشمن کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔آپ کی گھبراہٹ ایک فطری امر تھا۔ آپ کو چوکس دیکھ کر نیز آپ کے غیر معمولی رعب کی وجہ سے انہیں آپ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی اور انہوں نے اپنے جذبات کو تمثیلی رنگ میں ایک مقدمہ کی صورت میں پیش کیا۔حالانکہ یہ عدالت نہیں تھی مقصد آپ کی توجہ ہٹا کر موقع پا کر آپ پر حملہ کرنا بھی تھا۔ وہ تمثیلاً آپ کو یہ باور کروانا چاہتے تھے کہ اتنی وسیع سلطنت کے مالک ہوتے ہوئے اردگرد کی چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں کو زیرنگیں کرنے کا منصوبہ آپ کی زیادتی ہے۔ایک منصف مزاج عظیم حکمران اورجلیل القدر نبی کو انصاف کرنے اور ظلم سے باز رہنے کا درس دینا ان کی گستاخی تھی۔آپ ان کے ارادے بھانپ چکے تھے۔ آپ نے ضبط سے کام لیا اور ان کے سوالوں کے جوابات دئے۔اس تمثیلی پیغام کو آپ سمجھ گئے اور آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے مزید توسیع سے رک جانا چاہیئے۔اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے معمولی لغزش سے بھی بچتے ہیں۔ باغیوں کی

جرأت سے آپ کو اپنی بعض انتظامی خامیوں کی وجہ سے سلطنت پر اپنی گرفت کی کمزوری کا بھی احساس ہوا کہ اگر بادشاہِ وقت پر حملہ ہوسکتا ہے تو عوام ایسے باغیوں کی شرارتوں سے کیسے امن میں رہ سکتے ہیں ۔ پس آپ سمجھ گئے کہ اس واقعہ سے آپ کی آزمائش مقصود تھی اور آپ کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ سلطنت کی توسیع کی بجائے ملک کے استحکام اور عوام کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ آپ نے اپنے ربّ سے مغفرت اور حفاظت طلب کی۔ آپ عجز سے سجدہ میں گر پڑے اور رجوع الی الحق ہوئے۔

اس عظیم نبی پر جو اوّاب تھا۔ جسے بطور خاص حکمت عطا ہوئی جو حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا خاص فہم رکھتا تھا۔نہایت عبادت گزار اور اللہ کا مقرب تھا ، توریت میں یہ گھناؤنے الزامات لگائے گئے ہیں کہ حضرت داؤدؑ ۹۹ بیویوں کے ہوتے ہوئے اپنے ایک جرنیل کی بیوی پر عاشق ہوگئے اور اسے اپنے حرم میں داخل کرلیا۔ جرنیل کو ایک خطرناک مہم پر بھجوادیا جہاں وہ مارا گیا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے تمثیلی رنگ میں آپ کو آپ کی غلطی پر متنبہ کیا۔
لاحول ولاقوة الا باللّٰہ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس سارے قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہی مقصود تھا۔ آپ کو بتلایا کہ یہ سارے حالات آپؐ پر بھی گزریں گے۔ آپؐ کے قتل کے منصوبے بنیں گے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ کی طرح آپؐ کی حفاظت فرمائے گا۔ آپؐ کی حکومت میں بھی فتنے اٹھیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ ناکام کر دے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک کشفی نظارہ تھا جس میں انسانی فطرت کی حرص کی طرف اشارہ تھا کہ اگر اسے ننانوے فیصد بھی غلبہ عطا ہو جائے تو پھر وہ سو فیصد چاہتا ہے یعنی کمزوروں اور غریبوں کے لئے ایک فیصد بھی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ گزشتہ سورۃ میں جو بڑی بڑی طاقتوں کی جنگوں کا ذکر ملتا ہے ان کا بھی صرف یہی مقصد ہے کہ غریب ملکوں سے بادشاہت کے تمام حقوق چھین لیں اور بلاشرکت غیرے سب دنیا پر حکومت کریں بالفاظ دیگر یہ خدائی کا دعویٰ ہے۔ اس کے بعد نوع انسان کو داؤدؑ کے حوالہ سے یہ نصیحت فرمائی گئی ہے کہ آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ حق کے ساتھ کرنا چاہیئے ،ظلم و تعدّی سے نہیں۔
(قرآن کریم اردو ترجمہ ازحضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ۸۰۰)

۲۶۔۲۷۔حضرت داؤدؑ سے نہایت خفیف کوتاہی ہوئی جس کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی۔ اگر آپ نے لوگوں پر زیادتیاں کی ہوتیں تو آپ کو اللہ کا قُرب نصیب ہوتا نہ اعلیٰ ٹھکانا اور

لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٦﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى
البتہ قرب تھا اور اچھا ٹھکانا اے داؤد یقیناً ہم نے بنایا تجھے خلیفہ

الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى
زمین میں پس فیصلہ کر درمیان لوگوں کے ساتھ حق کے اور نہ پیروی کیجیو نفسانی خواہش کی

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
ورنہ وہ گمراہ کردیگی تجھے راہ سے اللہ کی یقیناً وہ لوگ جو گمراہ ہوتے ہیں راہ سے

ع ٢ ١١ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ وَمَا
اللہ کی ان کیلئے عذاب ہے سخت بوجہ اس کے کہ وہ بھول گئے روز حساب کو اور نہیں

خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ
پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین اور جو درمیان ہیں ان دونوں کے ہے بے فائدہ یہ گمان ہے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٨﴾ اَمْ
ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا پس ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کیا آگ سے کیا

نہ ہی آپ خلافت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے۔

انبیاء کو جو احکام ملتے ہیں ان میں مخاطب ان کی امت ہوتی ہے۔یہاں بھی حضرت داؤدؑ کو دئے گئے احکام دراصل آپ کے بعد آنے والے تمام حکّام کے لئے تھے۔حکام کے لئے سب سے پہلے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔دوسرا اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنے کا حکم ہے۔نفسانی خواہشات میں ہر غلط خواہش شامل ہے۔حکمرانوں کا اپنی خواہشات کی پیروی کرنا عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں دیگر اقوام سے انصاف نہیں کرتے۔اپنے لوگوں کو خاص مراعات سے نوازتے ہیں جبکہ دوسروں کی حق تلفی کرتے ہیں۔یہی ناانصافی ان کی تباہی کا باعث بنتی ہے بقول حضرت علیؓ ایک مشرک حکومت قائم رہ سکتی ہے۔غیر منصف نہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ جس حکمران یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہوگی وہ کبھی ناانصافی کا مرتکب نہیں ہوگا۔خواہ مقابل میں اس کی اپنی اولاد یا عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔جسے یوم حساب یاد ہوگا وہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کیونکر کرسکتا ہے۔

٢٨۔تیسرے رکوع میں حضرت سلیمانؑ کا ذکر ہے۔اس میں بھی آنحضرت ﷺ اور بعد میں آنے والوں کے لئے مختلف نصائح اور پیشگوئیاں ہیں جو آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور بعث بعد الموت کے منکر ہیں۔ان کے لئے تخلیق کائنات کا کوئی مقصد نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شے

نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى
کردیں گے ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک مانند مفسدوں کے

الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٩﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ
زمین میں کیا کردیں گے ہم پرہیزگاروں کو مانند بدکاروں کے (یہ) کتاب ہے اتارا ہم نے اسے

اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٣٠﴾
طرف تیری برکت والی تاکہ تدبر کریں آیتوں میں اس کی اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلوں والے

بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ اس کارخانہ قدرت کی تخلیق ایک عظیم مقصد کے تحت ہوئی۔ انسان جس کے لئے یہ کاروبار وجود میں آیا وہ اس کی حکمت اور افادیت کا منکر ہے۔ایسے شخص کے خیال میں تو اس کی اپنی پیدائش کا بھی کوئی اعلیٰ مقصد نہیں۔ کفار نے جس انداز سے دنیا میں زندگی گزاری ،وہ اللہ کی نظر میں بے کار محض ہے۔ دنیا کا قانون تو یہی ہے کہ ہر بے کار شے آخر آگ کا ایندھن بنتی ہے۔ پس ان بیکار وجودوں کا آخری ٹھکانا آگ ہی ہے۔

٢٩۔**فجار** فاجر کی جمع ہے۔دیانت کے پردے کو پھاڑنے والا گویا فاجر بدی میں یہاں تک ترقی کرجاتا ہے کہ کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔بدکار۔

اپنے خلیفہ کو انصاف کا حکم دینے والا پروردگارِ عالم کیا اپنے بندوں سے انصاف نہیں فرمائے گا۔کیا یہ ممکن ہے کہ اعمالِ صالحہ بجالانے والے مومنین کو ان مفسدین کے برابر اجر دے جو زمین میں فساد پھیلایا کرتے تھے۔کیا متقین اور فجار ایک جیسے سلوک کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

٣٠۔جب دنیا کی ہر چیز کا کوئی مقصد ہے تو اے انسان! تیری تخلیق کا بھی یقیناً ایک خاص مقصد ہے۔اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہم نے اپنے بندے پر ایک عظیم کتاب نازل کی جو سراسر برکت ہے۔ تاکہ تم اس کی آیات پر غور کرو۔اس غور کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ایک خاص فہم عطا فرمائے گا اور تم صاحبِ عقل و بصیرت ہوجاؤ گے اور قرآن کریم کی نصائح پر کماحقہٗ عمل کرسکو گے۔ افسوس دنیوی علوم کے حصول کے لئے دن رات محنت کی جاتی ہے ،خوب دماغ کھپایا جاتا ہے لیکن قرآن کریم جو تمام خوبیوں کا جامع ہے اور تمام علوم کا منبع ہے اس پر غور و فکر کرنے کا وقت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کے ذکر کے بعد حضرت سلیمانؑ کا ذکر فرمایا ۔ درمیانی آیات میں بہترین نصائح آئی ہیں کہ تخلیق کائنات کے مقصد کو سمجھو، کتاب پر تدبر کرو یہ قصے اور کہانیاں نہیں

لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى

البتہ قرب تھا اور اچھا ٹھکانا اے داؤد یقیناً ہم نے بنایا تجھے خلیفہ

الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

زمین میں پس فیصلہ کر درمیان لوگوں کے ساتھ حق کے اور نہ پیروی کیجیو نفسانی خواہش کی

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

ورنہ وہ گمراہ کردیگی تجھے راہ سے اللہ کی یقیناً وہ لوگ جو گمراہ ہوتے ہیں راہ سے

ع ۲ / ۱۱ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا

اللہ کی ان کیلئے عذاب ہے سخت بوجہ اس کے کہ وہ بھول گئے روز حساب کو اور نہیں

خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ

پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین اور جو درمیان میں ان دونوں کے ہے بے فائدہ یہ گمان ہے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ

ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا پس ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کیا آگ سے کیا

نہ ہی آپ خلافت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے۔

انبیاء کو جو احکام ملتے ہیں ان میں مخاطب ان کی امت ہوتی ہے۔ یہاں بھی حضرت داؤدؑ کو دئے گئے احکام دراصل آپ کے بعد آنے والے تمام حُکّام کے لئے تھے۔ حکام کے لئے سب سے پہلے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ دوسرا اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنے کا حکم ہے۔ نفسانی خواہشات میں ہر غلط خواہش شامل ہے۔ حکمرانوں کا اپنی خواہشات کی پیروی کرنا عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں دیگر اقوام سے انصاف نہیں کرتے۔ اپنے لوگوں کو خاص مراعات سے نوازتے ہیں جبکہ دوسروں کی حق تلفی کرتے ہیں۔ یہی ناانصافی ان کی تباہی کا باعث بنتی ہے بقول حضرت علیؓ ایک مشرک حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ غیر منصف نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس حکمران یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہوگی وہ کبھی ناانصافی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ خواہ مقابل میں اس کی اپنی اولاد یا عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ جسے یوم حساب یاد ہوگا وہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کیونکر کرسکتا ہے۔

۲۸۔ تیسرے رکوع میں حضرت سلیمانؑ کا ذکر ہے۔ اس میں بھی آنحضرت ﷺ اور بعد میں آنے والوں کے لئے مختلف نصائح اور پیشگوئیاں ہیں جو آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور بعث بعد الموت کے منکر ہیں۔ ان کے لئے تخلیق کائنات کا کوئی مقصد نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شے

نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى

کردیں گے ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک مانند مفسدوں کے

الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ

زمین میں کیا کردیں گے ہم پرہیزگاروں کو مانند بدکاروں کے (یہ) کتاب ہے اتارا ہم نے اسے

اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

طرف تیری برکت والی تاکہ تدبر کریں آیتوں میں اس کی اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلوں والے

بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ اس کارخانہ قدرت کی تخلیق ایک عظیم مقصد کے تحت ہوئی۔ انسان جس کے لئے یہ کاروبار وجود میں آیا وہ اس کی حکمت اور افادیت کا منکر ہے۔ ایسے شخص کے خیال میں تو اس کی اپنی پیدائش کا بھی کوئی اعلیٰ مقصد نہیں۔ کفار نے جس انداز سے دنیا میں زندگی گزاری، وہ اللہ کی نظر میں بے کار محض ہے۔ دنیا کا قانون تو یہی ہے کہ ہر بے کار شے آخر آگ کا ایندھن بنتی ہے۔ پس ان بیکار وجودوں کا آخری ٹھکانا آگ ہی ہے۔

۲۹۔ **فجار** فاجر کی جمع ہے۔ دیانت کے پردے کو پھاڑنے والا گویا فاجر بدی میں یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ بدکار۔

اپنے خلیفہ کو انصاف کا حکم دینے والا پروردگارِ عالم کیا اپنے بندوں سے انصاف نہیں فرمائے گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اعمالِ صالحہ بجالانے والے مومنین کو ان مفسدین کے برابر اجر دے جو زمین میں فساد پھیلایا کرتے تھے۔ کیا متقین اور فجار ایک جیسے سلوک کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

۳۰۔ جب دنیا کی ہر چیز کا کوئی مقصد ہے تو اے انسان! تیری تخلیق کا بھی یقیناً ایک خاص مقصد ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہم نے اپنے بندے پر ایک عظیم کتاب نازل کی جو سراسر برکت ہے۔ تاکہ تم اس کی آیات پر غور کرو۔ اس غور کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ایک خاص فہم عطا فرمائے گا اور تم صاحبِ عقل و بصیرت ہوجاؤ گے اور قرآن کریم کی نصائح پر کماحقہٗ عمل کرسکو گے۔ افسوس دنیوی علوم کے حصول کے لئے دن رات محنت کی جاتی ہے، خوب دماغ کھپایا جاتا ہے لیکن قرآن کریم جو تمام خوبیوں کا جامع ہے اور تمام علوم کا منبع ہے اس پر غور و فکر کرنے کا وقت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کے ذکر کے بعد حضرت سلیمانؑ کا ذکر فرمایا۔ درمیانی آیات میں بہترین نصائح آئی ہیں کہ تخلیق کائنات کے مقصد کو سمجھو، کتاب پر تدبر کرو یہ قصے اور کہانیاں نہیں

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۳۱ اِذْ عُرِضَ

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان کیا ہی اچھا تھا وہ بندہ یقیناً وہ تھا بہت ہی رجوع کرنیوالا جب سامنے لائے گئے

عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۳۲ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ

اس کے تیسرے پہر اصیل گھوڑے تیزرو تو کہا اس نے یقیناً میں نے پسند کی

حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۳۳

محبت اس مال کی بوجہ یاد کے اپنے رب کی یہاں تک کہ چھپ گئے وہ پردہ میں

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۳۴ وَلَقَدْ

(تو اس نے حکم دیا) لوٹاؤ انہیں مجھ پر پس لگا ہاتھ پھیرنے پنڈلیوں اور گردنوں پر اور یقیناً یقیناً

نصیحت آموز واقعات ہیں، ان سے سبق حاصل کرو، نتیجہ یہ ہوگا کہ متقی بن جاؤ گے اور فسق و فجور کی راہوں سے دور ہو جاؤ گے۔

۳۱ تا ۳۴۔ **صٰفنٰت** (صفن) وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے اور چوتھی کے سُم پر ٹیک لگاتے ہیں۔ یہ اصیل گھوڑے کی نشانی ہے۔ **جیاد**۔ جواد کی جمع ہے۔ **جود**، سخاوت ہے یعنی مال اور علم کو خرچ کرنا۔ جواد بہت سخاوت کرنے والا۔ **جیاد** اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑ میں اپنی جمع شدہ طاقت کو خرچ کرے۔ بہت تیز دوڑنے والا۔ **خیر** مالِ کثیر کے لئے آتا ہے۔ زیادہ اور اچھا مال۔ **عن** بہت سے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے بِ مِن، بعد وغیرہ۔ یہاں بمعنی ''بوجہ'' ہے۔توارت۔ تواریٰ چھپ جانا۔ توارت وہ چھپ گیا۔ **طفق**، اخذ یفعل کذا کی طرح ہے یعنی وہ کام کرنے لگ گیا۔

حضرت داوٗدؑ یقیناً ان الزامات سے پاک تھے ورنہ حضرت سلیمانؑ جیسے بیٹے سے نوازے نہ جاتے وہ اللہ کے کیا ہی اچھے بندے تھے اور اپنے ربّ کی طرف باربار جھکنے والے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کا ذکر تفصیلاً سورۃ النمل:۱۶ تا ۴۵۔ سورۃ سبا:۱۱ تا ۲۰ میں گزر چکا ہے۔ (استفادہ فرمائیے)

اس واقعہ کو بھی خوب بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے کہ گھوڑوں کی محبت میں حضرت سلیمانؑ کی نماز عصر قضا ہوگئی اور آپ نے غصے میں آ کر ان سب کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں۔ یہ ایک **نعم العبد**، اوّاب نبی کی شان سے بعید ہے۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ حضرت سلیمانؑ ایک وسیع سلطنت کے حکمران تھے۔ عسکری ضروریات کے لئے آپ کی رسالہ فوج کے دستہ میں سُبک رفتار اصیل گھوڑے تھے۔ عین ممکن ہے کہ آپ کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے پسند ہوں جو آپ کے عمدہ ذوق کی دلیل ہوں۔ کسی شام حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کے معائنہ کے لئے تشریف لائے۔ اس گُھڑ دوڑ

فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۳۵ قَالَ

ابتلا میں ڈالا ہم نے سلیمان کو اور ڈال دیا ہم نے کرسی پر اس کی ایک جسم پھر اس نے رجوع کیا کہا

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اے رب میرے بخش دے مجھے اور عطا کر مجھے سلطنت کہ نہ مناسب ہو واسطے کسی کے بعد میرے

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۳۶ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ

یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے پس کام میں لگا دیا ہم نے اسکے لیے ہوا کو چلتی تھی حکم سے اسکے

رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۳۷ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۳۸ وَّ

نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا تھا اور شیطانوں کو معماروں کو اور غوطہ خوروں کو اور

میں گھوڑے بہت دور نکل گئے اور آپ کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ ان کی سُبک رفتاری کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ کا یہ قول جو آپ نے اس موقع پر فرمایا بڑا ہی پر حکمت ہے۔ آپ نے فرمایا! میں دنیا کی اچھی اور خوبصورت چیزوں سے اس لئے محبت رکھتا ہوں کہ وہ مجھے میرے ربّ کی یاد دلاتی ہیں کہ جس نے ان کو بنایا وہ خود کتنا حسین ہوگا نیز ان کو دیکھ کر مجھے اپنے ربّ کے بے شمار احسانات اور انعامات یاد آجاتے ہیں جو ان کے علاوہ میرے شامل حال ہیں۔ آپ نے گھوڑوں کو واپس لانے کو کہا اور ان کی پنڈلیوں اور گردن پر تھپکی دینے لگے۔ گھوڑوں سے محبت کرنے والے ہمیشہ ایسا کرتے ہیں۔ گردن اور پیٹھ پر مالش کرتے اور ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اس سے گھوڑے بہت خوش ہوتے ہیں۔

بتانا صرف یہ مقصود تھا کہ مال و دولت اور دنیوی وجاہت اللہ تعالیٰ کے راستبازوں کو بھی ملتی ہے لیکن وہ ان کی محبت میں اس طرح گرفتار نہیں ہوجاتے کہ اپنے ربّ کو بھول جائیں یا ان نعمتوں کی وجہ سے کسی تکبر میں مبتلا ہو جائیں بلکہ وہ ان تمام نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتے ہوئے اس کے دین کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ عمدہ گھوڑے جہاد کی غرض سے پالے ہوئے تھے۔ اس واقعہ سے حضرت سلیمانؑ کا امورِ مملکت میں خاص دلچسپی لینا ظاہر ہے۔ ایک عظیم حکمران ہوتے ہوئے آپ نے رسالہ فوج کا بذات خود معائنہ فرمایا۔

۳۵ تا ۳۸۔ **کرسیّة**۔ کرسی۔ تخت۔ **والقینا علیٰ کرسیّه** سے مراد اس کا تخت نشین ہونا ہے۔ **جسد**۔ جسم۔ **رُخآءً**۔ نرمی۔ **اصاب**۔ صواب۔ درست اور ٹھیک بات۔ پہنچنے کے معنی بھی ہیں۔ **وما اصابکم مِن مصیبة فبما کسبت ایدیکم** (الشوریٰ:۳۱)۔ **ولئن اصابکم فضل من اللّٰه**۔ (سورۃ النساء :۷۴)۔ **بنّآءٍ**۔ بنانے والے۔ معمار۔ فن تعمیر کے ماہر۔

حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کی وجہ سے تو نہیں آزمائے گئے البتہ اپنے نالائق بیٹے کی وجہ سے ضرور آزمائش میں ڈالے گئے۔تشریح کے لئے سورۃ سبا:۱۵۔مختصر یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت کا وارث آپ کا ایسا جانشین تھا جو ایک بے کار وجود کی طرح تھا۔گویا اس میں آسمانی روح تھی نہ دنیوی امور میں ماہر تھا۔محض گوشت پوست کا ایک ٹکڑا تھا جو عقل وشعور سے عاری تھا۔بیٹے کی نااہلی دیکھ کر آپ کا دل کڑھا اور آپ اپنے ربّ سے مغفرت کے طالب ہوئے۔استغفار وسیع معانی میں ہے۔عوام کا استغفار گناہوں سے معافی کے لئے ہوتا ہے کہ پردہ پوشی فرمائے اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔خواص کا استغفار بلندیٔ درجات کے لئے ہے اور انبیاء کا اس لئے کہ جس طرح تو نے ہمیں پہلے گناہوں سے پاک رکھا، آئندہ بھی گناہوں سے پاک رکھنا۔پس آپ اپنے ربّ کے حضور جھکے اور دعا فرمائی کہ اے میرے ربّ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔تو یقیناً بے حد عطا کرنے والا ہے۔انبیاء اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم اور فراستِ نبوی سے آئندہ کے بعض حالات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔آپ جانتے تھے کہ میری اولاد اور بنی اسرائیل میں سے کوئی اس عظیم سلطنت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا اہل نہیں اور اس حقیقت سے بھی آشنا تھے کہ جب عظیم سلطنتوں پر نااہل افراد قابض ہو جائیں تو عوام کو کبھی انصاف نہیں ملتا۔انبیاء اپنی مرضی سے نہیں بولتے۔یہ خدائی آواز تھی جو بد دعا کی صورت آپ کے دل سے نکلی اور قبول ہوئی کہ میرے بعد اتنی بڑی سلطنت کسی اور کو عطا نہ ہو۔تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد اس سلطنت کے دوٹکڑے ہوگئے اور مسلسل انحطاط پذیر رہی۔دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ کو دنیوی بادشاہت کی خواہش نہیں تھی وہ تو آپ کو پہلے ہی مل چکی تھی اور نہ وہ انبیاء کے مقصودِ نظر ہوتی ہے۔آپ نے آسمانی بادشاہت کی دعا کی جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) خدا کی مملکت کا تھوڑا سا عکس آپ کو ملا۔آپ کو ہواؤں اور پانیوں پر حکمرانی عطا ہوئی۔بادبانی کشتیوں کا راز آپ کو سکھایا گیا۔ان کے لئے ہواؤں کا موافق ہونا نہایت اہم ہوتا ہے چنانچہ آپ کو ہواؤں کا خاص علم وفہم دیا گیا جس سے آپ کے بادبانی جہاز بلاخطر طویل سفر طے کرتے۔حضرت سلیمانؑ کا ہواؤں پر تصرف تشریح کے لئے سورۃ الانبیاء :۸۲۔۸۳۔سورۃ سبا:۱۳۔ورنہ آپ سے قبل چپوؤں سے کھینے والی سست رفتار اور کمزور کشتیاں تھیں۔ آپ نے روحانی بادشاہت طلب کی مگر اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص احسان تھا کہ دنیوی نعمتوں سے بھی نوازا۔آپ کو فن تعمیر کے ماہر کاریگر عطا ہوئے جنہوں نے آپ کے لئے عظیم الشان قلعے،

آخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۹﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ
دوسروں جکڑے ہوؤں کو زنجیروں میں یہ ہے عطیہ ہمارا پس احسان کر
اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ
خواہ روک رکھ بغیر حساب کے اور یقیناً اس کے لیے پاس ہمارے البتہ قرب تھا اور اچھا
مَاٰبٍ ﴿۴۱﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ ع ۳ / ۱۴ / ۱۲
ٹھکانا اور یاد کر بندے ہمارے ایوب کو جب پکارا اس نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچایا ہے
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۲﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا
شیطان نے ایذا اور عذاب مار پاؤں اپنا یہ

محلات، عمارتیں اور معبد تعمیر کئے جو اُس زمانہ میں یقیناً ایک عجوبہ تھے۔تفصیل کے لئے (سورۃ سبا:۱۴) نیز نہایت ماہر اور کہنہ مشق غوطہ خور آپ کی خدمت پر مامور ہوئے۔جنہوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔(الانبیاء۸۳۔) شیاطین کے لئے (سورۃ۔الحجر:۲۸۔الانبیاء:۸۳۔النمل:۱۸۔)

۳۹۔**اصفاد۔صفد۔**طوق۔زنجیر۔بیڑیاں عطیہ کے معنی بھی ہیں۔

ان ہنرمند لوگوں میں کچھ ایسے جنگی قیدی بھی آپ کے مطیع تھے جو زیادہ سرکش اور باغیانہ طبیعت کے مالک تھے۔ان سے سختی سے کام لیا جاتا تھا۔اس زمانہ میں غلاموں سے کسی حد تک سختی کی اجازت تھی۔بحری بیڑوں کا ذکر ہے۔ازمنہ قدیم میں اکثر جنگی قیدیوں کو جہازوں میں مشقت پر لگایا جاتا تھا۔ان کو زنجیروں سے باندھ کر کام لیا جاتا تا کہ بھاگ نہ سکیں۔

۴۰۔ہواؤں اور پانیوں پر آپ کو تصرف حاصل ہوا، طاقتور، سرکش اور ہنرمند قومیں آپ کے مطیع ہوئیں۔یہ سب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم اور اس کی بے حساب عطایا ہیں۔اس کے احسان کا تقاضا یہ ہے کہ تو بھی ان پر احسان کر اور انہیں آزاد کردے یا انہیں روک رکھ۔اس لئے کہ ان سے ایک حد تک استفادہ کرنے کا حق تجھے حاصل ہے۔

۴۱۔اگر حضرت سلیمانؑ اللہ تعالیٰ کی بے حساب عنایتوں سے نوازے گئے تو آپ یقیناً اُن کے اہل تھے۔کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

۴۲۔نصب رنج اور تکلیف کے علاوہ تکان کے معنی بھی دیتا ہے۔اس رکوع میں حضرت ایوبؑ کا ذکر ہے۔آپ کے صبر اور اس کے اجر کا بیان ہے۔حضرت ایوبؑ کے کچھ حالات (الانبیاء: ۸۴و۸۵) میں گزرے ہیں استفادہ فرمایئے۔حضرت ایوبؑ سخت آزمائشوں سے گزرے۔بعض

مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ
نہانے کی جگہ ہے ٹھنڈی اور پینے کی اور دیئے ہم نے اُسے گھر والے اس کے اور مانند ان کی

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۴﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ
ساتھ ان کے بطور رحمت کے اپنی طرف سے اور بطور نصیحت کے عقلوں والوں کے لیے اور لے اپنے ہاتھ میں

شیطان صفت فرد یا افراد نے آپ کو شدید مشکلات میں ڈالا۔ گھربار، مال و منال، اہل وعیال سب کچھ چھوٹ گئے۔ ہجرت کرنا پڑی اور ایک نہایت تکلیف دہ جلدی مرض لاحق ہوگیا۔غرض ایک لمبا عرصہ مختلف مصائب میں گزارا۔ مگر آپ اپنے ربّ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے۔نہایت تضرُّع سے اپنے ربّ کو پکارتے رہے اور تمام آزمائشوں میں پورے اترے۔بعض مفسرین کے نزدیک آپ کو یہ ابتلا سفر کے دوران پیش آیا جب آپ کے اہل و عیال آپ سے بچھڑ گئے۔آپ کے متعلق بھی بے بنیاد اسرائیلی روایات ''سفر ایوب'' سے لی گئی ہیں (جو مجموعہ توریت کا ایک جز ہے) کہ شیطان نے آپ کی آزمائش چاہی اور آپ کو مصائب میں گرفتار کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شیطان کو ایک عام آدمی کو بھی مصائب میں ڈالنے کا اختیار نہیں وہ ایک نبی پر یہ تمام آفات کیسے لاسکتا ہے۔ سوائے وسوسہ اندازی کے اسے انسان پر ہرگز کوئی تسلط حاصل نہیں۔ قرآن کریم کی ابتداء میں ہی بتلادیا گیا ہے کہ شیطان کا لفظ عام طور پر سرکش انسانوں کے لئے ہی آئے گا۔ (سورۃ البقرۃ:۱۵)

۴۳۔۴۴۔**اُرْکُض۔ رَکَضتُ الفرس** گھوڑے کو پاؤں مار کر تیز دوڑانا ہے۔
رِجل۔ پاؤں۔ **رَجُل**۔ مرد۔

اب تکلیف دہ ایام کا ذکر چھوڑ کر آپ کی آزمائشوں کے اختتام کا ذکر کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو چشمے کا نشان بتلایا۔ حکمِ خداوندی سے آپ نے اپنی سواری کو ایڑھ لگائی اور ایک تالاب کے پاس پہنچ گئے جس کے ٹھنڈے پانی سے نہانے اور اسے پینے سے آپ شفا یاب ہوگئے۔آج بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتِ جاریہ سے بعض پہاڑی علاقوں میں ایسے قدرتی چشمے پائے جاتے ہیں جو مخصوص خواص کے حامل ہوتے ہیں۔ان کے پانی میں گندھک اور دیگر ایسے کیمیاوی اجزا شامل ہوتے ہیں جو خاص جلدی بیماریوں کے لئے آبِ شفا کا کام دیتے ہیں۔ٹھنڈے پانی میں اشارہ ہے کہ آزمائش کے طویل عرصہ میں آپ ٹھنڈے پانی سے بھی محروم رہے جب آزمائش میں سرخرو ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اہل وعیال سے ملادیا اور ان جیسے اور بھی اپنی خاص رحمت کے طور پر عطا کئے۔اس میں عقلمندوں کے لئے نصیحت ہے کہ جو بھی مصائب پر صبر کرے گا۔اللہ تعالیٰ

ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ
شاخوں کا مُٹھا پس مار ساتھ اس کے اور نہ قسم توڑ یقیناً ہم نے پایا اسے صبر کرنیوالا کیا ہی اچھا

الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۵﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَ
تھا وہ بندہ یقیناً وہ بہت رجوع کرنیوالا تھا اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۶﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ
یعقوب کو ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یقیناً ہم نے چُن لیا تھا انہیں ساتھ ایک خاص بات

کے انعامات سے اسی طرح سرفراز ہوگا اور اللہ کے فضل سے اس کا انجام بخیر ہوگا۔

۴۵۔**ضِغثًا**۔ کھجور کی ٹہنی جس کے آگے پتے لگے ہوں۔ جھاڑو۔ **تَحْنَث**۔ (حنث) تو قسم توڑتا ہے۔ **لاتحنث**۔ تو قسم نہ توڑ۔ قسم کی خلاف ورزی نہ کر۔آپ کی بیوی نیک اور خدمتگزار تھی جس نے مصائب و آلام میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا جبکہ دیگر عزیز واقارب اور دوست احباب منہ موڑ گئے تھے۔آپ نے اس کی کسی غلطی کی بنا پر بیماری کے دوران قسم کھائی کہ سو ضربیں لگاؤں گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی بندی کی پردہ پوشی فرمائی اور یہ نہیں بتایا کہ غلطی کیا تھی آپ نرم دل تھے وفاشعار بیوی پر ظلم نہیں کرسکتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور ایسی تدبیر سمجھا دی کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور تکلیف بھی نہ پہنچے بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ گویا پھولوں کی مار ماری''سفر ایوب'' میں ہے کہ جو بیوی آپ کی رفیق حال رہی اس نے آپ کی ناقابل برداشت تکالیف کو دیکھ کر آپ کو غیر اللہ کے سامنے جھکنے کا مشورہ دیا۔اپنے ربّ کی شان میں یہ گستاخی آپ برداشت نہ کرسکے اور آپ نے اسے سزا دینے کی قسم کھائی۔''سفر ایوب'' (۲۔۹) میں اس گستاخی اور کلمہ کفر کا ذکر ہے لیکن سزا اور سزا کی نوعیت کا ذکر نہیں۔ قرآن کریم نے توریت کی جگہ جگہ تصحیح فرمائی اور حقائق سے پردہ اٹھایا۔ چنانچہ بیوی کو سزا دینے کا واقعہ بیان فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو تمام ابتلاؤں میں صابر پایا۔ صبر ایوبی آج بھی ضرب المثل ہے۔فرمایا کیا ہی اچھا بندہ تھا۔وہ باربار اپنے ربّ کی طرف ہی جھکتا تھا۔ان قصص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیشگوئیاں تھیں۔روایت ہے کہ حضرت ایوبؑ کی آزمائش بارہ سال پر محیط تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب کا زمانہ بھی قریباً اتنا ہی ہے۔آزمائش کے بعد حضرت ایوبؑ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے اہل وعیال اور احباب جیسے اور بھی عطا ہوئے۔ ازواجِ مطہرات اور انصار کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ایوبؑ نے اپنی بیوی کی غلطی پر اسے چھمکی سے مارا۔ جبکہ محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے جانی دشمنوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا بلکہ عام معافی دے دی۔

ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ
کے (جو) یاد تھی آخرت کی اور یقیناً وہ نزدیک ہمارے البتہ برگزیدہ

الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ
لوگوں میں سے تھے اور یاد کر اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو اور یہ سب

مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۹﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۵۰﴾
نیکوں میں سے تھے یہ نصیحت ہے اور یقیناً متقیوں کے لیے البتہ اچھی ہے ٹھکانے کی جگہ

۴۶۔فرمایا ہمارے بندوں ابراھیم اوراسحاق اور یعقوب کا بھی ذکر خیر کر جو صاحبِ قوت و بصیرت تھے۔ یعنی جسمانی طور پر بھی قوی تھے اور روحانی طور پر بھی بینا تھے۔انہوں نے اپنی دونوں قوتوں کو اپنے ربّ کی رضا کے تابع کردیا۔گویا تمام عملی اور فکری توانائیاں دینِ حق کے احیاء کے لئے وقف کردیں۔انبیاء دینِ حق کے احیاء میں دیگر قوتوں کے علاوہ خاص طور پر ہاتھوں سے بھی کام لیتے ہیں تلوار پکڑیں یا قلم۔ مجاہداتِ شاقہ سے قربِ الٰہی حاصل کرتے ہیں او ربینا ہو جاتے ہیں تب علیٰ وجہ البصیرت حق کی طرف بلاتے ہیں۔یہاں اس الزام کا بھی رد ہے کہ حضرت یعقوبؑ رو رو کر اندھے ہوگئے تھے۔

۴۷۔۴۸۔**اخیـار**۔ خیر کی جمع ہے ۔خیر وسیع معنوں میں استعمال ہوتاہے۔ وہ جو ہر ایک کے نزدیک پسندیدہ ہو اور سب کو مرغوب ہو۔ خیر میں سب قسم کی بھلائی شامل ہے ۔ مالِ کثیر جو محمود طریق سے حاصل کیاہو۔ نیکی ۔نیک کام۔اخیار خوبیوں والے لوگ۔ بہترین اور افضل لوگ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت کے گھر کی یاد کے لئے مخصوص کرلیا تھایعنی وہ آخرت اور رجوع الی اللہ کا ذکر بہت کرتے تھے۔(لسان العرب) آخرت کے بجائے **ذکـری الدار** کہا گویا اصل گھر وہی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم نے انہیں خالصۃً آخرت کے گھر کے ذکر کی وجہ سے چن لیا۔(قرآن کریم اردو ترجمہ۔حضرت مرزا طاہر احمد) یہ آخرت کے گھر کی یاد ہی تھی جس نے ان کی عملی اور فکری قوتوں کو جِلا بخشی۔ یقیناً وہ سب اللہ کے حضور اس کے برگزیدہ اور بہت خوبیوں والے لوگوں میں سے تھے۔یہ بھی معنی ہیں کہ برگزیدہ لوگوں میں سے بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

۴۹۔ الیسع ؑ کاذکر قرآن کریم میں دو دفعہ انبیاء کے ساتھ آیا ہے لیکن کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ آپ بائبل میں الیشع کے نام سے مذکور ہیں۔ آپ حضرت الیاس کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔(ا۔سلاطین ۱۶/۱۹) آپ کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے۔ آپ بنی اسرائیل کے اکابر انبیاء میں سے تھے۔ **ذُوا الکِفل**۔ کفل والا۔ مہاتمابدھؑ کپل کے رہنے والے تھے۔عربی زبان میں پ

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۱﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا
باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے کھولے جانیوالے ہیں ان کے لیے دروازے تکیہ لگائے ہوئے ہونگے ان میں

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۲﴾ وَعِنْدَهُمْ
منگائیں گے ان میں میوے بہت اور پینے کی چیزیں اور پاس ہوں گی ان کے

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۳﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ
نیچی رکھنے والیاں نظر کو ہم عمر یہ وہ ہے کہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو بروز

الْحِسَابِ ﴿۵۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۵﴾ هٰذَا ؕ وَ
حساب یقیناً یہ البتہ رزق ہے ہمارا نہیں ہے اس کیلئے ختم ہونا یہ ہوگا اور

نہیں ہوتی پ کو باء یا فاء سے بدل دیتے ہیں آپ کپل وستو کے رہنے والے تھے یہ ہندی لفظ ہے یعنی کپل والے جو ذوا الکفل کے ہم معنی ہے۔آپ مہاتما بدھؑ تھے جو ہندوستان میں ایک عظیم نبی گزرے آج بھی دنیا کی بہت سی قومیں بدھ مت کی پیرو ہیں جیسے چین ، جاپان ، تبت، نیپال اور تھائی لینڈ وغیرہ۔ عیسائیت اور اسلام کے بعد سب سے زیادہ تعداد بدھ مت کے ماننے والوں کی ہے۔ان تینوں انبیاء میں قدر مشترک ان کی غریب الوطنی تھی۔ فرمایا یہ سب اخیار میں سے تھے۔ یعنی بہترین اور افضل لوگوں میں سے تھے۔

۵۰۔۵۱۔**ھٰذاذکرٌ** ط یہ ان انبیاء کا ذکر خیر ہے جن کے لئے **حسن ماٰب** کی بشارت تھی جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کے لئے **حُسن ماٰب** کہا(۴۱:)۔یعنی آخرت میں بہترین ٹھکانا۔یہاں بتایا کہ **حســن مـاٰب** انبیاء سے ہی مخصوص نہیں متقین کے لئے بھی یقیناً آخرت میں بہترین ٹھکانا ہے۔وہ بہترین ٹھکانا ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں ۔ جن کے دروازے انبیاء اور متقین کے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ گویا غیر متقیوں کے لئے کھولے نہیں جائیں گے۔ **ھٰـذاذکـرٌ** ط میں بتایا کہ ان انبیاء کے ذکر میں تمہارے لئے نصیحت ہے کہ دنیا اور آخرت میں عزّ وشرف چاہتے ہو تو ان مقربین کے اعمال وافعال اپناؤ۔ ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ انشاء اللہ دنیا میں بھی انجام بخیر ہوگا اور آخرت میں بھی جنت کے وارث بنو گے۔ اب جنت کی نعمتوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔

۵۲تا۵۵۔**اَتراب**۔ترب کی جمع ہے ۔ہم عمر۔ جبکہ تُراب مٹی ہے۔**نَفَاد**۔**نَفَدَ**۔ کم ہونا یا ختم ہونا۔ **مالہٗ من نفاد**۔ کبھی ختم نہیں ہوگا۔جنت کی نعمتوں کی اصل کیفیت ہمارے تصور میں نہیں آ سکتی۔دنیوی نعمتوں کااعلیٰ ترین تصور جو انسان کے ذہن میں آ سکتا ہے اس کو بیان فرمایا تا کہ کچھ اندازہ ہو۔ان آیات کی تشریح کے لئے (سورۃ الصّٰفّٰت آیت ۴۲ تا ۵۰) سے استفادہ کیجئے۔

اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۶ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ
یقیناً سرکشوں کے لیے البتہ بُری ہے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے داخل ہونگے اس میں پس کیا ہی بُرا ہے
الْمِهَادُ ۝۵۷ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۸ وَّاٰخَرُ مِنْ
ٹھکانا یہ ہوگا پس چکھو اسے گرم پانی اورزخموں کا دھوون اور دوسرے
شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝۵۹ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا
اسکی قسم کے مختلف (عذاب) یہ جماعت ہے گھس جانے والی ساتھ تمہارے نہ خوش آمدید

یہاں **قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** کی ایک صفت ان کا ہم عمر ہونا ہے۔ دراصل ہم عمر ہونے کی وجہ سے دوستی اور بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو دنیا میں بھی ساتھی کے انتخاب میں عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہیئے خاص طور پر جیون ساتھی کے معاملہ میں۔فرمایا یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا دنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا کہ یہ حساب کے دن ملیں گی۔بیشک یہ ہماری عطا کردہ دائمی نعمتیں ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔رزق میں تمام نعمتیں شامل ہیں۔

۵۶۔۵۷۔**طٰغین۔ طغٰی**۔ سرکش۔ طغیان پانی کا حد سے تجاوز کرنا۔ سرکشی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔ اب جہنم کے شدائد کا کچھ حال بیان فرمایا۔ ھٰذا میں ان نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو مومنوں کو ملیں۔ حد سے بڑھنے والے سرکشوں کے لئے جہنم ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور جس میں وہ داخل ہوں گے۔ کیا ہی بُری جگہ ہے ان کے رہنے کی لفظی معنی یہ ہیں کہ کیا ہی برا بچھونا ہے یہاں بتلایا کہ بستر تو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے لیکن ان کا بستر آگ ہے۔

۵۸۔۵۹۔**غسّاق**۔زخموں کا دھوون۔ شدید سرد پانی۔

یہ نتیجہ ہے ان کے اعمال کا۔ایسا ضرور ہوگا۔ پس چاہیئے کہ وہ کھولتا ہوا گرم پانی یا یخ بستہ ٹھنڈہ پانی چکھیں۔ اس لئے کہ اسے پینے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پیاس کی شدت میں صرف چکھ ہی سکیں گے۔ یہ سزائیں دنیا کے اعمال ہی کا عکس ہوں گی۔ ان لوگوں نے دنیا میں افراط اور تفریط سے کام لیا، اعتدال پر قائم نہ رہے۔ سو وہاں بھی کھولتا ہوا پانی ملے گا یا شدید سرد۔

جہنمیوں پر یہ حالات کسی حد تک دنیا میں بھی گزرتے ہیں بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل
”آتشک والے کے حلق میں زخم اور پیپ ، ناچار ان کو کھانا پڑتا ہے۔یہ دنیا میں نظارہ ہے“ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۷۸) یہ تو محض ایک نمونہ کے طور پر بتایا گیا ہے ورنہ ان سے ملتی جلتی شکل کے طرح طرح کے اور عذاب بھی ان کے شامل حال ہوں گے۔ یہ بھی مراد ہے کہ اس گروہ کے مشابہ کچھ اور گروہ بھی ہوں گے۔

بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۶۰ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًا
انھیں یقیناً وہ داخل ہونے والے ہیں آگ میں انہوں نے کہا بلکہ تم وہ ہو کہ نہ خوش آمدید ہوگا
بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۱ قَالُوْا رَبَّنَا
تمہیں تم نے آگے تیار کر رکھا تھا اسے ہمارے لیے پس کیا ہی بُرا ہے رہنے کا مقام انہوں نے کہا اے رب ہمارے
مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۲ وَ
جس نے تیار کر رکھا ہے ہمارے لیے اسے پس زیادہ دے اُسے عذاب دوگنا آگ میں اور
قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝۶۳
کہیں گے وہ کیا ہوا ہمیں نہیں دیکھتے ہم کچھ لوگوں کو کہ تھے ہم شمار کرتے انہیں شریروں میں سے
اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝۶۴ اِنَّ ذٰلِكَ
کیا سمجھا تھا ہم نے انہیں حقیر یا پھر گئیں ان سے آنکھیں یقیناً یہ
لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۶۵ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ ع ۴ ۱۳
البتہ سچ ہے جھگڑنا آگ والوں کا تُو کہدے سوائے اسکے نہیں کہ میں ڈرانیوالا ہوں اورنہیں کوئی

۶۰ تا ۶۵۔ **مُقْتَحِمٌ**۔(قحم) اندھا دھند گھسنے والا۔

قرآن کریم میں اکثر جنتیوں کے درمیان خوشگوار ماحول میں پیار و محبت سے گفتگو کرنے کا ذکر ہے جیسے سورۃ الصّٰفّٰت (۵۰ تا ۵۴) جبکہ جہنمیوں کے آپس میں لڑنے جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کا ذکر ہے جو ان کی دنیوی زندگی کا ہی عکس ہوگا۔(آیت :۵۶) سے سرکشوں کا ذکر جاری ہے۔ان آیات میں ان سرکشوں کے دو جہنمی گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلا گروہ سرداروں اور رہنماؤں کا ہوگا جنہوں نے اپنے متبعین کو گمراہ کیا یہ جہنم میں پہلے پھینکے جائیں گے۔دوسرا گروہ ان کے متبعین کا ہوگا جنہوں نے اپنی عقل سے کچھ کام نہ لیا اور آنکھیں بند کر کے اپنے سرداروں کے پیچھے چلے، انبیاء کو جھٹلایا اور ان پر ہر ظلم و ستم روا رکھا۔کافروں کے رہنما اوّل جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے۔پھر دوسرا لشکر ان کے متبعین کا آئے گا۔پہلے داخل ہونے والے رہنما آپس میں کہیں گے کہ یہ ایک اور لشکر آیا ہے جو تمہارے ساتھ عذاب میں شریک ہونے کے لئے جہنم میں گھس رہا ہے۔ ان کو کوئی خوش آمدید کہنے والا نہیں۔یہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔اس پر آنے والے متبعین کا گروہ اپنے سرداروں کو کہے گا۔ہماری بات چھوڑو۔ہم تو چھوٹے لوگ ہیں تم جو سردار تھے تمہیں خوش آمدید کہنے والا بھی کوئی نہیں۔تم ہی ہو جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا اور سیدھے راستے پر جانے سے روکا اور جہنم کو ہمارے لئے آگے بھیجا گویا جہنم ان کی بداعمالیوں سے ان کے آنے سے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی جس کا باعث ان کے سردار تھے ،جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ تب آنے والا متبعین کا گروہ

اِلٰـہٍ اِلَّا اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَھَّارُ ﴿٦٦﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ

خدا سوائے اللہ اکیلے کے غالب کے رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور

مَا بَیۡنَھُمَا الۡعَزِیۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿٦٧﴾ قُلۡ ھُوَ نَبَؤٌا عَظِیۡمٌ ﴿٦٨﴾ اَنۡتُمۡ

ان کا جو درمیان ان دونوں کے غالب (اور) بہت بخشنے والا ہے تو کہدے وہ خبر ہے بڑی تم

حق تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ اے ہمارے پروردگار جس کسی نے بھی ہمارے لئے اس جہنم کو آگے بھیجا یعنی ہمارے لئے ممکن بنایا تو اس کو دو چند عذاب دیجیو۔ پھر وہ دونوں گروہ کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم اشرار میں شمار کرتے ہیں یعنی بہت بُرا گردانتے تھے۔ کیا ہم نے ناحق ان کو ہنسی کا نشانہ بنایا تھا یعنی حقیر سمجھ رکھا تھا یا ان سے ہماری نظریں چُوک گئیں یعنی ہم ان کے مقام کو پہچان نہ سکے۔ گویا یہ حسرت بھی ہوگی کہ جن کو ہم بُرا سمجھتے تھے وہ جہنم سے بچ گئے۔ اس طرح سے جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا ایک سچی بات ہے۔ ایسا ضرور ہوگا۔ اس لئے کہ یہ دنیا میں بھی لڑتے جھگڑتے رہے۔ صلح و آشتی سے رہنا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔

٦٦۔ **قھّار**۔ قہر والا۔ صاحبِ جبروت۔ زبردست۔ غلبہ والا۔ دباؤ والا۔

پانچویں اور آخری رکوع میں ابلیس کی آدمؑ سے مخالفت کا ذکر کیا اور بتایا کہ شیطان اور شیطان صفت لوگ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔ آپؐ کے ساتھ یہ معاملہ نیا نہیں۔ شروع سورۃ سے توحید و رسالت کے ثبات میں مختلف انبیاء کے واقعات بیان فرمائے جن میں مومنین کے لئے نصائح اور کفار کے لئے عبرت کا سامان تھا تا اب اُن افعال کا اعادہ نہ ہو۔ پھر جنت کی نعمتوں کی بشارت دی اور جہنم کی عقوبتوں سے ڈرایا مگر کفار ہدایت کی طرف مائل نہ ہوئے۔ فرمایا اے محمدؐ! آپؐ ان کو بتادیجئے کہ میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں۔ میرے اختیار میں اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں مجھے بھیجنے والا میرا معبود اکیلا ہے اور قھّار ہے۔ اگر تم اپنی سرکشیوں سے باز نہ آئے تو اس کے قہر کے نیچے ضرور آؤ گے۔

٦٧۔ تم کائنات پر غور کرکے اس کی قوت و جبروت کا کچھ اندازہ کرسکتے ہو۔ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا ربّ ہے۔ وہ کامل غلبہ والا اور بہت معاف کرنے والا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان میں انسانوں اور دیگر اجرام سے غلطیاں ہوتی ہیں، انہیں بخشنے والا ہے۔ یہ غلطیاں بالارادہ نہیں بلاارادہ بھی ہوسکتی ہیں۔ کبھی اجرام فلکی دخل اندازی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں روک دیتا ہے۔ اجرام فلکی اور دیگر کئی اشیاء پر مسلسل اللہ کی مغفرت کی نظر ہے۔ ورنہ کائنات تباہ ہو جاتی۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

عَنۡہُ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿٦٩﴾ مَا کَانَ لِیَ مِنۡ عِلۡمٍۭ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰۤی اِذۡ

اس سے اعراض کرنے والے ہو نہیں ہے مجھے کوئی علم مجلس اعلیٰ کا جبکہ

یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿٧٠﴾ اِنۡ یُّوۡحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿٧١﴾ اِذۡ

وہ جھگڑتے تھے نہیں وحی کی جاتی طرف میری مگر یہ کہ میں ڈرانے والا ہوں کھلا کھلا جب

قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿٧٢﴾ فَاِذَا

کہا رب نے تیرے فرشتوں کو یقیناً میں پیدا کرنیوالا ہوں انسان مٹی سے پس جب

سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿٧٣﴾

مکمل کرلوں اسے اور پھونکوں اس میں اپنی روح پس گر پڑو اس کیلئے سجدہ کرتے ہوئے

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿٧٤﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَکۡبَرَ

پس سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے مل کر سوائے ابلیس کے اس نے تکبر کیا

وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ

اور تھا وہ کافروں میں سے فرمایا اے ابلیس کس نے روکا تجھے کہ تو سجدہ کرے

٦٨۔٦٩۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں "یہ عظیم خبر (آیت:٦٨) میں ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہورہی ہے۔ فرمایا پہلے بندوں کے حال کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جن باتوں کو نظر انداز کرکے وہ اس حال کو پہنچے۔ وہ بھی خبر ہے"۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) قرآن کریم بھی مراد ہے جو ایک عظیم مژدہ ہے لیکن تم اس سے منہ پھیر رہے ہو۔

٧٠۔٧١۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ ہر مامور کی بعثت پر آسمان میں بڑی بحث ہوتی ہے۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ٤٩٣) شروع سورۃ سے انبیاء کے قصص میں، جنت و جہنم کی تفصیل اور کائنات کے رازوں میں غیب کا علم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا مجھے غیب کا ہرگز علم نہیں میں تو صرف آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے والا ہوں۔ آسمانی خبروں تک میری دسترس نہیں۔ سوائے اس کے جو میرا ربّ مجھے وحی کے ذریعہ علم دے۔ مجھے عالم بالا میں ملاء اعلیٰ کی بحث کی کچھ خبر نہیں۔ اس بحث کی جو حضرت آدمؑ کی بعثت پر ہوئی اور نہ اس بحث کی جو میری نبوت کی نسبت ہوئی۔ (تشحیذ الاذہان جلد ٧ نمبر٢ صفحہ ٨٨) کفار مکہ قرآن کریم کی پیشگوئیوں کو جھٹلاتے تھے لیکن قرآنی قصص کو نہیں جھٹلا سکتے تھے۔ جانتے تھے کہ آپؐ اُمّی ہیں۔ مکہ میں نصاریٰ نہیں تھے۔ چند یہودی غلام تھے جن کو توریت کا علم نہیں تھا۔ یقیناً ماضی اور مستقبل کی خبریں آپؐ کو وحی الٰہی سے ملتی تھیں جیسا کہ اگلی آیات میں حضرت آدمؑ اور ابلیس کا قصہ بیان فرمایا۔

٧٢ تا ٧٥۔ حضرت آدمؑ کے واقعات (سورۃ البقرۃ: ٣١ تا ٤٠، سورۃ الاعراف ١٢ تا ٢٦

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۚ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٦﴾
اسے کہ جسے پیدا کیا میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کیا اپنے آپکو بڑا سمجھا تونے یا تھا تو بلند مرتبہ والوں سے
قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٧﴾
اس نے کہا میں بہتر ہوں اس سے پیدا کیا تونے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تونے اُسے مٹی سے

سورۃ الحجر: ۲۷ تا ۴۳، سورۃ بنی اسرائیل: ۶۲ تا ۶۶، سورۃ الکہف: ۵۱-۵۲، سورۃ طٰہٰ: ۱۱۷ تا ۱۲۸) میں نہایت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ استفادہ فرمائیے۔ اس مضمون کا باربار اعادہ کیا گیا ہے۔ بتانا یہی مقصود تھا کہ ہر مامور کی آدمؑ کی طرح مخالفت کی گئی لیکن شیطان اور اس کی ذریت آخرکار مغلوب ہوئے۔ ملائکہ میں ایسے نیک لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو فطری طور پر نیک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے آدم تھے۔ ربّکَ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بحث تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ''جاننا چاہیئے کہ یہ سجدہ کا حکم اُس وقت سے متعلق نہیں ہے جب حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے مگر یہ علیحدہ ملائک کو حکم کیا گیا کہ جب کوئی انسان اپنے حقیقی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچے اور اعتدالِ انسانی اس کو حاصل ہوجائے اور خدا تعالیٰ کی روح اس میں سکونت اختیار کرے (گویا وہ صاحبِ الہام ہو جائے) توتم اس کامل کے آگے سجدہ میں گرا کرو۔ یعنی آسمانی انوار کے ساتھ اس پر اترو اور اس پر صلوٰۃ بھیجو۔ سو یہ اُس قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔۔۔۔ جب بندہ اپنے نفس سے فانی ہوکر بقاء باللہ کا درجہ حاصل کرتا ہے تو ایک خاص طور پر نزول ملائکہ کا اس پر شروع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ سلوک کی ابتدائی حالت میں بھی ملائک اس کی نصرت اور خدمت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نزول ایسا اتم اور اکمل ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم رکھتا ہے اور سجدہ کے لفظ سے اللہ نے یہ ظاہر کردیا کہ ملائکہ انسانِ کامل سے افضل نہیں بلکہ وہ شاہی خادموں کی طرح سجداتِ تعظیم انسانِ کامل کے آگے بجا لاتے ہیں''۔ (توضیح مرام صفحہ ۴۹-۵۰) ''۔۔۔۔۔سو ہر ایک اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا ہے۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۸)

۷۶-۷۷۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں'' تکبر شیطان سے آتا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے جب تک انسان اس سے دور نہ ہو۔ یہ قبولِ حق اور فیضانِ الوہیت کی راہ میں روک ہے۔ کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہئے نہ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر انہی باتوں کی وجہ سے تکبر پیدا ہوتا ہے

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٨﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي
فرمایا پس نکل جا اس سے پس یقیناً تو راندہ گیا ہے اور یقیناً تجھ پر لعنت ہے میری
إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٩﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٨٠﴾
تا روز جزا اس نے کہا اے رب میرے پس مہلت دے مجھے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائینگے
قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٨١﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨٢﴾
فرمایا پس یقیناً تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے تا روز وقت مقررہ کے
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٣﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
اس نے کہا پس قسم ہے تیری عزت کی ضرور گمراہ کرونگا میں انہیں سب کو سوائے بندوں کے تیرے ان میں سے
الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٤﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٥﴾ لَأَمْلَأَنَّ
مخلصوں کے فرمایا پس سچ یہ ہے اور سچ ہی مَیں کہتا ہوں ضرور بھروں گا میں

اور جب تک انسان اِن گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک و صاف نہ کرے اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہوسکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے موادِ ردیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے بھی تکبر کیا تھا اور آدمؑ سے اپنے آپ کو بہتر سمجھا'' ۔۔۔۔۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے حضور سے مردود ہوگیا۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۲)

ابلیسی قوتیں ہر مامور کی دفعہ انہی پرانے ہتھکنڈوں سمیت حملہ آور ہوتی ہیں۔ مشرکین عرب محض حسد اور تکبر سے آپ کے پیغام پر غور کرنے کو تیار نہیں تھے۔ پس جو انجام ابلیس کا ہوا وہی ان کا بھی ہونا ہے۔ (تفسیر کبیر امام رازی) اللہ تعالیٰ کا انسان کو خاص اپنے ہاتھ سے بنانا اپنی خاص قدرتوں سے بنانا ہے اور بشر کے لئے باعثِ عزّ و شرف ہے۔ یہاں یہ نسبت حضرت آدمؑ کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے کہی گئی ہے (قرطبی) **استکبرت اَم کُنت مِن العالین o** کیا تونے تکبر سے کام لیا اور جھوٹ بولا (تکبر میں جھوٹ اور تصنع دونوں شامل ہیں) کہ میں عالین میں سے ہوں جبکہ تو اس کا اہل نہیں تھا۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی اس میں کئی حکمتیں تھیں۔ مٹی میں عاجزی اور انکساری ہے جس سانچے میں چاہو ڈھل سکتی ہے۔ مٹی سے نمو ہے جبکہ آگ ختم کرنے والی ہے۔

۷۸-۷۹۔ ان آیات کی تشریح کے لئے آیت ۷۲ میں درج آیات سے استفادہ فرمائیں۔

۸۰ تا ۸۴۔ **یوم یُبعثُون** یعنی نیک لوگوں کے اس مرتبہ تک پہنچنے سے پہلے پہلے اسے ان کو ورغلانے کا موقع ملتا ہے۔ **الیٰ یومِ الوقتِ المعلوم** سے مراد بھی یہاں قیامت نہیں۔

جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۶﴾ قُلْ مَآ
جہنم کو تجھ سے اور ان سے جنہوں نے پیروی کی تیری ان میں سے سب سے تو کہدے نہیں
اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۷﴾ اِنْ
مانگتا میں تم سے اس پر کوئی مزدوری اور نہیں ہوں میں بناوٹ کرنیوالوں میں سے نہیں ہے
۵ ع ۲۴ ۱۴ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۹﴾
یہ مگر نصیحت تمام دُنیا کے لیے اور ضرور جان لوگے تم خبر اس کی بعد کچھ عرصہ کے

بعثتِ رسول کے مقررہ دن تک تجھے ڈھیل ہے۔یہ دن ہر نبی کی بعثت کے ساتھ آتا ہے۔تاہم درمیانی عرصہ میں بھی مخلصین اس کی دسترس سے باہر ہوں گے۔

۸۵۔۸۶۔ فرمایا!حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو ضرور بھردوں گا تجھ سے اور ان سب سے جو ان میں سے تیری اتباع کریں گے۔

۸۷۔۸۸۔ انبیاء میں تکلف اور بناوٹ ہرگز نہیں ہوتی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!میں اور میری امت کے متقی تکلف سے بیزار ہیں۔سیدنا حضرت مصلح موعود نے تحریک جدید کے مطالبات پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ میں جہاں تک۔۔۔۔۔ پر غور کرتا ہوں مجھے اس کے تمدن کا یہ نقطۂ مرکزی نظر آتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہزاروں قومی خرابیاں تکلف سے پیدا ہوتی ہیں ۔ (مطالبات صفحہ ۲۹ مرسلہ وکیل المال اوّل)

فرمایا قرآن کریم جو تمام اقوام عالم کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی اتباع کروانے کی ذمہ داری جنابِ الٰہی سے میرے سپرد ہوئی ہے۔اس کی تعلیمات کو بندگانِ خدا تک پہنچانے کے لئے ،میں جو دن رات تبلیغ حق میں مصروف ہوں اور اس کے بدلے میں سختیاں سہہ رہا ہوں تو اِس میں میری اپنی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ نہیں ۔ کوئی دنیوی مفاد میرے پیش نظر ہے نہ میں یہ سب کسی دکھاوے کے لئے کررہا ہوں۔ میری تو طبیعت میں ہی تصنع اور بناوٹ نہیں۔ میں تو دل سے آپ سب کا خیر خواہ ہوں۔ یہ اقوام عالم کے لئے ہدایت ہے اگر تم نے قدر نہ کی تو دوسری اقوام اس سے فیضیاب ہوجائیں گی جبکہ تم محروم رہو گے۔

۸۹۔تم اس حقیقت کو جلد ہی جان لوگے۔اس قسم کا فقرہ دھمکی کے لئے آتا ہے۔ مستقبل کی تاریخ بتادے گی کہ اس کی تمام پیشگوئیاں سچی ہیں ۔ انبیائے سلف کی کتابیں ، زمانے کے تغیرات اور آثار قدیمہ کی گواہیاں ، گزشتہ گزری ہوئی باتوں اور انبیاء سلف کے حالات کو قرآن کریم کے عین مطابق سچ کر دکھائیں گی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زمر۔یہ سورۃ مکی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی چھہتر آیات اور آٹھ رکوع ہیں

یہ سورۃ سورۃ سبا سے شروع ہونے والی چھ سورتوں کے مجموعہ کی آخری سورۃ ہے۔ زمانہ نزول اور مضمون قریباً وہی ہے جو اس مجموعہ کی باقی سورتوں کا ہے۔(استفادہ فرمایئے)

سورۃ صٓ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کی اور جن تک شیطان کی رسائی نہیں۔ اس سورۃ کے آغاز میں ہی اعلان فرمایا کہ اے رسول !دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کر۔یقیناً اللہ تعالیٰ خالص دین کو ہی قبول فرماتا ہے۔

اس مجوعہ کی پہلی سوۃ سورۃ سبا الحمدللہ سے شروع ہوئی اور اس مجموعہ کی یہ آخری سورۃ **الحمد للّٰه ربّ العٰلَمین** پر ختم ہوئی ہے۔

جیسا کہ زُمر کے نام سے ظاہر ہے اس سورۃ میں مومنوں اور کافروں کے دو گروہوں کا مفصل بیان اور ان کے انجام کا ذکر ہے جس میں بہت سی سبق آموز نصائح ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّآ اَنْزَلْنَآ

اُتارنا اس کتاب کا طرف سے اللہ غالب (اور) حکمت والے کے یقیناً ہم نے اتاری ہے

اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ③

طرف تیری یہ کتاب ساتھ حق کے پس عبادت کر اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے فرمانبرداری

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

دیکھو اللہ ہی کیلئے ہے فرمانبرداری خالص اور وہ لوگ جنہوں نے بناشے ہیں سوائے اس کے

اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ

دوست (وہ کہتے ہیں) نہیں ہم عبادت کرتے ان کی مگر تاکہ وہ کردیں ہمیں طرف اللہ کے قریب

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ

یقیناً اللہ فیصلہ کریگا درمیان ان کے اس میں کہ وہ جس میں اختلاف کرتے ہیں یقیناً

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔سورۃ کی ابتدا ہی اس مضمون سے کی کہ یہ کامل کتاب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا کلام نہیں بلکہ اس خدا کا کلام ہے جو غالب ہے۔وہ اپنا کلام تم پر زبردستی بھی نافذ کرسکتا تھا۔ لیکن وہ حکیم ہے۔اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انسان بھی اس حکمت سے حصہ لے اور اس کتاب پرغور کرے ، اسے سمجھے اور ہدایت حاصل کرے۔

۳۔ یہ کتاب جو تیری طرف اتاری ہے یہ سراسر حق اور سچائی پر مبنی ہے گویا ہر قسم کے باطل سے پاک ہے ۔ پس تمہاری عبادت بھی خالص خدا تعالیٰ کے لئے ہو۔ اس میں کسی باطل کی ملونی نہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے عبادت کی تعریف یہ کی کہ ’’ اعلیٰ سے اعلیٰ محبت معبود کی جس سے پرے کوئی درجہ نہ ہو۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی عظمت معبود کی جس سے پرے کوئی درجہ نہ ہو۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تزلّل معبود کی خدمت میں جس سے پرے کوئی درجہ نہ ہو۔‘‘(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ نومبر ۱۹۱۰ء)

۴۔ **الــزُّلْفة** کے معنی قُرب اور مرتبہ کے ہیں۔ کفر کے لفظی معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔کفر کا لفظ انکار دین اور ناشکری کے معنی میں آتا ہے۔کفران نعمت ،نعمت کی ناشکری کرکے اسے چھپانے کے ہیں۔

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ④ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ

اللہ نہیں ہدایت دیتا اسے کہ جو جھوٹا سخت ناشکر ہے اگر چاہتا اللہ کہ

یہاں خوب واضح کردیا کہ عبادت جس میں ہر نیکی شامل ہے ۔محض اللہ کے لئے ہے نہ اس لئے کہ اس کی وجہ سے دنیا یا آخرت میں کوئی اجر ملے ۔ اللہ صرف اسے قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لئے ہو۔کسی او رغرض کو مدنظر رکھ کر نیکی کرنا شرکِ خفی ہے ۔غرض ایک مومن کے مدِنظر ہمیشہ اپنے ربّ کی رضا ہوتی ہے اس کی ہر نیکی محض اس لئے ہوتی ہے کہ اس کا ربّ راضی ہو جائے اور اس کا قرب نصیب ہو جائے۔مشرکین کا مؤقف بھی یہی ہے کہ ہم بتوں کی پوجا اس لئے کرتے ہیں تا وہ ان کا وسیلہ بن کر ان کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

جہاں تک وسائل اور وسائط کا تعلق ہے ہر مذہب اسے تسلیم کرتا ہے۔ جس طرح دنیا میں منزل پر پہنچنے کے لئے وسائل اور ذرائع ہیں اسی طرح روحانی امور میں وسائط اور وسائل ہیں۔ اگر ہمیں خدا تک پہنچنا ہے تو آنحضرت ﷺ کو وسیلہ مان کر اُن طریق کو اختیار کریں گے جو آپؐ نے اپنے ربّ تک پہنچنے کے لئے اختیار کئے۔آپؐ کا عمل قرآن تھا۔ پس قرآن پر عمل ہمیں اپنے ربّ کا مقرب بنا دے گا۔ ہمیں کسی پیر فقیر کے آستانے پر جانے کی ضرورت نہیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ عبادت خالص خدا کے لئے کریں اور سہارا کسی اور کا ڈھونڈیں بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو وسیلہ مانتے ہیں آپؐ کی اتباع کے بغیر قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا مگر سہارا صرف خدا کا ہوگا۔ چونکہ خدا نظر نہیں آتا تھا اس لئے مشرکین نے ابتداء میں ایک فرضی تشبیہ بنالی تاکہ عبادت میں توجہ ایک طرف مرکوز رہے۔ بعد میں اصل منزل کو بھول کر بتوں کو ہی تمام اختیارات کا مالک سمجھنے لگے اور انہیں کو خدا بنالیا۔عذر اب بھی یہی پیش کرتے ہیں کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بت پرستی کرتے ہیں۔ بعض پیر پرست بھی یہی عذر کرتے ہیں کہ ان پیروں کی وساطت سے ہمیں خدا کے دربار میں رسائی حاصل ہوگی اس لئے تصور شیخ کرتے ہیں۔ مشرکین نے بتوں کو آگے رکھ لیا۔ پیر پرست تصورِ شیخ میں کھو گئے جو شرک کی بدترین اقسام ہیں۔

اس معاملہ میں لوگ الگ الگ مسلک پر قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ تمام اختلافی امور کا فیصلہ کر دے گا۔ یہ نہ صرف جھوٹے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ناشکر گزار بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے جس کی ناقدری کرتے ہیں ۔ اللہ ایسوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

بناوے اولاد البتہ چُن لیتا اس سے جو پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے پاک ہے وہ

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۵ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ

وہ اللہ ہے واحد بہت غالب اس نے پیدا کئے آسمان اور زمین ساتھ حق کے

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ

لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور کام میں لگائے اس نے

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ

سُورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے تا میعاد مقررہ دیکھو وہ غالب (اور) بہت

الْغَفَّارُ ۝۶ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

بخشنے والا ہے اس نے پیدا کیا تم کو نفس واحد سے پھر پیدا کیا اس سے بیوی کو اس کی

۵۔اب نصاریٰ کے شرک کی نفی فرمائی کہ اگر اللہ تعالیٰ کو بیٹے کی حاجت ہوتی تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چُن لیتا۔ یعنی یہ اختیار تمہیں نہ دیتا کہ تم جس کو پسند کرو اُس کا بیٹا بنادو بلکہ یہ اختیار خود استعمال کرتا اور مخلوق میں سے اپنے پسندیدہ اور برگزیدہ وجود کو یہ منصب عطا کرتا۔ پھر اسے کسی حد تک اپنی خدائی میں بھی شریک کرتا۔ ظاہر ہے کہ اگر بیٹا بننے کا کوئی اہل تھا تو وہ محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے سوا کوئی نہ تھا۔ جب آپ کو یہ منصب نہیں ملا تو کسی دوسرے کو کیسے مل سکتا ہے۔

بیشک گزشتہ صحائف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو بیٹا کہہ کر پکارا ہے لیکن وہ محض محبت کا اظہار تھا اور مجازی رنگ میں تھا۔ یہ نہیں کہ وہ سب مقربین اللہ تعالیٰ کی حقیقی اولاد تھے۔ فرمایا وہ پاک ہے اور ان بشری حاجتوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ اکیلا اور صاحبِ جبروت ہے۔ اسے اپنی توحید بے حد عزیز ہے۔ اگر توحید پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو لازماً اس کے قہر کے نیچے آ ؤ گے۔

۶۔**يُكَوِّرُ - الكَوّر** - ایک چیز کا لپٹنا۔ اور اس کے بعض کا بعض سے ملانا ہے۔ جیسے پگڑی کا لپیٹنا۔

اب توحید کے دلائل میں اللہ تعالیٰ کی بعض قدرتوں کا بیان ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اس میں باطل کی گنجائش ہرگز نہیں۔ تخلیق کائنات میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں زمین کے گول ہونے اور قدرے بیضوی انداز سے اپنے محور کے گرد گھومنے کی طرف اشارہ ہے ورنہ دن اور رات کا ظہور نہ ہوتا۔ سورج اور چاند ایک خاص

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ

اور اس نے آتارے تمہارے لیے چارپایوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کرتا ہے تم کو

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ

پیٹوں میں ماؤں کے تمہاری ایک پیدائش بعد دوسری پیدائش کے اندھیروں تین میں

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى

یہ ہے اللہ رب تمہارا اسی کی ہے بادشاہی نہیں کوئی خدا سوائے اسکے پس کہاں

تُصْرَفُوْنَ ۝۷ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى

پھیرے جاتے ہو تم اگر تم کفر کرو تو یقیناً اللہ بے پرواہ ہے تم سے اور نہیں پسند کرتا وہ

قانون میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یعنی ایک خاص قانون کے تحت اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کُلٌّ میں بتایا کہ سورج اور چاند ہی نہیں کائنات میں ہر شے ایک مقررہ مدت تک کے لئے ایک مقررہ راستہ پر رواں ہے۔ گویا کائنات میں ہر چیز گھوم رہی ہے ان کائناتی قوانین اور قوتوں سے اس کا غالب ہونا ثابت ہے۔ پس اسے تمام طاقتیں حاصل ہیں۔ تمہارے شرک پر تمہیں پکڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ غفور بھی ہے۔ جلد نہیں پکڑتا مہلت دیتا ہے تا اپنے بندے کے لئے معافی کا سامان کرے۔

۷۔ پہلے تخلیقِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں کا کچھ بیان فرمایا۔ اب تخلیقِ بشر میں ابتدائے افرینش کے رازوں سے پردہ اٹھایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ یہاں آدم و حوا کا ذکر نہیں بلکہ ان سے کروڑہا کروڑ سال پہلے کا ذکر کیا جب انسان اپنی ارتقاء کے ابتدائی مدارج طے کر رہا تھا۔ اس دور میں ایک جان اپنا ایک چھوٹا سا خلیہ (Cell) پانی میں پھینک دیتی تھی اور دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ وہ خلیہ نشوونما پا جاتا۔ پھر دوسرا دور آیا اور قدرتِ خداوندی سے ایک خلیہ نے مذکر کی شکل اختیار کی۔ اب مؤنث اور مذکر دونوں اپنے اپنے خلیے پانی میں گراتے جو پانی میں ایک دوسرے سے مل جاتے اور ان کی نشوونما ہونے لگتی۔ بالآخر وہ دور آیا جب مذکر اور مؤنث میں ملاپ ہونے لگا اور جنین مؤنث کے پیٹ میں پرورش پانے لگا۔ اپنے بندوں کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اُن کی ضروریات کے لئے مختلف اشیاء مہیا فرمائیں۔ یہاں خاص طور پر اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری کے جوڑوں کا ذکر کیا جو انسان کے لئے سواری کے علاوہ گوشت اور دودھ فراہم کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

اگر انسان اپنی پیدائش پر غور کرے تو خالق و مالک کی عظیم قدرتوں میں سے ایک، رحمِ مادر میں جنین کا تدریجاً نشوونما پانا ہے۔ پہلے نطفہ پھر علقہ اور پھر مضغہ بننے کے مختلف مدارج سے

لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ، وَإِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ، وَلَا تَزِرُ

اپنے بندوں کے لیے کفر اور اگر شکر کرو تم تو پسند کرتا ہے اُسے تمہارے لیے اور نہیں بوجھ اٹھاتا

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى، ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ

کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا، پھر طرف اپنے رب کی لوٹنا ہے تمہارا پھر وہ آگاہ کرے گا تم کو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ وَاِذَا

اس سے کہ تھے تم عمل کرتے یقیناً وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کی بات کو اور جب

گزر کر ایک صحیح سالم بچے کی شکل اختیار کرنا، خالقِ کُل کی خالقیت کا کمال ہے۔ جس نے تین اندھیروں میں اپنی صناعی کا شاہکار تخلیق کیا اور ایک ایسا وجود پیدا کیا جس کے اندر کا پیچیدہ نظام آج بھی بڑے بڑے حکماء اور سائنسدانوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ ایک سائنسدان لکھتا ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی کوئی مشین خالق کے بنائے ہوئے انسان سے زیادہ پیچیدہ نہیں۔ یہاں تین اندھیروں سے مراد شکم، رحمِ مادر اور جنین کی جھلی ہے۔ حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ نے مجلس عرفان میں فرمایا کہ قرآن کریم میں بچے کی پیدائش کے تعلق میں جن تین پردوں کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق ایک کینیڈین سائنسدان نے جو ماہر حیاتیات (Biologist) ہیں ایک آرٹیکل میں اسلامی نظریات کی تائید کرتے ہوئے خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ قرآن میں جو کچھ بیان ہوا ہے جدید سائنس کے انکشافات اور سینکڑوں سال کے تجربات کا نچوڑ ہے۔

فرمایا! یہ ہے اللہ تمہارا ربّ، اسی کی بادشاہی ہے۔ یعنی تمام کائنات میں اختیار و اقتدار اسی کا ہے۔ اے انسان! جس نے تمہارے لئے ایک کائنات تخلیق کی، تمہیں عدم سے وجود میں لایا اور کمال تک پہنچایا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور بندگی کے لائق ہوسکتا ہے۔ ان تمام دلائل کے باوجود تم کہاں پھرائے جاتے ہو۔ پھرائے جانے میں اشارہ ہے کہ کون ہے جو تمہیں غلط راہوں پر چلا رہا ہے۔ کس کے بہکاوے میں آئے ہوئے ہو کہ ایک عام بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ یہاں ان سرداروں اور رہنماؤں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے مفاد کی خاطر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

۸۔ آیت! ۴ میں گزرا ہے کہ کفر کا لفظ انکارِ دین اور ناشکری کے معنی میں آتا ہے۔ (استفادہ کیجئے) ربِّ دوجہاں کی قدرتوں اور عظمتوں کا بیان تھا۔ فرمایا اگر تم اپنے خالق و مالک کا انکار کرو گے، اس کی ناشکری کرو گے اور اُن تمام نعمتوں کو بھول جاؤ گے جو اس کے فضل سے ہر دم تمہارے شامل حال ہیں تو یاد رکھو وہ بے پرواہ ہے اسے تمہارے شکر کی حاجت نہیں۔ لیکن ماں سے ستر گنا بلکہ ستر کروڑ گنا زیادہ پیار کرنے والے تمہارے ربّ کو یہ کب پسند ہے کہ اُس کے

مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ

پہنچتی ہے انسان کو تکلیف پکارتا ہے اپنے رب کو جھکتا ہوا طرف اس کی پھر جب وہ دیتا ہے اُسے

نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ

نعمت اپنی طرف سے بھول جاتا ہے اس (مصیبت) کو کہ تھا وہ پکارتا طرف جس کی پہلے اور ٹھہراتا ہے

لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ، قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا قلے

اللہ کے شریک تاکہ گمراہ کرے راہ سے اس کی تو کہدے فائدہ اٹھا ساتھ اپنے کفر کے تھوڑا سا

اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۞ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا

یقیناً تو آگ والوں میں سے ہے کیا وہ جو عبادت کرنے والا ہے اوقات میں رات کے سجدہ کرتے ہوئے

بندے ہو کر اُسی کا انکار کرو۔ اس کی نعمتوں کی ناشکری کرو اور خود کو دکھوں میں ڈالو۔ گویا ربِ کریم کو تمہارا خود کو دکھ میں ڈالنا پسند نہیں۔

اسے تو یہ پسند ہے کہ اُس کے شکر گزار بندے بنو اور ابدی نعمتیں حاصل کرو۔ اپنے ربّ کا شکر گزار بندہ بننے کے لئے اس کے احکام پر عمل از بس ضروری ہے جو ہمارے اپنے مفاد میں ہے۔ مکافاتِ عمل کا تقاضا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج خود بھگتے گا اور کوئی کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ دنیا میں اکثر انسان خود کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کو اپنے اعمال سے آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ اللہ دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والا ہے۔ گویا پورا پورا انصاف ہوگا۔

۹۔ **منیب**۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ جھکنے والا۔ **خَوَّلَ**۔ اس نے بخشا۔ عطا کیا۔

ابھی کافر و مومن یعنی ناشکرگزار اور شکر گزار بندوں کا ذکر ہوا یہاں ناشکرگزار بندوں کا ذکر ہے جبکہ اگلی آیت میں اللہ کے مومن اور شکر گزار بندوں کے کچھ احوال بیان فرمائے۔ فرمایا جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کے نتیجہ میں انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب اسے ربّ یاد آ جاتا ہے اور خالصۃً اسی کی طرف جھکتے ہوئے اسے پکارتا ہے۔ گویا انسان کی فطرت میں خدا ہی ہے کہ جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو بے اختیار خدا کو ہی پکارتا ہے اور ربِّ رحیم یہ جانتے ہوئے بھی کہ تکلیف کے دُور ہوتے ہی کفر و شرک کی طرف لوٹ جائے گا، اپنے بندے کی وقتی پکار کو سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور اپنی نعمت سے نوازتا ہے۔ تب اُس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لئے قبل ازیں آہ وزاری کیا کرتا تھا اور اللہ کا ہمسر بنانے لگتا ہے۔ گویا اسے دور کرنے میں دوسروں کا بھی دخل ہے۔ اگر اس مصیبت کو یاد رکھتا تو کبھی شرک کا

وَقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ
اور کھڑے ہوکے ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے رحمت کی اپنے رب سے تو کہدے کیا
يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا
برابر ہوتے ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے سوائے اسکے نہیں
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۰﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا ع ۱۰ ۱۵
کہ نصیحت پکڑتے ہیں عقلوں والے تو کہدے اے میرے بندو وہ جو ایمان لائے ہو ڈرو

مرتکب نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو کسی دوسرے کی طرف منسوب نہ کرتا اور اپنے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا موجب نہ بنتا۔ مثلاً جب یہ چرچا ہو کہ فلاں کا بگڑا ہوا کام فلاں بزرگ کے دم درود یا تعویذ وغیرہ سے سنور گیا تو کمزور عقیدہ لوگ خدا کو بھول کر اسی آستانے پر جھولی پھیلائیں گے۔ بیشک کفرانِ نعمت سے کچھ عارضی فوائد حاصل کر لوگے لیکن ناشکری کی سزا آخر جہنم ہے۔

۱۰۔ **قـــانـــت**" کے معنی اطاعت گزار کے ہیں۔ جب خاص نماز کے لئے آئے جیسے **قوموا للّٰہِ قانتین** ۔ تو وہاں مراد وہ شخص ہوتا ہے جو نماز میں اپنی نگاہ پست رکھے۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھے، اپنے بدن یا کپڑوں سے کھیل نہ کرے۔ نہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے اختیار سے نماز میں یاد کرے۔ بھول اور غیرارادی وسوسہ اس کے منافی نہیں۔ (قرطبی) مسند بزاز میں ہے کہ جب بندہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو خدا فرماتا ہے !تو کدھر دیکھتا ہے؟ کیا تیرے نزدیک مجھ سے بھی بہتر کوئی چیز ہے، تو میری طرف دیکھ۔ دوسری دفعہ بھی خدا یہی فرماتا ہے۔ پھر تیسری دفعہ جب اس سے یہ حرکت صادر ہوتی ہے تو خدا اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۰۸)

آیت:۸ سے کافر و مومن کا ذکر جاری ہے پہلا وہی ہے جو مصیبت میں اپنے ربّ کو پکارتا ہے اور مصیبت ٹلتے ہی کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (آیت:۹) دوسرا اللہ کا خاص مومن بندہ ہے جس کی صفات یہاں بیان فرمائیں کہ یہ اللہ کا اطاعت گزار بندہ فرض نمازوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنی راتوں کو سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے یعنی تہجد گزار ہے۔ احادیث میں تہجد کی بے حد فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا رات کے درمیانی حصہ میں جو آخری رات کے قریب ہو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سلام سے پہلے) (ترمذی) نیز آپؐ نے فرمایا کہ بندہ اپنے ربّ سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو۔ اس لئے سجدہ میں بہت دعا کیا کرو۔ (مسلم کتاب الصلوۃ بروایت حضرت ابوہریرہؓ) حضرت بلالؓ بیان

رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ
اپنے رب سے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں نیکی ہے اور زمین
اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۱﴾
اللہ کی وسیع ہے سوائے اس کے نہیں کہ پورا دیئے جائیں گے صبر کرنیوالے ثواب اپنا بغیر حساب کے

کرتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تمہیں نماز تہجد کا التزام کرنا چاہیئے کیونکہ یہ گزشتہ صالحین کا طریق رہا ہے بیشک قیام اللّیل قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے گناہوں سے روکتا ہے، برائیوں کو ختم کرتا ہے اور جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ (ترمذی ابواب الدعوات) ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب ہارٹ سپیشلسٹ نے ربوہ میں اپنی تقریر میں بتلایا کہ جو لوگ رات کے پچھلے پہر اٹھتے اور عبادت بجالاتے ہیں وہ بفضل تعالیٰ عموماً دل کے حملہ سے محفوظ رہتے اور لمبی عمر پاتے ہیں۔ قادیان اور ربوہ کا بہشتی مقبرہ اس پر شاہد ہے۔ (تفصیل ذاریٰت:۱۸) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ خطبہ جمعہ ۲۲ جون ۲۰۰۱ء میں فرماتے ہیں" بخشش طلب کرنا دراصل تہجد کی نماز کے استغفار سے تعلق رکھتا ہے اور دن بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں ، راتیں لمبی ہوں یا چھوٹی ہوں، تہجد کی نماز کی عادت ڈالنی چاہیئے اور اس میں استغفار کی عادت ڈالنی چاہیئے اور استغفار سے کام لینا چاہیئے ۔۔۔۔۔ حدیث شریف میں ہے۔ خوشخبری ہو اس کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں استغفار کو کثرت سے پایا۔۔۔ آنخضرت ﷺ کے استغفار کے یہ معنی ہیں کہ اے اللہ !جس طرح پہلے تو نے مجھے گناہوں سے پاک رکھا ہے آئندہ زندگی میں بھی ہمیشہ مجھے گناہوں سے پاک رکھنا۔"ان تمام عبادتوں کے باوجود یہ میرے مومن بندے آخرت سے ڈرتے رہتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مغفرت اللہ کی رحمت سے ہوگی نہ کہ ہمارے اعمال سے ۔ کیا اللہ کی طرف سے علم ومعرفت جاننے والے اور جاہل برابر ہوسکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔

یقیناً عقلمند لوگ ہی سوچتے ہیں اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اگر عقل رکھنے کے باوجود کوئی نہ سمجھے تو اللہ کے نزدیک وہ جاہل ہے جیسا کہ ابوالحکمت ، ابو جہل تھا۔ اگر کوئی کم عقل سمجھ گیا اور ہدایت پا گیا تو وہ اللہ کے نزدیک ہزار عقلمندوں پر بھاری ہے۔

۱۱۔ **الـــحـــســـنـــة**۔ ہر وہ نعمت جو انسان کو اس کے نفس یا بدن یا اس کی کسی حالت میں حاصل ہو کر اس کے لئے مسرت کا سبب بنے حسنۃ کہلاتی ہے۔ حسنۃ سے مراد فراخی، وسعت اور کامیابی ہے۔ بھلائی۔ اس کی ضد سیـــئـــة ہے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اطاعت گزاروں کے لئے اجر اور نافرمانوں کے لئے سزا کا ذکر ہے۔

اب ان مومن بندوں سے خطاب فرمایا کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ پر تو وہ پہلے ہی قائم تھے۔ یہاں مقصد یہ تھا کہ تقویٰ کے لامتناہی مدارج ہیں۔ کسی مقام پر رُک نہ جانا بلکہ ہمیشہ ترقی کی راہوں پر آگے ہی آگے قدم رکھنا۔ یہ متقی بندے جو اس دنیا میں نیک اعمال بجالاتے ہیں، بندوں پر احسان کرتے اور احکام الٰہی کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کے لئے بہترین اجر ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہی اللہ کے نیک بندے جب آزمائے جاتے ہیں تو ان کو نیکیوں اور احکام شرعیّہ پر عمل سے بالجبر روکنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ اپنے ایمان پر قائم رہتے ہوئے ہر سختی کا صبر اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے وطن میں قبولِ صداقت اور تبلیغ حق کی پاداش میں تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اللہ کی زمین ان پر تنگ کر دی جاتی ہے۔ مگر یہ صبر کا دامن نہیں چھوڑتے۔ فرمایا اے میرے بندو! یاد رکھو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ تم ایسی جگہ ہجرت کر جاؤ جہاں مذہبی آزادی ہو اور مذہب کے نام پر ظلم وتشدّد نہ ہوتا ہو۔ ہجرت میں ہجرت کے اجر کے علاوہ صبر کا اجر بھی ہے کیونکہ ہجرت میں انسان اپنے عزیز و اقارب، گھر بار چھوڑتا ہے اور غریب الوطنی کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ''جہاں انسان کا دین، مذہب اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات بگڑتے ہوں تو انسان کو چاہیئے کہ اس مکان کو یا اس شہر کو یا اس ملک کو چھوڑ دے۔'' (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۵۰۰)

قرآن کریم میں صبر کا لفظ ۱۱۳ دفعہ آیا ہے۔ صبر سے مراد جیسا کہ اوپر واضح کیا، ثبات و استقلال اور برداشت کی وہ قوت ہے جس کی وجہ سے انسان اُن تمام تکالیف کو بے حقیقت سمجھتا ہے جو اسے راہِ حق میں پیش آتی ہیں۔ صحابہؓ صبر کے ہر پیمانے پر پورے اُترے۔ مال، اولاد اور جانیں تک قربان کر دیں مگر دین کی رسی کو نہیں چھوڑا۔ اسے نہایت مضبوطی سے تھامے رکھا۔ میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہے۔ فتح کے موقع پر حد سے تجاوز نہ کیا بلکہ عفو وتحمل سے کام لیا۔ صبر کی مزید تعریف یہ ہے کہ محرومیوں کو برداشت کرنا اور خدا کے سوا کسی سے نہ کہنا۔ شکوہ نہ کرنا، قناعت کرنا، اپنے جائز حقوق نہ ملنے پر بھی صبر کرنا اور ملنے پر باوجود جائز ہونے کے حد اعتدال میں رہنا۔ نیکیوں پر قائم رہنا، معاصی سے اپنے نفس کو روکنا اور نماز پر استقامت اختیار کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے صابرون کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا حضرت قتادہؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ قیامت کے دن میزان عدل قائم ہوگی۔ اہل صدقہ آئیں گے تو اُن کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا اجر

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴿۱۲﴾ وَ

تو کہہ دے کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ عبادت کروں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے عبادت اور

اُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ

میں حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں پہلا فرمانبردار ۔ تو کہہ دے یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ اگر

دیا جائے گا۔ اسی طرح نماز اور حج وغیرہ عبادات والوں کی عبادات کو تول کر حساب سے پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ پھر جب بلاء اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں گے تو اُن کے لئے کوئی کیل اور وزن نہیں ہوگا بلکہ بغیر حساب اور اندازہ کے ان کی طرف اجر وثواب بہا دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قیامت کے دن جب ابتلاؤں سے گزرنے والوں کو اجر دیا جائے گا تو اہل عافیت (جو مشکلات سے بچے رہے) خواہش کریں گے کہ ان کی کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی جاتیں (اور وہ صبر کر کے ثواب حاصل کرتے) (جامع ترمذی کتاب الذھد باب فی ذھاب البصر حدیث نمبر ۲۳۲۶) حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ ایک لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا! اس امت میں سب سے زیادہ آزمائشیں اس کے نبی کی ہیں کہ وہ نمونہ ہے، پھر درجہ بدرجہ نیک اور بڑے لوگوں کی اور یہی طریق گزشتہ نبیوں اور امتوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا۔ (مسند الامام الاعظم کتاب الرقاق صفحہ ۲۱۷)

۱۲۔ تقویٰ کا حکم اللہ کے مومن بندوں سے ہی خاص نہیں تھا بلکہ افضل الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کروں کہ اطاعت اور عبادت کو صرف اسی کے لئے مخصوص کر دوں یعنی میری عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہو۔ اُس کے سوا میرا کوئی معبود، محبوب ومطلوب یا مطاع ہو اور نہ عبادت میں کوئی غرض پوشیدہ ہو کہ جنت کی طمع ہو یا جہنم کا ڈر۔ میری عبادت محض اپنے ربّ کی رضا کا حصول ہو۔

۱۳۔ اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں اوّل ہو جاؤں۔ انبیاء تو اوّل المسلمین ہوتے ہی ہیں۔ اپنی وحی پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے ہیں۔ پہلے خود عمل کرتے ہیں پھر لوگوں کو اس راہ کی طرف بلاتے ہیں بیشک حکم آپؐ کو ہے۔ تاہم ایسی تمام آیات میں مخاطب اُمّت ہوتی ہے۔

عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۱۴ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا

نافرمانی کی میں نے اپنے رب کی عذاب سے دن بڑے کے تو کہدے اللہ ہی کی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے

لَّهٗ دِيْنِيْ ۱۵ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ

اس کیلئے اپنی عبادت پس تم عبادت کرو جس کی تم چاہو سوائے اس کے تو کہدے یقیناً

الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

گھاٹا پانیوالے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنی جانوں کو اور اپنے گھروالوں کو بروز قیامت

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۱۶ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ

خبردار ہو یہ ہی خسارہ ہے کھلا کھلا ان کے لیے اوپر سے انکے سائبان ہونگے

مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ

آگ کے اور نیچے سے انکے سائبان ہونگے یہ وہ ہے کہ ڈراتا ہے اللہ جس سے اپنے بندوں کو

يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۱۷ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ

اے میرے بندو پس ڈرو مجھ سے اور وہ لوگ جو بچے بتوں سے کہ

۱۴۔آپؐ کا اپنے ربّ کی نافرمانی کرنا ناممکنات میں سے تھا۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے یہ کہلوارہا ہے کہ اگر اپنے ربّ کی نافرمانی کروں تو اس کے عذاب سے میں بھی نہیں بچ سکتا۔آج امتِ مسلمہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کھلم کھلا نافرمانی کر کے نجات کی امید وار کیونکر ہوسکتی ہے۔

۱۵۔۱۶۔اے میرے محبوب آپؐ بتلا دیجئے کہ میری عبادت تو خالص اللہ ہی کے لئے ہے۔اس میں کسی غیر کی ملونی نہیں۔ہاں تم۔اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔ نیز یہ بھی واضح کردو کہ گھاٹے میں پڑنے والے لوگ وہی ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں ڈالا۔گھاٹا تو دنیا میں بھی تھا لیکن وہ دکھائی نہیں دیتا تھا جبکہ آخرت میں کُھلا نظر آئے گا۔یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال ، دوست و احباب اور رشتہ داروں کو گمراہی کے راستے پر ڈالا۔

۱۷۔یہی وہ بد بخت ہوں گے جو مع اپنے اہل وعیال اور عزیز و اقارب کے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ جہنم کی آگ میں روشنی نہیں ہوگی۔ اندھیرے اور مہیب سائے ہوں گے جو ان کو اوپر اور نیچے سے ڈھانپ لیں گے۔ دنیا میں بھی ان کو مختلف شکوک و شبہات کے سایوں نے ڈھانپے رکھا اور وہ واضح حقائق نظر نہ آئے جن سے نجات ممکن تھی۔ یہی وہ عذاب ہے جس سے

يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۱۸

عبادت کریں ان کی اور جھکے طرف اللہ کی ان کے لیے بشارت ہے پس بشارت دے میرے بندوں کو

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ

وہ جو سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں بہتر کی اس میں سے یہ لوگ

الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۹ اَفَمَنْ

وہ ہیں کہ ہدایت دی انہیں اللہ نے اور یہ لوگ ہی عقلوں والے ہیں کیا وہ شخص

اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ اے میرے بندو! میری پناہ میں آجاؤ، مجھ سے ڈرو اور دوسرے ہر خوف سے بے خطر ہو جاؤ۔

۱۸۔**طاغوت**۔ (طغٰی) اسی سے طغیان ہے۔ سرکشی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔ طاغوت جمع اور واحد دونوں کے لئے آتا ہے۔ ہر وہ شخص جو حدود شکن ہو۔ نافرمانی میں حد سے بڑھنے والا ہو۔ شیطان ۔ بت یا ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔

اہل جہنم کا ذکر تھا ۔یہاں خوب واضح کیا کہ اگر طاغوتی طاقتوں کے قریب جاؤ گے تو اُن کی اتباع کرو گے اور ضرور اُن کے چُنگل میں پھنسو گے جس کا نتیجہ دنیا میں تباہی اور آخرت میں جہنم کی صورت ظاہر ہوگا۔ پس میرے اُن بندوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے جو ان سرکش ہستیوں کی اتباع سے بچتے ہیں اور ان کے بہکاوے میں نہیں آتے اور اللہ کی طرف ہی جھکتے ہیں۔

۱۹۔ **قول** سے مراد قرآن کریم یا قرآنی اقوال ہیں۔

یہ خوشخبری میرے اُن بندوں کو دے دو جو اقوالِ الٰہی خوب توجہ سے سنتے ہیں، ان پر غور وخوض کرتے ہیں پھر احسن یعنی سب سے اعلیٰ کو اختیار کرتے ہیں۔ قرآن کریم کا تو سب حصہ احسن ہے لیکن اس میں حسن اور احسن کے درجات ہیں جیسے قرآن کریم میں بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن مصلحت کے تحت معاف کرنا احسن اور افضل ہے۔ پس یہ اللہ کے بندے اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لئے سب سے اعلیٰ اور بظاہر سب سے مشکل کی پیروی کرتے ہیں ۔ یہی صاحبانِ عقل و بصیرت ہیں۔ جو اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے ربّ کو راضی کر لیتے ہیں۔اللہ کے بندے تو انتہائی جدوجہد اور قربانیوں سے ہدایت کی راہوں کو اختیار کرتے ہیں لیکن اللہ نے ہدایت کو اپنی طرف منسوب کیا اس لئے کہ یہ توفیق محض اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و احسان سے ملتی ہے۔ اللہ خود اپنے بندوں کو ہدایت دینا چاہتا ہے پس وہ ان کی کوششوں اور دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور ایسے اسباب مہیا کر دیتا ہے کہ اس کے بندے ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔

حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝۲۰
کہ ثابت ہو گئی جس پر بات عذاب کی کیا پس تو چھڑائے گا اُسے جو آگ میں ہے

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ
لیکن وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ کیا اپنے رب کا ان کے لیے بلند مقامات ہیں کہ اوپر ان کے (اور) بلند مقامات

مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا
بنائے ہوئے ہیں بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں وعدہ ہے اللہ کا نہیں

يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۱ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
خلاف کرتا اللہ وعدے کے کیا نہیں دیکھا تونے کہ اللہ نے اتارا ہے آسمان سے

مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
پانی پس چلایا اُسے چشموں میں زمین کے پھر نکالتا ہے ساتھ اس کے کھیتی

۲۰۔ اس فقرہ سے کہ کیا تو آگ میں پڑنے والوں کو بچاسکتا ہے؟ یقیناً آپؐ کو تکلیف پہنچی۔آپؐ جو نہایت رفیق القلب اور بندگانِ خدا کے خیر خواہ تھے۔ اُن کو دُکھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ فرمایا ان کو ہدایت دینا تیرے اختیار میں نہیں۔ ان کے اعمال اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں جب عذاب کا حکم صادر ہوچکا ہوتا ہے۔ پس اگلی آیت میں اپنے متقی بندوں کے لئے جنت کی نعماء کا ذکر کیا تا آپؐ کا دکھ ہلکا ہو۔

۲۱۔**غُـرَفٌ**۔ واحد **الـغُـرْفَةُ** ہے۔ بلند مقامات۔ بالا خانے۔ جنت کے منازل اور درجات۔(مفردات) **مبنيّةٌ** (بناء) بنے ہوئے۔تعمیر کئے ہوئے۔

یہی وہ متقی لوگ ہیں جن کو آیت(۱۸۔۱۹) میں بشارت دی گئی۔ یہ اپنے ربّ سے ڈرنے والے، ہر گناہ سے بچنے والے اور احسن پر عمل کرنے والے ہیں۔ اِن کو کئی کئی منزلوں والے بالا خانوں کی بشارت دی گئی جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ان منازل میں اہل جنت کی لامتناہی ترقیات کی طرف اشارہ ہے کہ کیسے ہی بلند مقام پر پہنچ جائیں، اس سے آگے اور بھی بلند مقام ہیں۔ فرمایا یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بشارت کی نسبت پیشگوئی کرتا ہے ”یعنی کسی انعام و اکرام کی نسبت پیشگوئی ہو وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ البتہ وعید کی پیشگوئی خوف اور دعا اور صدقہ خیرات سے ٹل سکتی ہے۔۔۔ وہ بلا جو اللہ کے علم میں ہے کہ جو کسی شخص پر آئے گی وہ ردّ ہوسکتی ہے۔“ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۲)

مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ
مختلف ہیں رنگ ان کے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زرد پھر کر دیتا ہے اُسے

ع ۲ / ۱۲ / ۱۶ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۲۲ اَفَمَنْ
ریزہ ریزہ یقیناً اس میں البتہ نصیحت ہے عقلوں والوں کے لیے کیا وہ شخص کہ

شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ
کھول دے اللہ سینہ اس کا واسطے اسلام کے پھر وہ نور پر ہے طرف سے اپنے رب کی پس ہلاکت ہے

لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳
ان کے لیے کہ سخت ہیں دل جن کے یاد سے اللہ کی یہ لوگ گمراہی کھلی کھلی میں ہیں

۲۲۔**یـنـابیع**۔ چشمے۔ واحد **یـنـبوع**۔ **یَهیـجُ**(**هاج**) اسی سے ہیجان ہے بمعنی جوش اٹھنا۔ **هـاج البـقل**۔ سبزی کا پک کر زرد پڑ جانا۔ **یهیجُ**۔ وہ خشک ہو جاتی ہے۔**حُـطـامًا**۔ **حَطم، هشم** کی طرح کسی چیز کا توڑنا ہے۔ خشک ہو کر چُورا چُورا ہو جانا۔

دنیا کا نقشہ کھینچا کہ جس طرح دنیا میں انسانی زندگی کی بقا اور نشوونما کے لئے اللہ تعالیٰ پانی نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح اخروی اور روحانی زندگی کے لئے بھی روحانی پانی عطا فرمائے گا۔ ہر بالاخانہ کے نیچے روحانی نہریں جاری ہوں گی جو تمام بالاخانوں کو سیراب کریں گی۔ وہ نہریں ان کے تصرف میں ہوں گی۔ جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ نہ پانی خشک ہوگا نہ ہی پھل ختم ہوں گے۔ بلکہ جوں جوں جنتیوں کے درجات بلند ہوں گے ان میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ یہ کئی منزلہ بالاخانے آسمانوں سے باتیں کریں گے۔ جبکہ دنیا کی ہر نعمت ختم ہونے والی ہے۔ ہر چیز کو زوال ہے نہ فلک بوس محلات رہیں گے نہ سرسبزی و شادابی۔ اس میں اہل عقل و بصیرت کے لئے ایک بڑی نصیحت یہ ہے کہ فنا ہونے والی عارضی زندگی پر بھروسہ نہ کریں بلکہ ہمیشگی والی اُخروی زندگی کے لئے سامان کریں۔

۲۳۔ **شــرح** کے لفظی معنی کھولنے ، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر وسعتِ قلب ہے۔ اس کے بالمقابل قساوتِ قلب ہے۔

قاسية ۔ قسوۃ ہر چیز میں صلابت یا سختی کو کہتے ہیں۔ زمین کو **قاسية** کہا جاتا ہے جب اس میں سبزی نہ اگتی ہو۔ سخت تاریک رات کو **قاسية** کہتے ہیں۔ دل کی قسوۃ یہ ہے کہ رحمت اور نرمی اور خشوع اس سے جاتے رہیں۔ (لسان العرب) مِن ذکراللہ۔ یہاں مِن بمعنی عَن ہے۔ گویا جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ

اللہ نے اتاری بہترین بات (یعنی) کتاب آپس میں ملتی جلتی دہرائی جانیوالی کھڑے ہوجاتے ہیں رونگٹے

مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ

اس سے چمڑوں کے ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوجاتے ہیں چمڑے ان کے

وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ

اور دل ان کے اللہ کی یاد کی طرف ہوتے ہیں یہ ہدایت ہے اللہ کی کہ ہدایت دیتا ساتھ جسکے جسے

يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ

چاہتا ہے اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو نہیں اس کیلئے کوئی ہدایت دینے والا کیا پس جو شخص بچائے گا

شروع سورۃ سے مومن و کافر کا ذکر جاری ہے جیسا کہ اس سورۃ کے نام سے ظاہر ہے۔ فرمایا کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ایک وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کھول دے اور اسے ادنیٰ سا بھی شک یا انقباض نہ رہے اور اسے اپنے ربّ کی طرف سے نور عطا ہو۔ یہ علم و فراست اور معرفت الٰہی کا نور ہے جو وحی الٰہی پر منتج ہوتا ہے جس سے وہ بینا ہو جاتا ہے اور حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے تابع زندگی کی راہیں استوار کرتا ہے۔اس کے بالمقابل اہلِ قساوت ہیں جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں۔ذکر الٰہی جو خشیتِ قلب کا باعث ہے ان کے دلوں کو مزید سخت کردیتا ہے۔یہ وہی سورۃ بقرہ آیت ۱۹ والا معاملہ ہے کہ شنوائی اور بینائی سے محروم ہیں پس جو شنوائی اور بینائی سے ہی محروم ہیں ان پر اللہ کا کلام بھی کوئی اثر نہیں کرتا۔پس ان کے دلوں میں حق کے داخل ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتااور وہ اندھیروں میں بھٹکتے ہیں۔ افسوس ان کے دل کی سختی اپنے ربّ سے دوری اور اس کے بندوں پر ظلم کا باعث بنتی ہے۔

۲۴۔ **احسن الحدیث** ۔ بہترین بات ۔ بہترین کلام یعنی قرآن کریم۔ **تَقْشَعِرُّ۔ اَلْقَشْعَرَةُ** ۔ بال کھڑے ہونا۔ رونگٹے کھڑے ہونا۔ **اقشعرَّ جِلدُ الرجلِ** ۔اس کا بدن کانپ اٹھا۔ یہاں لازماً کانپنا مراد نہیں بلکہ خوف اور رعب کا طاری ہونا ہے۔

آیت:۲۲ میں آسمانی پانی کاذکر تھا۔اب روحانی پانی کاذکر فرمایا جو ایک کتاب کی صورت نازل ہوا۔ آیت:۱۹ میں بتایا کہ وہ احسن کی اتباع کرتے ہیں۔ اس آیت میں واضح کیا کہ پورا قرآن ہی احسن ہے اور قرآن کریم کی لامتناہی صفات میں سے چند ایک بیان فرمائیں ۔ سب سے اوّل یہ کہ یہ احسن الحدیث یعنی اعلیٰ ترین کلام ہے جو ایک کامل کتاب کی صورت نازل فرمایا اس میں اس کے بے مثال اعتدال اور موزونیت کی طرف بھی اشارہ ہے گویا بہتر سے بہتر بات جو

کہی جاسکتی ہے وہ اس کتاب میں موجود ہے۔یہ ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جس میں ہر قسم کے مسائل کا بہترین حل ہے اور بنی نوع انسان کی تمام ضرورتوں کوملحوظ رکھا گیا ہے۔یہ وہ اعلیٰ ترین قوانین ہیں جو قیامت تک معطل ہوسکتے ہیں نہ ماند پڑسکتے ہیں اس لئے کہ ان سے بہتر ممکن ہی نہیں۔ غرض ایک بادشاہ سے لے کر ایک غلام تک کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل ہے۔ دوم اس کا **کتٰبًا مُّتشابهًا** ہونا ہے۔ اس کی آیات اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایکدوسرے کے مصدّق ہیں۔ان میں کوئی تضاد نہیں ۔گزشتہ صحائف کے تمام بنیادی احکام قرآنی احکام کے مشابہ ہیں جو اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ سوم۔ قرآن کریم کا مثانی ہونا ہے ۔سورۃ الفاتحہ کوسبع مثانی کہا یعنی باربار دہرائی جانے والی سات آیات۔ یہاں سارے قرآن کو مثانی کہا یعنی باربار دہرایا جانے والا۔ جیسا کہ قرآن کے لفظی معنی بھی یہی ہیں جسے باربار پڑھا جائے۔ آج تمام دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے گویا اس کا نام ہی اس کی سچائی پر شاہد ہے۔یہ کتاب اصولِ دین کی ضروری باتوں اور مختلف اذکار ونصائح کومختلف انداز میں باربار بیان کرتی ہے تاایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کی تفسیر ہو جائے۔گویا یہ واحد الہامی کتاب ہے جو اپنی تفسیر آپ ہے ۔ مثانی میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس کی تمام پیشگوئیاں باربار دہرائی جائیں گی۔چونکہ قرآنی آیات قیامت تک ہر زمانہ میں دہرائی جائیں گی اس لئے ہر زمانہ کے لحاظ سے نئے نئے حقائق سامنے آتے رہیں گے۔

اگر مثانی ثناء سے مشتق ہو تو اس سے اس امر پر متنبہ کیا کہ قرآن کریم سے ہمیشہ ایسے مضامین ظاہر ہوتے رہیں گے جو اس کو پڑھنے والوں ، اس کاعلم حاصل کرنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تعریف کا موجب ہوں گے۔(مفرداتِ راغب)

اس کتاب کا عجیب اثر یہ ہے کہ جو لوگ اس کی تلاوت کرتے اس پر تدبر کرتے اور اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں ،عظمتِ قرآن سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ، ان پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے پھر اللہ کی عظمت اور خوف کا تاثر ان کے دلوں میں دائمی طور پر گھر کر جاتا ہے۔ ان کے بدن اور دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہوتے ہوئے نرم پڑجاتے ہیں۔ آیت:۲۳ والے مکفرین کے دل ذکر الٰہی سے سخت ہوگئے اور وہ شقی القلب اور ظالم بن گئے جبکہ ذکر الٰہی سے ان میں نرمی اور خشیت اللہ پیدا ہوئی اور وہ اپنے ربّ کے مقرّب اور بندگانِ خدا کے مونس ، ہمدرد اور غمگسار ہوگئے۔

بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ

اپنے منہ کو برُے عذاب سے بروز قیامت اور کہا جائیگا ظالموں کو

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۵﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

چکھو جو تھے تم کرتے تکذیب کی ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

پس آیا ان کے پاس عذاب جہاں سے نہیں سمجھتے تھے پس چکھائی انہیں اللہ نے

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ

ذلت زندگی ورلی کی اور ضرور عذاب آخرت کا بہت بڑا ہے کاش

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

ہوتے وہ جانتے اور یقیناً یقیناً بیان کی ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں

کلام الٰہی کی عظمت سے لرزہ پیدا ہونا یا کانپنا، خوف اور رعب کا طاری ہونا ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ (حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ) سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو کانپنے لگتے اور بے ہوش ہوجاتے تو آپ نے فرمایا ان کے ساتھ مت بیٹھ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے دیکھا ہے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بھی۔ ان پر یہ حالت طاری نہ ہوتی تھی تو یہ لوگ اُن سے زیادہ خشیۃ اللہ نہیں رکھتے۔

۲۵۔**بوجهه**۔ اپنے منہ کے ساتھ۔

اپنے ربّ سے ڈرنے والوں کا ذکر تھا۔ اب ظالموں کا حال بیان فرمایا کہ قیامت کے دن، دنیا میں کمزوروں پر ظلم کرنے والوں کی بے بسی کا یہ عالم ہوگا کہ اپنے چہروں سے اپنا بچاؤ کریں گے، انہیں اپنی ڈھال بنائیں گے۔ دنیا میں بھی ہمیشہ کسی آفت سے سب سے پہلے چہرے کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چہرہ پر ہاتھ رکھ کر یا کسی اور طریقہ سے، لیکن قیامت کے روز یہ ظالم زنجیروں سے جکڑے ہوں گے۔ (مقرنین فی الاصفاد۔ ۱۴۔۵۰) اور چہرہ آگے کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ گویا چہرہ جو اشرف الاعضاء ہے وہی جہنم میں پہلے جھونکا جائے گا۔ شاید اس لئے کہ بہت سے گناہ چہرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے آنکھ، کان، منہ وغیرہ سے متعلق گناہ بلکہ تکبر میں بھی چہرے کے تاثر کا خاص دخل ہے۔

۲۶۔۲۷۔ افسوس ان لوگوں نے پہلی اقوام کے انجام سے سبق نہ سیکھا جب اُن لوگوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تو اس طرف سے عذاب آیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ جہنم کا مزا

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ

ہر مثال تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (یعنی) قرآن عربی نہ کجی والا

عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک مرد کی جس میں کئی شریک ہیں

کسی حد تک دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ جب ان ظالموں پر اچانک عذاب آیا تو اِن بڑے بڑے جُبہ پوشوں نے دنیا میں ہی ذلت و رسوائی کا مزہ چکھا جبکہ آخرت کا عذاب تو شدید تر ہوگا۔ کاش وہ صاحبِ علم ونظر ہوتے تو ان کے لئے یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہ ہوتا۔ (بیضاوی)

۲۸۔ آیت: ۲۴ میں قرآن کریم کی کچھ صفات کا بیان تھا۔ یہاں قرآن کو القرآن کہا۔ ال عظمت کے لئے آتا ہے گویا ال میں تمام قرآنی خوبیوں کی طرف اشارہ ہے جو درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔ قرآن کریم نے ہر وہ تمثیل بیان فرمائی جو لوگوں کی ہدایت کے لئے ضروری ہے۔ قرآنی مثالوں کا مقابلہ کوئی اور مذہبی کتاب نہیں کرسکتی۔ قرآنی مثالوں میں گزشتہ اقوامِ کے سبق آموز تاریخی واقعات اور طرح طرح کی دیگر مثالیں ہیں۔ جن میں آئندہ کے نقشے، ہر قسم کے ضروری اور عمدہ مضامین اور گہری حکمت کی باتیں بیان کی گئی ہیں تاکہ لوگ ان پر غور کریں، ان کو سمجھیں اور نصیحت حاصل کریں۔ نصیحت حاصل کرنا یہ ہے کہ ان غلطیوں سے بچیں اور قربِ الٰہی کی راہوں کو اختیار کریں۔

۲۹۔**عربیًا**۔ واضح اور فصیح۔ کھول کر بیان کرنے والی۔ فصاحت وبلاغت میں درجہ کمال رکھنے والی۔

قرآنی خوبیوں کا ذکر تھا۔ اس آیت میں قرآن کریم کی سب سے عظیم خوبی، قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا بیان فرمایا۔ کوئی زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ تشریح کے لئے سورۃ الشعراء: ۲۰۰۔ عربی زبان کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک چیز کی مختلف کیفیات کے لئے مختلف نام ہیں۔ شراب کے ستر کے قریب نام ہیں۔ مصادر کی کثرت اس حد تک ہے کہ بعض علمائے لُغت کے نزدیک ان کی تعداد تین لاکھ ہے۔ اگر ان مصادر کو ان سے بننے والے مشتقات یعنی الفاظ سے ضرب دی جائے تو عربی زبان کے الفاظ کی تعداد دو کروڑ کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی دنیا کی کوئی زبان عربی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ امام الزمان مسیح دوراں مہدی معہود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے سب سے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ عربی ام الالسنہ ہے۔

مُتَشَاكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ

باہم مخالف اور ایک آدمی پورے کا پورا ہے ایک آدمی کا کیا دونوں برابر ہیں حالت میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے یقیناً تو مرنے والا ہے اور یقیناً وہ

آپ نے اپنی تصنیف لطیف ''منن الرحمان'' کے ذریعہ ایک نئی لسانی تحقیق کی بناء ڈال کر ایک عالم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔آپ کے ایک مرید باصفا جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد برصغیر پاک و ہند میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام زمانہ کے مذکورہ دعوے کی تائید میں متعدد زبانوں کے مادوں پر تحقیق کی بنیاد رکھتے ہوئے تحقیقی کتب شائع کیں مثلاً Sanscrit traced to Arabic. English traced to Arabic اور ثابت کیا کہ عربی زبان سے ہی تمام زبانیں نکلی ہیں۔ پس قرآن پاک جو عربی جیسی آسان، وسیع اور واضح زبان میں نازل ہوا، سراسر ہدایت ہے اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی کمی نہیں، ہر شخص کی استعداد اور صلاحیت کے موافق، ہدایت کی راہیں سب کے لئے کھلی ہیں تاوہ برائی سے بچیں اور تقویٰ کا مقام حاصل کریں(''عربی ادب کے شہ پارے'' جناب صوفی محمد اسحاق سے استفادہ کیا گیا)

۳۰۔متشاکسون۔ شَکَسَ۔ بدخُلق۔ مُتشاکسون۔ جو ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ یہاں مراد بدخُلقی کی وجہ سے باہم جھگڑنے والے(مفردات) قرآنی مثالوں کا ذکر تھا۔ اب اس نہایت مختصر آیت میں ایک مثال سے شرک اور توحید کے فرق کونہایت عمدگی سے واضح کیا۔ فرمایا ایک شخص کو بہت سے آقاؤں کی بندگی میں ہرگز سکون و اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا جبکہ اُن میں باہم اختلافات بھی ہوں۔ ایسے بہت سے آقاؤں کوخوش رکھنا ممکن نہیں۔ ایک آقا ایک حکم دے دوسرا اس کے خلاف حکم دے۔ وہ شخص باوجود دونوں کے احکام کی بجاآوری کے دونوں کی طرف سے معتوب ہوگا۔ایک کوخوش کرے گا تو دوسرا ناراض ہوگا۔ایسے شخص کوکب سکون نصیب ہو سکتاہے۔کیا اس کے مقابلہ میں وہ شخص صاحبِ عقل و بصیرت نہیں جو ایک آقا کی غلامی کرے، ایک اللہ کا بندہ بن جائے اور غیر اللہ کی بندگی کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکے۔اُس کی رضا کے تابع اپنا سب کچھ کر دے خواہ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی اسے دینی پڑے۔ پس انجام بخیر اسی کا ہوگا اور وہ سکونِ قلب سے مالامال ہوگا۔آخرت کی نعمتوں کے علاوہ دنیا میں بھی محروم نہیں رہے گا۔ یہ آقا پتھر کے بت نہیں کیونکہ وہ کوئی حکم دینے کے مجاز نہیں نہ اُن میں باہم جھگڑا ہے۔

مَّيِّتُوْنَ ﴿٣١﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣٢﴾ ع ۳/۱۰/۱۷

مرنے والے ہیں پھر یقیناً تم بروز قیامت حضور میں اپنے رب کے جھگڑو گے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ الجزء ۲۴

پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے جھوٹ باندھا اللہ پر اور جھٹلایا

بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

سچ کو جب آیا اس کے پاس کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا

یہاں مراد وہ بہت سے بُت ہیں جو انسان نے اپنے سینے کے اندر اور باہر سجارکھے ہیں۔ ان آقاؤں کی بندگی میں وہ گناہ کئے جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی راضی نہیں ہوتے اور ان کی ہوا وہوس کی آگ ہمیشہ بھڑکتی رہتی ہے۔ سینے کے اندر خواہشاتِ نفسانی کے بت ہیں۔ یہ کبھی رشوت کا لالچ دیتے ہیں ،کبھی بیکسوں کے حقوق دبانے کا ،کبھی دیگر لغویات کا اور بندہ ان آقاؤں کے احکام بلاچوں وچرا تسلیم کرتااور ان کی بندگی بجالاتا ہے ۔ بیرونی آقاؤں میں بعض نام نہاد روحانی پیشوا بھی ہیں جن کے اشاروں پر خدا اور رسول کے احکام کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ بعض خاندان کے بااثر بزرگ حضرات بھی ہیں جو اگر غلط مسلک پر قائم ہوں تو اُن کے مسلک کو چھوڑنا ان کے زیر عتاب آنا اور پورے خاندان سے دشمنی مول لینا ہوتاہے۔ حکمران طبقہ سے تعلق رکھنے والے بعض اعلیٰ عہدیدار بھی ان آقاؤں میں شامل ہیں جو بسا اوقات دنیوی طور پر رازق بھی بن جاتے ہیں ۔ اُن کی معمولی حکم عدولی ذریعہ معاش کے دروازے بند کر دینے کا موجب بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نہ جانے کتنی حکم عدولیوں سے صرفِ نظر فرماتاہے لیکن یہ وہ خدا ہیں جو ایک غلطی بھی معاف کرنے کو تیارنہیں ہوتے۔یہ اور اِسی قماش کے دیگر متضاد احکام دینے والے وہ بدترین آقا ہیں جو اس شخص کو اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ وہ ان میں سے کسی کو بھی خوش نہیں کرپاتا، اس طرح اپنی دنیا وآخرت تباہ کرتاہے اور سکونِ قلب کی دولت سے یکسر محروم ہوجاتاہے۔تعریف تو سب اللہ ہی کے لئے ہے پھر کیوں اس کی بندگی کرکے دنیا وآخرت میں سرخرونہیں ہوتے۔

۳۱-۳۲۔اگر یہ اس دنیا میں پیغام حق کوتسلیم نہیں کرتے تو چند دن کی بات ہے، مرنا تو سب کو ہے۔ اے محمدؐ آپ کوبھی اور ان سب کو بھی۔ پھر سب اپنے اپنے اختلافات لے کر اپنے ربّ کے حضور پیش ہوں گے جہاں تمام اختلافات کا فیصلہ عملاً نافذ کردیاجائے گا جیسا کہ اگلی آیات میں بیان فرمایا۔

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
کافروں کے لیے اور وہ شخص جو لایا سچ اور جس نے تصدیق کی

بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ
اُس کی یہ لوگ ہی متقی ہیں ان کے لیے وہ ہے جو وہ چاہیں گے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ
پاس اپنے رب کے یہ بدلہ ہے نیکی کرنیوالوں کا تاکہ دُور کرے اللہ

۳۳۔اب ان لوگوں کے احوال بیان فرمائے جن کے مقدمات اللہ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ یہاں دو قسم کے لوگوں کو سب سے زیادہ ظالم کہا: پہلے وہ جو جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں یعنی جھوٹے الہام وکشوف اور خوابوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ دوسرے وہ جو خدا کی طرف سے آنے والی سچائی کو جھٹلاتے ہیں یعنی انبیاء کی تکذیب کرتے اور اُن کی مخالفت میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ سب کفار کے زُمرے میں آتے ہیں اور ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے۔

یہاں صاف بتلادیا کہ اگر میرا نبی جھوٹا ہے تو وہ پکڑا جائے گا۔ اگر تم سچے نبی کو جھٹلارہے ہو تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ عدالت کبھی دنیا میں بھی لگ جاتی ہے جب صادق اور کاذب کا فیصلہ ہوجاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ معیت الٰہی کس کے ساتھ ہے۔جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر اور فتح مکہ کے دن ہوا۔

۳۴۔۳۵۔ان کے مقابلہ میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو سچائی لے کر آئے دوسرے وہ جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی۔یہ صدق وہ سچائی ہے جو ہر رسول اپنے ساتھ لاتا ہے اور مصدق اس کے مُتبعین ہیں۔یہاں خاص طور پر انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو کامل سچائی لے کر آئے اور پہلی تمام سچائیوں کی تصدیق کی۔ مصدّقین میں آپؐ کے علاوہ خاص طور پر صدیقِ اکبر حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے صحابہ کرام اورتمام متبّع شامل ہیں۔ ان محسنین نے اپنی ہر خواہش کو اپنے ربّ کی رضا کے تابع کردیا پس ان محسنوں کا بدلہ یہ ہوگا کہ ان کے لئے ان کے ربّ کی طرف سے جو کچھ وہ چاہیں گے، ان کو ملے گا۔ اس میں ان کی دعاؤں کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کی طرف بھی جو انہوں نے مانگیں۔ یہ ان سے ہی خاص نہیں محسنین کے ساتھ آئندہ بھی ایسا ہوتارہے گا۔ پہلی آیت میں ان کو متقین کہا دوسری میں محسنین گویا متقی ہر گناہ سے بچتاہے اور محسن ہر خیر پر قائم ہوتاہے۔ محسن کا درجہ متقی سے بڑھ کر ہے۔

عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ
ان سے بُرائی وہ جو کی تھی انہوں نے اور بدلہ میں دے انہیں ثواب ان کا

بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ
بدلہ میں اچھے کام کے جو تھے وہ کرتے کیا نہیں ہے اللہ

بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ
کافی اپنے بندے کو اور وہ ڈراتے ہیں تجھے ان لوگوں سے جو

دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۷﴾ وَ
سوائے ہیں اسکے اور جسے گمراہ کرے اللہ پس نہیں اس کے لیے کوئی راہ نما اور

۳۶۔**السّوء**۔ ہر وہ چیز جو انسان کو غم میں مبتلا کردے اسے سوء کہا جاتا ہے۔ **اسوأ**۔ بہت بُرا۔ اللہ کے یہ محسن بندے بدیاں کرتے ہی کب تھے تاہم کچھ بشری کمزوریاں اگر کبھی اُن سے سرزد ہوئیں تواللہ تعالیٰ اُن کو مٹادے گااور ان کی پردہ پوشی فرمائے گااور ان کے اعمال میں سے بہترین اعمال جو وہ کیا کرتے تھے ،اُن کے مطابق بدلہ دے گا۔ گویا ان کے معمولی اعمال کو اُن کے احسن اعمال کے مطابق کردے گا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان کے بہت بُرے اعمال کو ان کے احسن اعمال کے مطابق کردے گا۔

۳۷۔کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟اس میں محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے علاوہ اللہ کا ہر بندہ شامل ہے جو اُس کا بندہ بننا چاہے اور اُس کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔اے محمدؐ وہ آپؐ کو اللہ کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں مراد ان کے سردار اور پروہت وغیرہ ہیں جن کو وہ خدا بنائے ہوئے تھے اور جو آپؐ کے خلاف منصوبے بناتے اور آپؐ کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ان کے بت بھی مراد ہیں جن کے غضب سے آپؐ کو ڈرایا جاتا تھا۔ فرمایا اللہ تجھے کافی ہے وہ تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہوسکتے۔آج بھی بندگانِ خدا کو ایسے خداؤں سے ڈرایا جاتا ہے کہ اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا، حکام بالا کے بعض ناجائز احکام بجانہ لائے یا غلط ذرائع سے ان کے لئے فوائد حاصل نہ کئے تو وہ یقیناً ناراض ہوجائیں گے اور پھر تمہارا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔ان کے لئے بھی یہی دلیل ہے کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔اس کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلو گے اور اس سے ڈرو گے تو وہ خود ہر طرح سے تمہاری حفاظت فرمائے گا اور تمہیں کشائش عطا کرے گا۔

ہاں جو اپنی بداعمالیوں میں حد سے بڑھ جائے اور اللہ کے نزدیک گمراہ ٹھہرے تو اسے

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ
جسے ہدایت دے اللہ تونہیں ہے اس کے لیے کوئی گمراہ کرنیوالا کیا نہیں ہے اللہ
بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۸﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
غالب (اور) سزا دینے والا اور البتہ اگر پوچھے توان سے کس نے پیدا کئے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ
آسمان اور زمین ضرور کہیں گے کہ اللہ نے توکہدے پھر بتاؤ تو سہی کہ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ
جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے اگر چاہے مجھے اللہ دکھ دینا
هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ
کیا وہ دور کرنیوالے ہیں اس کے ضرر کو یا چاہے مجھ پر رحم کرنا کیا وہ
مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ
روکنے والے ہیں رحمت اس کی توکہدے کافی ہے مجھے اللہ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۹﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
بھروسہ کرنے والے توکہدے اے قوم میری عمل کرو اپنی جگہ پر

کون ہدایت دے سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی یہ الہام ہوا۔ **الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ** کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۶ حاشیہ درحاشیہ) اور آپ نے ایک انگوٹھی کے نگینہ میں اسے کندہ کروایا۔ اب یہ انگوٹھی خلیفہ وقت کی انگشت میں ہوتی ہے۔ احمدی ایسی انگوٹھیاں تبرکاً پہنتے ہیں۔

۳۸۔ اور وہ جو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ہدایت یافتہ قرار پائے۔ اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ کیااللہ غالب اور بدلہ لینے پرقادر نہیں کہ کفار جو اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کے درپے رہے ان سے بدلہ لے اور انہیں ناکام و نامراد اور خائب و خاسر کرے۔

۳۹۔ الحساب کے معنی گننا اور شمار کرنا ہے۔ حَسْبُ (اسم فعل) بمعنی کافی۔ مشرکین کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتے تھے کہ کائنات کی تخلیق میں ان کے معبودان باطلہ کا ادنیٰ سا بھی دخل ہے۔ فرمایا اگر تمہارے یہ دیوی دیوتا ایسے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ نہ مجھے خدا کی ناراضگی سے بچا سکتے ہیں اور نہ خدا کی رحمت مجھ سے روک سکتے ہیں۔ تو کیا یہی وہ ہستیاں ہیں جن سے تم مجھے ڈراتے ہو۔ (آیت :۳۷) تم اللہ کو مانتے ہواور پھر اپنا حاجت روا دوسری طاقتوں کو سمجھتے ہو۔ مجھے تو اللہ کافی ہے جو کامل قدرتوں والا ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ سب بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
یقیناً میں عمل کرنیوالا ہوں پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون ہے آتا ہے جس پر عذاب
يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا
جو ذلیل کردے اُسے اور اترتا ہے کس پر عذاب قائم رہنے والا یقیناً ہم نے اتاری
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
تجھ پر یہ کتاب لوگوں کے لیے ساتھ حق کے پس جس نے ہدایت پائی
فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ
تو اس کے نفس کیلئے ہے اور جو گمراہ ہوا تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی (جان) پر اور نہیں تو
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۲﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا
ان پر داروغہ اللہ قبض کرتا ہے جانوں کو بوقت موت کے انکی

ع ۴ ۱۰ ۱

۴۰۔۴۱۔ خدا تعالیٰ کی کامل قدرتوں اور معبودان باطلہ کی بے بسی کا ذکر تھا۔ اب کفار کو کھلم کھلا چیلنج دیا کہ جو تم سے بن پڑے، کرلو۔ میری مخاصمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ جو مجھ سے ہوگا میں کروں گا۔ انجام بتادے گا کہ کون ہدایت پر تھا اور رسوا کرنے والا عذاب کس پر آیا جیسا کہ سرداران مکہ جنگ بدر میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ قرآن کریم کی اس ابتدائی سورۃ کی ان آیات میں خوب واضح کردیا کہ مخالفین رسول پر دنیا میں بھی ذلت کا عذاب آئے گا جب کہ آخرت کا دائمی عذاب بھی ان کے مقدر میں ہے۔

۴۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فطری نرمی اور رحمدلی کی وجہ سے اپنی قوم کے انجام سے کبیدہ خاطر تھے۔ آپؐ کو تسلی دی کہ ہم نے تجھ پر یہ کتاب لوگوں کے فائدہ اور ان کی بھلائی کے لئے اتاری ہے۔ جو ان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے۔ کعبۃ اللہ کے لئے بھی للناس کہا (سورۃ البقرۃ:۱۲۶) گویا ان دونوں کا بنیادی مقصد بنی نوع انسان کی بھلائی ہے۔ اسے حق و حکمت کے ساتھ اتارا گیاہے پس جو اسے اپنا مطمع نظر بنائے گا اور اس کے تابع زندگی بسر کرے گا، وہی ہدایت پر ہے اس کا ہدایت پانا اس کے اپنے ہی نفس کے مفاد کے لئے ہے۔ خدا اور رسول کو اس کا فائدہ نہیں اور جس نے اسے نظر انداز کرکے غلط راہوں کو اختیار کیا تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔ پس اے رسول: آپؐ کے ذمہ اسے پہنچادینا ہے، کسی کو زبردستی منوانا نہیں۔ یہ فیصلہ ان کو خود کرنا ہے کہ کونسی راہ اختیار کریں۔ آپ ان پر داروغہ نہیں کہ ان کو پکڑ کر سیدھے راستے پر لے آئیں۔

وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى

اوران کی جو نہیں مرے نیند میں ان کی پھر روک لیتا ہے ان کو کہ فیصلہ کرتا ہے

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ

جن پر موت کا اور چھوڑ دیتا ہے دوسروں کو تا میعاد مقررہ کے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا

یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں کیا ٹھہرائے ہیں

۴۳۔اس رکوع میں بتایا کہ نافرمانوں کی سزا ٹل نہیں سکتی۔اس آیت میں نیند اور موت کے فلسفہ پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ نیند بھی موت جیسی ایک حالت ہے اور اللہ تعالیٰ زندوں کو ہر شب موت کا نقشہ دکھا دیتا ہے۔نیند میں روح مرتی نہیں مگر مرنے کے مشابہ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور تصرف میں آ جاتی ہے اور زندگی کی ظاہری علامتیں یعنی عقل وشعور وغیرہ عارضی طور پر معطل ہو جاتی ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ جس روح پر موت وارد کرتا ہے اسے واپس جانے سے روک دیتا ہے اور جس روح پر موت وارد نہیں ہوتی اسے ایک مقررہ وقت تک کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں اس آیت میں ایک عظیم راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے جس میں روح یا شعور بار بار ڈوبتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام مقرر فرمادیا ہے کہ عین معین وقت پر دماغ کی تہ سے ٹکرا کر پھر واپس ابھر آتا ہے۔سائنس دانوں نے اس پر تحقیق کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ واقعہ معین وقت میں ایک سوئے ہوئے شخص سے بار بار پیش آتا ہے۔اس معین وقت کو ایک اٹامک گھڑی سے بھی ناپا جاسکتا ہے اور اس مدت میں کسی قسم کا کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔پھر جب اللہ تعالیٰ اس نفس کو ڈوبنے کے بعد دوبارہ نہیں بھیجتا تو اسی کا نام موت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں ’’قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ابرار اور اخیار اور برگزیدوں کی روحیں چند روز کے بعد پھر زندہ کی جاتی ہیں کوئی تین دن کے بعد کوئی ہفتہ کے بعد کوئی چالیس دن کے بعد اور یہ حیاتِ ثانی نہایت آرام اور آسائش اور لذت کی ان کو ملتی ہے۔یہی حیات ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے نیک بندے اپنی پوری قوت اور پوری کوشش اور پورے صدق و صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اور نفسانی تاریکیوں سے باہر آنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور خدا کی رضاجوئی کے لئے تلخ زندگی اختیار کرتے ہیں۔گویا مَر ہی جاتے ہیں۔‘‘(چشمہ معرفت صفحہ ۱۵۴تا۱۵۶)

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۗ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ

انہوں نے سوائے اللہ کے سفارشی توکہدے کیا اگرچہ ہوں وہ کہ نہ طاقت رکھتے ہوں

شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۗ لَهٗ

کچھ بھی اور نہ سمجھتے ہوں توکہدے اللہ کیلئے ہے سفارش ساری اسی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِذَا

بادشاہی آسمانوں اور زمین کی پھر طرف اس کی تم لوٹائے جاؤ گے اور جب

ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

ذکر کیا جاتا ہے اللہ اکیلے کا نفرت کرتے ہیں دل ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ

آخرت پر اور جب ذکر کیا جاتا ہے ان لوگوں کا جو سوا ہیں اس کے اچانک وہ

اس میں غور کرنے والوں کے لئے نشان یہی ہے کہ نیند ہر روز موت کا پیامبر بن کر آتی ہے اور موت کا کچھ مزا چکھا دیتی ہے۔ویسے بھی دنیا میں سب سے زیادہ اموات نیند کی حالت میں ہی وارد ہوتی ہیں یعنی بندہ سوتے میں موت سے ہمکنار ہوجاتا ہے۔حالانکہ سوتے وقت اسے کبھی یہ خیال تک نہیں ہوتا کہ میں پھر نہیں اٹھوں گا بقول فیض احمد فیض ۔

تھک کے یونہی پل بھر کے لئے آنکھ لگی تھی

سو کر ہی نہ اٹھیں یہ ارادہ تو نہیں تھا

غرض انسان ہرروز نیند کی حالت میں موت کو اپنے اتنا قریب دیکھتا ہے لیکن نہیں سمجھتا اور غفلت میں زندگی گزار دیتا ہے۔

۴۴۔۴۵۔غفلت میں زندگی گزارنے والے کمزور ایمان لوگ ان ہستیوں کو شفیع قرار دیتے ہیں جو صاحبِ قدرت ہیں نہ صاحبِ عقل۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شفاعت پر تو پورا پورا بھروسہ ہے کہ آپؐ امت کی شفاعت فرمائیں گے۔یہاں خوب واضح کردیا کہ شفاعت کا اختیار صرف اور صرف اللہ کو ہے۔وہی مالکِ کُل ہے اوراسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔وہ جس کو چاہتا ہے یہ اختیار دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے شفاعت کی اجازت دیتا ہے ،پھر اس شفاعت کو قبول فرماتا ہے۔گویا شفاعت کرنے والا خود بھی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو اور جس کی شفاعت کی جائے وہ بھی مغفرت کے لائق ہو ۔ان کے مقابلہ میں اب مشرکین کا ذکر کیا جنہیں قیامت پر یقین ہے نہ حساب کتاب پر ۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
خوش ہو جاتے ہیں تو کہدے اے اللہ پیدا کرنیوالے آسمانوں اور زمین کے

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ
جاننے والے غیب اور ظاہر کے تو فیصلہ کریگا درمیان اپنے بندوں کے

فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ
اس میں کہ تھے وہ جس میں اختلاف کرتے اور اگر ہو ان لوگوں کے لیے

ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا
جنہوں نے ظلم کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور مانند اس کی ساتھ اسکے ضرور فدیہ میں دیں

بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ
اُسے مقابل میں سخت عذاب کے بروز قیامت اور ظاہر ہوگا ان کے لیے طرف سے

۴۶۔**اَشْمَاَزَّتْ۔ شَمْز** سکڑنا یا تنگ ہونا ہے۔ نفس کا کسی چیز کو پسند نہ کرنا۔

اشمازت۔ بُرا مناتے ہیں۔نفرت کرتے ہیں۔

عقیدۂ توحید کا بعث بعد الموت سے خاص تعلق ہے۔ جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے وہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم نہیں کرتے ۔ اس لئے جب مشرکین کے مزعومہ شرکاء کا ردّ کرکے محض اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور اسے تمام اختیار و اقتدار کا مالک مانا جائے تو انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے۔ جب دیگر ہستیوں کا ذکر کیا جائے جنہیں یہ خدا کے سوا اپنا کارساز سمجھتے ہیں تو خوشی سے کِھل جاتے ہیں۔

۴۷۔**فاطر**۔ فطرہ کے معنی پھاڑنے کے ہیں۔ فاطر اسم الٰہی ہے ۔ پھاڑنے والا۔ پیدا کرنے والا۔ ابتدائے افرینش کی طرف اشارہ ہے جب آسمان اور زمین ایک گھڑی کی طرح بند تھے پھر Big Bang سے ان کی تخلیق کی ابتدا ہوئی۔

توحید کے ذکر میں مشرکین کے عناد کا ذکر تھا اس لئے آپؐ کی دلجمعی کے لئے یہ دعا سکھائی۔ احادیث میں اس دعا کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے ۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں مجھے قرآن کریم کی ایک ایسی آیت کا علم ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے۔ پھر یہ آیت بتلائی۔ **اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔۔۔**(قرطبی) صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز یعنی تہجد کو کس چیز سے شروع فرماتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپؐ جب تہجد کے لئے اٹھتے تو پہلے پڑھتے۔**اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ،**

اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ
اللہ کی جو نہیں تھے وہ گمان کرتے اور ظاہر ہو جائیں گے ان کیلئے بُرائیاں

مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۹﴾
اس کی جو وہ کرتے تھے اور گھیرے گا انہیں وہ کہ تھے وہ جس سے ہنسی کرتے

پھر اس آیت کی تلاوت فرماتے پھر دعا فرماتے **اِهْدِنِىْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ۔ اِنَّكَ تَهْدِىْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔**

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی اخلاقی بات پر فیصلہ کرتے تو یہ آیت تلاوت فرماتے اور ساتھ ہی یہ دعا بھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ''اس لئے کہ انسانوں کا علم محدود ہے غلطی کا امکان ہوسکتا ہے جبکہ تیرا علم لامحدود ہے۔''۔۔۔آپ فرماتے ہیں '' جو لوگ دعا کے ہتھیار سے کام نہیں لیتے وہ بدقسمت ہیں۔ امام کی معرفت سے جو لوگ محروم ہیں۔ وہ بھی دراصل دعاؤں سے بے خبر ہیں۔ **اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ** سے پتہ ملتا ہے کہ اگر یہ لوگ اضطراب سے تڑپ سے ، حق طلبی کی نیت سے ، تقویٰ کے ساتھ دعائیں کرتے کہ الٰہی اس زمانہ میں کون شخص تیرا مامور ہے تو میں یقین نہیں کرسکتا کہ انہیں خدا تعالیٰ ضائع کرتا۔ میں کبھی کسی مسئلہ اختلافی سے نہیں گھبرایا کہ میرے پاس دعا کا ہتھیار ہے اور وہ دعا یہ ہے ۔(آپ نے یہی آیت اور اس کے ساتھ کی حدیث لکھی) سچا تقویٰ حاصل کرنے کے لئے دعا ہی ایک عمدہ راہ ہے۔ پھر قرآن کریم کا مطالعہ، اس میں متقیوں کی صفات اور راستبازوں کی صفات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے ۔ فہم وفراست بخشے''۔(بدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰)

۴۸۔دعا کے بعد پھر مشرکین کا ذکر جاری رکھا۔ ظالم جنہوں نے کمزوروں کے حقوق چھینے، حقیر فوائد کے لئے بندگانِ خدا کو اپنے عتاب کا نشانہ بنایا، قیامت کے روز دنیا کی یہ ساری دولتیں ان کی نظر میں حقیر ہوں گی اور وہ عذاب کی سختی سے بچنے کے لئے روئے زمین پر جو کچھ ہے بلکہ اس سے بھی دگنا بطور فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانے کو تیار ہوں گے۔ مگر ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوگا۔ افسوس جب اختیار میں سب کچھ تھا تو فائدہ نہ اٹھایا۔ اللہ کی طرف سے ایسے عذاب ظاہر ہوں گے جن کا انہیں گمان تک نہ تھا۔

۴۹۔ ان کے اعمال کے بد نتائج ان پر ظاہر ہوجائیں گے۔ دنیا میں ان کی بداعمالی کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ پس جس عذاب کا تمسخر اڑاتے تھے

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ
پس جب پہنچتی ہے انسان کو تکلیف پکارتا ہے ہمیں پھر جب دیتے ہیں ہم اُسے

نِعْمَةً مِّنَّا لا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ط بَلْ هِيَ
نعمت اپنی طرف سے کہتا ہے سوائے اسکے نہیں کہ دیا گیا ہوں میں یہ بوجہ علم کے (نہیں) بلکہ وہ

فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹ قَدْ قَالَهَا
آزمائش ہے ولیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے یقیناً کہی تھی وہ بات

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے پس نہ کام آیا انہیں جو تھے وہ

يَكْسِبُوْنَ ۝۵۰ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ط وَالَّذِيْنَ
کرتے پس پہنچی انہیں بُرائیاں اسکی جو کیا تھا انہوں نے اور وہ لوگ جنہوں

اور جسے جلد لانے کے لئے بے چین تھے وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ایسا دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ کبھی تمسخر اڑانے والوں پر ان کا تمسخر الٹا پڑ جاتا ہے۔

۵۰۔**خَوَّلَ**۔ اُس نے بخشا۔ اُس نے عطا کیا۔

وہی مشرک جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے نام پر بُرا مناتے تھے جب کسی مصیبت یا دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں تو بے اختیار اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی پکار سن کر اپنی رحمت سے ان کو مصیبت سے نکال دیتا ہے اور اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو ناشکری کرتے ہیں اور دینے والے کو بھول کر اس انعام کو اپنے علم و ہنر یعنی عقل اور تدبیر سے منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو محض ایک آزمائش ہے کہ کون نعمت کے ملنے پر اسے ظاہری اسباب سے منسوب کرتا ہے اور اسے اپنے علم و تدبر کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور کون اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اُن مخفی اسباب اور وسائل پر نظر رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے حصول میں اس کے شامل حال کیئے اور سمجھتا ہے کہ علم، عقل اور ذرائع سب اسی کی عطا ہیں۔

۵۱۔حقیقت تو یہ ہے کہ تم سے پہلے لوگ بھی اسی طرح اللہ کو بھول کر اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اپنے علم و ہنر کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ جب ان کی ناشکری کا وبال اُن پر ٹوٹا تو ان کا کسب و ہنر ان کے کچھ کام نہ آیا اور سارا علم اور ہنر مندیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

پہلے لوگوں میں خاص طور پر قارون نے کہا **اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ**۔(۲۸:۷۹) اور سخت سزا پائی چاہیئے کہ ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا لا وَ
نے ظلم کیا ان لوگوں میں سے ضرور پہنچیں گی انہیں بُرائیاں اس کی جو کیا انہوں نے اور

مَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۱ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
نہیں ہیں وہ ہرگز عاجز کرنیوالے کیا نہیں وہ جانتے کہ اللہ کشادہ کرتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
رزق جس کے لیے وہ چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں ان لوگوں کے لیے

يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى ۵ ع ۱۱ ۲
جو ایمان لاتے ہیں تو کہدے اے بندو میرے وہ جنہوں نے زیادتی کی اپنی

۵۲۔**هٰٓؤُلَآءِ**۔ وہ لوگ۔

پس ان کی بدیوں کے نتائج نے انہیں آ پکڑا اور اِس زمانہ کے لوگ یہ گمان نہ کریں کہ جو کچھ گزرنا تھا پچھلوں کے ساتھ گزر چکا بلکہ ان میں سے بھی جو ظالم ہیں ان کے بد اعمال کے نتائج ان پر پڑنے والے ہیں۔وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی اس کے عذاب سے بھاگ نہیں سکتے۔وہ اپنے بد اعمال کے نتائج بھگت کر رہیں گے جیسا کہ جنگ بدر میں سزا ملی۔آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔یہ اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت ہے۔ظالم اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔اگر آج امریکہ معصوم افغانوں پر بم برسا رہا ہے تو اس کا انجام بھی دور نہیں۔

۵۳۔رزق میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتیں شامل ہیں۔آیت:۵۰ کی مزید وضاحت فرمائی کہ رزق کی کشادگی محض علم اور تدبیر کے نتیجہ سے نہیں۔بلکہ رزق کی بسط و کشاد اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور مصلحت کی بنا پر ہے اور یہ کسی کی نیکی یا بدی کی دلیل نہیں ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے تحت ہے۔اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔اس کی صفتِ رحیمیت سے اُن لوگوں نے ضرور فائدہ اٹھایا جنہوں نے خوب محنت کی اور بے حساب دولت کمائی۔ اس میں مومن قوم کے لئے بڑے اور واضح نشان یہ ہیں کہ محنت امانت، دیانت اور اخلاق مسلمانوں کی میراث تھی جسے وہ بھلا بیٹھے اور دیگر قومیں جنہوں نے ان خوبیوں کو اپنایا وہ کامیاب ہوئیں۔ آج بھی امت مرحومہ اپنی اس گم گشتہ پونجی کو اپنا کر دنیا میں اپنا کھویا ہوا نام اور مقام حاصل کرسکتی ہے۔

تاہم اللہ تعالیٰ کی گہری حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت بعض اوقات چوٹی کے سرمایہ داروں کی تجارت میں لگی ہوئی دولت ڈوب جاتی ہے اور بعض نہایت معمولی تاجر مٹی میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ تجارت میں جھوٹ اور ظلم کا سہارا لینے والے تاجروں کو خاص طور پر تنبیہ ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ان کی بے ایمانی انہیں وقتی طور پر تو فائدہ دے سکتی ہے ہمیشہ کے لئے نہیں۔

اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

جانوں پر نہ مایوس ہو رحمت سے اللہ کی یقیناً اللہ بخشتا ہے

الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ

گناہ سب کے سب یقیناً وہ ہی بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے اور

اَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

جھک جاؤ طرف اپنے رب کی اور فرمانبردار بنو اس کیلئے پہلے اس کے کہ آوے تمہارے پاس

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ

عذاب پھر نہیں مدد دیئے جاؤ گے تم اور پیروی کرو بہتر کی اس میں سے جو

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

اتارا گیا طرف تمہاری طرف سے تمہارے رب کے پہلے اس کے کہ آوے تم پر عذاب

بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى

اچانک اور تم نہ جانتے ہو ایسا نہ ہو کہ کہدے کوئی جی اے افسوس

۵۴۔ چھٹے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کی وسعت کا بیان ہے کہ وہ تمہارے سارے گناہ بخش دینے پر قادر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت گنہگاروں کے لئے قرآن کریم کی سب آیتوں سے زیادہ امید افزا ہے۔ گزشتہ آیت میں رزق کے بسط و کشاد کا ذکر تھا جس کا گناہوں اور زیادتیوں سے خاص تعلق ہے۔ دنیا میں زیادہ تر جرائم رزق کی چھینا جھپٹی پر ہوتے ہیں۔ یہاں خاص مومنین مخاطب نہیں بلکہ قرآن کریم نے تمام بنی نوع انسان سے خطاب فرمایا اور ظالم، مشرک، قاتل غرض بڑے سے بڑے خطاکار کو مغفرت کی بشارت دی۔ یہ قرآن ہی کا کمال ہے کہ وہ جن سے گناہِ کبیرہ سرزد ہوئے اُن کو بھی یہ کہہ کر تسلی دی کہ اے میرے بندو! میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ جلّ شانہٗ تمہارے سارے گناہ معاف فرمادے گا وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

۵۵۔ ان تمام ذنوب کی معافی، رحمتِ الٰہی کے حصول اور آئندہ اصلاح کے لئے رجوع الی اللہ کی شرط رکھی کہ اپنے ربّ کی طرف جھک جاؤ، کامل فرمانبرداری اختیار کرو اور عذاب کے آنے سے پہلے اپنی اصلاح کرلو ورنہ عذاب کے وارد ہو جانے کے بعد تمہاری مدد کو کوئی نہ پہنچ سکے گا۔ گویا اب تمہیں گناہوں سے بچا کر اور تمہاری اصلاح کر کے تمہاری مدد کی جارہی ہے۔

۵۶۔ فرمایا قرآن کریم کے احسن احکام کی پیروی کرو۔ (تشریح کے لئے آیت ۱۹) بیشتر اس کے کہ عذابِ الٰہی تمہیں اچانک آ پکڑے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے ایسا جنگ بدر اور فتح مکہ کے روز دنیا میں ہی ہوا۔

عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

اس پر کہ کوتاہی کی میں نے بارہ میں اللہ کے اور یقیناً تھا میں البتہ تمسخر کرنیوالوں میں

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۸﴾

یا کہے وہ کہ اگر اللہ ہدایت دیتا مجھے البتہ ہوتا میں متقیوں میں سے

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ

یا کہے وہ جب دیکھے عذاب کو کاش ہو میرے لیے لوٹنا تو ضرور ہو جاؤں میں

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۹﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ

نیکی کرنے والوں میں سے ہاں یقیناً آئیں تیرے پاس آیات میری پس تکذیب کی تُونے

بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيَوْمَ

ان کی اور تکبر کیا تُونے اور تھا کافروں میں سے اور بروز

۵۷۔ **جنب** کے لفظی معنی پہلو کے ہیں۔ **جَنُب اللّٰہ** ۔ اللہ کے پہلو میں یعنی اس کی نظر کے سامنے۔ **تفریط**۔ کمی کرنا۔ کوتاہی کرنا۔

پہلی تینوں آیات میں بتایا کہ بڑے سے بڑے مجرم کو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ قبولِ اسلام یا توبۃ النصوح کی صورت میں اس کے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے۔ پس ایمان اور عملِ صالحہ کے ساتھ اپنا بچاؤ کرلو۔ یادرکھو توبہ کا دروازہ موت تک کھلا ہے۔ مرنے کے بعد یا قیامت کے دن کسی کا توبہ کرنا یا پچھتاوے کا اظہار کرنا بے معنی ہوگا۔ یہ تمام نصائح اسی لئے بار بار کی گئیں تا ایسا نہ ہو کہ روز قیامت تم میں سے کوئی شخص حسرت سے یہ کہنے لگے کہ ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو میں اللہ کی نظر کے سامنے کرتا رہا۔ میں تو وحیِ الٰہی کا مذاق ہی اڑاتا رہا۔

۵۸۔ یا کوئی وہاں بھی کمال ڈھٹائی سے اپنی کوتاہیوں کو تقدیر پر ڈال کر بچنے کی کوشش کرے کہ اگر اللہ ہدایت دے دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوجاتا۔ اگر خدا نے ہدایت نہیں دی تو اس میں میرا کیا قصور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں: ”متقین دکھوں سے بچنے والے ہوتے ہیں۔ دراصل تمام دکھوں کا اصل بدصحبت ہے۔ اس سے بچو“۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ نومبر ۱۹۱۰ء)

۵۹۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حسرتیں عذاب دیکھنے سے قبل تھیں۔ جب عذاب کو دیکھے گا تو کوئی شخص یہ تمنا بھی کرے گا کہ کاش مجھے ایک موقع دیا جاتا اور دنیا میں ایک دفعہ لوٹ جانا ممکن ہوتا تو میں ضرور نیک اعمال بجالاتا اور محسنین میں شامل ہوجاتا۔

۶۰۔ ان کا لوٹ کر جانا ممکن نہیں ہوگا اور نہ ان کے جھوٹے عذر قبول کئے جائیں گے کہ ہمیں اللہ نے ہدایت نہیں دی (۵۸۔) حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں ہدایت پہنچی، تمہارے پاس ہمارے

الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ
قیامت تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ باندھا اللہ پر کہ چہرے ان کے

مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦١﴾
سیاہ ہونگے کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا تکبر کرنیوالوں کے لیے

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ
اور نجات دے گا اللہ ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ کیا ساتھ کامیابی کے ان کی نہ پہنچے گی انہیں

السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ
تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے اللہ خالق ہے ہر چیز کا

وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ
اور وہ ہر چیز پر نگران ہے اس کے لیے کنجیاں ہیں آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗئِكَ
اور زمین کی اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ آیات کے اللہ کی یہ لوگ

ع ١١ ٣ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّيْٓ اَعْبُدُ
ہی نقصان اُٹھانے والے ہیں تو کہدے کیا پس غیر کی اللہ کے تم مجھے حکم دیتے ہو میں عبادت کروں

نشانات آئے، جن کی تم نے تکذیب کی۔اس تکذیب کی بڑی وجہ تمہارا تکبر تھا جو قبولِ حق میں مانع رہا کہ میں ایک بڑا آدمی یا قوم کا سردار ایک معمولی شخص کی بات کیونکر مان لوں۔ اس تکبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہدایت نصیب نہ ہوئی اور کافروں میں شامل رہا۔

٦١۔اللہ پر جھوٹ باندھنا یہی ہے کہ وحی الٰہی جو خدا کی طرف سے تھی اس کے لئے کہنا کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ محمد ﷺ کی اپنی اختراع ہے۔ اور اپنے اعتقادِ باطلہ یعنی شرک وغیرہ کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ ایسا خدا نے کہا ہے۔ خدا پر بہتان باندھنا ایک ایسا قابلِ نفریں جرم ہے جس کی سیاہی ان کے چہروں سے ظاہر ہوگی۔ اس رُوسیاہی میں ان کی ذلت اور رسوائی کی طرف بھی اشارہ ہے۔فرمایا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

٦٢۔ پس جن متقین نے کفر اور شرک سے بچ کر تقویٰ کی راہوں کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کو نہ صرف ذلت سے بچائے گا بلکہ کامیابی اور کامرانی کے ساتھ اس رسوا کن عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ اس سخت ترین گھڑی میں بھی انہیں کوئی دکھ یا تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اور نہ وہ کسی گزشتہ کوتاہی کی وجہ سے غمگین ہوں گے۔

٦٣۔٦٤۔ قیامت کی ہولناک گھڑیوں میں اہل نار کی پریشانیوں اور رسوائیوں اور متقین کے اطمینان اور بے فکری کا ذکر تھا۔ اب کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں اس قادرِ مطلق کے

اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ
اے جاہلو اور یقیناً یقیناً وحی کی گئی ہے طرف تیری اور طرف ان لوگوں کی جو

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ
پہلے تھے تجھ سے کہ البتہ اگر شرک کیا تو نے تو ضرور حبط ہوجائیں گے عمل تیرے اور ضرور ہوجائے گا

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٧﴾
تو نقصان اُٹھانیوالوں میں سے بلکہ اللہ ہی کی پس تو عبادت کر اور ہو جا شکر کرنیوالوں میں سے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ
اور نہیں انہوں نے قدر کی اللہ کی حق اس کی قدر کا اور زمین سب کی سب ایک مٹھی میں ہوگی اسکی

رازہائے بستہ سے پردہ اٹھایا۔ فرمایا وہ ہر شے کا خالق ہی نہیں وہ ان کا نگہبان اور محافظ بھی ہے۔ اس عظیم کائنات کو تخلیق کر کے وہ اس سے الگ نہیں ہوگیا بلکہ اس کی ربوبیت اور نگرانی فرمارہا ہے۔ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کی کنجیاں اس کے قبضہ میں ہیں گویا کائنات کی تمام قوتوں اور خزانوں کی ملکیت اور ان پر کامل تصرف اُسے حاصل ہے۔اگر اس خالق و مالک کے جلال و جبروت اور اختیار و اقتدار کا علم ہو جانے کے بعد بھی اُس کی نشانیوں کا انکار کرو گے جو صحیفۂ کائنات اور صحیفۂ الٰہی کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں تو یقیناً نقصان اٹھاؤ گے۔

٦٥۔٦٦۔ **لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ**۔(**حبط** ضائع ہوجانا ہے) تو ضرور تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ اس رکوع میں قیامت کے احوال کا بیان ہے۔

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ کفار و مشرکین ان پر غور کرتے نہ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغِ حق پر کان دھرتے بلکہ یہاں تک گستاخی کرتے کہ اپنے ساتھ آپ کو بھی شرک میں ملوث کرنے کی کوشش کرتے۔ اے محمدؐ! آپؐ ان جاہلوں کو کہہ دیجئے کہ کیا تمہارے کہنے پر میں اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار و اقتدار کا مالک سمجھ لوں۔اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ یہ پیغام آپؐ کے علاوہ تمام گزشتہ انبیاء کو دیتا رہا ہے کہ وہ شرک کے قریب بھی نہ جائیں۔اگر تو نے شرک کیا تو تیرے سارے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرک خفی تک کا احتمال ناممکنات میں سے تھا۔ یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی توحید اتنی پیاری ہے کہ شرک کے معاملہ میں محبوبِ خدا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رعایت نہیں ہوگی۔ تاہم ایسی تمام آیات امت کو متنبہ کرنے کے لئے ہیں۔

٦٧۔ایسا تو کبھی ممکن نہیں۔ پس تو اللہ ہی کی عبادت کر اور اس توفیق پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے شکر گزار بندوں میں شامل ہوجا۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ

بروز قیامت اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے دائیں ہاتھ میں اس کے پاک ہے وہ

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ

اور بلند ہے اس سے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں اور بجایا جائے گا بگل پس بیہوش ہوجائیں گے وہ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ

جو آسمانوں میں ہوں گے اور جو زمین میں ہونگے سوائے اس کے جسے چاہے اللہ پھر بجایا جائے گا

فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَاَشْرَقَتِ

وہ دوسری دفعہ پس اچانک وہ کھڑے دیکھتے ہوں گے اور چمک اُٹھے گی

الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۤءَ بِالنَّبِيّٖنَ

زمین نور سے اپنے رب کے اور رکھی جائیگی کتاب (اعمال کی) اور لائے جائیں گے نبی

۶۸۔فرمایا حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ عزّ وجلّ کی صفات کا صحیح اندازہ ہی نہیں لگایا۔اس کی قوت و جبروت کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن زمین ساری کی ساری اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔دائیاں ہاتھ قوت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی مٹھی یا ہاتھ کو انسانی اعضاء پر قیاس نہیں کیاجاسکتا۔یہ سب انسان کو سمجھانے کے لئے تمثیلی باتیں ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے کامل قبضہ اور تصرف کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس میں کائنات کے اختتام کا نقشہ ہے جب ہر چیز گھومتے ہوئے بلیک ہول(Black Hole) میں داخل ہوگی اور اس کے گرد لپٹتی چلی جائے گی۔(تفصیل کے لئے سورۃ الانبیاء :۱۰۵)اس لئے کہ بلیک ہول کا مرکز تیزی سے اپنے محور کے گرد گھوم رہاہوتاہے۔اس میں گرنے والی ہر چیز ایک زبردست دباؤ کے نتیجہ میں چپٹی(Press) ہو جائے گی۔جب گھومتی ہوئی اس میں داخل ہوگی تو اس کے گرد لپٹتی چلی جائے گی یہاں تک کہ لاکھوں نوری سال کی دوری پر سیارے بلیک ہول کی غیر معمولی طاقت سے کھنچتے چلے آئیں گے اور اس طرح لپٹتے جائیں گے جیسے کاغذ کو رول(Roll) کرکے لپیٹ دیاجائے۔یہاں تک کہ وہ بلیک ہول کا حصہ بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرتوں اور عجائبات اور اس کے اختیارو اقتدار کو دیکھ کر بے اختیار سبحان اللہ منہ سے نکلتاہے۔اللہ تعالیٰ کے جوارح وغیرہ کی نفی کے لئے بھی سبحان اللہ کہا کہ وہ ان کمزوریوں سے پاک ہے۔شرک کی نفی میں بھی سبحان اللہ کہاکہ وہ ان کے شرک سے بہت بلند ہے۔

۶۹۔**صَعِق** کے لفظی معنے وہ بے ہوش ہوا کے ہیں۔

مَن فِي السَّمٰوٰت، آسمانوں پر ذی روح کو ثابت کرتا ہے۔ وہ واحد شخص جس پر

وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور گواہ اور فیصلہ کیاجائیگا درمیان انکے ساتھ حق کے اور وہ نہ ظلم کئے جاویں گے

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع ۷/۴

اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو کیا اس نے اور وہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا

اور ہانکے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا طرف جہنم کی گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب

جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ

آئیں گے ان کے پاس کھولے جائیں گے دروازے اس کے اور کہیں گے انہیں چوکیدار اس کے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ

کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھتے تھے تم پر آیات رب کی تمہارے

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ

اور ڈراتے تھے تم کو ملنے سے تمہارے اس دن سے کہیں گے ہاں کیوں نہیں ولیکن

اللہ تبارک و تعالیٰ کے خاص احسان سے غشی طاری نہیں ہوگی وہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات، محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہوگی۔ دوبارہ نفخِ صور پر دفعۃً سب کے سب کھڑے ہوجائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔

۷۰۔میدانِ حشر میں اللہ جلّ شانہٗ اپنی شان کے مناسب نزول و تجلّی فرمائے گا۔ تو زمین اپنے ربّ کے نور سے چمک اٹھے گی۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی عدالت لگے گی اور ہر ایک کا اعمالنامہ اس کے سامنے رکھ دیاجائے گا۔ انبیاء اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا اور تمام بندگان کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیاجائے گا اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ گواہوں میں انبیاء علیھم السلام کے علاوہ دیگر گواہ بھی ہوں گے۔ انبیاء اپنی امتوں پر گواہ ہوں گے اور شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو احسن طریق سے ادا کیا اور پیغامِ حق پوری طرح پہنچادیا۔ امتِ محمدیہ بھی گواہوں میں شامل ہوگی جس کے لئے کہاگیا **وتكونوا شُهَداءَ عَلَى النَّاسِ** ۔(۷۹:۲۲)جس کے ذِمّہ قوموں کی ہدایت اور تربیت ہے ۔انسان کے اعضاء و جوارح بھی گواہی دیں گے جیسا کہ سورۃ یٰسٓ:۶۶ میں ہاتھ اور پاؤں کی گواہی کا ذکر ہے۔ اس طرح فرشتے اور دیگر مخلوق بطور گواہ پیش ہوگی۔

۷۱۔پس ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیاجائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سب سے زیادہ جانتاہے جو وہ کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔

حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞۷۲ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا
ثابت ہوگئی بات عذاب کی کافروں پر کہا جائے گا داخل ہو

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى
دروازوں میں جہنم کے رہ پڑنے والے ہیں اس میں پس کیا ہی برا ہے ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۞۷۳ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى
تکبر کرنے والوں کا اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ کیا اپنے رب کا طرف

الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ
جنت کی گروہ درگروہ یہاں تک کہ جب آئیں گے اسکے پاس اور کھولے جائیں گے دروازے اس کے اور

قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا
کہیں گے انہیں چوکیدار اس کے سلامتی ہو تم پر پس داخل ہو اس میں

۷۲۔**سِیْقَ سَوْق** کے معنی ہانکنا یا لے جانا ہے۔ **سُوق** بازار ہے جہاں مالِ تجارت لے جایا جاتا ہے۔ جمع **اسواق**۔ **خزنة** خازن کی جمع ہے خزانچی ۔حفاظت کرنے والا ہے کسی بھید کی حفاظت ہو یا کسی شے کی ۔**زُمَرًا**۔ **زُمْرَة** کی جمع ہے قلیل جماعت ۔ گروہ۔

آخری رکوع میں میدانِ حشر اور کفار و مومنین کے آخری ٹھکانوں کا ذکر فرمایا۔میدان حشر میں جب حساب کتاب ہوچکے گا تو اتمامِ حجت کے بعد ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق سزا یا جزا کا حکم مل جائے گا۔ کافروں کو ڈھورڈنگر کی طرح ہانک کر ذلت کے ساتھ گروہ درگروہ جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ گروہ درگروہ لے جانے میں ممکن ہے ان کے مراتب کا فرق ہو۔ ان کے لئے جہنم کے دروازے کھول دئے جائیں گے۔جہنم کا بھیانک نظارہ سامنے ہوگا اور آگ کی لپٹیں سب سے پہلے ان کے چہروں پر پڑیں گی۔(تشریح کے لئے آیت:۲۵)جہنم کے داروغے اِن سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہی میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں تمہارے ربّ کی آیات پڑھ کر سناتے اور تمہیں آج کی ملاقات سے ڈراتے اور تم اس عذاب سے بچ جاتے۔ دہشت اور شرمندگی سے اُن سے جواب بن نہیں پڑے گا ، وہ صرف ہاں کہہ پائیں گے ۔ دوسرے مقامات پر ان کا تفصیلاً جواب بھی ہے۔جیسے سورۃ الملک:۱۰۔ ممکن ہے ایک گروہ کا یہ جواب ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کافروں پر عذاب کا فرمان سچ ثابت ہوا۔

۷۳۔جہنم میں داخلہ کے وقت انہیں بتادیا جائے گا کہ تمہیں ایک لمبا عرصہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔یہاں صاف بتلایا کہ جہنم میں جانے کی بڑی وجہ تکبر ہے ،تکبر ہی قبولِ حق میں مانع رہا اور کمزور بندگانِ خدا پر ظلم وستم کا باعث بنا۔

خٰلِدِيْنَ ۞۷۴ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا
رہ پڑنے والے ہوکر اور کہیں گے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے سچا کیا ہم نے

وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ
وعدہ اور وارث کیا ہم کو زمین کا جگہ پکڑتے ہیں ہم جنت میں جہاں

نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۞۷۵ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ
ہم چاہتے ہیں پس کیا ہی اچھا ہے اجر کام کرنیوالوں کا اور تو دیکھے گا فرشتوں کو گھیرنے والے

۷۴۔**طاب**۔ وہ پاک ہوا۔ خوش آیا۔ اسی سے طیب ہے۔ **فانکحوا ماطاب لکم من النسآء** (۴۔۴) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ **طبتُم**۔تم پاک ہو۔

یہاں متقین کی تعریف میں حضرت خلیفة المسیح الاوّل فرماتے ہیں ۔’’ جن کے عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں۔ رنج و راحت، عُسر اور یُسر میں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار رہتے ہیں۔‘‘(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ نومبر ۱۹۱۰ء)

متقین کا گروہ درگروہ جنت میں داخل ہونا ان کے مراتب کے لحاظ سے ہوگا۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلا گروہ جو میری امت میں سے جنت میں جائے گا بدر کی صورت پر ہوگا یعنی کاملین کا گروہ ہوگا۔اہلِ جنت کے لئے بھی **سِیْق** کا لفظ آیا جو ان کے جنت کی طرف بسرعت جانے کے معنی دیتا ہے۔ ان کو چلانا اِس انداز سے ہوگا کہ فرشتے ان کے احترام کی وجہ سے ان کے پیچھے چلیں گے اور وہ آگے آگے خوشی سے بھاگتے ہوئے جائیں گے۔جب جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے دروازے کھول دئے جائیں گے۔ معطر ہوا کے جھونکے دور سے ہی ان کا استقبال کریں گے۔جنت کے داروغے ان کے احترام میں ان کو خوش آمدید کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تم بہت عمدہ حالت کو پہنچے۔اس میں داخل ہوجاؤ ۔تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو۔

۷۵۔**نَتَبَوَّاُ**۔ **بوّیٰ** ۔ اس نے جگہ دی۔ ٹھکانا دیا۔ **نتبوّا** ۔ ہم جگہ پکڑتے ہیں۔ اہل جنت اپنے ربّ کی حمد وثنا کے گیت گاتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے اور اپنے ربّ کا شکر ادا کریں گے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور جنت کی زمین کا ہمیشہ کے لئے وارث بنادیا۔گویا یہ زمین ان کی ملکیت ہوگی۔ جنت کا وارث بنانے میں جنتِ ارضی کی وراثت کی طرف بھی اشارہ ہے جب عظیم فتوحات کے نتیجہ میں مومنین زمین کے بہترین حصوں کے مالک بنے جن میں مصر، شام ،فلسطین، ایران، روم اور ہندوستان وغیرہ شامل ہیں۔ جنت میں اہل جنت جہاں چاہیں گے

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ

اردگرد عرش کے تسبیح کر رہے ہوں گے ساتھ حمد کے اپنے رب کی اور فیصلہ کیا جائیگا

ع ۵ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۶﴾

درمیان ان کے ساتھ حق کے اور کہا جائے گا کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں (جو) رب ہے تمام دنیا کا

رہیں گے گویا ان کی پسند کو ملحوظ رکھا جائے گا اور ان کو جنت میں ان کی پسند کی جگہ دی جائے گی۔ سو عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے ۔یہ قول اہل جنت کا بھی ہوسکتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھی۔

ان آیات میں جہنم اور جنت کی کیفیات کو تمثیلی رنگ میں بیان فرمایا جس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ ہر انسان سے اس کے دنیوی اعمال کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ کسی سے ناانصافی نہیں ہوگی۔ تاہم اس نے رحم کو اپنے نفس پر فرض کر رکھا ہے۔ وہ عاصیوں کو تسلی دیتا ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ وہ ہر گناہ کو معاف کردینے پر قادر ہے اس لئے کہ وہ غفور رحیم ہے۔(آیت:۵۴)

۷۶۔ **حَآفِّيْنَ**۔ گردا گرد کھڑے رہنے والے۔ گھیرا کئے ہوئے۔ احاطہ کئے ہوئے۔ **مِن حـول الـعرش** ۔عرش کے اردگرد۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کا تخت ہو یا اس تخت کو کوئی اٹھائے یا اس کے گردا گرد فرشتے ہوں۔ یہاں استعارہ کی زبان میں بتایا کہ جس طرح الکرسی کا لفظ علم کے لئے آیا ہے اسی طرح العرش کا لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ آثار میں ہے کہ اس وقت یہ چار ہیں یعنی جبرائیل ، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل۔جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا نفاذ کرتے ہیں ۔ تمام عالم کا ظہور اور اس کا قیام صفاتِ الٰہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفات ، ربوبیت ، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت ہیں۔ جن کا ذکر سورۃ فاتحہ میں ہے باقی تمام صفات انہی کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے حامل چاروں فرشتے ان صفات کو ظہور میں لانے پر مقرر ہیں ۔ قیامت کو آٹھ فرشتوں کا اٹھانا ان چاروں صفات کی ایک اور تجلی کا ظاہر ہونا ہے ۔عرش کے گرد فرشتوں سے مراد ان کے ماتحت دیگر صفاتِ الٰہی کے مظہر فرشتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کی عدالت کا نقشہ تمثیلی رنگ میں پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید کر رہے ہوں گے۔ اس عدالت میں لوگوں کے درمیان حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ پس **الحمدُ للّٰہِ ربّ العٰلمین** پر اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ مومن۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی چھیاسی آیات اور نو رکوع ہیں

یہ سورۃ مکّی ہے ۔اس سورۃ کا نام المومن اُس مردِ مومن کے نام پر ہے جو فرعون کے دربار میں حمایتِ حق میں دلیرانہ کھڑا ہوگیا اور جس نے حق و باطل کو پرکھنے کے لئے ایک دائمی اصول بتادیا کہ اگر دعویٰ نبوت کرنے والا سچا ہے تو اس کی انذاری پیشگوئیاں تم پر صادق آئیں گی اور تم عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا اور وہ خدائی قہر کی گرفت میں ضرور آئے گا۔ یہی اس سورۃ کا مضمون بھی ہے کہ انبیاء اور اُن کے متبعین جب بھی حق کی حمایت میں کھڑے ہوں گے نصرتِ الٰہی ضرور نازل ہوگی اور مخالفین ان کے مقابلہ میں خواہ کیسے ہی زبردست ہوں ناکام ونامراد ہوں گے۔اس سورۃ سے سورۃ الاحقاف تک سات سورتوں کی ایک لڑی ہے سات کے عدد کا قرآن کریم میں بہت ذکر ہے۔مثلاً قرآن کریم کی سات منازل ہیں جس طرح قرآن کی پہلی سورۃ ،سورۃ الفاتحہ کی بسم اللہ سمیت سات آیات ہیں اسی طرح قرآن کریم کی آخری سورۃ سورۃ الناس کی بسم اللہ سمیت سات آیات ہیں۔ سورۃ یٰسٓ میں سات مبین ہیں۔سات سورتیں نبیوں کے نام پر ہیں۔آسمان سات ہیں۔ انسان کی تخلیق کے سات درجات ہیں۔(سورۃ المومنون :۱۲، ۱۳، ۱۴۔) القرآن، الاسلام اور الانسان کے سات سات حروف ہیں۔غرض اس سورۃ سے سورۃ الاحقاف تک سات سورتوں کا ایک مجموعہ ہے جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں اور **آلِ حٰمٓ** کہلاتی ہیں۔ احادیث میں ان کی بڑی شان بیان ہوئی ہے۔

اس عاجزہ کی رائے میں ان سات سورتوں کا سورۃ الفاتحہ کی سات آیات سے خاص تعلق ہے۔ ان تمام سورتوں کو **حٰمٓ** سے شروع کرکے بتلایا کہ ان کا تعلق صفاتِ الٰہی سے ہے۔ سورۃ الفاتحہ ، **الحمد للّٰہ** یعنی ربّ اعلیٰ کی حمد سے شروع ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ کی چار صفاتِ کاملہ کو بیان کرتی ہے۔جس کے تابع اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات ہیں۔ **حٰمٓ** کی لڑی کی پہلی سورۃ کی ایک ہی آیت یعنی آیت ۴ میں اِن صفات کے تابع اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان فرمائیں جن کا خاص طور پر اس سورۃ میں ذکر ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی صفت الرحمٰن کے تابع اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت **غافرالذنب** بیان فرمائی غافر الذنب وہ ہے جو بغیر توبہ کے گناہوں کو بخشنے والا ہے ۔ گویا جس طرح الرحمٰن بغیر محنت وکوشش اور حق کے اپنی لامحدود نعمتیں عطا فرماتا ہے اسی طرح

غافر الذنب بغیر توبہ اور کوشش کے گناہوں کو بخشتا اور اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ الرحیم کے تابع اللہ تعالیٰ کی صفت قابل التوب ہے جس طرح الرحیم سچی محنت پر بندے کی مدد کرنے والا اور اس کی محنت کا پھل عطا کرنے والا ہے اسی طرح قابل التوب توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور انہیں اجر عظیم سے نوازنے والا ہے۔

مالک یوم الدین اور **شدید العقاب** میں انذار فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت **الرحمٰن، الرحیم، غافر الذنب** اور قابل التوب سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے ان کے لئے سخت سزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان سے یہاں تک لکھا لیکن آگے بات بن نہیں رہی تھی میں اپنی رائے سے **ربّ العٰلمین** کے تابع اللہ تعالیٰ کی صفت **ذی الطول** نہیں لکھ سکتی تھی کہ پہلی کو آخری سے ملا دوں ۔ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی تحریر میری نظر سے گزری آپ لکھتے ہیں کہ" جب **مالک یوم الدین** کی صفت اپنا جلوہ دکھا چکتی ہے تو پھر **الحمد للّٰہ رب العٰلمین** کا زمانہ شروع ہوتا ہے گویا زمانے کی ربوبیت پھر شروع ہو جاتی ہے۔"(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶اگست ۱۹۰۹ء) یہ اللہ کی جاری سنت ہے۔پس **ربّ العٰلمین** کے تابع اللہ تعالیٰ کی صفت **ذی الطول** ہے کہ وہ عطا کرنے میں حد بندیاں نہیں کرتا وہ بڑا صاحب فضل اور احسان کرنے والا ہے۔تمام مخلوق پر اس کی نعمتیں بے حد و حساب نازل ہورہی ہیں۔

حٰمٓ سے شروع ہونے والی تمام سورتوں کا زمانہ نزول قریباً ایک ہے یعنی مکی دور کا وسطی حصہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بہت زوروں پر تھی۔ مضامین بھی ملتے جلتے ہیں ۔ گزشتہ مجموعہ سُوَر کا مرکزی مضمون حق کی کامیابی اور انبیاء کے حالات ہیں ۔ اس مجموعہ سُوَر کا مرکزی مضمون حق کی کامیابی کے ساتھ خاص طور پر اعدائے رسول کی ناکامی ہے۔اِن سورتوں میں انبیاء کی تاریخ کا ذکر بہت کم ہے ۔بیشتر دلائل قرآن اور صاحبِ قرآن کی صداقت کے ہیں۔

سورۃ کے آخر میں بتایا کہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ جلد ظاہر ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر سورۃ کو ختم کیا ۔ اس سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے نام حمید و مجید سے کی جو اس کی حمد اور بزرگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سورۃ بھی پروردگار کی حمد اور بزرگی کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سورۃ میں کفار کو باربار تنبیہ فرمائی کہ اگر خدا اور رسول کی مخالفت سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی گزشتہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۲ غَافِرِ

حا۔میم اتارنا اس کتاب کا طرف سے اللہ کی ہے (جو) عزت والا (اور) بہت علم والا ہے بخشنے والا

الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ

ہے گناہ اور قبول کرنے والا ہے توبہ سخت سزا دینے والا ہے طاقت والا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ

نہیں کوئی خدا سوائے اس کے طرف اسی کی لوٹنا ہے نہیں جھگڑتے آیات میں

۱۔ پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی مومنین پر رحمتوں کا ذکر کرکے بتلایا کہ ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **حٰمٓ**، حمید اور مجید کا قائم مقام ہے۔ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کی حمد اور بزرگی کو ثابت کرتی ہے۔

۳۔اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ کی صفات سے کی پہلے بتایا کہ وہ حمید اور مجید ہے۔ اب فرمایا کہ یہ کتاب کامل غلبہ والے اور کامل علم والے خدا کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آخری غلبہ حق کو ہی نصیب ہوگا اور مخالفین اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

۴۔ **طُول** ۔لمبا ہونا۔ دراز ہونا۔ **طَوْل** احسان رکھنا ۔ بزرگی۔ **ذی الطول** ۔ صاحبِ عطا۔ صاحبِ وسعت۔ فضل و احسان کرنے والا ۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اللہ عزّ وجلّ کی چار صفات بیان فرمائیں جن میں تین کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہے۔ایک میں سزا کا ذکر ہے گویا ربِّ رحیم کی رحمت ہی غالب ہے۔ غافِرِ الذَّنب میں اشارہ ہے کہ بغیر توبہ کے گناہوں کو بخشنے والا ہے اس لئے کہ ساتھ ہی قابِلِ التَّوب کہا کہ توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔یعنی توبہ پر بخشنے والا ہے۔ جو توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتے اور بدی پر مُصر رہتے ہیں ان کے لئے سخت سزا ہے۔ شدید العِقاب کے انذار کے بعد پھر تسلی دی کہ ذی الطَّول بھی ہے یعنی بہت عطا کرنے والا ہے، بے حد و حساب نعمتوں سے نوازنے والا ہے۔ پس ان تمام صفات کا حامل ہی عبادت کے لائق ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ احادیث میں ان تین آیات کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں

اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي

اللہ کی مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پس نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے پھرنا ان کا

الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ

شہروں میں تکذیب کی پہلے ان سے قوم نوح نے اور مختلف جماعتوں نے

بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ

بعد ان کے اور قصد کیا ہر قوم نے اپنے رسول کا کہ پکڑیں اسے اور

جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ

جھگڑے ساتھ جھوٹ کے تاکہ ڈگمگا دیں ساتھ اس کے حق کو پس پکڑا میں نے انہیں

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

پس کیسا ہوا عذاب میرا اور اسی طرح ثابت ہوگئی بات رب کی تیرے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آیت الکرسی (دوسری جگہ آیت الکرسی کے ساتھ کی دو آیات بھی ہیں) اور سورۃ المومن کی ابتدائی آیات **حٰمٓ** سے **اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ** تک صبح کے وقت پڑھے تو ان دونوں کی برکت سے شام تک حفاظتِ الٰہی میں رہتا ہے۔ اگر کوئی یہ دونوں شام کے وقت پڑھے تو صبح ہونے تک وہ ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔یعنی ہر برائی اور تکلیف سے محفوظ رہتا ہے۔(ابنِ کثیر) آیت الکرسی کو بطور خاص اس لئے ساتھ پڑھنے کو کہا کیونکہ خدا تعالیٰ کی حفاظت کی تمام آیات میں سے سب سے نمایاں آیت الکرسی ہے۔

۵۔مومن تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعہ اسے پہچانتے اور ہدایت حاصل کرتے ہیں لیکن کافر اللہ کی نشانیوں کے بارہ میں جھگڑتے ہیں۔ ان کا جھگڑنا کج بحثی یعنی اپنے غلط مؤقف پر ڈٹے رہنا، اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ اور مختلف انداز سے اسلام پر حملہ کرنا ہے۔ **تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ** میں ان کی وسیع تجارت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ باوجود حق کی مخالفت کے ان کی تجارت خوب زوروں پر تھی اور دنیوی طور پر نہایت کامیاب تھے۔ معاشرہ میں صاحبِ ثروت اور صاحبِ عزت سمجھے جاتے تھے۔ فرمایا اگر ان کی پکڑ میں تاخیر ہورہی ہے تو یہ بات تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے کہ شاید ان کی کوئی بات اللہ کو پسند ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ ان کی پکڑ اچانک ہوگی۔

۶۔ حضرت نوح علیہ السلام اور بعد میں آنے والے انبیاء کے قصوں میں تاریخ کے حقائق سے پردہ اٹھایا کہ ہر نبی کے وقت اس کی قوم نے اپنے رسول کے متعلق یہ پختہ ارادہ کیا کہ اسے گرفتار کرکے ذلیل کرے اور نقصان پہنچائے لیکن وہ اپنے ارادوں میں ہمیشہ ناکام رہے۔ منکرین رسول نے ہمیشہ جھوٹ کا سہارا لیا کہ جھوٹ کے ذریعہ حق کو جھٹلادیں یعنی انبیاء کا نامراد ہونا ثابت

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۷ اَلَّذِيْنَ

ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا کہ وہ آگ والے ہیں وہ جو

يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اٹھاتے ہیں عرش کو اور جو اردگرد ہیں اس کے تسبیح کرتے ہیں ساتھ حمد کے اپنے رب کی

وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا

اور ایمان لاتے ہیں اس پر اور بخشش مانگتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اے رب ہمارے

وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا

حاوی ہو گیا تو ہر چیز پر رحمت سے اور علم سے پس بخش دے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی

وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۸ رَبَّنَا وَ

اور پیروی کی راہ کی تیرے اور بچا انہیں عذاب سے دوزخ کے اے رب ہمارے

کریں۔ **لیدحضوا به الحق**۔ تاکہ اس (جھوٹ) سے حق کو اس کے مقام سے گرادیں۔ تب ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ پس میری پکڑ کیسی تھی۔ اے نبیؐ! تیرے منکرین بھی جب قومِ نوح کا طریق اختیار کریں گے تو پکڑے جائیں گے۔ جیسا کہ آپؐ کو گرفتار اور قتل کرنے کے منصوبے بنے۔ پس انبیاء کو پکڑنے کے منصوبے بنانے والے اللہ کی پکڑ سے کبھی بھی بچ نہیں سکے۔

۷۔ گزشتہ منکرینِ انبیاء کا ذکر تھا فرمایا تیرے ربّ کا یہ فرمان ان لوگوں پر جو کافر ہیں ضرور پورا ہوا کہ وہ دوزخی ہیں۔ گویا دنیا کی سزا ان کے جرائم کے لئے کافی نہیں تھی۔ پس منکرینِ رسول کے لئے بھی یہی فیصلہ صادر ہوگا۔

۸۔ **العرش** کی تشریح کے لئے گزشتہ سورۃ اور سورۃ التوبہ کی آخری آیات سے استفادہ فرمایئے۔

العرش اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے اور وجہ تخلیقِ کائنات شہ لولاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا قلب مطہر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا تخت گاہ ہے۔ جس پر روح الامین اترتے ہیں اور جسے تقویت دینے کے لئے فرشتے اسے چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ نیز ہر وہ پاک دل جس پر صفات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے یعنی جس پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ عرش ہے۔ گزشتہ سورۃ کی آخری آیت میں یوم آخر کا تمثیلی رنگ میں نقشہ پیش کیا کہ ملائکہ عرش الٰہی کو گھیرے میں لئے ہوئے ہوں گے اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہوں گے۔ یہاں بتلایا کہ قیامت پر ہی موقوف نہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہمہ وقت عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے اس کے گرد تحمید و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اپنے ربّ کی صفات پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ

اور داخل کر ان کو باغوں میں ہمیشہ کے وہ جن کا وعدہ کیا تو نے ان سے اور ان کو بھی جو نیک ہوئے

مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

باپ داداؤں میں سے ان کے اور بیویوں میں سے ان کی اور اولادوں میں سے ان کی یقیناً تو ہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۹ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

عزت والا حکمت والا ہے اور بچا ان کو برائیوں سے اور جسے بچائے تو برائیوں سے

ع ۱۰ / ۶ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۰

اس دن تو یقیناً رحم کیا تو نے اس پر اور یہ ہی کامیابی ہے بڑی

(مزید تشریح سورۃ الحاقہ :۱۸) اور مومنوں کے لئے استغفار اور بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اپنے ربّ کی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے کوئی چیز تیری رحمت اور علم سے باہر نہیں۔ پس تیرے بندے جو معافی کے طلبگار ہیں اور تیری راہ پر چلتے ہیں ان کو بخش دے اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہاں رحمت اور علم کو جمع کر کے بتایا کہ جس طرح ہر چیز پر علم محیط ہے اسی طرح ہر چیز کو رحمت نے گھیرا ہوا ہے۔ گویا تیرے علم کی طرح تیرے دامنِ رحمت کی وسعت بھی لامحدود ہے۔ یہاں کفار کے مقابلہ میں ان فرشتہ سیرت صحابہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو عرشِ محمد کو اٹھائے ہوئے ہیں اور آپؐ کی حفاظت پر مامور ہیں اور جو قریب تر ہیں وہ عرش کے گرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہیں اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ وہ مومنوں کے لئے استغفار کرتے اور ان کے گناہ بخشواتے ہیں اور اپنے ربّ کی تنزیہہ بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے حضور مناجات کرتے ہیں۔

۹۔ وہ ان کے لئے بخشش اور جہنم سے نجات کی دعا کے علاوہ اس امر کے بھی حریص ہیں کہ مولا! تو نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء و اجداد، ان کی بیبیوں، ساتھیوں، ان کی اولاد اور نسلوں میں سے جو نیک ہیں ان سب کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرما۔ جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک تو غالب ہے، تجھے تمام اختیار حاصل ہے اور تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ قرآن کریم (سورۃ الطّور:۲۲) اور احادیث سے ثابت ہے کہ مومنین کے متعلقین اگر اُن کے درجہ سے نیچے بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے کم درجہ متعلقین کو بھی جنت میں ان کے ساتھ کر دے گا۔ انشاء اللہ۔

۱۰۔ پہلے مومنین کے لئے غفر کی دعا کی (آیت:۸) جس سے مراد توبہ یعنی اُن گناہوں کی بخشش ہے جو ایمان لانے سے قبل سرزد ہوئے۔ **سیّاٰت** سے بچانا آئندہ بدیوں سے بچانا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ
يقيناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ پکارے جائیں گے البتہ ناراضگی اللہ کی بہت بڑی ہے بہ نسبت

مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿١١﴾
ناراضگی تمہاری کے اپنے لوگوں سے جب تم پکارے جاتے تھے طرف ایمان کے تو تم انکار کرتے تھے

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ
وہ کہیں گے اے رب ہمارے موت دی تونے ہم کو دو بار اور زندہ کیا تونے ہمیں دو بار

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١٢﴾
پس اقرار کیا ہم نے گناہوں کا اپنے پس کیا ہے طرف نکلنے کی کوئی راستہ

قیامت کے دن اس سے مراد بدیوں کے نتائج سے بچانا ہے ۔پس جس کو تو نے اس دن بدیوں کے نتائج سے محفوظ رکھا تو اسے یقیناً تیری رحمت میسر آ گئی جو ایک بہت بڑی کامیابی ہے ۔ بدیوں کے نتائج سے مراد روز قیامت کی سختیاں اور رسوائیاں ہیں جن کا آخری نتیجہ جہنم ہے۔

۱۱۔دوسرے رکوع میں بتایا کہ مومنین کی حفاظت ان کے اعمال کی وجہ سے ہے۔**مَقت**۔ گناہ ۔ناراضگی۔ بیزاری۔

مومنین تو محض رحمت الٰہی سے بدیوں کے بد نتائج سے محفوظ رہے اور فوزِ عظیم کو پہنچے مگر کفار کی بدیوں کے نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ کفار دنیا میں اپنوں کی ناراضگی کے ڈر سے ایمان سے محروم رہے قیامت کے روز انہیں پکارا جائے گا کہ تمہارے اپنے لوگوں کی ناراضگی سے اللہ کی ناراضگی بہت بڑھ کر تھی۔جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو اپنے بھائی بندوں کی ناراضگی کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔افسوس تم نے اللہ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی اور لوگوں کی ناراضگی سے ڈرتے رہے۔

۱۲۔دنیا میں بدی پر مصر رہنے والوں کو دوبارہ زندہ ہونے پر یقین نہیں تھا۔ اس لئے گناہوں پر خوب دلیر تھے ۔ اب اپنے ربّ کے حضور اپنی خطاؤں کا اقرار کریں گے کہ اے ہمارے ربّ ! اس سے پہلے تو نے ہمیں دو دفعہ موت سے نکالا اور زندگی بخشی۔ پہلی موت سے مراد کُلّی عدم ہے۔یعنی عدم سے وجود میں لانا۔ کیا اب اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ ہے جہاں موت ہے نہ زندگی۔پس یا تو پہلے کی طرح موت دے دے یا پہلے کی طرح زندگی بخش تا کہ ان گناہوں کا ازالہ کرسکیں (سورۃ البقرہ:۲۹) میں دو دفعہ موت اور دو دفعہ حیات کی تشریح بیان ہوئی ہے کہ تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو جبکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندہ کیا وہ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ
یہ اس لیے ہے کہ جب پکارا جاتا تھا اللہ اکیلا تم کفر کرتے تھے اور اگر

يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٣﴾
شریک کیا جاتا تھا ساتھ اسکے تم ایمان لاتے تھے پس حکومت اللہ بلند بڑے کی ہے

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وہی ہے جو دکھاتا ہے اپنے نشانات اور اتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے

رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٤﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ
رزق اور نہیں نصیحت پکڑتا مگر وہ جو جھکتا ہے پس پکارو اللہ کو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٥﴾ رَفِيْعُ
خالص کرتے ہوئے اس کیلئے فرمانبرداری اور اگرچہ ناپسند کریں کافر بلند

الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى
درجوں والا ہے صاحب عرش ہے ڈالتا ہے کلام اپنے حکم سے

۱۳۔اس کے جواب میں ان سے کہا جائے گا کہ تمہاری یہ سزا اس لئے ہے کہ تم شرک کرتے تھے۔ جب خدائے واحد کو پکارا جاتا تھا اور توحید کا ذکر ہوتا تھا ۔تو تم ماننے سے انکار کردیتے تھے جب اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے پس فیصلہ کا اختیار اللہ ہی کو ہے جو بہت بلند اور بڑی عظمت والا ہے ۔اُس کا فیصلہ جرم کے عین مطابق ہوگا اور اس عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

۱۴۔اللہ کے **عَلِیّ الْکَبِیر** ہونے کا ذکر تھا فرمایا وہی ہے جو تمہیں اپنے نشانات دکھاتا ہے ۔تمہارے اردگرد پھیلے ہوئے بے شمار نشانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے مگر اس کے نشانوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو بار بار اس کے حضور جھکتے اور اس کی پیدا کردہ نعمتوں پر غور کرتے ہیں۔ رزق میں اس کی تمام روحانی اور مادی عطا شامل ہے اگر محض مادی رزق کے نظام پر ہی غور کرو تو بے اختیار اس منعم حقیقی کے حضور جھک جاؤ اور کسی کو اس کے اختیار و اقتدار میں شریک نہ کرو۔

۱۵۔(تشریح کے لئے سورۃ زمر:۳) یہ خطاب مومنین سے بھی ہے اور بنی نوع انسان سے بھی کہ اگر عبد منیب بننا چاہتے ہو تو اپنی اطاعت کو خالص اللہ کے لئے کرتے ہوئے اسے پکارو۔ گویا تمہاری اطاعت میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔ تمہارا مطلوب و مقصود صرف اللہ ہو۔ اسی کی عبادت کرو۔ اسی کی اطاعت کرو۔یاد رکھو کہ توحید کا ذکر کفار کو کبھی بھی پسند نہیں آتا۔

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۶﴾ يَوْمَ

جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تاکہ ڈرائے یوم ملاقات سے جس دن

هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ

کہ وہ ظاہر ہوں گے نہ مخفی ہوگا اللہ پر ان میں سے کچھ بھی کس کی ہے

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۷﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى

بادشاہی آج اللہ اکیلے سب پر غالب کی ہے آج بدلہ دیا جائے گا

۱۶۔**رفیع الدَّرَجٰت** ۔ بلند درجات والا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ درجات بلند کرنے والا۔ **ذُوالعرش**۔ صاحبِ عرش۔ عرش کا مالک۔ **یوم التّلاق**۔ ملاقات کا دِن۔ **الرُّوح** ۔ کلام الٰہی ہے۔(کشاف۔ بیضاوی۔ روح البیان) وحی اور نبوت۔مشرکین کے بے بساط و بے مقدور معبودانِ باطلہ کے مقابلہ میں اللہ عزّ وجلّ کی بلند شان کا ذکر کیا کہ اس کے مقامِ عالی تک کسی کی رسائی نہیں۔وہ صاحبِ عرش ہے۔اس ربِّ جلیل کا **رفیع الدرجٰت** اور **ذُوالعرش** ہونا مقتضی ہے کہ مادی رزق کے ساتھ روحانی رزق بھی نازل فرمائے اور اپنے بندوں کو اپنے کلام یعنی وحی اور نبوت سے نوازے تاوہ لوگوں کو اپنے ربّ کی ملاقات کے دن سے ڈرائیں۔وہ دن جب ہر انسان کو اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا ہوں گے۔یہ منصبِ جلیلہ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔اس میں بھی کسی سے رعایت نہیں۔وہ اُس کو عطا کرتا ہے جو اس کے علم میں اس بارِ گراں کو اٹھانے کا اہل ہوتا ہے۔اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ہر صدی کے سر پر مجدد کا سلسلہ جاری رہا اور چودھویں صدی کے سر پر مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدیٔ معہود کے خدائی القابات کے ساتھ آنحضرتﷺ کی غلامی میں ظلی نبوت کا منصب جلیلہ پاکر امت کی اصلاح کے لئے تشریف لائے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا!'' کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت وقرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔(ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۸ طبع اوّل)پس تشریعی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے۔البتہ غیر تشریعی انبیاء اور اولیاء آتے رہیں گے جو وحی الٰہی سے مشرف ہوں گے۔(تفصیل کے لئے سورۃ الاحزاب آیت:۱۴)

۱۷۔**بُرزُون۔ بَرَزَ** وہ نکلا ۔**بٰرزونَ** نکل کھڑے ہونے والے۔ ظاہر ہونے والے۔

یوم التّلاق وہ دن ہوگا جب تمام مخلوق اپنے ربّ کے سامنے حاضر ہوگی اُن کی کوئی چیز اللہ سے چھپی نہیں رہے گی فرمایا جائے گا کہ آج بادشاہت صرف اللہ واحد القہّار کی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

ہر نفس کو بعوض اسکے جو کمایا انہوں نے نہیں ظلم اس دن یقیناً اللہ جلد لینے والا ہے

الْحِسَابِ ﴿۱۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

حساب اور ڈرا انہیں دن سے اچانک آجانے والے کے جبکہ دل

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ

نزدیک حلق کے غم سے بھرے ہوں گے نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست

وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۹﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى

اور نہ سفارش کرنے والا کہ مانا جائے جس کا وہ جانتا ہے خیانت آنکھوں کی اور جسے چھپاتے ہیں

بادشاہت تو دنیا میں بھی اللہ کی ہی تھی اور نہ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی تھی۔ ہاں کچھ لوگوں کی عقل پر پردہ ضرور پڑا ہوا تھا جو بادشاہ حقیقی کو بھول کر خود کو آمرِ مطلق سمجھتے رہے۔ پس اُس دن اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کھلی کھلی نظر آئے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آسمانوں اور زمینوں کو اپنی مٹھی میں لے گا اور فرمائے گا ۔میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبّار ، میں ہوں کبریائی کا مالک۔کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں جبارین اورمتکبرین؟(بخاری۔ مسلم۔ مسند احمد۔ ابن ماجہ ۔ ابن جریر) تاہم اسلامی تاریخ میں کئی ایسے عاجز بادشاہوں کا بھی ذکر ملتا ہے کہ جب تخت نشین ہوئے ، دربار کی کاروائی تلاوت قرآن سے شروع ہوئی اور یہ آیت یا اس سے ملتی جُلتی دوسری آیات تلاوت کی گئیں تو لرزتے ہوئے تخت سے اترے، تاج اتارا اور سجدہ میں گر گئے کہ اے مالک !بادشاہی تیری ہی ہے ،نہ کہ میری میں تو تیرا ایک عاجز اور غلام بندہ ہوں۔ایسا ایک بادشاہ ساسانی خاندان کا فرمانروا نصر بن احمد تھا۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں جب تخت طاؤس پر رونق افروز ہوا تو اُس نے بھی تلاوت قرآن سے مرعوب ہو کر ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔

۱۸۔قیامت کے شدائد اور اس کے احوال کا ذکر ہے۔فرمایا آج کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی ہر نفس کو وہی بدلہ ملے گا جو اس نے کمایا۔ جلد حساب لینے سے یہ مراد نہیں کہ ادھر جرم کیا اور اُدھر پکڑا گیا بلکہ مراد یہ ہے کہ زیادہ تاخیر نہیں کرتا۔ دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے لیکن ضروری نہیں ۔ ہاں اعمال کے نتائج ،ساتھ ساتھ ہی مرتب ہونا شروع ہوجاتے ہیں ۔خواہ دنیا کو نظر آئیں یا نہ آئیں ۔آخرت میں حساب یقیناً بہت جلد لے گا۔

۱۹۔**اٰزفة۔ اٰزف** کے معنی قریب آ گیا۔**اٰزفة** قریب آنے والی چیز ہے مراد قیامت یا اَجل ہے ۔ **حمیم**۔ گہرا دوست۔ **یُطاع** ۔جس کا حکم مانا جائے گا ۔ جس کی بات مانی جائے ۔

الصُّدُوْرُ ﴿۲۰﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

سینے — اور اللہ — فیصلہ کرتا ہے ساتھ حق کے — اور وہ لوگ — جنہیں وہ پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ

سوائے اس کے — نہیں فیصلہ کرتے — کچھ بھی — یقیناً — اللہ — ہی — خوب سننے والا

الْبَصِيْرُ ﴿۲۱﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

خوب دیکھنے والا ہے — کیا نہیں — چلے پھرے وہ — زمین میں — کہ وہ دیکھتے — کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ

ہوا — انجام — ان لوگوں کا جو — تھے — پہلے ان سے — تھے — وہ

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

زیادہ سخت ان سے — قوت — اور نشانات میں — زمین میں — پس پکڑا — ان کو — اللہ نے

بات مَنوالینے والا۔ **حناجر**۔ واحد حنجر۔ گلا۔ نرخرہ۔ **کاظمین**۔ غصہ دبانے والے۔ غم کو دبانے والے۔ ابنیاء **یوم التلاق** سے ڈرانے آتے ہیں۔ یہاں خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ ان لوگوں کو ایک آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرا جو لحظہ بلحظہ قریب سے قریب تر چلا آرہا ہے یہ ان کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا دن ہوگا جسے دیکھ کر غم اور خوف کے مارے اِن کے دل اچھل کر حلق تک آجائیں گے۔ دنیا میں ان ظالموں کے ایسے جگری دوست اور سفارشی تھے جو اپنی بات منوالینے کی طاقت رکھتے تھے۔ دنیا میں انہوں نے ان کو ہر غلط کام پر اپنے اثر و رسوخ سے بچالیا مگر آخرت میں کوئی ایسا دوست ہوگا نہ سفارشی۔ پس اُس دن کے لئے کچھ تیاری کرلو جو قریب سے قریب چلا آرہا ہے۔ جہاں تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ بسااوقات یہ دن دنیا میں بھی آجاتا ہے جب دوست اور احباب سب منہ پھیر لیتے ہیں اور جرائم کی سزا ملتی ہے۔

۲۰۔۲۱۔ آنکھوں کی خیانت میں بدنظری کے علاوہ تحقیر کے انداز میں یا غصہ سے دوسروں کو دیکھنا بھی شامل ہے۔

دنیا میں گناہوں کو چھپایا جاتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے حضور سب ظاہر ہوجائیں گے۔ آنکھوں کی خیانتیں بھی اور وہ گناہ بھی جنہیں سینے چھپاتے تھے۔ غرض اس ربِّ دوجہاں کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ تمہارے مزعومہ خداؤں کی طرح اندھا اور بہرہ نہیں وہ سمیع البصیر ہے اسے بندوں کے تمام ظاہری اور مخفی اعمال کی خبر ہے۔ اس کے فیصلہ میں کسی غلطی کا شائبہ تک ممکن نہیں۔ وہ تمام امور کا فیصلہ حق و انصاف کے ساتھ کرے گا۔ سمیع میں اشارہ ہے کہ اگر ایسے لوگ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور سنتا ہے۔

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ

بوجہ گناہوں کے ان کے — اور نہیں — تھا — ان کے لیے — اللہ سے — کوئی بچانے والا — یہ

بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا

اس لیے ہے کہ — تھے — آتے ان کے پاس — رسول ان کے — ساتھ دلائل کے — پس انکار کیا انہوں نے

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ

پس پکڑا — ان کو — اللہ نے — یقیناً — وہ زور آور — سخت سزا (دینے) والا ہے — اور یقیناً یقیناً

۲۲۔ **اثار**۔ اثر کی جمع ہے۔ اثار نشانات۔ ایسی عمارات جو بطور نشان یا یادگار بنائی جائیں۔ جیسے آثار قدیمہ۔ **واق**۔ بچانے والا۔ جیسے **وقنا عذاب النار** (البقرہ:۲۰۲) **قوا انفسکم واھلیکم نارًا** (التحریم:۷) تیسرے چوتھے اور پانچویں رکوع میں فرعون کے ذکر میں مخالفینِ حق کو تنبیہ فرمائی کہ فرعون دنیوی طاقت کا نمائندہ ہے جو حق کو مٹانے میں اپنا پورا زور صرف کرتا ہے مگر حق کو مٹا نہیں سکتا بلکہ خود مٹ جاتا ہے۔ اس کی قوم کے ایک ناصح نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر حکومت اور طاقت کے نشہ میں سرشار فرعون نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرا اور آخر اپنے انجام کو پہنچا۔

یوم آخر میں اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ فیصلوں کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا کہ تاریخی شواہد اس امر پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے دنیا میں بھی حق و انصاف پر مبنی تھے۔ سرداران مکہ جو خود کو صاحبِ ثروت سمجھتے تھے انہیں بتایا کہ وہ کئی اقوامِ گزشتہ کے مقابلہ میں بالکل بے وقعت ہیں۔ فرعون، قارون اور ہامان کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ رومی اور مصری جیسی بہت سی عظیم تہذیبیں گزر چکی تھیں۔ جن کا مقابلہ اہل مکہ نہیں کرسکتے تھے۔ پس انہیں سیر و سیاحت کی ترغیب دی کہ زمین پر سفر کرکے دیکھیں کہ ان سے پہلے مکذبینِ انبیاء کا کیا انجام ہوا۔ اُن قوموں کے آثار اِن کو سیر و سیاحت میں نظر آسکتے ہیں جو ان سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھیں۔ وہ قوت میں اور اپنی یادگاروں کے لحاظ سے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اہل مکہ سے بہت بڑھ کر تھے۔ سو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑلیا اور کوئی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکا۔

۲۳۔ **بیّنٰت** میں کھلے کھلے دلائل، نشانات، معجزات، پیشگوئیاں اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے لائحہ عمل شامل ہیں۔

ان قوموں پر نزولِ عذاب کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے۔ انہوں نے انکار کیا تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا وہ بڑی قوت والا ہے اور سزا دینے

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

بھیجا ہم نے موسیٰ کو ساتھ اپنے نشانوں کے اور غلبہ ظاہر کے طرف فرعون اور

هَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

ہامان اور قارون کی پس کہا انہوں نے جادوگر (اور) جھوٹا پس جب وہ لایا ان کے پاس

بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

حق پاس سے ہمارے کہا انہوں نے قتل کرو بیٹوں کو ان لوگوں کے جو ایمان لائے

مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا

ساتھ اس کے اور زندہ چھوڑ دو عورتوں کو ان کی اور نہیں تدبیر کافروں کی مگر

فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ

نامرادی اور کہا فرعون نے چھوڑو مجھے کہ قتل کردوں موسیٰ کو اور چاہیے کہ وہ پکارے

میں بہت سخت ہے۔جب وہ ذی قوت اقوام نہیں بچ سکیں تو یہ لوگ جو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں اللہ کی پکڑ سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

۲۴۔۲۵۔ **سلطان مبین** ۔کھلا غلبہ۔کھلی اور غالب دلیل۔گزشتہ اقوام کے منکرین انبیاء کے ذکر میں **فرعون کا** ذکر بدرجہ اَولیٰ آئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے۔حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں آپؐ اور آپ کی امت کے لئے قیامت تک کے لئے بے شمار پیشگوئیاں اور نصائح ہیں۔ موسیٰؑ کے واقعات کی تفصیل قرآن کریم میں مختلف پہلوؤں اور مختلف انداز سے بار بار آئی ہے۔(تفصیل کے لئے سورۃ البقرۃ رکوع ۶ تا رکوع ۱۰۔سورۃ الاعراف رکوع ۱۳ تا رکوع ۲۱۔سورۃ طٰہٰ رکوع ۱ تا رکوع ۵۔سورۃ قصص پہلے پانچ رکوع۔سورۃ شعراء رکوع ۲ تا رکوع ۴)فرمایا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی غالب دلیل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں کہ اِن تینوں کی طرف بھیجا اور یہ تینوں اپنے اپنے دائرہ اثر میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔فرعون کی سیاسی حکومت اور غلبہ تین حصوں میں تھا۔ہامان چرچ کا سربراہ تھا اس کا اپنا اثر ورسوخ اور غلبہ تھا اس کو نظر انداز کر کے فرعون حکومت نہیں کرسکتا تھا۔قارون خزانوں کا مالک تھا۔اس کی اپنی فوج تھی۔اسے بعض مدفون خزانوں کا علم تھا اس کی فوج ان خزانوں کو نکال کر فرعون تک پہنچاتی۔اس میں قارون کا حصہ مقرر تھا۔وہ موسیٰؑ کی قوم سے تھا۔لیکن فرعون کی کابینہ کا خاص رُکن تھا۔موسیٰؑ کی قوم کے کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔آپ کو جادوگر کہنے میں آپ کے معجزوں کی طرف اشارہ ہے اور جھوٹا کہنے میں دعویٰ نبوت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۶۔بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے اور عورتوں کو زندہ رکھنے کا حکم حضرت موسیٰؑ کی

رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي

اپنے رب کو یقیناً میں ڈرتا ہوں اس سے کہ وہ بدل دے دین تمہارا یا یہ کہ برپا کرے

الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

زمین میں فساد اور کہا موسیٰ نے یقیناً میں نے پناہ پکڑی اپنے رب کی اور تمہارے رب کی

ع ۳/۷/۸ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ رَجُلٌ

ہر تکبر کرنے والے سے جو نہیں ایمان لاتا یوم حساب پر اور کہا ایک مرد

ولادت سے پہلے بھی دیا گیا تھا۔(سورۃ البقرہ:۵۰)اب ان تینوں سربراہانِ مملکت نے پھر یہ فیصلہ کیا۔مگر وہ اپنی اس تدبیر میں کامیاب نہ ہوسکے۔قتل سے مراد ان کو ذلیل وخوار کرنا اور ان کی عزت نفس کو کچلنا بھی ہے کہ ان میں مردانگی اور حریت جیسی قوتیں مفلوج ہوجائیں اور ان سے کوئی خطرہ نہ رہے۔**وما کیدُالکٰفرینَ الّافی ضلٰل ٥** کے یہ معنی بھی ہیں کہ کافروں کی تدبیر ان پر الٹی پڑتی ہے یعنی ان کے ظلم کی سزا ان کو اسی رنگ میں ملتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کے پہلوٹھوں کا مرنا۔

۲۷۔حضرت موسیٰؑ کے قوی دلائل اور معجزات کی قوت تھی نیز انبیاء کو ایک خاص رعب عطا ہوتا ہے جس نے فرعون کو موسیٰ پر ہاتھ ڈالنے سے روکا ہوا تھا۔جب اس نے اپنے تمام حربے ناکام ہوتے دیکھے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا اور کہا مجھے چھوڑ دو یعنی اب مجھے مت روکو۔میں اسے قتل کرکے رہوں گا۔چاہیئے کہ وہ اپنے ربّ کو پکارے اور مجھے روک کر دکھائے۔اب اس نے بھی وہ گھٹیا طریق اختیار کیا جو انبیاء کے مخالفین ہمیشہ اختیار کرتے آئے ہیں یعنی نبی کے خلاف عوام کے جذبات کو بھڑکانے کے لئے مذہب کا سہارا لیا کہ یہ تمہارے مذہب کو بدل دے گا۔امراء کو ڈرایا کہ عوام اٹھ کھڑے ہوں گے زمین میں فساد برپا ہوجائے گا اور تمہاری امارت چھن جائے گی۔مگر ہوا یہ کہ موسیٰؑ کی ایذا دہی یا قتل کی تمام تدبیریں ناکام ہوئیں اور حضرت موسیٰؑ محفوظ رہے۔یہاں اُن تدبیروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی یا قتل کے متعلق ہورہی تھیں۔ آپؐ کو تسلی دی کہ ہم ان فراعین مکّہ کی تدابیر کو باطل کردیں گے۔ وہ کارگر نہیں ہوں گی اور آپؐ ان کے بدنتائج سے محفوظ رہیں گے۔

۲۸۔ فرعون کی دھمکی سے حضرت موسیٰؑ قطعاً مرعوب نہیں ہوئے آپ نے فرعون جیسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں اس ربّ سے پناہ مانگی جو اپنے برگزیدہ بندوں کی بھی پرورش کر رہا ہے اور فرعون و ہامان جیسے متکبرین کی بھی ۔تمہارا ربّ کہنے میں اسے یہ احساس دلانا بھی مقصود تھا کہ تم جو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات سے خودسر اور متکبر بنے بیٹھے ہو، یہ سب میرے اور

مُؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ
ایماندار نے قوم فرعون میں سے جو چھپاتا تھا ایمان اپنا کیا تم قتل کروگے
رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ
ایک آدمی کو اس لیے کہ وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے حالانکہ یقیناً وہ لایا ہے تمہارے پاس دلائل طرف سے
رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ
رب کی تمہارے اور اگر ہے وہ جھوٹا تو اس پر (وبال) ہے جھوٹ اس کا اور اگر ہے وہ
صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ
سچا تو پہنچے گا تم کو بعض وہ جس کا وہ وعدہ کرتا ہے تم سے یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا
مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٩﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ
جو حد سے بڑھنے والا (اور) جھوٹا ہے اے قوم میری تمہارے لیے حکومت ہے آج

تمہارے ربّ کی عطا ہے۔متکبرین کا یومِ حساب پر ایمان نہیں ہوتا۔ اگر انہیں یوم حساب کے مواخذہ پر ذرا بھی یقین ہوتا تو اتنے سرکش اور متکبر کبھی نہ ہوتے۔ ان کی شوخی اور تکبر بتا رہا ہے کہ انہیں یومِ حساب پر ہرگز یقین نہیں۔

۲۹۔جب دربار میں حضرت موسیٰؑ کے قتل کا منصوبہ بنا تو فرعون کے خاندان کا ایک صاحبِ ایمان شخص جو کسی مصلحت کی بنا پر اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا، خاموش نہ رہ سکا اور اِن کو ارادہ قتل سے باز رکھنے کے لئے ایک طویل اور مؤثر تبلیغی مکالمہ میں انہیں شرم دلائی کہ کیا تم اس شخص کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہو جس کا جرم تمہارے نزدیک صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور وہ تمہارے ربّ کی طرف سے کھلے کھلے نشان لے کر آیا ہے۔ بیّنات میں عصا اور ید بیضا ہی شامل نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی صداقت کے بہت سے دلائل فرعون کے سامنے آتے رہے۔پھر اس رجلِ مومن نے ایک دانشمندانہ نظریہ پیش کیا جو ہمیشہ کے لئے کسی داعیٔ نبوت کو پرکھنے کا ایک زبردست معیار ہے۔اس نے کہا کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے قتل کے منصوبے بنانے کی ضرورت نہیں اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔اس نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے اس لئے سزا بھی خدا کی طرف سے ہی ملے گی۔پس خدا اسے جھوٹ کی سزا خود دے گا اور یہ تمہارے سامنے تباہ ہوگا۔اگر یہ سچا ہے اور خدا کی طرف سے ہے تو جن انذاری پیشگوئیوں کی یہ خبر دے رہا ہے ان میں سے بعض سے تم بچ نہیں سکتے اور کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کرسکتی۔بعض کے لفظ میں بتایا کہ ضروری نہیں کہ وعید کی تمام پیشگوئیاں پوری ہوں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان میں رجوع الی اللہ اور توبہ و استغفار کی گنجائش رکھی ہے۔جیسا کہ قوم یونس کا توبہ و استغفار اور رجوع

ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ
غالب ہو زمین میں پس کون مدد دے گا ہمیں عذاب سے اللہ کے
اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ
اگر آیا ہمارے پاس کہا فرعون نے نہیں دکھاتا میں تم کو مگر جو دیکھتا ہوں اور نہیں
اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٣٠﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ
ہدایت دیتا تم کو مگر راہ درست کی اور کہا اس نے جو ایمان لایا تھا

الی اللہ ان کے کام آ گیا اور وہ بچائے گئے ۔ ہاں وعدہ کی پیشگوئیوں میں تخلف نہیں ہوتا وہ پوری ہوتی ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”خدا تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار فرماتا ہے کہ مفتری اسی دنیا میں ہلاک ہوگا۔ بلکہ خدا کے سچے نبیوں اور مامورین کے لئے سب سے پہلی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کرکے مرتے ہیں۔ اور ان کو اشاعت دین کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔“(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۴،۵) پس اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے اور سخت جھوٹے کو کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا۔ اس مردِ مومن نے فرعون اور اسکے ساتھیوں کو **مُسرفٌ کذّابٌ** کہا۔

۳۰۔ اس رجلِ مومن نے اپنی بات کو دلیرانہ انداز میں جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے ۔ تمہیں ملک میں طاقت اور غلبہ حاصل ہے مگر تم حق کو ٹھکرا کر اللہ کی ناشکری کے مرتکب ہو رہے ہو اور اس کے غضب کو دعوت دے رہے ہو۔یہ تو سوچو کہ اگر ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا۔یہ بزرگ شخص یقیناً دربار میں خاص اثر ورسوخ رکھتا تھا اور کسی اہم عہدہ پر فائز تھا جس نے فرعون جیسے جابر بادشاہ کے سامنے برملا حق کا اظہار کرنے کی جراَت کی۔ فرعون مصلحتاً اپنے غصہ کو دبا گیا۔دراصل فرعون ایک زبردست سیاستدان تھا وہ اپنی قوم پر سختی نہیں کرتا تھا تاکہ وہ اس کے وفادار رہیں اور ان میں تفرقہ پیدا نہ ہو۔ تاہم اب وہ لاجواب ہوچکا تھا۔ اس بیباکانہ گفتگو سے اہل دربار کو متاثر ہوتے دیکھ کر فرعون اپنے عقائد پر مصر رہتے ہوئے یوں گویا ہوا کہ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔میں تمہیں وہی راہ دکھاتا ہوں جو مجھے صحیح نظر آتی ہے اور میں درست راہ کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں۔

لفظ فرعون ظلم و جبر کی علامت (Symbol) بن گیا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے راستباز بندوں کا زمانہ کے فرعون سے مقابلہ اُس وقت بھی تھا، آنحضرتﷺ کے زمانہ میں بھی رہا اور آج بھی جاری ہے۔زمانے کا فرعون آج بھی حق کے مقابلہ میں اپنے تمام لاؤ لشکر سمیت صف آراء ہے۔فرعون کی وہی باتیں آج بھی دہرائی جارہی ہیں۔طاغوتی قوتیں آج بھی مظلوموں کو کچلنے

يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۱﴾
اے قوم میری یقیناً میں ڈرتا ہوں تم پر مانند دن مختلف قوموں کے

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ
مانند حالت قوم نوح اور عاد اور ثمود کے اور ان لوگوں کے جو

بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۲﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ
بعد تھے ان کے اور نہیں اللہ ارادہ کرتا ظلم کا بندوں پر اور اے قوم میری یقیناً

اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ
میں ڈرتا ہوں تم پر دن سے ایک دوسرے کو پکارنے سے جس دن پھر جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا
نہ ہوگا تمہارے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو نہیں ہے

لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ
کے لیے کوئی ہدایت دینے والا اور یقیناً یقیناً آیا تمہارے پاس یوسف پہلے اس سے

بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى
ساتھ دلائل کے پس ہمیشہ رہے تم شک میں اس سے کہ وہ لایا تمہارے پاس جسے یہاں تک کہ

کے درپے ہیں۔ غالب قوموں کے لئے یہاں یہی سبق ہے کہ وہ اپنی طاقت کے نشہ میں کمزوروں پر ظلم و زیادتی سے باز آجائیں اور اس عذاب سے بچیں جس کا کوڑا صرف ظالموں پر پڑتا ہے۔

۳۱۔۳۲۔ **دأب**۔ عادت ۔ حالت۔ طریق ۔ڈگر۔ اس بزرگ نے جب دیکھا کہ اس کا نرمی سے بات کرنا بے اثر ہے تو اس نے فرعون کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے تہدید کے انداز سے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم ! میں اس ہلاکت کے دن سے ڈرتا ہوں جو گزشتہ بڑی بڑی قوموں پر گزر چکا ہے ۔کہیں تمہیں بھی وہی دن دیکھنا نہ پڑے اور تمہارا بھی وہی حال نہ ہو جو قوم نوح ،عاد و ثمود اور ان کے بعد آنے والی قوموں جیسے قومِ لوط وغیرہ کا ہوا۔ اگر وہ قومیں ہلاک ہوئیں تو اپنے بد اعمال کے نتائج کی وجہ سے ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر کبھی ظلم کرنا پسند نہیں کرتا۔

۳۳۔۳۴۔**تناد**۔(ندا) پکارنا ہے۔ **یومَ التَّناد** سے مراد عذاب یا مصیبت کا دن ہے۔جب مدد کے لئے ایک دوسرے کو پکارو اور مدد حاصل نہ ہو۔ پچھلی دونوں آیات میں دنیا کی سزا سے ڈرایا۔اب آخرت کی سزا میں **یوم التَّناد** سے ڈرایا۔وہ دن جب مدد کے لئے پکارو گے مگر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا۔ جب یوم آخر کے شدائد سے گھبرا کر بھاگو گے۔مگر ہلاکت تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔اس دن اللہ کے مقابلہ میں تمہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔بیشک یوم آخر

اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ
جب وہ فوت ہوگیا کہا تم نے ہرگز نہیں بھیجے گا اللہ بعد اس کے کوئی رسول

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿۳۵﴾ ۙ الَّذِيْنَ
اسی طرح گمراہ ٹھہراتا ہے اللہ اس کو جو ہو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا وہ لوگ جو

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا
جھگڑتے ہیں بارہ میں آیات کے اللہ کی بغیر دلیل کے جو آئی ہو ان کے پاس بڑی ہے یہ بات ناراضی

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى
میں نزدیک اللہ کے اور نزدیک ان لوگوں کے جو ایمان لائے اسی طرح مُہر کرتا ہے اللہ

کے احوال کا ذکر کیا مگر کبھی یہ قیامت دنیا میں بھی برپا ہوجاتی ہے۔یہاں صاف جنگِ بدر کی پیشگوئی فرمائی جب پیٹھ پھیر کر بھاگے اور کوئی بچانے نہ آیا۔ مکہ کے انتہائی پُرمصائب حالات میں مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ کسی کو گمراہ قرار دیتا ہے مگر جب بندہ ہی اپنے خالقِ حقیقی کو بھلا کر ایسی راہ پر چل نکلے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہ ہو اور کسی کی نصیحت پر کان دھرنے کو تیار نہ ہو جیسا کہ اس مردِ مومن کی تبلیغ و ہدایت پر دھیان نہ دیا تب اللہ تعالیٰ بھی اس کی ہدایت سے مایوس ہو کر اسے گمراہ قرار دے دیتا ہے۔

۳۵۔ہر نبی کے ساتھ بیّنات آئیں۔یہ حق کی صداقت کی کھلی کھلی دلیلیں تھیں۔یہاں بتایا کہ اہل مِصر کے لئے حق کی مخالفت کوئی نئی بات نہیں۔حضرت موسیٰؑ سے پہلے حضرت یوسفؑ کی نبوت کے بارہ میں بھی یہ شک میں ہی رہے۔ہاں جب وہ وفات پاگئے تو اُن کے مرتبہ کو حد سے زیادہ بڑھادیا اور یہاں تک کہنے لگے کہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ اس کی زندگی میں اس کی مخالفت کی گئی مگر بعداز وفات اس کی عزت و تکریم میں یہاں تک غلو کیا کہ اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔یہی مؤقف آج بھی اختیار کیا ہوا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبی کے آنے کی ستر (۷۰)احادیث میں پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔پس اللہ تعالیٰ ایسا عقیدہ رکھنے والے **مسرف ومرتاب** کو جو ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند کرتا ہے گمراہ قرار دیتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب قدرتوں اور اس کی صفات پر یقین ہوتا تو ایسا عقیدہ کبھی نہ رکھتے اور اللہ کی طرف سے آنے والے سچے رسول پر ضرور ایمان لاتے۔

۳۶۔انبیاء کی مخالفت اور اپنی بداعمالیوں میں حد سے بڑھنے والے مکفرینِ انبیاء جنہوں نے انبیاء کے پیغامِ حق اور ان کے دعویٰ نبوت کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا اور بغیر کسی غالب؟ دلیل کے

كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (۳۶) وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ
ہر دل پر تکبر کرنیوالے سرکش کے اور کہا فرعون نے اے ہامان بنا

لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ (۳۷) اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
میرے لیے محل تاکہ میں جا پہنچوں راستوں پر راستوں پر آسمان کے

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ
پھر میں جھانکوں طرف معبود کی موسیٰ کے اور یقیناً میں ضرور خیال کرتا ہوں اسے جھوٹا اور اسی طرح

زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَ
خوبصورت کی گئی فرعون کے لیے برائی کام کی اس کے اور وہ روکا گیا راہ سے اور

ع ۴ ۱۰ ۹ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ (۳۸) وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ
نہیں تدبیر فرعون کی مگر ہلاکت میں اور کہا اس نے جو ایمان لایا تھا

اللہ کی آیات کے بارہ میں جھگڑتے رہے۔یعنی بجائے غور و تدبر کرکے ہدایت حاصل کرنے کے کج بحثیوں کو ہی شعار بنائے رکھا۔ان کے یہ اطوار اللہ اور مومنین کی سخت ناراضگی کا باعث ہوئے۔پس ان تمام برائیوں کے علاوہ ان کا متکبر اور جابر ہونا مقتضی تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے پورے دل پر مہر لگادے۔ مراد یہ ہے کہ گمراہ شخص کو بھی ہدایت نصیب ہوجاتی ہے مگر کامل متکبر اور جابر شخص جو یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ نہ کوئی آئے گا اور نہ ہم نے ماننا ہے ، اس کے لئے ہدایت کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں اور دل کے ہر حصہ پر مہر لگ جاتی ہے اور اس کی ہدایت کی کوئی امید نہیں رہتی۔

۳۷۔۳۸۔ **صرحًا**۔محل۔ بلند مقام۔ **تباب**۔ ہلاک ہونے والی۔

اس مردِ مومن کی کھلی کھلی تبلیغِ حق پر یقیناً فرعون پر اس کا مومن ہونا کھل چکا تھا۔فرعون لاجواب ہوکر ہامان سے مخاطب ہوا کہ میرے لئے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں اُن راستوں پر جا پہنچوں جو آسمان کے راستے ہیں۔جو موسیٰ کے خدا کی طرف جاتے ہیں تاکہ موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ہامان کو کہنے کی وجہ یہ تھی کہ فرعون کی حکومت میں تعمیرات کا کام ہامان کے سپرد تھا۔وہ بنی اسرائیل سے بیگار لے کر قلعے، محلات اور اہرام وغیرہ بنواتا تھا۔

فرعون دنیوی طور پر ایک زیرک انسان تھا ایسی احمقانہ بات نہیں کرسکتا تھا جبکہ اہرامِ مصر جیسی بلند و بالا عمارتیں اس کے تصرف میں تھیں۔ غالبًا اس نے ایسا تمسخر کے طور پر کہا کہ تم پہاڑ پر چڑھ کر اپنے خدا کو مل آئے ہو تو میں بھی ایک بلند عمارت پر چڑھ کر تمہارے خدا کو جھانکتا ہوں کہ دیکھوں تمہیں کون پیغام بھیج رہا ہے۔

انسان کے لئے سب سے بڑی تباہی اور ہلاکت یہی ہوتی ہے جب اسے اپنی کمزوریاں

يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ (۳۹) يٰقَوْمِ
اے قوم میری پیروی کرو میری میں دکھاؤں گا تم کو راہ ہدایت کی اے قوم میری

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ
سوائے اسکے نہیں کہ یہ زندگی ورلی عارضی سامان ہے اور یقیناً آخرت ہی

دَارُ الْقَرَارِ (۴۰) مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ
گھر ہے ٹھہرنے کا جس نے کی برائی تو نہیں وہ بدلہ دیا جائے گا مگر مانند اس (برائی) کی

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
اور جس نے کی نیکی مرد ہو یا عورت اور وہ ایماندار ہو

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ
تو یہ لوگ داخل کئے جائیں گے جنت میں رزق دیئے جائیں گے اس میں بغیر

حِسَابٍ (۴۱) وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ
حساب کے اور اے قوم میری کیا ہے مجھے کہ بلاتا ہوں میں تمہیں طرف نجات کی اور

نظر نہیں آتیں اور بُرے اعمال اچھے لگنے لگتے ہیں۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسے اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی۔دوسری جگہ اس کی تصریح موجود ہے کہ شیطان ان کے عملوں کو ان کی نظر میں خوبصورت کرکے دکھا رہا تھا۔فرمایا فرعون کی تدبیر ناکامی کی صورت میں ہی ظاہر ہونے والی تھی کہ موسیٰ تو ہلاک نہ ہوا، خود وہ ہلاک ہوگیا۔

روس کے سائنسدان چاند پر سے ہو آئے تو ایک دفعہ ان کے سفیر نے چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سے کہا۔مسٹر ظفر اللہ ! ہم آسمانوں سے ہو آئے ہیں تمہارا خدا تو ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔حضرت چوہدری صاحب نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر فرمایا۔فرعون نے بھی یہی کہا تھا۔

۳۹۔۴۰۔اس بزرگ مومن نے فرعون کی بات کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور اپنی تبلیغ جاری رکھتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو محض عارضی سامان ہے جب کہ ابدی گھر تو آخرت کا گھر ہے۔فرعون نے بھی اپنے خیال میں **سبیل الرّشاد** کی طرف ہی بلایا تھا(آیت:۳۰)اس لئے اس مومن نے بھی یہی الفاظ استعمال کئے اور بڑی جرأت سے کہا کہ ہدایت کی راہ وہ نہیں جس کی طرف تم بلا رہے ہو بلکہ ہدایت کی راہ تو یہ ہے جو میں دکھا رہا ہوں۔

۴۱۔۴۲۔بیشک یہ مرد مومن قومِ فرعون سے تھا لیکن ایک عظیم المرتبت انسان تھا جس نے پیغمبروں والے عارفانہ کلام سے فرعون اور قومِ فرعون کو ان کے مظالم سے روکا اور ہدایت کی طرف بلایا۔

النصف

تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝۴۲ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ
تم بلاتے ہو مجھے طرف آگ کی تم بلاتے ہو مجھے کہ میں کفر کروں اللہ کا اور

اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى
شریک بناؤں ساتھ اسکے کہ نہیں مجھے جس کا کوئی علم اور میں بلاتا ہوں تم کو طرف

الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝۴۳ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ
عزت والے بخشنے والے کی نہیں کوئی شک کہ تم بلاتے ہو مجھے طرف اسکی کہ نہیں

لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ
جس کے لیے پکارنا دُنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً لوٹنا ہمارا

اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۴۴
طرف اللہ کی ہے اور یقیناً حد سے بڑھنے والے ہی آگ والے ہیں

آخرت کے ذکر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور بُرائی کا بدلہ تو حساب سے بُرائی کے برابر دیاجائے گا یا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے رعایت فرمائے گا۔ جبکہ نیکی کے بدلہ میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں بلکہ نیک عمل میں سچے ایمان کی شرط رکھی اور بتایا کہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ پس عملِ صالحہ والے مومنین جنت میں داخل ہوں گے ان کا بدلہ بے حساب ہوگا۔ انہیں حساب سے ماپ تول کرنہیں دیاجائے گا۔اب اس مومن بندے نے اپنا اور اپنی قوم کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم! میرا بھی عجیب معاملہ ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلارہاہوں جبکہ تم مجھے آگ کی طرف بلارہے ہو۔

۴۳۔فرعون اور قومِ فرعون جو موسیٰؑ اور ہارونؑ جیسے دو عظیم انبیاء کا انکار کرچکے تھے اس بزرگ مرد کے وزنی دلائل کے سامنے لاجواب ہوگئے۔ اس رجل مومن نے انبیاء کا ہی طریق اختیار کیا اور اُنہی کے الفاظ کو دہرایا کہ **مالَیْس لی به علم**۔کہ جس چیز کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں، میں اس کی حقیقت کو جانتاہی نہیں اُسے اللہ کا شریک کیسے ٹھہراسکتاہوں۔ اس کے برعکس میں تمہیں اس خدا کی طرف بلاتاہوں جو کامل غلبے والا اور بے حد بخشنے والا ہے۔اگر اب بھی ہدایت کی راہ اختیار کرلو تو تمہاری ساری خطائیں معاف فرمادے گا۔

۴۴۔سچ تو یہ ہے کہ جس بے حقیقت اور بے اختیار و بے مقدور ہستی کی طرف تم مجھے بلاتے ہو **لَیْس لَهٗ دعوة** اس کی کوئی آواز نہیں۔ وہ کسی کو دعوت دینے کا اہل ہے نہ پکارے جانے کے لائق ہے۔اس لئے کہ وہ بولتا ہے نہ سنتا ہے، دنیا میں نفع پہنچانے پر قادر ہے نہ آخرت میں عذاب کو ٹالنے کا اختیار رکھتا ہے۔لوٹ کر تو اللہ کی طرف ہی جانا ہے جہاں ظاہر ہو جائے گا

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ
پس عنقریب تم یاد کروگے جو میں کہتا ہوں تمہیں اور میں سپرد کرتا ہوں اپنا معاملہ طرف اللہ کی یقیناً

اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۴۵ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا
اللہ خوب دیکھنے والاہے بندوں کو پس بچالیا اُسے اللہ نے بُرائیوں سے اس کی جو تدبیر کی انہوں

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝۴۶ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ
نے اور گھیر لیا قوم فرعون کو بُرے عذاب نے وہ آگ ہے پیش کئے جاتے ہیں

عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
اس پر صبح اور شام اور جس دن قائم ہوگی قیامت

کہ حد سے بڑھنے والے ہی جہنمی ہیں۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ہمیشہ حد سے گزرنے والے مجرمین جو اخلاق و قیود کی تمام حدوں کو توڑتے ہوئے حد سے تجاوز کرجاتے ہیں وہی اللہ کی پکڑ میں آتے ہیں۔ورنہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر صرفِ نظر فرماتا ہے۔

۴۵۔ان کی ہدایت سے مایوس ہوکر اس مردِ مومن نے کہا کہ بیشک اس وقت تم میری باتوں کو توجہ کے قابل نہیں سمجھتے لیکن جلد ہی میری باتوں کی سچائی تم پر ظاہر ہوجائے گی۔یہ اس بزرگ کا آخری کلام تھا۔ وہ ذکی مرد یقیناً جانتاتھا کہ تبلیغ حق کے جرم میں اس پر سختی ہوگی۔پس اس نے کہا کہ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتاہوں۔یقیناً اللہ اپنے بندوں پر نگران اور ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ وہی صحیح فیصلہ فرمائے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ حیات نورالدین میں فرماتے ہیں ’’کہ ایک دفعہ سفر کے دوران وہ مسجد کے ایک حُجرے میں ٹھہرے وہاں ایک بزرگ قیام پزیر تھے انہوں نے کھانے کا پوچھا۔آپ نے بتایا کہ ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ وہ الگ بیٹھ کر اس آیت کا ورد کرنے لگے۔ **اُفَوِّضُ اَمْرِیۤ اِلَی اللّٰه ط اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بالعِباد** کچھ وقت گزرا کہ ایک شخص گرما گرم کھانے کا خوان لے کر آیا۔ بزرگ نے پوچھا کہ برتن کس کو دینے ہیں۔وہ کہنے لگا ادھر کونے میں رکھ دینا میں لے جاؤں گا۔آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے خوب سیر ہوکر کھایا، کنڈی لگائی اور سو گئے۔ تہجد کے لئے اٹھے تو کنڈی لگی ہوئی تھی مگر برتن غائب تھے۔‘‘

۴۶۔اس بزرگ کی اس بے باکانہ حق گوئی پر فرعون یقیناً سیخ پا ہوا ہوگا۔مگر اس بزرگ کا مقام فرعون کی نظر میں ایسا تھا کہ اس پر علی الاعلان ہاتھ نہ ڈال سکا۔ البتہ اسے ہلاک کرنے کے لئے کئی خفیہ تدبیریں سوچیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس رجل مومن کو بھی موسیٰؑ کی طرح فرعون کی تدابیر کے بدنتائج سے بچالیا اور آلِ فرعون کو بہت بُرے عذاب نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہاں

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ
(کہا جائیگا) داخل کرو قوم فرعون کو سخت عذاب میں اور جس وقت جھگڑیں گے
فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا
آگ میں پس کہیں گے کمزور ان کو جو تکبر کرتے تھے یقیناً ہم تھے
لَکُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۸﴾
تمہارے پیرو پس کیا تم ہٹانے والے ہو ہم سے کچھ حصّہ آگ کا۔

ان مختلف عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو قحط اور طوفان وغیرہ کی صورت میں پے در پے آئے۔

۴۷۔دنیا میں صبح و شام خدا کا قہر ان پر نازل ہوتا رہا لیکن یہ عذاب دنیا تک محدود نہیں تھا۔ مرنے کے بعد ان کا صبح و شام آگ پر پیش ہونا عذابِ قبر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بیشک عالم برزخ میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں عذاب ان کے شاملِ حال ہوگا تاہم یہ ہلکا عذاب ہوگا۔ اس کا پورا ظہور قیامت کے دن ہوگا اس لئے فرمایا کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں داخل ہوں گے۔ صبح و شام کے عذاب میں یہ بھی سِر تھا کہ تم دنیا میں اپنے ربّ کو صبح و شام یاد کرنے سے غافل رہے۔ اب صبح و شام عذاب کا نظارہ کرو۔ صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک شخص مرجاتا ہے تو اس کی جگہ دوزخ میں ہو یا بہشت میں صبح و شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے۔حدیث میں بیان ہے کہ نیکوں کے لئے قبر کشادہ کر دی جائے گی۔ اس میں جنت کی طرف کھڑکی کھول دی جائے گی۔ انہیں جنت کی ہوائیں آئیں گی۔ ان کے نیک اعمال ایک حسین ساتھی کی شکل میں ان کے ساتھ ہوں گے تاکہ قبر کی وحشت سے نہ گھبرائیں۔

۴۸۔قرآن کریم میں قیامت کے احوال کے ذکر میں جہنمیوں کے جھگڑنے کا ذکر بار بار آتا ہے۔جیسے(۵۰:۳۶) فرعون اور اس کے ساتھی بھی آگ میں جھگڑیں گے۔ اہل نار میں سے کمزور لوگوں پر اپنے آقاؤں اور سرداروں کی بے بسی یقیناً کھل چکی ہوگی وہ ان اونچے شملوں والوں کو ذلیل کرنے کے لئے کہیں گے کہ تم جو دنیا میں ہم سے ہر جائز و ناجائز کام کرواتے رہے اور اپنے اثر ورسوخ سے ہمیں قانون کی گرفت سے بچاتے رہے۔تم تو آخرت میں بھی ہماری نجات کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ اب اس آگ کا کچھ حصہ ہی ہم سے دور کردو۔ بیشک خواص ہی اصل مجرم تھے اور زیادہ سزا کے بھی وہی مستحق ہوں گے مگر ان خواص کے ساتھ عامۃ الناس کا بھی یہ جرم تھا کہ بلاسوچے سمجھے آنکھیں بند کرکے ان کے پیچھے چلے، ورنہ جہنم میں نہ ڈالے جاتے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ
کہیں گے وہ لوگ جو تکبر کرتے تھے یقیناً ہم سبھی اس میں ہیں یقیناً اللہ نے
حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ
فیصلہ کر دیا ہے درمیان بندوں کے اور کہیں گے وہ لوگ جو آگ میں ہونگے داروغوں کو
جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۵۰﴾
جہنم کے دُعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کرے ہم سے ایک دن عذاب کا
قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا
کہیں گے کیا نہیں تھے آئے تمہارے پاس رسول تمہارے ساتھ دلائل کے، وہ کہیں گے
بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ
ہاں کیوں نہیں، کہیں گے پس تم (خود) دعا کرو، اور نہیں دُعا کافروں کی مگر
ع ۵ ۳ ۱۰ ضَلٰلٍ ﴿۵۱﴾ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی
بے کار یقیناً ہم البتہ مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے

۴۹۔اس پر وہ متکبر لوگ شرمندہ ہوکر جواب دیں گے کہ ہم سب اس میں ہیں یعنی اگر ہم میں طاقت ہوتی تو خود کو نہ بچالیتے۔ اللہ نے اپنے بندوں کے درمیان جو فیصلہ کرنا تھا وہ ہوچکا ہے۔اب اس میں کوئی ردّ وبدل نہیں ہوسکتا۔

۵۰۔اپنے دنیوی سرداروں سے ناامید ہوکر جہنمی لوگ جہنم کے داروغوں سے التجا کریں گے کہ اپنے ربّ کو پکارو کو ہم سے کسی دن تو کچھ عذاب ہلکا کردے۔

۵۱۔وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے کھلے نشان لے کر نہیں آئے کہ تم ان کی اتباع کرتے اور جہنم سے دور رہتے۔ اہل جہنم اثبات میں جواب دیں گے کہ ایسا تو ہوا تھا کہ رسول آئے اور ہم نے انکار کیا۔تب جہنم کے داروغے کہیں گے کہ انبیاء کی تکذیب تو تم نے خود کی اور دعا ہم سے منگواتے ہو۔خود ہی اسے پکارو۔ ہم تمہارے لئے کوئی دعا نہ کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بزرگ کو دعا کے لئے کہو تو خود بھی انسان کو اس دعا کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔پس جتنا چاہو پکارتے رہو۔ کافروں کی پکار رائیگاں ہی جاتی ہے۔ یہاں آخرت کا بیان ہے ورنہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا فرو مومن سب کی پکار سنتا ہے۔ہاں اگر نبی کے مقابل دعا کریں گے تو یقیناً رائیگاں جائے گی وجہ اگلی آیت میں بتلائی کہ ہم نے نبیوں اور مومنوں سے مدد کا وعدہ کیا ہے اس لئے کافروں کی دعا اکارت جاتی ہے۔

۵۲۔**اشهاد۔ شاهد** کی جمع ہے۔گواہ۔

چھٹے رکوع میں ربّ رحیم نے اپنے رسولوں اور کامل مومنوں سے دنیا اور آخرت میں اپنی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۲﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ
زندگی دنیا میں اور جس دن کھڑے ہوں گے گواہ جس دن کہ نفع دیگا
الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ
ظالموں کو عذر ان کا اور ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے برا
الدَّارِ ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ
گھر ہے اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو ہدایت اور وارث کیا ہم نے بنی

تائید و نصرت کا وعدہ فرمایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر نبی اور اس کے مخلص متبعین کے حق میں یہ وعدہ بڑی شان سے پورا ہوتا رہاہے ہر نبی کی زندگی اس وعدہ کی صداقت پر دلیل ہے ۔ تمام عظیم المرتبت انبیاء کی کامیابیوں میں اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کا دخل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ نصرتِ الٰہی میں ہر مخلص مومن کو شامل رکھا۔

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کوتسلی دی کہ زمانہ کا فرعون اس وقت بھی ناکام و نامراد تھا، آج بھی ذلیل ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے زبردست دشمنوں کے مقابل میں عظیم کامیابی محض تائید ایزدی سے حاصل ہوئی۔آپؐ کے تمام دشمن زیرہوئے یاحلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ۔آپؐ کی زندگی میں ہی تمام عرب کا آپؐ کے زیرنگیں ہوجانا نصرتِ الٰہیہ کا ایک زبردست نشان تھا۔

اگر حضرت عیسیٰؑ کی صلیب پر موت تسلیم کریں تو آپ کی زندگی نصرت الٰہی سے محروم ایک ناکام زندگی ثابت ہوگی۔ایسا ہرگز نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کی بناپر اپنی خاص تائید سے آپ کو صلیب کی موت سے بچایا اور بعد از ہجرت کشمیر میں کامیابیوں سے نوازا۔اہل کشمیر نے آپ کوسچانبی تسلیم کیا اور آپ وہاں ایک حکمران کی طرح رہے۔بیشک پیغامِ حق پہنچانے کی جدوجہد میں بعض مومنوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا مگر وہ اپنے مقاصد میں ناکام نہیں ہوئے۔یہ وہی مومنین تھے جنہوں نے اپنے انبیاء کے مشن کو جاری رکھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔موت سے تو کسی کومفرنہیں مگر ان کی شہادت ان کی کامیابیوں پر مہر تصدیق ثبت کرگئی ؎

شہید کی جوموت ہے وہ قوم کی حیات ہے

پس دنیا میں رسولوں اور ان کے مخلص متبعین کے لئے نصرت الٰہی کا حتمی وعدہ ہے۔ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی اور گواہ پیش ہوں گے تو رسولوں اور کامل مومنوں کے لئے نصرت الٰہیہ کا ظہور ، جنت اور اس کی نعمتوں کا حصول اور اپنے ربّ کا دیدار ہے۔

اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۴﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۵۵﴾
اسرائیل کو کتاب کا ہدایت اور نصیحت واسطے عقلوں والوں کے
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ
پس صبر کر یقیناً وعدہ اللہ کا سچاہے اور بخشش مانگ اپنے قصور کے لیے اور
سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تسبیح کر ساتھ حمد کے اپنے رب کی شام اور صبح یقیناً وہ لوگ جو

۵۳۔**یوم الاشھاد** کے ذکر میں فرمایا کہ اس دن ظالم اپنے ظلم کی تائید میں خواہ کتنے ہی عذر پیش کریں ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان ظالموں کے خلاف متعدد ناقابلِ تردید شہادتیں پیش کی جائیں گی اور وہ اپنے جرائم سے انکارنہیں کرسکیں گے۔ان پر خدا کی لعنت ڈالی جائے گی گویا یہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اور رحمت سے محروم ہوں گے۔ اور ان کا رہنے کا گھر بہت ہی بُراہوگا۔

۵۴۔۵۵۔حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں مثیلِ موسیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ آپؐ سے قبل حضرت موسیٰؑ کو توریت بطور ہدایت اور نصیحت عطا فرمائی۔اس پر ایمان لانے والے بنی اسرائیل کو ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا اس میں صاحبانِ عقل وشعور کے لئے ہدایت و نصائح تھیں۔جب تک وہ اس پرعمل پیرا رہے ، خدائی نعمتوں کے وارث رہے جب خدائی احکام پرعمل میں کمزوری آئی ، خدائی نعمتوں سے محروم ہوگئے۔یہاں امت کو یہ بتانا مقصود تھا کہ مثیلِ موسیٰ پر بھی آخری کتاب قرآن کریم کی صورت نازل فرمائی جو سراسر ہدایت ہے۔اس پر ایمان لانے والے ہی اس کے اصل وارث ہیں۔عقل وبصیرت سے کام لینے والوں کے لئے اس میں ہدایات اور نصائح ہیں۔جب تک وہ اس ضابطہ قوانین کی ہدایات و موعظت پر عمل پیرا رہیں گے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے وارث ہوں گے۔جب اس ضابطہ ہدایت پرعمل میں کمزوری آئے گی تو بنی اسرائیل کی مثالوں سے قرآن کریم بھرا پڑاہے۔ان کا انجام اُن سے کچھ مختلف نہیں ہوگا۔

۵۶۔اگر انبیاء علیہم السلام کی طرف ذنب منسوب کیاجائے تو مراد محض بھول چوک ہوتی ہے ۔ ایسا عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں۔ نیز ان کا استغفار طلبِ حفاظت کے لئے ہوتاہے کہ کوئی خفی در خفی گناہ بھی سرزد نہ ہو۔

وسطی مکی زمانہ کے شدید نامساعد حالات میں اپنے محبوب کوتسلی دی کہ آپؐ دل چھوٹا نہ کیجئے اللہ کا یہ وعدہ کہ اس کے انبیاء و مومنین ہی مظفر ومنصورہوں گے، پورا ہوکر رہے گا۔تسبیح وتحمید

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ
جھگڑتے ہیں بارہ میں آیات کے اللہ کی بغیر کسی دلیل کے جو آئی ہو ان کے پاس نہیں

فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ
سینوں میں ان کے بجز تکبر کے کہ نہیں وہ ہرگز پہنچنے والے اسے ، پس پناہ مانگ

بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ
اللہ کی ۔ یقیناً وہ ہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے یقیناً پیدائش آسمانوں

وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
اور زمین کی بہت بڑی ہے پیدائش سے لوگوں کی اور لیکن اکثر لوگ نہیں

تو آپ کرتے ہی رہتے تھے لیکن یہاں بطور خاص حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کو کھینچنے والی اور اس کی رحمت کو جذب کرنے والی دعا اور تسبیح ہی ہے۔ نیز تسبیح و تحمید سے شدائد کے مقابلہ کے لئے قوت حاصل ہوگی۔ صبح و شام سے مراد ہمہ وقت بھی ہے یعنی علی الدوام اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے نیز اس میں پانچوں نمازیں بھی آجاتی ہیں عشیّ زوال آفتاب سے لے کر رات کے ابتدائی حصہ تک کے لئے آتا ہے جس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں آجاتی ہیں۔ **ابکار** صبح پو پھٹنے سے طلوعِ آفتاب کا وقت ہے یعنی نمازِ فجر کا وقت ہے۔

۵۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے نصرتِ الٰہی کا وعدہ تھا جو سردارانِ مکہ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں تھی جو خدا کی طرف سے آئی ہو ان کی نامعقول بحثوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ عز و شرف کا مقام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا، انہیں نصیب ہو جائے۔ یہ بڑا بننے کی خواہش ہی حصولِ ایمان میں مانع تھی فرمایا اس بڑائی کو وہ کبھی حاصل نہیں کرسکتے وہ کبھی اپنی مراد کو نہیں پہنچ سکتے۔ (رازی) اس لئے کہ اب عزت و عظمت صرف قبول اسلام سے وابستہ ہے اگر اسلام قبول کر لیتے تو عزت و اقتدار ان کے ساتھ ہوتا۔ (قرطبی) جیسا کہ مسلمان قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کے مالک ہوئے۔ پس اسلام قبول نہ کرکے یہ ہمیشہ ذلیل ہوں گے بلکہ جن پر تکبر کے نشہ میں ظلم کرتے تھے انہی کے ہاتھوں ذلیل ہوں گے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے روز ہوا کہ بلال حبشیؓ کے جھنڈے تلے پناہ لینی پڑی۔ پس تو ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ وہ اپنی صفات سمیع و بصیر کے طفیل اپنی پناہ میں آنے والوں کو محفوظ رکھے گا۔ ایسے ہی حالات میں اس مردِ مومن نے **افوض امری الی اللّٰه** کہتے ہوئے اپنا معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سپرد کیا تھا۔

۵۸۔ یہ کبریائی کے دعویدار جو خود کو بہت بڑا سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کے سامنے لاشیٔ محض

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥ وَالَّذِيْنَ
جانتے اور نہیں برابر ہوتا اندھا اور بینا اور وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا
ایمان لائے اور کیں نیکیاں اور نہ برائی کرنے والا کم ہی تم

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا
نصیحت پکڑتے ہو یقیناً قیامت البتہ آنے والی ہے نہیں کوئی شک اس میں

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ
و لیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے اور کہا رب نے تمہارے دعا کرو مجھ سے

اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
میں قبول کروں گا تمہارے لیے یقیناً وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں عبادت سے میری

ہیں۔ کاش یہ کائناتی اسرار و عجائبات پر غور کرتے تو انہیں اپنی بے وقعتی کا احساس ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنا یا اسے دوبارہ پیدا کرنا اتنا بڑا تخلیقی معجزہ نہیں جتنا اس عظیم کائنات کو معرض وجود میں لانا ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ تخلیقِ کائنات کے سامنے انسان یا انسان کی بنائی ہوئی صنعتوں کی کوئی حیثیت نہیں گویا جو دجالی صنعتیں مسیح و مہدیؑ کے زمانہ میں ایجاد ہونے والی ہیں وہ کائناتی عجائبات کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

۵۹۔ ربانی اور انسانی تخلیق کا بیان تھا کہ وہ برابر نہیں۔ فرمایا اسی طرح جاہل اور عالم بھی برابر نہیں ہوسکتے۔ بھلا ایمان لانے والے اور نیک اعمال بجالانے والے برائی کرنے والوں کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں۔ فرمایا تم کم ہی سمجھتے ہو یعنی اگر یہ **اعمٰی و مُسِیٓءٌ** پر غور و تدبر کرتے، بعث بعد الموت پر یقین رکھتے تو ان سے ایسے اعمال سرزد نہ ہوتے اور اس انجام کو نہ پہنچتے۔

۶۰۔ حقیقت میں تمام گناہوں کی جڑ یہی ہے کہ قیامت کے معاملہ میں شک میں ہیں۔ حالانکہ وہ موعود گھڑی تو آکر رہے گی لیکن اکثر لوگوں کو یقین نہیں۔ یہی بے یقینی ان کی بدیوں پر دلیری کا باعث ہے۔

۶۱۔ ربّ تو اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ ان کی ہدایت کا خود خواہشمند ہے اور چاہتا ہے کہ میرے بندے مجھے پکاریں تو میں ان کو جواب دوں۔ وہ مجھ سے دعائیں مانگیں تو میں ان کی دعائیں قبول کروں۔ افسوس متکبر لوگ اللہ تعالیٰ کے آگے بھی جھکنے کو تیار نہیں۔ یقیناً وہ لوگ میری عبادت کرنے سے اپنے تئیں بالا سمجھتے ہیں۔ ایسے متکبرین ضرور جہنم میں ذلیل و مقہور ہو کر داخل ہوں گے۔ دعا کی فضیلت میں بے شمار احادیث ہیں۔ دراصل دعا اور عبادت کوئی الگ چیز نہیں۔

ع ۱۰ ۱۱ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ الَّذِيۡ جَعَلَ

ضرور داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل ہوکر اللہ وہ ہے جس نے بنائی

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! دعا عبادت ہی ہے۔پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔(مسند احمد بن حنبل۔ترمذی)حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! دعا نماز کا مخ (مغز) ہے یعنی اصل ہے۔(ترمذی)پس اللہ کی نظر میں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔(ترمذی عن ابوہریرہؓ)یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ جب ایک چیز تقدیر میں لکھ دی گئی تو دعا کا کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ بیشک بندے کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے فیصلوں کو بدل دے لیکن اللہ کو یہ اختیار ضرور ہے کہ اپنے بندوں کی دعاؤں سے اپنے فیصلہ کو بدل دے جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! کہ قضا کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی مگر دعا۔(ترمذی) حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!جس شخص کے لئے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اس سے عافیت کا سوال کرے۔(ترمذی)حضرت ابوبکرؓ یہ کلمات تین مرتبہ صبح کو پڑھتے اور تین مرتبہ شام کو اس لئے کہ آنحضرتﷺ بھی ایسا کرتے تھے۔ **اللّٰھم عافنی فی بدنی اللّٰم عافنی فی سمعی اللّٰھم عافنی فی بصری لا الٰہ الّاانت** ۔(بوداؤد عن عبدالرحمٰن بن ابوبکر) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! اللہ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ اسے پسند کرتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ تنگی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔(ترمذی)احادیث میں رسول اللہﷺ کی متعدد دعائیں بیان ہوئی ہیں۔عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا! کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیھم السلام کی دعائیں (یہ کلمہ ہے) **لَآ الٰہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لَہٗ الملک ولہٗ الحمد وھوَعلیٰ کل شییٌ قدیر** ۔(رواہ ابن ابی شیبہ۔مظہری)اسی دعا کے لئے حضرت مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیر دیتے تو یہ ذکر کرتے۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استجاب الذکر بعد الصلوٰۃ)حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میری حمد و ثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اسے اپنی حاجات مانگنے کی بھی فرصت نہ ملے تو میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔(رواۃ الجزری فی النہایہ) نیز آپ ؐ نے فرمایا جو شخص قرآن کریم میں اتنا مشغول ہو (تلاوتِ قرآن اور تدبر القرآن میں) کہ اسے مجھ سے اپنی حاجات

مانگنے کی بھی فرصت نہ ہو تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ دوں گا۔(ترمذی۔مسلم)

تاہم قبولیتِ دعا کی کوئی شرط نہیں اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اس میں مومن و کافر کی تخصیص نہیں، نہ طہارت و وضو وغیرہ کی شرط ہے۔ہاں قبولیت دعا میں بعض امور مانع ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا بہت آدمی ہیں جو بہت سفر کرتے ہیں۔(مسافر کی دعا کو خاص قبولیت حاصل ہے) اور آسمان کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت کا سوال کرتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام۔ ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔(ترمذی)

حقیقت تو یہ ہے کہ بندے کا اظہار عبدیت اورخالق و مالک کے جلال و کبریائی کا اعتراف بجائے خود عبادت ہے۔بندہ جانتا ہے کہ قادر مطلق، مدبر کائنات اور سمیع و بصیر صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے جو اپنے مانگنے والوں کو نامراد نہیں کرتی۔ جو اس کے سامنے جھولی پھیلاتا ہے اپنی مراد حاصل کرلیتا ہے۔اگر قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو ایسا بھی اس کی خاص حکمت و مصلحت کے تحت ہوتا ہے جو اکثر بندے کے لئے بہتر ہوتا ہے۔غرض بندے کی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔اسے کسی نہ کسی رنگ میں اس کا اجرمل جاتا ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے یا تو اس کی وہ دعا اسی دنیا میں قبول کرلی جاتی ہے یا اسے آخرت میں اجر دینے کے لئے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے۔ یا اسی درجہ کی کسی آفت کو اس پر آنے سے روک دیا جاتا ہے۔(مسند احمد بن حنبل)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تشریح میں دعا کے فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق جاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس

لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
تمہارے لیے رات تاکہ آرام کرو تم اس میں اور دن دکھلانے والا یقیناً اللہ
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۲
البتہ فضل والا ہے لوگوں پر ولیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے

آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابتِ دعا کے وہ اسبابِ طبیعہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں ۔۔۔۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرّع کافی نہیں بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محنت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دعا کرتا ہے یا جس کے لئے دعا کی گئی ہے اس کی دنیا اور آخرت کے لئے اس بات کا حاصل ہونا خلافِ مصلحت الٰہی بھی نہ ہو کیونکہ بسااوقات دعا میں اور شرائط تو سب جمع ہوجاتے ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا وہ عنداللہ سائل کے لئے خلافِ مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے اور اس کو پورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی''۔ (برکات الدّعا صفحہ ۹ تا ۱۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہیں ان کی اُمّ کیا ہے خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ ان کی اُمّ **ادعونی استجب لکم** (المومن :۶۱) ہے۔کوئی انسان بدی سے بچ نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔(ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۳۳۳)

۶۲۔اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائیوں کا ذکر کیا جو بندوں پر اس کے احسان و انعام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات کے وقت اندھیرا کرکے نیند کے لئے مناسب بنادیا۔تاکہ تم اس میں سکون پاؤ اور آرام حاصل کرسکو۔ دن کو کام کاج کرنے کے لئے خوب روشن بنایا۔ وہ لوگوں پر بڑے فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر کا حق ادا نہیں کرتے۔ یہاں رات کو فضل کہا اس لئے کہ اگر رات نہ ہو اور انسان آرام وسکون حاصل نہ کرسکے تو چند دن میں بیمار پڑ جائے یا ہوش وحواس کھو بیٹھے ۔ یہ رات ہی ہے کہ ایک تھکا ہارا انسان چند گھنٹے سکون کی نیند سو کر صبح تازہ دم ہو کر کسبِ معاش کے لئے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى
یہی ہے اللہ رب تمہارا پیدا کرنیوالا ہر چیز کا نہیں کوئی خدا سوائے اسکے پس کہاں
تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۳ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
پھیرے جاتے ہو تم اسی طرح پھیرے جاتے تھے وہ لوگ جو تھے ساتھ آیات کے اللہ کی
يَجْحَدُوْنَ ۝۶۴ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ
انکار کرتے اللہ وہ ہے جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور
السَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ
آسمان کو چھت اور صورت دی تمہیں پس اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور رزق دیا تم کو

نکل کھڑا ہوتا ہے نیز رات اور دن کے آنے جانے میں بہت سے سائنسی حقائق کی طرف اشارہ ہے اگر زمین قدرے بیضوی نہ ہوتی سورج کے گرد مدار میں گھومتے وقت ایک طرف کو ہلکا سا جھکاؤ نہ ہوتا اور ایک خاص رفتار سے ایک اٹل ضابطہ کے تحت حرکت نہ کررہی ہوتی تو رات اور دن کا وجود نہ ہوتا اور نہ انسانی فوائد کے لئے موسموں کا تغیر و تبدل وقوع میں آتا گویا حیوانات اور نباتات کے تمام نظام زندگی کا باعث یہی قوانین قدرت ہیں ۔یہ سب خود بخود وجود میں نہیں آ گیا۔ ایسا اعلیٰ اور اکمل نظام یقیناً ایک مدبر بالارادہ ہستی کا پتہ دیتا ہے۔

رات کا اللہ کے فضل کے ساتھ خاص تعلق ہے ۔یہ جسمانی سکون کا باعث ہی نہیں ، روحانی سکون بھی اسی کا مرہون منت ہے۔ رات کی عبادت یعنی تہجد کا ادا کرنا محض فضل الٰہی سے ہی ممکن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے بے حد وحساب فضلوں کی بارش ہوتی ہے اور بندہ ناچیز محض اپنے ربّ کے فضل سے مقام محمود کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے ۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء ط واللّٰہ ذوالفضل العظیم**

۶۳ ۔اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا ذکر کرکے فرمایا۔ یہ ہے اللہ تمہارا ربّ ، ہر چیز کا خالق۔ پس جس نے ہر چیز کو پیدا کیا بندگی بھی اسی کو سزاوار ہے۔تم کدھر بہکائے جاتے ہو۔ یعنی یہ سب جاننے کے بعد اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر کن کے پیچھے لگے ہو جو تمہیں الٹی راہوں پر لئے جاتے ہیں۔

۶۴۔اسی طرح ہر زمانے میں آیاتِ الٰہی کا انکار کرنے والے ان بہکانے والوں کے فریب میں آتے رہے جب رحمٰن کی باتوں کو نہ مانا اور اس سے رشتہ توڑا تو شیطان کے فریب میں آگئے اور اس کے جال میں پھنس گئے۔

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

پاکیزہ چیزوں سے یہی ہے اللہ رب تمہارا پس برکت والا ہے اللہ رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

تمام دنیا کا وہی زندہ ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پس پکارو اسے

٦٥۔اب بندوں پر خالق و مالک کے مزید انعامات کاذکر کیا جن کی طرف سے وہ اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ فرمایا اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو جائے قرار بنایا، یہ اس ربّ العالمین کی ربوبیت ہی کا کمال ہے کہ ایک آتشیں گولے کو اپنی قدرت وحکمت سے آہستہ آہستہ ٹھنڈا کرکے اس قابل بنایا کہ تمہارے لئے بہترین جائے قرار ہے گویا پہلے ایک پرامن قرار گاہ مہیا فرمائی پھر تمہیں پیدا کیا۔ فرمایا آسمان کو تمہارے لئے بقا کا موجب بنایا۔گویا کرہ فضائی زمین اور اہل زمین کی حفاظت کا ضامن ہے۔پس تمہاری بقا کا دار و مدار خواہ جسمانی ہو یا روحانی آسمان سے ہی وابستہ ہے ۔ جس طرح سمندر کا کڑوا پانی آسمان سے میٹھا اور صاف ستھرا ہو کر زمین اور اہل زمین کی سیرابی کا موجب ہے ۔اسی طرح وحی الٰہی کا آسمانی پانی بندگانِ خدا کی روحانی تشنگی کو دور کرتااور روحانی مائدہ مہیا کرتا ہے۔نیز آسمان بطور چھت ہے جو زمین اور اہل زمین کی حفاظت آسمانی بلاؤں سے کرتا ہے۔تشریح (۲۔۲۳)۔

اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ربّ العٰلمین کا تم پر سب سے عظیم احسان یہ ہے کہ تمہیں محض صورت ہی نہیں بخشی بلکہ بہترین متناسب اعضاء کے ساتھ حسن و جمال بھی عطا کیا۔ انسان کے مقابلہ میں کسی حیوان کے اعضا میں تناسب ہے نہ کوئی حیوان راست قامت ہے اور نہ ہی وہ انسان کی طرح اعلیٰ ترین جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ انسانی جسم اور خاص طور پر اس کی صورت بلاشبہ المصور کی صناعی کا کمال ہے کاش یہ اپنے مقام کو سمجھے۔ یہ باری تعالیٰ کا وہ شاہکار ہے جس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔اس نے تمہیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا جس میں اوّل پاکیزہ رزق کا عطا ہونا ہے۔ پس وہ خالق ہی نہیں رازق بھی ہے۔اگر اس احسن الخٰلقین اور رازقِ حقیقی کی خلق اور رزق کی فراہمی پر ہی غور کرو گے تو یقیناً پکار اٹھوگے کہ یہ ہے اللہ ، تمہارا ربّ جو بڑی برکتوں والا ہے وہ تمہاری ہی نہیں تمام جہانوں کی ربوبیت فرمارہاہے۔

٦٦۔(تشریح آیت ۱۵)۔ ربّ العٰلمین کی اپنے بندوں پر کرم نوازیوں کا بیان تھا۔ فرمایا

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو رب ہے تمام دنیا کا

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

تو کہدے یقیناً میں منع کیاگیا ہوں کہ عبادت کروں ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ

سوائے اللہ کے جبکہ آگئے ہیں میرے پاس دلائل طرف سے میرے رب کی اور حکم دیاگیا ہوں کہ

اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

مطیع رہوں رب العالمین کا وہی جس نے پیدا کیا تم کو

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ

مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر وہ نکالتا ہے تم کو

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ

بچہ پھر (بڑھاتا ہے تم کو) تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر ہو جاؤ تم بوڑھے۔

تمہارا رب تو وہ ہے جو خود زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی دینے والا ہے۔ اس کے سواکوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں۔پس تم اپنی اطاعت کواسی کے لئے خالص کرتے ہوئے اسے پکارو یعنی اسی کی عبادت کرو۔ گویا تمہاری عبادت میں کسی شرک کی ملونی ہرگز نہ ہو۔ کامل تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ کوئی دوسرا اس تعریف کا مستحق نہیں اس لئے کہ جو سارے جہانوں کی ربوبیت فرمارہاہے ، تعریف و ستائش کا سزاوار بھی وہی ہے۔

٦٧۔تو کہہ دے کہ یقیناً مجھے اس بات سے روکا گیاہے کہ میں ان معبودانِ باطلہ کی عبادت کروں جن کوتم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے ربّ کی طرف سے کھلے کھلے دلائل آچکے ہیں جو عقل و وحی پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی عبادت میں کیونکر کرسکتاہوں اور مجھے حکم دیاگیاہے کہ میں اس ربّ کا کامل فرمانبردار ہو جاؤں جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرمارہا ہے۔**اُمرتُ ان اسلم لرب العٰلمین** کی تفسیر میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ”ان کو کہہ دے کہ میری راہ یہ ہے کہ مجھے حکم ہواہے کہ اپنا تمام وجود اللہ تعالیٰ کو سونپ دوں اور اپنے تئیں ربّ العٰلمین کے لئے خاص کرلوں یعنی اس میں فنا ہوکر جیساکہ وہ ربّ العٰلمین ہے میں خادم العٰلمین بنوں اور ہمہ تن اسی کا اور اسی کی راہ کا ہو جاؤں۔ سو میں نے اپنا تمام وجود اور جو کچھ میرا تھا خداتعالیٰ کا کردیا ہے اب کچھ بھی میرانہیں ۔جو کچھ میرا ہے وہ سب اس کا ہے۔“(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۶۵)

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى

اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو وفات دیئے جاتے ہیں پہلے اور تاکہ پہنچو تم میعاد مقررہ کو

وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا

اور تاکہ تم عقل کرو وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس جب

ع ٨ قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

١٢ فیصلہ کرتا ہے کسی معاملہ کا تو سوائے اسکے نہیں کہ فرماتا ہے اسے کہ ہوجا تو وہ ہو جاتا ہے کیا نہیں دیکھا تونے طرف

۶۸۔سورۃ المؤمنون کی ابتدائی پندرہ آیات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسان کی روحانی اور جسمانی پیدائش کے فلسفہ پر خوب تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔نیز سورۃ الحج آیت چھ(۶) میں بھی تفصیل ہے۔(استفادہ فرمایئے)

اس آیت میں بھی انسانی زندگی کے مختلف مراحل کا بیان ہے ۔فرمایا انسانی زندگی کے مختلف ادوار کا سارا نظام تمہیں یہی سمجھانے کے لئے ہے کہ زندگی اور موت کا سلسلہ جاری ہے ۔ ان مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ضروری نہیں کہ تم جوانی یا بڑھاپے تک پہنچو۔ امکان ضرور ہے تاہم بہت سے ہیں جو جوانی یا بڑھاپے سے پہلے وفات پاجاتے ہیں۔ اجل مسمّٰی ایک شخص کی زندگی کا مقررہ وقت ہے۔ پس عقل سے کام لو۔ جتنا وقت ملے اسے غنیمت جانو اور جتنی جلد ہو سکے بدیوں کو ترک کرکے متقین کی صف میں شامل ہو جاؤ اور اپنے ربّ کو راضی کرلو۔ ایسا محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل ، اس کی دی ہوئی توفیق اور تمہاری کوشش و دعا سے ممکن ہے۔

۶۹۔اللہ تعالیٰ کی قدرت وجبروت کا بیان جاری تھا جس میں بتلایا کہ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔فرمایا کہ اس کی ہمہ گیر قوتوں کا یہ عالم ہے کہ اسے کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے محض کن کہنا پڑتا ہے پھر وہ چیز اس کی منشاء کے مطابق بعض اوقات تو اسی لحہ وقوع پذیر ہوجاتی ہے جیسا کہ Big Bang سے ہوا۔جب کائنات اچانک ایک دھماکے سے وجود میں آئی۔اس کے ابتدائی لمحوں کے باریک درباریک ثانیے کرتے جائیں تو پھر جاکر Higher Mathematics کے ذریعہ یہ مضمون سمجھ آئے گا کہ کتنی جلدی آغاز ہی میں آئندہ آنے والے سارے واقعات اس تخلیق پر مرتسم ہوگئے جو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر وجود میں آئی۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)یا وہ چیز اس کی خاص حکمت و مصلحت سے اپنی ابتدائی صورت میں وجود میں آجاتی ہے پھر اس قانونِ ربوبیت کے تحت نشوونما پاتی ہوئی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے جیسا کہ Big Bang کے بعد زمین مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی موجودہ شکل کو پہنچی۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿٧٠﴾

ان لوگوں کی جو جھگڑتے ہیں آیات میں اللہ کی کہاں پھیرے جاتے ہیں

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫

وہ جو جھٹلاتے ہیں کتاب کو اور اسے کہ بھیجا ہم نے ساتھ جسکے اپنے رسولوں کو

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ

پس عنقریب وہ جان لیں گے جب طوق ہوں گے گردنوں میں ان کی اور زنجیریں

يُسْحَبُوْنَ ﴿٧٢﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۥ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿٧٣﴾

وہ گھسیٹے جائیں گے گرم پانی میں پھر آگ میں جھونکے جائیں گے

۷۰۔پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کے عظمت وجلال اور بندوں پر اس کے فضل و احسان کو خوب کھول کر بتلایا۔اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام بتایا۔فرمایا کیا تو نے ان کی حالت پر غور نہیں کیا یعنی کیا ابھی انہیں سمجھ نہیں آئی جو اللہ تعالیٰ کے کھلے کھلے نشانات و دلائل کے متعلق بحث کرتے ہیں۔ان کی کج بحثیاں اور بیوقوفیاں انہیں کہاں لئے جارہی ہیں۔وہ کہاں سے پھرائے جارہے ہیں۔یعنی کون ہیں جو ان کو دین حق سے پھیر کر غلط راہوں پر لئے جارہے ہیں۔

۷۱۔اب ان راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی گمراہی کی اصل وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے ضابطہ قوانین قرآن حکیم کا انکار کیا۔ **بمآ ارسلنا به رسلنا** میں بتلایا کہ انہوں نے انبیائے سابقہ کے مقاصد اور ان کی مشترک تعلیمات کا انکار کیا جو توحید و رسالت اور بعث بعد الموت پر مبنی تھی۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے بعد انہوں نے اپنے خود ساختہ قوانین بنائے۔ پس یہ جلد ہی اپنے انجام کو دیکھ لیں گے۔ اگلی آیات میں ان کے انجام کا بیان ہے۔

۷۲۔۷۳۔**سلاسل**۔ سلسلۃ کی جمع ہے۔ **سَلّ** سے ہے جس کے معنی کسی چیز کا دوسری سے کھینچ کر نکالنا ہے۔ **سلسلة** میں گویا یہ فعل باربار پایاجاتا ہے۔(مفردات) زنجیریں **یُسحبون** ۔ **السّحب**۔ کھینچنا۔ بادل کو سحاب کہاجاتا ہے اس لئے کہ وہ پانی کو کھینچ کرلاتا ہے۔ **یُسحبون**۔ وہ گھسیٹے جائیں گے۔ **یسجرون**۔سجر آگ کا بھڑکانا ہے۔ **اذا البحار سجرت** (۸۱۔۷) جب سمندروں میں آگ بھڑکائی جاہے گی۔(تشریح اسی مقام پر ہوگی)۔ بعض کے نزدیک معنی ہیں کہ ان کا پانی خشک ہوجائے گا۔(مفردات)

یہ انجام طوق وسلاسل کی صورت جلد ہی انہیں گھیر لے گا۔ ان سلاسل سے کھولتے ہوئے

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ
پھر کہاجائے گا انہیں کہاں ہیں جنہیں تھے تم شریک ٹھہراتے سوائے

اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ
اللہ کے کہیں گے کہ وہ گم ہوگئے ہم سے بلکہ نہیں تھے ہم پکارتے اس سے

قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ
پہلے کچھ بھی اسی طرح گمراہ ٹھہراتا ہے اللہ کافروں کو یہ اس لیے

بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ
ہے کہ تھے تم خوش ہوتے زمین میں بغیر حق کے اور

بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
اس لیے کہ تھے تم اتراتے داخل ہوجاؤ دروازوں میں جہنم کے

پانی میں گھسیٹے جائیں گے۔بعد ازاں وہ آگ میں جھونک دئے جائیں گے۔گویا آگ میں جھونکنے سے پہلے ان کے دل کھول رہے ہوں گے۔ دنیا میں بھی کسی کو سکھی دیکھ کر یا اسلامی فتوحات دیکھ کر ان کے دل اسی طرح کھولتے تھے۔یہ دنیا ہی کے نقشے ہیں۔ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اہل جہنم زنجیروں میں جکڑے ہوئے کبھی کھینچ کر حمیم میں ڈال دئے جائیں گے کبھی جحیم میں گویا جہنم کے مختلف طبقات ہوں گے۔(سورۃ الصّٰفّٰت ۶۸۔۶۹) میں ہے کہ اہل جہنم کو اس کا پانی پلانے لایا جائے گا۔

۷۴۔۷۵۔مشرکین کا معبودانِ باطلہ کی پرستش سے انکار یا تو دہشت کی وجہ سے ہوگا یا جیسے دنیا میں جھوٹ بول کر بڑے بڑے جرائم کی سزا سے بچ جاتے تھے باری تعالیٰ کے حضور بھی جھوٹ سے باز نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا جب تک وہ گمراہی کے اس آخری مقام تک نہیں پہنچ جاتا جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی تب اس پر فرد جرم عائد ہوجاتی ہے۔یہاں بھی پہلے انہوں نے اقرار کیا تب انہیں گمراہ قرار دیا گیا۔

۷۶۔**تفرحون۔ تمرحون**۔ مرح۔شدت فرح کے لئے آتا ہے۔

اب اس سزا کی وجہ بتائی۔فرمایا تمہارا یہ انجام اس لئے ہوا کہ تم زمین میں ناحق خوشیاں منایا کرتے تھے۔ یہاں بعض نے یوں فرق کیا ہے کہ **بما کنتم تفرحون فی الارض بغیرالحق** میں ان کا انبیاء و اولیاء اور مقربین الٰہی کو مصائب میں دیکھ کر خوش ہونا تھا حالانکہ مقربین الٰہی کی شدید آزمائشیں ان کے درجاتِ عالیہ کو ظاہر کرتی ہیں۔حضرت سعدؓ بیان کرتے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ
رہ پڑتے ہوئے اس میں پس کیا ہی برا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا پس تو صبر کر

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ
یقیناً وعدہ اللہ کا سچا ہے پس اگر دکھائیں ہم تجھے بعض وہ جس کا

نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَ
ہم وعدہ کرتے ہیں ان سے یا ہم وفات دیں تجھے تو طرف ہماری وہ لوٹائے جائیں گے اور

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کون لوگ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! انبیاء پھر وہ لوگ جو انبیاء سے زیادہ مشابہ ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان سے مشابہ ہیں۔پھر انسان جس قدر دین میں سخت ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے جس قدر دین میں نرم ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت نرم ہوتی ہے پس اسی طرح رہتا ہے۔یہاں تک کہ دین میں سخت انسان زمین پر چلتا ہے اس حال میں کہ گناہ سے پاک ہوتا ہے۔(ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)**بما کنتم تمرحون** میں ان کا اپنے مال و دولت اور آسائشوں پر اترانا تھا جو محض اللہ کے فضل سے ان کو عطا ہوئیں لیکن یہ اسے اپنی عقل و فراست قوتِ بازو اور خاندانی وجاہت سے منسوب کرتے تھے۔حالانکہ یہ تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ ہی کی ودیعت کردہ تھیں۔ان لوگوں نے مقصودِ حقیقی کو بھلا کر متاعِ دنیا کو ہی اپنی زندگی کا حاصل سمجھا۔ اس لئے اس کے حصول پر ایسے خوش ہوتے کہ اس کے آثار ان کی نشت برخاست ، بات چیت اور چال ڈھال میں بھی نمایاں ہوتے اور یہ کسی دوسرے کو خاطر میں نہ لاتے۔ اسی لئے قرآن کریم نے متکبرانہ چال سے منع فرمایا۔ جیسا کہ **ولاتمشِ فی الارض مرحًا**(۱۷۔۳۸)

۷۷۔یقیناً جنت کے دروازوں کی طرح جہنم کے بھی مختلف دروازے ہوں گے جن میں اپنے اعمال سیئہ کے مطابق داخل ہوں گے ۔ پس تمہاری سزا یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم اس میں ایک لمبا عرصہ تک رہنے والے ہو۔ متکبرین کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے۔ یہ تکبر ہی تھا جو قبول حق میں مانع تھا اور جو آخر تمہیں ذلیل کرکے جہنم کی پستیوں تک کھینچ لایا۔

۷۸۔متکبرین کے انجام اور ان کی عبرت انگیز سزاؤں کا بیان تھا۔افسوس یہ سب کچھ جان کر بھی وہ محبوب خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دکھ دینے سے باز نہیں آتے۔ فرمایا اے رسول ! تو ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کر ۔ ان متکبرین کا مغلوب ہوکر ذلیل و خوار ہونا اور غلبۂ اسلام کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے جو سچ ہو کر رہے گا۔فرمایا اگر ہم چاہیں تو تجھے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا
یقیناً یقیناً بھیجے ہم نے رسول پہلے تجھ سے بعض ان میں سے وہ ہیں جن کا ذکر کیا ہم نے
عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ
تجھ پر اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جن کا نہیں ذکر کیا ہم نے تجھ پر اور نہیں تھی
لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ
شان کسی رسول کی کہ وہ لائے کوئی نشان سوائے اجازت کے اللہ کے۔ پس جب آیا
ع ١٠/١٣ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٩﴾
حکم اللہ کا فیصلہ کیا گیا ساتھ حق کے۔ اور نقصان پایا اس وقت جھوٹوں نے

ان کے انذار میں سے کچھ دکھا دیں جیسا کہ جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ اس لئے کہ بعض پیشگوئیاں نبی کی حیات مبارکہ میں پوری ہوتی ہیں، بعض نبی کے بعد۔ گویا تمام پیشگوئیاں نبی کے زمانہ میں پوری نہیں ہوتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے لیکن آپؐ کی زندگی میں آدھی دنیا اندھیرے میں تھی۔ موجود دنیا میں صرف جزیرہ عرب میں اسلام پھیلا اور فتح مکہ کے بعد آپؐ نے وصال فرمایا۔ تمام دنیا میں اسلام پھیلنے کا وعدہ انشاء اللہ مہدی معہود کے زمانہ میں پورا ہوگا اور ہو رہا ہے۔ (تفصیل سورۃ سبا:۳۱) غرض دنیا میں پوری جزا ملتی ہے نہ سزا اس لئے **بعض الّذی نعدُھم** فرمایا کہ کچھ سزا دنیا میں دیں گے باقی آخرت پر مؤخر رکھیں گے جب ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے تو اس عذاب کو پالیں گے جس کا وعدہ کیا جاتا تھا۔

۷۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار مکہ کی ایذا رسانیوں کا ذکر تھا۔ اس آیت میں آپؐ کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء پر ایسے ہی حالات گزرے۔ انہوں نے تمام آزمائشوں پر صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ فرمایا ہم تجھ سے پہلے بھی مختلف اقوام میں رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے احوال سے تجھے آگاہ کیا ہے اور بعض کے حالات کو تم نہیں جانتے۔ دراصل قرآن کریم میں رسول اللہ سمیت پچیس انبیاء کا ذکر ہے جیسا کہ مکاشفہ باب ۴ آیت ۱۱ میں ذکر ہے۔ احادیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا ذکر ملتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم کے اوّل مخاطب ان تمام انبیاء کے ناموں سے واقف نہیں تھے نیز قرآن کریم جیسی مختصر کتاب ان تمام انبیاء کے ناموں اور ان کے احوال کی تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی اور کسی بات کو سمجھانے کے لئے ساری نظیریں لانی ضروری نہیں ہوتیں۔ پس کچھ انبیاء اور ان کے حالات کا بطور مثال ذکر کیا کہ باقی تمام انبیاء اور ان کی قوموں پر ایسے ہی حالات گزرے۔ قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو ان تمام انبیاء

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا
اللہ وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے چارپائے تاکہ تم سوار ہو بعض پر ان میں سے
وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا
اور بعض کو ان میں سے تم کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان میں فائدے ہیں اور تاکہ تم پہنچو
عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ
ان پر (سوار ہوکر) ضرورت کو جو دلوں میں ہے تمہارے اور ان پر اور کشتیوں پر
تُحْمَلُوْنَ ﴿٨١﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ
تم سوار کئے جاتے ہو اور وہ دکھاتا ہے تم کو نشان اپنے پس کس کا نشانوں میں سے اللہ کے
تُنْكِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
تم انکار کروگے کیا پھر نہیں وہ چلے پھرے زمین میں کہ وہ دیکھتے کیسا

کو سچا ماننے اور ان کی عزت و توقیر کا حکم دیا جو دنیا کے کسی حصہ میں بھی آئے اور جنہیں کثیر قوم نے قبول کیا۔ ہاں بعض انبیاء کو ماننے والے قلیل لوگ بھی تھے۔ مسلمانوں نے جب ایران فتح کیا تو اہل ایران کو حضرت زرتشتؑ پر ایمان لانے کی وجہ سے اہل کتاب میں شمار کیا۔ پس وہ تمام انبیاء جو دنیا کے مختلف حصوں میں بندگانِ خدا کو ہدایت دینے آئے سچے انبیاء تھے جیسے رام چندر جی، کرشن مہاراج اور مہاتما گوتم بدھ وغیرہ۔ کفار مکہ کے معجزات کے مطالبات کے جواب میں فرمایا کہ ان تمام انبیاء میں امر مشترک یہ تھا کہ کسی رسول کو بھی یہ اختیار نہیں تھا کہ اذنِ الٰہی کے بغیر نشان لے آئے۔ امر اللہ میں عذاب کی طرف اشارہ ہے گویا جب ان پر حجت تمام ہوجائے گی اور اللہ کا حکم آئے گا تو رسولوں اور ان کے مکذبین کے درمیان حق سے فیصلہ کردیا جائے گا اور مکذبین عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ اس وقت جھٹلانے والے گھاٹا پائیں گے۔

۸۰۔۸۱۔ اس آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرکے بتلایا کہ کفرانِ نعمت کرنے والے اس کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتوں میں سے چوپائے بھی ہیں۔ فرمایا سارے جانور نہ سواری کے لئے ہیں نہ کھانے کے لئے۔ یہ کئی طرح سے انسان کے لئے فائدہ مند ہیں بعض سواری کے کام آتے ہیں اور تمہارے دلوں میں جہاں پہنچنے کی حاجت ہو تم ان پر سوار ہو کر وہاں پہنچ سکتے ہو۔ ان جانوروں پر نیز کشتیوں پر اپنا سامان وغیرہ لاد کر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہو۔ جانوروں کے فوائد کے لئے (سورۃ نحل:۸۱) کشتیوں کے فوائد (سورۃ بنی اسرائیل:۶۷)

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْٓا اَكْثَرَ
ہوا انجام ان لوگوں کا جو پہلے تھے ان سے تھے زیادہ
مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰی
ان سے اور مضبوط قوت میں اور نشانات میں زمین میں پس نہ کام آیا
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
انہیں وہ جو تھے وہ کماتے پس جب آئے ان کے پاس رسول ان کے
بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ
ساتھ دلائل کے خوش ہوئے وہ اس پر جو پاس ان کے تھا علم میں سے اور گھیر لیا
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا
انہیں اس نے کہ تھے وہ ساتھ جس کے ہنسی کرتے پس جب دیکھا انہوں نے عذاب ہمارا

۸۲۔سواریوں کا ذکر تھا فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں سواریوں کے تعلق میں اور نشان بھی دکھائے گا۔ ریل ، موٹر اور ہوائی جہاز کی طرف اشارہ ہے۔ نشانیوں کا مطالبہ کرنے والوں کو بتایا کہ یہ سب چلتی پھرتی نشانیاں تمہارے چاروں طرف بکھری پڑی ہیں۔ آخر کس کس کا انکار کرو گے۔

۸۳۔**اٰثـارا فـی الارض** ۔یعنی عمارات ، محلات، قلعوں اور کھیتی باڑی کے لحاظ سے۔(شوکانی)

اگر یہ زندہ چلتی پھرتی نشانیاں ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں تو آثار قدیمہ کا ہی مشاہدہ کرتے اور دیکھتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ تعداد اور قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے انہوں نے زمین میں ان سے مضبوط اور شاندار یادگاریں چھوڑیں یعنی عمارات وغیرہ کے فنون میں بھی ان سے زیادہ ماہر تھے مگر یہ ساری قوت اور کاریگری انہیں عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی۔ فرعون و ہامان کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ دنیا میں مختلف اقوام مختلف زمانوں میں اٹھیں اور دنیا پر چھا گئیں لیکن جب خدا کے انبیاء کے مقابل ہوئیں تو حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں ۔ ان کا سارا کرّ وفر اور ساز و سامان ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

۸۴۔یہی وہ لوگ تھے کہ جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے اسی علم پر شاداں رہے جو اُن کے پاس تھا۔تب انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۔حقیقی علم جو روحانیت سے تعلق رکھتاہے اورایک بندے کو صراطِ مستقیم پر چلا کر اس کے ربّ سے ملادیتاہے یہ وہی علم ہوتاہے جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعہ دنیا کو دیتاہے مخاطبینِ رسول کا اپناعلم ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ بندگانِ خدا کی اصلاح کرکے انہیں صحیح راستوں

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ
کہا انہوں نے ایمان لائے ہم اللہ اکیلے پر اور منکر ہوئے ہم اس کے کہ تھے ہم ساتھ جس کے
مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا
شریک ٹھہراتے پس نہ ہوا کہ نفع دے انہیں ایمان ان کا جب دیکھا انہوں نے

پر چلاکر خدا سے ملادے۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی کے آنے کی ضرورت کیا تھی۔

ہر نبی کی بعثت پر مخالفین انبیاء میں یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ خود کو زیادہ عالم زیادہ دانشمند اور نبی کے مقابلہ میں زیادہ صاحبِ حیثیت سمجھتے ہیں اور اپنے علم پر نازاں ہوکر نبی کا انکار کرتے ہیں۔ بعثتِ رسولؐ پر یہود کا اپنے علم پر تکبر ہی قبول حق میں مانع تھا۔ **فرحوابمـاعـندهم من العلم** ۔وہ صحائف انبیاء اور اپنے مذہبی اجارہ داروں کے خود ساختہ قوانین کو ہی کافی سمجھتے ۔ اس تکبر اور خود پسندی نے انہیں دین حق سے محروم رکھا۔

یہ بھی مراد ہے کہ دنیوی علوم جو اُن کے لئے دنیوی ترقیات اور آسائشوں کے ضامن ہوتے ہیں ،انہی پر شاداں رہتے ہیں ۔ انبیاء کے لائے ہوئے روحانی علوم میں انہیں بہت سی قیود اور پابندیوں کو قبول کرنا پڑتاہے اور بہت سے دنیوی فوائد سے دستبردار ہونا پڑتا ہے اس لئے ان روحانی علوم کو قابلِ التفات نہیں سمجھتے کیونکہ ان پر عمل کرنے میں بظاہر خسارہ ہی نظر آتا ہے۔غرض ہر ایسا شخص جو اپنے کسی علم پر نازاں ہو اور اس کو اپنے لئے کافی سمجھے تو وہ اس سچے علم سے جو انبیاء لاتے ہیں محروم ہو جاتاہے ۔کوئی انسان بھی کسی علم میں کامل نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جومعلم اعظم تھے ، آپ کوحکم ہوا۔ **قُـل ربِّ زِدنی علمًا** ۔ (۱۱۵:۲۰) پس اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہیں اور اس کے مراتب و درجات لامتناہی ہیں۔ مومن سعی، مجاہدہ اور دعا سے کبھی نہ تھکے۔ تقویٰ اختیارکرے تا سچے علوم کے دروازے اس پر کھلیں ۔(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۵۳۰۔۵۳۱ کی روشنی میں)

اس سے یہ مرادنہیں کہ دنیوی علوم حاصل کرنے منع ہیں ایسا ہرگزنہیں بلکہ ان کا حصول قابلِ تحسین ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! علم حاصل کرو خواہ چینؔ جانا پڑے۔ ظاہر ہے چین میں روحانی علوم نہیں تھے ۔پس تمام دنیوی علوم مثلاً طبیعات ، معاشیات، ریاضی، سائنس کے مختلف علوم کیمسٹری اورعلم کیمیا وغیرہ بھی ذرائع قرب الٰہی ہیں ، اس صورت میں کہ انہیں روحانی علوم کے تابع رکھا جائے اور بندگانِ خدا کو ان سے فائدہ پہنچایا جائے۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا

بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ

عذاب ہمارا سنت ہے اللہ کی وہ جو گذر چکی بندوں میں اس کے

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور نقصان اٹھایا وہاں پر کافروں نے

ع ۹ ۱۴

۸۵۔۸۶۔ جب باربار کے وعظ و نصیحت اور انذار کا کچھ فائدہ نہ ہوا تو آخر اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۔ جب عذاب الٰہی آن پہنچا تو چلا اٹھے **اٰمنّا باللّٰہ وحدہٗ** اور ان تمام چیزوں کا انکار کیا جن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ افسوس !جب عذاب الٰہی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے یا موت کے آثار شروع ہوجاتے ہیں تب توبہ قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ عمل کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور ممکن نہیں رہتا کہ عمل صالحہ سے گزشتہ بداعمال کا ازالہ ہوسکے۔ یہ اللہ کی جاری سنت ہے۔ حدیث میں ہے **یقبل اللّٰہ توبۃ العبد مالم یغرغر**۔(ترمذی کتاب الدعوات باب فضل التوبۃ عن عبد اللہ بن عمرؓ) یعنی بندے کی توبہ غرغرہ موت سے پہلے قبول ہوتی ہے ۔جب نزع کی حالت طاری ہوجائے یا عذاب وارد ہو جائے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے ۔ انبیاء کا انکار کرنے والے ہی نقصان اٹھاتے ہیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حٰمٓ سجدہ۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی پچپن آیات اور چھ رکوع ہیں

حٰمٓ سے شروع ہونے والی سورتوں میں یہ واحد سورۃ ہے جس میں آیتِ سجدہ ہے۔اس لئے اس کا نام حٰم السجدۃ ہے۔اسکا دوسرا نام سورۃ فصّلت ہے یعنی خوب کھل کر بیان کی گئی۔ جیسا کہ شروع سورۃ میں ہی فرمایا **کتاب فصّلت اٰیٰتہٗ**۔

پچھلی سورۃ کو اس انذار پر ختم کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوجاتا ہے یا موت کے آثار شروع ہوجاتے ہیں تب توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔اس سورۃ میں خوب واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ انسان پر اس وقت تک گرفت نہیں کرتا جب تک اس کو بُرائی اور بھلائی کی راہیں خوب کھول کرنہیں بتادیتا۔ جن لوگوں نے قرآنی آیات سننے اور نشاناتِ الٰہی کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں ، کانوں اور دلوں کو بند رکھا ایسے لوگ یقیناً سزا کے مستحق ہیں۔انہیں عاد و ثمود کے انجام سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔یہ حدیث مختلف مستند راویوں نے بیان فرمائی جو مختصر یوں ہے کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب سردارانِ قریش مسجدِ حرام میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک گوشے میں تشریف فرماتھے۔عتبہ بن ربیعہ (ابوسفیان کے خسر) نے آپؐ کے سامنے چند تجاویز پیش کیں کہ اگر تمہارا مقصد مال حاصل کرنا ہے تو ہم سب مل کر تمہیں اتنادے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ۔ اگر بڑائی چاہتے ہوتو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہ کریں گے۔ اگر بادشاہی چاہتے ہوتو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں ۔اگر تم پر کوئی جن آتا ہے تو ہم بہترین اطبّاء سے تمہارا علاج کروادیتے ہیں۔آپؐ نے اس کی تمام تجاویز سن کر فرمایا۔اب میری سنو! آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ اس سورۃ کی تلاوت شروع کی ۔آیت سجدہ پر پہنچ کر آپؐ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر فرمایا! اے ابو الولید میرا جواب آپ نے سن لیا۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ (ابن ہشام جلد۱۔ صفحہ ۳۱۳۔۳۱۴۔ عن جابر بن عبداللہؓ)

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی توحید، یوم بعث اور قرآن کریم کی حقانیت کے دلائل ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

حٰمٓ ﴿۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ كِتٰبٌ

حامیم اتارنا ہے طرف سے رحمٰن (اور) رحیم کے (یہ) کتاب ہے

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

کھولکر بیان کی گئی ہیں آیات اسکی قرآن ہے عربی ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا پس منہ پھیر لیا اکثر نے ان میں سے ۔ پس وہ نہیں

يَسْمَعُوْنَ ﴿۵﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

سنتے اور کہا انہوں نے دل ہمارے پردہ میں ہیں اس سے کہ تم پکارتے ہو ہمیں

اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ

طرف جس کی اور کانوں میں ہمارے بہرا پن ہے اور درمیان ہمارے اور درمیان تیرے پردہ ہے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔اس پہلے رکوع میں دعوتِ حق پر کفار کے اعراض کا ذکر ہے۔اس سورۃ میں حمید اور مجید خدا کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

۳۔وہ رحمٰن خدا جو بغیر کسی مطالبہ اور بلا محنت و معاوضہ تمام کائنات کو سامانِ زیست عطا فرما رہا ہے۔ وہ بندوں کی روحانی ضروریات سے کیسے غافل رہ سکتا ہے۔پس اس کلام کا نازل کیا جانا خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے ہے۔

۴۔۵۔قرآن۔ اسی سے قرأت ہے۔ پڑھنا۔ جمع کرنا۔

قرآن کو قرآن اس لئے کہا کیونکہ تمام کتبِ سماویہ کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے اور تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ (مفردات) فرمایا **تفصیل کل شیئٍ**۔ (۱۲۔۱۱۲) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے احکام خوب کھول کر بیان کر دئے گئے ہیں۔ ایک ایسے صحیفے کی صورت میں جو باربار پڑھا جانے والا اور نہایت فصیح و بلیغ ہے جو صاحبِ علم لوگوں کے لئے بطور بشیر اور نذیر کے ہے۔ یعنی اگر وہ غور کریں تو اسے بشارتوں سے پُر پائیں گے اور ہدایت حاصل کرلیں گے۔ہاں منکرینِ انبیاء کے لئے بطور نذیر ہے یعنی ان کو گناہوں کے عواقب سے ڈرانے والا ہے۔ افسوس اکثر لوگ منہ پھیر لیتے ہیں اور سنتے نہیں۔

۶۔اور نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ جن باتوں کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ان کے ماننے

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الثلثة

پس عمل کر یقیناً ہم بھی عمل کرنیوالے ہیں تو کہدے سوائے اسکے نہیں کہ میں انسان ہوں مانند تمہاری

يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا

وحی کی جاتی ہے طرف میری یہ کہ معبود تمہارا معبود ایک ہے پس سیدھے چلو

اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷﴾ الَّذِيْنَ

طرف اسکی اور بخشش مانگو اس سے اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے وہ جو

لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾

نہیں دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت کے منکر ہیں

سے ہمارے دل پردوں میں ہیں یعنی یہ باتیں ہمارے دلوں پر اثرانداز نہیں ہوتیں اور ہمارے کانوں میں ایک بوجھ ہے جس کی وجہ سے ہم تمہاری بات سن ہی نہیں سکتے۔تمہارے اور ہمارے درمیان ایک پردہ حائل ہے گویا ہماری طبائع میں اختلاف ہے ہم پر ایک دوسرے کی بات اثر نہیں کرسکتی حالانکہ اس کا جواب شروع سورۃ میں دیا کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو تمہاری اپنی زبان ہے اور جس کی فصاحت و بلاغت پر تمہیں بجاطور پر ناز ہے پھر یہ کہنا کہ یہ ہمیں سمجھ نہیں آتا یا ہماری طبیعتوں پر گراں ہے ایک لایعنی سی بات ہے یہ ان کے اعراض کا ہی نقشہ ہے کہ نہایت گستاخی سے کہتے کہ تو اپنا کام کر۔یعنی اپنے عقیدے کے مطابق جو کرنا چاہتا ہے کر۔ ہم اپنے عقیدے کے مطابق جو چاہیں گے کریں گے یعنی آپؐ کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

۷۔۸۔کفار کے گستاخانہ اعتراض کا جواب آپؐ نے نہایت عاجزانہ طریق سے دیا کہ میں تو تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں سوائے اس کے کہ مجھے اپنے ربّ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے جس میں یہی بتایا جاتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ پس اس کے حضور ثبات قدم کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ یعنی اس کی راہ میں استقامت دکھاؤ اور اس سے بخشش مانگو۔ گویا استقامت کے باوجود لغزش کا امکان ہے جس کے لئے استغفار کا حکم ہے۔

یہاں زکوٰۃ نہ دینے والوں اور آخرت کا انکار کرنے والوں کو مشرکین کہا۔اس لئے کہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ پر توکل کی کمی ہے۔ منکرینِ زکوٰۃ اپنے مال کو ہی اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں اس طرح شرکِ خفی میں مبتلا ہوتے ہیں ورنہ اللہ کے دئے ہوئے مال میں سے ایک معمولی رقم بندگانِ خدا کی بہبود پر خرچ کرنی مشکل نہ ہوتی جبکہ اس کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال بے حدوحساب بڑھتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔یہاں یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی جبکہ یہ سورۃ مکی ہے اس کا جواب ابن کثیر نے یہ دیا کہ اصل زکوٰۃ تو

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ
یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے ان کیلئے اجر ہے نہ
مَمْنُوْنٍ ۝٨ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ ع ۱۵
منقطع ہونے والا۔ تو کہدے کیا یقیناً تم البتہ انکار کرتے ہو اس کا جس نے پیدا کی
الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ
زمین دو دنوں میں اور ٹھہراتے ہو تم اس کے شریک یہ ہے
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ
رب تمام دنیا کا اور اس نے رکھے اس میں پہاڑ اوپر اس کے اور

ابتدائے اسلام میں سورۃ مزمّل میں نماز کے ساتھ ہی فرض ہوگئی تھی مگر تفصیلات مدینہ میں نازل ہوئیں۔مشرکین کے اوصاف میں یہ بھی ہے کہ وہ آخرت اور جزا وسزا کے منکر ہیں آخرت پر ایمان اسلام سے خاص ہے۔ایک مومن آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے اللہ کے حضور حاضر ہونے اور حساب کتاب دینے کی فکر ہوتی ہے جو اسے گناہوں سے باز رکھتی ہے جبکہ مشرک کا یوم معاد سے انکار اس سے شرک کے علاوہ مزید گناہوں کا ارتکاب کرواتا ہے۔

۹۔ان کے مقابلہ میں ایمانداروں اور نیکوکاروں کے لئے غیر منقطع اجر ہے جو ہمیشہ رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔ بعض مفسرین نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ ایک بندہ مومن جن نیک اعمال کو پابندی سے بجالاتا ہے اگر کسی جائز عذر جیسے بیماری یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے یہ عمل ترک ہو جائے تو بھی اس کا اجر منقطع نہیں ہوگا۔ مسند احمد میں حضرت انس بن مالکؓ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ مومن جب ارذل عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے تمام نیک اعمال اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں جو وہ اپنی صحت اور طاقت کے زمانہ میں کیا کرتا تھا۔

۱۰۔یوم عربی زبان میں مطلق وقت کو کہتے ہیں ۔دور مراد ہے۔

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان ہے ۔نیز عاد وثمود کی مثالوں سے انذار فرمایا۔ بیشک پہلے تراجم اور تفاسیر بھی درست ہیں مگر جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے قرآنی حقائق بھی نئے نئے رنگ میں ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ فرمایا زمین دو مختلف مراحل سے گزری ہے۔ پہلے مرحلہ میں آتشِ سیال کا ایک گولہ تھی۔ دوسرے مرحلہ میں آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی اور موجودہ شکل اختیار کی۔(تفصیل تخلیقِ کائنات سورۃ انبیاء :۳۱۔ سورۃ الحجر:۲۰) یہ ہے تمہارا ربّ جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرمارہاہے کیا اس کا انکار کرتے ہو اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو جس نے اربوں سال کے ارتقائی مراحل کے بعد زمین کو اس قابل بنایا کہ اس میں سکونت اختیار کرسکو اور

بٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ
برکت رکھی اس نے اس میں اور مقرر کیں اس میں خوراکیں اس کی چار دنوں میں
سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝١١ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ
برابر ہے پوچھنے والوں کے لیے پھر قصد کیا اس نے طرف آسمانوں کی اور وہ
دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ
دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے

اس سے سامانِ زیست حاصل کرسکو۔

۱۱۔اب تیسرے دور میں زمین کی اوپر کی سطح موٹی ہوئی اور زلازل وغیرہ سے پہاڑ وجود میں آئے جو دریاؤں اور بارشوں کا موجب بنے پہاڑوں کے قیام نے خوراک کی فراہمی میں مرکزی کردار ادا کیا(تشریح سورۃ الانبیاء:۳۲۔ سورۃ الحجر:۲۱)اور چار مراحل میں خوراک کا نظام مکمل ہوا۔

بٰرک فیھا میں اسی طرف اشارہ ہے اور اشیائے خورد ونوش کو اندازے کے مطابق مہیا کردیا۔ یعنی تمام انسانی ضرورتیں روز اوّل سے قیامت تک کے لئے زمین میں موجود ہیں جو ضرورت کے مطابق ظاہر ہوتی رہیں گی۔مادی وسائل کے بارہ میں فرمایا۔ **سوآءً للسائلین ۝** ابن زید نے سائلین کے معنی طالبین ومحتاجین کے کئے ہیں۔پس مانگنے سے مراد ان کا حاجتمند ہونا ہے۔سوال کرنا شرط نہیں کیونکہ رازق حقیقی نے یہ سب کچھ نہ مانگنے والوں کو بھی عطا فرمایا ہے۔ پس ہر طلب کرنے والے ضرورتمند کے لئے اس کی ضرورت کے مطابق سامان خورد ونوش یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں۔ یہ سب کے لئے برابر ہیں۔ کسی کالے یا گورے کی تخصیص نہیں جیسا کہ شروع قرآن میں فرمایا۔(استفادہ فرمایئے۔ البقرہ:۳۰) یہاں مارکسی تصورِ اشتراکیت (Marxist Socialism) کا نظام نہیں کہ امیروں سے زبردستی چھین کر غریبوں کو بانٹا جائے بلکہ اس حدیث کے تحت ہے کہ حکمت مومن کی کھوئی ہوئی میراث ہے۔اس لئے ہر اچھی چیز کو اپنانا مومن کا حق ہے۔(جامع ترمذی کتاب العلم باب فی فضل المفقہ حدیث نمبر ۲۶۱۱)پس بنیادی ضروریات کی حد تک مسلمان معاشروں کا رزق تمام افراد کے درمیان انصاف سے تقسیم ہونا ایک احسن طریق ہے ہاں بنیادی ضروریات کی تکمیل کے بعد ہر شخص کی اپنی محنت مہیا وسائل، مختلف صلاحتیں اور میراث وغیرہ کے لحاظ سے مختلف افراد اور طبقوں کے حالات مختلف ہوسکتے ہیں۔ مغرب نے ویلفیر سٹیٹ (Welfare State) کا تصور اپنا کراسلام کی کفالت عامہ کی تعلیم کو اپنا لیا جبکہ مسلمان بحیثیت مجموعی اس نظریہ کونظر انداز کئے ہوئے ہیں۔

۱۲۔اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں اور بندوں پر اس کی بے بہانعمتوں کا بیان جاری تھا۔فرمایا

قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ

دونوں نے کہا آئے ہم خوشی سے پھر اس نے بنایا انہیں سات آسمان

يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ

دو دن میں اور وحی کی ہر آسمان میں کام کے اس کی اور زینت دی ہم نے آسمان

الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

ورلے کو ساتھ چراغوں کے اور بطور حفاظت کے یہ اندازہ ہے عزت والے بہت

الْعَلِيْمِ ﴿۱۳﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ

جاننے والے (خدا) کا، پس اگر وہ منہ پھیریں تو تو کہدے میں ڈراتا ہوں تم کو عذاب سے مانند

پھر وہ سماء کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دخان تھا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے زمین بنائی اور پھر آسمان۔ یہاں زمین و آسمان کے بنانے کا ذکر ہے۔ان کے بنانے کی کسی ترتیب کا ذکر نہیں۔ ترتیب کے متعلق سورۃ النّٰزعٰت :۳۱ میں بتلایا **والارض بعد ذٰلک دحٰھا** یعنی آسمانوں کے بعد زمین کی تشکیل ہوئی۔ اس کی تشریح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اردو ترجمہ میں سورہ حٰمٓ السجدہ کے دیباچہ میں یہ فرمائی کہ ''یہاں ابتدائے آفرینش کا ذکر نہیں جب ساری کائنات ایک دھند کی طرح جَوّ میں پھیل گئی تھی۔ یہاں اس دور کا ذکر ہے جب زمین پر پہاڑ وجود میں آئے اور چار مراحل میں خوراک کا نظام مکمل ہوا اس وقت اس کے اوپر کا آسمان ایک دھوئیں کی سی صورت میں تھا یہ دھواں دراصل ایسے بخارات کی شکل میں تھا جو زمین کے قریب کے سات آسمانوں سے بھی بہت بلند تر تھا اور بار بار وہ بخارات زمین پر برستے تھے تو گرمی کی شدت کے باعث پھر دھواں بن کر آسمان کی بلندیوں میں عروج کرجاتے تھے ۔ بہت لمبے عرصہ تک زمین کی یہ کیفیت رہی اور بالآخر وہ پانی برس کر سمندروں کی صورت زمین پر پھیل گیا ، جہاں سے بخارات کی صورت میں پہاڑوں سے ٹکرا کر پھر زمین پر برسنے لگا۔خوشی سے یا مجبوراً آنا ایک اندازِ محاورہ ہے کہ یہ اشیاء ہمارے مطیع فرمان ہیں اور کبھی ہمارے حکم سے انحراف نہیں کرتیں۔

۱۳۔اس کے بعد دو ادوار میں زمین کے قریب کے سات آسمانوں کی تکمیل ہوئی۔یہ وہ بلندی نہیں جو انتہائے نظر میں ہمیں معلوم ہوتی ہے۔یہ آسمان ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔یہ انتہائی بلندیوں پر زمین کے گردسات پردوں یاطبقوں کی صورت لپٹے ہوئے ہیں۔ ہر آسمان کے قوانین اس میں وحی کردئے گئے ہیں گویا اس کے اندر قانون کے طور پر نافذ کردئے گئے ہیں اور وہ ان امور کو سرانجام دینے کے پابند ہیں۔آج سائنسدان زمین کے گرد سات طبقوں میں بٹے ہوئے آسمان کا ذکر کرتے ہیں اور ہر طبقے کا ایک معین کام بیان کرتے ہیں جن کے بغیر زمین پر انسان

صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۴﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ

عذاب عاد اور ثمود کے جب آئے ان کے پاس رسول

بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

آگے سے ان کے اور پیچھے سے ان کے یہ کہ نہ عبادت کرو سوائے اللہ کے،

قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ

کہا انہوں نے اگر چاہتا رب ہمارا البتہ اتارتا فرشتے پس یقیناً ہم اس کے کہ

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي

بھیجے گئے ہو تم ساتھ جس کے منکر ہیں پس جو عاد تھے سو تکبر کیا انہوں نے

کی بقا ممکن نہیں تھی۔ یہ سارے آسمانی طبقات زمین اور اہل زمین کی حفاظت پر ہی مامور ہیں۔ قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمدؒ دیباچہ سورۃ حٰمٓ السجدہ میں فرمایا ہم نے آسمان کو چراغوں سے مزیّن کیا۔ یہ محض زینت ہی کی لئے نہیں بلکہ نظامِ دنیا کی محافظت میں ان ستاروں کا دخل ہے ہاں یہ سب اذن الٰہی سے ہوتا ہے۔ یہ کامل غلبہ والے اور صاحبِ علم کا اندازہ ہے۔

۱۴۔اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں میں تخلیقِ کائنات کے راز ہائے بستہ سے کسی قدر پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ اگر یہ سب کچھ جان کر بھی اپنی آنکھوں سے جہالت کے پردے نہ ہٹائیں اور منہ پھیر دیں تو انہیں عاد وثمود پر نازل کئے گئے عذاب سے ڈرا۔ دیباچہ میں حدیث بیان کی گئی ہے۔اسی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تو عتبہ نے بے اختیار آپؐ کے دہن مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے اپنی قوم پر رحم کرو۔ بعد میں سردارانِ قریش کے سامنے اپنے اس فعل کی وجہ یہ بتائی کہ'' آپ لوگ جانتے ہیں محمدؐ کی زبان سے جو بات نکلتی ہے پوری ہو کر رہتی ہے اس لئے میں ڈرگیا کہ کہیں ہم پر عذاب نازل نہ ہوجائے'' اس کے جواب میں سردارانِ قریش نے کہا کہ تم پر بھی محمد کا جادو چل گیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔صفحہ ۹۰۔۹۱)

۱۵۔ اب عاد وثمود پرعذاب الٰہی کے نزول کی وجہ بتائی کہ ان کے زمانہ میں بھی اور ان سے پہلے زمانوں میں بھی اللہ کے رسول یہی پیغام لے کر آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہ وہ پیغامِ توحید تھا جوتمام رسولوں میں قولِ مشترک تھا۔مگرافسوس ان کے انکار کا جواز بھی مکذبینِ انبیاء کی طرح ہمیشہ یہی رہا کہ اگر فرشتے آتے اور ہمیں بتاتے تو ہم ضرور اس پیغام کو قابل قبول سمجھتے ۔چونکہ آپؐ پر وحی لانے والا انہیں نظر نہیں آتا تھا اس لئے انکار کرتے ۔یہ بھی مراد ہے کہ اگر ہم پر فرشتے اترتے تو ہم مانتے۔

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ
زمین میں بغیر حق کے اور کہا کون ہے زیادہ ہم سے طاقت میں

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ
کیا نہیں دیکھا انہوں نے یقیناً اللہ جس نے پیدا کیا انہیں وہ زیادہ ہے ان سے

قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَاَرْسَلْنَا
طاقت میں اور تھے وہ آیات کا ہماری انکار کرتے پس بھیجی ہم نے

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
ان پر ہوا تیز دنوں منحوس میں تاکہ ہم چکھائیں انہیں

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ
عذاب ذلت کا زندگی ورلی میں اور البتہ عذاب

الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ
آخرت کا زیادہ رسوا کرنیوالا ہے اور وہ نہ مدد دیئے جائیں گے اور جو ثمود تھے

۱۶۔عاد پر عذاب کی وجہ ان کا ناحق تکبر کرنا تھا۔عاد کے حالات کی تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف رکوع ۹۔ سورۃ ھود رکوع ۵ سے استفادہ فرمائیں)ان کی دلیری اور گستاخی کی حد یہ تھی کہ کسی کو خود سے زیادہ طاقتور نہیں سمجھتے تھے۔جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر غلط کام کرگزرتے چونکہ قوم عاد کے لوگ بڑے قوی اور شہ زور تھے اس لئے جب حضرت ھودؑ نے عذاب سے ڈرایا تو نہایت متکبرانہ جواب دیا کہ ہم اپنی طاقت سے عذاب کو ہٹا سکتے ہیں۔کاش وہ غور کرتے تو یقیناً سمجھ جاتے کہ وہ خدا جس نے انہیں پیدا کیا ان سے کہیں زیادہ قوتوں کا مالک ہے۔ان کی تکبر کی وجہ ہی تھی کہ خدائی احکام کو خاطر میں نہ لاتے اور مسلسل انکار کئے جاتے جس کا نتیجہ بالآخر تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۱۷۔**نحسات**۔ واحد **نحسة**۔ نحس۔ سعد کی ضد ہے۔ نحاس اس شعلے کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو۔ بدبختی کے معنی دیتا ہے۔منحوس دنوں سے مراد ان کی بدبختی کے دن ہیں۔ حقیقت میں تو کوئی خاص دن منحوس ہے نہ مبارک۔ وہی دن منحوس ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وارد ہو اور وہ دن مبارک ہے جس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے راضی ہو۔

ان کا یہ مطالبہ کہ ہماری ہدایت کے لئے فرشتے کیوں نہیں بھیجے محض ان کے غرور وتکبر پر دلالت کرتا تھا۔سو ہم نے ان پر منحوس دنوں میں ایک زور دار آندھی چلائی۔یہ ہوا ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور یہ ریت کے تودوں میں دفن ہوگئے۔یہ سزا اس لئے تھی تا ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت آمیز عذاب چکھائیں یہ ذلت و رسوائی کا عذاب ان کے کبر و غرور کی وجہ سے تھا۔ وہ دنیا میں خود کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھتے تھے۔اس متکبر قوم کو ایک معمولی

فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
پس ہدایت دی ہم نے انہیں پھر پسند کیا انہوں نے اندھا پن مقابل ہدایت کے پس پکڑا انہیں

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۸﴾
بجلی نے عذاب رسوا کرنیوالے کی بسبب اسکے کہ جو تھے وہ عمل کرتے

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ
اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تھے تقویٰ کرتے اور جس روز

ع ۱۰ ۱۶

يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ حَتّٰٓى
اکٹھے کئے جائیں گے دشمن اللہ کے طرف آگ کی پس وہ قسم قسم جدا کئے جائیں گے یہاں تک کہ

اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ
جب آئیں گے اس کے پاس گواہی دیں گے خلاف ان کے کان ان کے اور آنکھیں ان کی

آندھی نے بحکم خدا کھوکھلے تنوں کی طرح اکھاڑ پھینکا۔ اخروی زندگی کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگا اور کوئی نہیں ہوگا جو انہیں اس عذاب سے بچائے۔

۱۸۔ثمود کے حالات کی تفصیل کے لئے استفادہ فرمائیں (سورۃ الاعراف رکوع ۱۰۔سورۃ ھود رکوع ۹) اللہ تعالیٰ نے تو اس قوم کو ہدایت کی راہ دکھائی اور ان کے لئے ہدایت ہی پسند کی مگر افسوس انہوں نے اس ہدایت کی بجائے اندھے رہنے کو ترجیح دی اور گمراہی کو پسند کیا پس ان کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں ایک رسوا کرنے والے عذاب کی کڑک نے انہیں پکڑ لیا۔

۱۹۔اور ہم نے اس عذاب سے ان لوگوں کو بچالیا جو ایمان لائے اور تقویٰ کی راہوں پر گامزن رہے۔ تاریخِ مذاہب میں انبیاء اور ان کے متبعین ہمیشہ بچائے گئے۔ انبیاء اپنے مخاطبین کو آنے والے عذاب سے قبل از وقت باربار آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن مکذبین ، انبیاء کی بیان کردہ دیگر باتوں کی طرح اس بات کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور نتیجۃً اللہ کی پکڑ میں آجاتے ہیں جبکہ انبیاء اور ان کے متبعین یا تو اس جگہ سے زبردستی نکال دئے جاتے ہیں یا حکم الٰہی سے اس تباہی کی گھڑی سے پہلے ہجرت کرجاتے ہیں۔ یہاں تک دنیوی عذاب و رسوائیوں کا بیان تھا اگلے رکوع میں اخروی عذاب کا بیان ہے جب ان کے اپنے جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے۔اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہوگی۔

۲۰۔**یوزعون** وزع سے مشتق ہے جس کے معنی روک دینا کے ہیں۔ گروہ در گروہ ہونا بھی مراد ہے۔

جس دن ان دشمنانِ خدا کو اکٹھا کرکے آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور مختلف

وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ

اور چمڑے ان کے اس کی جو تھے وہ عمل کرتے اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو

لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ

کیوں گواہی دی تم نے خلاف ہمارے وہ کہیں گے بلایا ہمیں اللہ نے جس نے

اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

بلایا ہر چیز کو اور اس نے پیدا کیا تم کو پہلی دفعہ اور طرف اس کی

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ

تم لوٹائے جاؤ گے اور نہ تھے تم کہ چھپ سکو اس سے کہ گواہی دیں خلاف تمہارے

درجوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔

۲۱۔یہاں تک کہ جب وہ اس آگ تک پہنچیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس وقت تک انہیں داخل جہنم نہیں کرے گا جب تک ان پر فرد جرم عائد نہیں کردی جائے گی اور ان کے جرائم ثابت نہیں ہوجائیں گے۔ اس کے لئے کوئی گواہی باہر سے لانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ان کے جسم کے ہر ذرے(Cell) پر ان کے اعمال ثبت ہوں گے اور ان کے اپنے جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے بیشک دنیا میں بھی جب بدی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس بدی کا اثر جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔ آتشک و سوزاک میں ناک کا بیٹھ جانا ، گلے سے خون اور پیپ کا اخراج پکار پکار کر اس بدی کا اعلان کرتا ہے لیکن اکثر حالات میں یہ اثر مخفی رہتا ہے اور انسان اسے چھپانے میں کامیاب ہوجاتا ہے لیکن اللہ کی عدالت میں ہر عضو بحکم الٰہی اس بدی کے خلاف بول اٹھے گا۔

جلد کی گواہی آج کے زمانہ میں کھل کر سامنے آئی ہے۔سائنسدانوں نے جلد کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے جلد کا ہر سیل انسانی زندگی کا خلاصہ ہے۔کلوننگ جلد کے سیل سے کی جاتی ہے۔کروڑوں سال کے مرے ہوئے جانوروں کی جلد کے زندہ سیل نکال کر کلوننگ کی کوشش کی جارہی ہے۔ان ڈھانچوں پر کئے گئے تجربات سے ثابت ہوا کہ سب سے معقول D.N.A کا نظام جلد کا ہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

۲۲۔انسان پریشان ہو کر اپنی جلدوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی یہاں بھی جلدوں کو ترجیح دی۔ جلدیں بول اٹھیں گی کہ جس ربّ رحیم نے ہر شے کو گویائی بخشی اس نے ہمیں بھی بولنے کی توفیق دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قیامت کو ہر وہ شے بول اٹھے گی اور انسان کے گناہوں پر گواہ ہوگی جس کے سامنے اس نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا۔

انسان کو دنیا میں سب سے عزیز اپنے اعضا ہوتے ہیں۔وہ اپنی ایک ایک آنکھ اور اسی

سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ

کان تمہارے اور نہ آنکھیں تمہاری اور نہ چمڑے تمہارے و لیکن گمان کیا تم نے

اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَذٰلِكُمْ

کہ اللہ نہیں جانتا بہت کچھ اس سے جو تم کرتے ہو اور اس

ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ

گمان نے تمہارے جو گمان کیا تھا تم نے متعلق اپنے رب کے ہلاک کیا تم کو پس ہوگئے تم

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

نقصان پانے والوں میں سے پس اگر وہ صبر کریں پس آگ ٹھکانا ہے ان کا اور اگر

يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ

عذر کریں گے تو نہیں وہ عذر قبول کئے جانیوالوں میں سے اور مقرر کئے ہم نے ان کے لیے

قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

ساتھی پس انہوں نے خوبصورت کردکھلایا انہیں جو آگے ہے ان کے اور جو پیچھے ہے ان کے

طرح دیگر اعضاء کے بدلہ میں اپنی ساری دولت قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے لیکن جب یہی اس کے پیارے جن کے لئے اس نے بہت کچھ غلط کام کئے ساری مخلوق کے سامنے اس کے خلاف گواہی دیں گے تو اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہوگی۔وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔اسی کی طرف تم لوٹ کر آئے ہو۔ یہ سب نتائج تمہارے اپنے اعمال ہی نے مرتب کئے ہیں۔

۲۳۔**تستترون**۔ سِتر ڈھانپنا ہے۔استتار کے معنی چھپنا کے ہیں مستور چھپایا گیا۔

تم لوگوں سے تو چھپ کر گناہ کیا کرتے تھے لیکن تمہیں کبھی یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ تمہارے اپنے اعضا تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔پس یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہارے جوارح تمہارے خلاف گواہی نہ دیں گناہوں پر تمہاری جرأت صرف اس وجہ سے تھی کہ تم یہ گمان کربیٹھے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر ہی نہیں اگر اسے خبیر و علیم جانتے تو کبھی ان گناہوں کا ارتکاب نہ کرتے۔

۲۴۔ **اردٰکم**۔ الرَّدٰی کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ **ومایغنی عنہٗ مالہٗ اذاتردّٰی** (۹۲۔۱۲)۔یہی وہ بدظنی تھی جو تم نے اپنے ربّ کے متعلق کی کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر نہیں۔ اسی بدظنی نے تمہیں ہلاک کر دیا اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔

۲۵۔**یستعتبوا**۔العتب اسی سے عتاب ہے۔**ولاھم یستعتبون** (۱۶۔۸۵)اور نہ ان کی معذرت قبول کرکے ان سے عتاب دور کیا جائے گا۔

دنیا میں گناہوں سے بچنا صبر کا مقتضی تھا۔ جو وہاں صبر نہ کرسکے وہ آگ پر صبر کریں یہی

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
اور لگ گیا ان پر فرد جرم ان قوموں میں جو گزر چکیں پہلے ان کے
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ ع ۳ / ۱۷
جنوں اور آدمیوں سے یقیناً وہ تھے نقصان اٹھانے والے اور کہا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا
ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا نہ سنو اس قرآن کو اور شور و غل کرو
فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اس میں تاکہ تم غالب آجاؤ پس ضرور چکھائیں گے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا

ان کا ٹھکانا ہے۔ اگر وہ کوئی عذر پیش کرنا چاہیں گے تو اب عذر قبول کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اس لئے کہ گواہیوں کی بنا پر فیصلہ صادر ہوگیا۔ اب ان کی معذرت قبول کرکے ان سے عتاب کو دور نہیں کیا جائے گا۔

۲۶۔ قرنآء۔ قرین کی جمع ہے۔ ہمنشیں ۔ساتھی۔

اللہ تعالیٰ کسی پر شیطان مسلط نہیں کرتا گویا کسی شیطان کو انسان پر اختیار نہیں۔ **وما کان لی علیکم من سلطٰن** (۱۴۔۲۳) ہر شخص اپنے ہم خیال لوگوں سے دوستی کرتا ہے اور اپنی بھلائی یا بُرائی کا خود ذمہ دار ہے۔ اہل جہنم کا ذکر تھا۔ بتلایا کہ ان کی گمراہی کی ایک وجہ شیطان صفت لوگوں سے دوستی کرنا تھا جو ان کے بد اعمال کو خوبصورت کرکے دکھاتے تھے پہلی قوموں کی ہلاکت کی وجہ بھی یہی تھی۔ ان ساتھیوں نے ان کے لئے وہ تمام امور جو ان کے سامنے تھے اور جو ان سے پہلے گزر چکے تھے ، خوبصورت کرکے دکھائے ۔ سامنے سے مراد دنیا کی زیب و زینت اور خواہشاتِ نفسانی اور پچھلے امور آباء و اجداد کے غلط عقائد تھے، جنہیں خوبصورت کرکے دکھایا۔ غرض جب بد صحبت میسر آگئی اور شیطان صفت ساتھیوں سے تعلق پیدا ہوگیا اور بدیاں اچھی لگنے لگیں تو گویا شیطان کے تسلط میں آگئے۔ پھر ان کی ہدایت مشکل ہوجاتی ہے ۔ تب ان پر وہی فرمان صادق آگیا جو ان سے پہلی سرکش قوموں پر صادق آیا تھا یعنی ان کی طرح ان پر بھی عذاب نازل کیا گیا اور وہ سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔

۲۷۔ **الغوا۔ لغا** آواز کو کہتے ہیں۔ الغوافیه کے معنی الغطوافیه بیان کئے گئے ہیں یعنی اس میں شور ڈالو۔

اس رکوع میں بتایا کہ کفار کیسے ہی بھونڈے طریق اختیار کریں قرآن کا اثر دلوں پر ہو کر رہے گا اور قرآنی تعلیم پر عمل کرنے والوں پر ملائکہ کا نزول ہوگا۔

عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا
عذاب سخت اور ضرور بدلہ دیں گے ہم انہیں بُرا اس کا جو تھے
يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا
وہ عمل کرتے یہ بدلہ ہے دشمنوں کا اللہ کے آگ ہے ان کے لیے اس میں
دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾
گھر ہے رہ پڑنے کا بدلہ ہے اس کا جو تھے وہ آیات کا ہماری انکار کرتے
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ
اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اے رب ہمارے دکھا ہمیں وہ (دو گروہ) جنہوں نے گمراہ کیا تھا ہم کو
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا
جنوں اور انسانوں میں سے رکھیں ہم دونوں کو نیچے اپنے قدموں کے تاکہ ہوں وہ دونوں

سردارانِ قریش جانتے تھے کہ قرآن میں زبردست تاثیر ہے جو سنتا ہے گھائل ہو جاتا ہے جیسا کہ عتبہ بن ربیعہ جیسے سردار قریش نے عذاب کی آیت سن کر آپؐ کے دہن مبارک پر ہاتھ رکھ دیا۔ (آیت ۱۱) قرآن کریم کی قوتِ قدسیہ کے اثر سے بچنے کے لئے بعض کانوں میں روئی ٹھونس لیتے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے صحن میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو کفار نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر ہوتا ہے ۔ اس کا حل ابوجہل نے یہ سوچا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پڑھا کریں تو تم شور و غل کیا کرو۔ تا کہ کوئی قرآن کو سمجھ نہ سکے (قرطبی عن حضرت ابن عباسؓ) اس طرح کچھ امید ہوسکتی ہے کہ تم ان پر غالب آسکو۔

۲۸۔ اس کے نتیجہ میں ہم کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے گویا ان کی یہ قبیح حرکت کہ تلاوتِ قرآن کے وقت شور مچایا کرتے تھے ، ان کے بدترین اعمال میں سے ہے جس کی سخت ترین سزا پائیں گے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے لیکن ان کے جرائم ایسے تھے کہ ان سے کوئی رعایت نہیں ہوگی اور ان کے بدترین اعمال کے مطابق سزا بھی شدید ہوگی۔ چونکہ یہ بُرائی دوسروں کو گمراہ کرنے والی تھی اس لئے اس پر پکڑ سخت ہوگی۔ یعنی ان کے لیڈروں کو بدترین سزا ملے گی۔

۲۹۔ یہ سزا آگ ہے جو دشمنانِ خدا کا بدلہ ہے۔ ان کے لئے وہاں ہمیشہ رہنے والا گھر ہوگا۔ ان افعال کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیات کا دانستہ انکار کرتے تھے۔ جیسے تلاوت قرآن کے وقت شور مچانا یا سمجھ جانے کے باوجود انکار کرنا، جو عوام کی گمراہی کا باعث تھا۔

۳۰۔ دنیا میں اپنے رہنماؤں اور لیڈروں کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چلنے والے کفار یہ نہ

مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ
ذلیلوں میں سے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ
ٹھیک قائم ہوئے اترتے ہیں ان پر فرشتے کہ مت ڈرو اور
لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۱﴾
نہ غمگین ہو اور خوش ہو ساتھ جنت کے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو
نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ
ہم دوست ہیں تمہارے زندگی ورلی میں اور آخرت میں اور تمہارے لیے
فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۲﴾ ط
اس میں وہ ہے جو چاہیں گے نفس تمہارے اور تمہارے لیے اس میں وہ ہے جو مانگو گے تم

سمجھ سکے کہ وہ انہیں کن غلط راہوں کی طرف لئے جارہے ہیں۔قیامت کے دن جب آنکھیں کھلیں گی اور جان جائیں گے کہ ہماری گمراہی کے ذمہ دار یہی لوگ تھے تب چاہیں گے کہ اگر ان کے بس میں ہوتو انہیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں تاکہ دنیا کے معزز ترین لوگ ارذل ترین ہو جائیں۔

۳۱۔شروع سورۃ سے منکرینِ توحید و رسالت سے خطاب ہے۔کائنات میں باری تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں پیش کرکے توحید کی دعوت دی گئی اور پھر انکار کرنے والوں کا انجام اور عذابِ آخرت کا مفصل ذکر فرمایا۔ اب مومنین ومخلصین کے دنیا و آخرت میں اعزاز واکرام کا بیان ہے۔حضرت سفیانؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتایئے کہ اس کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔حضور ﷺ نے فرمایا! **قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ** ۔کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت اختیار کر۔(مسلم۔کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام) حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا خدا کی قسم استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم ہوگئے (ابن جریر) پس جن مومنین کاملین نے دل سے توحید کا اقرار کیا پھر اللہ کی خاطر استقامت اختیار کی اور ابتلاؤں میں ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور انہیں تسلی دیتے ہیں کہ نہ کسی پچھلی کوتاہی کی وجہ سے خوف کھاؤ اور نہ آئندہ کا غم کرو اور انہیں اس جنت کی بشارت دیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ تھا۔نزول ملائکہ دو باتوں سے مشروط ہے اوّل اقرار توحید دوم اس پر استقامت ۔گویا **قالُوا ربنا اللّٰه** میں قولی توحید ہے اور استقاموا میں فعلی توحید ہے۔ نزول ملائکہ سے مراد اس دنیا میں ملائکہ کا نزول ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ اگلی آیت اس کی

ع ۷/۴ ۱۸ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۳﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ
بطور مہمانی کے طرف سے بہت بخشنے والے بہت رحم کرنیوالے کی، اور کون زیادہ اچھا ہے بات میں اس شخص سے جو بلاتا ہے
اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۴﴾
طرف اللہ کی اور عمل کرتا ہے نیک اور کہتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ
اور نہیں برابر ہوتی نیکی اور نہ بدی دور کر (بدی کو) ساتھ اس بات کے کہ
اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ
زیادہ اچھی ہو پس اچانک وہ شخص کہ درمیان تیرے اور درمیان اس کے دشمنی ہے گویا کہ وہ

تائید کرتی ہے۔ دنیا میں نزولِ ملائکہ الہام وکشوف سے مشرف ہونا ہے۔

۳۲۔ آیت:۲۷ میں قرآن کریم کو شور وغوغا مچاکر بے اثر کرنے کی کوشش کا ذکر تھا۔ ان آیات میں بتلایا کہ یہ قرآن کریم کے فیضان اور قوتِ قدسی کا کمال ہے کہ مومنین ومخلصین پر دنیا و آخرت میں نزول ملائکہ ہوتا ہے جو اپنی رفاقت کی بشارت دیتے ہیں۔یہی ایک مومن کا مقصود حقیقی ہے۔مومنین کی جنت تو دنیا ہی سے شروع ہوجاتی اور وہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اپنی خواہشات اور تمناؤں سے محروم نہیں رہتے اور دنیا میں بھی ربّ رحیم کی مہمانی کا مزا اٹھاتے ہیں۔ ہاں اصل مہمانی اگلے جہان میں ہوگی جہاں ان کی ساری تمنائیں اور خواہشات پوری ہوں گی۔

۳۳۔یہ بہت بخشنے والے اور بے انتہا رحم کرنے والے خدا کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہوگا۔ یعنی یہ نعمتیں اسی طرح عزت واکرام سے ملیں گی جس طرح مہمانوں کو ملتی ہیں ۔کتنے خوش قسمت ہوں گے وہ مہمان جن کو ربّ رحیم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوگا۔

۳۴۔بیشک اقرارِ توحید اور اس پر استقامت اختیار کرنا خدا کے فضل سے بندے کو صاحبِ الہام وکشوف اور جنت کا مستحق بنا دیتا ہے لیکن مومنِ کامل کسی مقام پر ٹھہرتا نہیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ کی تلاش میں اس کمال کو حاصل کرتا ہے جب ایک بندہ خود نیک اعمال پر قائم ہوکر بندگانِ خدا کی ہدایت کا ذمہ اپنے کندھوں پر اٹھاتا ہے اور اس کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور نہ کسی ظلم وستم کو خاطر میں لاتا ہے بلکہ ڈنکے کی چوٹ اپنے ربّ کا پیغام پہنچاتا ہے اور اپنی کامل فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہے اور ربّ کی بندگی کو ہی اپنے لیئے وجہِ افتخار سمجھتا ہے۔

یہاں بتایا کہ انسان کے کلام میں احسن و افضل وہ کلام ہے جس سے بندگانِ خدا کو دعوتِ حق دی جائے نیز خوب واضح کیا کہ دعوتِ الی اللہ تبھی موثر ہوگی جب داعی الی اللہ خود نیکی و تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر ہو اور کامل فرمانبرداروں میں سے ہو۔

مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

ذلیلوں میں سے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر

اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ

ٹھیک قائم ہوئے اترتے ہیں ان پر فرشتے کہ مت ڈرو اور

لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

نہ غمگین ہو اور خوش ہو ساتھ جنت کے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ

ہم دوست ہیں تمہارے زندگی ورلی میں اور آخرت میں اور تمہارے لیے

فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۲﴾ ط

اس میں وہ ہے جو چاہیں گے نفس تمہارے اور تمہارے لیے اس میں وہ ہے جو مانگو گے تم

سمجھ سکے کہ وہ انہیں کن غلط راہوں کی طرف لئے جارہے ہیں۔قیامت کے دن جب آنکھیں کھلیں گی اور جان جائیں گے کہ ہماری گمراہی کے ذمہ دار یہی لوگ تھے تب چاہیں گے کہ اگر ان کے بس میں ہوتو انہیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں تاکہ دنیا کے معزز ترین لوگ ارذل ترین ہو جائیں۔

۳۱۔شروع سورۃ سے منکرینِ توحید و رسالت سے خطاب ہے۔کائنات میں باری تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں پیش کرکے توحید کی دعوت دی گئی اور پھر انکار کرنے والوں کا انجام اور عذابِ آخرت کا مفصل ذکر فرمایا۔اب مومنین و مخلصین کے دنیا و آخرت میں اعزاز و اکرام کا بیان ہے۔حضرت سفیانؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتایئے کہ اس کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔حضور ﷺ نے فرمایا!**قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ** ۔کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت اختیار کر۔(مسلم۔کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام)حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا خدا کی قسم استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم ہوگئے(ابن جریرؒ)پس جن مومنین کاملین نے دل سے توحید کا اقرار کیا پھر اللہ کی خاطر استقامت اختیار کی اور ابتلاؤں میں ثابت قدم رہے۔ان پر فرشتے اترتے ہیں اور انہیں تسلی دیتے ہیں کہ نہ کسی پچھلی کوتاہی کی وجہ سے خوف کھاؤ اور نہ آئندہ کا غم کرو اور انہیں اس جنت کی بشارت دیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ تھا۔نزول ملائکہ دو باتوں سے مشروط ہے اوّل اقرار توحید دوم اس پر استقامت ۔گویا **قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ** میں قولی توحید ہے اور استقاموا میں فعلی توحید ہے۔نزول ملائکہ سے مراد اس دنیا میں ملائکہ کا نزول ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ اگلی آیت اس کی

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۳﴾ ع وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ ۴ ع ۷ ۱۸

بطور مہمانی کے طرف سے بہت بخشنے والے بہت رحم کرنیوالے کی، اور کون زیادہ اچھا ہے بات میں اس شخص سے جو بلاتا ہے

اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۴﴾

طرف اللہ کی اور عمل کرتا ہے نیک اور کہتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ

اور نہیں برابر ہوتی نیکی اور نہ بدی دور کر (بدی کو) ساتھ اس بات کے کہ

اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ

زیادہ اچھی ہو پس اچانک وہ شخص کہ درمیان تیرے اور درمیان اس کے دشمنی ہے گویا کہ وہ

تائید کرتی ہے۔دنیا میں نزولِ ملائکہ الہام و کشوف سے مشرف ہونا ہے۔

۳۲۔آیت:۲۷ میں قرآن کریم کو شور و غوغا مچا کر بے اثر کرنے کی کوشش کا ذکر تھا۔ان آیات میں بتلایا کہ یہ قرآن کریم کے فیضان اور قوتِ قدسی کا کمال ہے کہ مومنین و مخلصین پر دنیا و آخرت میں نزول ملائکہ ہوتا ہے جو اپنی رفاقت کی بشارت دیتے ہیں۔یہی ایک مومن کا مقصود حقیقی ہے۔مومنین کی جنت تو دنیا ہی سے شروع ہوجاتی اور وہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اپنی خواہشات اور تمناؤں سے محروم نہیں رہتے اور دنیا میں بھی ربّ رحیم کی مہمانی کا مزا اٹھاتے ہیں۔ہاں اصل مہمانی اگلے جہان میں ہوگی جہاں ان کی ساری تمنائیں اور خواہشات پوری ہوں گی۔

۳۳۔یہ بہت بخشنے والے اور بے انتہا رحم کرنے والے خدا کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہوگا۔یعنی یہ نعمتیں اسی طرح عزت و اکرام سے ملیں گی جس طرح مہمانوں کو ملتی ہیں ۔کتنے خوش قسمت ہوں گے وہ مہمان جن کو ربّ رحیم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوگا۔

۳۴۔بیشک اقرارِ توحید اور اس پر استقامت اختیار کرنا خدا کے فضل سے بندے کو صاحبِ الہام و کشوف اور جنت کا مستحق بنا دیتا ہے لیکن مومنِ کامل کسی مقام پر ٹھہرتا نہیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ کی تلاش میں اس کمال کو حاصل کرتا ہے جب ایک بندہ خود نیک اعمال پر قائم ہوکر بندگانِ خدا کی ہدایت کا ذمہ اپنے کندھوں پر اٹھاتا ہے اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور نہ کسی ظلم و ستم کو خاطر میں لاتا ہے بلکہ ڈنکے کی چوٹ اپنے ربّ کا پیغام پہنچاتا ہے اور اپنی کامل فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہے اور ربّ کی بندگی کو ہی اپنے لیئے وجہِ افتخار سمجھتا ہے۔

یہاں بتایا کہ انسان کے کلام میں احسن و افضل وہ کلام ہے جس سے بندگانِ خدا کو دعوتِ حق دی جائے نیز خوب واضح کیا کہ دعوتِ الی اللہ تبھی موثر ہوگی جب داعی الی اللہ خود نیکی و تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر ہو اور کامل فرمانبرداروں میں سے ہو۔

وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۵﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا
دوست ہے گہرا اور نہیں دیئے جاتے یہ بات مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور نہیں

یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۶﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ
دیا جاتا یہ بات مگر قسمت بڑی والا اور اگر پہنچے تجھے طرف سے

الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ
شیطان کی وسوسہ پس پناہ مانگ اللہ سے یقیناً وہ ہی خوب سننے والا

۳۵۔دعوت ِ الی اللہ کے ذکر میں فرمایا نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتے منکرین حق جتنا چاہیں زور لگالیں نیک روحیں بُرائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف کھنچی آئیں گی۔ جو نیکی کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں وہ بھی اچھائی کو برائی نہیں کہہ سکتے۔ یہ محض ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے ورنہ قرآن کریم کی تاثیرات اظہر من الشّمس ہیں جنہوں نے حضرت عمرؓ جیسے سخت انسان کو گھائل کرلیا۔

دعوت ِ الی اللہ کرنے والوں کو مخالفین کے ہاتھوں سخت اذیتیں سہنی پڑتی ہیں مگرانہیں بدی کا بدلہ بدی تو کجا ادنیٰ نیکی سے دینے کا حکم بھی نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ بدی کا مقابلہ اس نیکی سے کرو جو اعلیٰ ترین ہو۔گویا ایک شخص اگر تمہارے ساتھ برائی کرتا ہے اور تم اسے معاف کردو تو یہ ادنیٰ نیکی ہے۔اعلیٰ درجہ کی نیکی یہ ہے کہ تم نہ صرف معاف کردو بلکہ اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا بد ترین دشمن تمہارے حسن سلوک کو دیکھ کر تمہارا سچا دوست اور خیر خواہ بن جائے گا۔بیشک قرآنی آیات باربار دہرائی جاتی ہیں لیکن یہ معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جس شان سے پورا ہوا وہ اپنی مثال آپ ہے۔آپ کے جانی دشمن آپ کے جانثاروں میں شامل ہوگئے۔ سوائے ان خبیث فطرت انسانوں کے جنہوں نے برملا کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ کہتا ہے کہ مگر ہم اس کی بات چلنے نہیں دیں گے جیسا کہ حضرت صفیہؓ نے اپنے باپ اور چچا کو یہ کہتے سنا (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۶۵۔طبع جدید) یا دشمن خدا ابو جہل کا جنگ بدر سے پہلے اقرار۔ (بروایت حضرت اخنسؓ بن شریق)

۳۶۔**یلقّٰی** کے معنی **یعلّمُ ویُوفَّقُ** کے ہیں یعنی سکھایا جاتا ہے اور اس کی توفیق دیا جاتا ہے۔(لسان العرب) **یلقّٰھا** میں ضمیر اس خصلت کی طرف ہے یعنی بدی کو نیکی سے دور کرنا۔ **حظ**۔نصیب ۔مقدر۔

بدیوں کو نیکیوں سے دفاع کرنے کی توفیق ان کاملین داعیان الی اللہ کو عطا ہوتی ہے جنہوں نے نہایت نامساعد حالات میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور یہ مقام بڑے نصیبے والوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ایک داعی الی اللہ کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے۔

الْعَلِیْمُ ﴿۳۷﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَ
خوب جاننے والا ہے اور نشانات میں سے اسکے رات اور دن ہے اور سورج اور

۳۷۔**النزغ** کے معنی کسی کام کو بگاڑنے کے لئے اس میں دخل انداز ہونے کے ہیں۔ ورغلانا۔

اس موقع پر جبکہ داعیان الی اللہ کو عظیم اعزاز سے نوازا ، شیطان کے بہکانے کی گنجائش کہاں ہوسکتی تھی جس سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے اور سمیع العلیم کہتے ہوئے دعا کی قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا۔جہاں تک استغفار کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے تمام برگزیدہ انبیاء و اولیاء استغفار کرتے اور اپنے ربّ سے پناہ مانگتے ہیں۔عوام کا استغفار گناہوں سے معافی کے لئے ہے جبکہ خواص کا اس لئے کہ وہ اپنے فضل سے تھامے رکھے۔اور خفی در خفی لغزش سے بھی بچائے رکھے نیز اعلےٰ ترین مراتب سے نوازے۔ صبر کے ذکر میں یہ بھی معنی ہیں کہ صبر پر قائم رہنے کے لئے دعا کرو۔ شیطانی تحریک کسی معمولی سے غصہ کی طرف بھی مائل نہ کرے۔ پس غصہ کو روکنے کا طریق سکھایا کہ دعا کرو اور اللہ سے مدد مانگو۔استغفار بھی غصہ کو دور کردیتا ہے۔صبر کے معاملہ میں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ حد سے زیادہ صبر بزدلی ہے اور دوسروں کو شہ دینا ہے آخر ہمیں کہاں تک صبر کرنا چاہیئے؟ اس کا جواب اس حدیث میں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور ابوبکرؓ چپ تھے۔حضورﷺ بیٹھے مسکراتے رہے اور تعجب کرتے رہے۔ جب اس شخص نے گالیاں دینے میں حد کردی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی جواباً کچھ الفاظ کہے۔ اس پر حضورﷺ ناراضگی کے انداز میں کھڑے ہوگئے اور چل پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جا کر حضورﷺ سے عرض کیا کہ حضورﷺ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا آپ سنتے رہے اور بیٹھے رہے لیکن جب میں نے اس کا جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اٹھ آئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے ابوبکرؓ !جب تک تم خاموش تھے فرشتے تمہاری طرف سے اسے جواب دے رہے تھے لیکن جب تم نے خود جواب دینا شروع کیا تو فرشتے چلے گئے اور شیطان آ گیا۔ میں شیطان کے ساتھ کس طرح بیٹھ سکتا تھا۔۔۔۔۔(مسند احمد بن حنبل صفحہ ۲/ ۶۳۶)

شیطان کا تکبر سے خاص تعلق ہے اس لئے یہ بھی معنی ہیں کہ شیطانی تحریک کہیں دل میں ایک خفیف سا فخر بھی پیدا نہ کردے پس خود کو لاشۓ محض سمجھتے ہوئے اللہ کے حضور جھک جاؤ اس کو اپنی پناہ سمجھتے ہوئے دعا کرو اور اس سے مدد مانگو۔ اگر اس سے مراد شیطان صفت انسانوں سے تکلیف دہ باتوں کا پہنچنا ہے جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے تو اس پر صبر کرو اور اللہ سے پناہ

الْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ

چاند ہے نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو

الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۸ فَاِنِ

جس نے پیدا کیا انہیں اگر ہو تم اس کی عبادت کرتے پھر اگر

اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ

وہ تکبر کریں تو وہ لوگ جو حضور میں رب کے تیرے تسبیح کرتے ہیں اس کی

بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۝۳۹ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

رات اور دن اور وہ نہیں تھکتے اور نشانات میں سے اسکے

مانگو جو تمہاری دعاؤں کو بہت سننے والا اور تمہارے حالات سے خوب واقف ہے۔اس میں شیطان کی طرف سے مایوسی پھیلانا بھی شامل ہے کہ تمہاری کوششیں بیکار گئیں۔ لوگوں میں تمہاری تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ تمہیں پھل نہیں مل رہے۔ پس ان تمام شیطانی تحریکوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔

۳۸۔ اس آیت میں بھی کائنات میں پھیلے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت و جبروت کے نظاروں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کیا۔ پس رات اور دن، سورج اور چاند باری تعالیٰ کی وہ نشانیاں ہیں جو اس کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور جو خود قوانین خداوندی میں جکڑی ہوئی ہیں اور ان سے سرمو انحراف نہیں کرسکتیں۔ ایسی بے بس مخلوق عبادت کے لائق کیونکر ہوسکتی ہے۔عبادت صرف خالقِ کائنات کا حق ہے جس نے سب کو پیدا کیا نہ کہ مخلوق کا۔ سورج اور چاند کے بعد جمع کا صیغہ ان تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کرتا ہے جن کی مشرک اقوام پرستش کرتی ہیں۔ خاص اللہ ہی کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ مشرک اقوام اکثر یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ ہم سجدہ تو اللہ ہی کو کرتے ہیں۔سورج چاند یا دیگر معبودانِ باطلہ تو محض وسائل ہیں یہاں خوب واضح کیا کہ اگر صرف اللہ کی عبادت کرتے ہو تو ان وسائل کا کیا جواز ہے۔ پس صرف اللہ کو سجدہ کرو، اس کی عبادت کرو اور خفی در خفی شرک سے بھی باز آجاؤ۔ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ قرار دیا گیا ہے جس کے معنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کرکے قربِ الٰہی حاصل کرنے کے ہیں نہ کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ ”ہاتھ باندھ کر بہیئت صلوٰۃ کسی کے سامنے کھڑے ہونا اور امید و بیم کے لحاظ سے اس کی وہ تعریفیں (جو اللہ کے لئے خاص ہیں) کرنا بھی شرک ہے کسی اور سے سوائے اللہ کے دعا مانگنا بھی شرک ہے۔ ہاں دعا کروانا شرک نہیں۔ (بدر ۱۳ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲) پس سجدہ اللہ سے خاص ہے جو غیر اللہ کو سجدہ کرے وہ مشرک ہے۔

اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی ہوئی پھر جب اتارتے ہیں ہم اس پر پانی

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ

تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے یقیناً وہ جس نے زندہ کیا اسے البتہ زندہ کرنے والا ہے مُردوں کو

اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

یقیناً وہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے یقیناً وہ لوگ جو کجراہی اختیار کرتے ہیں

اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ

آیات میں ہماری نہیں مخفی ہوسکتے ہم پر کیا پس جو ڈالا جائے گا آگ میں بہتر ہے یا

۳۹۔ **یسئمون۔ السّامة** کے معنی کسی چیز کے دیر تک رہنے کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہوجانے کے ہیں۔ تھکنا یا اکتاجانا۔ **لایسئم الانسان من دعآء الخیر** (۵۰!)۔ پس اگر منکرینِ حق تکبر کریں اور خالق و مالک کے آگے جھکنا اپنی شان کے خلاف سمجھیں تو جان لیں کہ اللہ بے نیاز ہے اسے ان کی عبادات کی حاجت نہیں۔ تیرے ربّ کے حضور رہنے والے اس کے مقربین شب و روز اس کا ذکر کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ان میں ملائکہ کے علاوہ وہ مقربینِ الٰہی بھی شامل ہیں جو اپنے خالق و مالک کی عبادت بجالانے میں کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تسبیح و تحمید اور ذکرِ الٰہی ان کے لئے راحت و سکون اور تقویتِ قلب کا باعث ہے اور ان کے لئے بمنزلہ خوراک کے ہے۔ **الابذکراللّٰہ تطمئنّ القلوب**۔ (۱۳۔۲۹) رات کو دن پر مقدم کیا کیونکہ رات عبادات کے لئے خاص ہے۔

۴۰۔ **خاشعة**۔ جھکی ہوئی۔ گری ہوئی۔ خشک۔ **اهتزّت**۔ جنبش میں آئی۔ لہلہائی۔ **ربت**۔ (ربا) زیادہ ہوئی۔ پھولی پھلی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و توحید کی نشانیوں کا ذکر تھا۔ فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس طرح آسمان سے بارانِ رحمت مردہ زمین کی حیات کا باعث بنتی ہے، سبزہ لہلہانے لگتا ہے اور خوب پھلتا پھولتا ہے۔اسی طرح بعث بعدالموت کا بھی اسی مضمون سے تعلق ہے۔ یوم بعث کو بھی اسی طرح زمین سے زندگی پھوٹے گی۔ اس میں یہ بھی اشارہ فرمایا کہ روحانی آسمانی پانی بھی روحانی مردوں کی احیاء کا باعث بنتا ہے خاشعین ہی اس سے زندہ ہوتے اور اس روحانی پانی سے استفادہ کرتے ہیں یعنی انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے ساتھ جو انوار و برکات نازل ہوتی ہیں اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ جبکہ استکبار کرنے والوں کو یہ پانی فائدہ نہیں دیتا اور وہ اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔

مَنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ
وہ جو آئے گا بے خوف بروز قیامت عمل کرو جو چاہو تم یقیناً وہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ
اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس نصیحت نامہ کا

لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ
جب وہ آیا انکے پاس اور یقیناً وہ البتہ کتاب ہے عزت والی نہیں پھٹکتا پاس اس کے باطل

۴۱۔**یلحدون۔لحد** اور الحاد ایک طرف مائل ہونا ہے۔ قبر کی **لحد** کو بھی ایک جانب بنانے کی وجہ سے **لحد** کہا جاتا ہے۔

کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر قدرت، توحید ہی کی گواہی دیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے اس فعلی صحیفہ کو پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی تمہیں فرصت نہیں اور نہ اس کے قولی صحیفہ کا پیغام تمہیں متاثر کرسکا۔تو جو چاہو کرو۔ ان الفاظ میں خالق دوجہاں کی دھمکی مضمر ہے کہ تمہیں زبردستی روکا نہیں جائے گا۔ جو چاہو کرتے پھرو مگر یاد رکھو کہ ہماری آیات پر غور کرنے کی بجائے ان کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والوں کی اگر فوری پکڑ نہیں ہوئی تو ان کے اعمال ہم سے چھپے ہوئے نہیں وہ یقیناً جہنم کا ایندھن بنیں گے۔کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ جو آگ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو ان آفات سے امن میں ہوگا اور ربّ رحیم کی مہمانی سے لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔(آیت ۳۳)

۴۲۔**الذکر**۔ یاد دلانے والی گویا ایک ایک مسئلہ کو باربار یاد دلاتی اور واضح کرتی ہے یا یہ کہ پہلی پیشگوئیوں کو یاد دلاتی اور ان کا مصداق بیان کرتی ہے۔ باعثِ شرف ہے کہ اس کی تعلیم پر عمل کرکے شرف و بزرگی حاصل ہوتی ہے نیز نصیحت کے طور پر ہے۔

ذکر قرآن بھی ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک بھی ۔قرآن کے لئے آیا والقرآن ذی الذکر۔(۳۸۔۲) رسول کے لئے آیا ذکرًا ٥رسولاً(۶۵۔۱۲، ۱۱)بعض نے کہا کہ یہاں ذکر آنحضرت ﷺ کا وصف ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصف میں کلمہ کا لفظ وارد ہوا۔(مفردات)

پچھلی آیت والے منکرینِ حق ہی مخاطب ہیں۔ فرمایا یہی وہ بدبخت ہیں کہ جب ان کے پاس ذکر آیا تو انہوں نے انکار کیا حالانکہ وہ ایک غالب اور مکرم کتاب کی صورت میں تھا۔ یہاں واضح طور پر بتلایا کہ یہ وہ ضابطہ حیات ہے جو بالآخر غالب آ کر رہے گا۔پس ضرور ہے کہ اس کے منکر مغلوب ہوں۔

۴۳۔اس پاک کتاب کو ملحدانہ طریق سے توڑ مروڑ کر پیش کرنے والوں کو خبردار کیا کہ یہ

مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ
آگے سے ان کے اور نہ پیچھے سے ان کے۔ اتارنا ہے طرف سے حکمت والے

حَمِيْدٍ ۝۴۲ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ
خوبیوں والے کی نہیں کہا جاتا تجھے مگر وہ جو کہا گیا تھا رسولوں کو

قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۳
پہلے تجھ سے یقیناً رب تیرا مغفرت والا اور عذاب دردناک والا ہے

وہ غالب کتاب ہے کہ باطل اس میں راہ نہیں پاسکتا گویا اس میں باطل کے ایک ذرہ کا بھی دخل نہیں نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔باطل اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ آئندہ کسی زمانہ میں مقابلہ کرسکے گا۔اس کی ابدی صداقتیں جو ہر ایک باطل سے منزہ ہیں، تمام باطل پرستوں کو جو اس سے پہلے پیدا ہوئے یا آئندہ کبھی پیدا ہوں گے ملزم و لاجواب کرتی رہیں گی اور کوئی مخالفانہ خیال اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔(براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۳ حاشیہ و ازالہ اوہام صفحہ ۶۵۶ سے استفادہ کیا گیا)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ۔" اس کتاب کا محافظ حضرت حق سبحانہٗ ہے جس کے لئے آئندہ پیشگوئی ہے کہ اس کتاب کو باطل کرنے والی آئندہ بھی کوئی چیز نہیں بھیجیں گے تو پھر ہم کو سائنس یا بیرونی خطرناک دشمن سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ہم کو ایسی باطل کرنے والی کوئی چیز فطرت کے خالق نے پیدا ہی نہیں کی۔ پس جیسا ہمارا رسول کامل ہے ویسے ہی ہماری کتاب کامل ہے۔یہ کتاب تو قیامت تک رہے گی۔۔۔۔۔ پس خوف ہے تو یہ کہ ہمارے گھروں سے یہ کتاب نہ نکلے اور ہم اس کی اتباع سے محروم نہ رہیں۔" (بدر ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۴) یہ اس خدا کی طرف سے اتاری گئی ہے جو صاحبِ حکمت ہے یعنی اس کا ہر کام حکمت کے تحت انجام پاتا ہے اور وہ بڑا صاحب حمد ہے یعنی اپنی ذات میں حمد کے لائق ہے۔

۴۴۔قرآن کریم کی محافظت کا ذکر تھا فرمایا جو ربّ رحیم قرآن پاک کی حفاظت فرما رہا ہے وہ اپنے پیارے کی حفاظت بھی فرمائے گا۔ اگر مخالفین حق کی زبانوں کے نشتر تیرے دل کو زخمی کرتے ہیں تو اے رسول! یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تمام انبیاء پر ایسے ہی اعتراضات ہوتے رہے۔ یہ انبیاء کی صداقت کا معیار ہے کہ ان کی تعلیم بھی ایک ہوتی ہے اور مخالفین کے اعتراضات بھی ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں ۔ سالہا سال تک اس کے پیاروں کو ایذا و استہزا کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن ربّ کریم مہلت دیتا ہے ۔بیشک تیرا ربّ ان کی گستاخیوں کے باوجود بڑا درگزر کرنے والا ہے۔ لیکن یاد رکھیں انکار و سرکشی کے نتیجہ میں اس کی سزا بھی الم انگیز ہوتی ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ

اور اگر بناتے ہم اسے قرآن عجمی تو وہ کہتے کیوں نہیں مفصل بیان کی گئی آیات اس کی

ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ

کیا عجمی (کتاب) اور عربی شخص ؟ تو کہدے وہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہدایت اور

شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ

شفاء ہے اور وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے کانوں میں ان کے بہرا پن اور وہ

عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۴۵﴾ ع ۵/۱۲ ۱۹

ان پر پوشیدہ ہے وہ لوگ پکارے جاتے ہیں جگہ دور سے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا

اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پس اختلاف کیا گیا اس میں اور اگر نہ

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ

ایک بات پہلے سے ہو چکی ہوتی طرف سے تیرے رب کی تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا درمیان ان کے اور یقیناً وہ

۴۵۔ **العجم** ۔غیرعرب کو کہتے ہیں۔ **اعجمیؔ**۔ عجم والا۔ عربی زبان کے سوا زبان۔غیر فصیح۔

مخالفین کے اعتراضات کا بیان تھا۔ اب قرآن اور صاحب قرآن کی مزید فضیلت بیان فرمائی ۔قرآن کریم عربی جیسی فصیح زبان میں نازل ہوا جو کہ ان کی اپنی زبان تھی تاکہ ان کے لئے قرآن کریم کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو لیکن مخالفین کو پھر بھی یہی اعتراض رہا کہ یہ تو اس کی اپنی زبان ہے جو چاہتا ہے بنا کر لے آتا ہے۔ کسی غیر عربی زبان میں نازل ہوتا تو ہم اسے خدا کی طرف سے مانتے۔اگر ایسا ہوتا کہ کسی غیر عربی زبان میں نازل کیا جاتا تو بھی اعتراض ہی ہوتا کہ کیوں نہ اسے عربی جیسی فصیح زبان میں نازل کیا تاکہ ہم اسے سمجھ سکتے اور ہدایت حاصل کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہرصاحبِ کتاب نبی پر اس کی اپنی قومی زبان میں ہی کتاب نازل ہوئی تاکہ اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ نبی تو عربی ہو اور قرآن اعجمی ہو۔یہ تو وہ قرآنِ عظیم ہے جو مومنوں کے لئے سراسر ہدایت اور شفاہے گویا روحانی شفا بھی ہے اور جسمانی شفا بھی۔اس پر ایمان نہ لانے والوں کا اپنا ہی قصور ہے کہ ان کے کان باوجود سننے کے بہرے ہیں۔ بہرے ہونے کی وجہ سے انہیں آواز دور سے آتی محسوس ہوتی ہے اور وہ اس سراپا رحمت و شفا کو سمجھنے اور اس سے مستفید ہونے سے محروم ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآنی صداقتیں ان پر مخفی ہیں۔گویا بہرے ہی نہیں اندھے بھی ہیں۔

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ

البتہ شک میں ہیں اس سے ہلاک کرنیوالے میں جس نے عمل کئے اچھے تو اپنے نفس کے لیے

وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۷﴾

اور جس نے بدی کی تو اسی پر ہے اور نہیں رب تیرا ہرگز ظلم کرنیوالا بندوں پر

۴۶۔ **شک** اور **مریب** ہم معنی ہے مریب مزید قوت پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ جیسے شک و شبہ۔

آپ ﷺ مثیل موسیٰؑ تھے اس لئے قرآن کریم میں باربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان ہوئے اور آپ کی مثال دی گئی ہے ۔نیز آپ ﷺ پر بھی وہ تمام حالات گزرے جو حضرت موسیٰؑ پر گزرے تھے ۔ فرمایا موسیٰؑ کو بھی تیری طرح کتاب عطا ہوئی تھی اوراس میں بھی ایسے ہی اختلاف کیا گیا تھا۔ پس اگر قرآن میں اختلاف کیا گیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ۔ تمام الٰہی کتابوں میں ہمیشہ اسی طرح اختلاف کیا گیا۔

فرمایا اگر تیرے ربّ کی طرف سے فرمان گزر نہ چکا ہوتا تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا۔ اللہ کا فرمان وہ جاری تقدیر الٰہی ہے ۔جب قوموں کو مہلت دی جاتی ہے اور ان کی پکڑ فوراً نہیں ہوتی ۔ یقیناً وہ قرآن کریم کے بارہ میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جو انہیں کھائے جارہا ہے اور ہر وقت مضطرب رکھتا ہے اس لئے کہ مخالفین بظاہر تو قرآن کریم کو جھٹلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے لیکن قرآن کریم کے بے مثال حقائق و معارف کو جھٹلانا ان کے بس میں نہیں تھا۔ جانتے تھے کہ ایک اُمی اسے خود نہیں بنا سکتا۔توریت عبرانی میں تھی اور مکہ میں عبرانی کا ماہر کوئی عالم توریت نہیں تھا۔ سوائے ورقہ بن نوفل کے جو پہلی وحی کے بعد بہت جلد وفات پا گئے۔قرآن کریم کی پیشگوئیاں روز روشن کی طرح اور آنحضرت ﷺ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات حرف بحرف پوری ہورہی تھی۔ نیز مکہ کے معزز شرفاء میں سے ایک خاصی تعداد اسلام کو دل و جان سے قبول کرچکی تھی۔ مخالفین کی سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر قرآن سچا ہے جیسا کہ ان کے دل گواہی دیتے تھے تو جن عواقب سے انہیں ڈرایا جارہا تھا وہ ان پر وارد ہو کر رہیں گے لیکن اللہ کے اسی فرمان کے مطابق جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اگر فوراً فیصلہ کردیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے نیک فطرت بندوں کو ہدایت حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا۔ پس اللہ کے نیک بندوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا۔

۴۷۔غرض جس نے بھی نبی کے پیغام پر غور و تدبر کیا، اسے قبول کیا اور اعمال صالحہ

الجزء ۲۵

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ
طرف اسی کی پھیرا جاتا ہے علم قیامت کا اور نہیں نکلتا کوئی

ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ
میوہ اپنے غلافوں سے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ اور نہ جنتی ہے

اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا
مگر مطابق اسکے علم کے اور جس روز وہ پکارے گا انہیں کہ کہاں ہیں شریک میرے کہیں گے وہ

اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۸﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
اطلاع دیدی ہم نے تجھے کہ نہیں ہم میں سے کوئی شاہد اس بات کا اور جاتے رہیں گے ان سے جنہیں تھے

بجالائے تو یہ سب ان کے اپنی ہی نفس کی بھلائی کے لئے تھا۔ انہوں نے دنیا میں بھی اس کا اجر پایا اور اخروی نعمتوں کے وارث ہونے کی نوید بھی انہیں ملی۔ جنہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا، پیغام حق کو جھٹلایا اور برائی کے جویا رہے تو انہوں نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا جس کی سزا کسی حدتک دنیا میں مل جاتی ہے لیکن آخرت میں پوری سزا کے مستحق ہوں گے۔ یہ سب ان کے اپنے اعمال کے نتائج ہیں ورنہ تیرا ربّ اپنے بندوں پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

۴۸۔ **ساعة**۔ گھڑی۔ **علم الساعة** قیامت کا علم بھی ہے اور ہر گھڑی کا بھی۔ **اکمام**۔ واحد **کِم**۔ گابھہ۔ پھل کو ڈھانپنے والا غلاف۔

اخروی جزا و سزا کا ذکر تھا۔ مزید وضاحت فرمائی۔ قرآن کریم ایک مختصر کتاب ہے۔ اکثر سوال نقل کئے بغیر اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ جواب ہی سے سوال کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اس سوال کا جواب کہ قیامت کب آئے گی۔ فرمایا ساعت کا علم خدا ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے یعنی اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس کے سوا کامل طور پر کوئی نہیں جانتا کہ وہ گھڑی کب آئے گی۔ ساعت ہی پر کیا منحصر ہے اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ عالم الغیب کو کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے اور ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اسے کلّیات کا ہی علم نہیں جزئیات کا بھی کامل علم ہے۔ (حقائق الفرقان سوم صفحہ ۵۴۳) جیسا کہ فرمایا۔ پھلوں کا اپنے غلافوں کے اندر پرورش پانا اور پکنا پھر ان غلافوں سے باہر نکلنا اسی طرح بچوں کی پیدائش کا عالمی نظام کہ ماں کے رحم میں بچے کا پرورش پانا اور پھر اندھیرے غلافوں سے باہر آنا یہ سب خالق ومالک کے علم میں ہے اور اس کے حکم کے تابع ہے۔ یہ سارا نظام غیر اللہ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ قیامت کب ہوگی؟ اس کا جواب ایک بدو کے استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب علامۃ الحب فی اللّٰہ عن انسؓ) پس

يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۹﴾ لَا يَسْئَمُ
وہ پکارتے پہلے اور وہ خیال کریں گے کہ نہیں انکے لیے کوئی جگہ بھاگنے کی نہیں تھکتا

الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۚ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ
انسان مانگنے سے بھلائی اور اگر پہنچے اسے بُرائی (دُکھ) تو مایوس نہایت

قَنُوْطٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ
ناامید ہوجاتا ہے اور البتہ اگر چکھائیں ہم اسے رحمت اپنی طرف سے بعد تکلیف کے

مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ
جو پہنچی ہو اسے البتہ وہ ضرور کہے گا یہ میرے لیے ہے۔ اور نہیں میں یقین کرتا قیامت کو قائم ہونیوالی

یہی جواب ہے کہ قیامت کی فکر ہے کہ قیامت کب ہوگی، اپنے اعمال کی فکر نہیں۔ جس دن اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو ان مشرکوں میں سے کوئی بھی اس کا اقرار نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ قیامت کو ان پر تمام حقائق منکشف ہوجائیں گے اور کوئی گواہی نہیں دے گا۔

۴۹۔ یہی نہیں بلکہ وہ معبود جن کی وہ اس سے پہلے پرستش کرتے تھے، ان سے کھوئے جائیں گے یعنی غائب ہوجائیں گے اورانہیں کہیں نظر نہیں آئیں گے کہ انہیں مدد کے لئے پکاریں جیسا کہ وہ دنیا میں قیامت کے عذاب سے چھڑوانے کے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے اور ان دعووں کی بنا پر ہی انہوں نے غلط کام کئے، اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے لئے اس عذاب سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ پروہت اور کاہن یا دھوکے باز قسم کے پیر فقیر مراد ہیں۔

۵۰۔ قیامت کے احوال کا بیان تھا۔ اب مزید تفصیل بیان فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تو طلب خیر سے کبھی نہیں تھکتے اگر انہیں کبھی کوئی ابتلا پیش آجائے تو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے اور عسر و یسر ہرحال میں استغفار کرتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جبکہ کمزور ایمان والے انسان کی حالت یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں طلب کرنے سے تو کبھی نہیں تھکتا اور نہ اسے سیری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت سے اسے خوب نوازتا ہے لیکن اگر اسے شر چھو جائے یعنی کوئی معمولی نقصان پہنچ جائے یا کوئی سختی یا تنگیٔ معاش پیش آجائے یا قبولیت دعا میں ہی دیر لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ تمام انعامات کو بھلا کر اس کی رحمت سے سخت مایوس ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسے مایوس لوگ بعض اوقات خودکشی تک کرلیتے ہیں۔ مایوسی کفار ہی کی صفت ہے ورنہ ایک مومن تو اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہوتا۔ **لا یایئس من روح اللّٰہ الا القوم الکٰفرون** (۱۲۔۸۸)

وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ

اور البتہ اگر لوٹایا گیا میں طرف اپنے رب کی تو یقیناً میرے لیے حضور میں اسکے البتہ بھلائی ہے، پس ضرور ضرور آگاہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ

کرینگے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اس پر جو عمل کئے انہوں نے اور البتہ ضرور چکھائیں گے ہم انہیں عذاب

غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ

سخت اور جب انعام کرتے ہیں ہم انسان پر منہ پھیر لیتا ہے اور دور کر لیتا ہے اپنے پہلو کو

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

اور جب پہنچی ہے اُسے تکلیف تو دُعا لمبی چوڑی والا ہوتا ہے تو کہدے بتاؤ تو سہی

۵۱۔ **غلیظ**۔ گاڑھا۔ **عذاب غلیظ** سخت عذاب۔ ایسا گاڑھا عذاب کہ اس سے نکل نہیں سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی مایوسی کی حالت کو دائم نہیں رکھتا۔ اس پر رحم فرماتا ہے اس کی تنگی اور مشکل کو دور کرکے اسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتا اور اپنی کئی نعمتوں سے نوازتا ہے کہ شاید سمجھے اور شکر گزار بندہ بنے۔ لیکن وہ ان نعمتوں کو اللہ کی رحمت کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنی ذاتی خوبیوں اور استعدادوں پر محمول کرنے لگ جاتا ہے یعنی انہیں اپنی تدبیر، عقل و فراست اور علم و ہنر کا نتیجہ قرار دیتا ہے، اسے اپنا حق سمجھتا ہے اور عطا کرنے والے کو بھول جاتا ہے۔ اس عارضی خوشحالی و تونگری سے اتنا متکبر ہوجاتا ہے کہ قیامت کا ہی منکر ہوجاتا ہے بلکہ اپنی بداعمالیوں کے باوجود حسن ظن کا یہ عالم ہے کہ برملا کہتا ہے! اگر بالفرض محال جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے مجھے اپنے ربّ کے حضور لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میرے لئے اعلیٰ ترین نعمتیں ہوں گی۔ اس لئے کہ اگر میں اس قابل نہیں تھا تو دنیا میں کیوں نوازا گیا یا یہ تکبر ہوگا کہ میں ہی ان کا مستحق ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ایسے کفران نعمت کرنے والوں کو ہم ان کی بداعمالیوں سے ضرور آگاہ کریں گے۔ گویا انجانے میں پکڑے نہیں جائیں گے اور ان کو ایسے عذاب کا مزا چکھائیں گے جو گاڑھا ہوگا اور اس سے نکل نہیں سکیں گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ایٹمی حملہ میں عذاب کے دائرہ سے نکل نہیں سکیں گے۔

۵۲۔ **اَعرَضَ**۔ اس نے اعراض کیا۔ منہ پھیرا۔ **نَاٰبجانبہ**۔ نَاٰ دور ہوا۔ جانب۔ کنارہ طرف۔ **نَاٰ بجانبہ** پہلو پھیرلیا۔ یہ اس شخص کے لئے کہا جاتا ہے جو تکبر سے اپنا منہ پھیرے یہاں مراد ہے کہ اپنے خالق سے اپنے پہلو کو پھیرلیا گویا اس کی عبادت اور دعا سے اعراض کیا۔ عطائے نعمت پر منعم حقیقی سے منہ پھیرنے والا دراصل عبادت اور ذکر و دعا سے اعراض کرتا ہے اور اپنے ربّ

اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

اگر یہ ہوا پاس سے اللہ کے پھر انکار کیا تم نے اس کا کون زیادہ گمراہ ہے اس سے کہ

هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ

ہو مخالفت دور کی میں ضرور دکھائیں گے ہم انہیں نشان اپنے دنیا میں اور

کے آگے جھکنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ یہ پچھلی آیت والے متکبرین ہیں جو نعمتوں کے عطا ہونے پر شکر گزار بن کر قرب الٰہی حاصل کرنے کی بجائے کفران نعمت کرکے اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جب معمولی سی تکلیف پہنچے تو سارا تکبر بھول کر لمبی چوڑی دعاؤں میں لگ جاتے ہیں۔ طویل دعائیں اللہ کے نیک بندوں سے خاص ہیں اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ کامل معرفت والا اللہ تعالیٰ کا بندہ تو ہمہ وقت اللہ ہی کے حضور رہتا ہے اور دعاؤں سے کبھی نہیں تھکتا۔ یہاں دعا پکارنے کے معنی میں ہے کہ جب مصیبت پہنچتی ہے تو چلا اٹھتے ہیں۔ گویا یہاں مذمت طول دعا پر نہیں بلکہ ہر وقت اپنا دکھڑا رونے، گلے شکوے کرنے اور بے صبری پر ہے جبکہ صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنی مصیبت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ کہے۔ نیز یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ دکھ میں دعائیں انہی کی قبول ہوتی ہیں جو سکھ میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شدائد و کرب یعنی سختی اور گھبراہٹ کے وقت اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہیئے کہ فراخی اور آرام کے وقت بکثرت دعا کرے۔ (ترمذی ابواب الدعوات باب دعوۃ المسلم مستجابۃ۔ عن ابی هریرۃؓ)

۵۳۔ قرآن کریم کا ذکر تھا۔ جو جو مسائل آتے گئے ان کا حل بیان کیا جاتا رہا۔ اب پھر اسی طرح رجوع فرمایا۔

مکذبین کو غور و فکر کی دعوت دی کہ سوچو تو سہی کہ اگر تمہارے نظریئے کے مطابق نعوذ باللہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے تو اس کو ماننے والے تو پھر بھی فائدہ میں رہیں گے کیونکہ قرآنی احکام پر عمل کرکے وہ تمام برائیوں کو چھوڑ کر اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں۔ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے اور تم انکار پر مصر ہو تو بھی اس کو حق مان کر اس کی پیروی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حاصل ہوں گی جن کا قرآن ان سے وعدہ کرتا ہے۔ اور تم پر دنیا و آخرت میں وہ تمام حالات گزریں گے جو قرآن کریم نے مکذبین کے لئے مقدر فرمائے ہیں یعنی دنیا میں رسوائیاں اور آخرت میں شدائد و عواقب۔ جن کی ایک جھلک اگلی آیات میں ہے اب بتاؤ کہ اس سے زیادہ بھٹکا ہوا کون شخص ہوسکتا ہے جو حق کی مخالفت میں بہت دور نکل جائے۔ گویا وہ اتنی دور نکل گئے ہیں کہ واپسی مشکل ہے۔

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ

جانوں میں ان کی یہاں تک کہ کھل جائے گا ان کے لیے کہ وہ حق ہے کیا نہیں

يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ

کافی رب تیرا کہ وہ ہر چیز کا نگران ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ

مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۵﴾ ع ۶/۱۰ ۱

شک میں ہیں ملاقات سے اپنے رب کی آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے

۵۴-۵۵- **اٰفَــــاق** - واحد افق۔ آسمان کا نچلا کنارہ جہاں زمین و آسمان ملے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ **اٰفَــــاق** کے معنی نواحی یا اطراف کے ہیں۔(مفردات) عالم۔ اطرافِ عالم۔
محیط اَحَاطَ کے معنی بالکل تباہ کرنے کے بھی ہوتے ہیں (اقرب)

شقــــاقِ بعـيـد میں مبتلا لوگوں کو ہم عنقریب اپنے نشانات دکھائیں گے جن کا تعلق اطرافِ عالم میں ہونے والے نشانات سے بھی ہوگا اور ان کے نفوس کے اندر کے نشانات سے بھی ہوگا یہاں تک کہ ان پر قرآن حکیم کا حق ہونا خوب کھل جائے گا۔ یہ نشانات دیدہ بینا کو قیامت تک قرآنی صداقت کی گواہی دیتے رہیں گے۔شدید پُر مصائب حالات میں یہ عظیم الشان بشارت یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے تسکین اور تقویتِ قلب کا باعث ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تمام عرب کا فتح ہوجانا اور قرآن عظیم کا پیغام تمام معلوم دنیا کے سربراہوں تک پہنچ جانا اس پیشگوئی کی حقانیت پر دال ہے لیکن یہ ابتدا تھی اس لئے کہ آدھا عالم ابھی اندھیرے میں تھا۔ اس پیشگوئی کا کامل ظہور آپ ﷺ کے مہدی کے زمانہ میں مقدر تھا جب اطرافِ عالم میں محمد عربی ﷺ کا ڈنکا بجا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام کہ'' میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔'' (تذکرہ صفحہ ۳۱۲) پھر انکار مسیح پر آفاقی قہری نشانات جنگوں، زلزلوں اور وباؤں کی صورت نازل ہوئے اور صداقتِ قرآن پر مہر تصدیق ثبت کی۔ (مزید تشریح سورۃ توبہ ۳۳!)

نفوس سے مراد خود، اپنے لوگ اور خاندان وغیرہ ہیں۔ پس ان کے اپنے نفوس میں نشانات کا اوّل ظہور غزوہ بدر کے موقع پر ہوا جب قریش کے چنیدہ سردار مارے گئے۔نفوس سے مراد ابدان بھی ہیں ۔جس طرح آفاق میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے نشانات نظر آتے ہیں اس طرح قریب ترین چیز انسان کا اپنا وجود ہے ۔اس میں بھی احسن الخالقین کے علم اور قدرت کے لاتعداد نشانات نظر آتے ہیں۔ انسانی جسم صانع حقیقی کا وہ بے مثال شاہکار ہے جس کی کنہ تک آج کے دور کے عظیم سائنسدان بھی نہیں پہنچ سکے ۔ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

یہاں سائنسدانوں ،دانشوروں اور ماہرین علومِ ابدان کو ایک کھلا چیلنج ہے کہ جب وہ آفاق پر رونما ہونے والے نشانات کا مشاہدہ کریں گے اور انسانی جسموں کے اندر صانع حقیقی کے تخلیق کردہ مختلف نظام ہائے بدن کا بھی بغور معائنہ کریں گے اور تعصب سے ماوریٰ ہو کر سوچیں گے تو بے اختیار پکار اٹھیں گے ۔ **ربنا ماخلقت ھٰذا باطلاً ج سبحٰنک فقنا عذاب النار**٥ (۱۹۲:۳)

غرض آفاق پر پھیلے ہوئے بے شمار نشانات اور ان کے اپنے نفوس میں پوشیدہ نشاناتِ الٰہی ،کیا ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ۔کیا اب بھی انہیں سمجھ نہیں آئی کہ اللہ ہر چیز پر نگران ہے اور اس کا علم لامتناہی ہے ۔ جب اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں، پھر وہ اس کی گرفت سے کیسے نکل سکتے ہیں ۔دراصل مخالفینِ حق کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہیں اپنے ربّ کے حضور جوابدہی پر یقین نہیں۔ خبردار اللہ ہر چیز پر محیط ہے اگر پھر بھی نہ سمجھیں تو یاد رکھیں کہ وہ ان کو تباہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسَۃُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ شوریٰ۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی چون آیات اور پانچ رکوع ہیں

الِ حٰمٓ کی سورتوں میں یہ تیسری سورۃ ہے۔ اس کا مضمون بھی پچھلی سورتوں سے الگ نہیں۔ (اس لئے حٰمٓ کی سورتوں کے شروع میں لکھے ہوئے مختصر تعارفات پر ایک نظر ڈال لیجئے۔) اس کا مرکزی مضمون بھی قرآن اور صاحبِ قرآن کی صداقت پر مبنی ہے۔ نیز دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں توحید و رسالت اور یوم بعث کا بیان ہے۔

اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے نائبین کو دوسروں سے مشورہ کرنے کا حکم دے کر گویا سب انسانوں کو توقیر دی گئی ہے۔ تاہم مشورہ دینے والے پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو فتویٰ بغیر علم کے دیا ہوگا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا اور جس نے اپنے بھائی کو غلط مشورہ دیا، اس نے خیانت کی۔ (دارمی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے خلفاء تمام اہم امور مشورہ سے انجام دیتے تھے۔ آپ ﷺ مشورہ نہ صرف مردوں سے بلکہ بسااوقات عورتوں سے بھی لیتے۔ جیسا کہ صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت سلمہؓ سے مشورہ لیا اور اس صائب مشورہ پر عمل کیا۔ اس طرح عورت کو اس غلامانہ زندگی سے نجات دلوائی جس میں وہ مدت سے پس رہی تھی اور معاشرہ میں اس کی کوئی آواز (Say) نہیں تھی۔ یہ مکی سورۃ ہے ان نامساعد حالات میں کسی حکومت کا تصور محال تھا۔ ایسے حالات میں مشورہ کا حکم دینا مشورہ کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

حٰمٓ ﴿۲﴾ عٓسٓقٓ ﴿۳﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ

حا۔ میم عین۔ سین۔ قاف اسی طرح وحی کرتا ہے طرف تیری اور طرف ان لوگوں کی جو

قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

پہلے تھے تجھ سے اللہ (جو) عزت والا حکمت والا ہے اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو

الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۵﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ

زمین میں ہے اور وہ بلند بڑائی والا ہے قریب ہیں آسمان کہ پھٹ جائیں

فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

اپنے اوپر سے اور فرشتے تسبیح کرتے ہیں ساتھ حمد کے اپنے رب کی اور بخشش مانگتے ہیں

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پچھلی سورۃ کے اختتام پر اطراف عالم میں غلبہ اسلام کی پیشگوئی فرمائی۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض بتلائی کہ تیری تبلیغ کا دائرہ ام القریٰ سے شروع ہو کر کل دنیا پر محیط ہوگا۔

مقطعات اسماء الٰہی کے قائم مقام ہیں۔ گویا خداتعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں بہت سے معانی اور پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ **حٰمٓ** سے شروع ہونے والی تمام سورتوں میں خاص طور پر حمید اور مجید خدا کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ جو علیم، سمیع اور قدیر ہے۔ وہ علیم ہے جانتا ہے کہ کون منصبِ نبوت کا اہل ہے۔ وہ سمیع ہے۔ اپنے بندوں کی مناجات سنتا اور ان کی ہدایت کا سامان کرتا ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے نبی کی سچائی زور آور حملوں سے ثابت کرے۔

۴۔ اہل مکہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی اور اس کی تبلیغ ایک ایسی چیز تھی جسے ان کے دل و دماغ قبول نہیں کرتے تھے اس لئے فرمایا کہ نزولِ وحی کوئی نئی چیز نہیں تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی طرح وحی سے نوازا جاتا رہا۔ تیرا ربّ کامل غلبہ والا ہے وہ ان ناسازگار حالات میں اپنے رسول کو غالب کرے گا اور یہ سب اس کی گہری حکمت کے تحت ہوگا۔

۵۔۶۔ ساری کائنات اسی خالق و مالک کی مِلک ہے۔ مگر افسوس اس علوئے شان اور صاحبِ عظمت ربّ رحیم کو زمین والوں نے نہ پہچانا۔ اہل زمین کی بداعمالیوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ

لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ

ان کے لیے جو زمین میں ہیں آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ ہی ہے بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ

وہ لوگ جنہوں نے بنائے سوائے اس کے دوست اللہ نگران ہے ان پر

وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ

اور نہیں تو ان پر داروغہ اور اسی طرح وحی کی ہم نے طرف تیری

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ

قرآن عربی میں تاکہ ڈرائے تو بستیوں کی ماں (مکہ) کو اور انہیں جو اردگرد ہوں اسکے اور ڈرائے تو

يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ

دن جمع ہونیوالے سے نہیں کوئی شک اس میں ایک فریق ہوگا جنت میں اور ایک فریق ہوگا

فِي السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ

دوزخ میں اور اگر چاہتا اللہ ضرور کردیتا انہیں اُمت ایک و

آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اورفضائے آسمانی سے تباہیاں نازل ہوں۔ لیکن **علیّ العظیم** نے اسے روکا ہوا ہے ۔ اس لئے کہ اوّل ملائکہ تسبیح کرتے ہیں۔ ان کی تسبیح و تحمید اس عذابِ سماوی میں روک ہے۔دوم یہ کہ وہ اہل زمین کے لئے مہلت طلب کرتے ، معافی مانگتے اور ان کے گناہ بخشواتے ہیں۔ سوم یہ کہ اللہ غفور الرحیم ہے وہ خود اپنے خطاکار بندوں کو بخشنا چاہتا ہے۔

یہاں نصاریٰ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جیسا کہ سورۃ مریم:۹۱۔۹۲ میں فرمایا کہ ان کے عقائد باطلہ تو ایسے ہیں کہ قریب ہے ان پر آسمان پھٹ پڑیں۔۔۔۔۔اس لئے کہ نصاریٰ کا فتنہ ان آسمانی بلاؤں کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ آخری زمانہ میں غلبہ عیسائیت کے وقت ایٹمی جنگیں وغیرہ جن کی لپیٹ میں یہ قومیں خود آئیں گی۔ اگلی آیت میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

۷۔اللہ تعالیٰ جو بہت معاف کرنے والا اور بے حد رحیم ہے وہ ان کی بھی حفاظت فرمائے گا جنہوں نے اللہ کے سوا ولی بنا رکھے ہیں۔ یعنی نصاریٰ کے عقائد باطلہ تو ایسے ہیں کہ ان پر آسمان پھٹ پڑیں لیکن ان کے بعض افعال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ غفور الرحیم انہیں مہلت دے گی اور انہیں شدید تباہی سے بچائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کے لئے بے قرار رہتے اس لئے انہیں انذار پر افسردہ خاطر ہوجاتے۔آپ کو تسلی دی کہ تم ان پر وکیل نہیں۔یعنی ان کا معاملہ تیرے سپرد نہیں کیا گیا۔اللہ تعالیٰ کی غفاریت اور رحیمیت اپنے گنہگار بندوں کی بھی محافظت فرمائے گی اور انہیں عذابِ استیصال سے محفوظ رکھے گی۔

۸۔اسی طرح اپنے نگران ہونے کے ثبوت میں ہم نے قرآن کو عربی جیسی فصیح و بلیغ

لٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ

لیکن وہ داخل کرتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں اور ظالم وہ ہیں کہ نہیں ان کے لیے

مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ

کوئی دوست اور نہ مددگار کیا بنائے ہیں انہوں نے سوائے اس کے دوست

زبان میں جو اُمّ الالسنہ ہے (منن الرحمٰن صفحہ ۶۳)اور ان کی اپنی زبان ہے ، تیری طرف وحی کیا تاکہ تو مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد رہنے والوں کو اس دن سے ڈرائے جب تمام لوگ جمع کئے جائیں گے۔اردگرد سے مراد عرب ممالک اورتمام عالم ہے۔ یہ بھی لطیف اشارہ ہے کہ رسول کا انذار اورتربیت پہلے اپنی قوم کے لئے ہے جو دنیا کے لئے بطور ماں ہوگی اور ان کی روحانی تربیت کرے گی گویا تمام دنیا کی مزکی و معلم ہوگی۔

یوم الجمع سے مراد بیشک قیامت کا دن ہے جس دن تمام مخلوق جمع ہوگی اور یہ فیصلہ کا دن ہوگا۔(۶۴:۱۰)لیکن فیصلہ کا دن کبھی کبھی دنیا میں ہی برپا ہوجاتا ہے جیسا کہ ۳۴:۲۷ میں غزوہ بدر کی پیشگوئی فرمائی اور میدان بدر میں حق و باطل میں کھلا کھلا فیصلہ ہوا۔مکہ مکرمہ کو **امّ القریٰ** کہا(تفصیل ۶:۹۳) کیونکہ یہ شہر اللہ کے نزدیک ساری دنیا کے شہروں اور بستیوں اور ساری زمین سے افضل و اشرف ہے ۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر مکہ سے نکلتے ہوئے مکہ کو مخاطب کرکے فرمایا!اے مکہ تو مجھے سارے جہان سے محبوب ہے لیکن تیرے مکین مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔(مسند احمد عن عدی بن حمراء زہری)

۹۔یوم الجمع کو بیشک ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک واصل جہنم ہوگا۔اگراللہ چاہتا تو ایک ہی امت بنا دیتا اور سارے ہی جنت میں چلے جاتے اورکسی کو بھی جہنم کی سزا نہ ملتی۔ایسا تب ممکن تھا اگراللہ تعالیٰ سب کو جبراً ہدایت دیتا۔ مگر اس پر جزا نہ ہوتی۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔اس کی مشیت نے چاہا کہ بندہ کو صاحبِ اختیار و ارادہ بناکر تمام مخلوق پر فضلیت دے یہاں تک کہ ملائکہ پر بھی۔اس کی رحمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔پس اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ نیکی اور بدی کی راہیں خوب کھول کر بتادیں۔جو صحیح راستہ اختیار کرکے نیک اعمال بجالاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور اس کا بہترین دوست اور مددگار بن جاتا ہے۔ ''جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔''اس میں کسی سے کوئی رعایت نہیں بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے حالات پر اس کی گہری نظر ہے ان کے اعمال کے مطابق سلوک کرتا ہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)ہاں! جنہوں نے سرکشی کی راہ

فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پس اللہ ہی کارساز ہے اور وہی زندہ کریگا مردوں کو اور وہ ہر بات پر خوب

ع ۱۰ ۲ قَدِيْرٌ ﴿۱۰﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ

قدرت رکھنے والا ہے اور وہ بات کہ اختلاف کرو تم جس میں کچھ تو فیصلہ اس کا طرف اللہ کی ہے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۱﴾ فَاطِرُ

یہ ہے اللہ رب میرا اس پر بھروسہ کیا میں نے اور اسی کی طرف میں جھکتا ہوں ۔ پیدا کرنے والا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

آسمانوں اور زمین کا اس نے بنائے ہیں تمہارے لیے خود تم میں سے جوڑے اور

اختیار کی بداعمالی اور ظلم و زیادتی میں حد سے بڑھ گئے وہ اس کی رحمت سے محروم ہوئے ایسے ظالموں کا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

۱۰۔ان ظالموں نے اس کامل قدرت اور تصرف والی ذات کے سوا بھی دوست بنا رکھے ہیں جبکہ اللہ ہی ہے جو بہترین دوست ہے۔ ولایت تو اسی کو سزاوار ہے جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ یہاں روحانی مردے بھی مراد ہیں اور یہ معنی بھی ہیں کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے لاشے محض مادوں میں جان ڈال کر ایک زندہ انسان پیدا کردیا اور آخرت میں بھی مردوں کو زندہ کرے گا پس حقیقی ولایت کا مستحق وہی ہے جسے یہ تمام قدرتیں حاصل ہیں۔

۱۱۔پچھلے رکوع میں بتایا کہ اسلام کا دائرہ تبلیغ تمام دنیا پر محیط ہے اس رکوع کے شروع میں بتایا کہ عالمی مذہب ہی تمام اختلافات کا فیصلہ کرسکتا ہے یہ اختلافات مذہبی ہوں یا دیگر امور کے متعلق ہوں۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے سپرد ہے گویا فیصلہ اسی کی کتاب کے مطابق ہوگا۔ پس قرآن ہی وہ ابدی صداقت اور قانون ہے جس کے تحت تمام فیصلے ہوں گے خواہ مذہبی ہوں، معاشرتی ہوں، تمدنی ہوں یا سیاسی۔ جہاں فرمایا اللہ کا حکم مانو، رسول کا اور اولوالامر کا، تو وہ قرآنی احکام ہی کے تابع ہے اسی طرح اجتہاد کا مدار بھی قرآن و سنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔

بیشک دنیا میں قرآن و سنت کے مطابق فیصلے ہوں گے مگر ان میں کسی حد تک غلطی کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ پس اصل فیصلہ قیامت کو ہوگا۔ شروع سورۃ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا۔ فرمایا! یہ ہے میرا اللہ لازوال قدرتوں کا مالک، جو میرا رب ہے۔ وہ فیصلہ کے وقت میری تائید فرمائے گا۔ تمام امور میں میرا توکل اسی پر ہے۔ وہی مجھے صحیح فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ فیصلہ کے لئے اور دیگر تمام امور کے لئے میں اسی کی طرف رجوع کرتا اور جھکتا ہوں۔

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَ

چارپایوں میں سے جوڑے پھیلاتا ہے تم کو اس میں نہیں مانند اس کی کوئی چیز اور

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے اسی کے لیے کنجیاں ہیں آسمانوں کی اور زمین کی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۳﴾

پھیلاتا ہے رزق جسکے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے یقیناً وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

۱۲۔اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتوں کے بیان میں فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے پیدا کرنے والا ہے۔اب بندوں پر اس خالق و مالک کے بعض انعامات کا ذکر کیا۔ فرمایا تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے سکون حاصل کرسکو۔ اسی طرح تمہارے فائدہ کے لئے چوپایوں کے جوڑے بنائے۔ **یذرؤکم فیه** سے ایک تو یہ مراد ہے کہ ان جوڑوں سے ان کی نسل کو پھیلایا۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے آغاز کا ذکر کیا۔ جب انسان کی افزائش نباتات کی طرح ہوئی۔(سورۃ نوح:۱۸) فرمایا اس جیسا کوئی نہیں یعنی اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔اس کی صفات بشر پر قیاس نہیں کی جاسکتیں(مفردات) وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔لیکن اس کا سننا اور دیکھنا ایسا نہیں جیسا بشر کا اور نہ اس کا پیدا کرنا بشر کی طرح ہے۔بشر مادی وسائل کا محتاج ہے جبکہ اس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر آلہ و مادہ کے پیدا کیا۔گویا پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں'' ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے وہی اپنی ذات میں، اپنے صفات میں، اسماء اور محامد اور افعال میں واحد لاشریک ہے۔ وہ اپنی ذات میں یکتا صفات میں ہمتا اور افعال میں **لیس کمثله شیٔ** '' اور بے نظیر ہے۔(الحکم ۲۶فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

۱۳۔اس فاطر السمٰوٰت والارض نے آسمانوں اور زمین کو محض پیدا ہی نہیں کیا بلکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے بھی اسی کے اختیار و تصرف میں ہیں یعنی تمام کائناتی قوتیں اس کے مقرر کردہ قوانین کے تابع ہیں۔

رزق سے مراد محض اشیائے خوردونوش ہی نہیں بلکہ وہ تمام زمینی و سماوی نعمتیں ہیں جو زمین و آسمان میں پوشیدہ ہیں۔ ان کا بہت تھوڑا حصہ انسانی تصرف میں آتا ہے باقی تمام کائنات کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں میں دبا پڑا ہے۔ان خزانوں کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جنہیں ان خزانوں کی خواہش ہے انہیں کنجی تلاش کرنی چاہیئے۔یہ کنجیاں وہ قوانین قدرت ہیں جن کا علم ہونے پر سماوی و ارضی خزانوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اس نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے دین میں سے وہی کہ وصیت کی جس کی نوح کو اور وہی جو وحی کیا ہم نے
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ
طرف تیری اور وہی کہ وصیت کی ہم نے جس کی ابراہیم کو اور موسیٰ اور عیسیٰ کو یہ کہ
اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ
قائم کرو دین اور نہ تفرقہ ڈالو اس میں گراں گذرا ہے مشرکوں پر
مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ
یہ کہ تو بلاتا ہے انہیں طرف جس کی اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے اور
يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا
ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو رجوع کرتا ہے اور نہیں تفرقہ کیا انہوں نے مگر بعد اس کے کہ

یہاں سائنسدانوں کو کھلا چیلنج ہے۔ ان خزانوں کو حاصل کرنے کے لئے مسلم یا کافر کی شرط نہیں، جو کوشش کرے گا پالے گا اور کائناتی قوتوں پر غلبہ (Control) حاصل کرے گا۔ جن اقوام نے اپنی خداداد دماغی صلاحیتوں اور سخت محنت و جانفشانی سے چند ایک چابیوں کو حاصل کرلیا وہ کسی قدر کائناتی راز کھولنے میں کامیاب ہوگئیں۔ ان کی ساری تگ و دو کی اصل غرض دولت بنانے اور اپنا تسلط بڑھانے تک محدود تھی نہ کہ بنی نوعِ انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ آفاقی قوتوں کے راز جاننے والے اور ان کو تسخیر کرنے والے اس علم سے خداتعالیٰ کی وحدانیت ثابت کردیں جیسا کہ اس صدی کے عظیم علم طبیعات کے ماہر (Physicist) نوبل پرائز حاصل کرنے والے ڈاکٹر عبدالسلام کے بیانات سے ظاہر ہے۔

کسی الہامی کتاب نے ان کائناتی رازوں سے پردہ نہیں اٹھایا۔ یہ قرآن حکیم ہے جو باربار انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرواتا ہے (۳۔۱۹۲) اور انہیں دیگر علوم کے علاوہ تحقیق و جستجو یعنی سائنس کے علوم حاصل کرنے کی ترغیب وتحریص دیتا ہے۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں فرمایا کہ جس طرح ہم نے ظاہری اور مادی نعمتوں سے متمتع کیا اسی طرح باطنی اور روحانی نعمتیں عطا فرمائیں جن میں اوّل نبوت کا عطا ہونا ہے۔

سیدالانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ حضرت نوحؑ سے لے کر آپ ﷺ تک جتنے عظیم المرتبت صاحبِ کتاب انبیاء مبعوث ہوئے سب کے لئے ہم نے دین کی ایک ہی راہ مقرر کی۔ گویا اصل الاصول تمام ادیان میں مشترک تھا سوائے اس کے کہ بعض مصلحتوں اور وقتی ضرورتوں کے تحت بعض فروعی تبدیلیاں کی گئیں۔ **اقیموا الدین** یعنی تم دین کو مضبوطی

جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
آیا ان کے پاس علم سرکشی کی وجہ سے آپس میں اور اگر نہ ایک بات گذر چکی ہوتی
مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
طرف سے تیرے رب کی تا میعاد مقررہ تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا درمیان ان کے اور یقیناً وہ لوگ جو
اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۵
وارث بنائے گئے کتاب کے بعد ان کے البتہ شک میں ہیں اس سے ہلاک کرنیوالے
فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ
تو اسی لیے پس پکار (ان کو) اور ٹھیک قائم رہ جیساکہ حکم دیاگیا ہے تجھے اور نہ پیروی کر

سے قائم کرو۔ دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کامل فرمانبرداری ہے یعنی اللہ کو ایک مانیں اور اس کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کریں۔ مشرکوں کے لئے شرک کو چھوڑ کر اللہ کو ایک ماننا بہت بھاری تھا۔ یہی حالت ہر قوم کی ہے کہ شرک کو چھوڑنا ان پر بہت گراں گزرتا ہے نیز دین میں اختلاف اور تفرقہ سے منع فرمایا کیونکہ یہی وہ امر ہے جسے تمام ادیان میں منع کیا گیا ہے اور جو قوموں کے زوال کا باعث ہے۔

وحی ہر نبی پر نازل ہوتی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی صورت کامل وحی سے نوازا اس لئے آپ ﷺ کے لئے خاص طور پر وحی کا لفظ آیا جبکہ باقی انبیاء علیہم السلام کے لئے وصیت یعنی تاکیدی حکم کا لفظ ہے۔

ان کا یہ اعتراض کہ منصبِ نبوت کے لئے عبدالمطلب کے یتیم پوتے کو کیوں منتخب کیا۔ ہمارے جیسے سرداروں پر اللہ کی نظر کرم کیوں نہیں پڑی۔ فرمایا جسے اللہ چاہتا ہے اپنے لئے چن لیتا ہے۔ اس میں کسی کی رعایت نہیں۔ علم الٰہی میں وہی اس منصبِ جلیلہ کے لائق ہوتا ہے۔ وہ اس کو راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف جھکتا ہے۔ تمہاری اکڑی ہوئی گردنیں جو زندگی میں اپنے خالق و مالک کے سامنے نہیں جھکیں وہ میدانِ بدر میں جھکیں ہی نہیں بلکہ خاک و خون میں غلطاں ہوئیں اور ذلیل و رسوا ہوئیں۔

۱۵۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو **اقیموا الدین ولا تتفرقوا** کا حکم ہی دے کر بھیجا گیا تھا اور وہ وحی الٰہی کی روشنی میں اختلافات مٹا کر کامیاب و کامران اپنے ربّ کے حضور حاضر ہوگئے مگر اس علم کے آجانے کے بعد ان کے پیرو باہمی سرکشی اور بغض و حسد کی وجہ سے تفرقہ پیدا کرلیتے ہیں اس لئے کہ وہ دوسرے کو اونچا نہیں دیکھنا چاہتے اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اگر اللہ کی یہ تقدیر جاری نہ ہوتی کہ اختلافِ عقائد کا فیصلہ آخرت کو ہوگا تو دنیا میں ہی فیصلہ کردیا جاتا

اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ

ان کی خواہشات کی اور تو کہدے ایمان لایا ہیں اس پر جو اتاری اللہ نے کتاب اور

اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا

ہیں حکم دیا گیا ہوں کہ عدل کروں درمیان تمہارے اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا ہمارے لیے اعمال ہیں ہمارے

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ

اور تمہارے لیے اعمال ہیں تمہارے نہیں جھگڑا درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے اللہ جمع کرے گا

بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ

آپس میں ہمیں اور طرف اسی کی لوٹنا ہے اور وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں بارہ میں اللہ کے

اور سب کی صف لپیٹ دی جاتی۔انبیاء کے وہ پیرو جنہیں انبیاء کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا تھا یعنی کتاب پرعمل کرنا اور کروانا جن کے ذمہ تھا، مرورِ زمانہ سے وہ خود شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے اور انہیں اپنی کتاب پر مضبوط ایمان نہ رہا۔یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔اگلی آیت میں انہیں پھر اصل کی طرف لوٹانے کے لئے کتاب کی طرف بلایا۔

مــاتــفـرقـوا کی ضمیر حضرت ابن عباسؓ نے قریش مکہ کی طرف راجع فرمائی ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی طرف سے حقیقی علم یعنی قرآنِ عظیم آجانے کے بعد بھی انہوں نے تفرقہ کیا۔اس کی وجہ ان کا باہمی بغض و عناد تھا۔اگراختلافِ عقائد کا فیصلہ قیامت تک موخر کرنے کی بات گزر نہ چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ چکادیا جاتا اور عذاب نازل کردیا جاتا۔ پہلے لوگوں کے بعد جن کو کتاب دی گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر تھے جو اس واضح صداقت کے بارہ میں شک میں پڑے رہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ اس کتاب کے اصل وارث تو وہ تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس کے احکام پرعمل کرنے اور کروانے کے لئے وقف رکھیں لیکن ان کے بعد ایسے وارث آئے جو اس کتاب کے بارہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کسی ایک حکم کو منسوخ قرار دیتے ہیں کبھی کسی دوسری آیت کو۔حالانکہ یہ وہ الٰہی صحیفہ ہے جس کا ایک شوشہ بھی بدل نہیں سکتا۔تاآنکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے اور آپ نے اعلان فرمایا کہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہوسکتی۔قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔اس طرح ناسخ ومنسوخ کے مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا۔

۱۶۔حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے اور ہر جملہ خاص احکام پر مشتمل ہے۔اس کی نظیر پورے قرآن میں آیت الکرسی کے سوا کہیں نہیں۔جس میں اللہ تعالیٰ

کی دس صفات بیان کی گئی ہیں اور دس احکام مضمر ہیں۔پہلا حکم **فلذٰلک فادع** ۔پس اسی بنا پر کہ انہیں وحی الٰہی پر یقین نہیں اور آپ ﷺ کی دعوتِ توحید ان پر بھاری ہے۔آپ اپنی دعوت کو جاری رکھیں اور انہیں راہِ حق کی طرف بلاتے رہیں جو تمام ادیان میں اصل الاصول اور مشترک ہے۔دوسرا حکم **واستقم کمآامرت** ۔جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے، اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں ۔یعنی دوسروں کو دعوتِ حق دینے کے ساتھ تمام احکام الٰہی پر خود سختی سے کاربند ہوجائیں ۔تیسرا حکم **ولاتتبع اھوآءھم** ۔یعنی ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔جیسا کہ مشرکین نے بہت دفعہ عقائد پر سمجھوتہ کرنے کی پیش کش کی لیکن آپ ﷺ کسی ایسی مصالحت پر کبھی تیار نہیں ہوئے۔چوتھا حکم **قل اٰمنت بمآ انزل اللّٰہ من کتٰب** ۔یعنی آپ ﷺ اعلان کردیں کہ اللہ نے کتاب سے جو مجھ پر اتارا ہے، میں اس پر ایمان لاتاہوں کتاب سے اس لئے کہا کیونکہ ابھی پوری کتاب نازل نہیں ہوئی تھی پانچواں حکم **امرت لاعدل بینکم** مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل سے فیصلہ کروں۔گویا اختلافِ عقائد کے باوجود مجھے انصاف ہی کا حکم ہے۔اگر میرے انصاف کی زد میں میرا کوئی عزیز، دوست، رشتہ داریا کوئی معزز ترین شخص بھی آئے تو میں انصاف کا دامن نہ چھوڑوں ۔چھٹا حکم **اللّٰہ ربناوربکم** یعنی اللہ ہمارا ہی نہیں تمہارا بھی پروردگار ہے۔جس طرح اس باری تعالیٰ کے ہم پراحسانات ہیں تم پر بھی ہیں۔جس طرح ہم پر اس کی اطاعت فرض ہے تم پر بھی ہے۔ساتواں حکم **لنآاعمالناولکم اعمالکم**۔یعنی ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے ۔کسی سے کوئی تخصیص نہیں کی جائے گی۔بعض مفسرین نے اس حکم کو منسوخ قرار دیا ہے اناللہ و انا علیہ راجعون ۔وجہ یہ بتائی کہ مدینہ میں احکام جہاد کی آیات نے اس حکم کو منسوخ کردیا ۔بقول ان کے جہاد کا حاصل ہی یہ ہے کہ جو نصیحت قبول نہ کریں ، ان سے قتال کرو، نہ کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ایسے ہی مفسرین حضرات نے اسلام کو دنیا میں بدنام کیا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ۔جبکہ اسلام **لااکرہ فی الدین** (۲:۲۵۷) کا اعلان کرتا ہے۔آٹھواں حکم **لاحجۃ بیننا و بینکم** کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں یعنی حق خوب واضح ہونے کے بعد اب کسی مزید بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں۔نواں حکم **اللّٰہ یجمع بیننا** ۔اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔بیشک ایسا قیامت کے روز ہوگا۔مگر کبھی دنیا میں بھی یوم الجمع کا نظارہ دکھا دیتا ہے جب انصاف سے فیصلہ کردیا جاتا ہے جیسا کہ یوم بدر میں ہوا۔دسواں حکم **والیہ المصیر** ہے کہ بالآخر ہم سب کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے تو پھر یہ باغیانہ رویہ اور سرکشی کب تک۔

مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ

بعد اس کے کہ قبول کیا گیا اُسے دلیل ان کی باطل ہے نزدیک

رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَللّٰهُ

ان کے رب کے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے عذاب ہے سخت اللہ

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ

وہ ہے جس نے اتاری کتاب ساتھ حق کے اور میزان اور کون آگاہ کرے تجھے کہ

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۸﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

شاید قیامت قریب ہو جلدی کرتے ہیں اس کی وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے

۱۷۔منکرینِ حق کے بحث مباحثوں اور جھگڑوں کا ذکر جاری تھا۔یہاں دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں جو اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہیں اور یہ بھی کہ جو اللہ کے دین کے بارہ میں جھگڑتے ہیں ۔ فرمایا۔ اب یہ بحث قطعاً لایعنی ہے کیونکہ دین حق کے خلاف تمہاری ساری تگ و دو کے باوجود لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس آواز پر لبیک کہہ چکی ہے اورلوگ علیٰ وجہ البصیرت اسے قبول کر چکے ہیں۔ اب اس معاملہ میں جھگڑنے کا موقع نہیں رہا۔ ان کا جھگڑا ان کے ربّ کے نزدیک سراسر باطل ہے اس میں کوئی وزن نہیں۔ انکا شرک پراصرار اور خدائے واحد سے انکار محض ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے ورنہ حقیقت ان پر کھل چکی ہے۔یہ خدا کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں جو دنیامیں ان کے شامل حال ہوگا اورآخرت میں ان کے لئے شدید عذاب مقدر ہے۔

۱۸۔میزان کے معنی بہت وسیع ہیں۔ساری کائنات پر اس کا اطلاق ہورہاہے۔عام معنی ترازو ،توازن اورعدل کے ہیں مجاہدؒ نے فرمایا اس سے مراد سب کے حقوق کی پوری ادائیگی اور انصاف ہے۔ ساعۃ سے مراد قیامت بھی ہے اور غلبہ اسلام بھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کا یہ ترجمہ فرمایا'' خدا وہ ہے جس نے کتاب یعنی قرآن شریف کوحق اور میزان کے ساتھ اتارا یعنی وہ ایسی کتاب ہے جوحق وباطل کے پرکھنے کے لئے بطور میزان ہے۔'' (جنگ مقدس صفحہ۴) پس قرآن ہی وہ میزان ہے جس سے حق و باطل کو پرکھا جاسکتا ہے ۔ اس میں منکرین حق کے تمام جھگڑوں کا حل پیش کردیا کہ یہی حَکم ہے جوصحیح فیصلہ کرے گا۔ حق اور میزان کتاب سے الگ نہیں۔ کتاب ہی کی صفات ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرمایا! مذہبی امور کے لئے الکتٰب اتاری۔ اس کی صحت کو پرکھنے کے لئے اللہ نے ایک اندرونی نظامِ عدل نازل فرمایا اگر یہ نہ ہوتا تو قرآن کا حق ہونا نہ پرکھا جاتا۔ یہاں دنیوی اوراخروی عذاب سے بچنے کا طریق بتادیا جو اس کتاب کامل پرعمل،

بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا

اس پر اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ڈرنے والے ہیں اس سے اور وہ جانتے ہیں کہ وہ

الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ

حق ہے آگاہ ہوجاؤ کہ وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں بارہ میں قیامت کے البتہ گمراہی

بَعِيْدٍ ﴿۱۹﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ

دور کی میں ہیں اللہ مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتاہے جسے چاہتا ہے اور وہ

ع ۲ ۱۰ ۳ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۲۰﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ

قوی (اور) عزت والاہے جوشخص ہے چاہتا کھیتی آخرت کی ہم زیادتی کرینگے

جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری ادائیگی اور انصاف پر قائم ہونا ہے۔

جب بھی **مایدریک** آیاانسان کی عاجزی کا اظہار ہے کہ انسانی سمجھ ان چیزوں کا صحیح ادراک نہیں کرسکتی۔توحید ورسالت کے بیان میں قیامت کاذکر فرمایا کیونکہ ایمان کی اصل توحید ورسالت اوربعث بعد الموت ہے۔

۱۹۔**یمارون ۔ ممارۃ**۔ اس بات میں جھگڑنا جس میں شک ہو۔

اگر ساعت سے مراد قیامت لی جائے تو منکرین قیامت بطور تمسخر اس کے لئے جلدی مچاتے ہیں ۔ مومن اس موعود گھڑی کے ہول سے آگاہ ہوتے ہیں اس لئے ڈرتے ہیں نیز اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے بھی خائف رہتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ اس کا آنا یقینی ہے۔اگر ساعت سے مراد غلبہ اسلام لیاجائے تو کفار کو چونکہ اس پر یقین نہیں ہوتااس لئے وہ طنزاً اسے جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ مومن اس سے خائف رہتے ہیں کہ کہیں ہماری کوتاہیوں سے اللہ تعالیٰ اسے مؤخر نہ کردے حالانکہ انہیں یقین ہوتاہے کہ یہ حق ہے اور ہو کر رہنا ہے۔ فرمایا جنہیں اس گھڑی کے بارہ میں شک ہے وہ راہِ راست سے دور بھٹک گئے ہیں۔گویاان کی واپسی مشکل ہے۔

۲۰۔**لطیف**۔مہربان۔ باریک بین۔ نہایت نازک بھید جاننے والا۔

ساعت کی ہولنا کیوں کا ذکرتھا۔ اگر چہ وہ گھڑی بہت سخت ہوگی لیکن اللہ کی ذات لطیف ہے وہ اپنے بندوں سے نرمی کاسلوک کرے گا اوران کی بہت سی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا رحیم ولطیف ربّ نے اپنی تمام مخلوق کو میرے بندے کہہ کر مخاطب فرمایا اور بتایا کہ میری شفقت ومحبت کادائرہ تمام مخلوق پرمحیط ہے۔ دنیا میں رزق کی تقسیم بھی اللہ تعالیٰ کی اسی صفت کے تابع ہے اور گہری حکمت سے تعلق رکھتی ہے ۔اس میں کسی مومن و کافر کی تخصیص نہیں۔اس کی عنایات اور لطف وکرم سے کوئی بھی محروم نہیں۔ تاہم اہل ثروت اس تکبر میں مبتلا نہ ہوں کہ انہیں یہ سب محض ان

لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ

اس کے لیے کھیتی میں اس کی اور جو شخص ہے چاہتا کھیتی دنیا کی ہم دیں گے اسے

مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۱﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا

اس میں سے اور نہیں اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ کیا ان کے لیے شریک ہیں

شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا

مقرر کیا ہے انہوں نے ان کیلئے دین میں سے وہ کہ نہیں اجازت دی جس کی اللہ نے اور اگر نہ

کے اپنے علم، قوت یا کسی اور خاص صلاحیت کی وجہ سے ملا ہے۔ وہ قوی العزیز ہے۔ ناشکری اور تکبر کی صورت میں وہ اپنی نعمتوں کو واپس لینے پر بھی قادر ہے۔

۲۱۔تیسرے اور چوتھے رکوع میں مومنوں کو کامیابی کی بشارت دی اور مشورہ کا حکم دیا کہ حکومت اور خلافت کے معاملات درپیش ہوں یا دیگر اہم امور ہوں، وہ باہم مشورہ سے فیصلہ کریں۔ اس آیت میں انسان کے اعمال کو کھیتی سے تشبیہ دی اور بتایا کہ مومن اور کافر دونوں ہی دنیا میں اپنے اعمال کی کھیتیاں تیار کرتے ہیں۔ مومن اپنی کھیتی کو اعمال صالحہ کے پانی سے سینچتا ہے۔ اس کی ساری سعی وکوشش نیک اعمال بجالانے اور اپنے ربّ کو راضی کرنے کے لئے ہوتی ہے جو اس کا مقصود حیات تھا۔ سووہ اپنی کھیتی آخرت میں کاٹتا ہے گویا اس کا نفع اسے آخرت میں ملے گا اور بہت بڑھاچڑھا کردیا جائے گا۔ یہ مراد نہیں کہ وہ دنیا میں تہی دست رہ جاتا ہے۔ ربّ رحیم کے لطفِ عام کا تقاضا ہے کہ دنیا میں بھی اپنے بندوں کا متکفل ہو لیکن اس کی اصل جزا آخرت کو ملے گی۔

چونکہ کافر کی نگاہ دنیوی زندگی کے مفادات تک ہی محدود ہے اور اس کا مقصود محض دنیا حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اس کے اعمال کو ایسی کھیتی سے تشبیہ دی جسے وہ دنیا ہی میں کاٹنا اور اس کے ثمرات سے متمتع ہونا چاہتا ہے۔ پس ہر صحیح اور غلط طریق سے سامانِ زیست حاصل کرنا اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا ہی اس کا مقصودِ حیات ہوتا ہے جسے حاصل کرنے میں وہ کسی حدتک کامیاب ہوجاتا ہے۔ کسی حدتک اس لئے کہا کہ خواہ وہ کیسی ہی محنت وکوشش کرے جس قدر اس کی خواہشات ہیں اور جس حد تک وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا ایک حصہ ہی حاصل کرسکتا ہے۔ گویا اس کی ساری تمنائیں کبھی بھی پوری نہیں ہوں گی۔ آخرت کے لئے اس نے سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ اس لئے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

۲۲۔پچھلی آیت میں دنیوی مفاد حاصل کرنے والوں کی سرگرمیوں کا ذکر تھا جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں یہاں بتایا کہ ان کے حامی بعض دین کے علمبرداروں نے ان کے دنیوی مفاد کی خاطر بعض ایسے دینی احکام جاری کئے جن کی اجازت اللہ نے ہرگز نہیں دی تھی۔ گویا یہ

كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

ہوتی بات فیصلہ کی ضرور فیصلہ کردیا جاتا درمیان انکے اور یقیناً ظالم ایسے ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے

اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ

دردناک تو دیکھے گا ظالموں کو ڈرتے ہوئے اس سے جو کمایا انہوں نے حالانکہ وہ پڑنے والا ہے

بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ

ان پر اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک باغوں میں

الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

بہشت کے ہونگے ان کیلئے وہ ہے جو چاہیں گے پاس اپنے رب کے یہ ہی فضل ہے

الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بڑا یہ وہ ہے جس کی بشارت دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو ان کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ

اور عمل کئے نیک تو کہدے نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر سوائے محبت کے

فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ

رشتہ داری کی اور جو کمائے گا نیکی زیادہ دینگے ہم اسکے لیے اس میں نیکی

صاحبِ ثروت دنیوی لیڈر بعض نام نہاد علماء و مشائخ کو بھی اپنی دولت کے بل بوتے پر خرید لیتے ہیں اور اپنی مرضی کے احکام اور فتاویٰ جاری کرواتے ہیں۔ فرمایا ان کے جرائم تو ایسے سنگین ہیں کہ فوری سزا کے مقتضی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جاری کردہ فرمان کے تحت مہلت دیتا ہے اور جب تک حجت تمام نہیں ہوجاتی کسی قوم کو تباہ نہیں کرتا۔ ایسے ظالم بیشک دنیوی عذاب سے بچ جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کے لئے یقیناً دردناک عذاب ہے۔

۲۳۔یہ ظالم قیامت کو اس عذاب کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے جو ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان پر نازل ہوگا۔ وہ عذاب تو ایسا ہے کہ ان پر آ کر رہے گا اور وہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔

ان کے مقابلہ میں اللہ کے پاکباز بندوں کو جنتوں کے باغات کی بشارت دی۔ قرآن کریم میں جنت کے لئے ہمیشہ جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ گویا جنات بہت وسیع ہیں جن کے مختلف طبقات اور درجات ہیں جو ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق عطا ہوں گے گویا بہشت میں مراتب کے فرق کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا اور ہر ایک کی چاہت کا بھی خیال رکھا جائے گا اور انہیں اپنے ربّ کے حضور وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے یہ معنی بھی ہیں کہ جو وہ چاہا کرتے تھے۔ یہی ہے وہ جو فضلِ کبیر ہے۔

۲۴۔**یقترف۔ القرف** کے اصل معنی درخت سے چھال اتارنے کے ہیں۔ کمانے

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ﴿۲۴﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ
یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا ہے اللہ پر

کَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰہُ
جھوٹ پس اگر چاہے اللہ مہر کردے دل پر تیرے اور مٹا دے اللہ

الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ
باطل کو اور ثابت کرے حق کو ساتھ اپنی باتوں کے یقیناً وہ خوب جاننے والا ہے

الصُّدُوْرِ ﴿۲۵﴾ وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَعْفُوْا
سینوں والی بات کو اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور درگذر کرتا ہے

کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یہ جنتیں وہی ہیں جن کی اللہ اپنے ان بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے۔قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باربار یہ اعلان فرمایا کہ میں نے جو تبلیغ و ہدایت کا کٹھن کام اپنے ذمہ لیا ہے اس پر میں کوئی اجر نہیں چاہتا۔ہاں **المودۃ فی القربیٰ** چاہتا ہوں۔یعنی قرباء کی سی محبت۔ پس جس طرح بے اختیار اپنے قریبیوں سے محبت اور حسن سلوک کرتے ہو اور اجر کے طالب نہیں ہوتے اسی طرح بنی نوع انسان سے محبت اور حسن سلوک کرو اور کسی بدلے کی تمنا نہ کرو۔فرمایا جس طرح چھال یا غلاف اتارنے پر اندر سے خوبصورت چیز نکل آتی ہے اسی طرح جو کسی چھپی ہوئی یا معدوم نیکی کو اجاگر کرتا ہے ہم اس میں اس کے لئے مزید حسن پیدا کردیتے ہیں۔یعنی اس کی نیکی کو اس کے لئے زیادہ حسین بنا دیتے ہیں۔

اللہ غفورٌ شکورٌ ہے یعنی تمہاری کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے گا اور تمہارے نیک اعمال کی قدر دانی فرمائے گا اور زیادہ اجر سے نوازے گا۔شکور کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ شکر قبول کرنے والا ہے۔پس چاہئے کہ اس کے بندے ہر نیکی پر اس کا شکر ادا کریں۔

۲۵۔کفار آپ ﷺ پر الزام لگاتے کہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے یعنی اپنی طرف سے وحی بنا کر خدا کی طرف منسوب کردیتا ہے۔ اس اتہام کا جواب دیا کہ اگر اللہ چاہتا تو تیرے دل پر مہر لگا دیتا۔ جس کے دل پر مہر لگ جائے اس کا اللہ سے تعلق کٹ جاتا ہے اور وہ نیکیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔جبکہ آپ ﷺ کا دل تو انوارِ الٰہیہ کا مہبط تھا اور آپ ﷺ مکارمِ اخلاق پر قائم تھے۔ سچے مدعیٔ نبوت کی یہی پہچان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت و نصرت اس کے شاملِ حال ہوتی ہے اسے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ ترقی کرتا ہے۔اس کی امت ہزارہا برس گزر جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ
انکی بدیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور قبول کرتا ہے (دُعائیں) ان لوگوں کی

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ وَالْکٰفِرُوْنَ
جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک اور بڑھاتا ہے انہیں اپنے فضل سے اور کافر ایسے ہیں کہ

لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۲۷﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ
ان کے لیے عذاب ہے سخت اور اگر کشادہ کرتا ہے اللہ رزق اپنے بندوں کے لیے

عادت اللہ یہی ہے کہ اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے یعنی کسی جھوٹے مدعی نبوت کو پنپنے نہیں دیتا۔ اس لئے کہ اس کی تعلیم روحانیت سے یکسر خالی ہوتی ہے وہ اپنی مخلوق کو گمراہ کرنے کے لئے اسے مہلت نہیں دیتا اور اسے شہ رگ سے پکڑ لیتا ہے ، اس کا اور اس کی جماعت کا نام ونشان مٹا دیتا ہے۔ تاریخ اس پر گواہ ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مہر لگانے کے یہ معنی کئے ہیں کہ ''اگر خدا چاہے تو اس کا (وحی کا) اترنا بند کردے۔ پر وہ بند نہیں کرتا کیونکہ اس کی عادت اسی پر جاری ہے کہ وہ احقاقِ حق اور ابطال باطل اپنے کلمات سے کرتا ہے اور یہ منصب اسی کو پہنچتا ہے کیونکہ امراض روحانی پر اسی کو اطلاع ہے اور ازالہ مرض اور استردادِ صحت پر وہی قادر ہے۔'' (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۳) پس وہ قرآن پاک سے باطل کا باطل ہونا اور حق کا برحق ہونا ثابت کرتا ہے۔

وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ۔ آپ ﷺ کے خلاف ان کے منصوبوں کو خوب جانتا ہے اور ان کو مٹانے پر قادر ہے۔

۲۶۔۲۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹے الزام لگانے کا ذکر تھا۔ معاً بعد توبہ کی ترغیب دی اور خطا کاروں کو اپنے بندے کہہ کر مخاطب فرمایا اور بتایا کہ تمہارا ربّ تو ایسا رحیم ہے کہ مومن و کافر سب کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ توبہ سے تمام گزشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں ۔جیسا کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی '' اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔'' عرض کیا گیا یارسول اللہ !توبہ کی علامت کیا ہے ؟ فرمایا! ''ندامت''(الدرالمنثور صفحہ ۱/۲۶۱۔قشیر **یہ** باب التوبہ صفحہ۴۹) توبہ کرنے والوں کے نہ صرف گناہ معاف کردیتا ہے بلکہ اعمال صالحہ بجالانے والے مومنوں کی دعاؤں کو مستجاب بنادیتا ہے اور اپنے فضل سے انہیں ان کے اعمال سے بہت زیادہ اجر سے نوازتا ہے یا یہ کہ جتنا وہ مانگتے ہیں اپنے فضل سے اس سے بہت بڑھ کر عطا کرتا ہے ۔جو کفر پر مصر رہے اور توبہ کر کے ان انعامات کے وارث نہ ہوئے ان کے لئے سخت عذاب مقدر ہے۔

لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ
ضرور وہ سرکشی کرتے زمین میں ولیکن وہ اُتارتا ہے اندازہ سے جو چاہتا ہے یقیناً وہ ہے بندوں سے

خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
خوب خبردار خوب دیکھنے والا اور وہی ہے جو اُتارتا ہے بارش بعد اس کے کہ وہ

قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۹ وَمِنْ
مایوس ہوجاتے ہیں اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہ کارساز خوبیوں والا ہے اور

توبہ سے مراد توبۃ النصوح ہے یعنی ہر برائی سے ہمیشہ کے لئے سچی توبہ کرے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا مصمم ارادہ کرے اور ہمیشہ اس پر قائم رہے۔ اگر توبہ سے پہلے کسی سے زیادتی کی ہے یا کسی کی حق تلفی کی ہے تو معافی مانگے اور حتی الوسع اس کا تدارک کرے اور اس کے حقوق ادا کرے۔ وہ شخص نہ ملے تو اس کے ورثاء کو لوٹائے ۔ اِن کا بھی پتہ نہ چلے تو اس کی طرف سے صدقہ کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے توبہ کے لئے فرمایا کہ توبہ کے بعد وہ صحبت، وہ مقام، اگر ضرورت سمجھے تو وہ شہر چھوڑ دے ۔ (حقائق الفرقان جلد دوم)

۲۸۔**رزق** میں ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں۔ پس دنیا میں رزق کی تقسیم اس خالق و مالک کی خاص حکمت کے تحت ہے۔ بیشک اس کا اپنے صالح بندوں سے قبولیت دعا کا وعدہ ہے لیکن مصلحتِ الٰہی سے ہر مومن کی ہر دعا قبول نہیں ہوتی۔ علم الٰہی میں اس کے لئے کیا مفید ہے اور کیا مضر وہ **خبیرٌ بصیرٌ** خوب جانتا ہے۔ صالح بندے تو تمام بنی نوع انسان کی بھلائی چاہتے ہیں اور سب کے لئے فراخیٔ رزق کی دعا مانگتے ہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ اگر وہ رازقِ حقیقی اپنے صالح بندوں کی ساری دعائیں قبول کرلیتا اور سب بندوں کے لئے رزق میں کشادگی کردیتا اور سبھی امیر و کبیر بن جاتے تو وہ زمین میں ضرور سرکشی اختیار کرتے اور ایک طوفان برپا ہوجاتا۔ کیونکہ جب بھی کسی قوم کو فراخیٔ رزق اور آسائشیں عطا ہوئیں وہ عطا کرنے والے کو بھول کر سرکشی اور تکبر میں مبتلا ہوگئی۔ پس وہ ایک اندازہ کے مطابق اپنی خاص حکمت و مصلحت سے جس کے لئے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے گویا رزق کی تقسیم میں بعض کو زیادہ اور بعض کو کم دینے میں دونوں طبقوں کا امتحان مقصود ہے۔ اسے اپنے بندوں کے ہر حال کی خبر ہے اور ان پر گہری نظر رکھتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں اگر خدا کو علیم و خبیر جانتے تو بدی سے بچ جاتے۔ (حیات نور صفحہ ۵۱۸)

۲۹۔رزق کی تنگی و کشادگی کا ذکر تھا فرمایا وہ اپنے محروم بندوں سے کبھی بھی بے خبر نہیں۔ وہ تو ایسا رحیم ہے کہ جب اس کے بندے خشک سالی وغیرہ سے بالکل ہی مایوس ہوجاتے ہیں تو بارش برسا کر چاروں طرف اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے یعنی بارانِ رحمت سے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے اور نباتات وثمرات کی فراوانی ہوجاتی ہے ۔ جس ربّ رحیم نے ظاہری حیات کے لئے تمام

اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ
نشانوں میں سے اسکے پیدائش ہے آسمانوں اور زمین کی اور وہ جو اس نے پھیلائے ان دونوں میں جاندار

وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝۳۰ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ ع ۳ ۱۰ ۴
اور وہ جمع کرنے پر ان کے جب وہ چاہے بہت قدرت رکھنے والا ہے اور جو پہنچتی ہے تم کو کوئی

ضروریات مہیا فرمائیں وہ روحانی ضروریات سے کیسے غافل رہ سکتا تھا۔ چنانچہ جب زمین روحانی طور پر خشک اور بے ثمر ہوجاتی ہے تو روحانی آسمانی پانی سے ہی سیراب کرتا ہے اور اپنے ایسے بندوں کو کھڑا کردیتا ہے جو آسمانی پانی سے زمین پر رحمت پھیلاتے اور پیاسی مخلوق کو وصل الٰہی کے جام شیریں سے سیراب کرتے ہیں۔

ولی سے مراد ایسا دوست اور کارساز ہے جو تمام ضروریات کا متکفل ہو۔ پس وہی سب تعریفوں کا مالک ہے۔

۳۰۔**دآبّۃ**۔ چلنے پھرنے والا ہے۔ ہر ذی حیات ۔ اکثر جانور کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن کریم کی ۴۶:۳۵ کی تفسیر میں حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا ہے کہ یہاں دآبّۃ سے خاص کر انسان مراد ہیں۔ مگر اولیٰ یہ ہے کہ ہر ذی حیات چیز مراد لی جائے۔ (مفردات)

اس ربّ جلیل کی رحمت کی وسعت زمین پر ہی نہیں آسمانوں پر بھی محیط ہے۔ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اس خالقِ کائنات کا عظیم شاہکار ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی قدرت کا ایک ایسا حیران کن انکشاف فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ یہاں حتمی طور پر بتایا کہ زمین کی طرح آسمانوں میں بھی چلنے پھرنے والی مخلوق موجود ہے۔ یہ زمینی مخلوق اور آسمانوں پر بسنے والی مخلوق ایک دن ضرور جمع کردی جائے گی۔ انہیں انسان نہ کہنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ وہ انسانوں سے ملتے ہوں لیکن انسانوں جیسے نہ ہوں۔ آج سائنسدانوں کو یقین ہوگیا ہے کہ اجرامِ فلکی میں بھی کوئی مخلوق ضرور ہے اور وہ ان سے رابطہ کے لئے کوشاں ہیں لیکن ان کا اکٹھا ہونا بظاہر ناممکن ہے ۔ سوائے اس کے کہ ان کا مواصلاتی رابطہ ہوجائے۔ اس لئے کہ کائنات کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے جو ایک سال میں ساٹھ کھرب میل کا فاصلہ طے کر لیتی ہے دور کے ستارے جو جدید ترین دور بینوں سے دیکھے گئے ہیں وہاں سے روشنی ہم تک پہنچنے کے لئے چھ ارب سال کا عرصہ لیتی ہے۔ تفصیل کے لئے (سورۃ الروم:۲۷) سائنسدان قطعیت سے نہیں کہتے کہ ان کے ملنے کا کوئی امکان ہے لیکن قرآن حکیم قطعیت سے دعویٰ کرتا ہے کہ جب

مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ
مصیبت تو بسبب اسکے ہے جو کمایا ہاتھوں نے تمہارے اور وہ درگذر کرتا ہے بہت (گناہوں) سے اور

مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
نہیں تم ہرگز عاجز کرنیوالے زمین میں اور نہیں تمہارے لیے سوائے اللہ کے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ
کوئی دوست اور نہ مددگار اور نشانات میں سے اسکے ہیں کشتیاں سمندر میں

علام الغیوب ربّ چاہے گا تو یہ ارضی و سماوی کرّوں کی مخلوقات اکٹھی ہوجائے گی۔ ہوسکتا ہے ان کی تیکنیکی صلاحیت زیادہ ترقی یافتہ ہواور رابطے کی کوئی صورت پیدا ہوجائے ۔ وہ قادر ہے وہ جانتاہے کہ کیاصورت حال ہوگی مگر ایسا ہوگا ضرور۔

۳۱۔قرآن کریم میں اس طرح کی آیات اکثر کفار و مشرکین کے لئے آئی ہیں۔ زمین و آسمان کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرتوں کا بیان تھا جن کے بارہ میں تحقیق کا کام اس دور کے محققین حیرت انگیز طور پر کررہے ہیں ۔انہیں سے خطاب فرمایا کہ جو تکلیف تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہاری اپنی بد اعمالیوں کے نتائج ہیں۔اللہ تعالیٰ بلاوجہ کسی کونہیں پکڑتا بلکہ وہ تو ایسا رحیم ہے کہ اپنے نافرمان بندوں کے بھی کثیر گناہوں سے درگزر فرماتا ہے ۔یعنی جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جن پر سزا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کا معاملہ الگ ہے ان پر تکالیف اور مصائب بطور آزمائش آتے ہیں انہیں جو بھی تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں یا ان کے لئے رفع درجات کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !کہ کسی مسلمان کو کوئی مصیبت ، کوئی دکھ ، کوئی رنج و غم ، کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں پہنچتی یہاں تک کہ ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی اس تکلیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنادیتا ہے۔(مسلم کتاب البرو الصلة باب ثواب المومن فیما یصیبه من مرض اوحزن)

۳۲۔ انہی خطاکاروں سے خطاب جاری ہے فرمایا تم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے یعنی اسے اس کے ارادوں میں ناکام نہیں کرسکتے۔ گویا مرضی اللہ ہی کی چلے گی۔تم کیسی ہی سرکشی کرو۔ آسمانوں پر کمندیں ڈالوں یا زمین کی پاتال کی خبر لے آؤ اپنی بداعمالیوں کے نتائج میں جن آفات و مصائب میں تم گرفتار ہونے والے ہووہ تو ظاہر ہوکر رہیں گے۔تم ان کی گرفت سے بچ کر زمین میں کہیں بھاگ نہیں سکتے ایسے میں اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا جو اس کی مرضی کے خلاف تمہیں مصائب و تکالیف سے بچاسکے۔ ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف اشارہ ہے۔

كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۳﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ
مانند پہاڑوں کی اگر چاہے ٹھہرادے ہوا کو پھر رہ جائیں وہ کھڑی کی کھڑی

عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۴﴾ اَوْ
سطح پر اس کی یقیناً اس میں نشانات ہیں ہر صبر کرنیوالے بہت شکر کرنیوالے کیلئے یا

يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۵﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
ہلاک کردے انہیں بسبب اسکے جو کمایا انہوں نے اور درگذر کرے بہتوں سے اور جانتے ہیں وہ لوگ جو

۳۳۔**اعلام** ۔علم کی جمع ہے ۔ وہ نشان جس سے کوئی چیز پہچانی جائے جیسے لشکر کا علم۔ اسی لئے پہاڑ کو بھی علم کہتے ہیں ۔ (مفردات)

پیچھے سے جن نشانیوں کا ذکر جاری ہے وہ آج کے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس یہ وہ پیشگوئیاں تھیں جو اس زمانہ میں پوری ہوچکی ہیں۔اس لئے کہ پہاڑوں جیسے سمندری جہازوں کا تصور بھی اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا۔(تفصیل ۱۷:۶۷) تاہم قرآنی پیشگوئیاں مختلف رنگوں میں باربار پوری ہوتی ہیں۔

۳۴۔**رواکد** ۔ **رکد** پانی یا ہوا کے ٹھہرجانے پر بولا جاتا ہے۔ایسا ہی کشتی کے ٹھہرجانے پر بھی(مفردات) یہاں بتایا کہ باوجوداس کے کہ پہاڑوں جیسے عظیم الجثہ سمندری جہاز ان کے تصرف میں ہوں گے وہ ربّ رحیم جب چاہے ان کی قوت کو پارہ پارہ کردے۔ہواؤں کو ساکن کرنے میں ہر اس شے کا ساکن ہونامراد ہے جس کی قوت سے یہ کشتیاں چلتی ہیں گویاان قوتوں کو روک دے یا ان طاقتوں کو غیر متوازن کردے جیسے ڈیزل، پڑول یا کسی دیگر توانائی کو بے اثر کردے یا ان کی ترسیل کو روک دے۔جن کے بل بوتے پر یہ جہاز چلتے ہیں۔پس اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا لیکن انہوں نے بے صبری اور ناشکری کی راہوں کو اختیار کیا اور اللہ کے غضب کو دعوت دی۔اگرشکر کرتے تو یقیناً ان کے بیڑے پار ہوجاتے۔اس میں اللہ کے ہر صابر اور شاکر بندے کے لئے بہت سے نشانات ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کرسکتاہے۔یہ اس کے وہی صابر و شاکر بندے ہیں جنہوں نے مصیبتوں اور محرومیوں میں صبر کا دامن تھامے رکھا اور خوشحالی میں اپنے ربّ کا شکر اداکرتے رہے۔اس میں اپنے صابر وشاکر بندوں کو بشارت دی کہ اب تمہارا صبر کا زمانہ گزر چکا ہے اب تمہارے لئے نعمتوں کی فراوانی ہوگی اور شکر کے مواقع ہوں گے۔

۳۵۔**یوبقهن۔ یوبق**۔ وہ ہلاک کرتاہے۔ تباہ کرتاہے۔

قرآنی پیشگوئیاں قیامت تک کے لئے ہیں ۔پس موجودہ دور کی بڑی بڑی جہاز ساز کمپنیوں کے مالکان کی طرف اشارہ ہے۔جن کی دیگر ذرائع رسل و رسائل پر بھی اجارہ داری ہے ۔

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۳۵ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ

جھگڑتے ہیں آیات میں ہماری نہیں ان کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ پس جو دیئے گئے ہو تم

مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ

کچھ تو سامان ہے زندگی ورلی کا اور جو پاس ہے اللہ کے بہتر ہے اور

اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۳۶ وَالَّذِيْنَ

زیادہ باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو

جن کی ایجادات بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے ان کی تباہی کا سامان کرتی ہیں۔ جب ان قوموں کے عروج کا زمانہ تھا تو اللہ کو یاد کیا نہ اس کا شکر ادا کیا بلکہ تمام نعمتوں کو اپنی صلاحیتوں کی طرف منسوب کرتے رہے غفور الرحیم بھی ان کی اکثر غلطیوں کے بد نتائج سے انہیں بچاتا چلا گیا۔ بالآخر چند ایک کو ان کی بداعمالیوں کی سزا ملتی ہے اور انہیں ان کے جہازوں سمیت غرق کر دیتا ہے۔ یا یہ کہ اپنی عظیم ایجاداتِ سمیت تباہ کردئے جاتے ہیں۔

۳۶۔ تا وہ جان لیں کہ جو اللہ کی قدرتوں کے بارہ میں جھگڑتے ہیں ان کے لئے فرار کی کوئی جگہ نہیں وہ ضرور ہماری گرفت میں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے بارہ میں جھگڑنا کئی طرح سے ہے یہاں یہ معنی ہیں کہ انہیں اپنی تباہی کا یقین نہیں ہوتا بلکہ خیال تک نہیں ہوتا۔ وہ اسی تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہماری پکڑ کبھی نہیں ہوگی وہ اپنی طاقت کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتے اور جھگڑتے ہیں کہ اچانک ہلاک کردئے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے عظیم الشان بحری جہاز جن کی بناوٹ میں ہر قسم کی احتیاطی تدابیر مدنظر رکھی جاتی ہیں اور جو اپنے دور کی جدید ترین صنعتی مہارت (Technology) کے تحت بنائے جاتے ہیں جیسا کہ Titanic جس پر Unsinkable کا لیبل لگا تھا۔ جس کے ڈوبنے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اپنے پہلے ہی سفر میں سینکڑوں مسافروں سمیت غرق ہوا۔

۳۷۔ اہل مغرب پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور ان کی ناشکری کا ذکر تھا فرمایا انہوں نے خداتعالیٰ کی ودیعت کی ہوئی اس عارضی متاع حیات کو ہی مقصودِ حیات بنالیا حالانکہ یہ دنیا کی زندگی کا چندہ روزہ سامان ہے۔ دنیوی مال و اسباب یا دیگر نعمتیں بہت بھی ہوں تو ناپائیدار ہیں اور موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات موت سے پہلے ہی ان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان دنیا پرستوں کو بتایا کہ عارضی متاع کی خاطر غلط روش اختیار کرنے کی بجائے اپنا مطلوب و مقصود دائمی متاع کا حصول بناؤ اور اپنے رب کو راضی کرنے والے بنو۔ کیونکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اور جو نعمتیں تمہیں اس ابدی زندگی میں ملنے والی ہیں وہ نہایت اعلیٰ اور ہمیشہ رہنے والی ہیں جن

يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے اور جب کبھی وہ غصہ میں آتے ہیں تو وہ

يَغْفِرُوْنَ ۳۷ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠

بخش دیتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے قبول کی اپنے رب کی (بات) اور قائم کی نماز

کا تصور بھی تم نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ بتایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کررکھی ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا بلکہ کسی انسان کے دل میں بھی ان کا خیال نہیں گزرا۔۔۔۔۔۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ تنزیل السجدہ فلاتعلم نفس مااخفی) یہ نعمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل سے ان لوگوں کو نصیب ہوں گی جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اس دنیوی متاع سے بھی محروم ہوگئے جو ان کے پاس تھی پس انہوں نے اپنے ربّ پر توکل کرتے ہوئے اپنے ایمان پر مداومت اختیار کی اور دنیوی سازو سامان ان کی نظر میں ایک پرکاہ کے برابر بھی اہم نہ رہا۔ پھر جو کچھ اللہ نے دیا اسی پر راضی رہے، اپنے توکل کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا اور اپنے ربّ کی آخروی نعمتوں کے طالب رہے۔

۳۸۔ اب ان مومنین کاملین کی دیگر صفات بیان فرمائیں کہ وہ کبیرہ گناہوں سے اور ان میں سے خصوصاً بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ گناہ عام طور پر چھپ کرکئے جاتے ہیں یا انہیں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن بے حیائی اکثر کھلے عام ہوتی ہے اور پورے معاشرے پر اپنے بداثرات چھوڑتی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر خاص طور پر بے حیائی سے اجتناب کا ذکر کیا۔ (تفصیل کے لئے ۳۲:۴)

ان کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ غصے میں اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہیں۔ یہ حسن اخلاق کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے کہ باوجود اپنی حق تلفی اور دوسرے کی زیادتی کے معاف کرتے ہیں۔ (تفصیل ۳:۱۳۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفت بھی اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا۔ البتہ جب اللہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی ہتک کی جاتی تب آپ ﷺ سزا دیتے (بخاری ومسلم) آپ ﷺ کو کس حد تک اپنے غصہ پر کنٹرول تھا۔ اس حدیث سے کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ قدرے اختصار سے بیان کرتی ہوں۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے زید بن سعنہ کو ہدایت دینی چاہی تو زید بن سعنہ نے کہا کہ

آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف جیسے ہی میں نے دیکھا تو آپ ﷺ میں تمام علاماتِ نبوت مجھے نظر آئیں سوائے دو باتوں کے جن کی میں تحقیق کرنا چاہتا تھا اوّل یہ کہ اِس نبی کا حِلم اُس کے غصہ پر غالب ہوگا دوم یہ کہ جتنا زیادہ اُس کو غصہ دلایا جائے اور اُس کی گستاخی کی جائے اتنا ہی زیادہ وہ حِلم اور بردباری دکھائے گا۔میں جستجو میں رہا کہ کبھی موقع ملے تو ان علامات کو بھی آزماؤں۔زید بن سعنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر آئے آپ ﷺ کے ساتھ علی بن ابی طالب تھے اس دوران ایک بدوی سوار آیا اُس نے عرض کی کہ بنو فلاں کے گاؤں بصریٰ کے لوگ مسلمان ہوگئے ہیں میں نے ان کو کہا تھا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کو وافررزق ملے گا اب بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ قحط سے دوچار ہیں۔مجھے ڈر ہے کہ اگر ان کی مدد نہ کی گئی تو کہیں وہ اسلام سے نکل نہ جائیں جس طرح فراغیٔ رزق کی ترغیب پر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔آپ ﷺ ان کی طرف کچھ بھیج کر ان کی مدد اور دلداری فرمائیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا تو انہوں نے عرض کی کہ اس وقت تو ایسی کوئی چیز نہیں۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! کیا بنو فلاں کے باغ کی کھجوریں ایک طے شدہ مقدار اور مدت کی شرط پر آپ ﷺ مجھے بیچ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مگر ضروری نہیں کہ اسی باغ کی ہوں۔سوداطے ہونے پر حضرت سعنہ نے اپنی ہمیانی (روپیہ پیسہ رکھنے کی پتلی تھیلی جو حالت سفر کمر سے باندھتے ہیں) کھول کر ۸۰ مثقال بطور پیشگی قیمت کے دے دیئے۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اس شخص کو دے دیا کہ اسے مصیبت زدہ لوگوں میں برابر تقسیم کردو اور ان کی مدد کرو۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ ابھی مدتِ مقررہ میں دو تین دن باقی تھے کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کا گریبان پکڑلیا، چادر کھینچی اور بڑے غصے کی حالت بنا کر کہا کہ اے محمد ﷺ! میرا حق ادا نہیں کروگے؟ خدا کی قسم تم بنوعبدالمطلب اپنی اس عادت کو اچھی طرح جانتے ہو کہ قرض ادا کرنے میں بہت بُرے ہو۔ میں تمہاری ٹال مٹول کی عادت کو بھی جانتا ہوں۔ اس وقت میں عمرؓ کی طرف دیکھ رہا تھا۔آپ شدید غصہ میں تھے آپ نے بڑی تیز غصہ بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا اے اللہ کے دشمن ! اللہ کے رسول سے ایسا کہتا ہے جو میں سن رہاہوں اور اس طرح گستاخی سے پیش آتا ہے جو میں دیکھ رہاہوں۔اُس خدا کی قسم جس نے اُن کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر مجھے اُن کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔حضور ﷺ بڑے اطمینان اور تسلی سے عمرؓ کو دیکھ رہے تھے اور تبسم فرمارہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ! اس غصہ کی بجائے میں اور یہ دونوں اس بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں کہ تو مجھے حسنِ ادا کے لئے کہے اور اسے حسنِ تقاضا کے لئے۔اگرچہ

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور معاملہ ان کا مشورہ ہے آپس میں اور اس سے جو دیا ہم نے انہیں خرچ کرتے ہیں

ابھی ادائیگی کا وقت نہیں آیا اور کچھ دن باقی ہیں لیکن شاید یہ جلدی ادائیگی چاہتا ہے۔اس لئے جاؤ اور (ذخیرہ سے) اس کا حق دِلا دو اور ۲۰ صاع زیادہ کھجوریں دے دینا۔جب ادائیگی ہوگئی تو میں نے عمرؓ سے پوچھا یہ زیادہ کس لئے ؟ عمرؓ نے جواب دیا کو حضور ﷺ نے مجھے فرمایا ہے کہ جو سختی میں نے تم سے کی ہے اس کے عوض میں ۲۰ صاع زیادہ ادا کرو۔ میں نے عمرؓ سے کہا جانتے ہو میں کون ہوں ؟ عمرؓ نے کہا نہیں۔آپ کون ہیں؟ میں نے کہا زید بن سعنہ۔عمرؓ نے کہا۔حبر یعنی یہود کا عالم ؟ میں نے کہا۔ہاں یہود کا عالم ۔ عمرؓ نے کہا اتنے بڑے عالم ہو کر گستاخی کا یہ طریق تم نے کیوں اختیار کیا؟ میں نے جواب دیا جتنی بھی نبوت کی علامات میں نے (اپنی کتابوں میں) پڑھیں جب آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ میں وہ مجھے نظر آئیں سوائے دو علامات کے۔ایک یہ کہ اُس نبی کا حِلم اُس کے غصہ پر غالب ہوگا۔دوسرا یہ کہ جتنا زیادہ اُس سے تلخی اور جہالت سے پیش آیا جائے اتنا ہی زیادہ وہ حِلم اور بردباری سے پیش آئے گا۔ سو میں نے ان دونوں باتوں کو آزمالیا۔ اے عمرؓ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ کو اپنا ربّ اور اسلام کو اپنا دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی ماننے پر خوش ہوں اور آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ایک مالدار شخص ہوں میرا آدھا مال امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ ہے۔۔۔۔۔اس کے بعد زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کلمہ پڑھا اور بیعت کی۔آپ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔غزوہ تبوک کی واپسی پر راستہ میں وفات پائی۔اللہ تعالیٰ زید پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔آمین (مستدرک مع التلخیص کتاب معرفة الصحابة صفحہ ۳/۶۰۵)

۳۹۔انہی مومنین صالحین کی صفات بتائی جارہی ہیں جن کے لئے اخروی دائمی نعمتیں ہیں۔ فرمایا وہ اپنے ربّ کی آواز پر لبیک کہتے ہیں ۔گویا اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سرِتسلیم خم کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کو تیار ہوتے ہیں اس میں تمام فرائض کی ادائیگی ہے ۔ اس چھوٹی سی آیت میں مومنین کی صفات میں تین اہم فرائض کی طرف توجہ دلائی جن میں اوّل نماز باجماعت کی ادائیگی ہے جو ایک مومن کے اصلاح نفس کا ذریعہ ہے اور اسے اس کے ربّ سے ملاتی ہے۔نماز کے بعد شوریٰ کا حکم ہے پھر زکوٰۃ کا ۔ حالانکہ عام قرآنی اسلوب کے مطابق نماز کے متصل زکوٰۃ کا حکم آنا چاہیئے ۔ ایسا یا تو شوریٰ کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ یاشاید اس طرف اشارہ ہے کہ اقامت نماز کے لئے مساجد میں پانچ وقت اجتماع ہوتا ہے۔ اس اجتماع سے مشورہ طلب امور میں مشورہ لینے کا

کام بھی لیا جاسکتا ہے۔(روح المعانی) قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جس میں شوریٰ کا حکم ہے یعنی تمام اہم امورکو باہمی مشورہ سے طے کرنا۔اسلام میں مشاورت کوایک اہم مقام حاصل ہے اور اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نصرت و برکت نازل ہوتی ہے۔مشاورت میں عاجزی اور انکساری پائی جاتی ہے جس سے خود پسندی اور کبر کی جڑ کٹ جاتی ہے۔عائلی معاملات ہوں یا حکومت و خلافت کے اہم امور سب مشاورت ہی سے طے ہونے چاہئیں۔مکی سورۃ میں شوریٰ کا حکم دے کر مسلمانوں کی حکومت کی طرف اشارہ کردیا کیونکہ حکومت اور خلافت سے شوریٰ کا خاص تعلق ہے۔جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خلافت کا انعقاد مشورہ اور رائے لینے کے بغیر درست نہیں۔ نیز خلافت کے نظام کا ایک اہم ستون مشورہ ہے(کنز العمال کتاب الخلافت جلد ۵ صفحہ ۶۴۸ حدیث نمبر ۱۴۱۳۶) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی اور کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔(ترمذی ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی المشورۃ حدیث نمبر ۱۶۳۶) احادیث میں شوریٰ کے تعلق میں ایک رہنما اصول بیان ہوا ہے۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کے بارے میں قرآن میں کوئی واضح حکم نہ ہو اور آپ ﷺ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کیسے عمل کریں ؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے لئے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ کرکے طے کرلو۔ کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرنا۔ (الدر المنثور جلد ۶ صفحہ ۱۰ سورۃ الشوریٰ اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۶۵) نیز اس معاملہ میں اسلام نے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے یمن میں حاکم بنا کر بھیجنے لگے تو فرمایا! تم کس طرح فیصلے کیا کروگے؟ میں نے عرض کیا حضور ﷺ ! قرآن کریم کے احکامات کے مطابق فیصلہ کروں گا ۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا معاملہ آجائے جس کے بارہ میں قرآن کریم میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو تو پھر کس طرح کروگے؟ میں نے عرض کیا حضور کی سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا ۔حضور ﷺ فرمانے لگے اگر میری سنت میں بھی کوئی ایسی مثال نہ ملے تو پھر کس طرح کروگے؟ میں نے عرض کیا حضور ! پھر میں اجتہاد اور غور وفکر کروں گا اور پھر جو رائے بنے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس پر حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے رسول اللہ کے ایلچی کو اس فراست اور صحیح سوچ کی ہدایت دی۔(ترمذی ابواب الاحکام باب فی القاضی کیف یقضی)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَزٰٓؤُا

اور وہ لوگ کہ جب ہوتی ہے ان پر زیادتی وہ بدلہ لیتے ہیں اور بدلہ

سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى

بدی کا بدی ہے مانند اس کی پس جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اجر اس کا ذمہ ہے

اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ

اللہ کے یقیناً وہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو اور البتہ جس نے بدلہ لیا بعد

انفاق فی سبیل اللہ میں اپنی دولت، قوت اوردیگر صلاحیتوں کو بنی نوع انسان کی بہبود پر خرچ کرنا ہے۔ شوریٰ کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔اس لئے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا شوریٰ سے خاص تعلق ہے اگر شوریٰ کا نظام نہ ہوتو جماعتی طور پرخرچ کا نظام نہیں چل سکتا۔اس لئے کہ مجلس شوریٰ ہی جماعتی طور پر خرچ کا تعین کرتی ہے۔

۴۰۔**ینتصرون**(نصر)۔وہ بدلہ لیتے ہیں۔وہ مدد طلب کرتے ہیں۔

اب ان صالحین کی مزید صفات بیان فرمائیں کہ اگر ان پر زیادتی ہوتو بدلہ لیتے ہیں یعنی انہیں بدلہ لینے کا حق حاصل ہے تاہم احسن معاف کردینا ہی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت فرمائی۔ ینتصرون کے لفظی معنی مدد طلب کرنا کے ہیں گویا وہ خود بدلہ لینے کے مجاز نہیں۔ یہ حاکم وقت یا قاضی کے فیصلہ پرمنحصر ہے کہ ملزم کس سزا کا حقدار ہے پھر وہی اس سزا کو جاری کرتے ہیں۔شوریٰ کے ذکر کے بعد تعزیرات کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ اسلامی قانون میں فیصلے گواہیوں اور بہت سے دیگر عوامل کو مدنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں صرف مظلوم کے بیان پر فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب دو آدمی تمہارے سامنے مقدمہ پیش کریں تو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو پہلے کے لئے فیصلہ نہ کرو۔

۴۱۔ بیشک جس پر زیادتی ہوئی ہے اسے بدلہ لینے کا اختیار ہے لیکن یہ اختیار اس شرط سے مشروط ہے کہ بدی کا بدلہ بدی کے مثل سزا ہے یعنی جس حدتک کسی نے زیادتی کی ہے اسی حد تک اس سے بدلہ لینے کا حق ہے۔لیکن افضل معاف کرنا ہے بشرطیکہ عفو بے محل نہ ہو اور اس کے پیش نظر مجرم کی اصلاح ہو۔پس اگر زیادتی کرنے والا اپنے فعل پر شرمندہ ہو اورآئندہ ایسی زیادتیوں سے باز رہنے کا وعدہ کرے اور معافی سے اصلاح کی امید ہوتو معاف کرنا ہی افضل ہے۔فرمایا جو بعد اس کے کہ اس پر زیادتی ہوئی ہے۔اپنے نفس پر جبر کرکے معاف کردے اور اس عفو سے مجرم کی اصلاح مقصود ہوتو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ یعنی وہ اللہ کی طرف سے بہت بڑے اجر وثواب کا

ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ
اپنے مظلوم ہونیکے تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ نہیں ان پر کوئی الزام سوائے اسکے نہیں کہ الزام

عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ
ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور زیادتی کرتے ہیں زمین میں نا

الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۳﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ
حق یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے دردناک اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا

ع ۱۴/۵ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۴﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا
تو یقیناً یہ البتہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو نہیں

مستحق ہوگا۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) بچوں کو بھی جائز حد تک ہی سزا دینا مناسب ہے جو ان کی اصلاح کا باعث ہو۔ عفو کے نتیجہ میں اصلاح ہو تو سب سے بہتر ہے۔ ایسا عفو جس کے نتیجہ میں ظالم اور دلیر ہوجائے اور لوگوں کے لئے خطرہ ہو تو ایسے مجرم کو سزا دینی ہی بہتر ہے۔ فرمایا یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا یعنی وہ جو ابتداءً زیادتی کرتے ہیں یا وہ جو بدلہ لینے میں زیادتی کرتے ہیں اور جوشِ انتقام میں خود ظالم بن جاتے ہیں۔ اس آیت میں یہ پیشگوئی مضمر ہے کہ جب مسلمان اس مقام پر ہوں گے کہ جن لوگوں نے ان پر زیادتیاں کیں، ان سے انتقام لے سکیں تو انہیں معاف کردیں گے۔

۴۲-۴۳۔ فرمایا جو اپنی ذات پر ظلم کئے جانے کے بعد مناسب بدلہ لیتے ہیں ان پر کوئی الزام نہیں یعنی بیشک ان کے لئے اجر نہیں ہوگا مگر گرفت بھی نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جس نے بدلہ لے لیا اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔

ہاں گرفت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی عذر کے زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ یہ عذاب آخرت میں تو یقیناً ان کے شاملِ حال ہوگا۔ اکثر دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ اسلامی قانون میں ظلم اور فساد کی سخت ترین سزائیں ہیں جو جرم کی نوعیت کے مطابق دی جاتی ہیں۔ فساد کو قتل سے سخت کہا الفساد اشد من القتل۔

۴۴۔ موقع و محل کے مطابق بدلہ لینے اور معاف کرنے کے ذکر میں رکوع کی اس آخری آیت میں صبر اور غفر کو عزم الامور میں سے کہا۔ یعنی جو شخص مصیبت کے وقت صبر کرے اور بدلہ کی طاقت ہوتے ہوئے ظالم کو معاف کردے تو یہ بڑی ہمت والے کاموں میں سے ہے۔

ان صفات کا کامل ظہور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ

لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا
اس کے لیے کوئی کارساز بعد اس کے اور تو دیکھے گا ظالموں کو جب دیکھیں گے

الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۵﴾ وَتَرٰىهُمْ
عذاب کو کہیں گے کیا ہے طرف لوٹنے کی کوئی راہ اور تو دیکھے گا انہیں

کے صحابہ رضی اللہ علیہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے جنہوں نے ہر ظلم و زیادتی پر صبر کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا۔ جب ظالموں پر تسلط حاصل ہوا اور ظالم محکوم بن گئے اس وقت رحمۃ للعالمین نے نہ صرف عفو بلکہ احسان کا وہ سلوک فرمایا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۴۵۔ یہ آیت اور اس سے اگلی آیات بیشک قیامت پر صادق آتی ہیں لیکن ان حالات کا بھی نقشہ پیش کرتی ہیں جب فتح مکہ کے موقع پر کفار و مشرکین پر قیامت ٹوٹی۔ پچھلی آیات میں مومنین صالحین کی صفات کا ذکر تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہدایت و غلبہ سے نوازا اور آخرت میں ان کے لئے اجر عظیم ہے۔ ان کے بالمقابل اس رکوع کی ابتدائی آیات میں آیت ۴۳ والے ظالم و سرکش لوگوں کا حال بیان کیا جو گمراہی میں حد سے بڑھ گئے۔ فرمایا جسے اللہ گمراہ قرار دے اس کے لئے اللہ کے بعد دنیا میں کوئی دوست و کارساز نہیں جو اس کی مدد کرے یا اسے راہ راست پر لے آئے۔ قیامت میں جب عذاب کو دیکھیں گے تو نہایت حسرت سے کہیں گے کہ کیا دنیا میں لوٹ کر جانے کی کوئی صورت ہے تاہم اچھے عمل کرسکیں۔ غلبہ اسلام پر بھی چیخ اٹھے تھے کہ کیا اس ضلالت سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانہ خلافت میں حج کے بعد ملاقات فرمارہے تھے۔ رؤسائے عرب کے بیٹے آتے گئے اور آپ کے اردگرد بیٹھتے گئے۔ جب اسلام کو اوّل قبول کرنے والے غلام آنے لگے تو حضرت عمرؓ ان کو اپنے قریب بٹھاتے گئے اور سرداروں کے بیٹے کھسکتے کھسکتے دروازہ تک پہنچ گئے۔ سرداران مکہ کے بیٹوں نے اپنی سخت ہتک محسوس کرتے ہوئے نہایت دلگیر آواز میں حضرت عمرؓ کو کہا کہ ہمارے باپ دادا نے اوّل اسلام قبول نہیں کیا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اب ہم اس کا مداوا کیسے کرسکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ کی آواز بھرّا گئی اور منہ سے کچھ نہ بول سکے۔ شام کی طرف اشارہ کیا جہاں شدید جنگ جاری تھی گویا اب اس غلطی کی تلافی جہاد سے ممکن ہے۔ احادیث میں ہے کہ وہ سارے جوان اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوگئے اور ان میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا یعنی سب کو شہادت نصیب ہوئی۔

اللہ کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا۔ یہ ان کے اعمال ہیں جن کی وجہ سے گمراہی اور ضلالت سے

يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ

وہ پیش کئے جائیں گے اس (آگ) پر عاجزی کرتے ہوئے ذلت سے دیکھتے ہوں گے

مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ

نظر چھپی سے اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے یقیناً خسارہ پانے والے

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے خسارہ میں ڈالا اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو بروز قیامت آگاہ ہوجاؤ

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ

یقیناً ظالم عذاب قائم رہنے والے میں ہوں گے اور نہ ہوں گے ان کے لیے کوئی دوست

يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

جو مدد کریں ان کی سوائے اللہ کے اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو نہیں اس کے لیے

نکلنا نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر نہایت رحیم ہے وہ اپنے انبیاء کے ذریعہ ان کی ہدایت کا سامان کرتا ہے جو تبلیغ و ہدایت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے مگر ابوجہل اور ابولہب جیسے متکبر ان روشن راہوں کو اختیار کرنے میں اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکلنا نہیں چاہتے ایسوں کو اللہ بھی گمراہ قرار دے دیتا ہے اور اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

۴۶۔ **خفی** کے معنی مخفی کے ہیں یہاں مراد نیچی ہے۔

تو انہیں دیکھے گا کہ جب وہ عذاب کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو ذلت کی وجہ سے نظریں جھکائے نہایت عاجزانہ حالت میں ہوں گے اور جھکی جھکی نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے گویا نظریں ملانے کی ہمت نہیں ہوگی۔ بیشک قیامت میں بھی یہ سب ہوگا لیکن یہ بعینہٖ فتح مکہ کا نقشہ بھی ہے۔ جب سرداران مکہ کا سارا تکبر مٹی میں مل گیا اور بلالؓ کے جھنڈے تلے پناہ لینے پر مجبور ہوئے ان لوگوں نے اپنی ہی جانوں پر ظلم نہیں کیا اپنے اہل و عیال کو بھی سخت گھاٹے میں رکھا۔ جیسا کہ آیت ۴۵ کی حدیث سے ظاہر ہے۔ کیونکہ اُن کی گمراہی کا سبب بھی یہی تھے اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر گھر کا سربراہ صحیح راستہ اختیار کرے تو اس کے بیوی بچے اور لواحقین وغیرہ بھی اس راہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

ان کے لئے ٹھہر جانے والا عذاب ہوگا یعنی اس سے جلد نہیں نکل سکیں گے۔ تاہم ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا۔ ہمیشہ کی نعمتیں جنت سے منسوب ہیں۔

۴۷۔ اس آیت کی تکرار یا تو ان حالات کی اہمیت کی وجہ سے ہے یا آیت ۴۵ میں ان کی دنیوی حالت کی طرف اشارہ ہے اور یہاں ان کی اخروی حالت کا بیان ہے۔

مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

کوئی راہ قبول کرو (بات) اپنے رب کی پہلے اس کے کہ آئے

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا

وہ دن کہ نہیں پھرنا اس کے لیے طرف سے اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ اس دن اور نہیں

لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

تمہارے لیے کوئی گنجائش پس اگر وہ منہ پھیریں تو نہیں بھیجا ہم نے تجھے ان پر

حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ

نگران نہیں تجھ پر مگر پہنچا دینا اور یقیناً ہم جب چکھاتے ہیں انسان کو

مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اپنے حضور سے رحمت خوش ہوجاتا ہے اس سے اور اگر پہنچے انہیں تکلیف بوجہ اسکے جو آگے بھیجا

اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

ہاتھوں نے ان کے تو یقیناً انسان بہت ناشکر گذار ہوتا ہے اللہ کے لیے حکومت ہے آسمانوں کی اور

۴۸۔ **نکیر**۔ انکار۔ انکار کرنے والا۔

آیت ۳۹ والے مومنین صالحین نے اپنے ربّ کی آواز پر لبیک کہا اور اس کے تمام احکام پر عمل پیرا ہوکر فلاح دارین حاصل کی۔ اب ان گمراہوں کو نصیحت کی کہ تم اپنے ربّ کی دعوت قبول کرو جو قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جاری ہے۔ یعنی ان احکام پر عمل کرکے اپنی دنیا و آخرت سنوار لو پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس کا ٹلنا اللہ کی طرف سے کسی صورت ممکن نہیں۔ اس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ انکار کی گنجائش۔ انکار کی گنجائش تو غائب پر تھی۔ جب تمام حقائق سامنے آگئے تو انکار کی گنجائش کہاں رہی۔ قیامت کے علاوہ فتح مکہ کا نقشہ بھی پیش کیا جس دن انکار کی کوئی صورت نہ رہی اور پناہ کے لئے مارے مارے پھرے۔ انکار سے مراد اپنے گناہوں سے انکار بھی ہے کہ دنیا میں انکار کرکے بچ جاتے تھے۔ لیکن اس دن اپنے جرائم سے انکار نہیں کرسکیں گے۔ وہ دن ٹلنے والا نہیں۔ جیسا کہ دنیا میں اللہ کی رحمت سے ان پر عذاب ٹلتے رہے۔ افسوس اس مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔

۴۹۔ اگر انہوں نے اپنے ربّ کی آواز کو قبول نہیں کیا اور منہ موڑ کر چل دئے تو تُو غم نہ کر ہم نے تجھے ان پر نگران مقرر نہیں کیا۔ تجھ پر تو صرف احکام الٰہی کا پہنچا دینا فرض ہے۔ یہ تو ایسے ناشکرے ہیں کہ جب ہم ان پر اپنی رحمتوں کا نزول کرتے ہیں تو خوش ہوجاتے ہیں۔ گویا یہ ان کا حق تھا۔ اور کبھی رحمتیں بھیجنے والے کا خیال نہیں آتا اور جب ان کی معصیتوں کے نتائج سامنے آتے ہیں اور مصیبتوں میں پھنستے ہیں تو پچھلے تمام فضلوں کو بھلا کر سخت ناشکرے بن جاتے ہیں گویا

الْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ

زمین کی | وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے | دیتا ہے | جسے | چاہتا ہے | لڑکیاں | اور | دیتا ہے

لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ ﴿۵۰﴾ اَوْ یُزَوِّجُہُمْ ذُکْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ

جسے | چاہتا ہے | لڑکے | یا ملا جلا کر دیتا ہے | لڑکے | اور | لڑکیاں | اور

یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۱﴾ وَ مَا کَانَ

بناتا ہے | جسے | چاہتا ہے | بانجھ | یقیناً وہ خوب جاننے والا خوب قدرت والا ہے | اور نہیں ہے

لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ

کسی انسان کے لیے کہ کلام کرے اس سے اللہ | مگر | بطور وحی کے | یا | پیچھے سے | پردہ کے

اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ

یا بھیجتا ہے | کوئی پیغامبر | تو وحی کرتا ہے | حکم سے اس کے | جو چاہتا ہے | یقیناً وہ

نہ عسر میں اپنے ربّ کا شکر کرتے ہیں۔نہ یسر میں۔جبکہ اس کے نیک بندے تنگی میں بھی شکر کرتے ہیں اپنے ربّ کی عطا کردہ دیگر بے حساب نعمتوں کو یاد کرکے اور یسر میں بھی تمام نعمتوں کو اپنے ربّ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر ان کے حصول میں ان کی اپنی صلاحیتوں کا بھی کوئی دخل ہو تو وہ بھی اس ربّ رحیم ہی کی عطا سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے

۵۰۔۵۱۔انسان کے اعراض و انکار اور ناشکری کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار و اختیار کا ذکر فرمایا کہ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے گویا کل کائنات میں اسی کا تصرف ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔بیشک آج کل سائنسدان ایسا علاج جانتے ہیں کہ قطعیت سے جو چاہیں پیدا کرسکتے ہیں لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اس لئے کہ اوّل تو یہ علاج اتنے مہنگے ہیں کہ عام انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔دوم یہ کہ سو فیصد کامیاب بہرحال نہیں۔اللہ کے فضل کا خانہ پھر بھی خالی رہتا ہے بہت سے کیسز ہیں جن میں قطعاً کامیاب نہیں ہوسکتے بالفرض اگر علاج سے بیٹا پیدا ہوتو وہ بھی اللہ ہی کی عطا ہے۔اللہ کی تقدیر میں اس کے لئے بیٹا ہی لکھا تھا۔

لڑکیوں کا ذکر پہلے کرنے میں شاید ان کی عزت نفس کو بحال کرنا مقصود تھا۔ جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بہت سے معاشروں میں ان کو لڑکوں کے برابر نہیں سمجھا جاتا اور یہی تاثر ہے کہ لڑکے والدین کا سہارا بنتے ہیں جو کہ شرک خفی ہے وہ ربّ العالمین جو جوانی تک متکفل رہا کیا وہ بڑھاپے میں اپنے بندوں کو بھول جائے گا؟حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا !اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دے کر اس شرک سے بچالیا کہ میرا سہارا بنیں گے۔

عَلِیٌّ حَکِیْمٌ ﴿۵۲﴾ وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ

بلند اور حکمت والا ہے | اور اسی طرح | وحی کیا ہم نے | طرف تیری | کلام | اپنے | حکم سے

۵۲۔ کائنات میں الٰہی تصرفات کا ذکر تھا جن میں انسانی پیدائش بھی شامل ہے۔ان مادی انعامات کے بعد روحانی انعامات کا ذکر کیا جس میں سب سے اوّل وحی الٰہی ہے۔(تفصیل ۴:۱۶۴۔ ۵۳:۴،۵)اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے براہ راست کلام نہیں کرتا۔ یہاں وحی کی تین اقسام کا ذکر فرمایا۔'' وحی اس کو کہتے ہیں کہ خدا کا کلام مع الفاظ کسی پر نازل ہو''۔(چشمہ معرفت صفحہ ۶۶ حاشیہ)بعض دفعہ یہ وحی پس پردہ سے ہوتی ہے یعنی بولنے والا دکھائی نہیں دیتا لیکن انسان کا دل وضاحت سے اس کا کلام وصول کرتا ہے لیکن دوسرے نہیں سنتے۔جن کو چاہتا ہے سنا بھی دیتا ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ فرشتے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا پیامبر اس پر نازل ہوتا ہے اور جو وحی اس پر نازل کرتا ہے وہ بعینہٖ وہی ہوتی ہے جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرائیل کا وحی لانا۔قرآن کریم اسی طرح بواسطہ ملائکہ نازل ہوا۔فرشتہ کبھی تو اپنی اصل ہیئت میں نزول فرماتا کبھی انسانی شکل میں۔اکثر فرشتہ وحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتا اور یہ آپ ﷺ کے لئے بہت آسان ہوتا۔(تفصیل سورۃ نجم ۵،۴:)تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول تینوں طریقوں سے ہوا۔بیشک تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر وحی کا نزول ہوا، اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے برگزیدہ بندے بھی شامل ہیں بلکہ خواتین مبارکہ بھی شامل ہیں جیسے حضرت ہاجرہ، ام موسیٰؑ ،حضرت مریمؑ اور دیگر کئی پاکباز خواتین لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی وحی نازل ہوئی جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو عشق رسول میں فنا تھے فرماتے ہیں!'' چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلےٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفا تھے اس لئے خدائے جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ و دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہوکر صفات الٰہیہ کے دکھانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۷۔۱۹ حاشیہ)

'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت و استعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا

اس لئے آپ ﷺ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رتبہ کا ہے کہ دوسرا کوئی شخص اس ہمت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لئے نہ تھی۔ جیسے آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کی ہوتی تھی۔(الحکم جلد ۷ نمبر۲۰ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)''قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔''(کشتی نوح صفحہ ۲۲ حاشیہ)

''یہ یقیناً یادرکھو کہ وحی اور الہام کے سلسلہ کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ وعدے کئے ہیں اور یہ اسلام ہی سے مخصوص ہے۔''(الحکم جلد ۱۰ نمبر۴ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔''وحی کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے کشف تو ایک ہندو کو بھی ہوسکتا ہے بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدا کو نہ مانتا ہو وہ بھی اس میں کچھ نہ کچھ کمال حاصل کرلیتا ہے لیکن وحی سوائے مسلمان کے دوسرے کو نہیں ہوسکتی یہ اسی امت کا حصہ ہے۔ کیونکہ کشف تو ایک فطرتی حصہ انسان کا ہے اور ریاضت سے یہ حاصل ہوسکتا ہے خواہ کوئی کرے۔ کیونکہ فطرتی امر ہے جیسے جیسے کوئی اس میں مشق اور محنت کرے گا ویسے ویسے اس پر اس کی حالتیں طاری ہوں گی اور ہر نیک و بد کو رویاء کا ہونا اس امر پر دلیل ہے۔''(البدر جلد۴ نمبر ۸ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

''یہ دعویٰ ہمارا بالکل صحیح اور نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے سے طالبِ صادق الہام الٰہی پاسکتا ہے کیونکہ اوّل تو اس پر تجربہ شاہد ہے ماسوائے اس کے ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی معرفت الٰہی کا اعلیٰ رتبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے ربّ کریم جلّ شانہٗ سے ہم کلام ہوجائے۔ یہی درجہ ہے جس سے روحیں تسلی پاتی ہیں اور سب شکوک و شبہات دور ہوجاتے ہیں اور اس درجہ صافیہ پر پہنچ کر انسان اس دقیقہ معرفت کو پالیتا ہے جس کی تحصیل کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور دراصل نجات کی کنجی اور ہستی موہوم کا عقدہ کشا یہی درجہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ خالقِ حقیقی کو اپنی مخلوقِ ضعیف سے کس قدر قرب واقع ہے۔ اس درجہ تک پہنچنے کی خبر ہمیں اس نور نے دی ہے جس کا نام قرآن ہے۔ وہ نور صاف عام طور پر بشارت دیتا ہے کہ الہام کا چشمہ کبھی بند نہیں ہوسکتا جب کوئی مشرق کا رہنے والا یا مغرب کا باشندہ دلی صفائی سے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈے گا اور اس سے پوری پوری صلح کرلے گا اور درمیان کے حجاب اٹھائے گا تو ضرور اسے پائے گا اور جب واقعی اور سچے اور کامل طور پر پائے گا تو ضرور خدا اس سے ہم کلام ہوگا۔(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۹۱۔۱۹۲) نیز آپ فرماتے ہیں'' الہام و وحی تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے کوئی انسانی عمل نہیں۔ خداتعالیٰ کے فعل پر اپنا فخر جاننا اور خوش ہونا جاہل کا

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ

نہ تھا تو جانتا کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ولیکن بنایا ہم نے اُسے

نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ

نور ہم ہدایت دیتے ساتھ اسکے جسے چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے اور یقیناً تو البتہ ہدایت دیتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵۳ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

طرف راہ سیدھی کی راہ اللہ کی کہ اسی کا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۵۴

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے آگاہ ہو جاؤ طرف اللہ کی پھریں گے سب امور

ع ۵ ۱۰ ۶

کام ہے۔حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ ﷺ بعض دفعہ رات کو اس قدر عبادت میں کھڑے ہوتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہوجاتا تھا۔ ساتھی نے عرض کی کہ آپ ﷺ تو گناہوں سے پاک ہیں۔ اس قدر محنت پھر کس لئے۔ فرمایا **افلا اکون عبدًا شکورًا** ۔ کیا میں شکرگزار نہ بنوں۔(بدر جلد ۷ نمبر۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

۵۳۔۵۴۔**تصیر** لفظی معنی تو پھرتا ہے۔ وہ پھرتی ہے۔ صَارَ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے پر بولا جاتا ہے۔ لوٹنا مراد ہے۔ المصیر لوٹنے کی جگہ۔

جس طرح ہم نے پہلے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے وحی کو ایک زندگی بخش کلام کی صورت میں نازل کیا۔ اس زندگی بخش کلام میں ایمان لانے والوں کے لئے بشارت ہے کہ قرآن پاک کے ذریعہ ان کے مردہ دلوں میں یقیناً زندگی کی روح پھونکی جائے گی جبکہ انکار کرنے والوں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ امی تھے جب تک وحی الٰہی سے مشرف نہیں ہوئے آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور اس پر ایمان کے کیا معنی ہیں۔ یہاں ایمان سے مراد احکام و شرح وغیرہ کی تفصیل ہے ورنہ بعثت سے قبل بھی آپ ﷺ اپنی نیک فطرت اور جبلی سعادت کی وجہ سے بتوں سے متنفر تھے اور خدائے واحد کی ذات پر آپ ﷺ کا ایمان تھا جس کی جستجو آپ ﷺ غارِ حرا کی تنہائیوں میں کرتے تھے۔ آخر آپ ﷺ نے اپنے ربّ کے فضل سے اس نور کو پالیا جس کی تلاش تھی۔ فرمایا ہم نے تیری وحی کو نور بنایا۔ گویا قرآن وہ نور ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ جب آپ ﷺ وحی الٰہی سے نوازے گئے تو بندگان خدا کی ہدایت پر مامور ہوگئے۔ پھر آپ ﷺ ایک لمحہ کے لئے بھی اس اہم فرض کی ادائیگی سے غافل نہیں ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو سیدھے راستے کی طرف چلایا۔ یہ راستہ اس اللہ جلّ شانہٗ کا ہے جس کا وہ سب کچھ ہے جو

آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جب کائنات میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کی ملکیت ہے تو حساب لینا بھی اسی کو سزاوار ہے ۔ اسی لئے فرمایا کہ تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں یعنی اسی کے حضور پیش ہوں گے ۔ وہی فیصلہ فرمائے گا کہ کون جزا کا مستحق ہے اور کون سزا کا۔ یہاں خاص طور پر کفار کو متنبہ فرمایا کہ قرآن کریم ایک نور کی صورت تمہیں راہ دکھانے آیا۔ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رہبر تمہیں صراط مستقیم پر چلانے کے لئے تمہاری رہنمائی کے لئے آیا۔ اگر اب بھی اندھیروں میں بھٹکتے پھرو تو اس آخری وقت کا انتظار کرو جب تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہی فیصلہ صادر کرے گا۔ کسی حد تک یہ فیصلے دنیا میں بھی ہوجاتے ہیں لیکن اصل فیصلہ یوم حساب ہی کو ہوگا۔ خدائے واحد کی مالکیت ، قرآن اور صاحبِ قرآن کی صداقت اور آخرت کے بیان پر اس سورۃ کا اختتام ہوا جو حٰمٓ کی سورتوں کا مرکزی مضمون ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زخرف۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی نوے آیات اور سات رکوع ہیں

آلِ حٰمٓ کی یہ چوتھی سورۃ ہے جو حٰمٓ کی سورتوں کے مضامین کو قدرے تفصیل اور تمثیل سے بیان کرتی ہے۔ لہٰذا پچھلی تینوں سورتوں کے بیان کردہ تعارفات پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

پچھلی سورۃ کا اختتام اس مضمون پر ہوا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے قرآن اور اس کی تعلیمات سے واقف نہیں تھے اس سورۃ کے شروع میں ہی بتادیا کہ قرآن کریم ایسی زبان میں نازل ہوا جو خوب کھول کر بیان کرنے والی اور نہایت فصیح و بلیغ ہے گویا ہر شخص کے لئے اس کے فہم و ادراک اور علم کے مطابق اس کا سمجھنا آسان ہے ۔ پھر یہ تو تمہاری اپنی زبان ہے جسے سمجھنا تمہارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ۔ اب اگر اسے قبول نہ کروتو پچھلی قوموں کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں جو بوجہ انکار انبیاء ہلاک کردی گئیں ۔

اس سورۃ کا نام زخرف ہے یعنی سونا۔ اس میں بتایا کہ لوگ عموماً دنیوی آرائش و زیبائش کے ظاہری لوازمات یعنی سونا اور چاندی وغیرہ ہی کو مقصودِ زندگی سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں ۔اہمیت تو تقویٰ کی ہے ۔اس لئے فرمایا کہ آخرت متقیوں کے لئے ہے۔اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں کے ذکر کے ساتھ انسان کی ناشکری کا ذکر کیا کہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں جو یہ سب کچھ عطا کرنے والا ہے شرک کے ذکر میں اس شرک کا بھی ذکر لیا جو اللہ جل شانہٗ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور انہیں خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ شرک اور ردّ شرک کے بیان پر ہی اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

حٰمٓ ﴿۲﴾ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۳﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا

حا۔میم قسم ہے کتاب کھول کر بیان کرنیوالی کی یقیناً بنایا ہے ہم نے اسے قرآن عربی

لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَاِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ

تاکہ تم سمجھو اور یقیناً وہ اصل کتاب میں پاس ہمارے البتہ بلند ہے

حَکِیۡمٌ ﴿۵﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ

حکمت والا کیا پس ہم پھیر دیں گے تم سے نصیحت کا پہلو اس لیے کہ ہو تم

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں بتایا کہ باوجودیکہ یہ قوم تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کرچکی تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا اور اپنے رسول کو علم و حکمت والی کتاب کے ساتھ مبعوث فرمایا تاشرک کا قلع قمع کرے۔مقطعات کے حروف اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کو ظاہر کرتے ہیں جیسے یہاں حٰمٓ اللہ تعالیٰ کی صفات حمید اور مجید کے قائم مقام ہیں گویا حٰمٓ سے شروع ہونے والی تمام سورتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد اور بزرگی کو ثابت کرتی ہیں۔حروفِ مقطعات کے ابجد کے حساب سے عدد جمع کرنے سے ایسی تاریخیں نکلتی ہیں جن میں عظیم الشان پیشگوئیاں مضمر ہوتی ہیں ۔ نیز سورۃ الفاتحہ کے تمام حروف مقطعات کے حروف میں آئے ہیں۔(تفصیل سورۃ مریم:۲)

۳۔۴۔ قسم کی تشریح (سورۃ یٰسٓ :۳) یہاں کتاب مبین کی قسم کھائی کہ یہ کتابِ مبین گواہ ہے کہ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا تاکہ تم عقل سے کام لے کر اسے سمجھو۔گویا اس کا ایک ایک لفظ گواہی دیتا ہے کہ ہم نے اسے بنایا ہے۔ہم اس کے مصنف ہیں نہ کہ رسول اُمی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اس کتاب کے بنانے کا الزام دیتے ہو۔یہاں اس کتاب کی صفات بیان فرمائیں۔اوّل یہ کہ مبین ہے یعنی تمام مضامین خوب کھول کر بیان کرتی ہے جو آسانی سے سمجھ آجاتے ہیں۔اس کتاب کی دوسری صفت اس کا قرآن ہونا ہے۔یعنی ایسی کتاب ہے جو کثرت سے پڑھی جائے گی اور اس کا پڑھنا آسان ہوگا۔نیز اس میں جمع کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے یعنی دوسری اقوام کو باہم اکٹھا کرنے والی ہے جیسا کہ بعد میں عربی و عجمی کی تفریق مٹ گئی۔تیسری صفت عربیاً ہے یعنی اس کے مفہوم کا سمجھنا بھی آسان ہے کیونکہ یہ ہر بات دلیل سے بیان کرتی ہے گویا اس کا کوئی دعویٰ بغیر دلیل نہیں۔

قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۶﴾ وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۷﴾

لوگ حد سے بڑھنے والے اور کتنے ہی بھیجے ہم نے نبی پہلوں میں

۵۔اب قرآن کریم کی مزید صفات بیان فرمائیں جن میں چوتھی صفت اس کا ام الکتب ہونا ہے۔تشریح (۳:۸۔۱۳:۴۰) ال عمران آیت:۸ میں وضاحت فرمائی کہ کتاب میں محکم آیات ہی اصل الکتٰب یا ام الکتٰب ہیں۔یہاں اسی مضمون کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا کہ قرآن ام الکتٰب میں ہے یعنی کتاب محکمات میں ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فی امّ الکتٰب کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ محکمات کا علم ہو تو سب قرآن حل ہو جاتا ہے۔ائمہ سلف نے بھی یہی معنی کئے زجاج کے بقول ام الکتٰب ،اصل الکتٰب ہے۔تہذیب میں ہے کہ شرائع اور احکام اور فرائض کی آیات میں سے ہر آیت ام الکتٰب ہے۔گویا ام الکتٰب آیات محکمات ہیں (روح المعانی) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ام الکتٰب قرآن ہے اوّل سے لے کر آخر تک۔(لسان العرب) **لدینا لعلیّ حکیم** یعنی ہمارے حضور **علیّ حکیم** ہے۔گویا قرآن کریم کی پانچویں صفت اس کا **علیّ** یعنی بلند مرتبہ ہونا ہے۔مراد اس کا تمام الہامی کتب سے بلند مرتبہ پر ہونا ہے۔نیز یہ کہ یہ انسانوں سے نزدیک ترین ہونے کے باوجود ایسے مقام و مرتبہ پر فائز ہے کہ انسانی دسترس سے بلند ہے گویا کوئی اس میں بگاڑ پیدا نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اللہ جل شانہٗ کے حضور اس کی حفاظت میں ہے ۔ چھٹی صفت اس کا حکیم ہونا ہے ۔ یعنی یہ علم و حکمت سے پُر ہے ۔مراد سب کتبِ سماوی پر حاکم ہونا یا محکم ہونا ہے۔علیّ حکیم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو اپنی صفات میں رنگین کرتا اور اپنا پرتو بناتا ہے۔ گویا انہیں بلند مرتبہ پر پہنچاتا اور علم و حکمت سے نوازتا ہے۔

۶۔یہاں ضَرَبَ محاورۃً بمعنی صَرَفَ ہے۔ یعنی پھیرنا۔ **نضرب عنکم** ۔ہم تم سے پھیر دیں گے۔ **افنضرب عنکم الذکر** ۔ کیا ہم تجھ سے نصیحت کو پھیر دیں گے۔ یہاں معنی یہ ہیں کہ کیا ہم تم کو یونہی چھوڑ دیں گے اور نصیحت نہیں کریں گے۔صفحا۔صفح کے معنی جنب یا پہلو کے ہیں اسی سے مصافحہ ہے یعنی ایک شخص کا اپنی ہتھیلی کی جانب کو دوسرے کی ہتھیلی کی جانب میں رکھ دینا۔ یہاں مراد اعراض ہے۔

قرآن کریم کی صفات کا ذکر تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کو پیغام حق پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی لیکن مخالفین کی طرف سے جو تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کرچکے تھے، سوائے ظلم و ستم اور استہزا کے کوئی مثبت جواب نہیں مل رہا تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا کہ اے گروہ مشرکین ! کیا ہم تمہیں نصیحت کرنے سے محض اس لئے باز آجائیں اور قرآن حکیم کے

وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸
اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی نبی مگر تھے وہ اس سے ہنسی کرتے

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۹
پس ہلاک کر دیا ہم نے سب سے زیادہ سخت کو ان میں سے پکڑ میں اور گذر چکی ہے حالت پہلوں کی

ذریعہ جو ہدایات تمہیں بھیج رہے ہیں ان کو روک دیں کہ تم حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو اور اب تم پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہاں بتایا کہ کوئی قوم کیسی ہی خطا کار کیوں نہ ہو وہ رحیم و کریم اس کی ہدایت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا اور ہدایت کا بھیجنا ہرگز بند نہیں کرتا۔

یہاں داعی الی اللہ کے لئے پیغام ہے کہ کوئی فرد، افراد یا قوم سرکشی و نافرمانی میں خواہ حد سے نکل جائے اور تمام اخلاقی حدود کو پامال کردے، تبلیغ اور ہدایت کے کام کو جاری رکھنا اور قرآن حکیم کے ذریعہ حق کی طرف بلاتے رہنا ہر داعی الی اللہ کا فرض ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے اور ہرگز تھک ہار کر بیٹھ نہیں جانا چاہیئے۔

۷۔۸۔اپنے بندوں کو ہدایت دینا اللہ جل شانہٗ نے اپنے اوپر فرض کیا ہوا ہے وہ تمہاری بداعتدالیوں کی وجہ سے ہدایت بھیجنی ہرگز بند نہیں کرے گا۔ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود تھا کہ اگر آج مشرکین مکہ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور تمہاری ہنسی اڑا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔مکذبین انبیاء کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ جب بھی ان کی ہدایت کے لئے انبیاء آئے انہوں نے انبیاء اوران کے متبعین پر زیادتیاں کیں اور ان کو تمسخر کا نشانہ بنایا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انبیاء بھیجتا رہا جن کی رہنمائی کے لئے وحی نازل ہوتی رہی۔

۹۔یہاں اپنی رحمت بے پایاں کا ایک اور رنگ میں اظہار فرمایا کہ باوجود یکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں پر بے پناہ مظالم توڑے گئے اور تمسخر کیا گیا لیکن ربّ غفور الرحیم نے پھر بھی اپنی رحمت سے اکثر کی زیادتیوں سے درگزر فرمایا۔ ممکن ہے علم الٰہی میں ان میں رُشد کا مادہ ہو یا ان کا وجود کسی اور رنگ میں الٰہی سلسلہ کے لئے مفید ہو۔ ہاں ان کو ہلاک کردیا جو گرفت میں اہل مکہ سے بھی زیادہ سخت تھے۔ یعنی اپنی طاقت کے نشہ میں ظلم و تشدد میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ گویا ائمہ کفر ہی پکڑے جاتے ہیں ۔ جیسا کہ غزوہ بدر میں آٹھ سرداران مکہ ہلاک ہوئے۔

فرمایا پہلوں کی مثال گزر چکی ہے۔یعنی مکذبین انبیاء کا ذکر قرآن کریم میں گزر چکا ہے۔ یا یہ کہ اہل مکہ کے سامنے مکذبین انبیاء کی مثال گزر چکی ہے ۔وہ جانتے ہیں کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
اور البتہ اگر پوچھے تو ان سے کس نے پیدا کئے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے وہ

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۱۰ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
پیدا کیا انہیں عزت والے بہت علم والے نے وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو

مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۱
بچھونا اور بنائے تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ تم ہدایت پاؤ

۱۰۔مکذبین کو انذار کے بعد خالق السمٰوٰت والارض اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتا ہے فرمایا تم خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اور کتاب کا تو انکار کرتے ہو لیکن خدائے واحد کی صفات کا انکار نہیں کر سکتے اور اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کو اسی غالب اور علم والی ہستی نے پیدا کیا۔گویا شرک کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ عظیم کائنات اور دیگر مخلوق کو غیر اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے تھے۔

۱۱۔**المهد** کے لفظی معنی گہوارہ کے ہیں جو بچے کے لئے تیار کیا جائے (مفردات) پنگوڑا۔

قرآن کریم نے زمین کو **مهدا** کہہ کر اس کی حرکت (گردش) اور فضا میں معلق ہونے کی طرف اشارہ کیا نیز اس سکون اور آرام کی طرف اشارہ کیا جو زمین کی گود میں انسان کو نصیب ہوتا ہے۔ جس طرح ایک ماں بچے کو گہوارے میں ڈال کر اس کی ضروریات سے بے خبر نہیں ہوجاتی اسی طرح ماں سے ستر گنا بلکہ ستر کروڑ گنا زیادہ پیار کرنے والا خالق و مالک اپنے بندے کو دنیا میں بھیج کر اس کی ضروریات سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتا بلکہ اس کی پیدائش سے پیشتر ہی سارے انتظامات فرما دیتا ہے ۔غرض **مهد** کے اندر اور باہر انسان کی تمام ضروریات کا سامان رکھا جن سے انسان قیامت تک مستفید ہوتا رہے گا۔ اگر کسی وقت بعض بندگانِ خدا معاشی بدحالی کا شکار ہوجاتے ہیں تو اس میں دیگر عوامل کے علاوہ سرفہرست غیر عادلانہ نظام حکومت ہوتا ہے۔کون ایسا سربراہِ مملکت ہے جو اپنی رعایا کی فکر میں راتوں کو سرگرداں پھرے کہ اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا رہا تو اے عمر! تو اپنے ربّ کے حضور جوابدہ ہے۔ غرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے **مهد** میں نہ صرف تمہاری ضروریات کا سامان رکھا بلکہ اس میں تمہاری خاطر راستے بنادئے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ راستوں میں ان قدرتی راستوں کی طرف اشارہ ہے جو دریاؤں کے ساتھ ساتھ اور پہاڑوں میں دروں کی صورت بنے ہوئے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل اور فراست سے انسان نے اپنی ضروریات کے مطابق راستے اور شاہراہیں بنائیں جو عام سفروں اور تجارتی سفروں میں **ممد** ہوتی ہیں۔ بلکہ سمندروں اور فضاؤں میں راستے تجویز کئے جن میں بحری جہاز اور

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ

اور وہ جس نے اُتارا آسمان سے پانی اندازہ سے پس زندہ کیا ہم نے ساتھ

بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ

اسکے شہر مردہ کو اسی طرح تم نکالے جاؤ گے وہ جس نے پیدا کئے جوڑے

كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۳﴾

ہر قسم کے اور بنایا تمہارے لیے کشتیوں اور چار پایوں میں سے جس پر تم سوار ہوتے ہو

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا

تاکہ ٹھیک بیٹھ جاؤ پیٹھوں پر ان کی پھر یاد کرو نعمت اپنے رب کی جب

اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا

ٹھیک بیٹھ جاؤ تم اس پر اور کہو پاک ہے وہ جس نے قابو میں کر دیا ہمارے لیے اسے

وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور نہ تھے ہم اس پر قابو پانے والے اور یقیناً ہم طرف اپنے رب کی البتہ لوٹنے والے ہیں

ہوائی جہاز بلکہ راکٹ وغیرہ بسہولت چلتے ہیں۔

جس ربّ جلیل نے تمہاری عارضی زندگی کے لئے کائنات کو تخلیق کیا، زمین میں تمہارے لئے راستے بنائے۔کیااس رحیم و کریم نے تمہاری ابدی زندگی کے لئے کوئی راہ نہیں بنائی اور فضائے روحانی میں تمہاری پرواز کے لئے کوئی راستے تجویز نہیں کئے۔اس کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے نہایت مختصر دیا گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا۔فرمایا ”جب ظاہری رستے بنائے تو باطنی رستے بھی ضرور ہیں ۔کتاب اللہ پرعمل سے خدا تک پہنچو ۔“(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر۹ صفحہ ۴۸۰)

۱۲۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسانوں پر اس کی نعمتوں کے ذکر میں اپنی ایک عظیم نعمت یعنی بارش کا ذکر کیا۔فرمایا اس نے اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی اتارا (تفصیل روم:۲۵۔ نور:۴۴) آسمانی پانی سے ایک مردہ زمین کو زندہ کردیا اور ہر طرف سبزہ پھوٹ پڑا۔اسی طرح تم بھی قیامت کے روز زندہ کرکے زمین سے نکالے جاؤگے گویا نباتات کی طرح ہی زمین سے پھوٹو گے۔

۱۳۔تا۱۵۔**تستوٗا**۔تم سوار ہوتے ہو۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کی ارضی وسماوی بے شمار نعمتوں کا ذکر جاری ہے ۔فرمایا ہم نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ۔اس دور کا انسان، انسان، حیوان اور کسی حد تک نباتات کے جوڑوں سے تو واقف تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ کائنات میں ہر چیز کا حتیٰ کہ جمادات کا بھی جوڑا ہے ۔ (تفصیل ۔ الانبیاء: ۸۰۔بنی اسرائیل :۴۴) اب سائنسی تحقیق نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہر شے دو چیزوں کے ملنے سے بنی ہے۔(قٓ:۸) بجلی بھی منفی اور مثبت کے جوڑ سے ہی کارآمد ہوتی ہے ۔ اسی طرح دو عناصر کو

خاص ترکیب سے ملانے سے نہایت کارآمد اشیاء وجود میں آتی ہیں جیسا کہ ایک حصہ آکسیجن اور دو حصہ ہائیڈروجن کے ملانے سے پانی بنتا ہے جبکہ اسی ترکیب میں معمولی کمی بیشی زہر کی صورت اختیار کرجاتی ہے ۔ تمام اشیاء ایٹم کے ملنے سے بنتی ہیں اور ہرایٹم دو کا مجموعہ ہے جب ان کو توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے تو ایٹم بم کی صورت خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں میں تمہارے لئے مختلف قسم کی سواریاں ہیں جن میں بحری سفر کے لئے کشتیاں اور بری سفر کے لئے چوپائے ہیں جن کی پیٹھوں پر سوار ہوتے ہو یا ان کو اپنی سواریوں کے آگے جوتتے ہو۔دوسرے مقام پر فرمایا کہ ان کے علاوہ اور بھی سواریاں ہوں گی۔اب انسان کی توجہ کو اپنے خالق و مالک کے شکر کی طرف پھیرا کہ جب اس پر خوب اچھی طرح بیٹھ جاؤ تو اللہ کی پاکی بیان کرو۔ جس نے اسے تمہارے لئے مسخر کیا جبکہ تم اسے قابو کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرماتے ہیں کہ ”ہر سوار کو علم ہے کہ سوار ہوکر ابتدائی چند لمحے توازن برقرار رکھنے میں لگتے ہیں اور گرنے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ وقت ہے دعا کا کہ جب تک اللہ توفیق نہ دے ہم اس پر قابو نہیں پاسکتے۔ انسان کا اپنے سے کئی گنا طاقتور جانور کو سدھانا اور اس کو تابع کرنا اس قادرِ مطلق کے عطا کردہ علم و فراست سے ہی ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے ارادہ سے سواری پر بیٹھ جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اور یہ دعا مانگتے **سبحٰن الذی** سے ۔۔۔۔۔**لمنقلبون** ٥ (الزخرف ۱۴۔۱۵) پھر یہ دعا کرتے اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں بھلائی اور تقویٰ کے خواستگار ہیں ۔تو ہمیں ایسے عمل کی توفیق دے جو تجھے پسند ہو اے اللہ !تو ہی ہمارا یہ سفر آسان کردے اور اس کی دوری کو لپیٹ دے۔ اے اللہ! تو سفر میں ہمارا ساتھی ہو اور پیچھے اہل وعیال کا خبرگیر ہو۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی سختیوں سے ،ناپسندیدہ اور بے چین کرنے والے مناظر سے، مال اور اہل و عیال میں برے نتیجہ سے اور غیر پسندیدہ تبدیلی سے ۔ جب سفر سے واپس آتے تو یہی دعا مانگتے ۔ اس میں یہ زیادتی کرتے ہم واپس آئے ہیں توبہ کرتے ہوئے عبادت گزار اور اپنے ربّ کی تعریف میں رطب اللسان بن کر ۔(مسلم کتاب الحج باب مایقول اذا رکب الی سفر الحج)

فرمایا یقیناً ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی نعمتوں کے حصول پر بجائے تکبر کے اپنے ربّ کا شکر ادا کرے اور اس چھوٹے سے سفر میں اس لمبے سفر کو نہ بھولے جو ہر انسان کو درپیش ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس کا آخری سفر ہی ہو۔پس دعائیں کرتے ہوئے جائے اور دعائیں کرتے ہوئے ہی واپس لوٹے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ

اور انہوں نے مقرر کیا واسطے اس (اللہ) کے بندوں میں سے اسکے حصہ یقیناً انسان البتہ بہت ناشکرا

ع ۱ ۱۶ ۷ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۷﴾

کھلم کھلا ہے کیا اس نے اختیار کیا اس سے جو پیدا کرتا ہے بیٹیاں اور پسند کئے تمہارے لیے بیٹے

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ

حالانکہ جب خبر دی جاتی ہے کسی کو ان میں سے اسکی جو وہ بیان کرتا ہے واسطے رحمٰن کے شال ہوجاتا ہے

وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَ

منہ اس کا سیاہ اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے کیا وہ جو پالا جاتا ہے زیور میں اور

۱۶۔**جُزء** کے معنی بعض یا حصہ کے ہیں۔

اس رکوع میں بعثتِ انبیاء اور نزول وحی سے شرک کا رد فرمایا۔ رکوع کی اس آخری آیت میں نصاریٰ کے ابنیت مسیح کے عقیدہ کا رد ہے۔ اگلے رکوع کی پہلی آیت میں مشرکین مکہ کے شرک کا رد فرمایا۔ شرک کے معاملہ میں نصاریٰ اور مشرکین مکہ کے عقائد ملتے جلتے ہیں اس لئے اکٹھا ذکر کیا اور بتلایا کہ تمام انبیاء کی اصولی تعلیم توحید باری تعالیٰ ہے۔ مشرکانہ عقائد بعد کے اختراعات ہیں۔ فرمایا اس اقرار کے باوجود کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ جلّ شانہٗ ہے اور بندوں پر تمام نعمتیں اسی کی عطا کردہ ہیں، انسان اس قدر ناشکرا ہے کہ عطا کرنے والے کا شکر ادا کرنے کی بجائے شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء قرار دیتا ہے۔ جزء سے مراد اولاد ہے اس لئے کہ بیٹا باپ کا جزء یعنی اس کے جسم کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ یہاں ولد کی بجائے جزء کہا کیونکہ نصاریٰ مسیح کو بیٹا ہی قرار نہیں دیتے دیگر خدائی صفات میں بھی شریک کرتے ہیں جیسے تین میں سے ایک کہتے ہیں۔

۱۷۔۱۸۔اس رکوع میں شرک کا رد فرمایا اور ثابت کیا کہ شرک کی تائید میں کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ مشرکین کے اس باطل عقیدے کا رد فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ فرمایا کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں بنائیں اور تمہیں بیٹوں کے لئے چن لیا یعنی تمہیں بیٹوں سے فضیلت دی۔ جبکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو اس کی خوشخبری دی جاتی ہے جسے رحمٰن کی طرف منسوب کرتا ہے یعنی بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے غصے کو دبا رہا ہوتا ہے۔ (تشریح کے لئے النحل ۵۸تا۵۹۔ الصّٰفّٰت ۱۵۰تا۱۵۴) بماضرب للرحمٰن مثلاً یعنی "جسے وہ رحمٰن کے تعلق میں ایک اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔" (قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ

وہ جھگڑے میں نہ کھول کر بیان کرنے والا ہے اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو وہ جو کہ

هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ

بندے ہیں رحمٰن کے بیٹیاں کیا موجود تھے وہ پیدائش کے وقت انکی ضرور لکھی جائے گی

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا

گواہی ان کی اور وہ پوچھے جائیں گے اور کہا انہوں نے اگر چاہتا رحمٰن نہ

۱۹۔ یہاں بتایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کا کلام قرآن مبین ہے، اس کی اولاد اسے تجویز کرتے ہیں جس کی بات غیر مبین ہے یعنی جو بحث میں اپنی بات کھول کر بیان نہیں کرسکتی۔

یہاں خاص طور پر مشرکین سے خطاب ہے جو بیٹی کی پیدائش کو باعث ذلت سمجھتے تھے۔ اس دور میں عورت کو عموماً دبا کر رکھا جاتا تھا اور وہ مرد کے مقابلہ میں کھل کر بات کرنے کی مجاز نہیں تھی لیکن رحمۃ للعالمین نے جہاں انسانیت پر اور بہت سے احسانات فرمائے وہاں طبقہ نسواں کی عزت کو بحال کیا اور معاشرہ میں اسے انتہائی عزت و احترام کا مقام دلوایا۔

فرمایا ایسی نرم و نازک اور کمزور ہستی جو آرائش و زیبائش میں پلتی ہے اور بحث و مباحثہ میں اپنا مدعا کھول کر بیان نہیں کرسکتی یا بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل "**فی الخصام** ۔لڑائی میں کھل کر نہیں نکل سکتی۔" (تشحیذ الاذہان جلد۸ نمبر۹ صفحہ ۴۸۰) یعنی اپنی بہادری کے جوہر نہیں دکھا سکتی، اللہ کے حصہ میں ڈالتے ہو اور غالب آنے والے مضبوط و توانا مرد میدان کو اپنے لئے رکھتے ہو۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طبقۂ نسواں کے لئے زیور کا استعمال نیز شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے آرائش و زیبائش جائز ہے۔

۲۰۔**اناثًا** ۔عورتیں۔واحد انثیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیاں منسوب کرنے کا ذکر تھا۔ فرمایا مشرکین مکہ نے ملائکہ کو جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث قرار دے رکھا ہے اور ان کی مورتیاں بنا کر انہیں فرشتوں کے مظہر قرار دیتے ہیں۔ ان کے نام مؤنث کے طور پر رکھتے ہیں جیسے لات و منات اور عزیٰ وغیرہ۔ فرمایا! کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے جو انہیں علم ہے کہ وہ مؤنث ہیں۔ ان کا یہ باطل دعویٰ ان کے نامۂ اعمال میں ضرور لکھا جائے گا اور ان سے ضرور باز پرس ہوگی۔ گویا انہیں ہرگز معافی نہیں ملے گی اور اس بہتان کی سزا ضرور بھگتیں گے۔

فرشتوں کو **اناث** قرار دینا عقلاً بھی غلط ہے۔ فرشتے انسانوں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں جبکہ اناث غیر کا اثر لیتی ہیں۔ نیز یہ دیویاں مردہ ہیں جبکہ فرشتے زندہ مخلوق ہیں۔

عَبْدْنٰهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا
عبادت کرتے ہم ان کی نہیں ان کے پیے اس کا کوئی علم نہیں وہ مگر
يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۱﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ
اٹکل کرتے کیا دی ہم نے ان کو کوئی کتاب پہلے اس کے پس وہ اسے
مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۲﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ
مضبوط پکڑنے والے ہیں نہیں بلکہ کہا انہوں نے یقیناً ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک دین پر
وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
اور یقیناً ہم نقش قدم پر ان کے راہ پانے والے ہیں اور اسی طرح نہیں بھیجا ہم نے

۲۱۔اپنی گمراہی کا الزام اکثر اللہ تعالیٰ پر ڈالا جاتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے اور ہمیں ہدایت نصیب ہوجاتی۔حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تواپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو ہدایت پانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں انہیں ہدایت کی طرف ضرور رہنمائی فرماتا ہے۔(۲۹:۷۰)اگر اللہ تعالیٰ کسی کو برائی سے نہیں روکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس فعل سے راضی ہے۔ دنیا میں ہر برائی ہو رہی ہے اوراللہ تعالیٰ کسی کونہیں روکتا تو کیا اللہ تعالیٰ ان تمام برائیوں سے راضی ہے ۔اللہ تعالیٰ کو کیاپسند ہے اور کیا ناپسند، اس کا فیصلہ وحی الٰہی کرتی ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت بھی کرتے تھے۔ گویا ان مورتیوں کے آگے ماتھے ٹیکنا ، ان کو اپنا حاجت روا جاننا اور ان سے مرادیں مانگنا ان کا معمول تھا۔حالانکہ ان کے پاس اس باطل عقیدے کی کوئی علمی یا عقلی دلیل نہیں تھی۔ یہ محض ان کی قیاس آرائیاں اور احمقانہ اندازے تھے۔

۲۲۔**مستمسکون**۔(مسک) **امساک الشیٔ** ۔کے معنی کسی چیز سے چمٹ جانا اور اس کی حفاظت کرنا ہے۔ مضبوطی سے پکڑنا۔ روکنا۔

پچھلی آیت میں بتلایا کہ ان کے پاس اس عقیدے کے جواز میں کوئی علم نہیں یعنی علمی یا عقلی دلیل نہیں۔اب علمی یعنی نقلی دلیل سے اس عقیدے کا رد فرمایا کہ قرآن کریم سے پہلے ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی جس کی تعلیم پر وہ عملدرآمد کرتے آرہے ہوں اور جس سے استدلال کرکے وہ یہ سب کہہ رہے ہوں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی۔

۲۳۔اگر کوئی دلیل ہے تو یہ بودی دلیل کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی مسلک پر پایااور ہم انہی کی تقلید میں ان دیویوں کو فرشتوں کا مظہر مان کر ان کی عبادت کررہے ہیں۔اور ہم یقیناً انہی کی پیروی میں ہدایت پانے والے ہیں۔ جبکہ ان کے آباء و اجداد خود ہدایت پر نہیں تھے۔

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ
پہلے تجھ سے کسی گاؤں میں کوئی ڈرانے والا مگر کہا خوشحالوں نے اسکے یقیناً ہم نے پایا
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ
اپنے باپ دادا کو ایک دین پر اور یقیناً ہم نقش قدم پر ان کے راہ پانے والے ہیں اس نے کہا کیا اگر
جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا
لاؤں میں تمہارے پاس زیادہ ہدایت والا اس سے کہ پایا تم نے جس پر اپنے باپ دادا کو، انہوں نے کہا یقیناً ہم
بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ
اس کے کہ بھیجے گئے ہو تم ساتھ جس کے منکر ہیں پس انتقام لیا ہم نے ان سے پس دیکھ کیونکر
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ ع ۸
ہوا انجام جھٹلانے والوں کا اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور

۲۴۔**امة**۔ جماعت۔قوم۔طریقہ۔ دین۔ مسلک۔

انبیاء کی شدید مخالفت ہمیشہ ان کی مخاطب قوم کے آسودہ حال لوگوں نے ہی کی۔اس لئے کہ انبیاء کوتسلیم کرنے میں ان کی سرداریوں اور اجارہ داریوں پر ضرب پڑتی تھی اور وہ بہت سے دنیوی فوائد اور وجاہت سے محروم ہوجاتے تھے ۔ شریعت کی عائد کردہ پابندیاں بھی ان کی حریت پسندانہ طبیعت پر گراں تھیں ۔ یہ عذر محض سردارانِ مکہ ہی پیش نہیں کررہے بلکہ جب بھی کوئی متنبہ کرنے والا آیا تووہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ جس مسلک پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اسی کی اقتداء کریں گے۔

۲۵۔متنبہ کرنے والے رسول نے کہا! اگر میں تمہارے پاس تمہارے بزرگوں کی تعلیم سے زیادہ ہدایت والی تعلیم لاؤں تو پھر بھی انکارکروگے۔گویانبی نے اقرار کیا کہ بیشک تمہارے پاس جو تعلیم ہے اس میں بھی کچھ نہ کچھ ہدایت ہے لیکن جو تعلیم میں پیش کررہاہوں وہ تمارے آباء کی تعلیم سے زیادہ ہدایت والی ہے۔اس پرانہوں نے نہایت ڈھٹائی سے کہاکہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ بہتر تعلیم کونسی ہے۔تم کیساہی حق پیش کرو،ہم اسے ماننے کوتیار نہیں۔گویا فیصلہ کئے بیٹھے ہیں کہ آباء واجداد کے مسلک کوکسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔

۲۶۔جن آباء کی پیروی کا تم دعویٰ کرتے ہو کبھی سوچاکہ ان کا انجام کیا ہوا۔جب وہ حجت قائم ہوجانے کے بعد بھی انکار پر مُصر رہے تو تاریخ گواہ ہے کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے۔ پس دیکھ لو انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ اس میں آیت :۲۱ کا بھی جواب ہے کہ اگر اللہ کوشرک پسند ہوتا تو پہلوں کو عذاب کیوں دیتا۔

قَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۲۷ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ

اپنی قوم کو یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جس کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اسکے جس نے پیدا کیا مجھے

فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۲۸ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ

یقیناً وہ عنقریب ہدایت دیگا مجھے اور کیا اسے بات باقی رہنے والی پیچھے اس کے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۲۹ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

تاکہ وہ رجوع کریں بلکہ فائدہ دیا میں نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو یہانتک کہ

۲۷-۲۸- حضرت ابراھیمؑ کے واقعات کی تفصیل (۲-۱۲۳ تا ۱۳۳- ۶-۷۵ تا ۸۴- ۱۴-۳۶ تا ۴۲- ۱۹رکوع ۳- ۲۶رکوع ۵) استفادہ فرمایئے۔ ان سب باتوں کی تائید میں کچھ تاریخی شواہد پیش کئے جن میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا۔ فرمایا! اگر مخالفین اپنے آباء و اجداد کی تقلید پر ہی مصر ہیں تو ان کے جد اعلیٰ تو حضرت ابراھیم علیہ السلام تھے جو موحّد تھے اور بتوں سے سخت بیزار تھے۔ یہ کیوں ان کی پیروی نہیں کرتے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ عبادت اسی کو سزاوار ہے جو پیدا کرے اور پھر اپنے بندے کی صحیح رہنمائی کرے۔ جب تمہارے بتوں کا پیدائش میں کوئی حصہ ہے اور نہ رہنمائی کے قابل ہیں تو وہ عبادت کے لائق کیونکر ٹھہرے۔ فرمایا! میں اس ہستی کے سوا جس نے مجھے پیدا کیا کسی کی عبادت نہیں کرتا وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا اور مجھے منزل مقصود تک پہنچائے گا۔

۲۹- **كلمة**- بات- نشان- کلمہ توحید- یہاں توحید یا ہدایت کو **كلمةً باقية** کہا۔ عقب پاؤں کے پیچھے حصہ کو کہاجاتا ہے۔ استعارۃً بیٹے اور پوتے پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ مراد نسل ہے۔

باوجودیکہ ساری قوم بت پرستی میں ملوث تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی بجائے اپنی فطرتِ صحیحہ اور وحی الٰہی کی روشنی میں توحید پر قائم تھے۔ آپ نے علی الاعلان شرک سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس عقیدہ توحید کو اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے بعد آنے والی نسلوں میں بھی اسے ایک باقی رہنے والا نشان بنادیا گویا توحید الٰہی کے مذہب کو ہی اپنی نسل میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آپ کی نسل میں نہ صرف موحّدین بلکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل ہوئے جن میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤد جیسے جلیل القدر صاحبِ کتاب انبیاء بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فخر موجودات وجہ تخلیقِ کائنات آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ کی نسل سے ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی نسل میں توحید کا بیج کبھی بھی ختم نہیں ہوا یہانتک بعثتِ رسول کے وقت بھی مکہ اور اس کے قرب و جوار میں ایسے موحّدین موجود تھے جو قریباً تین ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ابراھیمی مسلک یعنی توحید پر قائم تھے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۳۰ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا

آیا ان کے پاس حق اور رسول کھول کر بیان کرنیوالا اور جب آیا ان کے پاس حق کہا انہوں نے

هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۳۱ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا

یہ جادو ہے اور یقیناً ہم اس کے منکر ہیں اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اُتارا گیا یہ

الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۳۲ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ

قرآن ایک مرد پر دو بستیوں میں سے بڑے پر کیا وہ تقسیم کرتے ہیں

کی ذاتِ مبارک۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ورقہ بن نوفل اور دیگر کئی علمائے یہود حضرت سعید بن عمروؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کے والد محترم عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ۔ فرمایا تاکہ وہ رجوع کریں یعنی بت پرستی چھوڑ کر اس ابراھیمی کلمہ توحید کی طرف لوٹیں کیونکہ اصل یہی ہے۔

یہاں خاص طور پر تنبیہ فرمائی کہ اگر باپ دادا گمراہی پر ہوں تو ان سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہیئے اور راہِ راست کی تلاش کرنی چاہیئے۔ نیز اولاد کی تربیت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

۳۰- یہاں حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

باوجود اس کے کہ اولاد ابراھیم، ابراھیمی مسلک سے ہٹ گئی اللہ تعالیٰ نے ان کے مشرکانہ عقائد کے باوجود ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو دنیوی نعمتوں سے متمتع فرمایا۔ یہانتک اب سب سے بڑی نعمت قرآن اور رسول مبین کی صورت عطا فرمائی۔ گویا قرآن کے ساتھ قرآن کو خوب کھول کر بیان کردینے والا رسول آیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کو قرآن عطا کیا گیا اس کے بغیر قرآن سے فیض حاصل نہیں کیاجاسکتا۔ پس رسول کے بغیر کتاب کو سمجھنا اور اس پر عمل ممکن نہیں۔ اس سے سنتِ رسول اور حدیث کی اہمیت واضح ہے۔

۳۱- کلام الٰہی دلوں پر اثر کرتا تھا۔ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ مشرکین سے اور تو کچھ بن نہ پڑتا اسے جادو قرار دیتے اور پوری کوشش کرتے کہ کسی کے کان میں نہ پڑے اور لوگوں کو آپ ﷺ اور قرآن کریم سے دور رکھنے کی کوشش کرتے۔

۳۲- مشرکین اوّل تو بشر کو رسول ماننے کو تیار نہیں تھے۔ قرآن کریم نے ان کے اس بیہودہ خیال کا بار بار ابطال فرمایا۔ جب متعدد قرآنی آیات سے واضح ہوگیا کہ انسانوں کو ہدایت دینے ہمیشہ انسان ہی منصب نبوت پر فائز ہوتے رہے تو ان دنیاداروں نے جن کی آنکھیں دنیوی جاہ و جلال اور سونا چاندی سے خیرہ تھیں، یہ اعتراض اٹھایا کہ اگر اللہ کو وحی بھیجنا تھی تو مکہ یا طائف جیسی معروف بستیوں کے کسی صاحبِ حیثیت رئیس کا انتخاب ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ ان کی نگاہ میں عظمت کا یہی معیار تھا۔ کسی غریب اور یتیم کا امانت و صداقت اور تقویٰ و طہارت میں

رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي
رحمت تیرے رب کی ہم نے تقسیم کی ہے درمیان ان کے گذران ان کی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ
زندگی ورلی میں اور بلند کیا ہم نے بعض کو ان کے اُوپر بعض کے درجوں میں
لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا
تاکہ بنا دے بعض ان کا بعض کو محکوم اور رحمت تیرے رب کی بہتر ہے اس سے
يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً
جو وہ کرتے ہیں اور اگر نہ ہوتا یہ کہ ہو جائیں گے لوگ جماعت ایک ہی

ایک منفرد مقام پر ہونا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

۳۳۔**سُخرِیًّا**۔ تسخیر سے ہو تو اس کے معنی تابعدار اور خدمتگار کے ہیں۔ **سُخرِیًّا** ہنسی اڑانے کے معنی میں بھی ہے۔جیسے تمسخر کرنا۔(۱۱۲:۲۳)مشرکین کا یہ اعتراض کہ منصب نبوت کے لئے بڑے بڑے جبہ پوشوں کو چھوڑ کر عبدالمطلب کا یتیم اورغریب پوتا ہی کیوں منتخب ہُوا۔ اس کا پہلا جواب اس آیت میں ہے اور دوسرا اگلی آیت میں۔

بتایانبوت موہبت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور سب سے عظیم نعمت ہے ۔ اس کی تقسیم کا اختیار مشرکین مکہ کو کیسے مل سکتا ہے کہ وہ اس کے ٹھیکیدار بن جائیں اور یہ منصب جلیلہ ان کی مرضی سے تفویض ہو۔ جبکہ ماموریت کا انتخاب اللہ جل شانہٗ نے کلیۃً اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ نبوت تو بہت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ تو سامانِ معیشت کی تقسیم جیسے ادنیٰ کام کا اختیار بھی انہیں نہیں دیتا۔ جسے چاہتا ہے اپنی بعض مصالح کی بنا پر دوسروں پر فضیلت دیتا ہے ۔ یہ عدل کے منافی نہیں۔ دنیوی مراتب میں ادنیٰ یا اعلیٰ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجہء فضیلت نہیں۔ اس کی نگاہ میں امیر محض امارت کی بنا پر مقبول ہے نہ غریب محض غربت کی وجہ سے مردود ہے ۔اللہ تعالیٰ کے حضور عظمت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔بیشک امیر و غریب کی تفاوت میں بہت سے عوامل ہیں ۔جیسے ایک شخص کی ذاتی صلاحیت۔علم و قابلیت صحت و محنت، خاندانی پسِ منظر اور ترقی کے مواقع وغیرہ۔ تاہم اس تفاوت میں مصلحت یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور صحیح تمدن کے اجرا کے لئے اس کا مِل جُل کر رہنا اور کام کرنا ازبس ضروری ہے۔ فرمایا ! تاہر دو مل کر ایک دوسرے کے کام آئیں اور دنیا کے کاروبار چلائیں ۔ روحانی نعمتوں میں بھی خاص مصلحتوں اور حکمتوں کے تحت بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے۔ وہ علیم وخبیر جانتا ہے کہ اس نعمت عظمٰی کا اہل کون ہے۔ کس درِّ یتیم کی استعداد، قوتِ قدسی اور کمالِ باطنی گمراہیوں میں بھٹکتے بندوں کو راہ راست پر لاسکتی ہے۔

لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ
تو ضرور بنا دیتے ہم ان کے لیے جو کفر کرتے ہیں رحمٰن کا ان کے گھروں کی چھتیں
فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا
چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے
وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۗ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ
اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور سونا اور نہیں سب کچھ یہ
لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ
مگر سامان زندگی ورلی کا اور آخرت پاس تیرے رب کے
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ ع ۳ ۱۰ ۹
متقیوں کے لیے ہے اور جو غفلت کرے یاد سے رحمٰن کی مقرر کریں گے ہم اس کیلئے

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ نبوت وہ رحمت ہے کہ اگر اس کی اتباع کرو گے تو اس کے وارث قرار پاؤگے ۔ پس تمہارے ربّ کی رحمت اس دنیوی مال و متاع سے جو یہ سردارانِ مکہ جمع کررہے ہیں بہت بہتر اور افضل و اعلیٰ ہے۔

۳۴تا۳۶۔ **زُخرف**۔ سونا۔ آرائش و زیبائش۔

پچھلی آیت میں کفار کا دنیوی متاع کے حصول کا ذکر تھا جس میں ان کی محنت و استعداد کا دخل تھا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی محنت کے اجر سے محروم نہیں کرتا۔ کفار کا مقصود دنیا کا حصول تھا سو اِن کو مل گئی۔جیسا کہ موجودہ زمانہ میں مغربی اقوام نے خوب محنت کی اور دنیوی آسائش اور اقتدار حاصل کرلیا۔ کفار مکہ کو اُن کے سوال کا دوسرا جواب دیا کہ مال و دولت کی وسعت پر نبوت نہیں مل سکتی۔ دنیا اور اس کا سازو سامان اللہ کی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ اگر اس چیز کا احتمال نہ ہوتا کہ کافر کو فراخی اور عیش میں دیکھ کر لوگوں کی اکثریت کفر کی طرف مائل ہوجائے گی تو سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کردی جاتی ۔ یعنی کفار کو اتنا مال دے دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں اور دروازے اور ان کے بیٹھنے کے تخت سب چاندی کے بنادیتے اور ان کو ٹھاٹھ باٹھ عطا کرتے۔ اس صورت میں تو سب لوگ کفر کی طرف ہی جھک جاتے اور دنیا اور اس کی آرائش و زیبائش کو ہی اپنا مقصود و منتہیٰ بنالیتے۔ چاندی کا ذکر زیادہ کیا کیونکہ یہ دھات وافر مقدار میں پائی جاتی ہے جبکہ سونا قلیل مقدار میں ہے۔

اس دور کا انسان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کفار کے پاس سونے چاندی کی لمبی بہتات ہوسکتی ہے آج مغربی اقوام کی دولت کی فراوانی ان آیات کی سچائی کی ایک بین دلیل ہے۔ان کے

شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ
شیطان پس وہ اس کا ساتھی ہے اور یقیناً وہ البتہ روکتے ہیں ہے انہیں (اللہ کی)
السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا
راہ سے اور گمان کرتے ہیں کہ وہ راہ پانے والے ہیں یہاں تک کہ جب آئیگا ہمارے پاس

امراء کے گھر اور ان کے سازو سامان نہایت قیمتی ہوتے ہیں۔بعض کے سامانِ آرائش تو حقیقۃً سونا اور چاندی کے ہیں۔اکثر کا فرنیچر اور غسل خانوں کی ٹونٹیاں تک سونے کی ہیں۔بیشک یہ چیزیں اپنی ذات میں بُری نہیں۔بُری اس صورت میں ہیں کہ عطا کرنے والے کو بھول کر ان کے حصول میں شب و روز غرق ہیں۔دولت کی ہوس ظلم کو دعوت دیتی ہے۔سو غریب ممالک کی دولت کے وسائل پر قبضہ کرکے خود امیر سے امیر ترین بن چکے ہیں اور وہ غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں۔ ایسی دولت اور عیش وعشرت انسان کو اپنے ربّ سے دور کر دیتی ہے اور وہ اس کمالِ حقیقی سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کی زندگی کا مقصود و مطلوب ہے۔پس یہ آرائش و زیبائش اور سیم و زردنیا کی متاع حقیر ہے جو چندروزہ زندگی میں ان کو نصیب ہوتی ہے۔حقیقی متاع وہی ہے جو آخرت کو ملے گی اور تیرے ربّ کے حضور متقیوں کو نصیب ہوگی۔انجام بخیر متقین کا ہی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۳۷۔۳۸۔اس رکوع میں مخالفتِ رسول پر سزا کا ذکر ہے۔**یعش**۔اصل میں **یعشو** تھا واؤ گرگیا۔**عشا** نظر کی کمزوری ہے اور اعراض کرنا بھی ہے۔ **من یعش عن ذکر الرحمٰن** جو ذکر الٰہی اور قرآن کریم سے اعراض کرے یا یہ کہ قرآن سے اندھا بن جائے یعنی قرآن کی ہدایات اسے نظر نہ آئیں اور نہ ان پر عمل کرے۔ **نقیض**۔ہم تعینات کرتے ہیں۔ مقرر کرتے ہیں۔ **قیّض** کے معنی شیطان کے انسان پر مسلط ہونے کے ہیں۔

بتایا کہ مشرکین سے ہی خاص نہیں مسلمانوں پر بھی ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کو مالی فراخی نصیب ہوگی جو ان کی گمراہی کا سبب ہوگی مگر ان کی گمراہی کا اصل سبب قرآن کریم سے اعراض ہوگا۔ قرآن کریم یاذکر الٰہی سے اعراض اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑنا ہے۔جس کا دوست اللہ نہیں ہوگا اس کا دوست لازماً شیطان ہوگا۔ یہ شیطان صفت بُرے ساتھی اللہ فراہم نہیں کرتا بلکہ یہ خود اپنے ہم خیال ڈھونڈ لیتے ہیں جو دجل و فریب کے ایسے جال بچھاتے ہیں کہ انہیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وہ راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں۔وہ اسی خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ یہاں بتایا کہ شیطان کی وسوسہ اندازی عام ہے لیکن ذکر الٰہی کرنے والے اور قرآن پر عمل کرنے والے اس کے

قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
کہے گا اے کاش درمیان میرے اور درمیان تمہارے دوری ہو مشرق و مغرب کی پس کیا ہی برا ہے
الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى
ساتھی اور ہرگز نہیں نفع دیگا تمہیں آج جبکہ ظلم کیا تم نے کہ تم
الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى
عذاب میں شریک ہو کیا پس تو سناتا ہے بہروں کو یا تو راہ دکھاتا ہے
الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ
اندھوں کو اور انہیں جو ہیں گمراہی کھلی کھلی میں پس اگر ہم لے جائیں تجھے

وسوسوں کو قبول نہیں کرتے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے وہ سوائے بھلائی کے مجھے کچھ نہیں کہتا(مسلم جلد ثانی کتاب صفۃ المنافقین باب تحریش الشیطان و بعثہ سرایاہ' وترمذی بروایت جابرؓ) شیطان انہیں کا قرین بنتا ہے جو اس کے وسوسوں کو قبول کرتے ہیں ، قرآنی ہدایت سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور گمراہیوں کو اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ گمراہیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں گویا ان کا نورِ فطرت بالکل ہی دب جاتا ہے۔

۳۹۔یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا تو اپنے ساتھی سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔ کیا ہی بُرا ہے وہ ساتھی جو اپنے ساتھ دوسرے کو بھی جہنم میں لے جائے۔ یہ سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے جب غلط صحبت کے بدنتائج سامنے آتے ہیں تو چیخ اٹھتے ہیں کہ ہمارے ساتھی ہمیں لے ڈوبے اور یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

۴۰۔آج تمہیں یہ حسرت و ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی کہ کاش مجھ میں اور میرے بُرے ساتھی میں طویل دوری ہوتی۔ اس لئے کہ تم ظلم کر چکے ہو سو تم عذاب میں باہم شریک ہو۔ جیسا کہ دنیا میں ظلم و زیادتی کے وقت باہم شریک تھے یعنی مل کر ظلم کیا کرتے تھے۔

۴۱۔ان کی اخروی سزا کا نقشہ بتا رہا ہے کہ ان کی ہدایت کی کوئی امید نہیں ۔ کیا تو ایسے بہروں کو سنا سکتا ہے اور ایسے اندھوں کو اور انہیں جو صریح گمراہی میں پڑے ہیں راہ دکھا سکتا ہے جو نہ سننا چاہتے ہیں نہ دیکھنا چاہتے ہیں ۔ ایسوں کو راہ پر لانا تیرے اختیار میں نہیں ۔ پس ان پر عذاب نازل ہو کر رہے گا۔

۴۲۔۴۳۔سردارانِ مکہ کا خیال تا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی تک یہ سارا کاروبار ہے کہ توحید کی تبلیغ اور شرک کے ابطال پر جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔آج یہ ختم ہو جائیں تو ساتھ ہی ان کا پیش کردہ نیا نظامِ زندگی دم توڑ دے گا۔یہاں بتایا کہ تیری موت و حیات

فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ

تو یقیناً ہم ان سے انتقام لینے والے ہیں یا ہم دکھائیں تجھے وہ جس کا وعدہ کیا ہم نے ان سے

فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ

تو یقیناً ہم ان پر قادر ہیں پس مضبوط پکڑ اسے جو وحی کی گئی

اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۴﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ

طرف تیری یقیناً تو سیدھی راہ پر ہے اور یقیناً یہ البتہ نصیحت نامہ ہے تیرے

وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَسْــَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ

لیے اور تیری قوم کیلئے اور ضرور پوچھے جاؤ گے تم اور دریافت کر ان سے جنہیں بھیجا ہم نے

سے اس کا تعلق نہیں اگر تم ہجرت فرماجاؤ یا ہمارے حضور پہنچ جاؤ تو ہم ان سے بدلہ بہرحال لیں گے۔ ہجرت کے جلد بعد جنگ بدر میں سرداران مکہ کا چن چن کر مارے جانا اس آیت کی سچائی پر گواہ ہے۔اگر مراد آپ ﷺ کی وفات ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی مشرکین کو سزا ملتی رہے گی۔

یاوہ موعود عذاب جس کی خبر مشرکین مکہ کو دے رکھی ہے، تیری زندگی میں نازل ہوا تو تمہیں ان کی تباہی کا نظارہ ضرور دکھا دیں گے جیسا کہ جنگ بدر اور فتح مکہ کی صورت آپ ﷺ نے اللہ کے وعدوں کو پورا ہوتے دیکھا۔ فرمایا ان دونوں میں سے جو بھی صورت حال ہو ہم ان کو تباہ کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

۴۴۔ ان کا معاملہ ہمارے سپرد ہے ۔آپ ﷺ ان کے انجام سے افسردہ خاطر نہ ہوں ۔ قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ یعنی قرآن ہی کو مقدم رکھیں یہی قرآن کریم کی متعین کردہ سیدھی راہ ہے جس پر آپ چل رہے ہیں ۔

۴۵۔**لقومک**۔کی تشریح میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کی پوری امت ہے خواہ وہ کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھتی ہو۔ قرآن کریم ان سب کے لئے عظمت اور نیک ناموری کا باعث ہے(قرطبی)اس لئے کہ یہ ربّ رحیم کا کلام ہے۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس شرف عظیم کے لئے اللہ نے تجھے اور تیری امت کو چنا۔دنیا کی ہدایت کا بارگراں تمہارے اوران کے کندھوں پر ڈالا۔"پس تم سب جوابدہ ہو کہ قرآن حکیم کا حق ادا کیا ہے یانہیں۔"(کشاف ۔ روح البیان)قرآن تو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔تاہم اس کو عزت و احترام دینا، اسے پڑھنا سمجھنا، یادکرنا اس پر غور و تدبر کرنا اس پرعمل کرنا اور کروانا اوراس نعمت عظمٰی پر اللہ کا شکر ادا کرنا ہر امتی کا فرض ہے کہ شاید اس کا کچھ حق ادا ہو جائے اور دنیا و آخرت سنور جائے۔

قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً

پہلے تجھ سے اپنے رسولوں میں سے کیا بنائے تھے ہم نے سوائے رحمٰن کے معبود

يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ ۴ ع ۱۰

جن کی عبادت کی جائے اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے موسیٰ کو ساتھ اپنے نشانوں کے طرف فرعون کی

وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

اور اسکے سرداروں کی، پس کہا یقیناً میں رسول ہوں رب کا تمام دنیا کے پس جب وہ لایا انکے پاس

بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ

نشان ہمارے اچانک وہ ان سے ہنسی کرنے لگے اور نہیں دکھلاتے تھے ہم انہیں کوئی نشان

اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

مگر وہ بڑا ہوتا تھا ساتھ والے سے اپنے اور پکڑا ہم نے انہیں عذاب میں تاکہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

رجوع کریں و اورانہوں نے کہا اے جادوگر دُعاکر ہمارے لیے اپنے رب سے اسلئے کہ اس نے عہد کیا

۴۶۔قرآن کریم کی عظمت کا ذکر تھا۔ مشرکین کسی ایسی کتاب کو ماننے کو تیار نہیں تھے جس میں توحید کی تعلیم اورشرک سے کلیۃً بیزاری کا اعلان ہو۔ مشرکین سے اتمام حجت کے طور پر فرمایا کہ گزشتہ انبیاء سے پوچھو کیا ہم نے انہیں شرک کی تعلیم دی تھی۔ ظاہر ہے رسول تو وفات پاچکے تھے ۔ مراد ان کی تعلیم یا ان کی امت کے علماء ہیں ان سے پوچھ لیں کسی الہامی کتاب میں شرک کی تعلیم نہیں ۔توریت اور انجیل میں باوجود تحریفات کے توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم موجود ہے۔ مشرکین حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشرو مانتے تھے جو توحید پر قائم تھے ۔یہاں مسیحؑ کے ابن اللہ ہونے کا بھی رد ہے۔ لیکن مسیحؑ کے ذکر سے پہلے ترتیب کے لحاظ سے حضرت موسیٰؑ کا ذکر فرمایا کیونکہ مشرکین مکہ کو متنبہ کرنا مقصود تھا۔

۴۷تا۴۹۔ پانچویں رکوع میں حضرت موسیٰؑ اور قوم فرعون کی مثال سے واضح کیا کہ مخالفین رسول اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے ۔پس تیری قوم کے فراعنہ بھی مثیل موسیٰؑ کے انکار کے جرم میں تباہ کردئے جائیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کے یہ واقعات تفصیلاً (الاعراف رکوع ۱۳ تا رکوع ۲۱ میں گزر چکے ہیں) استفادہ فرمایئے۔اوّل آپ نے عصا اور ید بیضاء کے معجزات پیش کئے۔ بیشک وہ اپنی ذات میں عظیم تھے لیکن بعد میں دکھایا جانے والا ہر نشان پہلے سے عظیم تر ہوتا تھا۔حضرت موسیٰؑ کے معجزات کی تفصیل (الاعراف :۱۳۴) میں ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا ہم نے انہیں مصیبت میں گرفتار کیا تا کہ باز آ جائیں۔

۵۰۔۵۱۔حضرت موسیٰؑ کو ساحر کہہ کر پکارنے میں ان کی صریح گستاخی تھی کہ تیرا جادو تو

عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ
تھا تجھ سے یقیناً ہم ضرور ہدایت پانیوالے ہیں پس جب دور کر دیا ہم نے ان سے عذاب
اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ
اچانک وہ الٹے پھرنے لگے اور اعلان کیا فرعون نے اپنی قوم میں کہا اے قوم میری
اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ
کیا نہیں میرے لیے ملک مصر اور یہ نہریں چلتی ہیں ماتحت میرے
اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ
کیا پھر نہیں دیکھتے تم بلکہ میں بہتر ہوں اس سے کہ جو ذلیل ہے

چل گیا ہے۔ بڑے بڑے معجزے دکھا رہا ہے اور جو ناممکن باتیں کہتا ہے پوری ہو جاتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے آپ کے ربّ کا وعدہ تھا کہ جب مجھے پکارو گے عذاب کو دور کردوں گا۔ پس فرعون اور قوم فرعون نے آپ کی دعا کو مستجاب سمجھتے ہوئے آپ سے عذاب کے ٹلنے کی التجا کی اور وعدہ کیا کہ اگر عذاب ٹل گیا تو ہم راہ راست اختیار کرلیں گے۔ قوم فرعون نے ہمیشہ عہد شکنی کی۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے علم تھا کہ نہیں مانیں گے لیکن وہ رحیم و کریم اپنے نالائق بندوں کی زبانی معذرت بھی قبول فرمالیتا ہے اور عذاب سے بچالیتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ عذاب ٹلتے ہی پھر عہد شکنی کریں گے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ معمولی عذر سے آیا ہوا عذاب ٹال دیتا ہے تو توبہ و استغفار سے انذاری پیشگوئیاں کیوں نہیں ٹلیں گی۔

۵۲۔ جنت کے ذکر میں بھی **تجری من تحتها الانہر** کا جملہ آتا ہے۔ مراد زیر نگیں ہونا یا دامن میں بہنا ہے۔ فراعنہ مصر نے دریائے نیل سے بڑی بڑی نہریں نکالی تھیں جو محلات کے دامن سے گزرتی تھیں جن پر عوام کی معیشت کا مدار تھا۔ فرعون دل میں خائف تھا اور جانتا تھا کہ یہ پے درپے عذاب موسیٰؑ کے ربّ کی طرف سے آرہے ہیں۔ مگر عوام سے چھپارہا تھا۔ اسے ہر لمحہ یہی خوف تھا کہ عوام حضرت موسیٰ کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ عوام کو قائل کرنے کے لئے نہایت متکبرانہ انداز سے ان سے مخاطب ہوا کہ مصر کا عظیم ملک میرے قبضہ میں ہے اور یہ تمام نہریں میری ملکیت میں ہیں، تمہاری ربوبیت میں کررہا ہوں نہ کہ موسیٰ کا خدا جسے موسیٰ کو کچھ دینے کا بھی اختیار نہیں۔ کیا تمہیں میرا جاہ و جلال اور عظمت و سطوت نظر نہیں آتی جو ایک بے اختیار اور نادار شخص کی طرف جھکے جارہے ہو۔

ان مغرور و متکبر شہنشاہوں کے مقابلہ میں اسلام میں ایسے ایسے فقیر صفت حکمران گزرے کہ تاریخ کے اوراق ان کے واقعات سے جگمگارہے ہیں۔ تاریخ میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشیدؒ نے

وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۳﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ
اور نہیں طاقت رکھتا کہ کھول کر بات بیان کرے۔ پس کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے
اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ
یا آتے ساتھ اسکے فرشتے مل کر پس پھسلا لیا اس نے اپنی قوم کو

جب یہ آیت پڑھی اور حکومت مصر پر فرعون کا غرور دیکھا تو کہا میں مصر اپنے ادنیٰ غلام کو دوں گا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشیدؒ نے مصر خطیبؔ کو دے دیا جو اُن کا غلام تھا اور وضو کروانے کی خدمت پر مامور تھا۔

۵۳۔ فرعون اپنے ملک اور انہار وغیرہ کے نشہ میں خود کو حضرت موسیٰؑ کے بالمقابل بہت ارفع واعلیٰ سمجھتا تھا۔ اس متکبر نے حضرت موسیٰؑ کی شان میں نہایت گستاخانہ لفظ استعمال کیا۔ محکوم قوم میں ہونے کی وجہ سے آپ کو مھین یعنی گھٹیا اور کمزور کہا۔ روسائے مکہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ غربت وافلاس کے طعنے دئے (آیت: ۳۳) فرعون نے کہا نہ صرف قومی طور پر کمزور اور ذلیل ہے بلکہ ذاتی طور پر بھی کمزور ہے، جسے اظہار بیان کی بھی طاقت نہیں۔ سورۃ طٰہٰ میں آپ کی دعا اور اس کی مقبولیت کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کی زبان میں کوئی کمزوری تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرمادیا۔ فرعون کا **لایکادیبین** کہنا یا تو پچھلی کمزوری کی طرف اشارہ تھا یا اس کا خیال تھا کہ آپ ایسے قادر الکلام نہیں جو دربار کے علماء وفضلاء کے سامنے بول سکیں۔ حالانکہ بعد میں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں ایسی مدلل تقاریر کیں کہ دربار کے اہل دانش کو قطعی طور پر لاجواب کردیا۔ کہیں بھی ہارونؑ نے بات نہیں کی۔

۵۴۔ **مقترنین**۔ اقتران دو یا زیادہ چیزوں کا اکٹھا ہونا۔ (مفردات) مراد بہت سے گروہ۔ گروہ درگروہ۔

یہ سارے وہی اعتراضات ہیں جو ہر نبی پر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر بھی ہوئے۔ (آیت: ۳۴) اس زمانہ میں حکمران اور رؤساء سونے کے کنگن پہنتے تھے جو ان کا نشان ریاست سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ان کا غرباء سے ممتاز ہونا اور غرور و تکبر کی نمائش تھی۔ اسی لئے اسلام میں مردوں کے لئے سونا استعمال کرنا حرام ہے ان کا یہ اعتراض کہ فرشتے موسیٰؑ کے جلو میں کیوں نہیں آتے تاکہ کچھ تو اس کی شان ظاہر ہوتی۔ اس کا جواب قرآن کریم میں ہر نبی کے واقعہ میں گزرا کہ انسانوں کو تعلیم دینے انسان ہی آتا ہے جو عملاً اس تعلیم پر عمل کر کے دکھاتا ہے۔ اگر نبی کی بجائے فرشتہ آتا تو تمہارا اعتراض ہوتا کہ ہم انسان ہوتے ہوئے اس تعلیم پر کیسے

فَاٰسَفُوْنَا ۞ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۵۵ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا

پس انہوں نے پیروی کی اسکی یقیناً وہ تھے لوگ فاسق پس جب انہوں نے غصہ دلایا ہمیں

انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۵۶ فَجَعَلْنٰهُمْ

انتقام لیا ہم نے ان سے پس غرق کر دیا ہم نے ان سب کو پھر کر دیا ہم نے انہیں

عمل کر سکتے ہیں۔ نبی کی معیت کے لئے فرشتے آتے ہیں لیکن ان بدکاروں کو نظر نہیں آ سکتے ہاں اللہ تعالیٰ کبھی ان کو یہ جلوہ بھی دکھا دیتا ہے جیسا کہ جنگ بدر اور بعض دوسری جنگوں میں کفار کو بھی فرشتے نظر آئے جو مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔

۵۵۔**فاستخفّ**۔ خفیف سے ہے۔ اس نے اپنی قوم کو خفیف پایا یعنی ہلکا پایا۔ مراد بیوقوف پایا۔ ۔روح المعانی)

یقیناً ایسی قوم بیوقوف ہی ہوتی ہے جو ظالم و جابر حکمرانوں کے پیچھے لگتی ہے اور ان کی تابع فرمان ہو جاتی ہے اور ان کے ساتھ ہر طرح تعاون کرتی ہے یہاں تک کہ انہیں حق و باطل کی پہچان نہیں رہتی۔ یہاں فاسقین کا نقشہ پیش کیا کہ امراء اپنے مفاد کی خاطر ہر غلط کام کر گزرتے ہیں اور عوام کو جبر کر کے غلط کاموں پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ان کی ایسی مت ماری جاتی ہے کہ ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ حکمران جس طرح چاہتے ہیں انہیں چلاتے ہیں۔ وہ اسی ذلیل حالت میں خوش رہتے ہیں اس لئے کہ امراء کو اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے وہ عوام کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ بیشک عوام ظلم کی چکی میں پستے ہیں لیکن مجموعی طور پر پوری قوم ہی فاسق ہوتی ہے اس لئے کہ اگر ظلم کرنا فسق ہے تو ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانا اور حق کا ساتھ نہ دینا بھی فسق ہے۔ سزا کے حقدار دونوں ہی ہوتے ہیں عوام بھی اور خواص بھی۔

۵۶۔**اٰسف** کے معنی اغضب کے بھی ہیں۔ ناراض کیا۔ حزن اور غضب دونوں کے لئے آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب کو انسانوں کی رضا اور غضب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی رضا کو اپنی رضا اور ان کے غضب کو اپنا غضب ٹھہرایا اسی لئے کہا جو شخص میرے ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ (مفردات راغب) گویا اللہ تعالیٰ کے غضب یا اسف میں جو انسان سے تعلق رکھنے والا حصہ ہے وہ باقی نہیں رہتا، نتیجہ باقی رہتا ہے۔ پس ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی نے اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کر دیا۔ اسی سے فرعون ڈرتا تھا۔ فرمایا ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو لاؤ لشکر سمیت غرق کر دیا۔

ع ۵ ۱۱ ۱۱

سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۵۷ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ

گئے گزرے اور کہاوت واسطے پچھلوں کے اور جب بیان کیا جاتا ہے بیٹا مریم کا

مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۵۸ وَقَالُوْۤا ءَاٰلِهَتُنَا

بطور مثال کے اچانک قوم تیری اس سے تالیاں بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کیا معبود ہمارے

خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

بہتر ہیں یا وہ نہیں بیان کرتے ہیں وہ اسے تیرے لیے مگر جھگڑے کے طور پر بلکہ وہ لوگ

خَصِمُوْنَ ۵۹ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

جھگڑالو ہیں نہیں وہ مگر ایک بندہ انعام کیا تھا ہم نے اس پر اور بنایا تھا ہم نے

مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۶۰ ؕ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ

اسے مثال واسطے بنی اسرائیل کے اور اگر ہم چاہیں تو بنا دیں ہم تم میں سے

۵۷۔**سلف**۔ جو پہلے گزر چکا۔ ان کا آگ میں پہلے جانا بھی مراد لیا گیا ہے۔ پس ہم نے انہیں ماضی کا قصہ اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں بتایا کہ فرعون کو بچا لیا گیا تھا لیکن وہ اس حالت میں تھا کہ نہ زندوں میں شامل تھا نہ مُردوں میں اور بعد میں آنے والوں کے لئے ساٹھ سال تک ایک عبرت کے نشان کے طور پر زندہ رہا۔

۵۸ تا ۶۰۔**صَدّ** کی مضارع **یَصُدُّ** ہو تو معنی اعراض کرنے کے ہوتے ہیں۔ **یَصِدُّ** ہو تو معنی فریاد کرنا یا چلا اٹھنا ہے۔ (لسان العرب)

اس رکوع میں بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ کا آنا بنی اسرائیل کے لئے قیامت وسطیٰ کا قائم ہونا تھا اور بتایا کہ ایک برگزیدہ قوم بھی رسول کی مخالفت کر کے عذاب کی مورد بنتی ہے۔ اس میں ان پیشگوئیوں کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد مقدر تھیں۔ نیز یہ تمام آیات مسیح کی بعثت ثانیہ پر بھی اطلاق پا رہی ہیں۔ یعنی محمدی مسیح پر بھی یہ تمام حالات گزریں گے۔

جب ابن مریم کو بطور مثال پیش کیا جاتا اور آپ کا ذکر عزت و احترام سے کیا جاتا ہے تو تیری قوم شور بپا کر دیتی ہے کہ اپنی قوم کے معبودوں کی مذمت کی جاتی ہے اور غیر قوم یعنی نصاریٰ کے معبود عیسیٰؑ کی مدح کی جاتی ہے۔ آپ شرک کے دشمن تھے خواہ وہ مشرکین سے منسوب تھا یا نصاریٰ سے۔ پس یہ عزت ان کے عقیدۂ شرک کی نہیں بلکہ اللہ کے اس پاکباز بندے کی ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بنا دیا۔ آیت ۶۵ میں بتایا کہ وہ خود کو ہرگز معبود بنا کر پیش نہیں کرتا تھا بلکہ ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا تھا۔ اس کی امت

مَلٰٓئِکَةً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَ اِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا
فرشتے جو زمین میں (ایک دوسرے کے) جانشین ہوتے اور یقیناً وہ البتہ علم ہے واسطے قیامت کے پس نہ تم

تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۲﴾ وَ لَا
ہرگز شک کرو اس میں اور پیروی کرو میری یہ راہ سیدھی ہے اور نہ

نے ایک غلط راہ اختیار کی اور اسے خدا کا بیٹا بنالیا۔ پس ان کی بحث کا مقصد محض جھگڑنا ہی ہے حق کی تلاش نہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ یہ قوم ہی جھگڑالو ہے۔

۶۱۔نصاریٰ کے شرک کا ذکر تھا۔ اس لئے بگڑی ہوئی عیسائیت کے بنیادی عقیدہ کی طرف اشارہ کیا۔انسان کی زندگی کامقصود اعلیٰ حصول جنت ہے۔ان کے عقیدہ کے مطابق جنت کا اہل وہی ہے جو فرشتوں کی طرح معصوم ہو۔ اعمال کے ذریعہ ایسا ممکن نہیں۔یہ اسی طرح ممکن ہے کہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لایاجائے کیونکہ ایسا کرنے سے تمام گناہ جھڑجاتے ہیں اور انسان فرشتوں کی طرح معصوم ہو جاتاہے۔(عہدنامہ جدید۔سینٹ پال کے خطوط)اس آیت میں بتایاکہ فرشتوں جیسامعصوم بننے کے لئے کفارہ کاسہاراہی کیوں ضروری ہے۔اگر ہم چاہیں توتمہی میں سے فرشتے بنادیں جو زمین میں خلافت کریں۔جیساکہ بعدمیں فرشتہ سیرت خلفاء اور بعض حکمران ہوئے۔

۶۲۔**ساعة**۔ عذاب کی گھڑی ۔ قیامت۔ قیامتِ صغریٰ۔عظیم انقلاب کی گھڑی۔ **انہٗ** سے اکثر جگہ قرآن کریم مراد ہے ۔**انہٗ لعلم للساعة** ۔یعنی قرآن کو ساعة کا علم ہے۔ نصاریٰ کے باطل عقیدہ کے ساتھ ہی بتایا کہ ان پر بھی تباہی کی گھڑی آئے گی اور ان کی طاقت پارہ پارہ ہوجائے گی جس کا علم قرآن نے دے دیاہے۔ حضرت خلیفة المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔''قرآن مجید میں انسان کی تنزل و ترقی کی گھڑیوں کاعلم ہے ۔ اس میں بتایاگیاہے کہ قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں۔ پس تو اے قرآن مجید پڑھنے والے ان میں شک نہ کر کیونکہ یہ بہت ہی قطعی اور صحیح اور سچی باتیں ہیں۔(تشحیذ الاذہان جلدے نمبر۳ صفحہ۱۳۴) نیز فرماتے ہیں کہ''اگر **انہٗ** کی ضمیر ابن مریم کی طرف راجع ہوتو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابن مریم **ساعة** کی پہچان ہے اس کے ذریعہ اس عذاب کی گھڑی کا علم حاصل ہوتاہے جو کہ یہودیوں پر آنی مقدر ہے۔ چنانچہ ابن مریم کے بعد یہودی طیطوس رومی کے ہاتھوں سخت تباہ و برباد ہوئے۔(بدر ۱۳جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۰)

گزشتہ علماء اس آیت کا انطباق آنے والے مسیح پرکرتے ہیں کہ وہ ساعت کی نشانی ہوگا۔ یعنی محمدی مسیح عظیم روحانی انقلاب کی پہچان ہوگا۔ پس تم اس ساعة پر ہرگز کوئی شک نہ کرو ،وہ تو آکر رہے گی۔ہاں میری پیروی کرو۔میری پیروی سے اس نعمت کے وارث بنو گے کیونکہ وہ میری

یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۶۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ
روکے تمہیں شیطان یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے کھلا کھلا اور جب لایا

عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِالۡحِکۡمَةِ وَ لِاُبَیِّنَ لَکُمۡ
عیسیٰ دلائل کہا اس نے یقیناً لایا ہوں میں تمہارے پاس حکمت اور تاکہ کھول کر بیان کروں تمہارے

بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۶۴﴾
لیے بعض وہ کہ اختلاف کرتے ہوتم اس میں پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۵﴾
یقیناً اللہ ہی رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا پس عبادت کرو اسکی یہ راہ ہے سیدھی

پیروی سے مشروط ہے۔ اس لئے کہ آنے والا مسیح امت ِمحمدیہ میں سے ہی آئے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیاحال ہوگا جب ابن مریم مبعوث ہوگا۔وہ تم میں سے ہوگا اور تمہارا امام ہوگا۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم ومسلم و مسند احمد صفحہ ۳۳۶/۲)

۶۳۔نزول مسیح کے ساتھ ہی شیطان کا ذکر کیا۔ ہر نبی کی بعثت کے ساتھ ہی شیطان اپنے لاؤلشکر سمیت حاضر ہوجاتاہے اور بندوں کو اس فرستادہ کے خلاف ابھارتاہے پس دیکھنا کہ وہ تمہیں قبول حق سے روک نہ سکے۔

۶۴۔۶۵۔قرآن کریم اکثر مضارع کو ماضی میں بیان کرتاہے کہ یہ ایسی حتمی بات ہے گویا ہوہی چکی ہے۔

یہاں بتایاکہ حضرت عیسیٰؑ نے کبھی خدا یا خدا کابیٹا ہونے کادعویٰ نہیں کیا۔آپ نے اسی اسلام کی طرف بلایا جس کی طرف تمام انبیاء بلاتے آئے تھے اور اب جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلارہے تھے اور آپﷺ کے بعد آپﷺ کے مسیح اور مہدی نے اسی حقیقی اسلام کوپیش کیاجسے آنحضرتﷺ سکھانے آئے تھے اور وہی باتیں دہرائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی تھیں اورقرآن وسنت کے خلاف کوئی تعلیم نہیں دی۔

ہر نبی کو بیّنات اور حکمت عطا ہوتی ہے اور وہ دانائی کی باتیں سکھاتاہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ کرنے آیاہوں۔جب امت میں اختلافات یہاں تک بڑھ جائیں کہ وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے تو اس کے فیصلہ کے لئے حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیح حکم و عدل بن کر آیا۔احادیث میں آنے والے مسیح کے لئے بعینہٖ یہی الفاظ آئے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی اور حکم و عدل ہوگا۔(مسنداحمد صفحہ ۱۵۶/۲)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
پس اختلاف کیا گروہوں نے آپس میں پس ہلاکت ہے واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم
مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۶﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
کیا عذاب سے دن دردناک کے نہیں وہ انتظار کرتے مگر قیامت کا
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَلْاَخِلَّآءُ
کہ آئے ان کے پاس اچانک اور وہ نہ سمجھتے ہوں دوست
ع ۶/۱۱ ۱۲ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۸﴾ يٰعِبَادِ
اس دن بعض ان کے بعض کے لیے دشمن ہوں گے سوائے متقیوں کے اے میرے بندو
لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَّذِيْنَ
نہیں کوئی خوف تم پر آج کے دن اور نہ تم غمگین ہوگے وہ لوگ جو

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں (ترجمہ) بلاشبہ یہ دن مسیح کا دن ہے جو خدائے احکم الحاکمین کی طرف سے حکم ہوکر آیا ہے۔ (اعجاز المسیح صفحہ ۱۶۰)

۶۶۔حق خوب واضح ہو جانے کے باوجود باطل پر اصرار کریں گے اور ان میں بہت سے گروہ پیدا ہو جائیں گے جو آپس میں اختلاف کریں گے۔اس کے نتیجہ میں اللہ کے فرستادہ سے بھی اختلاف کریں گے حالانکہ وہ اختلاف دور کرنے آیا۔ایسے ظالموں کے لئے خطرناک بدانجام کی پیشگوئی کی۔

۶۷۔**ساعة**۔ روحانی انقلاب بھی ہے جو مردہ قوموں کو زندہ کرتا ہے۔

یہاں **ساعة** عذاب الٰہی ہے جو اچانک آئے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے الہاموں میں بھی عذاب کے لئے **بغتة** کا لفظ آیا ہے۔ پس پکڑ کا وقت اچانک آئے گا اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا یعنی بچ کر نکل نہیں سکیں گے۔

دراصل انکار مسیح کے نتیجہ میں بہت سی تباہیاں مقدر ہیں، کچھ اس کی زندگی میں کچھ اس کے بعد۔ گویا قیامت کا منظر دیکھیں گے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں شدید زلازل اور طاعون اور دیگر آفات آئیں اوران کا سلسلہ جاری ہے۔

۶۸۔یہ منظر آج نظر آرہا ہے کہ سب ایک دوسرے کے مخالف ہیں ہر فرقہ دوسرے کو اپنا دشمن سمجھ رہا ہے کوئی کسی کا بھلا نہیں چاہتا۔متقی ہرگز ایک دوسرے کے خلاف بدی نہیں چاہتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرمایا! سوائے جماعت احمدیہ کے کوئی کسی کا بھلا نہیں چاہتا۔ ساری قوم اور سارے مسلمانوں کو دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ

اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۷۰﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ
ایمان لائے آیات پر ہماری اور تھے فرمانبردار داخل ہو جنت میں
اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۱﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ
تم اور بیویاں تمہاری تم آراستہ کئے جاؤگے پھیرے جائیں گے ان پر طباق
مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ
سونے کے اور آبخورے اور اس میں وہ ہے کہ چاہیں گے جسے نفس
وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَتِلْكَ
اور لذت پائیں گی آنکھیں ۔ اور تم اس میں رہ پڑنے والے ہو اور یہ

ان کا سب سے زیادہ دکھ ہمیں ہی پہنچتا ہے۔

۶۹۔۷۰۔قیامتِ صغریٰ کے ذکر کے ساتھ ہی اس رکوع میں قیامت کبریٰ اور اس کے احوال کا ذکر ہے ۔ اس آخری رکوع میں مثیلِ موسیٰؑ کے مخالفین کو متنبہ کیا کہ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ۔اس میں مثیل عیسیٰ کے مخالفین کو بھی توجہ دلانا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو! آج تمہیں نہ آئندہ کا خوف ہوگا نہ کسی پچھلی غلطی پر پشیمانی ہوگی۔اعزاز ان کے لئے ہوگا جو ہماری آیات پر ایمان لائے یعنی ہمارے احکام کو مانا اور اپنے ربّ کی فرمانبرداری میں زندگی گزاری۔ گویا ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے۔

۷۱۔**تُحبرون**۔حبر۔وہ خوشی جس کے آثار چہرے پر باقی رہیں۔تم آؤ بھگت کئے جاؤگے۔

اس ہولناک وقت میں بیشک بدکار دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن متقیوں کا حال الگ ہوگا۔ ان کو ربّ رحیم کی طرف سے ندا آئے گی کہ تم اور تمہارے ساتھی جنت میں داخل ہوجاؤ۔ جنت میں تمہارا اکرام کیا جائے گا۔تم ایسے خوش کئے جاؤ گے کہ وہاں کی نعمتوں کی تروتازگی کا اثر تمہارے چہروں پر ہویدا ہوگا (مفردات)

زوج کے معنی میں وسعت ہے اس میں بیویاں اور خاوند بھی شامل ہیں اور دوست و احباب بھی۔یعنی اہل ایمان کی مومن بیویاں اور مومن خاوند اور مومن دوست جنت میں ان کے ساتھی ہوں گے۔ قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے اعمال جنت میں جانے کے لئے کم ہوں گے تو ربّ رحیم اپنی رحمت سے ان کامل الایمان مومنین کی خاطر ان ادنیٰ ایمان و اعمال والے مومنین کے اعمال کو بڑھا کر انہیں جنت میں ان کے مومن ساتھیوں سے ملادے گا۔

۷۲۔۷۳۔**صحاف**۔ واحد **صحفة**۔کھانے کے بڑے برتن۔ طشت۔ صحیفة۔

الْجَنَّةُ الَّتِيٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ

جنت وہ ہے کہ وارث کئے گئے ہو تم جس کے بسبب اس کے جو تھے تم کرتے تمہارے لیے

فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ

اس میں میوے ہیں بہت جنہیں تم کھاؤ گے یقیناً مجرم

فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ

عذاب میں جہنم کے رہ پڑنے والے ہیں نہیں وہ کم کیا جائے گا ان سے اور وہ

فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ

اس میں نا اُمید ہوں گے اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر ولیکن تھے وہ (خود ہی)

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ

ظالم اور وہ پکاریں گے اے مالک چاہیئے کہ موت دے ہمیں رب تیرا وہ کہے گا

جمع صحائف اور صحف۔ کتابیں۔ **اکواب**۔ کوب واحد۔ بغیر دستہ کے پیالہ۔ پینے کا پیالہ۔

اب جنت میں جانے کے بعد کے احوال بتائے۔ جنت کی نعمتوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا صرف نام کی مشابہت ہے۔ جنت تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا ذکر نہیں کیا۔ مومنین کی پردہ پوشی فرمائی۔ وہ ان کے تھوڑے اعمال کو بھی قبول فرمائے گا اور انہیں جنت کا وارث بنادے گا۔ گویا جنتی ان جنتوں کے مالک ہوں گے۔ وہ بادشاہ ہوں گے اور بادشاہوں کی طرح انہیں سونے کے ظروف میں جنت کی نعمتیں پیش کی جائیں گی۔ جنت میں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جس کی ان کے دل خواہش کریں گے۔ روح المعانی میں ہے کہ **تلذالاعین** سے اشارہ اللہ تعالیٰ کی رویت سے ہے جو جنت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

۷۴۔ **منھاتاکلون** میں بتایا کہ ہر جنتی کی خواہش اور تمنا مختلف ہوگی۔ اس لئے ہر شخص ان پھلوں میں سے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کھائے گا۔ سارے پھل نہیں کھائے گا۔

۷۵۔۷۶۔اب جہنم کے احوال بیان فرمائے کہ مجرم جہنم کے عذاب میں لمبا عرصہ رہیں گے۔ عذاب تو چند دن کا بھی بہت لمبا لگے گا۔ ان کے عذاب میں وقفہ نہیں ڈالا جائے گا کہ کچھ آرام کرلیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس رہے۔ جہنم میں بھی مایوس ہوں گے اور نہیں سمجھیں گے کہ اللہ کی رحمت ہمیں اس مصیبت سے نکال سکتی ہے۔

۷۷۔ان مجرموں کو جہنم میں ڈال کر ہم نے ہرگز ان پر ظلم نہیں کیا۔ یہ ان مظالم کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اپنے نفسوں پر کئے۔ اس میں کفر و شرک، سرکشی و نافرمانی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے پہلو تہی، اللہ کے رسولوں کا انکار اور ان کو مظالم و شدائد کا نشانہ بنانا، یہی وہ عوامل

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ

یقیناً تم ٹھہرنے والے ہو یقیناً یقیناً لائے تھے تمہارے پاس حق ولیکن اکثر تم میں سے

لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾

حق کو ناپسند کرنیوالے تھے کیا طے کیا انہوں نے معاملہ پس یقیناً ہم طے کرنیوالے ہیں

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَ

کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے بھید ان کا اور خفیہ سازش ان کی کیوں نہیں اور

رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ

بھیجے ہوئے پاس ان کے لکھتے ہیں تو کہدے اگر ہوتی رحمٰن کی اولاد

ہیں جن کا نتیجہ جہنم کی صورت بھگت رہے ہیں۔

۷۸۔۷۹۔ **مالک**۔ جہنم کا داروغہ جس کے تابع اور فرشتے ہوں گے۔ **ماکثون** - ٹھہرنے والے۔

جب نجات سے مایوس ہوجائیں گے تو عذاب کی شدت سے گھبرا کر موت کی تمنا کریں گے اور جہنم کے داروغہ کو پکاریں گے کہ اپنے ربّ سے کہو کہ وہ ہمیں موت ہی دے دے۔ داروغہ جہنم کہے گا کہ تمہیں یہیں رہنا ہے۔ گویا ابھی رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے مخاطب ہوگا اور انہیں سزا کی وجہ بتائے گا۔ فرمایا ہم تمہارے پاس حق لائے گویا رسول کا آنا اللہ کا آنا تھا لیکن تم میں سے اکثر کو حق پسند نہیں تھا یعنی اللہ کی طرف سے آئی ہوئی سچائی انہیں پسند نہیں تھی۔ انہوں نے حق اور ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی۔

۸۰۔ **ابرموآ**۔ ابرام کے معنی کسی معاملہ کو محکم اور مضبوط کرنا کے ہیں۔ (مفردات) اب اصل مضمون کی طرف عود فرمایا اور سرداران مکہ کو مخاطب فرمایا کہ کیا انہوں نے رسول کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا تہیہ کرلیا ہے اگر ایسا ہے تو ہم بھی کچھ کرنے والے ہیں یعنی یہ تمام تدابیر انہی پر الٹ پڑیں گی اور ہمارے رسول کا بال تک بیکا نہیں کرسکیں گے۔

۸۱۔ یہاں ان سرداروں کی راز کی باتوں اور مخفی مشوروں کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی مجالس یا دارالندوہ میں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو ملک بدر کردیں، قید کردیں یا نعوذ باللہ قتل کردیں اور آخری رائے پر ابو جہل نے فیصلہ دیا تھا اور جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا۔ ان گیارہ سردارانِ مکہ میں سے آٹھ میدان بدر میں مارے گئے۔ فرمایا کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی باتیں ہمیں سنائی نہیں دیتیں۔ سننا تو الگ رہا ہمارے بھیجے ہوئے تو ان کے پاس ہی ہوتے ہیں جو ہر بات ضبط تحریر میں لارہے ہیں یہاں کراماً کاتبین

فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تو میں پہلا عبادت کرنیوالا ہوتا پاک ہے رب آسمانوں اور زمین کا
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ
رب عرش کا اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں پس چھوڑ انہیں بیہودہ باتیں کریں اور

کے علاوہ یہ بھی اشارہ ہے کہ تمہارے جسم کے ہر خلیہ (Cell) میں تمہاری پوری زندگی کی تصویر نقش (Feed) ہے۔

۸۲۔انسانی اعمال کا بیان تھا جو اسے جنت یا جہنم کا مستحق بناتے ہیں ۔ اس میں نصاریٰ کے ابنیتِ مسیح کے باطل عقیدہ کارد فرمایا۔اس آیت میں مخالفین سے تبادلہ خیال کرنے کا طریق بتایا۔بتایا کہ عقیدے میں بھی گنجائش رکھنی چاہیئے ۔اس کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔مخالفین سے بحث کرتے ہوئے ضد پر قائم رہنے کی بجائے انہیں بتانا چاہیئے کہ اگر صحیح دلائل سے تمہارے دعوے کی حقانیت ثابت ہوگئی تو میں بلا دریغ اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا تسلیم کیا کہ میں تمہاری طرح محض ضد اور ہٹ دھرمی سے حق بات کے ماننے سے انکار نہیں کرتا ۔اگر تم صحیح دلائل سے ابنیت مسیح کے عقیدہ کو ثابت کردو اور بالفرض یہی حقیقت ہو تو میں اپنے ربّ کا ایک ایسا وفادار بندہ ہوں کہ نہ صرف تمہارے عقیدہ کو تسلیم کرلوں گا بلکہ اس کی عبادت کرنے والوں میں سب سے پہلا ہوں گا۔لیکن تم نہ نقلی دلائل سے ثابت کرسکے کہ کسی آسمانی کتاب نے ایسا کہا ہو اور نہ عقلی دلائل سے ثابت کرسکے بلکہ آج تک اس گورکھ دھندے سے نہیں نکل سکے کہ خدا ایک ہے یا تین۔ مزید تشریح کے لئے (سورۃ الکھف:٦) بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ''اِن'' نافیہ ہے یعنی نفی کرنے والا ہے اور لا کے معنی دیتا ہے۔ اکثر ''ان'' کے بعد'' اِلّا '' آتا ہے ۔قرآن کریم میں بہت سی مثالیں ہیں جہاں اِلّا کے بغیر بھی ''ان'' ما کے معنی میں آیا ہے جیسے (۱۰:۶۹۔۲۱:۱۱۲۔۷۲:۲۶) اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ۔ رحمٰن کے لئے کوئی بیٹا نہیں سو میں خدا کی عبادت میں سب سے آگے ہوں۔

یہاں اللہ کی صفت رحمانیت بیٹے کو رد کرتی ہے۔رحمٰن وہ ہے جو بلا بدل رحم کرتا ہے اسے بیٹے کی حاجت نہیں۔ جو بیٹا بناتے ہیں وہ اس لئے بناتے ہیں کہ اللہ بلابدل رحم نہیں کرسکتا۔اب اگلی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شرک سے پاک ہونے کا بیان ہے۔

۸۳۔۸۴۔قرآن کریم میں جب بھی انسان کے معبود بنائے جانے کا ذکر آیا۔سبحان اللہ کہا ۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ان کمزوریوں سے پاک ہے۔یہاں سے اختتامِ سورۃ تک اللہ تبارک وتعالیٰ

یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ
کھیلیں یہاں تک کہ ملیں اپنے دن سے جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں اور وہی ہے
الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ
جو آسمانوں میں معبود اور زمین میں معبود ہے اور وہ حکمت والا
الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
خوب جاننے والا ہے اور برکت والا ہے وہ کہ جس کی حکومت ہے آسمانوں اور
الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ
زمین کی اور ان کی جو درمیان ہے ان دونوں کے اور پاس اس کے علم ہے قیامت کا اور طرف اسکی
تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ
تم لوٹائے جاؤ گے اور نہیں اختیار رکھتے وہ لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں سوائے اس کے

کی تنزیہ کا بیان ہے کہ وہ تمام صفاتِ شرکیہ سے پاک ہے جو مشرک بیان کرتے ہیں۔جب حق خوب واضح ہونے کے بعد بھی مشرک اپنے باطل خیالات سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے یعنی یہ اپنی لغو باتوں اور کھیل کود میں مشغول رہیں یہاں تک کہ اس نتیجہ کو دیکھ لیں جو ان پر عذاب کی صورت نازل ہوگا۔ چھوڑ دینے سے یہ مراد نہیں کہ تبلیغ نہ کر بلکہ یہ کہ آپ ﷺ کے خلاف جو مخالفت کا جال بچھایا جارہا ہے اس کی طرف التفات نہ کر اور کفر وشرک پر ان کا اصرار آپ ﷺ کو غمگین نہ کرے۔

۸۵۔ اس کائنات کا ہر ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ خدا صرف ایک ہے جس کے علم و حکمت نے اس لامحدود کائنات کو تھاما ہوا ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے ۔تمہارے معبودانِ باطلہ کا اس کی خدائی میں ہرگز کوئی دخل نہیں۔ جس طرح اس کی عبادت میں کوئی اس کا شریک نہیں بعینہٖ اس کے علم و حکمت میں بھی کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ پھر مسیح کی الوہیت کا دعویٰ کس بنا پر کررہے ہیں۔ اس خالق و مالک کا بے مثال علم و حکمت اس پورے نظامِ کائنات میں کارفرما ہے ۔ خالق کائنات کے علم و حکمت کے عجائبات نے ہمیشہ سے تفکر کرنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈالے رکھا ہے۔ آج کے سائنسدان بھی اس کی وسعت کا اندازہ لگانے سے عاجز ہیں ۔ یہ کائنات ہر دم وسیع ہو رہی ہے اور پوری کائنات ایک خاص سمت رواں ہے ۔ یقیناً کوئی اس سے بھی بڑی کائنات ہے جس کی کشش اسے کھینچے لئے جارہی ہے ۔**فتبارک اللہ احسن الخالقین۔**

۸٦۔ بڑی برکتیں بخشنے والی ہے وہ ذات جس کی تمام کائنات میں فرماں روائی ہے ۔اس کی پاک ذات اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک ہو اور اس کے اقتدار

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۷﴾

سفارش کا مگر وہ جس نے گواہی دی حق کی اور وہ جانتے ہیں

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى

اور البتہ اگر پوچھے تو ان سے کس نے پیدا کیا انہیں ضرور کہیں گے اللہ نے پس کہاں

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

وہ پھیرے جاتے ہیں اور قول کی اس کے کہ اے رب میرے یقیناً یہ لوگ نہیں مانتے

اور اختیار میں کسی کا کچھ بھی دخل ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا'' قرآن پاک سے بھی ثابت ہے کہ **ساعة** سے اس جگہ مراد یہودیوں کی تباہی کا زمانہ ہے۔۔۔۔۔اوّل مسیح کے وقت یہودیوں نے بدبختی لی اور دوسرے وقت میں نصاریٰ نے بدبختی کا حصہ لے لیا۔ مسلمانوں نے بھی پوری مشابہت یہود سے کرلی۔۔۔۔۔''(البدر جلد ا۔نمبر ۲ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱) گویا تکذیب مسیح کرکے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔ دنیا میں کسی کو خدائی میں شریک کر دیا اس کی صفات میں، مرنے کے بعد تمہیں اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی کے حضور حاضر ہونا اور اپنا حساب کتاب دینا ہے۔

۸۷۔خداتعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا بیان تھا۔ فرمایا قیامت کے دن خدا کا بیٹا یا ان کے دیگر معبودانِ باطلہ ہرگز شفاعت کا اختیار نہیں رکھیں گے۔ ہاں وہ شافع ایک ہی ہے جس نے حق کی گواہی دی۔ سچائی کے گواہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ہمیشہ سچ کو سچ کہا اور کفار اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ وہی صادق وامین ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے بعض انبیاء نے بھی رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی دی اور آپ کو صادق کا خطاب دیا۔(یسعیاہ باب ۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے شفاعت کی وضاحت فرمائی فرمایا! '' نجات نہ اعمال سے ہے نہ شفاعت سے۔ نجات صرف خدا کے فضل سے ہے۔ نیک اعمال اور سچا ایمان ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہے۔ انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت اسی ربّ رحیم کے رحم اور فضل سے ہے اور اسی کے اذن اور اجازت سے۔(انبیاء :۲۷، ۲۸)''(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۵۶۳۔۵۶۵) گویا اذنِ الٰہی سے ہی شفاعت کریں گے۔

۸۸۔**یؤفکون۔الافک**۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے صحیح رخ سے پھیر دی جائے۔ (مفردات)

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۰﴾ ع ۲۲ ۱۳

پس درگزر کر ان سے اور کہہ سلامتی ہو پس عنقریب وہ جان لیں گے

توحید کا مضمون جاری تھا جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔اب اتمام حجت کے طور پر فرمایا کہ اگر ان مشرکین کو پوچھا جائے کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو بلاتوقف کہیں گے اللہ نے گویا بے اختیار اللہ تبارک وتعالیٰ کی خالقیت کا اقرار کریں گے۔ اس کے جواب میں اپنے معبودوں کا نام کیوں نہیں لیتے۔ گویا اُن کی بے اختیاری اور بے وقعتی کو جانتے ہیں۔یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ عبادت اسی کو سزاوار ہے جو پیدا کرنے پر قادر ہے۔پھر وہ کس طرف بہکائے جاتے ہیں۔

۸۹۔قیل اور قال کے ایک ہی معنی ہیں۔ **وقیلہٖ** میں ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں'' **وقیلہٖ** یہ عطف **ساعة** پر ہے۔'' (حقائق الفرقان سوم صفحہ ۵۶۷) جس کی تکرار (آیت :۶۲، ۶۷، ۸۶) میں ہے۔ مراد ہے **عندہٗ علم الساعة وعلم قیلہٖ**۔یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کو ساعت کا علم ہے اسی طرح رسول کی اس پکار کا علم ہے جب اس نے کہا کہ اے میرے ربّ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی پندونصائح اور دلائل کے باوجود قوم کا شرک پر اصرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت غم اور تکلیف کا باعث تھا۔ یہاں واؤ قسم کے لئے ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی پکار کی قسم کھائی۔اللہ تعالیٰ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی قسم کھانا، آپ ﷺ کے قول کو بطور شہادت پیش کرنا ہے کہ وہ جو اپنی قوم کے غم میں ہلاک ہونے کے قریب ہے اس کی درد میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کو اس کا ربّ ضرور سنے گا۔ پس **ساعة** سے مراد قوم کی **ساعة** وسطیٰ ہے جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا اور اس مشرک قوم کو ہدایت نصیب ہو گی اور آپ ﷺ کی نصرت فرمائے گا۔

۹۰۔ اب ربّ رحیم نے اپنے رسول کی پکار کا جواب دیا کہ بیشک **ساعة** کا آنا تباہی کا آنا ہے لیکن تیری شفقت ومحبت کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اپنے دشمنوں کی تکلیف بھی تجھے شاق گزرتی ہے۔پس اس فیصلہ کے دن بھی تیری طرف سے سلام ہے۔ یہ دعائیہ سلام نہیں بلکہ سلامتی کی ضمانت کے طور پر ہے کہ تو اپنے دشمنوں کو یقین دلادے کہ جب فیصلہ کی گھڑی آئے گی تو ان مجرمین کو تیری طرف سے سوائے سلامتی کے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں ہرگز کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔پس اس پیشگوئی کی صداقت کو عنقریب وہ جان لیں گے۔

پھر چشمِ فلک نے ایسا انقلاب پہلی دفعہ دیکھا کہ اللہ کا رسول ایک فاتح کی حیثیت سے

مکہ میں داخل ہوتاہے اور جھکتے جھکتے سرمبارک اونٹ کے کجاوے سے جالگتا ہے ۔ ردیف کے طور پرایک غلام زادہ سوار ہے ۔(بخاری کتاب الجہاد بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کو **لاتثریب علیکم الیوم** کی صدا نے آپﷺ کے قدموں میں ڈال دیا عفوو درگزر تو معمولی چیز ہے آپ کے احسانات نے ان کی گردنیں جھکادیں اور اس پیشگوئی کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ دخان۔یہ سورۃ مکی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی ساٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

یہ سورۃ ال حٰم کی پانچویں سورۃ ہے اس سلسلہ کی پچھلی سورتوں کے شروع میں دیئے گئے مختصر تعارفات پر ایک نظر ڈالنی مفید ہوگی۔ پچھلی سورۃ کااختتام اس مضمون پر ہوا کہ اپنے دشمنوں سے اعراض کر ، فیصلہ کی گھڑی قریب ہے جب حق و باطل میں فیصلہ کردیاجائے گا اور رحمۃ للعالمین کے عفو و درگزر بلکہ احسان کی گواہی سارا عرب دے گا۔ اس سورۃ کی آغاز کی آیات میں اسی مضمون کو دہرایا گیاہے۔قرآنی سورتوں اورآیتوں کا اطلاق قیامت تک کے حالات پر ہوتارہے گا۔ دخان کے معنی دھوئیں کے علاوہ قحط اور خشک سالی کے بھی ہیں ۔چونکہ اس سورۃ میں مخالفین کی سزا کا ذکر ہے اس لئے اس زمانہ میں دخان سے مراد خشک سالی اور قحط لیا گیا اور یہ پیشگوئی کے طور پر تھا کہ پہلے ان پر خشک سالی کے رنگ میں چھوٹا عذاب آئے گا جیسا کہ بعد میں قحط کی شدت سے گھبرا کر ان کا سردار ابوسفیان دعا کی بھیک مانگنے آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان حدیث نمبر۴۴۴۷)۔آخر میں بڑا عذاب آئے گا جو ان پر فتح مکہ کی صورت ظاہر ہوا جب سارے عرب کی گردنیں اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جھک گئیں۔

دخان کی مزید تفصیل آیت:۱۱ میں آئے گی۔ ان مشہور حدیث کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے الفاظ میں لکھ رہی ہوں۔" جب ابن صیاد کی بعض مشابہ بہ دجال شعبدہ بازیوں کا حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچا۔آپﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا کیا تو گواہی دیتاہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔اس نے جواب دیا آپﷺ امیوں کے رسول ہیں۔پھر اُس نے اپنی نسبت سوال کیا تو آپﷺ نے جواب دیا کہ میں اللہ کے رسولوں کو مانتا ہوں۔اس سے اس احتیاط کا پتہ چلتا ہے جو انبیاء کرتے ہیں۔ یہ اور ان کے پیرو لوگ کبھی تکذیب کی راہ اختیار نہیں کرتے۔ پھرآپﷺ نے پوچھا کہ میرے دل میں اس وقت کیا ہے۔تو اس نے کہا دُخ ۔حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دُخ سے آگے نہیں جاسکے گا ۔ گویا ایک مہمل لفظ سے زیادہ نہیں بتاسکے گا۔ روایات میں آیاہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت **یوم تاتی السمآء بدخان مبین** کا خیال فرمایاتھا۔ ابن عربی نے اپنا ایک ذاتی لطیفہ اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے ۔ وہ کہتے ہیں ابن صیاد کو دُخ بھی معلوم نہ ہوتا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طور پر بغیر صریح امر ربی تشریف لے گئے تھے۔ میں نے اس حکایت سے یہ فائدہ

اٹھایا کہ مباحثہ کبھی اپنی خواہشات سے نہیں کرنا چاہیئے اور کبھی پہل نہ کرو۔ چنانچہ میرا معمول ہے کہ جب بات گلے پڑ جائے تو پھر میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں اور خدا کے فضل سے ہمیشہ کامیاب ہوتا ہوں اور مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں کہ میں نے کسی معاملہ میں زک اٹھائی ہو۔ مامورین کی جدا بات ہے انہیں تو اللہ کے حکم سے بعض وقت چیلنج کرنا پڑتا ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو ابتداء ان کی طرف سے بھی نہیں ہوتی۔'' (تشحیذ الاذہان جلد ۲ صفحہ ۸۵) احادیث میں اس سورۃ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات سورۃ دخان پڑھ لے تو صبح کو اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کی رات یا دن میں سورۃ دخان پڑھ لی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ (قرطبی بروایت ثعلبی)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

حٰمٓ ﴿٢﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٣﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

حا میم ۔ قسم ہے کتاب کھولکر بیان کرنیوالی کی ۔ یقیناً ہم نے اتارا اسے رات برکت والی میں

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٤﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٥﴾ اَمْرًا مِّنْ

یقیناً ہم ہیں ڈرانے والے ۔ اس میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر معاملہ حکمت والے کا ۔ معاملہ کا

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں دخان کی پیشگوئی اور اس کے بعد ایک شدید عذاب کا ذکر ہے۔ **حٰمٓ** کی تشریح کے لئے پچھلی سورۃ (آیت ۲:) سے استفادہ فرمائیں۔

۳۔۴۔ یہاں صاحب حمد اور صاحب مجد خدا نے خوب کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی قسم کھائی ہے گویا اس کتاب کو بطور گواہ پیش کیا کہ ہم نے اس کتاب کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے۔ اس میں بتایا کہ اس کو اتارنے والے ہم ہیں۔ اسے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی دوسرا انسان تخلیق نہیں کرسکتا۔ ثبوت کے لئے یہ کتاب ہی کافی ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

فرمایا ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اتارا ہے۔ اس رات سے وہی رات مراد ہے جسے سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔ یہ رات برکت والی اس لئے ہے کہ اس رات میں قرآن کریم نازل ہوا اور ربّ علیم کے اذن سے یہ رات ہمیشہ کے لئے بابرکت ہوگئی۔ پس اس رات میں ہمیشہ خیر و برکت نازل ہوگی اور دعائیں قبول ہوں گی۔ یہاں نزول قرآن کی علت بیان فرمائی کہ اس کے بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے بندوں کو نافرمانی کے نتائج سے ڈرانا منظور تھا۔ پس سنت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی طرف سے نذیر بھیجتا رہتا ہے۔ قرآن کریم کے نزول کی ابتدا رمضان المبارک میں لیلۃ القدر میں ہوئی ابن جریرؒ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم رمضان کے ۲۴ دن گزرنے کے بعد نازل ہوا۔ گویا پچیسویں کی رات میں۔ لیلۃ القدر ۲۵۔۲۷۔۲۹ رمضان میں سے ایک رات ہے۔ بعض احادیث میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کوئی طاق رات بیان کی گئی ہے نیز نبی کے ظہور کا زمانہ لیل کے مشابہ ہوتا ہے اس میں سخت تاریکی پھیلی ہوئی ہوتی ہے لیکن یہ لیل بڑی مبارک ہوتی ہے کیونکہ اس اندھیرے کے بعد صبح صادق طلوع ہوتی ہے پس نبی کا ظہور مژدہ سحر ثابت ہوتا ہے ہر نبی کی دفعہ یہ تاریخ دہرائی جاتی ہے اور قیامت تک یہ دور آتے رہیں گے۔

۵۔۶۔ **یُفرق۔** یفصل۔ (روح البیان) فیصلہ کیا جائے گا۔ فرق کیا جائے گا۔ بیان کیا

عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝۵ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

پاس سے ہمارے ، یقیناً ہم ہیں بھیجنے والے بطور رحمت طرف سے تیرے رب کی یقیناً وہ ہی

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ

خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے رب ہے آسمانوں اور زمین کا اوران کا جو درمیان ہے ان دونوں

جائے گا۔ **امر حکیم** ۔ ایسا حکم جو سراسر حکمت پر مبنی ہوتا ہے ۔ مفسرین نے امر حکیم سے ایک سال کے لئے قضا و قدر کا فیصلہ مراد لیا ہے ۔ امر حکیم حکمت والے امور ہیں جن کا تعلق کسی کے مرنے جینے سے نہیں۔ مرنا جینا ایسے امور نہیں جن کی وجہ سے کوئی رات مبارک کہلا سکے۔ اس رات کی برکت یہی ہے کہ اس میں ہر امر پُر حکمت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی تمام حکمت کی باتیں اس میں کھولی گئی ہیں۔ **یفرق کلّ امر حکیم** ○ کے یہ بھی معنی ہیں کہ اس رات ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم حکم و عدل بن کر آیا اور تمام اختلافات کا فیصلہ کیا۔ **امر من عندنا** یعنی اس کتاب کا نزول اوران امور کی تفصیل یہ ہماری جناب سے ایک حکم کے طور پر ہے ۔یعنی ہمارے حکم سے صادر کی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں'' ۔۔۔۔۔۔ اس برکت والی رات سے مراد ایک تو وہی معنی ہیں جو مشہور ہیں اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کی رات ہے اوراس کا دامن قیامت کے دن تک پھیلا ہوا ہے۔ اور آیت **فیھا یفرق کلّ امر حکیم** میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام زمانہ جو قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کے تحت میں ہے ، فیوض قرآن کریم سے بہت فائدہ اٹھائے گا اور وہ تمام معارفِ الٰہیہ جو دنیا میں مخفی چلے آتے ہیں اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہیں گے ۔اور نیز آیت **فیھا یفرق کل امر حکیم** میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس زمانہ بابرکت کے خواص میں سے یہ بھی ہوگا کہ معاش اور معاد کے کل علوم حکمیّہ اپنے اعلیٰ درجہ کے کمالات کے ساتھ ظہور پذیر ہوں گے اور کوئی امر حکمت ایسا نہیں رہے گا جس کی تفصیل نہ کی جائے ۔'' (ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۱ تا ۵۱۳)

۷۔رسول کا بھیجنا تیرے ربّ کی سراسر رحمت ہے۔ بیشک قرآن کریم کو بطور انذار بھیجا :۴۔ مگر یہ انذار بھی ربّ رحیم کی رحمت ہی کا حصہ ہے فرمایا تیرا ربّ سمیع العلیم ہے۔ سمیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیقرار دعاؤں کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے جو ہدایت خلق کے لئے غارِ حرا کی تاریکیوں سے بلند ہوئیں اور ایک عالم کو روشن کر گئیں۔ وہ سمیع ہی نہیں علیم بھی ہے اسے اپنے بندوں کی تمام ضروریات کا علم ہے خواہ روحانی ہوں یا مادی، اس زمانے سے تعلق رکھتی ہوں یا آئندہ سے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۸ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ

کے اگر ہو تم یقین کرنے والے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۹ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ

رب تمہارا ہے اور رب تمہارے باپ دادا کا پہلوں کا بلکہ وہ شک میں

يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۰ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ

کھیلتے ہیں پس انتظار کر اس دن کا کہ لائے گا آسمان دھواں

مُّبِيْنٍ ۝۱۱ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۲ رَبَّنَا

ظاہر ڈھانک لیگا لوگوں کو یہ عذاب ہے دردناک اے رب ہمارے

۸ تا ۱۰۔ شروع سورۃ سے ربّ رحیم کی بندوں پر نوازشات کا ذکر جاری ہے اس کی سب سے بڑی نعمت اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم کا نزول ، رسول کا بھیجنا جو کتاب و حکمت سکھانے آیا، اس کا سمیع العلیم ہونا جو بندوں کی پکار سنتا اور اپنے لامحدود علم کی بنا پر ان کے لئے صحیح راہ حیات متعین فرماتا ہے۔ جس ربّ رحیم نے انسان کی روحانی ربوبیت کے لئے قرآن کریم نازل کیا، رسول مبعوث فرمایا، اسی سمیع العلیم نے اپنے بندوں کی مادی ربوبیت کے لئے کائنات کو تخلیق فرمایا جس کا ہر ذرہ پکار پکار کر ایک صانع حقیقی کا پتہ دیتا ہے۔ اگر تم غور کرو تو شک کی کوئی گنجائش نہیں تم ضرور یقین کرلو گے ان تمام حقائق کو بھی اور اس کی وحدانیت کو بھی کہ اس لامحدود کائنات کا وہی ربّ ہے، وہی عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر کائنات پر غور کرنے کی فرصت نہیں تو انسان کا اپنا وجود اور اس میں موت و حیات کا چکر کیا ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں۔ اس نے تمہاری ہی ربوبیت نہیں فرمائی تمہارے باپ دادا کی ربوبیت بھی اسی خالق و مالک کی مرہونِ منت ہے۔ اگر تمہارے آباء و اجداد اپنے پیدا کرنے والے کو نہیں پہچان سکے تو تم ان کی اندھی تقلید میں اپنے ربّ کا انکار کر کے اس کے عذاب کو دعوت نہ دو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دنیوی زندگی کے معمولات میں اس قدر مشغول ہیں کہ انہیں دینی امور میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ حقائق پر یقین نہیں، اپنے عقائد ان کی نظر میں مشکوک ہیں جس طرح نصاریٰ کا ''خدا ایک ہے مگر خدا تین ہیں'' اسی طرح ان کا خدا ایک ہے مگر سارے دیوی دیوتا بھی خدا ہیں جو ان کے حاجت روا ہیں۔ یہ بھول بھلیاں نصاریٰ کو سمجھ آئیں نہ ان کو سمجھ آرہی ہیں۔ پس غور وفکر کر کے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی بجائے دنیوی لہوولہب میں کھوئے ہوئے ہیں یعنی دنیا کی لغومصروفیات انہیں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتیں۔ پس ان کا انجام دنیا میں بھی تباہی ہے اور آخرت میں بھی دردناک ہے۔

اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَنّٰی لَهُمُ الذِّکْرٰی

دُور کر ہم سے عذاب یقیناً ہم ایمان لانیوالے ہیں کیونکر ہوسکتی ہے ان کیلئے نصیحت

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا

حالانکہ یقیناً آیا تھا انکے پاس رسول کھولکر بیان کرنیوالا پھر منہ پھیر لیا اس سے اور کہا

مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۵﴾ اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ

سکھایا ہوا مجنون ہے یقیناً ہم دور کرنیوالے ہیں عذاب تھوڑا سا یقیناً تم

۱۱تا۱۳۔ **فارتقب۔الرقبة** گردن ہے۔غلام کے معنی میں آتا ہے۔نگران کو رقیب کہاجاتا ہے۔انتظارکرنے کے معنی بھی دیتا ہے۔

دخان کاذکر بطور پیشگوئی ہے جیسا کہ دیباچہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دخان کے معنی قحط سالی کے لئے گئے اور اسی رنگ میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔قرآنی پیشگوئیوں کا ظہور باربار ہوتاہے اورمختلف رنگوں میں ہوتاہے۔ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ دخان دو ہیں۔ایک گزر چکا یعنی قحط مکہ اور دوسرا جو باقی ہے۔۔۔(روح المعانی)حضرت حذیفہؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ دخان قیامت کی علامات میں سے ہے،جن کا انتظار ہے۔ابھی آئی نہیں۔سورۃ دخان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم دیا گیا تھا کہ اس سورۃ کی پیشگوئیوں کے ظہور کا زمانہ دجال کے ظہور، عیسیٰؑ کے نزول ، یاجوج و ماجوج کے خروج اور زلازل و طاعون(دابۃ) وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے۔یہ ایک لمبی اور تعبیر طلب حدیث ہے۔جس میں دس علامتیں درج ہیں۔(ابوداؤد)اس جگہ دخان سے ایٹمی دھوئیں کی طرف بھی اشارہ مراد ہوسکتا ہے۔یعنی وہ **ساعة** جب ایٹمی دھوئیں کے سائے کے نیچے ہر چیز فنا ہو جائے گی۔آج سائنسدان بتاتے ہیں کہ ایٹم بم کے گرتے ہی زمین سے آسمان تک دھوئیں کا ایک ستون کھڑا ہو جاتا ہے جو اوپر سے چھتری کی مانند ہوتا ہے۔اس دائرے کے نیچے زندگی کی ہرقسم مٹ جائے گی۔ یہاں تک کہ زمین کے اندر دفن جراثیم کا وجود بھی نہیں رہے گا۔جب یہ دھوٗاں منتشر ہوتاہے تو جولوگ اس کی زد میں آتے ہیں وہ ہولناک عذاب میں مبتلا ہوکر مرتے ہیں۔اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ ساعۃ آئے گی تب اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔کہ اے اللہ! اس نہایت دردناک عذاب کوہم سے ٹال دے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے قرآن کریم اردو ترجمہ سے استفادہ کیا گیا)

۱۴تا۱۶۔ عذاب ٹل جانے کی درخواست انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی کی تھی کہ اگر یہ مصیبت دور ہوجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے :۱۳۔فرمایا :عذاب کے ٹل

عَآئِدُوْنَ ﴿۱۶﴾ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْکُبْرٰی اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

لوٹنے والے ہو جس دن ہم پکڑیں گے پکڑنا بڑا یقیناً ہم انتقام لینے والے ہیں

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

اور یقیناً یقیناً آزمایا تھا ہم نے پہلے ان سے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس رسول

کَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۹﴾

معزز کہ سپرد کرو میرے بندے اللہ کے یقیناً میں تمہارے لیے رسول ہوں امین

جانے سے یہ نصیحت کہاں حاصل کرنے والے ہیں۔ ان کے پاس روشن دلائل لے کر رسول آیا تھا اس وقت نصیحت حاصل کرنے کا موقع تھا اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور اعراض کیا اور اس کی شان میں یہاں تک گستاخی کی کہ یہ تو سکھایاپڑھایا ہوا دیوانہ ہے یعنی کوئی شخص اسے یہ باتیں سکھادیتا ہے جسے یہ ہمارے سامنے پیش کردیتاہے یہ تو معاذاللہ تعالیٰ بالکل ہی پاگل ہے ۔فرمایا ان کی تمام گستاخیوں کے باوجود سنت اللہ یہی ہے کہ وہ رحیم و کریم اپنے بندوں کی وقتی توبہ واستغفار پر بھی رجوع برحمت فرماتاہے اور عذاب کوتھوڑی دیر کے لئے دور کردیتاہے حالانکہ جانتاہے کہ مصیبت دور ہوتے ہی اپنی پرانی روش پر لوٹ جائیں گے اور کفروشرک میں مبتلا ہوں گے۔

یہاں یہ پیشگوئی فرمائی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کفار پر وقفہ وقفہ سے عذاب آئے۔ کبھی جنگ بدر کی صورت میں کبھی فتح مکہ کی شکل میں۔ اسی طرح آخری زمانہ میں عذاب وقفہ وقفہ سے آئیں گے یعنی ایک عالمی جنگ کی ہلاکت خیزیوں کے بعد کچھ عرصہ مہلت دی جائے گی ۔اس کے بعد اگلی عالمی جنگ نئی ہلاکتیں لے کر آئے گی۔

۱۷۔آخر بڑی پکڑ کا وقت آئے گا جب ہم سختی سے گرفت کریں گے تب تم پرکھل جائے گا کہ ہم انتقام لینے پر قادر ہیں۔

۱۸۔آپ ﷺ مثیل موسیٰؑ تھے یہ سارے حالات فرعون کی قوم کے ساتھ بھی گزر چکے ہیں۔ ہم اسے بھی آزما چکے ہیں۔ایک معزز رسول کے انکار اور اس کی قوم پر شدائد ومظالم پر جب عذاب آتا تو اسی طرح جھوٹے وعدے کرتے کہ اے موسیٰ! اپنے ربّ کو کہہ کہ عذاب کو ٹال دے ہم موسیٰ کے ربّ پرایمان لے آئیں گے۔لیکن عذاب کے دور ہوتے ہیں پھر سرکشیوں پراتر آتے ہیں۔احادیث میں ابوسفیان کا دعا کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا مذکور ہے ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ دخان حدیث نمبر ۴۴۴۷)روح المعانی میں ہے کہ ابوسفیان نے وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

۱۹۔ **اَدُّوْٓا۔ اداء** کسی حق کا ایک ہی دفعہ اور پورا پورا دے دینا اور امانت کاواپس کرنا ہے۔

وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۰﴾ وَ
اور یہ کہ نہ سرکشی کرو بمقابل اللہ کے یقیناً میں لانیوالا ہوں تمہارے پاس دلیل کھلی کھلی اور
اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۱﴾ وَاِنْ لَّمْ
بیشک میں نے پناہ پکڑی اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس سے کہ تم سنگسار کرو مجھے اور اگر نہیں

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اللہ کے بندے میرے سپرد کردو۔ اس میں اشارہ تھا کہ انسان اللہ کا بندہ یعنی غلام ہے۔ اسے غلام بنانا کسی کا حق نہیں پس بنی اسرائیل جو اللہ کے غلام ہیں انہیں اپنی غلامی سے آزاد کرکے میرے سپرد کردو۔ میں تمہارے لئے ایک امین پیغمبر ہوں یعنی بنی اسرائیل کی آزادی کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے جسے من وعن پہنچا رہا ہوں۔ یہ میرا اپنا حکم نہیں تمہارے لئے ایک امین پیغمبر کا یہ بھی مطلب ہے کہ بنی اسرائیل ایک امانت ہے میں ان کا امین مقرر کیا گیا ہوں۔ انہیں آزادی دلوانے کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سپرد ہوا ہے۔تم انہیں زبردستی اپنی غلامی میں نہیں رکھ سکتے۔ تمہیں یہ امانت بہرحال لوٹانی ہے۔

مثیل موسیٰؑ بھی امین پیغمبر تھے آپ ﷺ کے زمانہ میں بلکہ آپ ﷺ کے مسیح کے زمانہ میں بھی یہی تاریخ دہرائی گئی۔فراعین مکہ بھی اللہ کے بندوں کو وقت کے رسول کے پاس جانے اور اس کی بات سننے سے روکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی فرمان تھا کہ یہ اللہ کے بندے ہیں انہیں اذیتیں نہ دو انہیں ہمارے سپرد کردو۔حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں یہ کام نام نہاد علمائے دین کررہے ہیں۔

۲۰۔ پہلے حقوق العباد کی بات کی۔ اب حقوق اللہ کا ذکر کیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو۔ گویا رسول سے سرکشی اللہ سے سرکشی ہے۔ موسیٰؑ کی غالب دلیل کا ذکر آیت:۱۷ میں گزرچکا ہے جب ان پر سخت گرفت ہوگی۔

۲۱۔ یہ جان کرکہ فرعون نے آپ کو سنگسار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ آپ اس کی دھمکیوں سے ہرگز مرعوب نہیں ہوئے۔ آپ کو اپنے ربّ پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے فرعون کو متنبہ کیا کہ میں اپنے اور تمہارے ربّ کی پناہ میں آتا ہوں۔ یعنی ربّ وہ تمہارا بھی ہے۔ تمہاری تمام تر سرکشیوں کے باوجود وہ تمہیں نہیں بھولا اور تمہاری ربوبیت فرمارہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اسے بھولے ہوئے ہو۔ جب آپ اللہ کی پناہ میں آگئے تو فرعون آپ پر ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا رہا۔حضرت خلیفة المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں۔"انی عذت بربی یہ دعا میری مجرّبہ ہے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۱)

تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۲﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ
ایمان لاتے تم مجھ پر تو ایک طرف ہوجاؤ مجھ سے پس پکارا اس نے اپنے رب کو کہ یہ لوگ
مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ الثلثة
مجرم ہیں پس لے چل بندوں کو میرے رات کو یقیناً تم پیچھا کئے جاؤ گے اور
اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۚ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۵﴾ كَمْ تَرَكُوْا
چھوڑ دے سمندر کو خشک یقیناً وہ لشکر غرق کئے جانے والے ہیں کتنے ہی چھوڑے انہوں

۲۲۔۲۳۔جب سالہا سال کی وعظ و نصیحت کے بعد بھی ایک مظلوم قوم پر ظلم و ستم اور سرکشی میں کمی نہ ہوئی اور موسیٰؑ کو فرعون اور قوم فرعون کی ہدایت پالینے کی کوئی امید نہ رہی تو آپ نے یہی کہا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لانے کا فیصلہ کرچکے ہو تو مجھے تنہا چھوڑ دو تا میں اپنے ربّ کے سامنے گڑگڑاؤں۔ پس آپ نے علیحدگی میں اپنے ربّ کو پکارا کہ اے میرے ربّ! یہ ایک مجرم قوم ہے۔یعنی جرائم سے باز آنے والے نہیں۔ان کی راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کا آخری فیصلہ ہو۔

۲۴۔پس آپ کی دعا قبول ہوئی اور فیصلہ کا وقت آ گیا۔ آپ کو راتوں رات اپنی قوم کو نکال کر لے جانے کا حکم ہوا اور بتادیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔(تفصیل کے لئے ۲۔۵۰،۵۱)مثیل موسیٰ کی زندگی میں بھی یہ واقعہ دہرایا گیا جب قریش مکہ کی آنکھوں پر پردے پڑگئے اور آپ ﷺ رات کی تاریکی میں دشمن کے نرغے سے بحفاظت نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ ﷺ کا بھی پیچھا کیا گیا۔ یہ واقعہ آج بھی اطلاق پارہا ہے۔مسیح موعودؑ نے فرمایا! جماعت کو ہجرت کرنی پڑے گی اور کوئی فرعون اس کا پیچھا کرے گا۔یہ میرے بعد ہوگا۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر حضرت مصلح موعودؓ نے قادیان سے ہجرت فرمائی تو کہا حضرت مسیح موعودؑ والی یہ پیشگوئی کسی بعد کے خلیفہ پر پوری ہوگی۔ (ترجمۃ القرآن کلاسMTA) چنانچہ حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ نے رات کے وقت ہجرت فرمائی۔اس وقت کے فرعون نے رکاوٹیں ڈالیں اور پیچھے بھاگتے رہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح کا خلیفہ سمندروں کو عبور کرتا ہوا بحفاظت نکل گیا۔ بعد میں اس دشمنِ خدا کا انجام بھی فرعون سے کم نہیں ہوا۔

جس طرح خدائے وحدہ القہار نے فرعون کو مصر سے نکال کر مع لشکر سمندر میں غرق کردیا اسی طرح فرعونِ مکہ ابوجہل کو مع لاؤ لشکر بدر کی تپتی ہوئی ریت کے سمندر میں غرق کیا۔جس طرح مصر کے عوام بچائے گئے اسی طرح مکہ کے عوام بھی بچائے گئے۔گویا اصل مجرم ہی کیفر کردار کو پہنچے۔

۲۵۔ رھوًا۔ ساکن۔

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۲۶ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۲۷ وَّنَعْمَۃٍ
نے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور مقام عزت والے اور نعمتیں کہ

کَانُوْا فِیْھَا فٰکِھِیْنَ ۲۸ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰھَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۲۹
تھے وہ جن میں عیش کرنے والے اسی طرح اور وارث کیا ہم نے ان کا قوم دوسری کو

سمندر کا ساکن ہونا اس کا پرسکون ہونا ہے جب طغیانی وغیرہ نہ ہو یعنی سمندر کے پرسکون ہونے کی حالت میں تم اس میں سے گزر جانا اور یہ پیشگوئی بھی فرمادی کہ لشکر فرعون غرق کیا جائے گا۔ تفصیل (۲:۵۱) بعض مفسرین نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ بحکم الٰہی عصا کی ضرب سے سمندر میں خشک راستے بن گئے۔ جب بنی اسرائیل پار اتر گئے تو حضرت موسیٰؑ نے چاہا کہ سمندر پر عصا ماریں تا کہ پانی مل جائے اور فرعون اوراس کا لشکر خشک راستے سے نہ گزر سکے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے روک دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اسے بچانا نہیں بلکہ غرق کرنا مطلوب تھا اور کہا کہ سمندر کو ہیت سکون میں ہی چھوڑ دے تا کہ خشک راستہ سے فرعون سمندر کے بیچ تک پہنچ جائے اور غرق ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں بتلایا کہ بیشک فرعون کا لشکر غرق ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت فرعون کو بچالیا۔لیکن وہ اس حالت میں زندہ رہا کہ نہ زندوں میں تھا نہ مردوں میں اور بعد میں آنے والوں کے لئے ساٹھ سال تک ایک عبرت کا نشان بنا رہا۔

۲۶ تا ۲۹۔**نَعمة**۔ نعمۃ حالتِ حسنہ کا نام ہے **نَعمة** فراخی یا آسودگی ہے۔(مفردات)

قوم فرعون نے اپنے پیچھے انواع و اقسام کی نعمتیں چھوڑیں جیسے بہت سے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عزت والے مقام اور وہ نعمتیں جن میں وہ مزے اڑایا کرتے تھے۔ کذٰلک میں اہل مکہ سے بھی ایسا ہی سلوک ہونے کی پیشگوئی ہے کہ تم سے بھی تمام نعمتیں چھن جائیں گی ،تم بھی گھر سے باہر نکال کر ہلاک کئے جاؤ گے چنانچہ جنگ بدر میں ایسا ہی ہوا۔

یہ تاریخ باربار دہرائی جائے گی کہ نعمتیں ظالموں سے چھین کر جو اِن کے وارث بنے بیٹھے تھے ، ایک دوسری قوم کو دے دی جائیں گی جو ان نعمتوں کے اصل وارث ثابت ہوں گے۔

فرعون کے بعد بنی اسرائیل مصر کے وارث نہیں بنے ۔قوم آخرین سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان ہلاک ہونے والوں کے بعد دوسرے لوگ جو بنی اسرائیل نہیں تھے ان نعمتوں کے وارث ہوئے ۔ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ فرعون اوراس کے ساتھیوں کو ان نعمتوں سے محروم کرکے ہم نے بنی اسرائیل کو جنہیں وہ ذلیل سمجھتے تھے یہ سب نعمتیں دیں۔جیسا کہ فلسطین میں وہ ان سب نعمتوں سے نوازے گئے ۔ آخر ایک عرصہ بعد مصر پر بھی قابض ہوئے۔

فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ۳۰ ع ۳۰/۱۴
پس نہ روئے ان پر آسمان اور زمین اور نہ تھے وہ مہلت دیئے جانیوالے

وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُھِیْنِ ۳۱
اور یقیناً یقیناً نجات دی ہم نے بنی اسرائیل کو عذاب ذلیل کرنیوالے سے

مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ۳۲ وَلَقَدِ
طرف سے فرعون کی یقیناً وہ تھا سرکش حد سے بڑھنے والوں میں سے اور یقیناً یقیناً

اخْتَرْنٰھُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۳۳ وَاٰتَیْنٰھُمْ مِّنَ
پسند کیا تھا ہم نے انہیں جان کر تمام دُنیا پر اور دیئے ہم نے انہیں

الْاٰیٰتِ مَا فِیْہِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ۳۴ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ۳۵
نشانات کہ تھی جن میں آزمائش کھلی کھلی یقیناً یہ لوگ البتہ کہتے ہیں کہ

۳۰۔آسمان اور زمین کے نہ رونے سے ایک تو یہ مراد ہے کہ آسمانی مخلوق کو غم ہوا نہ زمینی کو۔ ظاہری بارش بھی مراد ہے کہ اس وقت آسمان سے بھی کوئی ترشح (مینہ کی پھوار) نہ ہوا جو یہ ظاہر کرتا کہ اسے بھی ان لوگوں کی موت سے کوئی رنج پہنچا ہے۔ایک حدیث کا مضمون اس کے قریب قریب ہے کہ ایک مومن بندہ جب وفات پاتا ہے تو اس کے اعمال صالحہ کے رک جانے کی وجہ سے آسمان اور زمین اظہارغم کرتے ہیں۔ نیز مجاز کے طور پر بھی ایسا کہا جاتا ہے۔ اگر یہ جیتے رہتے تو کچھ دن اور عذاب نار سے بچے رہتے مگر ہم نے ان کو پکڑلیا اور مہلت نہ دی۔

۳۱۔۳۲۔دوسرے رکوع میں بنی اسرائیل کی نجات کی خبر میں مسلمانوں کے لئے خوشخبری دی۔

فرعون کی غلامی ایک رسوا کن عذاب تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات بخشی۔ یقیناً وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ایک متکبر شخص تھا۔اس میں سردارانِ مکہ کے لئے تنبیہ تھی کہ فرعون جیسا جابر حکمران جو خدائی کا دعویدار تھا وہ اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکا تو تمہاری کیا حیثیت ہے۔

۳۳۔۳۴۔**علی العٰلمین** ۔ تمام جہانوں پر ۔مراد اُس زمانہ کے لوگوں پر۔ بنی اسرائیل پراللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر تھا۔فرمایا ہم نے اپنے علم کی بنا پر انہیں چنا۔سو وہ اہل ثابت ہوئے۔ایسے ہی اے مسلمانو! ہم نے تمہیں چنا سو تم بھی اہل ثابت ہوگے۔یہ معنی بھی ہیں کہ ہم نے ان کے علم کی وجہ سے یعنی ان کی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں فضیلت دی۔ آج بھی یہود کا علم اور سائنس کی دنیا میں ایک مقام ہے۔**بلاء** کے معنی آزمائش اورانعام کے ہیں۔ بعض نشانات

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾
نہیں یہ مگر موت ہماری پہلی ہی اور نہیں ہیں ہم ہرگز اُٹھائے جانے والے
فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ
پس لاؤ باپ دادا ہمارے اگر ہو تم سچے کیا وہ بہتر ہیں یا قوم
تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا
تبع اور وہ لوگ جو پہلے تھے ان سے ہلاک کردیا ہم نے جنہیں یقیناً وہ تھے
مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
مجرم اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ درمیان ہے ان دونوں کے

بطور انعام بھی تھے۔پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کی۔ نبوت سے بھی نوازے گئے اور حکومت سے بھی۔ یہ معنی بھی ہیں کہ ہم نے انہیں بعض نشانات عطا کئے جن میں کھلی کھلی آزمائش تھی اس میں بنی اسرائیل کو عطا کئے گئے ان نشانات کی طرف اشارہ ہے جو ان کے لئے آزمائش ثابت ہوئے جیسے گائے کے ذبح کرنے پر ان کی حیل و حجت یا ارض مقدس پر حملہ میں ان کا بزدلی دکھانا یا ان کی مختلف فرمائشیں جیسے مائدہ کی فرمائش اور دیگر لایعنی فرمائشیں۔ علم بھی ان کے لئے آزمائش ہی تھا جس میں دنیوی طور پر کامیاب رہے لیکن دینی طور پر اکثر ٹھوکر کھائی۔

۳۵۔تا۳۸۔مشرکین مکہ کا بھی فرعون کی طرح یہی دعویٰ تھا کہ اس موت کے بعد کوئی زندگی ہے نہ محاسبہ۔اس لئے ہر غلط کام نہایت دیدہ دلیری سے کرتے۔ قرآن کریم بعث بعد الموت کا اقرار کرتا ہے کہ جو مرگئے وہ زندہ کرکے اپنے ربّ کے حضور پیش کئے جائیں گے۔اس پر مشرکین مکہ نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو ہمارے آباء و اجداد کو زندہ کرکے دکھاؤ۔ قرآن کریم ان کی اخروی زندگی کا وعدہ کرتا ہے نہ کہ دنیوی کا۔ پس وہ زندہ ضرور ہوں گے مگر اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے ۔ ان کا دوبارہ زندہ ہونا دوسری دنیا سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس دنیا سے ۔ ایسی تمام آیات مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کے خیال کو رد کرتی ہیں کیونکہ وہ بھی ایک انسان تھا۔ قوم تُبّع کا ذکر اصحاب الایکہ کے ساتھ(۱۵:۵۰) میں آیا ہے ۔تَبّع شاہانِ یمن کا لقب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تبّع کو بُرامت کہو وہ اسلام لے آیا تھا۔(بروایت حضرت ابن عباسؓ) یہ تبع یمن کا مشہور بادشاہ تھا جو قریب کے زمانہ یعنی قریباً سات سو سال بعثتِ نبوی سے قبل ہوا۔ اس نے دین موسوی کو قبول کیا جو اس وقت دین برحق تھا۔ اس کی قوم گمراہ تھی اس لئے قوم کا ذکر کیا جو نہایت قوی اور کثیر التعداد ہونے کے باوجود ہلاک ہوئی۔ یہ عربوں کے آباء واجداد تھے۔ فرمایا ان سے پہلے بھی ان جیسے فاسق لوگ تھے جو ہلاک ہوئے یعنی قومِ عاد وثمود اور فرعون وغیرہ ۔یقیناً وہ

لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
کھیل بنانے کیلئے نہیں پیدا کیا ہم نے ان دونوں کو مگر ساتھ حق کے ولیکن اکثر ان میں سے نہیں
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ
جانتے یقیناً دن فیصلہ کا مقررہ وقت ہے ان سب کا جس دن
لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا
نہ کام آئے گا کوئی دوست کسی دوست کو کچھ بھی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے مگر

سب مجرم تھے یعنی آخرت میں مجرمین کے طور پر اٹھیں گے پس وہ مجرم جو اپنی پیدائش کے مقصد کو پورا نہیں کرتے پھینکے جانے کے لائق ہیں۔ کیا مشرکین مکہ ان سے بہتر ہیں کہ ان سے وہ سلوک نہیں ہوگا جو قوم تبع اور ان سے پہلوں کے ساتھ ہوا۔

بتانا یہ مقصود تھا کہ وہ جو قوت و شوکت میں ان سے بہت بڑھ کر تھے ،وہ بھی جب اللہ کے رسول کے مقابل کھڑے ہوئے تو مٹادئے گئے ۔ ان کے سامنے تمہاری کیا حقیقت ہے۔ یہاں نیکوں کا ذکر نہیں۔ ہر قوم میں نیک لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کے فضل سے بچائے جاتے ہیں۔

۳۹۔۴۰۔بعث بعد الموت اور آخرت کے انکار کے جواب میں قرآن حکیم میں یہ دلیل متعدد بار بیان ہوئی ہے کہ ہم نے اس عظیم کائنات اور اس میں موجود مخلوق کو کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا گویا خالقِ کائنات کا یہ فعل محض عبث اور بلا مقصد نہیں جو ان کی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا ۔فرمایا !ہم نے یہ سارا کارخانہ قدرت حق کے ساتھ پیدا کیا یعنی اس کے پیدا کرنے میں خالق کائنات کی گہری حکمتیں اور مقاصد تھے ۔ یہ ایک بے نتیجہ فعل نہیں تھا۔ اکثر لوگ اس کی پیدائش کی حکمت اور اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ جو ذات ایسی لامحدود کائنات اور اس میں بسنے والے ایک کمزور انسان کو ابتداءً خلق کرنے پر قادر ہے وہ اس کی دوبارہ تخلیق پر کیوں قادر نہیں۔ پس جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا، وہ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اسے دوبارہ زندہ نہ کیا جائے اور اس کا حساب کتاب نہ ہو اور وہ جزا وسزا کے مراحل سے نہ گزرے ۔اگر یہ سب نہیں تو تخلیق کائنات اورانسان کی پیدائش عبث ہے اور کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں۔جبکہ ربّ کائنات ایسی کمزوریوں سے پاک ہے کہ اس کی ذات سے کوئی بے مقصد فعل سرزد ہو۔

۴۱۔تا۴۳۔عربی زبان میں مولیٰ کے ۲۰ معنی ہیں۔سبھی یہاں اطلاق پاتے ہیں جب یہ زندگی بے مقصد نہیں اور ہر نیک و بدعمل کا نتیجہ مرتب ہوتا رہتا ہے تو آخر اس دن کا ظہور ہوجاتا ہے جو سب کے فیصلہ کا ایک مقررہ وقت ہے خواہ وہ پہلے آنے والے تھے یا بعد میں۔ نیز کفار کی طرف سے ان کے آباء و اجداد کو زندہ کرنے کا مطالبہ تھا۔ فرمایا اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک

ع ۱۴/۳ مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۴۳) اِنَّ شَجَرَتَ
۱۵ جس پر رحم کیا اللہ نے یقیناً وہ ہی غالب بہت رحم کرنے والا ہے یقیناً درخت

الزَّقُّوْمِ (۴۴) طَعَامُ الْاَثِيْمِ (۴۵) كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ (۴۶)
تھوہر کا کھانا ہے گنہگار کا مانند پگھلے ہوئے تانبہ کے جوش مارے گا پیٹوں میں

كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ (۴۷) خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ (۴۸)
مانند جوش مارنے گرم پانی کے پکڑو اسے پھر گھسیٹو اسے درمیان دوزخ کے

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ (۴۹) ذُقْ
پھر ڈالو اوپر سر کے اس کے عذاب گرم پانی کا چکھ

وقت معین فرمایا ہے جب سب کو زندہ کرکے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ یہاں آخرت کا نقشہ پیش کیا جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ یوم الفصل سے یہ بھی مراد ہے کہ جس دن الگ الگ کیا جائے گا۔ یعنی سچوں اور جھوٹوں کو یا نیکوں اور بدوں کو یا دوستوں اور رشتہ داروں کو۔ گویا الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ فرمایا اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آسکے گا کہ وہ اسے چھڑوا سکے یا سزا میں ہی کچھ تخفیف کروادے۔ مراد یہ ہے کہ وہاں کسی قسم کے تعلقات کوئی فائدہ نہیں دے سکیں گے اور نہ وہ مدد دئے جائیں گے یعنی نہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور نہ آخرت میں انہیں کہیں سے مدد مل سکے گی بلکہ کلی اختیارات اس مالک حقیقی کو ہوں گے۔ جسے چاہے سزا دے یا سزا میں کمی کردے یا وہ ربّ رحیم بالکل ہی معاف فرمادے۔ اس دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ سوائے ان خوش نصیبوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیا۔ وہ عزیز الرحیم ہے انصاف میں بھی اس کا رحم ہی غالب ہوگا۔ یہ بھی مراد ہے کہ کافروں کے لئے غالب ہے یعنی ان کو سزا دے گا جبکہ مومنوں کے لئے رحیم ہے۔ ان پر اپنی رحمت فرمائے گا۔

۴۴ تا ۴۷۔ **المُهل**۔ پگھلا ہوا تانبا یا دھات وغیرہ۔ پیپ لہو۔ تلچھٹ۔ **مَهل**۔ تو مہلت دے۔ **یغلی**۔ غلوا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ **غلیٌ** ہانڈی کا ابال اور جوش کھانا ہے۔ کھولنے کے معنی دیتا ہے۔

اب فیصلہ کے بعد کے احوال کا بیان ہے۔ تھوہر کا درخت ان دوزخیوں کا کھانا ہے جو عمداً گناہ کو اختیار کرتے تھے اور پھر اس پر مصر رہتے تھے۔ وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ پگھلا ہوا تانبا۔ وہ پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح جوش مارتا ہے۔

۴۸ تا ۵۱۔ **اعتلوا۔ عتل** کے معنی سختی سے کھینچنے یا سختی سے لے جانے کے ہیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (۵۰) اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ
یقیناً تو ہی تھا عزت والا معزز یقیناً یہ وہ ہے کہ تھے تم جس میں

تَمْتَرُوْنَ (۵۱) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (۵۲) فِيْ جَنّٰتٍ وَّ
شک کرتے یقیناً متقی مقام امن والے میں ہوں گے باغوں میں اور

عُيُوْنٍ (۵۳) يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (۵۴)
چشموں میں پہنیں گے باریک ریشم اور موٹا ریشم آمنے سامنے

كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (۵۵) يَدْعُوْنَ فِيْهَا
اسی طرح اور بیاہ دیں گے ہم انہیں گورے رنگ والیوں اچھی آنکھوں والیوں سے۔ منگائیں گے ان میں

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ (۵۶) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا
سب میوے امن سے نہ چکھیں گے اس میں موت مگر

الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۵۷) فَضْلًا
موت پہلی اور وہ بچائے گا انہیں عذاب سے دوزخ کے بطور فضل کے

فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط میں لے جاؤ۔ وسط میں کناروں کی نسبت یقیناً عذاب کی شدت زیادہ ہوگی۔ پھر اس کے سرِ پُرغرور پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیلو۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ دوزخی کو مخاطب کرکے فرمائے گا اس درخت کو چکھ تُو تو بڑی حمیت والا اور بزرگ بنا بیٹھا تھا۔ یہ بھی مراد ہے کہ تو اپنی قوم میں صاحبِ تکریم سمجھا جاتا تھا حالانکہ تو ایسا نہ تھا۔ گویا اگر متکبر نہ ہوتا اور عزت و بزرگی کے زعم میں حق سے منہ نہ موڑتا تو آج یہ ذلت اور عذاب شدید تجھے دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو تیرے اندر بھی کھول رہا ہے اور باہر سے بھی تجھے گھیرے ہوئے ہے۔

۵۲ تا ۵۷۔ پہلے کافروں کے احوال کا بیان تھا۔ اب اہل ایمان کا ذکر فرمایا۔ قرآن کریم ہمیشہ جہنم کی تلخیوں کے ساتھ جنت کی بشاشتوں کا بھی ذکر کرتا ہے تاکہ نیکیوں کی تحریص ہو۔ چنانچہ قریباً آخر سورۃ تک جنت کی دائمی نعمتوں کو بیان فرمایا۔ دنیا کی نعمتوں کا نام لے کر تمثیلاً سمجھا دیا ورنہ دنیا میں ہم وہاں کی نعمتوں کا تصور نہیں کرسکتے۔ ان آیات میں ہر اس نعمت کا نقشہ پیش کردیا جو ایک انسان اس دنیا میں تصور کرسکتا ہے۔ انسان کی پہلی ضرورت ایک گھر ہے اس لئے سب سے پہلے اہل جنت کی قیام گاہ کو مقام امین کہا یعنی وہ رہائش گاہ ہر طرح سے پُرامن اور خطرات سے مامون ہوگی۔ گویا اشارہ کردیا کہ دنیا میں بھی وہی بستی قابل تعریف ہوگی جس کے باسی بے خوف و خطر اپنے گھروں میں امن سے رہتے ہوں۔ اس پُرامن قیام گاہ کی دوسری صفت اس کے سرسبز و شاداب باغات، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ انسان کی دنیوی آسائش و زیبائش میں گرمی

مِنۡ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝۵۸ فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ

طرف سے تیرے رب کی، یہ ہی کامیابی ہے بڑی پس سوائے اسکے نہیں کہ آسان کیا ہم نے

اور سردی کے ملبوسات ہیں۔جنت میں بھی اہل جنت ریشم کے باریک اور دبیز لباس پہنے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔یہ نہیں کہ وہاں موسم کا کوئی اثر ہوگا،ان کی پسند پر ہوگا۔جیسا چاہیں گے پہنیں گے۔اعلیٰ ترین لباس زیب تن کئے آمنے سامنے بیٹھنے میں پیار اور محبت کا ایک نہایت خوبصورت منظر پیش کیا۔ وہ ہم خیال و ہم مذاق ساتھی ہوں گے اور ان میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ بیشک ایک خوبصورت اور وفادار ساتھی کے بغیر انسان کی زندگی مکمل نہیں۔ عورت کی خوبصورتی میں رنگ اور آنکھوں کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے بتادیا کہ وہ گورے رنگ اور خوبصورت آنکھوں والیاں ہوں گی۔اس سے ان کے باقی حسن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔حورنعمائے جنت میں سے ایک نعمت ہے جو مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی۔امام راغب نے مفردات القرآن میں لفظ زوج کی بحث میں اس بات کو صاف کردیا کہ حور کے ساتھ تزویج مناکحت کے رنگ میں نہیں بلکہ قرین کے رنگ میں ہے ۔ مزید برآں یہ کہ حور اور عین دونوں الفاظ مذکر کی جمع بھی ہیں اور مونث کی بھی ۔ بیشک یہ الفاظ عام طور پر عورتوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر مراد اس سے فی الواقع عورتیں نہیں ہوسکتیں ۔یہاں صرف ناموں کی مماثلت ہے اور اصل غرض کمال حسن کو ظاہر کرنا ہے جو انسان کے حسن اعمال کا نتیجہ ہے مگر اُس عالم میں ایک نیا رنگ اختیار کرلیتا ہے جس کی حقیقت کو ہم اس عالم میں نہیں سمجھ سکتے ۔مزید تشریح کے لئے (سورۃ الطور۔ ۲۱) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس خیال سے متفق ہیں ۔(ترجمۃ القرآن کلاسMTA) ایک خوشگوار زندگی میں خوراک کا بھی خاص تعلق ہے۔ خوراک میں میووں کو فوقیت حاصل ہے اس لئے میووں کا ذکر کردیا فرمایا وہ اطمینان سے میوے طلب کررہے ہوں گے گویا کسی نعمت کے کم ہونے یا چھن جانے کا فکر نہیں ہوگا۔جو چاہیں گے حاضر ہوجائے گا۔دنیا میں سب سے بڑا خوف موت ہی کا رہتا ہے ۔کوئی انسان بھی مرنا نہیں چاہتا اور نیک انسان بھی جہنم کے خیال سے خوفزدہ رہتے ہیں ۔ وہاں یہ دونوں خوف بھی ختم ہوجائیں گے ۔ اس لئے کہ پہلی موت کے بعد کوئی موت نہیں ہوگی گویا اہل جنت کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوگی۔ جبکہ کافر جہنم میں ہر سانس پر مریں گے ۔مومنوں کو یہ خوشخبری ہے کہ ان کا ربّ انہیں جہنم کے عذاب سے بچائے گا۔ان نعمتوں کے ذکر میں ضمناً یہ اشارہ بھی تھا کہ ان متقیوں سے دنیا میں جو نعمتیں چھنی گئیں ، اللہ تعالیٰ ان سے بہت بڑھ کر عطا فرمائے گا۔

۵۸۔پس تیرے ربّ کا فضل ہی تھا جس نے انہیں جہنم کے عذاب سے بچایا۔ یہی ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے ۔ گویا جہنم سے نجات اور جنت کا حصول ہی بہت بڑی کامیابی ہے ۔

بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۵۹ فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ۝۶۰ ع ۳ ۱۷ ۱۶

اسے زبان میں تیری تاکہ وہ نصیحت پکڑیں پس منتظر رہ یقیناً وہ انتظار کرنیوالے ہیں

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!عمل کرو اور اپنی حد استطاعت تک زیادہ سے زیادہ ٹھیک کام کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جان لو کہ کسی شخص کو محض اس کا عمل ہی جنت میں داخل نہیں کرے گا۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ! کیا آپ ﷺ کا عمل بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی نہیں سوائے اس کے کہ میرا ربّ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

۵۹۔اس سورۃ کو قرآن کریم کے ذکر سے شروع کیا اور قرآن کریم کے ذکر پر ہی اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔ بتایا کہ قرآن کریم کو تیری زبان میں آسان کردیا ہے ۔اس لئے کہ تیری زبان عربی ہے جو نہ صرف آسان ہے بلکہ نہایت فصیح و بلیغ بھی ہیں گویا ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اس سے مستفیض ہوسکتا ہے۔یہ معنی بھی ہیں کہ قرآنی معارف تیری زبان پر جاری کرکے ہم نے اس قرآن کو آسان بنادیا ہے۔پس رسول اس کے مطالب خوب کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ لوگ اسے سمجھیں اور نصیحت حاصل کریں اور ان کے لئے قرآنی احکام پر عمل آسان ہو۔جو ان احکام کو درخوراعتنا نہ سمجھیں وہ انتظار کریں ۔ان کے اعمال کے نتائج جلد ہی سامنے آجائیں گے ۔

۶۰ ۔پس تو انتظار کر جلد ہی فیصلہ کا دن آئے گا اور حق ظاہر ہوجائے گا۔ یقیناً وہ بھی تیری تباہی کے منتظر ہیں۔اگر وہ اس انتظار میں ہیں تو آپ ﷺ بھی اللہ کی نصرت کے منتظر رہیں۔ پس جلد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے نظارے دیکھے اور کفار آپ ﷺ کی تباہی کی حسرت دلوں میں لئے واصل جہنم ہوئے جس کا نظارہ پچھلی آیات میں دکھایا گیا ہے۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ ثَمَانٍ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعَۃُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ جاثیہ۔یہ سورۃ مکی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں

حٰمٓ کے سلسلہ کی سورتوں میں یہ چھٹی سورۃ ہے(پچھلی سورتوں کے تعارفات سے استفادہ فرمایئے)مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی زیادہ بحث توحید و رسالت اور معاد پر ہے ۔ پچھلی سورۃ میں قیامت کے احوال کا مفصل بیان تھا اس سورۃ کا نام الجاثیہ ہے جس کے معنی اوندھے منہ گری ہوئی یا گھٹنوں کے بل گری ہوئی (جماعت) کے ہیں۔ گویا قیامت کے روز اپنے انجام کے خوف یا ھولِ قیامت کی وجہ سے یہ سرکش و متکبر قومیں جن کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہتی تھیں منہ کے بل زمین پرجاپڑیں گی۔گویا اس سورۃ میں سورۃ الدخان کے مضمون کو ہی ایک دوسرے رنگ میں بیان کیاگیاہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

حٰمٓ ﴿۲﴾ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ﴿۳﴾ اِنَّ

حا۔میم ۔ اُتارنا اس کتاب کا طرف سے اللہ عزت والے حکمت والے کے ہے یقیناً

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴﴾ وَفِیْ خَلْقِکُمْ

آسمانوں اور زمین میں اللہ نشانات ہیں ماننے والوں کے لیے اور پیدائش میں تمہاری

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا،بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والاہے۔

۲۔جیسا کہ اس سورۃ کا مضمون توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت ہے ۔سب سے پہلے توحید ہی کا مضمون بیان فرمایا۔ فرمایا صاحب حمد اور صاحب مجد خدا اس کو اتارنے والا ہے ۔ سورۃ زخرف آیت۲ سے استفادہ فرمایئے۔

۳۔سورۃ المومن آیت ۳ سے استفادہ فرمائیں ۔فرمایا اس کتاب کا اتارا جانا کامل غلبہ والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے ۔وہ کامل غلبہ والا ہے۔ انسان اس کے احکام سے سرتابی کرکے اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ وہ حکمت والا ہے اس کے ہر حکم میں گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جوں جوں انسان ان احکام پرعمل کرتا ہے ان احکام کی حکمتیں اس پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں جو اس کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔

۴۔فرمایا اہل ایمان کے لئے آسمانوں اور زمین میں خالق حقیقی کے وجود پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیاں ہیں اس لئے کہ مومنین کو ہی ان نشانیوں میں اس واحدو یگانہ کا چہرہ نظر آتا ہے۔اور وہی ان نشانیوں سے کماحقہٗ فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔جو ایمان نہیں لاتے وہ اندھے ہیں جنہیں دن میں بھی اندھیرا نظرآتا ہے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مومنوں کو قدرت کے ان نشانات پرغور کرنا چاہیئے ۔گویا سائنس کی تعلیم کے حصول کی طرف توجہ دلائی۔افسوس اس معاملہ میں بھی اغیار ہی بازی لے گئے جنہوں نے آسمانوں پر کمندیں ڈالیں اور زمین کی پاتال کی خبر لائے اور بنی نوع انسان کو بے شمار ایجادات سے مستفید کیا۔ان کی کاوش اور ہمت کا یہ عالم ہے کہ سٹیفن ھاکنگ کو ۲۱سال کی عمر میں ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں ایک ایسی بیماری لاحق ہوگئی ہے جس سے وہ معذور ہوکر بمشکل دو سال زندہ رہ سکیں گے۔انہوں نے اپنی تمام قوتِ ارادی جمع کرکے ایک فیصلہ کیااور وہ فیصلہ یہ تھا ’’میں ہمت نہیں ہاروں گا۔‘‘وہ مکمل طور پر ایک معذور انسان ہیں اور زندہ ہیں۔آپ کا دماغ اور بائیں ہاتھ کی صرف دو انگلیاں کام کرتی ہیں۔وہ نہ بول سکتے ہیں نہ خود کھا

وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٥ وَاخْتِلَافِ
اوران میں جو پھیلاتے ہیں جاندار نشانات ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں اور آگے پیچھے آنے میں

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا
رات اور دن کے اور اس میں جو اُتارا ہے اللہ نے آسمان سے رزق پھر زندہ کیا

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ
اس سے زمین کو بعد موت کے اس کے اور چلانے میں ہواؤں کے نشانات ہیں ان لوگوں کے لیے

يَّعْقِلُوْنَ ۝٦ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ
جو عقل کرتے ہیں یہ نشان ہیں اللہ کے ہم پڑھتے ہیں انہیں تجھ پر ساتھ حق کے پس کس

سکتے ہیں نہ کپڑے پہن سکتے ہیں آپ اسی حالت میں اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور آئین سٹائن کے بعد سب سے بڑے نظریاتی طبیعات دان (Theoretical Physicist) مانے جاتے ہیں جنہوں نے سائنس کی کئی گتھیاں سلجھائیں ۔آپ کی وہیل چیر کے ساتھ ایک کمپیوٹر اور ایک ایسی مشین نصب ہے جو آپ کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو جوڑ کر بتاتی ہے ایک انٹرویو میں آپ نے بتایا۔'' بیماری سے پہلے میں زندگی سے بہت زیادہ توقعات رکھنے کے باعث بوریت محسوس کرتا تھا لیکن جب توقعات صفر پر آجائیں تو آدمی کو جو بھی میسر ہو وہ اسے صبر اور شکر کے ساتھ قبول کرتا ہے ۔ اسی صبر اور شکر کے ساتھ خوشیوں کا آغاز ہوتا ہے۔''

۵۔اگر خارجی کائنات میں کوئی خالق نظر نہیں آتا تو اپنے اندرونے میں ہی جھانک کر دیکھو ۔تمہارا اپنا وجود خالق و مالک کی صناعی کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ پھر چوپایوں کا زمین میں پھیلا دینا جن سے تمہارے بے شمار فوائد وابستہ ہیں۔یہ تمہارے لئے خاص طور پر سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں ان کا گوشت ، دودھ ،کھالیں حتٰی کہ بال اور فضلہ تک انسان کے کام آتا ہے۔(تفصیل سورۃ طٰہٰ :۴۷)

کائناتی نشانات اہل ایمان کے لئے تھے کیونکہ کائناتی اسرار پر غائبانہ ایمان ہوتا ہے جو مومن کا حصہ ہے۔زمینی نشانات یقین کرنے والوں کے لئے ہیں اس لئے کہ انسانی اور حیوانی پیدائش کا سلسلہ انسان کی نظروں کے سامنے جاری ہے اور اس پر اسے یقین ہے۔

۶۔اب ان نعمتوں کاذکر کیا جن میں اہل عقل و دانش کے لئے یقیناً بڑے بڑے نشان ہیں۔ یہ اہل دانش مومن ہوں یا کافر جب اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر تدبر وتفکر کریں گے تو بہت سے کائناتی رازوں سے پردہ اٹھائیں گے۔ رات اوردن کے آگے پیچھے آنے میں ہی زمینی حیات ممکن ہے۔ہوائیں اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ قوانین کے تحت اپنا رخ بدلتی ہیں اور سمندروں سے ٹنوں پانی

حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝٧ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ
بات پر بعد اللہ اور آیتوں کی اسکے وہ ایمان لائیں گے ہلاکت ہے ہر جھوٹ باندھنے والے

اَثِيْمٍ ۝٨ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا
گنہگار کیلئے سنتا ہے آیات اللہ کی کہ پڑھی جاتی ہیں اس پر پھر اڑ جاتا ہے تکبر کرتا ہوا

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٩ وَاِذَا عَلِمَ
گویا کہ نہیں سنی تھیں اس نے وہ پس خبر دے اُسے عذاب دردناک کی اور جب معلوم کرتا ہے

بھاپ کی صورت اٹھا کر پہاڑوں سے ٹکراتی اور زمین کی سیرابی کا موجب بنتی ہیں جس سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے ۔بارش بے شک زمین کی سیرابی کا ذریعہ ہے لیکن بارش کے پانی میں موجود نائٹروجن خاص طور پر زمین کی زرخیزی میں مدد دیتی ہے اور ہر ذی حیات کے لئے حصول رزق کا سبب بنتی ہے۔ (تفصیل ۶:۱۰۰)روحانی طور پر بتایا کہ وحی وہ آسمانی رزق ہے جس سے مردہ قومیں زندہ ہوتی ہیں۔

اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے ہوئی۔ کتاب کا نازل کرنا صفت رحمانیت کا تقاضا تھا جیسا کہ فرمایا الرحمٰن ٥ علم القرآن ٥ (۵۵:۲،۳)ان آیات میں ان تمام نشانات کا ذکر کیا جو صفت رحمانیت سے وجود میں آئے۔

۷۔وحدانیت کے ثبوت کے طور پر سب سے پہلے قرآن کریم کے نزول کا ذکر فرمایا پھر کائنات میں بکھری ہوئی ان تمام نشانیوں پر غور و تدبر کی دعوت دی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہیں۔فبایّ حدیث یعنی قرآن مجید کے بعد (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ تشحیذ الاذہان جلد ۸نمبر ۹صفحہ ۴۸۱) غرض قرآن کریم اور اس کی نشانیوں کے بعد جن کی طرف ان آیات میں توجہ دلائی گئی پھر اور کس بات پر وہ ایمان لائیں گے ۔ یعنی اگر یہ کھلی کھلی نشانیاں ان کو نظر نہیں آتیں تو ان سے بڑھ کر کونسی بات ہوگی جس پر وہ ایمان لائیں گے۔

۸۔۹۔یہاں ان لوگوں کاذکر نہیں جو آیات الٰہی کو سنتے ہیں ان پر غور وفکر کرتے ہیں اور کبھی نہ کبھی انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی ہے بلکہ ایسے ضدی لوگوں کا ذکر ہے جو پہلے ہی سے بات نہ سننے اور ہدایت حاصل نہ کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ان کی کچھ خصوصیات پچھلی آیت میں بتائی گئی ہیں۔یہاں ان کی پہلی خصلت یہ بتائی کہ وہ سخت جھوٹے ہیں۔نہ صرف یہ کہ جھوٹے اور افتراپرداز ہیں بلکہ سچی بات ان کے مزاج کے موافق ہی نہیں۔ان کی دوسری خصلت ان کا گنہگار اور بدکردار ہونا ہے۔وہ کسی برائی کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے ۔چونکہ وہ اسلام کی عائد کردہ اخلاقی اور معاشی پابندیوں کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے صداقت کے انکار کے سوا ان کے پاس کوئی

مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
آیات میں سے ہماری کچھ بناتا ہے انہیں ہنسی یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے

مُّهِیْنٌ ﴿۱۰﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا
ذلیل کرنیوالا پیچھے ان کے جہنم ہے اورنہیں کام آئے گا انہیں جو کمایا انہوں نے

شَیْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
کچھ بھی اور نہ وہ جنہیں بنایا انہوں نے سوائے اللہ کے دوست اور ان کے لیے عذاب ہے

عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ
بڑا یہ ہدایت ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آیات کا اپنے رب کی ان کے لیے

راستہ نہیں ہوتا تاہم ان کا سب سے بڑا جرم تکبر ہے۔ وہ تکبر کے نشہ میں ان آیات کو توجہ سے سننا بھی اپنی شان کے منافی سمجھتے ہیں۔ وہ مالی اور علمی لحاظ سے خود کو بہت اعلیٰ و ارفع سمجھتے ہیں اور ایک کمزور اور مفلس اُمّی کے تابع ہو کر اس کے احکام کو سننے اور ان پر عمل کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ پس ان خصلتوں کی وجہ سے انہیں ایک دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔ یہاں خوشخبری کا لفظ طنزاً کہا گیا ہے۔

۱۰۔اسی غرور کا نتیجہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں پر اطلاع پاتا ہے یا اسے بعض آیات و احکام کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق کا نشانہ بناتا ہے۔ گویا آیاتِ الٰہی کو تمسخر میں اڑاتا ہے۔ پہلے آیاتِ الٰہی نہ سننے کی سزا میں عذاب الیم کا ذکر کیا۔ اب بعض آیات کی محض خبر ملنے پر ان کا تمسخر اڑانے کی سزا میں عذاب مھین کا ذکر کیا۔ گویا آیاتِ الٰہی کی اہانت اور تذلیل کی سزا ذلت آمیز عذاب کی صورت ملے گی۔

۱۱۔یہاں بتایا کہ یہ سارے عذاب تو محض ایک ابتدائی ضیافت کے طور پر ہوں گے۔ اصل عذاب تو ان سے پرے جہنم کا عذاب ہے جسے عذاب عظیم کہا۔ فرمایا جو کچھ انہوں نے کمایا وہ کچھ بھی ان کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ ان کے کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا دوست بنا رکھا تھا۔ اس سے ان کے معبودانِ باطلہ بھی مراد ہیں جن کے آگے نذر و نیاز پیش کرتے تھے اور مرادیں مانگتے تھے اور اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ آخرت میں ان کی وساطت سے بچ جائیں گے نیز ان کے دین کے نام نہاد ٹھیکیدار، ان کے سردار اور حکام بھی شامل ہیں جن کے ساتھ ان کی مفاد پرستیاں وابستہ تھیں۔ ان کے احکام کو اولیت دیتے اور اُن کے مقابلہ میں خدائے بزرگ و برتر کے احکام کو پس پشت ڈالتے تھے۔ ان کے لئے ایک بہت بڑا عذاب مقدر ہے۔

عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ ع ۱۲ ۱۷
عذاب ہے سخت دردناک اللہ وہ ہے جس نے مسخر کیا تمہارے لیے سمندر کو

لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تاکہ چلیں کشتیاں اس میں ساتھ حکم کے اسکے اور تاکہ چاہو تم فضل اس کا اور تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
شکر کرو اور اس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ
سب کا سب ہی اپنی طرف سے یقیناً اس میں البتہ نشان ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں تو کہدے

۱۲۔**هٰذا**۔ ای القران۔ (کشاف۔ روح البیان)

ملحقہ آیات میں جرم کی نوعیت کے پیش نظر مختلف قسم کے عذابوں کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا کہ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے جن لوگوں نے اس کھلی کھلی ہدایت کے باوجود محض ضد کی بنا پر اپنے ربّ کی آیات کا انکار کیا ان کے لئے دردناک عذاب میں سے بھی سخت تر عذاب مقدر ہے۔ گویا ان کے عذاب کی شدت ان تمام عذابوں سے بڑھ جائے گی۔

۱۳۔تفصیل کے لئے (۶۷:۱۷) اس رکوع میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اپنی بے حد و حساب نعمتوں کی طرف متوجہ کیا تا کہ اپنے ربّ کا شکر بجالائے۔ اسکے احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ عظیم سمندروں کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ اس میں اس کے متعین کردہ قوانین کے تحت کشتیاں چلتی ہیں تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو۔ یہاں سمندری تجارت، سمندری ذرائع آمدورفت اور سمندر کے دیگر فوائد کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ اس سے قیمتی پتھر اور موتی وغیرہ نکلتے ہیں اور مچھلیاں حاصل ہوتی ہیں جن کا گوشت انسانی خوراک میں بہترین گوشت گردانا جاتا ہے۔ سمندری علوم کے ماہر جانتے ہیں کہ سمندر میں اس قدر معدنی ذخائر ہیں کہ زمین میں ان کا عشرعشیر بھی نہیں۔ ان کو تلاش کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر قسم کی حیات سمندر کی مرہونِ منت ہے، جو بارش کا ذریعہ ہے اور اس سے انسان کے بہت سے فوائد وابستہ ہیں۔

۱۴۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں" ایک مولوی میرے پاس بڑے اخلاص اور محبت سے بہت دن رہا۔ آخر ایک دن مجھے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی تسخیر کا عمل ہے جو آسائش کی تمام راہیں آپ کے لئے کھلی ہیں اور اتنی مخلوقِ خدا آپ کے پاس آتی ہے۔ میں نے کہا عمل تسخیر کیا ہوتا ہے۔ خدا نے تو فرمادیا سخرلکم مافی السمٰوٰت ومافی الارض سارا جہان تمہارے لئے مسخر۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تسخیر ہوسکتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ دعا

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ معاف کردیں ان لوگوں کو جو نہیں اُمید رکھتے دنوں کی اللہ کے

لِيَجْزِيَ قَوْمًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

تاکہ جزا دے وہ ہر قوم کو اس کی جو تھے وہ عمل کرتے جس نے عمل کئے اچھے

کرے۔ دعا کی عادت ڈالے ۔ اس سے کامیابیوں کی تمام راہیں کھل جائیں گی ۔میری یہ بات سن کر وہ ہنس دیااور کہا یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے ہیں۔ کوئی عملِ تسخیر بتلاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔غرض دعا سے لوگ غافل ہیں۔ حالانکہ دعا ہی تمام کامیابیوں کی جڑھ ہے ۔ دیکھو قرآن شریف کی ابتداء بھی دعا ہی سے ہوتی ہے ۔انسان بہت دعائیں کرنے سے منعم علیہ بن جاتا ہے ۔دکھی ہے تو شفاء ہوجاتی ہے ۔غریب ہے تو دولتمند ۔ مقدمات میں گرفتار ہو تو فتحیاب ۔ بے اولاد ہے تو اولاد والا ہوجاتا ہے ۔ نماز روزے سے غافل ہے تو اسے ایسا دل دیاجاتا ہے کہ خدا کی محبت میں مستغرق رہے ۔ اگر کسل ہے تو اسے وہ ہمت دی جاتی ہے جس سے بلند پروازی کرسکے ۔ کاہلی سستی ہے تو اس سے یہ بھی دور ہوجاتی ہے۔غرض ہر مرض کی دعا ہر مشکل کی مشکل کشایہی دعا ہے۔''

(بدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰)

فرمایا سمندر پر ہی کیا موقوف ہے اس ربّ رحیم نے تمام کائناتی قوتوں کو انسان کے لئے مسخر کردیا یعنی ان سب کو تمہاری نفع رسانی پر لگادیا ہے تم تدبر وتفکر سے جتنا چاہو ان سے فائدہ حاصل کرسکتے ہو۔ اگر منہُ کی ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف کی جائے تو معنی ہوں گے کہ یہ سب اسی کی طرف سے ہے یعنی اسی کا احسان ہے۔ بیشک سورج چاند ستارے بلکہ دور دراز کی کہکشائیں اہل زمین پر بہترین اثر ڈال رہی ہیں اور زمین میں موجود تمام اشیاء ،انسان کو فائدہ پہنچارہی ہیں ۔اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں یہ ہیں کہ آسمانوں کی انتہائی بلندیوں اور زمین کی پستیوں کو مسخر کرنا گویا ان قوانین قدرت کا علم حاصل کرنا ہے جس سے ان کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کرکے فطرت کی ان قوتوں پرقابو پا سکیں اور ان سے کماحقہٗ فوائد حاصل کرسکیں۔ یہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔جوں جوں وہ غور کریں گے فطرت کی لامتناہی نشانیوں سے آگاہی حاصل کرتے جائیں گے۔ یہاں بھی سائنسی اور دیگر تحقیقی علوم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۵۔ **ایام اللّٰہ**۔اللہ کے دنوں سے مراد اس کی نعمتوں کے دن بھی ہیں اور سزا اور عذاب کے دن بھی۔ یہ مکی سورۃ ہے ۔جب مومنوں کو کفار کی طرف سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں۔فرمایا

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۶﴾

تو اپنے نفس کے لیے اور جس نے بدی کی تو اسی پر ہے پھر طرف اپنے رب کی تم لوٹائے جاؤ گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

اور یقیناً یقیناً دی تھی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ

اور رزق دیا تھا ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے اور فضیلت دی تھی ہم نے انہیں تمام دنیا پر اور

ایمان والوں کو کہہ دے کہ ان کی زیادتیوں پر سے درگزر فرمائیں اس لئے کہ وہ اللہ کی پکڑ والے دنوں پر یقین نہیں رکھتے اور نہیں جانتے کہ یہ پکڑ والے دن دنیا میں بھی آجاتے ہیں جیسا کہ جلد ہی جنگ بدر میں ایام اللہ کا نظارہ دیکھا۔

یہاں ایک عام اصول بتادیا کہ بدی کرنے والوں کو معاف کردو اور ان سے نیکی کا سلوک کرو۔ خود بدلہ نہ لو۔ پس جو شخص زیادتی کابدلہ نہ لے اوراپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دے تو وہ ربّ کریم اس مظلوم کو بے انتہا اجر سے نوازتا ہے اور اپنے بندے کی زیادتی کابدلہ خود لیتا ہے اور ایسی قوم کو ان کے بداعمال کے مطابق سزا دیتا ہے جو وہ کیا کرتے تھے تاہم ان کو بھی ان کے جرم سے زیادہ سزا نہیں ملے گی۔ وہ غفور الرحیم چاہے تو اس میں بھی کمی کردے یابالکل ہی معاف کردے ۔اس لئے کہ سزا دیتے وقت ہمیشہ اس کے رحم کا پہلو غالب ہوتا ہے اور وہ کسی مجرم کو انتہائی سزا نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ جرم سے کم سزا دیتا ہے جبکہ مومنوں کو ان کے اعمال کا بدلہ بقول حدیث قدسی دنیامیں کم از کم دس گنا اور آخرت میں ستر گنا یا اس سے زیادہ یا اپنی رحمت سے بے حدو حساب دے گا۔

۱۶۔ اب بتلایا کہ جو نیک اعمال بھی کوئی بجالاتا ہے تو اس کا فائدہ اس کے اپنے نفس کو ہی پہنچتا ہے۔گویا اشارہ فرمایا کہ اپنی نیکیوں پر تھک کر نہ بیٹھ جانا اور جو کوئی بدی کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آخر کار تم اپنے ربّ کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے جہاں نیکوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ ملے گا ۔پس تمہارے لئے درگزر ہی مناسب ہے تاکہ اس کا بدلہ اگلے جہان میں پاؤ۔

۱۷۔ **حُکم**۔حکمت۔ فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور حکومت۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں دو متقابل سلسلوں کا ذکر کیا۔سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ ۔پہلے سلسلہ موسویہ پر اپنے انعامات کا ذکر کیا اور فرمایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور کتاب کو سمجھنے کی حکمت عطا کی یعنی فہم و فراست سے نوازا۔ یہاں بنی اسرائیل پراللہ تعالیٰ کے تین خاص انعامات کا ذکر فرمایا۔الکتٰب یعنی توریت کا عطاہونا۔الکتٰب میں قرآن کریم بھی بعد میں داخل ہوگیا۔حکومت ونبوت

اٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
دیئے تھے ہم نے انہیں دلائل اس امر (یعنی دین) کے، پس نہ اختلاف کیا انہوں نے مگر بعد اس کے کہ
مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ
آیا ان کے پاس علم سرکشی کی وجہ سے آپس میں یقیناً رب تیرا فیصلہ کریگا درمیان انکے
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ
بروز قیامت اس میں کہ تھے وہ جس میں اختلاف کرتے پھر کیا ہم نے

سے نوازے جانا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے اولوالعزم انبیاء ہوئے جنہیں حکومت سے بھی نوازا گیا۔ ان کے علاوہ بکثرت انبیاء اور حکمران ہوئے۔ گویا روحانی اور مادی دونوں نعمتوں سے نوازے گئے۔ نیز روحانی رزق کے علاوہ مادی حلال رزق عطا ہوا۔ اس مین من وسلویٰ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی دیگر بے حد و حساب پاکیزہ نعمتیں شامل ہیں جو ان کو ارض شام میں عطا ہوئیں۔

یہ مراد نہیں کہ بنی اسرائیل کو تمام اقوام پر ہمیشہ کے لئے فضیلت دی بلکہ یہ مراد ہے کہ اُس زمانے کی تمام اقوام میں سے بنی اسرائیل کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے چنا جو ان کے لئے وجہ فضیلت تھا۔ انہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے نوازا اور تبلیغ و ہدایت کا کٹھن کام ان کے سپرد ہوا۔

۱۸۔ **بیّنٰت** ۔ کھلی کھلی ہدایات۔ الامر سے مراد شریعت اور دین ہے۔ لفظی معنی حکم کے ہیں یعنی احکام الٰہی۔ **بیّنٰت من الامر**۔ دین کے معاملہ میں واضح ہدایات۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات یہ بھی تھے کہ انہیں دین کے معاملہ میں واضح ہدایات دیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیّنٰت من الامر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واضح دلائل مراد لئے ہیں۔ یعنی وہ پیشگوئیاں اور نشانیاں جو توریت میں موجود تھیں۔ اختلاف سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف مراد لیا ہے۔ جب کامل علم آ گیا یعنی دین حق کا ظہور ہوا تو باوجود علم ہونے کے کہ یہ وہی رسول ہے جس کی شہادت توریت نے دی ہے۔ یہود نے محض آپس کے حسد کی وجہ سے نبی آخرالزمان سے اختلاف کیا۔ کامل علم تو اختلافات مٹانے آیا تھا مگر انہوں نے باہم ضد اور حسد کی وجہ سے اسے اختلاف کا سبب بنالیا۔ اختلاف وہی کرتے ہیں جن کے ضمیر میں بغاوت کا مادہ ہوتا ہے۔ پس انہوں نے اطاعت کی راہ کو چھوڑ کر باغیانہ روش اختیار کی۔ اگر وہ اپنی کتاب پر قائم رہتے اور اس سے ہدایت طلب کرتے تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیتے۔ جیسا کہ اکثر یہودی علماء آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ ان کی سرکشی یہی تھی کہ یہ علم ہو

عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ
تجھے کشادہ راہ پر اس امر (یعنی اسلام) کی پس پیروی کرو اس کی اور مت پیروی کیجیو خواہشات کی
الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ
ان لوگوں کی جو نہیں علم رکھتے یقیناً وہ ہرگز نہیں کام آئیں گے تجھے مقابلہ میں اللہ کے
شَیْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ
کچھ بھی اور یقیناً ظالم بعض ان کے دوست ہیں بعض کے اور اللہ
وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۰﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ
دوست ہے متقیوں کا یہ بصیرت پیدا کرنیوالی باتیں ہیں لوگوں کیلئے اور ہدایت اور رحمت

جاننے کے باوجود کہ توریت کی پیشگوئیوں کے مصداق آپ ﷺ ہی ہیں۔ وہ کسی ایسے نبی کو ماننے کو تیار نہیں تھے جو بنی اسرائیل میں سے نہ ہو۔ یقیناً تیرا ربّ قیامت کے روز ان کے درمیان ان تمام امور میں فیصلہ کرے گا۔ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

۱۹۔۲۰۔ **شریعة**۔ سیدھی راہ۔ دین ۔ ایک عظیم الشان طریقہ۔ **شریعة من الامر** میں ایک عظیم شریعت کی طرف اشارہ ہے۔ دین کے معاملہ میں ایک واضح راستہ ۔ جب بنی اسرائیل اس اہم ذمہ داری کے معاملہ میں نااہل ثابت ہوئے اور ان میں سلسلہ نبوت ختم ہوگیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اقوامِ عالم کی ہدایت کی عظیم ذمہ داری ایک اُمّی کے کندھوں پر ڈالی اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے دین کے معاملہ میں ایک عظیم الشان شریعت پر قائم کردیا۔ بیشک اصولی عقائد ہر امت میں ایک ہی ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم نہیں ہوسکتی ۔ جیسے توحید و ایمان یا عقیدہ آخرت پر یقین وغیرہ ۔ لیکن عملی احکام میں حالات اور ضرورتِ زمانہ کے مطابق بحکم الٰہی بعض تبدیلیاں ضروری ہوتی ہیں۔

چونکہ آپ ﷺ عالمی نبی تھے اور آپ ﷺ کی شریعت آخری اور کامل شریعت تھی اس لئے آپ ﷺ کو بہترین احکام ملے ۔ جیسا کہ نماز یہود و نصاریٰ میں بھی ہے لیکن اسلام کی نماز عبادت کی احسن ترین شکل ہے جو بندے کا رتبہ ملائکہ سے بڑھا دیتی ہے اور اسے اپنے ربّ سے ملاتی ہے اسی طرح اسلام نے باقی احکام کو بہترین شکل میں پیش کیا۔ یہود میں نہایت سخت احکام تھے ۔ جیسے تمام جنگی قیدیوں کو قتل کردینا، ان کے بیوی بچوں کو غلام بنالینا اور ان کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلینا ۔ نصاریٰ میں حد سے زیادہ نرمی کا حکم ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کردو۔ بیشک یہ احکام ایک خاص قوم، وقت اور حالات میں واجب العمل تھے لیکن عالمی شریعت کے لئے ایسے احکام دئے جو قیامت تک کے لئے ہر قوم کے لئے واجب العمل ہوں ۔

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۱﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ
ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں کیا خیال کیا ان لوگوں نے جو کرتے ہیں بُرائیاں

اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً
کر ہم کردیں گے انہیں مانند ان لوگوں کی جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک برابر ہے

ع ۲ ۱۰ ۱۸ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ
زندگی ان کی اور موت ان کی بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں اور پیدا کئے اللہ نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ
آسمان اور زمین ساتھ حق کے اور تاکہ بدلہ میں دیا جائے ہر نفس کو اس کا جو کمایا انہوں نے

چنانچہ اسلام نے ہر معاملہ میں میانہ روی کا حکم دیا۔اگر نرمی سے اچھا اثر پڑنے کی توقع ہوتو ہمیشہ نرمی کی تلقین فرمائی۔ اگر نرمی سے بُرے اثرات مرتب ہوں تو حسب حالات اور حسبِ ضرورت ایسی سختی کی اجازت دی جس کے نتائج بہتر ہوں ۔ پھر اجتہاد کادروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رکھا۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور آخری شریعت ہی قیامت تک کے لئے واجب العمل قرار دی گئی۔ پس تو اسی کا اتباع کر اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرجو حقیقی علم نہیں رکھتے وہ اللہ کے مقابلہ میں تیرے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے یعنی ان سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اس لئے کہ ظالم، ظلم اور ہر غلط کام میں ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ متقیوں کادوست اور کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ ایک دائمی عالمی حقیقت ہے کہ ظالم ہمیشہ ظالموں کی مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے متقی بندوں کی مدد کی اور انہیں پناہ دی۔پس جسے اللہ کی دوستی نصیب ہوجائے اسے اور کیا چاہیئے۔

۲۱۔**بصآئرِ**۔بصیرۃ واحد۔ روشن دلیلیں ۔ بینائیاں ۔ بصیرت آموز باتیں ۔سامان علم و بصیرت ۔

یہ عالمی شریعت تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سامان علم و بصیرت ہے ۔یہ ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ جو بھی ان پر غور وفکر کرے گا ہدایت پاجائے گا البتہ یقین رکھنے والے مومنوں کے لئے سراسر ہدایت اور رحمت ہے جو ان پر عمل کرکے اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۲۲۔**الاجتراح** جرائم کا ارتکاب کرنا ہے۔ لفظی معنی زخمی کرنے کے ہیں اسی سے جوارح وغیرہ ہے۔

یہاں سے آخرت کا بیان شروع ہے۔ فرمایا وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ
اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے کیا پھر دیکھا تُو نے اُسے جس نے بنالیا اپنا معبود اپنی خواہش کو اور

اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ
گمراہ ٹھہرایا اُسے اللہ نے دیکھ بھال کر اور مہر کردی کان پر اس کے اور دل پر اس کے اور ڈال دیا

عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا
آنکھ پر اس کی پردہ پس کون ہدایت دیگا اُسے بعد اللہ کے کیا پھر نہیں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ
نصیحت پکڑتے تم اور کہا انہوں نے نہیں یہ مگر زندگی ہماری ورلی ہم مرتے ہیں

کرتے ہیں کیاوہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان سے وہی سلوک ہوگا جو نیک اعمال بجالانے والے مومنین سے ہوگا؟ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ بہت ہی بُرا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ان دونوں گروہوں کی زندگی اور موت میں بین فرق ہے۔دنیا کی زندگی میں کافر و فاجر اکثر جھوٹ ،فریب اور غلط کاموں سے پر آسائش زندگی گزارتے ہیں۔جبکہ مومن کی پوری زندگی ایک جہاد ہے۔احکام الٰہی کی بجاآوری جس میں خاص طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی،معصیت سے بچنے کے لئے اپنے نفس پر پابندیاں نیز اکثر کفار کی زیادتیوں کا شکار ہونا۔یہ سب وہ امور ہیں جن سے بندۂ مومن کی زندگی بظاہر تلخ نظر آتی ہے۔اب یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں گروہوں سے زندگی اورموت میں اللہ تعالیٰ کا سلوک یکساں ہو۔اگر مومن کو دنیوی مصائب پہنچے تو آخرت میں اس کے لئے جنت کی ایسی نعمتیں ہیں جن کا اسے دنیا میں تصور بھی نہیں تھا۔پھر اس کے لئے سب سے بڑی نعمت اپنے ربّ کے دیدار سے مشرف ہونا ہے۔ جبکہ کفار جہنم میں طرح طرح کی رسوائیوں اورعذابوں میں مبتلا ہوں گے ۔

۲۳۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق وحکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے ۔اس حق وحکمت کا تقاضا ہے کہ ہر نیک وبد کو اس کے اعمال کے مطابق جزا وسزا دی جائے۔ پس ان پر ہرگز زیادتی نہیں ہوگی۔ گویا پچھلی آیات کے مضمون کی تکمیل فرمائی۔ اس آیت سے ظاہر ہوا کہ تخلیقِ عالم کا مقصد خالق و مالک کی صفت عدل و رحمت کا اجراء ہے اور ایسا آخرت میں ہی پوری طرح ممکن ہے جب اہل حق اوراہل باطل میں کامل امتیاز ہوگااور انہیں اپنے اعمال کا صحیح صحیح بدلہ ملے گا۔

۲۴۔اب رکوع کے آخرتک اہل دوزخ کی وہ خصوصیات بیان فرمائیں جن کی وجہ سے وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانی ہی کو اپنا معبود بنالیا اور اپنی شہوات کے غلام بن کر رہ گئے۔حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ
اور جیتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر زمانہ اور نہیں ان کے لیے اس کا کوئی
عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
علم نہیں وہ مگر گمان کرتے ہیں اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات ہماری
بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ
کھلی کھلی نہیں ہوتی دلیل ان کی مگر یہ کہ کہتے ہیں لاؤ باپ دادوں کو ہمارے اگر

سے سنا ہے کہ زیر آسمان اس دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ھویٰ ہے یعنی خواہشِ نفسانی۔ (قرطبی) بظاہر کفار بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود نہیں کہتے مگر حقیقت یہ ہے کہ عبادت نام ہے اطاعت کا۔ جو خدا کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی اطاعت کرے اور اسے اپنا مقصود و مطلوب جانے تو دراصل وہی اس کا معبود ٹھہرتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کامل کی بنا پر انہیں گمراہ قرار دیا۔ گویا انہیں گمراہ قرار دینے میں کسی غلطی یا زیادتی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس گمراہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں اور دلوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گویا ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم ہوگئے انہیں حق بات سنائی دیتی ہے نہ سمجھ آتی ہے اور نہ حق دکھائی دیتا ہے۔ پس اللہ کے بعد انہیں کون ہدایت دے سکتا ہے۔ کیا یہ سب جاننے کے باوجود بھی تم نصیحت حاصل نہیں کروگے۔ بیشک کفار اور مشرکین ہی کا ذکر ہے لیکن اہل حق کو سمجھانا بھی مقصود ہے کہ دیکھنا! اس شرکِ خفی میں مبتلا نہ ہوجانا کہ بجائے احکام الٰہی کی پیروی کے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگو اور جو دل چاہے اس پر عمل کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ افعال و اشیاء کو حلال جاننے لگو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ تمہیں حق بات سنائی دے، نہ اس کی طرف دل مائل ہو اور نہ ہی حق تمہیں دکھائی دے اور تم ہدایت سے یکسر محروم ہوجاؤ۔

۲۵۔ اہل جہنم کی جہنم میں جانے کی دوسری وجہ ان کا آخروی زندگی سے انکار ہے اس لئے کہ یہ نفس کے بندے اس دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ دھر کے ہلاک کرنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ ہر شے کی ایک مدت ہے۔ گردش زمانہ سے ہر چیز زوال پذیر ہوتی ہے اور آخر ختم ہوجاتی ہے اور اس کا کچھ بھی نشان باقی نہیں رہتا۔ منکرین بعث کو اس بارہ میں کچھ بھی علم نہیں کہ انسان کی پیدائش اور موت میں باری تعالیٰ نے بہت سے مقاصد رکھے ہیں۔ یہ سارا سلسلہ خود بخود ظہور پذیر نہیں ہوگیا اور نہ ہی خود سے فنا ہوگا۔ یہ محض خیال آرائیاں کرتے ہیں۔

۲۶۔ جب بعث بعد الموت کے متعلق ہماری کھلی کھلی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں جن میں عقیدہ آخرت پر مضبوط دلائل دئے گئے ہیں کہ اگر دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب سے نہیں گزرنا

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
ہو تم سچے تو کہدے اللہ زندہ کرتا ہے تم کو پھر مارے گا تمہیں پھر
يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
جمع کرتا رہے گا تم کو تا روز قیامت نہیں کوئی شک اس میں ولیکن اکثر لوگ
ع ۵ ۱۹ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ
نہیں جانتے اور اللہ کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس دن قائم ہوگی
السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ
قیامت اس روز ناکام رہ جائیں گے جھوٹے اور تو دیکھے گا ہر امت کو
جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۚ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا
گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہر اُمت پکاری جائے گی طرف اپنے نامۂ اعمال کی، آج تم بدلہ دیئے جاؤ گے اسکا جو

تو یہ دنیوی زندگی بے مقصد ہے تب ان کے پاس اخروی زندگی کی نفی کی کوئی دلیل نہیں ہوتی سوائے یہ کہنے کے کہ اگر تم اپنے دعاوی میں سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کرکے لے آؤ۔ حالانکہ قرآن کریم ان کو زندہ کرکے خدا کی طرف لے جائے جانے کا اقرار کرتا ہے نہ کہ واپس دنیا میں آنے کا۔

۲۷۔ اب مزید تصریح فرمائی کہ یہ حیات و موت کا سلسلہ ازخود جاری نہیں ہوگیا کہ گردش دہر سے زندہ ہوتے ہو اور مرجاتے ہو۔ بلکہ ایک حیّ القیوم خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے وہ زندگی بخشا اور موت دیتا ہے۔ پھر وہی ہے جو قیامت کے دن کی طرف جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں، تمہیں اکٹھا کرکے لے جائے گا۔ پس دعویٰ، قیامت کے روز زندہ کرنے کا ہے نہ کہ اس دنیا میں۔ یہ وہ قرآنی حقائق ہیں جن سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اور وہ بغیر غور کئے قیامت کا انکار کردیتے ہیں۔ قرآن کریم باربار وضاحت سے مردوں کے دوبارہ دنیا میں آنے کے خیال کی نفی کرتا ہے لیکن پھر بھی بعض لوگ حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ دنیا میں لانے پر مصُر ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ قرآنی اسلوب کے خلاف ہے بلکہ تمام الہامی کتب کی تعلیم کے خلاف ہے۔

۲۸۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان فرمائی کہ جس ربّ جلیل کی فرمانروائی تمام کائنات پر محیط ہے اس کے لئے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ اہل باطل کی ساری زندگی حق کو جھٹلاتے ہوئے گزری۔ فرمایا جس دن موعود گھڑی آئے گی، حق کو باطل قرار دینے والے خسارہ میں ہوں گے۔ بیشک **ساعة** سے مراد روزِ قیامت ہی ہے لیکن کبھی کبھی یہ **ساعة** دنیا میں بھی قائم ہو جاتی ہے جب اہل باطل سراسر نقصان میں رہتے ہیں۔

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا
تھے تم عمل کرتے یہ کتاب ہماری بولتی ہے تم پر سچ یقیناً

كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۰ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ہم تھے لکھتے جو تھے تم عمل کرتے پس وہ لوگ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ
اور انہوں نے عمل کیے نیک پس داخل کرے گا انہیں رب ان کا اپنی رحمت میں یہ

هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۱ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ
ہی کامیابی ہے کھلی کھلی اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کیا پھر نہ تھیں

۲۹۔ **جاثیة** ۔گھٹنوں کے بل گری ہوئی۔ اوندھی گری ہوئی ۔ زانو پر بیٹھی ہوئی **کتٰبها** سے مراد ان کی شریعت کی کتاب بھی ہے اور ان کا اعمالنامہ بھی ۔ اعمالنامہ کی طرف بلانے کا مطلب حساب کتاب کی طرف بلانا ہے۔

میدان حشر میں ہرامت اپنے حساب کتاب کے خوف اور اھوال قیامت کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گری ہوگی۔ ہر نبی کی امت کا حساب اس تعلیم کے مطابق ہوگا جو اس نبی کی وساطت سے اسے عطا ہوئی گویا ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ جب ہر قوم اپنی کتاب کو سچا سمجھتی ہے تو کیا اس کا عمل اس کے مطابق تھا۔ جبکہ ہزار تحرّف و تبدل کے باوجود ہر کتاب توحید اور نیکی کا سبق دیتی ہے یہاںتک کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی توحید اور نیکی کا سبق موجود ہے ۔ پس ان سب کو اُن کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی۔ کُل امّةٍ سے ظاہر ہے کہ یہ خوف کی صورت ہر کافر و مومن کو پیش آئے گی۔ امتوں میں ان کے انبیاء و اولیاء بھی شامل ہوں گے جبکہ جاثیہ والی ہیئت ان کے لئے مناسب نہیں۔ بعض مفسرین نے جاثیہ کے معنی ایسی نشست کے کئے ہیں جیسے نماز میں ہوتی ہے ۔اس نشست میں خوف سے زیادہ ادب شامل ہے ۔پس ایسی ہیئت انبیاء پر بھی صادق آئے گی۔

۳۰۔ بیشک فرشتے انسان کا ہر عمل ضبط تحریر میں لاتے رہے اور جو ضبط تحریر میں آجائے وہ گواہی قطعی ہوجاتی ہے۔لیکن آج سائنس انکشاف کررہی ہے کہ ہر انسان کے ہر سیل (Cell) میں اس کی زندگی کا ریکارڈ موجود ہے بلکہ فضا میں بھی ہر آواز اور حرکت ثبت ہے۔ پس ہر شخص کے ہاتھ میں اس کی زندگی کی پوری فلم تھمادی جائے گی۔

۳۱۔اب اہل جنت کا حال بیان فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے والے ایمان اور عمل صالحہ کی وجہ سے اپنے ربّ کی رحمت میں داخل ہوں گے یعنی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور یہی

اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲
آیات میری پڑھی جاتی تم پر۔ پس تکبر کیا تم نے اور تھے تم لوگ مجرم

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا
اور جب کہا جاتا تھا کہ وعدہ اللہ کا سچا ہے اور قیامت ایسی ہے کہ نہیں کوئی شک اس میں

قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا
کہتے تھے تم کہ نہیں ہم جانتے کہ کیا ہے قیامت نہیں گمان کرتے ہم مگر گمان تھوڑا سا اور نہیں

نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۳ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ
ہم ہرگز یقین کرنے والے اور ظاہر ہوجائیں گی ان کیلئے برائیاں اس کی جو کیا تھا انہوں نے اور

حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ وَقِيْلَ الْيَوْمَ
گھیرے گا انہیں (عذاب) کہ تھے وہ جس پر ہنسی کرتے اور کہا جائے گا کہ آج

نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ
ہم بھول جائیں گے تمہیں جیسا کہ بھول گئے تم ملنا اپنے دن اس کا اور ٹھکانا تمہارا

کھلی کھلی کامیابی ہے۔

۳۲۔جس طرح مومنوں کا ایمان اور عمل صالحہ ان کے لئے جنت میں داخلے کی ضمانت بن گیا اسی طرح تکبر کی وجہ سے کفار کی آیاتِ الٰہی سے روگردانی ان مجرموں کے جہنم میں داخلے کا سبب بنی۔ انکا تکبر یہی تھا کہ ہم اونچے لوگ ایک معمولی انسان کے تابع فرمان کیوں ہوں۔ورنہ اللہ کی آیات تو دن رات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور سمجھتے بھی تھے لیکن تکبر کی وجہ سے جھکنے کو تیارنہیں تھے اور وہ ایک مجرم قوم بن گئے۔

۳۳۔اب ان کے دنیا کے مکالمہ کا ذکر کیا کہ جب قیامت کا ذکر کیا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ساعت میں کوئی شک نہیں تو تم اس کا مذاق اڑاتے تھے کہ ہم نہیں جانتے ساعت کیا ہے۔ ہمیں تو اس کے متعلق صرف گمان سا ہے اور ہم ہرگز یقین کرنے والے نہیں۔

۳۴۔ان کا یہ کہنا کہ جو ہمیں نظر نہ آئے اسے ہم کیونکر مان لیں۔فرمایا ان کی یہ دلیل دنیا میں ہی توڑ دی جائے گی۔ بہت جلد ایام اللہ میں ان پر ان کے اعمال کے بدنتائج ظاہر ہوجائیں گے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس چیز کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں دنیا میں ہی گھیر لے گی۔ بہت سی مستند احادیث گواہ ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا۔(ایام اللہ کے لئے آیت:۱۵) بیشک یہ سب کھلا کھلا تو آخرت میں ہی ہوگا مگر دنیا میں بھی ایک جھلک دکھلا دی جاتی ہے تا آخرت کے لئے سند ہو۔

۳۵۔آخرت پر یقین ہی وہ ذریعہ ہے جس سے ایک انسان اپنے اعمال کی فکر کرتا ہے ۔ جب تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا، ہر بُرا کام کر گزرے اور اپنے حساب کتاب کی کبھی فکر نہ

النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۵﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ
آگ ہے اور نہیں تمہارے لیے کوئی مددگار یہ اس لیے ہے کہ تم نے بنالیا
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ
آیات کو اللہ کی ہنسی اور دھوکا دیا تم کو زندگی ورلی نے پس آج
لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ
نہیں وہ نکالے جائیں گے اس سے اور نہ وہ عذر قبول کئے جائیں گے پس اللہ ہی کی ہیں سب تعریفیں
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَلَهُ
جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا رب ہے تمام دنیا کا اور اسی کی
ع ۱۱ ۲۰ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۸﴾
ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں ، اور وہ غالب حکمت والا ہے

ہوئی تو اس کا منصفانہ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے اور تم سے وہی سلوک کریں گے جس کے تم حقدار ہو۔ تمہارا ٹھکانا آگ ہوگی اور تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو تمہیں اس عذاب سے چھڑا سکیں۔

۳۶۔تمہاری یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی ہنسی اڑائی یعنی انہیں تمسخر کا نشانہ بنالیا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا کہ یہ عیش و عشرت اور کرّ وفر ہمیشہ رہے گا اور تم سے کبھی باز پرس نہیں ہوگی۔ پس آج نہ وہ اس عذاب سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کا کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔یعنی انہیں موقع نہیں دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔

۳۷۔۳۸۔ سورۃ کی ان آخری دو آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی سات صفات بیان فرمائیں فرمایا سب حمد و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو آسمانوں کا ربّ ہے اور زمین کا بھی ربّ ہے تمام جہانوں کی ربوبیت اسی کو سزاوار ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ہر قسم کی کبریائی اسی کو زیبا ہے۔ وہی ذات پاک ہے جو کامل غلبہ والی اور حکمت والی ہے یعنی اس کی ہر بات حکمت کی بنا پر ہے۔

پس اس کے نیک اور صالح بندے جو اپنے ربّ کی صفات پر غور کرتے اور حسب استطاعت ان میں رنگین ہونے کی کوشش کرتے ہیں وہ یقیناً آخرت کے عذاب سے بچائے جائیں گے اور ان کا ربّ ان سے احسان کا سلوک فرمائے گا۔

سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی صفات عزیز اور حکیم سے کی تھی۔اس کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی انہیں صفات سے کیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احقاف۔یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی چھتیس آیات اور چار رکوع ہیں

یہ سورۃ حٰمٓ کے سلسلہ کی ساتویں اور آخری سورۃ ہے جس کا زمانہ نزول اور مضمون قریباً وہی ہے۔(پچھلی چھ سورتوں کے تعارفات سے استفادہ فرمائیے) اس سلسلہ کی دیگر سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی توحید و رسالت اور معاد کا بیان ہے نیز کفار کو ان کے اعمال کے بد نتائج سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الجزء ۲۶

حٰمٓ ﴿۲﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۳﴾
حا۔ میم ۔ اُتارنا اس کتاب کا طرف سے اللہ غالب حکمت والے کی ہے

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ
نہیں پیدا کئے ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ درمیان ہے ان دونوں کے مگر ساتھ حق کے اور

اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۴﴾
ساتھ میعاد مقررہ کے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس سے جس سے وہ ڈرائے جاتے ہیں منہ پھیرنے والے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا
تو کہدے بتاؤ تو سہی جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے دکھاؤ مجھے کیا

خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ
پیدا کیا انہوں نے زمین سے یا کیا انکے لیے شراکت ہے آسمانوں میں لاؤ میرے پاس

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے اور دوسرے رکوع میں شرک کے ردّ اور وحی کی صداقت کو مختلف دلائل سے ثابت کیا نیز مامورین کی شناخت کے اصول بتائے۔ حٰم اللہ تعالیٰ کی صفات حمید اور مجید کے قائم مقام ہے تفصیل (الزخرف آیت۲ ۔ مقطعات تفصیل سورۃ مریم :۲)

۳۔ (سورۃ المومن :۳ اور سورۃ جاثیہ :۳) سے استفادہ فرمایئے۔

۴۔ پچھلی سورۃ کی آخری آیات میں فرمایا کہ آسمانوں اورزمین کی ہر چیز اللہ ہی کی حمد بیان کررہی ہے ۔ اس سورۃ کے آغاز میں فرمایا کہ آسمانوں اورزمین کواور جو کچھ ان کے درمیان ہے ہم نے حق کے ساتھ پیدا کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں ۔ ’’حق ابدی چیز ہے، حق مٹایانہیں جاسکتا پیدا کرناحق کے ساتھ تھالیکن یہ وہ حق نہیں جو ہمیشہ رہے گا۔ حق کے ساتھ پیدا کرنے میں اللہ کا یہ ارادہ داخل تھا کہ تمام کائنات کو ایک مدت مقررہ کے لئے بنایاتھا۔‘‘ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی چیز کو دائمی بقاحاصل نہیں جب اس حکیم کی نظر میں کسی چیز کی پیدائش کی ضرورت ختم ہوجاتی ہے تو اس پر فنا لازم آجاتی ہے ۔ مگر منکرینِ صداقت اپنے کبر کے زعم میں کسی انذار کو خاطر میں نہیں لاتے۔

۵۔ **اثٰرۃ** ۔ اثر کسی چیز کا بقیہ یانشان ہے جمع **اٰثار** ہے ۔ جیسے آثار قدیمہ وغیرہ **اثٰرۃ من علم** ۔ علم کا نشان۔ علم کا کوئی ادنیٰ نشان۔

بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
کوئی کتاب پہلے کی اس سے یا کچھ منقول علم سے اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ
سچے اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو بلاتا ہے سوائے اللہ کے اسے جو

لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ
نہیں جواب دیتا اُسے تا روز قیامت اور وہ دعا سے ان کی

غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا
بے خبر ہیں اور جب اکٹھے کئے جائیں گے لوگ ہونگے وہ (معبودانِ باطلہ) انکے دشمن اور ہوں گے

بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ
عبادت سے ان کی منکر اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات ہماری کھلی کھلی

ان آیات میں اُنہی معبودوں کا ذکر ہے جوانسانوں میں سے بنائے گئے ہیں مشرکین ربّ العالمین کو خالق کائنات ماننے کے باوجود بعض دیگر ہستیوں کو اس کے اختیار و اقتدار میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ان آیات میں مشرکین کے شرک کے دعویٰ پران سے دلیل کامطالبہ کیاہے کہ اگرتم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ کوئی خدا کا شریک ہے جس کی عبادت کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے تو اس کے اثبات میں دلیل پیش کرو۔ معتبر دلیل عقلی ہوتی ہے یانقلی۔شرک کی تائید میں ان کے پاس عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ہاں شرک کے ابطال میں نگہِ بینا کے لئے ارض وسما میں بے شمار عقلی دلائل ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ زبانِ حال سے خدائے وحدہٗ لاشریک کا پتہ دیتاہے۔یہاں شرک کے ابطال کی عقلی دلیل پیش کی کہ ان سے پوچھ کیا آسمانوں اور زمین کی تخلیق اورنظم ونسق میں ان کے مزعومہ خداؤں کا بھی کوئی دخل ہے۔ظاہر ہے کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ۔ **ماذاخلقوامن الارض** سے ثابت ہوگیا کہ مسیحؑ نے بھی پرندے یا چمگادڑ وغیرہ نہیں بنائے۔ شرک کے ردّ میں نقلی دلیل دی کہ گزشتہ کتبِ الٰہی میں سے کوئی کتاب لاؤ جوشرک کی شہادت دے یا شرک کے حق میں کوئی ادنیٰ سی علمی دلیل ہی پیش کرو۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسی کوئی دلیل ہرگز پیش نہیں کرسکتے تھے کیونکہ کوئی الہامی کتاب شرک کی تائید نہیں کرتی نہ ان کے پاس کوئی ادنیٰ سی بھی علمی دلیل ہے ۔ ہرعلم شرک کو رد کرتاہے۔

۶۔۷۔آیت :۵والے مکذبین ہی کا حال بیان کیا ۔فرمایا اس شخص سے زیادہ گم گشتۂ راہ کون ہوسکتاہے جوشرک کی تائید میں عقلی یانقلی دلیل پیش کرے۔ بلکہ شرک کے ابطال پر ہرقسم کے دلائل دئے جانے کے باوجود بھی خدا کو چھوڑ کر اپنی حاجات کے لئے ان ہستیوں کو پکارتا ہو جو

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۸
کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا متعلق حق کے جب آیا انکے پاس کہ یہ جادو ہے کھلا کھلا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ
کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افتراء کر لیا ہے اُسے تو کہدے اگر افتراء کیا ہے میں نے اسے تو نہیں تم اختیار رکھتے

لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى
میرے لیے مقابل میں اللہ کے کچھ بھی وہ خوب جانتا ہے اس (کلام) کو کہ تم شروع ہوتے ہو جس میں کافی ہے

بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۹
وہ گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے

قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتیں بلکہ انہیں تو اس کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔ جبکہ تمہارا معبودِ حقیقی تمہاری پکار کو سنتا ہے اور اپنے بندوں کو جواب بھی دیتا ہے۔ آخر وہ دن آئے گا کہ ان کے مزعومہ خدا ان کے خلاف کھڑے ہوں گے اوران کی عبادت کا انکار کریں گے کہ ہم نے انہیں اپنی عبادت کی دعوت ہرگز نہیں دی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مُردے سنتے ہیں۔ موت کے کچھ وقت بعد تک تو ان کی چند حسیں کچھ نہ کچھ کام کرتی ہیں اور وہ کسی حد تک سنتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے انبیاء و شہداء اورنیک بندوں کو دنیا والوں کی اچھی خبریں ، سلام اوردعائے رحمت و مغفرت پہنچادیتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ قبر پر کھڑے ہوکر جو دعا کی جاتی ہے مردہ اسے سنتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن بدوں کو کوئی دعا یا خوشی کی خبر نہیں پہنچتی تاہم جب اللہ چاہے تو غم کی خبر پہنچادیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے مطابق جنگ بدر میں مارے جانے والے کفار کو مخاطب کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توبیخ فرمائی۔

۸۔حق کوکھلا کھلا جادو قرار دینا منکرین حق کی پرانی عادت ہے۔ ہر مُرسل کے ساتھ یہی سلوک ہوا کہ جب ان کے پاس دلائل حقہ کا کوئی جواب نہ ہوتا تو کہتے کہ اس نے ہم پر جادو کردیا ہے اور ہماری عقلیں ماؤف ہوگئی ہیں یا یہ کہ جادو کے اثر سے ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کررہاہے ورنہ ایک اُمّی کو ایسی استطاعت ہوہی نہیں سکتی۔

۹۔کفار کا سحر کہنا اس امر کا ثبوت تھا کہ قرآن کسی انسان کی تصنیف نہیں لیکن انتہائی ڈھٹائی سے آپ ﷺ پرافترا کا الزام لگاتے کہ آپ ﷺ نے قرآن کو خود بنا کر خدا کی طرف منسوب کردیا ہے۔حالانکہ وہ آپ ﷺ کو صادق وامین کا خطاب دے چکے تھے اورجانتے تھے کہ جو انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ کی طرف جھوٹ کیسے منسوب کرسکتا ہے۔ فرمایا اللہ میرے اور

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ
تو کہدے نہیں ہوں میں نیا رسول اور نہیں جانتا میں کیا کیا جائیگا ساتھ میرے

وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ
اور نہ ساتھ تمہارے نہیں پیروی کرتا میں مگر اس کی جو وحی کی جاتی ہے طرف میری اور نہیں میں مگر ڈرانے والا

مُّبِيْنٌ ۱۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ
کھلا کھلا تو کہدے بتاؤ تو سہی اگر ہو یہ پاس سے اللہ کے اور انکار کیا تم نے

تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے۔یعنی اللہ کی فعلی شہادت ثابت کردے گی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے یامیرا افترا۔یہاں سچے اور جھوٹے نبی کو پرکھنے کا ایک اصول قیامت تک کے لئے بتادیا کہ اگر میں نے افترا کیا ہے تو میں عنقریب خدا کی گرفت میں آؤں گا اورتم میں سے کسی کو طاقت نہیں ہوگی کہ خدا کے مقابل مجھے بچاسکے۔ گویا میری ہلاکت یقینی ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھوکہ سے بچانے کے لئے مفتری کو ڈھیل نہیں دیتا اور اسے جلد ہلاک کردیتا ہے لیکن اگر دعویٰ کنندہ خدا کی طرف سے ہے اورتم انکار کرتے ہوئے اس کے درپے آزار ہوتو یاد رکھو جو اللہ کے مامور کے مقابلہ پر آتے ہیں، ہلاک ہوجاتے ہیں۔

انذار کے ساتھ ہی ان کو بچانے کا راستہ بھی کھول دیا اور فرمایا وہ غفورالرحیم ہے اپنے خطاکار بندوں پر رحم کھاتے ہوئے انہیں جلد نہیں پکڑتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے کہ شاید ایمان لے آئیں اوراس کی رحیمیت سے مستفیض ہوجائیں۔

۱۰۔مامورین کی صداقت کو شناخت کرنے کا ایک اور طریق بیان کیا۔فرمایا میں کوئی نیارسول نہیں اور نہ میرا پیغام نیا ہے۔سلسلہ رسالت تو آدمؑ سے چلا آرہا ہے۔جن ذرائع سے پہلے راستبازوں کو شناخت کیا وہی ذرائع میری شناخت بلکہ میرے مسیح کی شناخت کے لئے کافی اور حجت ہیں۔ ان راستبازوں کی بے داغ زندگی تمہارے سامنے ہے۔اگرتم انبیاء کے متبعین اور منکرین کے انجام پر غور کرو تو اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم یا اس کے مہدی کے ماننے میں تمہیں ذرہ بھی اِشکال نہیں ہوگا۔

ومادری مایُفعل بی ولابکم حسنؒ سے روایت ہے کہ اس سے مراد آخرت نہیں یعنی یہ معنی نہیں کہ آخرت میں اللہ مجھ سے یاتم سے کیا معاملہ فرمائے گا بلکہ یہاں دنیا کا معاملہ مراد ہے کہ میں نہیں جانتا مجھے ہجرت پر مجبور کیا جائے گا یا دیگر کون سے امور مجھے درپیش ہوں گے اورنہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا، تمہیں معاف فرمائے گا یا سزا دے گا۔ یہاں آپ ﷺ نے اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمائی کہ مجھے ہرگز خدائی اختیارات حاصل نہیں۔ مجھے

بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ
اس کا اور گواہی دی ایک شاہد نے بنی اسرائیل میں سے اپنے مثیل کی پس وہ ایمان لایا

وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَقَالَ
اور تکبر کیا تم نے یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں ظالموں کو اور کہا ان

ع ۱۱ ۱

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ
لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا متعلق ان لوگوں کے جو ایمان لائے کر اگر ہوتا یہ بہتر تو نہ سبقت وہ لیجاتے ہم سے

اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ
طرف اسکی اور جب کہ نہیں ہدایت پائی انہوں نے اس کی تو ضرور وہ کہیں گے یہ جھوٹ ہے

اپنے یا تمہارے متعلق آئندہ کی تفصیلات کا علم نہیں ۔ میں تو وحی الٰہی کی اتباع کرتا ہوں جتنا علم مجھے وحی سے بتایا جاتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔نذیرٌ مبین کہہ کر بتادیا کہ تم بدی کے نتائج بد سے بچ نہیں سکتے وہ تمہیں بہرحال بھگتنا ہوں گے ۔ جیسا کہ یہ رسول مومنوں کے لئے بشیر ہے ،منکرین کے لئے نذیر ہے۔

۱۱۔شروع سورۃ سے مختلف قسم کے دلائل سے آپ ﷺ کی صداقت کو ثابت کیا گیا ہے ۔ پچھلی آیت میں آپ ﷺ کی صداقت پر قولی دلیل دی۔ اس آیت میں آپ ﷺ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے نقلی دلیل بیان فرمائی اور اہل کتاب کو مخاطب فرمایا جن سے عنقریب مدینہ میں واسطہ پڑنے والا تھا۔ پس آپ کی صداقت کے ثبوت میں توریت کو پیش کیا اور فرمایا کہ کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر وہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر چکے ہو حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک عظیم الشان گواہی دینے والے نے اپنے مثیل کے حق میں گواہی دی تھی۔پس اس نے تو آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ایمان لے آیا اور تم ایمان سے محروم رہے اس لئے کہ تمہارا غرور قبولِ اسلام میں مانع تھا۔ یقیناً اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں اور یہ شاہد موسیٰؑ ہے۔(تفسیر ابن جریر) یہاں توریت کی پیشگوئی استثنا:۱۸/۱۸ کی طرف اشارہ فرمایا۔'' میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔'' پس اس پیشگوئی کی طرف توجہ دلا کر اہل کتاب پر اتمام حجت کیا کہ یہ جھوٹا نہیں ہوسکتا ۔ توریت اس کی تصدیق کرتی ہے اور یہ موسیٰؑ کی پیشگوئی کے عین مطابق ہے ۔ اگلے رکوع میں تفصیل بیان فرمائی۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بہت تکرار سے مذکور ہے جو رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ ثابت کرتا ہے

قَدِيْمٌ ۝۱۲ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا
قدیم اور پہلے اس کے کتاب ہے موسیٰ کی امام اور رحمت اور یہ

كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ
کتاب ہے تصدیق کرنے والی زبان عربی میں تاکہ ڈرائے وہ ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا

وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ
اور بشارت ہے نیکی کرنیوالوں کے لیے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر

جیسا کہ ابتدائی سورۃ سورۃ مزمّل میں فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف اسی طرح رسول بھیجا جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔(۱۶:۷۳۔)

۱۲۔سرداران مکہ اور علمائے یہود کا قول بیان فرمایا جو عوام کو دین حق سے برگشتہ کرنے کے لئے اس قسم کے بودے دلائل دیتے کہ اگر قرآن میں کچھ بھی بھلائی ہوتی اور ہمیں اس میں کوئی اچھی چیز نظر آتی تو ہم عقلمند ، صاحبِ حیثیت اور جہاندیدہ لوگ جو ہر اچھی چیز کو فوراً حاصل کرتے ہیں ، اسے سب سے پہلے قبول کرتے اور قوم کے غرباء و مساکین قبولیت میں ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔ چونکہ بوجہ تکبر و عناد ان کی فطرتیں مسخ ہوچکی تھیں انہیں سوچنے اور غور کرنے کی توفیق نہ ہوئی ۔پس ان پر قرآن کی صداقت نہ کھلی اور وہ قرآن سے ہدایت حاصل نہ کر سکے اس لئے کہتے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔ پرانا جھوٹ کہنے میں ان کا اشارہ گزشتہ انبیاء یا کتبِ سماوی کی طرف ہرگز نہیں تھا انہیں وہ بھی سچا مانتے تھے بلکہ مراد یہ تھی کہ یہ تو اس قسم کا جھوٹ اور بہتان ہے جسے اس سے پہلے بھی لوگ تراشتے رہے ہیں۔ جب کوئی اس کی باتوں کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھے گا تو یہ نیا دین چند دنوں میں خود بخود دم توڑ دے گا۔

۱۳۔اس دین حق کو افک قدیم کہنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں۔کیونکہ یہ کوئی نیا رسول ہے اور نہ یہ کتاب کوئی نئی کتاب ہے (آیت:۱۰)اس سے قبل شریعت کی کتاب حضرت موسیٰؑ پر نازل ہو چکی ہے جو بنی اسرائیل کے لئے رہنما اور بطور رحمت تھی وہ مرورِ زمانہ اور تحرّف و تبدّل سے اپنی افادیت کھو چکی تھی اور ایک عالمی شریعت کے تقاضے پورے کرنے کی اہل نہیں تھی۔ اب یہ کتاب تجھے دی جارہی ہے جو قیامت تک کے لئے ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے یعنی ان کی تمام پیشگوئیوں کو سچا ثابت کرتی ہے جو تصرف الٰہی سے ان میں باقی رہ گئی تھیں۔(یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا ۱۷)میں عرب میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی پیشگوئی موجود ہے۔اس میں بتایا گیا ہے کہ اسے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑے گی اور اپنے مخالفوں سے جنگ کرنی پڑے گی جس میں وہ کامیاب اور اس کے دشمن ذلیل ہوں گے۔نیز آخری آتشی شریعت دینے کا ذکر ہے جو

اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۴﴾ اُولٰٓئِكَ
جمے رہے نہیں خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ لوگ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
جنت والے ہیں رہ پڑنے والے ہیں اس میں بدلہ ہیں اس کے جو تھے وہ عمل کرتے
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
اور حکم دیا ہم نے انسان کو متعلق ماں باپ کے اس کے نیکی کرنے کا حمل میں رکھا اُسے ماں نے اسکی
كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ
تکلیف سے اور جنا اسے تکلیف سے اور حمل اس کا اور دُودھ چھڑانا اسکا تیس مہینے ہے

عربی میں ہوگی۔پس قرآن کریم کا عربی جیسی فصیح و بلیغ زبان میں ہونا ان پیشگوئیوں کی صداقت کا ثبوت ہے۔قرآن کریم کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ ظالموں کو ظلم کے عواقب سے ڈرائے تاکہ وہ ظلم سے باز آجائیں۔ظالم وہ ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔اللہ کے حقوق شرک کرکے اور اس کی بندگی نہ کرکے غصب کرتے ہیں اور بندوں کے حقوق غصب کرنا انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا ہے۔قرآن کریم کا مقصد ظالموں کو ڈرانا اور محسنوں کو دنیا و آخرت کی بشارتیں دینا ہے۔احسان کا درجہ عدل سے بہت بڑھ کر ہے۔احسان کرنے والے وہ ہیں جو نہ صرف دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہیں بلکہ انہیں ان کے حق سے زیادہ دیتے ہیں اور خود اپنے حق سے کم لیتے ہیں۔وہ ہر نیکی میں فرائض کے علاوہ نوافل پر بھی کاربند ہوتے ہیں جیسے زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات دینا۔اللہ تعالیٰ نے محسنین سے بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔فرمایا اللہ محسنین کے ساتھ ہے(۷۰:۲۹)فرمایا اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے ان کا دوست ہے۔(۱۹۶:۲) پس جس کے ساتھ اللہ ہو اور جسے اللہ کی دوستی نصیب ہوجائے اسے اور کیا چاہیئے۔

۱۴۔ اب ان محسنین کی صفات بیان فرمائیں کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہمارا ربّ ہے۔ ربّنا اللہ کا اقرار توحید اور ایمان کا اقرار ہے۔ **ثمّ استقاموا** میں اپنے دعویٰ توحید و ایمان اور تمام اعمال صالحہ پر تادمِ مرگ استقامت اختیار کرنا ہے یعنی زلازل و حوادث کی آندھیاں ان کے پائے ثبات میں ہرگز لغزش پیدا نہیں کرتیں۔ انہیں نہ کسی آئندہ بات کا خوف ہوگا اور نہ کسی گزشتہ کوتاہی پر ملول ہوں گے۔

۱۵۔یہی اصحاب الجنۃ ہیں ۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ۔ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے جو ان کے ربّ کی طرف سے انہیں بہترین رنگ میں عطا ہوئی۔

۱۶۔اب ان دو آیات میں **اصحٰب الجنۃ** کی مزید صفات بیان فرمائیں۔قرآن کریم

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ
یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اپنی جوانی کو اور پہنچا چالیس سال کو کہا اے رب میرے
اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى
توفیق دے مجھے کہ شکر کروں تیری نعمت کا وہ جو کی تونے مجھ پر اور
وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ
ماں باپ پر میرے اور یہ کہ عمل کروں میں نیک پسند کرے تو جنہیں اور درست کر میرے بیچ
ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶﴾
اولاد میری یقیناً میں نے رجوع کیا طرف تیری اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ
یہ لوگ وہ ہیں کہ ہم قبول کرتے ہیں ان سے اچھے جو عمل کیے انہوں نے اور

کے اسلوب کے مطابق توحید کے بیان کے ساتھ ہی والدین سے حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی کیونکہ یہ اپنے ربّ کو راضی کرنے کا سہل ترین راستہ ہے قرآن کریم میں شرک کو حرام قرار دینے کے بعد ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔(۶۔۱۵۲)یعنی ان کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اگر شرک کرنا خداتعالیٰ کے حقوق کی حق تلفی ہے تو والدین کی نافرمانی ان کے حقوق کی حق تلفی ہے۔جس طرح خدا کے برابر کوئی نہیں والدین کے برابر بھی کوئی نہیں۔حدیث قدسی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! افسوس ہے اس شخص پر جس نے بوڑھے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور اس کی خدمت نہ کرکے جنت میں داخل نہ ہوسکا۔یہ لمبی حدیث ہے (مسلم ۔کتاب البّر والصلۃ بروایت حضرت ابوہریرہؓ)بیشک والد کے حقوق برحق ہیں لیکن یہاں خاص طور پر ماں کی تکالیف کا ذکر کیا جو وہ اپنے بچے کے معاملہ میں اٹھاتی ہے۔فرمایا اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ اٹھائے رکھا تکلیف ہی کے ساتھ اسے جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ حمل عام طور پر قریباً نو ماہ کا ہوتا ہے جبکہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔(۲۔۲۴) یہاں حمل چھ ماہ قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی آیت سے استنباط کرکے حمل کی اقل مدت چھ ماہ قرار دی اور چھ ماہ حمل کے بعد صحیح سالم پیدا ہونے والے بچے کو جائز قرار دیا۔ جدید طبی تحقیق سے آج کے اطباء بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے جس میں ایک زندہ سلامت بچہ پیدا ہوسکتا ہے۔افسوس اسلام کا دعویٰ کرنے والے بعض جہلاء روحِ قرآن سے قطعی بے خبر ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر ایک ایسے نام نہاد مسلمان خاندان کا علم ہے جس نے شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے صحیح سالم بچے کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور زچہ کو طلاق

نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ
درگذر کرتے ہیں بدیوں سے انکی (وہ ہونگے) جنت والوں میں سے وعدہ سچا ہے

الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱۷ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ
جو تھے وہ وعدہ کئے جاتے اور جس نے کہا اپنے ماں باپ کے بیے

دے کر گھر سے باہر کیا **اناللّٰہ وانا الیہ راجعون**۔ حالانکہ اس دور میں D.N.A سے ولدیت کا صحیح علم معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔فرمایا جب ایک نیک انسان اپنی پوری قوت کو پہنچتا ہے۔ اس میں جسمانی بلوغ کے علاوہ خاص طور پر روحانی بلوغ مراد ہے جو چالیس سال ہے یہی وہ عمر ہے جس میں ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قریباً سبھی انبیاء خلعتِ رسالت سے نوازے گئے۔بیشک ایک نیک انسان تمام نیک اعمال ہمیشہ سے کرتا رہا ہے لیکن اس عمر کو پہنچ کر وہ خود میں خاص طور پر نبیوں والی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یوں دعاگو ہوتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اس بات کی توفیق دے کہ تو نے جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر احسانات کئے ہیں ان احسانات کا شکرادا کرتا رہوں اور مجھے اس بات کی بھی توفیق عطا فرما کہ میں کوئی ایسا عمل کروں جس سے تو راضی ہوجائے۔چونکہ زندگی میں اکثر فتنے اور شدائد و مصائب اولاد اور بیویوں کی وجہ سے شامل حال ہوتے ہیں اس لئے اپنی حالت میں پاک تبدیلی اور دعاؤں کے ساتھ ان کی اصلاح کی دعا بھی کرتا ہے کہ اے اللہ !مجھ پر یہ احسان بھی فرما کہ میری اولاد نیک بخت ہو اور میرے لئے خوشی کا باعث ہو۔لیکن ایک بندۂ صالح محض اولاد پر بھروسا نہیں کرتا۔وہ اپنی ہر حاجت اپنے ربّ کے حضور پیش کرتا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا اور جھکتا ہے اور اپنی کامل فرمانبرادی کااقرار کرتا ہے۔یہ ایک بہترین دعا ہے جس کے آخر میں اشارہ فرمایا کہ بندے کی اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کی طرف بھی خاص توجہ ہونی چاہیئے اور اس کے لئے دعاؤں کے ساتھ کوشش بھی کرتا رہے۔

۱۷۔**نتجاوز**۔**جوز الطریق** رستے کا وسط ہے ۔جاوزَ اس کے جوز سے آگے نکل جانا ہے **فلماجاوزہ** ۔(۲۔۲۵۰) جب وہ اس سے آگے نکل گیا یہاں مراد برائیوں سے آگے نکل جانا ہے یعنی ان سے درگزر کرنا۔

یہی اپنے والدین پر احسان کرنے والے وہ اصحاب الجنّۃ ہیں جن کا ربّ ان کے اعلیٰ ترین اعمال کے مطابق انہیں جزادے گا یہ بھی مراد ہے کہ ان کے ادنیٰ اعمال کا اجر ان کے اعلیٰ ترین اعمال کے مطابق کردے گا اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے گا ۔وہ اصحاب

اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ
افسوس ہے تم دونوں کیلئے کیا تم ڈراتے ہو مجھے کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ یقیناً گذر چکی ہیں قومیں

مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ
پہلے میرے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے افسوس ہے تجھ پر ایمان لے آ یقیناً وعدہ

اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۸
اللہ کا سچا ہے تو وہ کہتا ہے کہ نہیں یہ مگر کہانیاں پہلوں کی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
یہ لوگ وہ ہیں کہ ثابت ہو چکی ہے ان پر بات ان قوموں میں کہ یقیناً جو گذر چکی

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۹
ہیں پہلے ان سے جنوں اور انسانوں میں سے یقیناً وہ تھے نقصان اٹھانیوالے

جنت میں سے ہوں گے۔ یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیاجاتا تھا۔ یعنی تمام انبیاء کے ذریعہ مومنوں سے یہ وعدہ کیاجاتا رہا۔

۱۸۔ سابقہ آیات میں والدین سے حسن سلوک کرنے والی سعادتمند اولاد کا ذکر تھا۔ اب رکوع کے آخر تک اس ناخلف اولاد کا ذکر کیا جو والدین سے گستاخی سے پیش آتی ہے خصوصاً جبکہ والدین انہیں دین حق کی دعوت دیں۔ ایسے ہی ایک بدبخت شخص کا ذکر فرمایا جس نے والدین کی نصائح کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور نہایت گستاخانہ انداز سے والدین سے مخاطب ہوا کہ کیا تم دونوں مجھے یہ تعلیم دیتے ہو کہ مجھے زندہ کرکے زمین سے نکالا جائے گا حالانکہ مجھ سے پہلے کتنی ہی قومیں گزرچکی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی زندہ ہو کر نہیں آیا۔ صالح والدین بچے کی بے راہروی اور گستاخی پر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے بچے سے مخاطب ہوئے کہ تجھ پر افسوس ہے ۔اللہ پر ایمان لے آ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔وہ ضرور پورا ہوکر رہے گا۔ اس پر بھی اس شقی انسان نے نہایت بے باکی سے کہا کہ یہ تو محض پہلوں کی کہانیاں ہیں یعنی ہمیشہ سے ایسا سنتے آئے ہیں مگر ایسا ہوتے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی دوبارہ زندہ ہوا ہو۔ حالانکہ یہ آخرت کا وعدہ ہے نہ کہ دنیا کا۔

۱۹۔**حق علیہم القول** ۔ان پر اللہ کا فرمان صادق آ گیا یعنی اللہ کا فرمان جو عذاب سے تعلق رکھتا تھا ان پر سچ ثابت ہوا۔

پس یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا وہ فرمان صادق آ گیا جو ان سے پہلے جن و انس میں سے گزری ہوئی قوموں پر صادق آیا تھا گویا اس میں کمزور و طاقتور یا مہذب و غیر مہذب لوگوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ بڑی بڑی مہذب اور طاقتور قومیں بعث بعد الموت کا انکار کرکے غلط روش زندگی

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ

اور ہر ایک کیلئے درجے ہیں اس سے جو عمل کئے انہوں نے اور تاکہ پورے پورے دے وہ انہیں اعمال انکے اور

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى

وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے اور جس دن پیش کئے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ

آگ پر (انہیں کہا جائیگا) لے گئے تم اپنی اچھی چیزیں اپنی زندگی ورلی میں اور

اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ

فائدہ اُٹھا چکے ہو تم ان سے پس آج تم بدلہ دیئے جاؤ گے عذاب ذلت کا

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

بسبب اس کے کرتے تھے تم تکبر کرتے زمین میں ناحق اور اسی لیے کرتے تھے تم

پر چلتی رہیں اور آخر تباہ ہوئیں۔ان کے حق میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول وعدۂ عذاب کا پورا ہو کر رہا۔یقیناً وہ سب گھاٹا پانے والے لوگ ہیں۔پس حقیقت یہی ہے کہ جنہیں اللہ اور یوم آخرت پر سچا یقین ہوگا، انہیں اپنے احتساب کی فکر ہوگی اور وہ گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں گے۔

۲۰۔**یوفیھم اعمالھم** میں منکرین آخرت ہی کا ذکر جاری ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اکثر بُرے عمل کرتے ہیں، کبھی کبھار ان سے کوئی نیکی بھی ہوجاتی ہے ۔ یہاں بتایا کہ ربّ رحیم اُن گنہگاروں کی معمولی نیکیوں کو بھی قبول فرمائے گا، وہ رائیگاں نہیں جائیں گی اور ان کے درجات ان کے اعمال کے مطابق متعین ہوں گے ۔ ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں ان کے جرم کے مطابق سزا ملے گی۔ گویا کسی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا دینا ظلم ہے۔ اسی طرح کسی کی نیکی کا کم اجر دینا بھی ظلم ہے۔

۲۱۔**ذَهَبَ**۔ وہ گیا۔ **ذهب بِالشَّیْءِ**۔ لے جانا۔ حاصل کرنا۔

اس تسلسل کی یہ آخری آیت ہے جس میں خسرین کا انجام کھل کر بیان فرمایا کہ کفار آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا تم ہر قسم کی اعلیٰ نعمتیں اور لذات دنیا میں حاصل کر چکے ہو اور ان سے عارضی فائدہ اٹھا چکے ہو۔تم نے آخرت کے لئے ان کا کوئی حصہ نہ چھوڑا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا نصب العین محض دنیا حاصل کرنا تھا۔ سو خوب حاصل کی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین نے لذائذِ دنیا ترک کرنے کی عادت بنالی تھی ۔ متعدد احادیث اُس پر روشنی ڈالتی ہیں۔ حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا کام بتائیے کہ جب میں اسے کروں تو

تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ ع ۲ ۲

نافرمانی کرتے اور یاد کرو بھائی کو عاد کے جبکہ اس نے ڈرایا اپنی قوم کو ٹیلوں میں

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا

اور یقیناً گذر چکے تھے ڈرانے والے آگے اس کے اور پیچھے اس کے یہ کہ نہ

تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۲﴾

عبادت کرو سوائے اللہ کے یقیناً میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے دن بڑے کے

اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور باقی لوگ بھی مجھے چاہنے لگیں۔آپ ﷺ نے فرمایا!دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز ہوجاؤ۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا۔جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی خواہش چھوڑ دو۔لوگ تجھ سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔(ابن ماجہ باب الذھد فی الدنیا)

حضرت عمرو بن عوفؓ انصاری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تا کہ وہاں سے جزیہ کی رقم وصول کر لائیں چنانچہ وہ بحرین کے محاصل لائے توانصار کو اس کا علم ہوا ۔وہ سویرے سویرے ہی فجر کی نماز میں پہنچ گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی اور آپ ﷺ مقتدیوں کی طرف مڑے تو لوگوں کا ایک انبوہِ کثیر اپنے سامنے دیکھا ۔آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا ۔میرا خیال ہے کہ تم نے ابوعبیدہؓ کی آمد کے متعلق سن لیا ہے ۔لوگوں نے عرض کیا ۔ہاں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا! تمہیں بشارت ہو اور اس خوشکن خبر کی امید رکھو خدا تعالیٰ کی قسم! مجھے تمہارے فقر کا ڈر نہیں ۔ مجھے ڈر ہے تو اس بات کا کہ دنیا کے خزائن تمہارے لئے کھول دئے جائیں گے جس طرح پہلے لوگوں پر کھولے گئے تھے ۔تم دنیا کی طرف راغب ہوجاؤ گے اور اس کی حرص کرنے لگو گے جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے کی۔پس تم کو بھی یہ حرصِ دنیا ہلاک کردے گی جس طرح کہ اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ (بخاری کتاب الجھاد باب الجزیۃ والموادعۃ ومسلم) نیز حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے دئے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہوجائے اللہ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوجاتا ہے ۔(بیہقی) **فی حیاتکم الدنیا** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہر کام کے وقت کسی نہ کسی رنگ میں آخرت کا خیال رکھے یعنی کیا یہ کام میری اخروی زندگی کے لئے فائدہ رساں ہے اور میرے ربّ کی رضا کے تابع ہے ۔یہاں ان کے واصلِ جہنم ہونے کی وجہ بتائی کہ چونکہ انہوں نے ناحق تکبر کیا، خود کو بہت بڑا سمجھ کر کسی کو خاطر میں نہ لائے اس لئے انہیں ذلیل کرنے والا عذاب ملے گا۔ دوسری وجہ ان کا فسق تھا جس میں ہر طرح کی نافرمانیاں ، مظالم و شدائد اور فسق و فجور سب داخل ہیں۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

انہوں نے کہا کیا آیا تو ہمارے پاس تاکہ پھیر دے تو ہمیں معبودوں سے ہمارے پس لا تو ہمارے پاس جس کا تو وعدہ کرتا ہے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ

ہم سے اگر ہے تو سچوں میں سے اس نے کہا سوائے اس کے نہیں کہ علم پاس ہے اللہ کے اور

۲۲۔**احقاف** حقف کی جمع ہے۔ ریت کے مستطیل اونچے ٹیلے۔

اس رکوع میں قوم عاد کی مثال بیان کی جو قدیم زمانہ میں بڑی طاقتور قوم تھی اس مثال سے متکبر سرداران مکہ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ دنیا میں جس قوم نے بھی اپنی طاقت پر بھروسہ کرکے زمانے کے نبی سے ٹکر لی تباہ و برباد ہوئی۔ (تفصیل کے لئے سورۃ ھود رکوع ۵)اس رکوع اور اس سے اگلے رکوع میں مخالفین انبیاء کا انجام بتایا۔

احقاف کا علاقہ یمن میں عمان اور حضرموت کے درمیان واقع ہے۔ یہ لق ودق صحرا ہے جس میں جابجا مستطیل شکل کے ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیں۔ اس صحرا میں داخل ہونے کی کوئی بدو بھی جرأت نہیں کرتا۔ جو چیز بھی اس ریت میں دھنس جائے، دھنستی ہی چلی جاتی ہے۔ گویا اس زمین پر خدا کی ایسی لعنت برسی کہ پھر کبھی آباد نہ ہوئی۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس سرسبز علاقہ میں ریت کے ٹیلے پہلے سے موجود ہوں بالاحقاف میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انہیں ان ٹیلوں سے ڈرایا کہ یہی ٹیلے تمہاری تباہی کا باعث بن سکتے ہیں، پھر ایسا ہی ہوا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر صغیر میں فرماتے ہیں کہ یہ نام اس قوم کے انجام کی وجہ سے رکھا گیا ورنہ پہلے تو وہ سرسبز زمین میں رہتے تھے۔ ان پر ایک سخت آندھی آئی جو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور وہ تباہ ہوئے (سورۃ الحاقہ رکوع ۱)اس آندھی کی وجہ سے ان کے ملک میں کثرت سے ریت کے ٹیلے وجود میں آگئے جن کے نیچے وہ متکبر اور خودسر قوم دب گئی۔ **من بین یدیه ومن خلفه**۔ یہ آگے اور پیچھے کے الفاظ بلحاظ زمانہ بھی ہیں اور بلحاظ مکان بھی۔ یعنی حضرت ھودؑ سے پہلے بھی ڈرانے والے آتے رہے جن سے انہوں نے سبق نہ سیکھا۔ پیچھے ڈرانے والوں میں حضرت ھود اور آپ کے متبعین تھے جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے بچالیا۔ (سورۃ ھود۔۵۹) بعد ازاں ان میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور سب نے توحید ہی کی تعلیم دی۔ ھودؑ نے انہیں بڑے دن کے عذاب سے ڈرایا۔ عذاب کے دن کو بڑا دن اس لئے کہا کہ عذاب کی چھوٹی گھڑی بھی لمبی معلوم ہوتی ہے اور عذاب کا دن ختم ہونے میں نہیں آتا۔ (تفسیر صغیر از حضرت مصلح موعود)

۲۳۔ **الافک** ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے صحیح رخ سے پھیر دی جائے **مؤتفكة** وہ

اُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

میں پہنچاتا ہوں تم کو وہ کہ بھیجا گیا ہوں ساتھ اس کے ولیکن میں دیکھتا ہوں تم کو ایک قوم جہالت کرتے ہو

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا

جب دیکھا انہوں نے اسے بادل سامنے آنے والا وادیوں کے ان کے کہا انہوں نے یہ

عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا

بادل برسنے والا ہے ہم پر (نہیں) بلکہ یہ وہ ہے کہ جلدی کرتے تھے تم جس کی ہوا ہے اس میں

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا

عذاب ہے دردناک ہلاک کرتی تھی ہر چیز کو حکم سے اپنے رب کے پس ہوگئے وہ کہ نہیں

يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۶﴾

دیکھے جاتے تھے مگر گھر ان کے اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں لوگوں مجرموں کو

ہوائیں جو اپنا اصلی رخ چھوڑ دیں۔ نیز الٹی ہوئی بستیاں **انّٰی یؤفکون**۔ وہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ جھوٹ اور بہتان بھی چونکہ اصلیت اور حقیقت سے پھرا ہوتا ہے اس لئے اس پر بھی افک کا لفظ بولا جاتا ہے۔ (مفردات راغب)

قوم عاد نے بھی تمام مکذبین انبیاء والے الفاظ ہی دہرائے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے معبودوں سے پھیر دے۔ اگر ایسا ہے تو یاد رکھ کہ ہم تو پھرنے والے نہیں۔ پس اگر تو سچوں میں سے ہے تو اس عذاب کو لے آ جس سے ہمیں ڈراتا ہے گویا نہایت بیباکی سے قہری عذاب کا مطالبہ کیا۔

۲۴۔قوم کے قہری عذاب کے مطالبہ پر حضرت ھودؑ نے فرمایا !عذاب کا علم صرف میرے اللہ ہی کو ہے کہ عذاب کس وقت اور کس شکل میں آئے گا۔ میں تو صرف وہ پیغام تم تک پہنچا رہا ہوں جس کے پہنچانے کی ذمہ داری خدا نے مجھ پر ڈالی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم ہو۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہدایت کو قبول کرنے یا اس پر غور و فکر کرنے کی بجائے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو کہ عذاب جلد کیوں نہیں آتا اور عذاب کے عواقب سے بے خبر ہو۔

۲۵۔۲۶۔**عارض** وہ چیز ہے جو اپنے عرض یعنی فراخی کو ظاہر کردے بعض وقت بادل پر بولا جاتا ہے جیسے یہاں۔ بعض وقت اس پر جو بیماری سے سامنے آئے، لاحق ہونے والا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ اسے یہ عارضہ لاحق ہوگیا۔ رخسار پر بھی بولا جاتا ہے۔ **مستقبل**۔ اقبال اور استقبال کے ایک ہی معنی ہیں۔ سامنے کی طرف متوجہ ہونا۔ **مطر**۔ بارش۔ **ممطر** اسم فاعل۔ بارش لانے والا۔

قوم عاد کی تباہی کا حال بیان فرمایا کہ جب ان پر تباہی لانے والے زبردست بادل

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ

اور یقیناً یقیناً قدرت دی تھی ہم نے ان کو اس میں کہ نہیں قدرت دی تھی ہم نے تم کو اس میں اور بنائے تھے ہم نے انکے لیے کان اور

اَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ

آنکھیں اور دل پس نہ کام آئے ان کے کان انکے اور نہ آنکھیں ان کی

وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ

اور نہ دل ان کے کچھ بھی جبکہ تھے وہ انکار کرتے آیات کا اللہ کی اور

حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۲۷ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا ع ۳

گھیر لیا ان کو اس نے کہ تھے جس پر وہ ہنسی کرتے اور یقیناً یقیناً ہلاک کیا ہم نے انہیں جو

گھرآئے جو ان کی وادیوں کی طرف بڑھ رہے تھے تو وہ خوش ہوئے کہ اب ہماری وادیاں سیراب ہوں گی اور کھیتیاں اور باغات ہرے بھرے ہوجائیں گے کیونکہ اس سرزمین میں ایک مدت سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ فرمایا! نہیں بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی مچاتے تھے۔یہ وہ جھکڑ ہے جس میں دردناک عذاب چلا آرہا ہے۔اس جھکڑ نے اپنے ربّ کے حکم سے ہر شے اکھاڑ پھینکی اور ان کا تمام علاقہ تباہی کی زد میں آ گیا اور ان کے گھروں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ پھر یہ گھر بھی مرور زمانہ سے ریت میں دھنستے چلے گئے اور آج وہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں۔ قرآنی قصے باربار دہرائے جاتے ہیں۔ ایٹمی تباہی کی طرف بھی اشارہ ہے ۔جو شروع میں ایک بادل کی طرح نظرآتا ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ اس میں ریڈیائی ہوائیں آرہی ہیں جو ہر چیز کو ہلاک کردیں گی اور وہ اپنے گھروں سے نکل بھی نہیں سکیں گے۔ پس مکان تو باقی رہ جاتے ہیں مگر مکین ختم ہوجاتے ہیں اور وہ مکان پھر کبھی آباد نہیں ہوتے ۔فرمایا ہم مجرموں کو ان کے غلط اعمال کا اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ۔یہاں صرف اہل مکہ کو ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام قوموں کو متنبہ فرمایا کہ اگر تم نے زمانے کے امام کو نہ پہچانا اور اپنی غلط روش کو نہ بدلا تو تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔

۲۷۔اہل مکہ کو مخاطب فرمایا کہ ہم نے قوم عاد کو ایسے امور میں قدرت دی تھی جن امور میں تمہیں قدرت نہیں دی یعنی ان کے غلبہ و اقتدار اور شجاعت و ذہانت کا مقابلہ تم ہرگز نہیں کرسکتے۔ کان ، آنکھ اور دل تو اللہ تعالیٰ عموماً سبھی بندوں کو دیتا ہے۔یہاں یہ بتایا کہ انہوں نے اپنے ان اعضاء سے صحیح کام لیااور اپنی خداداد صلاحیتوں سے مختلف علوم پر دسترس حاصل کی۔ مگر جب اللہ کے نشانات کے تعلق میں انکار پر مصر ہوئے اور نبی کے مقابل آئے تو عذاب الٰہی کے سامنے یہ علوم اور قوتیں ان کے کچھ کام نہ آئیں اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے انہیں گھیرلیا۔ گھیرنے کے لفظ میں بھی ایٹمی عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ایک دائرے کی

حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۸

اردگرد ہیں تمہارے بستیاں اور پھیر پھیر کر لائے تھے آیات تاکہ وہ رجوع کریں

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا

پس کیوں نہ مدد کی ان کی انہوں نے جن کو ٹھہرایا تھا انہوں نے سوائے اللہ کے قرب حاصل کرنیکے

اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا

لیے معبود بلکہ وہ گم ہوگئے ان سے اور یہ ہے جھوٹ ان کا اور جسے ہیں وہ

يَفْتَرُوْنَ ۝۲۹ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ

افتراء کرتے اور جب پھیری ہم نے طرف تیری ایک جماعت جنوں کی جو سنتے تھے

صورت گھیر لیتا ہے اور آئندہ کے لئے بطور پیشگوئی ہے۔

۲۸۔فرمایا ایک قوم عاد پر ہی کیا موقوف ہے تمہارے اردگرد کے علاقوں میں بہت سی ایسی بستیاں ہیں جنہیں ہم انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک کرچکے ہیں جیسے قوم ثمود اور قوم لوط وغیرہ ۔ عرب انہیں خوب جانتے تھے کیونکہ وہ اپنے تجارتی سفروں میں شام کو جاتے ہوئے ان تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات سے گزرتے تھے ۔فرمایا ہم نے نشانات کو پھیر پھیر کر بیان کیا تاکہ وہ رجوع کریں مگر افسوس وہ اپنی سرکشیوں اور کفر وشرک سے باز نہ آئے اور ہلاک ہوئے۔

صرفنا الاٰیٰت میں یہ بھی بتلایا کہ قرآن کریم میں بعض مضامین کی تکرار ہے اور انہیں باربار بیان کیا گیا ہے۔اس سے غرض یہ ہے تا لوگ رجوع کریں۔انسانی فطرت ہے کہ اسے باربار تنبیہ کی ضرورت پیش آتی ہے خاص طور پر دنیوی مشاغل میں غرق اور دین سے غافل اور کمزور لوگوں کو باربار نصیحت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔پانچ وقت کی نمازیں اس اہم ضرورت کو خوب پورا کرتی ہیں۔اللہ کے صالح بندوں کو یہ یاددہانی ان کی رجوع الی اللہ میں ترقی کا موجب ہوتی ہے۔

۲۹۔قوم عاد پر آنے والی شدید تباہی کا ذکر تھا۔ ابتدا میں لوگ اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول بندوں کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہتے تھے اور انہیں محض وسیلہ ہی سمجھتے تھے جو ہر طرح سے مستحسن تھا۔عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے ان بزرگ ہستیوں کے بت بنالئے یا ان کے مزاروں پر جاکران ہستیوں کو ہی حصول قرب کا ذریعہ سمجھتے ہوئے معبود بنالیا، انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا ماننے لگے اور انہیں سے دعائیں مانگنے لگے۔اس باطل عقیدے کی اصلاح کے لئے مختلف انبیاء آتے رہے۔دیگر مشرک اقوام کی طرح قوم عاد بھی اسی عقیدہ پر قائم تھی۔ فرمایا قوم عاد پر شدید تباہی کے وقت ان معبودوں نے کیوں ان کی مدد نہ کی اور انہیں تباہی سے کیوں نہ

الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا

قرآن — پس جب وہ حاضر ہوئے اسکے پاس کہا انہوں نے چپ رہو — پس جب — ختم ہوا — پھر گئے وہ

اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا

طرف اپنی قوم کی — ڈراتے ہوئے — کہا انہوں نے اے قوم میری — یقیناً — ہم نے سنی — ایک کتاب

بچالیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس مصیبت کی گھڑی میں وہ سب ان سے غائب ہوگئے یعنی ان کے کسی کام نہ آئے۔ غیر اللہ کو معبود کہنا اور ان کی عبادت اور بندگی کو حصول قربِ الٰہی کا ذریعہ ٹھہرانا، ان کا سراسر جھوٹ تھا۔ ان کا افترا یہ تھا کہ اس باطل عقیدے کو خدا کی طرف منسوب کرتے گویا ایسا اللہ کے حکم سے کررہے ہیں۔

۳۰۔ **صرفنا**۔ (صرف) ہم پھیر کر لے آئے۔ **نفر**۔ تین سے دس آدمیوں کی جماعت۔ یہ لفظ نہ عورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کسی اور مخلوق کے لئے۔ (لسان) احادیث میں ان کی تعداد سات یا نو بتائی گئی ہے۔ جنّ کی تفصیل کے لئے (سورۃ النمل :۱۸) بیشک جنّ کوئی غیر مرئی مخلوق ہوگی جیسے بیکٹیریا وغیرہ۔ مگر قرآن کریم میں جنوں کے واصل جہنم ہونے کا ذکر ہے جنت میں جانے کا کہیں ذکر نہیں جبکہ یہاں جنّوں کے نہ صرف ایمان لانے کا ذکر ہے بلکہ وہ آپ ﷺ کے حکم سے اپنی قوم کو دعوت اسلام دینے گئے اور انہیں ایمان نہ لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرایا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو ہدایت دینے آئے تھے نہ کہ جنّوں کو۔ فرمایا **وارسلنک للناس رسولا** ط۔ (سورۃ النساء:۸۰) قرآن کریم کی کوئی آیت دوسری سے متصادم نہیں۔ قرآن کریم نے **جن الانس** اور **شیٰطین الانس** سے مراد بعض ناری طبیعت کے سرکش لوگ لئے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو جنّ آتے تھے وہ بھی جنّ الانس ہی تھے نہ کہ کوئی مافوق الفطرت مخلوق۔ لغت میں ہے **جنّ الناس معظمهم** (اقرب) یعنی جن کا لفظ انسانوں میں بڑے لوگوں پر بولا جاتا ہے یعنی ایسے متکبر سردارانِ قوم جنّ کے محلوں تک عوام کی رسائی نہ ہو۔ قرآن کریم میں پہاڑی قوی الجثہ اور طویل القامت سرکش لوگوں کے لئے یہ لفظ آیا ہے بعض جگہ مدبر اور اعلیٰ کاریگر یا امیر کبیر سردارانِ قوم کے لئے آیا ہے۔ حضرت مصلح موعود تفسیر صغیر میں فرماتے ہیں اس آیت میں جنّ کا لفظ استعارۃً ایک یہودی وفد کے لئے بولا گیا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر پوشیدہ طور پر آپ ﷺ سے ملنے آیا اور نصیبین واقع عراق کا رہنے والا تھا۔ وہ لوگ چونکہ دور سے آئے تھے۔ چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تاکہ ان کی قوم اور عرب کے لوگ دشمن نہ ہوجائیں۔ (فتح البیان جلد۸ صفحہ ۳۵۵) معتبر روایات سے پتہ

اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى

جو اتاری گئی — بعد — موسیٰ کے — تصدیق کرنیوالی اسکی جو پہلے ہے اسکے — اور — ہدایت کرتی ہے طرف

الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۱﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ

حق کی — اور طرف — راہ — سیدھی کی — اے قوم ہماری — قبول کرو — بلانے والے کو اللہ کے

چلتا ہے کہ ایسے کم از کم چھ وفود آئے اسی لئے احادیث میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات سے علم ہوتا ہے کہ یہ نصیبین کے تاجر تھے جو مکہ کی منڈیوں عکاظ وغیرہ میں آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میلوں میں پیغام حق پہنچانے جاتے۔ احادیث سے آپ ﷺ کے ایسے سفر کے دوران بھی عکاظ کے قریبی علاقہ میں ان کے ایک وفد سے ملاقات کا ذکر ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی بہت سی روایات ہیں جو بخاری اور مسلم وغیرہ میں بیان ہوئی ہیں جن میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ چند آدمیوں کی جماعت تھی جو باہر سے آئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کا علم تھا مگر آپ ﷺ تنہائی میں رات کے وقت ان سے ملے اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اگر وہ غیر مرئی ہستیاں تھیں تو مکہ سے باہر رات کو ملنے کا کیا جواز تھا۔ علیحدگی اور تنہائی میں اس لئے ملے کہ کفار تکلیف نہ دیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریرؒ سے روایت ہے کہ وہ سات تھے اور نصیبین کے رہنے والے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ وفد کشمیر اور افغانستان کے سرداروں کا تھا جو آپ ﷺ سے خفیہ طور پر ملا، آپ ﷺ پر ایمان لایا اور واپس اپنے ملک میں جاکر اسلام کی تعلیم پھیلائی۔ یہ ان کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ یہ سارا علاقہ مسلمان ہے۔ کشمیر کی پرانی تاریخ اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ (اردو ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

قوم عاد کی تباہی کے فوراً بعد اس وفد کا ذکر کیا اور بتایا کہ بیشک انبیاء پر ایمان لانے والے اکثر غرباء و مساکین ہی تھے لیکن آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں میں بعض قوم کے رؤساء اور معززین بھی تھے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تعلیم کو اپنی قوموں میں رائج کیا۔ دراصل اس زمانہ میں اگر کوئی سردار مسلمان ہوجاتا تو اس کی ساری قوم ایمان لے آتی۔

۳۱۔ یہ یہود معززین کا وفد تھا۔ وہ توریت کا علم رکھتے تھے کہ موسیٰؑ کے بعد ایک نبی آنے والا ہے جسے آتشی شریعت دی جائے گی۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن کر اپنی قوم میں واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ نبی آگیا ہے جس نے موسیٰؑ کے بعد ایک کامل شریعت لے کر آنا تھا اور بتایا کہ یہ کتاب ان صحیفوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہونے اور سچ کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اورایمان لاؤ اس پر وہ بخش دیگا تمہارے لیے گناہ تمہارے اور پناہ دے گا تمہیں عذاب
اَلِيْمٍ ۳۲ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ
دردناک سے اور جو نہ قبول کرے گا بلانے والے کو اللہ کے تو نہیں وہ ہرگز عاجز کرنیوالا زمین میں
وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۳۳
اور نہیں اس کے لیے سوائے اسکے دوست یہ لوگ گمراہی کھلی میں ہیں
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ
کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ اللہ جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور نہ
يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ
تھکا پیدا کرنے سے ان کے قادر ہے اس پر کہ زندہ کرے مُردوں کو کیوں نہیں یقیناً وہ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳۴ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي
ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن پیش کئے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر

۳۲۔ نیز انہوں نے اپنی قوم کو یہ بھی نصیحت فرمائی کہ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کو لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ من ذنوبکم فرمایا یعنی تمہارے گناہوں میں سے معاف فرمادے گا گویا قبول اسلام سے حقوق اللہ معاف ہوجائیں گے حقوق العباد نہیں یا یہ کہ جو چاہے گا معاف فرمائے گا اور تمہیں درد ناک عذاب سے بچالے گا۔

۳۳۔ نیز انہیں متنبہ کیا کہ جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو قبول نہیں کرے گا۔ یعنی اس کا انکار کرے گا تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں بن سکتا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ وہ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں اور یہ بھی کہ وہ زمین میں اس منادی کو عاجز کرنے والا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ خدا کو اپنا غلبہ ظاہر کرنے سے روک نہیں سکتا۔ اور اللہ کے مقابل پر اس کے کوئی سرپرست اور حمایتی نہیں ہوتے جو اسے عذاب سے بچالیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے منادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے اور کھلی کھلی گمراہی میں ہیں۔

۳۴۔ **اعیاء** تھکنا ہے۔ **یعیَ**۔ وہ تھکا۔

انسان کی بے بضاعتی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا۔ اسی تسلسل میں کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ مردے کیسے زندہ ہوسکتے ہیں۔ پس ان نصائح کے بعد ان کو بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی ترغیب دی جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں اور جو ارکان ایمان میں سے ہے۔ فرمایا کیا منکرین بعث نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ
(انہیں کہا جائیگا) کیا نہیں ہے۔ یہ حق وہ کہیں گے ہاں کیوں نہیں قسم ہے رب کی ہمارے، فرمائے گا
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۳۵ فَاصْبِرْ كَمَا
پس چکھو عذاب اس لیے کہ تھے تم کفر کرتے پس تو صبر کر جیسا کہ
صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ
صبر کیا پختہ ارادہ والے رسولوں نے اور نہ جلدی کر ان کے لیے گویا کہ وہ
يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً
جس دن وہ دیکھیں گے جس کا وہ وعدہ کیے جاتے ہیں کہ نہیں ٹھہرے وہ مگر ایک گھڑی
ع ۹ ۴ مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۳۶
دن کی پہنچانا ہے پس نہیں ہلاک کئے جائیں گے سوائے لوگوں نافرمانوں کے

پیدا کیا اور وہ ان کی تخلیق سے تھکا نہیں۔ وہ خدا جو کائنات کو تخلیق کرنے پر قادر ہے اس کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ وہ تو جس چیز پر چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔ یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے تھکا نہیں بائبل کے اس دعوے کو رد کرتا ہے کہ اس نے چھ دن میں زمین اور آسمان بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ خالق کائنات ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے۔

۳۵۔ منکرین بعث کا ذکر جاری ہے فرمایا جس روز کافر دوبارہ زندہ کرکے آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا بعث بعد الموت سچ نہیں یا یہ کہ یہ جہنم امر واقعی نہیں۔ وہ اپنے ربّ کی قسم کھائیں گے اور اقرار کریں گے کہ یقیناً یہ سچ ہے۔ وہ ان سے کہے گا کہ جب تم اپنے ان جرائم کا اقرار کرتے ہو جن کے مرتکب دنیا میں ہوئے تو اب اپنے کفر کی سزا بھی قبول کرو۔

ان کا کفر و انکار، دین حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، بعث بعد الموت اور جزا و سزا کا انکار تھا۔

۳۶۔ فرمایا اے رسول! کفار کے کفر و شرک اور تیری دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں ان کی ایذا رسانی اور سبّ و شتم پر صبر کر جیسا کہ تجھ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ صبر تو سبھی رسولوں نے کیا اور اولوالعزم بھی سبھی رسول تھے پس من الرسل میں اشارہ ان کے درجات کی طرف ہے کہ بعض صبر اور اولوالعزمی میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے جیسا کہ فرمایا **تلک الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض** ۔(۲۔۲۵۴) فرمایا ان کے انجام کے متعلق جلدی نہ کر۔ جیسا کہ مستحقین عذاب خود عذاب کے لئے جلدی کا مطالبہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بھی کفار کے حق میں جلد فیصلہ چاہتے تھے تاکہ مومنوں پر سختیاں ختم ہوں۔اگر دنیا کے فیصلہ کی طرف اشارہ ہے تو جنگ بدر میں بہت جلد فیصلہ ہوگیا۔ مطلق دیر نہ لگی۔ اگر قیامت کا عذاب مراد ہے جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا تو اس وقت عذاب کی شدت کو دیکھ کر انہیں دنیا کی زندگی نہایت قلیل لگے گی اور یوں محسوس ہوگا گویا دنیا میں دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پیغام پہنچایا جاچکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام حق پہنچانے کا فرض کماحقہٗ پورا کردیا۔ جن خوش نصیبوں نے اُسے قبول کیا وہ دنیا و آخرت میں فلاح پا گئے۔جن بد بختوں نے قبول نہ کیا ان کے لئے فرمایا کہ نافرمان لوگوں کے سوا کسی کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں دین حق قبول کرنے والے اپنے نیکوکار بندوں کو ایک عظیم خوشخبری دی کہ قوم نوح والا عذاب ہو یا عاد وثمود والا یا آخری زمانہ کی ایٹمی تباہ کاریاں اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی خود حفاظت فرمائے گا۔ ہلاک وہی ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوں گے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ محمدؐ۔ یہ سورۃ مدنی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی انتالیس آیات اور چار رکوع ہیں

یہ سورۃ اور اس کے بعد کی دونوں سورتوں سے پہلے مقطعات نہیں ہیں گویا یہ تینوں اپنے سے پہلی حٰم کے سلسلہ کی سورتوں کے تابع ہیں اور انہیں کے مضامین کو آگے بڑھاتی ہیں۔حٰم کے سلسلہ کی سورتوں میں اہل مکہ کو جن دنیوی سزاؤں اور عذابوں سے ڈرایا گیا تھا اور جن وعیدات کا ذکر تھا ان میں کچھ ظاہری لڑائیوں کا بھی حصہ تھا۔ انؔ کے بعد یہ مدنی سورت رکھ کر ان کی تصدیق کرادی کہ دیکھو ان پر اور ان کے علاوہ دوسرے مخالفوں پر وہ عذاب آئے یا نہیں۔محمد کے معنی بھی تعریف کیا گیا کے ہیں گویا نصرت الٰہی آپ ﷺ کے شامل حال ہوگی۔آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی کبھی ناکام نہیں ہوں گے اور آپ ﷺ کا جلال تمام دنیا میں ظاہر ہوکر رہے گا۔جیسا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے مظہر تھے۔سورۃ محمد بھی تمام گزشتہ سورتوں کا خلاصہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے حالانکہ یہ سورت آیات کی گنتی کے لحاظ سے بہت چھوٹی ہے۔(قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ قتال بھی ہے کیونکہ جہاد و قتال کے احکام اس میں نازل ہوئے۔ اگرچہ اس سے پہلے سورۃ الحج آیت:۴۰ میں جہاد کی اجازت مل چکی تھی اور سورۃ البقرۃ ۱۹۱: میں جہاد کا حکم دیا جاچکا تھا۔ اس سورۃ کا موضوع اہل ایمان کو جہاد کے لئے تیار کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں ان کو ابتدائی ہدایات دیں اور ان کے حوصلے بڑھائے کیونکہ ابھی جہاد عملی طور پر شروع نہیں ہوا تھا۔باوجودیکہ مسلمان مالی طور پر بہت کمزور تھے انہیں انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی۔ اس موقع پر منافقین کی منافقت کھل کر سامنے آئی۔ انہوں نے بخل سے کام لیا اور جان و مال کی قربانی میں لیت ولعل کیا۔ جبکہ بے سروسامان مہاجرین اور مدینہ کے انصار نے جن کا پیشہ کھیتی باڑی تھا اور جو فنِ حرب وضرب سے ناآشنا تھے، جانی و مالی قربانی کی ایسی مثال پیش کی جسے تاریخ دہرانے سے قاصر ہے۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۲﴾

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ سے اللہ کی ضائع کردیئے اس نے اعمال ان کے

۱۔اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ گو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال کر کفار کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ مسلمانوں کو کامیابیاں نصیب ہوں گی اور کفار ناکام و نامراد ہوں گے اور ایسا جنگوں کے ذریعہ ہوگا پھر جنگ کے متعلق ضروری ہدایات دیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا کیا ان کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے ۔ جبکہ انہوں نے کئی نیکیاں اور رفاہ عام کے کام بھی کئے ہوں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی تمام آیات وسیع المعانی ہیں۔ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایسی تمام آیات میں انہی اعمال کے ضائع ہونے کا ذکر ہے جو ان کے کفر اور اللہ کی راہ سے روکنے والے اعمال ہیں گویا اس معاملہ میں ان کی ساری کوشش رائگاں جائے گی۔ کفار کا غلبہ اور اللہ کی راہ سے روکنا باقی نہیں رہے گا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ کفار ومشرکین نے جو نیک اعمال کئے ہیں اُن کا بدلہ انہیں دنیا میں مل جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے کوئی اجر نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔(۱۸۔ ۵۰) چونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا اس لئے اس کی رحمت سے یہ بھی امید ہے کہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کی سزا میں تخفیف ہوجائے اور یہ بھی کہ قیامت کو پہلے ان کو اپنے جرائم کی سزا ملے گی اور وہ واصل جہنم ہوں گے جب جرائم کی سزا بھگت چکیں گے تو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیاجائے گا اور وہ جہنم سے نکالے جائیں گے۔ بیشک ان کی تکالیف دور ہوجائیں گی لیکن مومنین والے مراتب حاصل نہیں کرسکیں گے۔ اصل گرفت ان لوگوں پر ہوگی جنہوں نے رسول اور اس کی تعلیم کو دل سے سچا جانا اور پھر مخالفت پر کمربستہ رہے جیسا کہ ابوجہل کا مرنے سے پہلے اقرار۔ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے علیحدگی میں ابوجہل سے پوچھا کہ یہاں میرے اور تمہارے درمیان کوئی موجود نہیں۔بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔ابوجہل نے کہا!خدا کی قسم محمدؐ سچا ہے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر جب کہ بنوقصی کے پاس جھنڈا ، حجاج کو پانی پلانے کی خدمت، بیت اللہ کی دربانی اور کنجی سب کچھ ان کے پاس ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک اور وہ ایمان لائے اس پر جو اُتارا گیا

مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ

محمّد پر اور وہ حق ہے طرف سے انکے رب کی۔اس نے دُور کیں ان سے بُرائیاں اور

اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۳﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ

اصلاح کی حالت کی ان کی یہ اس بیے ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہوئے پیروی کی انہوں نے باطل کی

وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ

اور یہ کہ وہ لوگ جو ایمان لائے انہوں نے پیروی کی حق کی طرف سے اپنے رب کی، اسی طرح بیان کرتا ہے

اب نبوت بھی انہیں کے پاس تسلیم کرلیں تو بتاؤ باقی قریش کے پاس کیارہ گیا۔(شفاعیاض جلداوّل صفحہ ۷۹ باب عـدلـه عبدالتواب اکیڈمی ملتان۔الفضل ۵ ستمبر ۲۰۰۶ء) پس اس تکبر کی وجہ سے دنیا میں بھی ذلیل ہوا اور آخرت میں بھی۔لیکن وہ لوگ جن تک تبلیغ حق نہیں پہنچی یا پہنچانے والا انہیں قائل نہیں کرسکا اور وہ اپنے مذہب پر عمل پیرا رہے توحید اور یوم آخرت پر کسی نہ کسی رنگ میں یقین رکھتے تھے ، اللہ تعالیٰ ان سے ضرور مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔

۳۔ **بالٌ** ۔ حال۔کبھی دل کے معنی میں آتا ہے ۔یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔

ان کفار کے مقابلہ میں مومنین صالحین کا ذکرفرمایا ۔یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دین حق کو لبیک کہا اور نیک اعمال بجالائے۔ اب ایمان اور نیک اعمال کی مزید وضاحت فرمائی کہ وہ اس کلام پرایمان لاتے ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کے ربّ کی طرف سے کامل سچائی ہے۔اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ مدینہ کے یہود و نصاریٰ پچھلے تمام انبیاء پر ایمان لانے کے دعویدار تھے اور نیک اعمال کو ہی ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ایمان اور عمل صالحہ اسی وقت نافع ہوں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ پر اتاری گئی وحی الٰہی پر ایمان لائیں۔پس صاحب کتاب اور کتاب پر ایمان اور اس پرعمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی بدیوں کو ڈھانپ دے گا اور ان کا حال درست کردے گا یعنی ان کے دلوں کی اصلاح کردے گا۔گویا بقول حضرت مسیح موعودؑ اللہ تعالیٰ ان کے تزکیہ نفس کا خود متکفل ہوجاتا ہے۔(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۰)ان سے یہ وعدہ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

۴۔ کافر و مومن کے اعمال کے نتائج کا ذکر جاری تھا فرمایا ایسا اس لئے ہوا کہ کفار کا حق سے انکار اور مخالفت اسلام انہیں تباہی کی طرف لے گیا۔اس لئے کہ وہ سچائی کو چھوڑ کر باطل یعنی

اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿٣﴾ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ

اللہ لوگوں کے لیے حالتیں ان کی پس جب مٹھ بھیڑ ہو تمہاری ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا تو مارنا ہے

الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ

گردنیں یہاں تک کہ جب زور توڑ دو تم ان کا تو مضبوط کرو قید

فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ۚ

پھر خواہ احسان کرو بعد میں اور خواہ فدیہ لے لو یہاں تک کہ ڈال دے جنگ ہتھیار اپنے

ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟

بات یہ ہے اور اگر چاہتے اللہ بدلہ لے ان سے ولیکن تاکہ آزمائے

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ

بعض کو تمہارے بذریعہ بعض کے اور وہ لوگ جو قتل کئے گئے راہ میں اللہ کی پس ہرگز نہیں

يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَ

وہ ضائع کرے گا اعمال ان کے ضرور وہ ہدایت دیگا انہیں اور سنوارے گا حال ان کا اور

کفر و شرک کے پیچھے چلے جبکہ ایمان لانے والوں نے اپنے ربّ کی طرف سے آنے والی سچائی کی پیروی کی جس سے ان کی لغزشیں معاف ہوئیں اور ان کی حالت درست ہوگئی اور نتیجہ کامیابی کی صورت میں سامنے آیا۔اسی طرح اللہ لوگوں کے سامنے کفار اور مومنین کی مثالیں بیان کرتا ہے کہ کافر جھوٹ کی پیروی کرکے ناکام و نامراد ہوتے ہیں اور مومن سچ کی پیروی کرکے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

۵۔**اثخنتموا۔ثخن** کسی چیز کا گاڑھا ہوکر بہنے سے رک جانا ہے۔بطور محاورہ کثرت سے خون بہادینے کے معنی میں ہے۔**اثخنتموا**۔تم خوب خون بہا دو یعنی ایک خونریز جنگ کرچکو۔ ان کا زور توڑ دو۔ **وثاق** ۔ باندھنا۔ **ولایوثق وثاقہٗ احد** (۸۹۔۲۷) کوئی اس جیسی مشکیں نہیں کسے گا۔ **اوزار**۔ وزر کی جمع ہے ۔ ہتھیار ۔ **انتصر۔ نصر** اس نے مدد کی۔ظالم سے انتصار اس سے بدلہ لینا اور اسے سزا دینا ہے۔ **انتصر** اس نے بدلہ لیا۔

کفار کا باطل کی پیروی کرکے ناکام ہونا اور مومنوں کا حق کی اتباع سے کامیاب ہونا جہاد میں کھل کر سامنے آنے والا تھا اس لئے اس مختصر آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کے تعلق میں تمام اہم ہدایات بیان کردی گئیں۔اس سے پہلے سورۃ الحج :۴۰ اور سورۃ البقرۃ :۱۹۱ میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت مل چکی تھی۔ اگر اس آیت میں مسلمانوں کو تلوار کا جواب تلوار سے دینے کی اجازت نہ دی جاتی تو اسلام کی نرمی کی تعلیم کی وجہ سے جو مسلمانوں کی طبیعت میں راسخ ہوچکی تھی، جنگ میں بھی

دشمنوں کا قتل جائز نہ سمجھتے۔ جہاد کی اجازت میں بھی قتل کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ قرآن کریم میں کہیں بھی جہاد بالسیف کے لئے قتال کا لفظ نہیں آیا کیونکہ جہاد کا مقصد قتال نہیں تھا بلکہ ہدایت دینا تھا۔اگر ان کو ہلاک کرنا ہی مقصود ہوتا تو اسی آیت میں بتلایا کہ اللہ ان کو عادو ثمود کی قوموں کی طرح خود تباہ کرسکتا تھا۔فرمایا اگر کفار ابتدا کریں اور تمہارا ان سے تصادم ہو جائے تو گردنوں پر مارو۔یعنی ان کی طاقت کو توڑ دو اور انہیں سختی سے زیر کرو۔ **اثخنتموا** میں ایک خونریز جنگ کی طرف اشارہ ہے کہ جب ایک خونریز جنگ کے بعد دشمن مغلوب ہوجائے تو جو پکڑے جائیں انہیں مضبوطی سے باندھنے اور قید کرنے کا حکم ہے۔**ماملکت ایمانھم** میں ایسے ہی قیدی مراد ہیں غلبہ کے بعد کسی قیدی کو قتل کرنے یا تکلیف دینے کی ہرگز اجازت نہیں اور نہ کسی خونریز جنگ کے بغیر قیدی بنائے جاسکتے ہیں۔جیسا کہ اُس زمانے میں قافلوں کو لوٹتے اور سازو سامان کے ساتھ بعض اوقات لڑکوں کو بھی پکڑ کر لے جاتے اور غلام بنالیتے ۔امیرِ لشکر یا امیر جماعت کی صوابدید پر ہے کہ وہ حالات کے مطابق فدیہ لے کر آزاد کرے، اس میں قیدیوں کا تبادلہ بھی شامل ہے یا بطور احسان بغیر فدیہ لئے آزاد کردے۔مکاتبت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک طریق ہے۔ لیکن کسی قیدی کو ہمیشہ کے لئے غلام نہیں بنایا جاسکتا ۔ قرآن کریم نے ایسے قوانین بنائے کہ ہمیشہ کے لئے غلامی کا خاتمہ ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا آپ ﷺ نے جنگ بدر میں فدیہ لے کر آزاد کیا۔جو مالی فدیہ دینے کے قابل نہ تھے ان کا فدیہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا مقرر فرمایا(مسند احمد۔طبقات ابن سعد۔کتاب الاموال)اس سے آپ ﷺ کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہت سی جنگوں میں قیدی بطور احسان آزاد کئے۔جنگ حنین میں مال غنیمت اور چھ ہزار قیدی جو مجاہدین میں بانٹے جاچکے تھے۔ ان سے واپس لے کر بغیر فدیہ آزاد کئے اور مالِ غنیمت بھی مجاہدین سے لے کر دشمنوں کو لوٹایا گیا (صحیح بخاری۔ابوداوٗد۔ مسند احمد) کیا تاریخ کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے۔ غزوہ بنی مصطلق میں سو(۱۰۰)خاندانوں کے قیدی اس لئے آزاد ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں میں سے حضرت جویریہؓ کو اپنی زوجیت میں لیا۔ مسلمانون نے اپنے اپنے قیدی آزاد کردئے کہ ’’اب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہوچکے ہیں۔‘‘اس طرح سو(۱۰۰)خاندانوں کے آدمی رہاہوئے۔(مسنداحمد۔ طبقات ابن سعد۔سیرت ابن ہشام)اسلام میں قیدیوں سے حسن سلوک کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال گرفتار ہوکر آئے تو جب تک قید میں رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمدہ کھانا اور دودھ ان کے لئے مہیا کیا جاتا رہا۔(ابن ہشام) تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا مذاکرہ ہوتا رہا۔وہ یہی کہتے رہے کہ ’’اگر آپ ﷺ مجھے

قتل کردیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون کچھ قیمت رکھتا ہے۔اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو احسان ماننے والا ہے۔اگر مال لینا چاہتے ہیں تو جتنا مال لینا چاہتے ہیں آپ کو ملے گا۔'' آخر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔رہائی پاتے ہی وہ ایک قریبی نخلستان میں گئے اور نہادھو کر واپس آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے اور عرض کیا ''آج سے پہلے کوئی شخص میرے لئے آپ ﷺ سے اور کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہیں تھا اور اب کوئی شخص اور کوئی دین مجھے آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں۔'' پھر وہ عمرہ کے لئے گئے اور قریش کو نوٹس دیا کہ آج کے بعد یمامہ سے تمہیں کوئی غلہ نہیں پہنچے گا جب تک کہ محمد ﷺ اجازت نہ دیں۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مکہ والوں کو حضور ﷺ سے التجا کرنی پڑی کہ یمامہ سے ہمارے لئے غلہ کی رسد بند نہ کروائیں(بخاری۔مسلم۔مسند احمد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں قیدیوں سے کسی بُرے سلوک کی کوئی ایک بھی مثال بھی نہیں ملتی۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف گھروں میں بانٹ دیا اور تاکید فرمائی کہ ان قیدیوں سے اچھا سلوک کرنا۔ ان میں ایک قیدی ابوعزیزؓ کا بیان ہے کہ مجھے جس انصاری کے گھر میں رکھا گیا وہ صبح شام مجھے روٹی کھلاتے اور خود صرف کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے۔ایک قیدی سہیل بن امروؓ کے متعلق حضور ﷺ سے کہا گیا کہ یہ بڑا آتش بیان شاعر ہے آپ ﷺ کے خلاف تقریریں کرتا تھا اس کے دانت تڑوا دیجئے۔حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر میں اس کے دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا اگرچہ میں نبی ہوں۔(سیرت ابن ہشام) حضرت ابوعبیدہؓ کتاب الاموال میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ ''جنگ میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں ان میں کاشت کاروں اور کسانوں کو چھوڑ دو تاکہ ان کی فصلیں تباہ نہ ہوں''۔ قیدیوں سے ہمدردی اور حسن سلوک کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے۔روح المعانی میں ابن جریر اور ابو بکر جصاصؒ کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس قتل کرنے کو بھیجا۔انہوں نے انکار کیا اور یہ آیت پڑھ کر فرمایا ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

بنونضیر کی مثال بھی اس کے خلاف نہیں وہ جنگ میں مغلوب ہو کر قید نہیں ہوئے تھے بلکہ اس شرط پر صلح کی تھی کہ حضرت سعدؓ کے فیصلہ کو ہر دو فریق مانیں گے۔ حضرت سعدؓ نے ان کا فیصلہ توریت کے حکم کے مطابق کرکے ان کی غداریوں کی وجہ سے ان کے قتل کا فیصلہ دیا۔اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مارنے کا حکم دیا تو وہ اس کے کسی اور جرم کی وجہ سے تھا نہ کہ

جنگ کرنے کی وجہ سے۔

اس ساری تفصیل کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کے دل میں انسانیت کے لئے جو تڑپ تھی اس کا کچھ اندازہ ہوسکے نیز اسلام پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلامی دفاعی جنگوں کی غرض جبراً مسلمان بنانا تھی اس کی تردید ہو۔اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے قیدیوں کو مسلمان بنایا جاتا اور کون ایسا قیدی ہوتا جو مسلمان ہو کر آزاد ہونا پسند نہ کرتا خواہ بعد میں مرتد ہو جاتا۔لیکن اسلام نے قید کی حالت میں قبولِ اسلام کو رہائی کا ذریعہ نہیں بنایا۔(السّیر الکبیر۔امام محمد)

حتّٰی تضع الحرب اوزارھا ۔ اس جہاد کا منشاء یہ ہے کہ جنگیں موقوف ہوجائیں۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تشحیذ الاذہان جلد۸ نمبر۹ صفحہ ۴۸۱) جیسا کہ **یضع الحرب** حدیث میں آیا ہے کہ مسیح جنگوں کا خاتمہ کردے گا گویا مذہب کے نام پر جنگیں نہیں ہوں گی ۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ یہ ایک لمبی حدیث ہے جس میں آنے والے مسیح کی نشانیاں بتائی گئی ہیں ۔(بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم)

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی سرکشی اور کفر و شرک کی وجہ سے ان کی ہلاکت منظور ہوتی تو عاد و ثمود کی قوموں کی طرح آسمانی یا زمینی بلاؤں سے خود ان سے انتقام لے سکتا تھا۔لیکن ان جنگوں کی غرض یہ تھی کہ وہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائے۔ پس جنگ ہی وہ کسوٹی تھی جس میں مومن و کافر دونوں ہی پرکھے گئے اور مومنوں کی خوبیاں نکھر کر سامنے آئیں ۔ مومنوں کو جنگوں میں ان کمالات کے حصول کے مواقع ملے جو وہ جنگ کے بغیر حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ ان کا صبر و استقلال ، توکل علی اللہ قوتِ فیصلہ ، جرأت و جواں مردی ، فراست و فطانت ، اطاعتِ خدا و رسول اور جذبہ قربانی یہاں تک کہ رسول کی ایک آواز پر جان و مال لے کر حاضر ہوگئے نہ بچوں کی پرواہ نہ بیویوں کی فکر۔ غرض مجاہدین نے جانی و مالی قربانی کو انتہا تک پہنچا دیا اور اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کیا۔اگر غازی بنے تو اپنے ربّ کی رضا کے ساتھ دنیا کی نعمتیں بھی حاصل کیں ۔شہادت کا رتبہ پایا تو اُخروی دائمی نعمتوں کے وارث بنے۔ شہداء نے دین حق کے لئے جو قربانیاں دیں وہ رائیگاں نہیں گئیں۔ جن مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا اہل ایمان ان مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شہداء کے مراتب جلیلہ کا اندازہ اس دنیا میں نہیں لگایا جاسکتا۔ قرآن کریم نے شہداء کو انبیاء اور صالحین و صادقین کے ساتھ رکھا ہے۔ کفر اور اسلام کے ان معرکوں میں کفار کا امتحان یہ تھا کہ جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ غیر معمولی نصرتِ الٰہی اور کافروں کی پے در پے ناکامیوں کو دیکھ کر کون کفر پر مصر رہتا ہے اور کون ان

يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

داخل کریگا انہیں جنت میں کہ اس نے تعریف کردی جسکی ان کیلئے اے لوگو جو ایمان لائے ہو

روشن دلائل کو دیکھ کر سلام قبول کرتا ہے۔غرض ان جنگوں میں کفار و مشرکین کے خصائل کھل کر سامنے آئے۔ منافقین کی چھپی ہوئی خباثتیں ظاہر ہوئیں ۔ جنگ کے بغیر وہ ہرگز پہچانے نہ جاتے۔ تفصیل کے لئے جنگ تبوک کے واقعات ملاحظہ فرمائیں ۔(۹:۷۹ اور اس سے اگلی آیات) کفار و مشرکین کی آزمائش اس طرح بھی ہوئی کہ جن میں ایک ذرہ بھی حق کو سمجھنے کی صلاحیت تھی اور آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹی نہیں بندھی ہوئی تھی وہ ان جنگوں میں اپنے معبودانِ باطلہ کی بے بسی اور مسلمانوں کے ساتھ کامیابیوں کے خدائی وعدے پورے ہوتے دیکھ کر آخر کار فتح مکّہ کے موقع پر تائب ہوئے۔ جیسا کہ ہندہ نے بیعت کرتے وقت برملا اقرار کیا کہ اگر ان بتوں میں کچھ بھی طاقت ہوتی تو ہم اس طرح ذلیل نہ ہوتے ۔ (الروض الانف ج دوم) نیز پورے عرب کا کلمہ توحید پڑھ لیناہرگز کسی جبر کے تحت نہ تھا۔

۶۔ اب شہداء کے دو اعلیٰ ترین مراتب کا ذکر فرمایا ۔ پہلا یہ کہ ربّ رحیم خود ان کی رہنمائی فرمائے گا ۔ یہ رہنمائی انہیں مقصود تک پہنچانا ہے۔جو جنت ہے ۔جیسا کہ قرآن کریم میں اہل جنت کا قول ہے ۔ **وقالوا الحمد للّٰہ الذی ھدٰنا لھٰذا**۔(۷:۴۳)اور وہ کہیں گے کہ تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں اس (جنت) کی راہ دکھائی۔دوسرا یہ کہ ان کی حالت کو سنوار دے گا۔ حالت کو سنوارنا انہیں ہر بشری الائش سے پاک کردینا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا کہ ہم جنتیوں کے سینوں سے سب کدورت نکال پھینکیں گے۔(۷:۴۳) یہ بھی مراد ہے کہ جنت تک پہنچنے تک دیگر مومنین کو جن مراحل سے گزرنا پڑے گا شہداء ان سے مامون ہوں گے جیسے تکلیف نزاع، قبر میں سوال و جواب ، پل صراط سے گزرنا یا محشر کی پریشانیاں ۔

۷۔اب اس جنت کے اعلیٰ ترین مراتب کا ذکر فرمایا جو خاص شہداء کے لئے ہوں گے۔ عرّف کے معنی ہیں ایک چیز کی معرفت یا اس کا علم دے دیایعنی اس جنت میں داخل کرے گا جس کی کسی قدر معرفت مومنوں کو دنیا میں بھی کرادی ہے۔انہیں قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جنت کے متعلق بہت کچھ بتایا جاچکا تھا۔جس سے بطور مثال انہیں ان نعمتوں کا کچھ اندازہ تھاجو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کی تھیں۔وہ دنیا میں بھی روحانی طور پر جنتی زندگی گزارتے تھے اور جنت کا مزا اور سرور کسی قدر ان کو حاصل تھا جو جنت میں کئی گنا ہوکر میسر ہوگا۔ گویا جنت ان کے لئے جانی پہچانی ہوگی، انہیں اجنبیت محسوس نہیں ہوگی۔عرّفھا کے معنی اسے طیب

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۞ وَ

اگر مدد کرو تم اللہ کی وہ مدد فرمائے گا تمہاری اور ثابت کرے گا قدم تمہارے اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پس ہلاکت ہے ان کیلئے اور ضائع کریگا اعمال انکے یہ اس لیے کہ انہوں نے

كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۞ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

ناپسند کیا اُسے جو اُتارا اللہ نے پس حبط کردیئے اعمال ان کے کیا پس نہیں چلتے پھرتے

اور خوبصورت بنایا کے بھی ہیں یعنی اس جنت میں داخل کرے گا جسے ان شہداء کی خاطر اس ربّ رحیم نے بہت اعلیٰ بنایا ہے۔

۸۔جہاد کا بیان جاری ہے بندوں کا اللہ کی مدد کرنا یقیناً اپنی جان و مال کو دین حق پر قربان کرنا ہے اور اللہ کا بندوں کی مدد کرنا دشمن کے مقابل پر مومنوں کی مدد کرنا اور ان کے قدموں کو ثبات بخشنا ہے ۔ایک مجاہد استقلال اور ثابت قدمی سے ہی دشمن پر غالب آتا ہے خواہ وقتی طور پر کچھ ہزیمت بھی اٹھانی پڑے ۔ انجام کار مومنوں کو ہی غلبہ نصیب ہوتا ہے کیونکہ نصرتِ الٰہی ان کے ساتھ ہے تاہم اللہ کی مدد مومنوں کی مدد کے ساتھ مشروط ہے۔جب وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کا نذرانہ پیش کریں گے تو نصرت الٰہی ضرور نازل ہوگی اور ان کے قدموں کو ثبات نصیب ہوگا۔

بندوں کا اللہ کی مدد کرنا وسیع معنوں میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں کسی کامحتاج نہیں وہ غنی اور صمد ہے ۔جہاد بالسیف ہمیشہ نہیں ہوتا جبکہ مومن کی ساری زندگی ہی جہاد ہے۔پس اس میں اللہ کے بندوں کی مدد کرنا، حدودِ الٰہی کی حفاظت ، اللہ کے عہود کی رعایت ، احکام شریعت کی بجاآوری اور اس کے نواہی سے اجتناب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بندگانِ خدا کی ہدایت کے لئے فریضہ تبلیغ کو کماحقہٗ ادا کرنا ہے۔اسی طرح اللہ کا بندوں کی مدد کرنا کچھ جہاد ہی سے خاص نہیں۔ایک بندہ ہر سانس لینے اور ہر قدم اٹھانے میں اللہ کی مدد کامحتاج ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی نعمتوں اور احسانوں کا شمار نہیں کیاجاسکتا جو بلاتخصیص ہر مومن و کافر کے شامل حال ہیں ۔

۹۔**تعس** ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرنا ہے جس سے پھر انسان اٹھ نہ سکے ۔نگوں سار ہو جانا۔ ہلاکت بھی مراد ہے۔

تمہاری ثابت قدمی اور نصرت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے مخالفین کو ایسی شکست ہوگی کہ پھر وہ اٹھ نہ سکیں گے گویا ان میں دوبارہ مقابلہ پر آنے کی طاقت نہ رہے گی اور دین حق کے خلاف ان کی ساری کوششیں رائگاں جائیں گی ۔یہ بھی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کردے گا۔ (تفصیل آیت۲)

فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
زمین میں کہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو پہلے تھے ان سے
دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿١١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
ہلاک کیا اللہ نے ان کو اور کافروں کے لیے حالتیں ہیں ویسی ہی یہ اس لیے ہے کہ اللہ
ع ١٢ ٥ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿١٢﴾ اِنَّ
کارساز ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے اور یہ کہ کافر ایسے ہیں کہ نہیں کارساز ان کے لیے یقیناً

١٠۔ **ذٰلک بانّھم** میں بتایا کہ اگر کفار کے اعمال ضائع ہوئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے قرآنی احکام کو ناپسند کیا جو نوع انسان کی بہبود کے لئے اتارے گئے تھے۔ان کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ ان کو قبول کر کے ان کی بداعمالیوں اور فحاشیوں پر قدغن لگتی تھی اور اللہ کی راہ میں قربانیاں اور عبادات ان کی طبیعت پرشاق گزرتی تھیں ۔ پس اللہ نے ان کے اعمال کو کالعدم کردیا۔گویا انہوں نے سرے سے کوئی عمل کیا ہی نہیں۔(تفصیل:٢)

١١-١٢۔ **دمر۔ التدمیر** کے معنی کسی چیز پر ہلاکت وارد کرنا ۔ہلاکت کی مار ڈالی ۔تباہی ڈال دی ۔ **للکٰفرین امثالھا** ۔ ان کافروں کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات ہونے والے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد عذاب یا سزائیں ان پر آئیں گی۔

اہل مکہ جن میں سے بیشتر کی پہنچ ایک محدود علاقے تک ہی تھی۔انہیں باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کی ترغیب دی کہ تمہارے اردگرد بہت سے عبرت کے سامان ہیں جن سے ہدایت حاصل کرسکتے ہو۔اہل مکہ اپنے تجارتی سفروں میں شام کو جاتے ہوئے عاد وثمود اور قوم لوط کی بستیوں کے ویران محلات اور کھنڈرات سے گزرتے تھے جو زبان حال سے مکذبین انبیاء کی تباہی کی داستانیں سناتے تھے کہ انبیاء کی شدید مخالفت اور ان پر ظلم وستم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان پر ہلاکت کی مار ماری اور وہ مع اپنی اولاد و اموال کے تباہ ہوئے۔پس اگر یہ بھی ان جیسی کرتوتوں سے باز نہ آئے تو جس طرح ان پچھلی امتوں کے سرکشوں اور کافروں سے سلوک ہوا، ویسا ہی ان سے بھی ہوگا۔مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابیوں اور کفار کی تباہیوں کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مولیٰ و مددگار ہوتا ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا یقیناً کوئی مولیٰ اور مددگار نہیں ہوتا۔یہ کھنڈرات ان تمام حقائق سے پردہ اٹھا رہے ہیں جو بظاہر انسان کی آنکھوں سے مستور ہیں۔کاش یہ غور کریں اور سمجھیں اور توبہ و استغفار کرکے آنے والی تباہیوں کے رخ بدل دیں۔

اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
اللہ داخل کرتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک باغات میں کہ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ
بہتی ہیں نیچے جن کے نہریں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور
يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٣﴾ وَكَاَيِّنْ
کھاتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چارپائے اور آگ ٹھکانا ہے ان کے لیے اور کتنی ہی

جنگ احد میں جب چند صحابہ کی کوتاہی سے جنگ کا پانسا بدلا تو صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید زخمی حالت میں ایک گھاٹی میں لے گئے۔اس وقت ابوسفیان کے ہر نعرے پر آپ ﷺ نے صحابہ کو جواب دینے سے منع فرمایا۔لیکن جب اس نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو للکارا اور کہا **لنا عُزّیٰ ولا عُزّیٰ لکم** تو آپ ﷺ خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا اب جواب کیوں نہیں دیتے کہو **اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب اسی آیت سے ماخوذ تھا۔

١٣۔دوسرے رکوع میں اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے بتلایا کہ اہل مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال کر بظاہر کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں، ہم ان سے زیادہ زبردست قوموں کو اپنے انبیاء کی مخالفت اوران پر مظالم و شدائد کی وجہ سے ہلاک کرچکے ہیں ۔ اب ان کی تباہی اور مغلوبیت کی گھڑی بھی قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کا دنیا ہی میں مولیٰ و کارساز نہیں آخرت میں بھی ان کا مولیٰ و مددگار ہوگا۔ یقیناً وہ ان کو جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے اخروی نعمتوں سے متمتع کرے گا اور ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔

ان کے مقابلہ میں کفار کی حالت بیان فرمائی اور عرب کی اُس حالت کا نقشہ پیش کیا جو بعثت رسول سے قبل تھی۔ ان کی زندگی کا مقصد دنیوی عارضی فوائد حاصل کرنا، چوپایوں کی طرح محض کھانا پینا اور شہوانی خواہشات کی تکمیل تھا۔پاک اور ناپاک حرام اور حلال کی کوئی تمیز ان میں نہیں تھی مردار تک کھاجاتے تھے۔یتیم کا مال کھانے میں کوئی تامل نہیں تھا غرض حرام سے جن کا پیٹ نہیں بھرا جہنم کی آگ سے ضرور بھرے گا۔ کہاں ان کی یہ بہیمانہ حالت کہ کبھی خیال تک نہ آیا کہ اس رازق حقیقی کے بھی ہم پر کچھ حقوق ہیں اور کہاں رسول کی قوتِ قدسی اور پاک تاثیرات نے ان میں ایسی پاک تبدیلی پیدا کی کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجاآوری میں اپنی جانیں تک قربان کردیں اور ان کی یہ حالت ہوگئی کہ **یبیتون لربھم سجدا و قیاما**(سورۃ الفرقان :٦٥) یعنی اپنے رب

مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ
بستیاں جو کہ زیادہ سخت تھیں قوت میں بستی تیری سے جس نے نکالا تجھے
اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۴﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ
ہلاک کردیا ہم نے انہیں پس نہیں کوئی مددگار ان کے لیے کیا پس جو ہے دلیل پر طرف سے
رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾
اپنے رب کی مانند اس شخص کے ہے کہ مزین کیا گیا جسکے لیے بُرا عمل اس کا اور پیروی کی انہوں نے اپنی خواہشات کی

کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں۔ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام الحکم جلد ۲ نمبر ۲۴، ۲۵ مورخہ ۲۰۔ ۲۷ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۰ سے استفادہ کیا گیا)

۱۴۔فرمایا کتنی ہی بستیاں تھیں جو تیری اس بستی سے جس نے تجھے نکال دیا، قوت و شوکت میں کہیں بڑھ کر تھیں ۔ہم نے انہیں ہلاک کردیا اور ان کی قوت ان کے کچھ کام آئی اور نہ کوئی انہیں ہلاکت و تباہی سے بچاسکا۔پھر یہ بستی جس کی ظاہری حیثیت ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں کس طرح ہلاکت سے محفوظ رہ سکتی ہے ۔

ابھی صرف جنگ کی اجازت ملی تھی، ساتھ ہی ایک زبردست پیشگوئی فرمائی کہ ہم کفار کو ہلاک کردیں گے اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔ پھر بہت جلد جنگ بدر میں ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ آخر فتح مکہ پر تائب ہوئے ۔

۱۵۔ **بیّنة** ۔ روشن دلیل۔ روشن نشانی یہاں مومن و کافر کا موازنہ فرمایااور بتلایا کہ مومن کو بیّنہ عطا ہوتی ہے اور وہ ایک روشن دلیل پر قائم ہوتاہے ۔ یہ وہ برھان قاطع اوردلیل قویّہ ہے جسے قرآن پیش کرتاہے کیونکہ قرآن کا کوئی حکم بغیردلیل نہیں۔پس ایک مومن اپنے ربّ کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں جواسے احکام قرآنی پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے ، کھلی کھلی ہدایت پر قائم ہوتاہے۔ فرمایا کیا وہ ان جیسا ہوسکتاہے جو اندھوں کی طرح اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور خواہشات ِنفسانی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ کسی دلیل پر قائم نہیں یعنی اپنے غلط اعمال کے جواز میں ان کے پاس کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں۔نہ کوئی کتاب ہے نہ عقلی دلیل۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتاہے کہ ان میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں، برے بھلے کی تمیز مٹ جاتی ہے ۔یہاں تک کہ انہیں ہر بُرائی خوبصورت دکھائی دینے لگتی ہے۔کیا وہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! دوزخ شھوات (خواہشات) سے گھری ہوئی ہے اور جنت مشکلات سے یعنی دوزخ کے اردگرد خواہشات کی پھلواڑی ہے اور جنت کے اردگرد مشکلات کا خار زار ہے۔(مسلم کتاب الجنّة)

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ
کیفیت اس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقیوں سے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں پانی
غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ
نہ ٹھہرنے والے کی اور نہریں ہیں دُودھ کی کہ نہیں بدلتا مزا اس کا اور
اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ
نہریں ہیں شراب کی مزہ دینے والی پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد
مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ
صاف کی اوران کے لیے اس میں ہرقسم کے میوے ہونگے اور بخشش ہوگی طرف سے انکے رب کی
كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ
(کیا وہ) مانند ہے اسکے جو رہ پڑنے والا ہے آگ میں اور وہ پلائے جائیں گے پانی گرم پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کردیگا
اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا
انتڑیاں ان کی اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ جو کان رکھتے ہیں طرف تیری یہاں تک کہ جب باہر نکلتے ہیں

۱۶۔**اٰسن** ایسا پانی جوسخت بدبودار ہو جائے۔**امعاء مَعَی** واحد ۔ انتڑیاں۔

اس آیت میں بیان فرمایا کہ جب مومن اور کافر کے اعمال میں واضح فرق ہے تو ان کے انجام اوراجر میں بھی نمایاں فرق ہوگا فرمایا متقین ان جنتوں کے وارث ہوں گے جن کا ان سے وعدہ کیاجاتاتھا۔مثل الجنۃ کہہ کر بتادیا کہ جنت کی کیفیت تمثیل کے طور پر بتائی جارہی ہے ۔ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیاجاسکتا۔ جنت میں چارقسم کی نہروں کا ذکر فرمایا۔ پہلی قسم کی نہریں شفاف و شیریں اورلطیف پانیوں کی نہریں ہوں گی جن میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوگی۔ اس پانی کا رنگ و بو اور ذائقہ کبھی نہیں بگڑے گا۔دوسری قسم کی ،دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزا کبھی متغیر نہیں ہوگا۔تیسری قسم کی نہریں شراب طہور کی ہوں گی۔ یہ شراب پینے والوں کے لئے نہایت لذید اور مفرح ہوگی ۔ اس میں دنیا کی شراب کی طرح سرگرانی، تلخی ، بو اور نشہ وغیرہ نہیں ہوگا۔ گویا تمام عیوب سے پاک ہوگی۔ چوتھی قسم کی نہریں شہد مصفّٰی کی ہوں گی جن میں کوئی کثافت نہیں ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلامی اصول کی فلاسفی (صفحہ ۹۷،۹۸) میں تحریر فرماتے ہیں کہ" وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیرخوار بچہ کی طرح روحانی طور پر پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دے گا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیامیں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتاہے اور اب بہشت میں ظاہر ظاہر اس کی نہریں نظر آئیں گی اور وہ حلاوت ِایمانی کا شہد جو دنیا میں

مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا
پاس سے تیرے کہتے ہیں ان لوگوں کو جو دیئے گئے علم کیا کہا تھا اس نے ابھی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۷﴾
یہ وہ لوگ ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے دلوں پر ان کے اور پیروی کی انہوں نے اپنی خواہشات کی

روحانی طور پر عارف کے منہ میں جاتا ہے وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دے گا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کر کے دکھلا دے گا اور خدا بھی اس دن بہشتیوں کے لئے حجابوں سے باہر آ جائے گا۔ غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی۔" ان نہروں کے علاوہ اہل جنت کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے ۔ ربّ کی طرف سے مغفرت محض گناہوں سے معافی نہیں کیونکہ مغفرت کے بعد ہی جنت میں داخل ہوئے ۔ یہاں مغفرت سے مراد اللہ کا راضی ہونا، اس کا دیدار اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے خاص قرب کا تعلق ہے جو اہل جنت کو نصیب ہوگا۔ کیا یہ اللہ کے مقرب بندے اس جیسے ہو سکتے ہیں جو آگ میں لمبا عرصہ تک رہنے والا ہو اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے۔

۱۷۔ **اٰنفا**۔ انف ناک کو کہتے ہیں ۔کسی چیز کی انف اس کی ابتدا کو بھی کہتے ہیں ۔مراد ابھی ابھی ہے ۔

آیت ۱۵ میں مومن او رکافر کے اعمال کا ذکر تھا آیت ۱۶ میں ان کے نیک اور بد انجام کا بیان تھا۔ اس آیت میں منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے آیت ۱۵ والے کفار کی طرح نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور ہدایت سے محروم رہے۔ یہاں ان کی گستاخیوں کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ جب وہ تیری مجالس میں آتے ہیں تو بظاہر تیری باتیں سنتے ہیں لیکن جب وہ تیرے پاس سے چلے جاتے ہیں تو صاحب علم صحابہ سے بطور تمسخر پوچھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ابھی کیا کہا تھا ۔ ایسا اس وجہ سے نہیں کہ انہیں رسول کی باتیں سمجھ نہیں آتیں بلکہ رسول کی باتیں سننا اور ان پر عمل کرنا چاہتے ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی مادی خواہشات کے غلام تھے جبکہ رسول کی پاک تعلیم ان کی ناجائز خواہشات کی تکمیل میں مانع تھی۔ یہ ایسے بدبخت لوگ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جبکہ صحابہ کرامؓ وہ خوش نصیب انسان تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے ہر پھول کو چنا اور جھولیاں بھر بھر کر امت کو فیضیاب کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت کی بات سننے کو تیار ہی نہ ہوں ان کے دل کس طرح

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۸﴾
اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی اس نے زیادہ کر دیا انکو ہدایت میں اور دی ان کو پرہیزگاری ان کی

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ
پس نہیں وہ انتظار کرتے مگر قیامت کا یہ کہ آئے ان کے پاس اچانک پس یقیناً آگئی ہیں

اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۹﴾ فَاعْلَمْ
نشانیاں اس کی پس کیونکر ہو گی ان کے لیے جب آجائے گی وہ (قیامت) انکے پاس نصیحت انکی پس جان لے

ہدایت حاصل کر سکتے ہیں ۔ پس جب انہوں نے اپنے کانوں پر پردے چڑھا لئے تو ان کے دل بھی ہدایت سے محروم ہو گئے اور ان پر مہر لگ گئی۔ میری عاجزانہ رائے میں جو لوگ خلیفہ وقت کے خطبات اور نصائح پر غور نہیں کرتے وہ بھی کسی حد تک اس وعید کے نیچے آتے ہیں اور خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت سے محروم نہ کر دے۔ پس انہیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

۱۸۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک مجالس سے جنہوں نے علم وعرفان کے خزانوں سے اپنی جھولیاں بھریں اور ہدایت پائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرام کو ہدایت میں اور بڑھا دیا یعنی ان کے علم و بصیرت میں مزید اضافہ کیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا کیا گویا جتنا وہ ہدایت میں ترقی کرتے گئے اتنا تقویٰ میں بھی بڑھتے چلے گئے۔

۱۹۔ **اشراطها**۔ شرط علامت کو کہا جاتا ہے ۔**اشراط الساعت** ۔ ساعت کی علامات ہیں۔(مفردات)

کفار و مشرکین کے واصل جہنم ہونے کے ذکر پر وہ طنزاً کہتے کہ اب قیامت کو لے بھی آؤ جس سے ڈراتے رہتے ہو۔ یہاں بتلایا کہ بیشک قیامت دنیا کے اختتام پر آئے گی لیکن تمہارے لئے ایک اور قیامت آنے کو ہے گویا یہاں ساعت سے مراد قیامت وسطیٰ یا ان مخالفین کی تباہی کی گھڑی ہے جس کا ذکر اس سورۃ میں ہے۔ گویا یہ وہ قیامت ہوگی جس میں روحانی مردے زندہ کئے جائیں گے ۔ فرمایا اس کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں۔ سب سے بڑی علامت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل جائیں۔ جیسا کہ سورۃ الانفال ۸:۳۴ میں فرمایا کہ اللہ ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے جبکہ تو ان میں موجود ہو۔ نیز توریت میں بھی آپ ﷺ کی ہجرت کا ذکر ہے۔(یسعیاہ نبی باب ۱ آیت ۳۰) اس کی ایک نشانی چاند کا پھٹ جانا بھی تھا۔ جیسا کہ سورۃ القمر :۲ میں فرمایا کہ جب وہ ان کے پاس آ جائے گی تو ان کا نصیحت پکڑنا ان کے کس کام آئے گا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ جب ان کا اپنا ذکر آتا ہے یعنی ان کی اپنی تباہی کا ذکر تو انہیں کیا ہو جاتا ہے۔

اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ

کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بخشش مانگ اپنے گناہ کے لیے اور مومن مردوں اور

الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَکُمۡ وَمَثۡوٰىکُمۡ ﴿۲۰﴾ وَیَقُوۡلُ ع ۸ ۶

مومن عورتوں کے لیے اور اللہ جانتا ہے لوٹنے کی جگہ تمہاری اور ٹھکانا تمہارا اور کہتے ہیں

۲۰۔ ساعت کے ذکر میں رکوع کی اس آخری آیت میں قربِ الٰہی کی راہیں بتائیں جو **لاالٰـہ الّا اللّٰـہ** کو زبان سے ادا کرنا اور اس پر عمل کرنا، اپنے اور دیگر مومنوں اور مومنات کے لئے بخشش طلب کرنا ہے۔ فرمایا **فاعلم** تو جان لے۔ آپ ﷺ تو پہلے ہی جانتے تھے اور آپ ﷺ کو توحید پر یقین کامل تھا۔ یہ تاکید فرمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز کی باربار تاکید فرمائی نیز قرآن کریم میں اکثر مخاطب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں جبکہ اصل خطاب امت سے ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت کی تفسیر میں **لاالٰـہ الّا اللّٰـہ** کی نہایت لطیف تشریح کی فرمایا!'' توحید کا ابتدائی مرحلہ اور مقام تو یہ ہے کہ اللہ کے قول کے خلاف کوئی امر انسان سے سرزد نہ ہو اور کوئی فعل اس کا اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہ ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں محو اور فنا ہوجائے۔ اس واسطے اس کے معنی یہ ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ یعنی اللہ کے سوا نہ کوئی میرا معبود ہے اور نہ کوئی میرا محبوب اور نہ کوئی واجب الاطاعت ہے۔'' نیز فرمایا'' توحید تب ہی پوری ہوتی ہے کہ کل مرادوں کا معطی اور تمام امراض کا چارہ اور مداوا وہی ذات واحد ہو۔ **لاالٰـہ الّا اللّٰـہ** کے معنی یہی ہیں۔'' آپ تحریر فرماتے ہیں کہ'' **الٰــــہ** کے معنی ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے گویا اسلام کی یہ اصل ،محبت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے ۔ یادرکھو جو توحید بدوں محبت کے ہو وہ ناقص اور ادھوری ہے۔'' غرض لا میں ہر اس بُت کی نفی ہے جو انسان نے اپنے دل میں سجا رکھا ہے فرمایا!'' ایک شخص بالکل اسباب ہی پر توکل کرتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا بت ہے۔۔۔۔۔۔۔ جو شخص اپنے بھائی کا حق مارتا ہے یا خیانت کرتا ہے یا دوسری قسم کی بدیوں سے باز نہیں آتا، میں یقین نہیں کرتا کہ وہ توحید کا ماننے والا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کو پاتے ہی انسان میں ایک خارق عادت تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس میں بغض ، کینہ حسد، ریا وغیرہ کے بت نہیں رہتے اور خدا تعالیٰ سے اس کا قرب ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی اسی وقت ہوتی ہے اور اسی وقت وہ سچا موحد بنتا ہے جب یہ اندرونی بت تکبر، خودپسندی ، ریاکاری ، کینہ وعداوت ، حسدو بخل ، نفاق و بدعہدی وغیرہ کے دور ہوجاویں ۔ جب تک یہ بت اندر ہی ہیں اس وقت تک **لاالٰہ الّا اللّٰہ** کہنے میں کیونکر سچا ٹھہر سکتا ہے کیونکہ اس میں توکل کی نفی مقصود ہے۔ پس یہ پکی بات ہے کہ صرف منہ سے

کہہ دینا کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ ابھی منہ سے کلمہ پڑھتا ہے اور ابھی کوئی امر ذرا مخالف مزاج ہو اور غصہ اور غضب کو خدا بنالیا۔'' (شرکِ خفی کی تفصیل نحل :۵۲ میں بھی گزری ہے استفادہ فرمائیے) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں کہ'' ذنب اور جرم میں فرق ہے۔ جرم کا لفظ تو ہمیشہ گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کے لئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کے لئے بھی آتا ہے پس ذنب وہ بشری کمزوری ہے جو عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں۔

غفر کے لفظی معنی دبانے اور ڈھانپنے کے ہیں عوام کے لئے یہی معنی ہیں کہ جو گناہ ان سے صادر ہوچکا ہے اسے ڈھانپ دے۔ اس کے بدنتائج سے محفوظ رکھے اور ان کی پردہ پوشی فرمائے۔ وہ استغفار کے ذریعہ گناہوں سے بچنے کے لئے قوت طلب کرتے ہیں کہ آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ انبیاء گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ''معصوم کے لئے اوّل علامت یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے اور ہر آن اور ہر حالت میں وہ بشریت کی کمزوری سے محفوظ رہنے کے لئے اور روحانی ترقیات کے لئے اللہ تعالیٰ سے طاقت طلب کرتا رہے۔ جس کو دوسرے الفاظ میں استغفار کہتے ہیں۔'' نیز انبیاء اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تصور کرکے استغفار کرتے ہیں کہ شکر کا حق ادا نہیں کرسکتے۔ (تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد چہارم صفحہ ۱۸۵ تا ۲۰۳ سے استفادہ کیا گیا۔ الحکم اور بدر کے اقتسابات ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں استغفار کرتا ہوں دن میں سو بار دوسری جگہ ستر بار ہے (مسلم۔ بروایت اعزّ مذنیؓ) پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب فرمایا کہ اپنی بشری کمزوریوں کے لئے بخشش طلب کر۔ نیز اپنے استغفار میں کل مومنوں اور مومنات کو شامل رکھ اور ان کے لئے بخشش طلب کر۔

متقلّبکم اور مثوٰکم کثیر المعانی الفاظ ہیں۔ لفظی معنی تمہارے چلنے پھرنے کی جگہ اور ٹھہرنے کی جگہ کے ہیں ۔ بطور پیشگوئی ان سفری ٹھکانوں اور مستقل ٹھکانوں کی طرف اشارہ ہے جب بڑی بڑی مہمیں درپیش ہوں گی۔ سفری ٹھکانوں پر ٹھہرتے ہوئے دور دراز ملکوں کی طرف کوچ کروگے۔ ان ملکوں میں بہتوں کا قیام مستقل بھی ہوجائے گا جیسا کہ بعد میں ایسا ہی ہوا اور بہت سے صحابہ نے وہاں نظم ونسق اور تبلیغ دین کے لئے مستقل قیام فرمایا۔ توحید اور استغفار کی تلقین کے بعد یہ حصہ لاکر واضح کردیا کہ تمہارے جہاد کی غرض بندگان خدا کو توحید پر قائم کرنا اور محکوم بندوں کی کوتاہیوں سے سرف نظر کرنا ہو۔ جیسا کہ اس سورۃ میں یہ مضمون جاری ہے ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں !یہ عام دنیا کا سفر نہیں بلکہ ان الفاظ میں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
وہ لوگ جو ایمان لائے کیوں نہیں اُتاری گئی کوئی سورت پس جب اُتاری جائے گی کوئی سورت

مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
محکم اور ذکر کیا جائیگا اس میں لڑائی کا تو دیکھے گا ان لوگوں کو کہ دلوں میں جن کے

مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ
بیماری ہے دیکھتے ہیں وہ طرف تیری دیکھنا بے ہوش کا موت سے

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝٢١ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ
پس لائق تھا ان کیلئے فرمانبرداری اور بات مناسب پس جب پختہ ہو جائے

الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝٢٢ فَهَلْ
بات تو اگر سچ بولیں اللہ سے تو ہو بہتر ان کے لیے پس کیا

مومنین و مومنات کی دو روحانی حالتیں بیان کی گئی ہیں کہ کچھ تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور روحانی مائدہ سے مستفیض ہوتے لیکن الگ ہوتے تو پھر پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتے جبکہ دوسرے صحابہ کرام کو ثبات حاصل تھا ان کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑائے۔ بخشش کی دعا دونوں کے لئے کر۔ دنیوی جدوجہد اور آخروی ٹھکانہ بھی مراد ہوسکتے ہیں جن کے لئے توحید پر قائم ہونے اور استغفار کی ہمہ وقت ضرورت ہے۔

۲۱۔۲۲۔**مغشیّ**۔غشی کے معنی ڈھانکنے کے ہیں۔اسی سے مغشی ہے۔بے ہوشی۔اولیٰ کلمہ تہدید اور تخویف ہے یعنی اس میں تنبیہ و سرزنش اور ڈرانا دھمکانا ہے۔مناسب اور بہتر کے معنی بھی دیتا ہے۔

تیسرے اور چوتھے رکوع میں منافقین کا ذکر ہے جو ایمان کی کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے جہاد سے ڈرتے تھے اور جہاد کی ضروریات کے لئے خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے تھے۔ جہاد کے موقع پر ان کی منافقت کھل کر سامنے آئی۔مومن ان صبر آزما حالات میں جب دیکھتے کہ کفار تلوار سے اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ بڑی بے چینی سے ایسی سورۃ کا انتظار کرتے تھے جس میں جہاد کی قطعی اجازت ہو۔بیشک جنگ کے تعلق میں آیات نازل ہوچکی تھیں لیکن ابھی واضح حکم نہیں آیا تھا۔فرمایا جب پختہ احکام والی سورۃ نازل ہوگی اور اس میں جنگ کا واضح ذکر کیا جائے گا تو تُو منافقین کو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف اس شخص کی طرح دیکھتے ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہوگئی ہو۔ابھی جہاد کا محکم حکم نہیں آیا تھا مگر منافقوں کی حالت یہ تھی گویا جہاد ایک موت ہے جس میں مومنوں کے ساتھ منافق بھی ہلاک ہوں گے اور ان پر گویا موت کی سی غشی طاری تھی۔

عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا
قریب ہو تم کہ اگر حاکم بنو تم کہ فساد کرو زمین میں اور توڑو

اَرْحَامَكُمْ ۝٢٣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ
رشتوں کو یہ وہ لوگ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے پس بہرہ کر دیا ان کو اور

اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝٢٤ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ
اندھا کر دیا آنکھوں کو ان کی کیا پس نہیں تدبر کرتے وہ قرآن میں یا کیا دلوں پر

اگر آیت اس جگہ ختم کی جائے تو اولیٰ لھم ہلاکت کے معنی میں ہوگا کہ ان کے لئے ہلاکت ہو۔ اور اگلی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ چاہئے تو یہ تھا کہ جب جنگ کے قطعی احکام مل چکے تھے تو جہاد میں حصہ لے کر خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرتے اور معروف بات کہتے یعنی ایسی مناسب بات جس سے دوسروں کے حوصلے بھی بلند ہوں۔اگر اولیٰ لھم اگلے فقرہ کے ساتھ ملایا جائے تو معنی یہ ہیں کہ ان کے لئے مناسب تھا کہ وہ اطاعت دکھائیں اور قول معروف کے پابند ہوں۔ **فاذاعزم الامر**۔ جب معاملہ پختہ ہوگیا۔ یعنی جہاد کا صریح حکم آ گیا اور جہاد ان پر فرض ہوگیا ہے اس وقت اگر اللہ سے کئے ہوئے عہد میں سچے نکلتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اللہ سے کیا ہوا عہد رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے گویا اب اپنا کچھ بھی نہیں رہا سبھی کچھ خدا اور رسول کا ہوگیا۔

۲۳۔۲۴۔**تولیتم**۔تم نے پیٹھ پھیری۔تم حاکم ہوئے۔

جنگوں کی ابتدا میں ہی مجاہدین کو بطور پیشگوئی حکومت اور اقتدار کی بشارتیں دیں۔فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور اپنے رحمی رشتوں کو کاٹو۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اے گروہ منافقین اگر تم جہاد سے منہ موڑو گے یعنی جہاد میں شامل نہ ہوگے اور کفار سے مل جاؤ گے تو تمہاری یہ تمنا ہرگز پوری نہیں ہوگی کہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرسکو اور زمین میں فساد کرتے پھرو اور قطع رحمی کرو۔ تمہیں ہرگز اللہ تعالیٰ یہ توفیق نہیں دے گا۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ''میں جب یہ آیت پڑھتا ہوں یزید یاد آجاتا ہے۔'' (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۱) جو اقتدار سنبھالتے ہی فسادفی الارض اور قطع رحمی کا مرتکب ہوا یہانتکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ و قرابت کی بھی رعایت نہیں کی۔ فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی یعنی اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا۔ حضرت امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے ان سے یزید پر لعنت کرنے کی اجازت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

وہ لوگ جو ایمان لائے کیوں نہیں اُتاری گئی کوئی سورت پس جب اُتاری جائے گی کوئی سورت

مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

محکم اور ذکر کیا جائیگا اس میں لڑائی کا تو دیکھے گا ان لوگوں کو کہ دلوں میں جن کے

مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ

بیماری ہے دیکھتے ہیں وہ طرف تیری دیکھنا بے ہوش کا موت سے

فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۱﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ

پس لائق تھا ان کیلئے فرمانبرداری اور بات مناسب پس جب پختہ ہو جائے

الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۲﴾ فَهَلْ

بات تو اگر سچ بولیں اللہ سے تو ہو بہتر ان کے لیے پس کیا

مومنین و مومنات کی دو روحانی حالتیں بیان کی گئی ہیں کہ کچھ تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور روحانی مائدہ سے مستفیض ہوتے لیکن الگ ہوتے تو پھر پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتے جبکہ دوسرے صحابہ کرام کو ثبات حاصل تھا ان کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑائے۔ بخشش کی دعا دونوں کے لئے کر۔ دنیوی جدوجہد اور آخروی ٹھکانہ بھی مراد ہوسکتے ہیں جن کے لئے توحید پر قائم ہونے اور استغفار کی ہمہ وقت ضرورت ہے۔

۲۱۔۲۲۔**مغشیّ**۔ غشی کے معنی ڈھانکنے کے ہیں۔ اسی سے مغشی ہے۔ بے ہوشی۔ اولیٰ کلمہ تہدید اور تخویف ہے یعنی اس میں تنبیہ و سرزنش اور ڈرانا دھمکانا ہے۔ مناسب اور بہتر کے معنی بھی دیتا ہے۔

تیسرے اور چوتھے رکوع میں منافقین کا ذکر ہے جو ایمان کی کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے جہاد سے ڈرتے تھے اور جہاد کی ضروریات کے لئے خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے تھے۔ جہاد کے موقع پر ان کی منافقت کھل کر سامنے آئی۔ مومن ان صبر آزما حالات میں جب دیکھتے کہ کفار تلوار سے اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ بڑی بے چینی سے ایسی سورۃ کا انتظار کرتے تھے جس میں جہاد کی قطعی اجازت ہو۔ بیشک جنگ کے تعلق میں آیات نازل ہوچکی تھیں لیکن ابھی واضح حکم نہیں آیا تھا۔ فرمایا جب پختہ احکام والی سورۃ نازل ہوگی اور اس میں جنگ کا واضح ذکر کیا جائے گا تو تُو منافقین کو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف اس شخص کی طرح دیکھتے ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہوگئی ہو۔ ابھی جہاد کا محکم حکم نہیں آیا تھا مگر منافقوں کی حالت یہ تھی گویا جہاد ایک موت ہے جس میں مومنوں کے ساتھ منافق بھی ہلاک ہوں گے اور ان پر گویا موت کی سی غشی طاری تھی۔

عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا

قریب ہو تم کہ اگر حاکم بنو تم کہ فساد کرو زمین میں اور توڑو

اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۳﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ

رشتوں کو یہ وہ لوگ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے پس بہرہ کر دیا ان کو اور

اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۴﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ

اندھا کر دیا آنکھوں کو ان کی کیا پس نہیں تدبر کرتے وہ قرآن میں یا کیا دلوں پر

اگر آیت اس جگہ ختم کی جائے تو اولیٰ لھم ہلاکت کے معنی میں ہوگا کہ ان کے لئے ہلاکت ہو۔ اور اگلی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ چاہئے تو یہ تھا کہ جب جنگ کے قطعی احکام مل چکے تھے تو جہاد میں حصہ لے کر خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرتے اور معروف بات کہتے یعنی ایسی مناسب بات جس سے دوسروں کے حوصلے بھی بلند ہوں۔ اگر اولیٰ لھم اگلے فقرہ کے ساتھ ملایا جائے تو معنی یہ ہیں کہ ان کے لئے مناسب تھا کہ وہ اطاعت دکھائیں اور قول معروف کے پابند ہوں۔ **فاذا عزم الامر**۔ جب معاملہ پختہ ہوگیا۔ یعنی جہاد کا صریح حکم آ گیا اور جہاد ان پر فرض ہوگیا ہے اس وقت اگر اللہ سے کئے ہوئے عہد میں سچے نکلتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اللہ سے کیا ہوا عہد رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے گویا اب اپنا کچھ بھی نہیں رہا سبھی کچھ خدا اور رسول کا ہوگیا۔

۲۳۔۲۴۔**تولیتم**۔ تم نے پیٹھ پھیری۔ تم حاکم ہوئے۔

جنگوں کی ابتدا میں ہی مجاہدین کو بطور پیشگوئی حکومت اور اقتدار کی بشارتیں دیں۔ فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور اپنے رحمی رشتوں کو کاٹو۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اے گروہ منافقین اگر تم جہاد سے منہ موڑو گے یعنی جہاد میں شامل نہ ہوگے اور کفار سے مل جاؤ گے تو تمہاری یہ تمنا ہرگز پوری نہیں ہوگی کہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرسکو اور زمین میں فساد کرتے پھرو اور قطع رحمی کرو۔ تمہیں ہرگز اللہ تعالیٰ یہ توفیق نہیں دے گا۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ''میں جب یہ آیت پڑھتا ہوں یزید یاد آجاتا ہے۔'' (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۱) جو اقتدار سنبھالتے ہی فساد فی الارض اور قطع رحمی کا مرتکب ہوا یہانتک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ و قرابت کی بھی رعایت نہیں کی۔ فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی یعنی اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا۔ حضرت امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے ان سے یزید پر لعنت کرنے کی اجازت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔

صاحبزادے نے عرض کیا کہ میں نے تو قرآن کو پورا پڑھا اس میں کہیں یزید پر لعنت نہیں آئی۔ آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ یزید سے زیادہ کون قطع ارحام کا مرتکب ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ قرابت کی بھی رعایت نہیں کی، مگر جمہور امت کے نزدیک کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ۔ جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو۔ ان کا بہرہ ہونا ہدایت کی باتیں سننے سے محروم ہونا ہے۔گویا وہ انہیں سنائی نہیں دیتیں ان کی باطنی آنکھیں راہ حق کو دیکھنے کے معاملہ میں اندھی ہیں۔عربی زبان میں رحم کا لفظ قرابت اور رشتہ داری کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔ تمام دور اور نزدیک کے رشتہ داروں کے لئے ذوی الارحام آتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے ۔ جتنا قریبی رشتہ دار ہوگا اس کا حق اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اس سے قطع رحمی اتنا ہی بڑا گناہ ہوگا ۔صلہ رحمی قریبیوں اور رشتہ داروں سے حتی الوسع حُسن سلوک کرنا ہے۔جبکہ قطع رحمی ان کے حقوق ادا نہ کرنا، ان سے اچھا سلوک نہ کرنا یا تعلق توڑنا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا کون زیادہ حق دار ہے آپ ﷺ نے فرمایا! تیری ماں ۔پھر اس نے پوچھا پھر کون؟آپ ﷺ نے فرمایا! تیری ماں۔اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تیری ماں۔اس نے چوتھی بار پوچھا ۔پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ماں کے بعد تیرا باپ تیرے حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے ۔پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ دار۔ (بخاری کتاب الادب باب من احسن الناس بحسن الصحبۃ) حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کی عمر لمبی ہو اور رزق میں فراخی ہو (دوسری جگہ یہ بھی ہے کہ اس کا ذکر خیر زیادہ ہو) تو اسے چاہیئے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے اور صلہ رحمی کی عادت ڈالے یعنی اپنے عزیز و اقارب سے بنا کر رکھے ۔ (مسند احمد صفحہ ۳/۲۶۶) صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔(ابن کثیر) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے قریب کرے گا اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قطع کرے گا۔ (بخاری)

اَقْفَالُهَا ﴿۲۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

قفل ہیں اُنکے — یقیناً — وہ لوگ جو — پھر گئے — اپنی — پیٹھوں پر — بعد

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى

اسکے کر ظاہر ہوگئی — ان کے لیے — ہدایت — شیطان نے — دھوکہ دیا ہے انہیں — اور ڈھیل دلائی

لَهُمْ ﴿۲۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ

ان کیلئے — یہ — اس لیے ہے کہ — انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا اُسے — جو — اُتارا — اللہ نے

۲۵۔منافقین کا ذکر تھا جو جہاد کی سعادت سے محروم رہے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جنہیں کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی۔یہ وہی بدنصیب تھے جن کے دلوں پر ایسے تالے پڑے ہوئے تھے کہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم پر تدبر کی توفیق ہی نہ ہوئی۔اقفالھا میں اشارہ کیا کہ یہ قفل خدا نے نہیں لگائے یہ ان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ تھا کہ ان میں قرآنی تعلیم پر غور کرنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی۔یہ ہدایت سے محروم ہوگئے اور ان کے دلوں پر قفل لگ گئے۔

۲۶۔یہاں شیطان کی طرف دوکاموں کی نسبت کی گئی ہے اوّل تسویل جس کے معنی ٹھیک بنانا اور تزئین کے ہیں یعنی بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظر میں اچھا اور مزین کردے ۔ دوسرا املاء جس کے معنی مہلت دینے کے ہیں گویا طویل آرزوؤں میں الجھانا جو پوری ہونے والی نہیں۔ مراد جھوٹی امیدیں ہیں۔

منافق ایسے کمزور ایمان مسلمان تھے جن پر ہدایت کی راہیں خوب واضح اور روشن ہوچکی تھیں ۔ لیکن قرآن کریم پرعدم تدبر کے نتیجہ میں شیطان صفت کفار کے دھوکہ میں آگئے ۔ اگر قرآن کریم پر غور کرتے ، اس کے احکام کو سمجھتے اور ان پر عمل کرتے تو کبھی جہاد سے فرار اختیار نہ کرتے اور نہ کبھی ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹ سکتے تھے اور نہ ہی کفار کی جھوٹی امیدوں کے چکر میں پھنستے۔

کفار کا ان کے بُرے اعمال کو اچھا کرکے دکھانا یہ تھا کہ تمہارا ارتداد ایک بہت اچھا فعل ہے جس سے تم بہت سے فوائد حاصل کرسکتے ہو۔ جھوٹی امیدیں دلانا یہی تھا کہ مسلمانوں کے پاس نفری ہے نہ سامانِ حرب ۔ اپنی جان مال اور اولاد کو جنگ میں جھونک کر ان کے ساتھ تم بھی پسو گے جبکہ کفار کے ساتھ مل کر جان و مال اور اولاد ہرطرح محفوظ رہیں گے اور مسلمانوں پر غلبہ کی صورت میں دیگر کئی فوائد حاصل کرسکو گے۔

۲۷۔ایسا اس لئے ہوا کہ منافقین نے ان کفار سے خفیہ معاہدے کئے جو وحی الٰہی کو ناپسند

سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝۲۶

ضرور ہم اطاعت کرینگے تمہاری بعض باتوں میں اور اللہ جانتا ہے سرگوشی کو ان کی

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ

پس کیا حال ہوگا جب وفات دیں گے انہیں فرشتے ماریں گے چہروں پر ان کے اور

اَدْبَارَهُمْ ۝۲۷ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ

پیٹھوں پر ان کی یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جس نے ناراض کردیا اللہ کو اور

ع ۳ ۹ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۲۹ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

انہوں نے ناپسند کی رضامندی اس کی پس اس نے ضائع کردیئے اعمال انکے کیا گمان کیا ان لوگوں نے کہ

کرتے تھے۔منافقین اقرار ایمان اور گروہ مسلمین میں شامل ہونے کے باوجود کفار سے بلکہ یہود سے بھی خفیہ ساز باز کرتے رہے لیکن کھل کر کبھی سامنے نہ آئے۔مسلمانوں میں خود کو مسلمان ظاہر کرتے اور کفار میں کافر بنے رہتے اور ان سے خفیہ وعدے کرتے کہ بعض معاملات میں ہم تمہارے تابع فرمان ہیں یعنی بعض امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمہیں مدد دیں گے یا یہ کہ مسلمانوں کو جہاد سے روکیں گے۔بعض امور میں اس لئے کہا کیونکہ کُلی امور میں وہ کفار کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے ورنہ ان کی منافقت ظاہر ہوجاتی۔ پس اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے خفیہ ساز باز کرتے رہے۔انہوں نے یہ بات راز میں کہی لیکن اللہ تعالیٰ ان کے تمام رازوں سے واقف ہے اور ان سے پردہ اٹھانے پر قادر بھی ، جیسا کہ وحی الٰہی سے بعض امور پر آپ ﷺ کو مطلع بھی کردیا گیا۔

۲۸۔۲۹۔ **سخطَ** ۔ وہ غصہ ہوا۔ منافقین دنیا میں تو رسول ﷺ کو دھوکا دینے میں کسی حد تک کامیاب ہوئے اور اپنی تدابیر اور کفار سے ساز باز کرکے جنگ کے خطرات سے بچ گئے لیکن بوقتِ موت فرشتوں کی مار سے کیونکر بچیں گے جب وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگائیں گے۔ گویا ان کا عذاب موت کے ساتھ ہی شروع ہوجائے گا۔یہ اس اخروی عذاب سے الگ ہوگا جو یوم آخرت میں حساب کتاب کے بعد وارد کیاجائے گا۔خاص طور پر مونہوں اور پیٹھوں پر ضربیں لگانے کی وجہ ان کا جہاد سے منہ موڑنا اور پیٹھ پھیرنا تھا۔

اس عذاب کی دو وجوہ بیان فرمائیں اوّل یہ کہ انہوں نے ایسا طریق اختیار کیا جس نے اللہ کو ناراض کردیا۔ اللہ کو منافقت ناپسند تھی انہوں نے منافقت کی اتباع کی ۔ جہاد میں حیلے بہانے کئے اور درپردہ کافروں کی مدد کی ۔ان حرکات نے اللہ کے غضب کو بھڑکایا۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو ناپسند کیا اللہ کی رضا اسی میں تھی کہ رسول کی اطاعت کرتے اور جان و مال سے جہاد میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝۳۰ وَلَوْ

دلوں میں جن کے بیماری ہے کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ کینوں کو ان کے اور اگر

نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ

ہم چاہیں تو دکھائیں ہم تجھے وہ لوگ پس ضرور پہچان لے تو انہیں علامت سے ان کی اور ضرور ضرور تو پہچان لے گا

فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۱ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

انہیں طرز میں بات کی اور اللہ جانتا ہے کام تمہارے اور ضرور ضرور آزمائیں گے ہم تم کو

حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا

یہاں تک کہ ظاہر کردیں ہم جہاد کرنیوالوں کو تم میں سے اور صبر کرنے والوں کو اور ہم آزمائیں گے

حصہ لے کر دین کی مدد کرتے۔ لیکن ان کی منافقت اللہ کی رضا کے حصول میں بھی روک بنی رہتی۔ پس ان وجوہ کی بناپر ان کے اعمال ضائع ہوگئے۔

۳۰۔**اضغان** ۔ **ضِغن** کی جمع ہے جس کے معنی سخت کینہ کے ہیں ۔

منافقین زبان سے اسلام کے دعویدار تھے ،اور بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص و محبت اور وفاداری کا دم بھی بھرتے تھے مگر باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سخت کینہ اور عداوت رکھتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر یقین ہے تو انہوں نے کیسے سمجھ لیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے خفیہ راز اور باطنی کینوں کو لوگوں پر ظاہر نہیں کرے گا اور وہ اسی طرح منافقت کا لبادہ اوڑھے دندناتے پھریں گے۔

۳۱۔ **سیمَا**۔نشان ۔چہرہ۔ علامت۔اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات جو غفور الرحیم اور غنی ہے اسے اپنی بعض حکمتوں اور مصالح کے تحت اپنے خطاکار بندوں کی رسوائی بھی منظور نہیں تھی پس ان منافقین میں سے اکثر کی پردہ پوشی فرمائی۔عام مسلمان انہیں نہیں پہچانتے تھے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نورفراست سے اکثر کو پہچانتے مگر صَرف نظر فرماتے تھے اور حُسن ظن سے کام لیتے تھے تا اسلام میں یہی قانون رائج ہو کہ تمام امور کو ان کے ظاہر پر محمول کیاجائے ۔ باطنی حالات اور قلبی مضمرات کو علیم و خبیر خدا کے سپرد کیاجائے ۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کا اصل حال اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیتا۔ اس وقت تو ان کے چہروں سے انہیں صاف پہچان لیتا۔ ان کے لحن یعنی انداز گفتگو سے بھی تجھے ان کی پہچان ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یعنی تمہارے نیک اعمال کو جانتاہے اور تمہیں ان کے اجر سے نوازے گا اور اُن کے قبیح اعمال سے بھی واقف ہے اور انہیں ان کے جرائم کی یقیناً سزا دے گا۔

اگلی آیات میں بتایا کہ جب تک اللہ انہیں آزما نہ لیتا ان کی پردہ دری نہ کرتا۔

اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حالات تمہارے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ سے اللہ کی

وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ

اور مخالفت کی اس رسول کی بعد اس کے کہ ظاہر ہوگئی ان کے لیے ہدایت ہرگز نہیں

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْــــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ضرر پہنچا سکیں گے اللہ کو کچھ بھی اور ضرور وہ ضائع کردیگا اعمال ان کے اے لوگو جو

اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اُس رسول کی اور نہ برباد کرو اعمال اپنے

۳۲۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کے اعمال و افعال کو جانتا ہے۔ ابن کثیر اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہاں علم سے مراد ظہور و وقوع ہے یعنی جو چیز اللہ کے علم میں پہلے سے تھی اس کا وقوع و ظہور ہو کر واقعاتی علم ہوجائے۔ پس جہاد ہی وہ کسوٹی تھی جس سے مومن و منافق پرکھے گئے ورنہ جہاد سے قبل مومن اور منافق کا امتیاز ممکن نہ تھا۔ یہاں تک کہ جہاد کرنے والوں کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور صبر کرنے والوں کی ثابت قدمی اپنے کمال کو پہنچے اور ان کے نتائج ظاہر ہو کر انہیں دوسروں سے ممتاز کردیں۔ **اخبار کم** میں ان کی خبریں یا حالات ہیں یعنی حکم جہاد کے علاوہ دیگر احکام میں بھی تمہارے احوال کو پرکھ لیں۔

۳۳۔ منافقین کا ذکر تھا جن میں سے بعض کفر کی حد تک پہنچے ہوئے تھے یعنی علی الاعلان کفار سے مل کر لوگوں کو جہاد سے روکتے اور رسول کی مخالفت میں کھل کر سامنے آتے لہٰذا وہ کفار ہی کے زمرے میں شامل ہوں گے۔ حالانکہ قبل ازیں ہدایت ان پر خوب واضح ہوچکی تھی۔ ان کی یہ ساری منفی سرگرمیاں اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچاسکتیں بلکہ یہ اپنا ہی نقصان کریں گے اور ان کی ساری کوششیں اکارت جائیں گی یعنی رسول اور دین حق بہرحال غالب ہو کر رہے گا۔ اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ مخالفتِ رسول میں ان کی ساری سعی و کوشش ناکام ہوگی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کردے گا اور آخرت میں ان کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔

۳۴۔ یہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کو اکٹھا کیا اس لئے کہ رسول کی اطاعت ہی میں اللہ کی اطاعت ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق ادا نہیں کرسکتا اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ ہو۔

فرمایا اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اور منافقین کی طرح خدا و رسول کی مخالفت کرکے اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔ پس اطاعتِ خدا اور رسول، نیکیوں پر قائم رہنا اور

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ سے اللہ کی پھر مرگئے ایسے

هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى

حال میں کہ وہ کافر ہوں بس ہرگز نہ بخشے گا اللہ ان کے لیے پس نہ کمزور ہو اور (نہ) بلاؤ طرف

السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ

صلح کی اور تم غالب ہو اور اللہ ساتھ ہے تمہارے اور ہرگز نہیں کم دیگا تم کو

اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

کام (کا ثواب) تمہارے سوائے اسکے نہیں کہ زندگی ورلی کھیل اور غفلت ہے اور اگر تم ایمان لاؤ

گناہوں سے اجتناب ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ اگر ایک مومن بھی اطاعتِ خدا و رسول پر قائم نہیں ہوگا تو منافقین کی طرح اپنے اعمال کو ضائع کردے گا۔ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو سے یہ بھی مراد ہے کہ جو نیک عمل بھی شروع کرو اس پر مداومت اختیار کرو۔ سستی وغیرہ سے اسے ترک کرکے اپنے ثواب کو ضائع نہ کرو۔

۳۵۔ ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر معمولی تبدیلی سے اس آیت کی تکرار ہے۔ آیت ۳۳ والے منافقین کے تائب ہونے کی کچھ امید ہوسکتی تھی۔ یہاں ان منافقوں کا ذکر ہے جو حالتِ کفر میں مرگئے اور توبہ کی توفیق نہ ہوئی یہ کفر پر مصر رہے اور اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہے۔ جہاد سے روکنے والے عام کافر نہیں تھے بلکہ آئمہ کفر اور صاحبِ حیثیت لوگ تھے جو نہ صرف خود کفر کے مرتکب ہوئے بلکہ عوام کو زبردستی جہاد سے روکتے یہاں تک کہ انہیں لالچ دے کر بھی جہاد میں شامل ہونے سے روکتے۔ اللہ تعالیٰ ہرگز انہیں معاف نہیں کرے گا اور انہیں دنیا و آخرت میں سزا دے گا۔ اگر دنیا کے عذاب سے بچ بھی گئے تو آخرت میں عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

۳٦۔ **یتر**۔ وتر۔ طاق۔ تنہا۔ اعداد میں شفع کے خلاف ہے۔ کمی یا نقصان کے معنی میں آتا ہے۔

اسلام ایک امن پسند مذہب ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اور ہمیشہ صلح کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ جہاد میں بزدلوں کی طرح دب کر صلح کی طرح ڈالو جس کے نتیجہ میں دشمنوں کے حوصلے بلند ہوں اور وہ زیادہ دلیر ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں۔ ہاں اگر دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی ہے اور وہ کسی خاص مصلحت کے تحت صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیں تو مضائقہ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ نے نہایت

وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٧﴾ اِنْ

اور تقویٰ کرو دے گا تم کو اجر تمہارے اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے اگر

ناساز گار حالات میں انتہائی جرأت و بہادری سے اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کا منہ پھیرا۔ جنگ احد اور حنین میں آپ ﷺ تنہا دشمنوں میں گھرے کھڑے رہے اور آپ ﷺ کے پائے استقلال میں ہرگز لغزش نہ آئی۔ ایسے نامساعد حالات میں کس تحدی سے فرمایا کہ تم ہی غالب رہو گے اس لئے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ کفار اور منافقین کے لئے باربار فرمایا کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں گے جبکہ مجاہدین کے لئے فرمایا کہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ کم نہیں دیا جائے گا بلکہ بڑھ چڑھ کر دیا جائے گا یعنی تمہارا ربّ تمہیں ہرگز گھاٹے میں نہیں رکھے گا۔

٣٧۔ **اللّھو** ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے ہٹائے اور باز رکھے۔ گویا اس کے معنی کسی مقصد سے ہٹ کر بے سود کام میں لگ جانے کے ہیں۔(مفردات)

اموالکم ۔ جمیع اموالکم۔(بیضاوی ۔ روح البیان) یعنی تمہارے سارے اموال۔

مومنوں سے غلبہ کا وعدہ تھا جس کے نتیجہ میں ان پر دنیوی نعمتوں کے دروازے کھلنے والے تھے۔ پس انہیں ان کے اصل مقاصد کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ غلبہ کی صورت میں بیشک مال غنیمت اور دیگر دنیوی فوائد حاصل کرلوگے مگر یہ تمہارا مطمع نظر نہیں ہونا چاہیئے۔ پس اخروی دائمی نعمتوں والی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی یہ عارضی زندگی محض کھیل کود اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کا ایسا ذریعہ ہے جو تمہیں تمہارے مقاصدِ حقیقی سے ہرگز غافل نہ کردے۔ تمہارا مقام تو یہ ہے کہ تم مومن ہوتے ہوئے اپنے ایمان میں ترقی کرو اور تقویٰ کی باریک در باریک راہوں پر گامزن ہو جاؤ تو تمہارا ربّ تمہیں ہرگز گھاٹے میں نہیں رکھے گا ۔ وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا یعنی یہ تمہارے اعمال کے ہی نتائج ہوں گے جو اپنے فضل سے کئی گنا بڑھا کر عطا فرمائے گا۔ ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ اللہ تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرتا لیکن اموال کی قربانی تو ایمان کا حصہ ہے۔ جہاد کے موقع پر نیز دیگر ضروریات دینی کے لئے اکثر چندوں کی تحریک ہوتی رہی۔ پس مفسرین کے نزدیک اموالکم کے یہی معنی ہیں کہ وہ تم سے تمہارے سارے اموال کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ ایسی قربانی کے لئے صدیق اکبر کا مقام چاہیئے ۔ ہر مومن کو اس کی توفیق نہیں۔ اگلی آیت اس کی وضاحت کررہی ہے۔ قرآن کریم کا اصول بھی یہی ہے کہ اگر کوئی آیت بظاہر قرآن کریم کی عمومی تعلیم کے برعکس معلوم ہوتی ہو تو دیگر آیاتِ قرآنی کو سمجھنے کے بعد ایسی آیت کے معنی کرنے چاہئیں۔ شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کے متعلق

يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿٣٨﴾

مانگے تم سے وہ پھر پیچھے پڑے تمہارے تو بخل کروگے تم اور نکالے گا کینے تمہارے

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ

آگاہ ہوجاؤ تم ایسے لوگ ہو کہ بلائے جاتے ہو کہ خرچ کرو راہ میں اللہ کی پس بعض تم میں سے ایسے

مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۗ وَاللّٰهُ

ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کریگا تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ بخل کرتا ہے اپنے نفس سے اور اللہ

الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ تو بدلہ میں لائے گا ایک قوم

سنا کہ وہ محکمات اور متشابہات کے بارہ میں جھگڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ حالانکہ اللہ کی کتاب اس لئے اتری کہ اس کی ہر بات دوسری کی تصدیق کرے پس جو آیت دوسری کی تصدیق نہ کرے اس کے معنی بدلنے چاہئیں اور مطابقت پیدا کرنی چاہیئے۔ (درمنثور)

٣٨۔ **فیحفکم۔ یحف** ۔ اصل **یحفی** ہے ی گرگئی۔ بضد ہو کر مانگنا پیچھے پڑ جانا۔ اصرار کرنا۔ **اضغان** (آیت:٣٠)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا مال مانگنا اور اصرار سے مانگنا یہی تھا جیسا کہ آیت ٣٤ میں فرمایا کہ رسول ﷺ کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے ۔ گویا نبی ﷺ کا مانگنا اللہ کا مانگنا ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے اخراجات کے لئے مالی تحریک فرماتے جیسا کہ جنگ تبوک اور دیگر جنگوں میں آپ ﷺ کا طریق تھا۔ فرمایا اگر تم پر بڑا زور بھی دیا جاتا کہ جہاد کی ضروریات کے لئے خرچ کرو تو تم بخل کرتے۔ تمہارا بخل اس وجہ سے تھا کہ تمہارے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض اور کینہ بھرا تھا۔ فرمایا وہ تمہارے بغض باہر نکال دے گا۔ یعنی تمہارے بخل کی وجہ سے تمہارے اندرونی بغض ظاہر ہو جائیں گے خواہ تم انہیں چھپانے کی کتنی بھی کوشش کرو۔

٣٩۔ **امثالکم**۔ تمہاری مثل ۔ تم جیسے۔

اس سورۃ میں جہاد کے تعلق میں مومنوں اور منافقوں کا ذکر جاری تھا ۔ سورۃ کی اس آیت میں مومنوں اور منافقوں کو اکٹھا خطاب فرمایا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کو مومنوں سے الگ نہیں رکھا سوائے اس کے کہ وہ خود ہی جماعتِ مومنین سے الگ ہو جائیں اور کفار سے جاملیں ۔ فرمایا تمہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جارہی ہے تو تم بڑے خوش نصیب ہو اور تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس سعادت کے لئے تمہیں چنا کیونکہ اس

ع ۱۰ ۸ غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۹

سوائے تمہارے پھر نہ ہوں گے وہ مانند تمہاری

میں تمہاری اپنی ہی بھلائی ہے لیکن تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں ۔ یہ وہی منافق تھے جن کا ذکر بار بار آیا اور جو ہر قربانی کے موقع پر ٹال مٹول اور بہانے بازیاں کرتے تھے ۔عن نفسہٖ اپنے نفس کے خلاف۔ گویا بخل کرنے والا جانتا ہے کہ بخل میرے نفس کے خلاف ہے یعنی مجھے ثواب سے محروم کردے گا پھر بھی بخل کرتا ہے ۔ پس بخل کا نقصان اس کی اپنی ذات کو ہی پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی ذات غنی ہے اسے تمہارے اموال و طاعات کی حاجت نہیں جبکہ تم زندگی کے ہر قدم پر بلکہ ہر سانس میں اللہ کے محتاج ہو۔

فرمایا!اگر تم اسلام سے یا جہاد سے پھر جاؤ تو اللہ تعالیٰ کے کام بہرحال نہیں رُکیں گے۔ وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو کھڑا کردے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے یعنی جب ان سے دینی ضروریات کے لئے مالی قربانیوں کا مطالبہ کیاجائے گا تو وہ نہایت بشاشت سے اپنے اموال پیش کریں گے اور ہرگز خساست سے کام نہیں لیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ترمذی میں روایت ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن کے لانے کا یہاں ذکر ہے تو آپﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، یہ اور اس کی قوم ۔ پھر فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی ہو تو فارس کے کچھ لوگ اسے واپس لائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ جب سورۃ جمعہ نازل ہوئی تو صحابہ نے دریافت فرمایا یا رسول اللہﷺ یہ آخرین کون ہیں ؟اس پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی الفاظ میں جواب دیا۔یہ ایک لمبی حدیث ہے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ) پھر اس پیشگوئی کے عین مطابق مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی مسعود کے خدائی القابات کے ساتھ مبعوث ہوئے جو فارسی النسل تھے ۔ ایسے حالات میں جبکہ دین اسلام کو مالی قربانی کی اشد ضرورت تھی ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اُن کے متبعین نے مالی قربانیوں کی ایسی مثال قائم کی جو صرف صحابۂ رسول ہی میں ملتی ہے اور جانی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ۔"حقیقی غنی اللہ کی ذات ہے اور سراپا احتیاج انسان ۔ جو احتیاج میں ہے اس کے برابر کوئی ذلیل نہیں ۔ اسی لئے حکم ہے اسے، خدا کے حضور تذلّل کا ۔ پھر انسان اپنے وجود میں ، اپنے بقاء میں ، دفعِ امراض میں ، رنج و راحت، عسر و یسر، غرض ہر حالت میں اللہ کا محتاج ہے۔

پس اللہ کا نام انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ حقیقی معبود ، حقیقی مطاع حقیقی غنی وہی ذات ہے اور حقیقتاً محتاج ، حقیقتاً ذلیل ، حقیقتاً مطیع وہ انسان ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور جو اپنے بقا میں ہر آن اس کے فضل کا محتاج ہے۔ اس فضل کے جذب کے لئے اطاعت فرض ہے۔"

(بدر ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۔ صفحہ ۱۰)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ فتح ۔ یہ سورۃ مدنی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی تیس آیات اور چار رکوع ہیں

اس سورۃ کی فضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے ۔ صحیح بخاری میں ہے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پرآج کی رات ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے محبوب ہے یعنی سورۃ فتح۔ حصن حصین میں لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ سورۃ پڑھتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس نے میرے ساتھ صلح حدیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کی۔ یہ سورۃ حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی ۔ اس کا نام اس عظیم الشان فتح پر ہے جو اسلام کو صلح حدیبیہ میں حاصل ہوئی۔

سورۃ محمد کے بعد اس سورۃ میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پھر بیان فرمایا اور اس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی بلند مقام کا ذکر فرمایا۔

اس سورۃ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام حالات کا کچھ علم ہو جن حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔(احادیث میں بڑی تفصیل سے یہ واقعات بیان ہوئے ہیں(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ عن عروہ بن زبیرؓ) مختصر یہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رویا دیکھا کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کا طواف فرمایا۔ انبیاء کا رویا بمنزلہ وحی ہوتا ہے مگر رویا میں اس واقعہ کے لئے وقت کا تعین نہیں تھا یہ محض اجتہاد تھا کہ اس سال ہوگا۔ درحقیقت یہ رویا فتح مکہ کے موقع پر پورا ہونے والا تھا۔ آپ نے عمرہ کے لئے عام اعلان فرمایا مگر بادیہ نشینوں میں سے منافقین مختلف بہانے کرکے آپ ﷺ کے ہمراہ نہ گئے اس لئے کہ انہیں آپ ﷺ کے ساتھ جانے میں خطرات نظر آرہے تھے اور مال غنیمت کی امید بھی نہیں تھی۔غرض چھ(۶) ذی القعدہ میں آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کی جماعت لے کر عمرہ کی غرض سے روانہ ہوئے ۔ یہ مہینہ ان حرام مہینوں میں سے ایک ہے جو ہمیشہ سے عرب میں محترم سمجھے جاتے ہیں ۔ ایسے موقع پر زائرین کو ایک تلوار نیام میں رکھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام نے ایک ایک تلوار نیام میں رکھی اور مزید کوئی اسلحہ ساتھ نہ لیا۔ عرب دستور کے مطابق کوئی قبیلہ اپنے دشمن قبیلہ کو بھی حج یا عمرہ سے روک نہیں سکتا تھا۔ لیکن مکہ کے قریب پہنچنے پر آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ خالد بن ولید دوسو سواروں کے ساتھ آپ ﷺ کا راستہ روکنے کے لئے آرہا ہے۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع ملتے ہی فوراً راستہ بدلا اور ایک دشوار گزار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے

مقام پر پہنچ گئے جو مکہ سے تیرہ(۱۳) میل کے فاصلہ پر اس جگہ واقع ہے جہاں سے حدودِ حرم شروع ہوتی ہیں۔ قریش مکہ نے کئی سرداروں کو بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو واپس جانے پر آمادہ کریں لیکن وہ یہ دیکھ کر کہ آپ ﷺ کا ارادہ محض عمرہ کا ہے واپس لوٹ گئے۔ پھر قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی بطور نمائندہ آیا اور آپ ﷺ سے بات کی لیکن ناکام لوٹا۔ آنخضرت ﷺ کا جواب یہی تھا کہ ہم عمرہ اور زیارت کے لئے جارہے ہیں ۔ ہمارا ارادہ قتال کا نہیں ۔عروہ نے واپس جاکر قریش کو کہا میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں ۔خدا کی قسم میں نے اصحابِ محمد(ﷺ)کو جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)کا فدائی دیکھا ایسا منظر کسی بڑے سے بڑے دربار میں نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ محمد(ﷺ)وضو کرتے ہیں تو محمد(ﷺ) کے ساتھی ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے۔سب اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔غرض ایلچیوں کی آمد و رفت اور گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا۔ادھر قریش کے جنگجو بار بار کوشش کرتے کہ حضور ﷺ کے کیمپ پر چھاپہ مار کر صحابہ کو اشتعال دلائیں اور لڑائی کا بہانہ ہاتھ آئے مگر ہر مرتبہ صحابہ کی جواں مردی اور صبر و تحمل اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و فراست نے ان کی ساری تدبیروں کو ناکام بنادیا۔ ایک دفعہ پچاس کا دستہ تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کرتا حملہ آور ہوا۔ صحابہ نے سب کو گرفتار کرکے آپ ﷺ کے حضور پیش کیا۔آپ ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا۔ ایک موقع پر اسی(۸۰) ہتھیار بند جوانوں نے فجر کے وقت حملہ کیا یہ بھی گرفتار ہوئے اور ان کو بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا کیونکہ آپ ﷺ کی خواہش یہی تھی کہ خون خرابہ نہ ہو۔غرض قریش کی ساری تدبیریں ناکام ہوئیں۔آخر حضرت عثمانؓ کو آنخضرت ﷺ نے نمائندہ بنا کر بھیجا۔ کیونکہ اہل مکہ کے نزدیک آپ بہت محترم سمجھے جاتے تھے۔آپ نے بھی اسی بات کو دہرایا کہ زیارت کے لئے آئے ہیں۔ عمرہ کے بعد واپس چلے جائیں گے مگر وہ نہ مانے اور حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ جب تیسرے دن بھی حضرت عثمانؓ واپس نہ لوٹے تو یہ افواہ پھیلی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا گیا ہے۔آپ مکہ میں پرامن طور پر داخل ہونا چاہتے تھے لیکن سفیر کے قتل کی خبر نے حالات کو بدل دیا اب مزید تحمل کی گنجائش نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ایک بڑے کیکر کے درخت کے نیچے بے سرو سامان صحابہ سے بیعت علی الموت لی یعنی یہ کہ ہم مرتے دم تک پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ یہی وہ بیعت ہے جو اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے ۔ مردوں کے لئے آنخضرت ﷺ کا بیعت کا طریق یہی تھا کہ وہ آنخضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر یقینی نہیں تھی اس لئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر بیعت فرمائی۔اس طرح حضرت عثمانؓ کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر آپ کو اس بیعت میں شریک ٹھہرایا اور اُن لازوال نعمتوں میں حضرت عثمان کو بھی شامل کیا جو اس بیعت کے شرکاء کو ملنے والی تھیں۔ یہ مقامِ عز وشرف آپ ﷺ کی وساطت سے امتیوں کو بھی نصیب ہوا کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ اور پاؤں قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہوجاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے ۔(صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر :۶۰۲۱)

اہل مکہ کو اس بیعت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو واپس بھیجا اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد صلح کی بات چیت کرنے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا۔ طویل گفت وشنید کے بعد درج ذیل شرائط پر ایک صلح نامہ لکھا گیا جو دس سال کے لئے تھا۔

ا۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ واپس جائیں ۔۲۔ اگلے سال حج یا عمرہ کے لئے آئیں تو تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔۳۔ مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے جو مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔ ۴۔ مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔ ۵۔قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہوجائیں۔

قریش نے ایسی کڑی شرائط پیش کیں جو بظاہر انہیں کے مفاد میں جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط کو باشاراتِ ربانی مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمایا۔ مسلمانوں پر یہ شدید آزمائش کا وقت تھا۔ وہ اس معاہدہ کو آنحضرت ﷺ کے وقار کے منافی سمجھتے تھے اور سخت مغموم تھے۔حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کو بھی اس بارے میں تذبذب تھا۔ان سے نہ رہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ ﷺ اللہ کے نبی برحق نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں ۔ ۔۔۔۔۔اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کی ۔تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں۔۔۔۔۔۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر فرمایا کہ عمر تم جانتے ہو آنحضرت ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے۔ اسی طرح واپسی میں اس سورۃ کے نزول پر جب صحابہ سخت غمزدہ تھے ۔ انہیں بتایا کہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ فتح مبین ہے۔ صحابہ نے اطاعتِ رسول کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا اور سرِ تسلیم خم کیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں مدتوں برابر صدقہ وخیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا تاکہ اللہ تعالیٰ اس گستاخی کو معاف فرمادے جو اس موقع پر ان سے شان رسالت میں ہوگئی تھی۔

جب حدیبیہ میں صلح نامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ سب لوگ اپنے جانوروں کی قربانی کردیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام کی غم سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی نہ اٹھا جس سے آنحضرت مغموم ہوئے اور حضرت ام سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور اپنے اس غم کا اظہار فرمایا۔ ام المومنین حضرت سلمہؓ نہایت زیرک اور صائب الرائے تھیں فرمایا کہ اس وقت صحابہ شدید صدمہ کی حالت میں ہیں آپ ﷺ خود قربانی کردیں اور حلق کروا کر احرام کھول دیں۔ آپ ﷺ نے ان کے مشورہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر عمل کیا ۔(صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۷۲۹) یہ دیکھتے ہی صحابہ قربانیاں کرنے لگے اور سب نے حلق کروا کر احرام کھول دئے اور واپسی کی تیاری شروع ہوگئی۔ بالآخر وہی شرائط جو اس وقت موجب ہتک معلوم ہوتی تھیں عظیم فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں ۔ اس صلح کے بعد پہلی دفعہ مسلمانوں کو جنگوں سے امن نصیب ہوا۔ آمدورفت کے لئے راستے محفوظ ہوئے ۔صحابہ نے اپنا پورا وقت اور قوت تبلیغ اسلام کے لئے وقف کردی۔ تمام بڑے بڑے حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے گئے اور صحابہ کرام بطور داعی الی اللہ اسلام کی تعلیم کو لے کر دور دور تک پھیل گئے ۔لوگوں سے میل ملاپ بڑھا، اسلام کی خوبیاں دلوں میں گھر کرنے لگیں اور لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ عرب کے مختلف وفود خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ شرائط کے تحت کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی پناہ میں نہیں آسکتا تھا آپ ﷺ اسے کفار کو واپس کرنے کے پابند تھے لہٰذا اہل مکہ میں سے جو اسلام قبول کرتے وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ساحل پر مقام عیص میں ڈیرہ ڈال لیتے وہاں ان کی اچھی خاصی بستی وجود میں آ گئی۔ کافر ہی مسلمان ہوکر

آتے رہے ایک مسلمان بھی کفر کی طرف نہیں لوٹا۔غرض خیبر اور دیگر بہت سی فتوحات کے بعد ۷ ہجری کو عمرۃ القضا ادا کیا۔یہ آنحضرت ﷺ کی فراست اور حکیمانہ سیاست کا نتیجہ تھا کہ بغیر کسی بڑے جنگ و جدل کے ۸ ہجری کو مکہ فتح ہوگیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۲﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ
یقیناً ہم نے فتح دی تجھے فتح کھلی کھلی تاکہ بخشش دے تیرے لیے اللہ جو پہلے ہو چکا

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ
قصور تیرا اور جو پیچھے ہوا اور پوری کریگا اپنی نعمت تجھ پر اور ہدایت دے تجھے

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۳﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۴﴾ هُوَ
راہ سیدھی کی اور مدد کرے گا تیری اللہ مدد غالب وہ ہے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے ولا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔پہلے رکوع میں بتایا کہ صلح حدیبیہ ایک فتح مبین ہے جو اسلام کے لئے عظیم کامیابیوں اور برکات کا موجب ہوگی۔اس سورت کو سمجھنے کے لئے اس کے دیباچہ پر ایک نظر ضرور ڈالئے۔ سورۃ محمد کے ساتھ سورۃ فتح کو رکھ کر بتلادیا کہ فتح محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ نصرتِ الٰہی آپ ﷺ کے ساتھ ہوگی اور آپ ﷺ اپنے ربّ کے فضل و احسان سے ہمیشہ غالب رہیں گے۔

اس سورۃ میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا ہے حالانکہ ظاہری نظر میں یہ فتح نہیں تھی۔ حضرت ابن عباس سمیت تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مبین تھی۔(بخاری و دیگر مستند احادیث) پس اسلام کی سب سے بڑی فتح یہی تھی جو صلح سے حاصل ہوئی اور بعد کے واقعات نے اس کا فتح مبین ہونا ثابت کردیا۔ اس کی برکت سے ملک میں امن و امان قائم ہوگیا تبلیغ اور تجارت کے لئے راستے کھل گئے۔مختلف سربراہانِ مملکت کو تبلیغی خطوط لکھے گئے ۔ اسلام کی صلح جُو تعلیم سے کفار کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے یہانتکہ حدیبیہ کو جاتے ہوئے چودہ سو اصحاب آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جب کہ ڈیڑھ سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار قدوسیوں کا جم غفیر آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔ نیز یہ فتح عظیم الشان فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ فتح خیبر اور دیگر بہت سی فتوحات کے علاوہ صرف ڈیڑھ سال بعد بغیر کسی خاص مزاحمت کے مکہ فتح ہوگیا۔

۳۔۴۔ **ذنب** کی تشریح (سورۃ محمد : ۲۰ میں) گزر چکی ہے۔استفادہ فرمائیے **ذنبک**۔ نبی کا ذنب بشری کمزوری ہے یا یہ کہ وہ **ذنوب** جو دشمنان اسلام آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ورنہ ایک فتح کے نتیجہ میں گناہوں کی معافی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

فرمایا اس فتح مبین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اپنی چار نعمتوں کا نزول فرمائے گا۔ غفر ذنب۔ اتمام نعمت ۔ ہدایت اور نصرت الٰہی ۔پس اس صلح کے نتیجہ میں سب سے پہلے ان الزامات کا قطعی رد ہوا جو دشمنانِ رسول آپ ﷺ کی ذات مطہر کی طرف منسوب کرتے تھے ۔اس صلح کے بعد مسلمانوں اور کفار کے باہمی تعلقات بڑھے، آپس کی غلط فہمیاں دُور ہوئیں ۔ اصل حقیقت سے آ گہی ہوئی اور ان پر اسلام کی خوبیاں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق ظاہر ہوئے اور وہ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے ۔ماتقدم سے مراد وہ ذنوب ہیں جو آپ ﷺ کے متعلق مشتہر ہو چکے تھے اور جنہیں فتح مبین نے کالعدم ثابت کیا ماتاخر سے مراد وہ الزامات ہیں جو آپ ﷺ کے بعد لگائے جانے والے تھے ۔ جیسا کہ اس دور میں یہود و نصاریٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر بے بنیاد الزامات لگائے اور امت کے دلوں کو چھلنی کیا۔ تآنکہ آپ ﷺ کے مہدی اور اس کی جماعت نے آپ ﷺ کی ذات مطہر کو ان الزامات سے پاک ثابت کیا۔یہ الزامات اب بھی جاری ہیں اور جماعت احمدیہ کی طرف سے ان کے رد میں کتابیں لکھی جارہی ہیں اور MTA پر بھی دندان شکن جواب دئے جارہے ہیں۔

قرآن کریم میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوتا ہے تو مراد عموماً امت ہوتی ہے نیز قرآن پاک میں جب بھی فتح کا ذکر آیا ساتھ ہی مغفرت طلب کرنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ سورۃ النصر اور دیگر کئی مقامات میں ہے۔پس یہ معنی بھی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب فتوحات کے دروازے کھلیں گے تو بعض مومنوں کی کمزوریاں ظاہر ہوں گی۔ ان کے لئے دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ان کی پردہ پوشی فرمائے اور ان کی اگلی اور پچھلی کمزوریوں کو ڈھانپے رکھے اور تجھ پر اپنی نعمتوں کو کمال تک پہنچائے ۔اتمام نعمت میں بادشاہت اور نبوت دونوں کا فیضان شامل ہے۔ نیز فتح مبین کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ صراط مستقیم تو آپ ﷺ کو ہمیشہ سے نصیب تھی پھر بھی آپ ﷺ سب مومنوں کی طرح ہر رکعت میں اھدنا الصراط المستقیم ○ کی دعا مانگتے۔اس لئے کہ ہدایت کے درجات لامتناہی ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی کی راہیں ہیں۔ نصرت الٰہی بھی آپ ﷺ کو ہر موقع پر عطا ہوئی مگر صلح حدیبیہ کے بعد جس طرح فتوحات نصیب ہوئیں اور مکہ فتح ہوا وہ اللہ کی طرف سے ایک عزت اور غلبے والی نصرت تھی۔

۵۔قریش کی تمام شرائط کا جو بظاہر انہیں کے حق میں تھیں ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبول کرلینا اصحاب رسول پر سخت شاق گزراتھا۔ وہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث توہین سمجھتے تھے اور سخت مغموم تھے تاہم اطاعت رسول پر قائم رہے۔غرض غمزدہ دلوں کے ساتھ

اَلَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا
جس نے آتاری سکینت دلوں میں مومنوں کے تاکہ وہ بڑھ جائیں
اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ
ایمان میں ساتھ اپنے ایمان کے اور اللہ ہی کے لشکر ہیں آسمانوں اور زمین کے اور
كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
ہے اللہ بہت جاننے والا بہت حکمت والا تاکہ داخل کرے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ
باغات میں بہتی ہیں نیچے جن کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں ان میں اور دور کریگا
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ۶
ان سے بدیاں ان کی اور ہے یہ نزدیک اللہ کے کامیابی بڑی

واپسی کا سفر شروع ہوا۔ابھی مکہ سے دور نہیں گئے تھے کہ اس پوری سورۃ کا نزول ہوا جو مومنوں کے لئے سکینت قلب کا باعث ہوئی اور ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔یہ سکینت ازدیاد ایمان کا موجب ثابت ہوئی اور وہ بشاشتِ قلب کے ساتھ اللہ کی رضا پر راضی ہوگئے ۔

فرمایا آسمانوں اور زمین میں فرشتوں کے لشکر اللہ ہی کی ملکیت ہیں گویا ان فرشتوں نے وہ کام کئے جو چودہ سو زائرین کا گروہ ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ اگر فرشتے کفار کے دلوں میں رعب پیدا نہ کرتے تو ان کے لئے ان زائرین کو کچلنا کچھ مشکل نہیں تھا جو خود دشمن کے پاس پہنچ گئے تھے۔ پھر مومنوں کو اطاعتِ رسول پر قائم رکھنا اور اس گھبراہٹ کے وقت ان کے دلوں میں سکینت پیدا کرنا بھی بحکم الٰہی ملائکہ ہی کا کام تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کی بنا پر ہوا اگرچہ یہ حکمت اکثر صحابہ پر مخفی تھی۔

۶۔ فرمایا ازدیادِ ایمان کا نتیجہ حصولِ جنت اور گناہوں سے پاک ہونا ہے۔فتح مبین کے نتیجہ میں جہاں دنیوی انعامات کی خوشخبریاں دیں وہاں اخروی دائمی انعامات کی بشارتیں بھی دیں جو ایسی جنتوں کا حصول ہے جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔اس سفر میں عورتیں ہمراہ نہیں تھیں سوائے حضرت ام سلمہؓ کے۔مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ بشارت صرف ان لوگوں کے لئے نہیں جو اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے بلکہ کل امت کے لئے جنت کی خوشخبری ہے جو شدید مصائب میں بھی اطاعتِ رسول پر قائم رہی۔نیز جہاد کے ثواب میں عورتیں برابر کی شریک ہیں۔ہر ماں ، بہن، بیٹی اور بیوی نہایت خوش دلی اور دلیری سے اپنے مجاہدین کو رخصت کرتی اور ان کی غیر حاضری میں ان

وَّیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ
اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں

الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ
گمان کرنیوالوں کو متعلق اللہ کے گمان برا ان پر گردش ہے بُری اور

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ
ناراض ہوا اللہ ان پر اور لعنت کی ان پر اور تیار کی ان کے لیے جہنم اور

سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ
بُری ہے وہ (جہنم) ٹھکانے کے لحاظ سے، اور اللہ ہی کے لشکر ہیں آسمانوں اور زمین کے اور ہے

کے مال و اولاد اوراپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرتی نیز صحابیات نے جہاد میں حصہ لیا وہ زخمیوں کو پانی پلاتیں اوران کی مرہم پٹی کرتیں ۔ بعض دلیر صحابیات نے عملاً بھی جنگ میں حصہ لیا۔ جیسا کہ جنگ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد چند صحابی رہ گئے تو حضرت خنساءؓ نے اپنے بیٹے سے مل کر کئی کافرواصل جہنم کئے اور زخمی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی حفاظت پر ڈٹی رہیں۔

جنتی گناہوں سے پاک کرکے جنت میں داخل کئے جائیں گے لیکن یہاں پہلے جنت کی خوشخبری دی پھر گناہوں کو دور کرنے کا ذکر فرمایا۔ بیشک ان میں کچھ کمزوریاں تھیں ۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں ایسے مواقع فراہم کرے گا تاوہ اپنی کمزوریوں پرقابو پاسکیں پھر ہر کمزوری سے پاک ہوکر جنت کے مستحق ٹھہریں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔یہی وہ فوز عظیم ہے جس کوتم نے اس موقع پر پالیا۔

۷۔مومنوں کی ایمان میں زیادتی اور اطاعتِ رسول کاجذبہ جہاں ان کے لئے حصول جنت اور ان کی برائیوں کی تطہیر کا موجب ہوگا وہاں منافق ومشرک مردوں اورعورتوں کے لئے عذاب کا موجب ہوگا۔ یہاں منافقوں کومشرکوں کے ساتھ رکھا کیونکہ دونوں نے اللہ پر بدگمانی کی کہ اللہ اپنے رسول اوراس کے ساتھیوں کی کبھی مدد نہیں کرے گا ۔ وہ مومنوں کے لئے مصائب کی گردش کے منتظر تھے گویا وہ تباہ ہوں گے اور کبھی واپس نہیں آئیں گے جبکہ مصائب کی گردش خود انہیں پر پڑے گی اور وہ مصائب کی چکی میں پیسے جائیں گے۔ انہی وجوہ کی بناپر اللہ ان پر غضبناک ہے اور ان پرلعنت کرتاہے ۔ ان پر اللہ کا غضب اور رحمت سے دوری دنیا میں بھی ہوئی اور آخرت میں بھی ہوگی۔ پس اللہ نے ان کے لئے جہنم تیار کی ہے جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۸۔ اس وعید کی تائید میں فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں فرشتوں کے لشکر اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ اللہ غالب ہے وہ چاہے تو ان لشکروں سے ان پر عذاب نازل کرے لیکن اس کے

اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۷﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ
اللہ غالب حکمت والا یقیناً ہم نے بھیجا تجھے گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور

نَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ
ڈرانے والا تاکہ ایمان لاؤ تم اللہ پر اور رسول پراس کے اور مدد کرو اس کی اور تعظیم کرو اس کی

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ
اور تسبیح کرو اس کی صبح اور شام یقیناً وہ لوگ جو بیعت کرتے ہیں تیری سوائے

کام حکمت کے تحت انجام پاتے ہیں جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا تو ان پر عذاب آئے گا۔

۹۔ لیکن رسول کا کام مخالفین پرعذاب لانا نہیں۔اللہ نے اسے ایک شاہد، مبشر اور نذیر کے طور پر بھیجا ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات بیان فرمائیں۔ فرمایا وہ گواہ ہے گویا اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور نیکی کے نیک انجام کی گواہی دینے والا ہے یا یہ کہ وہ گواہ ہے کہ اس نے اللہ کا پیغام امت کو پہنچادیا۔(سورۃ النساء) دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ مبشر ہے یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں ، اطاعت گزاروں اور نیکوکاروں کو اللہ کی رضا اور جنت کی خوشخبری دینے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صفت آپ ﷺ کا بطور نذیر ہونا ہے۔ نذیر ،بدوں کو بدی کے انجام اور جہنم سے ڈرانے والا ہے۔

۱۰۔**تعزّروا۔ تعزیر** سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں۔ سزا کوتعزیر اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ مجرم کی حقیقی مدد اسی میں ہے کہ اس پر سزا جاری ہو۔(مفردات)**توقّروا، توقیر** سے مشتق ہے جس کے معنی تعظیم کے ہیں ۔**تسبّحوا، تسبیح** سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات کا تقاضا ہے کہ اے مومنوتم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ یہاں بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، رسول کی مدد کرنا اور اس کی تعظیم کرنا مومنوں پر فرض ہے اور شکرانے کے طور پر صبح و شام اس ربّ ذوالجلال کی پاکی بیان کرو جس نے تمہاری ہدایت کے لئے اپنا رسول بھیجا ۔صبح و شام سے مرادگو ہمہ وقت ہے مگر صبح و شام کو خاص طور پر تسبیح کرو۔ اوّل اس میں فضیلت زیادہ ہے دوم اس لئے کہ دن کے وقت انسان زیادہ مصروف ہوتا ہے تاہم اس مصروفیت میں بھی جہاں تک ممکن ہو دست بکار اور دل بیار والا معاملہ ہونا چاہیئے ۔ پس جس کے دل میں اس کا محبوب بس جائے وہ گناہوں کا سوچ بھی کیسے سکتاہے۔بعض مفسرین نے صبح کی تسبیح میں نماز فجر اور شام کی تسبیح میں باقی چاروں نمازیں مراد لی ہیں۔

إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ ۚ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ
اسکے نہیں کہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے ہاتھ اللہ کا اوپر ان کے ہاتھوں کے ہے پس جس نے
نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ
عہد توڑا تو سوائے اسکے نہیں کہ عہد توڑتا ہے وہ اپنی جان کے خلاف اور جس نے پورا کیا اسے کہ عہد کیا تھا اس نے
عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱﴾ سَيَقُولُ لَكَ ع ۱۱ ۹
جس (بات) پر اللہ سے پس ضرور دیگا وہ اُسے اجر بڑا ضرور کہیں گے تجھے
الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا
پیچھے چھوڑے گئے لوگ گاؤں کے رہنے والوں میں سے کہ مشغول کر دیا ہمیں مالوں نے ہمارے اور گھر والوں نے ہمارے
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ
پس بخشش مانگ ہمارے لیے، وہ کہیں گے اپنی زبانوں سے جو نہیں دلوں میں ان کے

۱۱۔ اب اصل مضمون کی طرف عود فرمایا اور بیعتِ رضواں کا ذکر فرمایا جو حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت کے نیچے لی گئی۔ بیعت کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں برائے عمرہ داخلہ سے منع کرنے کے لئے قریش مکہ کے پیامبر آ جا رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف بطور سفیر بھیجا ان کی واپسی میں دیر ہوئی اور یہ مشہور ہوگیا کہ کفار نے آپ کو شہید کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے آئے تھے اور آپ ﷺ کی یہی کوشش تھی کہ خون خرابہ ہرگز نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سے حالات بدل گئے اور آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ سے ایک بڑے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت لی۔ یہ بیعت اس بات پر لی گئی کہ اگر ضرورت پڑی تو ہم مرتے دم تک کفار سے لڑیں گے۔ ہم آپ ﷺ کی مدد کو نہیں چھوڑیں گے گو موت بھی قبول کرنی پڑے۔ اس سورۃ کے نزول سے پہلے یہ بیعت ہو چکی تھی۔ اس آیت میں اس بیعت کی فضیلت بیان ہوئی۔ یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے امت کے لئے بھی ہے۔ (دیباچہ ملاحظہ فرمائیں)۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں۔ رسول کی بیعت اللہ کی بیعت ہے رسول کی بیعت کی ہی اس لئے جاتی ہے جب اس کا اپنا وجود نہیں رہتا۔ کوئی وجود کا حصہ آپ ﷺ کا اپنا نہیں رہا۔ ہر حصہ پر اللہ کا تسلط ہوگیا۔ آپ ﷺ کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہوگئے آپ ﷺ کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا آنا تھا آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا تھا۔ جو رسول سے وفاداری کا عہد باندھا جا رہا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا عہد تھا۔ جو اس عہد کو توڑے وہ اپنے ہی مفاد کے خلاف اس عہد کو توڑتا ہے۔ گویا اس میں اس

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا
تو کہدے پس کون قدرت رکھتا ہے تمہارے لیے مقابل پر اللہ کے کچھ بھی اگر چاہے وہ تمہیں دُکھ دینا
أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲﴾ بَلْ
یا چاہے تمہیں نفع پہنچانا بلکہ ہے اللہ اس کی جو تم عمل کرتے ہو خوب خبر رکھنے والا بلکہ

کا اپنا ہی نقصان ہے اللہ یا رسول کا نقصان نہیں۔ ہاں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ باندھے ہوئے عہد کو پورا کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ سب سے بڑا اجر تو یہی ہے کہ بیعتِ رضوان کے شرکاء کو جنت کی بشارت ملی اور ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوئے۔ پھر دنیوی طور پر بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے بے حد و حساب انعامات نازل ہوئے۔

۱۲۔ بعض مفسرین کی رائے میں ان آیات کا تعلق غزوہ تبوک سے ہے کیونکہ سورۃ التوبہ میں قریباً انہیں الفاظ میں مخلفین کا ذکر ہے۔ بیشک حالات کچھ ملتے جلتے ضرور ہیں لیکن یہاں سیاق و سباق میں صلح حدیبیہ ہی کا ذکر ہے۔ پس یہاں ان منافقین کا ذکر ہے جو بادیہ نشینوں میں سے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرہ کے لئے جانے کا عام اعلان ہوا تو وہ آپ ﷺ کے ہمراہ نہ گئے۔ دراصل وہ ایک سال قبل جنگ احزاب میں قریش اور ان کے حلیف قبائل کے عظیم لشکروں کو مدینہ پر حملہ آور ہوتے دیکھ چکے تھے جن سے لڑنا اہل مدینہ کے بس میں نہیں تھا۔ یہ محض اللہ کا فضل اور نصرت الٰہی تھی جو وہ بغیر جنگ کے بھاگ گئے اور مسلمان محفوظ رہے۔ اس لئے انہیں یقین تھا کہ بیشک مسلمانوں کا ارادہ عمرہ کا ہے لیکن قریش گھر آئے ہوئے دشمن کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے پس آپ ﷺ کے ہمراہ جانا گویا موت کے منہ میں جانا تھا۔ یہاں ان کی قلبی حالت کا نقشہ کھینچا کہ آپ ﷺ کی واپسی پر وہ عذر پیش کریں گے کہ ہمیں ہمارے اموال اور اہل و عیال کی مشغولیت نے پیچھے رہنے پر مجبور کیا۔ آپ ہماری اس کوتاہی کی بخشش کے لئے دعا فرمائیں۔ حق تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں گویا عذر پیش کرنے میں بھی جھوٹے ہیں اور معافی مانگنے میں بھی جھوٹے ہیں۔ عذر پیش کرنا اور شرمندگی کا اظہار محض اس بنا پر ہوگا کہ کہیں انہیں ان جنگوں میں شمولیت ہی سے محروم نہ کر دیا جائے جن سے اموال غنیمت حاصل ہوں گے۔ (آیت ۱۶) غرض اللہ تعالیٰ کو تمہاری زبانی باتیں دھوکہ نہیں دے سکیں گی۔ اس لئے کہ اللہ کو تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے۔ پس اس علم کی بنا پر فیصلہ ہوگا جو اللہ کو تمہارے اعمال کے متعلق ہے۔ گویا ارادہ الٰہی تمہارے اعمال پر منتج ہوگا۔ اگر علم الٰہی میں تمہارا کوئی عمل تمہارے لئے کسی نقصان کا موجب ہے یا کسی نفع کا

ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى
گمان کیا تھا تم نے کہ ہرگز نہیں لوٹے گا رسول اور مومن طرف
اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ
اپنے گھروں کی کبھی بھی اور خوبصورت کی گئی یہ بات دلوں میں تمہارے اور گمان کیا تم نے گمان
السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝١٢ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ
بُرا اور ہو گئے تم لوگ ہلاک ہونیوالے اور جو نہ ایمان لائے اللہ پر
وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝١٣ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
اور رسول پر اس کے پس یقیناً تیار کیا ہے ہم نے کافروں کے لیے دوزخ اور اللہ ہی کی حکومت
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
ہے آسمانوں اور زمین کی وہ معاف کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٤ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا
اور ہے اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ضرور کہیں گے پیچھے چھوڑے ہوئے جب

موجب، تو یہ نفع یا نقصان تمہیں مل کر رہے گا۔ اللہ کے مقابل کسی کو بھی اختیار نہیں کہ وہ تمہارے اعمال کے نیک یا بد نتائج کو بدل دے۔

۱۳۔ تمہاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ جانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین اپنے اہل و عیال کی طرف کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی لگی اس لئے کہ تمہارے دلوں میں ان کے لئے کبھی بھی نیک جذبات نہیں تھے۔ ان کی بدظنی یہی تھی کہ یہ کبھی سلامت نہیں آئیں گے، یہ ہلاک ہوں گے۔ حالانکہ مومن نہیں بلکہ یہ خود ہلاک ہونے والی قوم ہوگئے ہیں یعنی یہ حقدار ہیں کہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہو۔

۱۴۔ منافقین کا ذکر تھا جو دل سے کبھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے اور آپ ﷺ سے کبھی مخلص نہیں تھے۔ انہوں نے ہر آزمائش کی گھڑی میں دھوکا دیا۔ رسول اللہ کا ساتھ دینے کے مقابلہ میں اپنی جان اور مال نیز دیگر مفادات کو مقدم رکھا۔ انہیں کافروں کے ساتھ شامل کیا بیشک یہ آخرت میں کافروں کے ساتھ واصل جہنم ہوں گے حالانکہ بظاہر کلمہ گو تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خارج از اسلام قرار نہیں دیا اس لئے کہ فتویٰ ظاہری اعمال پر لگتا ہے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔

۱۵۔ شدید انذار کے بعد فرمایا کہ ساری کائنات میں اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا رسول ناکام ہو اور یہ چند منافقین اپنی چالبازیوں میں کامیاب ہو

انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ
جاؤ گے تم طرف غنیمتوں کی کہ لو تم انہیں چھوڑ دو ہمیں پیچھے آئیں ہم تمہارے
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا
وہ چاہتے ہیں کہ کہ بدل دیں باتیں اللہ کی تو کہہ دے ہرگز نہیں پیچھے آ سکتے تم ہمارے
كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ
اسی طرح فرمایا تھا اللہ نے پہلے سے پس ضرور کہیں گے نہیں بلکہ تم حسد کرتے ہو ہم سے
بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝١٥ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ
بلکہ ہیں وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا تو کہہ دے پیچھے چھوڑے ہوؤں کو

جائیں۔ وہی ہوگا جو ربّ کائنات چاہے گا۔ مشیت اسی کی غالب ہوگی۔ تاہم اس کے ہاں انصاف ہے۔ اگر بخشا ہے تو یقیناً وہ مستحق تھے۔ اگر سزا دیتا ہے تو وہ سزا کے اہل تھے۔ بلکہ اس ربّ رحیم کی سزا بھی انسان کی بہتری ہی کے لئے ہے۔ یعنی یہ سزا انجام کار انسان کی بھلائی کا موجب ہے۔ پس درحقیقت یہ سزا بھی بتقاضائے رحم ہی ہے۔

منافقین سے خطاب تھا۔ اگر اب بھی اپنی منافقانہ روش سے باز آ جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلصانہ رویہ اختیار کریں تو وہ غفور الرحیم ان کی کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے گا۔ باوجودیکہ جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے سزا دے غفوراً رحیما پر اس آیت کو ختم کیا کہ اس کا رحم اس کے غضب پر سبقت لے گیا۔

۱۶۔ **الطلاق**، طلاق سے ہے۔ معنی کسی بندھن سے آزاد کرنا کے ہیں جبکہ **انطلق فلانٌ** کے معنی چل پڑنا کے ہیں۔ (مفردات) **ذَروا**۔ تم چھوڑو۔ **ذرونا**۔ تم ہمیں چھوڑ دو۔ ہمیں اجازت دو۔

یہ سورۃ حدیبیہ سے واپسی پر سخت مشکل حالات میں نازل ہوئی اور مومنوں کے لئے تقویت قلوب کا باعث بنی۔ اس میں بطور پیشگوئی آئندہ ہونے والے واقعات کا پورا نقشہ بیان فرمایا۔ سب سے پہلے خیبر کی فتح کی بشارت دی۔ یہ نہیں کہا کہ تم جنگ کے لئے نکلو گے بلکہ فرمایا تم غنائم حاصل کرنے کے لئے جاؤ گے گویا فتح یقینی ہوگی۔ فرمایا اس موقع پر مخلفین آپ ﷺ کے ہمراہ نکلنے پر اصرار کریں گے اس لئے کہ اس جنگ میں آسان فتح کا امکان ہوگا اور بہت سے غنائم متوقع ہوں گے جیسا کہ بعد میں خیبر آسانی سے فتح ہوگیا اور غنائم کی کثرت ہوئی۔ مگر آپ ﷺ ان کو بتلا دیجئے کہ یہ صرف ان مجاہدوں کا حصہ ہے جنہوں نے سخت مشکلات میں رسول کا ساتھ دیا اور اطاعت رسول کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا۔ فرمایا وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں۔ کلام کو بدلنے

الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ

گاؤں والوں سے ضرور تم بلائے جاؤ گے طرف ایک قوم جنگ سخت والی کی تم لڑو گے ان سے

اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ

یا وہ فرمانبردار ہو جائیں گے۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے دیگا تم کو اللہ اجر اچھا

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا

اور اگر تم پھرو گے جیسا کہ پھر گئے تم پہلے تو عذاب دیگا تم کو عذاب

اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

دردناک نہیں ہے اندھے پر کوئی مضائقہ اور نہ لنگڑے پر کوئی مضائقہ

سے مراد تحریف قرآن نہیں بلکہ یہ کہ اللہ کے فرمان کے خلاف چاہتے ہیں آیت ۱۹ تا ۲۱۔ سے ظاہر ہے کہ بیعت رضوان والوں کو بعض خاص غنائم کا وعدہ دیا گیا تھا۔ صحیح بخاری اور دیگر احادیث میں ہے کہ اصحابِ بیعت رضوان سے مغانم خیبر کا وعدہ تھا اور یہ وعدہ انہیں سے خاص تھا جبکہ مخلفین ان کے ساتھ شامل ہو کر اس وعدہ کو بدلنا چاہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے کہہ دینا یہی تھا کہ غزوہ خیبر سے تین ماہ قبل یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی وضاحت کردی تھی کہ اس مہم میں مخلفین ، بیعت رضوان والے اصحاب کے ہمراہ ہرگز نہیں جائیں گے اس پر وہ کہیں گے کہ ہمیں ہمراہ نہ لے جانا اس وجہ سے ہے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو گویا تمہیں برداشت نہیں کہ غنائم میں ہمیں بھی حصہ ملے ۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ وہ بات سمجھتے ہی نہیں اگر سمجھتے بھی ہیں تو محض سطحی طور پر۔ اگر سمجھ ہوتی تو رسول کے اس حکم کی حکمت ضرور سمجھ جاتے۔

۱۷۔ چونکہ پیچھے رہنے والے دیہاتیوں میں سے بہت سے منافق نہیں تھے بلکہ ان میں ایسے بھی تھے جو بعد میں تائب ہوئے۔ اس لئے ان کی کوتاہیوں کی تلافی کے لئے دروازہ کھلا رکھا کہ وہ اپنی غلطیوں پر ملول خاطر ہرگز نہ ہوں۔ ثوابِ جہاد حاصل کرنے کے بہت سے مواقع آئیں گے اور تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے گا۔ پس تمہارا امتحان دوبارہ لیا جائے گا۔ وہ امتحان سخت ہوگا گویا شدید جنگجو اقوام سے تمہارا سابقہ پڑے گا۔ ایسے مواقع پر اپنی سچائی ظاہر کرنا۔ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد پوری ہونے والی تھی۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی فاروق اعظمؓ کے عہد میں پوری ہوئی۔ جب فارس اور روم سے جنگیں ہوئیں یہ کسریٰ و قیصر کی قومیں تھیں جن سے عرب ہمیشہ خائف رہتے تھے اور آخر ان پر غالب آئے۔ **تقاتلونهم اويسلمون** ۔ مفسرین نے **او** **حتّٰی** کے معنی میں لیا ہے یعنی ان اقوام سے قتال اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ مطیع و فرمانبردار نہ ہو جائیں۔ یہ معنی بھی ہیں کہ دشمن جب تک مسلمان نہ

وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور نہ بیمار پر کوئی مضائقہ اور جو اطاعت کریگا اللہ کی اور رسول کی اس کے

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

تو داخل کریگا اُسے باغات میں کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں اور جو پھر جائے گا

يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ ع لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

عذاب دیگا اُسے عذاب دردناک یقیناً یقیناً راضی ہو گیا اللہ مومنوں سے

۲ ع ۷ النصف ۱۰

اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

جب وہ بیعت کرتے تھے تیری نیچے درخت کے پس جان لیا اُس نے جو دلوں میں تھا ان کے

ہوں گے تم سے لڑتے رہیں گے جیسا کہ قیصر و کسریٰ کے ساتھ جنگوں میں ہوا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ ان سے قتال کرو اور اگر وہ مغلوب و مطیع ہو جائیں تو اسلام میں قیدیوں پر تشدد یا ان کو قتل کرنے کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگر وہ واجب القتل ہوں اور دوران قتال اسلام قبول کرلیں تو چھوڑ دو۔ یہاں واجب القتل دشمن کو رعایت دی جارہی ہے کہ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو چھوڑ دو ۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ یا قتال کرو یا وہ مسلمان ہو جائیں ۔ لااکراہ فی الدین کہہ کر یہ اصول قائم کردیا کہ زبردستی اسلام منوانا قطعاً ناجائز ہے۔ ان جنگوں میں اگر تم اطاعتِ امیر پر قائم رہے، ہر قسم کی زیادتی سے بچے اور ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اجر حسنہ عطا فرمائے گا۔ یہ اجر دنیا میں فتح سے ہمکنار ہونا اور دیگر دنیوی نعمتوں کا حاصل کرنا ہے اور آخرت میں جنت کا حصول ہے۔ اگر تم نے روگردانی کی جیسا کہ اس سے قبل حدیبیہ کے موقع پر بزدلی دکھائی تھی تو دنیا میں بھی عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی ۔ دنیا کا عذاب محکوم ہونا بھی ہے۔

۱۸۔ آئندہ ہونے والی عظیم جنگوں کی پیشگوئی میں جہاد کے متعلق مزید جنگی اصول بیان فرمائے۔ چونکہ جہاد میں شامل نہ ہونے والوں کے لئے عذاب کی وعید تھی اس لئے وضاحت فرمائی کہ معذور افراد اس فرض سے مستثنیٰ ہیں۔ پس اگر کوئی مسلمان جسمانی یا ذہنی معذوری کی بنا پر جہاد میں حصہ نہ لے سکے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔ تاہم اسلامی جنگوں میں بعض لنگڑے افراد نے بھی حصہ لیا۔ اسی طرح مرض بھی ایک وقتی حالت ہے صحت یاب ہو کر جہاد میں حصہ لیا جاسکتا ہے۔ اصل مقصد اطاعتِ خدا اور رسول ہے اس میں مجاہدین کی تخصیص نہیں۔ جنگ کا موقع ہو یا امن کا، جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور جو اطاعتِ خدا اور رسول سے روگردانی کرے گا وہ اسے دردناک عذاب دے گا۔ تاہم جہاد میں اطاعتِ امیر سے روگردانی بعض اوقات فتح کو شکست میں بدل دیتی ہے

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۹﴾
پس اتاری اس نے سکینت ان پر اور بدلہ میں دی انہیں فتح نزدیک

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
اورغنیمتیں بہت وہ لیں گے انہیں اور ہے اللہ غالب

حَكِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا
حکمت والا ہے اور وعدہ کیا تھا تم سے اللہ نے غنیمتوں بہت کا تم لوگے جنہیں

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ
پس اس نے جلدی دی تمہارے لیے یہ (فتح) اور روک دیئے ہاتھ لوگوں کے تم سے اور تاکہ ہو یہ

جیسا کہ جنگ احد میں ہوا۔

۱۹۔۲۰۔ اس رکوع میں بتلایا کہ یہ صلح ، عظیم الشان اسلامی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی جس میں سب سے قریب خیبر کی فتح ہے جو یہودیوں پر حاصل ہوگی پھر دیگر فتوحات کے بعد بیرون ملک فتوحات کی خوشخبری دی۔

لــقــد قریب کے لئے آتا ہے۔ ماضی قریب کے لئے بھی آتا ہے یقیناً کے معنی بھی دیتا ہے۔

پھر اصل مضمون کی طرف عود فرمایا۔ شرکاء بیعت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا اس لئے اسے بیعت رضواں کہا گیا۔ حالانکہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اپنا سب کچھ راہ خدا میں قربان کر چکے تھے ۔مگر جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ایک منادی نے آواز دی کہ روح القدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور آپ ﷺ کو بیعت لینے کا حکم دیا گیا ہے ۔گویا یہ بیعت خاص حکم الٰہی کے تحت تھی۔ بخاری میں ہے یہ بیعت موت پر تھی ۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ اس بات پر تھی کہ مقابلہ میں بھاگیں گے نہیں۔

آیت :۵ اوراس آیت میں مومنوں پر سکینت اتارنے کاذکر ہے گویا مومنوں کو گھبراہٹ ضرور تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ آپ ﷺ اس سخت ابتلا میں بھی پر سکون تھے۔ آپ ﷺ کو اپنے ربّ پر کامل توکل تھا اور اس کی رضا پر راضی تھے۔ **عــلــم مــافــی قــلــوبــهــم** میں بتایا کہ ان کے دلوں میں جو اخلاص اور اپنے عہد کو پورا کرنے کا عزم مصمم تھا اللہ اسے جانتا تھا۔پس جو ان کے دلوں میں تھا اس کی جزا کے طور پر سکینت اتاری۔اگر ان کے خلوص میں کچھ بھی کمی ہوتی تو ایسے حالات میں جبکہ گھروں سے اڑھائی سومیل دور بغیر تیاری اور سامان

اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۱﴾
نشان مومنوں کے لیے اور وہ ہدایت دے تمہیں راہ سیدھی کی

جنگ کے دشمن میں گھرے ہوئے، رسول کی ایک آواز پر آخری دم تک لڑنے کے لئے تیار نہ ہوجاتے۔اللہ کا ان سے راضی ہونا اسی صدق و وفا کی وجہ سے تھا۔ایسے واضح الفاظ کے ہوتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ سے راضی ہوگیا اہل تشیع کا بعض صحابہ کی شان میں گستاخانہ رویہ کلام الٰہی کا صریح مقابلہ ہے۔ شرکاء بدر کی طرح اس بیعت کے شرکاء کے لئے بھی رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اور انہیں ایک قریب کی فتح کی بشارت دی جو بالاتفاق خیبر کی فتح تھی اور حدیبیہ کے تین ماہ بعد ہوئی ان اموال کی وجہ سے مومنوں کو فراخی نصیب ہوئی۔ فتح خیبر کا بیان بطور پیشگوئی ماضی کے صیغہ میں بیان فرمایا یعنی ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ گویا ہو ہی چکا ہے۔اصحاب رسول تو مغانم کے لئے نہیں گئے تھے مگر فتح کی بشارت کے ساتھ ہی کثیر مغانم کی پیشگوئی فرمائی جو خیبر سے حاصل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے اسی فتح پر بس نہیں۔

۲۱۔ بلکہ تم سے اور بھی کثیر مغانم کا وعدہ کیا ہے جو اپنی حکمت کی بنا پر جب چاہے گا عطا کرے گا۔ جو عظیم فتوحات کے نتیجہ میں تمہیں ملیں گے۔ یہ دہرانا بطور تاکید کے تھا کہ ایک تو مغانم کثیرہ کا وعدہ ہے اور اس وعدہ میں جلد حاصل ہونے والے مغانم بھی ہیں جو خیبر کے اموال تھے اور صرف تین ماہ بعد حاصل ہوگئے اور مومنوں کی سہولت کا باعث بنے۔ خیبر یہودیوں کے ایک صوبے کا نام تھا جس میں بہت سی بستیاں قلعے اور باغات تھے۔(مظہری) دشمنوں کے ہاتھ روک دینا خاص نصرت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے کہ انہیں مقابلہ پر آنے کی ہمت نہیں ہوگی۔جیسا کہ خیبر کے یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور باوجود بے شمار سامان حرب کے وہ فتح میں زیادہ مزاحم نہیں ہوئے ۔اسی طرح فتح مکہ میں بھی قریش کو مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہوئی اور مکہ بغیر کسی خاص مزاحمت کے فتح ہوگیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغانم کثیرۃ کاوعدہ فرمایا جن میں فوری عطا ہونے والے مغانم بھی تھے اور اس امر کا وعدہ بھی تھا کہ وہ لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دے گا تا کہ یہ واقعات یعنی فوری حاصل ہونے والے غنائم کا ملنا اور دشمنوں کے ہاتھ کا روک دینا مومنوں کے لئے ایک نشان ہوجائے کہ جس ربّ رحیم نے جلد ملنے والے وعدے کو سچ کر دکھایا وہ آئندہ ہونے والی عظیم الشان فتوحات کی پیشگوئیوں کو بھی سچا کر دکھائے گا تا اس نشان سے مومنوں کو اپنے ربّ کے وعدوں

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ

اور دوسری (فتح) وہ ہے کہ نہیں قادر ہوئے تم اس پر یقیناً گھیر لیا ہے اللہ نے اسے اور ہے

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۲ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا اور اگر لڑیں گے تم سے وہ لوگ جو کافر ہوئے

لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۲۳ سُنَّةَ

ضرور پھیر دیں گے پیٹھیں پھر نہ پائیں گے دوست اور نہ مددگار سنت

اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

اللہ کی جو گذر چکی ہے پہلے اور ہرگز نہیں پائے گا تو سنت کیلئے اللہ کی

تَبْدِيْلًا ۝۲۴ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

تبدیلی اور وہی ہے جس نے روکا ہاتھوں کو ان کے تم سے اور ہاتھوں کو تمہارے ان سے

پریقین کامل ہوجائے۔اس یقین اور بصیرت کے نتیجہ میں انہیں صراط مستقیم نصیب ہو جو مومن کا مقصود حقیقی ہے ورنہ فتوحات اور غنائم مومن کا مقصود حیات نہیں۔صراط مستقیم کی تشریح آیت ۳۔

۲۲۔اس مختصر سی آیت میں اسلام کے عروج کی پوری تاریخ رقم کردی تآنکہ اسلام زوال پذیر ہوا۔فرمایا مسلمانوں سے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی فتوحات کا وعدہ ہے جن پر ابھی انہیں قدرت حاصل نہیں۔یہ فتوحات ملک عرب تک محدود نہیں ہوں گی بلکہ ان کا دائرہ نہایت وسیع ہوگا۔ یہ روم اور فارس کی فتوحات اور ان سے ملنے والے مغانم تھے جن کا ان حالات میں وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ نیز ان میں قیامت تک ہونے والی فتوحات شامل تھیں۔ (مظہری)

اللہ نے اپنے علم سے ان فتوحات کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ کے علم میں یہ قطعی ہونے والی فتوحات ہیں گویا اسلام میں فتوحات کا جاری ہونے والا ایک سلسلہ ہے اور اللہ اپنے ارادہ کو پورا کرنے پر قادر ہے۔

خیبر کے مغانم بحکم الٰہی اصحاب بیعت رضوان کے لئے مخصوص فرمادئے تھے لیکن بعد میں ملنے والے سب کے لئے عام تھے ۔ تاہم حضرت عمرؓ نے اپنی بے نظیر ذہانت و فراست سے افواج تشکیل دیں ان کے مشاہرات مقرر فرمائے اور ہر شخص جہاد کے لئے مکلّف نہ رہا۔ بیت المال کا اجرا ہوا اور تمام اموال بیت المال میں داخل کئے جانے لگے اور غنائم کا تصور بدل گیا۔

۲۳۔۲۴۔فرمایا اگر کفار تم سے قتال کریں تو لازماً پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر وہ نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ مددگار یعنی ان کی مدد کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔یہ اللہ کی وہ سنت ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے اور تو اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔اگر وہ قتال کریں یعنی پہل ان

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

وادی مکہ میں بعد اس کے کہ اس نے کامیاب کردیا تم کو ان پر اور ہے اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۲۵ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ

اس پر جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور روکا تم کو

کی طرف سے ہو تو لازماً شکست کھا کر بھاگیں گے۔ہاں بہت سے انبیاء نے حکم الٰہی سے قتال نہیں کیا لیکن جن انبیاء نے بحکم الٰہی قتال کیا تو انبیاء کے ساتھ جنگ کرنے والے ہی مغلوب ہوئے اور انبیاء کو فتح نصیب ہوئی۔ جیسا کہ فرمایا **كتب الله لاغلبنّ انا ورسلى** ط (۵۸:۲۲) تاہم کسی خاص حکمت اور مصلحت الٰہی کے تحت تاخیر ہونا اس سنت کے منافی نہیں۔پس اگر حدیبیہ میں بحکم الٰہی جنگ سے روک دیئے گئے اور صلح ہوگئی تو اس لئے نہیں کہ مسلمان شکست سے خائف تھے بلکہ وہ تو صلح پر کسی طور آمادہ نہ تھے ۔ اگر جنگ ہوتی تو کفار ہی پیٹھ دکھاتے لیکن اللہ نے اس صلح کے ذریعہ تمہاری فتح کو قریب اور سہل کردیا۔

۲۵۔حدیبیہ میں مومنوں کو بظاہر قریش پر غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا لیکن فرمایا کہ تمہارے ہاتھوں کو ان سے اور ان کے ہاتھوں کو تم سے روکے رکھا بعد اس کے کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا۔یہ فتح مکہ کی پیشگوئی بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ اس سورۃ میں آنے والے واقعات کو اسی انداز میں بیان فرمایا گیا ہے گویا ہو ہی چکے ہیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع دس ہزار قدوسیوں کے بغیر کسی مزاحمت کے فاتح کی صورت مکہ میں داخل ہوئے۔لیکن اس غلبہ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مشیت اور حکمت سے دونوں فریق کو خون خرابہ سے روکے رکھا۔

اگر صلح حدیبیہ پر اسے عائد کیا جائے تو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی (۸۰) جوانوں کا ہتھیار بند دستہ خفیہ طور پر جبل تنعیم سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے ارادہ سے اترا۔مسلمانوں نے انہیں گرفتار کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا آپ ﷺ نے معاف فرمایا اور چھوڑ دیا اس طرح پچاس (۵۰) مسلح افراد کا دستہ بھی حملہ آور ہوا۔ان کے پتھراؤ اور تیروں سے ایک مسلمان شہید ہوا اور یہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمایا اور چھوڑ دیا کیونکہ آپ ﷺ عمرہ کی نیت سے آئے تھے۔حج اور عمرہ میں کسی قسم کی لڑائی ہرگز جائز نہیں۔ اہل مکہ کے دستوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا مسلمانوں کا ان پر غلبہ ظاہر کرتا ہے۔ پس اس ابتدائی غلبہ کے بعد دونوں فریق کو جنگ سے روکنا خاص مشیت الٰہی سے ہوا۔غرض مسلمانوں کا موت پر بیعت کرنے کے باوجود اپنے ہاتھوں کو روکے

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ
مسجد الحرام سے اور ایسے حال میں کہ قربانی روکی گئی تھی کہ پہنچے اپنی

مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ
حلال ہونے کی جگہ کو اور اگر نہ ہوتے کچھ آدمی ایماندار اور عورتیں ایماندار

لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ
نہیں جانتے تم انہیں کہ کچل ڈالو تم انہیں پھر پہنچے تم کو ان سے ایذاء

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ
بغیر علم کے تاکہ داخل کرے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہتا ہے اور اگر

تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾
وہ علیحدہ ہوجاتے تو عذاب دیتے ہم انکو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک

رکھنا خاص مشیت الٰہی سے تھا۔اسی طرح کفار کا گھر آئے ہوئے دشمن کو جانے دینا اوراپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا بھی اللہ کی مشیت ہی سے ممکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس پر گہری نظر رکھتا ہے پس اس کی حکمت کے تحت ہی سب کچھ انجام پاتا ہے۔

۲۶۔ **معکوف** ۔(**عکف**)۔ **معکوف** ۔روکی ہوئی ۔اسی سے اصطلاحِ شریعت میں الاعتکاف کے معنی عبادت کی نیت سے مسجد میں رکنا ہے۔ **تطؤا**۔تم پامال کرتے ہو۔تم کچلتے ہو۔ **معرّۃ** ۔ ایذا ۔نقصان ۔ **تزیّلوا**۔ وہ جداہوئے۔ وہ ایک طرف ہوئے۔ الگ ہوئے۔ اسی سے معزول ہونا ہے۔

عرب کے دستور کے مطابق کسی قبیلے کے سخت ترین دشمن کوبھی حج کے ایام میں حرم میں داخلہ سے روکا نہیں جاسکتا تھا اور وہ دشمن ان ایام میں محفوظ سمجھے جاتے تھے ۔مگرکفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ان تمام اصول وضوابط کوفراموش کر چکے تھے ۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ تمام زائرین احرام باندھے ہوئے ہیں۔ قربانی کے جانور ساتھ ہیں۔ اڑھائی سومیل کا سفر طے کر کے دشمن کے مختلف دستوں کی جنگ کی کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے حرم کی حد پر پہنچے ہیں ۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ ان کا ارادہ زیارت وطواف کے سوا کچھ نہیں ، چودہ سو زائرین کے قافلہ کوعمرہ کی سعادت سے روک دینا اور ان قربانیوں کو بھی جو مذبح تک پہنچنے کے لئے روکی گئی تھیں یعنی مخصوص تھیں۔اس جرم کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو فوری سزا دی جاتی۔لیکن اس وقت مومنوں کے ہاتھ کفار سے روک دئے تو اس میں لازماً بہت سی حکمتیں تھیں۔اوّل تو یہی کہ ان کا مقصد عمرہ کرنا تھا اور حج وعمرہ میں قتال کرتے ہوئے داخل ہونے کی اجازت نہیں۔راستہ محفوظ نہ ہوتو لوٹ جانا

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
جبکہ ٹھان لیا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے دلوں میں عذر عذر

الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى
جاہلیت کا پس اتاری اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور

الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ
مومنوں پر اور جمادی انہیں بات تقویٰ کی اور تھے وہ زیادہ حقدار

ع ۹ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ لَقَدْ
۱۱ اسکے اور اہل اس کے اور ہے اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا یقیناً یقیناً

ہی بہتر ہے۔دوسری وجہ مسلمانوں کے ہاتھوں کو روکنے کی یہ تھی کہ ابھی کچھ ضعیف اور کمزور مومن کفار مکہ کے مظالم کی وجہ سے مکہ میں چھپے ہوئے تھے۔اگر جنگ ہوتی تو مسلمانوں کے ہاتھوں کفار مکہ کے ساتھ یہ محبوس مسلمان بھی پامال ہوتے جنہیں تم جانتے نہیں اور تمہیں ان مومنین کی طرف سے لاعلمی میں کوئی نقصان پہنچ جاتا۔ نقصان پہنچنا یہی تھا کہ اپنے بھائی بندہی مارے جاتے۔ایک مومن کے لئے اس سے بڑانقصان اور تکلیف دہ بات کیا ہوسکتی ہے۔جنگ کا روکنا اس لئے ہوا تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے یعنی اسلام کی توفیق دے۔اس لئے کہ ان چھپے ہوئے مومنین کی وجہ سے بھی تبلیغ جاری تھی۔نیز ان میں سے بہت سے لوگوں کا آئندہ اسلام قبول کرلینا بھی علم الٰہی میں تھا پس اُن کو رحمت میں داخل کرنے کے لئے بھی اس جنگ کو روک دیا۔ تزیلوا میں بتلایا کہ اگروہ محبوس مومن ان سے الگ اور ممتاز ہوتے اور مومن ان کو پہچان کر بچالینے پر قادر ہوتے تو کفار کی زیادتیوں کا تقاضا تویہی تھا کہ اس موقع پر ہی ان کو سزا دے دی جاتی لیکن مسلمان کفار میں ملے جلے ہوئے تھے اور قتال کی صورت میں ان کو بچانا ممکن نہیں تھا۔پس ان چند مومنوں کی وجہ سے اہل مکہ دردناک عذاب سے بچائے گئے۔

۲۷۔ **حمیّۃ**۔غیرت۔ **کلمۃ** بمعنی فیصلہ اورحکم کے بھی ہے ۔جیسے **کلمۃ العذاب**(۳۹۔۷۲) ۔(مفردات)

مسلمانوں کی بیعت علی الموت کی خبرپر کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیارہیں قریش نے حضرت عثمانؓ کو واپس بھیجا اور صلح کی شرائط کے ساتھ سہیل بن عمرو کو بطور سفیر روانہ کیا(شرائط کی تفصیل دیباچہ میں ملاحظہ فرمائیں) اس نے پہلی شرط یہی پیش کی کہ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیئے واپس چلے جائیں۔ اس ضد پر وہ شروع سے اڑے ہوئے تھے۔اسے اپنی غیرت کا مسئلہ بنالیا تھاوہ غیرت جو جاہلانہ غیرت تھی کہ اگر مسلمان مکہ میں داخل ہوگئے تو عرب کے دیگر قبائل میں ہماری

صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ
سچ کر دکھائی اللہ نے اپنے رسول کو خواب برحق ضرور ضرور داخل ہوگے تم مسجد
الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ
الحرام میں اگر چاہا اللہ نے بے خوف منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو اور
مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ
کتراتے ہوئے نہ ڈرتے ہوگے تم پس جان لیا اس نے جو نہ جان سکے تم پھر بنادی اس نے
دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۲۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
ساتھ اس کے فتح نزدیک وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول

ناک کٹ جائے گی کہ ہم قتل و غارت سے ڈر گئے اور انہیں روک نہ سکے۔

ان کی تمام شرائط ان کے اپنے مفاد میں تھیں اور مسلمانوں کے لئے ہرگز قابل قبول نہ تھیں۔ مسلمان ان شرائط کو قبول کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سمجھتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ کو بعض وجوہ کی بنا پر خون خرابہ منظور نہیں تھا۔(آیت ۲۶)ان سخت اضطراب کے لمحات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی۔یہ سکینت صبر و ضبط کا عطا ہونا، خدا اور رسول کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا اور اس کی رضا پر راضی ہوجانا تھا۔ یہ سکینت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اتری۔ آپ ﷺ جو کچھ دیر پہلے موت پر بیعت لے رہے تھے اب اپنے ربّ کے حکم سے ان کی ہر شرط کو تسلیم فرما رہے تھے ۔بیشک ان میں سے بعض وقتی طور پر جذبات سے مغلوب ضرور ہوئے لیکن اللہ کے علم میں ان کا تقویٰ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں سختی سے کلمۂ تقویٰ سے چمٹائے رکھا۔ یعنی تقویٰ کے طریق پر ان کے قدم کو مضبوط کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ وہی اس تقویٰ کے سب سے زیادہ حقدار اور اہل تھے ۔ اللہ کو ہر بات کا علم ہے یہ فیصلہ بھی اللہ کے علم کی بناپر ہوا اور اس میں بہت سی حکمتیں پنہاں تھیں جو بعد میں کھلیں ۔

۲۸۔اس پونئے اور آخری رکوع میں بتلایا کہ بالآخر اسلام دنیا کے کُل مذاہب پر غالب آئے گا۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں رؤیا دیکھا کہ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ جب بغیر عمرہ کے لوٹ آئے تو صحابہ کے دلوں میں گزرا کہ ایسا کیوں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں سوال کیا کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم خانہ کعبہ میں داخل ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا!ہاں۔لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال حج کریں گے عرض کیا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً تم خانہ کعبہ میں داخل ہو گے اور اس کا طواف

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَ
ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ غالب کرے اس کو دینوں سب پر اور
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۹ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ
کافی ہے اللہ گواہ محمد رسول ہیں اللہ کے اور وہ لوگ جو
مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا
ساتھ ہیں اس کے سخت ہیں مقابل کافروں کے رحمدل ہیں آپس میں تو دیکھتا ہے انکو رکوع کرنیوالے

کرو گے۔ آپ ﷺ نے رؤیا میں صرف اتنا دیکھا تھا کہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کریں گے اور یہ محض اجتہاد تھا کہ اسی سال ہوگا اور آپ ﷺ اس رؤیا کی بنا پر چودہ سو اصحاب کے ساتھ اس نیت سے نکلے ۔لیکن بعد کے واقعات نے بتایا کہ رؤیا کا پورا ہونا اگلے سال مقدر تھا۔اس سے ثابت ہوا کہ خواب یا الہام کی تعبیر میں اجتہادی غلطی نبی سے بھی ہوسکتی ہے جس کی اصلاح بعد میں اللہ کے فعل سے ہوجاتی ہے لیکن شریعت میں نبی سے اجتہادی غلطی نہیں ہوسکتی۔

یہ سورۃ حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یقین دلایا کہ رسول اللہ کا وہ خواب سچا اور منجانب اللہ تھا اور پورا ہوکر رہے گا۔اگر اللہ چاہے گا تو تم ضرور امن کی حالت میں خانہ کعبہ میں داخل ہوگے یہاں تک کہ حج کرکے سرمنڈوا کر یا بال چھوٹے کرواکر حرم سے باہر آؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہیں ہوگا ۔یہاں اللہ کا انشاء اللہ کہنا اس بنا پر ہے کہ کعبہ میں داخل ہونا ان کی مشیت پر نہیں ہماری مشیت پر موقوف ہے۔ اگر اس وقت قتال کی حالت میں داخل ہوتے تو رؤیا جھوٹی نکلتی ۔ رؤیا یہ تھی کہ امن سے داخل ہوں گے جب امن سے داخل ہونا مقدر ہوگا تو رؤیا پوری ہوگی اور یہ رؤیا اگلے سال ۷ ہجری کو پوری ہوئی۔ تاریخ میں یہ حج عمرۃ القضاء کے نام سے بیان ہوا ہے۔ حج اور عمرہ میں بال منڈوانے کا پہلے ذکر ہے افضل یہی ہے ۔ بال ترشوانا بھی جائز ہے فتح قریب کی خوشخبری کو پھر دہرایا تاکہ کمزور مومنوں کے لئے تالیف قلب کا باعث ہو اور ایک پیشگوئی کا پورا ہونا دوسری پیشگوئی کی سچائی پر دلیل ہو ۔ ان تمام واقعات میں جو مصالح اور حکمتیں تھیں انہیں فی الحال تم نہیں جانتے تھے لیکن اللہ کو ان کا علم تھا۔

۲۹۔دنیا کے تمام ادیان پر غالب آنے کی یہ پیشگوئی اس وقت کی گئی جب ابھی اہل مکہ پر بھی ظاہری غلبہ نصیب نہیں ہوا تھا۔ حدیبیہ میں مومنین نے اطاعتِ خدا اور رسول کا جو نمونہ دکھایا اس کی خوشنودی کا اظہار ربّ ذوالجلال نے اس عظیم الشان پیشگوئی سے فرمایا کہ دین کا غلبہ مکہ یا عرب تک محدود نہیں بلکہ یہ دین دنیا کے تمام ادیان پر غالب آئے گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ اس پیشگوئی پر خود گواہ ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔جس طرح تیرا خواب ضرور پورا ہوگا اسی طرح یہ پیشگوئی

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ

سجدہ کرنیوالے چاہتے ہیں فضل اللہ کا اور رضامندی نشانی ان کی

فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي

چہروں میں ان کے نشان ہے سجدوں کا یہ ہے کیفیت ان کی

التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ

تورات میں اور کیفیت ان کی انجیل میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جیسے کھیتی ہو (جو) نکالے اپنی سوئی

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ

پھر مضبوط کرے اسکو پھر وہ موٹی ہوجائے پھر کھڑی ہوجائے اپنی جڑ پر خوش کرتی ہے

الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کسان کو تاکہ غصہ دلائے بوجہ ان (مسلمانوں) کے کافروں کو وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے

بھی ضرور پوری ہوگی۔(تشریح کے لئے سورۃ التوبہ:۳۳) اس آیت میں اسلام کے تمام دنیا کے سب ادیان پر غالب آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔مسلمانوں نے ۷۰۰ سال تک تقریباً تمام معلوم دنیاپر حکمرانی کر کے اس پیشگوئی کو پورا کیا اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح کے زمانہ میں یہ پیشگوئی پھر دہرائی جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ'' جس غلبۂ کاملہ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح ؑ کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔یعنی روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجِ قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے اس عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے گواس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو اور اگرچہ دینِ اسلام اپنے دلائلِ حقہ کے رو سے قدیم سے غالب چلا آیا ہے اور ابتدا سے اس کے مخالف رسوا اور ذلیل ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس غلبہ کا مختلف فرقوں اور قوموں پر ظاہر ہونا ایک ایسے زمانہ کے آنے پرموقوف تھا کہ جو بباعث کُھل جانے راہوں کے تمام دنیا کوممالکِ متحدہ کی طرح بناتا ہو اور ایک ہی قوم کے حکم میں داخل کرتا ہو اور تمام اسبابِ اشاعتِ تعلیم اور تمام وسائل اشاعتِ دین کے بتمامتر سہولت و آسانی پیش کرتا ہو اور اندرونی اور بیرونی طور پر تعلیم حقانی کے لئے نہایت مناسب اور موزوں ہو۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۸، ۴۹۹ حاشیہ درحاشیہ)

۳۰۔ **اشداء**۔ شدید کی جمع ہے۔ **رُحماء**۔ رحیم کی جمع ہے۔ **شطأ**۔کونپل۔ ازر اور ازار بمعنی تہبند کے ہیں۔قوت۔ مضبوط کرنا۔ **سُوق** ۔ پنڈلیاں۔ (**ساق** واحد) ۔بازار۔ جڑ۔ **زرع**۔کھیتی ۔ **زروع** جمع ۔ **زُرّاع**۔کھیتی والے۔ جمع کا صیغہ ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۰﴾ ع ۴/ ۱۲

اور انہوں نے کام کئے نیک ان میں سے بخشش کا اور ثواب بڑے کا

غلبہ اسلام کی خوشخبری دی تو بتایا کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی سے وابستہ ہے۔

صلح نامہ حدیبیہ میں حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار نے اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم ربانی اسے منظور فرمایا اور رسول اللہ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الحدیبیۃ) حق تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے بیان میں اس آیت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رسول اللہ کو ملا کر قرآن کریم میں اسے دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھاجائے گا اور کوئی کافریا مشرک اسے مٹانے کامجاز نہیں ہوگا۔ صحابہؓ اپنے قلبی جذبات کے خلاف مکہ میں داخل ہوئے بغیر بظاہر ناکام لوٹے اور اطاعت رسول کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا۔ اس آیت میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل بیان کر کے ربّ ذوالجلال نے گویا انہیں سند خوشنودی عطا فرمائی ۔ سورۃ کی اس آخری آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے دونوں پہلوؤں کو بیان فرمایا یعنی جلالی اور جمالی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلالی پہلو نمایاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو آپ کی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بھی شامل فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالی نام کے مظہر تھے اور خدائے قہار کے جلال کو ظاہر کرنے والے تھے ۔ **اشدآء علی الکفار** سے یہ مراد نہیں کہ کفار پر سختی کرنے والے ہیں بلکہ یہ کہ کفار کے مقابلہ میں قوی اور مضبوط ہیں ورنہ کفار کے لئے بھی ان کے دل میں ہمیشہ نرم گوشہ ہی رہتا تھا اور وہ ان کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے ۔یہ سختی مکی زندگی میں تو یہ تھی کہ باوجود کفار کی اجارہ داری اور مظالم کے ان کے اثر کو ہرگز قبول نہیں کیا اور جھکے نہیں بلکہ اپنا اثر ان پر ضرور ڈالا جس کی وجہ سے ان نامساعد حالات میں بھی وہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ہاں مدنی زندگی میں جنگوں سے واسطہ پڑا تو کفار کے مقابلہ میں ہر طرح کمزور ہونے کے باوجود ان کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا اور ہر میدان میں ان کا منہ پھیردیا۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی شان کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ توریت میں ہے کہ وہ جس پر گرے گا اسے پاش پاش کردے گا۔چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰؑ تھے اس لئے توریت میں(استثناء باب ۳۳ آیت ۲ میں)آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی شان کو ہی ظاہر فرمایا گیا ہے۔''خداوند کریم سینا سے آیااور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر

ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔'' فرمایا صحابہ کرام جنگوں میں اشداء ہونے کے باوجود دل کے حلیم ہیں ان کے دل رحمت سے بھرے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے رحمت و تلطف کا سلوک کرنے والے ہیں۔ یہ نہیں کہ انہیں جہاد اور تبلیغ حق کی مصروفیات نے عبادت سے غافل کردیا ہے۔ تُو انہیں اللہ کے حضور جھکتے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا۔ ان عبادات سے ان کی غرض محض اللہ کا فضل اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔ ان کے جہاد کی غرض بھی اللہ کا فضل اور اس کی رضا کی طلب ہی ہے۔ گویا ان کا ہر فعل اللہ کی خاطر ہے۔ فضل بیشک حسناتِ دنیا بھی ہیں اور اس کی رضا بھی یعنی حسناتِ آخرت بھی۔ چہروں کے نشان سے مراد ماتھے پر سجدوں کا نشان نہیں بلکہ وہ نور ہے جو اللہ کے حضور جھکنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے اور ان کی عبادت کی غمازی کرتا ہے۔ مجاہد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ نشان نہیں جو تم دیکھتے ہو بلکہ وہ اسلام کا نشان اور اس کی اچھی صفت اور خشوع ہے۔ ایک شخص نے جب انہیں کہا کہ میں تو اسے وہ نشان سمجھتا ہوں جو ماتھے پر پڑجاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو اس شخص کے ماتھے پر بھی ہوسکتا ہے جو فرعون سے زیادہ سخت دل ہو۔ (ابنِ کثیر) حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کی ناک پر سجدے کا نشان دیکھا تو فرمایا تیری ناک تیرے منہ کی صورت ہے سو اسے خراب نہ کر۔ (روح المعانی) ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین اور پرنور نظر آتا ہے۔ ایسے ہی دیگر صحابہ کے بھی اقوال ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کا اثر انسان کے ظاہر پر بھی ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا اسم مبارک احمد آپ ﷺ کی جمالی شان کا مظہر ہے۔ یہ دورِ آخرین میں آنے والا مسیح اور اس کے ماننے والے ہیں جو آپ ﷺ کی جمالی شان کے مظہر ہوں گے۔ توریت کی مثال پہلے دور کے صحابہ پر صادق آئی انجیل کی مثال اُن پر صادق نہیں آسکتی اس کا تعلق آخرین سے ہے لیکن منسوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہوں گے۔ ہمیں رسول کا ساتھی قرار دیا گیا ہے ہمیں جو کچھ مل رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ملا ہے۔ اس آیت میں انجیل کی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو (متی باب ۱۳ آیت ۳۱،۳۲) میں درج ہے۔ اس میں ہو بہو جماعت احمدیہ کا نقشہ بیان کیا اور اس کی مثال ایسی کھیتی سے دی جس کی شروع میں ایک کونپل

پھوٹتی ہے اس وقت اسے روندا بھی جاسکتا تھا لیکن اللہ نے انہیں توفیق نہیں دی۔ اب جبکہ خوب مضبوط اور موٹی ہوگئی اب کیسے روند سکتے ہیں۔ ہر ملک کے نمائندے اپنے اپنے ملک کی کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ لازماً ان کا غیض بڑھے گا یعنی پہلے بڑی منصوبہ بندی سے اسے مٹانے کی کوشش کریں گے لیکن کامیاب نہیں ہوسکیں گے کیونکہ ان پر اللہ کی حفاظت ہے۔ حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ ایک قوم ایسی نکلے گی جو کھیتی کی طرح بڑھے گی۔ وہ نیک کاموں کا حکم دے گی اور برے کاموں سے منع کرے گی۔ یہ تمثیل حضرت عیسیٰؑ کے ایک وعظ میں بھی بیان ہوئی ہے۔

منھم سے ظاہر ہے کہ سب کو پورے طور پر ایمان لانے اور نیک عمل کی توفیق نہیں ملتی۔ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا۔ ان کا فیض سب کو پہنچے گا۔ انشاء اللہ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد چہارم تفسیر زیر آیۃ ھٰذا اور قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ حجرات۔ یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی انیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ پچھلی سورۃ کے آخری حصہ **رحمآء بینهم** کی تفسیر ہے۔گویا اس سورۃ کا مضمون مسلمانوں کی باہمی اخوت کو قائم کرنا ہے۔ یہ سورۃ ۹ہجری میں نازل ہوئی جب کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہورہے تھے۔ ان نئے داخل ہونے والوں کو تربیت کی سخت ضرورت تھی۔ اس سورۃ کی ابتدائی چھ آیات میں وہ آداب سکھائے جو ان بادیہ نشینوں کو خاص طور پر اللہ اور اس کے رسول کے معاملہ میں ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق میں صحابہ کرام کا ادب و احترام تو اس مقام تک پہنچا ہوا تھا کہ حضرت ابو سعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں صحابہؓ اس طرح بیٹھے ہوتے تھے **کان علی رؤسهم الطیر** گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں(بخاری کتاب الجہاد باب النفقة فی سبیل اللہ حدیث نمبر ۲۶۳۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود کوئی سوال نہ پوچھتے تھے یہاںتک کوئی دیہاتی آ کر سوال کرتا تو ہم بھی سن لیتے۔ آپ ﷺ کے بعد دیگر بزرگوں کا بھی حسب مراتب عزت و احترام واجب ہے۔اس تمہید کے بعد وہ تمام آداب بتائے جو اصلاح معاشرہ اور اصلاح نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں قومی نوعیت کے بعض مسائل اور ان کے لئے تجاویز بیان فرمائیں جیسا کہ بلاتحقیق ایک فریق کی بات سن کر یقین کرلینا جس سے بعض اوقات جنگوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے نیز مسلمان حکومتوں کے باہمی اختلافات کا بہترین حل پیش کیا جو دوسری اقوام کے لئے بھی مشعل راہ ہوسکتا ہے۔تاہم یہ آئندہ زمانے کے لئے تھا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس کے بعد نسل پرستی کے خناس کو معاشرے کے لئے زہر قاتل قرار دیا جو شرف انسانیت کی تذلیل ہے ۔نیز ایسی معاشرتی کمزوریوں کی نشاندہی فرمائی جن کے نتیجہ میں نہ صرف گھروں اور خاندانوں میں افتراق پیدا ہوتا ہے بلکہ قومی سطح پر بھی نفرتیں اور دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔ لیکن جب اصلاح معاشرہ اور اصلاحِ نفس کے ان اصولوں کی روشنی میں یہ تربیت ہر گھر سے شروع ہوکر خاندانوں اور قوموں کی اصلاح پر منتج ہوگی تو لازماً ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہوگی بلکہ فضیلت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہوگا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت بڑھو آگے اللہ اور اس کے رسول کے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اے لوگو جو

اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا

ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر آواز نبی کے اور نہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ یہاں ادب کے طریق بتلائے کہ تقدم کرنا خدا اور اس کے رسول کے ادب و احترام کے خلاف ہے۔پس قول وفعل میں ان کے آگے نہ بڑھو ۔اللہ کی پناہ چاہتے ہو تو رسول کے پیچھے چلو کیونکہ اتباع رسول ہی سے تقویٰ نصیب ہوگا۔اللہ کے ساتھ رسول کو ملانا کمالِ اتحاد بھی ہے اور اللہ کا اپنے محبوب کے شرف کو ظاہر کرنا بھی ہے۔اللہ اور رسول سے آگے بڑھنا ان کے فیصلہ یا اذن سے پہلے بطور خود کسی معاملہ کا فیصلہ کردینا بھی ہے یعنی جب تک کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ایک معاملہ میں نہ ملے تو خود اس میں پیش قدمی نہ کرو اور جب حکم مل جائے تو پھر اس سے ادھر اُدھر نہ ہٹو یعنی کلی متابعت اختیار کرو۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ابن ماجہ میں یہ روایت مستند سندوں سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن میں حاکم بنا کر بھیج رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز کے مطابق فیصلے کروگے؟ انہوں نے عرض کیا!'' کتاب اللہ کے مطابق ''۔اس پر آپ ﷺ نے پوچھا''اگر کتاب اللہ میں کسی معاملے کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کروگے''؟ انہوں نے عرض کی سنت رسول کی طرف'' آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے؟ انہوں نے عرض کیا پھر میں خود اجتہاد کروں گا۔''اس پر حضور ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔'' اجتہاد میں صحابہ کرام، اولیاء و مجددین ، حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء کے اجتہاد کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اپنی اکیلی رائے سے اجتہاد کرنا درست نہیں کیونکہ ہر شخص اس مقام پر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔اگر تمہاری غلطی سے کسی پر زیادتی ہوئی تو وہ اس کی

تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

نکالو بلند آواز اس کیلئے گفتگو میں مانند بلند کرنے بعض تمہارے کے بعض کے لیے (ایسا نہ ہو کہ) کھوئے جائیں

اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

اعمال تمہارے اور تم نہ سمجھتے ہو یقیناً وہ لوگ جو نیچی کرتے ہیں آوازیں اپنی

فریاد کو خوب سننے والا ہے اور تمہاری نیت کو بھی جانتا ہے۔

۳۔اسلام میں نئے داخل ہونے والے بادیہ نشینوں کو نصائح جاری ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت میسر نہیں آئی۔ تاہم ان احکام میں امت بھی شامل ہے ۔پہلے عام حکم کے بعد کہ کسی معاملہ میں اللہ اور رسول سے تقدم نہ کرو۔ اب گفتگو میں طریق ادب کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا! خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز بلند نہ کرو۔ لیکن جو لوگ قدرتاً بلند آواز ہوں ، وہ اس میں شامل نہیں۔جیسا کہ ثابت بن قیسؓ رفیع الصوت تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو گھر میں بیٹھ گئے اور روتے تھے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔ تب رسول اللہ نے انہیں بلا بھیجا اور فرمایا تُو تو اہل جنت میں سے ہے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الحجرات باب لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی بروایت حضرت انس) فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طریق سے بات نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ دراصل غیر مہذب دیہاتی جب آپ ﷺ کے حضور حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کا نام لے کر اس طرح مخاطب ہوتے جس طرح آپس میں مخاطب ہوتے تھے اور آپ ﷺ کو یا محمد !کہہ کر بات کرتے ۔ بیشک آپ ﷺ نہایت منکسر مزاج اور غریب طبیعت کے مالک تھے کسی مجلس میں نمایاں ہو کر بیٹھنا آپ ﷺ کو پسند نہیں تھا، نہ اپنی عزت کروانے کی آپ ﷺ کو کوئی حاجت تھی۔ پس یہ احکام آپ ﷺ کے اپنے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ امت کی تربیت کے لئے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص ہیبتِ رسول سے کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی (عرب میں انتہائی غریب لوگ سوکھا گوشت پکا کر کھاتے تھے) آنحضرت ﷺ کی شان بشرٌ مثلکم بھی ہے کہ وہ تمہاری طرح کا انسان ہے۔غرضیکہ اگر جائز ادب و احترام کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو نہ روحانی نظام چل سکتا ہے اور نہ مادی۔ چھوٹا بڑے کا ادب نہیں کرے گا شاگرد استاد کی بات توجہ سے نہ سنے گا اور ایک سپاہی جرنیل کا حکم من وعن نہیں مانے گا۔پس نظامِ جماعت ہو یا نظام ملک ، روحانی ترقی ہو یا مادی سب کے لئے ضروری ہے کہ بڑوں کی عزت کی جائے اور ان کے احکام کی تعمیل ہو۔حکم اسی کا مانا جاتا ہے جو

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

نزدیک رسول اللہ کے یہ وہ لوگ ہیں کہ خالص کر دیا اللہ نے ان کے دلوں کو

لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۴ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ

تقوٰی کے لیے ان کے لیے بخشش اور ثواب ہے بڑا یقیناً وہ لوگ جو بلاتے ہیں تجھ کو

مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۵ وَلَوْ اَنَّهُمْ

باہر سے گھروں کے اکثر ان میں سے نہیں عقل رکھتے اور اگر وہ

صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

صبر کرتے یہاں تک کہ تو نکلے ان کی طرف تو ضرور ہوتا یہ بہتر ان کے لیے اور اللہ بہت بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ۝۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ

بہت رحم کرنیوالا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر

رتبے میں بڑا ہو، جو اپنی صفات کی وجہ سے قابل احترام ہو۔جس کے احسانات اور مہربانیوں کی وجہ سے انسان اس کا زیر بار ہو۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام کو مدنظر رکھنا آپ ﷺ کے احسانوں کا کم سے کم بدلہ ہے۔ آپ ﷺ کا احترام دراصل ربّ ذوالجلال والاکرام کا احترام ہے جس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے آپ ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ۔آپ ﷺ کی بے ادبی خدا کی جناب میں بے ادبی شمار ہوگی۔ پس آپ ﷺ کے حضور بلند آواز سے گستاخانہ انداز میں بولنا کوئی معمولی بات نہیں۔ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں۔دراصل اعمال کی توفیق اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل سے ہی ملتی ہے ۔ اس کے محبوب کی شان میں گستاخی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے جس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ توبہ اور نیک اعمال کی توفیق ہی سلب ہوجائے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

۴۔ جن لوگوں نے اللہ کے رسول کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے حضور اپنی آوازوں کو پست رکھا۔یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے آزمالیا تھا۔ یہاں بتلایا کہ تقویٰ عطا ہونے سے پہلے آزمائش شرط ہے۔پس یہ صحابہؓ تھے جو ہر آزمائش میں پورے اترے اور تقویٰ کے اہل قرار پائے۔ان کے لئے ایک عظیم بخشش اور بڑا اجر ہے۔غرض اطاعت رسول ، احترام رسول اور خدا اور اس کے رسول کے احکام پر عمل ہی وہ عوامل تھے جن سے تقویٰ سے نوازے گئے اور مغفرت اور اجر عظیم کے مستحق ٹھہرے۔جن کے دلوں میں احترام رسول اور اطاعت رسول میں کمی اور احکام خدا و رسول پر عمل میں کمزوری تھی ان میں یقیناً تقویٰ کی بھی کمی تھی۔

۵۔۶۔**حجرٰت حجرہ** کی جمع ہے ۔چھوٹا کمرہ۔ یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ازواجِ مطہرات کے حجرے ہیں۔ یہ کھجور کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے جن کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ہر حجرہ ایک چھوٹے کمرے اور چھوٹے صحن پر مشتمل تھا۔ ولید بن عبدالمالک کے عہد میں توسیع مسجد کے وقت انہیں مسجد نبوی میں شامل کردیا گیا۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کیاہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے۔ میرا گمان ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے مسقّف بیت تک چھ سات ہاتھ ہوگا۔ بیت دس ہاتھ اور بیت کی چھت کی اونچائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی۔ ایک ہاتھ قریباً نصف گز کے قریب ہوتا ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیات کو دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک انسان تنہا اتنے کام کس طرح کرلیتا تھا اور وہ بھی ایسے احسن طریق سے۔ یوں تو آپ ﷺ کی ساری زندگی انتہائی مصروفیت میں گزری لیکن مدنی زندگی میں آپ ﷺ سربراہِ مملکت کے علاوہ قاضی۔ معلم القرآن اور امام الصلوٰۃ بھی تھے۔ غزوات میں بطور جرنیل حصہ لیتے یا دیگر صحابہ میں سے کسی کو سالارِ لشکر بناکر فوجی مہموں پر روانہ کرتے۔ مختلف وفود سے ملاقات فرماتے۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود ازواجِ مطہرات کے لئے بھی وقت نکالتے اور گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ بیوگان اور غرباء و یتامیٰ کی مدد کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہتے جبکہ رات کازیادہ حصہ اپنے ربّ کے حضور رکوع و سجود اور دعاؤں میں گزارتے۔ ان حالات میں بعض اُجڈ دیہاتی جو آدابِ معاشرت سے ناواقف تھے، حجرات کے باہر سے غیر مہذبانہ طریق سے چلا چلا کر پکارنا شروع کردیتے۔ ''اخرج یا محمدؐ ''یعنی محمدؐ باہر آؤ۔ عین ممکن ہے اس وقت آپ ﷺ کسی اہم مسئلہ پر غور کررہے ہوں یا عبادت میں مشغول ہوں یا آرام فرمارہے ہوں۔ اس طرح کے دیہاتی اکثر اسی انداز سے بارگاہِ اقدس میں آتے لیکن پھر بھی آپ ﷺ صرف نظر فرماتے اور باہر تشریف لے آتے۔ ان کی بات سنتے اور ان کی ضروریات کو پورا فرماتے۔

احادیث میں ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کا وفد دوپہر کے وقت پہنچا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی حجرے میں آرام فرمارہے تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کا نام لے کر حجروں کے باہر سے پکارنا شروع کردیا اور حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور امت کو آدابِ معاشرت سے آگاہ فرمایا اور بتلایا کہ گستاخانہ طریق سے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور فوراً باہر آنے کو کہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کی شان کے منافی اور ناقابلِ معافی فعل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا اس لئے کہ ان میں سے اکثر کم عقل ہیں اور

فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى
توتحقیق کرلو (ایسا نہ ہو) کہ ایذا پہنچاؤ تم کسی قوم کو نادانی سے پھر ہوجاؤ تم اس پر
مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ
جو کیا تم نے پشیمان اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا

معاشرتی آداب سے واقف نہیں۔ اللہ غفورٌ رّحیم ہے وہ ان کو معاف فرمائے گا اور ان پر رحم کرے گا۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آداب معاشرت سکھائے، بے ادبی سے پکارنے سے منع فرمایا اور انتظار کرنے کا حکم دیا۔ (مسنداحمد و ترمذی) غرض آپ ﷺ کو باہر بلانے کے لئے آوازیں دینا، دروازہ کھٹکھٹانا یا پیغام بھجوانا، یہ سارے فعل غیر مناسب ہیں۔ آپ ﷺ اپنے کاموں سے فارغ ہوکر جب نمازوں کے لئے یا دیگر امور کے لئے خود باہر تشریف لائیں تو بات کرلیں۔ مسجد کی مجالس میں آپ ﷺ اکثر تشریف فرما ہوتے اس وقت ہر شخص بات کرسکتا تھا۔

آج کے مصروف دور میں ہمارے لئے بھی سبق ہے کہ خلیفۂ وقت یا کسی بھی اہم شخصیت سے ملاقات کے لئے پہلے وقت لینا چاہیئے۔ خلیفۂ وقت پانچ مرتبہ نماز کے لئے تشریف لاتے ہیں یا دیگر مجالس میں شریک ہوتے ہیں اس وقت اگر مناسب موقع ہو تو دعا وغیرہ کے لئے کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ خط لکھ کر پوری تفصیل سے آگاہ کرکے مشورہ لیا جاسکتا ہے۔ تاہم لمبے چوڑے خطوط اور لایعنی گفتگو سے اہم شخصیات کا وقت ضائع کرنا پسندیدہ فعل نہیں۔

۷۔ البیان کسی چیز کو واضح کرنا ہے اور یہ نطق سے عام ہے۔ تبین کے معنی ظاہر اور واضح ہو جانے کے ہیں۔ **تبینوا**۔ تم دریافت کرو۔ تحقیق کرو۔

عام آداب معاشرت کی آگہی کے بعد اب امور سلطنت کے بعض رموز سمجھائے اور مسلمانوں کو باہمی فتنوں سے بچانے کے لئے کچھ اصول ضوابط بتلائے کہ اگر کوئی بد کردار شخص ملک میں خوف و ہراس یا بدامنی (Panic) پھیلانے کے لئے تمہارے پاس کوئی اہم خبر لائے تو اسے رسول کے سامنے پیش کرو۔ آپ ﷺ فراستِ نبوی سے بات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ یہاں مومنوں کو سمجھایا کہ تم بغیر تحقیق کیئے کسی ایسے شخص کی بات پر یقین کرکے کوئی قدم نہ اٹھاؤ مبادا لاعلمی میں کسی بے قصور فرد یا قوم کے خلاف غلط کاروائی کرکے نقصان کا باعث بنو اور اس زیادتی پر بعد میں تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔ ضروری نہیں کہ کوئی غلط اطلاع پہنچانے والا کافر ہی ہو بعض کمزور ایمان مسلمان بھی ان غلطیوں کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی اہم خبر لانے والا معتبر بھی ہو تو کسی فرد یا قوم کے خلاف کاروائی کرنے سے پہلے چھان بین کرنی ازبس ضروری

لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ

اگر وہ کہا مانا کرے تمہارا بہت سی باتوں میں تو ضرور تکلیف میں پڑجاؤ تم اور لیکن اللہ نے محبت دی

اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ

تم کو ایمان میں اور زینت دی اسکو تمہارے دلوں میں اور نفرت دلائی تم کو

الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۸

کفر اور فسق اور نافرمانی سے یہ لوگ ہی بھلائی والے ہیں

ہے کیونکہ بسا اوقات سمجھدار اور قابل اعتماد لوگ بھی غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد نقل کیا ہے تاہم اس کے احکام عام ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت جویریہ؄ بنت حارث کے والد حارث بن ضرار کا قبیلہ مسلمان ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا۔ولید کی اس قبیلہ سے دشمنی تھی۔بعض احادیث میں ہے کہ وہ لوگ استقبال کے لئے آئے مگر ولید بن عقبہ ڈرگئے کہ شاید دشمنی کی وجہ سے ان کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے اور وہیں سے لوٹ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ انہوں نے زکوٰۃ سے انکار کیا اور مجھے قتل کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر خالد بن ولید؄ کو ایک دستہ مجاہدین کے ہمراہ بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کرلینے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں۔ اس دوران بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار خود زکوٰۃ لے کر حاضر ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ کے دریافت کرنے پر حارث؄ نے بتلایا کہ ولید ہمارے پاس نہیں آیا، نہ ہم نے اسے دیکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ظاہر ہوا کہ غلط فہمی کی بناپر اصحاب رسول؄ سے بھی غلطی کا امکان ہے لیکن کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کرکے پاک نہ ہوگیا ہو۔ قرآن کریم نے ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (۹۸۔۹)

۸۔اَنَّ اور اِنَّ دونوں معمولی فرق کے ساتھ تاکید کے لئے آتے ہیں۔بیشک۔ **حَبَّبَ** ایک چیز کو دوسرے کی طرف محبوب کردیا۔محبت ڈالی۔

بنی مصطلق کے معاملہ میں ولید بن عقبہ کی دی ہوئی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف بلا تحقیق کوئی کاروائی کرنے کے حق میں نہیں تھے جبکہ بعض صحابہ؄ فوری کاروائی پر مصر تھے۔ اس پر متنبہ فرمایا کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ ہر معاملہ اس کے پاس لے کر جاؤ رسول رضائے الٰہی کے رستوں پر چلتا ہے اور خداتعالیٰ کی ودیعت کردہ روشنی کے تحت فراستِ نبوی سے فیصلے سرانجام دیتا ہے۔ وہ تم سے مشورہ ضرور لیتا ہے مگر تمہارے مشورہ پر عمل کرنے

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۹ وَاِنْ

بطور فضل کے طرف سے اللہ کی اور بطور نعمت کے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے اور اگر

طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ

دو جماعتیں مومنوں میں سے لڑپڑیں آپس میں تو صلح کرادو درمیان ان دونوں کے

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ

پھر اگر زیادتی کرے ایک ان میں دوسری پر تو لڑو اس سے جو

تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا

زیادتی کرتی ہے یہاں تک کہ وہ رجوع کرے طرف حکم کی اللہ کے پھر اگر وہ رجوع کرے تو صلح کرادو

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۱۰

درمیان ان کے عدل سے اور انصاف کرو یقیناً اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

کا پابند نہیں۔ اگر اکثر معاملات میں تمہاری رائے پر چلے تو تمہیں ضرور مشکلات کا سامنا ہو۔ پچھلی آیت سے یہ غلطی فہمی ہوسکتی تھی کہ ولید بن عقبہ نے غلط اطلاع پہنچائی جو ایک صحابی کی شان کے خلاف ہے۔اس آیت میں صحابہ کرام کی عصمت کو بیان فرمایا کہ وہ اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا تھا۔ یہاں عام مومن مراد نہیں بلکہ وہ صحابہ؄ مراد ہیں۔جن کے دلوں کی تہ تک ایمان رچ گیا تھا۔ ان کی صفات میں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنادیا ہے یعنی اب نیکی ہی تمہیں پیاری لگتی ہے ۔ ایمان سے تمہارے دلوں کو زینت بخشی ہے اور کفر وفسق اور معصیت کو تمہاری نظر میں سخت مکروہ بنادیا ہے۔ یعنی تمہیں ان بدیوں سے سخت کراہت پیدا کردی ہے۔پس ان صفات کے حامل لوگ ہی اللہ کے فضل سے راست رو ہیں۔

۹۔یہ ہدایت اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہے اور ایک عظیم نعمت ہے ۔یہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی بناپر ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اس کے اہل ہیں۔

۱۰۔ **تفیٓءَ ۔ الفیئ** کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کے ہیں۔ اسی سے **فاء الظل** ہے جس کے معنی سایہ کے زوال کے بعد لوٹ آنے کے ہیں۔ **فیئٌ** اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے بعد لوٹ آئے۔ **فیئٌ** مال غنیمت کو بھی کہا جاتا ہے۔ (۵۹۔۸) گویا دنیا کا بہترین سامان بھی بمنزلہ ظل ہے اور زائل ہونے والا ہے۔ یعنی ڈھلتے ہوئے سایہ کی طرح ہے۔ **الفئَۃُ** بمعنی جماعت بھی ہے۔(۸۔۴۶) **اصلحوا**۔اصلاح بمعنی صلح اور اصلاح کے ہے ۔ **اصلحوا**۔ تم صلح کرادو۔ اصلاح کی کوشش کرو۔ قسط اور عدل میں بنیادی طور پر فرق نہیں عدل دو فریق کے درمیان ہوتا ہے۔ قسط والا انسان اپنی ذات کے اندر سیدھا رہتا ہے۔ قسط کو عدل پر فضیلت ہے۔

ضروری نہیں کہ ہر عادل سے اللہ تعالیٰ محبت کرے مگر مقسطین سے محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ آداب معاشرت کے بعد امور سلطنت کے متعلق ہدایات دی جارہی ہیں، اس ضمن میں فرمایا کہ اگر دو مسلمان گروہوں یا ملکوں کے درمیان کسی تنازعہ کی بناپر مقاتلہ تک نوبت پہنچ جائے تو کسی تیسرے معتبر فریق یا ملک کو مصالحت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر نصیحت سے اصلاح پر آمادہ نہ ہوں اور لڑائی سے باز نہ آئیں اور صلح کی تمام کوششیں ناکام ہوجائیں تو صلح کروانے والے مسلم گروہوں یا ملکوں کا فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ حق پر کون ہے اور زیادتی کون کررہاہے۔ پھر جوحق پر ہو اور جس پر زیادتی ہو رہی ہو، اس کی اعانت کریں اور سب مل کر زیادتی کرنے والے پر دباؤ ڈالیں اور اسے بزور طاقت روکیں۔ اگر مقاتلہ کرنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کریں یہاںتکہ وہ اللہ کے فیصلہ کو مان لے ۔یہاں ایک معتبر فریق یا ملک کے فیصلہ کو جو کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں کیا گیاہو اللہ کا فیصلہ کہا۔جب فریق ثانی اس فیصلہ کو تسلیم کرے اورلڑائی بند ہوجائے تو ان دونوں فریق کے متنازعہ فی امور میں عدل و انصاف سے فیصلہ کریں تاایک پائدار صلح طے پائے اور دوبارہ ایسی صورت حال پیدانہ ہو۔یہ تبھی ممکن ہے جب کسی کی رعایت مدنظر نہ ہو اور نہ اپنے کسی مفاد پرنظر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زیادتی سے روکتے روکتے خود زیادتی کے مرتکب ہوجاؤ۔یاد رکھو انصاف کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔

پچھلی آیت میں صحابہؓ کے فضائل بیان فرمائے تھے۔اس آیت سے ظاہر ہے کہ انہیں آپس کے اختلافات یا جنگوں کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیاجاسکتا۔یہاں باہمی جھگڑوں کے باوجود دونوں فریق میں سے ہر ایک کو مومن کہا۔ ایک فریق کی دوسرے پر زیادتی کے باوجود انہیں بھائی بھائی کہا اور اخوت اسلامی کادرس دیا اور بتایا کہ یہ رشتہ تمام دنیوی رشتوں سے قوی ہے۔ اگر صحابہ کرام میں کبھی کسی بات پر اختلاف ہوا تو تاریخ شاہد ہے کہ اس کی وجہ بھی ان کی زبردست قوت ایمانی تھی کہ جس بات کو سچا سمجھے اس کے مقابل کسی کی پروانہ کی۔پس اہل تشیع کا حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو کافر قرار دینا قرآنی تعلیم کے صریحاً خلاف ہے۔ آج مسلم ممالک ان تمام قرآنی احکام کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اگر دو مسلم ملک آپس میں الجھ پڑیں تودوسرے مسلم ممالک یا تو کسی ایک کے ساتھ مل کر لڑائی کو اور ہوا دیتے ہیں یا تماشا دیکھتے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ آپس میں لڑلڑ کر اپنی طاقت کھو بیٹھتے ہیں اور کوئی تیسری طاقت ان پر چڑھ دوڑتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک تیل کی بے پناہ دولت کے باوجود اس قدر بے بس نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس مغربی ممالک اپنے مفاد میں ہمیشہ اکھٹے ہوجاتے ہیں اور خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا
سوائے اسکے نہیں کہ مومن تو بھائی بھائی ہیں پس اصلاح کردو درمیان اپنے دو بھائیوں کے اور ڈرو
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝۱۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ ع ۱۱ ۱۳
اللہ سے تاکہ تم رحم کئے جاؤ اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ تحقیر کرے
قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ
کوئی قوم کسی قوم کی شاید کہ ہوجائیں بہتر ان سے اور نہ عورتیں
مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا
عورتوں کی شاید کہ وہ ہوجائیں بہتر ان سے اور نہ عیب لگاؤ
أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ
آپس میں اور نہ ایک دوسرے کو پکارو بُرے لقبوں سے کیا ہی بُرا ہے نام
الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
بگاڑنا بعد ایمان کے اورجس نے نہ توبہ کی تو یہ لوگ ہی
الظَّالِمُونَ ۝۱۲ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ
ظالم ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو بچو بہت

اگلی آیات میں بتلایا کہ مسلمانوں کو بھائی چارہ رکھنے کے لئے کن صفات کواپنانا ضروری ہے۔

۱۱۔فرمایا مومن تو بھائی بھائی ہیں ۔پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروایا کرو۔غرض ان سارے معاملات میں جوتقویٰ کے تحت انجام پائیں گے اورتم اللہ سے ڈرتے ہوئے عدل و انصاف پرمبنی فیصلے کرو گے تو یادرکھو اس کے نتیجہ میں جہاں اللہ کے محبوب بنوگے وہاں وہ ربّ رحیم تم پراپنی بے شمار رحمتوں کانزول فرمائے گا۔

۱۲۔**لایسخر**۔ تمسخرنہ کرے۔ **تلمزوا**۔ **لمز** کے معنی عیب لگانا کے ہیں۔ خواہ زبان سے ہو یا اشارے سے جیسا کہ آنکھ یا زیرلب اشارہ سے کسی کی عیب چینی کرنا ۔**لاتنابزوا**۔ **نبز** نام یالقب رکھنا۔ بُرے لقب سے پکارنا یہ ذم کے موقع پر ہے۔ لقب عزت کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ ایک دوسرے کے نام نہ دھرو۔

جب یہ فرمایا کہ مسلمانوں میں باہمی مصالحت کی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اب ان آیات میں ان وجوہ کو دور کرنے کی تعلیم دی جن سے قوموں اور خاندانوں کے درمیان نفرتیں جنم لیتی ہیں اور بالآخر لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔یہاں تین ایسی برائیوں سے روکا جو دوسرے کوحقیر سمجھتے ہوئے اس کے منہ پر کہی جاتی ہیں۔بیشک پیٹھ پیچھے برائی کرنا گناہ

ہے لیکن سامنے برائی کرنا اس سے بھی بڑا گنا ہے کیونکہ اس طرح ہم دوسرے کی عزت نفس کو پامال کرتے اور اس کی دلشکنی کرتے ہیں جو بہت بڑا گناہ ہے۔اسلام نے ہر فرد اور قوم کی عزتِ نفس کا خیال رکھا اور کس کو کسی کی تحقیر اور دل آزاری کی اجازت نہیں دی۔ خاندانوں گروہوں اور قوموں کے درمیان منافرت کی بڑی وجہ دوسروں کو حقیر سمجھنا اوران کا مذاق اڑانا ہے جیسا کہ مغربی اقوام مشرقی اقوام کو اپنے سے کم تر سمجھتی ہیں یا کالے اور گورے کی تفریق یا جیسا کہ برصغیر پاک و ہند میں بعض پیشوں کو ذات سے منسوب کیا جاتا ہے جیسے موچی ، کمہار ،نائی اور تیلی وغیرہ کہہ کران کو نیچ ذات سمجھتے ہوئے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس سے اپنی بڑائی کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے۔ فرمایا ہوسکتا ہے وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ اخلاق و عادات کے لحاظ سے یا اللہ کی نظر میں ۔ عورتوں میں مذاق اڑانے اور دوسرے کی توہین کرنے کا مرض بہت زیادہ ہے اس لئے ان کا خاص طور پر علیحدہ ذکرکیا۔ فرمایا عین ممکن ہے کہ جن کو نشانۂ تضحیک بنایا جارہا ہے وہ اپنی نیکیوں اور صدق و صفا کی بنا پراللہ کی نظر میں مذاق کرنے والیوں سے بہتر ہوں اوران کا انجام اچھا ہو۔پس مومن خواتین کو زیب نہیں دیتا کہ کسی عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔اگر وہ غریب، کم عقل یا معمولی شکل کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان نعمتوں سے متمتع فرمایا ہے تو ان نعمتوں کے شکریہ کا حق اس طرح بھی ادا ہوسکتا ہے کہ انہیں ان نعمتوں میں شریک کر کے ان سے احساس محرومی دور کرو۔خواتین اپنی شکل کے بارہ میں بہت حساس ہوتی ہیں کبھی ان کی شکل پر تنقید نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کل تمہاری یہ شکل نہ رہے۔انسان کے عادات واطوار کی چھاپ اس کے چہرے پر نظر آتی ہے۔بعض معمولی شکل و صورت کی خواتین اپنی پارسائی، تقویٰ ، نرم گفتاری اور اعلیٰ خصائل کی وجہ سے ملکوتی حسن کی مالک ہوتی ہیں ان کے چہروں سے ایک خاص نور اور تقدس ٹپکتا ہے جبکہ بعض خوبصورت عورتیں غصہ، تکبر، کرختگی اور بدخصائل کی وجہ سے اپنے چہرے بگاڑ لیتی ہیں اور اکثر بلڈ پریشر اور ڈیپریشن کا شکار ہوتی ہیں۔احادیث میں تفصیل ہے کہ کوئی امیر کسی غریب کا مذاق نہ اڑائے اور نہ کوئی عالی نسب کسی معمولی نسب والے کو نشانہ تمسخر بنائے اور نہ تندرست کسی کمزر الاعضاء شخص کی ہنسی اڑائے جیسے کسی کو اندھا کانا، لولا یا لنگڑا وغیرہ کہنا۔ غرض تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری ہوتی ہے جبکہ مزاح ایسی ہنسی ہے جس سے دوسرے کا دل خوش ہوتا اور وہ لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ مستحسن ہے۔ **ولاتلمزوا انفسکم** کہہ کرخوب واضح کردیا کہ یہ تمہارے اپنے لوگ ہیں۔مسلمان بھائی یا بہنیں ہیں کوئی غیر نہیں پس تم اپنوں پر عیب نہ لگاؤ اور انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔یہ بھائی چارا کے منافی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان کا گلہ نہ کرے کیا کوئی مسلمان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔(ست بچن صفحہ ۱۳۶) گلہ کرنے والا بھی دوسرے کو اس کی کوتاہیوں پر طعن کرتا ہے اور نہیں سوچتا کہ وہ دوسروں کے معاملہ میں کن کن کوتاہیوں میں مبتلا ہے۔پس گِلا کرنا مستحسن نہیں۔ صرفِ نظر سے کام لینا چاہیئے۔ **ولا تنابزوبالالقاب** سے مراد یہ ہے کہ کسی کا نام بگاڑ کرایسے القاب سے نہ پکارو جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو اور اسے ناگوار ہو۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے ام المومنین حضرت صفیہؓ کو یہودن کہا۔۔۔۔۔ کہنے کا انداز اور لب و لہجہ ایسا تھا کہ حضور ﷺ دو تین ماہ تک حضرت زینبؓ کے حجرہ میں نہ گئے ۔ وہ کہتی ہیں کہ میں غم سے نڈھال ہوکر مایوس ہوچکی تھی اور سمجھتی تھی کہ اب کبھی آنحضرت ﷺ کا چہرہ نہ دیکھ سکوں گی۔ حضرت زینب نے توبہ کی تو پھر آپ ﷺ نے عفو سے کام لیا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی گناہ سے توبہ کرلی ہے تو اسے پھر اسی نام سے مت پکارو۔ یعنی پچھلے عمل سے عار نہ دلاؤ اور اس کی تحقیر مت کرو۔حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ سے عار دلائے یعنی طعنہ دے جس سے اس نے توبہ کرلی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کرکے دنیا و آخرت میں رسوا کرے۔(قرطبی) حضرت ام سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اسلام قبول کیا تو لوگ ان کے متعلق باتیں کرتے کہ یہ دشمن خدا ابوجہل کا بیٹا ہے ۔حضرت عکرمہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضور ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! لوگ تو معدن کی طرح ہوتے ہیں جاہلیت کے بہترین لوگ اسلام میں بھی بہترین ہوسکتے ہیں اگر وہ علم دین حاصل کریں۔ کسی مسلمان کو کسی کافر کی وجہ سے تکلیف نہ دیا کرو۔ (مستدرک حاکم کتاب معرفت صحابہ باب مناقب عکرمہ جلد۳ صفحہ ۲۷۱ حدیث نمبر ۵۰۶۱) **بئس الاسم الفسوق بعد الایمان** - فرمایا مومن ہونے کے بعد فاسق نام رکھانا بہت ہی بُری بات ہے ۔گویا بُرے لقب دینے والا خدا کے ہاں سے فاسق و بدکار ہونے کا لقب پاتا ہے ۔پس اگرکسی کا بُرا نام رکھو گے تو تمہارا نام اس سے پہلے فاسق ہوچکا ۔اے مسلمانو! کسی مسلمان کی ہنسی اڑا کر یا اس کے عیب لگا کر یا اس کا نام بگاڑ کر اپنے آپ کو فاسق نہ بناؤ۔

یہ افعال ایسے ہیں جن سے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں اور معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے اس لئے یہ تمام افعال حرام ہیں ۔مومنوں کو فوراً ان سے توبہ کرنی چاہیئے ورنہ وہ ظالموں میں شمار ہوں گے۔ ظالم وہ ہے جو دوسروں کے حقوق غصب کرے۔ پس جب ایک شخص دوسرے

ہے لیکن سامنے برائی کرنا اس سے بھی بڑا گنا ہے کیونکہ اس طرح ہم دوسرے کی عزت نفس کو پامال کرتے اور اس کی دلشکنی کرتے ہیں جو بہت بڑا گناہ ہے۔اسلام نے ہر فرد اور قوم کی عزتِ نفس کا خیال رکھا اور کس کو کسی کی تحقیر اور دل آزاری کی اجازت نہیں دی۔ خاندانوں گروہوں اور قوموں کے درمیان منافرت کی بڑی وجہ دوسروں کو حقیر سمجھنا اوران کا مذاق اڑانا ہے جیسا کہ مغربی اقوام مشرقی اقوام کو اپنے سے کم تر سمجھتی ہیں یا کالے اور گورے کی تفریق یا جیسا کہ برصغیر پاک و ہند میں بعض پیشوں کو ذات سے منسوب کیا جاتا ہے جیسے موچی ، کمہار ،نائی اور تیلی وغیرہ کہہ کران کو نیچ ذات سمجھتے ہوئے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس سے اپنی بڑائی کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے۔ فرمایا ہوسکتا ہے وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ اخلاق و عادات کے لحاظ سے یا اللہ کی نظر میں ۔ عورتوں میں مذاق اڑانے اور دوسرے کی توہین کرنے کا مرض بہت زیادہ ہے اس لئے ان کا خاص طور پر علیحدہ ذکرکیا۔ فرمایا عین ممکن ہے کہ جن کو نشانۂ تضحیک بنایا جارہاہے وہ اپنی نیکیوں اور صدق و صفا کی بنا پراللہ کی نظر میں مذاق کرنے والیوں سے بہتر ہوں اوران کا انجام اچھا ہو۔پس مومن خواتین کو زیب نہیں دیتا کہ کسی عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔اگر وہ غریب، کم عقل یا معمولی شکل کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان نعمتوں سے متمتع فرمایا ہے تو ان نعمتوں کے شکریہ کا حق اس طرح بھی ادا ہوسکتا ہے کہ انہیں ان نعمتوں میں شریک کرکے ان سے احساس محرومی دور کرو۔خواتین اپنی شکل کے بارہ میں بہت حساس ہوتی ہیں کبھی ان کی شکل پر تنقید نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کل تمہاری یہ شکل نہ رہے۔انسان کے عادات واطوار کی چھاپ اس کے چہرے پر نظر آتی ہے۔بعض معمولی شکل و صورت کی خواتین اپنی پارسائی، تقویٰ ، نرم گفتاری اور اعلیٰ خصائل کی وجہ سے ملکوتی حسن کی مالک ہوتی ہیں ان کے چہروں سے ایک خاص نور اور تقدس ٹپکتا ہے جبکہ بعض خوبصورت عورتیں غصہ، تکبر، کرختگی اور بدخصائل کی وجہ سے اپنے چہرے بگاڑ لیتی ہیں اور اکثر بلڈ پریشر اور ڈیپریشن کا شکار ہوتی ہیں۔احادیث میں تفصیل ہے کہ کوئی امیر کسی غریب کا مذاق نہ اڑائے اور نہ کوئی عالی نسب کسی معمولی نسب والے کو نشانہ تمسخر بنائے اور نہ تندرست کسی کمزر الاعضاء شخص کی ہنسی اڑائے جیسے کسی کو اندھا کانا، لولا یا لنگڑا وغیرہ کہنا۔ غرض تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری ہوتی ہے جبکہ مزاح ایسی ہنسی ہے جس سے دوسرے کا دل خوش ہوتا اور وہ لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ مستحسن ہے ۔ **ولاتلمزوا انفسکم** کہہ کر خوب واضح کردیا کہ یہ تمہارے اپنے لوگ ہیں۔مسلمان بھائی یا بہنیں ہیں کوئی غیر نہیں پس تم اپنوں پر عیب نہ لگاؤ اور انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔یہ بھائی چارا کے منافی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان کا گلہ نہ کرے کیا کوئی مسلمان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔(ست بچن صفحہ ۱۳۶) گلہ کرنے والا بھی دوسرے کو اس کی کوتاہیوں پر طعن کرتا ہے اور نہیں سوچتا کہ وہ دوسروں کے معاملہ میں کن کن کوتاہیوں میں مبتلا ہے۔پس گِلا کرنا مستحسن نہیں۔ صرفِ نظر سے کام لینا چاہیئے۔ **ولا تنابزوبالالقاب** سے مراد یہ ہے کہ کسی کا نام بگاڑ کرایسے القاب سے نہ پکارو جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو اور اسے ناگوار ہو۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے ام المومنین حضرت صفیہؓ کو یہودن کہا۔۔۔۔ کہنے کا انداز اور لب و لہجہ ایسا تھا کہ حضور ﷺ دو تین ماہ تک حضرت زینبؓ کے حجرہ میں نہ گئے ۔ وہ کہتی ہیں کہ میں غم سے نڈھال ہوکر مایوس ہوچکی تھی اور سمجھتی تھی کہ اب کبھی آنحضرت ﷺ کا چہرہ نہ دیکھ سکوں گی۔ حضرت زینب نے توبہ کی تو پھر آپ ﷺ نے عفو سے کام لیا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی گناہ سے توبہ کرلی ہے تو اسے پھر اسی نام سے مت پکارو۔ یعنی پچھلے عمل سے عار نہ دلاؤ اور اس کی تحقیر مت کرو۔حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ سے عار دلائے یعنی طعنہ دے جس سے اس نے توبہ کرلی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کرکے دنیا و آخرت میں رسوا کرے۔(قرطبی) حضرت ام سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اسلام قبول کیا تو لوگ ان کے متعلق باتیں کرتے کہ یہ دشمن خدا ابوجہل کا بیٹا ہے ۔حضرت عکرمہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضور ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! لوگ تو معدن کی طرح ہوتے ہیں جاہلیت کے بہترین لوگ اسلام میں بھی بہترین ہوسکتے ہیں اگر وہ علم دین حاصل کریں۔ کسی مسلمان کو کسی کافر کی وجہ سے تکلیف نہ دیا کرو۔ (مستدرک حاکم کتاب معرفت صحابہ باب مناقب عکرمہ جلد۳ صفحہ ۲۷۱ حدیث نمبر۵۰۶۱) **بئس الاسم الفسوق بعد الایمان** ۔ فرمایا مومن ہونے کے بعد فاسق نام رکھانا بہت ہی بُری بات ہے ۔گویا بُرے لقب دینے والا خدا کے ہاں سے فاسق و بدکار ہونے کا لقب پاتا ہے ۔پس اگرکسی کا بُرا نام رکھو گے تو تمہارا نام اس سے پہلے فاسق ہوچکا ۔اے مسلمانو! کسی مسلمان کی ہنسی اڑا کریا اس کے عیب لگا کر یا اس کا نام بگاڑ کر اپنے آپ کو فاسق نہ بناؤ۔

یہ افعال ایسے ہیں جن سے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں اور معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے اس لئے یہ تمام افعال حرام ہیں ۔مومنوں کو فوراً ان سے توبہ کرنی چاہیئے ورنہ وہ ظالموں میں شمار ہوں گے۔ ظالم وہ ہے جو دوسروں کے حقوق غصب کرے۔ پس جب ایک شخص دوسرے

الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبۡ

گمانوں سے یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کرو اور نہ غیبت کرے

بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ

بعض تمہارا بعض کی کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے کہ کھائے گوشت اپنے بھائی

مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۳﴾

مُردہ کا پس تم ناپسند کروگے اُسے اور تقویٰ کرو اللہ کا یقیناً اللہ رحمت سے متوجہ ہونے والا بہت رحم کرنے والا ہے

کی عزت پر حملہ کرتا ہے تو وہ حقوق العباد تلف کرتا ہے۔

ایک مومن کی سعادت اور خوش نصیبی یہی ہے کہ اپنا محاسبہ کرتا رہے، اپنے عیوب پر نظر رکھے اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔ بجائے دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں رہنے اور ان کو بدنام کرنے کے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں عقلمند اپنے عیب خود دیکھتا ہے جبکہ بیوقوفوں کے عیب دنیا دیکھتی ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہر بدی کو اس کی ابتدا ہی میں چھوڑ دے اور اس پر قوت حاصل کرنے کے لئے لاحول، استغفار اور دعاؤں میں لگا رہے۔

۱۳۔ اس سورۃ کا مضمون مسلمانوں کی باہمی اخوت کو قائم کرنا ہے جبکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر دو خاندانوں یا قوموں میں باہمی اختلاف ہوجائے تو بعض فتنہ پرور لوگ لگائی بجھائی کرکے اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ پس اس آیت میں ظن، تجسس اور غیبت جیسی معاشرتی برائیوں کو روکا تا کہ اختلافات ختم ہوں اور بھائی چارہ کی فضا پیدا ہو۔ غرض ہمیشہ سوءِ ظن یعنی بدگمانی سے بچنا چاہیئے اور حسن ظن سے کام لینا چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن الظن من حسن العبادۃ۔ یعنی حسن ظن ایک حسین عبادت ہے (سنن ابی داؤد کتاب الادب باب حسن ظن حدیث نمبر ۴۳۴۱) چاہیئے کہ مومن ہمیشہ نیک گمان رکھیں۔ بندوں سے بھی اور اپنے ربّ سے بھی۔ حضرت واثلہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اپنا آپ اس پر ظاہر کرتا ہوں پس جیسا وہ میرے متعلق گمان کرے ایسا ہی میرا اس کے ساتھ سلوک ہوگا۔ (بخاری کتاب التوحید باب یحذرکم اللّٰہ نفسہ دارمی فی باب حسن الظن باللّٰہ) پس کسی کی برائی نہ کریں، غیبت نہ کریں۔ مخلوق جس حال میں ہے بہرحال اللہ کی مخلوق ہے اسی کی پیدا کردہ ہے۔ عیب دار ہے یا بے عیب۔ فعل (مخلوق) میں عیب جوئی فاعل (اللہ تعالیٰ) میں عیب جوئی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کے مولیٰ جن کا نام ابوکثیر تھا بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا عقبہ کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ ہمارے پڑوسی شراب پی رہے ہیں۔ عقبہ نے فرمایا جانے دو۔ پھر میں ان کے پاس دوبارہ گیا

اور کہا کیا میں پولیس کو نہ بلا لاؤں؟ عقبہ نے فرمایا تیرا بُرا ہو! کہا جو ہے جانے دو کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے کسی کی کمزوری دیکھی اور پردہ پوشی سے کام لیا یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی زندہ درگور لڑکی کو نکالا اور اسے زندگی بخشی۔ (مسند احمد بن حنبل صفحہ ۴/۱۴۷) فرمایا اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ گویا ہر ظن گناہ نہیں جیسا کہ حسن ظن محمود ہے ہاں بدظنی ہر پہلو سے گناہ ہے۔ اس لئے اوّل بدظنی سے منع فرمایا یہ بہت سی بدیوں کی جڑ ہے اس سے تجسس کی عادت پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ جب ایک شخص سوءِ ظن کی وجہ سے غلط رائے قائم کرلیتا ہے تو پھر جستجو کرتا ہے کہ اس کے کچھ عیب مل جائیں۔ اس طرح اپنی بدظنی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تجسس کرتا ہے جس کا نتیجہ غیبت ہے گویا سوءِ ظن سے تجسس اور تجسس سے غیبت شروع ہوتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”کہ جو بدظنیاں کرتے ہیں جب تک اپنی نسبت بدظنیاں نہیں سن لیتے نہیں مرتے۔۔۔۔ پس ظن کے اگر قریب بھی جانے لگو تو اس سے بچ جاؤ کیونکہ اس سے تجسس پیدا ہوگا۔ اگر تجسس تک پہنچ چکے ہو تو پھر بھی رک جاؤ کہ اس سے غیبت تک پہنچ جاؤ گے اور یہ ایک بہت بڑی بداخلاقی ہے اور مردار کھانے کی مانند ہے۔“ (الحکم ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۸۔۹) بدظنی کوئی معمولی چیز نہیں۔ بدظنی عام لوگوں سے شروع ہوکر اللہ کے فرستادوں اور آخر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے اور انسان کو دہریہ بنا کر چھوڑتی ہے۔ غرض ساری خرابیاں اور برائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کسی سے سوءِ ظن پیدا ہوجائے تو کثرت سے استغفار کرے اور خدا سے دعائیں کرے کہ اس معصیت اور اس کے بُرے نتائج سے بچائے جو اس بدظنی کے پیچھے آنے والے ہیں۔

تجسس، کسی کے عیوب کی ٹوہ میں رہنا ہے۔ کسی کی پردہ کی باتوں پر کان لگانا، کسی کے رازوں کی تلاش میں رہنا، کسی کا خط، ڈائری یا اس کی ذاتی دستاویزات وغیرہ پڑھنا یہ سب اس میں شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے خط پر نظر دوڑائی وہ گویا آگ میں جھانکتا ہے۔ (ابوداؤد) پس کسی مومن کے عیب کی جستجو نہ کرو جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ستاری سے پردہ پوشی فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ مُردے کو نہلانے والا بھی اس کے کسی عیب کو ظاہر نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ دنیا میں کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اور

جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے۔(قرطبی)

غیبت ، کسی کے پیچھے ایسی بات کہنا ہے جس سے اس کی آبرو میں خلل آئے اور اگر وہ بات اس کے سامنے کی جائے تو اسے ناگوار ہو۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔عرض کیا گیا اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو تب بھی ۔فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تُو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔ (مسلم کتاب البرو الصلة باب تحریم الغیبة)

غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف کہا اس لئے کہ ایک غیر موجود بھائی مردہ کی مانند ہے جو اپنی عزت بچانے کی کوشش کرسکتا ہے نہ اپنا دفاع کرسکتا ہے اور نہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکتا ہے۔بھائی کہہ کر غیرت دلائی کہ جس کی برائی کر رہے ہو وہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔جس طرح ایک مردے کو اس کا گوشت بھنبھوڑنے سے اذیت نہیں پہنچتی اسی طرح جس کی غیبت کی جائے اسے بھی اذیت نہیں پہنچتی کہ کہاں کہاں اس کی عزت کو اچھالا گیا اور کون کون سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوئی۔ پس غیبت کی حرمت پچھلے بیان کردہ تمام گناہوں سے زیادہ ہے اور سننے والے پر فرض ہے کہ وہ اپنے غائب بھائی کی طرف سے بشرط استطاعت مدافعت کرے۔ مدافعت کی قدرت نہ ہو تو کم از کم سننے سے پرہیز کرے کیونکہ غیبت کا سننا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی جائے اس کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ تاہم کسی جائز ضرورت اور مجبوری کی بنا پر کسی کی برائی کرنا جس سے مقصد اس کی تحقیر نہ ہو، جائز ہے۔جیسے کاروبار یا شادی بیاہ کے سلسلہ میں صحیح مشورہ دینا اور حقیقت کو ظاہر کرنا غیبت نہیں مثلاً یہ بتلانا کہ یہ شخص لین دین میں قابل اعتماد نہیں۔یا شادی کے معاملہ میں بتانا کہ طبیعت کا سخت ہے یا اس کی عادات اچھی نہیں۔نیز مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ظلم کی شکایت اس شخص کے پاس لے جائے جو اس کی مدد کرنے کا مجاز ہو۔اس طرح کسی کے شر سے خبردار کرنے کے لئے بھی اس کی برائی بتائی جاسکتی ہے تاکہ لوگ نقصان نہ اٹھائیں۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! فاسق کی خرابیوں کو بیان کرو تا لوگ اس سے ہوشیار رہیں۔اس طرح اصلاح کی نیت سے بھی کسی ایسے شخص کو کسی کی برائی سے آگاہ کیا جاسکتا ہے جو اصلاح کرنے کا اہل ہو۔ان استثنائی صورتوں کے علاوہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی بدگوئی کرنا حرام ہے۔تقویٰ ہی سے ان برائیوں سے بچا جاسکتا ہے۔جب بھی کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو تقویٰ کی طرف قدم

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
اے لوگو یقیناً پیدا کیا ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
کنبے اور خاندان کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً سب سے معزز تم میں نزدیک اللہ کے
اَتْقٰكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ
زیادہ پرہیزگار ہے تم میں سے ، یقیناً اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے ، کہا گنواروں نے ایمان لائے ہم تو کہدے

بڑھائے ، فوراً توبہ کرے ، اس حرام فعل سے باز آئے اور استغفار کرے۔خواتین بطور خاص اس مرض میں مبتلا ہیں۔ان کی شبینہ مجالس کی گفتگو علم و معرفت کی بجائے عام طور پر محض غیبت کے گرد گھومتی ہے۔کبھی شوہر اور کبھی سسرال کی برائیاں ہی عموماً زیر بحث ہوتی ہیں۔انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے ۔اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور بہت استغفار کرنا چاہیئے ۔حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مجھے دوزخ دکھائی گئی اس میں اکثریت عورتوں کی تھی۔ان کی ناشکری کی وجہ سے۔عرض کیا گیا، کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان ناشناسی کی مرتکب ہوتی ہیں۔اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ تمام عمر احسان کرے اور پھر تمہاری طرف سے کوئی بات خلاف منشا دیکھ لے تو کہتی ہے میں نے کبھی تجھ سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔(بخاری کتاب الایمان باب کفران العشیر وکفر دون کفر فیہ) دوسری حدیث میں عورتوں کے جہنم میں جانے کی وجہ شوہروں کی ناشکری کے علاوہ ان کی غیبت کی عادت بھی بتائی گئی ہے۔

۱۴۔**شعوبًا۔ شعوب شعب** کی جمع ہے۔قومیں۔

پچھلی دونوں آیات میں اہل ایمان کو مخاطب کرکے آداب معاشرت کے تعلق میں ایسی چھ معصیتوں کو حرام قرار دیا جو باہمی منافرت کا باعث تھیں۔اس آیت میں ایک عالمگیر برائی کی نشاندہی فرمائی جو تمام دنیا میں ایک ناسور کی طرح پھیلی ہوئی ہے یہ رنگ ونسل ذات پات اور قومیت کا خناس ہے جو ہمیشہ بنی نوع انسان میں نفرت و عداوت کا بیج بوتا رہا اور آدم و حوا سے پیدا ہونے والے بھائی اپنے دوسرے بھائیوں کو تحقیر و تذلیل کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اگر یہود نے غیر یہود کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا تو ہندوؤں نے شودروں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ تآنکہ اسلام نے قومیتوں کے تعصب سے نکال کر تمام انسانوں کو باہمی اخوت کی ایک لڑی میں پرو دیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو ! تمہارا خدا ایک ہے۔تمہارا باپ ایک ہے۔ یادرکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں پھر آپ ﷺ نے اس آیت کا حصہ پڑھا کہ **اِنَّ اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم** ط۔ کہ تم میں

جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کردیتا ہے۔(قرطبی)

غیبت ،کسی کے پیچھے ایسی بات کہنا ہے جس سے اس کی آبرو میں خلل آئے اور اگر وہ بات اس کے سامنے کی جائے تو اسے ناگوار ہو۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔عرض کیا گیا اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو تب بھی ۔فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تُو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔ (مسلم کتاب البروالصلة باب تحریم الغیبة)

غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف کہا اس لئے کہ ایک غیر موجود بھائی مردہ کی مانند ہے جو اپنی عزت بچانے کی کوشش کرسکتا ہے نہ اپنا دفاع کرسکتا ہے اور نہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکتا ہے۔بھائی کہہ کر غیرت دلائی کہ جس کی برائی کررہے ہو وہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔جس طرح ایک مردے کو اس کا گوشت بھنبھوڑنے سے اذیت نہیں پہنچتی اسی طرح جس کی غیبت کی جائے اسے بھی اذیت نہیں پہنچتی کہ کہاں کہاں اس کی عزت کو اچھالا گیا اور کون کون سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوئی۔ پس غیبت کی حرمت پچھلے بیان کردہ تمام گناہوں سے زیادہ ہے اور سننے والے پر فرض ہے کہ وہ اپنے غائب بھائی کی طرف سے بشرط استطاعت مدافعت کرے۔ مدافعت کی قدرت نہ ہو تو کم از کم سننے سے پرہیز کرے کیونکہ غیبت کا سننا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی جائے اس کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ تاہم کسی جائز ضرورت اور مجبوری کی بنا پر کسی کی برائی کرنا جس سے مقصد اس کی تحقیر نہ ہو، جائز ہے۔جیسے کاروبار یا شادی بیاہ کے سلسلہ میں صحیح مشورہ دینا اور حقیقت کو ظاہر کرنا غیبت نہیں مثلاً یہ بتلانا کہ یہ شخص لین دین میں قابل اعتماد نہیں۔یا شادی کے معاملہ میں بتانا کہ طبیعت کا سخت ہے یا اس کی عادات اچھی نہیں۔نیز مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ظلم کی شکایت اس شخص کے پاس لے جائے جو اس کی مدد کرنے کا مجاز ہو۔اس طرح کسی کے شر سے خبردار کرنے کے لئے بھی اس کی برائی بتائی جاسکتی ہے تاکہ لوگ نقصان نہ اٹھائیں۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! فاسق کی خرابیوں کو بیان کرو تا لوگ اس سے ہوشیار رہیں۔اس طرح اصلاح کی نیت سے بھی کسی ایسے شخص کو کسی کی برائی سے آگاہ کیا جاسکتا ہے جو اصلاح کرنے کا اہل ہو۔ان استثنائی صورتوں کے علاوہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی بدگوئی کرنا حرام ہے۔تقویٰ ہی سے ان برائیوں سے بچا جاسکتا ہے۔جب بھی کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو تقویٰ کی طرف قدم

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ

اے لوگو یقیناً پیدا کیا ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو

شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ

کنبے اور خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً سب سے معزز تم میں نزدیک اللہ کے

اَتۡقٰكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ۝۱۳ قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ

زیادہ پرہیزگار ہے تم میں سے ،یقیناً اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے، کہا گنواروں نے ایمان لائے ہم تو کہدے

بڑھائے ،فوراً توبہ کرے ، اس حرام فعل سے باز آئے اور استغفار کرے۔خواتین بطور خاص اس مرض میں مبتلا ہیں۔ان کی شبینہ مجالس کی گفتگو علم و معرفت کی بجائے عام طور پر محض غیبت کے گرد گھومتی ہے۔کبھی شوہر اور کبھی سسرال کی برائیاں ہی عموماً زیر بحث ہوتی ہیں۔انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور بہت استغفار کرنا چاہیئے۔حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مجھے دوزخ دکھائی گئی اس میں اکثریت عورتوں کی تھی۔ان کی ناشکری کی وجہ سے۔عرض کیا گیا، کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟فرمایا شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان ناشناسی کی مرتکب ہوتی ہیں۔اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ تمام عمر احسان کرے اور پھر تمہاری طرف سے کوئی بات خلاف منشا دیکھ لے تو کہتی ہے میں نے کبھی تجھ سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔(بخاری کتاب الایمان باب کفران العشیر وکفردون کفر فیہ) دوسری حدیث میں عورتوں کے جہنم میں جانے کی وجہ شوہروں کی ناشکری کے علاوہ ان کی غیبت کی عادت بھی بتائی گئی ہے۔

۱۴۔**شعوبًا۔ شعوب شعب** کی جمع ہے۔قومیں۔

پچھلی دونوں آیات میں اہل ایمان کو مخاطب کرکے آداب معاشرت کے تعلق میں ایسی چھ معصیتوں کو حرام قرار دیا جو باہمی منافرت کا باعث تھیں۔اس آیت میں ایک عالمگیر برائی کی نشاندہی فرمائی جو تمام دنیا میں ایک ناسور کی طرح پھیلی ہوئی ہے یہ رنگ ونسل ذات پات اور قومیت کا خناس ہے جو ہمیشہ بنی نوع انسان میں نفرت و عداوت کا بیج بوتا رہا اور آدم و حوا سے پیدا ہونے والے بھائی اپنے دوسرے بھائیوں کو تحقیر و تذلیل کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اگر یہود نے غیر یہود کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا تو ہندوؤں نے شودروں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ تآنکہ اسلام نے قومیتوں کے تعصب سے نکال کر تمام انسانوں کو باہمی اخوت کی ایک لڑی میں پرو دیا۔حجة الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو ! تمہارا خدا ایک ہے۔تمہارا باپ ایک ہے۔ یادرکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں پھر آپ ﷺ نے اس آیت کا حصہ پڑھا کہ **انَّ اکرمکم عنداللّٰه اتقکم**ط۔کہ تم میں

سے اللہ کے نزدیک وہی سب سے بڑھ کر معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔۔۔۔۔۔(مسنداحمد صفحہ ۲۳۰/۱۔عن ابن عباسؓ) اس ایک جملے نے کہ تم میں سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے ، بنی نوع انسان کے درمیان ہر قسم کے امتیاز کو یکسر ختم کردیا۔ غرض اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہونے کے باوجود قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونا ایک فطری امر تھا۔ جس دور میں بنی نوع انسان تمام دنیا میں پھیلے ان دنوں رسل و رسائل کے ذرائع آسان نہیں تھے لہٰذا وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے۔ آب و ہوا اور دیگر عوامل کی وجہ سے رنگت، زبان اور بود و باش میں نمایاں فرق آیا۔ پس قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونے میں حکمت یہ تھی کہ ان کے آپس میں تعارف کا ذریعہ بنے کہ کس ملک، قبیلے یا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اسے وجہ افتخار بنائیں۔

شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاض کو حکم دیا کہ ابو ہند سے اپنی ایک عورت کی شادی کردیں انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اپنے موالی (غلام) سے شادی کردیں جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب جیسی عالی نسب لڑکی کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ سے کرکے خود مثال قائم کی اور ذات پات کی تفریق کو مٹادیا۔ واضح ہو کہ اس زمانہ میں اعلیٰ خاندانوں کی نظر میں غلام یا آزاد کردہ غلام شودر یعنی چوہڑے یا چمار سے بہتر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ شانِ نزول میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت بلالؓ کو مسجد حرام میں اَذان دینے کا حکم ہوا تو قریش بہت سٹپٹائے ۔ حارث بن ہشام نے حضرت بلالؓ کی شان میں یہ گستاخانہ جملہ کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا کوئی نہیں مُڑا جو مسجد حرام میں اَذان دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا! کہ اولیاء اللہ مامور نہیں ہوتے اس لئے دنیوی نظر میں نیچ سے نیچ ذات کے لوگ جیسے چوہڑے چمار اور تیلی وغیرہ تقویٰ کی راہوں پر چل کر اللہ کے مقرب اور اولیاء اللہ کے مراتب جلیلہ پر پہنچ سکتے ہیں جبکہ نبی اور مرسل کے لئے نجیب الطرفین اور عالی نسب ہونا ضروری ہے اس لئے کہ وہ مامور اور مطاع ہوتے ہیں اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آتے ہیں ۔خدا کے بعد ان کی اطاعت فرض ہوتی ہے اس منصب کے بزرگوں کے لئے قدیم سے خدا تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ وہ ان کو اعلیٰ درجہ کی قوم اور خاندان میں پیدا کرتا ہے تاان کو قبول کرنے اور ان کی اطاعت کرنے میں کسی کو کراہت نہ ہو۔ وہ رحیم و کریم خدا نہیں چاہتا کہ اس وجہ سے لوگ ٹھوکر کھائیں۔غرض قوم اور ذات پات اور خاندان کا ابتلا مال کے ابتلا سے کم نہیں اور سیّد اس میں سب سے زیادہ مبتلا ہیں۔ (تریاق القلوب صفحہ ۶۶۔۶۷ سے استفادہ کیا گیا)

لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ

نہیں ایمان لائے تم ۔ ولیکن ۔ کہو ۔ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں ۔ داخل ہوا ۔ ایمان

فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ

دلوں میں تمہارے ۔ اور اگر تم اطاعت کرو ۔ اللہ ۔ اور اسکے رسول کی ۔ نہ کم دے گا تمہیں

اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

عملوں میں سے تمہارے کچھ بھی ۔ یقیناً ۔ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے ۔ سوائے اس کے نہیں کہ مومن

اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے اور ہمیشہ باخبر ہے۔

۱۵۔**یلتکم ۔ یلت**۔ وہ کم کرتا ہے۔

شروع سورۃ سے ان بادیہ نشینوں سے خطاب جاری ہے جو جنگلوں کے رہنے والے غیر متمدن لوگ تھے ۔انہیں آدابِ معاشرت سکھائے ۔یہ فتح مکہ کے بعد اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے اور ان کا مقصد غنائم اور دیگر مادی فوائد کا حصول تھا۔ یہ بظاہر مسلمان تو ہوگئے اور اطاعت بجالائے لیکن ایمان ابھی ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہواتھا۔ ایسے سطحی ایمان کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ہزاروں مرتد ہوگئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی مساعی سے دوبارہ اسلام قائم ہوا۔

اسلام کے لغوی معنی بیشک اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں مگر شرعی لحاظ سے اسلام اور ایمان میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مسلمان مومن نہیں ۔ یہاں چند مخصوص بدوی گروہوں کا ذکر ہے ورنہ ہر مسلمان مومن ہے اور سطحی طور پر اسلام قبول کرنے والے بھی تمہارے مسلمان بھائی ہیں۔ خواہ انہوں نے ظاہری طور پر فرمانبرداری اختیار کی ، خواہ ایمان ابھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا، خواہ ان کے دلوں میں وساوس بھی ہوتے ہوں ۔وہ بہرحال مسلمان کہلانے کا حق رکھتے ہیں ۔وہ کلمہ گو ہیں۔انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا ۔بیشک تم صدق دل سے ایمان نہیں لائے اور تمہارے اندر کمزوریاں ہیں۔لیکن اگر اللہ اور رسول کی اطاعت کرو گے اور اعمال صالحہ بجالاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری اندونی کمزوریوں کو دور کردے گا اور تمہیں مومنین میں شامل کرے گا اور تمہارے اعمال کا بہترین اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے اعمال کے اجر میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔اگلی آیت میں وضاحت فرمائی کہ ایمان کے تقاضے کیا ہیں۔ آخر میں غفور رّحیم لاکر مسلمانوں کو ہدایت کی کہ نئے داخل ہونے والوں کو تربیت اور تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے ان سے نرمی کا معاملہ کریں۔

۱۶۔اب مومنین کامل کی صفات بیان فرمائیں کہ ان کا ایمان اللہ اور رسولؐ پر اس قدر

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا
وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر پھر نہ شک لائے وہ اور جہاد کیا انہوں نے
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۶
ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے راہ میں اللہ کی یہ لوگ ہی سچے ہیں
قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
تو کہہ دے کیا تم علم دیتے ہو اللہ کو اپنے دین کا اور اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں
وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۷ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ
اور زمین میں ہے اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے وہ احسان جتاتے ہیں تجھ پر کہ
اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ
وہ مسلمان ہوئے تو کہدے نہ احسان جتاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ اللہ احسان کرتا ہے تم پر

پختہ ہوتا ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہرگز نہیں ہوتی اور بڑے سے بڑا ابتلا بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں بے دریغ لٹاتے ہیں ۔انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ ہماری قربانیاں ضائع نہیں جائیں گی۔یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور اپنے ربّ کے حضور بھی صادق شمار ہوتے ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ’’ مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں ۔جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کرلیتے ہیں۔ اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کی خاطر اختیار کرتے ہیں اور اس کی محبت میں محو ہوجاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دور ترلے جاتے ہیں ۔‘‘(تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد دہم صفحہ ۱۰۳)

۱۷۔ وہ بدوی قبائل جو اسلام کو غالب ہوتا دیکھ کر فرمانبرداری پر مجبور ہوئے اور ظاہری طور پر اسلام میں داخل بھی ہوگئے فرمایا! ان سے پوچھ کہ کیا تم قبولِ اسلام کا اعلان کرکے اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دیتے ہو اوراس کے علم میں لانا چاہتے ہو کہ تم سچے دل سے دین اسلام قبول کرچکے ہو حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ تم سچے دل سے ایمان نہیں لائے اور تمہارے دلوں میں شکوک ہیں۔ کیا تم اس ہستی کو دھوکا دینے کی جرأت کررہے ہو جسے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا علم ہے اوراس کے سوا بھی اسے ہر چیز کا علم ہے ۔گویا اس کائنات کے علاوہ بھی اور کائناتیں ہیں جن کا اس علیم وخبیر کو علم ہے تو کیا اسے تمہارے دلوں کے کھوٹ کا علم نہیں ہوگا۔

اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۸ اِنَّ اللّٰهَ
کہ اس نے ہدایت دی تم کو ایمان کے لیے اگر ہو تم سچے یقیناً اللہ
يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹
جانتا ہے غیب آسمانوں اور زمین کا اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسکو جو تم کرتے ہو
ع ۵ ۱۴

۱۸۔ بعض بدوی قبائل کاذکر جاری ہے جو علم اور تمدن سے بے بہرہ تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بعض گستاخانہ باتیں کرجاتے ۔چونکہ ایمان ان کے دلوں میں صحیح طور پر داخل نہیں ہوا تھا اور ایمان کی قدروقیمت سے ناآشنا تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے قبولِ اسلام کا احسان جتاتے۔ فرمایا آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتاؤ۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی پرنور راہوں پر چلنے کی توفیق عطافرمائی۔ اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہوتو اپنے ربّ کے ممنونِ احسان ہو نہ کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان جتاؤ۔ پس اگر کسی کو کوئی نیک کام یا دینی خدمت کی توفیق ملے تو وہ اسے ہرگز خدا کے دین یا اس کے رسول پر احسان نہ سمجھے بلکہ ہمیشہ اللہ کا احسان سمجھے اور اس کا شکر ادا کرے کہ اس ربّ رحیم نے اسے اس قابل سمجھا اور توفیق عطا فرمائی۔

۱۹۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارے جتلانے یا کہنے کی ضرورت نہیں جب اللہ تبارک و تعالیٰ پر تمام کائنات کی پوشیدہ باتیں روشن ہیں تو تمہارے اعمال اس سے کس طرح چھپے رہ سکتے ہیں۔ اس عالم الغیب کی تمہارے ہر فعل پر گہری نظر ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ قٓ ۔یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی چھیالیس آیات اور تین رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی۔ پچھلی سورۃ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بیان پر ختم ہوئی۔ اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سورۃ الفتح میں دین اسلام کے کل دینوں پر غلبہ پانے کی پیشگوئی تھی ۔سورۃ الحجرات اسی کے ایک حصہ کی تفسیر تھی اس سورۃ کو مقطعات میں سے حرف "ق" سے شروع کرکے جو لفظ قادر یاقدیر کا مخفف ہے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ اس غلبہ کے لانے پر قادر ہے **والقراٰن المجید** ٥اور یہ غلبہ قرآن مجید کے ذریعہ سے ہوگاجب روحانی قیامت برپا ہوگی اور کئی مردے زندہ کئے جائیں گے ۔اس سورۃ کا مرکزی مضمون قیامت ہے جس میں روحانی قیامت یعنی غلبہ اسلام کی طرف بھی اشارہ ہے ۔قیامت مادی ہو یا روحانی اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ہے ۔پس اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کاانکار کرنے والوں کی توجہ آسمان کی وسعتوں کی طرف پھیری کہ اتنی عظیم الشان کائنات میں کوئی ایک شگاف بھی وہ نہیں دکھا سکتے یعنی اس میں ہرگز کوئی رخنہ نہیں پھر اس کے پیدا کرنے والے کی قدرتوں کا انکار کیسے کرسکتے ہیں۔ مختلف قوموں کا ذکرفرمایا جو بوجہ تکذیب انبیاء ہلاک ہوئیں آخر میں واصلِ جہنم ہونے والے بدنصیبوں اور جنت میں داخل ہونے والے خوش نصیبوں کے تفصیلاً ذکر پراس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

معتبر ذرائع سے پتہ چلتاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عیدین کی نمازوں میں اس سورۃ کی تلاوت فرمایاکرتے تھے ۔ فجر کی نماز میں بھی آپ ﷺ بکثرت اس کو پڑھا کرتے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس سورۃ کی بڑی اہمیت تھی اس لئے لوگوں کوباربار اس کے مفہوم سے آگاہ فرماتے۔

☆☆☆

منزل ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۲ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ

قاف قسم ہے قرآن عظمت والے کی بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس آیا

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۳ ءَاِذَا

ڈرانے والا ان میں سے تو کہا کافروں نے یہ بات عجیب ہے کیا جب

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۴ قَدْ عَلِمْنَا مَا

مرجائیں گے ہم اور ہوجائیں گے مٹی یہ واپسی دور ہے یقیناً ہم جانتے ہیں جو کچھ

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والاہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں آسمان و زمین وغیرہ کی پیدائش کاذکر کیا۔

ق مقطعات قرآنی میں سے ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم قادر یا قدیر ہے۔ مجید۔مجد۔ کے معنی کرم ، شرف اور بزرگی میں وسعت اور پہنائی کے ہیں۔ المجید اسمائے حسنہ میں سے ہے جس کے معنی وہ ذات جو اپنے فضل اور کرم خصوصی سے نوازنے میں نہایت وسعت اور فراخی سے کام لے۔ قرآن پاک کے وصف میں المجید سب سے پہلے یہاں آیاہے۔کیونکہ قرآن کریم بھی تمام دینوی اور اخروی مکارم کی تعلیمات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک جلیل القدر کتاب ہے۔ (مفردات)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے ق سے مراد قیامت لی ہے۔ فرمایا اس کا (قیامت کا) شاہد قرآن مجید ہے کہ تم بعد الموت مبعوث ہوگے۔(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۲)

پس قیامت کاآنا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک روحانی قیامت یعنی غلبہ اسلام کا مقدر ہونا، اس پر گواہ خود قرآن مجید کو بتایا ہے۔

۳۔۴۔قیامت کبریٰ یا روحانی انقلاب تو دور کی بات ہے انہیں تو اس بات پر تعجب ہے کہ خود انہی میں سے ایک ان جیسا شخص اٹھ کر یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والاہوں۔حالانکہ تعجب کی بات تو جب تھی کہ کسی اور قوم کا فرد انہیں ڈرانے آتا جس کی زبان سمجھتے اور نہ اس کے طور طریقوں یا حالات سے واقف ہوتے۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے آغاز پر کفار کے لئے سب سے حیران کن بات یہی تھی۔ ان کے خیال میں پیغمبر کو مافوق البشر ہونا چاہئے تھا ایک عام بشر پیغمبری کا دعویدار نہیں ہوسکتا ۔ ان کی نظر میں اس سے

تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴ بَلْ كَذَّبُوْا

کم کرتی ہے زمین ان میں سے اور ہمارے پاس کتاب ہے حفاظت کرنیوالی بلکہ انہوں نے جھٹلایا

بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵ اَفَلَمْ

حق کو جب آیا ان کے پاس بس وہ ایک بات الجھی ہوئی میں ہیں کیا پس نہیں

يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا

دیکھا انہوں نے طرف آسمان کی اپنے اوپر کیسا بنایا ہم نے اورزینت دی اسکواورنہیں

لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اس میں کوئی شگاف اور زمین کہ ہم نے پھیلایا اس کو اور ہم نے ڈالے اس میں پہاڑ

بڑھ کر تعجب انگیز آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ تھا کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ وہ کہتے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کیا دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ وہ لوٹنا تو بقول ان کے بعید از قیاس ہے یعنی اسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اگلی آیت میں ان کے اعتراض کا جواب دیا۔

۵۔ کفار کا نظریہ یہی تھا کہ روز ازل سے قیامت تک مرنے والے انسانوں کے اجزاء مٹی میں بکھر چکے ہیں اور بکھرتے چلے جارہے ہیں یہاں تک کہ ان کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ پھر آخرت میں ان کو اکٹھا کرنا کیسے ممکن ہوگا۔ دراصل انسان اپنے محدود علم و بصیرت پر اس علیم و بصیر کے غیر متناہی علم اور لامحدود قدرتوں کو قیاس کرکے ایک غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ فرمایا ہمارے علم میں ہے کہ زمین ان مردہ اجسام سے کیا کچھ کم کرتی چلی جارہی ہے اس کے باوجود ہمیں یہ قدرت حاصل ہے کہ ان منتشر ذرات کو اکٹھا کردیں۔ ہمارے پاس ایک محفوظ رکھنے والی کتاب ہے گویا ذرہ ذرہ کا ریکارڈ ہمارے پاس محفوظ ہے۔

۶۔ **مریج۔ المرج** کے معنی خلط ملط کرنے اور ملا دینے کے ہیں۔ (مفردات) انگریزی لفظ Merge کا ہم معنی ہے۔

یہ شک وشبہ میں مبتلا لوگ وہ ہیں جو اوّل الکافرین میں سے ہیں کہ جب ان کے پاس حق آیا تو بجائے اس پر غور و فکر کرنے کے بغیر سوچے سمجھے اسے رد کردیا اور فوری طور پر یہ فیصلہ صادر کردیا کہ یہ جھوٹ ہے۔ لیکن آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ بے داغ زندگی، قرآنی حقائق اور ان کا ضمیر انہیں کشمکش میں مبتلا کئے ہوئے ہے اور وہ متزلزل کیفیت سے گزر رہے ہیں اور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہیں پارہے۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان ہے۔

۷۔ **فروج۔ فرج۔** لفظی معنی شگاف کے ہیں۔ یہاں مراد اس کا ہر عیب اور خلل سے سلامت ہونا ہے۔ (روح المعانی) الملک :۴ میں آسمانوں کے ذکر میں فرمایا کہ نہ ان میں تفاوت

وَّاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى

اور ہم نے اگائی اس میں ہر قسم کی بارونق چیز بصیرت پیدا کرنیکا ذریعہ اور نصیحت

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

ہر بندے جھکنے والے کے لیے اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی برکت والا

ہے نہ اختلال یعنی ایک ہی قانون کے تحت سب نظام چل رہا۔ یہی معنی یہاں فروج کے نہ ہونے میں ہے یعنی قانونِ الٰہی میں کوئی فرق اور اختلال نہیں۔

شک و شبہ میں الجھے ہوئے بصارت و بصیرت سے محروم لوگ جنہیں روز روشن کی طرح چمکتے ہوئے قرآنی حقائق نظر آئے اور نہ محبوبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں کوئی خوبی نظر آئی۔ انہیں آسمان کی وسعتوں کی طرف توجہ دلائی کہ ہم نے اسے کیسے بنایا۔ ایک انسان اپنی محدود عقل سے اس کی بناوٹ اور وسعتوں کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ سائنسدان کسی اندازے کے قریب پہنچتے ہیں تو وہ اور وسیع ہوجاتی ہے۔ کائنات کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کے حساب سے ایک سال میں ساٹھ کھرب میل کا فاصلہ طے کرتی ہے اور کائنات روشنی کی رفتار سے وسعت پذیر ہے دور کے ستارے جو جدید ترین دوربینوں سے دیکھے گئے ہیں وہاں کی روشنی ہم تک پہنچنے کے لئے چھ ارب سال کا عرصہ لیتی ہے۔ ہم نے اس آسمان کو روشن اور خوبصورت اجرام فلکی سے زینت دی۔ جب اس عظیم الشان کائنات میں کوئی رخنہ نہیں دکھا سکتے، پھر اس کے پیدا کرنے والے کی قدرتوں کا وہ کیسے انکار کرسکتے ہیں۔

۸۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا مظہر آسمان ہی نہیں، زمین بھی ہے جسے قادرِ مطلق نے گول ہونے کے باوجود اس طرح پھیلایا کہ تمہیں احساس تک نہیں ہوتا اور اس پر پہاڑ ڈال دیئے۔ پس ہر قسم کی زندگی ان پہاڑوں کی مرہونِ منت ہے دیگر لامتناہی فوائد کے علاوہ نظام آب رسانی کا ذریعہ ہیں جس سے زمین میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں جوڑوں کی صورت پیدا ہوتی ہیں۔ نباتات میں زندگی اور مذکر و مؤنث کی طرف اشارہ کیا جسے سائنسدان اس دور میں سمجھ سکے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں سر جگدیش چندر کی تحقیق نے ثابت کیا کہ نباتات کی دنیا میں بھی نر و مادہ موجود ہیں۔ انہیں Knight Hood کا خطاب ملا۔

۹۔ فرمایا یہ عجائباتِ صنعت و خلقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی معرفت اور نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ہر ایسے شخص کے لئے جو ان پر نظر کرکے یعنی غور و فکر کرکے اس ربّ کائنات کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ گویا مصنوعات سے صانع کو پہچاننے والا ہے۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۱۰﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ

پھر ہم نے اگائے اس سے باغ اور اناج کاٹنے کے اور کھجوریں بلند

لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۱﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً

جن کے خوشے ہیں تہ بتہ بطور رزق کے بندوں کیلئے اور ہم نے زندہ کیا اس سے شہر

مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۲﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

مردہ کو اسی طرح نکلنا ہے (قبروں سے) جھٹلایا پہلے ان سے قوم نوح

وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۳﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ

اور کنوئیں والوں نے اور ثمود نے اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران

لُوْطٍ ﴿۱۴﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ

لوط نے اور اہل بن نے اور قوم تبع نے سب نے جھٹلایا

۱۰تا۱۲۔ **باسق** جو اونچائی میں لمبا ہو جائے ۔جمع **بٰسقات** (مفردات) **حصید**۔ کٹا ہوا کھیت۔**نضید**۔تہ بہ تہ۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان تھا فرمایا ہماری قدرت اس سے بھی ظاہر ہے کہ ہم نے آسمان سے ایسا پانی اتارا جو نفع رساں اور سراسر موجبِ خیر و برکت ہے پھر اس سے باغات اور ایسا اناج اگایا جو کھیتی کاٹ کر حاصل کیا جاتا ہے اور کھجور کے بلند و بالا درخت پیدا کئے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بتہ ہیں۔ یہ سب نعمتیں بندوں کے لئے بطور رزق ہیں۔ پھر بندوں کے طفیل حیوانات کے لئے بھی رزق کا ذریعہ ہیں ہم نے اس پانی سے ایک مردہ بنجر علاقہ کو زندہ اور سرسبز و شاداب کردیا۔عرب کی سرزمین میں یہ حقائق زیادہ کھل کر سامنے آتے ہیں۔ جب بھی بادو باراں کے جھکڑ سمندر سے ریگستان کی طرف چلتے ہیں تو مچھلیوں کو سمندر سے اچھال کر ریگستان میں پھینک دیتے ہیں جو ریت میں دب جاتی ہیں پھر جب کبھی سالوں بعد بارش ہوتی ہے تو مردہ مچھلیاں اور کچھوے وغیرہ زندہ ہو جاتے ہیں۔کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ سارے نظارے اس کی کبریائی کی دلیل نہیں۔انہیں دیکھ کر مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کیسے کرتے ہیں۔فرمایا اسی طرح تمہارا زمین سے نکلنا ہوگا گویا قیامت کو مردے نباتات کی مانند ہی زمین سے پھوٹیں گے۔یہاں بتلایا کہ جو خالقِ ارض و سماء کائنات کو تخلیق کرنے پر قادر ہے اس کے لئے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے ۔یہ بھی مراد ہے کہ جس طرح آسمانی پانی سے مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے اسی طرح روحانی آسمانی پانی یعنی وحی الٰہی سے روحانی مردے زندہ ہوجاتے ہیں۔

۱۳تا۱۵۔ہر نبی نے توحید و رسالت اور بعث بعد الموت کا پیغام دیا رسول کی تکذیب اور

الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۵﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ

رسولوں کو بس سچا ہوا میرا وعدۂ عذاب کیا پس ہم تھک گئے پیدائش پہلی سے بلکہ وہ

یوم بعث کا انکار کرنے والوں کو پچھلی امتوں کے انجام بتلاکر وعید کی گئی فرمایا فحق وعید پس میرا انذار سچا ثابت ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ہم ہمیشہ اپنے رسولوں کی حفاظت اور مدد فرماتے اور ان کے دشمنوں پر عذاب نازل کرتے رہے ہیں۔یہاں ایسی تمام قوموں کا ذکر ہے جن پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب استیصال آئے اور وہ صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں۔

حضرت نوحؑ کے حالات تفصیلاً سورۃ الاعراف رکوع ۸۔ سورۃ ھود رکوع ۳۔۴۔ الشعراء رکوع ۶۔

اصحاب الرس (کنوئیں والے) کے حالات الفرقان:۳۹۔

ثمود (قوم صالح) کے حالات تفصیلاً الاعراف رکوع ۱۰۔سورۃ ھود رکوع ۶۔

حضرت ھودؑ کی قوم عاد کے حالات تفصیلاً الاعراف رکوع ۹۔سورۃ ھود رکوع ۵۔ سورۃ الشعراء رکوع ۶۔

فرعون کے حالات تفصیلاً البقرۃ آیت ۵۰تا۵۱۔

قوم لوط کے حالات سورۃ الاعراف ۸۱تا۸۵۔سورۃ الحجر ۵۹تا۷۸۔سورۃ الشعراء رکوع ۹۔

اصحاب الایکۃ گھنے جنگلوں میں رہنے والے حضرت شعیبؑ کی قوم کے حالات تفصیلاً سورۃ الاعراف ۸۶تا۹۴۔سورۃ ھود ۸۵تا۹۶۔سورۃ الشعراء رکوع ۱۰۔

قوم تبع یمن کے رہنے والوں کے حالات سورۃ الدخان :۳۸۔ میں بیان ہوئے ہیں۔ تمام تفصیلات کے لئے مناھل العرفان سے استفادہ فرمائیں ۔

پس جس طرح ان اقوام پر عذاب آئے اسی طرح تکذیبِ رسول اور یوم بعث کا انکار کرنے والوں پر عذاب آئے گا خواہ دنیا اور آخرت میں آئے یا صرف آخرت میں ۔آپ ﷺ کی قوم پر عذابِ استیصال نہیں آیا کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے نیز آپ ﷺ تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور ابھی آپ ﷺ کا پیغام تمام دنیا تک نہیں پہنچا تھا۔ تمام دنیا تک آپ ﷺ کا پیغام پہنچنا آپ ﷺ کے مہدی علیہ السلام کے زمانے میں مقدر تھا۔جیسا کہ فرمایا۔ ’’میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا‘‘۔(تذکرہ صفحہ ۳۱۲)پس تمام دنیا پر عذاب بھی مہدیؑ کے زمانہ میں ہی آئیں گے اور آرہے ہیں۔

۱۶۔**افعیینا**۔ **الاعیاء** تکان اور درماندگی ہے ۔ **افعیینا** کیا ہم تھک گئے ہیں۔ کیا ہم

ع ۲ ۱۶ ۱۵

هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

شک میں ہیں پیدائش نئی سے اور یقیناً یقیناً پیدا کیا ہم نے انسان کو

وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ

اور ہم جانتے ہیں اسے جو وسوسہ ڈالتا ہے اسے اس کا نفس اور ہم زیادہ قریب ہیں اس سے

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۷﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ

رگ جان سے بھی جبکہ لے لیتے ہیں دو لینے والے (ایک) دائیں طرف سے

عاجز آ گئے ہیں۔ **لَبس** کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں ۔اسی سے لباس ہے۔ شبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بیان میں مختلف قوموں کا ذکر کیا جو تکذیب انبیاء سے ہلاک ہوئیں۔ان کے بعد دوسری قومیں پیدا ہوتی رہیں اور پیدائش کا یہ سلسلہ روز ازل سے جاری ہے۔ اس اقرار کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کی تمام تخلیق عدم سے وجود میں آئی، اس کے دوبارہ پیدا کرنے کو محال سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیند، اونگھ اور تکان جیسی کمزوریوں سے پاک ہے اور اپنی پہلی تخلیق سے نہیں تھکا تو نئی تخلیق کے متعلق شبہات میں کیوں مبتلا ہیں گویا دلیل نہیں محض شک ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ دوسری پیدائش کو خلق جدید کہہ کر واضح کردیا کہ وہ ایک نئی پیدائش ہوگی۔ یہی جسم نہیں ملے گا بلکہ ایک روحانی جسم ہوگا جو ہمارے اعمال سے تیار ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۷۔اس رکوع میں انسان کی پیدائش اور اس کے اعمال کی حفاظت کا ذکر ہے۔اور خاص طور پر اعمال سیئات کرنے والوں کا انجام بتایا۔ **حبل الورید** ۔ حبل ہر ذریعہ کو کہتے ہیں۔رسی۔ یہاں مراد رگ ہے۔**حبل الورید**۔رگ جان۔ شہ رگ۔ وہ بڑی ورید جو تمام جسم کو خون پہنچاتی ہے ۔

منکرین بعث کو بتلایا کہ صانع کو اپنی صنعت کا سب سے زیادہ علم ہوتا ہے اور اس کی کوئی بات اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہاں تک کہ خالق و مالک اپنے بندے کے دل کی گہرائیوں سے گزرنے والے خیالات و وساوس کو بھی جانتا ہے۔وساوس بُرے خیالات ہیں۔ بُرے خیالات کا ذکر بالخصوص کیا۔اس لئے کہ اگلی آیات میں خصوصاً شریروں کی سزا کا ذکر ہے۔یہاں وسوسہ کو نفس کی طرف منسوب کیا سورۃ الناس میں شیطان کی طرف منسوب کیا۔گویا جو وسوسہ انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اس میں شیطان کی تحریک بھی ہے فرمایا ہم انسان سے اس کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں یعنی اپنے علم کے لحاظ سے ہم اس کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔گویا جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی فزوں تر ہے۔یہ بھی اشارہ ہے کہ جس کا رب اس سے اتنا قریب ہو وہ گناہ کی جرأت کیسے کرسکتا ہے۔

وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۸﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ

اور (ایک) بائیں طرف سے بیٹھا ہے نہیں بولتا یہ کوئی بات مگر نزدیک اسکے

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ

نگہبان ہیں تیار اور آئے گی بے ہوشی موت کی یقیناً

۱۸۔**یتلقّٰی** ۔لقاءٗ کے معنی کسی کے سامنے آنے اور اسے پالینے کے ہیں۔ ملاقاۃ کے ہم معنی ہے۔ القاء کسی چیز کو ڈال دینے پر بولا جاتا ہے **یتلقّٰی** وہ لے جاتا ہے۔ لیتا ہے ۔ **متلقّیٰن**۔ دو لے جانے والے۔**قعید** ۔(قعد) بیٹھنے والا۔ ہم نشین۔

یہاں بتلایا کہ انسانی اعمال کا خالق حقیقی کو تو علم ہے ہی۔ اس نے انسانوں کے اعمال کی شہادت کے لئے دیگر نظام حفاظت بھی متعین فرمائے ہیں۔ جیسا کہ انسان کی ہر آواز اور ہر حرکت فضا میں اور اس کے اپنے جسم پر ثبت ہوتی جاتی ہے ۔نیز انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے کراماً کاتبین مقرر ہیں جو انسانوں کے ہر قول و فعل کو محفوظ رکھتے جاتے ہیں۔ دائیں جانب کے فرشتے نیک اعمال اور بائیں جانب کے بد اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔ امام بغویؒ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ جب آدمی ایک نیکی کرتا ہے تو دہنی طرف والا فرشتہ دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بدی کرتا ہے تو دہنی جانب کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتہ سے کہتا ہے توقف کر شاید یہ شخص استغفار کرے۔ روح المعانی میں ہے کہ ان کا لکھنا ان کا کسی طرح محفوظ کرلینا ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ان کے لکھنے یا حفاظت کرنے کے نتائج کسی حدتک دنیا میں بھی نظر آجاتے ہیں لیکن کھلے کھلے قیامت کو نظر آئیں گے جیسا کہ اگلی آیات میں تفصیل ہے۔

۱۹۔**یلفظ**۔ لفظ کسی چیز کا پھینکنا ہے جو تمہارے منہ میں ہو۔ بولنا ۔**یلفظ**۔ وہ بولتا ہے۔**مایلفظ من قول** ۔وہ کوئی بات نہیں بولتا۔**رقیب** ۔راہ دیکھنے والا منتظر۔ نگہبان ۔ **رقبۃ** ۔گردن ۔ نگران کو رقیب کہاجاتا ہے یا تو اس لئے کہ وہ نگرانی کے مدنظر اس کی گردن پر نظر رکھتا ہے جس کی نگرانی منظور ہو۔ یا اس لئے کہ وہ نگرانی کے لئے باربار گردن اٹھا کر دیکھتا ہے ۔ **عتید** ۔ تیار۔ موجود۔ **العتاد** ضرورت کی چیزوں کا پہلے سے ذخیرہ کرلینا ہے ۔ **عتید** فائل بھی ہے اور مفعول بھی ۔تیار کرنے والا ۔ تیار کی ہوئی چیز۔ گویا وہ فرشتہ لوگوں کے اعمال لکھنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

خالق و مالک کو تو بندوں کے ہر قول اور فعل کا علم ہے لیکن قیامت میں جب عدالت قائم کی جائے گی اور بندے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو وہ کسی شخص کو محض اپنے علم کی

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۲۰﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ
یہ ہے کہ تھا تو اس سے گریز کرتا اور بجایا جائے گا بگل یہ ہے

يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۱﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ
دن وعدۂ عذاب کا اور آئے گا ہر نفس کہ ساتھ اس کے ہوگا ہانکنے والا اور

شَهِيْدٌ ﴿۲۲﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ
گواہ یقیناً تھا تو غفلت میں اس سے سو ہم نے ہٹا دیا تجھ سے

بنا پر سزانہیں دے گا۔ بلکہ عدل کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں گے اور ہر شخص کے اعمال کا مکمل ریکارڈ مع کراما کاتبین کی شہادتوں کے پیش کیاجائے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں '' یادرکھو کہ جو کچھ ہم منہ سے بولتے ہیں اسے محفوظ کرنے والے خدا کے فرستادہ موجود ہوتے ہیں اور ہماری باتوں اور کاموں کا اثر ذرات ِ عالم اور اعضاء انسانی پر پڑتا ہے ۔قیامت کے دن گراموفون کی طرح یہ سب کچھ واپس ہوگا۔(یعنی تمہیں سنایا جائے گا) اوراس وقت فضیحت ہوگی ، اگر پہلے ہی سے ہم نہ سنبھل سکے۔'' (تشحیذ الاذہان جلد ۷ ۔نمبر ۴ صفحہ ۱۷۶۔۱۷۷)

۲۰۔ **سکرۃ الموت** ۔موت کی شدت اور غشی ہے جو موت کے وقت پیش آتی ہے ۔ **تحید۔الحَید** کے معنی پہلو تہی کرنے اور دور بھاگنے کے ہیں۔(مفردات) **تحید** ۔تو کنارہ کرتا ہے۔ تو بھاگتا ہے۔

آخرت کا انکار کرنے والوں کو موت کا وقت یاد دلایا **جآءت سکرۃ الموت بالحق** ط کے لفظی معنی یہ ہیں کہ موت کی بیہوشی حق لے کرآ پہنچی یعنی جان کنی کی حالت کے شروع ہوتے ہی حق روشن ہونا شروع ہوجاتا ہے اور دنیا میں جن حقائق پر پردہ پڑا ہواتھا وہ ظاہر ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔اور اسے اپنے انجام کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہوجاتا ہے فرمایاموت کی غشی برحق ہے سو وہ تو آ کر رہے گی ۔پس یہ وہی ہے جس سے تو گریز کرتا اور بھاگتا رہا۔ اب تمہارے نہ چاہنے کے باوجود یہ آن پہنچی ہے۔

۲۱۔۲۲۔**سائق۔سوق** ہانکنا ہے۔ **سائق** ہانکنے والا۔

ہرانسان اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس حال میں پیش ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک سائق اور ایک شہید ہوگا۔

قرآن کریم ایک مختصر اور جامع کتاب ہے اکثر لمبے واقعات کاذکر چھوڑ کر ضرورت کی بات بیان کرتا ہے۔پس موت کے ساتھ ہی قیامت میں صور پھونکنے کا ذکرکیا جس سے تمام مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ منکرین بعث سے خطاب فرمایا کہ یہ وعدہ کا دن ہے یعنی یہ دن اچانک نہیں

غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۳﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا
پردہ تیرا پس نظر تیری آج تیز ہے اور کہیگا اس کا ساتھی یہ ہے

مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۴﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۵﴾
جو پاس میرے تیار ہے (کہا جائیگا)۔ ڈالدو تم دونوں جہنم میں ہرایک بہت کفر کرنوالے سخت دشمنی رکھنےوالے کو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ
روکنے والے کو نیکی سے حد سے نکل جانیوالے شک کرنیوالے کو اسے جس نے ٹھہرایا ساتھ اللہ کے

آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اس دن سے ڈراتے رہے ہیں۔

سائق اور شہید کے مختلف مفسرین نے مختلف معنی کئے ہیں۔چونکہ اعمال صالحہ اور اعمال بد لکھنے والے دو فرشتوں کاذکر گزراہے اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ سائق سیئات لکھنے والا فرشتہ ہے ۔بدیوں کے نتائج سامنے دیکھ کرانسان اس کی طرف خود قدم نہیں اٹھائے گا۔ اسے مجبور کرکے چوپایوں کی طرح ہانک کرلے جایاجائے گا۔نیکیوں کو لکھنے والا فرشتہ چونکہ انسان کے اعمال حسنہ کی گواہی دینے والا ہے اس لئے بطور شہید وہ بھی ساتھ ہوگا۔

۲۳۔**الغطاء**۔ وہ کپڑا ہے جو کسی طباق وغیرہ کے اوپر بطور سرپوش کے ڈالا جائے۔ پردہ۔ **من ھذا**۔ یعنی بدی کے ان نتائج سے ۔

یہ منکرین بعث ہی تھے جنہوں نے دنیا میں اپنی آنکھوں پر جہالت وغفلت کے پردے چڑھائے رکھے اور اس کی رنگینیوں میں کھوئے رہے۔انہیں اپنی بدیوں کے بد نتائج نظر نہ آئے۔ ان لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے۔اور آج تیری نظر بہت تیز ہے اور تو ان چیزوں کو دیکھ رہاہے جن کا دنیامیں انکار کرتا تھا۔تیرا پردہ سے مراد یہ ہے کہ یہ پردہ تونے خود اپنی آنکھوں پر ڈال رکھا تھا۔عالم آخرت میں انسان کو نئے حواس ملیں گے اور ایسی آنکھیں ملیں گی جو بہت تیز ہوں گی۔اور وہ ان لطیف امور کو بھی دیکھ سکے گا۔جو ان حواس پر مخفی تھے۔

قیامت کبریٰ کے ساتھ اس روحانی قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دنیا میں قائم ہوئی اور کشوف و الہامات سے مشرف مقربین الٰہی کی روحانی آنکھیں تیز ہوئیں اورانہیں دنیاہی میں وہ حقائق نظر آ گئے جودوسرے لوگ یوم آخرت کو دیکھیں گے۔

۲۴۔**قرین** سے مراد شیطان ہوسکتاہے جو دنیا میں اس کا ساتھی اور بدی کا محرک رہا۔ انسانی اعضاء اور فرشتے بھی ہوسکتے ہیں جو اس کا اعمال نامہ تیار کرکے لائے ہوں گے۔سائق بھی مراد ہوسکتاہے جو اسے عدالت ِالٰہی میں پیش کرے گا ۔

۲۵ تا ۲۷۔**عنید**۔ عناد رکھنے والا۔ دشمن ۔حق کا دشمن ۔ سرکش ۔

اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۷﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ
معبود اور پس ڈالدو تم دونوں اس کو عذاب سخت میں کہے گا اس کا ساتھی

رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۸﴾ قَالَ
اے رب ہمارے نہیں سرکش کیا تھا میں نے اسے ولیکن وہ خود ہی تھا گمراہی میں دور کی (اللہ) فرمائے گا

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۹﴾
نہ جھگڑو میرے پاس اور یقیناً میں بھیج چکا ہوں طرف تمہاری وعدہ عذاب کا

ع ۲ ۱۴ ۱۶ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۳۰﴾ يَوْمَ
نہیں بدلائی جاتی بات میرے ہاں اور نہیں میں ہرگز ظلم کرنیوالا بندوں پر جس دن

وہ اعمال نامہ اس لائق ہوگا کہ سائق اور شہید کو کہا جائے گا کہ تم دونوں ہر ایسے شخص کو جہنم میں پھینک دو جو سخت ناشکری کرنے والا اور حق کا سخت دشمن تھا گویا نبوت جو اللہ کی رحمت ہے اس کا انکار کر کے سخت ناشکری کے مرتکب ہوئے۔ یہ وہ بدبخت ہیں جو ہر اچھی بات سے روکنے والے ہیں۔ یعنی خود تو برائیوں میں ملوث تھے ہی دوسروں کو بھی اچھی بات سے روکتے رہے اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ حد سے تجاوز کرنا ہر برائی میں حد سے گزرنا ہے گویا حق تلفی، ظلم و زیادتی اور دیگر گناہوں میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کر دینا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے معاملہ میں دوسروں کو شبہات میں مبتلا کرنے والے ہیں۔ اسی پر بس نہیں یہ شخص شرک جیسے مکروہ فعل میں بھی ملوث تھا۔ اس نے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بنا رکھا تھا۔ اس کے یہ سارے جرائم مقتضی ہیں کہ تم دونوں اسے سخت عذاب میں جھونک دو۔

۲۸ تا ۳۰۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں جانے والا یہ عذر پیش کرے گا کہ مجھے شیطان نے بہکایا اور سرکشی میں مبتلا کیا جو دنیا میں میرا قرین تھا ورنہ میں ضرور نیک عمل بجالاتا۔ اس پر شیطان اپنی بریت کا اظہار کرے گا کہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا اسے خود ہی بدی پسند تھی اور نیک بات سے گریزاں تھا۔ میں نے اسے گمراہی کی طرف بلایا ضرور تھا لیکن مجبور نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی گمراہی کا یہ خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے حضور جھگڑا نہ کرو۔ کفار اور شیاطین کے درمیان جھگڑا قرآن کریم میں کئی جگہ مذکور ہے۔ فرمایا میں تو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا ہوں کہ جو بھی بدی کا مرتکب ہوگا اس کے لئے عذاب کا وعدہ ہے۔ غرض تم پر خوب واضح کر دیا گیا ہے اور کوئی حجت نہیں چھوڑی۔ اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے خود غلط راستہ اختیار کیا یا تمہیں کسی نے بہکایا۔ تم پر جبر بہرحال نہیں ہوا۔ سزا میں انصاف کے سارے تقاضے پورے کئے جائیں گے۔ جہاں بہکنے والے کو سزا ملے گی وہاں بہکانے

نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۱﴾
ہم کہیں گے جہنم کو کیا بھر گئی تو اور وہ کہے گی کیا اور بھی ہے

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۲﴾ هٰذَا مَا
اور نزدیک کی جائے گی جنت متقیوں کے لیے بغیر دوری کے یہ ہے جس کا

والا بھی اپنے جرم کی سزا پائے گا۔ یاد رکھو میرے حضور قول بدلا نہیں کرتے۔ تمہارے اعمال کے مطابق جو فیصلہ کر دیا گیا ہے وہ ضرور نافذ ہوگا۔ ہم ہرگز ظلم کرنے والے نہیں کہ کسی کو ناحق سزا دیں، سزا تمہارے نامۂ اعمال کے مطابق ہی جاری ہوگی۔

۳۱۔ **امتلئت**۔ تو بھر گئی۔ **ملاء الشئی**۔ ایک چیز کو بھر دیا **الملاء** جماعت ہے جو مجلس کو بھر دیتی ہے۔ آخری رکوع میں جنت کی نعمتوں کا بیان ہے۔

آخرت کی کسی چیز کو ہم دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ سوائے نام کی مشابہت کے۔ ان کی حقیقت آخرت ہی میں کھلے گی۔ یہاں صورتِ حال کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ تمثیلی طور پر جہنم سے پوچھے گا کہ کیا تیرا پیٹ بھر گیا۔ جہنم زبانِ حال سے جواب دے گی کہ اگر اور بھی ایسے بدبخت ہیں تو میرے اندر ان کو سمیٹنے کی بھی گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ **لاملئن جهنم من الجنّة والنّاس اجمعين** (ھود۔۱۲۰) کے مطابق جنات اور انسانوں کو جہنم میں ڈالتا جائے گا اور وہ یہی کہتی جائے گی کہ کچھ اور بھی ہے (ابن کثیر)

۳۲۔ بیشک قیامت کے دن جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی گویا جنتی خود جنت کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ جنت ان کے پاس لائی جائے گی۔ اس میں ان کا اکرام بھی ہوگا اور یہ بھی کہ جب ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ ہو جائے گا تو انہیں جنت میں داخلہ کے لئے ایک لمحہ کا بھی انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

قرآنی آیات آخرت کے علاوہ دنیا پر بھی اطلاق پاتی ہیں یعنی دنیا میں بھی جنت متقیوں کے قریب کر دی جائے گی۔ گویا متقی جوں جوں تقویٰ میں ترقی کرتے جائیں گے جنت ان کے قریب ہوتی جائے گی۔ غیر بعید کا مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ بات ہرگز بعید از قیاس نہیں نیز یہ بھی بتلایا کہ وہ دور نہیں جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے کہ جنت قیامت ہی میں ملے گی۔ ایک متقی کی جنت دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔

سورۃ التکویر میں آخری زمانہ کی پیشگوئیوں میں فرمایا **واذا الجنة أزلفت** (آیت۱۴) گویا ایسا مسیح کے زمانہ میں ہوگا جب تھوڑی نیکی بھی قبول کر لی جائے گی اور ایک متقی شدید مجاہدہ

تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝۳۳ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ

تم وعدہ دیئے جاتے تھے ہر ایک رجوع کرنیوالے نگاہ رکھنے والے کے لیے، جو ڈرتا ہے رحمٰن سے

بِالْغَيْبِ وَجَاۤءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝۳۴ اِدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ

بن دیکھے اور آتا ہے ساتھ دل جھکنے والے کے داخل ہو اس میں سلامتی سے

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝۳۵ لَهُمْ مَّا يَشَاۤءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا

یہ ہے دن ہمیشہ رہنے کا ان کیلئے ہے جو وہ چاہیں گے اس میں اور ہمارے پاس ہے

کے بغیر بھی جنت کا وارث قرار پائے گا۔ جیسا کہ ایک احمدی نظامِ وصایا میں شامل ہوکر بھی بفضل تعالیٰ نہایت آسانی سے جنت کا حقدار قرار پائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ نزول مسیح کے تعلق میں ایک لمبی حدیث بیان فرماتے ہیں کہ ایسے وقت میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔(متفق علیہ ۔ مسند احمد بن حنبل جلد۲ صفحہ ۴۳۷)

۳۳۔ فرمایا جنت کا وعدہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو **اوّاب** اور **حفیظ** ہے۔ یہ دونوں وسیع المعانی الفاظ ہیں۔ **اوّاب** اپنے ربّ کی طرف بہت جھکنے والا اور رجوع کرنے والا ہے۔ وہ شخص جو معاصی کو ترک کر کے اور اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلنے والا ہو۔ کثرت سے اللہ کو یاد کرے اور تمام معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ **حفیظ**۔ حفاظت کرنے والا ہے جو احکام الٰہی اور حدود اللہ کی نگہداشت کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی امانتوں اور اس کے حقوق کی حفاظت کرے۔ اپنے نفس کی حفاظت کرے اور استغفار کرے۔ اور ایک لحہ کے لئے بھی یاد الٰہی سے غافل نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن چار رکعتیں (اشراق کی) پڑھ لے وہ **اوّاب** اور **حفیظ** ہے۔(قرطبی)

۳۴۔ **منیب**۔ اللہ کی طرف رجوع ہونے والا۔ گڑگڑانے والا۔ منیب انابت سے ہے جس کے معنی ایک طرف رخ کرنے اور باربار اس کی طرف پلٹنے کے ہیں ۔ قلبِ منیب وہ دل ہے جو ہر طرف سے رخ پھیر کر اللہ ہی کی طرف جھکا۔ پھر عمر بھر جو احوال بھی اس پر گزرے اس نے باربار اپنے ربّ کی طرف ہی رجوع کیا۔

یہاں مومن کی دو اعلیٰ صفات بیان فرمائیں۔ اوّل یہ کہ وہ بن دیکھے اپنے ربّ سے ڈرتا رہا۔ اس ڈر میں محض سزا کا خوف نہیں تھا بلکہ اپنے ربّ کی عظمت او ربزرگی کے احساس نے اس پر ایک ہیبت طاری کئے رکھی اور وہ ایک جھکنے والا دل لئے ہوئے اپنے ربّ کے حضور آیا ہے۔ دوم یہ کہ یہ جانتے ہوئے کہ رحمٰن بلابدل بخشنے والا ہے اس نے اپنے دامن کو ہر گناہ سے بچائے رکھا ۔

۳۵۔۳۶۔ فرمایا امن و سلامتی کے ساتھ اس جنت میں داخل ہوجاؤ۔ یہ وہ برکت والا دن

مَزِيْدٌ ۝۳۶ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ

مزید (انعام) اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے قومیں کہ وہ زیادہ سخت تھے

مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۚ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۷

ان سے پکڑ میں پس وہ گھس گئے شہروں میں کیا ہے کوئی بھاگنے کی جگہ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ

یقیناً اس میں البتہ نصیحت ہے اس کے لیے کہ ہے جس کا دل یا اس نے دھرا کان

ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی برکتیں دائمی ہیں۔ اہل جنت کے لئے ان کے ربّ کی ایک بڑی نعمت یہ بھی ہوگی کہ وہ جو چاہیں گے انہیں مل جائے گا مزید میں ان نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھیں کہ وہ ان کی خواہش کرتے۔ دیدار الٰہی اور تجلی ربانی کی طرف اشارہ ہے ۔جیسا کہ حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں کچھ مزید دوں۔ وہ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردیئے۔ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا اور جہنم سے نہیں بچالیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا اور ان لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے ہوں گے ان میں سے کوئی انعام بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے ربّ کی دید سے مشرف ہوں ۔(مسلم۔ ترمذی) یہ بھی معنی ہیں کہ ان کی نعمتوں میں زیادتی ہوتی رہے گی اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

۳۷۔ **نقبوا** ۔ نقب دیوار یا چمڑے میں سوراخ کرنا ہے۔ نقیب وہ ہے جو قوم کے حالات کا پتہ لگاتا ہے۔ **نقبوافی البلاد** سے مراد شہروں میں غاریں بنانا یا سرنگیں اور خندقیں وغیرہ کھودنا ہیں۔ یہ بھی مراد ہے کہ شہروں کو چھان مارا۔ غلبہ کی غرض سے یا تجارتی اغراض سے۔

فرمایا ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کردیا جو گرفت میں ان سے سخت ترتھیں۔ انہوں نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو اپنے بچاؤ کے لئے شہروں میں سرنگیں بچھادیں۔ جیسا کہ اس دور میں جنگ کی ہلاکتوں سے بچاؤ کے لئے مورچے (Trenchcs) وغیرہ کھودے جاتے ہیں تو کیا ان کے لئے کوئی پناہ کی جگہ تھی۔ یعنی انہیں کوئی پناہ کی جگہ نہ ملی اور ہلاک ہوئے۔ آخری دور کی تباہیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جب خندقیں یا دیگر حفاظتی تدابیر انہیں خدا کے عذاب سے بچانہیں سکیں گی۔

۳۸۔ **القی السمع** ۔**القاء سمع** کے معنی کسی بات کی طرف کان لگانے اور غور کرنے کے ہیں۔ **القی السمع وھوشھید** ۔ دل سے متوجہ ہوکر سننا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ وہ جو کچھ سنتے

وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۸﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

اور وہ حاضر ہے (دل سے) اور یقیناً ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو

بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۹﴾

کچھ درمیان ہے انکے چھ دنوں میں اور نہ چھوا ہم کو تھکان نے

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ

پس صبر کر اس پر جو وہ کہتے ہیں اور پاکیزگی بیان کر ساتھ حمد کے اپنے رب کی پہلے

ہیں ان کے دل ان کی شہادت دیتے ہیں ۔(مفردات)

یہاں بتایا کہ تاریخی شواہد پر اس شخص کے لئے سامان عبرت ہیں جو دل رکھتا ہے۔حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ یہاں قلب سے مراد عقل ہے کیونکہ عقل کا مرکز دل ہی ہے ۔اس لئے اسے عقل سے تعبیر کیا۔ قرآنی نصائح سے فیض یاب ہونے کے لئے محض علم و عقل ہی کافی نہیں دل سے متوجہ ہو کر سننا بھی ضروری ہے ۔ وھوشھید میں بتایا کہ وہ جو کچھ سنتے ہیں ان کے دل اس کی شہادت دیتے ہیں گویا قلب حاضر ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ کان تو سن رہے ہوں مگر دل کہیں اور ہو۔ پس علم اور عقل کو بنیاد بنا کر ہر تعصب سے بالا ہو کر پوری توجہ سے سننے سے لازماً صحیح نتیجہ حاصل ہوجاتا ہے۔

۳۹۔**لغوب۔ الغوب** کے معنی بہت زیادہ درماندہ ہونے اور تھک جانے کے ہیں۔

قرآن کریم وہ پہلی آسمانی کتاب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے اس کی نشاندہی فرمائی۔آج سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ زمین اور آسمان کے درمیان جہاں کچھ نہیں وہاں Black Matter ہے تفصیل (الحجر:۸۶۔ستة ایام تفصیل الاعراف۵۵۔یونس۔۴)

بائبل میں مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے چھ دن میں زمین وآسمان کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا(پیدائش ۲۔۲) یہاں وضاحت فرمائی کہ آرام وہ کرتا ہے جو تھکتا ہے ۔تھکنا ایک نقص ہے اورکوئی نقص ربّ کائنات کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ وہ تھکنے یا دیگر کمزوریوں سے پاک ہے۔

یہاں بتلایا کہ جس طرح کائنات اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتوں کی بنا پر بتدریج ترقی کرتی ہوئی چھ مختلف مراحل سے گزر کر موجودہ صورت کو پہنچی اسی طرح اسلام کی ترقی بھی بتدریج ہوگی۔ اس میں منکرین بعث کا بھی رد فرمایا کہ جو خالق کائنات اس وسیع وعریض کائنات کو وجود میں لانے پر قادر ہے اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۴۰۔۴۱۔ پس تو ان کی طعن وتشنیع اور تکذیب کو صبر کے ساتھ برداشت کر اور اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید سے خدائی نصرتوں کو قریب کھینچ لا۔ربّ کی تسبیح اور حمد سے مردا نماز ہے۔ کیونکہ

طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۴۰﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ

چڑھنے سورج اور پہلے ڈوبنے کے اور رات کو بھی پس پاکیزگی بیان کر اسکی

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۱﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ

اور پیچھے سجدہ کے اور کان دھر جس دن پکارے گا پکارنے والا

مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۲﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ

جگہ نزدیک سے جس دن وہ سنیں گے تیز آواز یقیناً

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۳﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا

یہ ہے دن نکلنے کا یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی

قرآن کریم میں جس مقام پر بھی حمد اور تسبیح کو خاص اوقات کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے وہاں اس سے مراد نماز ہوتی ہے۔حضرت عمارہ بن روبیہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!ہرگز داخل نہ ہوگا آگ میں وہ شخص جو نماز پڑھے سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے(فجر وعصر) (مسلم) حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں نماز فجر اور عصر کی اہمیت بیان کی اور اس پر استدلال کرنے کے لئے آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔(بخاری ومسلم و اللفظ لمسلم) اس آیت کے مفہوم میں وہ تمام تسبیحات بھی داخل ہیں جن کے صبح و شام پڑھنے کی ترغیب احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس نے دن میں سو(۱۰۰) مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ معاف کردئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔(صحیح بخاری ومسلم)حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جوشخص صبح کے وقت اور شام کے وقت سو(۱۰۰) مرتبہ سبحان اللہ پڑھے قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا۔ بجز اس کے کہ وہ بھی یہ تسبیح اتنی یا اس سے زیادہ پڑھتا ہو۔(صحیح بخاری ومسلم) ۔رات کے ایک حصہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح میں تہجد کی طرف بھی اشارہ ہے ۔احادیث میں تہجد کی بے حد فضیلت بیان ہوئی ہے ادبارالسجود کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ سجود سے مراد فرض نمازیں ہیں اور ادبار السجود سے مراد وہ تسبیحات پڑھنا ہے جن کی فضیلت ہر نماز کے بعد حدیث مرفوع میں آئی ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ نماز کے بعد تسبیح سے مراد نوافل بھی ہوسکتے ہیں اور ذکر بھی۔ اس میں پانچوں نمازوں کی طرف بھی اشارہ ہے ۔سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر ، چھپنے سے پہلے ظہر وعصر ، رات میں مغرب وعشاء اور تہجد ۔

۴۲۔۴۳۔۴۴۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے بیان میں نمازوں اور تسبیح وتحمید کی تحریص دلائی۔ اب یوم بعث کی ہولنا کی کا ذکر کیا۔

الْمَصِيْرُ ﴿۴۴﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ

لوٹنا ہے جس دن پھٹ جائے گی زمین ان سے جلدی کرتے ہونگے یہ

حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۵﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ

اکٹھا کرنا ہم پر آسان ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور نہیں

قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ جو آیات قیامت کبریٰ کا نقشہ پیش کرتی ہیں وہی اکثر قیامت صغریٰ یعنی روحانی بعث کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں۔ قیامت کے دن پکارنے والے حضرت اسرافیلؑ ہیں جو بگل بجائیں گے تو وہ ایک ہولناک برحق آواز سنیں گے گویا ان میں سے ہر ایک یہی محسوس کرے گا کہ اسے بالکل قریب کے مقام سے پکارا جارہاہے ۔ فرمایا یہی نکل کھڑے ہونے کا دن ہے یعنی اس آواز سے تمام مُردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے ۔ قیامت صغریٰ یعنی روحانی بعث کو بھی ایسا ہی ہوا۔جب نیک روحوں نے منادی کامل آنحضرت ﷺ کی پکار سن کر سر تسلیم خم کیا **ربنا اننا سمعنا مناديًا ينادى للايمان ان امنوا بربكم فامنّا** (ال عمران :۱۹۴)من مکان قریب میں آپ ﷺ کو قبول کرلینے کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ ہولناک آواز سے مراد بوقت جنگ طبل کا بجانا بھی ہے۔جیسا بہت قریب کے زمانہ میں جنگ بدر کے موقع پر یہ نقشہ سامنے آیا اور روحانی طور پر مردے اٹھ کھڑے ہوئے۔

۴۴۔ فرمایا ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے ۔گویا بعث بعدالموت ہو یا بعثِ روحانی، زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہے گا زندہ کرے گا، جب چاہے گا مارے گا۔ روحانی بعث میں زندگی انہیں ملے گی جن میں روحانی طور پر زندہ رہنے کی صلاحیت ہوگی۔ دوسرے تو مُردوں کے ذیل میں ہوں گے ۔ آخر لوٹ کر جانا تو اسی خالق و مالک کی طرف ہی ہے۔

۴۵۔ **سراعًا** مصدر ہے ۔ دوڑیں ۔اسی سے سریع اور سرعت وغیرہ ہے ۔ تیزی اور جلدی کے معنی دیتاہے۔

قیامت کبریٰ میں زمین کے پھٹنے کا صریحاً ذکرنہیں اگر ایسا ہوگا تو اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتاہے ۔ بظاہر ایسی آیات سے آخری زمانہ کی تباہیوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتاہے جس وقت لوگوں میں دنیوی مفاد کے حصول کی خاطر دوڑیں لگی ہوئی ہوں گی اور وہ اپنے ربّ کو بھولے ہوئے ہوں گے۔ حصولِ دنیا میں جو بھاگ دوڑ ہوسکتی ہے کرلیں ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کو اکٹھا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۶﴾ ع ۳ / ۱۶ / ۱۷

تو ان پر ہرگز جبر کرنیوالا پس نصیحت کر قرآن کے ذریعہ سے اس کو جو ڈرتا ہے میرے ڈرانے سے

۴۶۔ جو کچھ وہ بیہودہ گوئی کررہے ہیں ہم اسے خوب جانتے ہیں اور تو ان پر جبراً اصلاح کرنے والا بنا کرنہیں بھیجا گیا کہ انہیں بزوراسلام میں داخل کرے ۔تیرا کام قرآن مجید کے ذریعہ دعوتِ حق دینا اور نصیحت کرتے چلے جاناہے ۔ اگر چہ آپ ﷺ کا خطاب عام ہوگا مگر اثر وہی قبول کرے گا جو اللہ کی وعید یعنی انذاری پیشگوئیوں سے ڈرتاہے اور جانتاہے کہ ہر غلط کام کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔

قرآن مجید کے ذکر سے اس سورۃ کو شروع کیااور قرآن پر ہی اس کا اختتام فرمایا اور بتلایا کہ قرآن مجید کے ذریعہ ہی قیامت صغریٰ یعنی روحانی انقلاب برپاہوگا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زاریات۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی اکسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

پچھلی سورۃ کو روحانی انقلاب یعنی غلبہ اسلام کی بشارت پر ختم فرمایا جو قرآن مجید کی برکت سے ہوگا۔ اس سورۃ کو الذّٰریٰت سے شروع فرمایا۔الذّٰریٰت کے لفظی معنی بکھیرنے والیوں کے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح ہوائیں بیج کو بکھیر دیں تو وہ آہستہ آہستہ نشوونما پاتا اور بڑھتا ہے اسی طرح حق کا غلبہ بھی تدریجی ہوگا۔

یہ سورۃ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے اس میں ایسے سائنسی علوم کھولے گئے ہیں جن کا علم اس زمانہ کے انسان کو نہیں تھا۔بیشک گزشتہ علماء کے تراجم بھی قابل تحسین ہیں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جدید سائنس کی روشنی میں اس سورۃ کی تفسیر فرمائی جو ازدیاد ایمان کا باعث ہے۔لہٰذا اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں خاص طور پر آپ کی تفسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ جوں جوں سائنس اور دیگر علوم و فنون ترقی کرتے جاتے ہیں۔ قرآنی حقائق و معارف پر مہر تصدیق ثبت ہوتی جاتی ہے۔

اس سورۃ کے آغاز میں گزشتہ سورتوں کی پیشگوئیوں کو جن میں یوم آخر، بعث بعد الموت اور جزا سزا وغیرہ کی پیشگوئیاں بیان ہیں،فرمایا کہ وہ یقیناً سچ ہیں۔اس سچائی کے ثبوت میں آئندہ زمانہ میں ان پیشگوئیوں کے مطابق ظہور پذیر ہونے والے حقائق کو قیامت کے لئے بطور گواہ ٹھہرایا گیا ہے کہ جب وہ وقوع پذیر ہوں گے اور انسان ان پیشگوئیوں کو پورا ہوتا دیکھے گا تو جان جائے گا کہ جس طرح اس عالم الغیب کی بتائی ہوئی یہ پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں یقیناً وہ پیش گوئیاں بھی پوری ہوں گی جن کا تعلق آخرت سے ہے۔

پس سورۃ قٓ کی طرح اس سورۃ کا مضمون بھی ابتدائی مکی سورتوں کی طرح بیشتر قیامت، بعث بعد الموت اور جزا سزا سے تعلق رکھتا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۲ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۳ فَالْجٰرِيٰتِ

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی خوب بکھیرنا پھر اٹھانے والیوں کی بوجھ پھر چلنے والیوں کی

يُسْرًا ۝۴ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۵ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۶

آہستہ آہستہ پھر بانٹنے والیوں کی حکم کو یقیناً جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ضرور سچا ہے

وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۸ اِنَّكُمْ

اور یقیناً جزا ضرور ہونیوالی ہے قسم ہے آسمان راستوں والے کی یقیناً تم

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۷۔**وِقْرًا**۔ دراصل وہ بوجھ ہے جو گدھے نے اٹھایا ہو گویا کسی سواری کا بوجھ ہے۔ کان کے بھاری پن اور بوجھ کے لئے بھی آتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اردو ترجمہ قرآن کریم میں بیان فرمایا کہ اب ظاہری طور پر بھی لفظاً لفظاً یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے آجکل ہوائی جہازوں اور ہیلی کاپڑوں کے ذریعہ بیج بکھیرے جاتے ہیں اور بھاری بھرکم وزن اٹھا کر جہاز اڑتے ہیں اور باوجود ان بوجھوں کے سبک رو ہوتے ہیں۔ **فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا** میں بتلایا کہ ان جہازوں کے ذریعہ مختلف غالب قومیں انتہائی اہم اور حساس معلومات حاصل کرتی ہیں۔اور مغلوب اور مقہور قومیں بھی حسب استطاعت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں ان سب کو گواہ ٹھہرا کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جس کا تم وعدہ دئے جاتے ہو وہ یقیناً ہو کر رہنے والا ہے اور جزا سزا کا دن یعنی فیصلہ کا دن ظالم قوموں کے لئے اس دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں تمام بنی نوع انسان کے لئے ہوگا۔

۸۔اس آیت میں خوب واضح کردیا کہ یہ بیج بکھیرنے والیاں اور بوجھ اٹھانے والیاں کوئی زمین پر بوجھ اٹھا کر چلنے والی چیزیں نہیں بلکہ آسمان پر اڑنے والے وجود ہیں۔چنانچہ اس آسمان کو گواہ ٹھہرایا گیا جو فضائی راستوں والا آسمان ہے۔چنانچہ آج نظر اٹھا کر دیکھیں تو ہر جگہ جہازوں کے رستوں کے نشان ملتے ہیں۔(ترجمۃ القرآن کلاس حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۹۔پس ان تمام امور کا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ تم آخرت کا انکار کرکے ایک اختلافی بات میں پڑے ہوئے ہو یعنی شدید گمراہی میں مبتلا ہو۔

۱۰۔**افک** پھر جانا اور منحرف ہو جانا ہے۔

لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۹﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۱۰﴾ قُتِلَ
البتہ اختلاف والی بات میں ہو پھیرا جاتا ہے اس سے جو پھیرا گیا (بھلائی سے) مارے گئے

الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۲﴾
اٹکل باز وہ جو غفلت میں بھولنے والے ہیں

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۳﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ
وہ پوچھتے ہیں کب ہوگا دن بدلہ کا جس دن وہ آگ پر

يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۴﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
عذاب دیئے جائیں گے تم چکھو اپنی گمراہی کو یہ وہ ہے کہ تھے تم جسے

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۶﴾
جلدی مانگتے یقیناً متقی باغوں اور چشموں میں ہونگے

اس گمراہی کی وجہ سے جو آخرت کا انکار کر کے تمہارے شامل حال ہے، وہی شخص حق سے پھیرا جاتا ہے جس کے حق سے پھرائے جانے کا حکم صادر ہوجاتا ہے۔وہ یقیناً اس کا اہل تھا اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر حکم میں انصاف کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں۔

۱۱۔**خرّاصون**۔اٹکلیں کرنے والے۔بِنا دلیل قیاس اور ظن کی بنا پر بات کرنے والے۔ یہاں بتلایا کہ اگر نعوذباللہ یہ آئندہ کی باتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں کسی بے بنیاد قیاس آرائی کرنے والے کی باتیں ہوتیں تو اٹکل پچو سے کام لینے والے تمام ہلاک ہوگئے۔ جبکہ اس رسول ﷺ کے بیان کردہ فرمان دائمی ہیں۔

۱۲۔**غمرة**۔سخت جہالت ۔ **غمرات** ۔شدائد ۔**ساھون** سہو وخطا جو غفلت سے ہو۔ وہ لوگ جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اس معاملہ میں بغیر کسی دلیل کے غلط اندازوں سے کام لیتے ہیں وہ سخت جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور حقیقت سے بے خبر غفلت میں بھٹک رہے ہیں۔

۱۳۔اور تمسخر کے انداز میں پوچھتے ہیں کہ جزا سزا کا دن کب ہوگا جب تمہاری کہی ہوئی باتیں پوری ہوں گی۔ بظاہر تو ایسا ممکن نہیں۔

۱۴۔ **الفَتن** کے معنی سونے کو آگ میں گلانے کے ہیں تا کہ کھرا کھوٹا معلوم ہوجائے۔ کسی انسان کو آگ میں ڈالنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔(مفردات)عذاب اور دکھ دینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔فرمایا ان کو بتادو کہ وہ دن وہی ہوگا جس دن وہ آگ میں بھونے جا رہے ہوں گے۔

۱۵۔اور انہیں کہا جائے گا کہ اپنے فتنے کا مزا چکھو جو تم نے دنیا میں برپا کر رکھا تھا۔یعنی

اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ
لینے والے ہوں گے اس کو جو دے گا ان کو رب ان کا یقیناً وہ تھے پہلے اس سے

مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ
نیکی کرنے والے تھے وہ تھوڑا حصہ رات کا سوتے اور

جو فتنے برپا کر کے تم بندگانِ خدا کو دکھ دیتے تھے اس کا مزا چکھو۔انہیں یاد دلایا جائے گا کہ یہی وہ ہے جس کے لئے تم جلدی کیا کرتے تھے کہ اگر کوئی ایسا دن ہے تو اسے ابھی بلاؤ سو تمہارے حسب خواہش وہ دن آ گیا ہے اب اس سزا کا مزا چکھو۔

۱۶۔جیسا کہ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ انذار کے فوراً بعد دنیوی اور اخروی نعمتوں کی خوشخبری دیتا ہے پس اس دن گنہگار اور متقی الگ الگ کردئے جائیں گے۔اب اہل جنت کی صفات بیان فرمائیں یہ وہ مومنین ہیں جو آخرت پر ایمان لائے اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارا یعنی اس خار زارِ جہاں میں اپنے دامن کو ہر گناہ سے بچا کر رکھا۔یہ ان کے نیک اعمال کا اجر ہے کہ اللہ کے فضل و احسان سے اخروی نعمتوں کے حقدار قرار دئے جائیں گے اور باغات اور چشموں کے وارث ہوں گے۔

۱۷۔ ان **جَنّٰت وعیون** میں ان کا ربّ جو نعمتیں عطا کرے گا وہ انہیں خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ یقیناً وہ دنیا میں محسنین تھے یعنی اعلیٰ ترین اعمال بجالانے والے تھے۔

۱۸۔ **یھجعون۔ ھجوع** رات کا سونا ہے۔(مفردات)

اب حقوق اللہ کے تعلق میں ان کی خاص صفات بیان فرمائیں کہ وہ فرائض پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ نوافل کے لئے التزام کرنے والے تھے۔رات کو کم سونے میں تہجد کی طرف اشارہ ہے فرمایا کہ وہ تہجد کی ادائیگی کے لئے رات کو کم سوتے تھے۔احادیث میں تہجد کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔حضرت بلالؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !تمہیں نماز تہجد کا التزام کرنا چاہیئے کیونکہ یہ گزشتہ صالحین کا طریق رہا ہے ،بیشک قیامِ اللیل قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے یہ (عادت) گناہوں سے روکتی اور برائیوں کو ختم کرتی ہے اور جسمانی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ (ترمذی ابواب الدعوات) گویا تہجد کی ادائیگی محض روحانی امراض کا علاج ہی نہیں بلکہ جسمانی امراض کا علاج بھی ہے۔قیام اللیل ''ایک ماہرِ امراض قلب کی نگاہ میں'' کے عنوان سے مورخہ ۲۹ نومبر ۲۰۰۱ء کو اسلام آباد میں جماعت احمدیہ اسلام آباد کے تحت ایک محفل منعقد ہوئی۔اس موضوع پر ڈاکٹر بریگیڈیر محمد مسعود الحسن نوری صاحب نے تہجد کے روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کے طبی

پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی اور بتلایا کہ گزشتہ ۵۰ سالوں سے دل کی بیماریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔صرف پاکستان میں ایک کروڑ کے قریب لوگ دل اور دل کی شریانوں کی بیماریوں نیز فالج وغیرہ کے امراض میں مبتلا ہیں۔پاکستان میں ایک سروے کے مطابق اس طرح کے مریض رات چار بجے سے صبح دس بجے تک زیادہ ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں بعض رطوبتیں خون میں داخل ہوتی ہیں جس سے خون کے خلئے جمنے کی شرح میں اضافہ ہوجاتا ہے بلڈ پریشر کے ساتھ ساتھ دل کی دھڑکن بھی بڑھ جاتی ہے اور اگر یہ زیادہ بڑھ جائیں تو شدید نقصان ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور انجائنا، دل کا دورہ اور فالج کا حملہ وغیرہ ہوسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ رات میں اموات کی شرع زیادہ ہے۔اس وقت اگر انسان اٹھ کر وضو کرکے نماز شروع کردے تو خون میں خلئے جمنے کے سسٹم میں وقفہ آجاتا ہے جس سے خون کی رفتار نارمل ہوجاتی ہے۔

یہ تو مشہور ہے کہ انسان احتیاطی تدابیر سے بفضل تعالیٰ بیماریوں سے بچ جاتا ہے دل کے امراض سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر روحانی معنوں میں صبح کے قریب شب بیداری ہے جسے ہمیں اپنی عادتِ ثانیہ بنا لینی چاہیئے۔آپ نے اپنے خطاب میں اپنے بیان کردہ دلائل کے حق میں بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون افراد کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جائزہ لیا ہے کہ بہشتی مقبرہ میں مدفون لوگوں کی اوسط عمر ۷۰ سال ہے جبکہ ہمارے ملک میں اوسط عمر ۴۷ سال ہے۔اب یہ بات یقینی ہے کہ ان مرحومین کی اکثریت نماز تہجد کی عادی تھی۔یہ لیکچر اس قدر سودمند ثابت ہوا کہ رمضان کے مبارک مہینہ میں بہت سے احباب نے نماز تہجد کو اپنی عادت بنالیا۔

میں نے ایک دوسرے ڈاکٹر کا مضمون پڑھا کہ رات ۱۱ سے ۲ بجے شب تک سونا انسانی صحت کے لئے انتہائی فائدہ مند ہے۔غرض جلد سونے اور جلد جاگنے کی افادیت اظہر من الشمس ہے۔تہجد اور پھر فجر وقت پر پڑھنا جہاں اپنے ربّ کو راضی کرنا ہے وہاں صحت کے لئے بھی ازحد مفید ہے۔

اکثر مفسرین نے یہی معنی کئے ہیں کہ متقین رات کو کم سوتے ہیں اور رات کا زیادہ حصہ نوافل اور ذکر و دعا میں گزارتے ہیں۔مقربین الٰہی کے لئے یہی معنی ہیں مگر ہر مومن اس مقام پر نہیں ہوتا کہ وہ رات کا زیادہ حصہ عبادات میں گزارے۔ہر آیت کے کئی معانی ہیں۔حضرت ابن عباسؓ، قتادہ اورمجاہد وغیرہ آئمہ تفسیر نے حرف ''ما'' کونفی قرار دے کر یہ معنی بھی کئے ہیں کہ رات کو ان پر تھوڑا حصہ ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں بلکہ نوافل اور دعا و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔گویا تہجد ادا ضرور کرتے ہیں مگر رات کا کچھ حصہ نہ کہ زیادہ حصہ۔

بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ

بوقت صبح وہ استغفار کرتے تھے اور ان کے مالوں میں حق تھا مانگنے والے کا

وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٠﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢١﴾ وَفِيْٓ

اور نہ مانگنے والے کا اور زمین میں نشان ہیں یقین کرنے والوں کے لیے اور خود

۱۹۔یہ متقین اپنی راتوں کی عبادت پر فخر کرنے کی بجائے بوقت سحر اپنی کوتاہیوں پر نظر کرکے اپنے ربّ سے معافی چاہتے اور استغفار کرتے تھے۔احادیث میں استغفار کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص اپنے اوپر استغفار لازم کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ نکال دیتا ہے اور ہر رنج وغم سے اسے نجات دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔(احمد۔ابوداؤد۔ابن ماجہ)

۲۰۔یہاں بتلایا کہ یہ اللہ کے مقربین محض بدنی عبادات کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ مالی عبادات میں بھی ان کا ایک بڑا حصہ تھا۔گویا حقوق اللہ کو احسن طریق سے ادا کرنے کے علاوہ حقوق العباد کے لئے بھی ہر دم کوشاں رہتے تھے۔یہ متقین و محسنین مالی قربانیوں میں زکوٰۃ ہی کو کافی نہیں سمجھتے تھے اور نہ اپنی محنت کی کمائی کو محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی ذات کے لئے مختص کرتے تھے۔ بلکہ اپنے مال کو اللہ کی عطا جانتے ہوئے اس میں دوسروں کا حق بھی سمجھتے۔فرمایا ان کے اموال میں سوالیوں اور غیر سوالیوں کا ایک حق تھا گویا وہ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاتے تھے، اس پر احسان نہیں کرتے تھے۔سوال کرنے والے وہ غریب حاجتمند ہیں جو اپنی حاجت لوگوں پر ظاہر کردیتے ہیں۔محروم وہ غیرتمند مفلس حاجتمند ہیں جو انتہائی ضرورت کے وقت بھی دست سوال دراز نہیں کرتے۔اس آیت میں بتلایا کہ متقین وہ ہیں جو غربا پر خرچ کرتے وقت سائلین ہی پر نظر نہیں رکھتے بلکہ ایسے محتاجوں کے حالات سے بھی باخبر رہتے ہیں جو اپنی عزت کی وجہ سے اپنی حاجات کسی پر ظاہر نہیں کرتے اور اس طرح لوگوں کی امداد سے محروم رہ جاتے ہیں۔محروم میں بے زبان جانور بھی شامل ہیں۔ان تین آیات میں مومنین کی تین صفات کا ذکر کیا جن کی وجہ سے انہیں متقین اور محسنین کا خطاب ملا اور جنت کے مستحق ٹھہرے۔

اوّل یہ کہ آخرت پر ایمان لاکر ہر نیک عمل بجالائے اور ہر گناہ سے خود کو بچایا۔ دوم یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل سے حسب استطاعت اس کی بندگی کا حق ادا کیا اور اس پر فخر کی بجائے استغفار کو اپنا شعار بنایا۔سوم یہ کہ بندگان خدا کی خدمت اور ان کی مالی معاونت ان پر

اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَفِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا

تم میں بھی کیا پھر نہیں دیکھتے تم اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا

تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ

تم وعدہ دیئے جاتے ہو پس قسم ہے رب کی آسمانوں اور زمین کے یقیناً یہ (قرآن) حق ہے جیسا کہ

احسان سمجھ کر نہیں بلکہ اپنا فرض اور ان کا حق سمجھ کر کرتے رہے۔

۲۱۔۲۲۔ یہاں زمین یا انسان کی تخلیق پر بحث نہیں جو قادر مطلق کے عظیم شاہکار ہیں بلکہ شروع سورۃ سے یوم آخر، بعث بعدالموت، محاسبہ اعمال، جزا وسزا اور جنت و دوزخ کا بیان ہے۔اسی ضمن میں کائنات کی بجائے زمین کاذکر کیا جو انسان کے بہت قریب ہے اور انسان کے اپنے نفس کاذکرکیاجو اس سے بھی قریب تر ہے۔پس یہاں زمین اور انسان کے نفس کو ہستی باری تعالیٰ اور بعث بعد الموت کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا۔پہلے زمین کاذکر کیا کہ زمین میں ہر چیز فنا ہو کر ایک دوسرے رنگ میں زندگی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ دنیا کا تمام فنا شدہ مواد کھیتوں میں پھینکا جاتاہے جو گھاس پھونس اور پھل پھول کی شکل میں ظاہر ہوتاہے۔پھر عالم کبیر سے عالم صغیر کی طرف متوجہ کیا اور انسان کے نفس کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کے متعلق خود انسانی نفس میں ایک زبردست فطرتی شعور موجود ہے تآنکہ انسان جہالت اور کوتاہ بینی کے سبب معبود حقیقی کے عرفان سے محروم رہ کراپنے نصب العین کو نہ کھوبیٹھے ۔پس اگر انسان دیدہ بینا رکھتاہو تو اس کا نفس ایک وحدہٗ لاشریک ہستی کا پتہ دیتاہے اور پکارپکار کرکہتاہے کہ یہ سارا کارخانہ قدرت بیکار پیدانہیں ہوا۔ہمیں یقیناً اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دیناہے۔ اللہ کے وہ متقین و محسنین بندے جن کا اوپر ذکرہوا، جن کے نفوس روشن تھے اور جو حق الیقین کے مقام پر تھے ، ان کے لئے تو زمین کے ہرذرے اور ان کے اپنے نفوس میں خداکے وجود اور بعث بعد الموت کے بے شمار نشانات اور دلائل تھے پس ان حقائق کو جاننے کے دو ہی ذرائع ہیں اوّل آفاقی نظر پیدا کرو اور ساری کائنات پر نظر دوڑاؤ اور غور وفکر کرو۔ دوم اپنے نفوس میں سمٹ جاؤ اپنی ذات میں ڈوب کر تلاش کروتو تمام حقائق تم پر کھل جائیں گے کیونکہ نفس پر غور کرنے سے انسان جلد تر اپنے ربّ کو شناخت کرسکتاہے ۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے نفس کو شناخت کرلیا اس نے اپنے ربّ کو شناخت کرلیا۔

۲۳۔شروع سورۃ میں آسمان سے بیج بکھیرنے والیوں کے ذکر میں مادی رزق کا ذکر تھا۔ اب بتلایا کہ تمہارے رزق کے تمام ذرائع کا تعلق آسمان سے ہے۔ گویا مادی رزق کے علاوہ

مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ

تم بولتے ہو کیا آئی ہے تیرے پاس بات مہمانوں کی ابراہیم کے

الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۵﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ

(جو) معزز (تھے) جب وہ آئے اسکے پاس تو انہوں نے کہا سلام اس نے کہا سلام ہو

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۷﴾

یہ لوگ اوپرے (معلوم ہوتے) ہیں پھر گیا جلدی سے طرف اپنے گھر والوں کی پس لایا بچھڑا تلا ہوا

ع ۲۴
۱۸

روحانی رزق بھی آسمان ہی سے نازل ہوتاہے اور آخرت اور جزا وسزا وغیرہ کے متعلق جوتم وعدے دئے جاتے ہو ان کا تعلق بھی آسمان ہی سے ہے۔

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔انسان کوتنگی اورمشکل میں گھبرانا نہیں چاہیئے۔بعض اوقات باری تعالیٰ کی گہری حکمت ومصلحت کے تحت اس کے مقربین پر بھی آزمائش آتی ہے تاہم اس کا وعدہ ہے۔**فانّ مع العسر یسرًا ○ انّ مع العسر یسرًا ○** (۹۴: ۶،۷) نیز ان کی آزمائشیں ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں۔

۲۴۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھاتاہے ۔فرمایا! آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم! روز جزا اسی طرح برحق ہے جیسے تم آپس میں باتیں کرتے ہو یعنی جس طرح تمہارے آپس میں کلام کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۲۵۔۲۶۔ اگر کائناتی دلائل وشواہد سے جو تمام آفاق میں بکھرے پڑے ہیں اور جن پر ان کے اپنے نفوس گواہ ہیں ، انہیں ہستی باری تعالیٰ اور جزا وسزا پر یقین نہیں آیاتو انبیاء کے مقابل آنے والی گزشتہ اقوام کے انجام پر ہی غور کریں۔ ان سے عبرت حاصل کریں اور انبیاء کی تکذیب اور بندگان خدا پر مظالم سے باز آئیں ورنہ اُن سب کا انجام ان کے سامنے ہے۔

قرآن کریم میں ان قصوں کو باربار دہرانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اُن اقوام کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔نیز ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے بارہ میں قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں اور یہ قصے باربار دہرائے جاتے رہیں گے۔اس رکوع میں پہلے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے حالات بیان فرمائے پھر ان انبیاء کاذکر کیاجن کی قوموں پر عذاب آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مع ان کے متبعین کے بچالیا۔ سب سے پہلے حضرت ابراھیمؑ کے مہمانوں کا ذکر فرمایا جو ملائک تھے اور انسانی روپ میں آپ پر ظاہر ہوئے۔ اورآپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری دی۔سورۃ ھود میں بیٹے کے ساتھ پوتے کی خوشخبری کابھی ذکر ہے۔حضرت ابراہیمؑ کو یہ عزاز حاصل ہے کہ آپ کے دو فرزند نبوت سے سرفراز ہوئے اور آپ کی تین پشتوں میں نبوت چلی اور

فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ

پس قریب کیا اسکو ان کے کہا کیا نہیں کھاتے تم پھر محسوس کیا اس نے ان کی طرف

خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَتِ

سے خوف انہوں نے کہا نہ ڈر اور بشارت دی انہوں نے اسکو ایک لڑکے علم والے کی۔ پس آئی

امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۳۰﴾

بیوی اس کی حیرت میں تو ہاتھ مارا اس نے اپنے منہ پر اور کہا میں بوڑھی بانجھ ہوں

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۱﴾

انہوں نے کہا اسی طرح فرمایا تیرے رب نے یقیناً وہ حکمت والا بہت جاننے والا ہے

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ

کہا (ابراہیم نے) پس کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ انہوں نے کہا یقیناً ہم

اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

بھیجے گئے ہیں طرف لوگوں مجرموں کی تاکہ ہم بھیجیں ان پر پتھر

مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۴﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَخْرَجْنَا

مٹی کے نشان کئے ہوئے تیرے رب کے ہاں حد سے بڑھنے والوں کیلئے پھر ہم نے نکالا انہیں

تمام انبیائے بنی اسرائیل آپ کی نسل سے تھے۔ آپ کے لئے سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ کے روحانی فرزند محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نسل سے ہوئے۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے (سورۃ ھود ۷۰تا۷۸ اور سورۃ الحجر ۵۲تا۶۱) سے استفادہ فرمائیے۔ فرشتوں نے سلامتی کی دعا دی۔ جنت میں بھی یہی دعا ہوگی بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس وقت السلام علیکم کا رواج نہیں تھا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۲۷تا۳۴۔ **فـراغ** ۔ الفراغ شغل کی ضد ہے۔ خالی ہونا۔ اسی سے فراغت ہے ۔ یہاں مراد آہستگی سے یا چپکے سے جانا ہے۔ **صـرّة** کے معنی غیر معمولی آواز کے ہیں۔ چلّانا۔ چیخ یا بلند آواز۔ صریر قلم سے نکلنے والی آواز ہے جیسے ۔

غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

صکـ کے معنی مارنا کے ہیں خواہ کسی چیز سے ہو۔ بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے کہ اپنی انگلیاں اکٹھی کیں اور اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ھود :۷۳ میں ہے کہ یہ صرف تعجب سے تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو فراست نبوی سے اندازہ ہوگیا کہ بیٹے کی بشارت کے علاوہ ان کے آنے سے اور بھی کچھ مقصود ہے اور انہیں کوئی بڑی مہم درپیش ہے۔ حضرت لوطؑ کی قوم کے جرائم اتنے زبان زد عام تھے کہ فرشتوں کو نام لینے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی اور صرف مجرم قوم کہا۔ مناھل العرفان

مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ

جو تھے اس میں مومنوں میں سے پس نہ پایا ہم نے اس میں سوائے

بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ

ایک گھر کے اطاعت کرنے والوں میں سے اور ہم نے چھوڑا اس میں نشان ان لوگوں کے لیے

يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۸﴾ وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى

جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے اور (نشان ہیں) موسیٰ میں جب ہم نے بھیجا اس کو

فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۹﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ

فرعون کی طرف ساتھ غلبہ ظاہر کے پس وہ پھر گیا اپنی قوت کے ساتھ اور کہا (یہ) جادوگر ہے یا

مَجْنُوْنٌ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَ

دیوانہ تو ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر ہم نے ڈال دیا ان کو سمندر میں اور

سورۃ الصّٰفّٰت آیت ۱۳۴ میں ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں حضرت لوطؑ کے قصہ کا تفصیلی ذکر ہے۔ استفادہ فرمائیے۔

۳۵۔ **مسـوّمة** ۔ نشان زدہ ۔ گویا علم الٰہی میں ہر پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ کس پر برسنا ہے۔ فرمایا ان کے شکار وہی ہوں گے جو حد سے بڑھنے والے ہیں گویا نادانستہ اور معمولی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ نہیں پکڑتا۔

۳۶۔۳۷۔ اس سارے علاقہ میں مسلمین کا صرف ایک ہی گھر تھا اور وہ حضرت لوطؑ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو عذاب سے پہلے نکال کر بچا لیا۔

یہاں بتایا کہ تمام انبیاء کے ماننے والے مسلمین تھے مگر وہ مسلمان نہیں کہلائے بلکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہی مسلمان کہلائے ۔

۳۸۔ فرمایا ہم نے اس میں عبرت کا ایک بڑا نشان چھوڑ دیا۔ گویا کچھ بھی نہ بچا سوائے اس کے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ وہ عبرت کا نشان بحرمردار (Dead Sea) کے نام سے آج بھی موجود ہے جو گندھک کا ایک بدبودار چشمہ ہے جس میں کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتی اور نہ کوئی مسافر وہاں ٹھہر سکتا ہے کہ اس پانی سے مستفید ہو۔ گویا خدا کے قہر کا ایک نظارہ گاہ ہے۔

۳۹۔ فرمایا موسیٰؑ کے واقعہ میں بھی ایسا ہی عبرت کا ایک نشان تھا۔ اس عبرت آموز واقعہ کی تفصیل کے لئے (مناھل العرفان سورۃ القصص آیت :۵) سے استفادہ فرمائیں۔ اس آیت میں اُن تمام مقامات کی نشاندی کی گئی ہے جہاں یہ قصہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

هُوَ مُلِيمٌ ﴿٤١﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤٢﴾

وہ قابل ملامت تھا اور (نشان ہیں) عاد میں جب ہم نے بھیجی ان پر ہوا بے نفع

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٣﴾ وَفِي

نہیں چھوڑتی تھی کوئی چیز وہ آتی تھی جس پر مگر کر ڈالتی تھی اسکو مانند ہڈی گلی ہوئی کے۔ اور (نشان

ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّى حِينٍ ﴿٤٤﴾ فَعَتَوْا عَنْ

ہیں) ثمود میں جب کہا گیا ان کو فائدہ اٹھاؤ ایک مدت تک تو انہوں نے سرکشی کی

أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٥﴾

حکم سے اپنے رب کے سو پکڑا ان کو بجلی نے اور وہ دیکھتے تھے

فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٤٦﴾

پس نہ ہوسکے وہ کھڑے اور نہ ہوئے وہ بدلہ لینے والے

ع ۲ ۳ ۱ وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٧﴾ وَ

اور (ہم نے ہلاک کیا) قوم نوح کو پہلے اس سے یقیناً وہ تھے لوگ نافرمان اور

۴۰۔۴۱۔ **رکنہ**۔رکن کے لفظی معنی کسی چیز کی وہ جانب ہے جس کے سہارے پر وہ قائم ہوتی ہے۔مجازاً وہ وزیر وامیر جن پر امور سلطنت کا مدار ہو۔مراد ارکان سلطنت ہیں۔

پس فرعون نے اپنے ارکان سلطنت سمیت سرتابی کی اور دیگر مکذبین انبیاء کے الفاظ ہی دہرائے اور آپ کو ساحر و مجنوں کہا۔پس ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑلیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ''قرآن کریم اردو ترجمہ'' صفحہ ۳۴۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''فی زمانہ حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر آنے والے فرعون کی لاش کو آثار قدیمہ والوں نے تلاش کرلیاہے۔اس لاش سے پتہ چلتاہے کہ یہ فرعون غرق ہونے کے باوجود مرنے سے پہلے ہی نکال لیاگیاتھا اور اس کے بعد تقریباً ساٹھ سال تک یہ معذور اپنے بستر پر پڑارہا۔گویاکُل اس نے نوے(۹۰) سال عمر پائی۔(مزید معلومات کے لئے دیکھیں (Ian Wilson Exodus Enigma 1985

۴۲۔۴۳۔فرمایاقوم عاد کے قصہ میں بھی ایک عبرت کا نشان تھا۔یہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی۔اس کی تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف رکوع۹اور سورۃ ھود رکوع۵) سے استفادہ فرمایئے۔

۴۴تا۴۶۔فرمایاقوم ثمود کے قصہ میں بھی عبرت کا ایک نشان تھا۔یہ حضرت صالحؑ کی قوم تھی۔اس کا تفصیلاً ذکر(سورۃ الاعراف رکوع۱۰اور سورۃ ھود رکوع۶) میں گزر چکاہے۔استفادہ فرمایئے۔

۴۷۔فرمایا اس سے پہلے نوحؑ کی قوم بھی نشان عبرت تھی۔تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف رکوع ۸۔سورۃ ھود رکوع ۳،۴۔سورۃ الشعراء رکوع ۶) یہ وہ قومیں تھیں جو اپنی بداعمالی کی وجہ سے

السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿٤٨﴾ وَالْأَرْضَ

آسمان کو ہم نے بنایا اسے قوت کیساتھ اور یقیناً ہم البتہ فراخ کرنے والے ہیں اور زمین کو

فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ﴿٤٩﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا

ہم نے بچھایا اسے پس (ہم) کیا ہی اچھا بچھونا کرنے والے ہیں اور ہر چیز کا ہم نے پیدا کیا

اپنے انجام کو پہنچیں اور دنیا میں عبرت کا دائمی نشان بن گئیں۔

۴۸۔ **بِاَیۡیدٍ**۔طاقت وقدرت سے۔دست قدرت سے۔

فرمایا ہم نے آسمان کو خاص قدرت سے بنایا بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ **بِاَیۡیدٍ** کا لفظ اشارہ کررہاہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بناتے ہوئے اس میں بے شمار فوائد رکھ دیئے جو انسان پر آہستہ آہستہ کھل رہے ہیں۔(قرآن کریم اردوترجمہ صفحہ ۹۴۹)

آخرت کے حق میں کائناتی شواہد و دلائل کے بعد تاریخی دلائل پیش کئے۔اب اس کے ثبوت کے طور پر پھر آفاقی دلائل کی طرف توجہ دلائی اور ان حقائق سے پردہ اٹھایاجن سے اس دور کا انسان قطعاً نابلدتھا۔آج اہل علم وتحقیق نے اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کو استعمال کرکے کائنات کے مظاہر میں موجود سربستہ رازوں کو کسی حد تک دریافت کرلیاہے اس لئے کہ یہ انسان کے لئے تسخیر کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کی دعوت دی ہے۔افسوس کا مقام یہ ہے کہ جن کو دعوت دی گئی وہ توخواب غفلت میں پڑے ہیں۔اس معاملہ میں بھی اغیار ہی بازی لے گئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔جیسا کہ اس دور کے سائنسدانوں نے جدید آلات کی مدد سے دریافت کیاکہ یہ کائنات ہرلحظہ وسعت پذیر ہے۔سائنسدان اس کی وسعت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔جب کسی اندازہ کے قریب پہنچتے ہیں تو وہ اور وسعت اختیار کر جاتی ہے۔کائنات کی وسعت کا کچھ اندازہ (الحجر:۱۸) سے استفادہ فرمایئے۔تمام کائنات مع اپنی کروڑوں کہکشاؤں کے ایک خاص سمت میں رواں دواں ہے۔یقیناً کوئی اس سے بھی بڑی کائنات ہے جس کی کشش اسے کھینچے لئے جارہی ہے۔

جس عالم الغیب کی بتائی ہوئی یہ عظیم الشان پیشگوئیاں آج سچ ثابت ہورہی ہیں اس کی بتائی ہوئی آخرت کے متعلق پیشگوئیاں بھی یقیناً سچ ہیں۔

۴۹۔بیشک آسمانی فوائد سے بھی انسان ہرلحظہ مستفید ہورہاہے لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین کواس طرح بچھایا کہ باوجود گول ہونے کے مخلوق کے لئے آرام و آسائش کے تمام سامان لئے ہوئے ہے۔اسی سے تمہارا رزق اور دیگر فوائد وابستہ ہیں اور اسی میں تمہاری ترقی کے اسباب مضمر

زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ

ایک ایک جوڑا تاکہ تم نصیحت پکڑو پس بھاگو طرف اللہ کی یقیناً میں تمہارے لیے

ہیں۔ غرض اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی میں جینا ہے دیکھو ہم تمہارے لئے کیسی نفیس آسائشیں پیدا کرنے والے ہیں۔

مھد گہوارہ کے معنی دیتا ہے۔اس میں زمین کی حرکت کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ گہوارہ مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح بچہ گہوارے میں سکون محسوس کرتا ہے اور اس کی ماں اس کی ہر طرح نگہداشت کرتی اور اس کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا خیال رکھتی ہے۔اسی طرح دنیا بھی ایک گہوارہ ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر طرح نگہداشت کرتا اور ان کے لئے سامان خورد و نوش اور دیگر ضروریات مہیا فرماتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی محروم ہے تو اس کی وجہ اس کی اپنی نااہلی،قوانین قدرت سے سرتابی یا دیگر انسانوں اور قوموں کی ناانصافی اور لالچ ہے جو اللہ کے رزق کو اس کے ضرورت مند بندوں تک پہنچنے نہیں دیتے ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل ہو تو ہر شخص مکلّف ہے کہ اس کے اردگرد چالیس گھروں میں کوئی شخص بھوکا نہ سوئے گویا پورے محلے کا وہ ذمہ دار ہے۔جب ہر امیر کم ازکم چالیس غریب گھروں کا متکفل ہو تو کوئی بھوکا کیسے سوسکتا ہے اور سامان زیست چند ہاتھوں میں کیسے سمٹ سکتا ہے۔

۵۰۔اس آیت میں پھر ایک عظیم پیشگوئی فرمائی۔اہل مکہ اور دیگر اہل عرب کھجور کے درخت کے نر و مادہ سے تو واقف تھے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ، اس حقیقت سے قطعاً ناآشنا تھے۔آسمان و زمین کے ذکر کے بعد یہ فرمانا کہ ہر چیز کا جوڑا ہے ، اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی جوڑا ہے۔ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر ہی نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ایک میں اثر ڈالنے کا مادہ ہے اور دوسرے میں اثر قبول کرنے کا۔آسمان سے پانی برستا ہے جسے زمین اپنے پیٹ میں سمو لیتی ہے اور طرح طرح کی روئیدگی پیدا کرتی ہے۔(سورۃ یٰسٓ:۳۷) سے استفادہ فرمائیں۔اس میں بتلایا کہ نباتات میں اور تمہارے اپنے نفوس میں جوڑے ہیں اور ان میں بھی جن کا علم ابھی تمہیں نہیں۔آج سائنسدانوں کی تحقیق ثابت کررہی ہے کہ ہر چیز کا جوڑا ہے جو ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث ہے یہاں تک کہ بجلی میں بھی منفی اور مثبت ہے اور ایٹم کے ہر ذرے میں بھی Neutrons اور Electrons ہوتے ہیں۔(سورۃ قٓ:۸) سے استفادہ فرمائیں۔ان سب کا نتیجہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر نصیحت حاصل کرو اور جان جاؤ کہ جس کی بتائی ہوئی یہ پیشگوئیاں سچی ثابت ہوئیں اس کی بتائی ہوئی آخرت کے

مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ

اس کی طرف سے ڈرانے والا ہوں کھلا کھلا اور نہ بناؤ ساتھ اللہ کے معبود دوسرا

اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۲﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ

یقیناً میں تمہارے لیے اسکی طرف سے ڈرانیوالا ہوں کھلا کھلا اسی طرح نہیں آیا ان لوگوں کے پاس

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۳﴾

جو پہلے تھے ان سے کوئی رسول مگر کہا انہوں نے جادوگر ہے یا دیوانہ

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ

کیا وہ ایکدوسرے کو وصیت کرتے ہیں اسکی بلکہ وہ لوگ سرکش ہیں پس تو منہ پھیر لے ان سے پھر نہیں

متعلق پیشگوئیاں بھی یقیناً سچ ہیں۔

۵۱۔۵۲۔ **فِرّوا**۔ بھاگو۔ فرار کے معنی بھاگنا کے ہیں۔

اس پوری سورۃ میں یوم آخر ، بعث بعد الموت ، محاسبہ اعمال، جزا سزا، جنت و دوزخ اور اقوام گزشتہ کی تباہی کے بیان میں انذار اور خوف کا پہلو نمایاں تھا۔ خوف میں انسان بے اختیار اپنے ساتھی کی طرف بھاگتا ہے یہاں بتلایا کہ کیا اب بھی اپنے ربّ کو نہیں پہچانو گے اور اس کی طرف نہیں بھاگو گے۔پس اسی کی طرف بھاگو اور اسی کی پناہ میں آجاؤ۔ میں تو اپنے ربّ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا ہوں۔

معبود تو بس ایک اللہ ہی ہے اسی کو اپنا مقصود و مطلوب بناؤ۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود ہو، نہ محبوب ۔میں تو اسی کی طرف سے تمہیں ہوشیار کرنے والا ہوں۔

۵۳۔۵۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیرٌ مبین بنا کر بھیجے گئے مگر کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کو نعوذ باللہ کبھی ساحر اور کبھی مجنون کہا۔ یہاں بتایا کہ ایسا آپ ﷺ ہی سے خاص نہیں۔ قبل ازیں جب بھی لوگوں کی طرف کوئی رسول آیا، وہ انہیں ناموں سے پکارا گیا۔ دراصل جس طرح تمام انبیاء کی تعلیم ایک تھی اسی طرح مکذبین انبیاء کی مخالفت کا انداز اور انبیاء کی شان میں ان کے بیہودہ اقوال بھی ایک جیسے ہی تھے حالانکہ ان کے درمیان صدیوں کے فاصلے تھے۔ یہ اجتماع تو ایسا ہے کہ گویا وہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے ہوں کہ جو رسول بھی آئے اسی طرح اس کی تکذیب کرنا اور اسے ساحر و مجنوں کہنا۔ان کا اس بات پر متفق ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ سب سرکش لوگ ہیں چونکہ یہ سرکشی میں مشترک ہیں اس لئے تکذیب انبیاء اور ان اقوال میں بھی مشترک ہیں۔

۵۵۔۵۶۔ **ملوم** ۔ملامت کیا ہوا۔

اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿۵۵﴾ وَّ ذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾

تو ہرگز ملامت کیا گیا — اور نصیحت کر پس یقیناً نصیحت — فائدہ دیتی ہے — مومنوں کو

وَ مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۷﴾ مَاۤ اُرِیۡدُ

اور نہیں پیدا کئے میں نے جن — اور انسان — مگر تاکہ وہ عبادت کریں میری — نہیں میں چاہتا میں

مِنۡہُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّ مَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ اللّٰہَ

ان سے — کوئی — رزق — اور نہ — چاہتا ہوں — کہ — وہ کھلائیں مجھے — یقیناً — اللہ

جب دن رات کی سعی و تبلیغ کے باوجود وہ ساحرو مجنون کہنے سے باز نہ آئے تو فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !ان سے منہ پھیرلیں جو آپ ﷺ کو ہی نہیں بلکہ ہر رسول کو ساحرو مجنون کہتے ہیں۔ان کی تکذیب کی پروا نہ کر تو ہرگز کسی ملامت کا سزاوار نہیں ۔یعنی تجھ پر کوئی الزام نہیں۔حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیاتم اس بات پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ مجھے قریش کی گالیوں سے کس طرح بچاتا ہے۔وہ کسی مذمم کو گالیاں دیتے اور لعنت ملامت کرتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔(صحیح بخاری کتاب المناقب باب فی اسماء الرسول حدیث نمبر ۳۲۶۹)**تول** کے حکم سے یہ مراد تھی کہ جن کا ذکر ملحقہ آیات میں آیا ہے، ان بدبختوں سے منہ موڑلے ان کو تیری نصائح فائدہ نہیں دیں گی۔ہاں اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھ اور نصیحت کرتا چلاجا۔تیری تبلیغ و نصائح سے سعیدروحوں کو ضرور فائدہ پہنچے گا اور وہ تیری طرف کھنچی چلی آئیں گی۔ جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار(حضرت مسیح موعودؑ)

۵۷تا۵۹۔ **عبد** کے معنی بندہ۔ غلام ۔عبادت کرنے والا، نقش قبول کرنے والا، دوسرے کے رنگ میں رنگیں ہونے والا کے ہیں۔ تفصیل کے لئے (سورۃ الفاتحہ:۵) سے استفادہ فرمایئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم اردو ترجمہ صفحہ ۹۵۰ میں بیان کرتے ہیں کہ اگر جن سے مراد عرفِ عام والے جن ہوں تو پھر ان کو بھی اپنی عبادات کی جزا ملنی چاہئے جبکہ قرآن کریم میں جنّات کے جنت میں جانے کا کہیں ذکر نہیں ۔ پس جن سے مراد بڑے لوگ اور انس سے مراد عام لوگ ہیں ۔ جن کی تفصیل کے لئے (سورۃ النمل:۱۸۔الجبر:۲۸) سے استفادہ فرمایئے۔یہاں جن وانس کی عبادت کا ذکر کیا جو صاحبِ اختیار ہیں ۔ ملائکہ کی عبادات کا ذکر نہیں اس لئے کہ وہ صاحبِ اختیار نہیں۔ وہ تو عبادت کے لئے مسخر ہیں۔

فرمایا جن و انس کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اس لئے جو انسان اس غرض کو پورا نہیں کرتا اس کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں۔ اس آیت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ بندہ محض عبادت ہی کرتا رہے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ

ہُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ ﴿۵۹﴾ فَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا

ہی — رزق دینے والا ہے (اور) قوت — مضبوط والا ہے — پس یقیناً ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا

نے عبادات کے ساتھ تمام دنیوی امور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیئے مگر آپ ﷺ نے دنیا کو مقصود بالذات نہیں بنایا بلکہ ہر کام میں خدا کی رضا ہی کو اصل مقصود رکھا۔ دراصل عبادت کا لفظ نماز ، روزہ اور تسبیح وتہلیل ہی سے مخصوص نہیں۔ بیشک وہ بھی اس میں شامل ہیں مگر عبادت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ مخصوص عبادات کے علاوہ بندے کا ہر فعل اور ہر قول جس میں رضائے باری تعالیٰ مدنظر ہو یا اس کی رضا کے تابع ہو، خواہ دینی ہو یا دنیوی ، عبادت ہے۔پس انسان کا کھانا پینا، سونا جاگنا یہاں تک کہ بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا اور وظیفۂ زوجیت اداکرنا بھی عبادت ہے ، اگر اس میں اللہ کی رضا مطلوب ہو۔یہ ایک طویل حدیث ہے۔(مسلم کتاب الزکوٰۃ بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف) بخاری شریف میں یعبدون کے معنی یعرفون کے کئے ہیں۔ گویا تمہاری پیدائش کی غرض یہی ہے کہ اپنے ربّ کی معرفت حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کی صفات کے مظہر بنو۔ پس عبادت اس سعی مسلسل کا نام ہے جو بندے کو صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بنادیتی ہے۔بیشک اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہرِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے مگر ہر مومن اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ صلاحیت اور استعداد سے حسب استطاعت اپنے ربّ کی صفات کا مظہر بن سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظلی طور پر اپنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ استعداد ہر بندے کے اندر رکھی ہے۔پس حقوق اللہ اداکرنے کے ساتھ حقوق العباد کے تعلق میں بندوں کے ساتھ اس کا وہی سلوک ہو جو ربّ کا اپنے بندوں سے ہے تب وہ اللہ کے فضل سے اپنے مدعا کو پانے میں بہت جلد کامیاب ہوسکتا ہے جو اپنے ربّ کا قرب حاصل کرنا ہے اور یہی اس کا منتہا و مقصود ہے۔البتہ بندے کو اپنے ربّ کی عبادت کی حاجت ہے ۔اس لئے کہ جو لوگ عبادت بجالاتے اور احکام الٰہی پر عمل کرتے ہیں وہ اپنے ربّ کے ولی اور مقرب بن جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنتا، ان کی مدد کرتا ،ان کی مشکلات کو دور کرتا اور ان پر اپنے فضل وانعامات نازل فرماتا ہے ۔جو لوگ عبادت کے منکر ہیں وہ بھی مشکل اوقات میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔فرمایا وہ تمہارے رزق کا محتاج نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کیونکہ تمام معبودانِ باطلہ اپنے پرستاروں کے محتاج ہیں جن کی اعانت وحمایت کے بغیر ان کی خدائی ایک دن بھی نہیں چل سکتی یہاں تک کہ بتوں کو بھی کھانا پیش کیا جاتا ہے خواہ اسے پروہت کھائیں یا کتے بلیاں۔

ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝٦٠ فَوَيْلٌ

ایک ڈول ہے مانند ڈول کے ان کے ساتھیوں کے سو نہ جلدی مانگیں وہ مجھ سے پس ہلاکت ہے

ع ۳ ۱۴ ۲ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝٦١

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں

پس اللہ جل شانہٗ ہی وہ معبود حقیقی ہے جو اپنے بندوں کے رزق اور دیگر ضروریات کا متکفل ہے۔اسے کسی رزق کی حاجت نہیں اس لئے کہ وہ صاحب قوت اور مضبوط صفات والا ہے۔ رزق کا محتاج وہ ہے جسے اپنی قوت برقرار رکھنے کے لئے رزق کی ضرورت ہوتی ہے۔

۶۰۔۶۱۔ **ذَنب** گناہ ہے ۔جمع **ذُنُوب** ۔جبکہ **ذَنَبٌ**۔چوپایہ وغیرہ کی دم ہے جمع **ذَنُوب** ہے۔ ذلیل کے معنی میں آتا ہے ۔بطور استعارہ حصہ یا نصیبہ مراد ہے۔**ذَنَبٌ** ڈول کو بھی کہتے ہیں جس سے باری باری پانی دیا جاتا ہے۔ اس لئے باری کے معنی بھی دیتا ہے۔سورۃ کی ان آخری آیات میں آیت ۵۳،۵۴ کے مضمون کو ہی دہرایا اور بتلایا کہ صدیوں کے تفاوت کے باوجود ظالموں کا انجام ایک جیسا ہوتا ہے۔پس ان ظالموں کے لئے ظلم کی پاداش کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے گزشتہ ہم قماش لوگوں کا تھا۔ جب وہ اپنے ظلم کی پاداش میں ہلاک کئے گئے تو یہ ہلاکت سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔پس چاہئے کہ وہ مجھ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ پہلی قومیں جن کے واقعات گزرے ہیں ، ان کے انجام پر غور کریں۔ ہر قوم کو ہلاکت کا جو وعدہ دیا گیا تھا، اس کے مطابق ہی وہ پکڑی گئی ۔بیشک معین وقت نہیں بتایا جاتا مگر جب علامتیں پوری ہوگئیں ، تب ہلاک کی گئیں ۔جیسا کہ آج دجال کی ہلاکت کی واضح علامتیں موجود ہیں گویا اب تباہی ان کے سر پر کھڑی ہے۔

پس کفار کی ہلاکت کے لئے جس دن کا وعدہ دیا گیا ہے اس دن ہلاکت ضرور ہوگی۔ واضح ہو کہ یوم ایک وسیع عرصہ کے معنی میں آتا ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ طور ۔یہ سورۃ مکی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی پچاس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے۔پچھلی سورۃ میں پیشگوئیوں کی سچائی کو آخرت کے لئے بطور گواہ ٹھہرایا گیا تھا۔ اس سورۃ کا آغاز ہی سماوی و ارضی گواہیوں سے کیا گیا ہے اور ان تمام گواہیوں کو آخرت کے لئے دلیل قرار دیا ہے ۔فرمایا یوم آخر دنیا میں بھی برپا ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے اس دنیا ہی میں بہت بڑی ہلاکت ہوگی۔پھر مجرموں کو جہنم کا وعید دیا گیا اور متقیوں کو جنات کی بشارتیں عطا ہوئیں۔

آخر میں تسبیح وتحمید کے احکام سے اس سورۃ کا اختتام ہوا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالطُّوْرِ ﴿۲﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۳﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۴﴾ وَّالْبَيْتِ

قسم ہے طور کی — اور کتاب — لکھی ہوئی کی — چمڑے کھلے ہوئے میں — اور گھر

الْمَعْمُوْرِ ﴿۵﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۶﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۷﴾

آباد کی — اور چھت — بلند کی ہوئی کی — اور دریا — چڑھے ہوئے کی

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہار رحم کرنے والا، بن مانگنے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔طور عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ایسے پہاڑ کے ہیں جس پر درخت اگتے ہوں۔ یہاں مراد طور سینین ہے۔یہ جزیرہ نمائے سینا میں ایک پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰؑ پر تجلی الٰہی کا ظہور ہوا۔ یہاں طور کو شہادت کے طور پر پیش کیا۔یہی وہ مقام ہے جہاں آپ کلام الٰہی سے مشرف ہوئے اور آپ کو آنحضرت صلی للہ علیہ وسلم کی بشارت دی گئی۔

۳۔۴۔ **رَقّ** پتلی اور باریک کھال جو جھلی کی مانند ہو۔ قدیم زمانہ میں جب کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا تو خاص طور پر ہرن کی کھال جھلی کی شکل میں تیار کی جاتی تھی اوراس پر لکھا جاتا تھا۔ یہ تحریر طویل مدت تک محفوظ رہتی تھی۔ توریت ،زبور، انجیل اور دیگر صحائف ِانبیاء کو رَق پر ہی لکھا گیا۔ **النشر** کے معنی کسی چیز کو پھیلانے کے ہیں ۔ کسی چیز کو مشہور کردینے پر بولا جاتا ہے ۔ **منشور** کھلا فرمان ہے۔ **رَقّ منشور** ۔کھلے ہوئے ورق۔ اب اس کتاب کی قسم کھائی اوراسے شہادت کے طور پر پیش کیا جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی گئی ہے ۔اکثر مفسرین نے اس سے مراد توریت لی ہے ۔ جس میں باوجود تحریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں محفوظ ہیں۔ جو آپ ﷺ کی صداقت پر گواہ ہیں اور آپ ﷺ کی ذات کے سوا کسی اور پر اطلاق نہیں پاتیں اور نہ آپ ﷺ کے سوا کسی نے ان پیشگوئیوں کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا۔ منشور اس لئے کہا کہ وہ چھپی ہوئی نہیں ہر شخص اسے دیکھ سکتا ہے ۔نیز تحریر شدہ رَق کو پھیلا کر ہی پڑھا جاتا تھا۔ تہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ لپیٹا جاتا تھا۔

۵۔**معمور** ۔آباد کیا ہوا۔ عمارۃ آباد کرنا ہے۔

بیت المعمور سے مراد بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے جو مرکز توحید ہے اور برکات و روحانیت سے معمور ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔ جتنی روحانیت میں ترقی اور الہام و کشوف مکہ شریف میں ہوئے کہیں اور نہیں ہوئے۔(حقائق الفرقان) یہی وہ آباد گھر ہے جسے ابرہہ کے

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۸﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۹﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ

یقیناً — عذاب — رب تیرے کا ضرور ہونیوالا ہے — نہیں اس کو کوئی ٹالنے والا — جس دن کہ لرزہ کھائے گا

السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۱۰﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۱﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

آسمان خوب لرزہ کھانا — اور پھریں گے — پہاڑ — خوب پھرنا — پس ہلاکت ہے اس دن

لشکروں کی تباہی سے بچایا گیا اور اس وقت اس کی حفاظت کی گئی جب اس میں ۳۶۰ بت موجود تھے ۔اور جس کی پیشگوئی توریت میں موجود ہے۔اب خانہ کعبہ کی قسم کھائی جو حج وعمرہ اورطواف و عبادت کرنے والوں سے ہمیشہ آباد رہے گا۔

۶۔ مرفوع ۔ بلند کی ہوئی۔

اب بلند کی ہوئی چھت کو بطور شہادت پیش کیا۔یہ خانہ کعبہ کی مقدس چھت ہے جسے طور سے بہت بلند کردیا گیا اور جس کی توقیر و بلندی کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھے گا۔جو گھر روحانیت اور برکات سے معمور ہے اس کی سقف ِمقدس بھی یقیناً ان صفات کی حامل ہے۔

۷۔**مسجور**۔ السجر کے اصل معنی زور سے آگ بھڑکانے کے ہیں۔جوش مارنے کے معنی دیتا ہے۔

اب جوش مارتے ہوئے سمندر کو گواہ ٹھہرایا جو زندگی کا سہارا بنتا ہے۔بعض گزشتہ مفسرین حضرات نے آگ سے بھرا ہوا سمندر مراد لیا ہے اور کہا کہ ایسا قیامت کو ہوگا جب سمندر آگ بن جائیں گے۔آج سائنسدان سمندر کے نیچے مہیب آتش فشاں پہاڑوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کبھی کبھی پھٹتے ہیں تو ''سونامی'' جیسی تباہی مچاتے ہیں اور پہاڑوں جیسے جہازوں کو تنکوں کی طرح اٹھا کر میلوں دور پھینک دیتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس میں بیان فرماتے ہیں کہ'' دنیا نہیں سمجھے گی سوائے اس کے کہ عذاب کے جھٹکے دیئے جائیں۔جو سمندر سے شروع ہوگا سمندر میں جوش آئے گا۔تیزی سے حرکت پیدا ہوجائے گی جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے کشتیاں چلتی ہیں تا ہو کشتیاں''۔گویا سمندری جنگوں کی طرف اشارہ ہے۔

۸۔۹۔ ان پانچوں عظیم حقائق کو اس بات پر گواہ ٹھہرایا گیا ہے کہ تیرے ربّ کا وہ عذاب جس کا کفار کو وعدہ دیا گیا ہے ، واقع ہوکر رہے گا اور کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔ جس عذاب کی طرف یہاں توجہ دلائی گئی ہے وہ اوّلاً عذاب دنیا ہے اور بعدہٗ عذاب آخرت ہے ۔

۱۰۔ **تمور** ۔موراً ایک چیز میں حرکت آئی۔ **مارا الشیئی** ایک چیز مضطرب اور متحرک ہوئی۔

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۳﴾ يَوْمَ

جھٹلانے والوں کے لیے وہ جو بے ہودہ باتوں میں کھیلتے ہیں جس دن

يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۴﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ

وہ دھکیلے جائیں گے طرف آگ جہنم کی خوب دھکیلے جانا یہ ہے وہ آگ کہ تھے تم

حضرت ابن عباسؓ سے **یوم تمور السماء** کی تفسیر میں مروی ہے **یوم تشق السماء**۔

فرمایا یہ عذاب اس دن آئے گا جس دن آسمان سخت لرزہ کھائے گا۔گویا پہلے سمندر میں لرزہ آئے گا پھر آسمان میں۔آسمان سے مراد عظیم الشان طاقتیں بھی ہیں جن میں سخت اضطراب پیدا ہوجائے گا۔

۱۱۔یہ لرزہ سمندر اور آسمان تک ہی محدود نہیں ہوگا بلکہ پہاڑوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔فرمایا اس دن پہاڑ بکثرت چلنے لگیں گے ۔پہاڑوں کے چلنے سے مراد پہاڑوں جیسی عظیم طاقتوں کا حرکت میں آنا ہے۔دوسری آیات میں پہاڑوں کے اڑائے جانے کا ذکر ہے ۔آجکل عملاً بھی پہاڑ اڑائے جارہے ہیں ۔ ایٹمی تباہیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جب پہاڑوں جیسی عظیم طاقتیں اکھیڑ پھینکی جائیں گی اور دنیا میں پراگندہ ہوجائیں گی۔

۱۲۔۱۳۔ **خوض** کے معنی پانی میں اترنے اور اس کے اندر چلے جانے کے ہیں ۔ بطور استعارہ کسی کام میں مشغول رہنے پر بولا جاتا ہے قرآن کریم میں اس کا زیادہ تر استعمال فضول کاموں میں لگے رہنا پر ہوا ہے۔(مفردات)

فرمایا جھٹلانے والوں کے لئے دنیا میں ہی بہت بڑی ہلاکت ہوگی ۔یہ وہی مکذبین انبیاء ہیں جو قیامت اور توحید و رسالت کو جھٹلاتے رہے ، بیہودہ باتوں اور لغویات میں مشغول رہے ۔ خوض کے لفظ میں گہرائی کا مفہوم ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ فارغ نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ بعض علوم کی تہ تک پہنچے ہوئے ہیں لیکن ان کی تمام تر سعی و کاوش محض حصولِ دنیا تک محدود ہے ۔ انہوں نے اپنے ربّ کو بھلائے رکھا اور دنیوی مفاد ہی ان کا مقصود بالذات رہااور انہی لغویات میں مشغول رہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا گیا)

۱۴۔**یدعّون** ۔ دعّ سختی کے ساتھ دور کرنا ہے۔**الذی یدع الیتیم** (۱۰۷۔۳)

یہ ایٹمی جنگوں کی آگ بھی ہے اور جہنم کی آگ بھی۔ جس میں دھکیل دیے جائیں گے۔

۱۵۔ یہ جملہ قیامتِ صغریٰ پر بھی اطلاق پاتا ہے جب عالمی جنگوں کی لپیٹ میں آئیں

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۵﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۶﴾

جسے جھٹلاتے کیا پس جادو ہے یہ یا تم نہیں دیکھتے

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا

داخل ہو جاؤ اس میں پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو برابر ہے تم پر صرف

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ

بدلہ دیئے جاتے ہو اسکا جو تھے تم کرتے یقیناً متقی باغوں میں

وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۸﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ

اور نعمتوں میں ہیں ہشاش بشاش اس پر جو دیا ان کو رب نے اور بچایا ان کو ان کے رب نے

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ

عذاب دوزخ سے کھاؤ اور پیو مزے سے بدلہ میں اس کے جو تھے تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

عمل کرتے تکیہ لگائے ہوئے تختوں صف دار پر اور ہم نے بیاہ دیا ان کو

گے اور قیامتِ کبریٰ پر بھی جب اسے سامنے دیکھیں گے اور جھٹلا نہیں سکیں گے۔

۱۶۔۱۷۔ دنیا میں تو آپ ﷺ کی ہر بات کو جھٹلاتے تھے اور آپ ﷺ کو جادو گر کہتے تھے۔ فرمایا یہ بھڑکتی ہوئی آگ جو تمہارے سامنے موجود ہے کیا یہ بھی جادو ہے۔یا یہ تھا کہ تم بصیرت سے کام نہیں لیتے تھے۔اب اس میں داخل ہوجاؤ۔ پھر صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے برابر ہے کیونکہ یہاں صبر کا کوئی اجر نہیں۔ہاں تمہارے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔یادرکھو یہ آگ کہیں باہر سے نہیں آئی اور نہ یہاں بھڑکائی گئی ہے بلکہ تمہارے اپنے اعمال کی آگ ہے جو تم اپنے ساتھ لائے ہو۔

۱۸تا۲۰۔ان کے مقابلہ میں متقی جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے اور اپنے ربّ کی عطا کردہ نعمتوں پر خوشیاں مناتے ہوں گے اور یہ کہ ان کے ربّ نے ان کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔ جنت میں داخلہ کے بعد جہنم سے بچانے کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ سب اللہ کے فضل سے ہی ممکن ہوا۔ ورنہ بندے کے اعمال اس قابل کہاں کہ بنا اللہ کے فضل کے وہ جنت میں داخل ہوسکے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ نجات کے لیئے ایمان ، عمل اور فضل تینوں چاہئیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا کہ مزے مزے سے کھاؤ پیو۔یہ ان اعمال کا نتیجہ ہے جو تم دنیا میں بجالاتے رہے۔

۲۱۔**عین**۔چشمہ۔آنکھ۔جمع عیون۔ **عین** ۔فراخ چشم جمع **عیناء**۔ وہ صف بصف بچھائے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے اور ہم انہیں فراخ چشم دوشیزاؤں کے ساتھ

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
گوری فراخ چشم عورتوں سے اور جو لوگ ایمان لائے اور پیروی کی ان کی انکی اولاد نے

بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ
ایمان کے ساتھ ہم ملادیں گے ساتھ ان کے اولاد ان کی اور نہ کم دیں گے ان کو ان کے عملوں سے

مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ
کچھ بھی ہر ایک آدمی بوجہ اسکے جو اس نے کمایا گرفتار ہے اور ہم مدد دیں گے ان کو

بنا دیں گے۔(تفصیل کے لئے سورۃ دخان صفحہ ۵۵)۔امام راغبؒ نے مفردات میں الزوج کے لفظ میں اس آیت کی تشریح فرمائی ہے ''**زوّجنا** کے معنی باہم ساتھی اور رفیق بنا دینا کے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں بھی حور کے ساتھ اس فعل (**زوّجنا**) کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے ساتھ باء لائی گئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حوروں کے ساتھ محض رفاقت ہوگی جنسی میل جول اور ازدواجی تعلقات نہیں ہوں گے کیونکہ اگر یہ مفہوم مراد ہوتا تو قرآن بحورٍ کی بجائے **زوجناهم حورًا** کہتا جیسا کہ **زوّجته امرءةً** کا محاورہ ہے یعنی میں نے اس عورت سے اُس کا نکاح کردیا۔''

۲۲۔**التنٰهم** ۔**التنا**۔**اَلَوت فی الامر** کسی کام میں کمی کرنا ہے۔ **التنا** ۔ہم نے کمی کی ۔ **الامر** جمع **اُمُور** ۔ کام ۔**الامر** جمع **اوامر**۔حکم۔ **امرٌ**۔مرد ۔**امراۃ**۔ عورت ۔**رھن** وہ چیز ہے جو قرض میں بطور ضمانت رکھ لی جائے۔رہن میں روکنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ اخروی نعمتوں کا بیان تھا۔ ان میں ایک ایسی نعمت کا ذکر کیا جس کا ذکر کسی اور مذہبی کتاب میں نہیں۔فرمایا اگر اولاد نے ایمان کے معاملہ میں اپنے آباء کی اتباع کی مگر ان کے نیک اعمال باوجود پوری کوشش کے اس کمال کو حاصل نہیں کرسکے جس کمال تک ان کے باپ دادا کے اعمال تھے جنہوں نے قبول حق اور اعلائے کلمۃ اللہ میں بڑی بڑی قربانیاں دیں تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و احسان سے ان کی کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے گا اوران کو نچلے درجہ سے اٹھا کر ان کے بزرگوں کے مراتبِ عالیہ میں ان کے ساتھ ملادے گا گویا ان کے درجات بلند فرمائے گا لیکن ان کے بزرگوں کے درجات کو کم نہیں کرے گا۔ یہاں صاف بتلادیا کہ نیکوں کی اولاد اس شرط پران کے ساتھ ملائی جائے گی کہ ایمان میں ان کی اتباع کرنے والی ہو۔ اگر ایمان کے معاملہ میں ان کا اتباع نہیں کیا یا باوجود ایمان کے بداعمال ہے تو محض نسب فائدہ نہیں دے گا اور اپنے آباء و اجداد کے ساتھ ملائی نہیں جائے گی الدرالمنثور میں ہے کہ گوان کے اعمال میں کمی کا اقتضا یہ تھا کہ ان کا درجہ بھی کم ہو لیکن ان آباء مومنین کے اکرام اور ان کو خوش کرنے کے لئے ہم ان کی اولادوں کو بھی درجہ میں ان کے ساتھ ملادیں گے۔پس جہاں آباء

بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا
میووں سے اور گوشت سے اسکے جو وہ چاہیں گے وہ چھینیں گے ایکدوسرے سے اس میں پیالہ

لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ
نہ بیہودہ بات ہے اس میں اور نہ گنہگاری اور پھریں گے ان پر لڑکے ان کے

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
گویا کہ وہ موتی ہیں چھپائے ہوئے اور متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف

صالحین کی برکت سے ان کی مومن اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور ان کے درجات بلند ہوں گے وہاں صالح اولاد کی برکت سے ان کے مومن آباء کو بھی فائدہ پہنچے گا اور ان کے درجات بلند ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے صالح اور نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا تو وہ بندہ پوچھے گا اے پروردگار! مجھ کو یہ درجہ کیونکر ملا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار اور دعا کی اس کا یہ اثر ہے۔(صحیح مسلم ۔ مسند احمد۔بیہقی) فرمایا ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رھن ہے ۔یہاں اشارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام عطا کردہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو بطور قرض عطا ہوئیں اوراس قرض کی ضمانت کے طور پر بندے کا نفس خدا کے پاس رہن ہے۔(۳۸۔ ۴۰) بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں ، قوتوں اور اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع استعمال کرکے اگر وہ نیکیاں کمالے جس سے یہ قرض ادا ہو سکتا ہو تو وہ اپنے نفس کو چھڑا سکتا ہے اور جنت کا وارث ہوسکتا ہے بلکہ اپنی مومن اور نیک اولاد کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے ۔ عملِ حسنات میں تو ایسا ہوگا مگر سیئات میں ایک گناہ کا دوسرے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (ابن کثیر)اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا اور اس نے جو کمایا اس کی وجہ سے گرفتار بلا ہوگا۔

۲۳۔اعلیٰ درجات والے مومنین کو عطا کی گئی نعمتوں کا ذکر تھا ۔اب مطلق اہل ایمان اوراہل جنت کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکرفرمایا کہ ہم ان کو طرح طرح کا پھل اور گوشت جس قسم کا انہیں مرغوب ہوگا، باافراط عطا کریں گے۔

۲۴۔**نزعَ الشیئی** کے معنی کسی چیز کو چھین لینے کے ہیں۔ یہاں بتلایا کہ اہل جنت ایک زاہد خشک جیسی زندگی بسر نہیں کریں گے بلکہ ان میں باہم ہنسی مذاق ہوگا۔وہ بطورخوش طبعی جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے یاد رہے وہ شراب دنیا کی شراب جیسی نہیں ہوگی کہ بدمست ہو کر شور شرابا کریں، بیہودہ اور غیر ذمہ دارانہ باتیں کریں یا ایسی فحش حرکات کریں جو گناہ کا موجب ہوں بلکہ وہ شراب ان لغویات سے پاک ہوگی ۔

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۶﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

پوچھتے ہونگے آپس میں کہیں گے یقیناً تھے ہم پہلے گھر والوں میں اپنے ڈرنے والے

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۸﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ

پس احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچالیا ہم کو عذاب سے گرم ہوا کے یقیناً تھے ہم

۲۵۔**غلمان** ۔ غلام کی جمع ہے ۔نوعمر لڑکے ۔ **لؤلؤ** ۔ موتی۔ **مکنون** ۔ **الکنّ** اصل میں وہ چیز ہے جس میں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے ۔ محفوظ رکھنے اور چھپانے پر بولا جاتا ہے۔**مکنون** ۔چھپائے ہوئے ۔**لؤلؤ مکنون** ڈھانپ کر رکھے گئے موتی ۔ موتی ڈھانپ کرر کھے جائیں تو ان کی خوبصورتی اور آب و تاب ماند نہیں پڑتی۔

غلمان بھی نعمائے جنت میں سے ایک نعمت ہے ۔**لؤلؤ مکنون** میں ان کی خوبصورتی اور پاکبازی کی طرف اشارہ ہے یہاں غلمان کو موتیوں سے تشبیہ دی۔(سورۃ رحمٰن :۵۹) میں حوروں کو یاقوت و مرجان سے تشبیہ دی۔ بعض نے غلمان سے مراد خدمتگار لڑکے لئے ہیں ۔بعض نے وہ بچے مراد لئے ہیں۔جو بچپن میں وفات پاگئے(روح المعانی) اور ان پر صبر کیا گیا۔لھم سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔یہاں بتلایا کہ کوئی ایسی انسانی خواہش نہیں جو جنت میں پوری نہیں کی جائے گی۔ جہاں حسین دوشیزائیں ملیں گی وہاں پاکباز حسین و جمیل بچے بھی ان کے گرد گھومیں گے اور ان کا دل بہلائیں گے۔ فرمایا یہ لڑکے ان کے لئے ہوں گے یا تو خدمت کے لئے یا ان کے اپنے وفات شدہ بچے ہوں گے جو ان کا دل بہلانے کے لئے ان کے گرد اچھل کود کریں گے ۔

۲۶۔۲۷۔اہل جنت کی آپس کی گفتگو سے واضح ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں اپنے اہل وعیال میں ڈرتے ہوئی زندگی بسر کی۔یہ ڈر اوّل تو اپنے انجام کے متعلق تھا جس کے لئے وہ ہمہ وقت اللہ سے ڈرتے رہتے تھے اور ایسے نیک اعمال بجالانے کی فکر میں رہتے جن سے ان کی عاقبت سنور جائے۔یہ بھی اشارہ ہے کہ ضروری امور کی بجا آوری کے علاوہ ان کا زیادہ وقت اللہ سے ڈرتے ہوئے ہی گزرتا اور وہ عبادات ،دعا و استغفار اور صدقہ و خیرات سے اپنے ربّ کو راضی کرنے کی فکر میں لگے رہتے اور اس میں اپنے اہل خانہ کو بھی شامل رکھتے۔اہل وعیال میں ڈرتے ہوئے رہنے سے یہ بھی مراد ہے کہ اپنے بیوی بچوں پر بے جا رعب و دبدبہ کی بجائے ان سے نہایت حلیمی اور تواضع سے پیش آتے۔اس میں یہ معنی بھی مضمر ہیں کہ اہل و عیال کی ضروریات کے معاملہ میں ناجائز طریق اختیار کرنے سے ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہتے۔ان کے لئے رزقِ حلال مہیا کرتے ۔انہیں اور خود کو دنیا کی لغویات سے دور رکھتے۔

قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۹﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ ع ۲۹ ۳

پہلے سے پکارتے اس کو یقیناً وہ ہی احسان کرنیوالا ہے بہت رحم کرنیوالا ہے سو نصیحت کر پس نہیں تو

بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۳۰﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ

بوجہ نعمت کے اپنے رب کی ہرگز کاہن اور نہ دیوانہ کیا وہ کہتے ہیں کہ (وہ) شاعر ہے

۲۸۔ ۲۹۔ **البَرُّ بحر** کی ضد ہے اور اس کے معنی خشکی کے ہیں ۔ وسعت کے اعتبار سے اس کے معنی وسیع پیمانہ پر نیکی کرنا کے ہیں اگر اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو معنی احسان کرنے والا کے ہیں اگر بندہ کی طرف ہو تو اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں ۔

اپنے اہل وعیال میں اللہ سے ڈرنے والے اہل جنت اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں جھلس دینے والی آگ کی لپٹوں کے عذاب سے بچالیا ۔ قبل ازیں ہم اسی کو پکارا کرتے تھے اور اسی سے مغفرت کی دعائیں کرتے تھے ۔یقیناً اس نے ہماری پکار سن لی اور ہمیں اس عذاب سے بچالیا۔ بیشک وہ بڑا احسان کرنے والا اور مہربان ہے ۔ گویا ہمارے اعمال تو اس قابل نہیں تھے یہ اللہ کا احسان تھا جو اس نے ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور ہماری مغفرت فرمائی۔

۳۰۔ **کاھن** ۔ فال کہنے والا ۔ کاہن ایک قسم کے ظن سے ،گزری ہوئی باتیں بتاتا ہے جبکہ عرّاف وہ ہے جو آئندہ کی خبریں بتاتا ہے۔

یہاں سے سورۃ کے آخر تک کفار مکہ سے مختلف سوالات کر کے ان کے لایعنی اعتراضات کے جوابات دئے گئے اور انہیں توحید و رسالت اور بعث بعد الموت پر قائل کیا گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ جاہلیت میں کہانت ایک مستقل پیشہ تھا۔ کاہنوں کا دعویٰ تھا کہ وہ سیارہ شناس ہیں اور ان کا تعلق جنوں ،شیاطین اور ارواح سے ہے جو انہیں غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ان کا کلام ایک ظنی بات کو ذومعنی پیرایہ میں بیان کرنے کے لئے مسجع کیا جاتا تھا۔جس سے لوگوں کے دلوں پر خاص اثر پڑتا تھا۔حالانکہ اس میں کوئی صداقت اور اخلاق کی بات نہیں ہوتی تھی جبکہ کلام الٰہی علم و عرفان کا ایک ایسا جاری چشمہ ہے جس میں گزشتہ قوموں کے واقعات، آئندہ کی خبریں ، اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور تمام شرعی احکامات بیان کئے گئے ہیں جن پر چل کر بندہ اپنے ربّ کو پاسکتا ہے۔ ازہری کا قول ہے کہ کہانت عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل موجود تھی لیکن آپ ﷺ کی تشریف آوری سے کہانت کا علم باطل ہوگیا اور کاہنوں کے اباطیل فرقان کے سامنے اٹھ گئے ۔اور اب کہانت باقی نہیں رہی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن یا عرّاف کے

نَــتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۱﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ

ہم انتظار کرتے ہیں اسکے متعلق گردش زمانہ کا توکہدے تم انتظار کرو پس یقیناً میں بھی ساتھ تمہارے

پاس جاتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ اس سے کفر کرتا ہے جو ابی القاسم پرنازل ہوا۔(مفردات راغب) حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص کسی نجومی، کاہن اور فال وغیرہ دیکھنے والے کے پاس گیا اور اُس نے اس کی بات کو سچا سمجھا تو اس کی چالس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔ (مسندابوداؤد)

پچھلی آیات میں آخرت کا بیان جاری تھا۔آنحضرت ﷺ جب کفار مکہ کے سامنے قیامت ، جزا وسزا اور جنت وجہنم کاذکر فرماتے اور انہیں غیب کی خبریں بتاتے اور ان حقائق سے پردہ اٹھاتے جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے تو کفار آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے اور آپ ﷺ پر کاہن ہونے کا الزام لگاتے ۔حالانکہ ہر شخص جانتا تھا کہ کاہنوں کا مقصد اپنی چرب زبانی سے محض روزی کمانا تھاجبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بندگانِ خدا کی اصلاح تھا یعنی ان کو غلط عقائد سے ہٹا کر سیدھی راہ دکھانا۔

آپ ﷺ کی ذات پاک پر جنون کا الزام ایک ایسا بیہودہ الزام تھا کہ کسی دانشور نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا اور لوگ آہستہ آہستہ آپ ﷺ کے دعویٰ توحید کے قائل ہوتے چلے گئے ۔

فرمایا ان کے کاہن ومجنون کہنے سے آپ ﷺ افسردہ خاطر نہ ہوں اور نصیحت سے باز نہ آئیں۔آپ ﷺ اپنے ربّ کی نعمت کے طفیل جو آپ ﷺ کے شامل حال ہے، کاہن ہیں نہ مجنون۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل واحسان سے آپ ﷺ کو نبوت کے مقام عالی پر سرفراز فرمایا ہے اور نبی کا کام تبلیغ ونصیحت کرتے چلے جانا ہے خواہ لوگ اس کی شان میں کیسے ہی نازیبا الفاظ کہیں۔

۳۱۔**ریب المنون** میں حوادث کو ریب کہا ہے نہ اس لئے کہ ان کے وقوع میں شک ہے بلکہ اس لئے کہ ان کے وقتِ حصول میں شک ہے۔(مفردات راغب) ریب زمانہ کی گردش کو بھی کہتے ہیں ۔ منون۔منّ کے معنی قطع کرنا کے ہیں۔منون موت ہے جو ہر چیز کو قطع کرتی ہے ۔ بعض کے نزدیک منون دہر ہے یعنی زمانہ(لسان العرب) **ریب المنون**۔حوادثِ زمانہ۔

اچھا شعر دلوں پر اثر کرتا ہے۔قرآن کریم خاص طور پر دلوں پر اثر کرتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو کاہن اور مجنوں کے علاوہ شاعر بھی کہا گیا گویا یہ اشعار ہیں جو آپ ﷺ نے خود بنائے ہیں۔ حالانکہ کلام الٰہی شاعروں کے پراگندہ خیالوں سے پاک ہے ۔ اوران کے زیرک دانشور اس کلام کو شاعری سے ماوراء کوئی چیز تسلیم کرتے تھے۔ کفار کہتے کہ ہم اس کے لئے گردش زمانہ کا

مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ

انتظار کرنے والوں میں سے ہوں کیا حکم دیتی ہیں ان کو عقلیں ان کی اس کا یا یہ

قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۴﴾

لوگ سرکش ہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے اس (قرآن) کو بلکہ نہیں ایمان لاتے وہ

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ

پس چاہئے کہ لائیں ایک بات مانند اس کے اگر ہیں وہ سچے کیا

انتظار کررہے ہیں یعنی ان کا خیال تھا کہ یہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے ضرور ہے کہ ان کی بددعا سے اس پرکوئی آفت آئے۔

۳۲۔آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں میرے انجام کا انتظار ہے تو مجھے بھی تمہارے انجام کا انتظار ہے ۔ اس میں اشارۃً یہ پیشگوئی مخفی ہے کہ میرا انجام تو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اوراس کے وعدوں کے مطابق اعلیٰ ترین کامیابیاں اور فتح ونصرت ہے جبکہ تمہارا انجام اللہ کے حکم سے بربادی ونامرادی ہے ۔چنانچہ کفار پر جنگ بدر میں اس عذاب کا پہلا کوڑا پڑا جب انکے چنیدہ سردار واصل جہنم ہوئے اور ستر (۷۰) قید ہوئے اور بالآخر فتح مکہ میں مغلوب ہوئے۔

۳۳۔**احلام۔الحلم** نفس پرایسا ضبط رکھنا کہ غیض وغضب کے موقع پر بھڑک نہ اٹھے۔ حلم کے معنی متانت کے ہیں۔متانت عقل پیدا کرتی ہے اس لئے حلم سے مراد عقل ہے۔حُلُم کے معنی سنِ بلوغت کے ہیں کیونکہ اس عمر میں عام طور پر عقل وتمیز آجاتی ہے۔حَلَم خواب دیکھنا ہے۔

علمائے قریش جو بہت عقلمند مشہور تھے ان کے لئے کہا کہ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں کہ ایک ایسے شخص کو کاہن ، مجنوں اور شاعر کہنے لگو جسے خود چالس سال تک صادق و امین کہتے آئے ہو۔کیا تمہاری عقلیں یہ باور کرتی ہیں کہ یہ تینوں متضاد صفات ایک شخص میں بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں۔اگر عقل ان کو یہ نہیں کہتی تو پھر یہ محض ضد میں اندھے ہوکر کفر وسرکشی میں حد سے بڑھ رہے ہیں۔

۳۴۔**تقوّلہٗ۔تقوّل** کے معنی وہ جھوٹ بنا لایا کے ہیں۔ان کے دل جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاہن ، مجنوں یا شاعر نہیں اور نہ اایسا کلام خود بنا سکتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ پر قرآن کریم کو خود گھڑ لینے کا الزام دینا محض اس وجہ سے تھا کہ وہ کسی صورت ایمان لانا نہیں چاہتے تھے اور آپ ﷺ کو جھٹلانے کے لئے لغو قسم کے بہانے تراشتے تھے ۔

۳۵۔اب قرآن کریم کے بے مثل ہونے کو بطور دلیل پیش کیا کہ اگر ان کے خیال میں ایسا کلام کوئی انسان بنا سکتا ہے جو قرآنی صفات کا مظہر ہو تو اس پائے کا کلام بنا کر دکھائے۔یہ چیلنج

نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣١﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ

ہم انتظار کرتے ہیں اسکے متعلق گردش زمانہ کا توکہدے تم انتظار کرو پس یقیناً میں بھی ساتھ تمہارے

پاس جاتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ اس سے کفر کرتا ہے جو ابی القاسم پرنازل ہوا۔(مفردات راغب) حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص کسی نجومی، کاہن اور فال وغیرہ دیکھنے والے کے پاس گیا اور اُس نے اس کی بات کو سچا سمجھا تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔ (مسند ابوداؤد)

پچھلی آیات میں آخرت کا بیان جاری تھا۔آنحضرت ﷺ جب کفار مکہ کے سامنے قیامت، جزا وسزا اور جنت وجہنم کا ذکر فرماتے اور انہیں غیب کی خبریں بتاتے اور ان حقائق سے پردہ اٹھاتے جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے تو کفار آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے اور آپ ﷺ پر کاہن ہونے کا الزام لگاتے۔حالانکہ ہر شخص جانتا تھا کہ کاہنوں کا مقصد اپنی چرب زبانی سے محض روزی کمانا تھاجبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بندگانِ خدا کی اصلاح تھا یعنی ان کو غلط عقائد سے ہٹا کر سیدھی راہ دکھانا۔

آپ ﷺ کی ذات پاک پر جنون کا الزام ایک ایسا بیہودہ الزام تھا کہ کسی دانشور نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا اور لوگ آہستہ آہستہ آپ ﷺ کے دعویٰ توحید کے قائل ہوتے چلے گئے۔

فرمایا ان کے کاہن ومجنون کہنے سے آپ ﷺ افسردہ خاطر نہ ہوں اور نصیحت سے باز نہ آئیں۔آپ ﷺ اپنے ربّ کی نعمت کے طفیل جو آپ ﷺ کے شامل حال ہے، کاہن ہیں نہ مجنون۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل واحسان سے آپ ﷺ کو نبوت کے مقام عالی پر سرفراز فرمایا ہے اور نبی کا کام تبلیغ ونصیحت کرتے چلے جانا ہے خواہ لوگ اس کی شان میں کیسے ہی نازیبا الفاظ کہیں۔

۳۱۔**ریب المنون** میں حوادث کو ریب کہا ہے نہ اس لئے کہ ان کے وقوع میں شک ہے بلکہ اس لئے کہ ان کے وقتِ حصول میں شک ہے۔(مفردات راغب) ریب زمانہ کی گردش کو بھی کہتے ہیں۔ منون۔منّ کے معنی قطع کرنا کے ہیں۔منون موت ہے جو ہر چیز کو قطع کرتی ہے۔ بعض کے نزدیک منون دہر ہے یعنی زمانہ(لسان العرب) **ریب المنون**۔حوادثِ زمانہ۔

اچھا شعر دلوں پر اثر کرتا ہے۔قرآن کریم خاص طور پر دلوں پر اثر کرتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو کاہن اور مجنون کے علاوہ شاعر بھی کہا گیا گویا یہ اشعار ہیں جو آپ ﷺ نے خود بنائے ہیں۔ حالانکہ کلام الٰہی شاعروں کے پراگندہ خیالوں سے پاک ہے۔ اوران کے زیرک دانشور اس کلام کو شاعری سے ماوراء کوئی چیز تسلیم کرتے تھے۔ کفار کہتے کہ ہم اس کے لئے گردش زمانہ کا

مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ

انتظار کرنے والوں میں سے ہوں کیا حکم دیتی ہیں ان کو عقلیں ان کی اس کا یا یہ

قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٤﴾

لوگ سرکش ہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے اس (قرآن) کو بلکہ نہیں ایمان لاتے وہ

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ

پس چاہیئے کہ لائیں ایک بات مانند اس کے اگر ہیں وہ سچے کیا

انتظار کررہے ہیں یعنی ان کا خیال تھا کہ یہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے ضرور ہے کہ ان کی بددعا سے اس پر کوئی آفت آئے۔

۳۲۔آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں میرے انجام کا انتظار ہے تو مجھے بھی تمہارے انجام کا انتظار ہے۔ اس میں اشارۃً یہ پیشگوئی مخفی ہے کہ میرا انجام تو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اوراس کے وعدوں کے مطابق اعلیٰ ترین کامیابیاں اور فتح ونصرت ہے جبکہ تمہارا انجام اللہ کے حکم سے بربادی ونامرادی ہے۔چنانچہ کفار پر جنگ بدر میں اس عذاب کا پہلا کوڑا پڑا جب انکے چنیدہ سردار واصل جہنم ہوئے اور ستر (۷۰) قید ہوئے اور بالآخر فتح مکہ میں مغلوب ہوئے۔

۳۳۔**احلام۔الحلم** نفس پرایسا ضبط رکھنا کہ غیض وغضب کے موقع پر بھڑک نہ اٹھے۔ حلم کے معنی متانت کے ہیں۔متانت عقل پیدا کرتی ہے اس لئے حلم سے مراد عقل ہے۔حُلُم کے معنی سن بلوغت کے ہیں کیونکہ اس عمر میں عام طور پر عقل وتمیز آجاتی ہے۔حَلَم خواب دیکھنا ہے۔

علمائے قریش جو بہت عقلمند مشہور تھے ان کے لئے کہا کہ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں کہ ایک ایسے شخص کو کاہن، مجنوں اور شاعر کہنے لگو جسے خود چالیس سال تک صادق و امین کہتے آئے ہو۔کیا تمہاری عقلیں یہ باور کرتی ہیں کہ یہ تینوں متضاد صفات ایک شخص میں بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں۔اگر عقل ان کو یہ نہیں کہتی تو پھر یہ محض ضد میں اندھے ہوکر کفر و سرکشی میں حد سے بڑھ رہے ہیں۔

۳۴۔**تقوّلہٗ۔تقوّل** کے معنی وہ جھوٹ بنا لایا کے ہیں۔اِن کے دل جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاہن، مجنوں یا شاعر نہیں اور نہ اایسا کلام خود بنا سکتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ پر قرآن کریم کو خود گھڑ لینے کا الزام دینا محض اس وجہ سے تھا کہ وہ کسی صورت ایمان لانا نہیں چاہتے تھے اور آپ ﷺ کو جھٹلانے کے لئے لغو قسم کے بہانے تراشتے تھے۔

۳۵۔اب قرآن کریم کے بے مثل ہونے کو بطور دلیل پیش کیا کہ اگر ان کے خیال میں ایسا کلام کوئی انسان بنا سکتا ہے جو قرآنی صفات کامظہر ہو تو اس پائے کا کلام بنا کر دکھائے۔یہ چیلنج

خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ خَلَقُوا

وہ پیدا کئے گئے ہیں بغیر کسی چیز (سبب) کے یا وہ پیدا کرنے والے ہیں یا انہوں نے پیدا کئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ

ہیں آسمان اور زمین بلکہ نہیں یقین لاتے وہ یا پاس ان کے

صرف اہل مکہ کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے منکرین حق کے لئے ہے جو پہلی مرتبہ اس آیت میں ، اس کے بعد تین مرتبہ مکہ معظمہ اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں دہرایا گیا ملاحظہ فرمائیں یونسؑ ۳۹۔ ھود ۱۴:۔ بنی اسرائیل :۸۹۔ البقرۃ:۲۴۔ لیکن اس وقت سے لے کر آج تک کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ یہ قرآن کریم کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

جہاں تک قرآنی صفات کا تعلق ہے اس کے لئے دفتر چاہیئے یہ مختصر تفسیر اور میری محدود سوچ ان صفات کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ تاہم نہایت اختصار سے عرض ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس نے زندگی کے ہر پہلو میں ایک سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام انسان تک کی رہنمائی فرمائی اور ایسے بنیادی اصول و ضوابط بتلادیئے جن پر عمل کر کے ہر زمانہ میں ہر شخص اپنے تمام دینی و دنیوی فرائض کو احکام الٰہی کے تابع احسن طریق پر انجام دے سکتا ہے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کر کے اپنا تزکیہ نفس کرسکتا اور اپنے ربّ کو راضی کرسکتا ہے اور یہی ایک انسان کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہے۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کی تعلیم و تاثیر کا اعتراف اغیار کو بھی ہے جس نے عرب کے وحشیوں کو انسان اور پھر باخدا انسان بنادیا اور یہ قرآن اور صاحب قرآن کی حقانیت کی شہادت ہے۔

قرآن کریم کا یہ بھی احسان ہے کہ بعض انبیاء و صالحین پر لگائے گئے بیہودہ الزامات سے ان کی بریت فرمائی۔ اور بندگانِ خدا کو اصل حقائق سے روشناس کرواکر ان کی عزت کو بحال کیا۔ نیز قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور خبروں سے پردہ اٹھایا۔ سائنس اور دیگر علوم دنیوی جس قدر ترقی کرتے جارہے ہیں اسی قدر قرآن کریم کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت ہورہی ہے اور قرآنی حقائق و معارف زیادہ روشن ہوکر سامنے آرہے ہیں۔ غرض قرآن کریم میں نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے قیامت تک بلکہ اس کے بعد تک کی پیشگوئیاں ہیں جو ہر زمانہ میں پوری ہوکر قرآن کریم کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں۔ پس قرآنی صفات کی حامل ایک آیت بھی بنانی منکرین حق کے لئے ممکن نہیں۔

خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ

خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہ داروغے ہیں کیا ان کیلئے سیڑھی ہے کہ وہ

يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۹﴾

سن لیتے ہیں اس میں سو چاہئے کہ لے آئے سُننے والا ان کا کوئی دلیل کھُلی کھُلی

۳۶۔۳۸۔**المصیطرون۔ الصطر** اور **السطر** قطار کو کہتے ہیں خواہ کسی کتاب کی ہو یا درختوں اور آدمیوں کی۔ **مسیطر** کے معنی کسی چیز کی حفاظت کے لئے اس پر سطر کی طرح سیدھا کھڑا ہونے کے ہیں۔(مفردات) نگران۔ داروغہ۔

رسالت کا انکار کرنے والے جب قرآن کریم کی مثل پیش کرنے سے عاجز رہے تو رسالت کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے توحید باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت سے استدلال فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ کیا وہ عدم سے بغیر کسی چیز یا سبب کے خود بخود پیدا کردئے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ اگر وہ اپنے خالق آپ ہیں تو کیا آسمانوں اور زمین کو بھی انہوں نے پیدا کیا یعنی یہ وسیع کائنات ان کی پیدا کردہ ہے؟ جب ایسا نہیں اور مانتے ہیں کہ کائنات کا خالق وہی ایک ذات باری تعالیٰ ہے تو پھر اس کے بھیجے ہوئے رسول اوراس کی کتاب پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

اگر وہ خالق دوجہاں ہیں تو کیا ان کے پاس تیرے ربّ کے خزانے بھی ہیں یا وہ ان کے زیر تسلط ہیں کہ جہاں چاہیں خرچ کریں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جب ایسا ہرگز نہیں اور ان کی بے اختیاری عیاں ہے اور یہ مانتے ہیں کہ تمام اشیاءِ موجودہ کا خالق ایک ہے جو ذات باری تعالیٰ ہے تو کئی معبود کیوں بنا رکھے ہیں اور اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے معبودوں کے آگے کیوں جھکتے اور انہیں خدا کا درجہ دیتے ہیں۔ کیوں ایک خالق و مالک کے آگے نہیں جھکتے؟

۳۹۔**السّلم** کے معنی سلامتی کے ہیں یعنی ظاہری و باطنی آفات سے محفوظ رہنے کے ہیں۔ **السُّلّمُ** وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سلامتی سے بلند مقام پر چڑھا جائے۔ ذریعہ اور وسیلہ کے معنی میں آتا ہے۔ سیڑھی مراد ہے۔

کاہنوں کے اس دعویٰ کے جواب میں کہ وہ غیب کی خبریں جانتے ہیں فرمایا! کیا ان کے پاس کوئی ذریعہ ہے جس سے غیب کی خبریں سُن لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہے اور یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو سننے والا اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل پیش کرے۔ اس لئے کہ قرآن پاک کوئی بات بلادلیل پیش نہیں کرتا۔ یہ آیت کاہنوں کے اس دعویٰ کو قطعاً رد کرتی ہے کہ شیاطین آسمان سے

خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ خَلَقُوا

وہ پیدا کئے گئے ہیں بغیر کسی چیز (سبب) کے یا وہ پیدا کرنے والے ہیں یا انہوں نے پیدا کئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ

ہیں آسمان اور زمین بلکہ نہیں یقین لاتے وہ یا پاس ان کے

صرف اہل مکہ کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے منکرین حق کے لئے ہے جو پہلی مرتبہ اس آیت میں ، اس کے بعد تین مرتبہ مکہ معظمہ اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں دہرایا گیا ملاحظہ فرمائیں یونسؑ ۳۹۔ ھود :۱۴۔ بنی اسرائیل :۸۹۔البقرۃ:۲۴۔لیکن اس وقت سے لے کر آج تک کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ یہ قرآن کریم کی صداقت کاایک زندہ ثبوت ہے۔

جہاں تک قرآنی صفات کا تعلق ہے اس کے لئے دفتر چاہیئے یہ مختصر تفسیر اور میری محدود سوچ ان صفات کااحاطہ کرنے سے عاجز ہے۔تاہم نہایت اختصار سے عرض ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس نے زندگی کے ہر پہلو میں ایک سربراہِ مملکت سے لے کر ایک عام انسان تک کی رہنمائی فرمائی اور ایسے بنیادی اصول وضوابط بتلادیئے جن پر عمل کرکے ہر زمانہ میں ہر شخص اپنے تمام دینی و دنیوی فرائض کو احکام الٰہی کے تابع احسن طریق پر انجام دے سکتا ہے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اداکر کے اپنا تزکیہ نفس کرسکتا اور اپنے ربّ کو راضی کرسکتا ہے اور یہی ایک انسان کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہے۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کی تعلیم و تاثیر کااعتراف اغیار کو بھی ہے جس نے عرب کے وحشیوں کوانسان اور پھر باخدا انسان بنادیا اور یہ قرآن اور صاحب قرآن کی حقانیت کی شہادت ہے۔

قرآن کریم کا یہ بھی احسان ہے کہ بعض انبیاء و صالحین پر لگائے گئے بیہودہ الزامات سے ان کی بریت فرمائی۔ اور بندگانِ خدا کو اصل حقائق سے روشناس کرواکر ان کی عزت کو بحال کیا۔ نیز قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور خبروں سے پردہ اٹھایا۔ سائنس اور دیگر علومِ دنیوی جس قدر ترقی کرتے جارہے ہیں اسی قدر قرآن کریم کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت ہورہی ہے اور قرآنی حقائق و معارف زیادہ روشن ہوکر سامنے آرہے ہیں۔ غرض قرآن کریم میں نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے قیامت تک بلکہ اس کے بعد تک کی پیشگوئیاں ہیں جو ہر زمانہ میں پوری ہوکر قرآن کریم کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں۔ پس قرآنی صفات کی حامل ایک آیت بھی بنانی منکرین حق کے لئے ممکن نہیں۔

خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ

خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہ داروغے ہیں کیا ان کیلئے سیڑھی ہے کہ وہ

يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۹﴾

سن لیتے ہیں اس میں سو چاہیئے کہ لے آئے سننے والا ان کا کوئی دلیل کھلی کھلی

۳۶۔۳۸۔**المصیطرون۔ الصطر** اور **السطر** قطار کو کہتے ہیں خواہ کسی کتاب کی ہو یا درختوں اور آدمیوں کی۔ **مسیطر** کے معنی کسی چیز کی حفاظت کے لئے اس پر سطر کی طرح سیدھا کھڑا ہونے کے ہیں ۔(مفردات) نگران۔ داروغہ۔

رسالت کا انکار کرنے والے جب قرآن کریم کی مثل پیش کرنے سے عاجز رہے تو رسالت کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے توحید باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت سے استدلال فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ کیا وہ عدم سے بغیر کسی چیز یا سبب کے خود بخود پیدا کردئے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ اگر وہ اپنے خالق آپ ہیں تو کیا آسمانوں اور زمین کو بھی انہوں نے پیدا کیا یعنی یہ وسیع کائنات ان کی پیدا کردہ ہے؟ جب ایسا نہیں اور مانتے ہیں کہ کائنات کا خالق وہی ایک ذات باری تعالیٰ ہے تو پھر اس کے بھیجے ہوئے رسول اوراس کی کتاب پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

اگر وہ خالق دوجہاں ہیں تو کیا ان کے پاس تیرے ربّ کے خزانے بھی ہیں یا وہ ان کے زیر تسلط ہیں کہ جہاں چاہیں خرچ کریں۔انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جب ایسا ہرگز نہیں اور ان کی بے اختیاری عیاں ہے اور یہ مانتے ہیں کہ تمام اشیاءِ موجودہ کا خالق ایک ہے جو ذات باری تعالیٰ ہے تو کئی معبود کیوں بنارکھے ہیں اور اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے معبودوں کے آگے کیوں جھکتے اور انہیں خدا کا درجہ دیتے ہیں ۔کیوں ایک خالق و مالک کے آگے نہیں جھکتے ؟

۳۹۔**السُّلَّمُ** کے معنی سلامتی کے ہیں یعنی ظاہری و باطنی آفات سے محفوظ رہنے کے ہیں۔ **السُّلَّمُ** وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سلامتی سے بلند مقام پر چڑھا جائے۔ ذریعہ اور وسیلہ کے معنی میں آتا ہے۔ سیڑھی مراد ہے۔

کاہنوں کے اس دعویٰ کے جواب میں کہ وہ غیب کی خبریں جانتے ہیں فرمایا ! کیاان کے پاس کوئی ذریعہ ہے جس سے غیب کی خبریں سُن لیتے ہیں۔اگر ایسا ہے اور یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو سننے والا اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل پیش کرے۔اس لئے کہ قرآن پاک کوئی بات بلادلیل پیش نہیں کرتا۔یہ آیت کاہنوں کے اس دعویٰ کو قطعاً رد کرتی ہے کہ شیاطین آسمان سے

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ

کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں کیا تو مانگتا ہے ان سے بدلہ تو وہ

مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۲﴾

تاوان سے بوجھل ہیں کیا پاس ان کے (علم) غیب ہے کہ وہ لکھ لیتے ہیں

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا وہ چاہتے ہیں مکر پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہی مکر کئے گئے ہیں

کچھ غیب کی خبریں سُن کر انہیں بتادیتے ہیں۔ یہاں صاف کہا کہ اگر کچھ سنتے ہیں تو پیش کریں۔

۴۰۔ دعویٰ تو غیب دانی کا کرتے ہیں اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ خالقِ کائنات کی طرف بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جن کو خود بُرا جانتے ہیں۔ اگر بیٹی پیدا ہو تو منہ چھپائے پھرتے ہیں بلکہ موقع ملے تو اپنی جھوٹی غیرت کی خاطر زندہ درگور کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں جو اِن کی نظر میں اعلیٰ ہیں، ان کی قوتِ بازو، بڑھاپے کے سہارے اور نہ جانے کیا کچھ ہیں۔

اہل مکہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کے نام مؤنث کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ اگر بقول ان کے ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تو ان کا کوئی ہم کفو ہونا چاہئے ۔مگر ایسا نہیں ۔پس اس بات میں بھی جھوٹے ہیں۔

۴۱۔ ہر طرح سے اسلام کی حقانیت ثابت ہوجانے کے باوجود قبول اسلام انہیں سخت ناگوار تھا۔ فرمایا کیاتم خدائی احکام پہنچانے اور ان کی تعلیم و تربیت کے عوض ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہو جو ان کو سخت گراں معلوم ہوتا ہے اور اسے ادا کرنا ان کے بس میں نہیں ۔ جب ایسا نہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس میں تمہاری کوئی ذاتی منفعت نہیں اور تمہاری غرض محض بندگانِ خدا کی بھلائی ہے تو پھر قبول حق میں کونسا امر مانع ہے ۔سردارانِ مکہ جن کو اپنی عقل و فراست پر بڑا گھمنڈ تھا، وہ اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتے۔

۴۲۔غیب دانی کے جھوٹے دعوے کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ کیا ان کے پاس غیب کاعلم ہے جسے وہ تمہاری وحی کی طرح لکھ لیتے ہیں حقیقت تو یہ تھی کہ ان کے پاس سرے سے کوئی ایسا علمِ غیب تھا ہی نہیں جس پر انہیں اس قدر یقین ہوتا کہ وحی الٰہی کی طرح اسے لکھ لیتے۔ دل میں اس غیب دانی کی حقیقت جانتے تھے ۔اس لئے زبانی باتیں کرتے تا کہ اگر جھوٹی نکلیں تو کوئی ثبوت نہ ہو جبکہ نبی اُمی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وحی پر ایسا یقین کامل تھا کہ ہر ایک آیت ایک سے زیادہ کاتبین حضرات سے لکھواتے اورمتعدد صحابہ کرام حفظ بھی کرتے۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ

کیا ان کیلئے معبود ہے سوائے اللہ کے پاک ہے اللہ اُس سے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں اور

اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ

اگر وہ دیکھیں ایک ٹکڑا آسمان سے گرتا ہوا کہیں گے بادل ہے

مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۵﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ

تہ بتہ بس تو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ وہ ملیں اپنے اس دن سے کہ جس میں

يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۶﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا

بیہوش کئے جائیںگے جس دن کہ نہ کام آئے گا ان کے مکر ان کا کچھ بھی اور نہ

۴۳۔مکی دور کے ابتدائی زمانہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مٹھی بھر جماعت مومنین کے ساتھ باوجود کفار کی شدید مخالفت اور ایذا رسانی کے تبلیغ و ہدایت کے کٹھن کام کو جاری رکھے ہوئے تھے۔فرمایا بیشک آپ ﷺ کے خلاف تدبیر کررہے ہیں مگر خدائی تدبیر کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ان کی تدبیر کا وبال انہیں پر پڑے گا۔یہاں سردارانِ مکہ کی ان تدبیروں کی طرف اشارہ ہے جو دارالندوہ میں اکٹھے ہو کر آپ ﷺ کو زک پہنچانے اورنعوذباللہ قتل کرنے کے لئے کرتے تھے۔ یہاں کس تحدی سے یہ پیشگوئی فرمائی کہ ان کی ساری تدابیر انہی پر الٹ پڑیں گی۔ چنانچہ ہجرت کے قریب دارالندوہ میں ابوجہل کی رائے پر گیارہ سردارانِ مکہ نے آپ ﷺ کے قتل پر فیصلہ دیا۔ جن میں سے ابوجہل سمیت آٹھ چیدہ سردار میدان بدر میں واصل جہنم ہوئے۔

۴۴۔ کفار مکہ نے خالقیت کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کے باوجود کئی معبود بنا رکھے تھے جن کو اللہ کی صفات و اختیارات میں شریک کرتے تھے ۔ فرمایا کیااللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود بھی ہے جو انہیں خدائی تدبیر کے وبال سے بچالے۔ پس یہ اسے پکارکر دیکھ لیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے یعنی اس کی ذاتِ پاک پر ان کے شرک سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

۴۵۔ **کِسفًا**۔ٹکڑا ۔جمع **کِسَفٌ**۔ **ساقطًا** ۔ سقوط۔ ایک بلند مقام سے پست مقام کی طرف گرنا ہے۔گرنے کے معنی دیتا ہے۔ **مرکوم**۔ **رُکمٌ** کسی چیز کو اوپر تلے رکھنا ہے ۔ **مرکوم** اوپر تلے رکھا ہوا۔ تہ بہ تہ ۔

کفار باربار اسی رنگ میں عذاب کا مطالبہ کرتے تھے ۔یہاں بتلایا کہ کفار اپنی سرکشی میں ایسے مست ہیں کہ اگروہ آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا بھی دیکھ لیں تو قوم عاد کی طرح اسے رحمت کا بادل ہی سمجھیں گے۔(احقاف رکوع ۳)

۴۶،۴۷۔ فرمایااگر اتنی بحث وتمحیص کے بعد بھی محض اپنی ہٹ دھرمی سے ماننے کو تیار

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ
وہ مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا عذاب ہے ورے
ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ
اس کے ولیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے اور صبر کر حکم تک
رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ
اپنے رب کے پس یقیناً تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور پاکیزگی بیان کر ساتھ حمد کے اپنے رب کے جب تو
تَقُوْمُ ﴿٤٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٥٠﴾ ع ۲/۲۱/۴
کھڑا ہو اور رات کو بھی پس تو پاکیزگی بیان کر اور پیچھے ستاروں کے بھی

نہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے ۔یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو دیکھ لیں جس میں ان پر بجلی گرائی جائے گی۔ اس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کچھ کام نہیں آئے گی اور نہ کہیں سے ان کو مدد پہنچے گی۔

بجلی گرائے جانے میں ان تمام عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو مکذبین پر اچانک نازل ہوئے ۔ہفت سالہ قحط کی تباہ کاریاں یا بدر میں اچانک ان کی تباہی و بربادی جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ نیز فتح مکہ بھی ان کے لئے صائقہ سے کم نہیں تھی۔ان آیات میں آخری زمانہ کی ان ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو انکار مسیح سے برپا ہوں گی۔ ایٹم کے پھٹنے سے ایک چمکدار گولا نمودار ہوتا ہے اور بجلی کی سی تیزی سے ہلاکتیں ہوتی ہیں ۔(ایٹم کی تفصیل سورۃ الھمزہ)

۴۸۔یہ تو دنیوی عذاب ہوں گے جبکہ ظالموں کے لئے تو ان کے علاوہ بھی عذاب ہوگا لیکن ان میں سے اکثر اس کی نوعیت اور شدت کو نہیں جانتے ۔پس اس سے مراد مزید دنیوی عذاب ہے۔ نیز اخروی عذاب کی طرف بھی اشارہ ہے ۔

۴۹۔۵۰۔ کفار کے طعن و تشنیع، ایذا رسانیوں اور آپ ﷺ کے خلاف تدابیر کا ذکر تھا۔ سورۃ کی ان آخری آیات میں آپ ﷺ کی تسلی فرمائی کہ اپنے ربّ کے حکم کی خاطر صبر کر یعنی اپنے ربّ کے وعدوں کا صبر سے انتظار کر۔ان کی باتوں کی پرواہ نہ کر۔تیرے خلاف ان کی کوئی تدبیر تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے یعنی ہمہ وقت ہماری حفاظت میں ہے۔ ہم ہر شر سے تجھے بچائیں گے۔پس تو صبر کے ساتھ عبادت الٰہی اور تسبیح وتحمید کرتا چلا جا جو مصیبت سے بچنے کا علاج اور نصرتِ الٰہی کو کھینچنے کا ذریعہ ہے۔حِینَ تقوم سے مراد نیند سے اٹھنا، نماز کے لئے اٹھنا نیز مجلس وغیرہ سے اٹھنا ہے چونکہ آخری آیت میں رات کی تسبیح کا ذکر ہے اس لئے حین تقوم میں صبح اور دن کی تسبیحات کی طرف اشارہ ہے۔حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے تو یہ دعا مانگتے **الحمدللّٰہ الّذی احیانا بعد مااماتنا والیہ النُّشور**۔(بخاری کتاب الدعوات)سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کے پاس سب نے اکٹھے ہونا ہے۔اس میں وہ تسبیح بھی داخل ہے جو نماز کے لئے کھڑے ہونے پر تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔یعنی سورۃ فاتحۃ سے پہلے ثناء کا پڑھنا ۔**و من الّیل فسبّحہ** میں نماز مغرب ، عشاء اور تہجد داخل ہیں او رعام تسبیحات اور ذکر الٰہی بھی جو رات کو پڑھی جاتی ہے۔امام احمدؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''جو شخص رات کو بیدار ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعا کرے گا قبول کی جائے گی وہ کلمات یہ ہیں۔**لاالٰہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہٗ المُلکُ ولہُ الحمدُ وھُوَعلیٰ کلّ شَیءٍ قدیر ۔سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولاالٰہ الا اللّٰہُ واللّٰہُ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ**۔ پھر اگر اس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔(ابن کثیر)حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ تہجد کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر **اللّٰہ اکبر، الحمد للّٰہ ، سبحان اللّٰہ لاالٰہ الااللّٰہ** اور استغفار دس دس مرتبہ پڑھتے اس کے بعد اور دعائیں کرتے ۔(ابوداؤد۔ نسائی کتاب قیام اللیل)حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم نماز تہجد میں اس دعا کے ساتھ نماز کا آغاز فرماتے تھے۔ **اللّٰھُم ربّ جبریل ومیکال و اسرافیل ۔ فاطر اسمٰوات والارض عالم الغیب والشھادۃ ، انت تحکم بین عبادک فیما کانو فیہ یختلفون ٥**--------(مسلم کتاب الصلوٰۃ) ادبار النجوم جب رات ختم ہونے کے قریب ہو یعنی بوقت سحر۔یہ وقت خاص طور پر قبولیت دعا کا ہے۔اس سے مراد نماز فجر اور اس وقت کی تسبیحات ہیں۔(ابن کثیر) حضرت ابوبکرؓ کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے سکھائی۔ **اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا ولایغفرالذنوب الاانت فاغفرلی مغفرۃً من عندِک وارحمنی انک انت الغفور الرّحیم** ۔ (بخاری کتاب الدعوات)حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیعت لینے سے پہلے نہایت تضرّع سے تین دفعہ اس دعا کو دہراتے پھر بیعت کے الفاظ کہتے۔

قرآن کریم اور احادیث میں بے شمار ایسی دعائیں ہیں جنہیں مقربین الٰہی نے بطور ورد حرز جان بنایا۔سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات، سورۃ الِ عمران کی آیت ۱۷۴ کی دعا بھی انہیں دعاؤں میں سے ہیں جن کے بعد آپ ﷺ آمین کہتے۔فرمایا جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے

تمام کاموں میں وکیل اور کفیل ہو اور تمام مخلوق کے ہر قسم کے شر سے اس کو بچائے اور پیش آمدہ مصائب اور مہمات اور مشکلات میں اپنی مدد، تائید، وکالت اور کفالت کرے اور بندوں کے دل میں اس کی ہیبت اور محبت ڈالے تو اسے یہ وظیفہ پڑھنا چاہیئے۔ **حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل**o
(۳-۱۷۴)

☆☆☆

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثٌ وَّ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّ ثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ نجم۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی تریسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

سورۃ نجم ہجرت حبشہ کے قریباً دو ماہ بعد ماہ رمضان مین نبوت کے پانچویں سال میں نازل ہوئی۔

پچھلی سورۃ میں آپ ﷺ کی شان اقدس میں کفار مکہ کی گستاخیوں کا ذکر تھا۔ جیسا کہ وہ آپ ﷺ کو نعوذ باللہ کاہن، مجنوں اور شاعر کہتے۔ اس سورۃ کے ابتدا میں ہی خاص طور پر معراج کے واقعہ کا ذکر کر کے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان مقامات عالیہ تک پہنچایا جہاں تک کسی اور نبی کی رسائی نہ ہوئی اور آپ ﷺ کو اپنے ربّ کا وہ قُرب نصیب ہوا جو کسی بشر کے لئے ممکن نہیں تھا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے سامنے علی الاعلان پڑھی۔ نیز یہ پہلا موقع تھا جب آپ ﷺ نے علی الاعلان سجدہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور آپ ﷺ کے متبعین پر مظالم و شدائد اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کسی مجلس میں قرآن کریم سنانے یا دین حق کی دعوت دینے کی کوشش فرماتے تو کفار اس قدر شور و غوغا برپا کرتے کہ کسی کو ایک لفظ بھی سننے نہ دیتے چنانچہ آپ ﷺ نہایت راز داری سے اپنی نجی محفلوں میں قرآن کریم سناتے اور تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھے ہوئے تھے اور لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہور ہے تھے۔ آپ ﷺ کو کاہن، مجنوں اور شاعر کہنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ لوگ آپ ﷺ کی بات کو مجنوں کی بڑ سمجھ کر درخور اعتنا نہ سمجھیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ کلام الٰہی میں ایسا جذب اور تاثیر ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنیں گے تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ ان حالات میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم پاک میں جہاں کفار کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یکا یک تقریر کرنے کھڑے ہوگئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ خطبہ جاری ہوا جو سورۃ نجم کی صورت میں ہے اس کلام کی شدت تاثیر کا یہ عالم تھا کہ کسی کافر کو شور مچانے کا ہوش نہ رہا اور خطبہ کے اختتام پر آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تو تمام مومن و کافر سجدہ میں گر گئے سوائے امیہ بن خلف کے جس نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی کو لگائی کہ مجھے یہی کافی ہے۔ شاید یہ حالت کفر میں کئے گئے ایک سجدہ کا اثر تھا کہ بعد میں ان تمام مشرکین کو قبول اسلام

کی توفیق ملی سوائے امیہ بن خلف کے ۔ یہی وہ جابر انسان تھا جس کے غلام حضرت بلالؓ تھے ۔وہ آپ پر ایسے ایسے مظالم توڑتا جس کے تصور سے انسان کی روح کانپ اٹھتی ہے ۔یہ اور اس کا جوان بیٹا جنگ بدر میں حضرت بلالؓ کے سامنے واصل جہنم ہوئے۔غرض اس سجدہ کے بعد مشرکین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے غلط تاویلات پیش کرکے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی۔یہ خبر اڑتی ہوئی اس رنگ میں حبشہ پہنچی کہ کفار مکہ مسلمان ہوگئے ہیں ۔یہ سن کر کچھ مہاجر واپس مکہ آئے مگر جب دیکھا کہ ایذارسانیاں پہلے سے بھی بڑھ گئی ہیں تو دوسری ہجرت حبشہ وقوع میں آئی جس میں ۸۳مرد ۱۱ عورتیں اور ۷ غیر قریش مسلمان شامل تھے اور آپ ﷺ کے پاس صرف ۴۰ مسلمان رہ گئے۔گویا پانچ سال کی سرتوڑ تبلیغی کوششوں سے اہل مکہ میں سے صرف ڈیڑھ سو(۱۵۰) کے قریب مسلمان ہوئے۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ﴿۲﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ﴿۳﴾ وَمَا

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے نہیں گمراہ ہوا رفیق تمہارا اور نہ راہ سے پھر گیا اور نہیں

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔**الھوٰی** کے معنی خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہونے کے ہیں جیسے ھوا و ہوس۔ آرزوئے نفسی ۔چونکہ خواہشات نفسانی انسان کو اس کے شرف و منزلت سے گراکر مصائب میں مبتلا کردیتی ہیں۔اس لئے **الھوٰی** کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔(مفردات) **ھوٰی** ۔وہ گرا۔**نجم** ،ستارہ کے معنی میں ہے بالخصوص ثریا کے لئے آتا ہے ۔شعریٰ اور زہرہ کے لئے بھی آتا ہے ۔مشرک ان ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔**ضلّ** راہ کا گم ہونا ہے یعنی راستہ نہ جاننے کی وجہ سے غلط راستہ پر چل پڑنا ہے۔**غوٰی** بھکنا۔بدراہ ہونا۔ جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کرنا۔

پچھلی سورۃ ادبار النجوم پر ختم ہوئی۔ اس سورۃ کی ابتدا **والنّجم اذاھوٰی** سے ہوئی۔ گزشتہ سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے الزامات کا ذکر تھا۔اس سورۃ میں آپ ﷺ کی عصمت کو بیان فرمایا ۔یہاں ستارے کو جب وہ گرِ جائے گواہ کے طور پر پیش کیا کہ تمہارا ساتھی راستہ بھولا ہے اور نہ بہکا ہے کہ خود غلط راستہ پر چل پڑے۔**صاحبکم** کہہ کر قریش کو غیرت دلائی کہ یہ تمہارا اپنا ہے کوئی غیر نہیں کہ جسے تم جانتے نہیں۔ جسے خود صادق و امین کا لقب دیا وہ نہ راستہ بھول سکتا ہے اور نہ غلط راستہ اختیار کرسکتا ہے کہ بندگان خدا کو گمراہ کرے۔ یہاں اس ستارے کی قسم کھائی جس کی مشرک پوجا کرتے تھے۔اس ستارے کے گرنے میں پیشگوئی تھی کہ اب معبودان باطلہ کا گرنا مقدر ہوچکا ہے خواہ وہ آسمانوں پر ہوں ، زمین پر یا خانہ کعبہ کے اندر۔یہ پیشگوئی فتح مکہ پر اپنی پوری شان سے سچ ثابت ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھڑی مبارک کی ضرب سے ۳۶۰ بت گرائے گئے اور حرم مقدس کو شرک کی پلیدی سے پاک کیا۔پس ستارے کے گرنے میں شرک کے استیصال کی طرف اشارہ تھا کہ جس نبی امّی کی قوت قدسی سے شرک ہمیشہ کے لئے نابود ہونے والا ہے وہ گمراہ کیسے ہوسکتا ہے۔وہ یقیناً خود ہدایت پر ہے اور گمراہوں کو ہدایت دینے آیا ہے۔قرآنی آیات باربار دہرائی جاتی ہیں۔ان آیات کا تعلق آنے والے مسیح موعود و مہدی معہود سے بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید میں

جو آفاقی نشان ظاہر فرمائے ہیں ان میں چاند گرہن اور سورج گرہن کے نشانات کو نمایاں مقام حاصل ہے(تشریح کے لئے ۱۹:۱۵)حضرت مسیح موعودؑ نے ان ایمان افروز نشانات کاذکر اپنی کتب میں کئی جگہ فرمایا ہے **ایک** عظیم الشان نشان دم دار ستارہ کا نشان ہے۔اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے کئی نشانات کا ذکر فرمایا ہے۔**دوسرے** نمبر پر آپ نے چاند گرہن اور سورج گرہن کے نشانات کاذکر فرمایا اور **تیسرے** نمبر پر ستارہ ذوالسنین (دم دار ستارہ) کے نشان کا ذکر فرمایا ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں۔'' تیسرا نشان ذوالسنین ستارہ کا نکلنا ہے جس کے طلوع ہونے کا زمانہ مسیح موعود کا وقت مقرر تھا اور مدت ہوئی وہ طلوع ہو چکا ہے۔اس کو دیکھ کر عیسائیوں کے بعض انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ اب مسیح کے آنے کا وقت آ گیا ہے۔''(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲صفحہ ۲۰۵) حضرت مسیح موعودؑ نے مارچ ۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ کے الہام کی بنا پر مامور ہونے کا دعویٰ کیا اور ستمبر ۱۸۸۲ء میں دو دم والا ستارہ نمودار ہوا جس کو آپ نے اپنی صداقت کا نشان قرار دیا۔وہ اس قسم کے نایاب دم دار ستاروں میں سے تھا جو دن کو بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔یہ دو دم والا نہایت چمکدار ستارہ تھا جیسا کہ ذوالسنین سے ظاہر ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب چشمہ معرفت میں تحریر فرمایا'' نواب صدیق حسن خان حج الکرامہ میں اور حضرت مجد الف ثانی نے اپنی کتاب میں لکھا کہ احادیث صحیحہ میں لکھا ہے کہ ستارہ دنبالہ دار یعنی ذوالسنین مہدی معہود کے وقت میں نمودار ہوگا۔چنانچہ وہ ستارہ ۱۸۸۲ء میں نکلا اور انگریزی اخباروں نے اس کی نسبت یہ بھی بیان کیا کہ یہی وہ ستارہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں نکلا تھا۔''(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳صفحہ ۳۳۰)۱۷ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ ستارہ سورج کے سامنے سے گزرا اور یہ فلکیات کی تاریخ میں بے نظیر واقعہ تھا۔۱۷ستمبر کے بعد یہ ستارہ دیکھا جاسکتا تھا۔بعض ماہرین فلکیات نے ۱۳ ستمبر تا ۱۴ دسمبر اس کا مشاہدہ کیا۔ذوالسنین کا ترجمہ دو دانتوں والا ہے اسے ستارہ دندانہ دار کہا گیا جیسا کہ یہ دو دم والا تھا۔تمام انگریزی اخبارات میں اس کا شور وغُل مچا تھا۔سورۃ النجم میں ایک پیشگوئی ہے کہ ایک ستارہ گرے گا اور دین کی عظمت دنیا پر ظاہر ہوگی۔یہ سیارہ سورج کے اتنا قریب آیا کہ اس کے ٹکڑے ہوگئے بالفاظ دیگر سورج میں گرا اور ہلاک ہوگیا۔اس مضمون کے راقم مکرم صالح محمد الہ دین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تحریک پر ذوالسنین کے نشان کا مطالعہ کیا تھا۔بعد تحقیق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔**والنجم اذا ھویٰ** کی پیشگوئی دم دار ستارے کے نشان کے ذریعہ بھی پوری ہوتی ہے۔حضور انور نے ان کے استنباط سے اتفاق فرمایا۔حضور کے الفاظ یہ ہیں۔''قرآن مجید میں دم دار ستارے کی پیشگوئی کے

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ

وہ بولتا — اپنی خواہش سے — نہیں وہ — مگر — وحی ہے جو کی جاتی ہے — سکھایا ہے اس کو

متعلق ایک آیت سے آپ نے جو استدلال کیا ہے وہ بالکل درست ہے خود میرا بھی یہی خیال ہے۔'' (الفضل انٹرنیشنل ۲۰ اگست ۲۰۰۴ء) ''دم دار ستارے کا ظہور'' (ازمکرم صالح محمد الہ دین صاحب الفضل ۱۸مارچ ۲۰۰۵ء سے استفادہ کیا گیا)

۴۔۵۔غلط راہوں پر چلنے کا تو سوال کیا۔آپ ﷺ کا مقام تو اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ اپنی خواہش سے کبھی نہیں بولتے۔جیسا کہ یوحنا ۱۶ باب ۱۳میں ہے۔''وہ اپنی نہ کہے گی۔'' غرض آپ ﷺ کی ہر بات وحی ہے۔قرآن کریم میں بار بار وحی کا مضمون بیان ہوا ہے۔اس سورۃ میں بھی خاص طور پر وحی کا بیان ہے۔وحی کی کیفیت پر احادیث روشنی ڈالتی ہیں۔حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! بعض دفعہ اس طرح مجھ پر وحی ہوتی ہے جیسے ایک گھنٹی کی جھنکار ہوتی ہے۔وھواشدّہٗ علیّ یہ مجھ پر بہت گراں ہوتی ہے تکلیف کے معنی میں گراں نہیں بلکہ بوجھل ہونے کے معنی میں گراں ہے۔حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے آپ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے بہت قریب بیٹھا ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وحی لکھوا رہے تھے۔جب وحی نازل ہونی شروع ہوئی تو میری ٹانگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹانگ کے نیچے اس طرح تھی کہ آپ کی ٹانگ مجھے چھو رہی تھی۔اس وقت عظمت وشوکت کا اس قدر بوجھ تھا کہ مجھے شک گزرا کہ شاید یہ میری ٹانگ ٹوٹ جائے۔پھر آپ ﷺ کی یہ حالت جاتی رہی۔(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب لایستوی القاعون حدیث نمبر ۲۶۲۰)فرمایا پھر وہ کیفیت مجھ سے دور ہوجاتی ہے۔پھر اس وحی کو یاد کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہوتی۔اس کی عظمت اور شوکت کا مجھ کو اس قدر احساس ہوتا ہے کہ وہ مجھے زبانی یاد ہوجاتی ہے۔فرمایا بعض دفعہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں متمثل ہو کر میرے سامنے آتا ہے اور اس طرح مجھ سے کلام کرتا ہے کہ جیسے ایک انسان دوسرے سے بات کرتا ہے تو جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد کرلیتا ہوں۔(گویا پہلی صورت میں یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی جبکہ دوسری صورت میں یاد کرنا پڑتا تھا)حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ ﷺ پر وحی نازل ہورہی ہے۔شدید سردی کے ایام ہیں۔پھر وہ کیفیت آپ ﷺ سے دور ہوگئی اورآپ ﷺ کی جبین مبارک سے پسینہ پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا تھا۔(صحیح بخاری ،کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص مہدی دوراں و مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے الہامات کی تفاصیل اپنی شہرہ آفاق کتاب براہین احمدیہ میں بیان فرمائی ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں!''صورت دوم الہام کی جس کا میں باعتبار کثرت عجائبات کے کامل الہام نام رکھتا ہوں یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی امر غیبی پر بعد دعا اس بندہ کے یا خود بخود مطلع کرنا چاہتا ہے تو یکدفعہ ایک بیہوشی اور ربودگی اس پر طاری کردیتا ہے جس سے وہ بالکل اپنی ہستی سے کھویا جاتا ہے اور ایسا اس بیخودی اور ربودگی اور بیہوشی میں ڈوبتا ہے جیسے کوئی پانی میں غوطہ مارتا ہے اور نیچے پانی میں چلاجاتا ہے۔غرض جب بندہ اس حالت ربودگی سے کہ جو غوطہ سے بہت ہی مشابہ ہے باہر آتا ہے تو اپنے اندر میں کچھ ایسا مشاہدہ کرتا ہے جیسے ایک گونج پڑی ہوئی ہوتی ہے اور جب وہ گونج کچھ فرو ہوتی ہے تو ناگہاں اس کو اپنے اندر سے ایک موزوں اور لطیف اور لذیذ کلام محسوس ہوجاتی ہے اور یہ غوطہ ربودگی کا ایک نہایت عجیب امر ہے جس کے عجائبات بیان کرنے کے لئے الفاظ کفایت نہیں کرتے ۔یہی حالت ہے جس سے ایک دریا معرفت کا انسان پر کھل جاتا ہے کیونکہ جب باربار دعا کے وقت خدا تعالیٰ اس حالت غوطہ اور ربودگی کو اپنے بندہ پر وارد کرکے اس کی ہر ایک دعا کا اس کو ایک لطیف اور لذید کلام میں جواب دیتا ہے اور ہر ایک استفسار کی حالت میں وہ حقائق اس پر کھولتا ہے جن کا کھلنا انسان کی طاقت سے باہر ہے تو یہ امر اس کے لئے موجب مزید معرفت اور باعث عرفان کامل ہوجاتا ہے ۔بندہ کا دعا کرنا اور خدا کا اپنی الوہیت کی تجلی سے ہر ایک دعا کاجواب دینا یہ ایک ایسا امر ہے کہ گویا اسی عالم میں بندہ اپنے خدا کو دیکھ لیتاہے اور دونوں عالم اس کے لئے بلاتفاوت یکساں ہوجاتے ہیں۔(روحانی خزائن جلد نمبر۱ براہین احمدیہ۔ صفحہ نمبر۲۶۰ تا۲۶۴ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱)رویاء اور کشف میں فرق یہ ہے کہ رویاء سچا خواب ہے جو انسان نیند میں دیکھتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں''کشف اسے کہتے ہیں کہ انسان پر بیداری کے عالم میں ایک ایسی ربودگی طاری ہوجائے کہ وہ سب کچھ جانتا بھی ہو اور حواس خمسہ اس کے کام بھی کررہے ہوں اور ایک ایسی ہوا چلے کہ نئے حواس اسے مل جاویں جن سے وہ عالم غیب کے نظارے دیکھ لے ۔''(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد چہارم صفحہ ۱۱۶)

آپ ﷺ پر قرآن خود گھڑ لینے کا الزام لگایا۔ (سورۃ الطور:۳۴) حالانکہ آپ ﷺ تو کوئی بات بھی اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔اس میں آپ ﷺ کے مقام عالیہ کا بیان ہے کیونکہ نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کردے ۔ (تفسیر کبیر امام رازی) اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ذات و صفات و افعال میں فنا کے اس

اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا۔ تجلی ربانی کا یہ استیلائے تام (کامل غلبہ) ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے ۔(روح البیان)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ کیا ہر بات جو آپ ﷺ کے منہ سے نکلتی ، وحی الٰہی ہوتی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ۔'' ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس لاکھ کے قریب قول وفعل میں سراسر خدائی کا ہی جلوہ نظر آتا ہے اور ہر بات میں ،حرکات میں، سکنات میں ، اقوال میں ، افعال میں روح القدس کے چمکتے ہوئے انوار نظر آتے ہیں۔پھر اگر ایک آدھ بات میں بشریت کی بھی بو آوے تو اس میں کیا نقصان۔ بلکہ ضرور تھا کہ بشریت کے تحقق کے لئے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تا لوگ شرک کی بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔'' نیز فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اجتہادی غلطی یا نماز میں چند دفعہ سہو واقع ہونا بھی تکمیل دین کے لئے ہی تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ مضمون بسط سے بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں!'' آپ ﷺ کا کوئی فعل اور کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہیں تھا گو وحی مجمل ہو یا مفصل ،خفی یا جلی بین ہو۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا سہو اور آپ ﷺ کی اجتہادی غلطی بھی درحقیقت مسائل دین کے سکھانے کی غرض سے مشیتِ الٰہی کے ماتحت سرزد ہوئی۔ اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات میں بنی نوع انسان کے لئے سراپا اسوہ حسنہ ٹھہرے۔''(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۸۰ تا ۱۲۶) نیز آپ فرماتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ صفحہ ۸۳ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کلمات و حدیث وحی خفی ہیں باستثناء چند مواضع ۔۔۔۔۔۔جو نادار اور حقیر ہے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ وزاعی، حسان بن عطیہ سے روایت کرتاہے کہ نزول جبریلؑ قرآن سے مخصوص نہیں بلکہ ہر سنت جبریلؑ سے ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی میں سے ہے۔پھر صفحہ ۸۷ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل قلیل وکثیر وصغیر وکبیر کو وحی سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرنے میں کچھ توقف اور بحث نہیں کرتے تھے اور حرص رکھتے تھے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرّ اور خلوت میں کرتے ہیں وہ بھی معلوم کرلیں۔ہاں قرآن وحی جلی یا وحی متلو ہے جو آپ ﷺ کے دیگر کلام سے بالکل الگ چیز ہے جبکہ آپ ﷺ کے دیگر اقوال جو آپ ﷺ کے منہ سے نکلے وحی خفی یا وحی غیر متلو ہیں۔شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ جبرائیلؑ اپنے تمثیلی وجود سے ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر دم اور ہر طرفۃ العین انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رہے کیونکہ وہ اپنے اصل وجود کے ساتھ تو آسمان پر ہی رہے۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے بھی اتفاق کیا ہے کہ جبرائیلؑ اپنے حقیقی وجود کے ساتھ صرف دو مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی دئے۔

شدید القوی ﴿۶﴾ ذو مرۃ فاستوی ﴿۷﴾ وھو بالافق

مضبوط طاقتوں والے نے جو صاحب طاقت ہے، پس وہ درست ہوا اور وہ کنارے

(اوّل ابتدائے نبوت میں اور دوسری دفعہ معراج میں سدرہ المنتہیٰ کے پاس) (مسند احمد عن عبداللہ بن مسعودؓ) حضرت جبرائیلؑ وحیہ کلبی کی صورت میں بطور تمثل اپنے تئیں دکھلادیتے تھے۔ فرماتے ہیں جبرائیل علیہ السلام اپنے مقام پر آسمان میں ثابت قدم قائم رہتا تھا اور یہ جبرائیل اس حقیقی جبرائیل کی ایک مثال تھی یعنی اس کا ایک ظل تھا اس کا عین نہیں تھا کیونکہ عین جبرائیل تو وہ ہے جو اپنی صفات خاصہ کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور اس کی حقیقت اور شان الگ ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۶ سے استفادہ کیا گیا) اس پر ہم دیگر فرشتوں کو بھی قیاس کرسکتے ہیں جیسے حضرت عزرائیلؑ ایک وقت میں ہزاروں انسانوں کی جان نکالتے ہیں۔ جبکہ یہ صفت صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے بس وہ حضرت عزرائیلؑ کے ظلّ اور بطور تمثل ہیں جو آپ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۔۷۔ **قوٰی** قوت اور قدرت کے معنی میں ہوتا ہے۔ **ذومرّۃ** صاحب عقل اور صاحب حکمت ہے۔ گویا **شدید القوٰی** میں قوتِ فعل کا ذکر ہے اور **ذومرّۃ** میں قوتِ نظری و عقلی کا (روح المعانی)

پچھلی آیات میں حامل وحی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ روحانی کا بیان تھا جو آپﷺ کی عصمت پر دال ہے۔ اب آپﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی علو مرتبت اور عظمت بیان فرمائی کہ کوئی بشر اس کو سکھانے والا نہیں جیسا کہ تم گمان کرتے ہو اور نہ آپﷺ کا معلم کوئی کمزور ہستی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سیدعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے واسطہ تعلیم فرمائی۔ (تفسیر روح البیان) اس میں وحی کے علاوہ آپﷺ کی دیگر تعلیم و تربیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ پس آپﷺ کی شان میں کسی گمراہی کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ بلکہ اس وحی کو تو مضبوط قوتوں والے ربّ نے سکھایا ہے جو بڑی حکمت والا ہے۔ یہ اس شدید القوٰی و ذومرّۃ کی اعلیٰ و اکمل تعلیم کا اثر ہے کہ یہ رسول بھی تعلیم کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک اور درست ہوچکا ہے یعنی اعتدال پر قائم ہوگیا ہے۔ پس آپﷺ کی کوئی قوت ایسی نہیں جو حد سے تجاوز کرگئی ہو اور نہ کوئی قوت ایسی ہے جو حد اعتدال سے گرگئی ہو۔ پس تمام قوتوں کا حالت اعتدال پر ہونا آپﷺ کے عملی کمال کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ آپﷺ کی شان میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ **کان خلقہ القرآن**۔ آپﷺ کے خلق یعنی اعمال و افعال

الاعلی ﴿۸﴾ ثم دنا فتدلی ﴿۹﴾ فکان قاب قوسین او ادنی ﴿۱۰﴾

بلند پر تھا پھر نزدیک ہوا پھر اتر آیا پس وہ تھا اندازہ پر فاصلہ دو کمان کے بلکہ زیادہ نزدیک

قرآن کریم کے عین مطابق تھے۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۸۸) بعض مفسرین نے شدید القوٰی اور ذومرّۃ سے مراد جبرائیلؑ امین لئے ہیں اور سکھانے سے مراد وحی الٰہی کا پہنچانا ہے مگر اکثر آئمہ سلف نیز حضرت مسیح موعودؑ اور آپﷺ کے خلفاء نے اللہ تعالیٰ مراد لیا ہے۔

۸۔۱۰۔ **دنا**۔ وہ نزدیک ہوا۔ **دنو** **قُرب** سے ابلغ تر ہے۔ اسی سے دنیا ہے جس میں نزدیک کا مفہوم ہے۔ **دلّی**۔ وہ قریب ہوا۔ وہ نیچے اترا۔ **قاب** عربی محاورہ میں کمان کے چلّے پر اطلاق پاتا ہے۔ وتر۔ **قوسین**۔ دوکمانیں۔ **قوس** واحد۔

پچھلی آیات میں سیدعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالی مرتبت کا بیان تھا۔ پھر وحی کی عظمت کے ذکر میں اللہ جلّ شانہٗ کی صفات کا ذکر فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ پر اطلاق پاتی ہیں اور ان میں اللہ ہی کی بلند شان کا ذکر ہے۔ فاستوٰی میں شدید القوٰی اور ذومرّہ کا عرش پر فائز ہونا مراد ہے جبکہ وہ بلند ترین افق پر تھا۔ پھر وہ جھکا اور نیچے اترا۔

یہاں عرب کے ایک دستور کی طرف توجہ دلائی کہ جس طرح تم باہمی رفاقت اور معاہدہ کی پختگی کے اظہار کے لئے دو کمانوں کو اس طرح ملاتے ہو کہ وہ ایک ہی قاب یعنی چلّہ والی دکھائی دیتی ہے پھر دونوں کو جوڑ کر اکٹھا تیر چلاتے ہو جس میں اشارہ ہوتا ہے کہ ہماری دوستی اور دشمنی ایک ہوگی۔ اس طرح آپﷺ کے ربّ کا اور آپﷺ کا تیر ایک ہی چلّہ سے چلتا ہے گویا آپﷺ نے انوار و فیوض الٰہیہ کو اس طرح جذب کیا کہ اپنا وجود نہ رہا اور یہ قرب اپنی غایت کو پہنچا۔

بیشک آپﷺ کی ہر قوت اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی مگر معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تعالیٰ سے ایسا قرب شدید کا تعلق ہوا جس سے بڑھ کر قرب ممکن نہیں۔ اسی بنا پر قاب قوسین کے بعد او ادنیٰ کے الفاظ بڑھائے کہ گو دوکمانوں کے ملانے والوں کا تعلق بہت شدید ہوتا ہے مگر محبوبِ کبریا کا تعلق اپنے ربّ سے اس سے بھی قریب تر ہے۔ پس فاستوٰی میں آپﷺ کے اخلاق کے کمال کا ذکر بھی تھا اور دنا فتدلّٰی میں آپﷺ کے قرب الٰہی کا۔ گویا سیدعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت و ریاضت کرتے کرتے اپنے ربّ کے عشق میں اس کے قرب کی طرف صعود کرگئے اور حق تعالیٰ بلحاظ فیضان و رحمت کے اپنے محبوب کو ملنے کے شوق میں رحمت کے ساتھ جھک گیا اور نیچے اترا اور دوکمانوں کے ایک وتر کی طرح یا اس سے بھی

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۱﴾ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۲﴾

پس اس نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔ نہیں جھوٹ بولا دل نے جو اس نے دیکھا

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَ

کیا پھر تم جھگڑتے ہو اس سے اس پر جو وہ دیکھتا ہے اور یقیناً اس نے دیکھا ہے اس کو ایک بار اور نزدیک

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ﴿۱۵﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿۱۶﴾ اِذْ یَغْشَی

سدرة المنتہیٰ کے نزدیک اس کے جنت ہے رہنے کی جب ڈھانک رہا تھا

قریب تر ہوگیا۔ انسان کامل ہونے کی شان میں یہی ایک آیت کافی ہے۔

۱۱ تا ۱۳۔ **ما اوحٰی** میں عظیم الشان وحی کی طرف اشارہ ہے۔حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ یہ وحی بے واسطہ تھی۔اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں " **اوحٰی** کیا چیز ہے یہی قرآن کریم اور حضور علیہ السلام کی تمام پاک تعلیم جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ روح بھی فرمایا ہے جہاں فرمایا **وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا** ط اور یہ وہی روح ہے جو الوہیت اور عبودیت کے کامل میل سے پیدا ہوتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس کا اللہ سے فیضان ہوتا ہے۔ **اللھم ایدنی بروح القدس۔آمین۔** اب اس کی عمدگی اور راستی کی نسبت فرمایا اور مدعی الہام کی حالت کو بتایا۔" (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۹۸) کہ اس کے دل نے جھوٹ بیان نہیں کیا جو اس نے دیکھا۔گویا معراج کا تعلق قلب رسول سے تھا نہ کہ جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر جانے سے۔پس یہ سارا نظارہ یا رویتِ الٰہی قلب کی آنکھوں نے دیکھا نہ کہ ظاہری آنکھوں نے۔یہ ایک زبردست کشف تھا جو نورانی وجود کے ساتھ ہوا۔اس کی نظیر کسی نبی کی زندگی میں نہیں ملتی۔آپ ﷺ اپنے ربّ کے اتنا قریب پہنچ گئے جہاں جاتے ہوئے جبرئیل امین کے پر جلتے تھے۔آپ ﷺ کی اپنے ربّ سے بالمشافہ گفتگو ہوئی۔اللہ جلّ شانہٗ نے آپ ﷺ کے سینہ پر ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک آپ ﷺ کو صبح تک محسوس ہوتی رہی۔جھگڑنے میں مشرکین مکہ کا واقعہ معراج کو جھٹلانا اور اس کے بارے میں جھگڑنا مراد ہے۔

۱۴ تا ۱۶۔ **نزلة** کے معنی ایک مرتبہ نزول کے ہیں۔ **اُخرٰی**۔ ایک اور بار۔یعنی دوسری مرتبہ۔ **نزلة اُخرٰی**۔ ایک اور نزول۔ ایک اور کیفیت۔ **سدرة**۔ بیری۔ **المنتھٰی**۔ انتہا کیا ہوا۔ آخری حد۔ اسی سے انتہا ہے۔

تم اس پر جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا حالانکہ وہ تو ایک اور بار بھی اسے دیکھ چکا ہے یہ دیکھنا بعض نے بالکل ابتدائے نبوت میں آنحضرت ﷺ کا حضرت جبرئیلؑ کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیا ہے۔ تفصیل آیت: ۵۔ یعنی آپ ﷺ نے یہ جلوہ دوسری بار دیکھا ہے جبکہ وہ

السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۷﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۸﴾ لَقَدْ رَاٰی

بیری کو جو کچھ کہ ڈھانک رہا تھا۔ نہ کجی کی نظر نے اور نہ حد سے بڑھی۔ البتہ دیکھے ہیں اس

آخری حد پر واقع بیری کے درخت کے پاس تھا۔اس مقام کا شرف اس سے ظاہر ہے کہ اس کے قریب ہی جنت الماوٰی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنت و جہنم اس وقت بھی موجود ہیں جمہور امت کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ جنت و جہنم قیامت کے بعد پیدا نہیں کی جائیں گی۔یہ دونوں مقام اس وقت بھی موجود ہیں۔

راٰهُ میں کس کے دیکھنے کی طرف اشارہ ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ حضرت جبرئیلؑ تھے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں دیکھا جبکہ ان کے چھ سو بازو تھے۔ایک بازو اتنا عظیم تھا کہ اُفق پر چھایا ہوا تھا۔(مسند احمد) اسی سے ملتی جلتی حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔ حسنؒ نے اللہ تعالیٰ کا دیکھنا مراد لیا ہے۔حضرت ابن عباسؓ **ما کذب الفؤاد ما راٰی** ○ اور **ولقد راٰہُ نزلةً اُخرٰی** ○ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے ربّ کو دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا (مسلم) حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا! کیا آپ ﷺ نے معراج میں اپنے ربّ کو دیکھا؟ فرمایا وہ نور ہے میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قولہ نور حدیث نمبر ۲۶۱) اس سے ملتی جلتی حدیث حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔غرض ان آیات کی تفسیر میں مختلف مفسرین کے اپنے اپنے رنگ میں مختلف اقوال ہیں تاہم اکثر احادیث میں عینی رویت کی صریحاً نفی کی گئی ہے۔(اس آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر میں قرآن کریم اردو ترجمہ از خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا ہے)

عرب کا عام دستور تھا اور اب بھی ہے کہ مالک اپنی زمین کی ملکیت ظاہر کرنے کے لئے کانٹے دار بیری کی باڑ لگوا دیتے تھے۔ **سدرة المنتھٰی** میں اشارہ اس آخری حد کی طرف ہے جس کے ورے کسی انسان کی رسائی نہیں۔ تمام آسمانی کتابیں تمثیلی زبان میں ہیں اس لئے یہ مراد نہیں کہ آسمانوں میں کوئی بیری کا درخت ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا علم و عمل اس کمال کو پہنچا کہ معراج کی رات آپ ﷺ اس ارفع مقام تک اپنے ربّ کا قرب پاگئے جس کے ورے کسی بندہ کی رسائی ممکن نہیں کیونکہ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی صفات تنزیہی کا مضمون شروع ہوجاتا ہے گویا آگے غیب ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! معراج کے سفر میں مجھے **سدرة المنتھٰی** تک لے جایا گیا تو میں نے اس کے قریب ایک عظیم نور دیکھا۔ (جامع ترمذی کتاب التفسیر باب سورۃ الکوثر حدیث نمبر ۳۲۸۳)

مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۹﴾ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۲۰﴾

نے نشانات اپنے رب کے بڑے بڑے کیا پس دیکھا تم نے لات اور عزےٰ کو

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۱﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ﴿۲۲﴾

اور منات تیسرے پچھلے کو کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اس کیلئے لڑکیاں

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ﴿۲۳﴾ اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ

یہ تب تو تقسیم ہے ناقص نہیں یہ مگر نام ہی نام ہیں کہ مقرر کر لیا ہے جن و

۱۷تا۱۹ ۔ سدرۃ کو انوار الٰہی نے ڈھانپ رکھا تھا جس کی شان اور کیفیت کو بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ ایسی عظیم تجلیات کے دیکھنے میں آپ ﷺ کی نظر نے کوئی خطا نہیں کی اور نہ تجاوز کیا۔ گویا جتنا آپ ﷺ کے ربّ نے آپ ﷺ کو دکھانا چاہا نظر اس سے پیچھے ہٹی اور نہ آگے بڑھی۔محبوب کبریا نے معراج کی شب اپنے ربّ کے بڑے بڑے عجائبات میں سے ایک سب سے بڑا نشان دیکھا ۔شب معراج کے عجائبات احادیث میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ارواح سے ملاقات ، جنت و دوزخ کا دیکھنا ۔ نیز دیگر عجائبات قدرت کا دیکھنا جوانسان کے تصور میں نہیں آسکتے۔ ان میں سب سے عظیم نشان ربّ العزت کی رویت و زیارت تھی جس سے آپ ﷺ مشرف ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے دل کی آنکھ سے اپنے ربّ کو دیکھا۔

۲۰تا۲۳۔ **ضیزٰی۔ (ضاز) ضیزٰی** ناانصافی اور ظلم ہے۔

یہاں تک معراج کا بیان تھا اب اس کے مقابلہ میں ان کے مشرکانہ عقائد کا ذکر کیا اور ان آیات میں بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے ربّ کے بڑے بڑے نشان دیکھے۔ تم نے کیا دیکھا۔لات اور عزّیٰ اور ان کے علاوہ تیسری منات کو ۔ یہ تینوں مشہور دیویاں تھیں جن کی مشرکین عرب پوجا کرتے تھے۔ان آیات کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل بڑے جلالی انداز میں فرماتے ہیں ! ’’مشرکو! اس مہربان ہادی کے منکرو! بت پرستو! تم نے کیا دیکھا جس کے دیکھنے کے بعد بت پرستی جیسے گڑھے میں ڈوب مرے۔بت پرستی کے لوازم ،وہم پرستی اور جہالت میں مبتلا ہوگئے۔نہ تمہارے ملک میں تمدن کا قاعدہ نہ معاشرت کا اصل نہ سیاست کا ڈھنگ اور نہ روحانی تعلیم کا ذریعہ نہ حقیقی عزت اور فخر کا تم میں وسیلہ۔‘‘(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۹۹۔۲۰۰) یہ ہے ثمرہ ان دیویوں کی پرستش کا۔۔۔۔پھر فرماتے ہیں’’ ایک وہ توحید کا واعظ، سچے علوم کا معلم۔ قوم کو ذلت اور ادبار سے عزت و سلطنتِ عالمگیر پر پہنچانے والا۔دوسرے تم لوگ پتھروں سے حاجات کے مانگنے والے ،فسق و فجور میں قوم اور ملک کو تباہ کرنے والے اور وہم پرست ایسے کہ اپنے لئے تو اولاد نرینہ کو پسند کریں اور باری تعالیٰ کی پاک ذات پر یہ عیب لگاویں اور یہ بداعتقاد کریں کہ معاذاللہ فرشتے اور ملائکہ اللہ تعالیٰ رحمٰن کی بیٹیاں ہیں ۔ مشرکو! دیکھا بت پرستی نے تم کو

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ

تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے اس کی کوئی دلیل نہیں پیروی کرتے ہیں وہ

اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

مگر گمان کی اور اس کی جو چاہتے ہیں (انکے) نفس اور یقیناً یقیناً آچکی ہے انکے پاس انکے رب کی طرف سے

الْهُدٰی ﴿۲۴﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۵﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ

ہدایت کیا انسان کیلئے ہے جس کی وہ آرزو کرے پس اللہ کیلئے ہے آخرت اور

الْاُوْلٰی ﴿۲۶﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ ع ۴۶ ۵

دُنیا اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ نہیں کام آتی ان کی سفارش

کس کنوئیں میں گرایا۔۔۔۔۔۔کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں ہیں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ۲۰۰)

۲۴۔ان دیوی دیوتاؤں کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے ان کو دے رکھے ہیں۔ باوجودیکہ خود اپنے دعویٰ پر ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی ۔یعنی شرک کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ کسی آسمانی کتاب نے شرک کی تائید میں کوئی غالب دلیل اتاری ہے ۔غالب دلیل اس لئے کہا کیونکہ شرک کی تائید میں بھونڈی دلیلیں تو مشرک پیش کرتے ہی رہتے ہیں ۔مثلاً یہ کہ اللہ ہمیں نظر نہیں آتا اس لئے ہم نے اس کی ایک خیالی تمثیل بنالی تاعبادت وغیرہ میں ہماری توجہ ایک طرف مرکوز رہے ورنہ ہم بھی ایک اللہ کو ہی مانتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔فرمایا یہ لوگ بنادلیل محض ظن یعنی بے بنیاد خیالات کی پیروی کرتے ہیں یا اس کی جو نفس چاہتے ہیں ۔جبکہ ان کے مقابلہ میں ان کے ربّ کی طرف سے ان کے پاس ایسا ضابطہ ہدایت آچکا ہے جو سراسر حقیقت اور علم ومعرفت پر مبنی ہے جس میں نہ ظن کا دخل ہے نہ ان کی خواہشاتِ نفس کا ۔مگر افسوس !پھر بھی نہیں سمجھتے۔

۲۵۔۲۶۔ایک کامل ہدایت کے آجانے کے بعد یہ اعتقاد رکھنا کہ ان معبودانِ باطلہ کی کرم نوازی سے ان کی ہر آرزو پوری ہوجائے گی۔تو یہ ان کی بھول ہے۔ہر شخص کی ہر آرزو پوری ہونا عملاً بھی ممکن نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ دو اشخاص کی مرادیں ایک دوسرے سے متضاد ہوں۔ پس حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں تمام اختیار و اقتدار اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔وہ بندوں کے اعتقاد و اعمال کے مطابق اپنی حکمت اور مصلحت سے جسے جو چاہے دے۔ تمہاری جھوٹی آرزوں سے تمہیں کچھ ملے والا نہیں۔

۲۷۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ملائکہ کا مستقر دراصل آسمان ہے ۔وہ تمثیلی طور پر نزول

شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۷﴾

کچھ بھی مگر بعد اس کے کہ اجازت دے اللہ جس کے لیے چاہے اور پسند کرے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ

یقیناً وہ لوگ نہیں ایمان لاتے آخرت پر البتہ وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کا

تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۸﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ

نام عورتوں کا اور نہیں ان کو اس کا کوئی علم نہیں پیروی کرتے ہیں وہ

اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ

مگر گمان کی اور یقیناً گمان نہیں کام آتا بمقابل حق کے کچھ بھی سو منہ پھیر لے

کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اکثر انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کا ذکر ہے۔ یہاں ملائکہ کی شفاعت کا ذکر فرمایا۔

مشرک جو معبودان باطلہ کی سفارش کی امید لگائے بیٹھے تھے انہیں بتلایا کہ ان کی توحیثیت ہی کچھ نہیں ، اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے بھی بلا اجازت شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اجازت دے اور کسی کے حق میں ان کی سفارش سننے پر راضی ہو۔ یرضٰی سے ظاہر ہے کہ جب تک ایک شخص نے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور اُن راہوں پر قدم نہیں مارا اُسے شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی کیونکہ شفاعت کا تعلق رضائے الٰہی سے ہے۔اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جن کی سفارش مومن چاہتے ہیں ان سے سچا تعلق اس دنیا میں پیدا کرلینا ضروری ہے۔گویا ایسے اعمال صالحہ بجالائیں جن سے اللہ بھی راضی ہو اور اس کے مقربین بھی۔ خاص طور پر محبوب خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو جن کی شفاعت مومنین کے لئے خاص ہے۔

۲۸۔۲۹۔مشرکین کا آخرت پر یقین نہ ہونا ہی ان کی ضلالت کی اصل وجہ ہے۔ اگر آخرت پر یقین ہوتا تو ان بے جا توہمات میں مبتلا نہ ہوتے اور محض گمان سے ایک بات فرض نہ کرلیتے اور دیگر مشرکانہ اعتقادات کے علاوہ فرشتوں کو عورتوں والے نام نہ دیتے جس کی کوئی اصل نہیں۔ان کے مقابلہ میں جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔انہیں اپنے اعمال اور اپنے ربّ کے حضور جوابدہی کی فکر رہتی ہے۔وہ شرک کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔مشرکین کا فرشتوں کو عورتوں والے نام دینا کسی علم کی بنا پر نہیں۔ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں یعنی یہ محض ان کے بے ہودہ خیالات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حق اور یقین کے مقابل پر ظن اور قیاس کچھ بھی کام نہیں دے سکتا پس حق اور یقین ہی ایک ایسی نعمت ہے جو انسان کو بامراد کرسکتی ہے۔

عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۰﴾

اس سے جو پھر گیا ہمارے ذکر سے اور نہ چاہی اس نے سوائے زندگی دنیوی کے

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

یہ ہے پہنچ ان کی علم سے یقیناً رب تیرا ہی خوب جانتا ہے اس کو جو گمراہ ہوا

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

راہ سے اس کی اور وہی خوب جانتا ہے اسکو جس نے ہدایت پائی اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں

وَمَا فِى الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ

اور جو زمین میں ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جو بُرائی کرتے ہیں اس کا جو کیا انہوں نے اور

يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۲﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ

بدلہ دے انکو جو نیکی کرتے ہیں نیکی کا وہ جو بچتے ہیں

۳۰۔۳۱۔قرآن کریم میں ذکر کا لفظ قرآن کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور رسول کے معنی میں بھی۔(۶۵۔۱۱) محض نصیحت بھی مراد ہوتی ہے۔

حق اور یقین کے مقابلہ میں ظن اور گمان کی اتباع کرنے والے مشرکین کا ذکر تھا جنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر ان کو عورتوں والے نام دے رکھے تھے۔ فرمایا ایسے مادہ پرستوں سے منہ موڑ لے جو ہمارے ذکر یعنی قرآن کریم سے منہ موڑتے ہیں اور جن کا مطلوب و مقصود محض دنیا اور دنیا کے مفادات ہیں۔ فرمایا ان کے علم کی رسائی اس حد تک ہی ہے کہ دنیا ہی ان کے لئے سب کچھ ہے اور آخرت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں ۔ یہ قرآن سے منہ موڑنے والے وہی ہیں جن کا شروع سورۃ میں ذکر ہوا کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سنانے یا تبلیغ و ہدایت کے لئے وعظ فرمانے کی کوشش کرتے تو شوروغوغا برپا کرکے کسی کو ایک لفظ بھی سننے نہ دیتے۔ پس ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ تیری تبلیغ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ ان کی فکر میں اپنی جان مت کھپا اور نہ اپنا وقت ضائع کر۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کردے۔ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہُوا ہے۔ اور کون ہے جو راہ راست پر ہے اور ہدایت پا گیا ہے۔

۳۲۔گمراہوں اور راہ راست پر چلنے والوں کا ذکر تھا۔ فرمایا جس شخص نے جو طرز عمل اختیار کیا اس کے مطابق ہی اس کے اعمال کے نتائج مرتب ہوں گے۔آسمانوں اور زمین میں اختیار و اقتدار اللہ ہی کا ہے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ بندوں کو ان کے اعمال کی سزاوجزا دیتا ہے۔پس جو غلط راہوں کو اختیار کرتے اور برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے اعمال کے مطابق ان کو بدلہ دیتا

كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ
بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے سوائے آلودگی کے یقیناً رب تیرا وسیع
الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ
بخشش والا ہے وہ خوب جانتا ہے تم کو جب اس نے پیدا کیا تم کو زمین سے اور
اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ
جب تم پوشیدہ تھے پیٹوں میں اپنی ماؤں کے پس نہ پاک ٹھہراؤ تم اپنے تئیں
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَاَعْطٰى ع۲
وہ خوب جانتا ہے اسکو جو متقی ہوا کیا پس دیکھا تُو نے اس کو جو پھر گیا اور دیا اس نے

ہے اور وہ جو راہ راست اختیار کرتے اور بہترین اعمال بجالاتے ہیں ان کو بہترین اجر سے نوازتا ہے۔

۳۲۔ **لمم**۔لمم معصیت کے قریب پہنچ جانا مگر آخر مرحلہ پر پہنچ کر رک جانا۔یعنی گناہ کے ارتکاب سے پہلے سنبھل جانا۔ سرسری لغزش ۔ معمولی غلطیاں۔بعض نے اس کے معنی صغائر کے لئے ہیں۔کلبی نے کہا وہ نظر جو بغیر ارادہ پڑ جائے لیکن اس کا دہرانا ذنب ہے ۔ **اجنّة** ۔جنّ سے ہے جس کے معنی چھپانا کے ہیں۔ جنین کی جمع ہے۔ اس بچے کے لئے کہا جاتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہو۔ **کبٰئر الاثم** کی تشریح کے لئے (۳۲:۴ سے استفادہ فرمائیں)

بد اور نیک اعمال بجا لانے والوں کا ذکر تھا ۔آخر الذکر ، **الذین احسنوا** کا بیان جاری رکھا جو محسنین ہیں ۔ان کی مدح میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں اور فواحش سے بچتے ہیں۔گناہ کبیرہ پر قرآن کریم نے خوب روشنی ڈالی ہے یعنی ہر وہ گناہ جسے قرآن و سنت کی کسی نص صریح نے حرام قرار دیا ہو یا اس پر حد جاری ہونے کا فتویٰ موجود ہو ۔ نیز اس میں وہ گناہ بھی شامل ہے جس کا انسان عادی ہوجائے اور اسے چھوڑنا نہ چاہے یا وہ گناہ جن کے لئے دنیا یا آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو یا لعنت بھیجی ہو۔ ان کے سوا جتنے افعال بھی شریعت کی رو سے ناپسندہ ہیں صغائر میں داخل ہیں ۔پس اگر بھول چوک سے کوئی لغزش ہوجائے یا صغائر میں سے کسی کا ارتکاب ہو جائے تو یہ قابل گرفت نہیں۔اس لئے کہ تیرا ربّ وسیع مغفرت والا ہے۔وہ معمولی غلطیوں پر صرف نظر فرماتا ہے۔

اس آیت میں بتلایا کہ انسان کو تزکیہ کے لئے سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچنا کوئی معمولی بات نہیں ہر کبیرہ گناہ ابتدا میں صغیرہ ہے۔پس صغیرہ پر ہی سنبھل جاؤ ورنہ صغیرہ گناہ کبیرہ تک لے جاتے ہیں جیسے بدنظری زنا پر منتج ہوتی ہے یا جس طرح بعض اوقات غصہ میں انسان قتل تک کا مرتکب ہوجاتا ہے۔اگر انسان کبائر گناہوں اور فواحش

قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ اَمْ لَمْ
تھوڑا سا اور روک دیا کیا اس کے پاس علم ہے غیب کا پس وہ دیکھتا ہے کیا نہیں

سے اپنا دامن بچائے رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اسے صغیرہ گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے ۔

ملحقہ آیت میں گنہگاروں کو سزا دینے کا بیان تھا جس سے ان میں مایوسی پیدا ہونے کا احتمال تھا اور محسنین کو جزائے حسنہ دینے کے وعدہ سے ان کے عجب وغرور میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ تھا **واسع المغفرة** کہہ کر اوّل الذکر کو تسلی دی اور **لاتزکّوٓا انفسکم** کہہ کر آخر الذکر کو متنبہ فرمایا کہ بعض اوقات لاعلمی میں ایسی لغزش ہوجاتی ہے جو سلب ثواب کا موجب بن جاتی ہے اور بندے کو اس کا علم تک نہیں ہوتا۔پس اپنی نیکیوں پر تفاخر نہ کرو۔اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کا خوب علم ہے بلکہ وہ تمہیں اور تمہارے احوال کو اس وقت سے جانتا ہے جب زمین سے تمہاری نشوونما ہوئی اور نباتات سے زندگی کا آغاز ہوا۔پھر ایک لمبے عرصہ تک مختلف مراحل سے گزرکر بالآخر سلسلہ تناسل جاری ہوا اورتم رحم مادر میں جنین کی صورت مختلف کیفیات سے گزرے۔پس اپنی پیدائش پرغور کرو اوربزعم خوداپنے آپ کو پاک نہ ٹھہراؤ۔خود کو نیک اور پاک سمجھنے والے متکبر ہو جاتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔عقلاً اور شرعاً بھی انسان کا اپنی مدح کرنا ایک فعل قبیح ہے (مفردات) پس اپنی خوبیاں بیان نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ متقی کون ہے۔

۳۴۔۳۵۔ **اکدٰی**۔ **کدیة** زمین کی سختی ہے۔بطور استعارہ ایسے طالب کے لئے بولا جاتا ہے جو بے مراد واپس آجائے اورایسے دینے والے پر جو تھوڑا دے کر رک جائے ۔ (مفردات)

بعض مفسرین نے ان آیات کی شان نزول میں بعض نام لئے ہیں لیکن قرآنی آیات کسی خاص واقعہ سے منسوب ہونے کے باوجود عام ہیں۔ خود کو متقی سمجھ لینا، خود نمائی کے مترادف ہے جبکہ دیکھنا یہ ہے کہ تقویٰ کے معیار پر پورا کون اترتا ہے ۔کیا وہ لوگ جنہوں نے دین حق سے پیٹھ پھیرلی اور راہ خدا میں تھوڑا دے کر ہاتھ روک لیا؟ان آیات کی شان نزول میں جتنے لوگوں کے نام لئے گئے ہیں وہ سب اسی قسم کے لوگ تھے کہ اللہ کی اطاعت کی طرف مائل ہوئے معمولی قربانیاں کیں اور پیچھے ہٹ گئے۔یہ ہرگز تقویٰ کا معیار نہیں۔

۳۶۔فرمایا جس شخص نے راہ خدا میں خرچ کرنے سے ہاتھ روک دیا۔کیا اسے غیب کاعلم ہے جس کے ذریعہ سے اس نے دیکھ لیا ہے کہ اگر یہ مال ختم ہوگیا تو اور نہ مل سکے گا۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ’’تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ تمہیں دے دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے‘‘۔(۳۴: ۴۰) ایک رزق پر ہی کیا منحصر ہے اس کی ہر عطا میں یہی

يُنَبَّأْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۷﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۸﴾ اَلَّا

آگاہ کیا گیا اس پر جو کتابوں میں ہے موسیٰ کی اور ابراہیم کی جس نے عہد پورا کر دکھایا کہ نہیں

اصول کارفرما ہے کہ انسان خرچ کرتا رہتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر قوت اور توانائی جو وہ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں اس کا بدل پیدا کرتا رہتا ہے۔اسی طرح انسان کے تمام اعضاء میں محنت وغیرہ سے جو کچھ تحلیل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدل اندر سے پیدا کردیتا ہے۔یہانتکہ بارہ سال کے عرصہ میں ایک انسان مکمل طور پر تبدیل ہوجاتا ہے۔اسی طرح مال کا معاملہ ہے انسان جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اس کا بدل اسے خدا کے فضل سے بہت بڑھ چڑھ کر عطا ہوتا ہے کبھی ۱۰ گنا کبھی ۷۰ گنا اور کبھی بے حد وحساب۔(بروایت حضرت ابن عباسؓ۔ مسلم کتاب الایمان باب اذاھم العبد بحسنة)

۳۷۔۳۸۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کے صحائف کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے صحائف کا ذکر فرمایا۔ گویا توریت کی طرح حضرت ابراہیمؑ کے صحائف میں بھی جو آسمانی تعلیمات تھیں وہ اس زمانہ کی ضروریات کے عین مطابق تھیں۔آج صحف ِابراہیمؑ تو دنیا میں موجود نہیں اور نہ ہی توریت میں ان کا ذکر ہے۔قرآن کریم نے اس مقام کے علاوہ سورۃ اعلیٰ کی آخری آیات میں صحف ِابراہیمؑ کی تعلیمات کے بعض اجزاء کو بیان فرمایا ہے۔ توریت موجود ضرور ہے لیکن مرورِ زمانہ سے تحریف کا شکار ہے جس کی اصلاح قرآنِ کریم نے فرمائی۔ اگلی آیات میں اس ساری سچی تعلیم کا خلاصہ بیان فرمایا جو انبیائے سابقہ کو دی گئی اور ان کے متبعین اسے بار بار بھولتے رہے اور وہ سچی تعلیم اب قرآن کریم میں دہرائی جارہی ہے۔پہلے سے نہایت اعلیٰ و ارفع رنگ میں۔یہاں حضرت ابراہیمؑ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی۔فرمایا ابراہیمؑ وہ تھا جس نے وفا کی۔وفا کے معنی کسی وعدہ یا معاہدہ کو پورا کرنا کے ہیں۔گویا حضرت ابراہیمؑ نے ہر قول کو پورا کرکے دکھایا اور وفا کا حق ادا کردیا۔آپ کی وفا کا تذکرہ قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے۔آپ اپنے ربّ کی اطاعت پر نہ صرف خود قائم رہے بلکہ مخلوقِ خدا کو اپنے ربّ کا پیغام پہنچانے میں سخت آزمائشوں سے گزرے۔اپنے ربّ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور بتخانہ میں علی الاعلان بتوں کے سر توڑے جس کی پاداش میں آگ میں پھینکے گئے ، گھر سے بے گھر ہوئے۔ پیرانہ سالی میں تبلیغ حق کے لئے صحراؤں میں سینکڑوں میل کے سفر کئے۔جوان بیوی اور بڑھاپے کی اولاد اپنے پہلوٹھے بیٹے کو بحکم الٰہی لق و دق صحرا میں چھوڑ آئے۔جب یہی بیٹا کچھ سمجھداری کی عمر کو پہنچا تو سب سے بڑی آزمائش میں پورے اترے اور اپنے ربّ کے حکم سے اسے ذبح کرنے کو تیار ہوگئے۔آپ ﷺ

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا

اٹھاتا کوئی اُٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور یہ کہ نہیں انسان کے لیے مگر کچھ

کے روحانی فرزند حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہے جس نے ابراھیمی انداز اپنائے اور وفا کے تقاضے کماحقہٗ پورے کئے۔غرض تمام احکامِ الٰہی کی تعمیل اور فرائض رسالت و نبوت کی ادائیگی میں خلق اللہ کی اصلاح کے علاوہ حضرت ابراھیمؑ کا خاص نفلی عبادات کو التزام سے ادا کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی(**وابراهيم الذى وفّٰى**) اور فرمایا کہ تم جانتے ہو **وفّٰى** کا کیا مطلب ہے ۔ابوامہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس ک رسول ہی بہتر جانتے ہیں ۔تو آپ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دن کے اعمال کی تکمیل اس طرح کردی کہ شروع دن میں چار رکعت (نماز اشراق) پڑھ لیں۔(ابن کثیر) ترمذی میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے’’ اے آدم کے بیٹے ! تو شروع دن میں میرے لئے چار رکعت پڑھ لیا کر تو میں آخر دن تک تیرے سب کاموں کی کفالت کروں گا۔‘‘(ابن کثیر)

اگلی سترہ آیات میں اس خاص تعلیم کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں تھی۔ ان میں عملی احکامات جن کا تعلق سابقہ آیات سے ہے ، دو آیات یعنی آیت ۳۹،۴۰ میں بیان ہوئے ہیں۔ باقی تعلیمات عبرت و نصیحت کے طور پر ہیں اور ان میں حق تعالیٰ کے غیر محدود اختیار و اقتدار کا بیان ہے ۔

۳۹۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات میں اوّل یہ فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا گناہ اپنے اوپر اس طور سے نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری قرار پائے۔ یہاں کفارہ کا بھی رد فرمایا کہ مسیحؑ ہرگز کسی کے گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا کہ خود تکلیف اٹھا کر گناہ کرنے والے کو بری قرار دے دیا جائے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! رونے سے میّت کو تکلیف پہنچتی ہے۔اس پر حضرت عائشہؓ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کی وفات پر ایسا فرمایا تھا کہ تم لوگ رو رہے ہو اور میّت کو عذاب ہو رہا ہے گویا میّت کو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے نہ کہ رونے سے۔ دنیا میں بھی انصاف کا تقاضا ہے کہ کوئی شخص کسی اور کے جرم میں پکڑا نہیں جاسکتا اور نہ قیامت میں کسی کا بارِ گناہ کسی دوسرے کے کندھے پر ڈالا جاسکتا ہے۔

۴۰ تا ۴۲۔ بیشک صحائف ابراہیم و موسیٰ میں بنیادی تعلیم وہی تھی جسے قرآن پیش کررہا ہے۔

مَا سَعٰی ﴿۴۰﴾ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۱﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ

قدر جو اس نے کوشش کی ۔ اور یہ کہ اس کی کوشش ضرور دیکھی جائے گی ۔ پھر بدلہ دیا جائیگا اس کو بدلہ پورا ۔ اور یہ کہ طرف رب تیرے کی ہے انتہاء ۔ اور یہ کہ وہی

ان آیات میں اس آفاقی سچائی کو بیان فرمایا جس پر قوموں کی دینی و دنیوی ترقی کا انحصار ہے۔ فرمایا ہر قسم کی ترقی کا دار و مدار خواہ دینی ہو یا دنیاوی انسان کی محنت اور جدوجہد پر ہے۔ بیشک دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت منع نہیں مگر دنیا ہی کو اپنا مقصود بالذات بنا لینا اور دین سے غافل ہوجانا ایک مومن کی شان نہیں۔ انسان کا اصل مقصود و مطلوب دین کو دنیا پر مقدم کرنا اور اپنے ربّ کو راضی کرنا ہے۔ پس جو اس مقصد میں کامیاب ہوگئے اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی طور پر بھی محروم نہیں رکھا۔ اگر بطور آزمائش کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ اس مقام پر ہوتے ہیں کہ دنیا ان کی نظر میں پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوتی۔

یہ دعویٰ کہ بغیر کوشش و محنت کے ایم ۔اے کی ڈگری حاصل کرلی یا بغیر مجاہدات کے محض پیرو مرشد کی ایک پھونک سے ولایت مل گئی ، سراسر خوش فہمی ہے اس لئے کہ ہر قسم کی فضیلت سعی و کوشش کی مرہون منت ہے ۔مجاہدات کے بغیر دینی طور پر کمال حاصل نہیں ہوسکتا ہے اور شدید محنت و مشقت کے بغیر دنیوی لحاظ سے بھی کوئی اعلیٰ مقام ہرگز نہیں مل سکتا۔ بہترین نتائج حاصل کرنے کے لئے بہترین کوشش ازبس ضروری ہے فرمایا انسان کی کوشش ملحوظ خاطر رکھی جائے گی اور وہ اللہ کے فضل سے اپنی کوشش کا نتیجہ ضرور دیکھ لے گا اور اسے اپنی کوشش کی بھرپور جزا دی جائے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ **لیس للانسان الا ماسعٰی** کی تشریح میں فرماتے ہیں ۔'' اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ مجاہدہ کرے اور وہ کام کر کے دکھلاوے جو کسی نے نہ کیا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ صبح سے شام تک مکالمہ کرے تو یہ فخر کی بات نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو اس کی عطا ہوگی۔ دھیان یہ ہوگا کہ خود ہم نے اس کے لئے کیا کیا۔'' (البدر جلد ۳ نمبر ۱۸، ۱۹ مورخہ ۸، ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰)

نیز فرماتے ہیں '' ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا۔ وہ افضل البشر افضل الرسل و الانبیاء تھے جب انہوں نے ہی پھونک سے وہ کام نہیں کئے تو اور کون ہے جو ایسا کرسکے دیکھو آپ ﷺ نے غار حراء میں کیسے کیسے ریاضیات کئے۔ خدا جانے کتنی مدت تک تضرّعات اور گریہ وزاری کیا کئے۔ تزکیہ کے لئے کیسی کیسی جانفشانیاں اور سخت سے سخت محنتیں

کیا کئے جب جا کر کہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فیضان نازل ہوا۔'' (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴ مورخہ ۲ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱)

مزید فرمایا:۔'' اگرچہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے جیسا کہ قرآن شریف نے صراحت سے حکم دیا کہ **لیس للانسان الا ماسعٰی** یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کرے گا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہوسکے گا۔'' (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۳ مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱)

اگر دعا اور صدقہ وغیرہ سے مردہ کو ثواب پہنچتا ہے تو یہ اس آیت کے منافی نہیں حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں روایات موجود ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت دی اور بتلایا کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ فقہاء حنفیہ کا بیان ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک خالص بدنی جیسے نماز۔ دوسری خالص مالی جیسے زکوٰۃ اور تیسری مالی و بدنی مرکّب جیسے حج ۔ان میں سے پہلی قسم میں نیابت (قائم مقامی) نہیں چل سکتی مثلاً ایک شخص کی طرف سے دوسرا شخص نیابۃً نماز نہیں پڑھ سکتا ہے۔ دوسری قسم میں نیابت ہوسکتی ہے کہ کسی زندہ یا مردہ کو دعا و صدقات سے ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔ تیسری قسم میں حج بدل ایسے شخص کی طرف سے ہوسکتا ہے جو خود حج کے لئے جانے پر قادر نہ ہو یا مرنے والے کی خواہش تھی جسے وہ پورا نہ کرسکا یا اس کی وصیت تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ بھی فقہ حنفیہ کے مسلک پر تھے ۔

۴۳۔ **المنتهٰی**۔ معنی کے لئے (آیت ۱۵) وہ آخری مقام ہے جہاں تک انسان کی پہنچ ہے اور وہ ترقی کرسکتا ہے، اس سے آگے نہیں جاسکتا۔

پچھلی آیات میں انسان کو دینی و دنیوی ترقیات کے لئے محنت اور جدوجہد کی ترغیب دی۔ یہاں بتلایا کہ تمہاری روحانی اور مادی ترقی ایک حد تک ہی ممکن ہے۔ صحائف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی تعلیمات کا بیان جاری تھا۔ فرمایا سب چیزوں کا منتہا اور انجام تیرے ربّ کی طرف ہے یعنی بالآخر تیرے ربّ کی طرف ہی پہنچنا ہے۔ اس محدود عالم میں کوئی چیز لامتناہی نہیں یعنی انتہا تمام سلسلہ کی تیرے ربّ تک ہے ۔بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ انسانی غور وفکر کا سلسلہ اللہ کی ذات پر پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے ۔پس جس پر اس تمام کی انتہا ہے، وہی خدا ہے ۔اس ذات پاک کی ذات و صفات کی حقیقت تک پہنچنا انسان کے بس میں نہیں ۔ہاں اس کی نعمتوں پر غور وفکر کرکے جو تمہاری اپنی ذات اور تمام کائنات پر پھیلی ہوئی ہیں اس کی ذات تک پہنچا جا سکتا ہے۔

أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿۴۴﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۵﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ
ہنساتا اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور یہ کہ اس نے پیدا کئے ہیں

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿۴۶﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿۴۷﴾
دو قسمیں نر اور مادہ نطفہ سے جب وہ ڈالا جاتا ہے

وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿۴۸﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿۴۹﴾
اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے پیدائش پچھلی اور یہ کہ وہی دولتمند کرتا ہے اور خزانے دیتا ہے

مگر اس ذات پر غور و فکر کی اجازت نہیں۔ اسے علم الٰہی پر چھوڑ دو۔ اس کی کنہ تک تمہاری رسائی ممکن نہیں۔ وہی سدرۃ المنتھٰی والا مضمون ہے کہ اس حد سے آگے نہیں جاسکتے۔امام فخر الدین رازیؒ کا قول بہت درست ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو عقل کے پیمانہ سے اندازہ کرنے کا ارادہ کرے گا وہ بیوقوف ہے۔پس مخلوق سے خالق تک پہنچو۔

۴۴۔۴۵۔اللہ تبارک و تعالیٰ کے غیر محدود اختیار و اقتدار کے بیان میں فرمایا کہ جب مالک جمیع تصرفات ، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے تو وہ اپنی حکمت و قدرت سے جس چیز کا کوئی اہل ہے اس تک اسے پہنچا دیتا ہے۔ خوشی اور غم کو ظاہری اسباب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ وہی ہے جو خوشی دیتا ہے اور غمی۔ جس کے نتیجہ میں کوئی خوشیاں مناتا ہے اور کوئی رنج و غم میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اسی طرح قوموں کی موت و حیات ہو یا افراد کی ،سب اسی کے اختیار میں ہے روحانی طور پر ہو یا مادی طور پر۔

۴۶ تا ۴۸۔جس طرح موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اسی طرح سے انسان کی پیدائش بھی خالق و مالک کی قدرت کاملہ سے ظہور میں آتی ہے وہی ہے جس نے جوڑا پیدا کیا، یعنی نر اور مادہ ۔ ایسا نطفہ سے وجود میں لاتا ہے جب وہ مادہ کے پیٹ میں ٹپکایا جاتا ہے ۔ اور یہ بھی کہ دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا اسی کے ذمہ ہے۔گویا وہ پروردگار جو موت و حیات بخشنے پر قادر ہے اور ایک حقیر قطرہ سے انسان جیسی ذی شعور مخلوق پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۴۹۔ **اغنٰی۔ غنا** کے معنی مالداری کے معروف ہیں۔**اغنٰی** دوسرے کو مالدار بنا دینا، غنی بنا دینا یعنی احتیاج اور ضروریات کی فکر سے عارضی طور پر آزاد کرنا ہے۔**اقنٰی۔ قنیۃٌ** سے مشتق ہے ۔جس کے معنی محفوظ سرمایہ کے ہیں گویا مدت دراز تک مالدار کرتا ہے ۔ یعنی اسے وہ دیا کہ بعد کفایت وہ ذخیرہ کرلے۔(لسان العرب)

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ﴿۵۰﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿۵۱﴾ وَ
اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا اور یہ کہ اس نے ہلاک کیا عاد پہلے کو اور

ثَمُودَا فَمَا أَبْقَىٰ ﴿۵۲﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا
ثمود کو پھر نہ باقی چھوڑا اور قوم نوح کو پہلے اس سے یقیناً وہ تھے

هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ﴿۵۳﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿۵۴﴾ فَغَشَّاهَا مَا
بہت ظالم اور بہت سرکش اور الٹائی گئی بستیوں کو دے مارا اس نے پس ڈھانکا ان پر جو

اللہ تعالیٰ نے انسان کو باشعور اور صاحبِ اختیار و ارادہ ہستی بنایا ۔جب وہ اپنی ضروریات کے لئے سعی و کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی محنت کو بارآور کرتا ہے اور وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہوجاتا ہے ۔جس کے شامل حال اللہ کا خاص فضل و احسان ہو تو وہ اسے خزانوں کا مالک بنادیتا ہے اور دنیوی تفکرات سے کلیۃً آزاد کردیتا ہے۔

اگلی آیات میں ان بدنصیب قوموں کا ذکر کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے خزانے عطا کئے مگر وہ عطا کرنے والے کو بھول گئیں ۔اس کے فرستادوں کو جھٹلایا اور ان کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا جس کی پاداش میں صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں۔

۵۰۔تباہ شدہ اقوام کے احوال سے پہلے شعریٰ کا ذکر کیا اس لئے کہ شعریٰ کے پرستار اس زمانے میں موجود تھے اور بتلایا کہ شعریٰ ہو یا دیگر اجرام فلکی یا مختلف کائناتی وجود اور طاقتیں، سب اسی ربّ کی تخلیق ہیں۔ وہ سب مخلوق ہیں نہ کہ خالق۔

شعریٰ (Sirius)ایک ستارے کا نام ہے جو شدت گرما میں جوزا کے پیچھے طلوع کرتا ہے۔ شروع سورۃ میں النجم کہہ کر جس کی قسم کھائی ، اس سے مراد شِعریٰ ستارہ ہی ہے جسے مشرکوں نے اپنی قسمتوں کا مالک سمجھ رکھا تھا۔ یہ آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے جو سورج سے ۲۳ گناہ زیادہ روشن ہے ۔مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے زیادہ ہونے کی وجہ سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے ۔ اہل مصر اس کی پرستش کرتے تھے ۔ چونکہ اس کے طلوع کے زمانہ میں جو سخت گرمی کا موسم ہے نیل میں پانی کازور شروع ہوتا ہے اس لئے وہ اسے شِعریٰ کے طلوع کی برکت قرار دیتے تھے ۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ لوگوں کی قسمتوں کے بنانے میں اس کا دخل ہے ۔ خاص طور پر قریش کا ایک قبیلہ اس کی پرستش کے لئے مشہور تھا۔ یہاں بتلایا کہ تمہاری قسمتیں شِعریٰ نہیں بلکہ شِعریٰ کا ربّ بناتا ہے۔

۵۱تا۵۵۔ **ھوٰی** ۔معنی کے لئے آیت۲۔ **اھوٰی** کے معنی فضا میں لے جاکر نیچے دے مارنے کے ہیں۔(مفردات) دے مارا۔

غَشّٰی ﴿۵۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ﴿۵۶﴾ ھٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ

ڈھانکا — سو کن کن نعمتوں سے اپنے رب کی (اے انسان) تو جھگڑا کرتا ہے — یہ — ڈرانے والا ہے

اب ان قوموں کا ذکر کیا جو اپنے انبیاء کو جھٹلانے اور دیگر جرائم کے سبب عذابِ استیصال کا شکار ہوئیں۔ عادِاولیٰ سے مراد قدیم قومِ عاد ہے جس کی طرف حضرت ھود علیہ السلام مبعوث ہوئے ۔ یہ قوم حضرت ھودؑ کو جھٹلانے ، آپ اورآپ کے متبعین پر ظلم وستم کی پاداش میں ہلاک ہوئی۔ حضرت ھودؑ اورآپ کے متبعین ہی باقی بچے جن کی نسل تاریخ میں عادِ ثانیہ یا عادِ اُخریٰ کے نام سے موسوم ہے ۔ عادِ اولیٰ کی تفصیل کے لئے ۔ الاعراف رکوع ۹ ، سورۃ ھودرکوع ۵ سورۃ الشعراء رکوع ۷ سے استفادہ فرمایئے)

فرمایا قوم ثمود کو جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اس طرح تباہ کیا کہ ان کا کچھ بھی نہ چھوڑا۔ یہ قوم عاد ہی کی ایک شاخ تھی۔ تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف رکوع ۱۰۔ سورۃ ھود رکوع ٦)

ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گزری جو سب سے بڑھ کر ظالم اور سب سے زیادہ سرکش تھی۔ (تفصیل سورۃ الاعراف رکوع ۸۔ سورۃ ھودرکوع ۳، ۴۔ سورۃ الشعراء رکوع ٦)

قوم لوط کی تباہی کا ذکر تفصیلاً (سورۃ الاعراف آیت ۸۱تا۸۵ ۔ سورۃ الحجر آیت ۵۹ تا ۷۸۔ سورۃ الشعراء رکوع ۹ میں ہے) استفادہ فرمایئے۔ قرآن کریم نے قوم لوط کی تباہ شدہ بستیوں کا ذکر مؤتفکات کے نام سے کیا یعنی الٹائی گئی بستیاں ۔ کیونکہ آتش فشانی اور شدید زلزلہ سے یہ بستیاں بالکل تہ و بالا ہوگئیں ۔ انہیں جس چیز نے ڈھانپ لیا وہ بحرہ مردار کا پانی ہے جو ان کی بستیوں کے زمین میں دھنس جانے کے بعد قہر الٰہی کی صورت ان پر چڑھ آیا اور آج تک اس علاقے کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ یہاں تک صحف موسیٰ و ابراھیم کی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔

۵٦۔ **تتمارٰی**۔ تمارٰی جھگڑا کرنا ہے ۔ **تتمارٰی**۔ تم جھگڑا کرتے ہو یا کروگے۔

ان تمام تاریخی شواہد میں منکرین حق کے لئے ہدایت کے سامان تھے اگر سابقہ اقوام کی ہلاکت اور عذاب کے واقعات سے بھی تم نے نصیحت حاصل نہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصائح پر کان نہ دھرا جو تمہارے اپنے مفاد میں ہیں اور تمہارے لئے سراسر نعمت خداوندی ہیں اور تمہیں جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر صداقت اور علم و عرفان کے اجالوں تک پہنچانے آئی ہیں تو اسی انجام کے لئے تیار ہو جاؤ جو منکرینِ حق کے شامل حال ہوا جنہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ اس لئے کہ نبی کا بندگانِ خدا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہونا اللہ تبارک و تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ آخر تم اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کے بارہ میں بحث کرتے اور جھگڑتے رہو گے۔

النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ڈرانے والوں پہلوں میں سے — نزدیک آگئی ہے نزدیک آنیوالی (یعنی قیامت) — نہیں اس کو — سوائے اللہ کے

کَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا

کوئی دُور کرنیوالا — پھر — اس — بات پر — تم تعجب کرتے ہو — اور ہنستے ہو — اور نہیں

تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ ع ۳

روتے — اور — تم — غافل ہو — پس سجدہ کرو — اللہ کو اور عبادت کرو

۵۷تا۵۹۔ **ازفة**۔ **ازف** بمعنی قریب کے آتا ہے ۔ **اٰزفة** قریب آنے والی۔

قریب آنے والی سے مراد ساعتِ وسطیٰ یا قیامت وسطیٰ ہے یعنی مکذبین کی تباہی و ہلاکت نہ کہ قیامت کبریٰ ۔ اس لئے کہ گزشتہ آیات میں ایسی ہی تمام قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا پھر انہی کی طرح کا نذیر کہہ کر واضح کردیا کہ جس طرح وہ اقوام اپنے انبیاء کی تکذیب کی پاداش میں تباہ ہوئیں ، تم بھی ہوگے۔ پس قریب آنے والی تباہی کا پہلا کوڑا جنگ بدر کی صورت برساجب اہل مکہ کے چنیدہ سردار واصل جہنم ہوئے۔ یہ کہنا کہ اللہ ہی اس تباہی کو دور کرسکتا ہے ، صاف ظاہر کررہاہے کہ یہ قیامتِ کبریٰ نہیں کیونکہ قیامت کبریٰ کو اللہ تعالیٰ دور نہیں کرے گا۔

ھٰذانذیرٌ من النذرِالاولیٰ ٥ سے مراد سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ نیز پچھلی ہلاک شدہ قوموں کا انجام بھی ہے جن کے احوال اوپر کی آیات میں بیان کئے گئے ہیں ۔ گویا یہ انذار پہلے انذاروں کی طرح ایک انذار ہے۔

٦۰ تا ٦۳۔ **سٰمدون**۔ السامد ۔ غافل کو کہتے ہیں جو اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو۔

کیا عذاب استیصال کے خوفناک قصص سن کر بھی تم ان باتوں پر تعجب کرتے ہو گویا تمہیں یقین نہیں کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہونے والا ہے ۔ یقین نہ ہونے کی وجہ سے ان انذار پر ہنستے ہو اور ان کا تمسخر اڑاتے ہو اور عذاب کے خوف سے ڈرتے نہیں ۔ حالانکہ یہ رونے کا مقام ہے نہ کہ ہنسنے کا ۔ اس لئے کہ تباہی کی گھڑی عین تمہارے سر پر آن پہنچی ہے۔ گویا چند سال کی بات ہے اور تم ابھی تک غفلت میں پڑے ہو ۔ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کرو ، اپنے گناہوں کا اعتراف کرلو اور اپنے ربّ کے حضور سجدہ میں گر جاؤ۔ اکیلا اس کو ہی اپنا معبود و مقصود قرار دو اور اسی کی بندگی کرو۔

سجدہ تلاوت کی تشریح (سورۃ الاعراف کی آخری آیت ، مناھل العرفان جلد اوّل میں ہے) جو قرآنی ترتیب سے پہلی آیت سجدہ ہے ۔ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پر ہمیشہ اسی وقت سجدہ کیا بلکہ اگر نماز میں آیت سجدہ آئی تو نماز میں ہی ایک سجدہ بجا لائے۔ بیشک آیت سجدہ پر ایک سجدہ ادا کرنا موجب ثواب ہے تاہم صحیحین کی ایک

حدیث میں جو حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے ہے، یہ مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ نجم پڑھی مگر آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا۔اس سے ظاہر ہے کہ اگر کبھی موقع نہ ملے تو سجدہ بعد میں کرلینا یا نہ کرنا گناہ نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجماع صحابہ کو حجت قرار دیا جو یہی ہے کہ سجدہ تلاوت کرنا چاہیئے اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر عمل کرنا چاہیئے۔ہاں اگر اسی وقت موقع نہ ہو تو بعد میں کرلینا چاہیئے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ قمر۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی چھپن آیات اور تین رکوع ہیں

سورۃ النجم اور سورۃ القمر کا زمانہ نزول ایک ہی ہے یعنی قریباً ۵ نبوت۔ دونوں کے مضامین اور نام بھی ملتے جلتے ہیں۔ سورۃ نجم کا اختتام **ازفت الأزفة**۔ سے ہوا جبکہ اس سورۃ کی ابتدا **اقتربت السّاعة** سے ہوئی۔چاند کا پھٹنا ایک حقیقت تھی جسے مشرک جھٹلا نہ سکے۔ البتہ دیگر مکفرین انبیاء کی طرح یہ کہہ کر آپ ﷺ کی تکذیب کی کہ یہ تو جادو ہے۔

چاند عربوں کی حکومت کا نشان تھا۔ ان کے پرچم پر بھی چاند کا نشان تھا۔ شق القمر رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ میں سے ہے جو قطعی دلائل سے ثابت ہے۔انشاقِ قمر میں اہل عرب کی قوت کے ٹوٹنے کی طرف اشارہ تھا کہ اب عرب سے مشرکین کی بادشاہت اور اجارہ داری کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہوا۔ اب وہ ساعتِ وسطیٰ برپا ہوگی جو قومی ترقی اور عروج کی گھڑی ہے جس میں شرک کو ہمیشہ کے لئے جزیرہ نمائے عرب سے نکال پھینکا جائے گا اور ہمیشہ کے لئے توحید کا بول بالا ہوگا۔

اس سورۃ میں ایک بار پھر گزشتہ مشرک اقوام کا ذکر کیا اور ایک نئے انداز سے تنبیہ فرمائی۔ بتلایا کہ اُن تمام قوموں نے اپنے اپنے وقت کے رسولوں کو جھٹلایا اور وہ تمام قومیں تکذیب انبیاء، اپنے کفر اور گستاخیوں کے نتیجہ میں یکے بعد دیگرے ہلاک کردی گئیں۔ ان میں سے ہر قوم کی تباہی کا عبرت آموز قصہ بیان کرنے کے بعد **فکیف کان عذابی ونذر**۔ میں لوگوں کو متنبہ فرمایا۔ پھر ساتھ ہی ایمان و اطاعت کی ترغیب کے لئے **ولقد یسرنا القراٰن للذّکر فھل من مدّکر**۔ کی تکرار فرمائی۔ کہ یقیناً ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا۔اس سورۃ میں ان دونوں جملوں کی تکرار چھ چھ مرتبہ آئی ہے۔ پس کوئی ہے جو ان قوموں کے المناک انجام سے سبق حاصل کرے اور خود کو اور اپنی قوم کو آنے والی تباہیوں اور رسوائیوں سے بچائے؟

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝۲ وَاِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً

نزدیک آپہنچی قیامت اور پھٹ گیا چاند ۔اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشان

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے ۔

۲۔ (تشریح کے لئے دیباچہ ملاحظہ فرمائیں)

فرمایا ساعت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ساعت سے مراد وہی سورۃ نجم (آیت ۵۸) والی ساعت وسطٰی ہے نہ کہ قیامت **بل الساعۃ موعدھم** (اس سورۃ کی آیت ۴۷) میں اسی ساعت کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کو بدر کے دن پڑھنا صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ نیز (اس سورۃ کی آیت ۴۵،۴۶) میں جنگ احزاب کی پیشگوئی فرمائی جس سے صاف ظاہر ہے کہ ساعتِ وسطٰی کا ہی ذکر ہے ، ساعت کبریٰ کا نہیں۔

صحاح کی احادیث کثیرہ میں اس عظیم معجزہ کا بیان ہے۔ صحابہ کبار کی ایک جماعت نے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ ہیں ، ان احادیث کو روایت کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب چاند شق ہوا اور دو ٹکڑے ہوگئے جس کو سب نے دیکھا ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو ۔''(صحیح بخاری کتاب التفسیر ۔سورۃ القمر حدیث نمبر ۴۴۸۷) ابن جریرؒ نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہی دو ، گواہی دو'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے ابوداؤد طیالسی اور بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔'' مکہ میں چاند شق ہوکر دو ٹکڑے ہوگیا۔کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے۔ابن ابی کبشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کردیا ہے۔باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو۔اگر انہوں نے بھی دو ٹکڑے چاند کے دیکھے ہیں تو انہوں نے سچ کہا ہے اور اگر باہر کے لوگوں نے ایسا نہیں دیکھا تو پھر یہ بیشک جادو ہی ہوگا۔پھر باہر سے آنے والے مسافروں سے تحقیق

کی جو ہر طرف سے آنے والے تھے، سب نے اعتراف کیا کہ ہم نے بھی یہ دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔ (ابن کثیر) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ'' اس واقعہ کی شہرت ہندوؤں میں مؤلف تاریخ فرشتہ کے وقت میں بھی بہت کچھ پھیلی ہوئی تھی کیونکہ اس نے اپنی کتاب کے مقالہ یاز دہم میں ہندوؤں سے یہ شہرت یافتہ نقل لے کر بیان کی ہے کہ شہر دھار کہ جو متصل دریائے پھنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے۔ اب شاید اس کو دھارا نگری کہتے ہیں وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا۔ایک بارگی اس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور پھر مل گیا اور بعد تفتیش اس راجہ پر کھل گیا کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ تب وہ مسلمان ہوگیا۔''

نیز آپ لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی دیگر معتبر کتابوں میں بھی یہ شہادت پائی جاتی ہے۔ مہابھارت کے دھرم پرب میں بیاس جی لکھتے ہیں کہ'' ان کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوکر پھر مل گیا تھا۔''(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۷۳تا۷۹) حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالات اسلام (صفحہ ۶۵،۶۶) میں لکھتے ہیں ''درجۂ لقا میں بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں کہ جو بشریّت کی طاقتوں سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں ۔۔۔۔۔معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو شق قمر ہے اسی الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا، دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آ گیا تھا۔'' سائنسدان چاند کے مختصر حالات یہ بیان کرتے ہیں کہ زمین سے اس کا فاصلہ تقریباً دو لاکھ میل ہے۔اس کا قطر دو ہزار میل ہے۔یہ زمین کے ۱/۴ کے برابر ہے۔چاند پر کھڑے ہو کر زمین کو دیکھیں تو وہ چاند سے ۸۰ گنا زیادہ روشن نظر آتی ہے۔اس لئے کہ چاند پر پھیلی ہوئی ایک خاص قسم کی راکھ انعکاس نور میں رکاوٹ ہے یہ راکھ اس کے پہاڑوں اور میدانوں میں یکساں پھیلی ہوئی ہے ۔چاند کی سطح پر ایک دراڑ کا نشان ہے اور جابجا آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے ہیں، بعض چھوٹے اور بعض سو میل تک چوڑے ہیں۔یہ تیس ہزار کے قریب ہیں۔ بعض دہانوں سے نوری شعائیں نکل کر خط مستقیم میں دور دور تک جاتی ہیں جن کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔

اجرام فلکی میں بڑے بڑے تغیر نمودار ہوتے رہتے ہیں عین ممکن ہے کہ انشقاقِ قمر کی ظاہری وجہ اس کی اندورنی شدید آتش فشانی ہو اور پھر یہ چند لمحوں میں اپنی ہی کشش سے مل گیا ہو۔ چاند کی سطح پر تیس ہزار مہیب آتش فشانی دہانے ، اس پر پھیلی ہوئی راکھ اور ایک عظیم دراڑ اس خیال کی مؤید ہے ۔واللہ اعلم بالصواب۔

۳۔**مستمرٌ** ہمیشہ۔ہمیشہ کی طرح کا۔اسی سے استمرار ہے جو ہمیشگی کے معنی دیتا ہے۔

يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٣ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا

تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جادو ہے ہمیشہ کا اور انہوں نے جھٹلایا اور پیچھے رہے

اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝٤ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ

اپنی خواہشوں کے اور ہر بات حد بست والی ہے اور یقیناً آچکی ہیں انکے پاس

الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝٥ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ

خبریں جن میں ڈانٹنا ہے بات ہے پختہ پس نہیں کام آتے

النُّذُرُ ۝٦ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٧

ڈرانیوالے نشان سو تو منہ پھیر لے ان سے (منتظر رہ) اس دن (کا) کہ پکاریگا پکارنے والا ایک بات اوپری کی طرف

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ

نیچی ہوں گی نظریں انکی وہ نکلیں گے قبروں میں سے گویا کہ وہ

جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٨ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ

ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی دوڑنے والے ہوں گے طرف پکارنے والے کی کہیں گے کافر

مضبوط اور چلا گیا کے معنی میں بھی آتا ہے۔

باوجود اس کے کہ ہلاکت کی گھڑی ان کے سر پر کھڑی ہے اور شق القمر جیسا عظیم معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں جس میں ان کی تباہی کی طرف صریحاً اشارہ ہے لیکن اسی روش پر قائم ہیں کہ جب بھی کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ ہمیشہ کی طرح کیا جانے والا جادو ہے۔ گویا اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایسا ہوا تو ضرور ہے لیکن اس قسم کے جادو محمدؐ ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔

۴۔ **مستقر**۔ ٹھہرنے والا اور قرار پکڑنے والا۔

مشرکین نے شق قمر کے صریح مشاہدہ کے باوجود اس کو جھٹلایا اس لئے کہ وہ ان کی خواہشات کے منافی تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک انقلاب برپا ہو، ان کی اجارہ داری ختم ہو اور دین محمدی غالب آ جائے۔ **کل امر مستقر** ٥ ہر امر اپنے وقت پر قرار پکڑنے والا ہے۔ یعنی چاند کے پھٹنے کی جو ساعت اللہ تعالیٰ نے مقرر اور مقدر فرمائی تھی اس کے وقوع کا وقت آ گیا تھا۔ جبکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور حق تھا تو ضرور ہے کہ قائم اور ثابت ہو کر رہے اور تمہارا باطل پر ہونا تمہیں ہلاکت تک پہنچائے۔

۵ تا ۹۔ **مزدجر**۔ ڈانٹ۔ زجر و توبیخ۔ **حکمت بالغۃ**۔ کمال تک پہنچی ہوئی حکمت۔ **شیء نکر** سے مراد انجانی شے ہے۔ ایسی چیز جس کا تصور نہ کیا جا سکے۔ سخت ناگوار۔ **مھطعین۔ مھطع**۔ گردن اٹھا کر بھاگنا ہے۔ **مھطعین** بھاگنے والے۔

هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٩ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا

یہ دن ہے سخت جھٹلایا تھا پہلے ان سے قوم نوح نے پس انہوں نے جھٹلایا

عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝١٠ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ

بندے ہمارے کو اور انہوں نے کہا دیوانہ ہے اور دھتکارا گیا ہے سو اس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں

یہ ہلاکت وتباہی ان پر اچانک نہیں آ گئی۔ جب سالہا سال کے پند و نصائح بے اثر ثابت ہوئے اور ان کی چیرہ دستوں میں کمی نہ آئی تو انہیں الہامی کتابوں کی طرف توجہ دلائی اور تاریخ عالم سے مثالیں دے کر سمجھایا گیا جن میں سخت زجر و توبیخ تھی کہ کس طرح وہ سرکش قومیں تکذیبِ انبیاء کی پاداش میں اپنے عبرتناک انجام کو پہنچیں نیز ان آسمانی کتابوں میں اعلیٰ درجہ کی دانائی کی باتیں تھیں اگر ان پر سنجیدگی سے غور کرتے تو ان کے دلوں پر ضرور اثر کرتیں اور یہ اپنی غلط روش سے باز آ جاتے مگر افسوس یہ انذار کسی کام نہ آئے اور ہر طریق سے سمجھانے اور ڈرانے کے باوجود یہ اپنا باغیانہ اور ظالمانہ رویہ چھوڑنے کو تیار نہ ہوئے۔ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے یہانتک کہ اس عبرتناک انجام کو دیکھیں جس سے ڈرایا جاتا تھا۔

بیشک یہ قیامتِ کبریٰ کا نقشہ ہے مگر یہ مکذبینِ رسول دنیا میں بھی قیامت کا نمونہ دیکھیں گے۔ اس لئے کہ جس چیز سے اعدائے حق کو ڈرایا جا رہا ہے وہ وہی ساعت وسطیٰ ہے یعنی مکذبین کی ہلاکت اور رسوائی کی گھڑی۔ اسی لئے قوموں کی ہلاکت کی مثالیں دے کر منکرین حق کو بار بار تنبیہ کی جاتی رہی۔ ان آیات کو دنیا پر اطلاق پانے کی صورت میں داعی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور شیء نکر وہی چیز ہے جسے منکرین پسند نہیں کرتے تھے۔ یعنی توحید کا غلبہ اور ان کا ذلیل و رسوا ہونا۔ اجداث سے مراد مجازاً ان کے گھر ہیں جو جہالت کے اندھیروں اور روحانیت کے فقدان کی وجہ سے قبروں سے مشابہ ہیں۔ یہاں فتح مکہ ہی کا نقشہ پیش کیا جب دس ہزار قدوسیوں کے لشکر جرار کی اچانک یلغار سے ان کے نظریں ذلت و ندامت سے جھکی ہوئی ہوں گی اور سخت بدحواسی کے عالم میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور پناہ کی تلاش میں سر اٹھائے بھاگ رہے ہوں گے۔ کبھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ رحمت تلے اور کبھی اس سیاہ فام حبشی غلام (فداہٗ امّی و ابی) کے جھنڈے تلے جس کے خون کی مہک مکہ کی گلیوں میں بسی ہوئی تھی اور جس کی اَحدٌ اَحد کی دلخراش آوازیں مکہ کی فضا میں اب بھی گونج رہی تھیں۔ یقیناً اس دن کافر چلا اٹھیں گے کہ یہ دن بہت سخت ہے۔

۱۰ تا ۱۳۔ **ازدجر**۔ ڈانٹا گیا۔ دھتکارا گیا۔ **منھمر۔ الھمر** کے معنی آنسو یا پانی بہا دینے

مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۱﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۲﴾

مغلوب ہوں پس تو مدد فرما پھر ہم نے کھولے دروازے آسمان پانی برسنے والے کے

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے پھاڑدی زمین چشموں سے پھر مل گیا (بارش اور چشموں کا) پانی ایک اندازہ پر جو مقرر کیا گیا تھا

کے ہیں۔ مینہ کے برسنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ **منهمر**۔ بہت برسنے والا۔ **التقاء** اکٹھا ہونا یا جمع ہونا ہے۔ **امر قدقُدر**۔ وہ کام جس کا اندازہ ہو چکا تھا۔ جو مقدر کیا جاچکا تھا۔ یعنی قوم نوح کی ہلاکت۔

اب آخر سورۃ تک بطور تنبیہ ایسی پانچ مشہور عالم قوموں کا ذکر فرمایا جو تکذیب انبیاء کے نتیجہ میں ہلاک ہوئیں۔ ان ہلاک شدہ اقوام کے قصوں میں اہل مکہ کو یہی بتانا مقصود تھا کہ اس زمانہ کے کفار و مشرکین، دولت و قوت اور جتھے میں اُن سابقہ اقوام کے پائے کو بھی نہیں پہنچتے۔ پھر یہ اللہ کی پکڑ سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ سورۃ نجم (آیت ۵۱ تا ۵۵) میں ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں ان قوموں کے حالات تفصیلاً بیان ہوئے ہیں چونکہ ان تمام قوموں کے واقعات تفصیلاً گزر چکے ہیں اس لئے اس سورت میں ان کا ذکر مجمل طور پر کیا جارہا ہے۔

سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر فرمایا۔ یہ پہلی قوم تھی جو عذاب استیصال سے ہلاک ہوئی۔ مکذبین نے حضرت نوحؑ کی تکذیب پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ آپ کی شان میں نہایت گستاخانہ الفاظ کہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کو بھی دیوانہ کہا تا کوئی آپ کی بات کو درخور اعتنا نہ سمجھے۔ دھتکارا ہوا کہنا اس بنا پر تھا کہ جب بھی آپ وعظ و نصیحت کی کوشش کرتے سرداران قوم دھکے دے کر آپ کو اپنی محفلوں سے نکال دیتے۔ ازدجر میں ان دھمکیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو آپ کو سنگسار کرنے کے لئے دی گئیں (۲۶۔۱۷) بیشک آپ کی قوم نے آپ کی تذلیل کی مگر اللہ تعالیٰ نے میرا بندہ کہہ کر آپ کی عزت افزائی فرمائی۔

سالہا سال کی وعظ و تبلیغ اور اس کے نتیجہ میں مظالم و شدائد کے بعد جب حضرت نوحؑ کو علم الٰہی سے اس قوم کی ہدایت کی امید نہ رہی تو آپ نے اپنے ربّ کو پکارا کہ میں ان ظالموں کے ہاتھوں مغلوب اور بے بس ہوگیا ہوں۔ اب مجھ میں مقابلہ کی سکت نہیں۔ پس ’’تو میری طرف سے مقابلہ کر‘‘ (از حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۳ حاشیہ) فرمایا ہم نے مسلسل برسنے والے پانی سے آسمان کے درکھول دئے جیسا کہ بارش ۴۰ روز تک نہ تھمی اور زمین سے چشمے ابل پڑے۔ پس زمین و آسمان کا پانی اس خاص کام کے لئے سیلاب کی صورت جمع ہوگیا جو پہلے سے مقدر کیا جاچکا تھا یعنی اس ہلاکت کے لئے جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا تھا۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۴﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ

اور ہم نے سوار کیا اس کو (کشتی) تختوں اور میخوں والی پر جو چلتی تھی نگرانی میں ہماری

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ

یہ بدلہ تھا اس کیلئے، تھا جسکا انکار کیا گیا (یعنی نوح کا) اور یقیناً ہم نے چھوڑ دیا اسکو بطور نشان کے پس کیا ہے کوئی

مُّدَّكِرٍ ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

نصیحت پکڑنے والا سو کیسا ہوا عذاب میرا اور ڈرانا میرا اور یقیناً یقیناً آسان کیا ہم نے

۱۴ تا ۱۷۔ الواح۔ تختے۔ واحد لوح۔ **دسر**۔ میخیں۔ دسار واحد۔ **مدکر** (درک) کسی کی غایت کو پہنچنے والا۔ غور خوض کرنے والا۔ گہرائی سے سوچنے والا۔ نصیحت حاصل کرنے والا۔ اسی سے ادراک ہے۔

کشتی کی بجائے تختوں اور میخوں والی کہا اس میں بتانا یہ مقصود تھا کہ یہ کوئی عام کشتی نہیں تھی۔ یہ کشتی خدا تعالیٰ کی خاص ہدایات کے مطابق بنائی گئی تھی۔ (ھود: ۳۸) اور اس طوفان بلا خیز میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی خاص حفاظت میں رواں تھی اور پھر ایک نشان کے طور پر محفوظ رکھی جانے والی تھی۔

حضرت نوحؑ نہایت قدیم زمانہ میں یعنی حضرت آدمؑ سے قریباً ایک ہزار سال بعد مبعوث ہوئے۔ کشتی کا تختوں اور میخوں سے بنانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک متمدن زمانہ تھا جس میں لوگوں کو لوہے پر دسترس حاصل تھی جس سے میخیں اور تختے تراشنے کے لئے آرے وغیرہ بنائے گئے اور ایک عظیم الشان کشتی تیار ہوئی۔ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو بچالینا اور باقی قوم کو غرق کردینا اللہ تعالیٰ کے اس صابر و شاکر، پاکباز بندے کی جزا کے طور پر تھا جس کی بے قدری کی گئی اور جس کا انکار کیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے ایک خاص بندے کی خاطر تمام انسانوں کو صفحہ ہستی سے مٹادینے پر قادر ہے۔ اس لئے کہ وہ انسان کہلانے کے لائق ہی نہیں ہوتے۔ فرمایا ہم نے اس کشتی کو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک عظیم نشان کے طور پر چھوڑا۔ یہ کشتی یقیناً ایک بڑا نشان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص سے اس بے جان کشتی کو بچالیا اور جیتے جاگتے انسانوں کو ہلاک کردیا۔ کیا یہ سب جان کر بھی نصیحت حاصل نہیں کروگے اور نہیں سمجھوگے کہ میرا عذاب اور میرا انذار کیسا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کے متعلق فرمایا کہ ’’یہ ایک نشان ہے جو نصیحت پکڑنے والوں کے لئے ایمان افروز ثابت ہوگا۔ اس سے یہ بھی امکان پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی آنے والی نسلوں کے لئے ایک نشان کے طور پر محفوظ کردی گئی ہے۔

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۸﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ

قرآن نصیحت کے لیے پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا جھٹلایا تھا عاد نے سو کیسا

كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۹﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا

ہوا عذاب میرا اور ڈرانا میرا یقیناً ہم نے بھیجی ان پر ہوا تند

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۲۰﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ

دن منحوس میں پے درپے چلنے والی اکھاڑتی تھی لوگوں کو (جگہ سے) گویا کہ وہ تنے ہیں

۔۔۔۔۔۔۔ فرمایا !میری تحقیق کے مطابق یہ کشتی بحیرہ مردار کی تہ میں محفوظ ہوگئی ہے اور وقت آنے پر نکال لی جائے گی۔'' (قرآن کریم اردو ترجمہ۔ نوٹس سورۃ القمر آیت ۱۶)

۱۸۔ پہلے کشتی کا بطور نشان ذکر کیا۔ جس سے نصیحت حاصل کرسکتے ہیں اگلی آیات میں ان متعدد ہلاک شدہ قوموں کا ذکر کیا جنہوں نے اپنے پیچھے ایسے نشان عبرت چھوڑے جن سے نصیحت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن ان سے نصیحت حاصل کرنا آسان نہیں۔ اس کے لئے دیدہ بینا چاہیئے۔ ورنہ عام لوگ سیر و تفریح کرتے ہوئے نہایت غفلت سے ان آثار قدیمہ سے گزر جاتے ہیں۔ نصیحت حاصل کرنے کا آسان ذریعہ خود قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی خاطر آسان بنا دیا تاکہ اس کے مطالعہ سے نصیحت حاصل کرسکیں۔ پس بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو قرآن کریم پر غور نہ کرے اور اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس کے دل میں قرآن پاک سیکھنے اور اس پرعمل کی لگن ہو وہ معمولی کوشش سے بفضل تعالیٰ قرآن کریم ناظرہ پڑھ سکتا ہے۔ پھر ابتدائی عربی زبان سیکھ کر دعااور کوشش سے قرآن کریم پر غور و تدبر کر کے قرآن کریم کا مفہوم سمجھ سکتا ہے اور حسب استطاعت اس پرعمل کرسکتا ہے۔ جس میں قرآن کریم سیکھنے کی تڑپ اور لگن سچی ہو تو خدا خود اس کا معلم بن جاتا ہے پھر خدا کے فضل و احسان سے قرآن سیکھنا اور اس پرعمل نہایت آسان ہوجاتا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** ط (۲۹۔۷۰) فرمایا ہم نے ذکر کے لئے قرآن کو آسان کردیا۔ذکر کے معنی یاد کرنا، حفظ کرنا اور نصیحت کرنا کے ہیں ۔یہاں یہ سب معنی مراد ہیں۔شاذ ہی کوئی مسلمان ایسا ہوگا جسے قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو ۔قرآن ہی وہ واحد الہامی کتاب ہے جس کے لاکھوں حفاظ دنیا میں موجود ہیں۔ جو بھی قرآن پر غور و فکر کرے گا اور گہرائی سے سمجھنے کی کوشش کرے گا تو یہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم اس پر اثر انداز نہ ہو اور وہ قرآن کریم سے نصیحت حاصل نہ کرے۔

۱۹ تا ۲۳۔ **اعجازٌ**۔ ہر چیز کی اصل۔ جڑیں۔ تنے۔ واحد عجز۔**منقعر**۔**قعر** گہرائی ہے۔**منقعر** گہرائی سے یعنی جڑ سے اکھاڑا ہوا۔ کھوکھلا۔

نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۱﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

کھجور کھوکھلی کے پس کیسا ہوا عذاب میرا اور ڈرانا میرا اور یقیناً یقیناً آسان کردیا

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ع ۲۲/۱ ۸

ہم نے قرآن نصیحت کے لیے پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا جھٹلایا ثمود نے

اب عذاب استیصال سے ہلاک ہونے والی قوموں میں ترتیب کے لحاظ سے قوم نوح کے بعد قوم عاد کا ذکر کیا۔(تفصیل کے لئے الاعراف رکوع ۹ ۔ھود رکوع ۵۔الشعراء رکوع ۷)

قرآن کریم میں باربار ان اقوام کا ذکر آیا جو عذاب استیصال سے پہلے نہایت سرسبز وشاداب علاقوں میں رہائش پزیر تھیں لیکن عذاب کے بعد وہ علاقے قابلِ رہائش نہ رہے۔عصر حاضر کے علم طبقات الارض اور حیاتیات انسانیات کے ماہرین قریباً سو سال کی محنت شاقہ اور جدید ٹیکنولوجی کی مدد سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ زمانہ قدیم میں عربستان کا موسم وہ نہیں تھا جو آج ہے۔ آج سے بیس ہزار سال پہلے عہد ثلج (Ice Age) کا چوتھا دور ختم ہوا۔آئس ایج میں نصف کرہ عالم برف کا آدھا گولہ بن چکا تھا لیکن عربستان اور صحرائے اعظم دائرہ ثلج سے ہمیشہ باہر رہے نتیجۃً یہ علاقے بہت زرخیز اور شاداب تھے بارشیں خوب ہوتیں۔پانی کی ندیاں رواں دواں تھیں۔ یہاں نسل انسانی خوب نشوونما پارہی تھی۔ جب عصر جلید (Ice Age) ختم ہوا تو بحراوقیانوس کی مینہ برسانے والی ہواؤں کا رخ شمالی افریقہ اور عربستان سے منتقل ہوکر یورپ کے ملکوں کی طرف ہوتا گیا۔طبعی تبدیلیوں کی وجہ سے جوں جوں برفانی چادر شمالی یورپ سے ہٹتی گئی ، ہواؤں نے اپنا رخ بدلا تو یورپ سرسبز و شاداب اور صحرائے اعظم اور عرب کے علاقے خشک سالی کا شکار ہونے لگے۔ تاہم آج سے پانچ ہزار سال پہلے بھی (جو عاد وثمود کا زمانہ تھا) عربستان آج کی نسبت بہت زیادہ سرسبز و شاداب تھا گو صحرا بھی موجود تھے مگر پانی بھی وافر مقدار میں تھا۔قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے احقاف جو آج لق و دق صحرا ہیں اُس وقت خوشنما اور زرخیز قطعاتِ ارضی تھے۔ ایسی وادیاں تھیں جہاں چشمے بہتے تھے۔عاد جیسی عظیم قوم کی تہذیب کا یہ مرکز تھا۔پھر ایک دور ایسا آیا جسے ایامِ نحسات کہا گیا جب یہ سرسبز و شاداب علاقے اجڑنا شروع ہوئے۔باد صرصر کے طوفان مسلسل سات دن اور آٹھ راتیں بلائے بے درماں بن کر مسلط رہے۔نتیجہ یہ تھا کہ وادیاں ریت سے بھر گئیں۔ آبادیاں ردائے ریگ کے نیچے چھپ گئیں۔ چشمے غائب ہوگئے۔اس طرح جگہ جگہ وہ ٹیلے پیدا ہوگئے جن کی وجہ سے اس علاقہ کو ربع الخالی یا احقاف کا نام دیا گیا یعنی زندگی کی ہماہمی سے خالی علاقے۔ (الفضل ۱۷ جنوری ۲۰۰۵ء ۔تہذیب و ہدایت کا اولین سرچشمہ مکہ معظمہ۔از شیخ عبدالقادر صاحب)

پنسلوینیا یونیورسٹی کے پروفیسر السنہ سامیہ جمیس اے منٹگمری وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے سرزمین عرب کے بہت سے مخفی راز دنیا کے سامنے اجاگر کئے۔آپ کی مشہور کتاب عریبیا اینڈ بائیبل (Arabia and Bible) میں عرب کے موسمی انقلاب کا بالتفصیل جائزہ لیا گیا۔ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ تاریخ میں بادصرصر کے طوفانوں نے عرب کے سرسبز اور وافر پانی والے قطعات کو ریگزاروں میں بدل دیا اس کا ثبوت امم بائدہ کے وہ کھنڈرات ہیں جو کہ صحرا کے قلب میں ملتے ہیں(گویا **لایرٰی الامسٰکنھم** (۲۶:۴۶) کی تصدیق کی) آپ قرآن کریم کا حوالہ دیتے ہیں کہ عاد وثمود اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔زمانہ قبل از تاریخ میں عرب تھا ہی سرسبز و شاداب ،صحرا بعد میں پیدا ہوئے۔ جزیرہ نمائے عرب کی وادیاں ان کی شکل وصورت اور کٹاؤ غماز ہیں اس امر کے کہ کبھی یہ پانی سے لبریز تھیں اور یہ علاقہ آباد تھا۔جنت عدن حجاز کے شمالی علاقہ کو کہا گیا۔توریت میں جنت عدن کی جن گم شدہ ندیوں کا ذکر ہے وہ اسی علاقہ میں ریت سے بھری ہوئی ملتی ہیں۔ اس کتاب کا آخری فقرہ یہ ہے۔''یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ مغربی اقوام کے مذاہب نہ تو حکمت مِصر سے نکلے نہ دانش بابل کے مرہون منت ہیں نہ ان کا منبع اور سرچشمہ تہذیب یونان ہے بلکہ یہ جزیرہ نمائے عرب سے نکلے ہیں۔'' اس تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ مکہ معظمہ ام القریٰ ہے (۶۔۹۳) عربستان نسل انسانی کا گہوارہ اور تہذیب وتمدن کا سرچشمہ ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی معرکۃ الاراء کتاب منن الرحمٰن میں فرماتے ہیں کہ'' میرے پر کھولا گیا کہ آیت موصوفہ (۶۔۹۳) اور اشارات ملفوفہ عربی کے فضائل کی طرف ہدایت کرتی ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ وہ ام الالسنہ ہے اور قرآن پہلی کتابوں کا اُمّ یعنی اصل ہے اور مکہ تمام زمین کا اُمّ ہے۔''(الفضل ۱۵ جنوری ۲۰۰۵ء تہذیب و ہدایت کا اولین سرچشمہ ، مکہ معظمہ۔ از مکرم شیخ عبدالقادر صاحب)ازمنہ قدیم میں آئس ایج کے بعد دنیا جن حالات سے گزری آج پھر انہی حالات کا سامنا ہے ۔ انٹارکٹیکا جہاں پورا سال برف جمی رہتی ہے عالمی سطح پر گرمی میں اضافے کی وجہ سے یہاں برف کی تہ میں نصف کی کمی ہو چکی ہے اور یہ صورت حال صرف تیس برسوں کے دوران پیدا ہوئی ہے۔ وجہ خود انسانوں کے ہاتھوں جنگلات کا جلائے جانا ، زراعت میں اضافہ اور بعض دیگر عوامل جن کی وجہ سے ماحول میں کاربن ڈائی اکسائیڈ کے پھیلاؤ میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ (جنگ۔ سنڈے میگزین ۲۱جنوری ۲۰۰۵ء ازسلیم باسط)

۲۴تا۳۳۔قوم عاد کے بعد ترتیب کے لحاظ سے قوم ثمود کا ذکر کیا۔ تفصیل کے لئے (الاعراف رکوع ۱۰۔ھود رکوع ۶) سے استفادہ فرمائیے۔

بِالنُّذُرِ ﴿۲۴﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا

ڈرانیوالے کو پس کہا انہوں نے کیا ہم میں سے آدمی ہے ایک کہ پیروی کریں ہم اس کی یقیناً ہم تب

لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۵﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ

البتہ گراہی اورجنون میں ہونگے کیا ڈال گئی نصیحت اسی پر ہمارے میں سے بلکہ

هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۶﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۷﴾

وہ تو بہت جھوٹا اترانے والا ہے ضرور جان لیں گے وہ کل کون ہے بہت جھوٹا اترانے والا

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۸﴾

یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں اونٹنی بطور آزمائش کے ان کے لیے پس تو انتظار کران کا اور صبر کر

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۹﴾

اورخبر دے ان کو کہ پانی تقسیم کیا ہوا ہے درمیان انکے ہر پانی پلانے کی باری پر حاضری ہے

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۳۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

پس انہوں نے پکارا اپنے ساتھی کو پس اس نے پکڑا پھر پاؤں کاٹ ڈالے پھر کیسا ہوا عذاب میرا

وَنُذُرِ ﴿۳۱﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا

اور ڈرانا میرا یقیناً ہم نے بھیجی ان پر آواز تُند ایک ہی تو ہوگئے وہ

كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ

مانند بُھس روندے ہوئے کے اور یقیناً ہم نے آسان کیا قرآن نصیحت کے لیے

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۳﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ

پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو یقیناً

سُعر ۔جنون۔ دیوانگی۔ **اَشِرٌ**۔متکبر۔ اترانے والا۔ **مُحتضر**۔ حاضر کیا ہوا۔ **تعاطٰی**۔عطا سے ہے ۔**تعاطٰی** اس چیز کو لینا ہے جس کا لینا درست نہیں۔ **تعاطٰی**۔اس نے ہاتھ بڑھایا۔ کسی چیز پر جرأت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ **المُحتظر** ۔ باڑ لگانے والا ہے۔ ممنوع کو محظورہ کہا جاتا ہے۔**وکانوا کھشیم المحتظر۔ ھشیم** ۔چورا۔ سوکھی گھاس ۔ بُھس۔ تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی کٹی ہوئی اور روندی ہوئی باڑ۔

یہاں سب نبیوں کی تکذیب کا ذکر فرمایا یا تو اس لئے کہ ایک نبی کی تکذیب مستلزم ہے سب انبیاء کی تکذیب کی یا یہ کہ ان کی اصلاح کے لئے متعدد انبیاء آتے رہے جن کی انہوں نے تکذیب کی۔ جب حضرت صالحؑ پر اپنی زیادتیوں کی حد کر دی تو ان پر فرد جرم عائد ہوئی اور عذابِ استیصال کا شکار ہوئے۔ ہرنبی کے زمانہ میں گزشتہ تاریخ انبیاء دہرائی جاتی ہے۔مکذبین کے اعتراضات بھی وہی ہوتے ہیں اور انبیاء کی تعلیم اور ان کے جوابات بھی کم وبیش ویسے ہی ۔پس یہی وہ جہالت تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر خدا تسلیم کرنے میں مانع تھی۔ سرداران قریش

اپنے میں سے ایک عام آدمی کو خدا کا فرستادہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔

قوم ثمود کی نظر میں بھی اپنے میں سے ایک اکیلے اور معمولی آدمی کی اتباع کرنا جس کے ساتھ کوئی جتھہ نہ ہو، گمراہی اور پاگل پن تھا اور یہ کہ سردارانِ قوم اور صاحبِ حیثیت لوگوں کو چھوڑکر کیا یہی اس شرف کے لائق تھا کہ کلام الٰہی سے نوازا جاتا۔ پھر نہایت گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے آپ کو جھوٹا کہا جبکہ چالیس سال سے صادق و امین کہہ رہے تھے۔ گویا آپ پر ہرگز کوئی کلام وغیرہ نازل نہیں ہوتا یہ دعویٰ محض شیخی بگھارنے کے لئے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے کو تسلی دی کہ آپ ﷺ ان کی باتوں پر افسردہ خاطر نہ ہوں۔ آنے والا کل فیصلہ کردے گا کہ کون جھوٹا ہے اور کون ناحق شیخی بگھارنے والا۔ جب سالہا سال کی تبلیغ و نصائح بے اثر ثابت ہوئیں تو بطور آزمائش ایک ناقہ کو بھیجا۔ یہ شعائراللہ میں سے تھی کیونکہ حضرت صالح ؑ نے پیشگوئی فرمادی تھی کہ اگر اسے تکلیف پہنچاؤ گے تو دردناک عذاب کی پکڑ میں آؤ گے۔(۷: ۷۴) یہ اونٹنی حضرت صالح ؑ کی تبلیغ کا واحد ذریعہ تھی جس پر سوار ہوکر آپ دور کے علاقوں میں پیغام حق پہنچانے جاتے تھے۔(تفسیر صغیر از حضرت مصلح موعود) آپ کو تنگ کرنے اور آپ کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے اسے چارہ اور پانی سے روکا جاتا تھا۔(ھود ۶۵) میں چراگاہ سے روکنے کا ذکر ہے۔حالانکہ اس زمانہ میں کنوئیں اور چراگاہیں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تھیں۔

یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا ایسے علاقوں میں بعض اوقات بارش کی کمی سے پانی کی قلت ہوجاتی ہے ۔ اس لئے تمام قبیلوں نے معاہدہ کے تحت پانی پر باری مقرر کرلی ۔ **کُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ** ہر پانی پلانے کی باری پر حاضری ہے ۔گویا ہر کوئی اپنی باری پر حاضر ہو۔ اس طرح یہ اونٹنی بھی اپنی باری پر گھاٹ پر آیا کرے گی۔ مگر اس سرکش قوم کو جو یقیناً جانوروں کے ریوڑوں کی مالک تھی، ایک اونٹنی کا پانی پینا گوارا نہ ہوا۔ایسا محض حضرت صالح ؑ سے عناد کی وجہ سے تھا۔ ان کے نو(۹) سرداروں کے فیصلہ پر اس اونٹنی کو قتل کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعوذباللہ قتل پر بھی نو(۹) سرداروں نے فیصلہ دیا تھا جن میں سے آٹھ(۸) جنگ بدر میں اپنے انجام کو پہنچے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی گرفتاری پر بھی نو(۹) ملاؤں کی کمیٹی نے فیصلہ دیا تھا۔جو قوم کے نمائندہ تھے۔جب پاکستان میں یہ فیصلہ ہوا کہ مرزا طاہر احمد کو یہیں ختم کردیں گے۔(ترجمۃ القرآن کلاس سبق نمبر۲۷۳) تب آپ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ پس انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا جس نے نہایت جسارت سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں تاکہ تڑپ تڑپ کر مرجائے اور حضرت صالح ؑ کی تبلیغ کا سلسلہ ختم ہوسکے۔اس بدبخت کا نام قدار بن سالف بتایا جاتا

اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۵﴾

ہم نے بھیجا ان پر مینہ پتھروں کا سوائے آل لوط کے ہم نے بچایا ان کو صبح کے وقت

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ

بطور انعام کے اپنے حضور سے اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اسکو جو شکرگذار ہو اور یقیناً یقیناً

اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ

اس نے ڈرایا تھا ان کو پکڑ سے ہماری تو وہ جھگڑے ڈرانے والوں سے اور یقیناً یقیناً انہوں نے پھسلانا چاہا

عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۸﴾

اسے اُسکے مہمانوں کے متعلق پس ہم نے مٹادیں آنکھیں ان کی پس چکھو عذاب میرا اور ڈرانا میرا

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۹﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ

اور یقیناً یقیناً صبح کیوقت آیا تھا انکے پاس سویرے ہی عذاب قائم رہنے والا پس چکھو عذاب میرا

ہے یہ گستاخ قوم اس کے بعد حضرت صالح ؑ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔یہ ان کی سرکشی کی انتہا تھی اونٹنی کو مارنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ بھاگ نہ سکیں۔پس ان کی تباہی کی گھڑی آن پہنچی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ ہمارا عذاب اور انذار کیسا تھا۔ایک ہولناک آواز نے جو شدید زلزلہ سے پیدا ہوئی۔(۷۔۷۹) ان کو روندے ہوئے بھُس کی طرح کردیا۔**فاعتبروایااولی الابصار**۔ اس اونٹنی کے تعلق میں بہت سے بے سروپا قصے مشہور ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں۔

۳۴ تا۴۱۔**حاصب**۔سخت ہوا۔پتھر برسانے والی ہوا۔**تماروا**۔وہ جھگڑے۔وہ شک میں پڑے۔**طمسنا۔طمس** کے معنی مٹادینے کے ہیں۔روشنی کا جاتے رہنا بھی ہے۔(۷۷۔۹)

ترتیب کے لحاظ سے ان قوموں کے حالات بتائے جارہے ہیں جو تکذیب انبیاء کے نتیجہ میں عذاب استیصال کا شکار ہوئیں۔ چنانچہ قوم ثمود کے بعد قوم لوط کا ذکر کیا(تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف ۸۱تا۸۵۔سورۃ الحجر۵۹تا۷۸۔سورۃ الشعراء رکوع ۹)

حضرت لوطؑ ایک لمبا عرصہ تک اپنی قوم کو پیغام حق پہنچاتے رہے اور اس بدکردار قوم کی اصلاح کی حتی الامکان کوشش کرتے رہے جس کے نتیجہ میں قوم کے ہاتھوں مظالم کا نشانہ بنے اور بہت دکھ اٹھائے۔ان نامساعد حالات میں بھی اپنے ربّ کا شکر ہی ادا کیا اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔فرمایا ہماری جناب سے اس شکر کا صلہ ایک نعمت کے طور پر یہ تھا کہ آپ اور آپ کی ال کو بوقت سحر نکال لیا اور عذاب سے بچالیا پھر باقی قوم پر پتھروں کا مینہ برسایا۔فرمایا ہم اپنے شکر گزار بندوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کا اپنے شکرگزار بندوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی سلوک ہوا کرتا ہے۔

ع ۲ ۱۸ ۹

وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۱﴾

اور ڈرانا میرا اور یقیناً یقیناً آسان کر دیا ہم نے قرآن نصیحت کے لیے پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۳۲﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا

اور یقیناً یقیناً آئے تھے آلِ فرعون کے پاس ڈرانے والے انہوں نے جھٹلایا ہمارے نشانوں کو سب کو

فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۳۳﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ

پھر پکڑا ہم نے ان کو پکڑنا غالب قدرت والے کا کیا کافر تمہارے بہتر ہیں

اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ

ان لوگوں سے یا تمہارے لیے بریت ہے (عذاب سے) کتابوں میں (لکھی ہوئی) کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم

حضرت لوطؑ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے خبردار کرتے رہے تھے ۔ مگر وہ انذار کے بارہ میں جھگڑتے رہے اور متردد رہے۔ انہیں ہرگز آپ کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔

چونکہ یہ بدبخت قوم غیر فطری فعل کی عادی تھی اس لئے جب فرشتے لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے پاس اس قوم کی تباہی کی خبر لے کر آئے تو انہوں نے حضرت لوطؑ کو ان کے مہمانوں کے متعلق پھسلانا چاہا تا ان کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائیں ۔ جب وہ اپنی بدمستی سے باز نہ آئے اور زبردستی پر اتر آئے تو ہم نے ان کی آنکھوں کو بے نور کردیا۔ یعنی ہوس کے جوش میں اندھے ہونے والوں کو حقیقت میں اندھے کردیا اور فرمایا ! میرے عذاب اور انذار کا مزا چکھو۔ یہ ان پر عذاب کا پہلا کوڑا تھا مگر وہ نہ سمجھے اور انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی پھر صبح ہوتے ہی ایک ٹھہر جانے والا عذاب آ گیا۔ ٹھہر جانے والا عذاب اس لئے کہا کہ یہ اپنا مقصد پورا کئے بغیر نہیں ٹلتا۔ غرض ایک زبردست آتش فشاں پھٹا اور جلتے ہوئے پتھروں کا مینہ برسا اور شدید زلزلہ سے زمین تہ و بالا ہوگئی۔ اگر اندھا ہونے کی سزا سے نہیں سمجھے تو اب اس عذابِ استیصال سے میرے عذاب اور میرے انذار کا مزا چکھو اور یقیناً ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان کردیا ہے ۔ پس کوئی ہے جو اس پر غور کرے ، اسے یاد کرے اور نصیحت حاصل کرے۔ توریت میں قریباً اسی انداز میں یہ قصہ بیان ہوا ہے (پیدائش باب ۱۹ آیت ۹-۱۱)

۴۲-۴۳۔ **عزیز** ۔ غالب۔ **مقتدر** ۔ کامل قدرت والا۔ جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہ ہو۔ **عزیز مُقتدر** سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

فرمایا قوم فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے آئے مگر انہوں نے ہماری وہ سب نشانیاں جھٹلادیں جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھیں۔ مراد آپ کے نو (۹) معجزات ہیں۔ اس پر ہم نے انہیں

جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۵﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۶﴾

سب بدلہ لینے والے ہیں ضرور بھگا دیا جائے گا لشکر اور وہ پھیر دیں گے پیٹھ

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۷﴾ اِنَّ

بلکہ قیامت ان کے وعدہ کی جگہ ہے اور قیامت بہت سخت اور بہت کڑوی ہے یقیناً

اس طرح پکڑا جیسے ایک کامل غلبہ والی مقتدر ہستی پکڑتی ہے۔

۴۴ تا ۴۷۔ **الزبر۔ زبور** کی جمع ہے۔ ہر لکھی ہوئی کتاب زبور ہے اور وہ خاص کتاب جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی اس کا نام بھی زبور ہے۔ صحیفے **منتصر۔ النصر** کے معنی کسی کی مدد کرنے کے ہیں۔ **الانتصار** کے معنی طلبِ نصرت کے ہیں۔ **منتصر** ۔ بدلہ لینے والا۔ اس لئے کہ بدلہ لے کر بھی مظلوم کی مدد کی جاتی ہے۔ **یُھزم۔ الھزم** کے اصل معنی کسی خشک چیز کو دبا کر توڑ دینے کے ہیں۔ اس سے ہزیمت بمعنی شکست ہے۔ گویا دشمن کی طاقت کو توڑ دیا۔ **یُھزم** وہ شکست دیا جائے گا۔ **ادھٰی** ۔ سخت۔ **امرُّ۔ مُرّ** سے ماخوذ ہے ۔ جس کے معنی کڑوے کے ہیں۔ ہر تکلیف دہ چیز کو بھی **مرّ** اور **امرّ** کہہ دیتے ہیں۔ **امرّ** ۔ تلخ۔

کفار مکہ کو مخاطب فرمایا کہ کیا تمہارے زمانہ کے کفار اپنے پہلے لوگوں سے بہتر ہیں جو ازمنہ گزشتہ میں گزرے ۔ یعنی قوم فرعون اور عاد وثمود وغیرہ کہ وہ تکذیب انبیاء اور اپنی گستاخیوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اور تم ان جیسی کرتوتوں کے باوجود بچ جاؤ گے۔ یا یہ کہ تمہارے لئے پہلے صحیفوں میں عذاب سے بریت لکھی ہوئی ہے کہ تم جو چاہے کرو تمہیں معافی ہے اور تمہیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ ان کا یہ زعم کہ ہم بدلہ لینے والی جمعیت ہیں تو یاد رکھیں کہ بہت جلد اس جم غفیر کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

یہاں آیت ۴۵، ۴۶ میں ایک عظیم جھتے کے شکست کھا کر بھاگنے کی پیشگوئی فرمائی ۔ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اوّل بدر کے دن اور پھر جنگ احزاب میں بڑی شان کے ساتھ پوری ہوئی اور اسلام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کی۔ قرآنی پیشگوئیاں قیامت تک باربار پوری ہوتی رہیں گی انشاء اللہ۔ بعد میں قیصر و کسریٰ سے جنگوں میں اس پیشگوئی کی صداقت نے مومنین کو نئے حوصلے عطا کئے۔ یہ سورۃ پانچویں سال نبوت میں نازل ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کی دعوت کا ابتدائی زمانہ تھا اور کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کفار کا ایک جم غفیر مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ جائے۔ پھر جس طرح بدر میں عمائدینِ مکہ ہلاک ہوئے اور باقی شکست کھا کر بھاگے اور جس طرح احزاب میں دس ہزار کا

لشکر جرار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا ، مومنین کے لئے اس پیشگوئی کی صداقت کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوسکتا تھا۔ غرض تمام مکی پیشگوئیاں جو نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں کی گئیں ہمیشہ مومنین کی قوتِ ایمان کا باعث ہوئیں۔

فرمایا ! بلکہ ان سے **ساعة** یعنی تباہی کی گھڑی کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ وعدہ کی گھڑی بہت سخت اور تلخ ہوگی۔ بیشک کفار مکہ نے بدر و احزاب میں بھی سخت ہزیمت اٹھائی مگر ان پر تباہی کی اصل گھڑی فتح مکہ کا دن تھا جو مکذبین کے لئے نہایت سخت اور تلخ تھا۔ اور آخر انہیں یہ تلخ گھونٹ پینا پڑا اور ان کی اکڑی ہوئی گردنیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گئیں اور سب کے سب آپ ﷺ کی غلامی میں آ گئے ۔

اس سورۃ کو **اقتربت الساعة وانشق القمر** ٥ سے شروع کیا اور کفار کی شکست اور اس ساعت پر اختتام فرمایا جو بہت سخت اور تلخ ہوگی۔ وہ ساعت جس کے قریب آنے کا نشان شق القمر تھا وہ ساعت وسطیٰ فتح مکہ پر حقیقت بن کر سامنے آئی جب اہل مکہ کی حکومت اور اجارہ داری کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمہ میں قیام پذیر تھے اور یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد کا واسطہ دیتا ہوں، تجھے تیرا عہد یاد دلاتا ہوں۔ اے میرے اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے تو بیشک ہماری مدد نہ کر۔ یعنی اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ حضور ﷺ اتنی عاجزی اور زاری کے ساتھ باربار دعا کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑلیا اور کہا اے اللہ کے رسول! کافی ہے اتنی آہ و زاری۔ آپ ﷺ نے اپنے ربّ کے حضور بہت الحاح کیا ہے۔ یعنی بہت گڑگڑائے ہیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ حضور ﷺ اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں یعنی زرہ پہنے ہوئے خیمہ سے باہر آئے اور آپ فرما رہے تھے **سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ بل الساعة موعدھم والساعة ادھی و امرّ**۔ (بخاری کتاب الجھاد باب ماقیل فی درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، کتاب المغازی کتاب التفسیر) حضرت عباسؓ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ **سیھزم الجمع** ۔۔۔۔۔۔۔ نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ کون سی جمعیت شکست کھائے گی، کونسی جمعیت مغلوب ہوگی؟ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں جب بدر کا دن آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ پہنے ہوئے دیکھا اور آپ پڑھ رہے تھے **سیھزم الجمع ویولون الدبر**۔۔۔ پس اس دن اس کے معنی مجھے سمجھ آئے۔ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۸﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ
مجرم گمراہی اور جنون میں ہیں جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں
عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۹﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ
اپنے مونہوں کے بل کہا جائیگا چکھو لگنا دوزخ کا یقیناً ہر چیز کو پیدا کیا ہم نے
بِقَدَرٍ ﴿۵۰﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ
اندازہ پر اور نہیں حکم ہمارا مگر ایک دفعہ کا نظر کرنے کی مانند آنکھ سے اور یقیناً یقیناً
اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ
ہلاک کیا ہم نے تمہارے ہم مذہبوں کو پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا اور ہر بات کہ کی انہوں نے

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت **سیھزم الجمع**۔۔۔۔ مکہ میں نازل ہوئی اور میں اس وقت چھوٹی سی لڑکی تھی جو کھیلا کرتی تھی۔ گویا آپ کو اس آیت کے نزول کا علم تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کی عمر کم از کم پانچ برس تھی۔ آپ کی شادی جنگ احد سے قبل ہوئی۔ گویا شادی کے وقت آپ کی عمر قریباً تیرہ چودہ برس تھی۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق احادیث میں خاصا تضاد ہے۔ اوّل تو اس زمانہ میں عمر کا کوئی خاص حساب رکھا نہیں جاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ آپ کا نکاح ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔ بعض محدثین نے نکاح اور شادی میں تفریق نہیں کی حالانکہ نکاح کے قریباً چار پانچ سال بعد شادی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث آپ کی عمر کا صحیح تعین کرتی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ بھی اس سے متفق ہیں۔ (دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۱۰۶)

۴۸۔۴۹۔ **ضلل**۔ گمراہی۔ چونکہ گمراہی ہلاکت پر منتج ہوتی ہے اس لئے ہلاکت کے معنی بھی دیتی ہے۔

فرمایا اس دنیوی عذاب پر ہی بس نہیں یہ تو بطور ساعت وسطیٰ تھا۔ یہ ظالم تو ساعت کبریٰ کے لئے بھی تیار رہیں۔ اب قیامت کے اہوال وشدائد بیان فرمائے یقیناً مجرم اس ہولناک گھڑی میں ہلاکت اور دیوانگی کے عالم میں ہوں گے اور اپنے چہروں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ آگ کے چھو جانے کا مزہ چکھو۔ گویا تم میں تو اس آگ کے چھو جانے کی بھی برداشت نہیں تو اس کے اندر کیا حال ہوگا۔

۵۰ تا ۵۲۔ **اشیاعکم** ۔ **الشیعةُ** کی جمع اشیاع ہے۔ **الشیعةُ**۔ گروہ ۔ رفیق پیرو۔ ایک جیسے لوگ ہم قماش۔

فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ

جو کتابوں میں موجود ہے اور ہر چھوٹا اور بڑا (کام) لکھا ہوا ہے یقیناً متقی

جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۳ ١۵ ١٠

باغوں اور نہروں میں ہونگے مقام اعلیٰ میں پاس بادشاہ قدرت والے کے

مکذبین حق کی ہلاکت کے ذکر میں فرمایا کہ ہمارا حکم تو ایک ہی دفعہ آنکھ کے جھپکنے کی مانند ہے۔اگر ان کے جرائم کی سزا میں بظاہر کچھ دیر ہوئی تو وجہ یہ تھی کہ ہم نے ہر شے کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے گویا ہر شے کا پیدا ہونا پھر ایک خاص مدت تک قائم رہنا اور ختم ہو جانا، سب اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت و مصلحت کی بنا پر ایک طے شدہ تقدیر کے تحت ہے۔پس جب ان مکذبین کی مہلت ختم ہوجائے گی تو ہمارا فیصلہ نافذ کردیا جائے گا اور آنکھ جھپکنے کی طرح ان کی صف لپیٹ دی جائے گی۔

انہیں قوانین کے تحت ہم تمہارے ہم قماش لوگوں کو اس سے پہلے بھی ہلاک کر چکے ہیں۔ حیرت ہے کہ کسی کو یہ توفیق نہیں کہ ان فرعونوں اور ہامانوں کے عبرت ناک انجام پر غور کرے اور نصیحت حاصل کرے۔افسوس اکثر یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ ایسے حوادث اور سوانح تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔

۵۳۔۵۴۔**مستطر**۔لکھاہوا۔ **سطر** قطار ہے خواہ لفظوں کی ہو یا درختوں اور آدمیوں کی۔معنی ایک ایک سطر کر کے لکھنے کے ہیں۔

فرمایا ہر کام جو انہوں نے کیا خواہ چھوٹا تھا یا بڑا، وہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔گویا علمِ الٰہی میں ہر شے محفوظ ہے۔ یہ لکھنا کئی طرح سے ہے۔صحیفوں سے مراد نامہ ہائے اعمال ہیں جو کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔ انسان کے ہر خلیے (Cell) میں اس کی پوری زندگی کا ریکارڈ ثبت ہے۔ ہاتھ پاؤں اور جلدیں وغیرہ گواہی دیں گی(۳۶۔۶۶)۔ فضا میں بھی ہر حرکت اور آواز محفوظ ہے۔

۵۵۔۵۶۔**نھر** کے معنی دریا اور پانی بہنے کی جگہ کے علاوہ فراخی اور نعمت کی جگہ کے بھی آتے ہیں۔"فی" کا لفظی معنی "میں" ہے۔کبھی "پر" کے معنی بھی دیتا ہے۔ **قعدہ** بیٹھنے کی حالت ہے۔ **المقعد** کے معنی جائے قیام کے ہیں۔جمع مقاعد۔ **مقعدصدق**۔ سچائی کی مسند۔ راستی کا عمدہ قیام۔

جہنمیوں کے ہولناک انجام کے بعد اب متقیوں کی اخروی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ متقی جنتوں میں نہایت فراخی کی حالت میں ہوں گے گویا انہیں طرح طرح کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔ وہ ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں سچائی کی مسند پر بیٹھیں گے۔ گویا یہ وہ خوش نصیب ہوں گے جنہیں حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا۔ **مقعدِ صدق** میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ ایسے سچے لوگ ہوں گے جو اللہ کے دربار میں بطور اعزاز ایسی مسند پر بٹھائے جائیں گے جو سچوں کے لئے مخصوص ہوگی اور سچائی کی مسند کہلائے گی۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ تِسْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثَۃُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ رحمٰن۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی اناسی آیات اور تین رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی۔ اپنے نام کے لحاظ سے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کا بطور خاص ذکر ہے۔ رحمٰن کے معنی کے لئے سورۃ الفاتحہ آیت : ۱ ، سے استفادہ فرمایئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملفوظات جلد سوئم صفحہ ۲۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں ” اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت جس کا ذکر دعائے سورۃ فاتحہ میں ہے کہ **الحمدللّٰہ رب العٰلمین ○الرحمٰن الرحیم○ رحمٰن** سے مراد ہے وہ خدا جو ایسے لوگوں کو مطلب پر پہنچادیتا ہے جن کے لئے کوئی سبب نہ ہو۔ وہ شخص جو چاروں طرف سے بالکل ناامید ہوگیا ہے ، وہ اپنی ذمہ داریوں میں بالکل نکما نکلا ہے ۔ وہ جو بالکل یاس میں ہے۔ اس کا کام بنانے والا رحمٰن ہے ۔ وہ جس کی کشتی ٹوٹ گئی ہے اور وسط دریا میں گرا پڑا ہے اور اس کا کوئی ساتھی نہیں جو اسے بچاوے اور اس کے ہاتھ اور پاؤں نہیں کہ وہ دوسرا قدم آگے کو مارے ۔ کون ہے جو اسے بچاوے ۔ وہ خدا کی طرف رحمانیت کے رحم سے بچ سکتا ہے۔“ پچھلی سورۃ کو جس مقعدصدق کے وعدہ پر ختم فرمایا ، اس سورۃ میں اس کی تشریح فرمائی کہ وہ مقام تمہیں کس طرح حاصل ہوگا اور اس کے لئے ہم نے کیا سامان کئے ہیں اگر تم فائدہ اٹھاؤ تو اس کے کیا کیا انعام تمہیں حاصل ہوں گے۔

احادیث میں اس سورۃ کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ ہر چیز کی زینت ہے اور قرآن کریم کی زینت سورۃ رحمٰن ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! سورۃ رحمٰن ، سورۃ واقعہ اور حدید کا پڑھنے والا آسمان و زمین کے رہنے والوں میں جنت الفردوس کا رہنے والا کرکے پکارا جاتا ہے۔ (ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)

اس سورۃ میں کائنات کے بہت سے راز ہائے بستہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور نسل انسانی کے ارتقاء کو خوب کھول کر بیان فرمایا ہے نیز قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں جن کا اپنے وقت پر پورا ہونا قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل ہے ۔ اس سورۃ میں حق تعالیٰ کی دنیوی و اخروی نعمتوں اور اس کی قدرتوں کا بیان ہے اس لئے ہر نعمت کے ذکر کے بعد شکر نعمت کی ترغیب میں **فبای اٰلآء ربکما تکذّبٰن○** فرمایا۔ اُناسی (۷۹) آیات کی اس سورۃ میں یہ جملہ اکتیس (۳۱) مرتبہ لایا گیا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۲ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۴ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ۵

رحمٰن نے سکھایا ہے قرآن اس نے پیدا کیا انسان کو اسی نے سکھایا ہے اسے بیان

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی دنیوی و اخروی اور ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر ہے چنانچہ سب سے پہلے اس کی سب سے عظیم نعمت قرآن کریم کا ذکر فرمایا۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا پھر آپ کی وساطت سے حسب استطاعت سارے بندگان خدا کو ، جو بھی ہدایت حاصل کرنا چاہے ، وہ اس میں داخل ہے۔

قرآن کریم کا سکھانا اس کی رحمانیت کا تقاضا ہے کہ جہاں وہ اپنے بندے کی مادی ضروریات کا کفیل ہے وہاں اس کی روحانی پرداخت کا سامان بھی مہیا کرے۔ اس نعمت کے حصول میں انسان کی محنت اور کوشش کا دخل نہیں۔ فہم قرآن بطور رحم عطا ہوتا ہے یہ موہبت ہے مگر جب بندہ محض خداتعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآن کریم پر غور و تدبر کرکے عبادات و مجاہدات اور دعاؤں سے اس نعمت خداوندی سے کامل طور پر استفادہ کرتا ہے ۔ اس کے اوامر پر عمل پیرا ہوتا اور نواہی سے کلیۃً خود کو بچاتا ہے تو اس کے فضل و احسان سے **مقعدصدق** کا حقدار قرار پاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ انسان بڑا کمزور ہے ۔ ناتواں اور سست ہے ۔ علم حقیقی سے بہت دور ہے ۔ آہستگی سے ترقی کرسکتا ہے۔ ہم تو چیز ہی کیا ہیں اس عظیم الشان انسان علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کی بھی یہ دعا تھی **ربّ زدنی علما** (طٰہٰ :۱۱۵) توجب خاتم الانبیاء افضل البشر کو بھی علمی ترقی کی ضرورت ہے جو اتقی الناس ، اخشی الناس اعلم الناس ہیں اور ان کے متعلق **الرحمٰن○علم القرآن ○** وارد ہوجانے کے باوجود بھی ان کو ترقی علم کی ضرورت ہے تو ہما و شما حقیقت ہی کیا رکھتے ہیں کہ ہم علمی ترقی نہ کریں ۔۔۔۔۔۔ علم سے میری مراد کوئی دنیوی علم کا حصول نہیں ۔۔۔۔۔ پس ہماری مراد ترقی علوم سے خدا کی رضامندی کے علوم اور اخلاق فاضلہ سیکھنے کے علوم ، وہ علوم جن سے خدا کی عظمت اور جبروت اور قدرت کا علم ہو اور اس کی صفات ، اس کے حسن و احسان کا علم آجاوے۔ غرض وہ کل علوم جن سے تعظیم لامراللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کا علم آجاوے ، مراد ہیں۔ (الحکم ۱۸ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۶ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۷

سورج اور چاند گردش میں ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں

تاہم اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سات سو مرتبہ انسان کو کائنات پر غور کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے جس سے سائنس اور دیگر دنیوی علوم مراد ہیں پس دنیوی علوم اگر دینی علوم کے تابع ہوں تو رضائے باری تعالیٰ کا موجب ہیں اور ضرور حاصل کرنے چاہئیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو قرآنی علوم کے علاوہ دیگر علوم حاصل کرنے کی طرف بھی متوجہ فرمایا۔ حضرت ام ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ تمہارا اشعار علم اور قرآن ہو۔(مسند الامام اعظم کتاب العلم صفحہ ۲۰) شعار اس لباس کو کہتے ہیں جو جسم کے ساتھ لگا رہے۔یعنی علم اور قرآن کے ساتھ تمہیں اس قدر محبت ہونی چاہیئے کہ اس سے زیادہ قریب اور پیاری چیز تمہیں کوئی نہ ہو۔

۴۔۵۔جیسا کہ اس سورۃ میں نعمائے الٰہی کا ذکر ہے۔پہلی دو آیات میں روحانی نعمت کے عطا کرنے کا ذکر فرمایا۔ان دو آیات میں جسمانی نعماء کے عطا کرنے کا ذکر کیا جو انسان کی تخلیق اور اسے قوتِ گویائی کا عطا ہونا ہے۔انسان کی تخلیق پہلے ہوئی مگر اسے مؤخر رکھا اور تعلیم قرآن کو مقدم رکھا اس لئے کہ تخلیق انسان اور قوت بیانیہ عطا کرنے کا اصل مقصد قرآن کا سکھانا تھا۔جس طرح **علّم القرآن** کے اوّل مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی طرح الانسان کہلانے اور **علّمهُ البیان** کے اوّل حقدار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بیان سے مراد جس کے معنے بولنا ہے ، زبانِ عربی ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اور بیان کے لفظ کے ساتھ اس زبان کی بلاغت کی طرف اشارہ کیا۔(من الرحمٰن صفحہ ۴۴)نطق کی بجائے بیان کا لفظ لانے میں یہ حکمت بھی تھی کہ نطق محض گویائی ہے جبکہ بیان میں نطق، تحریر اور اشارات وغیرہ سب داخل ہیں۔قوت گویائی وہ امتیازی وصف ہے جو صرف ایسی مخلوق کو عطا ہوسکتا ہے جو عقل و شعور کی حامل اور صاحب ادراک ہو اور اس کی تمام صلاحیتیں دیگر مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہوں ۔پس یہ شرف انسان ہی کو عطا ہوا جو اشرف المخلوقات ہے۔

۶۔ **بحسبان**۔ ایک حساب ، قاعدہ اوراندازہ کے مطابق۔

سورج اور چاند بھی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ہیں جو انسان کو متواتر فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ بلکہ ان ہی کے وجود سے حیات ممکن ہے۔یہ ایک مقررہ قانون اور قاعدہ کے مطابق چل رہے ہیں۔یہ وہ آسمانی کیلنڈر ہیں جن میں غلطی کا امکان نہیں ۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۸ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝۹

اور آسمان بلند کیا اس نے اسے اور بنائی ترازو کہ نہ زیادتی کرو تم ترازو میں

ایک حساب کے مطابق مسخر ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہورہے ہیں نیز فرماتے ہیں کہ اس جگہ **بحسبان** سے ایک مراد یہ بھی ہے کہ یہ حساب کا ذریعہ ہیں ۔ دنیا میں جتنی ترقی بھی ہوئی ہے وہ حساب کے ذریعہ ہوئی ہے اور حساب سائنس دانوں کو سورج اور چاند کی گردشوں کے نتیجہ میں قطعی طور پر معلوم ہوا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۷۔ **النجم** کے معنی ستارہ کے معروف ہیں تاہم جڑی بوٹیوں کے لئے بھی آتا ہے یہاں بتلایا کہ سورج اور چاند جیسے عظیم اجرام فلکی ہوں یا بظاہر معمولی جڑی بوٹیاں اور درخت وغیرہ ، یہ سب انسان کے لئے بطور نعمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قوانین کے تابع ہیں گویا جو کام انہیں تفویض کئے گئے ہیں ان سے سرمو تفاوت نہیں کرتے۔ان کا ظاہری طور پر جھکنا بھی گویا ربّ رحیم کے آگے سرنگوں ہونا ہے۔

۸۔۹۔**میزان** کے لفظی معنی ترازو کے ہیں۔جمع **موازین**۔مفسرین نے اس کے معنی عدل کے مراد لئے ہیں۔(لسان العرب) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ مجلس عرفان ۲۸ مارچ ۱۹۹۷ء میں فرماتے ہیں۔عدل وہ توازن ہے جو آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت ان کی تخلیق میں استعمال کیا گیا اور اسی کو اللہ تعالیٰ میزان فرماتا ہے۔میزان اور عدل ایک ہی چیز کے نام ہیں اس لئے عدل کا جو مضمون ہے وہ صرف دین سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ ساری تخلیق کے عالم سے تعلق رکھتا ہے۔مراد یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے اس کو دو۔قرآن کریم اردو ترجمہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے سورۃ الرحمٰن میں **وضع المیزان** کا ترجمہ '' نمونۂ عدل'' کیا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں:۔ میزان خدا تعالیٰ کے عدل و قدوسیت کی ترازو ہے۔اسے دنیا کے ترازو پر قیاس نہ کرو۔مغرب کے ایک عالم فطرت سیموئل راجرز(Samuel Rogers) اپنے نتائج غور وفکر کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

ہم فرطِ حیرات سے فیصلہ نہیں کرسکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں اس حسابی عدل و انصاف کی جو زینتِ فطرت ہے یا اس حسین وجمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے۔غرض اس کانپتی ہوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الادراک صناعی سے عدل وتوازن پیدا کیا گیا ہے ۔

فرمایا اس نے آسمان کو رفعت عطا کی اور ہر شے میں توازن قائم کیا۔ایسا اس لئے ہے تا تم توازن میں خلل نہ ڈالو۔افسوس حضرت انسان نے اس توازن میں خلل ڈال کر ہولناک نتائج کو دعوت دی اور اپنے لئے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کئے کبھی Atom کو پھاڑ کر اور کبھی Ozone میں سوراخ

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۱۰﴾ وَالْاَرْضَ

اور قائم کرو وزن انصاف سے اور نہ کمی کرو ترازو میں اور زمین

وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۱﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ

بنایا اس نے اسکو مخلوق کے لیے اس میں میوے ہیں اور کھجوریں

الْاَكْمَامِ ﴿۱۲﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۳﴾ فَبِاَيِّ

خوشوں والی اور اناج بھوسے والا اور پھول خوشبودار پس کن

کر کے۔میزان میں تجاوز یہ بھی ہے کہ عقل کو بڑھا کر شریعت سے مستغنیٰ قرار نہ دو یا یہ کہ ایسی سرکشیاں نہ کرو کہ تول میں بدیاں زیادہ ہو جائیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔ہر چیز، ہر کام، ہر کامیابی کے لئے ایک اندازہ مقرر ہے۔اس سے باہر نہ جاؤ۔(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۳)

قرآن کریم کا نزول اور شریعت کا اجرا بھی اسی عدل و توازان کو قائم کرنے کے لئے ہے۔پس اس کا تقاضا ہے کہ تم بھی اپنے تمام معاملات میں عدل کو ملحوظ رکھو۔غرض ان آیات میں قرآنی تعلیم کا خلاصہ بتلا دیا جو عدل پر قائم ہونا ہے۔

رفع سماء کے بعد عدل کا ذکر کیا اس لئے کہ یہ وہ عدل و توازن ہے جو تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔ایک ذرہ سے لے کر عظیم سماوی کُرّے اسی ربط و ضبط میں منسلک ہیں۔

۱۰۔فرمایا وزن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔ بیشک تول میں خفیف سی کمی گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔مگر یہ جملہ وسیع معانی کا حامل ہے۔اس میں زندگی کے تمام معاملات میں عدل و انصاف پر قائم ہونا، ہر شخص کے حقوق کو انصاف سے ادا کرنا اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم اور زیادتی نہ کرنا ہے۔

۱۱ تا ۱۳۔ **انام**۔مخلوق۔ **اکمام**۔ **کمامۃ** کی جمع ہے۔وہ غلاف جو کھجور وغیرہ کے پھلوں پر ابتدا میں قدرتی طور پر چڑھا ہوتا ہے۔ **حبّ**۔دانہ یا غلہ۔ **عصف**۔بھوسی جو ہر اناج کے دانے پر بطور غلاف چڑھی ہوتی ہے۔ **ریحان**۔خوشبودار پھول یا پودے۔نیاز بو کے پودے کے لئے بھی آتا ہے جو خوشبودار اور جراثیم کش ہے۔

سماوی نعمتوں کے ذکر کے بعد ارضی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے زمین کو ایک لمبے عرصہ کے تغیرات کے بعد اس لائق بنایا کہ وہ مخلوقات کی بودو باش اور ان کے لئے اشیائے خورد و نوش فراہم کرنے کے قابل ہوئی۔

فرمایا اس زمین کو تمام مخلوق کے فائدہ کے لئے بنایا۔گویا کسی قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ارضی نعمتوں کو اپنے تک محدود کر لے اور باقی مخلوق کو محروم کر دے۔

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۴﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں (اے جن و انس) پیدا کیا اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے (جو)

اب اللہ تبارک و تعالیٰ کے دقیق در دقیق احسانات کا ذکر فرمایا کہ کس طرح اس نے ایک ایک کھجور اور دانے کی حفاظت فرمائی اور اسے گرد و غبار، حشرات الارض اور جراثیم وغیرہ سے بچانے کا مکمل انتظام فرمایا۔ پھر یہی بھوسہ تمہارے مواشی کی غذا بنا جن کا دودھ اور گوشت تمہاری غذا کا حصہ ہے۔چند اشیاء کا ذکر کیا جن سے عرب واقف تھے جو قرآن کریم کے اوّل مخاطب تھے ورنہ اس رازق حقیقی نے جس قدر میوہ جات اور اشیائے خورد و نوش سے انسان کو متمتع فرمایا اور جس طرح ان سب کو مختلف چھلکوں اور غلافوں میں محفوظ کر کے انسان تک پہنچایا یہ اس ربّ رحیم کی کاریگری اور اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے۔

اگر یہ سب انسان کی بھوک مٹانے اور اس کے جسم کو تقویت پہنچانے کا ذریعہ ہیں تو رنگ برنگے خوشبودار پھول انسان کی روح کو تازگی اور اس کے دل و دماغ اور آنکھوں کو راحت اور سکون پہنچانے کا باعث ہیں۔

۱۴۔ **الآء**۔نعمتیں۔قدرتیں۔

فرمایا اے گروہ جن و انس اپنے ربّ کی ان تمام سماوی و ارضی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے آخر تم اس کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے۔ انکار سے مراد اس کی نعمتوں میں کسی کو شریک کرنا یا اس کی نعمتوں اور قدرتوں کو سرے سے اس کی طرف منسوب ہی نہ کرنا ہے یا یہ کہ ان تمام نعمتوں کا وجود میں آنا حادثاتی طور پر تسلیم کرتے ہیں۔کفرانِ نعمت یہ بھی ہے کہ عطا کرنے والے کے احکام سے غفلت کا رویہ روا رکھتے ہیں۔اس آیت کا اعادہ اس سورۃ میں ۳۱ مرتبہ ہوا ہے اور ہر بار نعمائے ظاہری کا ذکر کر کے یہ جملہ بڑھایا ہے۔مگر ہر جگہ **الآء** کا مصداق جدا ہے۔اس تکرار کی وجہ بیان کرتے ہوئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔” کہ یہ بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی **سبحان ربی الاعلیٰ** اور **سبحان ربی العظیم** بار بار کیوں کہلوایا ایک بار ہی کافی تھا؟ نہیں۔اس میں یہی سِرّ ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے۔اسی لئے فرمایا **واذکروا اللّٰہ کثیرًا لعلکم تفلحون** (۶۲:۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ فلاح پاؤ۔جس طرح یہ ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے اسی طرح ایک روحانی تعلق بھی ہے اور اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔

كَالْفَخَّارِ ۝۱۵ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۶ فَبِاَيِّ

مانند ٹھیکری کے (ہوتی ہے) اور پیدا کئے جن شعلہ سے آگ کے پس کن

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۷ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۸

نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں رب ہے دونوں مشرقوں کا اور رب ہے دونوں مغربوں کا

بدوں تکرار وہ روحانی پیوند اور رشتہ قائم نہیں رہتا۔۔۔۔۔۔حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخروجی ہوجاتی ہے ۔صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں اور **واذکروا اللّٰہ کثیرًا** کے یہی معنی ہیں کہ اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام کنٹھہ (حفظ) ہوجائے ۔انبیاء علیہم السلام کے طرزِ کلام میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو باربار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تامخلوق کو نفع پہنچے۔''(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ مورخہ ۱۷ رنومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۹)

صحائفِ اُولیٰ میں بھی بعض مقامات پر بعض جملوں کی تکرار ہے احبار ۱۱ ، ۱۹ گنتی ۳۵ تواریخ ۲۵ اور دیگر کتابوں میں بھی بعض جملے باربار بیان ہوئے ہیں۔ان کی تکرار میں بھی یہی حکمت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ پر سورۃ رحمٰن پوری تلاوت فرمائی۔صحابہ سن کر خاموش رہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ یہ سورۃ میں نے جنّوں پر پڑھی تو وہ تم سے جواب دینے میں احسن تھے۔جب میں ہر بار اس آیت پر پہنچتا **فبای اٰلآء ربکما تکذبٰن** ٥ تو وہ جواب میں کہتے **لابشیءٍ من نعمتک ربنا نکذبُ فلک الحمد** ۔ (ترمذی)(اے ہمارے رب! تیری نعمتوں میں سے ہم کسی چیز کی تکذیب و ناشکری نہیں کرتے۔پس تعریف تیرے ہی واسطے ہے)(الدر المنثور فی تفسیر الماثور للسیوطی تفسیر سورۃ رحمان)جنّ کی تشریح کے لئے سورۃ الجنّ سے استفادہ فرمائیں جہاں جنّوں سے مراد قوم کے سردار لئے گئے ہیں۔

۱۵ تا ۱۷۔ **صلصال** ۔خشک کھنکتی ہوئی مٹی (غریب القرآن) **فخّار** ۔گیلی مٹی جو آگ پر پکا کر ٹھیکرے کی مانند ہوجائے۔ **مارج**۔ شعلہ جس میں دھؤاں نہ ہو۔

اس سورۃ میں باربار جنّ و انس سے خطاب فرمایا ۔اسی تعلق میں جنّ و انس کی پیدائش کے فرق کو بیان فرمایا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ قرآن کریم اردو ترجمہ میں سورۃ الرحمٰن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ یہاں تخلیق کے گہرے رازوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ گیلی مٹی سے انسان کے پیدا کرنے کا تصور پچھلی سب کتابوں میں موجود ہے لیکن کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے انسان کا پیدا کیا جانا ایک ایسا تصور ہے جو قرآن مجید سے پہلے کسی کتاب نے بیان نہیں کیا۔ آج سائنسدان تسلیم کرتے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۹ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝۲۰

پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں اس نے جاری کئے دو سمندر (جو) آپس میں مل جائینگے

ہیں کہ انسان کی تخلیق کی ابتداء پانی میں ہوئی۔ تخلیق کے دوران ایک ایسی منزل بھی آئی جب ضروری ہوا کہ تخلیقی مادوں کو بجنے والی ٹھیکریوں کی صورت خشک کردیا جائے۔چنانچہ سمندر کی لہروں نے اس تخلیقی مادہ کو چٹانوں پر لا پھینکا جہاں وہ بجنے والی ٹھیکریوں کی صورت خشک ہوگیا ۔ پھر قدرتِ خداوندی سے سمندر نے اس خشک مادے کو اپنی لہروں میں لپیٹ کر واپس سمندر میں ڈال دیا اور انسان کی کیمیائی ترقی کا ایک ایسا سفر شروع ہوا جس میں انسان کی تخلیق کے لئے یہ ضروری کیمیا باربار اپنے ابتدائی دور کی طرف نہ لوٹیں۔

بیشک جنّ کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جنّ کے لفظ کی مختلف تشریحات کی جاتی ہیں۔ لیکن یہاں جنّ کی ایک تشریح یہ ہے کہ وائرس(Viruses)اور بکٹیریا(Bacteria) بھی جنّات ہیں جو ابتدائے افرینش میں آسمان سے گرنے والی آتشیں ریڈیائی لہروں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ یہی وہ شعلے تھے جن میں دھؤاں نہیں تھا۔اب تمام سائنسدان اس بات پر متفق ہوچکے ہیں کہ بکٹیریا اور وائرس براہ راست آگ سے توانائی پاکر وجود پکڑتے ہیں ۔(قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ دیباچہ سورۃ الرحمٰن)پس کھنکتی ہوئی مٹی سے ایک ایسے انسان کی تخلیق جو وحی الٰہی کا مورد ہوا اور آگ کے شعلے سے جنّ کا پیدا ہونا، یہ سب جان کر بھی تم اپنے ربّ کی کون کون سی قدرتوں کا انکار کروگے۔

۱۸۔۱۹۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرق و مغرب کا تصور سورج کے طلوع وغروب سے تھا۔اس آیت میں پیشگوئی فرمائی کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب زمین کی گردش اور اس کا گول ہونا ثابت ہوجائے گا اور اس کے ساتھ ہی سورج کے طلوع وغروب کے نظام سے انسان کو دومشرقوں اور دومغربوں کا علم ہوجائے گا۔اس لئے کہ زمین کے نصف کرہ میں جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے، اسی وقت دوسرے نصف کرہ میں غروب ہوتا ہے اس طرح دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ظہور ہوتا ہے۔فرمایا دونوں مشرقوں اور مغربوں کا وہی ربّ ہے ۔بیشک کائنات میں کوئی شے بھی ساکت نہیں۔ہر چیز گھوم رہی ہے لیکن زمین کا اپنے محور کے گرد گھومنا، دن اور رات کے وقوع پذیر ہونے کا موجب ہے نیز زمین کی ایک خاص بیضوی شکل میں سورج کے گرد گردش ، ماہ و سال اور موسموں میں تغیرات کا باعث ہے جس سے انسان اور دیگر حیوانات و نباتات کے بہت سے فوائد وابستہ ہیں اور خاص طور پر فصلوں پر عمدہ اثر پڑتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ

النصف

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۲﴾

درمیان ان کے ایک روک ہے نہیں وہ ایکدوسرے سے بڑھ سکتے، پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

نکلتے ہیں ان دونوں (سمندروں) میں سے موتی اور مونگے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۴﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۵﴾

جھٹلاؤ گے تم دونوں اور اس کیلئے جہاز ہیں اونچے کھڑے ہوئے سمندر میں مانند پہاڑوں کے

مشرقوں او رمغربوں میں رہنے والی مخلوق کی غذائی اور دیگر ضروریات کا وہی کفیل ہے گویا یہ وسیع کائناتی نظام اوّل انسانوں اور پھر تمام مخلوق کے لئے وجود میں آیا۔پس اے گروہ جن وانس تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

۲۰ تا ۲۴۔ **مرج** کے معنی کے لئے سورۃ فرقان :۵۴ سے استفادہ فرمایئے۔**یلتقین**۔ دونوں ملتے ہیں یا مل جائیں گے ۔ اس میں بڑھ بڑھ کر ملنے کا پہلو پایا جاتا ہے۔لقاءً کسی کے سامنے آنا اور اسے پالینا ہے۔اسی سے ملاقات ہے۔

پہلے سورۃالفرقان :۵۴ میں یہ عظیم پیشگوئی فرمائی کہ دو سمندروں کو ملا دیاجائے گا۔ فرمایا سردست ان کے درمیان ایک روک ہے جو پاٹی نہیں جاسکتی۔اس کی خاص علامت یہ بتلائی کہ ان سمندروں میں سے ایک کاپانی بہت میٹھا اور دوسرے کا سخت کڑوا ہے۔نہر پانامہ کی تعمیر سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی ۔تفصیل (فرقان:۵۴)

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے بیان میں یہاں پھر ایک زبردست پیشگوئی فرمائی جس کا اس زمانہ میں تصور بھی نہیں کیاجاسکتا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہوسکتاہے کہ دو سمندر ملادئے جائیں گے۔فرمایا فی الحال ان کے درمیان ایک روک ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتے۔اس کی خاص علامتوں میں سے پہلی یہ بتلائی کہ ان سمندروں کا پانی بڑے جوش سے ایک دوسرے سے ملے گا دوسری یہ کہ ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔یہ عظیم الشان پیشگوئی نہر سویز پر عین صادق آتی ہے۔یہ نہر ۱۸۵۴ء سے ۱۸۶۹ء کے عرصہ میں فرانس اور مصر کے مشترکہ خرچ سے ایک فرانسیسی انجینئر کی نگرانی میں تعمیر کی گئی۔۱۰۱ میل لمبی اس نہر کے ذریعہ بحیرہ روم اور بحیرہ احمر کو ملادیا گیاہے۔ ان کا پانی بڑے جوش سے ایک دوسری سے ملتاہے جبکہ نہر پانامہ میں ایسا جوش نہیں یہ نہر ایک ہی طرف سے دوسرے سمندر میں مل گئی ہے۔بحیرہ روم اور بحیرہ احمر ہی دوایسے سمندر ہیں جن میں سے موتی اور مونگے بکثرت نکلتے ہیں۔تفصیل کے لئے (سورۃالفرقان ۵۴ سے استفادہ فرمایئے)

بیشک سمندر اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ہیں اور ان سے انسان اور دیگر مخلوق کے

ع ۲ ۱۱

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۶﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۷﴾ وَّيَبْقٰى

پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں سب جو اس (زمین) پر ہیں فانی ہیں اور باقی رہے گی

وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

ذات رب تیرے جلال اور عزت والے کی پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۹﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ

جھٹلاؤ گے تم دونوں مانگتے ہیں اسی سے جو آسمانوں اور زمین میں ہے ہر وقت

بہت سے فوائد وابستہ ہیں ۔مگر انسان کا اس قدر بڑی نہریں تعمیر کرنا، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ غیر معمولی صلاحیتوں اور اس کے فضل و توفیق ہی سے ممکن ہوا۔ پس اے دونوں گروہو ! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

۲۵۔۲۶۔ **جوار** (کی اصل جواری تھی ی آخر سے گرگئی) **جارية** کی جمع ہے چلنے والیاں۔ پانی یا پانی کی طرح چلنے والی چیز کے لئے آتاہے۔کشتی مراد جہاز ۔ **منشئت۔ نشأ** سے مشتق ہے ۔جس کے معنی ابھرنے اور بلند ہونے کے ہیں گویا اونچے کھڑے ہیں ۔ **اعلام علم** کی جمع ہے ۔ جھنڈے ۔ پہاڑ۔

یہاں ان بادبانی کشتیوں کا ذکر نہیں جو اس زمانہ میں چلتی تھیں اور اکثر سمندر کی تند و تیز موجوں میں حادثات کا شکار ہوجاتی تھیں۔ یہاں ایک اور عظیم پیشگوئی فرمائی اور ان جہازوں کا ذکر کیا جو پہاڑوں کی طرح بلند ہوں گے اور سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے نہایت تیز رفتاری سے فاصلے طے کریں گے ۔اس زمانہ میں ایسے جہازوں کا تصور نہیں تھا ۔ **لهٗ** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے کہ وہی ان کا خالق و مالک ہے ، اسی کی قدرت سے بنے ہیں اور اسی کی عطا کردہ صلاحیت سے انسان ان کو بنانے کے قابل ہوسکاہے یہ معنی بھی ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں نہ کہ ان کے مالکوں کے جو خود کو خدا سمجھتے ہیں۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر جاری ہے ۔ اگر انسان کے فائدہ کے لئے سمندر کی تہ سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں تو سمندر کی سطح پر پہاڑوں جیسے جہاز انسان کی نفع رسانی کے لئے رواں دواں ہیں پھرتم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

۲۷ تا ۲۹۔ **وجهٗ** سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک ذات حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور ربک میں ضمیر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز واکرام ہے۔

پچھلے رکوع میں ظاہری نعمتوں کا ذکرتھا جس میں نہر سویز و پانامہ اور عظیم جہازوں کے

هُوَفِيْ شَاْنٍ ﴿۳۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۱﴾ سَنَفْرُغُ

وہ (اپنی) شان میں ہے ۔ پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے ۔ ضرور ہم فارغ ہوں گے

بیان میں انسان کی مادی ترقی کی طرف اشارہ فرمایا جو بالآخر اس کی ہلاکت و تباہی پر منتج ہوگی۔ اس رکوع میں مجرموں کی سزا کے ذکر کے ساتھ فبای الآء ربکما تکذبٰن o کے الفاظ بڑھائے اور یہ ان کے جھٹلانے کا نتیجہ بتلایا۔ فرمایا اس زمین پر جو بھی ہے، فنا ہونے والا ہے ایک ذات تیرے ربّ کی باقی رہ جائے گی جو صاحبِ عظمت و جلال اور صاحبِ اکرام ہے۔ یہاں اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات باوجود صاحبِ جلال ہونے کے اپنے بندوں پر اکرام و احسان فرمانے والی ہے۔ اگر **وجــہٗ** سے مراد توجہ لی جائے تو قیامتِ کبریٰ کی بجائے قیامت وسطیٰ مراد ہوگی اور معنی یہ ہوں گے کہ اس زمین پر جو بھی ہے ہلاک ہونے والا ہے اور وہی بچے گا جس پر تیرے صاحبِ جلال اور عزت والے ربّ کی توجہ ہے۔ گویا کیسی ہی ہولناک تباہی آئے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے صالح بندوں کو ضرور ان آفات سے محفوظ رکھے گا۔ جیسا کہ ہمیشہ سے اس کا یہی طریق چلا آیا ہے۔ **الجلال** کے معنی عظمت کی آخری حد کے ہیں جس کے بعد اور مرتبہ نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی وصف کے ساتھ مختص ہے اور اس کے غیر میں استعمال نہیں ہوتا۔ (مفردات) اس میں **الاکرام** کا لفظ ہر دو معنی میں مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ عزت و تکریم بھی عطا کرتا ہے اور باشرف چیزیں بھی بخشتا ہے۔ (مفردات) **ذوالجلال و الاکرام** حق تعالیٰ کی ان خاص صفات میں سے ہیں کہ ان کا ذکر کرکے انسان جو دعا مانگتا ہے اللہ کے فضل سے قبول ہوتی ہے۔ ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ربیعہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اپنی دعاؤں میں یا **ذوالجلال والاکرام** کو لازم پکڑو اور اس کے ساتھ دعا کیا کرو (کیونکہ وہ **اقرب الی القبول** ہے۔ مظہری)

اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت و کبریائی کا علم ہو جانے کے بعد بھی کیا تم اللہ تبارک و تعالیٰ کی ان نعمتوں کا انکار کرو گے جو ایک زمانہ تک تمہارے شامل حال رہیں۔

۳۰۔۳۱۔ مادی ترقی کے ذکر میں فرمایا کہ خواہ آسمانوں تک تمہاری رسائی ہو جائے یا زمین پر رہو۔ تم میں فرشتے ہوں یا جن و انس یا کوئی اور مخلوق، تم اس خالق و مالک سے بے نیاز نہیں ہوسکتے ۔ ہر لحظہ اسی کے محتاج ہو، حال و قال میں اسی کی رحمت و مغفرت کے طلبگار ہو اور اسی کی بارگاہ کے سوالی ہو۔ اس صاحبِ جلال کی صفت الاکرام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندے پر احسان فرمائے اس کی دعاؤں کو قبول فرمائے ۔ اس کی حاجتیں پوری کرے اور اس کو انعام و اکرام سے نوازے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں " اس سے مانگنے والے تمام زمین و آسمان کے

لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۳﴾ يٰمَعْشَرَ

تمہارے لیے اے جن اور انس ۔ پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ۔ اے گروہ

باشندے ہیں۔" (ست بچن صفحہ ۹۹)

جس ذات باری تعالیٰ کی کل مخلوق سوالی ہے اب اس کی ایک خاص صفت اور بیان فرمائی۔ فرمایا وہ ہر لحظہ ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات میں تبدیلی نہیں لیکن اس کے جلوے اپنی شان بدلتے ہیں۔ وہ ہر زمانہ میں ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک ہر زمانہ میں نئی شان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں کہ قرآن کریم لوگوں کی رہنمائی کرنے سے قاصر ٹھہرے۔ یہ حقائق و معارف کا وہ خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہر زمانہ میں زندگی کے لئے تازہ بتازہ سامان میسر آتا ہے جس طرح قانونِ قدرت کے خزانے ختم نہیں ہوتے اسی طرح کلام الٰہی کے خزانے بھی کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کے نئے نئے معانی نکلتے رہیں گے۔ یہ خیال احمقانہ ہے کہ اس کے نئے مطالب کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ترجمۃ القرآن کلاس MTA سے استفادہ کیا گیا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں " جس طرح ستارے نوبت بہ نوبت طلوع کرتے رہتے ہیں اسی طرح خدا کے صفات بھی طلوع کرتے رہتے ہیں۔ کبھی انسان خدا کے صفاتِ جلالیہ اور استغنائے ذاتی کے پرتوہ کے نیچے ہوتا ہے اور کبھی صفات جمالیہ کا پرتوہ اس پر ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کل یوم ھوفی الشان۔" (چشمۂ مسیحی صفحہ ۴۸) یہاں آپ نے ذوالجلال والاکرام کی بھی تشریح فرمادی۔

۳۲۔۳۳۔ **نفرغ** ۔ ہم فراغت پاتے ہیں ۔ ہم فارغ ہوں گے۔ **ثقلٰن**۔ دو بھاری چیزیں۔ دو بھاری طاقتیں ۔ گناہوں کے بوجھ سے بھاری ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے ۔ اسی سے ثقیل ہے۔ دو عظیم اور طاقتور گروہوں کے لئے بھی کہا جاسکتا ہے ۔

فرمایا! اے دو طاقتور گروہو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے ۔ کسی چیز کے لئے فارغ ہونا اکثر تہدید کے موقع پر محاورۃً بولا جاتا ہے۔

یہاں پیشگوئی فرمائی کہ اس مادی دور میں دو عظیم طاقتیں ابھریں گی۔ **سنفرغ** میں ان کی تباہی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ وہی تباہی ہے جس کا ذکر صحائف اولیٰ میں بیان ہے کہ آدم اور ابلیس کے درمیان آخری جنگ ہوگی۔ (مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰) نیز قرآن کریم، احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں میں بھی اس ہولناک تباہی کا ذکر ملتا ہے یہ تباہی خداتعالیٰ کی

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ
جنوں اور انسانوں کے اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ نکل جاؤ کناروں سے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝۳۴
آسمانوں اور زمین کے تو نکل جاؤ نہ نکل سکو گے تم مگر سلطنت ہی ہیں

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۳۵ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ
پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں بھیجا جائے گا تم پر شعلہ

نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝۳۶ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
آگ کا اور دھواں پس نہ مدد کر سکو گے تم آپس میں پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ۝۳۷ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝۳۸
جھٹلاؤ گے تم دونوں پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو ہو جائے گا وہ سرخ مانند سرخ چمڑے کے

قدرتوں کو ظاہر کرے گی اور اس کے نیچے نعمتیں بھی پنہاں ہوں گی۔ اس لئے فرمایا کہ تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

۳۴ تا ۳۷۔ **تنفذوا** ۔**نفذ** کے معنی پار کرنے کے ہیں ۔ نکل جانا۔ **تنفذوا** تم نکل سکتے ہو ۔ تم نکل سکو۔ **اقطار** ۔کنارے ۔ **قطر** واحد ۔**سلطٰن** ۔غلبہ اور تسلط کے معنی دیتا ہے ۔ حجت اور دلیل کو بھی کہا گیا ہے۔ **شواظٌ** ۔ایسا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو ۔ **نحاس** ۔ ایک خاص طرح کا دھوَاں ۔ پگھلا ہوا تانبا۔ (بخاری)

اس دور کی مادی ترقی کا ذکر جاری ہے۔ پہلے دو عظیم نہروں کا ذکر کیا پھر پہاڑوں جیسے بلند بحری جہازوں کا۔ اس کے بعد تیسری عالمی جنگ کا اشارہ فرمایا ۔ یہاں خلائی راکٹ کا ذکر کیا اور یہ ایسی زبردست پیشگوئی ہے جس کا اس زمانہ میں سوچا بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی زمین و آسمان کی حدود کو پھلانگنے کی بھی کوشش ہوگی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ فرمایا اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکو تو نکل جاؤ مگر خاص طاقت اور غلبہ کے بغیر تم نہیں نکل سکو گے آج ایک خاص قسم کی زبردست توانائی سے راکٹ ان حدود سے نکلنے میں کامیاب ہو سکے ہیں اور چاند پر پہنچ کر اب اس سے بلند تر سیاروں تک رسائی کی کوششیں جاری ہیں۔ فرمایا جب بھی یہ ان حدود سے نکلنے کی کوشش کریں گے ان پر آگ کے شعلے برسائے جائیں گے اور ایک طرح کا دھوَاں بھی ان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ چنانچہ خلا نورد سائنسدان جب راکٹوں پر بیٹھ کر فضائی سفر کرتے ہیں تو شعلوں اور ایک طرح کے دھوئیں کی بوچھاڑ ہوتی ہے حالانکہ وہ تمام امکانی احتیاطی تدابیر اختیار کر کے فضائی سفر پر روانہ ہوتے ہیں تا کہ اجرام فلکی کی سنگ باری سے

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۳۹ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْــَٔـلُ عَنْ
پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں پس اس دن نہ پوچھا جائے گا اپنے

ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۝۴۰ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۱
گناہ کے متعلق انسان اور نہ جن پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ
پہچانے جائیں گے مجرم اپنے نشانوں سے پھر پکڑے جائیں گے پیشانی کے بالوں اور

الْاَقْدَامِ ۝۴۲ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۳ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ
پیروں سے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں یہ جہنم ہے

محفوظ رہ سکیں لیکن ان احتیاطی تدابیر کے باوجود بعض اوقات نقصان سے دو چار ہوتے ہیں۔ تاہم یہ صرف اپنے سورج کے قریبی ستاروں تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ **الّا بسلطٰن** سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ کوشش کریں گے مگر صرف مضبوط استدلال کے ذریعہ کامیاب ہو سکیں گے۔ چنانچہ علم فلکیات کے ماہرین بیس بلین روشنی کے سالوں تک دور کی خبریں محض اپنے استدلال کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں مگر ان کی وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔ بیشک ایسی تمام آیات قیامت پر بھی اطلاق پاتی ہیں۔

ان آیات میں فضائی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس صورت میں شعلہ میں کاسمک ریز کی طرف اور پگھلا ہوا تانبا میں بموں کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا اس ہولناک وقت میں تمہاری مدد کو کوئی نہیں پہنچے گا۔ جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو محض اپنے فضل و احسان سے ہر تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ پس اے دونوں گروہو! تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کریم اردو ترجمہ سے استفادہ کیا گیا)

۳۸۔۳۹۔ **وردۃ**۔ گلاب کا پھول۔ سرخ۔ **دھان**۔ سرخ چمڑہ۔

یہاں سے رکوع کے آخر تک تمام آیات ذو معنی ہیں ۔ دنیا اور آخرت دونوں پر چسپاں ہو سکتی ہیں۔ آسمان کا پھٹ جانا کئی طرح سے ہے۔ اس میں خوفناک فضائی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جب آسمان سے آگ پھینکی جائے گی اور قیامت کی نشانی کے طور پر بھی ہے ۔ (مفردات) پس اے گروہِ خواص و عوام تم اپنے ربّ کی کس کس قدرت کا انکار کرو گے ۔

۴۰ تا ۴۳۔ **سیما۔ سمۃٌ** ۔ علامت اور نشان کو کہتے ہیں۔ **نواصی۔ ناصیۃ** واحد۔ پیشانی کے بال۔

ان آیات کو قیامت پر اطلاق پانے کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن مجرموں سے ان کے جرائم کے بارہ میں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی وہ اپنی علامتوں سے پہچانے

الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ

وہ کہ تکذیب کرتے تھے جس کی مجرم پھریں گے درمیان اس کے اور

ع ۲ ۱۲ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۶﴾ وَلِمَنْ

درمیان گرم پانی کھولتے ہوئے کے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں اور اس کیلئے

جائیں گے۔ ہاتھ پاؤں اور جلدیں گواہی دیں گی ، گناہوں کی سیاہی چہروں پر چھائی ہوگی۔نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے ہوگا۔پیشانی کے بالوں سے پکڑنا ان کے تکبر کی سزا کے طور پر ہوگا اور ان کی سخت توہین کاباعث ہوگا۔ قدموں سے پکڑنے میں اشارہ ہے کہ انہوں نے زندگی میں ہمیشہ غلط قدم اٹھائے۔جہنم کو سامنے دیکھ کر ان کے قدم نہیں اٹھیں گے۔پیشانی کے بالوں سے گھسیٹ کر زبردستی لے جائے جائیں گے ۔ آخرت کی یہ خبریں بھی نعمت کے طور پر ہیں تاکہ ابھی سنبھل جاؤ۔ پس اے دونوں گروہو! تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکارکروگے۔

ان آیات کو دنیا پر اطلاق پانے کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تیسری اٹامک وار (Atomic War)اتنی اچانک ہوگی کہ دونوں مجرم گروہوں سے ان کے مظالم و زیادتیوں کے بارہ میں باز پرس کی کسی کو فرصت نہیں ہوگی کہ انہوں نے اسلحہ کے ڈھیرلگا کر بندگان خدا کو ان کی جائز ضروریات سے محروم کیوں رکھا۔ اللہ کی پکڑ میں غلطی کا امکان نہیں ہوگا۔ عذاب الٰہی کا کوڑا انہیں خوب پہچانے گا۔ پس یہ اپنی ہی بھڑکائی ہوئی آگ کی لپیٹ میں اس طرح آئیں گے کہ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ یہ وہ پیشگوئیاں ہیں جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئیں ۔

۴۴ تا ۴۶۔ جہنم کا نہایت بھیانک منظر پیش کرکے فرمایا کہ یہی وہ جہنم ہے جس کا مجرم لوگ انکار کیا کرتے تھے۔ وہ اس جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومیں گے۔گویا ایک طرف آگ ہوگی اور دوسری طرف کھولتاہوا پانی۔جب آگ میں جل بھن کر شدت پیاس سے پانی کی طرف لپکیں گے تو کھولتاہوا پانی ملے گا۔

مجرموں کو آگ اور کھولتاہوا پانی دنیا میں بھی ملے گا۔ جب انہیں ایک عالمی جنگ کے نتیجہ میں چاروں طرف سے مصیبتیں گھیر لیں گی۔اگر ایک طرف آگ برسائی جائے گی تو دوسری طرف اس ہولناک جنگ کی وجہ سے شدید اقتصادی بحران پیدا ہوجائے گا ۔یہ وہ وقت ہوگا جب نسل انسانی کو آگ میں دھکیلنے والی فرعون اور ہامان جیسی شخصیتوں کو بھرے ہوئے عوام ایڑی اور چوٹی سے پکڑکر اس جہنمی الاؤ میں ڈالیں گے جو انہوں نے دوسروں کے لئے تیار کیاتھا۔ کیا یہ سارے عبرت انگیز واقعات جان کر بھی تم نہیں سنبھلوگے اوراپنے ربّ کے شکر گزار نہیں بنو گے۔

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۸﴾

جو ڈرا کھڑا ہونے سے اپنے رب کے حضور دو جنتیں ہیں پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں

اے دونوں عظیم طاقتو! تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کاانکار کروگے۔

۴۷۔۴۸۔ جہنم کے اہوال و شدائد اور اہل جہنم کی سزاؤں کاذکر تھا۔ اب سورۃ کے آخر تک جنت کی ابدی نعمتوں اور اہل جنت کی بہترین جزاؤں کاذکر فرمایا۔جنت کے معنی باغ کے ہیں گویا اہل جنت کو اخروی انعامات باغات کی صورت ملیں گے ۔ فرمایا ہر اس شخص کے لئے جو اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا ، دو جنتیں ہیں ۔یہ بھی مراد ہے کہ جسے اپنے ربّ کے مقام عظمت و جلال کاڈر رہا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔گویا جنتوں میں سے دو جنتیں خاص ان کے لئے مخصوص ہیں۔ ان جنتوں کی تفصیل اگلی آیات میں بیان فرمائی ۔ بیشک وہ آخروی جنتوں میں سے دو کے وارث ہوں گے مگر ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ لوگ جنہیں اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے اور حساب کتاب کی فکر نے معاصی سے روکے رکھا اور وہ ہمیشہ روحانی ترقی میں بڑھتے رہے ان کے لئے اخروی جنت کے علاوہ دنیا کی جنت بھی ہے ۔یہ سکون قلب اور اپنے ربّ کی رضا کی جنت ہے جونفس مطمئنہ کونصیب ہوتی ہے ۔ان کی بہشتی زندگی دنیا ہی سے شروع ہوجاتی ہے اور اخروی بہشتی زندگی کے لئے بطور گواہ ٹھہرتی ہے ایسے لوگوں پر اگر دنیوی مصائب و تکالیف آئیں تو بھی ان کا اپنے ربّ سے تعلق ایسا شدید ہوتاہے کہ ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی اور دنیوی مصائب ان کی روحانی ترقی کے لئے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں’’ اس مقام پر پہنچ کر انسان کی اپنی کوئی مشیت نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ کی مشیت اس کی مشیت ہوجاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔اور اس سے کوئی بدی نہیں ہوسکتی۔(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ مورخہ ۱۴؍اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۵) حضرت عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی عارف ہوجاتاہے تو اس کی عادت (کوشش) کاثواب ضائع ہوجاتاہے کیونکہ جب نفس مطمئنہ ہوگیا تو ثواب کیسے رہا۔ نفس کی مخالفت کرنے سے ثواب تھا۔وہ اب رہی نہیں۔ قرآن شریف میں ہے **ولمن خاف مقام ربه جنتٰن** یعنی وہ جنت میں داخل ہوگیا اور اس کا درجہ ثواب کا نہ رہا۔(البدر جلد ۱ نمبر ۷ مورخہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۰) گویا اب نقد بہشت ہے۔

حضرت ابودرداؓ بیان کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر نصیحت فرماتے ہوئے سناکہ **ولمن خاف مقام ربه جنتٰن** ٥ میں نے عرض کیایارسول اللہ ﷺ !اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر وہی آیت پڑھی **ولمن خاف مقام ربه جنتٰن** ٥ میں

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۰﴾ فِيْهِمَا
دونوں (بہشت) شاخوں والے ہونگے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ان دونوں میں

عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۲﴾ فِيْهِمَا مِنْ
دو چشمے بہتے ہوں گے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ان دونوں میں

كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۴﴾ مُتَّكِـِٔيْنَ
ہرایک میوے کی دو قسمیں ہوں گی پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں تکیہ لگائے ہوں گے

نے پھر پوچھا یارسول اللہ ﷺ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ آپ ﷺ نے پھر وہی آیت پڑھی **ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن** o میں نے تیسری دفعہ پھر پوچھا یارسول اللہ ﷺ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ خاک آلودہ ہوناک ابودردا کی۔(احمد)

۴۹ تا ۵۴۔ **ذواتا** ۔**ذو**ے ہے **ذو**۔ والا۔ صاحب ۔ **ذواتا** تثنیہ کے لئے آتا ہے۔ مونث میں ذات کہاجاتا ہے۔ **افنان** ۔ **فنن** واحد ہے۔ تازہ پتوں والی شاخیں۔

اب ان دنوں جنتوں کی نعماء کا ذکرفرمایا۔واضح ہوکہ قرآن کریم اور دیگر صحائف ِانبیاء تمثیلی زبان میں ہیں۔ جنت کے لفظ میں مخفی ہونے کی طرف اشارہ ہے گویا اس کی نعمتیں ہم سے مخفی رکھی گئی ہیں۔جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بتایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کی ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا بلکہ کسی انسان کے دل میں بھی ان کا خیال نہیں گزرا۔۔۔۔۔۔گویا ان میں صرف نام کا اشتراک ہے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ تنزیل السجدہ فلاتعلم نفس مااخفی)

پس ان نعماء کی اصل حقیقت کاعلم دنیا میں ہونا، ممکن نہیں۔جنتیوں کی نعماء میں بتلایا کہ یہ جنتیں بکثرت شاخوں والی ہوں گی۔زیادہ شاخوں میں ان کے گھنے سایہ اور کثرتِ ثمرات کی طرف اشارہ ہے۔دوسری نعمت یہ بتلائی کہ ان دونوں میں دو چشمے بہتے ہوں گے نیز یہ کہ ان میں ہرقسم کے میوے دو دو قسم کے ہوں گے۔گویا پھل اور دیگر تمام نعمتیں جوڑوں کی صورت میں ہوں گی۔ جوڑوں میں نعمتوں کا ملنا اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور ان کی فراوانی کی طرف اشارہ ہے۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص راہِ خدا میں جوڑا دے گا۔ (یعنی دو روپیہ، دو اشرفی، دوگھوڑے یا دوپیسے وغیرہ) تو اسے بہشت کے ہر دروازہ کے داروغے آوازیں دیں گے کہ او میاں فلانے ادھر آیئے۔حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر اس کو تو کوئی ڈر نہ ہوگا جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔فرمایا مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں سے ہوگے۔

عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۵﴾
ایسے فرشوں پر کہ استر جن کے گاڑھے ریشم کے ہونگے اور میوے دونوں باغوں کے جھکے ہوئے ہونگے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۶﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ
پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ان میں نیچے رکھنے والیاں ہوں گی نظر کو

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
نہیں چھوا ہوگا انکو کسی انسان نے پہلے ان سے اور نہ کسی جن نے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۸﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
جھٹلاؤ گے تم دونوں گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں پس کن نعمتوں کو

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۰﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۱﴾
اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں نہیں بدلہ احسان کا مگر احسان

۵۵۔۵۶۔ **بطائن** ۔ **بطانۃ** کی جمع ہے ۔**بطن جھر** کی ضد ہے ۔ پیٹ ۔ ہرچیز کی نیچے کی جہت۔مراد استر یا کسی چیز کا اندر کا غلاف ہے **استبرق** ۔(برق) دیباج یا موٹا ریشم ۔ **دان** ۔ نزدیک ہونے والا ۔جھکنے والا۔ اسی سے دنیا ہے۔ **جنا**۔ میوہ ۔ چُنا ہوا۔

لحاف وغیرہ میں استر عموماً موٹے سوتی کپڑے کا ہوتا ہے اور ابرہ استر کی نسبت زیادہ نفیس ہوتا ہے۔ اہل جنت کے بچھونوں کی صفات میں بتلایا کہ ان کے بچھونوں کا استر عمدہ موٹے ریشم کا ہوگا۔ جب استر اس شان کا ہوگا تو ابرہ کی نفاست اور خوبصورتی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

۵۷ تا ۶۰ ۔ **قٰصرٰت**۔ قصر طول کی ضد ہے ۔معنی کسی چیز کے کوتاہ کرنے کے ہیں۔ **تقصیر** کوتاہی اور سستی ہے۔اسی سے نماز قصر ہے۔ **قٰصرات** نیچی نگاہ والیاں۔ **طرف**۔ نگاہ ۔ کنارہ ۔ **یطمثھن** ۔ **طمث** کے معنی چھونا کے ہیں۔

اب نعمائے جنت میں **قٰصرٰت الطرف** کاذکر فرمایا گویا جنت ایک نیک ساتھی کے بغیر ادھوری ہے خواہ دنیوی جنت ہو یا اخروی ۔ **قٰصرٰت الطرف** میں دوقول ہیں ایک یہ کہ وہ حوران ِجنت ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ دنیا کی پاکیزہ جنتی عورتیں ہیں ۔ جنہوں نے قرب الٰہی کا بلند مرتبہ حاصل کیا اور مقربین میں شامل ہوئیں۔ جنہیں اس نئی پیدائش میں کسی جن و انس نے نہیں چھوا ہوگا اور بطور انعام جوان اور کنواری ہونے کی صورت جنت میں داخل ہوں گی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے استفسار پر بتلایا۔(حدیث سورۃ الواقعہ: ۴۱ میں ملاحظہ فرمائیں) حوروں کی صفات میں اوّل ان کی باحیانظروں کی تعریف فرمائی جنہوں نے دنیا میں بھی حیا کو مقدم رکھا۔ان کے حُسن کا ذکر بعد میں کیا۔ یاقوت کے سرخ رنگ اور اس کی چمک دمک

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٢﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٣﴾ فَبِاَيِّ
پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں اور علاوہ ان دونوں کے دو باغ اور ہونگے پس کن

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٤﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں نہایت سبز ہیں دونوں پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٦﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
جھٹلاؤ گے تم دونوں ان دونوں میں دو چشمے ہوں گے بہت جوش مارنے والے پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

میں ان حوروں کی خوبصورتی اور رعنائی کی طرف اشارہ ہے حوروں کو مرجان سے تشبیہ دینا، مرجان کی رنگت میں سرخی و سپیدی کا حسین امتزاج، اس کی نزاکت اور خوشبو کی وجہ سے ہے۔ قرآن کریم میں نعمائے جنت کو متقی مردوں اور عورتوں کے لئے مخصوص فرمایا گیا ہے۔ اگر **قٰصرٰت الطرف** دنیا کی پاکیزہ عورتیں نہیں تو قرآن کریم میں دنیا کی نیک عورتوں کے لئے کہیں الگ اجر کا ذکر نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جنت میں جنس کی تخصیص نہیں۔ حور نعمائے جنت میں سے ایک نعمت ہے جو مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں ہے۔ پس اہل جنت ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ تشریح کے لئے (سورة الدخان :۵۵ سورة الطور:۲۱)

۶۱۔۶۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ہمیشہ فضل اور احسان کا سلوک فرماتا ہے۔ پس جنت کی نعمتیں ان کے اعمال کے نتیجہ میں محض اللہ کے فضل و احسان سے نصیب ہوئیں۔ وہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے گا۔ پس تم بھی اپنے احسان کا دائرہ بہت وسیع رکھو کسی قوم یا مذہب کی قید نہ لگاؤ۔ جو بھی احسان کرے اس کے احسان کا بدلہ دو بلکہ بڑھ چڑھ کر دو۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ بڑھا کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی چیز دی جائے پھر اس کی مقدرت ہو تو اس کا بدلہ دے۔ اگر بدلہ نہ دے سکے تو تعریف کرے۔ جس نے تعریف کی اس نے شکر ادا کیا۔ جس نے چھپایا (احسان کو) اس نے ناشکری کی۔ (سنن ابوداؤد) حضرت ابن عمرؓ ایک لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تمہارے ساتھ احسان کرے۔ اس کے احسان کا بدلہ دو اگر بدلہ نہ دے سکے تو محسن کے لئے دعا کرے یہاں تک کہ تمہارا ضمیر مطمئن ہو جائے کہ تم نے احسان کا حق ادا کر دیا۔ (احمد۔ ابوداؤد نسائی) پس اے دونوں گروہو! تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

۶۳ تا ۷۰۔ **مدھآمّتٰن۔ دُھمۃ** رات کی سیاہی ہے۔ **مدھآمتٰن** گہرا سبز۔ سیاہی مائل سبز۔ **نضّاختٰن۔ نضخ** کے معنی پانی کے جوش مارنے کی شدت اور اس کا چشمہ سے

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٨﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
جھٹلاؤ گے تم دونوں ان دونوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں پس کن نعمتوں کو

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٠﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ان میں نیک سیرت (اور) خوبصورت عورتیں ہیں پس کن نعمتوں کو اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٢﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
جھٹلاؤ گے تم دونوں عورتیں گورے رنگ کی بٹھائی ہوئی خیموں میں پس کن نعمتوں کو

چھلک چھلک کر جوش سے نکلنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں فرمایا! ان دو باغوں کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں۔ اب ان کی صفات بیان فرمائیں۔ پہلے دونوں باغوں میں بھی دو چشمے بہتے ہیں۔ مگر ان دونوں باغوں میں دو جوش مارتے ہوئے چشموں کا ابل ابل کر نکلنا انہیں پہلے چشموں سے ممتاز کرتا ہے۔ پہلے باغوں میں ہر قسم کے میووں کی دو دو اقسام ہیں۔ ان باغوں میں میووں کے علاوہ کھجور اور انار بھی ہیں جن سے ان جنتوں کے اعلیٰ مرتبہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ امید ہے کہ یہ **السابقون الاولون** کے لئے مختص ہوں گی جبکہ پہلی دو جنتیں **اصحاب الیمین** یعنی مومنین الصالحین کے لئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جنت کی نعمتوں میں خاص طور پر کھجور اور انار کا ذکر فرمایا۔ یہ دونوں پھل اپنی غذائی افادیت کے لحاظ سے لاجواب ہیں۔ کھجور ایک مکمل غذا ہے۔ یہ تمام ضروری غذائی ضروریات مہیا کر دیتی ہے۔ کسی اور خوراک کی ضرورت نہیں رہتی۔ بدن کی مشین کو دو چیزوں کی سخت ضرورت رہتی ہے شکر اور نشاستہ اور یہ ہر دو اجزاء کھجور میں بدرجہ کمال موجود ہیں۔ عرب کھجور اور پانی پر مہینوں گزارہ کر لیتے تھے اور کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ خراب ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ انار بھی غذایت سے بھرپور پھل ہے۔ اس میں شکر اور وٹامن سی خاص مقدار میں پایا جاتا ہے۔ نیز سوڈیم، کیلیم اور سلفر بھی مناسب مقدار میں موجود ہے۔ انار کا جوس دل و دماغ کو فرحت بخشتا ہے اس میں پیاس بجھانے کا مادہ اور شفا ہے۔ خون کی کمی اور عام کمزوری کو رفع کرتا ہے۔ یرقان، بلڈ پریشر، بواسیر، ہڈیوں اور جوڑوں کی درد (Arthritis) میں بہترین دوا ہے۔ تھوڑی سی کھٹاس والے دانے معدہ کے ورم اور دل کے درد کے لئے لاجواب ٹانک ہیں۔ اس کے پھول، جڑ، چھال اور پتے دوائیوں میں کام آتے ہیں۔

ان تمام نعمتوں کا علم ہوتے ہوئے تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

۷۱ تا ۷۶۔ **خیرات خیرة** کی جمع ہے۔ ہر قسم کی فضیلت والی چیز کو خیرة کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب) نیک اور اچھی عورت کو بھی **امراة خیرة** کہتے ہیں۔ **فاستبقوا الخیرات** میں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں　نہیں چھوا ہوگا ان کو　کسی انسان نے پہلے ان سے　اور نہ کسی جن نے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ

پس کن　نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں　تکیہ لگائے ہوئے ہونگے　قالینوں　سبز پر　اور

عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَكَ

فرشوں پر　نفیس پر　پس کن　نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں　برکت والا ہے

بھی **خیرات** سے مرادخوبیاں اور بھلائیاں ہی ہیں۔ **حسّان** ،**حسنٌ** اور **حسنةٌ** کی جمع ہے۔ **امراة حسنا** خوبصورت عورت کو کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب) **حور** کا لفظ جمع ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔ عام طور پر خوبصورت آنکھوں والی گوری عورتوں کے لئے آتا ہے۔ **حور** کی تشریح کے لئے سورة دخان ۵۵۔ طور :۲۱۔ رحمٰن ۵۷ سے استفادہ کیجئے۔**مقصورٰت**"۔ آیت ۵۷ میں **قصر** کی تشریح گزری ہے جس کے معنی کسی چیز کے کوتاہ کرنے کے ہیں **قصر** کے ایک معنی کسی چیز کے بعض اجزاء کو بعض سے ملانا کے بھی ہیں۔ اسی سے **قصر** بمعنی محل بھی ہے۔ **قصرتهٔ** کے معنی محل میں داخل ہونے کے ہیں۔ **مقصورٰت**۔ اندر رکھی ہوئیں۔ گویا ابھی ظاہر نہیں ہوئیں۔ **خیام**۔**خیمة** واحد۔ عرب اپنے خیمے درختوں کی ٹہنیوں سے بناتے تھے اور ان کے لئے بمنزلہ گھر کے ہوتے تھے۔ بعد میں خوبصورت کپڑے کے بننے لگے۔ یہاں بھی استعارہ کے رنگ میں خیموں کا ذکر کیا جو ان کی بہترین قیام گاہیں ہوں گی۔

یہ تو جنت کی نعماء ہیں۔ دنیا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو نیک اور خوبصورت بیبیاں ملیں بلکہ شہزادیاں بھی ملیں۔ **مقصورٰت فی الخیام** میں اشارہ فرمایا کہ دنیا کی نیک اور صالح بیبیاں اپنے گھروں میں باعزت طریق سے رہتی ہیں۔ بیشک ضرورت کے تحت مناسب پردے سے نکلتی ہیں۔ مگر بلاوجہ آوارگی انہیں ہرگز پسند نہیں۔ آیت ۷۵ کی تشریح کے لئے آیت ۵۷ سے استفادہ کیجئے۔

اے دونوں گروہو! ان تمام اخروی نعمتوں کو جاننے کے بعد تم اپنے ربّ کی کِس کِس نعمت کا انکار کروگے۔

۷۷۔۷۸۔ **رفرف**۔ ایک قسم کا خوبصورت کپڑا جس پر درختوں اور پھولوں کے نقش و نگار ہوتے ہیں اور مرغزار سے مشابہ ہوتا ہے۔ خوبصورت سینری والا قیمتی قالین۔ **عبقری**۔ احادیث میں عبقری دیباج کے معنی میں آتا ہے۔ نفیس اور قیمتی بچھونا۔

اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾　ع ۳ / ۱۳

نام　رب تیرے　جلال　اور عزت والے کا

اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔ فرمایا وہ نہایت خوبصورت پھولدار سبز قالینوں پر نفیس فاخرانہ بچھونوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ پس اے جن و انس! تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

۷۹۔ آیت :۴۶ تک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان ہے اور جلالی رنگ غالب ہے۔ اس کے بعد سورة کے اختتام تک جنت کی نعمتوں میں اپنے بندوں پر اپنی کرم نوازیوں اور احسانات کا ذکر فرمایا جس میں جمالی رنگ نمایاں ہے۔ آخر میں بطور خلاصہ فرمایا کہ تیرے ربّ کا نام بڑی برکت والا ہے جو بڑی عظمتوں والا اور احسان فرمانے والا ہے۔ (آیت ۲۸ سے استفادہ فرمایئے)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورة واقعہ۔ یہ سورة مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی ستانوے آیات اور تین رکوع ہیں

اس سورة کی تمام آیات بھی دنیا و آخرت دونوں پر اطلاق پاتی ہیں اس سورة کا اور سورة الرحمٰن کازمانہ نزول ایک ہی ہے یعنی ابتدائی مکی دور۔دونوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں اور دونوں میں جنت اور جہنم کا تفصیلاً ذکر ہے نیز ان میں اللہ تعالیٰ کی لامتناہی قدرتوں کو بیان کیا گیا ہے۔اس طرح اس سورة میں سورة رحمٰن کے مضمون کو جاری رکھا اور اس کی مزید وضاحت فرمائی۔ آغاز ہی میں فرمایا کہ وہ تمام پیشگوئیاں جو سورة رحمٰن میں بیان کی گئی ہیں، وہ پوری ہوکر رہیں گی۔ دنیا میں ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا آخرت پر دلیل ٹھہرایا گیا ہے۔

حدیث صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر شب سورة واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔آپ اپنی بیٹیوں کو ہر شب اسی سورة کے پڑھنے کا حکم دیتے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۲) لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (۳)

جب واقع ہوگی واقع ہونے والی نہیں اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (۴) اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا (۵) وَّبُسَّتِ

بعضوں کو) نیچا کردینے والی (بعضوں کو) اونچا کردینے والی ہے۔ جب ہلائی جائیگی زمین لرزے سے اور اڑائے جائیں گے

الْجِبَالُ بَسًّا (۶) فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (۷) وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا

پہاڑ ریزہ ریزہ کرکے تو ہوجائیں گے وہ غبار پراگندہ اور تم ہوجاؤگے قسمیں

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔ **الواقعة** اس واقعہ کو کہتے ہیں جس میں سختی ہو ۔قرآن کریم میں اس مادہ سے جس قدر مشتقات استعمال ہوئے ہیں وہ زیادہ تر عذاب اور شدائد کے واقع ہونے کے متعلق استعمال ہوئے ہیں۔یہاں **الواقعة** سے مراد قیامت لی گئی ہے۔قیامتِ صغریٰ کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا سورة رحمٰن میں بطور پیشگوئی بار بار ذکر ہوا جو فیصلہ کی گھڑی ہوگی اور مخالفینِ حق کے لئے بطور سزا ہوگی۔ فرمایا جب واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی اس کے واقع ہونے کو کوئی جان جھٹلانہیں سکے گی گویا اس کا واقع ہونا حتمی ہے ۔ یہ بھی مراد ہے کہ اس کے واقع ہونے کواپنے وقت سے ٹلانے والی کوئی چیز نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس ابتدائی دور میں خاص طور پر قیامت اور بعث بعد الموت کو جھٹلایا جاتا تھا۔ اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں میں زیادہ تر توحید و رسالت اور بعث بعد الموت کے دلائل دئے گئے ہیں۔

۴ تا ۷۔ **خافضةٌ۔ الخفض** ، **رفع** کی ضد ہے ۔ **خافضةٌ** پست کرنے والی **رجًا**۔ **رجّ** کے معنی کسی چیز کو ہلانا اور اسے اضطراب یعنی لرزہ میں کر دینا ہے ۔**بسًا** کے معنی ایک چیز کو ریزہ ریزہ کردینا یا پیس ڈالنا کے ہیں۔ **هبآءً** ۔غبار۔گرد۔ **منبثًا۔ بثّ** کے معنی کسی چیز کو متفرق اور پراگندہ کرنا کے ہیں۔

اب اس ہولناک گھڑی کی تفصیل بتلائی کہ یہ گھڑی بعض معزز سمجھے جانے والوں کو پست اور بعض کمزور اور مظلوم لوگوں کو جو ذلیل سمجھے جاتے تھے بلند اور معزز کرنے والی ہوگی۔ ایسا اوّل فتح مکہ کے موقع پر ہوا جب ایک غلام زادہ اسامہ بن زیدؓ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف بنا، ایک فاتح کی صورت مکہ میں داخل ہوا۔(بخاری کتاب الجہاد۔ بروایت عبداللہ بن عمرؓ)

ثُلَّةٌ ﴿٨﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٩﴾ وَ
تین بس (ایک) دائیں طرف والے ہیں کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے اور
اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿١٠﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ
(دوسرے) بائیں طرف والے ہیں کیا ہی برے ہیں بائیں طرف والے اور ہمیشہ سے آگے نکلنے والے ہیں

جب اکڑی گردنوں والے متکبر سرداران مکہ منہ چھپائے پھرتے تھے اور بلالؓ کے جھنڈے تلے پناہ ڈھونڈ رہے تھے۔ پھر یہ پیشگوئی قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتیں فتح ہونے پر بڑی شان سے پوری ہوئی جب عرب کے بدو معزز و مشرف اور دشمن پست و ذلیل ہوئے۔ یہ پیشگوئی باربار پوری ہوئی مگر خاص طور پر آخری ایٹمی جنگ میں پوری ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی جنگوں کی نسبت خبر دی گئی جب زمین ہلادی جائے گی اور پہاڑوں جیسی عظیم طاقتیں جو اسلام کی راہ میں حائل ہوں گی ریزہ ریزہ کر دی جائیں گی اور وہ پراگندہ خاک کی طرح ہوجائیں گی ایٹمی جنگ میں ظاہری طور پر بھی ایسا ہی ہوگا۔ بالآخر قیامت کو یہ سارا نقشہ پیش ہوگا۔

۸ تا ۱۵۔ **ازواجا ثلٰثۃ**۔ زوج کا لفظ نر اور مادہ دونوں پر اطلاق پاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ زوج ہیں۔ قسم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مختلف انواع مراد ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ یہاں گروہ مراد ہیں۔ تین گروہ۔ میمنۃ اور یمن کے ایک ہی معنی ہیں۔ یمن کے اصل معنی دائیں ہاتھ یا دائیں جانب کے ہیں۔ برکت کے معنی میں آتا ہے۔ مشئمۃ اور شؤم کے ایک ہی معنی ہیں۔ یہ یمن کی ضد ہے۔ بائیں جانب۔ نحوست کے معنی میں آتا ہے۔ **ثُلّۃ** ۔ **ثَلّۃ** بھیڑ بکریوں کا گروہ ہے جبکہ **ثُلّۃ** انسانوں کا گروہ۔

دنیا میں بھی لوگ تین گروہوں میں بٹے ہوتے ہیں مگر قیامت میں ان کی تقسیم کھلی کھلی نظر آئے گی۔ فرمایا دائیں ہاتھ والے سوکیا ہی برکت والے ہیں دائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے۔ سوکیا ہی بدبخت ہیں بائیں ہاتھ والے اور آگے نکلنے والے آگے ہی ہیں۔ یہ سب پر سبقت لے جانے والے ہوں گے۔ یہ مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے۔ ان میں پہلوں میں سے ایک بڑی جماعت ہوگی اور ان میں پچھلوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔ یہ مقربین بارگاہ الٰہی کا گروہ ہوگا ان میں انبیاء اولیاء شہداء، صدیقین اور کامل صالحین و متقین ہوں گے جو کلیۃً اپنے ربّ کے رنگ میں رنگے گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ شروع میں ایمان لائے، انہوں نے دین کی راہ میں بڑے دکھ اٹھائے۔ بعد میں آنے والے عام طور پر ان کی قربانیوں کے معیار کو نہیں پہنچ سکے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

السّٰبِقُوْنَ ﴿١١﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١٢﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٣﴾
آگے ہی ہیں (سب سے) یہی لوگ مقرب ہوں گے باغات میں نعمت کے
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٤﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٥﴾ عَلٰى سُرُرٍ
ایک جماعت ہے پہلوں میں سے اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے تختوں پر جو

میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہنا نہ ان کے کسی اقدام پر تنقید کرنا۔ خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کروتو بھی تمہیں اتنا ثواب و اجر نہیں ملے گا جتنا انہیں ایک مد یا اس کے نصف کے برابر خرچ کرنے پر ملا تھا۔ (ابن ماجہ باب فضل اھل بدر صفحہ ۱۵) تاہم بعد میں آنے والوں میں بھی ایک قلیل تعداد اس مقام تک ضرور پہنچی۔ اس سے ظاہر ہے کہ سابقین مقربین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کثیر تعداد میں تھے۔ جب اسلام پر زوال کا دور آیا جیسا کہ بے شمار احادیث میں اسلام کے زوال کا نقشہ بیان ہوا، ان آخرین میں مقربین کی تعداد رہی تو ضرور مگر بہت کم۔ اسلام اپنے رہبروں سے کبھی بھی کلیۃً محروم نہیں رہا تآنکہ مسیح موعودؑ کا زمانہ آ گیا۔ اسلام کے اس دوسرے دور میں بھی اولین میں سابقین مقربین کثیر تعداد میں تھے۔ قرآن کریم نے انہیں صحابہؓ سے ملایا ہے اور فرمایا یہ اعزاز ایک فضل ہے اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے وہ بہت فضل اور احسان کرنے والا ہے۔ (سورۃ الجمعۃ آیت ۴-۵) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا حال بارش کی مانند ہے جس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اوّل اچھا ہے یا آخر۔ (ترمذی) اسی کی تائید میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میری امت ایک مبارک امت ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکے گا کہ اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر۔ (جامع الصغیر صفحہ ۵۴ مصری۔ کنزالعمال صفحہ ۷/۲۰۲)

پس قیامت کے روز **سابقون المقربون** میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے صحابہ، شہداء، اولیاء صدیقین اور صالحین کی ایک کثیر تعداد ہوگی۔ نیز تمام انبیاء ان کے شہداء و اولیاء بھی کثیر تعداد میں ان میں شامل ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی امتوں کے آخرین میں مقربین کی تعداد کم ہوگی۔ گویا ان میں ایک قلیل تعداد اولین کے مقام کو حاصل کرنے والی ہوگی۔ تاہم جنت میں امت محمدیہ کی تعداد سب امتوں سے زیادہ ہوگی۔ ترمذی میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کل ایک سو بیس (۱۲۰) صفوں میں ہوں گے جن میں سے اسی (۸۰) صفیں اس امت کی ہوں گی اور باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں شریک ہوں گی۔

مَّوْضُوْنَةٍ (١٦) مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ (١٧) يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ
سونے کے بنے ہوئے ہونگے۔ تکیہ لگائے ہوئے ہونگے ان پر آمنے سامنے پھیریں گے گرد ان کے

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (١٨) بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ
لڑکے (خادم) ہمیشہ رہنے والے (نیکی پر) آبخورے اور آفتابے اور پیالے لے کر

مِّنْ مَّعِيْنٍ (١٩) لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (٢٠) وَ
مصفا پانی کے نہ سر دُکھائے جائیں گے اس سے اور نہ بکواس کریں گے وہ اور

فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ (٢١) وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (٢٢)
پھل لے کر جنہیں وہ پسند کریں گے اور گوشت پرندوں کا جو وہ چاہیں گے

وَحُوْرٌ عِيْنٌ (٢٣) كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (٢٤) جَزَآءًۢ بِمَا
اور گوری موٹی آنکھوں والی عورتیں ہونگی مانند موتیوں چھپائے ہوؤں کے (یعنی پاکباز)۔ بدلہ کے طور پر اس کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٢٥) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا (٢٦)
جو وہ تھے عمل کرتے نہ سنیں گے وہ اس میں بیہودہ اور نہ گناہ کی باتیں

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (٢٧) وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
سوائے قول سلام سلام کے اور داہنی طرف والے کیا ہی اچھے ہیں

۱۶ تا ۲۷۔ **موضونة**۔(**وضن**) جواہر سے جڑی ہوئی۔ مرصع۔ اس کے ایک معنی **مصفوفة** بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی قطاروں میں بچھائے ہوئے۔ **ولدانٌ** کو سورۃ الطور آیت ۲۵ **غلمان** کہا گیا وہیں پر تشریح دیکھئے۔ **مخلدون**۔(**خلد**) ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے۔ **اکواب۔ کُوب** واحد۔ کوزے۔ کٹورے۔ جس میں دستہ اور ٹونٹی نہیں ہوتی۔ **اباریق۔ ابریق** واحد جس میں دستہ اور ٹونٹی ہو۔ صراحیاں۔ **کاس**۔ وہ پیالہ جو شراب سے بھرا ہوا ہو۔ مراد پیالہ۔ **معین**۔ چشمہ۔ آب رواں۔ شفاف پانی۔ **یصدعون۔ صدع** شراب خوری کے نتیجہ میں سردرد۔ **ینزفون۔ ینزف** شراب خوری سے بہکنا۔ **یتخیرون**۔ خیر وہ ہے جو سب کو مرغوب ہو۔ **یتخیرون**۔ وہ پسند کرتے ہیں۔ **مکنون** چھپائے ہوئے۔ محفوظ۔ **حور** کی تشریح۔ (سورۃ دخان: ۵۵۔ طور: ۳۱۔ رحمٰن ۵۷ میں گزر چکی ہے۔ استفادہ فرمائیے)

سابقین الاولین کے لئے جنت کی تمام نعمتوں میں تمثیلاً دنیا کی ان اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کا نقشہ پیش کیا جن کا انسان تصور کرسکتا ہے۔ دنیا میں انسان کو عمدہ رہائش گاہیں، خوبصورت اور قیمتی قالین، شاہانہ چھپرکھٹ، نرم اور گداز ریشمی بستر مرغوب ہیں۔ قرآن کریم نے جنت کی نعماء میں ان سب کا ذکر کیا۔ جنت کی نعمتوں میں ایسے نوعمر لڑکوں کا بھی ذکر کیا جو کٹورے، صراحیاں اور شفاف پانی کے بھرے ہوئے پیالے لئے طواف کررہے ہوں گے اور جنتیوں کو ایسے مشروبات پیش

الْيَمِيْنِ (٢٨) فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (٢٩) وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ (٣٠) وَّظِلٍّ
داہنی طرف والے بیریوں میں بے کانٹے کے اور کیلے تہ بتہ اور سائے

مَّمْدُوْدٍ (٣١) وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ (٣٢) وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ (٣٣) لَّا
پھیلے ہوئے اور پانی بہتے ہوئے اور میووں بافراط میں ہونگے (جو) نہ

مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (٣٤) وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (٣٥) اِنَّآ
ختم کئے جانیوالے ہونگے اور نہ روکے جانے والے اور (ہونگے) بیویوں میں اعلیٰ درجہ کی یقیناً

اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً (٣٦) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (٣٧) عُرُبًا اَتْرَابًا (٣٨)
ہم نے پیدا کیا انکو (اعلیٰ درجہ کا) پیدا کرنا پھر بنایا ہم نے ان کو کنواریاں من موہن ہم عمر

کریں گے جن کو پی کر دنیا کی شراب کی طرح نہ تو سرگرانی ہوگی اور نہ عقل میں فتور آئے گا۔ یہ لڑکے ان جنتیوں کے من پسند، انواع و اقسام کے پھل اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہوگا، پیش کریں گے۔ **ولدان مخلدون** اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہوگی جو خاص سابقون الاولین کے لئے ہوگی۔ انسانی فطرت ہے کہ اسے حُسن اور حسین مناظر راحت و سرور پہنچاتے ہیں جنت میں ان کا بھی تمثیلاً ذکر ہے اور جنتیوں کے لئے خوبصورت آنکھوں اور گورے رنگ والی دوشیزاؤں کا ذکر فرمایا جن کی چمک دمک اور خوبصورتی کو ڈھکے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی اس لئے کہ ڈھکے ہوئے موتیوں کی آب و تاب ماند نہیں پڑتی نیز ڈھکے ہونے میں ان کے پاکیزہ اور محفوظ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ فرمایا یہ سارے انعامات ان کے اعمال حسنہ کے بہترین نتائج کے طور پر ہیں۔ انسانی کان لغویات پسند نہیں کرتے اس لئے جنت کی نعماء میں یہ بھی ہے کہ وہ بیہودہ گوئی اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے بلکہ انہیں ہر طرف سے سلامتی کی صدائیں آئیں گی گویا بیہودہ گوئی اور گناہ کی باتیں کبھی بھی سکون و سلامتی کا موجب نہیں ہوتیں۔

۲۸ تا ۳۸۔ **سدر۔ سدرة** واحد۔ بیریاں۔ **مخضود**۔ وہ درخت جو کانٹے دار نہیں۔ عرب کے بعض علاقوں میں بغیر کانٹوں کی بیریاں ہیں جن کے پھل نہایت لذیذ ہوتے ہیں۔ **طلح۔ طلحةٌ** واحد۔ **طلح** کیلے کے درخت۔ کیلے۔ **منضود** تہ بہ تہ۔ **ممدود**۔ مد سے ہے۔ لمبا کیا ہوا۔ دراز۔ **مسکوب**۔ **سکب الماء** کے معنی ہیں پانی بہایا۔ **ماءٍ مسکوب**۔ بہایا یا گرایا ہوا پانی۔ **نشاء۔ نشاۃ** اور **انشاءٌ** پیدا کرنا ہے۔ **انشأنا** ہم نے پیدا کیا۔ **ابکارا**۔ بکر واحد۔ کنواریاں۔ **عُرُبًا۔ عُربَ، عروبة** کی جمع ہے۔ وہ عورت جو شوہر کی عاشق اور اس کی من پسند محبوبہ ہو۔ من موہن۔ **اترابًا**۔ تراب سے ہے جس کے معنی مٹی کے ہیں۔ گویا مٹی میں ساتھ کھیلے ہوئے۔ ہمجولی۔ ہم عمر ساتھی۔

لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ ع ۱۴

واسطے دائیں طرف والوں کے ایک جماعت ہے پہلوں میں سے اور ایک جماعت ہے

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾

پچھلوں میں سے اور بائیں طرف والے کیا ہی بُرے ہیں بائیں طرف والے

بیشک جنت کی نعمتیں استعارةً بیان فرمائیں ۔ہم دنیا میں ان کا تصور نہیں کر سکتے ۔ان میں صرف نام کی مماثلت ہے تا کہ ہمارے لئے سمجھنے میں آسانی ہو۔**سابقین الاولین** کے لئے جنت کی جن نعمتوں کا ذکر فرمایا وہ دنیا میں شاہنشاہوں یا اُمراء و وزراء سے خاص ہیں جیسے قیمتی اور خوبصورت قالین، ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے چھپر کھٹ ، نہایت قیمتی بچھونے ، **حور و غلمان** ، بہترین اشیائے خورد و نوش وغیرہ۔ان کے مقابلہ میں **اصحاب یمین** کے لئے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا وہ عام طور پر اہل دیہات یا بادیہ نشینوں میں متمول لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں اور ان کے لئے لطف و راحت کا موجب ہوتی ہیں۔ (روح المعانی) دراصل **سابقین الاولین** کی روحانی ترقی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اس لئے ان کے لئے اعلیٰ ترین اجر کا ذکر فرمایا چونکہ **اصحاب الیمین** کی روحانی ترقی اس مقام کو نہیں پہنچی اس لئے ان کے لئے ان کے اعمال کے مطابق اجر کا ذکر کیا۔ان میں مومنین ،متقین اور اولیاء اللہ ہوں گے اور وہ خوش نصیب جو محض اپنے ربّ کے فضل سے بخشے جائیں گے اور وہ جو انبیاء اولیاء اور خاص طور پر شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ان پر ان کے ربّ کے بے حد و حساب انعامات ہوں گے۔احادیث میں ان کی فضیلت کا تفصیلاً ذکر ہے۔فرمایا داہنے ہاتھ والوں کی بھی کیا شان ہے۔وہ اپنے ربّ کے حضور معزز و مکرم ہیں۔وہ ایسے باغات میں رہیں گے جن میں بے کانٹوں کی بیریاں ہوں گی۔ اس لئے کہ جنت میں کسی قسم کی تکلیف کا تصور نہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ جنت کے کسی پھل یا دیگر نعماء کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔یہاں **سدرة** کا ذکر فرمایا۔ بیری کا پھل خوش ذائقہ اور کسی حد تک مفید بھی ہے لیکن اس کا شمار بہترین پھلوں میں نہیں کیا جاتا اس کی لکڑی بھی زیادہ کارآمد نہیں۔بیری کی پتیوں میں خوشبو تو نہیں ہوتی مگر طبعی اہمیت رکھتی ہیں اور جلد کو صاف کرنے میں مددگار ہوتی ہیں۔اس میں جراثیم کش (Antiseptic) مادہ ہے احادیث میں جنازہ کو غسل دینے کے لئے گرم پانی میں بیری کی پتیاں ملانے کا ارشاد ہے۔ جس طرح دنیا میں Antiseptic ہے وہاں بھی گناہوں کو صاف کرنے کا موجب ہوگا۔

قرآن کریم میں چار مقامات پر **سدرة** کے درخت کا ذکر ہے مگر کہیں بھی اس کے پھل کا

ذکر نہیں گویا **سدرة** کے درخت کی اہمیت اور اس کی شان و شوکت کا بیان ہے دراصل یہ **الآز** رہے جسے قدیم زمانہ میں سدر کہا جاتا تھا۔ احادیث میں اسے ایک شاندار اور پر وقار درخت بتایا گیا ہے اور اسے کاٹنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔اگر اس پر عمل نہ ہوتا تو آج یہ درخت عرب میں ناپید ہوتا۔بعض محققین کی رائے میں سدرة سے مراد یونانی یا رومی سدرس ہے جسے زمانہ قدیم میں **سدر** Cedar کہا گیا پھر عربی زبان میں کچھ دوسرے درختوں جیسے بیری وغیرہ کو بھی **سدر** کہا جانے لگا۔ جب کہ اسے عربی میں **الآز** کہتے ہیں۔ اس کا اصل مقام لبنان شام اور فلسطین ہے۔ وہاں سے عرب میں آیا۔یہ درخت اپنے جاہ و جلال ، قد و قامت ،خوبصورتی نیز خوشبودار اور اعلیٰ لکڑی کی بنا پر عرب میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں حسین ترین درخت مانا جاتا ہے۔یہ درخت عام طور پر ۱۵۰ فٹ تک بلند ہوتا ہے۔ اس کے تنے کا قطر آٹھ فٹ ہوتا ہے۔چنانچہ اس کی گولائی چالیس فٹ تک ہوتی ہے۔اس کی گہری سبز پتیوں کی شاخیں نیچے سے اوپر تک ایک ہی انداز سے لٹکی ہوئی Pyramid کی شکل پیش کرتی ہیں اور دھوپ میں ایک خاص چمک پیدا کرتی ہیں۔مشرقی علوم کے مشہور جرمن پروفیسر Moldeke نے لکھا ہے کہ اس درخت یا اس کے جنگلات کے قریب کھڑے ہو کر انسان محو حیرت ہو جاتا ہے اور اس کے جاہ وجلال کا رعب بھلا پانا دشوار ہو جاتا ہے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے اپنی عبادت گاہیں اور محلات اسی لکڑی سے بنوائے تھے ۔ سدر کی لکڑی میں خوشبو اور چمک ہوتی ہے۔اس سے بنی ہوئی عبادت گاہیں نہایت معطر اور صاف ستھری رہتی ہیں اور تقریباً چار سو سال تک ان پر موسم کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔فرمایا جنتی تہ بہ تہ کیلوں کے گچھوں والے باغات اور دور تک پھیلے ہوئے سایوں اور بہتے ہوئے پانیوں اور بکثرت پھلوں والے باغات میں ہوں گے۔ جن کا پھل کبھی ختم نہیں ہوگا اور نہ ان سے روکا جائے گا گویا جنتیوں کی ملکیت میں ہوں گے۔یہاں پھلوں میں خاص طور پر کیلے کا ذکر کیا۔ کیلا اپنی افادیت کی وجہ سے اعلیٰ ترین پھلوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے کھانے سے کیلشیم اور فاسفیٹ پیدا ہوتا ہے جو جسمانی دفاع کے لئے ضروری ہے اس میں خاص طور پر وٹامن E پایا جاتا ہے جو بہت کم پھلوں میں ہوتا ہے۔یہ پھل بوڑھوں ، بچوں اور ہر عمر کے لوگوں کے لئے قریباً مکمل غذا ہے اور ان کی غذایت کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔کیلے میں پوٹاشیم زیادہ ہوتا ہے۔اعصاب کی کارکردگی کے لئے یہ معدن نہایت اہم ہے۔ اس کی کمی سے اضمحال پیدا ہوتا ہے جو بے خوابی کا باعث ہوتا ہے۔اس کیمیائی مادے سے ذہنی سکون ملتا ہے۔کیلے میں امینوایسڈ بھی ہوتا ہے۔کیلا قدرت کی ایسی نعمت ہے جو حیاتین ب ۶ ریشے اور نشاستے سے بھرپور ہے۔نیز معدے کی اندرونی سطح کو تیزابیت سے محفوظ رکھتا ہے۔ متشرقین اعتراض

کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے انہی پھلوں کا ذکر کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھے اور پسند کئے۔اس آیت میں قرآن کریم کیلے کا ذکر کرتا ہے۔حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کیلا کھانے یا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ممکن ہے ہندوستان سے آنے والے مسافروں سے اس کا نام عرب میں پہنچا ہو۔قرآن کریم میں کیلے کے ذکر سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم اور خواہش کے مطابق بات نہیں کرتے تھے بلکہ وحی الٰہی کے مطابق بات کہتے تھے۔

کیلا ہندوستان کی بڑی پیداوار ہے تمام دنیا میں امراء و غرباء کا پسندیدہ پھل ہے۔اس کا تنا، پتے، چھلکا سب کار آمد ہیں۔پتوں سے ٹوکریاں اور بیگ بنتے ہیں۔چھلکا کاغذ بنانے کے کام آتا ہے۔چھلکے کی راکھ سانپ کے کاٹے کا تریاق ہے۔ یہ کلر والی زمین کا علاج بھی ہے۔

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ کیلا ساتویں صدی میں ہندوستان سے فلسطین اور مصر لے جا کر لگایا گیا۔پھر افریقہ کے مشرقی ساحل تک پہنچا۔سولھویں صدی تک افریقہ کے وسط تک پہنچا۔فرمایا ان کے لئے اونچی بچھائی ہوئی مسندیں ہوں گی۔بعض مفسرین نے اس جگہ فراش سے مراد عورت کو قرار دیا ہے کیونکہ عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔خاص طور پر اگلی آیات میں جو جنتی عورتوں کی صفات مذکور ہیں وہ بھی اس معنی کا قرینہ ہیں کہ وہ بلند مرتبہ بیویوں کے ساتھ ہوں گے۔اب ان کی جنت کی ساتھی دوشیزاؤں کا ذکر کیا کہ ہم ان کو ایک نئی تخلیق میں اٹھا کھڑا کریں گے اس طرح کہ وہ کنواریاں ہوں گی۔وہ محبت کرنے والیاں ہم عمر ساتھی ہوں گی۔طبرانی میں حضرت ام سلمہؓ کی ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے جنت کی عورتوں کے متعلق قرآن کریم کے مختلف مقامات کا مطلب حضور ﷺ سے دریافت فرمایا۔اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔ ”یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا کی زندگی میں فوت ہوئیں۔بوڑھی کھوسٹ، آنکھوں میں کیچ، سر کے بال سفید۔اس بڑھاپے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر سے باکرہ پیدا کرے گا۔“ حضرت ام سلمہؓ نے دریافت فرمایا۔اگر کسی عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہ چکے ہوں اور وہ سب جنت میں جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ملے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔”اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جسے چاہے چن لے۔ اور وہ اس شخص کو چنے گی جو اِن میں سے زیادہ اچھے اخلاق کا تھا۔وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گی کہ اے ربّ! اس کا سلوک میرے ساتھ سب سے اچھا تھا اس لئے مجھے اس کی بیوی بنا دے۔اے ام سلمہؓ حسنِ اخلاق دنیا اور آخرت کی ساری بھلائی لوٹ لے گیا ہے۔“ **اصحاب الیمین** یوم حساب کو ربّ العزت کے دائیں جانب ہوں گے ان کے اعمالنامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔یہ خوش نصیب اولین میں بھی گروہ کثیر میں ہوں گے اور آخرین میں بھی گروہ کثیر میں ہوں گے۔

فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا

گرم ہوا اور کھولتے پانی میں ہونگے اور سایہ میں ہونگے کالے دھوئیں کے (جو) نہ ٹھنڈا (ہوگا) اور نہ

كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا

آرام دہ یقیناً وہ تھے پہلے اس سے آسودہ حال اور تھے وہ

يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ

اصرار کرتے گناہ بڑے پر اور تھے وہ کہا کرتے

اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾

کیا جب مر جائینگے ہم اور ہو جائیں گے ہم مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

یا باپ دادا ہمارے پہلے بھی تو کہہ دے یقیناً پہلے اور پچھلے

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

ضرور اکٹھے کئے جائیں گے وقت مقررہ پر دن مقرر کے پھر یقیناً تم

۴۲ تا ۵۱۔ **سموم** ۔جھلسانے والی گرم ہوا۔لُو۔ **حمیم** ۔کھولتا ہوا گرم پانی۔ اسی سے حمام ہے۔ **یحموم** اور **حمیم** کا مادہ ایک ہی ہے۔دھؤاں جو سخت سیاہ ہو۔ **مترفین** ۔آسودہ حال۔ **حنث** ۔گناہ۔ **میقات** ۔کسی شے کے مقررہ وقت یا اس وعدہ کے ہیں جس کے لئے کوئی وقت متعین کیا گیا ہو۔

اب بائیں جانب والوں کے عذاب و عقاب کا حال اجمالاً بیان فرمایا۔ یہ وہ بد بخت ہوں گے جو ربّ العزت کے بائیں جانب ہوں گے۔ان کے اعمالنامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ فرمایا ان کی بدنصیبی کا مت پوچھ۔وہ ایسے مقامات پر ہوں گے جہاں جھلسا دینے والی لُو اور کھولتا ہوا پانی ہوگا۔اور ایسے سائے میں ہوں گے جو سیاہ دھوئیں سے پیدا ہوتا ہے۔جس میں نہ کوئی ٹھنڈک ہوگی نہ آرام۔سائے میں انسان کو ٹھنڈک اور آرام کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ ایسا سایہ ہوگا جس میں دونوں کی نفی ہوگی۔ اس سزا کی وجہ یہ بتلائی کہ وہ دنیا میں بہت آسودہ حال تھے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فراوانی تھی۔ مگر انہیں کبھی دینے والے کا خیال آیا اور نہ اس کے محروم اور دکھی بندوں کا۔ بلکہ انہوں نے اپنی دولت کو بڑے بڑے گناہوں کا ذریعہ بنایا۔ بیشک معمولی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ صرف نظر فرماتا ہے مگر وہ بڑے بڑے گناہوں پر مصر رہے۔مصر ہونا یہ تھا کہ بار بار متنبہ کرنے اور سمجھانے کے باوجود وہ اپنی مجرمانہ روش زندگی پر بڑے اصرار سے جمے رہے اور اسے چھوڑنے کو ہرگز تیار نہ ہوئے۔یہ سارا نقشہ آج کے زمانہ میں خاص طور پر ان قوموں پر اطلاق پاتا ہے جو دنیا کے بیشتر مالی وسائل پر قابض ہیں۔ان

اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝۵۲ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ
اے گمراہو جھٹلانے والے ہو البتہ کھانے والے ہو . درخت
زَقُّوْمٍ ۝۵۳ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۵۴ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ
تھوہر کا پھر بھرنے والے ہو اس سے پیٹوں کو پھر پینے والے ہو اس پر سے
مِنَ الْحَمِيْمِ ۝۵۵ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝۵۶ هٰذَا نُزُلُهُمْ
گرم پانی پھر پینے والے ہو پینا پیاس کے بیمار اونٹ کا یہ مہمانی (ہوگی) انکی
يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۵۷ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝۵۸
دن جزا،سزا کے ہم نے پیدا کیا تم کو پھر کیوں نہیں تم سچ سمجھتے

کے گناہوں کی بنیادی وجہ ان کا یوم بعث کو جھٹلانا تھا۔جسے اس دن کا یقین نہ ہو اسے اپنے اعمال کی فکر کیونکر ہوسکتی ہے۔وہ تو ایسے متکبر تھے کہ کسی کے سامنے خواہ وہ ان کا ربّ ہی کیوں نہ ہو جوابدہی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔وہ کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مر کر مٹی ہوجائیں اور ہڈیاں رہ جائیں تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے؟نہ صرف ہم بلکہ ہمارے باپ دادا بھی ؟اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بتلادیجئے کہ تم اور تمہارے آباء و اجداد ہی نہیں بلکہ تمام اولین و آخرین ایک مقررہ دن کے متعین وقت پر ضرور اکٹھے کئے جائیں گے ۔

۵۲ تا ۵۷۔ **ھیم**۔ پیاسا اونٹ ۔پیاسا آدمی۔

پہلے اہل جنت کے اعلیٰ ترین مشروبات ، انواع و اقسام کے بہترین کھانوں اور دیگر نعماء جنت کا ذکر کیا ۔اب بائیں طرف والے جہنمیوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے سخت گمراہو اور بہت جھٹلانے والو! تمہارے پیٹ بھرنے کے لئے تھوہر کے درخت کے پھل ہیں ۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ۔’’جب میں جوان تھا مجھے طبّ کا بھی شوق تھا۔ایک شخص میرے پاس آتشک زدہ آیا۔ مجھے خیال آیا کہ جَو بھون کر اس میں تھوہڑ کا دودھ جذب کرکے گولیاں بنائیں ۔میں نے طعام الاثیم (یعنی گنہگاروں کی غذا) سمجھ کر اس کو وہ گولیاں دیں۔ اس نے اس کو بہت گھبرایا اور کہنے لگا۔میرے اندر تو آگ لگ گئی ہے۔پانی دو پھر میں نے (اس آیت کا خیال کرکے) گرم پانی چند گھونٹ پلادیا۔اس کو قے اور دست شروع ہوگئے۔مگر آتشک اچھا ہوگیا۔‘‘ (بدر ۱۵ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۷)تھوہر کے پودے دنیا کے تقریباً ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں تھوہر Cactus سے ملتے جلتے ضرور ہیں لیکن ان کا تعلق اس پودے سے نہیں۔سبھی تھوہڑ ڈراؤنے اور دہشتناک ہوتے ہیں لیکن مراکش کا تھوہڑ واقعی شیطان کے سر کا تصور پیش کرتا ہے ۔جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں اس کا نقشہ پیش کیا گیا ہے ۔یہ ایک نہایت تلخ، خاردار اور زہریلا پودا ہے اور تیل کی تلچھٹ کا مزہ دیتا

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝۵۹ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ
پھر بتاؤ تو سہی جو تم نطفہ ڈالتے ہو کیا تم پیدا کرتے ہو اس کو یا ہم
الْخٰلِقُوْنَ ۝۶۰ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ
پیدا کرنیوالے ہیں ہم نے مقرر کر رکھی ہے درمیان تمہارے موت اور نہیں ہم

ہے۔اگر کھایا جائے تو پیٹ میں سخت جلن اور شدید بے چینی پیدا ہوتی ہے جیسے پانی جوش کررہا ہو۔ بہت سا پانی پینے سے اس کا اثر کم ہوجاتا ہے ۔زیادہ مقدار موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔زقوم کو جہنمی لوگوں کی غذا کہنا ہر اعتبار سے انتہائی عبرت انگیز ہے ۔اس کے دودھ کا چھینٹا غلطی سے آنکھ میں پڑجائے تو انسان اندھے پن کا شکار ہوجاتا ہے۔ جسم پر لگنے سے شدید جلن ہوتی ہے ۔حالیہ تحقیق سے اس بات کا بھی علم ہوا ہے کہ بعض تھوہر کے پودے انسانی جسم میں کینسر پیدا کرتے ہیں ان کو گھروں میں رکھنا خاص طور پر بچوں کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے یہ پودے بڑے سخت جان ہیں صحراؤں کی شدید گرمی میں بھی ہرے بھرے دکھائی دیتے ہیں ۔اس ضمن میں ایک سائنس دان نے ایک تلخ حقیقت اور سچائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر انسان مادی ترقی کرتا ہوا موجودہ تیزی سے تباہی وبربادی کی جانب گامزن رہا تو کچھ دیر نہیں ہے کہ کیمیاوی اور نیوکلیائی جنگوں کے بعد سرزمین ایک دوزخ کی مانند ہوجائے اس وقت ہریالی کے نام پر اگر کچھ بچ رہے گا تو وہ ہوں گے تھوہر کے درخت یعنی شجر ملعونہ یعنی زقوم!

غرض اے بدبختو! تم تھوہر کے درخت سے پیٹ بھروگے۔ پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی سے پیاس بجھاؤگے اور تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پیتے چلے جاؤگے۔ جزا وسزا کے دن جب جنتیوں کی تواضع جنتی میووں اور دیگر نعماء جنت سے کی جائے گی۔ان بدبختوں کے لئے یہی سامان ضیافت ہوگا۔یعنی تھوہر کا پھل اور کھولتا ہوا پانی۔

۵۸ تا ۶۰۔ یوم آخر کے تفصیلی ذکر کے بعد اب توحید اور بعث بعد الموت کی دلیل میں چار ایسے حقائق بیان فرمائے جن میں سے ہر ایک پکار پکار کر اللہ تعالیٰ کی لامتناہی قدرتوں کو بیان کرتا ہے اور ہر دیدہ بینا کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔اوّل اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق میں محض اس قطرہ حقیر کی طرف توجہ دلائی جس سے انسان کی پیدائش کا آغاز ہوا ۔کیا انسان اسے بنانے پر قادر ہے ؟ اس ایک قطرہ پر دفتر لکھے جاچکے ہیں مگر انسان اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکا بلکہ ہنوز طفل مکتب ہے۔ اس قطرے کا ایک خوردبینی کیڑا رحم میں نسوانی انڈے سے ملتا ہے جو اسی کی طرح کا خوردبینی وجود ہوتا ہے ۔پھر ان دونوں کے ملنے سے ایک زندہ خلیہ (Cell) وجود میں آتا ہے جو حیات کا نقطہ آغاز

ہے۔کیا اس سارے عمل میں یابعد کے پیچیدہ اور باریک در باریک عمل میں انسان کا دخل ہے؟ پھر اس زندہ خلیہ سے ایک سے دو ،دو سے چار اور چار سے آٹھ خلیئے بنتے چلے جاتے ہیں۔اور جسم کے ہر عضو کے لئے الگ الگ قسم کے خلیئے مصروف عمل ہوجاتے ہیں اور بدن کی تشکیل میں لگ جاتے ہیں۔بعض خلیے کان ، بعض آنکھ ،بعض ناک اور بعض دیگر اعضا دل اور دماغ وغیرہ بناتے ہیں ہر خلیہ (Cell) کے DNA میں ایک کمپیوٹرائزڈ (Computerized) پروگرام ہے جو خالق و مالک کی قدرت وحکمت کا ایک لاجواب شاہکار ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تابع عمل ہوتا ہے کیا ان جنیاتی صلاحیتوں کے بنانے میں تمہارا کوئی عمل دخل ہے یا اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و حکمت سے وجود میں آئیں۔انسان کا بچہ رحم مادر میں ان تمام ادوار سے گزرتا ہے جن سے زندگی کو آغازِ آفرینش میں گزرنا پڑا گویا رحم کے اندر جنین کی مختلف صورتیں ایک ارب سال کے انسانی ارتقا کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔رحمٰن :١٥ کی تشریح میں بتلایا کہ حیات کا آغاز سمندر سے ہوا۔رحم مادر میں بالکل وہی عناصر موجود ہیں جو سمندر میں ملتے ہیں اور درجہ حرارت بھی ویسا ہی ہے ماہرین تولید نے ہزارہا تجارب و مشاہدات کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا کہ جس طرح آغاز میں زندگی مختلف مدارج سے ہوتی ہوئی منزل انسانیت تک پہنچی تھی اسی طرح کا ایک حیرت انگیز سلسلہ ماں کے پیٹ میں بھی کارفرما ہے۔تخلیق کا آغاز رحم مادر میں پانی سے ہوتا ہے۔نطفہ چند مدارج سے گزرکر جونک کی سی شکل اختیار کرلیتا ہے ۔پھر پرندوں کی طرح چونچ سی نظر آنے لگتی ہے۔اس کے بعد چوپایوں کی سی صورت اختیار کرتا ہے۔چوتھے مہینے میں سر اور بازو کے ہمراہ ایک چھوٹی سی دم نکلتی ہے جو پانچویں مہینے میں غائب ہوجاتی ہے۔اس کا نشان اب بھی موجود ہے۔چھٹے ماہ میں نر و مادہ کی تمیز ہوتی ہے۔آٹھویں میں آنکھیں کھلتی ہیں اور بچہ آنکھیں جھپکتا ہے بلکہ کبھی انگوٹھا بھی چوستا ہے۔سر پر بال اگ آتے ہیں اور بچے کو ماں کی کیفیات اور باہر کی آوازیں متاثر کرتی ہیں۔ پھر قریباً نو ماہ بعد خدا کے فضل اور احسان سے ایک صحیح و سالم بچے کی صورت پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ابتدائے افرینش میں حیات کا آغاز پانی سے ہوا۔پھرایک عرصہ دراز کے بعد رینگنے والے کیڑے اور جونکیں وغیرہ پیدا ہوئیں پھر پرندے وجود میں آئے۔اس کے بعد چوپایوں کی قسم کے جانور پیدا ہوئے۔ آخر میں حضرت انسان کی باری آئی جو وجہِ تخلیقِ کائنات تھا اور اسے احسن تقویم میں پیدا کیا تا اپنے خالق کو پہچانے اور اس کا عرفان حاصل کرے۔**فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین۔**

٦١ تا ٦٣ ۔ **مسبوقین۔سبق** ۔آگے بڑھ جانا ہے۔ **مسبوقین۔ سبقت** کئے گئے یعنی جن پر سبقت کی گئی ہو۔ پیچھے رہنے والے۔ مراد عاجز۔

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ

ہرگز عاجز اس بات سے کہ بدل کر لائیں ہم مانند تمہاری اور پیدا کریں تم کو

فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ

اس میں جو نہیں جانتے تم اور یقیناً جان لی تم نے پیدائش پہلی پھر کیوں

لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ

نہیں نصیحت پکڑتے تم بھلا بتاؤ تو سہی جو تم بوتے ہو کیا تم

تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ

اگاتے ہو اسے یا ہم اُگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو ہم کردیں اس کو

حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ

ریزہ ریزہ پھر رہ جاؤ تم باتیں بناتے کہ یقیناً ہم تاوان ڈالے گئے ہیں بلکہ ہم تو

مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ

محروم ہیں پھر بتاؤ تو سہی کہ پانی جو پیتے ہو، تم کیا تم نے

اللہ کی قدرتِ کاملہ سے ایک ذرہ بے مقدور سے ابسان کو پیدا کرنے کا ذکر تھا۔فرمایا ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا۔گویا جس طرح انسان کی پیدائش میں اس کا کوئی اختیار نہیں اسی طرح اس کی موت میں بھی اس کا کوئی اختیار نہیں۔البتہ پیدائش اور موت کے درمیان انسان کو جتنی بھی زندگی ملی وہ اللہ کا خاص احسان ہے۔اس میں وہ پوری طرح بااختیار ہوتا ہے۔یہی وہ عرصہ ہے جس کو اپنے ربّ کے احکام کے تابع گزارکروہ اپنی اُخروی زندگی میں ابدی خوشیوں سے ہمکنار ہوسکتا ہے اور اس دنیا کو بھی جنت بناسکتا ہے فرمایا اس دوسری پیدائش میں ہم تمہاری صورتیں تبدیل کردیں گے اور تمہیں ایسی صورت میں اٹھائیں گے جس کا تمہیں علم نہیں۔بظاہر قرآن کریم میں باربار آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔اور انسان کو علم دیا گیا ہے۔بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ ساری تمثیلات ہیں۔ان میں ظاہری الفاظ کو حقیقت پر محمول نہ کرلینا۔غرض اخروی زندگی میں یہ صورتیں ہوں گی اور نہ یہ مادی جسم جیسا کہ آیت ٣٦ کی تشریح میں بتلایا کہ بوڑھی عورتیں اپنے نیک اعمال کی بنا پر جوان اور خوبصورت ہو کر جنت میں داخل ہوں گی۔گویا اعمال کے مطابق نئے جسم عطا ہوں گے۔کوئی اپنے حسنِ عمل کی بنا پر نور کے لبادہ میں لپٹا ہوگا اور کسی پر اپنے عملِ بد کی سیاہیاں چھائی ہوں گی۔جب تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا علم ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت سے ہوئی تو کیوں نہیں سمجھتے اور غور کرتے کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔یہ بھی مراد ہے کہ پہلی پیدائش کو تم جان چکے ہو کہ جس صورت میں ہم نے چاہا تمہیں پیدا کیا۔لہٰذا اس دوسری پیدائش میں بھی جس صورت میں چاہیں گے تمہیں پیدا کریں گے ۔

٦٤ تا ٦٨ ۔**تفکھون** ۔تم باتیں بناتے ہو۔ **الفکاھة** خوش طبعی کی باتیں بنانا۔ **فاکھة**

کے معنی میوہ جات کے ہیں اس لئے تفکھون کے معنی پھل تناول کرنا کے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور بندوں پر اس کے احسانات کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ جس طرح مادہ کے پیٹ میں نطفہ ڈال دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے خاص فضل و احسان سے عموماً سارے پیچیدہ مراحل طے ہوجاتے ہیں اور ایک صحیح سالم بچہ وجود میں آتا ہے۔اسی طرح بطن زمین میں بیج ڈال دینے کے بعداللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت سے پھل پھول اور لہلہاتی کھیتیاں تمہاری خوراک اور نفع رسانی کا موجب بنتی ہیں۔گویا جس خالق و مالک نے تمہیں پیدا کیا اس نے تمہاری بقا کے لئے جن اشیاء کی ضرورت تھی وہ سب مہیا فرمائیں۔اس ضمن میں سب سے پہلے اس نظام کی طرف توجہ دلائی جس کا تعلق تمہاری خوراک سے ہے اور جو تمہاری بقا کا ایک اہم ذریعہ ہے۔فرمایا جو بیج تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم؟ ذرا غور کرو !زمین اللہ نے بنائی۔اس کے اندر اگانے کی صلاحیت اس کی پیدا کردہ ہے۔بیج کے مناسب ِحال آب و ہوا اس نے پیدا کی وقت پر بارش کا ہونا اور اس تعلق میں بے شمار تعمیری عناصر کو انسان کی مدد پر لگادینا اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندوں پر خاص احسان ہے۔اب ذرا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو پودوں کی جڑ میں خورد بنی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دنیا آباد ہے جن کا عمل کیمیائی ہوتا ہے۔یہ بکٹیریا نائٹروجن کھا کر ایک رس سا خارج کرتے ہیں جس میں نائٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے نائٹروجن حیات ِنباتات کا جزو اعظم ہے۔اگر بکٹیریا کا وجود نہ ہوتا تو کوئی پودا اگ نہیں سکتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پودے کی نشوونما کا حیرت انگیز انتظام کررکھا ہے اور یہ حقیر ترین مخلوق دن رات انسان کی خدمت میں مصروف ہے اگر یہ بکٹیریا نظر آتا تو حشرات کا لقمہ بن کر ختم ہوجاتا گویا اس کے نظر نہ آنے میں بھی حکمت ہے۔بکٹیریا کی کئی اقسام ہیں جو مختلف طریقوں سے اپنا کام کرتی ہیں۔مقصد سب کا ایک ہی ہے یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل۔زمین کے اندر سینچی کیڑے بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اگر کسان اوپر ہل چلاتا ہے تو یہ کیڑے زمین کے اندر مٹی کو مسلسل الٹ پلٹ کررہے ہوتے ہیں۔زمین کے ہر ایکڑ میں ان بکٹیریا اور سینچی جانوروں کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔مثلاً اگر ایک سو ایکڑ زمین میں دس کسان ہل چلارہے ہیں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر اندر کام کر رہا ہوتا ہے۔کھاد جہاں پودوں کی غذا ہے وہاں بکٹیریا کے لئے بھی مدار حیات ہے۔یہ تو زمین کے اندر کا نظام ہے باہر سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت سے پودوں کی نشوونما کے لئے حیرت انگیز انتظام ہے۔بے شمار عناصر تعمیری رنگ میں اس کام میں لگے ہوئے ہیں صرف بارش پر ہی غور کیجئے۔جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو اردگرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہوجاتی ہے۔نائٹروجن دنیائے نباتات کی غذا

أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ

اتارا اس کو | بادل سے | یا | ہم ہیں | اتارنے والے | اگر ہم چاہیں

جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ

توکردیں اسکو ہم | کڑوا | پس کیوں نہیں تم | شکر کرتے | پھر بتاؤ تو سہی کہ | آگ

ہے۔بارش کے قطرے نائٹروجن کے اس ذخیرہ کو ہمراہ لے کر زمین پر اترتے ہیں ، کھیت اور باغ سب کو نہایت یکسانیت سے سیراب کرتے ہیں اور ان میں ایک نئی روح پھونک دیتے ہیں۔اب انصاف سے بتاؤ کہ دانہ تم اگاتے ہو یا اللہ تبارک و تعالیٰ؟ پس فصل کا تیار ہونا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہی موقوف ہے۔یہ بھی تو ممکن ہے کہ فصل تیار ہونے سے پہلے یا بعد کوئی ایسی آفت آجاتی جس سے سب کچھ تباہ ہوجاتا اور تمہارے لئے سوائے پریشانی کے کچھ نہ بچتا اور تم کہنے لگتے کہ فائدہ حاصل کرنا تو درکنار بیج اور کھاد وغیرہ پر جو سرمایہ لگایا تھا وہ بھی ڈوب گیا۔ہم تو چٹی تلے دب گئے۔بلکہ ہم تو کلیۃً محروم ہوگئے ہمارے ہاتھ تو کچھ بھی نہ آیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زمین سے اتنی پیداوار حاصل ہوتی ہے کہ انسان اور حیوان میں سے کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا اگر اللہ کے بعض بندے بھوک اور افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں تو ایسا چند صاحب ِاختیار لوگوں کے ظلم و زیادتی سے ہے کہ انہوں نے عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوسروں کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالا اور بندگان خدا کو ان کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رکھا۔

یہاں دیدہ بینا کے لئے ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ جب مردہ بیج زندہ کونپلوں کی صورت زمین سے پھوٹا تو تمہیں کیوں خیال نہ آیا کہ ہم بھی اسی طرح یوم آخر میں زمین سے پھوٹیں گے اور اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے اپنے ربّ کے حضور جوابدہی کے لئے حاضر ہوں گے ہم ایسے اعمال صالحہ کیوں بجانہ لائے کہ ہمارا رب ہمیں حساب کتاب کی رسوائیوں سے بچالیتا اور ہماری نیکیاں اور قربانیاں ہمیں خود اپنی پیٹھوں پر اٹھائے پل صراط سے گزار دیتیں۔ ہم ان نیکوکاروں میں سے کیوں نہ ہوئے جنہیں جنت تک جانے کی زحمت بھی اٹھانی نہیں پڑے گی اور جنت خود ان کے پاس لائی جائے گی ۔ (التکویر:۱۴)

۶۹ تا ۷۱۔ **مزن**۔ بادل کو کہتے ہیں ۔اس کا ایک ٹکڑہ **مزنة** ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں اب ایک عظیم ترین نعمت یعنی پانی کا ذکر فرما۔ جس کے بغیر تم تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے ۔ تفصیل کے لئے خاص طور پر سورة المومنون:۱۹ سے

الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْ تُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ
جو روشن کرتے ہو تم کیا تم نے پیدا کیا ہے درخت اس کا یا ہم ہیں
الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۳﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۴﴾
پیدا کرنے والے ہم نے بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مسافروں کے لیے

استفادہ فرمایئے۔ نیز الحجر۲۰۔ النور۴۴۔ الواقعۃ ۶۴ میں بھی مختصر تشریح بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ سخت کڑوے سمندر سے بادلوں کی صورت جو پانی انسان تک پہنچتا ہے وہ میٹھا اور شفاف ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نظام ہے جس میں انسان کا ہرگز کوئی دخل نہیں ۔سمندر کا پانی ابتدا میں میٹھا تھا مگر کروڑہا سال سے ندی نالے اس میں پہاڑوں اور چٹانوں کا نمک ڈالتے رہے اور ڈال رہے ہیں جس سے یہ پانی کھارا ہوتا گیا۔سمندری مخلوق کے لئے تو یہ کھارا پانی ہر لحاظ سے مناسب ہے یہاں تک کہ سمندر میں ہر روز کروڑہا مچھلیاں اور دیگر آبی جانور مرتے ہیں لیکن وہ سمندر کے نمک کی وجہ سے گلتے سڑتے نہیں اور سمندر ان کے تعفن سے کلیتًا پاک رہتا ہے۔مگر انسان کی پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس رحیم و کریم ، خالق و مالک نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا انتظام فرمایا کہ پانی میں یہ تاثیر رکھ دی کہ جب وہ بھاپ بن کر اڑے تو اپنی ساری کثافتیں نیچے چھوڑ جائے۔چنانچہ جب سمندر کا پانی بھاپ بن کر اڑتا ہے تو تمام آلائشیں نیچے رہ جاتی ہیں اور بھاپ بادل کی شکل میں ہر قسم کی آلودگی سے پاک بالائی فضا میں پہنچتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت سے اسی حد تک برودت ہے کہ یہ بھاپ پانی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور اس مقطر پانی کے بادلوں کو ہوائیں اپنے ربّ کے حکم سے جہاں ان کا برسنا مقدر ہوتا ہے ، لے جاتی ہیں۔

اب بتاؤ کہ اس سارے نظام آب رسانی میں تمہارا بھی کوئی دخل ہے ۔اگر سمندر کا کھاری پانی بغیر قدرتی عمل کشید کے تحلیل شدہ آلائشوں سمیت بادلوں کی صورت برستا تو یہ پانی نہ تمہارے لئے ذریعہ حیات ہوسکتا تھا اور نہ اس سے کسی قسم کی نباتات پیدا ہوسکتی تھی۔ پھر تم اپنے ربّ کی نعمتوں اور اس کے بے حد وحساب احسانات و اکرام کا شکر کیوں ادانہیں کرتے۔

۷۲ تا ۷۴ ۔ **تورون**۔تم آگ جلاتے ہو ۔یہ **وری** سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔**وَرِیَ** میں آگ کے پوشیدہ ہونے کے معنی کالحاظ کیا گیا ہے۔ (مفردات) **شجر تہا** سے مراد اس (آگ) کا شعلہ ہے ۔(رازی) **مقوین** ۔ **مقویٌ** کی جمع ہے ۔مسافر۔

یہاں شعلے کو شجر کہا۔ ظاہری طور پر بھی شعلے کی شجر سے مماثلت ہے۔ نیز قدیم زمانہ میں مرخ اور عفار نامی دو درختوں کی ہری ٹہنیوں کو ایک دوسرے پر مارنے سے آگ کا شعلہ پیدا کیا

جاتا تھا جس سے اہل عرب آگ جلاتے تھے ۔بعض جگہ چقماق نامی پتھر کو گھسنے سے آگ کا شعلہ پیدا کیا جاتا تھا۔ جن علاقوں میں چیڑ کے درخت زیادہ ہیں وہاں بعض اوقات چیڑ کے درختوں کے سبز پتے تیز ہوا سے آپس میں رگڑ کھاتے ہیں جن سے آگ بھڑک اٹھتی ہے اور جنگل کے جنگل جل کر راکھ ہوجاتے ہیں۔فرمایا اس شعلے کو تم نے پیدا کیا یا ہماری قدرت وحکمت سے وجود میں آیا۔حقیقت تو یہ ہے کہ آگ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت روشن ہوتی ہے ورنہ انسان میں یہ طاقت کہاں۔ اس کے لئے ہوا کی ضرورت تھی سو قادرِ مطلق نے وہ پیدا کی ۔جلانے کے لئے جو سامان درکار تھا وہ مہیا فرمایا۔پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض درختوں اور پتھروں وغیرہ میں ایسی خاصیت رکھ دی کہ ان کی رگڑ سے شعلہ پیدا ہو۔پھر انسان نے اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ عقل وسمجھ سے زمانہ کی ترقی کے ساتھ آگ جلانے کے دوسرے آسان طریقے ایجاد کئے۔فرمایا ہم نے اسے نصیحت کا ذریعہ بنایا اس لئے کہ اس معمولی شعلے سے تم جہنم کی آگ کا تصور کرسکتے ہو اور نصیحت حاصل کرسکتے ہو۔ اس میں تمہارے لئے نصیحت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب تم اس پر کسی حدتک قابو پالوگے تو بندگان خدا کو ان تباہیوں سے بچانا جو خاص طور پر آگ سے تعلق رکھیں گی خواہ وہ آتشگیر اسلحہ کی صورت میں ہوں یا دیگر تباہ کن ہتھیاروں کی صورت میں۔حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ آگ کا عذاب صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ (یعنی انسان کو اجازت نہیں)(بخاری کتاب الجہاد) خواہ کوئی مقامی ہو یا مسافر، آگ سے سبھی کے مفاد وابستہ ہیں لیکن یہاں آگ کو خاص طور پر مسافروں کے لئے فائدہ اور سہولت کا موجب بتایا۔یہ ایک زبردست پیشگوئی تھی کہ عنقریب وہ سواریاں ایجاد ہوں گی جو آگ اور دیگر توانائیوں سے چلیں گی اور مسافروں کے لئے بہت سہولت کا باعث ہوں گی اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت وحکمت سے شعلہ اٹھنے کا نظام نہ ہوتا تو کار چل سکتی نہ جیٹ۔ اس دور میں تمام تیز رفتار سواریاں آگ کی مرہون منت ہیں۔سب سے پہلے ریل ایجاد ہوئی جس کے لئے حدیث میں ہے کہ دجال کے گدھے کے منہ سے دھواں نکلے گا گویا وہ آگ سے چلے گا۔(کنز العمال صفحہ ۲۹۸/۷) پھر موٹر کار اور ہوائی جہاز کا دور آیا جس سے مسافروں کو بے حد سہولت میسر آئی۔جیسا کہ نواس بن سمعانؓ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ دجال ایسے ابر باراں کی سی تیزی سے سفر کرے گا۔ جسے پیچھے سے تیز ہوا دھکیل رہی ہو ۔آج جہاز بعینہٖ اسی اصول پر اڑتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ قرآن کریم اردو ترجمہ صفحہ ۹۸۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمان پر اڑنے والے جہازوں کے متعلق یہ پیشگوئی موجود ہے کہ وہ آگ سے چلنے والی

ع ۱۵ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٥﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٦﴾

پس تسبیح کر ساتھ نام اپنے رب بڑے کے پس ضرور میں قسم کھاتا ہوں گرنے کی جگہوں کے ستاروں کے

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٧﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٨﴾

اور یقیناً یہ البتہ قسم ہے اگر تم جانو بڑی یقیناً یہ البتہ قرآن ہے عزت والا

سواریاں ہوں گی مگر وہ آگ ان مسافروں کو جو ان میں بیٹھیں گے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جہاز کے بعد راکٹ ایجاد ہوا۔جس کی شکل شعلے سے ملتی ہے۔راکٹ کو فضا میں پہنچانے کے لئے بھی ایسی ہی طاقت دھکا لگاتی ہے جو شعلے سے مشابہ ہے۔غرض آج کے دور کی تمام تر ایجادات اور صنعت و حرفت جہاز سے لے کر راکٹ تک شعلے کی محتاج ہیں۔

حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ چاروں مواقع پر جہاں جہاں سوال کا رنگ ہے آپ پڑھتے تھے بل انت یاربّ۔

جس ربّ العالمین نے تمہاری عارضی زندگی کے لئے ان سب نعمتوں کا اہتمام فرمایا۔کیا اس نے تمہاری ابدی زندگی کے لئے کوئی اہتمام نہ کیا ہوگا۔اس کا جواب اگلی آیات میں ہے۔

۷۵۔حقیقت تو یہ ہے کہ تمام عظیم نعمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے وجود میں آئیں اور ان کے پیدا کرنے میں سرے سے تمہارا کوئی عمل دخل نہیں اور تم نے ان آیات میں اس پروردگار کی قدرت وعظمت کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی۔پس تو اپنے عظمت والے ربّ کے نام کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا کہ اس کے احسانات اور اس کی بے حد و حساب نعمتوں کا کچھ تو شکر ادا ہو۔

حضرت عقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ جب سورۃ واقعہ کی یہ آیت اتری **فسبّح باسم ربک العظیم** یعنی اپنے عظیم ربّ کی تسبیح بیان کرو۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے رکوع میں رکھ لو۔یعنی **سبحان ربی العظیم** کہا کرو۔(اس آیت کی تلاوت پر بھی **سبحان ربی العظیم** پڑھنا تعامل سے ثابت ہے)اسی طرح جب نبی کریم ﷺ پر آیت **سبّح اسم ربک الاعلیٰ** اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے سجدہ میں پڑھا کرو۔(مسند احمد۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔ابن حبان،حاکم)اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا جو طریق مقرر فرمایا اس کے چھوٹے سے چھوٹے اجزا بھی بحکم الٰہی قرآن پاک کے ارشاد کے تابع ہیں۔

۷۶ تا ۸۱۔ **مواقع**۔مقامات۔موقع کی جمع ہے جس کے معنی ثابت ہونے اور نیچے گرنے کے ہیں۔ابن عباسؓ ، مجاہد عکرمہ کے نزدیک مواقع النجوم سے مراد یہاں قرآن کریم کے نجوم یا

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٩﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٨٠﴾ تَنْزِيْلٌ

کتاب محفوظ میں نہیں چھوتے اس کو مگر پاک لوگ اُتارا گیا ہے

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨١﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨٢﴾

طرف سے رب کی سب جہانوں کے کیا پس ساتھ اس حدیث کے تم چکنی چپڑی باتیں کرنے ہو

ٹکڑوں کا نزول ہے۔(ابن جریر)جن کے اترنے کی جگہ پیغمبر ﷺ کا دل ہے یا **مطہرین** کا دل ہے جن کو قرآن کریم کے علم سے حصہ ملا۔روح المانی میں ہے کہ اس کے بعد **انه لقراٰن کریم** لاکر اسے صراحت سے بیان کردیا کہ **مواقع النجوم** سے مراد نزول قرآن ہی ہے۔ **مکنون**۔ محفوظ۔چھپایا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا ذکر تھا۔جس طرح تمہاری عارضی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بے حساب نعمتیں نازل ہوئیں اسی طرح تمہاری ابدی زندگی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی سب سے بڑی نعمت قرآن کریم کی صورت نازل فرمائی۔یہاں اللہ جلّ شانہٗ نے **مواقع النجوم** کی قسم کھائی ہے۔فرمایا میں ان جگہوں کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہوں جہاں ستارے معلق ہیں۔گویا ستاروں کے اصل حجم کی طرف متوجہ کیا جس کا تصور اس زمانہ کا انسان نہیں کرسکتا تھا۔ان عظیم الشان کرّوں کا معلق ہونا ایک عظیم نشان ہے جس پر غیر معمولی علم والے ہی رسائی پاسکتے ہیں۔یہ بہت بڑی گواہی ہے کاش تم جانتے۔قسم اس بات پر کھائی کہ i قرآن ایک بزرگ اور عظیم الشان کتاب ہے۔ii یہ ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ iii پاکوں کے سوا اسے کوئی نہیں چھوتا۔iv اس کا اتارا جانا تمام جہانوں کے ربّ کی طرف سے ہے۔جیسے ستارے نہایت بلندی کی وجہ سے بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں بلکہ اکثر کو تمہاری آنکھ دیکھ نہیں سکتی حالانکہ وہ بہت بڑے ہیں۔اسی طرح قرآن کریم اپنی نہایت بلندی اور علو شان کی وجہ سے کوتاہ بینوں کی نظر میں ایک چھوٹی سی کتاب ہے اور اس کے حقائق و معارف ان کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی ترجمۃ القرآن کلاس سے استفادہ کیا گیا)حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ''قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے جس کو صحیفہ فطرت کہتے ہیں یعنی قرآن کریم کی ساری تعلیم کی شہادت قانون قدرت کے ذرہ ذرہ کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔''(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۷۲)یا جیسا کہ آپ نے فرمایا قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور قانون قدرت اس کی فعلی کتاب ہے۔(ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ صفحہ ۱۱،۱)
فرمایا معارفِ قرآن اس شخص کے سوا کسی پر نہیں کھل سکتے جس کی تطہیر ہوچکی ہو۔''دنیا کی آلودگیوں اور ناپاکیوں میں مبتلا ہوکر یہ امید کیونکر کرسکتے ہیں کہ ان پر قرآن کریم کے معارف کھلیں۔وہاں تو

صاف لکھا ہے **لایمسّہٗ الّا المطھرون** ۔’’(لیکچر لدھیانہ صفحہ ۳۱) پس اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور اس کی توفیق سے ہی وہ پاکی نصیب ہوتی ہے جو قرآنی علوم تک رسائی کا موجب بنتی ہے۔غرض ’’دینی علم اور پاک معارف کے سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے پہلے سچی پاکیزگی کا حاصل کرلینا اور ناپاکی کی راہوں کا چھوڑدینا ازبس ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **لایمسہٗ الّا المطھرون**۔یعنی خدا کی پاک کتاب کے اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل ہیں اور پاک فطرت اور پاک عمل رکھتے ہیں۔دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔’’(ست بچن صفحہ ۱۴)

آپ فرماتے ہیں کہ’’ اس آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم کے دقائق عالیہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں سے مخصوص ہیں جن کو خداتعالیٰ اپنے ہاتھ سے پاک کرتا ہے۔یہاں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اگر علم قرآن مخصوص بندوں سے خاص کیا گیا ہے تو دوسروں سے نافرمانی کی حالت میں کیونکر مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم کی وہ تعلیم جو مدار ایمان ہے وہ عام فہم ہے جس کو ایک کافر بھی سمجھ سکتا ہے اور ایسی نہیں کہ کسی پڑھنے والے پر مخفی رہ سکے۔ اگر وہ عام فہم نہ ہوتی تو کارخانہ تبلیغ ناقص رہ جاتا ۔مگر حقائق و معارف چونکہ مدار ایمان نہیں، صرف زیادتِ عرفان کے موجب ہیں اس لئے صرف خواص کو اس کوچہ میں راہ دیا کیونکہ وہ دراصل مواہب اور روحانی نعمتیں ہیں جو ایمان کے بعد کامل الایمان لوگوں کو ملاکرتی ہیں۔ (کرامات الصادقین صفحہ ۱۰۔ ۱۱)

مطھرین قرآن پاک تک رسائی کے لئے ظاہری طہارت کا بھی لحاظ رکھتے ہیں اور باطنی کا بھی۔جو ظاہری آداب کا پاس کرے گا وہ اپنے ربّ کے فضل سے باطنی تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

جہاں تک ظاہری طور پر قرآن کریم کو چھونے کا تعلق ہے تو اس کے لئے پاک صاف ہوکر باوضو پڑھنے میں ہی فضیلت ہے۔ حضرت عمرؓ ، حضرت علیؓ حضرت حسن بصریؒ حضرت ابراھیم نخعی اور امام زہری کے نزدیک جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں قرآن کو چھونا یا پڑھنا مکروہ ہے حضرت ابن عباسؓ کی رائے میں جو حصہ حفظ ہو اسے بے وضو پڑھنا جائز ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سلمان فارسیؓ بغیر ہاتھ لگائے وضو کے بغیر قرآن پاک پڑھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ (احکام القرآن للجصّاص) تاہم جزدان وغیرہ کے بغیر چھونا جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں بچوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیاہے کہ تعلیم کے لئے قرآن مجید بچوں کے ہاتھ میں دیاجاسکتاہے خواہ وہ وضو سے ہوں یا بے وضو۔ تاہم بچوں کو بھی باوضو قرآن پاک پڑھنے کی عادت ڈالنا مستحسن ہے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ

اور بناتے ہو اپنا رزق یہ کہ تم جھٹلاتے ہو پس کیوں نہ جب پہنچی تھی (روح)

الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۴﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ

گلے تک اور تم اس وقت دیکھ رہے تھے اور ہم زیادہ قریب ہیں

اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ

اس کی طرف تم سے ولیکن نہیں دیکھتے تھے تم پس کیوں نہ اگر تھے تم

مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۷﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَاَمَّاۤ اِنْ

جزا دیئے جانے والے لوٹا لاتے اسے اگر ہوتم سچے پس اگر

۸۲۔۸۳۔**حدیث** ۔بات۔ کلام۔ خبر۔یہاں کلام الٰہی کو حدیث کہا گیا ہے۔**مدھنون۔ ادھان** سے ہے جس کے معنی کسی چیز سے **مداھنت** کرنا ہے۔ نفاق کے معنی دیتا ہے یعنی جو دل میں ہو اس کے خلاف کہنا۔ جھوٹ بولنا۔ خوشامد یا چاپلوسی کی باتیں کرنا۔ سستی ۔ **رزقکم**۔تمہارا رزق ۔تمہارا حصہ۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم کی صفات بیان فرمائیں ۔ ان تمام صفات کا علم ہو جانے کے بعد بھی تم اس کلام کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جن کی گواہی تمہارے دل نہیں دیتے۔یعنی اس نعمت کا شکر اداکرنے کی بجائے تم نے اپنا حصہ کتاب اللہ کی تکذیب بنالیا ہے ۔حضرت حسنؒ فرماتے ہیں وہ بندہ بڑے ٹوٹے میں ہے جس کا حصہ کتاب اللہ کی تکذیب ہے ۔ امام رازی نے تجعلون رزقکم کی تفسیر میں ایک احتمال یہ بھی رکھا ہے کہ یہاں لفظ رزق معاش کے معنی میں ہے پس یہ بھی معنی ہیں کہ تکذیب کو تم نے اپنی غذا بنالیا ہے گویا اگر جھوٹ کا سہارا نہ لوتو بھوکے مرجاؤ۔

۸۴تا۸۸۔**حینئذٍ** اس وقت۔ **مدینین۔ دین**۔ قرض۔ جزا۔ ماتحت **غیرمدینین**۔ یعنی اگرتم سمجھتے ہو کہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں دی جائے گی۔(مفردات) یا یہ کہ تم کسی کے ماتحت نہیں ہو یا یہ کہ تمہیں کسی کا قرض نہیں چکانا۔

قرآن کریم کو جھٹلانا توحید اور بعث بعد الموت کا انکار ہے اس لئے کہ قرآن مجید کا مرکزی مضمون توحید ہے۔اس کے بعد جو مسئلہ قرآن کریم کے بیان کردہ مسائل میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے وہ بعث بعد الموت ہے۔پس ان دونوں کا انکار قرآن کریم کا انکار ہے۔ ان دونوں حقائق کی وضاحت کے لئے ان آیات میں ایک قریب المرگ شخص کی مثال بیان کی گئی ہے۔ان آیات میں **فلولا** دومرتبہ آیا ہے ان دونوں کا تعلق ترجعون سے ہے۔ فرمایا جب حالتِ نزع میں تمہارے

كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۹۰﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۲﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۳﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۴﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۵﴾ اِنَّ

تھا (مرنے والا) مقربین میں سے تو راحت اور خوشبو اور باغات میں نعمتوں کے اور اگر تھا دائیں طرف والوں میں سے تو سلام ہو تیرے لیے طرف سے دائیں طرف والوں کی اور اگر تھا تکذیب کرنیوالوں گمراہوں میں سے پس مہمانی ہے گرم پانی کی اور داخل ہونا ہے دوزخ میں یقیناً

کسی پیارے کی جان حلق تک آن پہنچی اس وقت تم سخت پریشانی کے عالم میں ہرطرف نظرین دوڑاتے ہو کہ موت کے ٹلنے کی کوئی صورت نظر آجائے۔ مگر تمہاری کچھ پیش نہیں جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس مرنے والے کے تم سے اور تمہارے عزیز واقارب سے جو اس کے گرد بیٹھے ہیں، زیادہ قریب ہیں یعنی وہ جان دنیا والوں کی نسبت ہمارے قریب زیادہ آچکی ہے یا یہ کہ اس کا ظاہر و باطن ہم پر زیادہ عیاں ہے۔ مگر تمہیں اس کی بصیرت نہیں پھر کیوں نہیں تم اس جان کو لوٹا سکے۔

مشرکین سے خطاب ہے کہ جب تمہیں بعث بعد الموت پر یقین ہی نہیں اور تم سمجھتے ہو کہ تمہارے اعمال کی جزا نہیں دی جائے گی اور تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہارے اوپر ایسی کوئی مقتدر ہستی نہیں جو تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے اور جس کے حضور تمہاری جواب طلبی ہوگی۔ تو صاف ظاہر ہے کہ تم خداتعالیٰ کو قادرِ مطلق نہیں مانتے اور اس وحدہٗ لاشریک کے اقتدار و اختیار میں اپنے معبودانِ باطلہ کا بھی کوئی دخل سمجھتے ہو۔ جیسا کہ اپنی حاجتوں اور پریشانیوں میں انہیں کے آستانوں پر منتیں مانتے اور نذر و نیاز چڑھاتے ہو اور بقول تمہارے وہیں سے مرادیں پاتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو آج تمہاری کوئی پیش کیوں نہیں چلی اور تم اپنے کسی پیارے کو جو موت کے قریب ہے کیوں نہیں لوٹا سکے۔ ظاہر ہے کہ تم کلی طور پر بے بس اور بے اختیار ہو۔ اگر تمہیں یا تمہارے معبودان باطلہ کو موت و حیات پر کچھ بھی قدرت حاصل نہیں تو اس قادرِ مطلق پر ایمان لاؤ جس کو سب قدرتیں حاصل ہیں وہ آخری لمحوں میں بھی جان کو واپس لاسکتا ہے۔ گویا مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ پھر ایک مقررہ وقت پر وفات دیتا ہے اور دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ پھر ضرور ہے کہ تم حساب کتاب کی رسوائیوں سے بھی گزرو۔

۸۹ تا ۹۵۔ روح کا اطلاق سانس پر ہوتا ہے۔ مجازاً اسے روح کہہ دیا ہے۔ قرآن کریم میں ذوشرف ملائکہ کو (۷۸۔ ۳۹) قرآن کریم کو (۴۲۔۵۳) اور حضرت عیسیٰؑ کو (۴۔۱۷۲) روح کہا گیا

هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۶﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۷﴾ ع ۳ ۲۲ ۱۶

یہ البتہ یہی حق یقینی ہے پس تسبیح کر ساتھ نام اپنے رب بڑے کے

ہے۔ راحت اور آرام و آسائش کے معنی میں بھی آتا ہے (مفردات) **ریحان** خوشبودار چیز۔

پچھلی آیات میں وضاحت سے بیان فرمادیا کہ ہر انسان کو آخر ایک دن مرنا ہے۔ موت کے وقت سب پیاروں اور حکیموں کا عاجز آنا ہر روز مشاہدہ میں آتا ہے۔ پس جس طرح موت اٹل ہے اور اس معاملہ میں تمہاری تمام تدابیر ناکام ثابت ہوتی ہیں اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے ربّ کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا بھی اٹل ہے۔ جزا سزا کے دن مخلوق کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانا اور ہر گروہ کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملنے کا بیان شروع سورۃ میں تفصیلاً گزرا ہے۔ اب آخر سورۃ میں پھر اجمالاً اس کا ذکر فرمایا کہ اگر وہ مرنے والا مقربین میں سے ہے۔ یعنی سابقین کے گروہ میں سے ہے تو نہایت آرام و آسائش اور معطر فضاؤں میں ایک نعمت والی جنت میں ہوگا۔ اگر اصحاب الیمین میں سے ہے یعنی مومنین صالحین میں سے ہے اور اپنے اعمال کے لحاظ سے بلند ترین مراتب کا مستحق نہیں تو بھی جنت کی نعمتوں سے فیضیاب ہوگا اور اس کا استقبال یوں ہوگا! کہ اے دائیں جانب کے گروہ والو! تم پر ہمیشہ سلامتی ہوتی رہے۔ اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں یعنی **اصحاب الشّمال** میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی اور جہنم کی آگ میں جلنے سے اس کی تواضع کی جائے گی۔

۹۶۔۹۷۔ اس سورۃ میں موت اور اس کے بعد کے حقائق تمثیلی زبان میں مذکور ہیں جو واقع ہوکر رہیں گے فرمایا یہی ہے جو حق الیقین ہے۔ ایک عام انسان موت کے بعد جنت و جہنم کو سامنے دیکھ کر ہی حق الیقین کے مقام تک پہنچے گا جب سارے حقائق اس پر ظاہر ہوجائیں گے۔ لیکن ایک عارف دنیا ہی میں علم الیقین اور عین الیقین کی حدود سے گزر کر اپنے ربّ کے فضل و احسان سے حق الیقین کے مقام تک جا پہنچتا ہے۔ یہ سب جان لینے کے بعد ربّ عظیم کے نام کے ساتھ اس کی تسبیح کر۔ تسبیح و تحمید کے حکم میں ذکر الٰہی، نماز اور نماز کی تسبیحات شامل ہیں۔ پچھلی سورۃ کی طرح اس سورۃ کو بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارک کے ذکر کے ساتھ ختم کیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّ اَرْبَعُهٗ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حدید۔ یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی تیس آیات اور چار رکوع ہیں

یہ سورۃ مدنی ہے اس کا زمانہ نزول قریباً ۴ ہجری ہے جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے ظاہر ہے جسے ابن مردویہ نے نقل کیا وہ اس سورۃ کی آیت :۱۷ **الم یانِ للذین اٰمنوآ ان تخشع قلوبھم لذکراللّٰہ** کے متعلق فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے آغاز سے ۱۷ برس بعد اہل ایمان کو جھنجوڑ نے والی یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حساب سے اس کا زمانہ نزول ۴ اور ۵ ہجری کے درمیان قرار پاتا ہے۔ اس سورۃ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی وسعت کے ذکر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لامحدود اختیار و اقتدار کو بیان فرمایا۔

سورۃ احزاب کے بعد مکی سورتوں کا سلسلہ چلا تھا۔ جن کے درمیان میں تین مدنی سورتیں ایک خاص تعلق کے لئے لائی گئی تھیں ۔یعنی سورۃ محمد، فتح اور الحجرات ۔ سورۃ الحجرات کے بعد سات مکی سورتوں کے بعد اس سورۃ سے پھر مدنی سورتوں کا ایک سلسلہ شروع کیا تاکہ ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا ظاہر کیا جائے جو مکی سورتوں میں بیان کی گئی ہیں اور تا ان کے پورا ہونے پر باقی پیشگوئیوں کے پورا ہوجانے پر یقین ہو۔ سورۃ تحریم تک یہ دس مدنی سورتیں ہیں ۔

جن حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی ،اہل ایمان کے لئے سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔ سارا عرب مومنوں کی اس چھوٹی سے جماعت کو مٹانے پر تلا ہوا تھا۔ مومنوں کو ہمہ وقت جنگ کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم زرہ بکتر اتارتے نہیں تھے کہ پھر جہاد کا حکم ہوجاتا۔ مالی طور پر مسلمانوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ مومنوں کی مٹھی بھر جماعت سخت بے سرو سامانی کی حالت میں پورے عرب سے برسرپیکار تھی۔ لہٰذا مدنی سورتوں کے اس مجموعہ کی سب سے پہلی سورۃ میں خاص طور پر انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے جانی قربانی کا مطالبہ ہی نہیں کرتا بلکہ مالی قربانی کا بھی بزور مطالبہ کرتا ہے۔ یہاں خوب واضح کیا کہ مشکلات کے وقت کی گئی قربانیوں کا مقابلہ وہ قربانیاں نہیں کرسکتیں جو مالی فراخی کے دنوں میں کی جاتی ہیں ۔

پچھلی سورۃ ربّ عظیم کی تسبیح کے حکم پر ختم ہوئی۔ اس سورۃ کا آغاز اللہ کی تسبیح سے ہوا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو — آسمانوں — اور زمین میں ہے — اور وہ — عزت والا — حکمت والا

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **سَبَّحَ** ۔ اس نے **تسبیح** کی ۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے ۔ ماضی کا صیغہ لاکر بتلادیا کہ ساری کائنات آغازِ آفرینش سے اللہ تعالیٰ کی **تسبیح** کررہی تھی اور کررہی ہے ۔کوئی لمحہ بھی اس کی **تسبیح** سے خالی نہیں۔ **ما** ۔جو ۔نہیں ۔کیا۔ جس کو۔ جو کچھ۔ اکثر بے جان چیز کے لئے آتا ہے۔ یا جاندار اور بے جان دونوں شامل ہوتے ہیں۔ واحد جمع ، تذکیرو تانیث کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔

فرمایا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتا تھا اور کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں کا تسبیح کرنا تو ظاہر ہے مگر جن کو اس طرح سے تسبیح کرنا نصیب نہیں وہ بھی محروم نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرماتے ہیں کہ ان کے اپنے ہی تسبیح کے رنگ ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تخلیقی نقائص سے پاک ہے اور ایک گہرا منضبط نظام رکھتا ہے۔ ان کی تسبیح کی زبان ہمیں سمجھ نہیں آتی لیکن شعور کا کوئی نہ کوئی مقام رکھتے ہیں۔ اگر زندگی کے ارتقاء کا جائزہ لے کر دیکھیں تو شعور منزل بہ منزل ترقی کررہا ہے۔ زندگی سے پہلے کی چیزوں میں بھی مدھم شعور ضرور ہوگا۔’’

حدیث میں پانچ سورتوں کو **مسبّحات** سے تعبیر کیا گیا ہے جن کے شروع میں **سَبَّحَ** یا **يُسَبِّحُ** آیا ہے ۔ ان میں تین یعنی حدید۔ حشر اور صف میں لفظ سبّح بصیغہ ماضی آیا ہے۔ جمعہ اور **تغابن** میں **يسبّحُ** بصیغہ مضارع ہے ۔ اس میں اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر ہر زمانے ہروقت ماضی و مستقبل اور حال میں جاری رہنا چاہیئے (مظہری)

سورۃ اعلیٰ **سبّح** سے شروع ہوتی ہے۔ غالبًا اسے فعل امر کی وجہ سے مسبّحات میں شامل نہیں کیا گیا۔ تاہم احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور **ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ** پڑھا کرتے کرتے تھے۔ اور جب عید اور جمعہ دونوں جمع ہوجاتے تھے تب بھی آپ ﷺ انہیں دونوں سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى
اس کیلئے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ
ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔ وہی اوّل اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
اور وہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے وہی ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور

نیز نماز وتر کی پہلی رکعت میں بھی سورۃ اعلیٰ کا ہمیشہ پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ پس تسبیح و تحمید کی سزاوار وہی ہستی ہے جو کامل غلبہ والی اور صاحب حکمت ہے۔ گویا اس کا کامل اقتدار بھی سراسر حکمت پر مبنی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس مقام پر سبّح للّٰہ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ ہر چیز اللہ کی پاکیزگی بیان کررہی ہے۔ پھر قرآن کریم کے عشق میں مغلوب ہوکر یہ عاشق قرآن بے اختیار پکار اٹھتا ہے ۔''میرے پاس کوئی ایسا چاقو نہیں جس سے میں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھلا سکوں کہ مجھے قرآن سے کس قدر محبت اور پیار ہے۔ قرآن کا ایک ایک حرف کیسا عمدہ اور پیارا لگتا ہے۔ مجھے قرآن کے ذریعہ سے بڑی بڑی فرحتوں کے مقام پر پہنچایا جاتا ہے ۔دنیا میں جتنی حکمتیں بنی ہوئی ہیں سب اسی حکیم کی بنائی ہوئی ہیں۔'' (بدر ۱۵ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۷)

قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت العزیز کا ذکر ہوا اس کے ساتھ عام طور پر حکیم، علیم، غفور، رحیم، وہاب اور حمید وغیرہ اسمائے الٰہی میں سے کوئی اسم مبارک ضرور ہے لایا گیا ہے۔ گویا کامل اقتدار رکھنے کے باوجود وہ ہستی حکیم ہے اس کا ہر فیصلہ حکمت اور دانائی کی بناپر ہوتا ہے ۔وہ زبردست اور صاحب علم ہے یعنی اس کا ہر فیصلہ لامحدود علم کے تحت ہوتا ہے ۔وہ غفور ہے یعنی باوجود زبردست ہونے کے اپنے بندوں کی غلطیوں پر صرف نظر فرماتا ہے اور انہیں معاف کرتا ہے۔ رحیم ہے یعنی باوجود کامل غلبہ کے اپنے بندوں سے مہربانی اور شفقت کا سلوک فرماتا ہے ۔وہاب ہے یعنی ایسا صاحبِ اقتدار ہے جو اپنے زیردستوں سے فیاضی کا سلوک کرتا ہے اور بے حد نوازتا ہے ۔حمید وہ ہے جس کی ذات میں تمام قابلِ تعریف صفات اور کمالات جمع ہوں۔ اس میں لطیف انداز سے دنیوی حکمرانوں کو ہدایات دی گئی ہیں جو محض اللہ کے نائب ہیں۔

۳۔ اب اللہ تعالیٰ کی مزید صفات بیان فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے ۔وہ ایسا بادشاہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے ۔وہ ہر چیز پر جسے چاہئے دائمی قدرت رکھتا ہے ۔

۴۔اس کی لامحدود صفات میں یہ بھی ہے کہ وہی اوّل ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہ ہر چیز کا دائمی علم رکھتا ہے۔ امام احمد ، مسلم، ترمذی اور بیہقی میں حضرت ابوہریرہؓ

سے ، حضرت ابو یعلیٰ موسیٰ نے اپنی سند میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کی ذیل میں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان صفات باری تعالیٰ کی حسب ذیل تفسیر موجود ہے ۔یہ تفسیر سب سے معتبر ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے۔ فرمایا '' وہ اوّل ہے اس سے پہلے کوئی نہیں۔'' یعنی جب مخلوق میں سے کسی موجود چیز کو دیکھو تو خداتعالیٰ کی ذات بابرکات اس موجود چیز سے پہلے موجود ہے۔ گویا مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں جو خدا سے پہلے ہو۔ فرمایا'' وہ آخر ہے اس کے پیچھے کوئی نہیں۔'' یعنی ہر چیز کی فنا اور زوال کے بعد اس کی ذات پاک موجود ہے ۔فرمایا '' وہ ظاہر ہے اس کے اوپر کوئی نہیں۔'' یعنی ہر چیز سے اوپر اور غالب وہی ہے ۔اس سے اوپر اور غالب کوئی شے نہیں۔ فرمایا'' وہ باطن ہے کوئی اس سے مخفی تر نہیں۔'' گو وہ مخفی در مخفی ہے۔ مگر دنیا کی تمام اشیاء میں پس پردہ وہی جلوہ گر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کے جلوے ظاہر و باہر ہیں مگر جو آنکھ ان کو نہ دیکھ سکے اس کے لئے وہ ہمیشہ باطن ہی رہیں گے۔ (قرآن کریم اردو ترجمہ) باطن اس اعتبار سے ہے کہ اس کی کنہ تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ۔اس کی ذات پاک کا ادراک کوئی نہیں کرسکتا۔ پس ظاہر اس لحاظ سے ہے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور باطن اس لحاظ سے ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ مفردات میں ہے کہ ظاہر سے اشارہ ہماری بدیہی معرفت کی طرف ہے کیونکہ انسان جس چیز کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھے فطرت یہی فیصلہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے ۔باطن سے اشارہ ہماری حقیقی معرفت کی طرف ہے جس کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ'' اے وہ ذات جس کی معرفت کی انتہا اس کی معرفت سے درماندگی ہے۔'' حضرت علیؓ نے اپنی گہری فراست سے ان دونوں صفات الٰہی ۔(ظاہر و باطن) کی تفسیر پر روشنی ڈالی آپ فرماتے ہیں کہ'' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر تجلی فرمائی بدوں اس کے کہ بندے اس کو دیکھ سکیں اور اپنی ذات کو دکھایا بدوں اس کے کہ ان کے سامنے جلوہ گر ہو۔'' مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں لیکن آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ان تمام اقوال کو شامل ہے۔ (مفردات)

حدیث میں **مسبّحات** کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ابوداؤد ، ترمذی اور نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے **مسبحات** پڑھا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے ۔ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورۃ حدید کی یہ آیت ہے ۔**هو الاوّلُ والآخِرُ والظاهرُ والباطنُ وهو بكلِّ شيءٍ عليم٥**۔

الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ یَعْلَمُ مَا
زمین چھ وقتوں میں پھر قرار پکڑا عرش پر وہ جانتا ہے جو
یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے
وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہ ساتھ ہے تمہارے جہاں کہیں ہو تم اور اللہ اُسے جو
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝٥ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی
تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے اس کیلئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور طرف

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملہ میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ آہستہ سے پڑھا کرو۔**هو الاوّل**۔۔۔۔۔۔(ابن کثیر)

۵۔اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا۔(تشریح کے لئے سورۃ الاعراف۔۵۵۔یونس۔۴۔)عرش کی تشریح کے لئے (سورۃ التوبہ : ۱۲۹)

فرمایا کہ وہ کائنات کا خالق ہی نہیں بلکہ فرمانروا اور نگران بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے چھ درجوں میں بتدریج اس کائنات کی تخلیق فرمائی۔حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو طرفۃ العین میں پیدا کردیتا لیکن اس کی حکمت مقتضی ہوئی کہ چھ کو اصل بنائے اور اس پر مدار رکھے۔

عام معنی تو یہی ہیں کہ زمین میں پانی ، بیج اور دیگر اجزا داخل ہوتے ہیں اور اس سے نباتات ، مختلف گیسیں اور دھاتیں وغیرہ نکلتی ہیں اس طرح گیسیں اور بھاپ وغیرہ اوپر چڑھتی ہیں اور بارش وغیرہ نیچے اترتی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے سائنس کی روشنی میں اس آیت کی تشریح فرمائی۔فرمایا ’’اللہ تعالیٰ کے عرش پر قرار پکڑنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کائنات کو مکمل کرنے کے بعد فارغ نہیں بیٹھا جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا خیال ہے بلکہ ان کی نگرانی کے لئے عرش پر مستوی ہوگیا۔ دنیا میں جتنے کام بظاہر خود بخود ہورہے ہیں ان سب پر ان گنت فرشتے مامور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نگرانی کررہے ہیں ۔

زمین سے ہر وقت کچھ نہ کچھ آسمان کی طرف بلند ہوتا رہتا ہے اور کچھ نہ کچھ نیچے اترتا رہتا ہے ۔کچھ تو ایسے بخارات وغیرہ ہیں جن کو واپس زمین کی طرف بھیج دیا جاتا ہے لیکن کچھ ایسی ریڈیائی اور مقناطیسی شعاعیں ہیں جو بلند ہوکر زمین کے دائرے سے نکل جاتی ہیں۔ اس طرح آسمان سے شہاب ثاقب(Meteors)اور ریڈیائی شعاعوں کی زمین پر مسلسل بوچھاڑ ہورہی ہے ۔

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٦ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ
اللہ کی لوٹائے جاتے ہیں معاملات وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے
النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٧ اٰمِنُوْا
دن کو رات میں اور وہ خوب جاننے والا ہے سینوں والی بات کو ایمان لاؤ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ
اللہ اور اسکے رسول پر اور خرچ کرو اس سے کہ بنایا تم کو جانشین (پہلوں کا) جس میں
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝٨ وَمَا
پس وہ لوگ جو ایمان لائے تم میں سے اور خرچ کیا انہوں نے ان کے لیے اجر ہے بڑا اور کیا ہوا

(شہاب ثاقب کی زمین پر بوچھاڑ ۔الصافات ۷ تا ۱۱) نیز جن مختلف شعاعوں کی زمین پر بوچھاڑ ہورہی ہے۔ان پر تحقیق جاری ہے اور بہت کچھ معلوم ہوجانے کے باوجود آسمان سے اترنے والی اکثر شعاعوں کا سائنس دانوں کو علم نہیں ہوسکا‘‘ روحانی طور پر دیکھا جائے تو ملائکہ کا نزول وعروج ، رحمت وعذاب کا نزول، دعاؤں کا صعود اور فرمانِ الٰہی کا نزول سب اس میں شامل ہے۔فرمایا جہاں کہیں بھی تم ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔اس آیت کو انسان ورد بنالے تو گناہ کے قریب بھی نہیں جاسکتا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ تم جہاں بھی ہو اس کی معیت تمہیں حاصل ہے او روہ تمہارا مددگار ہے۔

۶۔ وہ بادشاہ ہے ۔کائنات میں سارا اقتدار و اختیار اسی کا ہے ہر معاملہ اسی کے حضور پیش ہوتا ہے اوراسی کے قوانین کے تحت فیصلہ ہوتا ہے۔

۷۔رات کو دن میں داخل کرتا ہے ۔دن کو رات میں داخل کرتا ہے تشریح کے لئے (حج ۔ ۶۲۔ لقمان۔۳۰۔ فاطر۔۱۴۔) وہ خالق و مالک جس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں وہ کائنات کے خارجی امور ہی کا علم نہیں رکھتا ۔وہ تمہارے اندر کے تمام بھیدوں سے بھی واقف ہے۔

۸۔ **مستخلفین۔ خلف**۔ اسی سے خلیفہ ہے جانشین۔نائب۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے لامحدود اختیار و اقتدار اور بندوں پر اس کی نعمتوں کے ذکر میں ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی ۔گویا شکر نعمت کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا کے تحت اسی کی راہ میں خرچ کیا جائے۔یہاں خطاب کفار سے نہیں کیوں کہ جن کو خدا اور رسول پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے انہیں ساتھ ہی جہاد کی ضروریات کے لئے فیاضانہ طور پر خرچ کرنے کو نہیں کہا جاسکتا اور نہ یہ کہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا ان کا درجہ ان لوگوں سے افضل ہے جو فتح مکہ کے بعد انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد

لَکُمۡ لَا تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ لِتُؤۡمِنُوۡا

تمہیں کہ نہیں تم ایمان لاتے اللہ پر اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ ایمان لاؤ تم

میں شامل ہوں گے۔پس یہاں عام مسلمانوں ہی سے خطاب ہے جن کو کہا گیا کہ خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کوجانتا ہے(آیت ۷)تمہارا ایمان کازبانی دعویٰ اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں۔انہیں کو تنبیہ فرمائی کہ سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ایمان کے تقاضے احسن طور پر پورے کرنا ہی اصل ایمان ہے جس میں سرفہرست جانی و مالی قربانی ہے یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی مالی حالت نہایت کمزور تھی اور مالی قربانیوں کی ہمہ وقت تحریک ہوتی رہتی تھی۔مخلص اہل ایمان اپنی جان و مال کو راہ خدا میں بے دریغ پیش کررہے تھے اور اپنی طاقت اوروسعت سے بڑھ کر قربانیاں دے رہے تھے۔ تاہم کچھ مومن اس معیار کو نہیں پہنچے۔یہاں انہیں سے خطاب فرمایا۔ مستخلفین کہہ کرخوب واضح کردیا کہ تم نائب ہو مالک نہیں۔خداتعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے اسی کی راہ پر خرچ کرنا تمہارے لئے گراں نہیں ہونا چاہیئے۔یہ بھی اشارہ ہے کہ تم جانشین ہو۔یہ مال ہمیشہ سے تمہارے پاس نہیں تھا نہ ہمیشہ رہے گا۔ آج یہ مال تمہیں دیا گیا ہے۔کل کسی اور کے پاس ہوگا۔جب یہ مال تمہارے پاس رہنا ہی نہیں تو کیوں صدق دل سے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ پس اسے سمیٹ سمیٹ کر رکھنا اور دل کھول کر راہ خدا میں خرچ نہ کرنا ایک مومن کے شایان شان نہیں۔جیسا کہ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسماء! خیر کے راستہ میں خرچ کیا کراور گن گن کرنہ دے ورنہ اللہ بھی تمہارے حق میں گننا شروع کر دے گا۔ اورنہ روک تو مال کو(جوتیری حاجت سے زیادہ ہو)ورنہ خدا بھی تجھ سے مال کو روکے گا۔ اورکم ازکم جو تجھ سے ہوسکے اس کے دینے سے دریغ نہ کر۔(متفق علیہ)حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!آدم کے بیٹے تو خرچ کرتا رہ۔میں تجھ کو دئے جاؤں گا۔(بخاری)حضرت خریم بن فاتکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!جوشخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتا ہے اسے اس کے بدلہ میں سات سو گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔(ترمذی باب فضل النفقة فی سبیل اللہ) انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں بے شمار احادیث ہیں۔پس جنہوں نے اپنے ایمان کو اس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچادیا اور دل کھول کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیاان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔یہ اجر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں بھی دیا۔حضرت عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم فقراور غربت سے ڈرتے ہو یا دنیا کے غم میں مبتلا ہواللہ تعالیٰ تو تمہیں ایران اور روم کی فتوحات عطا کرنے والا ہے اور دنیا تم پرانڈیل دی جائے گی۔(مجمع الزوائد جلد۱۰صفحہ ۲۴۵ باب مایخاف علی الغنی)

بِرَبِّکُمۡ وَقَدۡ اَخَذَ مِیۡثَاقَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹﴾

اپنے رب پر اوریقیناً اس نے لیا عہد تم سے اگر ہو تم ایمان دار

ہُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ

وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیات کھلی کھلی تاکہ نکالے وہ تم کو

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰﴾

اندھیروں سے طرف نور کی اوریقیناً اللہ تم پربہت مہربان اوربہت رحم کرنیوالا ہے

۹۔ ان آیات میں مومنوں کوحقیقی ایمان کی طرف بلایا ہے ۔واضح ہو کہ ایمان میں تین امور شامل ہیں۔ خدا تعالیٰ پر یقین کامل ، اطاعت رسول اور محبت رسول جس میں یہ تین چیزیں جمع ہوگئیں وہ بلاشبہ صحابہ کرام سے مل گیا۔صحابہ کرام نے جس مقام عالی کو حاصل کیااس تک پہنچنے کا راز یہی تھا ۔ظاہر ہے کہ عام مومن جن سے خطاب ہے اس مقام پر نہیں تھے۔ میثاق اوّل تو وہ ہے جو ابتدائے آفرینش میں ہر روح سے لیا گیا **الست بربکم قالوابلیٰ** ۔جس کا اجمالی اثر خواہ کیساہی دھندلا ہوچکاہو تمہاری فطرت میں اب بھی موجود ہے۔فطرت صحیحہ توحید اور نیک اعمال کی طرف بلاتی اور ہربرائی سے روکتی ہے ۔حضرت وابصہ بن معبدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے وابصہ ! تو پوچھنے آیا ہے نیکی کیا ہے اور گناہ کیا؟ میں نے عرض کیا!ہاں۔ آپ ﷺ نے انگلیوں کو اکٹھا کیااور میرے سینہ پر مارکر فرمایا اپنے نفس سے پوچھ۔اپنے دل سے پوچھ۔تین دفعہ یہ الفاظ فرمائے۔پھر فرمایا! نیکی وہ ہے جس سے نفس کو اطمینان اوردل کوسکون نصیب ہو اور گناہ وہ ہے جونفس میں خلش پیدا کرے اور دل میں تردد کاموجب ہو اگرچہ لوگ (اس کے جواز میں) فتویٰ دیں۔(احمد۔ترمذی) **اخذ میثاقکم** میں بیعت کاوعدہ یاد دلانا بھی مراد ہے مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ ہم چستی اور سستی ہرحال میں آپ ﷺ کی بات کوسنیں گے اور اطاعت پر قائم رہیں گے۔ خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں راہِ خدا میں خرچ کریں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے اللہ کی خاطر حق بات کہیں گے اور اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔غرض بیعت اپنی جان اور اپنے مال کو رسول کے ہاتھ پر بیچنا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا وعدہ ہے ۔ بیعت کی مزید تشریح کے لئے (سورة فتح آیت ۱۱۔) پس جب تم ایمان لاچکے ہو اور بیعت کی صورت رسول سے پختہ وعدہ کرچکے ہوتو اس کی عملی تشکیل میں کون ساامر مانع ہے۔ ان کنتم مومنون میں واضح کردیا کہ یہاں خطاب کفار سے نہیں۔

۱۰۔انفاق فی سبیل اللہ کی آیات کے درمیان یہ آیت لاکر یہ واضح فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ

اور کیا ہوا تمہیں کہ نہ خرچ کرو راہ میں اللہ کی اور اللہ کیلئے ہے میراث

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

آسمانوں اور زمین کی نہیں برابر تم میں سے وہ جس نے خرچ کیا پہلے

الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا

فتح کے اور لڑائی کی یہ لوگ بڑے ہیں درجہ میں ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا

مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ بِمَا

بعد میں اور لڑائی کی اور سب سے وعدہ کیا اللہ نے اچھا، اور اللہ اسے جو

ع ۱۷ تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے جو شخص کہ قرض دے گا اللہ کو قرض اچھا

کی راہ میں خرچ کرنا ہرگز گھاٹے کا سودا نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہ اور عرش والے خدا کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھ کہ وہ تمہیں مفلس کردے گا۔(ابن کثیر) وہ تو ایسا مہربان اور رحیم ہے جس نے اپنی سب سے بڑی نعمت قرآن پاک دے کر اپنے بندے کو بھیجا تاکہ اس کتاب کے ذریعہ تمہیں کفر اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و ایقان کی روشنی میں لے آئے۔ یہاں لطیف انداز میں بتلایا کہ ایمان کے مقابلہ میں دنیوی مال و متاع حقیر ہیں۔

۱۱۔ غرض اللہ تبارک و تعالیٰ کی بخشی ہوئی معمولی متاع کو راہِ خدا میں خرچ کرنا تمہیں ہرگز دشوار نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ خالق و مالک جس کے قبضۂ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے اس کی نظر میں تمہارے اس معمولی مال کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ راہ خدا میں خرچ کرنا تمہارے اپنے ہی مفاد میں ہے کہ دنیا و آخرت میں اس کا بہترین اجر پاؤ گے۔ یہ معنی بھی ہیں کہ زمین و آسمان کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ تمہیں وہ کچھ عطا کرنے پر قادر ہے جس کا تم تصور نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ بعد میں دنیا جہان کی نعمتوں سے نوازے گئے۔ تمہاری ملکیت میں جو کچھ ہے وہ بھی دراصل اللہ ہی کا ہے۔ اسی نے دیا، وہی اس کا اصل وارث ہے پس تمام اشیاء مالک کی مِلک میں جانے والی ہیں اس لئے کہ ہر چیز ایک وقت اپنی ملکیت کھو دے گی اور اللہ کی ہی میراث ہوجائے گی۔ حضرت مطرفؓ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ سورۃ التکاثر پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا! اے ابن آدم! کیا تیرا مال ہے بھی؟ سوائے اس مال کے جو تم نے کھایا اور خرچ کرلیا اور پہن لیا۔ ہاں جو تو نے صدقہ

دیا وہ اگلے جہان میں بھیج چکا ہے وہ تیرے فائدہ کا موجب ہوگا۔(مسلم کتاب الذھد والرقائق) گویا جو پیچھے چھوڑا وہ تو تیرا ہے ہی نہیں۔ تمہارے وارث جن کی ضروریات انفاق فی سبیل اللہ میں روک ہیں انہیں تو یہ تک خبر نہیں ہوگی کہ یہ مال ہمارے باپ کے خون پسینے کی کمائی ہے یا دادا کی یا اس سے بھی پہلے کسی کی۔ تو پھر اس مال کو راہ خدا میں خرچ کرکے کیوں ثواب دارین حاصل نہیں کرتے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں ایک آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ تو اس حالت میں خرچ کرے کہ تو تندرست ہو اور مال کی ضرورت اور حرص رکھتا ہو، غربت سے ڈرتا ہو اور خوشحالی چاہتا ہو۔ صدقہ و خیرات میں ایسی دیر نہ کر کہ مبادا جب جان حلق تک پہنچ جائے تو تُو کہے فلاں کو اتنا دے دو اور فلاں کو اتنا۔ حالانکہ وہ مال اب تیرا نہیں رہا وہ تو فلاں کا ہو ہی چکا۔(بخاری کتاب الذکوٰۃ باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح)

فتح سے مراد مجاہد، قتادہؓ اور زید بن اسلم کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک فتح کا اطلاق صلح حدیبیہ پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بھی صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ اسلام پر جب بھی کوئی کٹھن وقت آئے تو اس وقت قربانیاں کرنے والے سہولت کے دنوں میں قربانی کرنے والوں سے رتبہ میں بہرحال افضل ہوں گے۔

پس جن مومنوں نے غلبہ اسلام سے پہلے جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں اور سابقون الاوّلون کہلائے ان کی برابری بعد میں آنے والے کیسے کرسکتے ہیں جو نتائج کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے اور جان و مال پیش کئے۔ بیشک دونوں سے حسنہ کا وعدہ ہے مگر درجات میں تفاوت ہے۔ اگر فتح سے قبل کے حالات کا اجمالی طور پر جائزہ لیں تو دس سالہ مدنی دور میں مومنوں کی مٹھی بھر جماعت نے اہل مکہ کی ناقابل بیان اذیتوں کا مقابلہ جس صبر و استقلال سے کیا اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ مکہ سے بے سرو سامانی کی حالت میں مدینہ پناہ لینے پہنچے تو قریش مکہ نے یہاں بھی پل بھر کے لئے سکھ کا سانس لینے نہ دیا۔ پھر اہل ایمان نے دشمن کی یلغار کا مقابلہ جس ہمت اور حوصلے سے کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مٹھی بھر مجاہدین جن میں اکثریت مدینہ کے کاشتکاروں کی تھی، نہ نفری نہ مناسب سامان حرب جبکہ مقابلہ میں قریش کے زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے جنگجو جن کی زندگی ہی حرب و ضرب میں گزری تھی۔ یہ ان جانفروشوں کی قوتِ ایمانی اور عشقِ رسول کا جذبہ ہی تھا جس نے ممولوں کو شاہینوں سے لڑادیا اور نصرتِ الٰہی سے دشمن ہمیشہ لاشوں کے ڈھیر اور اسلحہ کے انبار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ ان حالات میں ایمان لانا خود کو اور

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ

تو وہ بڑھا دیگا اُسے اس کیلئے اور اس کیلئے اجر ہے عزت والا جس دن تو دیکھے گا مومن مردوں کو

اپنے اہل و عیال کو موت کے منہ میں دھکیلنا تھا۔ ہر دم یہی خطرہ تھا کہ اہل ایمان کی چھوٹی سی جماعت کسی وقت بھی دشمنوں سے پس سکتی ہے اور محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی کفار کے غیض و غضب کا نشانہ بن سکتے ہیں نعوذ باللہ علی ذٰلک۔ پس جو ایسے خطرناک وقت میں ایمان لائے، اپنے ایمان پر استقامت دکھائی، وفا کے تقاضے پورے کئے اور جان و مال کو راہ خدا میں قربان کیا ان کے مقام و مرتبہ کو وہ مسلمان کیسے پہنچ سکتے ہیں جو فتح کے بعد اسلام میں داخل ہوئے جبکہ حالات یکسر بدل چکے تھے۔اسلام ایک عظیم طاقت بن کر ابھر رہا تھا لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اسلام میں داخل ہونا عزت و وقار اور حفاظت کی ضمانت بن گیا تھا۔

بیشک جان و مال کی قربانیاں اس وقت بھی قابل ستائش ہوں گی جب اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا مگر اس غلبہ سے پہلے کی گئی قربانیوں کے مقام کو بعد میں کی گئی قربانیاں نہیں پہنچ سکتیں جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان میں سے (جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے) کسی کے پاس پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ سارا کا سارا خدا کی راہ میں خرچ کردے تو وہ تمہارے دو رطل (رطل آدھا سیر وزن غلہ وغیرہ) بلکہ ایک رطل خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ) نیز امام احمد نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔اگر تم لوگ (فتح کے بعد ایمان لانے اور خرچ کرنے والے) احد کے برابر یا پہاڑوں کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان لوگوں کے اعمال کو نہ پہنچ سکو گے۔ (جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا) (مکمل حدیث مع حوالہ سورۃ واقعہ ۱۵ میں گزر چکی ہے)

بیشک بعض صحابہ کرام کے درمیان بعض اختلافی مسائل پیش آئے مگر ان کو بنیاد بنا کر ان کی شان میں گستاخی سے پیش آنا ہرگز قابل معافی نہیں۔انہوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے اللہ کی رضا کے لئے کیا اور اجتہاد سے کیا۔اس اجتہاد میں اگر وہ صحیح بات میں تھے تو دوہرے ثواب کے مستحق ہیں اگر خطا پر تھے تو معذور تھے اور ایک ثواب کے مستحق تھے۔ان کا معاملہ ان کے ربّ کے پاس ہے ہمیں ان کے درجات کے تعین کا کوئی حق نہیں۔ان سب کے لئے حسنہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خوب خبر ہے۔ان کے اعمال کے مطابق بہترین اجر سے نوازے گا۔

۱۲۔ اس رحیم و کریم کی کرم نوازیوں کا شمار نہیں کہ جب اُسی کے دئے ہوئے مال میں

وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

اور مومن عورتوں کو چلے گا نور ان کا آگے ان کے اور داہنے ان کے

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بشارت ہو تمہیں آج باغات ہیں بہتی ہیں نیچے جن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ

رہ پڑنے والے ہو اس میں یہ ہی کامیابی ہے بڑی جس دن کہیں گے

سے اس کا بندہ اس کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر اپنا عمدہ مال خرچ کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے جسے بہت بڑھا کر لوٹانا گویا اس کے ذمہ واجب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قرض کو لوٹانے کے تعلق میں دو وعدے فرمائے اوّل یہ کہ بہت بڑھا کردے گا دوم یہ کہ اس کے لئے ایک بڑی عزت والا اجر بھی مقدر ہے۔ بیشک یہ دنیا میں بھی مومنوں کو نصیب ہوگا۔

۱۳۔ مگر کھلا کھلا اس دن ملے گا جس دن اے محمد ﷺ! تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ نور کا آگے اور دائیں طرف دوڑنا مومنین کے چاروں طرف نور کا ہونا ہے جیسا کہ حضرت ابوذرؓ اور ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں اپنی امت کے صالحین کو ان کے نور سے پہچانوں گا جو ان کے آگے اور ان کے دائیں اور بائیں دوڑ رہا ہوگا۔ (حاکم۔ ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ) نورھم میں بتلایا کہ یہ نور ان کا اپنا ہوگا یعنی وہ اسے دنیا سے اپنے ساتھ لائے ہوں گے جو ان کے اعمال حسنہ اور انفاق فی سبیل اللہ سے وجود میں آیا ہوگا۔ احادیث میں ہر نیکی کے صلہ میں نور کا ذکر ہے جو آخرت میں ملے گا۔ جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت بریدہؓ سے اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں قیامت کے روز مکمل نور کی۔'' اسی مضمون کی روایات حضرت ابن عباسؓ ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہیں۔ (مظہری) مسند احمد اور طبرانی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا۔ اس کے لئے یہ نماز قیامت کے دن نور اور برہان اور نجات بن جائے گی اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا۔ نہ اس کے لئے نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قارون اور ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا۔'' طبرانی نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے کہ جو سورۃ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے لئے اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ

جوشخص جمعہ کے روز سورۃ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور پہنچے گا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے شر سے بچنے کے لئے سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔(مسلم کتاب فتن باب ذکر الدجال و صفتہ و ماعمہٗ وابوداؤد صفحہ ۵۹۳) ان آیات میں نصاریٰ کے باطل عقیدہ اور ان کے لئے دنیا کی زیب و زینت اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا وہ آیت اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔ دیلمی نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پرنور کا سبب بنے گا۔طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حج وعمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لئے جو سرمنڈایاجاتاہے تو اس میں جوبال زمین پر گرتاہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔ مسند بزاز میں حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ منٰی میں جمرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہوگا۔ طبرانی نے بسند جید حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیاہے کہ جس شخص کے بال حالت اسلام میں سفید ہوجائیں ۔ وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوں گے۔ اللہ بوڑھے مومن کو عذاب دینے سے شرماتاہے۔ بزاز نے بسند جید حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیاہے کہ جوشخص اللہ کی راہ میں جہاد میں ایک تیر بھی پھینکے گا وہ اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔بیہقی نے شعب الایمان میں بسند منقطع حضرت ابوعمرؓ سے مرفوعاً روایت کیاہے کہ بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو اس کے ہر بال کے مقابلے میں قیامت کے روز نور ملے گا۔ طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جوشخص کسی مسلمان کی مصیبت و تکلیف کو دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پل صراط پرنور کے دو شعبے بنادے گا جس سے ایک جہان روشن ہوجائے گا جس کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخاری ومسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! تم ظلم سے بہت بچو۔کیونکہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیرے ہوگا۔ دیگر کئی جید صحابہ نے اس حدیث کو روایت کیاہے۔یہ نور دنیا میں پوشیدہ تھامگر مومنوں کے دلوں کی سکینت کا موجب تھا اور وہ دنیا ہی میں جنتی زندگی بسر کرتے تھے ۔مگر آخرت میں کھلا کھلا نظر آئے گا جو ان کے آگے آگے دوڑے گا اور جنت کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا اور انہیں جنت میں پہنچادے گا جس کے دامن میں نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ۔جنت کا حصول یقیناً بہت بڑی کامیابی ہے۔

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا
منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ انتظار کرو ہمارا
نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا
ہم حاصل کریں نور تمہارا کہا جائے گا لوٹو پیچھے اپنے پس طلب کرو
نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ
نور پھر کی جائے گی درمیان ان کے ایک دیوار اس کا دروازہ ہوگا اندرونہ اس کے میں
الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝۱۳ يُنَادُوْنَهُمْ
رحمت ہے اور بیرون اس کا آگے اس کے عذاب ہے وہ پکاریں گے انہیں

۱۴۔ **انظرونا** ۔ ہمارا انتظار کرو۔ ہم پرنظر ڈالو۔ **نقتبس۔ قبسٌ** شعلہ یاچنگاری ہے۔ **نقتبس** ۔ ہم روشنی حاصل کرلیں۔ **مسٌ** چھونا ہے کبھی تلاش کرنے کے معنی بھی دیتاہے۔ **التمسوا**۔تم تلاش کرو۔

نور کے ذکر میں منافقین کا ذکرکیا کفار کا نہیں ۔اس لئے کہ منافق مومنوں کے قریب ہوں گے جیساکہ دنیا میں بھی بظاہر مومنوں سے ملے رہے ۔ چونکہ دنیا سے ایمان اور نیک اعمال کا نور لے کرنہیں گئے اس لئے قیامت میں نور سے محروم ہوں گے اور اندھیروں میں بھٹکتے پھریں گے ۔درمنثور میں ہے کہ پہلے ان کو نور دیاجائے گا پھر سلب کرلیاجائے گا ۔جیسے دنیا میں یہ ابتدا میں نور ایمان سے منور ہوئے پھر پیچھے ہٹ گئے ۔مومنوں کو اس نور اور بہشتی زندگی کا مزید احساس اس وقت ہوگا جب وہ اپنے گنہگار ہم جلیسوں کو اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتے اوران سے نور کی بھیک مانگتے دیکھیں گے اور وہ ان کی مدد سے معذوری کااظہار کریں گے۔ان سے کہاجائے گا کہ اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ۔یعنی اگر طاقت ہے تو دنیا میں لوٹ جاؤ(بیضاوی و روح البیان) اور کوئی نور تلاش کرو۔ اس لئے کہ یہ نور دنیا کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے۔ مومن جو نور لائے ہیں تو انہوں نے ضرور کسی نہ کسی نیکی میں کمال حاصل کیاہوگا جووہ نیکی آج نور کی صورت انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ تب ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی اورباہر کی طرف سامنے عذاب ہوگا۔ اس میں اشارۃً بتلایا کہ جنت کے دروازے میں داخل ہونے والے پہلے دنیا کی آزمائشوں کی آگ سے گزرتے ہیں تب جنت کا دروازہ ان کے لئے کھلتاہے ۔انفاق وقتال کے ذکر میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بظاہر انفاق وقتال بھی عذاب نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں رحمت ہیں۔ یہاں بتلایا کہ جنت وجہنم اور نیکی و بدی میں بظاہر ایک دیوار ہی کافاصلہ ہے ذرا بھی کوشش کرتے تو اس کو پاٹنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

کیا نہیں تھے ہم ساتھ تمہارے وہ کہیں گے کیوں نہیں و لیکن تم نے فتنہ میں ڈالا اپنے تئیں

وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ

اور انتظار کیا تم نے اور شک کیا تم نے اور دھوکہ میں ڈالا تم کو آرزوؤں نے یہاں تک کہ آیا جب حکم

اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۵﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ

اللہ کا اور فریب دیا تم کو متعلق اللہ کے بہت فریبی (شیطان) نے، پس آج نہ لیا جائے گا تم سے

۱۵۔ **غُرور** ۔ دھوکا۔ دھوکا دینا۔ **غَرور**۔ دھوکا دینے والا۔ شیطان ۔

منافقین اپنے ہم جلیس جنتیوں کو اپنی سابقہ قرابت دوستی کا واسطہ دیں گے کہ جب دنیا میں ہم ہر طرح سے اکٹھے رہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اور دیگر اسلامی ارکان و عقائد میں ہم خیال تھے پھر آج ہم میں یہ جدائی کیوں ڈالی جارہی ہے ۔ انہیں بتایا جائے گا کہ آج تمہارا یہ انجام اس لئے ہوا کہ تم نے خود اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا۔ اس میں سب سے اوّل اسلام کو دل سے قبول نہ کر کے خود کو فتنہ میں ڈالنا اور خود کو دھوکا دینا تھا۔ منافقین کا فتنہ میں پڑنا یہ بھی تھا کہ فتنہ کے وقت الگ نہ رہے بلکہ اس میں شریک ہوئے ۔نیز ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل رہے لیکن کفار سے میل ملاپ رکھا ۔یہی وجہ تھی کہ قربانی کے موقع پر ہمیشہ دھوکہ دیااور کنی کترا گئے ۔

منافقین کاانتظار کرنا گردش زمانہ کا انتظار تھا کہ کب اسلام کو مکمل طور پر شکست ہو اور ہم کھل کر کفار میں شامل ہوجائیں۔انتظار کرنا یہ بھی تھا کہ جسے کامل غلبہ حاصل ہو ہم اس سے مل جائیں۔اگر مسلمان غالب آ جائیں تو چونکہ بظاہر وہ خود کو مسلمان ہی کہتے تھے اس لئے مسلمانوں میں شامل ہو کر فتح کے غنائم اور دیگر فوائد سے مستفید ہوں۔کفار کے غلبہ کی صورت میں ان سے مل جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شامل نہ ہونا ان کے حق میں مفید ثابت ہو اور وہ ان سے مختلف فوائد حاصل کریں۔منافقین کا شک میں مبتلا ہونا یہ تھا کہ انہیں کبھی بھی رسول اور رسول کی لائی ہوئی تعلیم پر یقین کامل نہیں تھا۔اسی بنا پر بعث بعد الموت اور یوم حساب پر بھی شک رہا اور ان تمام پیشگوئیوں کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے رہے جن میں غلبہ اسلام کا ذکر تھا۔ فرمایا تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا۔جھوٹی آرزوئیں یہی تھیں کہ رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی حوادثِ زمانہ کا شکار ہوں گے اور نعوذ باللہ تباہ ہوں گے۔گویا اسلام مٹ جائے گا ۔یہی وہ جھوٹی تمنائیں تھیں جو کبھی پوری نہ ہوئیں۔یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا۔جو غلبہٗ اسلام بھی ہے اور انسان کی مَوت بھی جب حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے۔فرمایا تمہاری گمراہی کی ایک وجہ شیطان کے دھوکے میں آنا بھی ہے۔اللہ کے بارے میں شیطان کادھوکہ میں مبتلا رکھنا یہی تھا کہ اللہ غفور الرحیم

فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ

فدیہ اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ٹھکانا تمہارا آگ ہے وہی

مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

رفیق ہے تمہاری اور کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا کیا نہیں وقت آیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

کہ ڈر جائیں دل ان کے ذکر کے لیے اللہ کے اور اس کے لیے جو اُترا حق سے

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ

اور نہ ہوویں وہ مانند ان لوگوں کی جو دیئے گئے کتاب پہلے سے پس لمبی ہوگئی ان پر

الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۷﴾

مدت تو سخت ہوگئے دل ان کے اور بہت ان میں سے فاسق ہیں

ہے تمہاری پکڑ نہیں ہوگی اور نہ مرنے کے بعد حساب کتاب ہوگا۔

۱۶۔ منافقین سے خطاب تھاجو دنیا میں کفار کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے اب آخرت میں انہیں کفار کے ساتھ اکٹھا کردیا اور بتلایا کہ منافقین کا انجام کفار سے مختلف نہیں ہوگا۔بیشک منافق دنیا میں اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے کچھ دے دلا کر چھوٹ جاتے تھے مگر وہاں ایسا نہ کرسکیں گے ۔اس لئے کہ ان کے پاس دینے کو کچھ ہوگا نہیں۔مراد یہ ہے کہ اگر ان کے پاس کچھ ہوتا بھی اور دینے کی خواہش بھی کرتے تو بھی قبول نہ کیاجاتا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ ضرور نہیں کہ فدیہ خود اداہو اقربا بھی دیتے ہیں ۔اگر اقربا کے پاس بہت سی نیکیاں ہوں اور وہ دینا چاہیں تو بھی قبول نہیں ہوگا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)فرمایا تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور اب یہی تمہاری مولیٰ و مددگار ہے۔مومنوں کا مولیٰ و مددگار ان کا ربّ تھاجس کے فضل سے وہ دنیا سے پاک صاف ہوکر اپنے ربّ کے حضور پہنچے اور جنت کے اہل قرار دئے گئے۔ منافقین اور کفار کی مولیٰ و مددگار آگ ہے ۔جو ان کی تمام آلائشوں کو صاف کرکے انہیں جنت میں داخلے کے قابل بنادے گی۔گویا جہنم کی سزا ان کے لئے بطور علاج ہوگی۔ غرض جو دنیا میں معمولی کوشش سے اللہ کی رضا کی راہوں پر نہ چل سکے۔ ان کا علاج جہنم کی اذیت ناک سزا سے ہوگا۔

۱۷۔ **تخشع (الخشوع)**۔خشیت اختیار کریں۔خشیت وہ خوف ہے جو کسی کی عظمت کی وجہ سے دل پر طاری ہو ۔**امدُ** ۔مدت۔

منافقین کے لئے بطور سزا جہنم کی ایذارسانیوں کا ذکر تھا۔ **الم یان** میں کمزور ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی کہ کیا اس قدر مصائب و آلام سے گزر کر بھی ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ

جان لو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو بعد موت کے اس کی، یقیناً کھول کر بیان کرچکے ہیں تمہارے

الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ

لیے آیات تاکہ تم عقل کرو یقیناً صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں

وَ اَقۡرَضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمۡ وَ لَہُمۡ اَجۡرٌ

اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو قرض دینا اچھا بڑھایا جائیگا ان کے لیے اور ان کیواسطے اجر ہے

کَرِیۡمٌ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ

باعزت اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اسکے یہ لوگ ہی

کے ذکر اور اس کے کلام سے جو حق و حکمت سے اترا ہے، جھک جاتے۔ بیشک مومنین کے دل خوف الٰہی کے معاملہ میں اعلیٰ ترین مقام پر تھے اور ہمہ وقت اپنے ربّ کے حضور جھکے رہتے تھے۔ مگر کمزور ایمان والوں اور منافقین کو خبردار کیا کہ کہیں وہ بھی اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں کہ جب انہیں کتاب ملے ہوئے عرصہ گزرگیا تو ان کے دل سخت ہوگئے۔ بیشک اہل کتاب میں اکثر فاسق ہیں یعنی اپنے ربّ سے کئے ہوئے عہد کو بھلا چکے ہیں۔ تاہم اب بھی ان میں ایسے لوگ ضرور ہیں جن کے دل خشیت الٰہی سے بھر آتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اسلام پر ایک لمبا عرصہ گزرجائے تو تم میں سے بھی اکثر کے دل خشیت الٰہی سے خالی ہوجائیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔

۱۸۔ اللہ تعالیٰ نے تو دلوں کی سختی کا علاج ذکرِالٰہی اور کلام الٰہی میں رکھا تھا۔ مگر جب اسلام پر خشک سالی کا دور آیا اور اکثریت کے دل خشیتِ الٰہی سے خالی ہوگئے تو ساتھ ہی اپنی رحمت کاذکر فرمایا کہ یادرکھو اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد ضرور زندہ کرتا ہے مادی طور پر تو یہی معنی ہیں کہ زمین جب بھی خشک سالی کا شکار ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور آسمانی پانی سے سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمانیت کے طفیل جس طرح اپنے بندوں کے لئے وقت پر مادی غذا کا انتظام فرماتا ہے اسی طرح اپنی رحمت کاملہ سے ضرورت حقہ کے وقت روحانی غذا بھی مہیا فرماتا ہے۔ عادت اللہ ہمیشہ سے یہی ہے کہ جب بھی زمین پر ظلمت و تاریکی کا زمانہ آیا اور زمین روحانی طور پر مردہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے نئے سرے سے زندہ کرنے کا سامان کیا۔ اسی غرض سے انبیاء آتے رہے۔ جو مردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پھونکتے رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کو تمہارے لئے خوب کھول کھول کر بیان کردیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَ الشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ

صدیق اور شہید ہیں نزدیک اپنے رب کے ان کے لیے اجر ہے ان کا

وَ نُوۡرُہُمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ

اور نور ان کا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور تکذیب کی آیات کی ہماری یہ لوگ

اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۲۰﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ

اہل دوزخ ہیں جان لو کہ زندگی ورلی کھیل

ع ۲ / ۹ / ۱۸

۱۹۔ صدقہ صِدق سے ماخوذ ہے اس سے مراد محض وہ خیرات نہیں جو غرباء کے لئے مخصوص ہوتی ہے بلکہ اس میں ہر وہ قربانی شامل ہے جو صدق دل سے محض رضائے الٰہی کے لئے دی جائے۔ قرآن کریم میں جب بھی کسی آیت کی تکرار ہو تو اس میں گہری حکمت ہوتی ہے۔ فرمایا! جب احیائے موتیٰ کا زمانہ آتا ہے اور مردے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو وہی وقت قربانیوں کا ہوتا ہے۔ پس ان مشکلات کا حل انفاق فی سبیل اللہ میں ہے۔ فرمایا صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں نے اللہ کو قرضہ حسنہ دیا ان کے مالوں کو ان کی خاطر بہت بڑھا دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب کوئی شخص کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔ پھر اسے صدقہ کرنے والے کے لئے بڑھاتا ہے اور ترقی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کھجور، پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب الصدقہ من کسب طیب۔ حدیث نمبر ۱۳۲۱) اس کے علاوہ بھی ان کے لئے ایک باعزت اجر ہے۔ (تشریح کے لئے آیت ۱۲، ۱۳۔ سے استفادہ فرمائیے) جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں انفاق و قتال کے ذکر میں قرض حسنہ کا بیان ہے۔ اس آیت میں اسلام کے احیائے نو کے ذکر میں قتال کا ذکر نہیں کیا بلکہ صدقات اور قربانیوں کا ذکر کیا اور اس میں مَردوں کے ساتھ عورتوں کو بطور خاص شامل کیا۔ جیسا کہ مسیح الزمان کے دور میں اللہ تعالیٰ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی مالی اور دیگر قربانیوں کی مسلسل توفیق دے رہا ہے اور وہ ہر قربانی میں مردوں کے شانہ بشانہ اسلام کے احیائے نو میں حصہ لے رہی ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ لجنہ اماء اللہ کی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

۲۰۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کاذکر تھا فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اولین ہی تک محدود نہیں بلکہ آخرین کے لئے بھی مقدر ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!'' میری امت ایک مبارک امت ہے یہ معلوم نہیں ہوسکے گا کہ اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر۔'' گویا دونوں زمانے ہی شان و شوکت والے ہوں گے۔ (جامع الصغیر صفحہ ۱/۵۴ مصری۔ کنز العمال صفحہ ۷/۲۰۲) پس اس

وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ
اورمشغلہ اور زینت اور فخر کرنا ہے آپس میں اور بڑھنا ہے مالوں میں

وَالْاَوْلَادِ ۚ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ
اوراولاد میں مانند مینہ کے خوش کیا کھیتی والوں کو روئیدگی نے ان کی پھر

يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۚ وَفِى
وہ بڑھتی ہے پھر تو دیکھے گا اُسے زرد پھر وہ ہو جائے گی چورا اور

الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۚ
آخرت میں عذاب ہے سخت اور مغفرت ہے طرف سے اللہ کی اور رضامندی

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۱﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى
اورنہیں زندگی ورلی سوائے سامان دھوکہ کے سبقت لے جاؤ طرف

آخری دور میں وہ لوگ جو کامل طور پر اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اوران میں تفریق نہیں کی۔ وہ اپنے ایمان کامل کی بدولت اپنے ربّ کے نزدیک صدیقوں اورشہیدوں کے مراتبِ عالیہ پر فائز ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے مرتبے اور مقام کے لحاظ سے اجر اور نور عطا ہوگا۔ (تشریح کے لئے آیت ۱۲، ۱۳) ہاں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا، وہی جہنمی ہیں۔

۲۱۔ **یھیج ۔ ھاج البقل** کے معنی **بقول** (سبزیوں) کے پک کر زرد پڑجانے کے ہیں۔(مفردات) **حطاما۔ الحطم** کے اصل معنی کسی چیز کے توڑنے کے ہیں ۔ کسی چیز کو ریزہ ریزہ کردینے اور روندنے پر **حطم** کالفظ بولا جاتا ہے۔ (مفردات)

اب آخری زمانہ کانقشہ پیش کیاجو دور اوّل سے ہرگز مطابقت نہیں رکھتا۔ بلکہ آج کے دور پر اطلاق پاتا ہے۔ جب چاروں طرف لہو ولعب اور تفاخر و تکاثر کا نظارہ نظر آتا ہے۔ یہاں کفار کی زندگی کے مختلف مراحل کو بیان کیا اور کفار ہی سے خطاب فرمایا۔ لعب بچپن کے بے مقصد کھیل کود کے لئے آتا ہے جو معصومیت کازمانہ ہے۔اس کے بعد نوجوانی اور کچھ سمجھ کازمانہ آتا ہے اس کے لئے لہو کا لفظ استعمال کیا۔ لہومیں مختلف مشاغل کے علاوہ غفلت کے معنی بھی ہیں۔گویا ایسی کھیلوں میں مشغول ہونا جو ذکر الٰہی اوردیگر اہم امور سے غافل کردیں۔جیسے گھنٹوں ٹی وی کے لغوپروگرام دیکھنا یابے مقصد گپ شب لگانا۔واضح ہو کہ جائز خواہشات اور لذات انسانی فطرت کے طبعی تقاضے ہیں۔ ان کو توازن کے تحت خداتعالیٰ کی رضا کے تابع رکھنا کہ فرائض پر اثر انداز نہ ہوں ہرگز منع نہیں۔اس کے بعد جوانی کازمانہ ہے جوتعمیری کاموں میں صرف ہونا چاہیئے۔وہ زیب و زینت اور

ایکدوسرے پرفخر کرنے میں ضائع ہوجاتا ہے۔ دیکھا جائے تو لہو میں بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اور لذت ہے گوبعد میں وہی لذت سزا بھی بن جاتی ہے۔مگر زینت محض دکھاوا ہے یہ وہ زینت نہیں جسے قرآن نے زینت قرار دیا ہے(الاعراف :۳۳) کہ زینت اور پاکیزہ رزق تو پیدا ہی نیکوں کے لئے کیا گیاہے تاکہ دنیا میں بھی فائدہ اٹھائیں اور آخرت میں بھی جبکہ دوسرے محروم ہوں گے۔یہاں منفی معنوں میں زینت کا ذکرہے جس کے ساتھ تفاخر بھی وابستہ ہے جو اصل ہلاکت ہے۔یعنی زینت اس غرض سے کی جائے کہ دنیاکو اور اپنے بہن بھائیوں کو نیچا دکھانا مقصود ہو گویا خود دوسروں سے اعلیٰ تر اور وہ ادنیٰ تر ہیں۔ تفاخر تکبر تک جاپہنچتا ہے جو شرک کی سب سے مکروہ اور قابل نفرت شکل ہے۔کیونکہ ایک متکبر شخص بقول حضرت مسیح موعودؑ خدا کو سرچشمہ عقل وعلم نہیں سمجھتا بلکہ اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔پھر انسان اس عمر کو پہنچتا ہے کہ اس میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس وقت اسے ضرور ہوش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے مشاغل سے کچھ وقت نکال کر اپنی پیدائش کے مقصد پر غور کرے اور اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے اس کی مخلوق کی بہبود کے لئے عملی کوشش کرے۔ مگر افسوس یہ وقت بھی بڑابننے کی دھن میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش میں گزرجاتا ہے۔یہانتک کہ اچانک بڑھاپاآدبوچتاہے جو موت کے منہ میں دھکیل دیتاہے اور انسان مٹی میں مل جاتا ہے۔اس عارضی زندگی کی مثالؐ اس بارش کی مانند ہے جس کی روئیدگی کفار کے دلوں کو لبھاتی ہے اس لئے کہ وہ اُس میں اپنا ہی کمال سمجھتے ہیں ۔پھر وہ تیزی سے بڑھتی ہے اور زرد ہو کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے اورمٹی میں مل جاتی ہے بعینہٖ کفار کی زندگی ہے جو چند روزہ بہار دکھا کر آخرمٹ جاتی ہے۔ہر گنہگار اپنے گناہوں کی شامت اعمال اس دنیا میں بھی دیکھ لیتاہے۔اس کی لہلہاتی کھیتیاں اس کے سامنے زرد ہوجاتی ہیں۔کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ساری محنت اکارت جاتی ہے۔ حسرتیں ہی رہ جاتی ہیں۔دنیاکی زندگی کومقصود حیات بنانے کانتیجہ آخرت میں سخت عذاب کی صورت ظاہر ہوتاہے جبکہ ایک مومن کا نظریہ حیات یکسر اس سے مختلف ہے اس کی زندگی بے مقصد نہیں ہوتی۔ وہ جانتاہے کہ اسلام نے بامقصد دنیوی مشاغل سے منع نہیں کیا ہاں دنیا ہی کو اپنا مقصود حیات بنانا منع ہے۔پس وہ جوں جوں شعور کو پہنچتا ہے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے تعمیری مشاغل میں مشغول ہوجاتاہے اس کے لئے فخر کامقام یہی ہے کہ اپنی تمام تر صلاحیت اور استعداد کو مغفرت کی طلب اور اپنے ربّ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مختص کردے۔پس جس نے اس مقصود حقیقی کو حاصل کرنے کی جدوجُہد میں زندگی گزاری اس کے لئے یقیناً اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضوان کی بشارت ہے۔جبکہ دنیا کی زندگی کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ محض دھوکے کا سرمایہ ہے ایسا سرمایہ نہیں

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ

بخشش کی طرف سے اپنے رب کی اور (طرف) جنت کی چوڑائی جس کی مانند چوڑائی آسمان اور

الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۗ ذٰلِكَ

زمین کی ہے تیار کی گئی ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اسکے یہ

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۲﴾

فضل ہے اللہ کا دیتا ہے اُسے جسے چاہتا ہے، اور اللہ فضل بڑے والا ہے

جو مشکل میں کام آئے۔(الفضل حقائق الاشیاء ۶۔ازحضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا گیا) پس اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضوان تمہیں جنت تک پہنچانے کا موجب ہوں گے۔

۲۲۔ اے لوگو! دنیا کے عارضی سامانوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بجائے اپنے ربّ کی مغفرت اور جنت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ جس جنت کی وسعت زمین و آسمان پر محیط ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس آیت میں آسمان کہا۔ ال عمران :۱۳۳، ۱۳۴۔ میں اسی مضمون کے تعلق میں آسمانوں کہا اور رسول کا لفظ استعمال کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر جنت ساری کائنات پر محیط ہے تو جہنم کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ (مسند احمد بن حنبل۔مسند المکین حدیث نمبر ۱۵۱۰۰ نیز تفسیر رازی زیر آیت ھذہ) یعنی جہنم بھی وہیں ہے اور اسی کائنات کی وسعتوں میں موجود ہے جس میں جنت ہے لیکن تمہیں اس بات کا شعور نہیں کہ کوئی ایسی چیز بھی ہے جو جہت کے اعتبار سے اپنی ضد کے ساتھ ایک جگہ اکٹھی ہو جائے۔ پس ایک ہی جگہ جنت اور جہنم ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں ایک Relativity کا تصور عطا فرمایا گیا تھا یعنی ایک ہی جگہ میں ہوتے ہوئے Dimension بدل جانے سے دو چیزوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں رہتا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

پچھلی آیت کو اللہ کی مغفرت اور رضوان کے ذکر پر ختم کیا اس آیت کے شروع ہی میں مغفرت کے ساتھ جنت کا ذکر فرمایا۔آیت کے آخری حصہ میں جنت کے حصول کے ذکر میں فرمایا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔گویا جنت کا حصول اور مغفرت اللہ کی رضا اور اس کے فضل ہی سے ممکن ہے ورنہ انسان کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدل بھی نہیں بنتے جو اس دنیا میں اسے نصیب ہوتی ہیں۔پس جنت کی طرف پہلا قدم اللہ کی مغفرت ہے۔بندہ ہر وقت اللہ سے مغفرت

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ جانوں میں تمہاری مگر

فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۗ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

ایک کتاب میں ہے پہلے اس کے کہ پیدا کریں ہم اسے، یقیناً یہ اللہ پر

يَسِيْرٌ ﴿۲۳﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ

آسان ہے تاکہ نہ غمگین ہو تم اس پر جو جاتا رہا تم سے اور نہ شیخی کرو اس پر جو

اٰتٰىكُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۴﴾ الَّذِيْنَ

اس نے دیا تم کو اور اللہ نہیں پسند کرتا کسی تکبر کرنیوالے فخر کرنیوالے کو جو

طلب کرتا رہے کہ وہ غفور الرحیم اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور اسے غلطیوں کی سزا سے بچائے نیز غلطیوں کے باوجود اپنی نعمتوں سے محروم نہ رکھے پھر مغفرت کے ساتھ رضائے باری تعالیٰ کا تعلق ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی پسند کا تعلق ہے کہ اللہ اس سے راضی ہوجائے۔اب اس کا فضل شامل حال ہوگا تو جنت نصیب ہوسکتی ہے۔فضل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے اعمال بجالاؤ جو تمہارے ربّ کو پیارے لگیں۔ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خوب جان لو کہ تم لوگ محض اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔لوگوں نے عرض کیا !یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔(بخاری کتاب الرقاق۔بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ) فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ اس فضل کو جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔اللہ عظیم فضلوں والا ہے۔ آیت کا یہ حصہ وہی ہے جو سورۃ الجمعہ :۵ میں آخرین منھم کے لئے بیان کیا گیا ہے گویا یہاں بھی آخرین ہی کا ذکر ہے۔جن پر اللہ کے فضل ہونے والے تھے اور یہ علوم کھولے جانے والے تھے۔ بیشک تمام آیات اسلام کے دور اوّل پر بھی اطلاق پاتی ہیں مگر قرآن کریم کی آیات بطور پیشگوئی باربار دہرائی جاتی ہیں۔

۲۳-۲۴۔ **نبراھا** کی ضمیر مصیبت کی طرف جاتی ہے۔یعنی ہم اس مصیبت کو ظاہر کریں۔ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں۔ **مختال**۔تکبر کرنے والا۔فخور مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ تکبر کرنے والا۔ بہت زیادہ اترانے والا۔

شروع سورۃ سے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر جاری ہے۔بیشک انفاق و قتال ایک مومن کی آزمائش کے ذرائع ہیں۔لیکن ایسے مواقع ہمیشہ نہیں ہوتے۔دنیا میں آزمائش عام طور پر دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک وہ جس کا تعلق زمین سے ہے جیسے زلازل، قحط، مختلف قسم کی وبائیں یا دیگر ارضی و سماوی آفات۔دوسری قسم کی آزمائش وہ ہے جس کا تعلق تمہارے نفوس سے ہے جیسے مختلف

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور جو پھر جائے

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۵﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا

تو یقیناً اللہ ہی بے پرواہ خوبیوں والا ہے یقیناً یقیناً بھیجے ہم نے رسول اپنے

حوادث و عوارض، مالی خسارہ اولاد یا اقربا کی اموات اور دیگر کئی قسم کی پریشانیاں۔فرمایا پیشتر اس کے کہ ہم انہیں ظہور میں لائیں یہ سب ایک کتاب میں ہیں۔گویا یہ مقدر ہیں اور نوشتہ تقدیر میں لکھی جاچکی ہیں۔مگر یہ تقدیر مبرم نہیں، معلق ہے جو وارد ہونے سے پہلے دعاؤں،صدقات،استغفار اور تمہاری احتیاطی تدابیر یعنی دواؤں وغیرہ سے ٹل سکتی ہے اور بدل سکتی ہے۔یہ اس رحیم و کریم کے لئے بہت آسان ہے یعنی ساری مخلوق کی تقدیر لکھنی اور پھر جس کو چاہے بدل دینا۔اگر یہ تقدیر مبرم ہے تو بھی آپ کو صدقہ ، دعا اور علاج میں کوئی کمی نہیں کرنی چاہیئے۔اس لئے کہ آپ نہیں جانتے کہ یہ کونسی تقدیر ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ وہ قادر مطلق تقدیر مبرم کو بدلنے پر بھی قادر ہے۔ان آزمائشوں میں تمہارا امتحان یہی ہے کہ یہ تقدیر وارد ہونے سے پہلے دعا، صدقہ اور علاج معالجے سے ٹل سکتی تھی مگر جب مقدر ہو چکی ہے تو غم نہ کرو اور مایوس ہوکر نہ بیٹھو۔اب اپنے ربّ کی رضا پر راضی رہو اور صبر سے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔اللہ کے مقربین تو ایسے مواقع پر بھی صبر کے ساتھ شکر بجالاتے ہیں اللہ کے دیگر بہت سے احسانات کو یاد کرکے اور اس کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

پہلے اس آزمائش کا ذکر کیا جس میں انسان کے ہاتھ سے کچھ نکل جاتا ہے۔اس میں اولاد اور اقربا کی وفات یا دیگر نقصانات و مصائب ہیں۔اب ایک دوسری آزمائش کا ذکر کیا جب اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے انسان کو مالی وسعت عطا ہوتی ہے اور وہ دنیوی لحاظ سے ایک اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اسے اپنا کمال سمجھتے ہوتے تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔جبکہ اعضاء وجوارح اللہ نے دئے ، دماغ اور سوچنے کی صلاحیت اس کی عطا کردہ ہے ، ذرائع اس نے مہیا فرمائے۔ تمہارے لئے تو یہ شکر کا مقام تھا نہ کہ تکبر اور فخر کا کہ اس نے اپنی عطایا کے لئے تمہیں چنا۔ یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر اور بڑھ بڑھ کر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۲۵۔ شکرِ نعمت یہ بھی ہے کہ اپنے ربّ کی عطایا کو اس کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرے۔ اس لئے کہ متکبر اور حد سے زیادہ فخر کرنے والے وہی ہیں جو اللہ کی ودیعت کردہ نعماء کو اپنی ذات سے منسوب کرتے ہیں اور انہیں راہ خدا میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ

ساتھ دلائل کے اور اتاری ہم نے ساتھ ان کے کتاب اور میزان تاکہ قائم ہوجائیں

النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ

لوگ انصاف پر اور اُتارا ہم نے لوہا جس میں جنگ ہے سخت

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

اور فائدے ہیں لوگوں کے لیے اور تاکہ ظاہر کرے اللہ اس کو جو مدد دیتا ہے اُسے اور رسولوں کو اس کے

بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ع ۳ ۱۹

بن دیکھے یقیناً اللہ طاقت والا عزت والا ہے اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے نوح

خواہ جہاد کے مصارف ہوں یا اس کے حاجتمند بندوں کی ضروریات یا جماعتی چندہ جات۔وہ نہ صرف خود بخل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں۔ سو اگر یہ فخر اور تکبر کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ سے منہ پھیرتے ہیں اور بے نیازی دکھاتے ہیں تو یہ جان لیں کہ اللہ ہی کی ذات ہے جو بے نیاز ہے۔ اسے تمہاری حقیر متاع کی ہرگز حاجت نہیں اور نہ وہ تمہاری حمد کا محتاج ہے ۔وہ اپنی ذات وصفات میں کامل اور صاحبِ حمد ہے۔

۲۶۔ بندوں پر اپنے انعامات کے بیان میں یہاں سب سے پہلے اپنے اُس عظیم انعام کا ذکر فرمایا جو بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجنا ہے جو کھلے کھلے نشانوں کے ساتھ آئے تابندگانِ خدا کو انہیں شناخت کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ جو بھی عقل و سمجھ سے کام لے اور غور کرے ، انہیں پہچان لے اور ہدایت حاصل کرے ۔ہر رسول کتاب لے کر نہیں آیا مگر یہاں بتلایا کہ ان کے ساتھ کتاب اتاری۔دراصل کتاب صاحبِ شریعت نبی پر اتاری جاتی ہے اوراس کے بعد آنے والے انبیاء اس کتاب کی یاد دہانی اور اس پر عمل کروانے آتے ہیں۔گویا ایک طرح سے ان پر دوبارہ کتاب کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ ایک لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **اٰخرینَ منهم** کی تشریح میں حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلاجائے تو ان لوگوں میں سے کچھ لوگ (دوسری روایت میں رجل کالفظ ہے یعنی ایک شخص) اسے واپس لے آئیں گے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ و مسلم) پس وہ آنے والا نبی اس کتاب پر پڑی ہوئی غلط معانی اور تاویلات کی گرد کو صاف کرکے اسے ایک نئی روح کے ساتھ پیش کرتا ہے۔بیشک کتاب صاحبِ شریعت نبی پر اتاری جاتی ہے لیکن کتاب سے مراد غیر تشریعی نبی کا مجموعہ الہام بھی ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل ہوئی جو شریعت کی کتاب نہیں۔آپ توریت کے احکام کے تابع تھے لیکن حضرت موسیٰؑ کے تابع نبی نہیں

تھے بلکہ دیگر انبیاء کی طرح آپ کو نبوت براہِ راست ملی۔ ہر صاحبِ شریعت نبی کا یہ مقام نہیں کہ اس کے تابع نبی آئیں۔یہ مقام عالی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کے تابع نبی آسکتے ہیں۔کتاب کے ساتھ میزان لازم و ملزوم ہے(میزان کی تشریح کے لئے رحمٰن :۸) کتاب سے مراد شریعت کی کتاب ہے جو ضابطہ قوانین ہے جبکہ میزان ،عدل کا ترازو اور عدل کی پہچان ہے گویا جب بھی پلڑا ایک طرف جھکے گا عدل کا توازن خراب ہوگا جو ناانصافی کی نشاندہی کرے گا۔بیشک کتاب اور میزان الگ نہیں مگر میزان وہ ہے کہ اگر کوئی شخص کتاب نہ بھی پڑھے تو اس کے اندر ایک میزان ہے۔جو اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے ۔ پس تمہاری فطرت میں میزان ودیعت ہے اور تمہاری فطرت گواہی دیتی ہے کہ کیا نیکی ہے اور کیا بدی،کیا صحیح ہے اور کیا غلط ۔حضرت وابصہ بن معبدؓ بیان کرتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نیکی کے متعلق پوچھنے آئے ہو؟میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا! اپنے دل سے پوچھ۔نیکی وہ ہے جس پر تیرا دل اور تیرا جی مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تیرے لئے اضطراب کا موجب بنے اگرچہ لوگ تجھے اس کے جواز کا فتویٰ دیں اور اسے درست کہیں۔ (مسند احمد صفحہ ۴/ ۲۲۷۔۲۲۸)

میزان انسان کی فطرت تک محدود نہیں بلکہ پوری کائنات میں جاری وساری ہے۔اس کائنات کی ماوراء الادراک صناعی اس کا عدل و توازن اور ہم آہنگی حیرت انگیز عدل(Balance) پر مبنی ہے۔اگر صرف آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ پر ہی غور کریں تو حیران کن طریقے سے ان کا توازن قائم ہے۔ان دونوں کا عمل زندگی کی کیمیاگری میں سب سے نمایاں ہے۔ایک چیز جو کچھ پھینک رہی ہے وہ کسی دوسری چیز کے بقا کا سبب ہے۔غرض آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اصل غایت و مقصود بھی عالم میں عدل و انصاف کا قیام ہے۔کائنات کی تخلیق اتنی متوازن ہے کہ اس سے صاحب شعور عدل و انصاف کا طریق سکھ سکتے ہیں۔یہاں صاف بتلایا کہ رسولوں کے آنے اور کتاب اور میزان کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ لوگ انصاف پر قائم رہ کر ظلم و جور اور ناانصافی سے باز رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعماء میں سے یہ بھی ہے کہ ہم نے لوہا نازل فرمایا۔نعمائے الٰہی کے لئے نزول کا لفظ عام ہے جیسے فرمایا ہم نے چوپائے نازل فرمائے۔لباس نازل فرمایا۔ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے اور لوہا بھی زمین سے ہی نکلتا ہے۔دھاتوں میں صرف لوہے کا بطور نعمت ذکر کیا جو اپنی جنس میں سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔فرمایا اس میں سخت لڑائی کا سامان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوہے کا جنگوں میں استعمال نیزہ، تلوار یا زرہ بکتر وغیرہ تک

وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور ابراہیم کو اور رکھی ہم نے اولاد میں ان دونوں کی نبوت اور کتاب

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا

پس بعض ان میں سے راہ پانے والے ہیں اور بہت ان میں سے فاسق ہیں پھر پیچھے لائے ہم

ہی محدود تھا لیکن اس آخری زمانہ میں مختلف قسم کے تباہ کن ہتھیار لوہے سے وجود میں آئے جو اس نعمت کا منفی استعمال اور کفران نعمت ہے نیز اُس زمانہ میں لوہے کے فوائد بھی محدود تھے لیکن اس آخری دور میں لوہے کے بے حساب فوائد سامنے آئے ہیں۔تمام ایجادات اور صنعتیں لوہے کی مرہون منت ہیں۔سفر و حضر میں انسان کی آسائش و آرام کا زیادہ تر انحصار لوہے سے بنائی گئی اشیاء پر ہے۔

عدل و انصاف کے بیان میں لوہے کا ذکر کیا۔بیشک لوہا عدل و انصاف میں بھی کسی حد تک معاون ہے مگر یہ اصل ذریعہ نہیں۔ بحالت مجبوری ہے گویا تلوار سے انصاف قائم کرنا مجبوری میں آخری قدم ہے۔مستحسن یہی ہے کہ نرمی و رافت اور حسن سلوک سے عدل کی فضا پیدا کی جائے اور زمین کو امن کا گہوارہ بنایا جائے نہ کہ جنگ و جدل کی آماجگاہ۔

ان تمام نعمتوں کے نزول میں تمہاری آزمائش مطلوب تھی تا کہ وہ جان لے کہ کون ہے جو اَن دیکھے خدا کی خاطر خدا اور اس کے رسولوں کی مدد کے لئے اپنے جان و مال کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دین حق کی مدد تمہارے اپنے ہی مفاد میں ہے ۔وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ وہ بہت طاقتور اور کامل غلبہ والا ہے گویا اگر چاہے تو تمہاری مدد کے بغیر بھی غلبہ عطا کرسکتا ہے ۔مگر تمہاری مدد کا پردہ درمیان میں رہنے دیتا ہے تا کہ ظاہری طور پر یہ فتوحات تم سے منسوب ہوں اور تم اجر کے مستحق ٹھہرو۔ جیسا کہ عرب کے بدو دنیا کے بہترین علاقوں کے حکمران ہوئے اور ہر جگہ عدل و انصاف کا پرچم لہرایا۔

۲۷۔رسولوں کے بیان میں دو صاحبِ شریعت انبیاء حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا او ربتلایا کہ ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو جاری رکھا۔حضرت آدمؑ صاحبِ شریعت نبی نہیں تھے۔آپ کو ابتدائی احکام دئے گئے یا ایسے احکام جو بیش تر تمدن سے تعلق رکھتے تھے ۔جبکہ حضرت نوحؑ پہلے صاحبِ شریعت نبی تھے۔آپ آدمِ ثانی کہلائے کیونکہ طوفانِ نوح کے بعد آپ ہی کی نسل چلی۔حضرت ابراہیمؑ تک جتنے بھی انبیاء آئے وہ حضرت نوحؑ کی نسل سے تھے۔ آپ ہی کی نسل سے حضرت ابراہیمؑ ہوئے جو صاحب شریعت نبی تھے۔حضرت ابراہیمؑ کے بعد تمام انبیاء آپ کی نسل سے ہوئے اور آپ ابو الانبیاء کہلائے۔آپ کو صحائف دئے گئے(سورۃ اعلیٰ :۲۰) جن

عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ
قدموں پر انکے رسول اپنے اور پیچھے لائے ہم عیسیٰ بن مریم کو اور

اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ
دی ہم نے اُسے انجیل اور رکھی ہم نے دلوں میں ان لوگوں کے جنہوں نے پیروی کی اسکی

رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا
نرمی اور مہربانی اور رہبانیت کو ایجاد کیا انہوں نے اسے نہیں فرض کی ہم نے وہ

عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ
ان پر مگر چاہنے کے لیے رضامندی اللہ کی پس نہ رعایت کی انہوں نے اسکی حق

رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ
رعایت کا پس دیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان میں اجر ان کا اور

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۲۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
بہت سے ان میں سے فاسق ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو

میں اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق احکام اور ہدایت کا سامان تھا۔مرور زمانہ سے آپ دونوں کے صحائف باقی نہیں رہے اس لئے کہ جب ضرورت زمانہ کے تحت نئی کتاب نازل ہوتی ہے تو پہلی کتاب قابل عمل نہیں رہتی۔دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء آئے۔توریت ، انجیل ، زبور اور قرآن کریم الہامی کتابیں ہیں جو اس وقت موجود ہیں ان میں توریت اور قرآن کریم شریعت کی کتابیں ہیں۔سوائے قرآن کریم کے یہ سب کتابیں تحریف کا شکار ہیں۔قرآن کریم آخری اور کامل کتاب ہے جس کے نزول کے بعد کوئی الہامی کتاب قابل احترام تو ضرور ہے قابل عمل ہرگز نہیں۔

یہاں بتایا کہ جب انبیاء آتے ہیں تو سب ایمان نہیں لاتے۔ چنانچہ ان دونوں انبیاء کی ذریت میں سے بھی کچھ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوئے جبکہ ایک بڑی تعداد گمراہوں میں سے تھی۔ دنیا میں ہمیشہ اکثریت گنہگاروں ہی کی رہتی ہے۔جیسا کہ فرمایا **قلیلاً ماتشکرون**۔(۷۔۱۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک لمبی حدیث قیامت کے متعلق ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ ہر ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم کے لئے نکال لو۔(مسلم)

۲۸۔ **قفینا ۔القفا** کے معنی گدی کے ہیں۔ استعارتاً کسی کے پیچھے پیچھے چلنا مراد ہے۔**اثار** ۔واحد **اثرٌ** (بقیہ علامت) نشانات۔ نقش قدم ۔اسی سے آثار قدیمہ ہے ۔**رافت** اور **رحمت** قریباً ہم معنی ہیں۔رافت شدید رحمت کے لئے آتا ہے گویا رحمت سے اس میں مبالغہ ہے۔ اس میں کسی کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرنے کا مفہوم ہے جبکہ رحمت کسی کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ **رھبانیت**۔رھب اور رھبان کے معنی ڈرنے والا کے ہیں لیکن اس کا عام اطلاق

ترکِ لذات اور ترک مباحات پر ہوتا ہے۔**ابتدعوھا** ۔لفظ **ابتداع** بدعت سے مشتق ہے۔ دین میں نئی رسم نکالنا۔ **ابتدعوھا**۔ اس کو انہوں نے ایجاد کیا۔ **رعوا**۔ انہوں نے رعایت کی۔

پھر ہم نے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے پیچھے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریمؑ کو بھی ان کے پیچھے بھیجا اور اسے ہم نے انجیل عطا فرمائی۔حضرت عیسیٰؑ کے متبعین کی خاص صفت بیان فرمائی کہ ہم نے ان دلوں میں نرمی اور مہربانی پیدا کردی۔فرمایا انہوں نے رہبانیت کا طریق خود اختیار کیا ہم نے یہ ان پر فرض نہیں کیا تھا۔اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے یہ بدعت نکالی۔جن حالات میں رہبانیت کا طریق اختیار کیا گیا اس کی تفسیر (مناہل العرفان جلد دوم میں سورۃ کہف کی شروع کی آیات میں بیان کی گئی ہے۔استفادہ فرمایئے)ابتدائی عیسائیوں پر رومیوں نے انتہائی مظالم ڈھائے۔دین حق کے قبول کرنے کے جرم میں قتل کئے گئے زندہ جلائے گئے، آروں سے چیرے گئے۔ان مظالم سے تنگ آ کر موحدّ عیسائی گروہ غاروں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔وہ راہبانہ زندگی بسر کرتے اور عبادت و ریاضت سے اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ بیشک ان حالات میں رہبانیت تزکیہ نفس ، روحانی ترقی اور تقرب الی اللہ کا وسیلہ تھی اور یہ اصحاب کہف کہلائے۔مگر تین سو سال بعد جب عیسائیت کا عروج ہوا اور تثلیث کی اختراع کی گئی تو وہی رہبانیت جو انتہائی مجبوری میں خوشنودیٔ خدا کے لئے اختیار کی گئی تھی، انہوں نے اس کی رعایت کا حق ادا نہ کیا یعنی جس غرض کے لئے اس کو اختیار کیا تھا، وہ رضائے الٰہی کا حصول تھا، اس کا اہتمام نہ کیا بلکہ افراط میں پڑگئے اور اس کی حدود کو قائم نہ رکھ سکے۔اب راہبوں اور راہبات کی رہائش کے لئے بڑے پیمانے پر خانقاہیں قائم ہوگئیں اور ان لوگوں نے نکاح، عمدہ غذا اور اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو خود پر حرام قرار دیا۔ہر قسم کی صفائی اور نہانا وغیرہ یہاں تک کہ منہ یا پیر دھونا بھی ان کے لئے ممنوع تھا۔خود پر روا رکھی گئی شدید اذیتوں ، ناقابل برداشت ریاضتوں اور چلہ کشیوں سے اعضاء وقویٰ کو بیکار کردینا روحانیت میں کمال اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا جبکہ انسان فطرتاً معاشرت پسند ہے تجرد یا رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف ہے۔پس اس نفس کشی کا ردِ عمل یہ ہوا کہ راہب خانے آہستہ آہستہ عیاشی کے اڈے بن گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے متبعین جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص رافت اور رحمت سے نوازا تھا، اس قدر ظالم اور سنگدل ہوگئے کہ جس فرقے کا غلبہ ہوتا وہ دوسرے فرقہ کے افراد پر ہر ظلم روا رکھتا یہاں تک کہ ان کو قتل کرنے اور زندہ جلانے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔ مسیحیت کی تاریخ ایسے روح فرسا مظالم سے بھری پڑی ہے پھر نذرانوں کی بوچھاڑ نے ان درویشوں کو امیر ترین بنادیا یہاں تک کہ

پانچویں صدی کے آغاز میں حالت یہ ہوگئی تھی کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا۔ اس کی سواری شہر میں نکلتی تو اس کے ٹھاٹ باٹ قیصر کی سواری سے کم نہ ہوتے۔اس افراط وتفریط کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس کوئی شریعت اور قانون نہیں تھا۔توریت شریعت کی کتاب تھی جسے ترک کر چکے تھے۔انجیل کے لفظی معنی خوشخبری کے ہیں۔ اس میں خوشخبریاں اور نصائح ضرور ہیں مگر یہ شریعت کی کتاب نہیں۔ پس یہ قوم افراط وتفریط کا شکار ہوگئی اور آج تک روحانی طور پر بھٹک رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام افراط وتفریط سے ہٹ کر میانہ روی کا سبق دیتا ہے۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ نے ترک دنیا کا عہد کیا۔کسی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا کسی نے کہا میں مسلسل نماز پڑھتا رہوں گا اور سونا چھوڑ دوں گا۔کسی نے کہا میں روزے رکھتا چلاجاؤں گا، افطار نہیں کروں گا۔جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسے لوگ ہیں جو اس طرح کہتے ہیں! میں تو روزہ بھی رکھتاہوں اور افطار بھی کرتاہوں۔نماز بھی پڑھتا ہوں ،سوتا بھی ہوں اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔پس جو میری سنت سے منہ موڑتاہے وہ مجھ سے نہیں یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔(بخاری کتاب النکاح باب ترغیب فی النکاح ومسلم)اسی حدیث میں دوسری جگہ ہے کہ خدا کی قسم ! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اس سے تقویٰ کرتاہوں مگر میرا طریق یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ’’اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے۔ایک گروہ نے یہی تشدد کاطریق اختیار کیاتھا تو اللہ نے بھی پھراسے سخت پکڑا۔دیکھ لو، وہ ان کے بقایاراہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں۔(ابوداؤد)حقیقت یہ ہے کہ مذہب میں کوئی ایسی نئی بات نکالنا جس سے رضاالٰہی مقصود ہو اور جو قرآن وسنت کے منافی نہ ہو، جائز ہے اور اس پر ثواب ملتاہے۔جیساکہ حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کو جاری کیا اور فرمایاکہ اگرتم اسے بدعت کہو تو یہ اچھی بدعت ہے۔حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس نے اچھا طریق جاری کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا بھی اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی ہو اور جس نے بُری رسم جاری کی اس پر اس کا بوجھ ہوگا اوران لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔(مسلم)البتہ دین میں ایسی نئی بات نکالنا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، حرام اور سخت گناہ ہے جیساکہ اسلام کے زوال کے زمانہ میں عیسائی راہبوں اور ہندوجوگیوں کی دیکھادیکھی اسلام کا دم بھرنے والے بعض پیروں فقیروں نے بھی خود پر اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کوحرام قرار دیا۔شدید ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو قربِ الٰہی کا ذریعہ

اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ
اللہ سے اور ایمان لاؤ رسولوں پر اس کے دیگا تم کو دو چند اپنی رحمت سے
وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ
اور کرے گا تمہارے لیے نور چلوگے تم جس میں اور بخشے گا تم کو اور اللہ بہت
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚ﴿۲۹﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ
بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے تاکہ نہ سمجھیں اہل کتاب کہ نہیں وہ قدرت رکھتے
عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ
کسی بات پر بھی فضل سے اللہ کے اور یقیناً فضل ہاتھ میں ہے اللہ کے
ع ۴ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۰﴾
۲۰ وہ دیتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل بڑے والا ہے

سمجھا گیا اور بعض سادہ لوح مسلمانوں کو مرید بنا کر اپنی مطلب برآری کی تا آنکہ مسیح موعود و مہدی معہود نے ان خود ساختہ بدعتوں سے اسلام کا نورانی چہرہ صاف کیا اور واضح کیا کہ اسلام ہرگز دنیا سے کنارہ کشی کا حکم نہیں دیتا۔ ’’ ہاں دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا حکم دیتا ہے ۔ ۔۔۔۔ایک انسان تمام (جائز) مشاغل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرسکتا ہے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھ کر بڑی عمدگی سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔۔۔۔۔۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی طاقتیں بخشی ہیں ۔اس کے اندر طاقتوں کا ایک خزانہ خدا نے رکھ دیا ہے لیکن وہ کسل کے ساتھ اپنی طاقت ضائع کردیتا ہے۔‘‘(فرمودہ حضرت مسیح موعودؑ بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۶)

فرمایا ہم نے ان میں سے اُن کو جو ایمان لائے ان کا اجر دیا۔ اجر جن کو بھی ملتا ہے ایمان کے ساتھ نیک اعمال بجالانے پر ملتا ہے پس جو نیک اعمال بجانہیں لائے وہ بدکردار تھے اور سزا کے مستحق ٹھہرے۔

۲۹۔۳۰۔ **کفلین۔ کفل** ۔حصہ۔کفلین دوحصے۔ **لئلّا** میں لا زائدہ ہے معنی **لیعلم** کے ہیں ۔تاکہ وہ جان لیں۔

فرمایا اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ، اللہ کا تقویٰ اختیارکرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔جو ایمان لاچکے ہیں ان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ یہاں خطاب ہرگز اہل کتاب سے نہیں۔الذین اٰمنوا کے الفاظ مسلمانوں سے خاص ہیں۔ یہ کبھی بھی اہل کتاب کے لئے نہیں آئے۔یہاں اہل ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور مسیح موعود و مہدی معہود پر ایمان لانے کا حکم دیا۔فرمایا وہ اپنی رحمت سے تمہیں دہرے اجر سے نوازے گا ۔

ایک اجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ، دوسرا اس کے مہدی کو ماننے کا۔ اس دہرے اجر کے علاوہ اس کا فضل تم پر یہ بھی ہوگا کہ تمہیں ایک نور عطا فرمائے گا۔ جس کی روشنی میں تم دنیا میں سیدھی راہ اختیار کرو گے اور آخرت میں بھی یہ نور تمہاری راہنمائی کرے گا۔ نیز تم پر یہ احسان بھی فرمائے گا کہ بشری کمزوریوں کی بنا پر جو کوتاہیاں تم سے سرزد ہوئیں ،ان سے صرفِ نظر فرمائے گا۔ وہ بہت بخشنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے فضل و احسان سے اس لئے نوازا تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ انہیں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر کوئی قدرت نہیں تاوہ جان لیں کہ تمام فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اللہ بڑے فضلوں والا ہے ۔ آیت کا آخری حصہ وہی ہے جو سورۃ الجمعہ میں آخرین کے لئے بیان فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْمُجَادَلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ ثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثَۃُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ مجادلہ۔ یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی تیئس آیات اور تین رکوع ہیں

پچھلی سورۃ کو اللہ کے فضل پر ختم کیا کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اس سورۃ کو شروع ہی اس واقعہ سے کیا کہ وہ مومنین کی آسانی کے لئے اپنے فضل سے ایسے احکام نازل فرماتا ہے جو انہیں ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا مورد بنادیتے ہیں۔ یہ سورۃ ابتدائی مدنی دور کی ہے ۔اس کا نزول سورۃ احزاب سے پہلے کا ہے احزاب کے صدر میں ظِہار کا ذکر ہے اور اس سورۃ کی ابتدا میں۔ یہاں جو ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احزاب والا ذکر ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ چونکہ احزاب پانچویں سال ہجرت میں نازل ہوئی اس لئے یہ سورۃ اس سے پیشتر کی ہے۔ اس سورۃ کا مرکزی مضمون زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ظِہار کو حرام قرار دینا ہے جس میں اگر خاوند ناراضگی سے اپنی بیوی سے ظِہار کرے اور اسے ماں کہہ دے تو یہ الفاظ طلاق سے شدید تر سمجھے جاتے تھے اور بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوجاتی تھی جس کے بعد میاں بیوی کے درمیان تمام تعلقات منقطع ہوجاتے اور بچے باپ کی کفالت سے محروم ہوجاتے۔ ظلم یہ تھا کہ بیوی کو آزاد نہ کیاجاتا اس طرح یہ رسم انتہائی ناانصافی پر مبنی تھی ایسی ناانصافی کرنے والے مسلمانوں کے لئے بطور کفارہ سخت احکام نازل ہوئے تااپنی زبان پر قابو رکھیں اور بیویوں پر ظلم سے باز آئیں نیز ماں کے تقدس کو بحال کیا۔ تفصیل شروع سورۃ میں آئے گی۔ بقیہ سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے خلاف یہودو منافقین کی منصوبہ بندیوں اور شرارتوں کا ذکر ہے ۔ ظِہار کے تعلق میں بتلایا کہ چونکہ ایک مسلمان عورت کا جھگڑا حق کی وجہ سے تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی فرمائی جبکہ یہود و منافقین ناحق پر جھگڑرہے ہیں پس ان کی منصوبہ بندیاں اور شرارتیں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی اور یہ ذلیل ہوں گے نیز اس سورۃ میں آدابِ مجلس بتلائے ۔ یہ آداب جس طرح زمانہ جاہلیت میں اہم تھے آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ازبس ضروری ہیں۔ اس سورۃ کو اس پیشگوئی پر ختم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ بہت طاقت والا اور کامل غلبے والا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

یقیناً سُنی تھی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں

وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور شکایت کرتی تھی اللہ کی طرف اور اللہ سُنتا تھا سوال جواب تمہارا یقیناً اللہ

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ

سننے والا دیکھنے والا ہے وہ جو کہ ظہار کرتے ہیں تم میں سے اپنی بیبیوں سے

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا ، بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔ **تجادلک** ۔وہ تجھ سے جھگڑتی ہے ۔ **مجادله** کے معنی جھگڑا اور بحث وتکرار کے ہیں جبکہ **مجادله** کے معنی جھگڑنے والی اور بحث وتکرار کرنے والی کے ہیں۔ ان چار آیات میں (۲ تا ۵) قبیلہ خزرج کی ایک انصاری صحابیہ خولہ بنت ثعلبہؓ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ ان کے شوہر اوس بن صامت قبیلہ اوس کے سردار حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے ۔ عرب میں زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی کہ بعض اوقات شوہر غصہ میں آ کر بیوی کو **انت علیّ ظهر امّی** کہہ دیتا کہ تو میرے لئے ایسے ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ یہ عربوں کی اصطلاح میں ظِہار کہلاتا اس کا مفہوم یہ تھا کہ تجھ سے مباشرت میرے لئے ایسی ہی حرام ہے جیسے اپنی ماں سے ۔یہ الفاظ طلاق سے شدید تر سمجھے جاتے ۔ طلاق کے بعد تو رجوع کی گنجائش ہوتی تھی لیکن ظہار کے بعد رجوع کا کوئی امکان باقی نہ رہتا، میاں بیوی میں ہمیشہ کے لئے علیحدگی ہو جاتی اور بچے باپ کی شفقت اور کفالت سے محروم ہوجاتے مزید ظلم یہ تھا کہ بیوی کو آزاد نہ کیا جاتا۔

حضرت خولہؓ کے شوہر نے غصہ میں آ کر ظِہار کیا مگر بعد میں پچھتائے۔یہ واقعہ پیش آنے پر حضرت خولہؓ پریشانی کے عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس معاملہ میں شرعی حکم دریافت کیا۔ اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ ﷺ نے قدیم دستور کے مطابق فرمایا کہ میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ہو۔ یہ سن کر حضرت خولہؓ نے بہت گریہ وزاری کی اور کہا یارسول اللہ! اس نے مجھے طلاق کا لفظ نہیں کہا اور وہ اپنے اس فعل پر نادم ہے۔وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے بہت پیارا ہے ۔ اسی طرح وہ باربار نہایت الحاح سے عرض کرتی رہیں۔ جواب حسب منشا نہ پا کر آسمان کی طرف

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَ

نہیں ہوجاتیں وہ ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں مگر وہ جنہوں نے جنا ان کو اور

اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

البتہ کہتے ہیں نامعقول بات اور جھوٹ اور یقیناً اللہ معاف کرنیوالا

غَفُوْرٌ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا

بخشنے والا ہے اور وہ جو ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے پھر رجوع کرتے ہیں اس سے جو

قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ

کہا تھا تو آزاد کرنا ہے ایک گردن کا پہلے اس سے کہ وہ ایکدوسرے کو ہاتھ لگادیں، یہ

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۴ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

نصیحت دیئے جاتے ہو تم اسکی، اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے پھر جو کوئی نہ پاوے

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ

تو روزے ہیں دو مہینے کے پے در پے پہلے اس سے کہ لگادیں ہاتھ ایکدوسرے کو، پھر جو کوئی

سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے فریادی ہوئیں کہ اے میرے اللہ! میں تجھ سے اپنی محتاجی ، بے کسی اور پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں۔ابھی فریاد کر رہی تھیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا! خاموش ہوجاؤ چہرہ مبارک پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہے۔وحی پوری ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اپنے شوہر کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں کہ اللہ نے اس عورت کی فریاد سن لی ہے جو اپنے خاوند کے بارہ میں تجھ سے بحث کرتی ہے مگر شکایت تجھ سے نہیں کرتی شکایت اپنے ربّ سے کرتی ہے۔اللہ تم دونوں کی گفت وشنید سن رہا تھا وہ بہت سننے والا ورگہری نظر رکھنے والا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق ہدایات فرمادیں کہ تم میں سے جو اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہوسکتیں ان کی مائیں وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا۔یقیناً وہ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ یقیناً بہت درگزر کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔یہاں واضح ہو کہ رضاعی مائیں ماؤں کے حکم میں ہیں نیز ازواج مطہرات بھی بسبب کمالِ حرمت ماؤں کے حکم میں ہیں ۔

۴۔۵۔اللہ تعالیٰ نے ظِہار کو بے ہودہ اور جھوٹی بات قرار دیا اور کفارہ ادا کر کے اس گناہ کی تلافی کا حکم دیا۔فرمایا یہ وہ احکام ہیں جن پر عمل کرنے کی خدائے خبیر کی طرف سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تاتم اپنی زبان پر قابو رکھو اور آئندہ ایسی غلطیوں سے بچو۔اس طرح اس رسم کو ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا، بیویوں اور بچوں کے حقوق کی حفاظت فرمائی اور ماؤں کے تقدس کو بحال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خولہؓ کے شوہر کو بلا کر نازل شدہ آیات اور کفارہ کا حکم

لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا

نہ کرسکے تو کھانا کھلانا ہے ساٹھ محتاجوں کو یہ اس لیے کہ ایمان رکھو تم

بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۗ وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ

اللہ اور اسکے رسول پر اور یہ ہیں حدیں اللہ کی اور کافروں کے لیے عذاب

أَلِيمٌ ۝۵ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا

دردناک ہے یقیناً جو خلاف کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا ہلاک کئے گئے جیسے

سنایا تو انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔فرمایا پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھو۔انہوں نے کہا میں اس کی بھی طاقت نہیں پاتا۔آپ ﷺ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔اس نے عرض کیا یہ بھی میری قدرت میں نہیں بجز اس کے کہ آپ ﷺ ہی کچھ مدد کریں۔آپ ﷺ نے کچھ غلہ عطافرمایا دوسرے صحابہ نے بھی جمع کردیا۔اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا کیا۔ دووقت کھانا کھانے کی بجائے پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔اس سنت سے ثابت ہوا کہ ایسے شخص کی مدد کرنی چاہیئے تا کہ وہ کفارہ ادا کرسکے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال سے بھی ایسے لوگوں کی مدد فرمائی۔ آج کل گردن آزاد کرنے کا متبادل حکم قرض خواہ کا قرض ادا کرنا ہے۔(حضرت خلیفة المسیح الاوّل حقائق الفرقان جلد دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا) اگر مرض یا جائز عذر سے روزہ چھوٹ جائے تو تسلسل برقرار رہے گا۔ بلاعذر چھوڑنے سے تسلسل ٹوٹ جائے گا اور روزے دوبارہ شروع کرنے ہوں گے۔حضرت ابن عباس اور دیگر فقہاء کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ جب رمضان کے فرض روزے جائز عذر سے چھوڑے جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو نہ چھوڑا جاسکے۔فرمایا یہ احکام اس لئے دئے جارہے ہیں تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔یہاں مومنوں سے خطاب ہے۔ایمان لانے سے مراد سچے اور مخلص مومنین کا سارویہ اختیار کرنا ہے۔یہ اللہ کی مقررکردہ حدود ہیں ان سے تجاوز کرنا حرام ہے۔فرمایا کافروں کے لئے عذاب الیم ہے۔یہاں کفار سے خطاب نہیں بلکہ ان مومنین سے خطاب ہے جو ایمان لانے کے بعد بھی زمانہ جاہلیت کی رسم و رواج چھوڑنے کو تیار نہیں اور ان حدودِ شرعیہ کے منکر ہیں۔اللہ کے ہاں ان کا شمار مومنین میں نہیں۔چونکہ اگلی آیات میں انتقالِ مضمون منافقین اور کفار کی طرف ہے اس لئے ایسے کمزور ایمان والے مومنین کو کفار و منافقین میں شامل کیا اور فرمایا کہ ایسے کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خولہؓ کی فریاد سنی اور ان کی وجہ سے عرب کی ایک بد رسم کے ابطال میں قرآن کریم میں مستقل احکام نازل فرمائے اس وجہ سے صحابہ کرام انکا بڑا احترام کرتے تھے ۔ ایک روز امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ایک مجمع کے ساتھ جارہے تھے جن میں سردارانِ قریش اور

كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ

ہلاک کئے گئے تھے وہ جو پہلے تھے ان سے اور اتاریں ہم نے آیتیں کھلی کھلی

وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۶ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا

اور کافروں کے لیے عذاب رُسوا کرنیوالا ہے جس دن کہ اُٹھاوے گا اللہ ان سب کو

دیگر معزز صحابہ شامل تھے ایک عورت خولہ سامنے آکھڑی ہوئیں وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے راستہ میں ٹھہر کر ان کی بات سنی آپ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی خاطر معززین کے اتنے بڑے مجمع کو روکے رکھا۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی۔ میں کون تھا جو اس کی بات ٹال دیتا۔ خدا کی قسم! اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہوجاتیں تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا۔(ابن کثیر)امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اس سے ملتا جلتا قصہ نقل کیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کو ہمیشہ کے لئے یہ پیغام دیا ہے کہ اگر تمہیں اپنے خاوند سے شکایت ہے اور تمہاری حق تلفی ہورہی ہے تو بے شک قضا تک پہنچو اور اپنے حقوق لینے کی کوشش کرو لیکن قضا پر بنا نہ کرو۔ یادرکھو کہ تمہارا ایک خدا ہے جو تمہاری فریاد سنے گا۔ اگر تم اپنے ربّ پر توکل کروگی اور اس کے حضور گریہ و زاری کرو گی تو ضرور تمہارے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔ وہ سمیعٌ بصیر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم شکایت میں سچی ہو۔اگر مرد سچا ہے تو تائید الٰہی اس کے ساتھ ہوگی خواہ قضا تمہارے حق میں فیصلہ کردے۔ (حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ کی تفسیر کی روشنی میں)

۶۔ **کُبت**۔ ذلیل کرنا اور ہلاک کرنا ہے۔

منافقین کا ذکر ہے جو محض زبانی ایمان کے دعویدار ہیں ۔یہ اللہ کے ہاں کفار میں شامل ہیں۔ فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ابن جریر طبریؔ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ”یعنی وہ لوگ جو اللہ کی حدود اور اس کے فرائض کے معاملہ میں اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی مقررکردہ حدود کی جگہ دوسری حدیں تجویز کرتے ہیں۔“ یہاں خوب وضاحت فرمادی کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور اس کے احکام سے بغاوت ہی پہلی امتوں کی ذلالت اور تباہی کا باعث ہوئی ۔ اب جبکہ ہم واضح نشانات نازل کرچکے ہیں مسلمانوں میں سے انہیں کی روش اختیار کرنے والے اُس ذلت اور تباہی سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔

اس آیت میں دوسزاؤں کا ذکر فرمایا اوّل کُبت یعنی دنیا میں ذلت و خواری اور دوسری

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى

تو جتاوے گا ان کو ان کے متعلق جو وہ کرتے تھے ۔ محفوظ کر لیا اسکو اللہ نے اور وہ بھول گئے اسکو اور اللہ

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ع ۱

ہر شے پر شاہد ہے کیا نہیں دیکھا تُو نے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ

اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتا کوئی خفیہ مشورہ تین شخصوں کا مگر وہ چوتھا ان کا ہے

وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ

اور نہ پانچ کا مگر وہ چھٹا ان کا ہے اور نہ کم اس سے اور نہ

اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا

زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہو ویں • پھر جتاوے گا ان کو ان کے متعلق

عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷ اَلَمْ

جو وہ کرتے تھے بروز قیامت یقیناً اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے کیا نہیں

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا

دیکھا تُو نے ان کی طرف جو منع کئے گئے تھے (خفیہ) مشوروں سے پھر کرتے ہیں وہ کہ منع کئے گئے

عذاب مھین یعنی آخرت میں رسواکن عذاب ۔ کاش ! مسلمان سمجھیں اور اللہ کا غضب نازل ہونے سے پہلے امامِ وقت کا ہاتھ تھام لیں اور اس کے سایہ تلے آ جائیں اور دنیوی و اخروی نعمتوں کے وارث ٹھہریں۔

۷۔ آخرت کے رسواکن عذاب کا ذکر تھا جس دن اللہ تبارک و تعالیٰ تمام بنی نوع انسان کو ایک جمعیت کے طور پر اٹھائے گا۔ اس لطیف و خبیر نے اپنے بندوں کے ہر عمل کا شمار رکھا ہوا ہے جبکہ وہ خود بھول چکے ہیں کہ کس کس گناہ کا ارتکاب کیا اور کون کون سی ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوئے۔ گناہ کر کے بھول جانا گنہگار انسانوں کا شیوہ ہے اس لئے کہ ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہے اور نہ جوابدہی کی فکر۔ وہ بھول گئے مگر اللہ کو سب یاد ہے جو ہر چیز کا نگران ہے ۔نگران کو تمہارے اعمال کی کیسے خبر نہ ہوگی۔

۸۔ اس آیت سے آیت ۱۱ تک یہود و منافقین کے ان خفیہ مشوروں کا ذکر ہے جو وہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوگی حالانکہ نہ خدا سے کوئی چیز پوشیدہ ہے اور نہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں خدا نہ ہو۔ فرمایا اسے تمہارے اعمال ہی کی خبر نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اسے اس کی خبر ہے پھر وہ تمہارے خفیہ مشوروں سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔ پس تمہاری کوئی خفیہ میٹنگ ایسی نہیں جہاں اللہ موجود نہ ہو۔ وہ ہر موقع پر موجود ہوتا

عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جس سے اور مشورہ کرتے ہیں گناہ اور تعدی اور نافرمانی

الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ

رسول کے لیے اور جب آتے ہیں تیرے پاس سلام کرتے ہیں تجھکو ان لفظوں میں جنہیں نہیں جائز رکھا تیرے لیے

اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا

اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دلوں میں کیوں نہیں عذاب دیتا ہم کو اللہ بوجہ اسکے جو

نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹

ہم کہتے ہیں کافی ہے ان کو دوزخ داخل ہونگے اس میں پس بُری ہے پھرنے کی جگہ

ہے۔ اگر تم تین مل کر خدا اور رسول کے خلاف خفیہ سازش کرتے ہو تو چوتھا اللہ ہوتا ہے اگر پانچ مل کر ایسی خفیہ مشاورت کرتے ہو تو چھٹا اللہ ہوتا ہے ۔خواہ اس تعداد سے کم ہوں یا زیادہ وہ جہاں بھی چھپ کر مشورہ کریں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی معیت تو مومنین کو حاصل ہے یہاں منافقین کے لئے فرمایا۔ دراصل اس سورۃ کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے خاص طور پر **سمیعٌ بصیر** ۔(آیت:۲) اور **علیمٌ خبیر** (آیت:۴) کا ذکر ہے ۔پس یہاں جس معیت کا ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی انہیں صفات کے لحاظ سے ہے کہ تم کہیں بھی چھپ کر مشورہ کرو اللہ کو علم ہے وہ تمہیں تمہارے اعمال کی قیامت کے دن خبر دے گا۔ یہ وہ وقت تھا جب یہود و منافقین کی خفیہ کمیٹیاں استیصال اسلام کے لئے جان توڑ کوشش کر رہی تھیں لیکن سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ربّ کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ منافقین کا نام و نشان نہ رہا اور یہود خائب و خاسر ہوئے۔ تین اور پانچ کے عدد سے مراد افراد بھی ہو سکتے ہیں اور قومیں بھی۔ کم یا زیادہ سے بھی یہی مراد ہے ۔چنانچہ جب اسلام میں کمزوری کے آثار شروع ہوئے تو مختلف اوقات میں تقریباً اتنی ہی تعداد میں مختلف قوموں نے اکٹھے ہو کر اسلام کے خلاف خفیہ مشورے اور منصوبہ بندی کی اور اپنے تئیں اسلام کو گویا مٹا ہی دیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق آپ ﷺ کے مہدی و مسیح ؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اعجازی رنگ میں ایک نئی زندگی عطا فرمائی۔ اسلام ایک نئی شان سے ابھرا اور بفضل تعالیٰ اکنافِ عالم میں مسلسل پھیل رہا ہے۔

۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافقین کی گاہے بگاہے سرزنش ہوتی رہتی لیکن وہ خفیہ مشوروں سے باز نہ آتے اور یہود مدینہ سے مل کر اسلام دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ فرمایا وہ گناہ ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے متعلق مشورے کرتے ہیں۔ رسول کے منع کرنے کے باوجود اُنہی افعال کا اعادہ کرنا یقیناً گناہ تھا۔ مومنین کی تخریب و استیصال کے لئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم مشورہ کرو تو مت مشورہ کرو گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ
اور تعدّی اور نافرمانی کا رسول کے لیے اور مشورہ کرو نیکی اور

التَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا
تقویٰ کے لیے اور ڈرو اللہ سے جس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے

منصوبے بنانا ان کی سراسر زیادتی اور سرکشی تھی۔ یہ اور اس قسم کے دیگر افعال نافرمانی رسول میں شامل ہیں۔ یہود کی زیادتیاں خفیہ حد تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سرعام گستاخی کرجاتے۔ فرمایا جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو اس طریق سے تجھ سے خیر سگالی کا اظہار کرتے ہیں جس طریق پر اللہ نے تجھ پر سلام نہیں بھیجا۔ یہود بجائے **السَّلام علیکم** کہنے کے **السَّامُ علیکم** کہتے یعنی (نعوذ باللہ) تم پر اللہ کی مار ہو اور اس طریق پر کہتے کہ کوئی سمجھ نہ سکے۔ پھر اپنے دل میں یا اپنے ہم جلیسوں سے کہتے کہ جب اللہ سب کچھ جانتا ہے اور یہ رسول سچا ہے تو ہماری گستاخی پر ہمیں فوری سزا کیوں نہیں دیتا۔ گویا ان کی نظر میں عذاب کا فوری نازل ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل تھی حالانکہ دنیا دار الجزاء نہیں۔ **حسبهم جهنم** میں بتلایا کہ بعض حکمتوں کی بنا پر کچھ گناہوں کی سزا دنیا میں نہیں ملتی ۔ آخرت میں ملتی ہے اور شدید ترین ملتی ہے۔ پس عذاب تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گا اگر دیر ہو رہی ہے تو اس لئے کہ شاید سنبھل جاؤ۔ فرمایا ان کی سزا کے لئے جہنم کافی ہوگی وہ اس میں داخل ہوں گے پس کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ کچھ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور **السَّام علیکم** کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا **علیکم** ۔ تم پر۔ حضرت عائشہؓ سے نہ رہا گیا انہوں نے کہا **علیکم السام ولعنکم اللّٰہ و غضب علیکم** کہ تم پر موت آئے اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو ۔ رحمۃ للعالمین کو اپنے دشمنوں سے بھی زیادتی پسند نہ تھی ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ اس قسم کی لعنت کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ نے سنا نہیں کہ انہوں نے کیا کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اور تم نے نہیں سنا کہ میں نے انہیں کیا جواب دیا۔

۱۰ ۔ **نجوىٰ** اچھے اور بُرے دونوں مشوروں کے لئے آتا ہے ۔ یہاں واضح کیا کہ مشاورت فی نفسہٖ منع نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ البتہ گناہ ، سرکشی اور نافرمانی رسول کے بارہ میں خفیہ مشوروں سے منع فرمایا۔ یہ یہود اور منافقین کا طریق ہے۔ ہاں نیکی اور تقویٰ کے متعلق امور میں

النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ
خفیہ سازشیں کرنا محض شیطان سے ہے تاکہ وہ غمگین کرے ان کو جو ایمان لائے اور نہیں

بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
ضرر پہنچانے والا ان کو کچھ بھی بجز اذن الٰہی کے اور اللہ پر پس توکل کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا
ایمان والے اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب کہا جائے تم کو کھل جاؤ

فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا
مجلسوں میں تو کھل جاؤ کشادہ کریگا اللہ تم کو اور جب کہا جائے اُٹھ کھڑے ہو

فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا
تو اُٹھ کھڑے ہو بلند کریگا اللہ ان کو جو ایمان لائے تم میں سے اور وہ جو دیئے گئے

مشورے کیا کرو جو خوشنودیٔ خدا اور رسول کا موجب ہیں۔ **بِرّ** میں ہر قسم کی بھلائی شامل ہے۔ یہ گناہ اور زیادتی کے مقابل پر کہا یعنی بجائے اس کے کہ تمہارے مشوروں کا محور گناہ اور ظلم و زیادتی ہو اور تم دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے تدبیریں کرو تم اپنی مجالس میں بندگان خدا کو ہر قسم کی بھلائی پہنچانے کے لئے تجاویز کیا کرو۔ معصیتِ رسول کے مقابل تقویٰ کا حکم دیا کہ جب تقویٰ پر قائم ہو جاؤ گے اور باریک در باریک گناہوں کو چھوڑ دو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے جس کے حضور اکٹھے کئے جانا ہے تو رسول کی نافرمانی یا کسی خلاف شرع بات کا خیال تک نہ آئے گا۔

۱۱۔ اس آیت میں کھول کر بتادیا کہ یہود منافقین کے خفیہ مشورے اسلام اور بانی اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے تھے۔ انہیں شیطان کی طرف منسوب کیا کہ خفیہ سازشیں تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں تا کہ مومنین کو ذہنی اذیت میں مبتلا کریں اور وہ ان کی وجہ سے دلبرداشتہ ہوں۔ جبکہ مومن کو اپنے ربّ پر کامل توکل ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے حکم کے بغیر اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پس ان کی اسلام دشمن سکیمیں کبھی کامیاب نہیں ہوں گی اور وہ اسلام کا کبھی استیصال نہیں کرسکیں گے اگر کچھ نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو بھی جائیں تو وہ اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جو اللہ کی خاص مصلحت سے مقدر ہو۔

۱۲۔ **تفسّحوا۔ فسح** ۔ دوسروں کے لئے جگہ بنانی ۔ کشادہ ہوجانا۔ **انشز** بلند زمین کو کہتے ہیں۔ محاورۃً اٹھ جانے کے معنی دیتا ہے۔

مومنین کی مجالس کا محور بِرّ اور تقویٰ تھا۔ اسی کی مزید وضاحت فرمائی اور بتلایا کہ آداب مجلس میں یہ بھی شامل ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر اپنے بھائیوں کے آرام کا خیال رکھا کرو۔ بیشک یہ

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

علم درجوں میں اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے اے لوگو جو

اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

ایمان لائے ہو جب مشورہ کرنے کو آؤ تم رسول سے تو کرلو پہلے اپنے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ

مشورہ سے کچھ خیرات یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور بہت پاکیزہ پھر اگر

لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۳﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ

نہ پاؤ تم تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا ڈر گئے تم اس سے کہ

حکم عام ہے مگر خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا ذکر ہے جہاں کثرتِ سامعین کی وجہ سے اور اس شوق کے سبب کہ آپ ﷺ سے زیادہ سے زیادہ برکات حاصل ہوں ہر کوئی آپ ﷺ کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرتا اور بھیڑ زیادہ ہوجاتی۔ تہذیب کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹھنے والے خود ہی آنے والوں کو جگہ دیں تاہم ایسی مجالس میں جب لوگوں کا زیادہ ہجوم ہو جائے اور مومنوں کو کشادہ ہونے کا حکم دیا جائے تو کشادہ ہوجایا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا۔ گویا تمہارے تمام امور میں کشادگی کا سامان پیدا کردے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لئے جگہ کشادہ کرو۔ (بخاری و مسلم و مسند احمد) جب آپ ﷺ مجلس برخاست کرنے کا ارادہ فرمائیں اور تمہیں اٹھ جانے کا حکم دیں تو اٹھ جایا کرو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور خاص طور پر وہ مومن جن کو علم دیا گیا ہے۔ یہاں اہل علم کو ان کے علم کی وجہ سے بلند مرتبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کیونکہ وہ مسائل کو بہتر طریق سے سمجھنے اور ان کو حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ **والذین اوتوا العلم** سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس علمی نوعیت کی ہوتی تھیں جہاں علم و معرفت، بِرّ و تقویٰ اور روحانیت کا درس دیا جاتا تھا۔

۱۳۔ **صدقہ** وسیع معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کو بھی صدقہ کہا گیا۔ صدقہ۔ ہر وہ چیز ہے جو انسان اپنے مال سے قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور یہی معنی زکوٰۃ کے ہیں جو واجب ہے جبکہ صدقہ واجب نہیں۔ یہاں صدقہ سے مراد نذرانہ یا ھدیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب منافقین محض آپ ﷺ کو تنگ کرنے کے لئے علیحدگی میں ملنے کی درخواست کرتے اور بلاوجہ بات کو طول دے کر آپ ﷺ کا قیمتی وقت ضائع کرتے یہاں مومنین کو

تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ

آگے بھیجو تم پہلے اپنے مشورہ کرنے کے خیرات پھر جس وقت نہ

تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

کیا تم نے اور رجوع برحمت ہوا اللہ تم پر تو قائم رکھو نماز کو اور دو

الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا

زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اور اللہ باخبر ہے اس سے جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ ع ۲ ۲

تم کرتے ہو کیا نہیں دیکھا تو نے طرف ان کی جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ ناراض ہوا

آگاہ فرمایا کہ تم اپنے ذاتی مشورہ یا درخواست دعا سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کچھ ہدیہ پیش کیا کرو۔ ھدیہ کی مقدار کا تعین نہیں فرمایا بلکہ مومنین کی صوابدید پر رکھا۔ فرمایا یہ صدقہ تمہارے لئے باعثِ برکت ہوگا اور تمہارے دلوں کو پاک کرنے کا موجب ہوگا۔ اس میں کئی حکمتیں پنہاں تھیں اوّل تو یہ کہ منافقین آپ ﷺ سے علیحدگی میں مشورہ کرنے سے رک گئے کیونکہ آپ ﷺ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا ان پر بار تھا نیز مومنوں کو مشورہ کی اہمیت کا احساس ہوا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس کو ہدیہ دیا جائے اس سے ذاتی تعلق پیدا ہوجاتا ہے جو دعا میں مد ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے تذکرہ میں بھی یہ بات ملتی ہے اور یہ جائز ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اسے ردّ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ یہ واجب نہیں مستحب ہے اگر توفیق ہو تو ضرور دو۔ مقدور نہ ہو تو گرفت نہیں اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔

بعض نے دعا یا مشورہ سے پہلے مساکین کو صدقہ دینا مراد لیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو نذرانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا جاتا وہ بھی مساکین کی طرف ہی لوٹ جاتا اور آپ ﷺ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے بہت کم رکھتے۔

۱۴۔ **الشفق۔ شفق** ہے۔ وہ سرخی جو غروب آفتاب کے وقت نمایاں ہوتی ہے۔ خوف کے معنی دیتا ہے۔ **وھم من الساعۃِ مشفقون** (۲۱۔۵۰) اور وہ قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔

پچھلی آیت کی مزید وضاحت فرمائی کہ بیشک مشورہ اور دعا سے پہلے نذرانہ پیش کرنا افضل ہے جو تمہارے لئے طہارت نفس کا موجب ہے۔ اگر تم اس حکم پر کماحقہٗ عمل نہیں کرسکے تو ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تم پر رجوع برحمت ہوا اور تمہاری کمزوریوں کو معاف کردیا۔ جن کو استطاعت نہیں ان کے لئے پہلے ہی رعایت رکھ دی گئی ہے اس لئے کہ یہ حکم مستحب ہے فرض نہیں۔ اب فرائض کی ادائیگی سے اس کمزوری کی تلافی کرو اور نماز جو سب سے اوّل ہے احسن

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى

اللہ جن پر نہیں وہ تم میں سے اور نہ ان میں سے اور وہ قسمیں کھاتے ہیں

الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٥﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ

جھوٹ پر اور وہ جانتے ہیں تیار کیا اللہ نے ان کے لیے عذاب سخت

اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

یقیناً بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں بنایا انہوں نے اپنی قسم کو

طریق سے قائم کرو اور زکوٰۃ کو خوشدلی سے ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت دل و جان سے بجالاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور ان کے محرکات سے بخوبی واقف ہے۔ یہ آیت ان پانچ آیات میں سے ہے جو آخر تک منسوخ قرار دی گئیں تا آنکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس مسئلہ کو حل کیا اور ثابت کیا کہ قرآن کریم کا ایک شوشہ بھی بدل نہیں سکتا۔ حالانکہ اس آیت میں تو پچھلی آیت ہی کی وضاحت ہے۔

۱۵۔ ۱۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ نے بنی نوع انسان کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور تمام غیر مسلموں کے ساتھ اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا خواہ وہ یہود و نصاریٰ تھے یا کافر و مشرک بلکہ ان سے احسان کا سلوک فرمایا۔ تجارتی اور اقتصادی معاملات میں بھی مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا۔ منافقین ، یہود سے مل کر اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے ۔ یہود سے دلی دوستیاں کرتے اور اسلام کے بعض راز انہیں پہنچاتے جس سے اسلام کے مفاد پر زد پڑتی ۔ اس بنا پر ان سے دلی دوستی سے منع فرمایا۔ یہاں بتلایا کہ یہود تو وہ قوم ہے جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا جبکہ مومن اللہ کے فضل کے مورد ہیں پھر تم مومنوں کو چھوڑ کر ان سے دوستیاں کیوں گانٹھتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ منافقین تم میں سے نہیں یعنی سچے اور مخلص مومنوں میں شامل نہیں ، محض نام کے مومن ہیں کیونکہ ان کی وفاداریاں یہودیوں کے ساتھ ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے بھی نہیں کیونکہ یہود سے دوستی تو کرتے ہیں مگر یہودی کہلوانا پسند نہیں۔ خود کو مومنین میں ہی شمار کرتے ہیں اور حقیقت کا علم ہونے کے باوجود جھوٹ پر قسمیں کھاتے ہیں۔ جیسا کہ منافقین کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود یہود سے دلی دوستی کرنا اور ان سے مل کر اسلام دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینا اور جاننے کے باوجود جھوٹ پر قسمیں کھانا ان کے بہت ہی بُرے اعمال ہیں۔

۱۷۔ منافقین کی اسلام دشمن سازشیں بعض اوقات ظاہر ہوجاتیں تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی

جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧﴾

ڈھال تو روکتے ہیں راہ خدا سے بس ان کے لیے عذاب ہے رُسوا کرنیوالا ہے

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

ہرگز نہ کام آئیں گے ان کو مال ان کے اور نہ انکی اولاد اللہ کے

شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٨﴾ يَوْمَ

مقابل کچھ یہی ہیں آگ والے وہ ہی اس میں ہمیشہ رہیں گے جس دن

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

اُٹھائے گا اللہ ان سب کو تو قسمیں کھاویں گے اسکے سامنے جیسے وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے سامنے

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٩﴾

اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی شے پر ہیں خبردار یقیناً وہ جھوٹے ہیں

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ

غالب آیا ان پر شیطان تو بھلا دیا ان کو ذکر الٰہی

وفاداری کا یقین دلاتے اور مسلمانوں کے عتاب سے محفوظ رہتے گویا انہوں نے جھوٹی قسموں کو اپنے بچاؤ کے لئے سپر بنا رکھا تھا۔ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے۔ اس میں کمزور ایمان مومنوں کو جہاد سے روکنا مراد ہے اور یہود کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ کیونکہ وہ یہود کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے اور اسلام سے بدظن کرتے۔ ان کے لئے عذاب نہ صرف شدید بلکہ رسوا کن بھی ہوگا۔

۱۸۔ منافقین اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے پیش نظر جہاد میں حصہ نہ لیتے اور کمزور ایمان مومنین کو بھی انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد میں حصہ لینے سے روکتے۔ فرمایا جس مال اور اولاد کی محبت میں انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد میں حصہ نہیں لیتے اور جس کے برتے پر اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہے۔ وہ آخرت میں اللہ کے مقابل ان کے کوئی کام نہ آئیں گے یعنی انہیں عذاب سے بچا نہیں سکیں گے ۔ یہی جہنمی لوگ ہیں اور وہ اس میں لمبا عرصہ رہنے والے ہیں۔

۱۹۔ منافقین کا گروہ اکٹھا اٹھایا جائے گا۔ یہ وہ بدبخت ہوں گے جن میں جھوٹ اور فریب اتنا رس بس چکا ہوگا کہ مرنے کے بعد بھی جھوٹ سے باز نہیں آئیں گے۔ جس طرح دنیا میں جھوٹی قسمیں کھا کر رسول کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوجاتے تھے اس طرح اللہ جل شانہٗ کے حضور بھی قسمیں کھا کر اپنا مومن ہونا ظاہر کریں گے اور گمان کریں گے کہ جس طرح دنیا میں جھوٹ کے بل بوتے پر ان کے کام بن جایا کرتے تھے اللہ کے حضور بھی جھوٹ سے کچھ کام بن جائے گا۔ خبردار: یہ اوّل درجہ کے جھوٹے ہیں۔

۲۰۔ **الحوذ** کے معنی اونٹ کو سختی سے ہانکنے کے ہیں ۔ **استحوذ** کے معنی ان پر مسلط

أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ
یہی ہے گروہ شیطان کا خبردار ہو یقیناً گروہ شیطانی ہی

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ أُولٰٓئِكَ
نقصان پانیوالے ہیں یقیناً جو مقابلہ کرتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کا وہی ہیں

فِي الْأَذَلِّيْنَ ﴿٢١﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ
ذلیل لوگوں میں سے لکھ رکھا ہے اللہ نے کہ ضرور غالب آؤں گا میں اور میرے رسول یقیناً اللہ

قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٢﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
غالب عزت والا ہے نہیں پائیگا تو کسی قوم کو جو ایمان لائی ہو اللہ اور دن

ہو کر ہانکنے کے ہیں۔**استحوذ** کا استعمال بطور محاورہ کے ہے غالب آ جانا اور قابو پالینا مراد ہے۔

منافقین کا دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھانا اس وجہ سے ہے کہ وہ رحمٰن کا دامن چھوڑ کر شیطان کے تابع فرمان ہوگئے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیاہے یہانتک کہ اس نے انہیں ذکر الٰہی سے غافل کردیا یعنی انہوں نے احکام الٰہی سے منہ موڑلیا۔ یہی شیطانی گروہ ہے۔ اب کس تحدی سے فرمایا کہ بلاشبہ شیطانی گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہوگا یعنی ناکام رہے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پھر پورے عرب کی مخالفت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ہی مظفر و منصور اور بامراد ہوئے جبکہ مخالفین رسول ناکام و نامراد رہے۔

٢١۔منافقین کی ذلالت کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ سو وہ سب سے زیادہ ذلیل ہوں گے ایسا دنیا میں بھی ہوا اور آخرت میں بھی ضرور ہوگا۔

٢٢۔انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا معیار بیان فرمایا کہ اللہ نے یہ حتمی فیصلہ کررکھا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔یقیناً اللہ بہت طاقتور اور کامل غلبہ والا ہے۔پس وہ جسے چاہے غالب کردے۔اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں:۔'' خدا نے ابتداء سے لکھ چھوڑا ہے اور اپنا قانون اور اپنی سنت قرار دے دیاہے کہ وہ اور اس کے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے۔پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پاکر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیاہوں اس لئے میں کہتاہوں کہ جیسا کہ قدیم سے یعنی آدم کے زمانہ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہمیشہ مفہوم اس آیت کا سچانکلتا آیاہے ایساہی اب بھی میرے حق میں سچا نکلے گا۔'' (نزول المسیح صفحہ ٢،٣)

٢٣۔ **یوآدون** ۔ **ود** محبت اور دوستی ہے ۔**یوآدون** ۔ وہ باہم دوستی کرتے ہیں۔

الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا
آخر پر کہ دوستی کریں اس سے جو مقابلہ کرتا ہے اللہ اور اسکے رسول سے اور خواہ ہوں

اٰبَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۚ
ان کے باپ یا بیٹے ان کے یا بھائی ان کے یا کنبہ ان کا

أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ
یہی ہیں کہ لکھ دیا اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تائید کی انکی اپنی روح سے

مِّنْهُ ۚ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ
اور داخل کریگا ان کو بہشتوں میں جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ أُولٰٓئِكَ
ہمیشہ رہیں گے ان میں راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہیں

ع ٣ ٩ ٣ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٣﴾
گروہ خدا کے خبردار ہو یقیناً گروہ اللہ کے ہی فلاح پانے والے ہیں

حادّ ۔ **الحد** ۔ حد، روکنا ہے۔مخالفت اور دشمنی کے معنی دیتا ہے ۔جیسا کہ آیت ٢١ میں **یحآدون** مخالفت کے معنی میں آیا **حآدّاللّٰه و رسولهٗ** کے مصداق وہ لوگ ہیں جو اسلام دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور ہمہ وقت اسلام کے استیصال کے درپے رہتے تھے۔روح کلام الٰہی اور جبریلؑ کے لئے آتا ہے ۔روحٍ منہُ اللہ کی طرف سے روح یعنی روح القدس ہے۔

منافقین کا ذکر جاری تھا اب ان کے مقابل اہل ایمان کا حال بیان فرمایا اور ان کی صفات کے بیان کے ساتھ اس سورۃ کا اختتام ہوا فرمایا مومنین کاملین جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھیں خواہ وہ دشمنانِ خدا و رسول اُن کے قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ ان کے باپ دادا، بیٹے ، بھائی یا اہل خاندان ۔اسلامی جنگوں میں بطور خاص مومنوں کی یہ صفات نمایاں ہوکر سامنے آئیں جب اپنے عزیز ترین رشتوں کو اللہ اور رسول کی محبت و اطاعت پر قربان کردیا۔ یہی وہ کامل الایمان لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیاہے گویا ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوگیاہے ۔ ان کی مزید فضیلت یہ بیان فرمائی کہ **ایّدھم بروح منهٗ** ط کے اعزاز سے نوازا۔جیسا کہ **ھُم** کی ضمیر صحابہ کی طرف جاتی ہے ۔اس سے واضح ہے کہ صحابہ کرامؓ پر روح القدس کا نزول ہوتا تھا اور انہیں روح القدس کی تائید حاصل تھی۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک جنگ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو کہا کہ میری طرف سے کفار کو جواب دو۔(اے اللہ)اس کی روح القدس سے مدد فرما۔پس اگر حضرت مسیح علیہ السلام پر روح القدس کا نزول ہوتا تھا تو اس میں

ان کی ایسی یکتا فضیلت ثابت نہیں ہوتی جس کی بنا پر ان کو ابن اللہ قرار دیا جائے جبکہ صحابہ کرام کے بعد آنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غلاموں پر بھی روح القدس کا نزول ہوتا رہا۔
صحابہ کرام نے جب اپنی ہر عزیز ترین شے اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر قربان کر دی تو وہ ربّ رحیم ان کی قربانیوں کے اجر کے طور پر انہیں ابدی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ وہ خوش نصیب ہیں جن کو اللہ عزّ وجلّ نے **رضی اللّٰہ عنھم ورضواعنہُ** ط کی سند سے نوازا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی تعریف میں تحریر فرماتے ہیں:۔'' وہ جماعت (جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے کہ انہوں نے ایسے اعمال صالحہ کئے کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہوگئے) صرف ترک بدی ہی سے نہ بنی تھی انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیچ سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا تب جا کر ان مدارج اور مراتب پر پہنچے کہ آواز آ گئی **رضی اللّٰہ عنھم ورضواعنہُ**۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۲ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۳)

حضرت مسیح موعودؑ مزید فرماتے ہیں:۔'' صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی راہ میں وہ صدق دکھلایا کہ انہیں **رضی اللّٰہ عنھم ورضواعنہُ** کی آواز آ گئی۔ یہ اعلیٰ درجہ کا مقام ہے جو صحابہؓ کو حاصل ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔ اس مقام کی خوبیاں اور کمالات الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جانا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ یہ توکل تبتّل اور رضا و تسلیم کا اعلیٰ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو کسی قسم کا شکوہ اور شکایت اپنے مولیٰ سے نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہو جانا، یہ موقوف ہے بندے کے کمالِ صدق و وفا داری اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے معرفت اور سلوک کے تمام مدارج طے کر لئے تھے۔۔۔۔ اس لئے میں تمہارے لئے یہی پسند کرتا ہوں کہ تم اپنے دل کو پاک کرو کہ مولیٰ کریم تم سے راضی ہو جاوے اور تم اس سے راضی ہو جاؤ۔ پھر وہ تمہارے جسم میں تمہاری باتوں میں ایسی برکت دے گا جو سلبِ امراض کرنے والے بھی انہیں دیکھ کر حیران اور شرمندہ ہوں گے۔'' (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۹)

پس **حزب الشیطٰن** کے مقابل میں انہیں حزب اللہ کے خطاب سے نوازا۔ خبردار اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ گویا یہی ہیں جو مظفر و منصور اور بامراد ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حشر۔ یہ سورۃ مدنی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی پچیس آیات اور تین رکوع ہیں

سورۃ مجادلہ میں یہود و منافقین کی اسلام کے خلاف سازشوں اور شرارتوں کا ذکر تھا اس سورۃ کا اختتام اللہ عزّ وجلّ کے اس حتمی فیصلہ پر کیا کہ یقیناً میں اور میرا رسول ہی غالب آئیں گے (آیت ۲۲) اس سورۃ میں ان مضامین کی مزید وضاحت فرمائی۔

جنگ احد کے بعد ۴ھ میں بنو نضیر کے محاصرہ کا وقعہ پیش آیا اور اس سورۃ کا نزول ہوا۔ سعد بن جبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کے سامنے سورۃ حشر کہا تو ابن عباسؓ نے کہا! سورۃ النضیر کہو۔ (بخاری کتاب المغازی) بیشک اس سورت میں بنو نضیر کے مدینہ سے جلاوطن کرنے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ مگر اس سورۃ کے مضمون کو سمجھنے کے لئے اس کے تاریخی پس منظر سے آگاہی ضروری ہے کیونکہ اس سے پہلے بنو قینقاع کے اخراج اور کعب بن اشرف کے قتل کے واقعات گزر چکے تھے۔

جب اسلام یثرب میں پہنچا اور اہل یثرب کے اصرار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ کی تشریف آوری سے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور اوس و خزرج کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا اور مدینہ میں آباد یہود کے تینوں قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے ایک معاہدہ طے پایا۔ تاریخ میں ایک اُمّی ﷺ کا یہ پہلا تحریری معاہدہ تھا۔ اس معاہدہ کی شرائط مختصراً یہ تھیں کہ دونوں فریق کسی بیرونی حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کے پابند ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔ ان کے درمیان نیکی و حق رسانی کا تعلق ہوگا نہ کہ گناہ و زیادتی کا۔ کوئی اپنے حلیف سے زیادتی نہیں کرے گا۔ مظلوم کی حمایت کی جائے گی۔ جنگ کی صورت میں دونوں فریق مل کر دفاع کریں گے اور جنگ کے مصارف اٹھائیں گے۔ اس معاہدہ کے شرکاء پر یثرب میں کسی نوعیت کا فتنہ و فساد کرنا حرام ہوگا۔ معاہدہ کے شرکاء کے درمیان اگر کوئی ایسا قضیہ یا اختلاف رونما ہو جائے جس سے فساد کا خطرہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق محمد رسول اللہ کریں گے۔ قریش مکہ اور ان کے حامیوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔ جنگ کی صورت میں ہر فریق اپنی جانب کے علاقے کی مدافعت کا ذمہ دار ہوگا۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۰)

افسوس اس معاہدہ کو جس کا مقصد امن و انصاف کی فضا پیدا کرنا اور ایک دوسرے کی خیر خواہی

چاہتا تھا، یہودیوں نے دل سے قبول نہ کیا۔منافقین مدینہ اور قریش مکہ کے ساتھ ساز باز جاری رکھی اور مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس کی اوّل وجہ یہ تھی کہ وہ کسی غیر اسرائیلی کو نبی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے ان کی اجارہ داری اور دیگر مفاد پر زد پڑی۔سودی کاروبار ٹھپ ہوگیا۔ قبیلوں کو لڑا کر اپنی مطلب براری ان کا شیوہ تھا، اب اس کی گنجائش نہ رہی ۔نتیجۃً یہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے میں سرگرم عمل ہوگئے۔معاہدہ کی خلاف ورزیاں توجنگ بدر سے قبل ہی جاری تھیں۔جنگ بدر میں انہیں یقین تھا کہ قریش مکہ کا لشکر جرار ان مٹھی بھر مجاہدین کو کُچل کر رکھ دے گا لیکن جب ان کی امیدوں کے خلاف مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی تو سخت مشتعل ہوگئے۔یہود کا سب سے شریر اور امیر قبیلہ بنو قینقاع تھا۔یہود کا یہ پہلا قبیلہ تھا جس نے جنگ بدر کے بعد کھلم کھلا معاہدہ کی خلاف ورزی کا اعلان کیا۔یہ صنعت کار لوگ تھے۔آہن گری ، زرگری اور ظروف سازی ان کا پیشہ تھا۔ مدینہ کے اندر ایک محلّہ میں قلعہ نما گھروں میں رہتے تھے ۔آہن گری کی وجہ سے ان کا ہر جوان مسلح تھا جن کی تعداد سات سو کے قریب تھی۔انہوں نے اپنے بازار میں علی الاعلان مسلمانوں کو تنگ کرنا اور خاص طور پر مسلمان عورتوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی یہانتکہ ایک روز ایک مسلمان عورت کے کپڑے پھاڑ دئے اور وہ برسرعام برہنہ ہوگئی اس پر سخت جھگڑا ہوا جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محلّہ میں تشریف لے گئے اورانہیں راہ راست پر آنے کی تلقین فرمائی مگر انہوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا کہ اے محمد! تم نے ہمیں بھی شاید قریش مکہ سمجھ رکھاہے۔ وہ لڑنا نہیں جانتے تھے اس لئے تم نے انہیں مار لیا۔ہم سے سابقہ پڑا تو معلوم ہوجائے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں؟یہ کھلم کھلا اعلان جنگ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ ھ کے آخر میں ان کے محلّہ کا محاصرہ کیا۔پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد انہوں نے بغیر جنگ کیئے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کے تمام قابل جنگ آدمی باندھ لئے گئے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے خزرج سے ان کے حلیفانہ تعلقات تھے خزرج کا ایک سردار عبداللہ بن ابی ان کی حمایت میں کھڑا ہوگیا۔ اس کے شدید اصرار پر آپ ﷺ نے انہیں معاف فرمادیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی درخواست قبول کر کے یہ فیصلہ فرمایا کہ بنو قینقاع اپنا مال و اسباب اسلحہ اور آلات صنعت چھوڑکرمدینہ سے نکل جائیں۔ (ابن سعد۔ ابن ہشام تاریخ طبریؔ)چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں آباد ہوگئے۔ان قبائل میں بنو نضیر اور بنو قریظہ کو زیادہ ممتاز مقام حاصل تھا کیونکہ وہ کاہنوں (Priests)کے طبقہ سے تھے۔بنو نضیر مدینہ کے مضاف میں دو میل کے فاصلہ پر رہتے تھے جہاں

ان کے قلعے اور باغات تھے ۔ بنو نضیر کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود قبائل سے تجدید معاہدہ چاہی۔ بنو قریظہ نے تجدید معاہدہ کیا مگر بنو نضیر نے انکار کردیا جب غزوہ بدر میں قریش مکہ بُری طرح پسپا ہوئے تو بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشراف چیخ اٹھا کہ '' خدا کی قسم اگر محمد ﷺ نے اشراف مکہ کو قتل کردیاتو زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔'' تاریخ سے ثابت ہے کہ کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچا اور بدر کے مقتول سرداروں کے نہایت اشتعال انگیز مرثیے لکھ کر اہل مکہ کو انتقام پر اکسایا ۔ابو سفیان بھی چالیس معززین کے ہمراہ خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ کعب بن اشرف نے خانہ کعبہ کا پردہ تھام کر مسلمانوں کی تباہی کے منصوبے پر ابوسفیان سے معاہدہ کیا کہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں سے جنگ کریں گے اس تعلق میں اس نے دیگر قبائل کا بھی دورہ کیا۔جبریل امین نے کعب اور قریش مکہ کے درمیان جو معاہدہ طے پایاتھا، آنحضرت ﷺ کو اس کی تفصیل سے آگاہ فرما دیا۔ پھر ابوسفیان بھی رات کے اندھیرے میں بنو نضیر کے پاس مدینہ گیا جنہوں نے مسلمانوں کے حالات کی مخبری کی۔جنگ احد میں کعب بن اشرف کی کوششوں کا بہت زیادہ دخل تھا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو اشتعال دلانے کے لئے مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کا نام لے کر اپنی فحش غزلوں میں ان سے اظہار عشق کا سلسلہ شروع کیا اور اس طرح مدینہ میں سخت بدامنی کی فضا پیدا کر دی۔ جب کعب بن اشرف کے خلاف عہد شکنی، بغاوت تحریک جنگ ، فتنہ پردازی فحش گوئی اور سازش قتل کے الزامات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ریاست کے سربراہ قبیلہ اوس کو کعب بن اشرف کو سزا دینے کی ڈیوٹی سونپی۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مقرر فرمایا کہ جو طریق بھی اختیار کریں قبیلہ اوس کے رئیس سعد بن معاذؓ کے مشورہ سے کریں۔ ربیع الاول ۳ ھ میں محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے اس دشمن خدا و رسول کو قتل کیا۔ (ابن سعد ۔ ابن ہشام تاریخ طبری) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خداترسی اور انسان دوستی تھی کہ پورے قبیلہ کو سزا دینے کی بجائے فساد کے سرغنہ کو ہی سزادی ۔اسے خفیہ قتل کرنے میں یہ حکمت تھی کہ عام خونریزی اور قتل و غارت سے بندگان خدا محفوظ رہیں۔ بنو قینقاع کے اخراج اور کعب بن اشرف کے قتل سے یہودی اتنے خوفزدہ ہوئے کہ بظاہر کچھ دیر امن رہا مگر پس پردہ ان کی معاندانہ سرگرمیاں جاری رہیں۔ غزوہ احد میں بنونضیر نے معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کی اور مدینہ کی مدافعت میں آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیا حالانکہ معاہدہ کی روسے وہ اس کے پابند تھے۔جب اُحد میں مسلمانوں نے ہزیمت اٹھائی تو ان کی جرأتیں اور بڑھ گئیں۔ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محلّہ میں گئے

تو انہوں نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت آپ ﷺ کو دیوار کے ساتھ بٹھایا اور اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ تھا لیکن وحی الٰہی سے آپ ﷺ کو اطلاع ہوگئی۔ آپ ﷺ فوراً اٹھ گئے اور ان کا منصوبہ ناکام ہوا۔ اب مزید رعایت کی گنجائش باقی نہ رہی۔ باوجود اس کے کہ ان کی غداری اور اسلام دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی آپ ﷺ نے ان سے جنگ نہیں کی اور ایک شخص کا بھی خون نہیں بہایا۔ ان کو کہلا بھیجا کہ تمہاری سازش کا مجھے علم ہوگیا ہے تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اپنا مال و اسباب لے کر نکل جاؤ۔ عبداللہ بن ابی نے اکسایا کہ تم ڈٹے رہو میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ اس کی شہ پر بنونضیر نے آپ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے آپ ﷺ سے جو کچھ ہوسکتا ہے کرلیں۔ ان کے قلعے اور باغات مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھے۔ ۴ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا۔ عبداللہ بن ابی کو مدد کے لئے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دو ہفتہ بعد وہ اس شرط پر مدینہ چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئے کہ اسلحہ کے سوا وہ اپنا سارا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر لے جائیں گے۔ چنانچہ وہ اطمینان سے اپنے سازو سامان کے ساتھ باجے بجاتے ہوئے نکلے اور مدینہ سے ستر (۷۰) میل دور خیبر میں آباد ہوگئے جہاں یہودیوں کی بستیاں اور قلعے تھے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

تسبیح کرتا ہے خدا کی وہ جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور وہی غالب

الْحَكِيْمُ ۝۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

حکمت والا ہے وہی ہے جس نے نکالا ان کو جو کافر ہوئے اہل کتاب میں سے

مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا

ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع میں نہ گمان کرتے تھے تم کہ وہ نکل جاویں گے

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ

اور گمان کرتے تھے یہ کہ بچالیویں گے ان کو قلعے ان کے خدا سے پھر آیا ان پر

اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

عذاب الٰہی اس جگہ سے کہ نہ جانا تھا انہوں نے اور ڈال دیا ان کے دلوں میں

الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي

رُعب وہ اجاڑتے تھے اپنے گھر اپنے ہاتھوں سے اور ہاتھوں سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۳ وَلَوْلَآ اَنْ

مومنوں کے پس عبرت پکڑو اے آنکھوں والو اور اگر نہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ یہ سورۃ مسبحات کی سورتوں میں سے ہے، اللہ تبارک و تعالٰی کی تسبیح سے اس سورۃ کو شروع کیا (تشریح حدید:۲) اور فرمایا کہ کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں ہر چیز اسی کی تابع فرمان ہے۔ وہ کامل غلبہ والا اور صاحبِ حکمت ہے۔ بنونضیر کے جلا وطن کرنے کا واقعہ اس کے غلبہ اور حکمت پر دال ہے ورنہ اس طاقتور قبیلے کا بغیر خون خرابہ کئے اپنے گھروں سے نکل جانا ممکن نہ تھا۔

۳۔ **مانعة۔ مانع** ۔ باز رکھنے والی۔ بچانے والی۔ **اوّل الحشر۔ حشر** کے لفظی معنی اکٹھا کرنے کے ہیں۔ جنگ کے لئے اکٹھا کرنا۔ اٹھ جانا۔ قرآن کریم نے بنونضیر کی جلاوطنی کو **اوّل الحشر** کہا اس میں بطور پیشگوئی اشارہ تھا کہ حشر ثانی بھی مقدر ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد خلافت میں یہ مع دیگر یہودیوں کے شام کی طرف جلاوطن کئے گئے۔ اور بائبل کی پیشگوئی پوری ہوئی کہ یہودی جلاوطن کئے جائیں گے۔ (یسعیاہ باب ۲۲۔ آیت ۱۷، ۱۸) یہ پیشگوئی ان پر بار بار صادق آتی رہی۔ وجہ یہ تھی کہ جس ملک میں بھی رہے وہاں کی اقتصادیات پر قبضہ کیا۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اندرونی سازشیں اور فتنہ و فساد پیدا کرنا ان کا شیوہ تھا۔ نتیجۃً ہر ملک سے ذلیل و خوار ہوکر نکالے گئے۔موجودہ زمانہ میں ہٹلر نے ان پر ایسے بھیانک مظالم ڈھائے کہ ان کی معمولی تعداد بمشکل بچ نکلنے میں کامیاب ہوئی۔یہ سزا ان کی اپنی مقدس کتاب توریت کی حکم عدولی کی وجہ سے تھی۔توریت میں ان کو حکم تھا کہ سچے نبی سے ڈریں اور جب ''وہ'' نبی آئے تو اس کی مدد کریں ۔(یوحنا باب۱۶ آیت ۱۲۔۱۳)(یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا۱۷ میں) عرب میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی پیشگوئی ہے اس میں آپ ﷺ کی ہجرت ،مخالفوں سے جنگ جس میں اس نبی کی کامیابی اوردشمن کے ذلیل ہونے کا ذکر ہے ۔

یہ اللہ عزوجل کی قدرت اور حکمت تھی کہ اہل کتاب میں سے نبیؑ کا انکار کرنے والوں کو پہلے ہی حشر میں ان کے گھروں سے نکال دیا۔تم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنی آسانی سے جلاوطنی قبول کرلیں گے جبکہ وہ مسلمانوں سے ہر لحاظ سے طاقتور تھے۔یہودی اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کے مضبوط قلعے اور ان کے گرد اونچی فصلیں اللہ کے مقابل ان کی حفاظت کریں گی۔ یہودی ایک موحد اور انتہائی زیرک قوم تھی۔وہ کس طرح سوچ سکتے تھے کہ ان کے قلعے اللہ کے مقابل ان کی حفاظت کرسکتے ہیں۔اللہ سے مقابلہ سے مراد دراصل اس کے رسول سے مقابلہ تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ان کے احبار خوب جانتے تھے کہ وہ نبی جس کا توریت میں باربار ذکرآیا ہے اور جس کا انہیں انتظار ہے وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔قرآن اور احادیث میں متعدد شواہد موجود ہیں کہ توریت میں دی گئی تمام علامات آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں پوری ہوچکی تھیں۔ جیسا کہ ان کے سب سے بڑے حِبر زید بن سعنہؓ نے تسلیم کیااور اسلام قبول کیا۔(سورۃ شوریٰ آیت ۳۸)حضرت صفیہؓ کی گواہی بھی احادیث میں موجود ہے۔(ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۶۵ طبع جدید) افسوس نسلی برتری کا خناس اور دنیوی مفاد قبول حق میں مانع رہے اور وہ خدا کی پکڑ سے بے خوف ہوکر خدا اور رسول سے برسرپیکار رہے۔بیشک زبان سے اقرار نہ کرتے ہوں مگر ان کے اعمال یہی گواہی دیتے تھے کہ اللہ اور رسول کے مقابلہ میں انہیں بزعم خود اپنے ناقابل تسخیر قلعوں پر زیادہ بھروسہ تھا۔وہ یہ گمان بھی نہیں کرسکتے تھے کہ مکہ سے آنے والے تہی دست مہاجرین ، زراعت پیشہ انصار مدینہ سے مل کر بغیر کسی خون خرابہ کے ان کو مدینہ سے نکال دیں گے اور ان پر غالب آجائیں گے۔پس اللہ ان تک ان راہوں سے آن پہنچا جہاں سے وہ خیال تک نہ کرسکے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ اس رعب کی وجہ سے طاقت کو استعمال کرنے کی جرأت نہ ہوئی اوراپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے اورتمام تختے، کڑیاں اور کواڑ وغیرہ اکھاڑ کر لے گئے تاکہ

كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۚ وَلَهُمْ فِي
مقرر کر رکھا ہوتا اللہ نے ان پر جلاوطن کرنا تو بھی عذاب دیتا ان کو دنیا میں اور ان کے لیے
الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ
آخرت میں عذاب ہے آگ کا یہ بوجہ اس کے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور
رَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا
اسکے رسول کی اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ کی تو یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے جو

مسلمانوں کے کام نہ آسکیں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں بھی انکے گھر برباد ہوئے ۔ جس طرح ان کو مرعوب کرنے کے لئے چند درخت کاٹے گئے(آیت:۶)اسی طرح بعض خالی گھروں کو بھی کچھ نقصان پہنچایا گیا۔ خالی گھر اس لئے کہا کہ ایسا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملا کہ اس محاصرہ میں کوئی یہودی زخمی ہوا ہو یا ان کے مال و اسباب کو لوٹا یا جلایا گیاہو بلکہ ان کو دس دن کی مہلت دی گئی۔ جب یہ نہیں نکلے تو پندرہ دن (بعض روایات میں ۲۱ دن) تک انتظار کیا گیا اور وہ نہایت اطمینان سے اپنا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر مع اپنے بیوی بچوں کے شہر بدر ہوئے اور مدینہ سے ۷۰ میل دور خیبر میں منتقل ہوگئے یہاں یہودیوں کی بستیاں ،قلعے اور باغات تھے۔ان میں سے دو آدمی مسلمان ہوئے اور ان کے ساتھ نہیں گئے۔خدا کی قدرت کہ ان میں ایک شخص عمرو بن جحاش تھا جس کو آپ ﷺ پر پتھر گراکر شہید کرنے کا کام سونپا گیا تھا اور دوسرا اس کا چچا یامین بن عمرو بن کعب تھا۔(ابن کثیر)اے صاحبِ بصیرت لوگو! اس واقعہ سے کچھ تو نصیحت حاصل کرو۔ایسا نہ ہو کہ اللہ کے فرستادہ کے معاملہ میں پھر انہی غلطیوں کا اعادہ کرکے تباہی کو دعوت دو۔

۴۔ قانونِ خداوندی یہی ہے کہ ہرجرم کی سزا دنیا میں نہیں ملتی اس کے لئے یوم حساب ہے۔لیکن یہودیوں کے جرائم اتنے گھناؤنے تھے اوران کی سرکشیاں اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں کہ اگر اپنے ہاتھوں تباہی کو دعوت نہ دیتے اور خود جلاوطنی قبول نہ کرتے تو بھی مدینہ میں رہ نہ پاتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی منشا کے تحت سزا پاتے۔ ان پر دنیا میں اللہ کا عذاب نازل ہوتا جیسا کہ بعد میں بنو قریظہ پر قتل اور قید کا عذاب آیا یا اس قسم کا کوئی اور عذاب ان پر وارد ہوتا جبکہ آخرت میں ان کے لئے آگ کا عذاب مقدر ہے۔

۵۔ان پر دنیاو آخرت میں عذاب آنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے توریت کے واضح احکام ملنے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی شدید مخالفت کی۔سنت اللہ ہمیشہ سے یہی ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لیتے ہیں وہ شدید عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔**یشآق اللّٰہ** میں رسول کا نام نہیں لیا حالانکہ جنگ رسول کے ساتھ تھی۔دراصل اللہ اور رسول الگ نہیں۔رسول سے

قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا

کاٹ ڈالا تم نے کوئی بھی تنا درخت کا یا چھوڑ دیا تم نے اس کو کھڑا اپنی جڑوں پر

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى

مگر اذن الٰہی سے اور تاکہ رسوا ہوں فاسق اور جو بخشش کی اللہ نے اپنے

رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ

رسول پر ان میں سے پس نہیں دوڑائے تم نے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ

جنگ دراصل اللہ ہی سے جنگ ہے۔ **ومارميت اذرميت ولكنّ اللّٰه رمٰى**۔ (۸۔۱۸)

۶۔ **لينة** ۔ **اللّين** کے معنی نرمی کے ہیں۔ **لينة** نرم و نازک درخت کو کہتے ہیں۔ یہاں سرسبز کھجور کے درخت مراد ہیں۔

اسلامی قواعد کے تحت جنگوں میں درخت کاٹنا یا کسی اور نوع کی بربادی ممنوع ہے۔ جب مسلمانوں نے بنونضیر کے محاصرہ کی غرض سے ان کے بعض درخت کاٹے تو یہود اور منافقین نے شور مچادیا کہ آنحضرت ﷺ جنگ میں درخت کاٹنے اور املاک کو نقصان پہنچانے سے منع فرماتے ہیں اور خود اس کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اسے **فسـاد فی الارض** سے تعبیر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسا حکم الٰہی سے کیا گیا۔ گویا صحابہ کے فعل کو باذن اللہ میں داخل کیا خاص طور پر جب اللہ کا رسول ان میں موجود ہو۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس موقع پر بعض درختوں کو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وقوع میں آیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خود یہ حکم دیا (صحیحین) یہاں آپ ﷺ کے حکم کو باذن اللہ قرار دیا گویا آپ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ پس ہمیشہ کے لئے ایک اصول بتلادیا کہ جنگ میں بعض مصالح کے تحت اگر املاک وغیرہ کو نقصان پہنچانا ناگزیر ہو تو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتا۔

فاسقین میں یہود اور منافقین دونوں شامل تھے۔ دونوں نے اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کی۔ درخت کاٹنے میں یہود کی رسوائی یہ تھی کہ اپنی بدعہدی کے نتیجہ میں اپنی املاک پر مسلمانوں کا تصرف انہیں سخت غیض و غضب میں مبتلا کر رہا تھا مگر ان کی کچھ پیش نہیں چلتی تھی اور سخت ذلت محسوس کر رہے تھے۔ درختوں کو نہ کاٹنے میں ان کی رسوائی یہ تھی کہ جب بحسرت و یاس اپنے گھروں سے نکلے ہوں گے تو اپنے نخلستان کو ہرا بھرا چھوڑتے ہوئے انہیں سخت ذلت محسوس ہو رہی ہوگی۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو ایک درخت بھی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ جانے دیتے جیسا کہ گھروں کو مسمار کر کے نکلے۔

۷۔ **افآء فيئ** سے مشتق ہے۔ ایسے مال کا ملنا ہے جس میں مشقت نہ ہو۔ **فيئ** کے

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اور لیکن اللہ مسلط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر شئے

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى

پر قادر ہے جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول پر اہل بستی میں سے

فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

پس اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور فقیروں

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ

اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ نہ ہو ہاتھوں ہاتھ لینا درمیان دولتمندوں کے

مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ

تم میں سے اور جو کچھ دے تم کو رسول پس لے لو اس کو اور جس سے منع کرے تم کو

معنی سایہ کے ہیں گویا دنیا کا بیش قیمت مال بھی بمنزلہ ظل ہے جو زائل ہو جاتا ہے (مفردات) نیز سایہ میں لوٹ جانے کا مفہوم ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفار کے اموال ان کی ملکیت سے نکل کر مالکِ حقیقی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ **منهم**۔ ان (کے اموال میں) سے۔ **اوجفتم**۔ **وجيف**۔ تیز چلنا ہے۔ **اوجـفـت الـبـعـيـر** اونٹ کو تیز چلایا۔ **اوجـفـتـم**۔ تم نے دوڑایا۔ **ركـاب** ۔ راکب اونٹ کے سوار سے مختص ہے۔ رکاب مرکوب ہے۔ (مفردات راغب) یعنی سواری کا اونٹ۔

انفال مال غنیمت کو کہتے ہیں جو جنگ کے نتیجہ میں ہاتھ لگے۔ چونکہ اس میں انسانی جدوجہد کا بھی ایک قسم کا دخل تھا اس لئے اس کو لفظ غنیمت سے تعبیر کیا گیا۔ (سورۃ انفال میں اس کے احکام موجود ہیں) فیئ اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے ہاتھ لگے جیسا کہ بنونضیر کے جلاوطن کئے جانے پر ان کے اموال مسلمانوں کے تصرف میں آئے۔ اگلی آیات میں فیئ کی تقسیم کے احکام ہیں۔

فرمایا اس مال کو حاصل کرنے میں تمہیں ہرگز کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑی۔ مجاہدین نے دو میل کا فاصلہ پاپیادہ طے کیا۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر پہنچے۔ نہ گھوڑے اور اونٹ دوڑانے پڑے نہ جہاد و قتال کی نوبت آئی۔ یہ محض رعب رسول کی وجہ سے تھا کہ بنونضیر جیسا طاقتور یہودی قبیلہ اپنی املاک چھوڑ کر نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے۔ پس اس کی تقسیم انفال کے قانون کے مطابق نہیں ہوگی۔ اس کی تقسیم کا اختیار کلیۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا اور آپ ﷺ کی صوابدید پر ہوگا کہ جس کو جتنا چاہیں عطا کریں۔ (اگلی آیات میں مستحقین کی چند اقسام متعین کر دیں۔ (آیت:۱۱ تک اس کی تفصیل ہے)

فَانْتَهُوْا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۸
تو باز رہو اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

۸۔ **دولة**۔ چکر لگانا مال غنیمت کی تقسیم میں مجاہدین میں امیر اور غریب کی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اموال فئ میں امراء کو مستثنٰی قرار دیا گیا۔ فرمایا وہ اموال اللہ اور رسول کے لئے اور اس کے قرابتداروں کے لئے ہیں نیز عام مسلمانوں میں یتامٰی، مساکین اور غریب الوطن لوگوں کے لئے ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اقرباء کے لئے صدقہ اور زکوٰۃ جو مسلمانوں سے حاصل ہوتا ہے، وہ بھی حلال نہیں تو کفار کا مال کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اس شبہ کا ازالہ اللہ جلّ شانہٗ کا نام اس جگہ ذکر کرکے اس طرح کیا گیا کہ درحقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اس نے اپنے فضل سے ایک خاص قانون کے تحت انسانوں کو حق ملکیت عطا کیا لیکن جو لوگ باغیانہ رویہ اختیار کریں اور زمانہ کے رسول سے ٹکرلیں وہ اپنے اموال کے مالک نہیں رہتے بلکہ ان کے اموال عطا کرنے والے کی مِلک میں لوٹ آتے ہیں۔ پس اللہ کے حصہ سے مراد یہی ہے کہ سب اللہ ہی کا مال تھا جو واپس اسی کی طرف لوٹ آیا ہے۔ پس اللہ کا مال، رسول اور رسول کے اقرباء کے لئے حلال ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے قرابتداروں کا حق خصوصاً اس لئے مقرر فرمایا کیونکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے قریبیوں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حرام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اغنیاء ذوی القربیٰ کا حصہ بھی رسول ﷺ کے حصہ کے ساتھ ختم ہوگیا یہ بیت المال میں داخل کیا جاتا اور جہاد اور مسلمانوں کی دیگر ضروریات پر خرچ ہوتا۔ البتہ فقراء ذوی القرباء کا حصہ حسبِ سابق یتامٰی، مساکین اور غریب الوطن لوگوں کے ساتھ باقی رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مال فئ کی تقسیم کا اختیار آپ ﷺ کی صوابدید پر تھا آپ ﷺ کے بعد یہ تقسیم آپ ﷺ کے خلفاء کی صوابدید پر تھی۔ ضرورت کے تقاضا کے تحت چاہیں تو ان سب اموال کو تمام مسلمانوں کے مفاد میں روک دیں اور بیت المال میں جمع کردیں یا جہاد کے لئے وقف کردیں اور چاہیں تو مسلمان حاجتمندوں میں تقسیم کردیں۔

اموال فئ کو غرباء کے لئے مخصوص کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ یہ مال تمہارے امراء ہی کے دائرے میں چکر لگاتا رہے اور غرباء نقصان میں رہیں۔ اسلام نے ایسے اصول وضع کئے کہ دولت چند ہاتھوں سے نکل کر پورے اسلامی معاشرہ میں گردش کرتی رہے۔ چنانچہ اموال فئ کی تقسیم ورثہ کی تقسیم، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات اس مقصد کو خوب پورا کرتے ہیں۔ نیز مختلف قسم

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
یہ مال محتاج مہاجروں کے لیے ہے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے

وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ
اور اپنے مالوں سے وہ چاہتے ہیں فضل الٰہی اور رضامندی اور

يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۹ وَ
مدد دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کو یہی ہیں سچے اور

الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ
انکے لیے جنہوں نے بنائے گھر اور (اختیار کیا) ایمان پہلے ان سے وہ محبت کرتے ہیں

مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً
اس سے جو ہجرت کرتا ہے انکی طرف اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں خلش

مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
اس سے جو وہ (مہاجرین) دیئے جائیں اور مقدم کرتے ہیں انکو اپنے نفس پر خواہ ہو ان کو

کے کفارہ کی ادائیگی کی وجہ سے بھی دولت امراء کے ہاتھوں سے نکل کر غرباء تک پہنچ جاتی۔ قرآن کریم کا فرمان کہ تمہارے اموال میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے گویا خیرات نہیں، ان کا حق سمجھ کر بخوشی دو۔ فرمایا رسول جو تمہیں عطا کرے، لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔ اس میں مال ہی نہیں علم و معرفت اور آپ ﷺ کے تمام احکام کی اتباع شامل ہے۔ ان تمام امور میں اللہ سے ڈرو اور رسول کی نافرمانی کرکے اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دو۔

۹۔ نیز یہ اموال ان درویش مہاجرین کے لئے بھی ہیں جو محض قبول حق کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے اموال سے الگ کئے گئے۔ ان کی ہجرت کسی دنیوی غرض کے تحت نہیں تھی اور نہ ان اموال کی انہیں حرص تھی۔ چنانچہ جب بنونضیر کی جائیداد کا ایک حصہ مہاجرین میں تقسیم کردیا تو انہوں نے وہ نخلستان جو انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد کے لئے دے رکھے تھے، ان کو واپس کردئے۔ وہ اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضا کے طالب تھے۔ فضل عموماً دنیوی نعمتوں کے لئے اور رضوان اخروی نعماء سے خاص ہے گویا ان کا مقصود دنیوی و اخروی نعمتوں کو اللہ اور رسول کی رضا کے تحت حاصل کرنا تھا۔ وہ اس درویشانہ حالت میں بھی اپنی جان و مال سے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے یعنی جہاد و تبلیغ کے ذریعہ اللہ اور رسول کی حمایت کے لئے کمربستہ رہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہر محاذ پر اپنے سے کئی گنا زیادہ زرہ بکتر میں ڈوبی ہوئی کفار کی فوج کا منہ پھیر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ادّعاءِ ایمانی میں سچے ہیں۔

۱۰۔ **تبوّؤا**۔ انہوں نے جگہ پکڑی۔ **البواء** مناسب اور سازگار جگہ کے معنی دیتا ہے۔

خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

تنگی اور جو کوئی بچایا جائیگا بخل نفسانی سے پس یہی ہیں

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ

فلاح پانے والے اور وہ جو آئے پیچھے ان کے کہتے ہیں

خصاصة ۔ تخصیص ۔ خصوصیت ۔ خاص کرنا۔ خصاصہ اس فقر اور احتیاج کو کہتے ہیں جو ختم نہ ہوتی ہو ۔ **یُوق** ۔ وہ بچایا گیا۔ **وَقنا** ۔ ہمیں بچا۔ **شُحّ** ۔ لالچ ۔ بخیلی۔

ملحقہ آیت میں مہاجرین کی صفات بیان فرمائیں اور ان کے ایمان اور بلند روحانی مرتبہ کا ذکر کیا۔اس آیت میں انصار کے فضائل و محاسن میں ان کے ایمان اور غیر معمولی ایثار کا بیان ہے یہ وہ پاک گروہ تھا جس نے مہاجرین کے مدینہ آنے سے پہلے ہی ان کی رہائش کا مناسب بندوبست کر رکھا تھا۔انہوں نے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں اتارا جبکہ ایمان ان کے دلوں میں اتر چکا تھا۔آنے والوں سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے علاوہ انہیں اپنے مال میں بھی نصف کا شریک کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی مالی حالت کے پیش نظر تمام انصار کے مشترکہ مشورہ سے بنی نضیر کے اموال صرف مہاجرین میں تقسیم کئے سوائے تین انصار کے جو بہت حاجتمند تھے (ابن ہشام ۔ روح المعانی) دیگر انصار کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا۔فرمایا انصار اپنے سینوں میں اس مال کی جو مہاجرین کو دیا گیا کوئی حاجت نہیں پاتے اور اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں باوجودیکہ انہیں خود تنگی درپیش ہے۔ان میں وہ انصاری بھی شامل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔انہیں پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور خود بیوی بچوں سمیت بھوکے سو رہے۔احادیث میں ہے کہ اس واقعہ پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ (ترمذی بروایت حضرت ابوہریرہؓ) درحقیقت ان کی نظر میں دنیا کا مال بے معنی تھا۔انہیں محض اپنے ربّ کی رضا مطلوب تھی۔(آیت:۹) آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو آپس میں محبت بڑھانے کے لئے ہدیہ کی ترغیب دی اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی ہے تو مال سے اس احسان کا بدلہ چکاؤ ورنہ اپنے محسن کے لئے اتنی دعا کرو کہ اس کے احسان کی مکافات ہوجائے۔جب اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انہوں نے اپنے انصار بھائیوں کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔ بحرین کی فتح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ سارا مال انصار میں تقسیم کردیا جائے مگر انصار کی عالی ظرفی نے اس تجویز کو قبول نہ کیا اور عرض کی کہ ہم اس وقت تک نہیں لیں گے جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ

اے رب ہمارے بخشدے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو سبقت کر گئے ہم سے ایمان میں

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ

اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کینہ ان کے لیے جو ایمان لائے اے رب ہمارے یقیناً تو ہی

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ ع ۱

شفقت کرنیوالا مہربان ہے کیا نہیں دیکھا تونے ان کی طرف جو منافق ہوئے کہتے ہیں

(رواہ البخاری عن انس بن مالکؓ ۔از ابن کثیر) یہی وہ لوگ ہیں جو بخل نفسانی سے بچائے گئے اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔گویا بخل نفسانی سے بچنا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق ہی سے ممکن ہے۔**شَحّ** کا لفظ جب نفس کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ بخل سے وسیع تر ہے اور اس میں بخل کے ساتھ حرص بھی شامل ہوتا ہے ۔ یہ عالی ظرفی اور وسعت حوصلہ کی ضد ہے اس میں پست حوصلگی، تنگ دلی و تنگ نظری اور کمینہ پن کا مفہوم ہے ۔قرآن کریم نے اس بُرائی سے بچ جانے کو فلاح کی ضمانت قرار دیا ہے ۔آنحضرت ﷺ نے اسے بدترین انسانی خصائل میں شمار کیا ہے۔ فرمایا دو خصلتیں ہیں جو کسی مسلمان میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں بخل اور بد خلقی۔ (ابوداؤد بروایت حضرت ابوسعید خُدریؓ) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایمان اور شحّ نفس کسی کے دل میں جمع نہیں ہوسکتے ۔(بیہقی فی شعب الایمان) غرض اس خصلت کی وجہ سے آدمی حسد اور خودغرضی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے ۔دوسرے کا حق پہچاننا اور اس کا احسان ادا کرنا تو درکنار اس کی کسی خوبی کا اعتراف کرنے میں بھی بخل کرتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک فقیر بازار میں صدا لگا رہا تھا **این الذین یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصة** ۔یہ سن کر ایک منچلے نے برجستہ جواب دیا **ذھبوا مع الذین لایسئلون الناس الحافًا** ۔

۱۱۔بیشک وہ لوگ جو ایمان میں سبقت لے گئے اور شدید نامساعد حالات میں ہجرت کرکے آئے اور وہ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دی ان کے درجات بہت بلند ہیں اور وہ ایسے اموال کے حقدار ہیں۔لیکن بعد میں آنے والے بھی ان اموال میں شریک ہیں گویا قیامت تک آنے والے اولیاء و اصفیاء اور مومنین ان اموال کے حقدار ہیں جو ان **سابق الاوّلین** کی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مومنین کے لئے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔یہاں پیشگوئی فرمائی کہ کینہ پھیلانے کی کوشش کی جائے گی۔اہل تشیع اور خوارج کا ردّ فرمایا جو کینہ رکھتے ہیں۔بیشک جائز حد تک کسی کی رائے سے اختلاف رکھنا اسلام کی روح کے منافی نہیں جبکہ صحابہ کے درمیان اختلافات ذاتی نوعیت کے نہیں تھے محض للہ تھے۔ اگر

ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہوا تو تاریخ گواہ ہے کہ اس کی وجہ بھی ان کی زبردست قوتِ ایمانی تھی کہ جس بات کو سچا سمجھے اس کے مقابل کسی کی پرواہ نہ کی۔ جب غلط فہمی دور ہوگئی تو دلوں میں کبھی رنجش نہیں رکھی اور تعلقات میں فرق نہیں آیا گویا ان کی صلح و جنگ ، خوشی اورغم محض اللہ کی رضا کے تحت تھا۔لیکن صحابہ کبار میں سے کسی کی حمایت میں غلو کرنا اور کسی کو نفرت کا نشانہ بنانا ان آیات کی صریح نافرمانی ہے۔انہیں تو اپنے اسلاف کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہیئے جنہوں نے شدید مخالف حالات میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا حق ادا کیا اور جانی و مالی قربانیوں سے دنیا کو اسلام کے نور سے منور کیا۔اس میں مسلمانوں کے لئے سبق ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے کا خیر خواہ ہونا چاہیئے اور کسی معمولی مسلمان کے لئے بھی بغض اور نفرت کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہیئے۔چہ جائیکہ صحابہ کبار کو اپنی نفرت کانشانہ بنائیں۔حضرت امام زین العابدینؒ کی خدمت میں ایک دفعہ عراق کے رافضی فرقہ کا ایک وفد آیا اور انہوں نے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنھم کی شان میں نازیبا باتیں کیں۔آپ نے ان سے فرمایا! کیا تم مہاجرین میں سے ہو؟جن کا سورۃ حشر آیت۹میں ذکر ہے)انہوں نے کہا!نہیں۔پھرآپ نے پوچھا! تو کیاانصار میں سے ہو(جن کا ذکر حشر:۱۰میں ہے)انہوں نے کہا! نہیں۔آپ نے فرمایا کہ تو پھر میں گواہی دیتاہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو(جن کا ذکر آیت:۱۱میں ہے)جن کے متعلق آیا ہے۔ **والذین جاؤ ومن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونابالایمان** ۔۔۔۔۔۔۔(کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ ، جزو ثانی صفحہ ۲۹۰، ابوالحسن علی بن عیسٰی بن ابی الفتح الاربلی، دار الکتاب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۱ھ) کینہ، حسد اور بغض کوئی معمولی گناہ نہیں قرآن کریم میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔سورۃ فلق:۶)ابن کثیر نے بحوالہ امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کی ہے جو مختصراً یوں ہے کہ ایک انصاری صحابی کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا! یہ جنتی ہے حضرت عبداللہ بن عمر و بن عاصؓ کو جستجو ہوئی کہ یہ کیاعمل کرتے ہیں اور وہ بہانہ کرکے تین دن مسلسل ان کے گھر ٹھہرے۔انہیں ان کی عبادات میں کوئی غیرمعمولی چیز نظر نہ آئی۔آخر آپ نے پوچھا کہ بھائی آپ کیاعمل کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں یہ بشارت دی۔انہوں نے کہا میری عبادت کاحال تو آپ دیکھ چکے ہیں البتہ ایک بات جو اس کا موجب بنی ہو وہ یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی کینہ اور بغض نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اسے عطا کی ہو حسد کرتاہوں۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا بس یہی وجہ ہے۔گویا کینہ بغض اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے۔

اے ہمارے ربّ تو رؤفٌ رّحیم ہے اپنی ان صفات کا پرتو اپنے ان مومن بندوں پر بھی ڈال دے اور ان کے دلوں میں پہلے گزرے ہوئے مومنین کے لئے رافت و رحمت بھردے۔

آنحضرت ﷺ نے حالات اور مسلمانوں کی وقتی ضروریات کے تحت اموال فیٔ کی تقسیم کی اس کے لئے کوئی قاعدہ کلیہ مقرر نہیں فرمایا اورآئندہ بھی یہ معاملہ امیروقت کی صوابدید پر چھوڑا۔ آپ ﷺ نے اہل مکہ سے احسان کاسلوک کرتے ہوئے ان کی کسی مِلک میں تصرف نہیں کیا بلکہ اپنی اور صحابہ کرام کی املاک بھی واپس نہیں لیں۔خیبر کے اموال نصف مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور نصف جنگی ضروریات کے لئے بیت المال میں داخل ہوئے۔بنونضیر کے اموال مہاجرین میں اور بحرین کے انصار میں تقسیم ہوئے۔یہ نسبتاً چھوٹی فتوحات تھیں جب فاروق اعظم کے زمانہ میں عظیم فتوحات ہوئیں اورعراق ، شام او رمصر وغیرہ اسلامی مملکت میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان اِملاک اوراموال کو فاتحین میں تقسیم نہیں فرمایا اس پر بعض صحابہ کو اعتراض ہوا۔حضرت عمرؓ نے جید صحابہ کی مشاورت طلب کی دوتین دن بحث جاری رہی اور صحابہ نے کھل کر اپنا موقف بیان کیا۔حضرت عمرؓ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا کہ ان غنائم میں قیامت تک کے مسلمانوں کا حصہ ہے۔اگر یہ تمام زمینیں اور اموال فاتحین میں تقسیم کردیئے تو بعد میں آنے والوں کے لئے کیا بچے گا۔ دولت چند خاندانوں میں چکرلگاتی رہے گی اور باقی مسلمان محروم رہیں گے۔حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر کئی صحابہ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیااور اس بات پر امت کا اجماع ہوگیا بلکہ آئندہ کی مہذب اقوام نے بھی یہی طریق اپنایا۔آپ نے اپنی خداداد ذہانت و فطانت اور کمال فراست سے تمام مفتوحہ علاقوں کی اراضی اور جائیدادیں ان کے مالکوں کے پاس برقرار رکھیں اور ان پر جزیہ اور ٹیکس لگادیا جو بیت المال میں جمع ہوجاتا۔ اس سے مجاہدین اور حکومت کے دیگر کارکنوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ اسلامی حدود کی حفاظت کے مصارف پورے کئے گئے نیز یہ مال رفاہ عام کے کاموں میں بھی صرف ہوتا۔ رعایا کو ہرطرح کی مذہبی آزادی دی گئی اورعدل و انصاف میں مومن و کافر اورحاکم ومحکوم کی تفریق نہیں کی گئی۔ان کے قابل افراد کو حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ مسلمان حکمرانوں کے اس حسن سلوک کی وجہ سے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے نہایت خوشدلی سے مسلمانوں کے ماتحت رہنا قبول کیا اوراسلامی مملکت کی وفادار رعایا ثابت ہوئے۔یہ مسلمان حکمرانوں کے حسن سلوک اور اسلامی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ مفتوح ممالک کے باشندے آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ اس معاملہ میں مبلغین اسلام نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ
اپنے بھائیوں کو جو کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر
اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا
تم نکالے جاؤ گے ضرور ہم نکلیں گے تمہارے ساتھ اور نہ کہا مانیں گے تمہارے بارے میں کسی کا
اَبَدًا، وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ، وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
کبھی بھی اور اگر لڑائی کئے جاؤ گے تم ضرور ہم مدد دیں گے تم کو اور اللہ گواہی دیتا ہے یقیناً وہ
لَكٰذِبُوْنَ (۱۱) لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ، وَلَئِنْ
البتہ جھوٹے ہیں اگر نکالے گئے وہ نہ نکلیں گے یہ ان کے ساتھ اور اگر
قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ، وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ
لڑائی کئے گئے نہیں مدد دیں گے وہ ان کو اور اگر مدد دیں ان کو البتہ پھیریں گے
الْاَدْبَارَ، ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (۱۲) لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ
پیٹھیں پھر نہ وہ مدد دیئے جائیں گے البتہ ہو تم زیادہ تر ڈر میں
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (۱۳) لَا
ان کے سینوں میں بہ نسبت اللہ کے یہ بوجہ اس کے ہے کہ وہ ایک قوم ہے جو نہیں سمجھتی نہ

۱۲۔۱۳۔ صحابہ کے فضائل ومحاسن کا بیان تھا اب اس رکوع میں منافقین کے خصائل بیان کئے۔ اس سورۃ کے تعارف کے آخر میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا ذکر ہے جس کے جھوٹے وعدوں کی وجہ سے یہود قبیلہ بنو نضیر آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔ اس نے بنی نضیر سے خفیہ معاہدہ کررکھا تھا کہ تم ڈٹے رہنا میں ہر صورت تمہارا ساتھ دوں گا اور دو ہزار جنگجوؤں کے ساتھ تمہاری مدد کو آؤں گا۔ اگر تم وطن سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے۔ ہم تمہارے بارہ میں کسی کے فیصلہ کی پرواہ نہیں کریں گے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی نہیں مانیں گے۔ اگر تمہارے خلاف تلوار اٹھائی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ جس طرح قوت ایمانی ایک مومن کو سچائی اور شجاعت پر قائم رکھتی ہے اسی طرح منافقت، جھوٹ اور بزدلی کا درس دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے وہ سخت جھوٹے ہیں۔ نہ صرف اپنے دعویٔ ایمان میں جھوٹے ہیں بلکہ جن کے ساتھ رشتہ اخوت استوار کررکھا ہے ان کے ساتھ بھی مخلص نہیں کیونکہ اگر وہ نکال دئے گئے تو ان کے ساتھ یہ نہیں نکلیں گے نہ لڑائی کی صورت میں ان کی مدد کریں گے۔ اگر مدد کریں گے بھی تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔ انہوں نے دوسروں کی مدد تو کیا کرنی ان کی اپنی مدد کرنے بھی کوئی نہیں آئے گا۔

۱۴۔ مومنوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تمہارا ڈر یہود و منافقین کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ دراصل ان کا منافق ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ
لڑیں گے تم سے اکٹھے ہوکر مگر بستیوں محفوظ میں یا آڑ میں
جُدُرٍ، بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ، تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ
دیوار کی لڑائی ان کی باہم سخت ہے گمان کرتا ہے تو ان کو اکٹھے اور
قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (۱۴) كَمَثَلِ
ان کے دل متفرق ہیں یہ بوجہ اس کے کہ وہ ایک قوم ہے جو نہیں عقل کرتے مانند حالت
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ، وَلَهُمْ
ان کے جو پہلے تھے ان سے نزدیک ہی چکھا انہوں نے وبال اپنے کام کا اور ان کے لیے

تمہارا ڈر ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا گروہ ہے جو سمجھ نہیں رکھتے اگر ان میں ذرا بھی سمجھ ہوتی تو جان لیتے کہ ڈرنے کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

۱۵۔ ان کے دلوں میں تمہارا رعب اس قدر ہے کہ اگر تمہارے مقابلہ میں متحدہ محاذ بنا کر بھی نکلیں تو بھی کھلے طور پر تمہارے سامنے آکر مقابلہ کی جرأت نہیں کر پائیں گے سوائے اس کے کہ ان کے پاس مضبوط دفاعی نظام ہو۔ یہ پیشگوئی یہودیوں کے متعلق قیامت تک پوری ہوتی رہے گی۔ آج بھی ان کے یہی اطوار ہیں۔ جب آپس میں لڑتے ہیں تو ان کی لڑائی بڑی سخت ہوتی ہے گویا بظاہر ان میں شجاعت و قوت کی کمی نہیں لیکن مسلمانوں کے مقابل بزدل اور کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی کھل کر سامنے نہیں آتے اور مسلمانوں کے مقابل دیگر اقوام کو آگے کرتے ہیں جیسا کہ آج کل یہود کی شہ پر امریکہ عراق سے لڑرہا ہے افسوس مسلمان قوموں میں قطعاً اتحاد نہیں ورنہ اسے یہ جرأت نہ ہوتی۔ اگر اسرائیل میں انہیں کچھ فتوحات حاصل ہورہی ہیں تو وہ بھی توریت اور قرآن کریم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہیں اور ان کا انجام ان پیشگوئیوں کے مطابق ہی ہوگا۔ کاش یہ عقل سے کام لیں۔

یہ بظاہر متحد نظر آتے ہیں لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج بھی ان کے احبار اور عام یہودیوں میں اختلاف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو یہود کے مشابہ قرار دیا افسوس ان کا بھی یہی حال ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ عقل سے کام نہیں لیتے اگر عقل سے کام لیتے تو سمجھ جاتے کہ حقیقی اتحاد دلوں کا اتحاد ہے جو ایمان سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں حقیقی قوت کا راز مضمر ہے اور یہی وہ قوت ایمانی ہے جو مولوں کو شاہینوں سے لڑادیتی ہے۔

۱۶۔ بنی نضیر کے لئے فرمایا کہ یہ بھی یہود قبیلہ بنی قینقاع کے مانند ہیں جو ان سے تھوڑی مدت پہلے ہی اپنے اعمال کی سزا پاچکے ہیں۔ افسوس ان کی سزا کو دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہ کی۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۶ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ
عذاب دردناک ہے مانند حالت شیطان کے ہے جس وقت کہا اس نے آدمی کو کفر کر

فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
پھر جب اس نے کفر کیا کہا یقیناً میں بیزار ہوں تجھ سے یقیناً میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب

الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۷ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ
العالمین ہے پس ہوا انجام ان دونوں کا یہ کہ وہ آگ میں ہیں ہمیشہ رہنے والے

ع ۲ ۵ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اس میں اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا اے لوگو

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ
جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور دیکھے ہر جی جو کچھ آگے بھیجا کل کے لیے اور

اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَلَا تَكُوْنُوْا
ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو اور مت ہو

جلاوطنی یا دیگر رسوائیاں تو معمولی دنیوی سزائیں ہیں آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔(تفصیل تعارف میں)

۱۷۔ پہلے بنونضیر کو بنی قینقاع کے مشابہ کہا۔اس آیت میں منافقین کو شیطان سے مشابہت دی (بیضاوی، طبری، رازی) اوّل شیطان انسان کو کفر یعنی ناشکری اور انکار پر اکساتا ہے۔جب انسان اس کی بات مان لیتا ہے تو خود الگ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی وفاؤں کا وعدہ کرتا ہے۔ بعینہٖ منافقین نے بنی نضیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ پر اکسایا جب وہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے تو ان کی مدد کو نہ آئے ۔گویا لاتعلقی کا اظہار کیا۔

۱۸۔ بالآخران دونوں یعنی یہود اور منافقین کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں ہی واصل جہنم ہوں گے جہاں ایک لمبا عرصہ تک رہیں گے۔اس لئے کہ اگر ایک کا جرم گمراہ کرنا تھا تو دوسرے کا گمراہ ہونا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ظالموں کی یہی جزا ہوا کرتی ہے ۔حقدار کا حق کسی دوسرے کو دینا ہی ظلم ہے۔ان دونوں نے خدا اور رسول کے حقوق میں خیانت کی۔

۱۹۔ قرآن کریم میں جب بھی منافقین کے نفاق پر گرفت کا ذکر آتا ہے تو ساتھ ہی انہیں نصیحت بھی کی جاتی ہے تا جس میں ایمان کی کچھ بھی رمق باقی ہے وہ اپنے اعمال پر نادم ہو کر اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ یہ رکوع انہی نصائح پر مشتمل ہے۔

یہ بہت گہری آیت ہے اور انسان کو ہلا دینے کے لئے کافی ہے اس کی اہمیت اس سے

كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ
مانند ان کے جو بھول گئے اللہ کو تو بھلا دیئے ان کو (خدا نے) انکے نفس یہی ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ۝۲۰ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ
فاسق نہیں برابر ہوتے آگ والے اور بہشت والے

ظاہر ہے کہ خطبہ نکاح میں یہ آیت تیسرے نمبر پر پڑھی جاتی ہے۔اس چھوٹی سی آیت میں تقویٰ کی تکرار ہے۔ مفسرین کے نزدیک پہلا **اتقوا اللّٰہ** طاعات کے متعلق ہے جس میں احکامِ خداوندی کی تعمیل کر کے آخرت کے لئے کچھ ذخیرہ کرنے کا حکم ہے گویا آج یہ دیکھنا ہے کہ وہ کل کے لئے آگے کیا بھیج رہا ہے۔انسان اعمال کو بھی آگے بھیجتا ہے اور اولاد کو بھی۔نیک اعمال کے ذریعہ بھی اللہ کے فضل سے بخشش کی امید ہے اور نیک اولاد کے ذریعہ بھی۔اگر والدین صالحہ اعمال پر قائم ہیں تو اولاد کی تربیت کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔ان کو اللہ کی طرف سے خاص بصیرت ودیعت ہوتی ہے۔وہ والدین کو دیکھ کر بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں اور ہدایت پا جاتے ہیں۔پس چاہیئے کہ تمہاری اولاد تمہاری سچائی کی گواہ ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔اگر والدین کے قول وفعل میں تضاد ہے تو وہ اولاد سے کس تقویٰ کی امید رکھتے ہیں ؟ یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی آج ہے اور کل آخرت ہے۔پس چاہیئے کہ آج ہی یوم آخرت کے لئے زاد راہ تیار کرنا شروع کردو اور ہر شخص خود اپنا محتسب ہو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! **من حاسبَ نفسهٗ فی الدنیا لم یحاسبه اللّٰهُ یوم القیامة**۔ کہ جو شخص دنیا میں اپنے نفس پر محاسبہ کرتا رہے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں لے گا۔(مفردات القرآن۔امام راغب اصفہانی ۔جلد اوّل صفحہ ۲۳۲) دوسرے اتقوا اللہ میں معاصی سے بچنے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا! اللہ تمہارے اعمال ومحرکات سے بخوبی واقف ہے ۔پس جو سامان آخرت کے لئے تیار کیا ہے اسے پرکھ بھی لو کہ آیا ربّ العالمین کے دربار میں پیش کرنے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ واپس تمہارے منہ پر مارا جائے ۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۲۰۔ ان احکام کی مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا گویا خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی کی صورت سامنے آیا۔ پس جو لوگ اپنی دنیوی اغراض کی وجہ سے اپنے ربّ کو بھول جاتے ہیں یعنی اس کی اطاعت کر ترک کر کے غلط راہوں کو اختیار کر لیتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خود اپنی ذات سے ہی غافل ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنے نفع ونقصان کی خبر نہیں رہتی۔ جب خدا ہی یاد نہ رہا تو ہر قدم گمراہی کی طرف

اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۱﴾ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ

بہشت والے ہی مراد پانے والے ہیں اگر ہم اُتارتے اسی قران کو

عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ

پہاڑ پر البتہ دیکھتا تو اس کو دب جانے والا پھٹ جانے والا ڈر سے اللہ کے

وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور یہ مثالیں ہیں کہ ہم بیان کرتے ہیں انکو لوگوں کے لیے تاکہ وہ فکر کریں

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ ‌ۚ

وہ ہے اللہ کہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے جاننے والا غیب کا اور ظاہر کا ہے

هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ

وہ ہے رحمٰن رحیم وہی ہے اللہ کہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے

اٹھنے لگتا ہے اور ہر وہ غلط کام کرگزرتے ہیں جو انہیں فاسقین کے زمرے میں شامل کردیتا ہے۔

۲۱۔ پس یہ فاسق و فاجر اصحاب النار ہیں جو ایک لمبا عرصہ تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ان کے مقابل اہل جنت ہیں جن کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی۔ یہ دونوں گروہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ کامیابیاں اور کامرانیاں صرف اہل جنت کا حصہ ہی ہیں۔

۲۲۔ **خاشعًا** ۔ ڈرنے والا۔ متصدعًا ۔ پارہ پارہ ہونے ولا۔

تشریح کے لئے سورۃ احزاب :۷۳۔ یہ آیت قرآن اور صاحبِ قرآن کی عظمت و شان کو ظاہر کرتی ہے۔ ڈرنا ذی روح کے لئے آتا ہے پس پہاڑ سے مراد پہاڑ جیسی بلند و بالا شخصیت ہے۔ فرمایا قرآن کریم اتنی عظیم الشان امانت ہے کہ اگر پہاڑ جیسی شخصیت پر بھی نازل ہوتا تو وہ اس بوجھ کو برداشت نہ کرسکتی اور اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گرجاتی۔ عربوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جب اسلام عرب میں آیا تو پہاڑوں جیسی پرشکوہ شخصیتوں کو جو یہود ونصاریٰ کی سعی پیہم سے اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی تھیں مگر قرآن کی بیس سالہ تعلیم نے ان پہاڑوں کو گرا کرٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اس قوم سے علوم و اخلاق کے دریا بہ نکلے۔ عملاً بھی کوہ طور اللہ تعالیٰ کی تجلی سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ تاہم ساتھ ہی تشریح فرمادی کہ یہ تو مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں۔ بیشک یہ مثالیں ہیں لیکن قرآنی مثالوں میں بھی گہری حکمتیں مضمر ہیں اور ان کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عقل سے کام لیں اور غور و فکر کریں کہ یہ قرآن کن عظمتوں کا مالک ہے اور اس کی خلاف ورزی کے نتائج کیا ہوں گے۔

۲۳۔ قرآن کریم کی عظمتوں کا ذکر تھا۔ اب ان آخری تین آیات میں اس کے نازل

کرنے والے ربّ العزت کی صفات بیان فرمائیں۔ قرآن کریم میں جابجا موقع و محل کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات بیان کی گئی ہیں جن پر غور کرکے بندۂ ناچیز اپنے پروردگار سے شناسائی حاصل کرتا ہے اور حسبِ استطاعت ان صفات کے رنگ میں خود کو رنگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاہم دو مقامات پر صفاتِ باری تعالیٰ کا نہایت جامع بیان ہے ایک سورۃ بقرہ میں آیت الکرسی (آیت :۲۵۶) دوسرے سورۃ حشر کی یہ آخری تین آیات۔ احادیث میں ان کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ترمذی میں حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ **اعوذباللّٰہ السّمیع العلیم مِن الشیطٰن الرجیم** ، اور اس کے بعد تین مرتبہ سورۃ حشر کی آخری تین آیات **ھوالـلّٰہ الذی لآ الٰہ الّاھو** ، سے آخرسورۃ تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادیتا ہے جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس دن وہ مرگیا تو شہادت کی موت حاصل ہوگی اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو یہی درجہ اس کو حاصل ہوگا۔ (مظہری) آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی دس(۱۰) صفات بیان ہوئی ہیں اور دس(۱۰) احکام مضمر ہیں۔ اس کی نظیر الشوریٰ آیت :۱۶ میں بھی ہے۔ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے ۲۱ اسمائے حسنٰی بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء لامحدود ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھی کماحقہٗ تشریح ممکن نہیں اور نہ یہ مختصر تفسیر لمبی تشریح کی متحمل ہوسکتی ہے۔

پہلی دو آیات میں ان عظیم المرتبت اسماء حسنہ کا بیان ہے۔ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت وعظمت سے تعلق رکھتی ہیں۔ بتایا کہ یہ اس رب ذوالجلال کی طرف سے نازل ہوئی ہے جس کے سوا کائنات میں کسی اور کا اختیار و اقتدار نہیں۔ اللہ کے معنی قرآن کریم نے یہ کئے ہیں کہ وہ ذات جو معبود و محبوب و مقصود ہو اور اس ذات پاک کے علاوہ کوئی اس مقام پر کھڑا نہ ہوسکے۔ حضرت مسیح موعود ؑ فرماتے ہیں کہ ”یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفاتِ کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو وہ سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کرکوئی اعلیٰ نہیں ہوسکتا وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ ہم آفتاب اور مہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ **عالم الشھادۃ** ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے یہ جائز نہیں کہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ

بادشاہ — بہت پاک — سلامتی والا — امن دینے والا — حفاظت کرنیوالا — غالب

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ

زبردست — بڑی عظمت والا ہے — پاک ہے — اللہ — اس سے جو وہ شریک لاتے ہیں — وہی ہے اللہ

پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑے گا اور قیامت برپا کردے گا اوراس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا؟ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔پھرفرمایا **ھوالرحمٰن** یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنایا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رحمان کہلاتا ہے اور پھر فرمایا کہ الرحیم یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزاء دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اوراس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے ۔(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۸، ۵۹)

۲۴۔ **لاالٰہ الاھو** کو دہرانے میں یہ حکمت ہے کہ اسمائے الٰہی میں اوّل صفت یہی ہے یعنی وہ ذاتِ پاک جس کا نام اللہ ہے تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔(تشریح آیت۲۳) اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کا کامل طور پراحاطہ ممکن نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ **الملک** وہ حقیقی بادشاہ ہے جو بلحاظ اپنی حکومت و اقتدار اور تصرف کے تمام جہانوں کابادشاہ ہے مگر دنیا کے بادشاہوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں کیونکہ وہ القدوس بھی ہے یعنی ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔وہ خود پاک ہے اور دوسروں کو پاک کرتا ہے۔سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی مقتدراعلیٰ کامل قدوسیت کا حامل نہیں۔ وہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کی قوت و اقتدار کو شریک سمجھا جائے۔اس بادشاہ حقیقی کی ایک صفت **السّلٰم** ہے یعنی وہ سلامتی والا ہے۔ لفظ اسلام اسی سے نکلا ہے۔اسلام کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس کا نام **السّلٰم** ہے یعنی تمام عیوب سے مبّرا۔خود سلامتی والا اور دوسروں کو سلامتی کا بخشنے والا ہے۔غرض ملک اور قدوس وہ خدائی صفات ہیں جن کے نتیجہ میں سلامتی قطعی طور پر آتی ہے۔جو کامل بادشاہ کی پناہ میں ہو اور کامل مزکی کی وجہ سے پاک ہو چکا ہو تو اسے سلامتی ہی سلامتی ہے۔اس بادشاہ دوجہاں کی ایک صفت **المؤمن** ہے یعنی سب کو

امن اور امان دینے والا۔اس کا امن ساری کائنات پر محیط ہے۔نیز کمالات و توحید پر دلائل قائم کرنے والا۔اس بادشاہ ذی مقتدرت کی ایک صفت **المھیمن** بیان فرمائی۔ سب کا محافظ ونگران اور سب کے اعمال کاواقف گویا وہ الملک القدوس سلامتی اور امن دینے والا ہی نہیں **المھیمن** بھی ہے یعنی نگرانی کرنے والا ہے کہ سلامتی اورامن قائم رہے۔ یہ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ وہ العزیز ہے۔ العزیز جو سب پر غالب ،ذرہ ذرہ پر متصرف یعنی کامل غلبہ والا ہے وہ خدا جسے ہر قسم کا غلبہ اور تسلط حاصل ہے۔اس کے بندے بھی اس کی ان صفات کو اپنا کر مکمل سلامتی بن جاتے ہیں اور لوگوں کو سلامتی اور امن بخشتے ہیں۔ **مھیمن** کی صفت کاپرتو بن کر وہ نگرانی کرتے ہیں کہ سلامتی اور امن کی فضا قائم رہے **العزیز الجبار** کی صفات کا پرتو اصلاح کے مدنظر بوقتِ ضرورت قدرے سختی کی اجازت دیتا ہے۔**الجبّار**۔ جبر سے ہے۔زبردست۔ صاحبِ عظمت و جبروت۔جبیرہ۔ اس پٹی (Bandage)یا کھپچی (Splint) کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لئے اس پر باندھی جاتی ہے۔اس لحاظ سے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹی ہوئی شکستہ و ناکارہ اشیاء کی اصلاح کرکے درست کرنے والا (مظہری) بگڑے ہوئے کا بنانے والا ٹوٹے کام بنانے والا۔ دعا بین السجدات میں بھی **وجبُرنی** کے الفاظ ہیں مراد اصلاح کی توفیق دینے والا۔ **المتکبّر** اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات جوبڑی سے بڑی عظمت و کبریائی کی مالک ہے اور عظمت و کبریائی اسی وحدہٗ لاشریک کوسزاوار ہے۔ان ساری صفات کے مالک کامتکبر ہونا دنیا سے بے نیاز نہیں کرتا بلکہ اسے دنیا کی حاجتوں کی طرف زیادہ متوجہ کرتا ہے۔یہ ایک ایسی صفت ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں۔بندے کی شان عجز و انکساری میں ہے۔تکبر کا لفظ جب مخلوق کے لئے آئے تو مراد ایسی بڑائی ہے جو حقیقت میں انہیں حاصل نہیں کیونکہ بندے کی ہر چیز مستعار ہے اور اللہ کی عطا ہے۔ طاقت اس نے دی ، توفیق وہ دیتا ہے۔ مواقع اس نے فراہم کئے۔غرض وہ اس چیز پر تکبر کرتا ہے جو اس کی نہیں۔پس اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بندے کے لئے بطور ذم ہے۔احادیث میں تکبر کی بہت مذمت آئی ہے۔حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔(مسلم کتاب الایمان تحریم الکبر وبیانہ)پس ان تمام صفات کامالک اللہ اُن تمام چیزوں سے بلند ہے جن کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۵ و ترجمۃ القرآن کلاسMTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ

پیدا کرنیوالا درست کرنیوالا صورتیں بنانیوالا اسی کے لیے نام اچھے ہیں تسبیح کرتا ہے

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۵﴾ ع

اسی کی ہر ایک جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

۲۵۔ ان آیات میں ذات باری تعالیٰ کی چند صفات کا بیان ہے ورنہ تمام اعلیٰ صفات اپنی کامل ترین شکل میں اس پاک ذات میں مجتمع ہیں۔ پچھلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا ذکر تھا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان فرمائیں جن کا ایجاد سے تعلق ہے۔اللہ تعالیٰ کے نام اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔احادیث میں ۹۹ اسماء الٰہی وارد ہیں۔ قرآن کریم میں قریباً ۱۲۵۰ اسماء بیان ہوئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات لامحدود ہیں۔ خالق پیدا کرنے والا۔ ایک چیز کا کامل حکمت سے اندازہ کرنے والا۔ خالق مادہ کو ایک خاص ترتیب سے مختلف صورتوں میں ڈھالنے والا ہے جو اس کو دوسروں سے ممیز کرتی اور پہچاننے میں مد ہے۔ البارِی۔ عدم سے وجود بخشنے والا۔ نیست سے ہست کرنے والا یعنی روح و مادہ کی پیدائش کا آغاز کرنے والا ہر چیز کا موجد۔**المصور**۔ مادہ یا مادہ اور روح کی مختلف ترکیبوں سے مختلف صورتیں بنانے والا۔ہر چیز کو اس کے مناسب حال شکل دینے والا۔گویا پہلے ایک کہنہ مشق ماہر تعمیرات (Architect) کی طرح خاکہ تیار کرتا ہے پھر مکمل صورت میں اسے ڈھالتا ہے اور عمدگی سے رنگ برنگ تصوریں یعنی صورتیں خلق کرتا ہے۔ تمام خوبصورت نام اسی کے ہیں اور بوجوہ ان کبریائی صفات کے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کررہاہے یعنی اس کے احکام کی بجاآوری کا پابند ہے۔اور یہ اسی کو سزاوار ہے اس لئے کہ کامل غلبہ رکھنے کے باوجود وہ ہستی حکیم ہے اس کا ہر فیصلہ حکمت اور دانائی کی بنا پر ہوتا ہے۔

(العزیز کی تشریح کے لئے سورۃ الحدید:۲ ملاحظہ کریں)

☆☆☆

سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ ممتحنہ۔یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی چودہ آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ مدنی ہے اس کا زمانہ نزول صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا درمیانی عرصہ ہے۔سورۃ حشر میں یہود کے حشر کا ذکر تھا۔اس سورۃ میں مسلمانوں کو اُن کفار ومشرکین سے جو اللہ اور رسول سے دشمنی کرتے ہیں ، ترک موالات کا حکم دیا البتہ ایسے غیر مسلم جو تم سے برسرپیکار نہیں، ان سے انصاف اور احسان کا حکم دیا۔انہی باہمی تعلقات میں فرمایا کہ جو عورتیں ہجرت کرکے مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں ان کا امتحان لے لیاکرو اورانہیں ہرگز کفار کی طرف واپس نہ بھیجو۔اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام **ممتحنة** ہے یعنی امتحان لینے والی (سورۃ) اس ضمن میں بعض ضروری ہدایات فرمائیں۔آخر میں عہد بیعت کے ذکر سے اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو

اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا

دوست کہ پیغام بھیجو تم ان کی طرف محبت کے حالانکہ انہوں نے انکار کیا اس کا جو

جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ

آیا ہے تمہارے پاس حق سے وہ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو بھی اس لیے کہ

تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ

ایمان لائے ہو تم اللہ اپنے رب پر اگر ہو تم نکلے جہاد کے لیے

سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَ

میری راہ میں اور بغرض حصول میری رضامندی کے کیا چھپا کر بھیجتے ہو ان کی طرف پیغام دوستی کے اور

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **تُلقُون - یلقاهُ۔ لقاءٌ** کے معنی کسی کے سامنے آنے اور اسے پالینے کے ہیں۔ **لقآءٌ** (مصدر) ملاقاۃ کے ہم معنی ہے۔ **تُلقُون** تم پیغام بھیجتے ہو۔ **تَلَقُّونَ**۔ تم لیتے ہو۔ **تُلقُونَ علیهم بالمودۃ**۔ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔ (مفردات راغب)

اس میں بتانا یہ مقصود تھا کہ ایسے حالات میں اگرچہ دل سے دوستی نہ بھی ہو تو بھی کسی قسم کے دوستانہ تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں۔ **یخرجون الرسول وایاکم** میں رسول اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکالنے کا ذکر ہے۔ مشرکین مکہ بار بار کے حملوں سے یہی چاہتے تھے اور مدینہ کے یہود و منافقین بھی ان کے ساتھ مل کر اور مختلف شرارتیں کرکے ایسا ہی چاہتے تھے لیکن تائید ایزدی سے ناکام ہوئے۔ مشرکینِ مکہ جنگوں میں ہلاک ہوئے اور باقی تائب ہوئے۔ یہودِ مدینہ کو خائب و خاسر ہوکر خود مدینہ سے نکلنا پڑا اور منافقین تائب ہوکر اسلام میں داخل ہوئے۔ مکہ سے نکالنا بھی مراد ہوسکتا ہے محض اس جرم کی بنا پر کہ تم اپنے ربّ اللہ پر ایمان لے آئے ہو۔ فرمایا تم میری راہ میں میری ہی رضا چاہتے ہوئے جہاد پر نکلے ہو اور ساتھ ہی انہیں محبت کے خفیہ پیغام بھی بھیج رہے ہو تمہارا یہ اخفاء عبث ہے جبکہ میں سب سے زیادہ جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔

ان آیات کے شانِ نزول میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ سے قبل مکہ مکرمہ کی

اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ

میں خوب جانتا ہوں اس کو جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو کوئی کرے اس کو تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ② اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا

تو یقیناً گمراہ ہوا راہ سیدھی سے اگر وہ پاویں تم کو ہوں گے

ایک مغنّیہ سارہ نامی مدینہ آئی جو پہلے بنی عبدالمطلب کی لونڈی تھی پھر آزاد ہوکر گانے بجانے کا کام کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم ہجرت کرکے آئی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم مسلمان ہوکر آئی ہو؟ جب اس کا بھی انکار کیا تو آپ ﷺ نے آنے کی غرض پوچھی۔ اس نے کہا آپ لوگ مکہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے آپ ہی میں میرا گزارہ تھا۔ اب مکہ کے بڑے سردار تو غزوہ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں آگئے۔ میرا گزارہ مشکل ہوگیا۔ میں سخت حاجتمند ہوں آپ سے مدد لینے آئی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو مکہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے جوان کیا ہوئے؟ (جو تم پر مال نچھاور کرتے تھے) اس نے کہا واقعہ بدر کے بعد سے کسی نے مجھے نہیں بلایا۔ (گویا ان کے جشنِ طرب ختم ہوچکے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کی ترغیب دی۔ انہوں نے اسے نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ دیا تھا اور ابو سفیان تجدید معاہدہ میں ناکام رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کفار مکہ پر حملہ کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی اور یہ دعا بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر قبل از وقت ظاہر نہ ہو۔

مہاجرینِ اولین میں ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ تھے جو اصل یمن کے باشندے تھے اور مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہوگئے تھے وہیں اسلام قبول کیا۔ ان کا مکہ میں کوئی قبیلہ نہیں تھا۔ جب ہجرت کرکے مدینہ آئے تو ان کے اہل و عیال، بھائی اور والدہ مکہ ہی میں تھے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کی ہجرت کے بعد کفار ان مسلمانوں کا کچھ لحاظ رکھتے تھے جن کے قبیلے مکہ میں موجود تھے لیکن جن کا قبیلہ مکہ میں موجود نہ تھا ان کے اہل وعیال کو تنگ کرتے۔ حضرت حاطبؓ کو فکر ہوئی کہ حملہ کی صورت میں میرے اہل کو بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ انہیں یقین تھا کہ اسلام کو فتح ہوگی اس راز کے فاش ہونے سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھ کر یہ اطلاع کردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کرنے والے ہیں تاکہ حملہ کی صورت میں اہل مکہ ان کے اہل وعیال پر سختی نہ کریں۔ اور یہ خط مکہ جانے والی عورت سارہ کے سپرد

کردیا۔ اسے دس دینار دئے تاکہ وہ راز داری سے یہ خط پہنچادے۔(قرطبی ومظہری) حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دے دی اور یہ بھی کہ وہ عورت اس وقت روضہ خاخ کے مقام پر پہنچ چکی ہے۔

صحیحین بخاری ومسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہوکر اس عورت کا تعاقب کرو۔ وہ تمہیں روضہ خاخ میں ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے وہ لے آؤ۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں ہم نے بارہ میل کے فاصلہ پر ٹھیک اسی مقام پر اس شتر سوار عورت کو جالیا۔ اس سے خط مانگا اور تلاشی لی اس نے قسم کھا کر انکار کیا۔ ہم نے سوچا کہ آنحضرت ﷺ کی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔ ہم نے کہا خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتروائیں گے اور تلوار کھینچ لی۔ جب اس نے دیکھا کہ اب بچاؤ کی صورت نہیں تو آزار میں سے خط نکال کردے دیا۔ دوسری حدیث ہے کہ اس نے اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا۔ حاطب نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میرے ایمان میں اب بھی ذرہ فرق نہیں۔ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں جبکہ میرے قبیلے کا کوئی آدمی وہاں نہیں (کیونکہ آپ یمن سے ہجرت کرکے وہاں آئے تھے) دیگر مہاجرین حضرات میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا قبیلہ مکہ میں نہ ہو۔ رسول اللہ نے حضرت حاطب کا بیان سن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ بعض روایات میں حاطبؓ کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہیں کیا کیونکہ میرا یقین تھا کہ آپ ﷺ کو فتح ہی ہوگی۔ اہل مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو آپ ﷺ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے غیرتِ ایمانی سے اجازت چاہی کہ حاطب کا سر قلم کردیں کیونکہ اگر اہل مکہ کو یہ خط مل جاتا تو وہ تیاری کرکے جنگ کے لئے نکلتے اور سخت خون خرابہ ہوتا (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے) آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا! کہ کیا یہ اہل بدر میں سے نہیں؟ اللہ نے تمام شرکاء بدر کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔ اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر از ابن کثیر) بیشک جنگی حالات میں دشمن کو ایک اہم خبر پہنچانا ایک بھیانک جرم ہے جو بڑی سے بڑی سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے لیکن حضرت حاطبؓ کو صحابہ میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ آپ کو بدری صحابی ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ آپ

لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ

تمہارے دشمن اور دراز کریں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں

بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ

بُرائی کے لیے اور چاہتے ہیں کاش کرتم کافر ہوتے ہرگز نہ فائدہ دینگے تم کو تمہارے ناتے

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ

اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے یقیناً ہے تمہارے لیے نمونہ نیک

کی پوری زندگی قربانیوں سے عبارت تھی۔ غرض ہر پہلو سے آپ کا کردار بے داغ تھا۔ آپ نے بلاکم وکاست اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اصل وجہ بتادی۔ بیشک ایسی کوئی وجہ بھی ان حالات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بات کا یقین کرکے اسے ایک بشری کمزوری سمجھتے ہوئے معاف فرمادیا جس سے ظاہر ہوا کہ جید صحابہ سے بھی بشری کمزوریوں کے تحت خطائیں سرزد ہوسکتی ہیں بعد میں عملاً ایسا ہوا بھی۔ پس آنحضرت ﷺ نے فعل کی ظاہری شکل پر فیصلہ نہیں دیا بلکہ آپ کی پاکیزہ زندگی کو بطور گواہ پیش کیا۔ حضرت حاطبؓ کے ذکر میں ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو اعدائے اسلام کے ساتھ ایسے تعلقاتِ محبت قائم کرنے سے منع فرمایا جس میں اسلام کا مفاد خطرے میں ہو یا دشمنان اسلام کو فائدہ پہنچنے کا امکان ہو۔

۳۔ **یثقفوا۔ الثقف** کے معنی کسی کام کے کرنے میں مہارت سے کام لینے کے ہیں۔ مجازاً محض کسی چیز کو پالینے پر بولا جاتا ہے۔ **یثقفوا**۔ وہ پائیں گے۔

یہاں کھول کر بتلایا کہ خواہ تم ان سے بڑی سے بڑی ہمدردی کرو جیسے حضرت حاطبؓ نے ان کے مفاد میں خط لکھا، غلبہ پانے کی صورت میں وہ تمہارا کوئی لحاظ نہیں کریں گے وہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے اور تمہیں ایذا پہنچانے میں ہرگز کمی نہیں کریں گے۔ ہاتھوں کا دراز ہونا جسمانی اذیتیں دینا ہے اور زبانوں کا دراز ہونا شب وستم اور عزت پر حملہ کرکے ذہنی اذیت پہنچانا ہے۔ ہمیشہ کی طرح ان کی دلی تمنا یہی ہے کہ تمہیں دین اسلام سے منحرف کرکے اپنے جیسا بنالیں۔

۴۔ حضرت حاطبؓ کی طرف اشارہ ہے جس میں تمام اہل اسلام مخاطب ہیں کہ جن رحمی رشتہ داروں اور اولاد کی خاطر تم نے ایک خطرناک قدم اٹھایا، قیامت کے دن ہرگز تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے اور تمہیں بچانے نہیں آئیں گے۔ اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی ہمیشہ اس پر نظر ہے گویا

اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا
ابراہیم میں اور ان میں جو اسکے ساتھ تھے جبکہ کہا انہوں نے اپنی قوم کو یقیناً ہم بیزار ہیں
مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا
تم سے اور ان سے کہ جنکی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے کافر ہوئے ہم تم سے اور ظاہر
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا
ہوئی ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ ایمان لاؤ تم
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ
اللہ واحد پر مگر کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ البتہ بخشش مانگوں گا میں تیرے لیے
وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا
اور نہیں میں اختیار رکھتا تیرے لیے اللہ سے کچھ بھی اے ہمارے رب تجھ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا
وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝٥ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
اور تیری طرف رجوع کیا ہم نے اور تیری طرف ہے پھر جانا اے رب ہمارے مت بنا ہمیں آزمائش

تمہارے راز داری سے کئے ہوئے کاموں سے اللہ بے خبر نہیں۔

۵۔ فرمایا دین کے معاملہ میں اہل قرابت کے ساتھ ابراھیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا نمونہ اختیار کرو جنہوں نے اپنی قوم سے اوران سے جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے بیزاری کا اظہار کیا اور نہایت حلیم ہونے کے باوجود تحدی سے فرمایا **کفرنابکم** یعنی ہم تمہاری تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ہمارے درمیان ہمیشہ کی دشمنی اور بغض ظاہر ہو چکے ہیں سوائے اس کے کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ۔یعنی اب ہمارے درمیان صلح کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ تم تمام معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ”جب خدانے ابراھیم کے نمونہ پر چلنے کی تاکید فرمائی توساتھ ایک استثناء لگادیا مگرآنخضرت ﷺ کی صورت میں کوئی استثناء نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنخضرت ﷺ کے اقوال و افعال غلطی سے پاک تھے۔“(ریویو آف ریلیجنز جلد۲ نمبر۶ صفحہ ۲۴۵، ۲۴۶)پس ہمارے لئے کامل نمونہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے جن کے ہرقول و فعل کی پیروی مسلمانوں پر فرض ہے۔(احزاب:۲۲) یہ استثنٰی اپنے باپ کے حق میں ابراھیمؑ کاقول تھا کہ میں ضرور تیرے لئے بخشش کی دعا مانگوں گا حالانکہ میں اللہ کی طرف سے تیرے بارہ میں استغفار کے سوا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ پھرآپ اورآپ کے ساتھیوں نے نہایت تضرع سے یہ دعا کی ! اے ہمارے رب کفار سے اعلان برات کے معاملہ میں تجھ پر ہی ہم توکل کرتے ہیں اور تیری طرف ہی ہم جھکتے ہیں اوراعتقاد کامل ہے کہ تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
ان کیلئے جو کافر ہوئے اور بخش ہم کو اے رب ہمارے یقیناً تو ہی غالب
الْحَكِيْمُ ۝٦ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ
حکمت والا ہے البتہ ہے تمہارے لیے ان میں پیروی نیک اس کے لیے جو ہے
يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
امید رکھتا اللہ اور دن پچھلے کی اور جو کوئی پھر جاوے پس یقیناً اللہ تو ہے
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٧ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ ع ١
بے پروا تعریف کیا گیا قریب ہے اللہ کہ کردیوے درمیان تمہارے اور درمیان

۶۔ اہل ایمان کا کافروں کے لئے ٹھوکر کا موجب بننا کئی طور سے ممکن ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ اہل ایمان کی کوئی اخلاقی کمزوری ان پر ظاہر ہو اورانہیں یہ کہنے کا موقع ملے کہ اگر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے تمہاری اصلاح نہیں ہوئی تو ہمیں کس طور اس دین کی دعوت دے رہے ہو۔ بخاری میں مجاہد نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہمیں کافروں کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر غالب آجائیں اوراس غلبہ کو اپنے حق پر ہونے کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کریں۔ یہاں ایسی تمام صورتوں سے پناہ مانگی گئی ہے اور اپنے ربّ سے مناجات کی گئی ہے کہ اے ہمارے ربّ! اس تعلق میں جو بھی ہم سے غلطیاں ہوئیں ان سے درگزر فرما یقیناً تو کامل غلبہ والا اورصاحب حکمت ہے۔ گویا تیرا غلبہ بھی حکمت کے تحت ہے اور تجھے ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔

۷۔ یہاں امتِ محمدیہ کو مخاطب فرمایا کہ تم میں سے ہر اس شخص کے لئے ابراھیمؑ اورآپ کے متبعین میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو امید رکھتا ہے کہ ایک روز اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور یوم آخر میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہے ۔اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہی دین کا اصل ہے جس کا ذکر بالکل ابتدائی آیات میں کیا۔(سورۃ البقرۃ:۹)ہاں جو شخص حضرت ابراہیمؑ کے مسلک سے منہ موڑتا ہے اور کفار سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ جان لے کہ یقیناً اللہ ہی ہے جو بے نیاز ہے اسے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کہ تم اسلام کے دعویدار ہوتے ہوئے اس کے دشمنوں سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔ اس میں سراسر تمہارا ہی نقصان ہے۔ وہ غنی ہی نہیں صاحبِ حمد بھی ہے یعنی اپنی ذات میں خود محمود ہے ۔پس اس کی ذات بوجہ جامع الکمالات ہونے کے سزاوار حمد ہے اور اسے اس چیز کی حاجت نہیں کہ کوئی اس کی حمد کرے۔

۸۔ **عادیتم منھم**۔ ان (دشمنوں) میں سے بھی جن سے تم باہمی عداوت رکھتے تھے ۔

الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ
ان کے کر عداوت رکھتے ہو تم جن سے دوستی اور اللہ قادر ہے اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨﴾ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ
بخشنے والا مہربان ہے نہیں روکتا تم کو اللہ ان سے جو نہیں لڑے تم سے

فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ
دین کے بارے میں اور نہیں نکال دیا تم کو تمہارے گھروں سے یہ کہ تم احسان کرو ان سے

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾ اِنَّمَا
اور انصاف کرو ان سے یقیناً اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو صرف

یہاں ایک عظیم پیشگوئی فرمائی کہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کی آزمائش دائمی نہیں۔ قریب ہے کہ جن سے رضائے الٰہی کے تحت باہمی عداوت رکھتے تھے ان سے خدا کے فضل و احسان سے محبت کے رشتے استوار ہوجائیں اس لئے کہ اللہ کو سب قدرتیں حاصل ہیں۔ اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ گویا عنقریب فتح مکہ انہیں دائرہ اسلام میں داخل کردے گی اور اسلام قبول کرتے ہی تمام پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ وہ اپنے بندوں پر بے حد رحیم ہے۔

یہ پیشگوئی چندروز میں ہی فتح مکہ سے پوری ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ ''اس کے متعلق کلام نبوت میں نہایت عمدہ نصیحت فرمائی کہ ''کسی سے دوستی کرو تو اس قدر نہ بڑھ جاؤ اور یہاں تک اسے اپنا راز دار نہ بنا لو کہ اگر وہ تمہارا دشمن ہو جائے تو تمہیں نقصان پہنچا سکے اور اگر کسی سے دشمنی کرو تو اس قدر نہ بڑھو کہ اگر وہ تمہارا دوست بن جائے تو پھر تمہیں اپنی باتوں پر شرمسار ہونا پڑے۔۔۔۔۔ بظاہر موجودہ صورت حالات نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اب ان دشمنوں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔۔۔۔۔ (مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا) کہ وہ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ایک دوسرے کے جان نثار بن گئے۔۔۔۔ پس انسان کو چاہیئے کہ پہلے ہی معتدلانہ روش اختیار کرے تا بعد میں شرم و ندامت پیش نہ آئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۲۲۸)

۹۔ یہاں ان لوگوں کا ردّ فرمایا جو غیر مسلم افراد اور اقوام سے دوستی کو ہر حال میں ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں کفار سے تعلقات کی وضاحت فرمائی۔ فرمایا جن لوگوں نے تمہارے خلاف دینی اختلاف کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ ان سے دوستی سے تمہیں منع نہیں کرتا۔ ان سے احسان اور انصاف کا سلوک کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ
منع کرتا ہے تم کو اللہ محض ان سے جو لڑے تم سے دین کے معاملہ میں اور نکال دیا تم کو

مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ
تمہارے گھروں سے اور مدد کی انہوں نے تمہارے نکال دینے پر یہ کہ دوستی کرو تم ان سے

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اور جو کوئی دوستی کرے ان سے تو یہی ہیں ظالم اے لوگو

اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ
جو ایمان لائے ہو جب آئیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے تو آزمائش کرو ان کی

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا
اللہ خوب جانتا ہے انکے ایمانوں کو پس اگر جانو تم ان کو ایمان والیاں تو

تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ
مت لوٹاؤ ان کو کفار کی طرف نہیں وہ عورتیں حلال کافروں کیلئے اور نہیں وہ حلال ہیں ان

لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ
عورتوں کیلئے۔ اور دو ان کافروں کو جو خرچ کیا انہوں نے اور نہیں گناہ تم پر کہ

تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا
نکاح کرو ان سے جبکہ دو تم ان کو مہر ان کے اور مت روکو نکاح

جہاں تک عدل وانصاف کا تعلق ہے وہ ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں واجب ہے خواہ مسلم ہو یا کافر بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی انصاف کا حکم ہے یعنی ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے اور ان کے چارہ اور آرام کا بھی خیال رکھا جائے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے محض دینی اختلاف کی وجہ سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ ایسے لوگوں سے جو بھی دوستی کریں تو یہی وہ لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔ بیشک انصاف ان سے بھی ہوگا مگر احسان ضروری نہیں۔ لیکن رحمۃ للعالمین نے اپنے جانی دشمنوں سے بھی احسان کا سلوک فرمایا۔

۱۱۔ **عصم۔ عِصمة** کی جمع ہے یعنی ان کا عقد نکاح کیونکہ **عصمة النكاح** کے معنی عقدۃ النکاح کے ہیں۔ (لسان العرب) **كوافر** جمع **كافره** کی ہے مراد مشرک عورتیں ہیں۔ **ولا تمسكوا بعصم الكوافر**۔ اور مشرک عورتوں کے عقدہ نکاح کو روک نہ رکھو۔ یعنی ان کے نکاح کا معاملہ اپنے قبضہ اختیار میں نہ لو۔ **الى الكفار** سے مراد مکہ والے مشرک ہیں۔

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوا مَا أَنْفَقُوا ۚ

کافر عورتوں کا اور مانگ لو ان سے جو خرچ کیا تم نے اور وہ مانگ لیں جو خرچ کیا انہوں نے

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾ وَ

یہ حکم خدا کا ہے وہ فیصلہ کرتا ہے درمیان تمہارے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور

اس سورت کے نزول سے پہلے مسلمان کافر بیویوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اور مسلمان بیبیاں کافرشوہروں کے ساتھ۔ جیسا کہ حضرت زینب ؓ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں مگر اپنے شوہر ابوالعاص کے نکاح میں رہیں جبکہ ابوالعاص نے ۸ ھ کو مدینہ آ کر اسلام قبول کیا۔

یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے بعد کے زمانہ کی ہے۔ حدیبیہ کی شرائط صرف مردوں پر اطلاق پاتی تھیں۔ عورتیں اس سے مستثنیٰ تھیں۔ فرمایا جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کے ایمان کو پرکھ لیا کرو۔ اللہ کو ان کے ایمان کا علم ہے لیکن تم عالم الغیب نہیں ہو۔ تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور اس تحقیق میں ان کے ظاہر پر اکتفا کیا کرو۔ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ عورتوں سے حلفیہ یہ بیان لیا جاتا تھا کہ وہ شوہروں کی عداوت سے نہیں نکلیں اور نہ ان کی ہجرت کی محرک کوئی دنیوی غرض ہے بلکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لئے ہجرت کی ہے (تفسیر ابن جریر) حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ان عورتوں کا امتحان بیعت سے لیتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر) جس کا ذکر آیت ۱۳ میں ہے۔ غرض جب اطمینان کر لو کہ وہ مومنات ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ بھیجو۔ یہ اُن کے لئے حلال ہیں نہ وہ ان کے لئے۔ ان کے مشرک شوہر جو مہر ادا کر چکے ہیں یا ان کے ولی ان پر جو خرچ کر چکے ہیں وہ انہیں لوٹا دو۔ پھر عدت یا وضع حمل کے بعد حق مہر کے ساتھ ان سے نکاح کی اجازت ہے۔ فرمایا کافر عورتوں کے نکاح کا معاملہ اپنے قبضہ اختیار میں نہ لو۔ وہ جا چکی ہیں اب ان کے ولیوں کا اختیار ہے۔ جن مشرکین مکہ سے مسلمانوں کے معاہدانہ تعلقات تھے ان سے مسلمانوں نے احکام الٰہی کے تحت یہ معاملہ طے کرنا چاہا کہ جن عورتوں نے اسلام قبول کر لیا اور مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ مسلمان ان کے مشرک شوہروں کو ان کے مہر واپس کر دیں اور مسلمانوں کی کافر بیویاں جو مکہ میں رہ گئی ہیں ان کے مہر وہ واپس کریں۔ لیکن کفار نے اس تجویز کو قبول نہ کیا۔ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ان عورتوں کے مہر واپس کرنے پر رضا مند ہو گئے جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئی تھیں مگر مشرکین مکہ نے ان عورتوں کے مہر واپس کرنے سے انکار کر دیا جو مکہ میں کفر کی حالت میں رہ گئی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مہاجر عورتوں

إِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

اگر تمہارے ہاتھ سے نکل جاوے کوئی تمہاری عورتوں میں سے کفار کی طرف پھر تمہاری نوبت آوے

فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَ

تو پھر دو ان کو جو جاتی رہی ہیں ان کی بیبیاں مانند اس کے جو خرچ کیا انہوں نے اور

اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا

ڈرو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو اے نبی جب

جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ

آویں تیرے پاس مومن عورتیں کہ بیعت کریں تیری اس شرط پر کہ نہ شریک ٹھہراویں اللہ کا

شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ

کسی کو اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ قتل کریں اولاد اپنی

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَ

اور نہ لادیں بہتان کہ باندھ لیویں اس کو درمیان اپنے ہاتھوں کے اور

کے جو مہر تمہیں مشرکین کو واپس کرنے ہیں وہ مدینہ میں ہی جمع کر لئے جائیں تا کہ جن لوگوں کو مشرکین سے اپنے دئے ہوئے مہر واپس لینے ہیں ان کو اس جمع شدہ رقم سے اتنی رقم دلوا دی جائے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کے حصے کا مہر وصول طلب رہ جاتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے کہ اس کے نقصان کی تلافی مالِ غنیمت سے کر دی جائے (تفسیر ابن جریر) **ذٰلکم** یعنی تم سب کو اللہ کا یہ حکم ہے اس کا ہر حکم علم اور حکمت کی بنا پر ہوتا ہے۔

۱۲۔ **عاقبتم۔عُقبة** کے معنی نوبت یا باری کے ہیں۔

مومن عورتوں میں سے کوئی بھی بھاگ کر کفار کی طرف نہیں گئی۔ پچھلی آیت کی مزید وضاحت فرمائی کہ اگر تمہاری مشرک بیویوں میں سے کچھ تم سے علیحدہ ہو کر کفار کی طرف چلی جائیں یا جنگ میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں، تو جب تمہاری نوبت آئے اور ان کی بیویاں مسلمان ہو کر مدینہ آ جائیں تو مہر کی جو رقم تمہیں مشرکین کو لوٹانا تھی اتنی ہی رقم ان مسلمانوں کو ادا کر دو جن کی بیویاں کفار کی طرف ہیں۔ تقویٰ کے مضمون سے اس مسئلہ کو ختم کیا کہ جب تقویٰ کی راہوں پر چلو گے اور چھوٹی سے چھوٹی کمزوری پر نظر رکھو گے تو ایسے تمام مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔

۱۳۔ آیت ۱۱ میں حضرت عائشہ ؓ کی حدیث گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر عورتوں کا امتحان بیعت سے لیتے تھے۔ اس آیت میں تفصیل بیان فرمائی کہ کن شرائط پر بیعت لی جائے۔ (بخاری کتاب الایمان باب ۱۰) میں حدیث بیان ہوئی ہے جس کی رو سے مردوں سے بیعت کے بھی وہ تمام احکام ہیں جو اس آیت میں عورتوں کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ اسی ترتیب

اَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ

اپنے پاؤں کے اور نہ نافرمانی کریں تیری نیک کام ہیں پس بیعت قبول کر ان سے اور

اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

بخشش مانگ ان کے لیے اللہ سے یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے لوگو

سے اورانہی الفاظ میں۔آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی مردوں اور عورتوں سے بیعت لی۔فتح مکہ کے موقع پر خاص طور پر بیعت لی۔حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی بیعت زبان سے لیتے یا کپڑے وغیرہ کے واسطہ سے۔عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیتے (تفسیر ابن جریر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت میں بعض مزید شرائط بھی عائد کیں۔ابن عباسؓ،ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ انصاریہ کی روایات ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لیا کہ وہ مرنے والے پر نوحہ نہیں کریں گی۔(بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ابن جریر)ام عطیہؓ بیان کرتی ہیں حضور ﷺ نے بیعت لینے کے بعد ہمیں حکم دیا کہ ہم عیدین کی جماعت میں حاضر ہوا کریں گی البتہ جمعہ ہم پر فرض نہیں اور جنازے کے ساتھ جانے سے ہمیں منع فرمایا۔(ابن جریر)فتح مکہ کے موقع پر بیعت کے دوران ہند بنت عُتبہ نے چوری نہ کرنے کی تشریح دریافت کرتے ہوئے۔حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ابو سفیان ذرا بخیل آدمی ہے۔کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات کے لئے اس سے پوچھے بغیر اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔مگر بس معروف کی حد تک یعنی بس اتنا مال لے لو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو۔(احکام القرآن،ابن عربی)اولاد کو قتل کرنے میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دینا یا بلا جائز وجوہ اسقاط حمل ہے۔ہاتھ اور پاؤں کے درمیان بہتان باندھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کے اعضاء اور جوارح اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔پس انسان کسی پر بہتان لگائے یا کسی اور گناہ کا مرتکب ہو تو یاد رکھے کہ وہ چار گواہوں کی موجودگی میں اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اطاعت میں معروف کی قید لگائی حالانکہ آپ ﷺ کا کوئی حکم معروف اور نیکی کے سوا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔اس میں ایک گہری حکمت یہ تھی کہ اللہ کے حکم کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں یہانتک کہ رسول کی بھی نہیں۔علامہ آلوسی فرماتے ہیں ''یہ ارشاد ان جاہلوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ اولی الامر کی اطاعت مطلقاً لازم ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو رسول کی اطاعت پر بھی معروف کی قید لگادی۔حالانکہ رسول کبھی معروف کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔اس سے مقصود لوگوں

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا

جو ایمان لائے ہو مت دوستی کرو اس قوم سے کہ ناراض ہوا اللہ جن پر یقیناً وہ ناامید ہوئے

مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ النصف ع ۲ ۷ ۸

آخرت سے جیسے ناامید ہوئے کافر قبروں والوں سے

کو خبردار کرنا ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔''(روح المعانی)اُمیمہ بنت رُقیقہ کا بیان ہے کہ میں اور دیگر چند عورتیں حضور کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ نے قرآن کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد لیا۔جب ہم نے کہا''ہم معروف میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گی'' تو آپ ﷺ نے فرمایا''جہاں تک تمہارے بس میں ہو اور تمہارے لئے ممکن ہو۔''ہم نے عرض کیا'' اللہ اور اس کا رسول ہمارے لئے خود ہم سے بڑھ کر رحیم ہیں۔''۔۔۔۔۔۔(مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم)پس ان تمام شرائط کے ساتھ ان کی بیعت قبول کر اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر کیونکہ ذمہ داریاں ادا کرنے میں بہت سی کمزوریاں رہ جاتی ہیں یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور رحیم ہے۔

۱۴۔اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر آخری آیت میں اس کا اعادہ کیا گیا۔ عام کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے دوستی سے ہرگز منع نہیں فرمایا بلکہ ان سے حسن سلوک کا حکم دیا(آیت ۹) پہلے ان کفار سے دوستی سے منع فرمایا جنہوں نے دینی اختلاف کی وجہ سے بے گناہ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور ان سے جنگ کی ۔ اب سورۃ کی اس آخری آیت میں ایسی قوم سے دوستی سے منع فرمایا جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا ۔ اس آیت کا اطلاق قیامت تک آنے والی کسی قوم پر بھی ہوسکتا ہے لیکن یہاں مراد یہود ہیں جو بار بار اللہ کے غضب کا نشانہ بنے۔ اللہ کے غضب کا نشانہ ہمیشہ وہی افراد یا اقوام بنتی ہیں جو اپنی بداعمالی اور بے باکی میں حد سے بڑھ جاتی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا ہے ۔بظاہر یہود ایک موحد قوم ہے اور بعث بعدالموت پر یقین رکھتی ہے لیکن عملاً یہود و نصاریٰ دونوں کی حالت یہ ہے کہ مادیت کی دوڑ میں کھو کر آخرت کو کلیۃً بھولے ہوئے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ باوجود جان لینے کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری موعود نبی ہیں ہمیشہ آپ ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے اور اللہ کے عذاب کو دعوت دی بلکہ آج تک مسلمانوں کو ہر طرح سے کچلنے کے درپے ہیں ۔ مومنین کو ایسے لوگوں کی دوستی سے خاص طور پر اس لئے منع فرمایا کہ بعض اوقات اللہ کے غضب کی لپیٹ میں ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو ان کے قریب ہوں۔

گناہوں پر دلیری ، بیباکی اور گستاخی میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ یہی ہے کہ وہ آخرت سے مایوس ہوچکے ہیں یعنی انہیں آخرت پر یقین نہیں اور نہ کسی جواب دہی کا ڈر ہے ۔ کفار کا اہل قبور سے مایوس ہونا ان کے جی اٹھنے سے ناامید ہونا ہے کہ اب وہ دنیا میں کبھی واپس نہیں آئیں گے اور نہ ہی ان کا بعث ہوگا ۔ گویا نہ یہود بعث بعد الموت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ کفار اپنے فوت شدگان عزیز و اقاربِ کے بعث پر۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الصَّفِ مَدَنِیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ خَمْسَ عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّ رُکُوْعَانِ

سورۃ صف ۔ یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی پندرہ آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مدنی زمانہ کی ہے اور اس میں جہاد کی تحریص دلائی گئی ہے اس سورۃ کا مرکزی مضمون غلبہ اسلام ہے جو اسے تمام مذاہب پر حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ اس تعلق میں رہنمائی بھی فرمادی ۔یعنی مسیحؑ کے حواریوں کی طرح دین کو لے کر تمام دنیا میں نکل جائیں۔ بعینہٖ آج مسیح محمدی کے حواری اس دین متین کو لے کر دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے ہیں۔

پچھلی سورت کا اختتام عہد بیعت پر ہوا تھا جس میں عورتوں کے علاوہ مرد بھی شامل تھے۔ اس سورۃ کے آغاز ہی میں عہد بیعت کے تعلق میں فرمایا کہ اللہ کی نگاہ میں نہایت مبغوض وہ لوگ ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد ہو اور وہ اپنے عہد بیعت میں کمزوری دکھائیں ۔ان کے مقابل اللہ کے محبوب وہ ہیں جو اپنے عہد بیعت پر مضبوطی سے قائم ہوں اور اللہ کی راہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوجائیں ۔ یہی وہ اللہ کے پیارے ہیں جو اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور نعمائے جنت کے علاوہ ایک جلد ملنے والی فتح کی بشارت دی۔ یہ خوشخبری بہت جلد بدر کی فتح اور پھر فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی اور قیامت تک باربار پوری ہوتی رہے گی انشاء اللہ ۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور وہ غالب

الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا

حکمت والا ہے اسے لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں تم کہتے ہو جو نہیں

تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٤﴾

کرتے تم بڑے غضب کی بات ہے نزدیک خدا کے یہ کہ کہو جو نہیں کرتے خود

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **سبّح۔ السبح** کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیزرفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔ **تسبیح** کے معنی تنزیہہ الٰہی بیان کرنے کے ہیں۔یعنی عبادتِ الٰہی میں تیزی کرنا۔**تسبیح** کا لفظ قولی، فعلی اور قلبی ہرقسم کی عبادت کے لئے بولا جاتا ہے۔(مفرداتِ راغب)

یہ سورۃ مسبّحات کی سورتوں میں سے ہے احادیث میں مسبّحات کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔(تشریح سورۃ الحدید آیت ۲)

سبح ماضی کا صیغہ ہے یہاں ماضی استمرار کے معنی میں آیا ہے۔کلام میں شدت پیدا کرنے کے لئے بھی ایسا ہوتا ہے قرآن کریم میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔'ما' عام طور پر ذی عقول کے لئے نہیں آتا۔ تاہم اس کے مفہوم میں کبھی بے جان چیزوں کے غلبہ میں جاندار چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں۔فرمایا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کی سبوحیت بیان کررہا ہے گویا ہر چیز تسبیح کررہی ہے۔ بعض قول سے اور بعض فعل سے یعنی جو کام اللہ تعالیٰ نے انہیں ودیعت کئے ہیں ان پر پابندی سے عمل پیرا ہیں ۔ وہ غالب ہے پس اس کی مخلوق ایسا کرنے کی پابند ہے اور اس کے ہر حکم میں گہری حکمت ہے ۔

۳۔۴۔**مقتًا۔ مقت** خدا کا غضب ۔بیزاری ۔ غصہ۔ ناراضگی ۔ بڑا گناہ۔

فرمایا قول اور فعل میں مطابقت کا نہ ہونا خدا کے نزدیک بڑے غضب کا موجب ہے ۔ یہاں یہ مراد ہرگز نہیں کہ جس نیکی پرانسان خود مکمل طور پرعمل پیرا نہ ہو اس نیکی کی دوسروں کو دعوت نہ دے۔ اس طرح نہ والدین بچوں کو تنبیہ کرسکتے ہیں نہ ایک نادار شخص کسی کو انفاق فی سبیل اللہ کی تحریص دلاسکتا ہے اور نہ کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم پرعمل کرسکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ

یقیناً اللہ پسند کرتا ہے ان کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا کہ وہ

بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٥﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ

دیواریں سیسہ پلائی ہوئی ہیں اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم کیوں تم

حالانکہ دوسروں کو نیکی کی ترغیب دلانے سے خود انسان اپنی اس کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔پس یہاں تقولون سے امر بالمعروف مراد نہیں بلکہ دعویٰ مراد ہے کہ تم ایسے اعمال کا دعویٰ نہ کرو جو تم نہیں کرتے۔ مثلاً ایک عادی جھوٹا شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میرے جیسا کوئی راست باز نہیں یا جہاد سے بھاگنے والا اپنی بہادری کے جھوٹے قصے سنائے یا جیسے اس دور میں بعض نام نہاد علماء کی عادت یہ بن چکی ہے کہ وہ محراب و ممبر سے کہتے کچھ اور ہیں اور ان کی ذات کسی اور چیز کی عکاسی کررہی ہوتی ہے۔سورۃ ال عمران آیت ۱۸۹ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا اس کی بابت بھی چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔ پس اسی سے منع فرمایا گیا ہے اور یہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔چاہیئے تو یہ کہ اگر دل میں عزم کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنی قوت اور نفس پر بھروسہ کرکے دعویٰ نہ کرے۔ایسا شان عبودیت کے خلاف ہے۔ اگر کسی مصلحت کے تحت کہنا ہی پڑے تو اسے اللہ کی مشیت کے حوالہ کرے اور انشاء اللہ کی قید کے ساتھ بیان کرے۔

۵۔ **مرصوص۔ رصاص** سیسہ کو کہتے ہیں(لسان العرب) **رصّ البنیان** ۔دیوار کو پختہ اور مضبوط کیا اس کے بعض کو بعض سے ملایا۔ایسی دیوار مرصوص ہے۔**بنیانٌ مّرصوص۔** سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

پچھلی آیت میں بعض کمزور ایمان والوں کا ذکر ہے جن کے قول و فعل میں تضاد تھا اور جنہوں نے جہاد میں بزدلی دکھائی ۔ اب ان مجاہدین کا ذکر فرمایا جنہوں نے جو کہا اللہ کے فضل سے سچ کردکھایا ۔ ان کے اتحاد و تنظیم ، وفاداری و جانثاری ، ناقابلِ تسخیر قوتِ ایمانی اور جذبہ شہادت نے انہیں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت کیا۔ انہی صفات نے انہیں اللہ کا محبوب بنادیا۔ یہی نبی امّی کے وہ وفاشعار صحابہ تھے جنہوں نے شدید جنگی حالات میں بھی جبکہ بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی ہوتا تھا ،کندھے سے کندھا ملا کر تیروں اور تلواروں کی بوچھاڑ میں دلیری اور جانفروشی کی وہ داستانیں رقم کیں جو قیامت تک کے لئے مشعل راہ ہیں۔ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کے بعد بھی جاری رہا۔ جنگ احد میں جب فتح

تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۚ فَلَمَّا
ایذا دیتے ہو مجھکو اور حالانکہ تم جانتے ہو کریں رسول ہوں خدا کا تمہاری طرف پس جب
زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
وہ ٹیڑھے ہوگئے ٹیڑھا کردیا خدانے ان کے دلوں کو اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم
الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ
فاسقوں کو اور جس وقت کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل یقیناً میں

کے بعد یکدم حالات نے پلٹا کھایا اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گردصرف چند صحابہ رہ گئے ، دشمن نے اچانک شدید حملہ کیا۔ صحابہ نے نہایت دلیری اور حاضر دماغی سے آنحضرتﷺ کو اپنے حصار میں لے لیا اورآپﷺ کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے سینوں پر لیا۔ وہ کٹ کٹ کر گرتے رہے لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ ان نازک حالات میں مردتو مردعورتوں نے بھی جو صنف نازک متصور ہوتی ہیں ۔ اپنے آقاومولا کی حفاظت میں جان کی بازی لگادی۔ ان میں ایک دلیر صحابیہ ام عمارہ تھیں جو ان پر آشوب حالات میں اس سیسہ پلائی دیوار کی ایک اینٹ ثابت ہوئیں ۔ آپ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں ۔جونہی آنحضرتﷺ پر اچانک حملہ ہوا وہ آپﷺ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہوگئیں۔ مستند احادیث میں ان کا بیان ہے کہ آپﷺ کی حفاظت کے لئے میں نے یہ ترکیب کی کہ جونہی کوئی گھڑ سوار کافرآپﷺ کی طرف بڑھتا ، میں پیچھے سے اس زور سے وار کرتی کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں کٹ جاتا اور سوار مع گھوڑا زمین پر گرجاتا ۔یہ دیکھ کرآنحضرتﷺ میرے بیٹے عبداللہ کو آواز دے کر میری مدد کو بھیجتے اور ہم دونوں دشمن کا کام تمام کردیتے ۔ جب بد بخت ابن قمیہ نے آپ پر وار کیا اورآپﷺ کے رخسار مبارک سے خون بہنے لگا توام عمارہ بے تابی سے دشمن پر حملہ آور ہوئیں ۔ وہ زرہ بکتر میں ڈوبا ہواتھا اس پر کوئی اثر نہ ہوالیکن آپ کے کندھے پر گہرا زخم آیا اورخون میں نہا گئیں ۔آپ نے صبر کا بے مثال نمونہ دکھایا اوراس تکلیف کو خاموشی سے برداشت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے آپ کے زخم پر پٹی بندھوائی اوراس عظیم مجاہدہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا! آج ام عمارہ کا کارنامہ دوسرے کارناموں سے بہت زیادہ ہے ۔مانگو کیا مانگتی ہو؟ام عمارہ نے دنیوی آسائشوں کو چھوڑ کر صرف جنت میں حضورﷺ کی رفاقت کی درخواست کی۔ آنحضرتﷺ نے دعافرمائی تو خوشی سے بولیں ! اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی پرواہ نہیں ۔بعد میں بھی اس دلیر صحابیہ نے حق و باطل کے کئی مشہور معرکوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

۶ ـ **الزیغ** حالت استقامت سے ایک جانب مائل ہوجانا ہے۔ ٹیڑھا ہوجانا۔ **فاسق**۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ
رسول ہوں خدا کا تمہاری طرف تصدیق کرتا ہوا اسکی جو میرے آگے ہے تورات سے
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا
اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو آویگا میرے بعد اس کا نام احمد ہے پس جب
جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَمَنْ اَظْلَمُ
آیا انکے پاس وہ پیغمبر روشن نشانوں کے ساتھ کہنے لگے یہ جادو ہے ظاہر اور کون بہت ظالم ہے

احکام شریعت کا اقرار کر کے تمام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرنے والا۔ بدعہد۔ نافرمان۔

اس آیت میں قوم موسیٰ کو آیت ۳ و ۴ والے گروہ میں شامل کیا۔ قوم موسیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول اوراپنا محسن ماننے کے باوجود آپ کی حکم عدولی اور ہر آزمائش میں بے وفائی کر کے آپ کی ایذا رسانی کے درپے رہی۔ کبھی گوسالہ سامری کی پرستش کر کے شرک میں ملوث ہوئی ، کبھی جہاد کا انکار کر کے اس گستاخی کی مرتکب ہوئی کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔یہاں بتلایا کہ جب کوئی قوم نبی کی نافرمانی کر کے خود صحیح راستہ سے ہٹ جائے اور ہدایت پانا نہ چاہے تو اللہ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ اس ٹیڑھی روش کو اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیتا ہے ۔وہ فاسقین میں شامل ہوجاتے ہیں اور اتباع حق کی توفیق سے محروم ہوجاتے ہیں ۔پس اللہ اطاعت سے نکل جانے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ مثیل موسیٰ پرایمان لاکر قوم موسیٰ والی نافرمانیوں سے بچنا ورنہ انہیں جیسے انجام سے دو چار ہوگے۔

۷۔ **محمد** ۔ بے حد تعریف کیا گیا۔ **احمد** بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔

حضرت عیسیٰؑ نے پوری تورات کی تصدیق نہیں فرمائی کیونکہ اس میں بہت کچھ تحریف ہوچکی تھی جس کا اقرارخود عیسائی محققین نے کیا ۔(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۱۹۴۶ء زیر لفظ بائبل) آپ نے اسی حصہ کی تصدیق فرمائی جو آپ کے پیش نظر تھا اورآپ کو یقین تھا کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں تورات کی ان تمام پیشگوئیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھیں اورآپﷺ کی ذات مطہر کے سوا کسی پر صادق نہیں آئیں۔ (تفسیر مناھل العرفان جلد اوّل ۲:۴۲ جلد دوم ۲۸:۴۷ ـجلد سوم ۴۸:۳۰) آپ نے فرمایا میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا یعنی میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوگا۔اس کا نام احمد ہوگا۔ اسمہٗ کے اوّل مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ثانیۂ آپ کے بروز جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔انجیل میں آپﷺ کا نام احمد تھا(یوحنا باب۱۴ آیت ۱۵تا۱۷) جس کا ترجمہ فارقلیط

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ

اس سے جو باندھ لیتا ہے اللہ پر جھوٹ اور وہ پکارا جاتا ہے اسلام کی طرف

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا

اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم ظالموں کو وہ چاہتے ہیں کہ بجھا ئیں

کیا گیا تاہم انجیل برنباس میں جس کا ایک نسخہ اب بھی آکسفورڈ میں موجود ہے آپ ﷺ کا نام محمد لکھا ہے۔انجیل برنباس کی پیشگوئیاں آنحضرت ﷺ کو نہایت واضح طور پر '' وہ نبی'' یعنی نبی آخرالزماں ثابت کرتی ہیں اور عیسائیت پر کاری ضرب لگاتی ہیں لہٰذا اس انجیل کو غیر معتبر کہہ کر نہایت ہوشیاری سے غائب کردیا گیا ہے۔حضرت موسیٰؑ جلالی صفات کے مظہر تھے انہوں نے آپ ﷺ کی پیشگوئی محمد کے طور پر فرمائی جو آپ کا ذاتی نام تھا۔حضرت عیسیٰ جمالی صفات کے مظہر تھے انہوں نے احمد کے طور پر آپ ﷺ کی پیشگوئی فرمائی جو آپ ﷺ کا صفاتی نام تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں صفات کے مظہر تھے جیسا کہ مکی دور میں آپ ﷺ کی جمالی صفات جلوہ گر تھیں اور مدنی دور میں جلالی۔

انجیل میں متعدد مقامات پر ایسی پیشگوئیاں ہیں جو صرف آپ ﷺ پر ہی صادق آتی ہیں۔ فرمایا! '' اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔''(یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰) '' مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے۔لیکن جب وہ سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا ۔اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ ۔۔۔۔۔(یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲،۱۵) مسیحؑ نے فرمایا میرا جانا بہتر ہے ۔میں جاؤں تو وہ آئے (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷) افسوس جب توریت و انجیل کا مصدق رسول روشن نشانوں کے ساتھ آیا تو اس کی تعلیم کو جادو قرار دیا گیا۔

۸۔ ظالموں نے اس پر بس نہیں کیا کہ آپ ﷺ کے دعویٰ رسالت کو فریب قرار دیا بلکہ جب آپ ﷺ کے بروز مسیح موعود و مہدی معہود آپ ﷺ کی فرمودہ ستر (۷۰) احادیث کے عین مطابق نزول فرما ہوئے تو آپ کے دعویٰ کو افتراء قرار دیا اور آپ کو اسلام کی طرف بلایا گویا آپ اسلام سے نکل گئے ہیں واپس اسلام لاؤ۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔'' آیت **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہٗ احمد** میں یہ اشارہ ہے کہ آخر زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مظہر ظاہر ہوگا۔۔۔۔۔۔اور وہ حضرت مسیحؑ کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائے گا۔

نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

نورِ الٰہی اپنے مونہوں سے اور اللہ پورا کرنیوالا ہے اپنے نور کو خواہ بُرا لگے

الْكٰفِرُوْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

کافروں کو وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا ع ۱/۱۰/۹

تاکہ غالب کرے اسکو تمام مذاہب پر خواہ ناپسند کریں مشرک اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ

لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں مطلع کروں تم کو ایک تجارت پر جو نجات دے تم کو

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۱)پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور مسلمانوں کے ایک فرقہ کو بزعم خود خارج از اسلام قرار دے۔ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

۹۔ظالموں کا ذکر جاری ہے اور یہ حالات مسیح موعودؑ کے زمانہ کے ہیں جب اسلام کا مقابلہ عیسائیت سے ہوگا اور عیسائی اسلام کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہوں گے۔ منہ کی پھونکوں سے مراد بحث مباحثہ کے علاوہ لاف و گزاف بکنا اور بیہودہ گوئی بھی ہے کہ جب دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو سب وشتم کا سہارا لیتے ہیں۔اس زمانہ میں پادریوں نے دین حق پر اور آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک پر جس قدر ہتک آمیز حملے کئے اور اب بھی جاری ہیں، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ان دنوں ناروے کے ایک اخبار اور یورپ کے بعض اخبارات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں توہین آمیز خاکے (کارٹون) شائع کرکے امت مسلمہ کے سینے چھلنی کردئے یہ سلسلہ جاری ہے اور برملا دعوے کئے جاتے ہیں کہ یہ دین ہمارے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکے گا ۔ بتلایا کہ اس دور میں مسیحی دلائل سے مقابلہ کرنے میں عاجز ٹھہریں گے جیسا کہ ثابت ہے کہ ہر علمی مقابلہ میں احمدیوں سے منہ کی کھائی اور اللہ کے نور کو بجھانے میں ناکام رہیں گے۔ اللہ اپنے نور کو ہر حال میں کمال تک پہنچا کے رہے گا اگرچہ کافر کیسا ہی ناپسند کریں۔

۱۰۔یہ کمال تک پہنچانا صرف تکمیل دین ہی نہیں بلکہ اسے تمام ادیان پر غالب کرنا ہے جیسا کہ اتمام نور کے لئے اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی قرآن پاک جو ہدایت کا سرچشمہ ہے اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے خواہ مشرک کیسا ہی بُرا منائیں۔ قرآن کریم نے عقیدہ تثلیث کی وجہ سے اکثر نصاریٰ کے لئے مشرکین کا لفظ استعمال کیا جبکہ یہود کے لئے فاسقین کا ۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو انشاء اللہ پورا ہوکر رہے گا۔ اس میں آپ ﷺ کے عالمی نبی ہونے کی بشارت ہے اور یہ کہ '' آپ تمام جہانوں میں ظاہر ہونے والے ہر دین کے پیروکار

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۱﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ
عذاب دردناک سے ایمان لاؤ اللہ پر اوراس کے رسول پر اور جہاد کرو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
راہ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
ہو تم جانتے وہ بخشے گا تمہیں گناہ تمہارے اور داخل کریگا تم کو بہشتوں میں

کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور ان پر غلبہ پائیں گے‘‘۔ (خلیفۃ المسیح الرابعؒ اردو ترجمہ قرآن کریم) حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ’’یہ قرآن شریف میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی نسبت علماء محققین کا اتفاق ہے کہ یہ مسیح موعود کے ہاتھ پر پوری ہوگی۔‘‘ (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۲) (تفسیر کے لئے مناھل العرفان جلد ۲۔سورۃ توبہ:۳۳)اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ادیانِ باطلہ پر دین کا کامل غلبہ مسیح کے وقت میں ہوگا جب صرف ایک ہی دین رہ جائے گا۔ (ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ ۵۳)

۱۱۔۱۲۔جب دنیا میں اسلام کے غلبہ کی پیشگوئی فرمائی تو اس کے حصول کا طریق بھی بتلایا اور ایک ایسی تجارت کی خبر دی جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات بخشے گی ۔اس آخری زمانہ میں جب دنیا کا مقصود محض دنیوی تجارتیں اور صحیح و غلط ذرائع سے مال سمیٹنا ہوگا اور وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو اسی مقصد پر لگائے ہوں گے اور اکثر اپنے ربّ کی یاد سے غافل ہوں گے۔دنیوی تجارت میں کبھی نفع اور کبھی نقصان ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں اپنے بندوں کو ایسی تجارت کی خبر دی جس میں نفع ہی نفع ہے نقصان کا احتمال ہرگز نہیں۔یہ تجارت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔یہ تمہارے لئے دنیوی تجارتوں سے بہت بہتر ہے۔کاش تم علم رکھتے۔ یہاں اقتصادی جدّ و جُہد سے نہیں روکا بلکہ اس منافع کا صحیح مصرف بتلایا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ ﷺ کے مخالفین نے تلوار سے اسلام کو مٹانا چاہا اس لئے جہاد بالسیف کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ کے بروز کامل کے زمانہ میں علوم کی بے انتہا ترقی ہوئی اور مسلسل ہو رہی ہے اس لئے اسلام کو مٹانے کے لئے تلوار سے نہیں بلکہ بیشتر حملے زبان اور قلم سے ہوئے زبان کے حملوں میں مخالفین نے تحریر و تقریر دونوں ذریعوں سے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی اور زِچ ہو کر ہرزہ گوئی پر اتر آئے (آیت :۹) قلم سے حملے یہ تھے کہ اسلام کے ردّ اور بانی اسلام کی توہین میں اتنا لٹریچر تیار ہوا کہ دفتروں کے دفتر سیاہ ہوئے اور اسے تمام دنیا میں پھیلایا گیا اور اسلام کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ ہوا کہ ’’قریباً ۳۰ لاکھ مسلمان مرتد ہوئے جن

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ
جاری ہوں گی جن کے نیچے نہریں اور رہنے کی جگہ پاکیزہ ہیں باغات عدن
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ
یہ ہے مراد پانا بڑا اور ایک اور ہے کہ چاہتے ہو تم جسکو وہ مدد خدا کی طرف سے
وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور فتح قریب ہے اور بشارت دے ایمان والوں کو اے لوگو جو ایمان لائے ہو

میں بعض معزز خاندانوں کے چشم و چراغ بھی تھے۔‘‘(الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳) (تفصیل کے لئے سورۃ روم:۴۰) پس یہ زمانہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا تھا جس کے لئے یضع الحرب کا حکم ہوا۔ (متفق علیہ ۔مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۷) اور یہ فرض آپ ﷺ کے ایک امتی کے سپرد ہوا جو آپ ﷺ ہی کی ظلیت کی چادر اوڑھ کر میدان میں اترا ہے۔اور اس پرآشوب زمانہ میں آپ ﷺ کے بروزِ کامل کے ذریعہ وہی آواز پھر فضا میں گونجی ہے اور سعید روحیں اس آواز کی طرف لبیک کہتے ہوئے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو اس راہ میں قربان کرنے کے لئے اڈھی چلی آرہی ہیں ۔بیشک آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دین کی تکمیل ہوئی لیکن اُس زمانہ میں ذرائع رسل و رسائل محدود تھے۔ دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا کام آپ ﷺ کے مہدی کے ذمہ تھا۔ آپ ﷺ کے مہدی اور اس کے جاں نثاروں نے اس جہاد کا حق خوب ادا کیا۔آج تمام دنیا میں صحیح اسلام کی تبلیغ اور رسول عربی کی توصیف میں بے شمار کتابیں، رسالے اور پمفلٹ تقسیم کئے جاچکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ مبلغین کی ایک معقول تعداد بندگان خدا کو راہ راست پرلانے کے لئے تمام دنیا میں سرگرم عمل ہے۔

۱۳۔ ایک دنیا دار کی نظر میں جان و مال کو جہاد میں جھونک دینا گھاٹے کا سودا تھا۔ یہاں بتلایا کہ تم ہرگز گھاٹے میں نہیں رہے ۔ان قربانیوں کا بدلہ یہ ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں اخروی لازوال نعمتوں سے نوازے گا تمہارا پروردگار تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ایسے پاکیزہ مسکن عطا فرمائے گا جو ابدی جنتوں میں ہیں۔یہ بہت بڑی کامیابی ہے گویا گناہوں کی بخشش اور جنت کی لازوال نعمتوں کا حصول ہی اصل کامیابی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جبکہ دنیوی نعماء کا ذکر بعد میں کیا۔

۱۴۔ بیشک اخروی نعمتوں کا حصول بہت بڑی بشارت ہے لیکن پروردگار مومنوں کو دنیوی طور پر بھی محروم نہیں رکھتا۔ فرمایا ان اخروی نعماء کے علاوہ ایک دوسری بشارت بھی ہے جو تمہیں بہت پیاری ہے یعنی اللہ کی طرف سے نصرت اور اس کے ذریعہ جلد ملنے والی فتح۔پس تو مومنوں کو

كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ

ہو جاؤ تم مدد دینے والے اللہ کیلئے جیسا کہ کہا عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں کو

مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ

کون مدد دینے والا ہے میرا خدا کے لیے کہا حواریوں نے ہم مدد دینے والے ہیں

اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ

خدا کیلئے پس ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا ایک گروہ نے

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۵﴾ ع ۲ ۵ ۱۰

پس تائید کی تھی ہم نے ان کی جو ایمان لائے تھے انکے دشمنوں کے مقابل تو ہو گئے وہ غالب

خوشخبری دیدے کہ یہ تمہارے لئے نقد انعام ہے۔اس میں اوّل بدر کی فتح اور پھر فتح مکہ مراد ہے۔ تاہم بعد میں ملنے والی بلاد فارس و روم کی فتوحات بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھیں۔چونکہ مسیح موعودؑ اور آپ کو ماننے والوں کا ذکر جاری تھا اس لئے یہ بشارتیں ظلی طور پر ان کے لئے بھی ہیں۔

۱۵۔اب انہی سے خطاب فرمایا اور مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کو ہی حکم ہے کہ اللہ کے انصار بن جاؤ۔’’حضرت عیسیٰؑ کے مذہب میں جہاد و قتال کا حکم نہیں تھا اس لئے مومنین کا قتال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے۔‘‘(روح المعانی) حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے حواریوں نے جنگ نہیں کی۔اس لئے انصار اللہ سے مراد اللہ کے دین کی نصرت بذریعہ جہاد نہیں بلکہ تبلیغ و اشاعت کے ذریعہ سے ہے۔جس طرح حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے حواری اپنے دین کو لے کر مختلف ممالک میں نکل گئے اسی طرح محمدی مسیح کے حواری بھی اشاعت اسلام کے لئے دنیا کے کناروں تک پہنچ چکے ہیں۔فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ماننے والے ہی اللہ کی مدد سے اپنے دشمنوں پر غالب آئے یہاں مسیح محمدی کو ماننے والوں کے لئے بھی بشارت ہے۔حضرت عیسیٰؑ کو ماننے والے عیسائی اور مسلمان ہی ہیں۔تاریخ عالم گواہ ہے کہ حکومت عیسائیوں کو ملی یا مسلمانوں کو۔آج اگر یہودی فلسطین کے ایک حصہ پر قابض ہوگئے ہیں تو یہ قرآن کریم اور گزشتہ صحائف کے مطابق ان کا عارضی قبضہ ہے اور بہت جلد ذلیل ہوکر نکالے جائیں گے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ جمعہ۔ یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

اس سورۃ کا دوسرا رکوع ابتدائی مدنی زمانہ میں نازل ہوا۔جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے چند روز بعد ہی جمعہ قائم فرمادیا تھا۔مفسرین کے نزدیک پہلے رکوع کا نزول ۷ ہجری ہے کیونکہ اس کے تعلق میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت احادیث میں بیان ہوئی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے ۷ ہجری کو اسلام قبول کیا۔

یہ سورۃ مسبّحات میں سے ہے۔(تشریح سورۃ الحدید:۲) **الجمع** کا لفظی معنی بھی جمع کرنا اور اکٹھا کرنا ہے جیسا کہ اس میں جمعہ کا ذکر ہے جس روز مسلمان نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ قرآن کریم اردو ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ گزشتہ سورۃ میں جن پیشگوئیوں کا ذکر تھا یہ سورۃ ان تمام کی جامع ہے اوراس میں آخرین کو اولین کے ساتھ جمع کیا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی اور جمالی صفات کے جلووں کو بھی جمع کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی فضیلت میں عاشقِ قرآن حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ’’ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس التزام اور اہتمام پر نظر کرکے (کہ آپ ﷺ نماز جمعہ کی پہلی رکعت اور جمعرات کو عشاء کی پہلی رکعت میں اس سورۃ کو پڑھا کرتے تھے) اس سورۃ شریف پر خاص غور کیا ہے۔یوں تو قرآن شریف میری غذا اور میری تسلی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور میں جب تک ہرروز اس کو کئی مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔ بچپن ہی سے میری طبیعت خدا نے قرآن شریف پر تدبر کرنے والی رکھی ہے اور میں ہمیشہ دیر تک قرآن شریف کے عجائبات اور بلند پروازیوں پر غور کیا کرتا ہوں۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قدر اہتمام اس کی تبلیغ میں کیا ہے اس نے مجھے اس سورۃ شریف میں بہت ہی زیادہ غور اور فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا اور میں نے دیکھا کہ اس سورۃ شریف میں قیامت تک کے عجائبات سے آگاہ کیا گیا ہے۔‘‘(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۸۲)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن اور رحیم ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

تسبیح کرتا ہے خدا کی جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے بادشاہ بہت پاک

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۲) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا

غالب باحکمت ہے وہی ہے جس نے بھیجا اُمّیوں میں رسول

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

انہی میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **یسبح** ۔وہ تسبیح کرتا ہے یا کرے گا۔ (تشریح۔سورۃ الصف:۲)

یسبح میں مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو دوام کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ! پہاڑ، دریا، درخت غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے ذکر میں مشغول نہیں اور اس کی اطاعت سے باہر ہے۔ایک پتہ بھی بجز اس کے امر کے گر نہیں سکتا۔ آسمان و زمین کا ذرہ ذرہ اور انسان اور حیوانات کے کل ذرات خدا کو پہچانتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی تحمید و تقدیس میں مشغول ہیں۔زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز تو شریعت کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے اور کوئی چیز قضاوقدر کے احکام کے تابع ہے اور کوئی دونوں کی اطاعت میں کمربستہ ہے۔اگر کوئی شخص الٰہی شریعت کے احکام کا سرکش ہے تو الٰہی قضا و قدر کے حکم سے فرار حاصل نہیں کرسکتا۔الٰہی قضا وقدر کے حکم کا تابع ضرور ہے ان دونوں حکومتوں سے باہر کوئی نہیں۔کسی نہ کسی آسمانی حکومت کا جوا ہر ایک کی گردن پر ہے۔(کشتی نوح صفحہ۲۹ ،۳۰ سے استفادہ کیا گیا) تسبیح اسی کو سزاوار ہے جو الملک القدوس ہے۔بادشاہ ایسا ہے جو پاک ہے دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں۔ وہ کامل غلبہ والا اور صاحبِ حکمت ہے۔ اس کے قول وفعل میں سراسر حکمت ہے۔

۳۔ **اُمیّن**۔ واحد اُمّی۔ ناخواندہ ۔ ان پڑھ۔

کائنات میں ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔توریت اور انجیل کی پیشگوئیوں کے عین مطابق

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳) وَّ

اور حکمت اور یقیناً تھے وہ پہلے اس سے البتہ گمراہی ظاہر میں اور

اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۴)

دوسرے لوگوں میں بھی جو ابھی نہیں ملے ان سے اور وہی ہے غالب حکمت والا

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

یہ فضل الٰہی ہے وہ دیتا ہے اس کو جسے چاہے اور اللہ فضل

الْعَظِيْمِ (۵) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

بڑے والا ہے حالت ان کی جو اٹھوائے گئے تورات پھر نہ اٹھایا انہوں نے اسکو

پروردگار عالم نے اس بطل جلیل کو بھیجا جس کی تسبیح کے مقابلہ میں ساری مخلوق کی تسبیح ماند پڑگئی اور جس نے اپنے ربّ کی تحمید و تقدیس کا حق ادا کردیا۔اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد و بارک وسلم۔

ربّ العزت نے جو الملک القدوس العزیز الحکیم ہے امیوں میں انہی میں سے ایک اُمّی کو چن لیا اور دنیا کا استاد بنادیا۔وہ امیوں میں پیدا ضرور ہوا لیکن کل عالم کا مزکی بن کر آیا۔ تزکیہ کا فعل اللہ تعالیٰ نے رسول کی طرف منسوب کیا۔آپ ﷺ میں تزکیہ نفس کی طاقت بدرجہ اتم تھی۔ فرمایا باوجود اُمّی ہونے کے وہ رسول ان پر خدا کی آیات پڑھتا ہے۔گویا آپ ﷺ کو خدا کے سوا کسی نے نہیں پڑھایا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔آپ ﷺ نے تلاوتِ آیات کے ساتھ ہی ان کا تزکیہ فرمایا پیشتر اس کے کہ انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا۔ پس تزکیہ کے بغیر کتاب اور حکمت سے کماحقہٗ استفادہ ممکن نہیں۔ظلل مبین میں بعثتِ رسول کے وقت عرب کی حالت بیان فرمائی جو **ظہر الفساد فی البر والبحر** کا نقشہ پیش کر رہی تھی (تفصیل روم:۴۲) اور قوم بحیثیت مجموعی اُمیّن میں شامل تھی۔یہ آپ ﷺ کی قوتِ قدسی کا ہی کمال تھا کہ اس انتہائی غیر مہذب اور اخلاق باختہ قوم میں (الا ماشاء اللہ) ایک مزکی گروہ پیدا ہوا جس نے آپ ﷺ سے کتاب کے علوم سیکھے، آپ ﷺ کی سنت کی پیروی میں ان احکام پر عمل کرکے دکھایا اور حکمت کے باریک رموز سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر یہ مزکی گروہ کتاب اور حکمت سے بندگانِ خدا کو مستفیض کرنے کے لئے تمام دنیا میں پھیل گیا اور ایک عالم کی ہدایت کا موجب ہوا۔

۴۔ ۵۔اس آخری زمانہ میں جب **ظہر الفساد فی البر والبحر** والے حالات پھر پیدا ہوئے۔(تشریح سورۃ روم:۴۲) اور بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ''تیرہ سو سال گزرنے کے بعد

اسلام کی حالت پر امیّت غالب ہوگئی اور اخلاقی اور ایمانی اور عملی قوتیں کمزور اور مردہ ہوگئیں اور قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ نہ رہی۔'' (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۱۲۵) ایسے میں مسلمانوں کی زبوں حالی پکارپکار کرایک مصلح کی ضرورت کا اعلان کررہی تھی جو اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بادمخالف کی موجوں سے بچا کر کنارے پرلگائے۔حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔جب آپ ﷺ نے **اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم** پڑھی کہ کچھ لوگ بعد میں آنے والے بھی ان صحابہ میں شامل ہوں گے جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے اور آپ ﷺ ان کے بھی مزکی ہوں گے تو ایک آدمی نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں جو درجہ تو صحابہ کا رکھتے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔آپ ﷺ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔اس آدمی نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔راوی کہتا ہے حضرت سلمان فارسیؓ ہم میں بیٹھے تھے۔آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا! اگر ایمان ثریا پر بھی پہنچ گیا تو ان لوگوں میں سے ایک مرد یا بعض مرد ہوں گے جو اسے واپس لائیں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعۃ ومسلم) یہاں صاف بتلایا کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح صحابہ کی تربیت فرمائی اسی طرح ایک گروہ کی باطنی طور پر تربیت فرمائیں گے، گویا وہ صحابہ کے ہم رنگ ہوں گے۔

غرض اس آخری زمانہ میں جب ایمان دلوں سے نکل چکا تھا الّا ماشاء اللہ، آپ ﷺ کی قوت قدسیہ نے جوش مارا اور فارسی الاصل اسلام کا ایک جری پہلوان حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات سے نبی کریم ﷺ کی ظلیت کا لبادہ اوڑھ کر آپ ﷺ کی بیان فرمودہ ۷۰ احادیث کے عین مطابق گم گشتۂ راہ بندگانِ خدا کو قرآن کریم کی آیات سنانے آیا۔یہ اس قرآن کی آیات ہیں جس کے ماننے والوں کا ایمان ثریا پر پہنچ چکا تھا اور جسے ثریا سے اتارنے کا فرض آپ ﷺ کے اس خادم کے سپرد ہوا۔ آپ نے انہیں قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں جن کی روح سے وہ غافل ہوچکے تھے۔ان کے نفسوں کو اخلاق رزیلہ سے پاک کیا۔ انہیں تاریکی اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ایک بار پھر کتاب وحکمت کے نور سے منور کیا اور صحابہ سے ملادیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں آپ ﷺ اپنے بروز کے ذریعہ دوبارہ ظاہر ہوئے گویا اس کا آنا آپ ﷺ کا ہی آنا ہے۔فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ آپ ﷺ کو ایسا اعزاز بخشا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔یعنی آپ ﷺ کی نبوت کا

دور قیامت تک چلے گا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اور آپ ﷺ کے فیض جاریہ سے آخرین تک پہنچا۔ بیشک نبوت کا دروازہ بند ہے لیکن آپ ﷺ کی غلامی میں ظلی نبوت جاری ہے۔پس ضروری ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ''وقتاً فوقتاً رسول آویں جن میں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی جاتی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہیں۔'' (شہادت القرآن صفحہ ۴۲) غرض ''سچی توبہ کے لئے ایک کامل الایمان مزکی اور مطہر کی ضرورت ہے جو اپنی قدسی قوت کے اثر سے دلوں کے زنگ دور کرے۔ بدوں مزکی کے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۹۹) ظہور مسیح پر اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کتاب کی موجودگی میں معلم کی کیا ضرورت؟ یہاں خوب کھول کر بتادیا کہ جب ایمان ثریا پر چلا جائے گا اس وقت کتاب تو موجود ہوگی مگر دل ایمان سے خالی ہوں گے۔پھر خدا کا ایک فرستادہ ہی اسے اتار کر لائے گا اور دوبارہ دلوں میں داخل کرے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن نہ آنحضرت ﷺ کے بدوں سمجھ آیا نہ آج ایک معلم ومزکی کے بغیر سمجھ آسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو بطور خاص قرآن کریم کے حقائق و معارف سکھائے اور کوئی آپ کا مقابلہ نہ کرسکا۔ رہا شناخت کا معاملہ کہ آنے والا مسیح یہی ہے یا کوئی دوسرا۔ اس کے لئے وہ ۷۰ احادیث کافی ہیں جو آپ کی صداقت کی گواہی دیتی ہیں۔ تاہم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے کسی مامور کی شناخت کا نہایت آسان طریق بتلایا۔آپ فرماتے ہیں۔'' راستباز ہمیشہ ایک ہی معیار پر پرکھے جاتے ہیں۔ان میں کوئی نرالی اور نئی بات نہیں ہوتی ہمارے ہادی کامل فخر بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد الٰہی یوں ہوا! **قل ما کنتُ بِدعًا من الرُسُل** کہہ دے میں کوئی نیا رسول دنیا میں نہیں آیا۔دنیا میں مجھ سے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں۔تم نے اگر کسی کو راست باز اور صادق مانا ہے تو جس قاعدہ اور معیار سے مانا ہے تو وہی قاعدہ اور معیار میرے لئے بس ہے۔(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۹۴) نیز تائیدات آسمانی آپ کی تصدیق کرتی ہیں جیسے کسوف وخسوف اور ستارہ ذوالسنین وغیرہ نیز متعدد دیگر نشاناتِ ارضی آپ کی صداقت پر گواہ ہیں۔ جیسے شدید طاعون اور زلزلے وغیرہ۔ غلام احمد قادیانی کے حروف کے اعداد ۳۰۰۰ ہیں۔**واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم** کے تمام حروف کے اعداد ۱۲۷۵ ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اسلام کی حالت پر امیّت غالب ہوگئی اور اخلاقی اور ایمانی اور عملی قوتیں کمزور اور مردہ ہوگئیں اور قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ نہ رہی۔'' (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۱۲۵) ایسے میں مسلمانوں کی زبوں حالی پکار پکار کر ایک مصلح کی ضرورت کا اعلان کررہی تھی جو اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بادمخالف کی موجوں سے بچا کر کنارے پر لگائے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپ ﷺ نے **اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم** پڑھی کہ کچھ لوگ بعد میں آنے والے بھی ان صحابہ میں شامل ہوں گے جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے اور آپ ﷺ ان کے بھی مزکی ہوں گے تو ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں جو درجہ تو صحابہ کا رکھتے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس آدمی نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔ راوی کہتا ہے حضرت سلمان فارسیؓ ہم میں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا! اگر ایمان ثریا پر بھی پہنچ گیا تو ان لوگوں میں سے ایک مرد یا بعض مرد ہوں گے جو اسے واپس لائیں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعۃ و مسلم) یہاں صاف بتلایا کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح صحابہ کی تربیت فرمائی اسی طرح ایک گروہ کی باطنی طور پر تربیت فرمائیں گے، گویا وہ صحابہ کے ہم رنگ ہوں گے۔

غرض اس آخری زمانہ میں جب ایمان دلوں سے نکل چکا تھا الّا ماشاء اللہ، آپ ﷺ کی قوت قدسیہ نے جوش مارا اور فارسی الاصل اسلام کا ایک جری پہلوان حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات سے نبی کریم ﷺ کی ظلیت کا لبادہ اوڑھ کر آپ ﷺ کی بیان فرمودہ ۷۰ احادیث کے عین مطابق گم گشتۂ راہ بندگانِ خدا کو قرآن کریم کی آیات سنانے آیا۔ یہ اس قرآن کی آیات ہیں جس کے ماننے والوں کا ایمان ثریا پر پہنچ چکا تھا اور جسے ثریا سے اتارنے کا فرض آپ ﷺ کے اس خادم کے سپرد ہوا۔ آپ نے انہیں قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں جن کی روح سے وہ غافل ہوچکے تھے۔ ان کے نفسوں کو اخلاق رذیلہ سے پاک کیا۔ انہیں تاریکی اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ایک بار پھر کتاب و حکمت کے نور سے منور کیا اور صحابہ سے ملا دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں آپ ﷺ اپنے بروز کے ذریعہ دوبارہ ظاہر ہوئے گویا اس کا آنا آپ ﷺ کا ہی آنا ہے۔ فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ آپ ﷺ کو ایسا اعزاز بخشا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ یعنی آپ ﷺ کی نبوت کا

دور قیامت تک چلے گا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اور آپ ﷺ کے فیض جاریہ سے آخرین تک پہنچا۔ بیشک نبوت کا دروازہ بند ہے لیکن آپ ﷺ کی غلامی میں ظلی نبوت جاری ہے۔ پس ضروری ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں'' وقتاً فوقتاً رسول آویں جن میں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی جاتی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہیں۔'' (شہادت القرآن صفحہ ۴۲) غرض'' سچی توبہ کے لئے ایک کامل الایمان مزکی اور مطہر کی ضرورت ہے جو اپنی قدسی قوت کے اثر سے دلوں کے زنگ دور کرے۔ بدوں مزکی کے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۹۹) ظہور مسیح پر اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کتاب کی موجودگی میں معلم کی کیا ضرورت؟ یہاں خوب کھول کر بتادیا کہ جب ایمان ثریا پر چلا جائے گا اس وقت کتاب تو موجود ہوگی مگر دل ایمان سے خالی ہوں گے۔ پھر خدا کا ایک فرستادہ ہی اسے اتار کر لائے گا اور دوبارہ دلوں میں داخل کرے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن نہ آنحضرت ﷺ کے بدوں سمجھ آیا نہ آج ایک معلم ومزکی کے بغیر سمجھ آسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو بطور خاص قرآن کریم کے حقائق و معارف سکھائے اور کوئی آپ کا مقابلہ نہ کرسکا۔ رہا شناخت کا معاملہ کہ آنے والا مسیح یہی ہے یا کوئی دوسرا۔ اس کے لئے وہ ۷۰ احادیث کافی ہیں جو آپ کی صداقت کی گواہی دیتی ہیں۔ تاہم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے کسی مامور کی شناخت کا نہایت آسان طریق بتلایا۔ آپ فرماتے ہیں۔'' راستباز ہمیشہ ایک ہی معیار پر پرکھے جاتے ہیں۔ ان میں کوئی نرالی اور نئی بات نہیں ہوتی ہمارے ہادی کامل فخر بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد الٰہی یوں ہوا! **قل ما کنتُ بدعًا من الرُسُل** کہہ دے میں کوئی نیا رسول دنیا میں نہیں آیا۔ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں۔ تم نے اگر کسی کو راستباز اور صادق مانا ہے تو جس قاعدہ اور معیار سے مانا ہے تو وہی قاعدہ اور معیار میرے لئے بس ہے۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۹۴) نیز تائیدات آسمانی آپ کی تصدیق کرتی ہیں جیسے کسوف وخسوف اور ستارہ ذوالسنین وغیرہ نیز متعدد دیگر نشاناتِ ارضی آپ کی صداقت پر گواہ ہیں۔ جیسے شدید طاعون اور زلزلے وغیرہ۔ غلام احمد قادیانی کے حروف کے اعداد ۳۰۰۰ ہیں۔ **واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم** کے تمام حروف کے اعداد ۱۲۷۵ ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔

افسوس نام نہاد علماء نے آپ پر کفر کے فتوے لگائے۔'' بیہقی نے ایک حدیث لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مولوی اور فتوے دینے والے ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہوں گے۔ حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ درحقیقت مہدی اللہ پر کفر کا فتویٰ دینے والے یہی لوگ ہوں گے۔ (تفسیر بیان فرمودہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام جلد چہارم تفسیر زیر آیت ھٰذا)

حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کی اصل غرض اسلام کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنا، اس میں شامل غیر اسلامی رسوم اور بدعتوں سے پاک کرنا تھا۔ بیشک تکمیل ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل فرمادی تھی لیکن اس وقت آدھی دنیا پردے میں تھی۔ ذرائع رسل و رسائل محدود تھے لہٰذا تکمیل اشاعت دین کے لئے مہدی مامور ہوا۔ جس نے اسلام کے اصل چہرے سے دنیا کو متعارف کروایا اور مزکیوں کی ایک جماعت قائم کردی جو بفضل تعالیٰ کتاب و حکمت کی تعلیم سے آراستہ ہے اور اس تعلیم کو لے کر دنیا کے کناروں تک پھیل چکی ہے۔ آپ کے ظہور کی دوسری غرض یکسر الصلیب تھی۔ سورۃ روم :۴۲ میں ان حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ظہور مسیح سے پہلے تھے۔ عیسائی اسلام کو مٹانے کے درپے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ افسوس ''مسلمانوں نے اپنے عقائد میں ان امور کو داخل کرلیا جو عیسائیت کی تقویت کا موجب اور باعث بنے۔'' (الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۹، ۱۰) عیسائی پادری یہ کہہ کر مسلمانوں کو لاجواب کر دیتے کہ تمہارا رسول زیر زمین دفن ہے جبکہ مسیح زندہ ہے اور آسمان پر اللہ کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہے جب محمد کی امت بگڑ جائے گی تو ہمارا عیسیٰ ان کی اصلاح کے لئے آسمان سے اترے گا۔ اب بتلاؤ کہ بعد میں آنے والا آخری ہے یا جو پہلے وفات پاچکا اور جس کی امت عیسیٰ کی ہدایت کی محتاج ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تقریروں، مباحثوں اور اپنی بے شمار تصانیف میں عیسیٰؑ کی موت کو ثابت کیا اور ان کے پادریوں کو لاجواب کیا اور اسلام پر ان کے حملوں کو روکا۔ یہ جنگ ہنوز جاری ہے۔ آپ نے دلائل مبینہ سے ثابت کیا کہ عیسیٰؑ کی موت میں ہی اسلام کی زندگی ہے جبتک وہ نہیں مرے گا اسلام زندہ نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد چہارم، حقائق الفرقان از حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جلد چہارم تفسیر زیر آیت ھٰذا سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

مانند مثال گدھے کے ہے جو اٹھاتا ہے کتابوں کو بُری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦ قُلْ

جھٹلایا آیات الٰہی کو اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم ظالموں کو کہہ

۶۔ اسفارًا۔ سِفر کی جمع ہے۔ بڑی کتاب۔

اس رکوع کے آخر تک یہود کے ذکر میں آخری زمانہ کے مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے (تشریح سورۃ ھود :۱۰۷) فرمایا جن لوگوں پر توریت کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی انہوں نے اسے اٹھائے نہ رکھا جیسا کہ اٹھانے کا حق تھا یعنی اس کے احکام کی پرواہ کی اور نہ اس پر عمل کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ تو اٹھاتا ہے لیکن ان کتابوں کی افادیت سے بے بہرہ ہے۔ گدھے کو تو قطعاً علم نہیں ہوتا کہ اس پر کیا لدا ہے۔ جبکہ حامل توریت اس کو پڑھتے تھے اس کے احکام سے واقف تھے اور ان پیشگوئیوں کو جانتے تھے جو آنحضرت ﷺ کے حق میں تھیں اور آپ ﷺ کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آتی تھیں پھر بھی انکار کررہے تھے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے سے پہلی اقوام کی اس طرح پیروی کروگے جس طرح ایک بالشت دوسری بالشت کی اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی طرح ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی ایسا ہی کروگے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی مراد یہود و نصاریٰ سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور کس سے۔ (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم) پس مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اس آیت کے مصداق مسلمان علماء سوء ہوں گے جن کی مثال اور بھی بُری ہوگی جو قرآن کریم کو پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی قرآن کریم کے حقائق و معارف سے بے بہرہ ہوں گے اور ۷۰ احادیث کو مسیح موعودؑ پر پورا ہوتا دیکھنے کے باوجود عوام کو دھوکے میں رکھیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ''قرآن کا علم قرآن شریف پر تدبر کرنے سے آتا ہے اور اس کے ساتھ تقویٰ کی بھی شرط ہے۔۔۔۔۔ یہ علوم جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں درس و تدریس سے آہی نہیں سکتے بلکہ وہ تقویٰ اور محض تقویٰ سے ملتے ہیں۔ (الحکم ۱۰ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ
اے لوگو جو یہودی ہوئے ہو اگر دعوے کرتے ہو تم یہ کہ تم دوست ہو اللہ کے

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
سوائے لوگوں کے تو آرزو کرو تم موت کی اگر ہو تم سچے

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
اور نہ آرزو کریں گے وہ اس کی کبھی بھی بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ہے ان کے ہاتھوں نے اور اللہ

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ
جانتا ہے ظالموں کو کہہ یقیناً موت ہے وہ کہ بھاگتے ہو تم

۷۔۸۔ یہودی من حیث القوم بزدل واقع ہوئے ہیں ۔ یہ پیٹھ پیچھے تو چھرا گھونپ سکتے ہیں مگر دو بدو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مدینہ میں یہود کے تین طاقتور قبیلے مسلمانوں سے مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے اور ذلیل و خوار ہو کر نکلے۔

دینی لحاظ سے بھی یہود کی حالت ابتر تھی۔ خدا کی کتاب کے احکام کو پس پشت ڈالا ہوا تھا اور دنیا کمانے میں غرق تھے۔ اس کے باوجود خود کو تمام اقوام سے برتر اور اللہ کا دوست قرار دیتے تھے ۔ تمام بداعمالیوں کے باوجود اپنے سوا کسی کو جنت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے ۔ جب مخالفت رسول میں حد سے بڑھ گئے تو قرآن کریم نے اس آیت میں انہیں مباہلہ کا چیلنج دیا یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے اور تم خدا کے خاص اور پیارے ہو اور یہ رسول جھوٹا ہے تو موت کی تمنا کرو ۔فرمایا ان کے علماء مباہلہ کی جرأت ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ جانتے ہیں کہ توریت کے مطابق یہ رسول سچا ہے اگر مباہلہ کیا تو موت سے بچ نہیں سکیں گے۔ وہ اپنے ان کرتوت سے بھی واقف تھے جو اپنے ربّ کے احکام کی خلاف ورزی میں کرتے رہے۔ اس طرح نجران کے عیسائی بھی مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔(تفصیل ۶۲:۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز حضرت مسیح موعودؑ نے بھی آخری فیصلہ کے طور پر اس زمانہ کے علماء اور سجادہ نشینوں کو دعوت مباہلہ دی کہ اگر میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو میری موت کی دعا کرو اور ہر کوشش کر گزرو پھر دیکھو یہ بددعا کس پر الٹ پڑتی ہے۔ان میں سے اکثر نے مباہلہ قبول نہ کیا کیونکہ جانتے تھے کہ یہ سچا ہے اور مباہلہ میں ہماری موت ہے۔جنہوں نے قبول کیا اور آپ کی موت کی دعائیں کیں وہ اس معینہ عرصہ میں خود موت کا شکار ہوگئے۔ جیسے لیکھرام پشاوری اور ڈاکٹر مارٹن ڈوئی امریکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے مباہلہ کے چیلنج میں جن دونے واضح طور پر قبول کیا وہ مارے گئے۔ جنہوں نے چیلنج

مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ
جس سے پس یقیناً وہ ملنے والی ہے تم سے پھر لوٹائے جاؤ گے تم طرف جاننے والے غیب

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا ع ۱ / ۱۱
اور ظاہر کے پھر وہ جتا دیگا تم کو اسکے متعلق جو تھے تم کرتے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ
لوگو جو ایمان لائے ہو جبکہ پکارا جائے نماز کے لیے دن جمعہ کے

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
تو جلدی جاؤ طرف ذکر اللہ کے اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے لیے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا
اگر ہو تم جانتے پس جب تمام کی جائے نماز تو پھیل جاؤ

قبول نہ کیا وہ بچ گئے۔(تفصیل ۶۲:۳) جنرل ضیاء الحق کو خلیفۃ المسیح الرابع نے ۱۲ اگست ۱۹۸۸ء بروز جمعہ فرمایا '' تو اقرار کرے یا نہ کرے خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتا ''۔چنانچہ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء بروز بدھ صبح کو جہاز کے حادثہ میں اپنے انجام کو پہنچا۔

۹۔فرمایا اگر مباہلہ سے فرار اختیار کر کے تم اس وقت موت سے بچ گئے ہو تو آخر کب تک؟ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور آ پکڑے گی اور تم اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکو گے۔ پھر تم غیب اور حاضر کا علم رکھنے والے علّام الغیوب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ چونکہ موت حتمی ہے اس لئے ہمیں اپنے بچاؤ کی تدبیر نہیں کرنی چاہیئے۔احادیث میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار کے پاس سے گزرے جہاں کچھ پتھر گرنے کو تھے۔ آپ ﷺ بھاگ کر آگے نکل گئے۔ کسی نے کہا **اَتفرمن قضاء اللّٰہ** کیا آپ ﷺ اللہ کی قضا سے بھاگتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا **اَفرُ قضاء اللّٰہ الی قدراللّٰہ**۔ میں اللہ کی قضاء سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔ قدر میں تقدیر کا توڑ ہے ۔گویا اللہ کی قضاء ٹل بھی سکتی ہے۔

۱۰۔ **فاسعوا۔ السّعیٰ** تیز چلنا۔ دوڑنا۔ کوشش کرنا۔ اس رکوع میں جمعہ کے احکام بیان فرمائے ہیں ۔

بیشک اس آیت کے اوّل مخاطب آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مومن تھے پھر قیامت تک

آنے والے مومنین ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۲۲، ۲۳ میں فرماتے ہیں کہ **اٰخرین منهم لمایلحقوابهم** کے مصداق گروہ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے اور یہ مسیح موعودؑ اور مہدی معہود کا زمانہ ہے۔ گویا خاص طور پر آپ ہی کی جماعت مخاطب ہے ۔**من یوم الجمعة** کہا یعنی جمعہ کے دن کے ایک حصہ میں تمہیں نماز کے لئے بلایاجائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی کرتے ہوئے بڑھا کرو۔یہود کی طرح پورا دن کاروبار چھوڑنے کا حکم نہیں۔**فاسعوا** میں پروقار طریق سے تیز چلنا مراد ہے۔حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہوتو اس کی طرف سکون و وقار کے ساتھ چل کر آؤ۔ بھاگتے ہوئے نہ آؤ، پھر جتنی نماز مل جائے اس میں شامل ہوجاؤ اور جتنی چھوٹ جائے اسے بعدمیں پوری کرلو۔(صحاح ستہ) (یعنی جتنی رکعتیں چھوٹی ہیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسی ترتیب سے ادا کرو) بیع کے لفظ میں دجال کی طرف بھی اشارہ ہے۔دجال کے لفظی معنی لغت میں اس گروہ کے ہیں جو مال تجارت لئے پھرے گا۔جمعہ کے وقت بیع کو چھوڑنے کا حکم دیا گویا دیگر مصروفیات کی نسبت تجارت کو چھوڑنا زیادہ قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔اگر تم علم رکھتے ہوتو اپنی تجارتوں اور دیگر اہم امور کو چھوڑ کر جمعہ کے لئے چلے آنا تمہارے لئے نہ صرف روحانی طور پر بلکہ دنیوی طور پر بھی بہت بہتر ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربانی کرنے والوں پر خواہ وقت کی ہو یا مال و جان اور اولاد کی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خاص برکتیں نازل فرماتا ہے۔احادیث میں جمعہ کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ایک جمعہ میں فرمایا۔اے مسلمانو! اس دن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عید بنایا ہے۔اس روز نہایا کرو اور مسواک ضرور کیا کرو۔(یعنی نہادھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر عید کی سی خوشی مناؤ اور اللہ کی عبادت کے لئے جمع ہوجاؤ)۔(المعجم الصغیر اللطبرانی۔ باب الجاء من اسمه الحسن) حضرت فاکہؓ جو آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے، بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن، عرفہ کے دن (۹ ذوالحجہ) عیدالفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ضرور نہاتے۔(مسنداحمد حدیث الفاکۃ بن سعدؓ صفحہ ۴/۷۸) حضرت اوس بن اوسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔دنوں میں سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے۔اس دن مجھ پر بہت درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن تمہارا یہ درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! ہمارا درود آپ ﷺ کے سامنے کیونکر پیش کیاجائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہوگئے ہوں گے۔ فرمایا! اللہ نے زمین کے لئے یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الجمعة) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۱۲۴ میں فرماتے ہیں کہ ایک اور عظیم الشان بات ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لیا کرو اور نہیں تو کم از کم پہلی اور آخری دس آیتیں ہی پڑھ لیا کرو۔(تفسیر سورۃ کہف) فرمایا اس جمعہ میں بہت درود شریف پڑھنے کا ارشاد ہوا کم از کم سو بار جمعہ کی رات اور دن کو۔(حصن حصین) آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جس نے جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجا وہ قیامت کے دن عظیم الشان نور کے ہالہ میں ہوگا۔(کنزالعمال) حضرت عامر بن لُدین اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کا دن تمہارے لئے عید کا دن ہے اس لئے اس دن روزہ نہ رکھا کرو سوائے اس کے کہ جمعہ کے ساتھ اس کا پہلا یا بعد کا دن ملالو۔(الترغیب والترھیب ماجاء فی النھی عن تخصیص الجمعة بالصوم صفحہ ۲/۲۵۰) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جمعہ کے روز ملائکہ ہر آنے والے کا نام اس کی آمد کی ترتیب کے ساتھ لکھتے جاتے ہیں جب امام خطبہ دینے کے لئے نکلتا ہے تو وہ نام لکھنے بند کردیتے ہیں اور ذکر (خطبہ) سننے میں لگ جاتے ہیں۔(بخاری و مسلم) حضرت ابوجعد ضمریؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تین جمعوں کو سستی کی وجہ سے چھوڑدے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (ابوداؤد ۔ترمذی۔ نسائی۔ابن ماجہ۔دارمی) حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص خطبے کے وقت بات کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوتی ہیں اور جو شخص کسی سے کہے خاموش رہ ۔ اس کا جمعہ نہیں۔(احمد) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تلاش کرو اس نیک گھڑی کو جس میں دعا کی قبولیت کی امید ہے۔جمعہ کے دن عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک (اور وہ گھڑی بہت مختصر ہے) (ترمذی) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔(مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی) حضرت انسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب جمعہ کا دن سلامتی (عمدگی) سے گزر گیا تو گویا (ہفتے کے سارے دن) سلامتی سے گزر گئے۔جب ماہ رمضان سلامتی سے گزرگیا تو گویا سارا سال سلامتی سے گزرگیا۔ (غنیۃ الطالبین۔ الجامع الصغیر) غرض درود شریف قلب و روح کی صفائی ہے۔اس سے قلب منور ہوتا ہے۔ اسے احترام اور محبت سے لبریز جذبات سے پڑھنا چاہیئے عقیدت و احترام کے ساتھ درود پڑھنے سے سرورِ دوجہان، آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خصوصی تعلق قائم ہوجاتا ہے۔

فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ
زمین میں اور چاہو فضل الٰہی سے اور یاد کرو اللہ کو

کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَہۡوَا
بہت تاکہ تم فلاح پاؤ اور جبکہ وہ دیکھتے ہیں تجارت یا تماشہ

ۣانۡفَضُّوۡۤا اِلَیۡہَا وَتَرَکُوۡکَ قَآئِمًا ؕ قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ
دوڑے جاتے ہیں اسکی طرف اور چھوڑ جاتے ہیں تجھکو کھڑا کہہ جو پاس اللہ کے ہے بہتر ہے

۱۱۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ راتوں میں بندوں کی دعا مستجاب و قبول ہوتی ہے۔ شب جمعہ۔ شب عید الفطر۔ شب عیدالاضحیٰ۔ یکم رجب المرجب اور شب برات۔ اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ اور دیگر عبادات کی ادائیگی کے لئے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ تمہیں اختیار ہے کہ جب ان سے فارغ ہوجاؤ تو اپنے کاروبار میں مصروف ہوجاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ فضل میں زیادتی کا مفہوم ہے۔ اللہ کے دیگر انعامات کے علاوہ عام طور پر رزق اور دنیوی فوائد کے لئے آتا ہے۔ پس فضل کو پانے کا گر یہی ہے کہ اللہ کو بہت یاد کرو۔ جمعہ کے ساتھ ہی ذکر الٰہی کا حکم دیا کہ جمعہ ادا کرنے کے بعد اور بھی ذکر کرو۔ (واذکروا اللہ کثیرا کی تشریح کے لئے سورۃ رحمٰن :۱۴) گویا دنیا کے کاروبار کی مصروفیات تمہیں اپنے ربّ کی یاد سے غافل نہ کردیں بلکہ دست بہ کار اور دل بہ یار والا معاملہ ہو۔ اس کا طریق یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ کی رضا مقدم رکھے اور ہر دم نظر رہے کہ میری کوئی حرکت میرے مولیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ جب یہ بات مدنظر ہو تو ہر فعل خواہ تجارت سے تعلق رکھتا ہو، معاشرت سے یا حکومت سے عبادت شمار ہوگا۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اگر امر الٰہی کے نیچے ہو تو عبادت ہے۔ یہ اصل ہے جو ساری فتح مندیوں کی کلید ہے۔ (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳ تا ۶ سے استفادہ کیا گیا)

۱۲۔ **واذا** مستقبل کے لئے بھی آتا ہے۔ یہ آئندہ کے لئے پیشگوئی ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ جب مسلمان کہلانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم کو چھوڑ کر دنیا پر ٹوٹ پڑیں گے گویا آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیں گے اور بعض لغویات اور تجارتی مفاد کو اللہ اور رسول پر ترجیح دیں گے۔ جیسا کہ آج کل نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے بھی مسلمانوں کی بہت کم تعداد حاضر ہوتی ہے۔ مسلم کتاب الجمعہ میں اس کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ تجارت کرتے تھے لیکن اللہ کے کسی حق کی ادائیگی کا وقت آجاتا تو کوئی تجارت یا خرید و فروخت

مِّنَ اللَّہۡوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲/۱۴ ۱۲
تماشے اور تجارت سے اور اللہ بہتر ہے رزق دینے والا

ان کو قطعاً اللہ کے ذکر سے نہ روک سکتی۔ وہ اللہ کے حق کو ادا کرتے تھے اور کوئی تجارتی قافلہ وغیرہ آتا تو قطعاً پرواہ نہ ہوتی بلکہ آپ ﷺ کے گرد جمع رہتے۔ جمعہ کے علاوہ بھی حضور ﷺ بلاتے تو صحابہ بھاگتے ہوئے جاتے۔ جمعہ حضور ﷺ کی امامت میں ہوتا تھا صحابہ ہرگز آپ ﷺ کو چھوڑ کر نہ جاتے۔ جمعہ کے بعد کاروبار کے دوران بھی ذکر الٰہی کثرت سے کرتے۔ کبھی مسجد نبوی میں ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔ ایک مومن تو تجارت کے لئے بھی آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا چہ جائیکہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر کسی کھیل تماشہ کی طرف بھاگے۔ عین ممکن ہے کہ کسی منافق سے یہ قبیح حرکت سرزد ہوئی ہو۔ جیسا کہ اگلی سورۃ میں ایسے ہی منافقوں کا ذکر ہے۔

فرمایا **اللّٰہ خیر الرازقین** ہے۔ نماز جمعہ کی ادائیگی یا دیگر دینی مصروفیات کی وجہ سے یہ مت خیال کرو کہ تم خسارے میں رہو گے۔ اللہ کے خزانوں میں تو کسی چیز کی کمی نہیں۔ جب انسان دین کو دنیا پر مقدم کرلیتا ہے اور اپنے ربّ کی رضا کی خاطر قربانی کرتا ہے تو اس کا ربّ اسے بہت بڑھ کر عطا کرتا ہے۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ اِثْنَتَا عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّرُکُوْعَانِ

سورۃ منافقون۔ یہ سورۃ مدنی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

اس سورۃ کا اصل موضوع منافقین ہیں جو ہجرت مدینہ کے بعد ہمیشہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے غزوہ المصطلق ۶ھ میں ہوا۔ اس سورت میں اس خاص واقعہ کا ذکر ہے جو غزوہ المصطلق سے واپسی پر پیش آیا اور دورانِ سفر یا مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد اس سورۃ کا نزول ہوا۔ منافقین کا سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ جس کا ذکر اس سورۃ میں ہے۔ اس واقعہ کو بخاری مسلم اور دیگر مستند احادیث نے بکثرت سندوں سے نقل کیا ہے۔ ایک منافق، کافر سے بھی زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ کافر اسلام کی حقیقت اور بانیٔ اسلام کے مقام سے بے خبر ہوتا ہے جبکہ منافق سب کچھ جاننے کے باوجود منافقت کرتا ہے۔ شروع قرآن میں بھی کافروں کے لئے عذاب عظیم اور منافقین کے لئے عذاب الیم کا ذکر فرمایا۔ (۲:۸ تا ۱۱) تاہم منافقین کے لئے کسی دنیوی سزا کا ذکر نہیں ملتا۔ حضرت عتبہ بن سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کے درجات بیان فرمائے۔ آخر میں فرمایا! تیسرا شخص وہ منافق ہے جس نے اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا۔ جب دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا، لڑا اور خوب لڑا، یہانتک کہ مارا گیا۔ یہ شخص دوزخ میں جائے گا اس لئے کہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی گویا **الاعمال بالنیات**۔ (دارمی)

سورۃ حشر اور خاص طور پر اس کے دیباچہ میں یہود و منافقین کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ (استفادہ فرمایئے) منافقین کا تاریخی پس منظر مختصر طور پر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے قبل مدینہ کے دونوں قبائل اوس اور خزرج آپس کی خانہ جنگیوں سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان جنگوں میں سوائے جان و مال کے ضیاع کے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ قبیلہ خزرج کے ایک رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت پر متفق ہو چکے تھے جس کی بزرگی کے دونوں قبیلے معترف تھے اور اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے والے تھے۔ اس دوران اسلام کی تبلیغ مدینہ پہنچی اور ان قبیلوں کے معزز افراد اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ بیعت عقبٰی ثانیہ کے موقع پر دونوں قبائل کے ۷۵ افراد نے ہر خطرہ مول لے کر آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو انصار مدینہ کا قریباً ہر گھر اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنی بادشاہی کے ہاتھ سے نکلنے کا بے حد ملال تھا لیکن وہ

بے بس تھا اور مصلحت اسی میں سمجھی کہ اکثریت کا ساتھ دے۔ چنانچہ وہ اپنے حلیفوں سمیت اسلام میں داخل ہوگیا۔ وہ اور اس کے ساتھی بظاہر نماز ادا کرتے، بادل نخواستہ کچھ زکوٰۃ وغیرہ بھی دیتے لیکن دل سے اسلام اور بانیٔ اسلام کے ہرگز خیرخواہ نہیں تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کسی راستہ سے گزر رہے تھے، عبداللہ بن ابی بن سلول آپ ﷺ کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو جو اس کے قبیلے کا ایک سردار تھا، شکایت کی۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ اس شخص کے ساتھ نرمی برتیئے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہم اس کے لئے تاج شاہی تیار کر رہے تھے اور یہ سمجھتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے بادشاہی چھین لی ہے۔" (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸) چنانچہ اس نے اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ تمام غزوات میں اس کی وفاداریاں مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کے ساتھ رہیں۔ ہر کٹھن وقت میں مسلمانوں کو دغا دی اور اس کی منافقت کھل کر سامنے آئی۔ (تفسیر کے لئے دیباچہ سورۃ الحشر) منافق خود کو مسلمان ظاہر کرتے اور مالی مفادات کی خاطر غزوات میں شریک ہوتے۔ غزوہ المصطلق کی مہم میں عبداللہ بن ابی نے دو عظیم فتنے ایسے اٹھائے جن سے مسلمانوں کی جمعیت کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا لیکن اللہ کے احسان، رسول کی فراست اور دیگر مومنین کی آنحضرت ﷺ سے وفاداری نے دونوں کا قلع قمع کیا۔ پہلے فتنہ کا ذکر سورۃ نور میں گزر چکا ہے دوسرا اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ بنی المصطلق کو شکست دینے کے بعد ابھی لشکر اسلام نے کوچ نہیں کیا تھا کہ ایک ناگوار واقع پیش آ گیا۔ مریسیع نامی کنویں پر ایک مہاجر اور ایک انصار کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ عبداللہ بن ابیؓ جو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا اس نے قومی عصبیت کو ہوا دی اور انصار کے دونوں قبیلوں کا نام لے کر چیخنے لگا کہ دوڑو اور اپنے حلیف کی مدد کرو ادھر سے کچھ مہاجر بھی نکل آئے۔ قریب تھا کہ بات بڑھ جاتی اور انصار اور مہاجر آپس میں لڑ پڑتے کہ شور سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکل آئے آپ ﷺ نے فرمایا "یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑ دو۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔" گویا یہی وہ وطنی اور نسلی قومیت کا بت تھا جسے آپ ﷺ پاش پاش کر چکے تھے۔ اب پھر اسی کو بنیاد بنا کر تم امداد کے لئے پکار رہے ہو۔ پس آپ ﷺ نے موقع پر پہنچ کر اس فتنہ کو رفع کیا۔ اس واقعہ کی مزید تفصیل اس سورۃ کی مختلف آیات میں آئے گی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمن (اور) رحیم ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ

جس وقت آتے تیرے پاس منافق کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یقیناً تو البتہ رسول ہے

اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ

اللہ کا اور اللہ جانتا ہے یقیناً تو البتہ رسول ہے اس کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً

الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۲) اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

منافق البتہ جھوٹے ہیں بنایا انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۳)

پھر روکا راہ خدا سے یقیناً وہ برا ہے جو وہ ہیں کرتے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

یہ بوجہ اسکے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر

۱۔ پہلے رکوع میں منافقون کا ذکر ہے۔

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ منافق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھاتے کہ یقیناً آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اللہ کو تو علم ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔اس لئے کہ زبان سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو دل سے نہیں مانتے۔منافق عادتاً بھی جھوٹ بولتے تھے نیز خاص اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے جب زید بن ارقم کی شکایت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی بن سلول سے دریافت فرمایا تو وہ صاف مکر گیا(تفصیل آیت ۸) اس سورۃ میں آئندہ کی پیشگوئیاں بھی ہیں۔ گویا آخرین کے دور میں بھی مسلمانوں میں کثیر تعداد ہے جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ایمان کے حقیقی تقاضے پورے نہیں کرتے۔

۳۔ فرمایا انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے گویا ان کا خود کو مومن ظاہر کرنا ڈھال کے طور پر ہے تا کہ اسلام دشمن سرگرمیوں میں ان پر گرفت نہ ہو۔ ڈھال کے پیچھے مومنوں میں مومن اور کافروں میں کافر بنے رہیں اور اس ڈھال کی اوٹ میں اللہ کی راہ سے روکیں اور کسی کو ان کے کافر ہونے میں شبہ نہ ہو۔ یقیناً ان کے یہ اعمال بہت ہی برے ہیں۔

۴۔ یہ بدترین اعمال والے وہی منافقین ہیں جن کا ذکر شروع قرآن کریم میں ہے ۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (۴) وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ

تو وہ نہیں سمجھتے اور جب تو دیکھتا ہے انکو اچھے لگتے ہیں تجھے ان کے بدن

وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ

اور اگر وہ بات کہتے ہیں کان رکھتا ہے انکی بات کی طرف گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں لگی ہوئی دیوار سے

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ

وہ جانتے ہیں ہر ایک حادثہ کو کہ پڑے گا ان پر وہ دشمن ہیں پس چوکس رہ ان سے

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۵) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

مار ہو ان کو خدا کی کہاں سے وہ پھیرے جاتے ہیں اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ

(۲۔۱۵) ان کا ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایمان کا اقرار کرتے لیکن جب اپنے شیاطین ساتھیوں کے پاس جاتے تو انکار کردیتے۔ ان کی اس منافقانہ روش کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ان میں حق بات کو سمجھنے کی صلاحیت سلب ہوگئی۔ مہر اللہ نہیں لگاتا ان کے اپنے اعمال ہیں جن کے نتیجہ میں مہر لگ جاتی ہے اور انسان کو اپنی بداعمالیاں اچھی لگنے لگتی ہیں ۔ ہاں! توبہ سے یہ مہر ٹوٹ بھی سکتی ہے۔

۵۔ **خُشُبٌ** (**خَشَبٌ** کی جمع ہے) خشک بڑی لکڑیاں ۔**مُسَنَّدَة**۔ دیوار سے لگی ہوئی۔ دیوار کے سہارے رکھی ہوئی۔ تکیہ ۔ **قٰتلھم اللّٰہ**۔ ان پر اللہ کی مار ہو۔

عبداللہ بن ابیؔ بن سلول صاحب ثروت خوش شکل توانا اور چرب زبان تھا۔ اس کے ساتھی بھی رئیس اور پروقار شخصیت کے مالک تھے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں حاضر ہوتے تو ان کے ظاہری ڈیل ڈول اوروضع قطع آپ کو پسند آتی۔ باوجود اس کے کہ ان کی طرف سے آپ ﷺ کو شکایات پہنچتی رہتیں، ان کے عمدہ انداز بیان کی وجہ سے آپ ﷺ ان کی بات سنتے ۔بیشک ظاہری طور پر تو بڑے وجیہہ اور مضبوط نظر آتے ہیں لیکن اندرونی حالت ایسی ہے جیسے خشک لکڑیاں دیوار کے سہارے کھڑی ہوں گویا روحِ انسانیت سے عاری نہایت کمزور اور بزدل ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ بجلی کا ہر کڑکا ہماری ہی طرف رخ کئے ہوئے ہے جو ہمیں خشک لکڑیوں کی طرح جلا کر بھسم کردے گا۔ یہ بزدلی منافقت کی وجہ سے ہے انہیں ہردم یہی خطرہ رہتا ہے کہ کوئی حادثہ ان کا پردہ چاک کردے گا اور انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ فرمایا وہی ہیں جو تیرے دشمن ہیں ان سے بچ کر رہ اور ہرگز ان پر اعتبار نہ کر۔ ان پر اللہ کی مار ہو وہ کہاں الٹے پھرائے جاتے ہیں یعنی وہ کون سے عوامل ہیں جو انہیں راہ حق کی طرف آنے سے روک رہے ہیں ۔

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ
بخشش مانگے تمہارے لیے رسول اللہ کا موڑتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھتا ہے ان کو

يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٦﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ
کہ وہ بازرہتے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ۔ برابر ہے ان پر کہ بخشش مانگے تو ان کیلئے

اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یا نہ بخشش مانگے ان کے لیے ہرگز نہ بخشے گا اللہ ان کو یقیناً اللہ نہیں

يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٧﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا
ہدایت کرتا قوم فاسقوں کو وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو

عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ
ان پر جو پاس رسول اللہ کے ہیں یہاں تک کہ بھاگ جاویں اور اللہ کے لیے ہیں خزانے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨﴾ يَقُوْلُوْنَ
آسمان اور زمین کے ولیکن منافق نہیں سمجھتے کہتے ہیں

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ
کہ اگر پھر جاویں ہم مدینہ کی طرف البتہ نکالدیں گے بڑے معزز اس میں سے بڑے ذلیل کو

۶-۷- **یصدّون** - وہ روکتے ہیں۔ وہ رکتے ہیں۔

غزوہ المصطلق سے واپسی کے دوران عبداللہ بن ابیؓ بن سلول کے گستاخانہ رویہ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف سخت غصہ پیدا ہوگیا اور انہوں نے اسے کہا کہ آؤ اللہ کے رسول کے پاس چلیں تاکہ وہ تمہارے لئے بخشش طلب کرے ۔مگر اس نے متکبرانہ انداز سے سر کو جھٹک کر جواب دیا'' تم نے کہا ان پر ایمان لاؤ۔ میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا اپنے مال کی زکوٰۃ دو ۔ میں نے زکوٰۃ دے دی۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں۔'' اسی نہج پر اس کے تمام منافق ساتھی تھے ۔ ان کا تکبر ہی قبول حق میں مانع تھا۔ اگر وہ تیرے پاس آتے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو بھی اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرتا ۔ اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

۸-۹- غزوہ المصطلق سے واپسی کے موقع پر جب عبداللہ بن ابی بن سلول کی منشاء کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروقت مداخلت سے مسلمانوں میں صلح ہوگئی اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقع اس کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس نے اپنی مجلس میں اپنے انصار ساتھیوں کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہا'' یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی ان پر اپنے اموال خرچ کئے یہانتک کہ یہ پھل پھول کر خود تمہارے ہی دشمن بن گئے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
اور اللہ کیلئے ہے عزت اور اسکے رسول اور ایمان والوں کے لیے ولیکن منافق

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ ع ۱ ۹ ۱۳
نہیں جانتے اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ غافل کریں تم کو مال تمہارے

ہیں۔ ہماری اور ان نادار مفلسوں کی حالت پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے ۔تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو اور اپنے مال سے ان کی مدد نہ کرو تو خود ہی ادھر ادھر بھاگ جائیں گے ۔ خدا کی قسم مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے۔'' تاہم اسے نام لینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس محفل میں ایک نوعمر مخلص انصاری حضرت زید بن ارقم بھی تھے انہوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچادی ۔ آپ ﷺ نے ابن ابی سے دریافت فرمایا تو وہ قسمیں کھانے لگا اور صاف مکر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی کوچ کا حکم دیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے معمول کے مطابق یہ کوچ کا وقت نہیں تھا اور مسلسل ۳۰ گھنٹہ چلنے کے بعد پڑاؤ کیا اور لوگ تھکے ماندے فوراً ہی سو گئے ۔ اس طرح منافقوں کو اس ناگوار واقعہ کو مزید اچھالنے کا موقع نہ ملا۔

یہاں ان کی اس غلط فہمی کو دور فرمایا کہ نعوذباللہ محمد ﷺ ہمارے اموال کے محتاج ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ کی مالی اور جانی قربانیوں کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی لیکن منافقین پر معمولی قربانی بھی بہت شاق گزرتی فرمایا اس رازق حقیقی کے پاس آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں اسے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ۔ یہ قربانی تمہارے اپنے نفوس کی اصلاح اور تمہارے لئے بہت بڑے اجر کا ذریعہ ہے ۔افسوس منافقین کو یہ بات کبھی سمجھ نہیں آتی وہ چند ٹکے خرچ کرکے اللہ اور رسول پر احسان جتاتے ہیں حالانکہ یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے وہ جب چاہے واپس لے لے ۔(جماعت احمدیہ میں جن کمزور ایمان لوگوں کو چندہ دینا بار ہے ان کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ان میں کہیں منافقت والی کوئی رگ تو نہیں)

عبداللہ بن ابیؓ کی یہ گستاخی کہ نعوذباللہ مدینہ پہنچ کر معزز گروہ ذلیل گروہ کو نکال دے گا، بہت جلد اس کے سامنے آئی جب مدینہ پہنچنے پر اس کا اپنا نہایت فرمانبردار بیٹا عبداللہ باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا اور تلوار سونت کر کہا'' آپ نے کہا تھا مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا ۔اب آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی ۔ خدا کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک رسول اللہ ﷺ آپ کو اجازت نہ دیں۔'' اس بے عزتی

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

اور نہ اولاد تمہاری ذکر سے اللہ کے اور جو کوئی کرے یہ کام تو یہی لوگ ہیں

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

خسارہ پانے والے اور خرچ کرو اس سے جو دیا ہم نے تم کو پہلے اس سے کہ

پر عبداللہ بن ابی چیخ اٹھا ’’ خزرج کے لوگو! ذرا دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے‘‘ ۔لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ’’ عبداللہ کو کہو اپنے باپ کو گھر آنے دے۔‘‘عبداللہ نے فرمایا ’’ ان کا حکم ہے تو آپ داخل ہوسکتے ہیں ۔‘‘ غرض یہ بدبخت اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں ذلیل ہوا اور مدینہ پہنچنے کے بعد جلد ہی مرگیا۔ اس دن اس کے ۱۰۰۰ ساتھی توبہ کرکے اسلام میں داخل ہوئے اور مدینہ میں ایک بھی منافق نہ رہا۔

اس غزوہ میں المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آئیں ۔ ان کے ازواجِ مطہرات میں داخل ہونے سے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور صحابہ نے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کردیا جن میں سو (۱۰۰) کے قریب عورتیں تھیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ کے قبیلے کے لوگ غلام کیسے بنائے جاسکتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت جویریہؓ کے والد نے بھی اسلام قبول کیا اور یہ پورا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں’’ عزت اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے۔منافقین ایسی باتوں سے بے علم ہیں ۔پس مومن اور پھر ذلیل۔ یہ غیر ممکن ہے۔مومن تو اسی دنیا میں بہشت پالیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیاں جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے۔ دراصل آپ ﷺ ان جاہلوں کو یہ سمجھاتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ مجھے ذلیل نہیں کرتا ورنہ جنگ کیسے خطرہ کا موقعہ ہے اور دستور کے لحاظ سے بیبیوں کا قید میں پڑجانا اور اَور طرح ذلیل ہونا ممکن ہے ۔مگر اللہ تعالیٰ میرا حامی و ناصر ہے ۔وہ مومن کے اعداء کو کوئی ایسا موقع نہیں دیتا‘‘(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۱۷۵)نیز فرماتے ہیں ’’ اللہ تعالیٰ جب کسی کے اعزاز کے لئے تُل جائے اس کو کوئی ذلیل نہیں کرسکتا۔‘‘(الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶)

۱۰۔ **اللّھو**۔ ہر وہ چیز جو انسان کو اہم کاموں سے ہٹائے اور باز رکھے۔غافل کر دے۔

تلھکم۔تمہیں غافل کردے۔

منافقین کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اس رکوع میں مخلص مومنین سے خطاب فرمایا اوران عوامل کی نشاندہی فرمائی جن کی وجہ سے منافقین اللہ کے غضب کے مورد ٹھہرے تاکہ مومن ان غلطیوں سے بچیں ۔ ایک مومن کو اللہ کے ذکر سے غافل کردینے والی اکثر یہی دو

يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ

آوے کسی کو تم میں سے موت پھر کہے اے میرے رب کیوں نہ مہلت دی تُو نے مجھکو ایک وقت

قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ

نزدیک تک تو خیرات دیتا میں اور ہوتا میں نیکوکاروں سے اور ہرگز نہ ڈھیل دیگا

اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲ ۱۴

اللہ کسی جان کو جب آویگی اجل اس کی اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو

چیزیں ہیں یعنی اموال اور اولاد ۔حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ذکر سے مراد یہاں تمام طاعات و عبادات ہیں (قرطبی) بیشک اولاد اوردیگر لواحقین کے حقوق واجب ہیں بلکہ ان کو ادانہ کرنا گناہ کبیرہ میں داخل ہے نیز حصول اموال کے تعلق میں جائز تگ و دو کرنا مستحسن ہے۔ لیکن ایسا نہ ہوکہ ان میں اس قدر مشغول ہوجاؤ کہ اپنے ربّ کے حقوق یعنی فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگو اوراصل مقصودِ زندگی سے غافل ہوجاؤ۔اگر ایسا کرو گے تو یقیناً خسارہ پانے والوں میں ہوجاؤ گے کیونکہ آخرت کی ابدی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی ہر نعمت فانی ہے۔

اس سورۃ میں آئندہ کی پیشگوئیاں بھی ہیں جب مال و اولاد سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہوگا اور ان میں مشغول ہوکر اللہ کو بھولے ہوئے ہوں گے۔

۱۱۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اعادہ فرمایا۔

منافقین کی اہم کمزوری جو ہمیشہ ان کی آزمائش کا موجب بنی رہی ، مالی قربانی میں کوتاہی تھی۔ خواہ یہ صدقہ وخیرات کی صورت تھی یا جہاد اور اشاعت دین کی ضروریات تھیں ۔فرمایا ہمارے دئے ہوئے میں سے خرچ کرو گویا یہ مال تم اپنے ساتھ لائے تھے نہ تمہارے ساتھ جائے گا۔یہ اللہ کی امانت ہے جو اس چند روزہ زندگی میں تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہے ایسا نہ ہو کہ موت تمہیں آدبوچے اورتم ہاتھ ملتے رہ جاؤ کہ کاش مجھے تھوڑی سی مہلت مل جاتی تو میں ضرور تیری رضا کے حصول کے لئے خرچ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہوجاتا۔

۱۲۔ یہ تھوڑی سی مہلت کی التجا تمہارے لئے حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوگی ۔یاد رکھو اللہ کا قانون اٹل ہے ۔جب کسی کی اجل آجائے تو اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔اللہ تمہارے اعمال سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے پس اسی کے مطابق اجر دئے جاؤ گے۔

بیشک تقدیرِ مبرم میں تاخیر نہیں ہوسکتی ورنہ تقدیرِ معلق میں دعا، صدقہ و خیرات، توبہ و استغفار اور بعض دیگر نیکیوں کی وجہ سے تاخیر ہوجاتی ہے۔جیسا کہ سورۃ نوح:۵ میں فرمایا **ویوخرکم الیٰ اجل مسمّٰی** ط ۔

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ تغابن۔ یہ سورۃ مدنی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی انیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورت مسبّحات کی آخری سورۃ ہے (مسبّحات کی تشریح سورہ الحدید :۲) اس کا زمانہ نزول ابتدائی مدنی زمانہ ہے۔**تغابن**۔غبن اس کمی کا ظاہر ہوجانا ہے جو وہ کسی کے معاملہ میں دکھائے۔ اس سورۃ کا مضمون بھی یہی ہے کہ جو کچھ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کمی دکھائے گا اس کا نتیجہ دنیا میں بھی دیکھ لے گا لیکن قیامت کے روز کھلا کھلا نظر آئے گا۔

مدنی سورتوں میں جہاد اور مال و اولاد کی قربانی کی تحریص دلائی گئی ہے۔پچھلی سورۃ میں منافقین کے ذکر میں مومنین کو متنبہ فرمایا کہ مال واولاد کی ہوس اور محبت میں اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوجائیں اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس سورۃ میں اس مضمون کی مزید وضاحت فرمائی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، لَهُ الْمُلْكُ وَ

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کی بادشاہی ہے اور

لَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے، وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض تم میں سے مومن اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔اس رکوع میں کفار سے خطاب ہے۔فرمایا آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کی تسبیح کررہاہے(تسبیح کی تشریح سورۃ الصّف:۲)بادشاہی اسی کی ہے اوراسی کے لئے سب حمد ہے۔ قرآن کریم میں جہاں تسبیح کا لفظ آیا وہاں مخلوق پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے حد وحساب احسانات و انعامات کاذکر ہے جن پرغور کرکے ایک بے بس انسان کی گردن فوراً اپنے ربّ کے حضور جھک جاتی ہے اور وہ اس قادر مطلق کی حمد اور شکر ادا کرنے کے لئے بے قرار ہوجاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓروایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمد، شکر کا سرچشمہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادانہیں کیا۔ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح حدیث نمبر ۲۱۹۹)

۳۔فرمایاتم سب اسی کی مخلوق ہوتم میں سے کافر بھی ہیں اور مومن بھی۔منافق کاذکرنہیں فرمایا کیونکہ جب تک کوئی زبان سے اقرار نہ کرے مومنوں میں داخل ہوگا۔انسان صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیاگیاہے اورہر بچہ نیک فطرت پرپیدا ہوتاہے پس کفر و ایمان کا مدار اکتساب پر ہے۔ قرآن کریم نے بنی نوع انسان کو دوگروہوں میں تقسیم کیا کافراور مومن۔افسوس بعد میں آنے والے مسلمان اس نکتے کونہ سمجھ سکے اور گروہ بندیوں میں تقسیم ہوکر اپنی شناخت گنوا بیٹھے۔بقول اقبالؒ

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو بتاؤتو مسلمان بھی ہو

جبکہ آنحضرتﷺ نے قومیت اور ذات پات کے بت کو توڑ کر امتِ واحدہ کی بنیاد رکھی۔ کفر و ایمان کے معاملہ میں تم کلّی مختار ہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر گہری نظر رکھتاہے کہ اس اختیار کوتم کس طرح استعمال کرتے ہو۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو برحق اور صورتیں بنائیں تمہاری پھر اچھی بنائیں
صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (٣) يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
صورتیں تمہاری اور اس کی طرف ہے پھر جانا جانتا ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے
وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ
اور جانتا ہے جو کہ تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ جانتا ہے بات
الصُّدُوْرِ (٥) اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫
سینوں والی کو کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر ان کی جو کافر ہوئے پہلے
فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (٦) ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ
تو چکھا انہوں نے وبال اپنے کام کا اور ان کیلئے عذاب دردناک ہے یہ بوجہ اس کے

۴۔ فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا گویا ان کی پیدائش کا ایک خاص مقصد ہے یہ ناحق اور بے مقصد نہیں۔ بیشک انسان اس مصور حقیقی کا شاہکار ہے اور کوئی جاندار کسی پہلو سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن یہاں صورت سے مراد محض چہرہ مہرہ اور خدو خال نہیں۔ انسان کے اعضاء کا تناسب و موزونیت اس کی روحانی و جسمانی صلاحیتیں اور قوتیں، خالق و مالک کا انسان پر بے حد و حساب احسان و انعام ہے۔جس مشتِ خاک کے لئے ایک کائنات تخلیق کی اور اسے **احسن تقویم** بنایا۔(۹۵:۵) اس کی زندگی کا بھی یقیناً ایک اہم مقصد ہے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں **ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون** ہ(۵۱:۵۷) اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان کی زندگی کا مقصد محض صلوٰۃ و تسبیح تک ہی محدود ہے بلکہ اس کا ہر فعل جو رضائے باری تعالیٰ کے تابع ہو عبادت میں داخل ہے۔اسے اس امتحان گاہ کے مختصر قیام کے بعد اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں اس کی جواب طلبی ہوگی۔ بیشک یہ محاسبہ دنیا میں بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے لیکن غافل انسان غور نہیں کرتا۔ پس اصل محاسبہ یوم آخرت کو ہے۔ (مزید تشریح سورۃ مومن :۶۵)

۵۔ تمہیں اُس خالق و مالک کی طرف لوٹ کر جانا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس کے اندر کے ذرے ذرے کا علم رکھتا ہے۔جب کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں، پھر وہ تمہارے اعمال سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپ کر کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو۔ بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کے اندر تک کے خیالات کو جانتا ہے۔

۶۔۷۔ اب گزشتہ قوموں کے احوال سے مکذبین کو نصیحت فرمائی کہ شاید سمجھیں۔ تمام انبیاء کی تعلیم ایک تھی اور مکذبین انبیاء کے اعتراضات بھی ایک جیسے ہی تھے۔ نہ گزشتہ مکذبین انبیاء

كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ
کہ آتے تھے ان کے پاس رسول روشن نشانوں کے ساتھ تو کہا انہوں نے کیا آدمی راہ دکھادیں گے ہم کو
فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (٧) زَعَمَ
پس وہ کافر ہوئے اور منہ پھیر لیا اور بے پرواہی کی خدا نے اور اللہ بے پروا ہے تعریف کیا گیا دعویٰ کیا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ
انہوں نے جنہوں نے حق پوشی کی کہ ہرگز نہ اٹھائے جاویں گے وہ کہہ کیوں نہیں قسم ہے رب کی کہ ضرور تم اٹھائے جاؤ گے پھر
لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (٨) فَاٰمِنُوْا
البتہ خبر دئے جاؤ گے اس کے متعلق جو کیا ہے تم نے اور یہ اللہ پر آسان ہے پس ایمان لاؤ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو نازل کیا ہم نے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو

کو کوئی نشان نظر آیا نہ ان عقل کے اندھوں کو کوئی نشان نظر آ رہا ہے۔ انہیں بھی یہی اعتراض تھا کہ ایک بشر رسول کیسے ہوسکتا ہے کوئی فرشتہ ہوتا تو ہم مان لیتے آج اہل مکہ کو بھی یہی اعتراض ہے حالانکہ انسانوں کو ہدایت دینے ہمیشہ انسان ہی رسول بن کر آتے رہے نہ کہ فرشتے۔ان قوموں نے دنیا میں اپنے اعمال کی کچھ سزا بھگتی۔کیونکہ یہ دنیا دار الجزاء نہیں یہاں مکمل جزاء ہے نہ سزا۔البتہ آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔پس یہ بھی اس انجام کے لئے تیار رہیں۔جب مکذبین انبیاء نے انکار کیا اور منہ پھیر لیا تو اللہ نے بھی ان کی کچھ پرواہ نہ کی۔اللہ بے نیاز اور صاحب حمد ہے۔کسی کافر کے انکار اور اعراض سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ کسی مومن کی تسبیح و تحمید سے اس کی صفات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔اس میں تمہارا اپنا ہی نقصان یا نفع ہے۔

۸۔ مکذبین کی ساری سرکشی محض اس وجہ سے ہے کہ بعث بعد الموت پر ایمان نہیں اور اپنے اعمال کی سزا سے بے خوف ہیں۔اے رسول ﷺ! تو ان کو بتادے کہ جیسے تم گمان کرتے ہو کہ ہم کبھی اٹھائے نہیں جائیں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔مجھے میرے ربّ کی قسم تم ضرور زندہ کرکے اٹھائے جاؤ گے اور تمہیں ضرور تمہارے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا۔ بیشک تمہاری نظر میں ایسا ممکن نہیں لیکن یہ سب اللہ پر بہت آسان ہے۔

آپ ﷺ کا قسم کھانا اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ حق الیقین کے مقام پر تھے۔ کفار جانتے تھے کہ جس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ جھوٹی قسم کیسے کھا سکتا ہے۔پس دشمن بھی آپ ﷺ کی سچائی کے معترف تھے۔

خَبِيْرٌ ۝٩ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ
باخبر ہے جس دن اکٹھا کریگا تم کو دن اکٹھا کرنے کے یہ ہے دن ہار جیت کا
وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ
اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور عمل کرے اچھے دور کردیگا اس سے اُس کی بُرائیاں اور
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
داخل کریگا اس کو بہشتوں میں جاری ہونگی نیچے ان کے نہریں رہنے والے ہیں اس میں
اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٠ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
ہمیشہ یہ ہے مراد پانا بڑا اور جنہوں نے حق پوشی کی اور جھٹلایا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ
ہماری آیات کو یہی ہیں آگ والے رہنے والے اس میں اور بُری ہے

۹۔ جب جانتے ہو کہ محمد ﷺ کبھی جھوٹ نہیں بولتے چہ جائیکہ جھوٹی قسم کھائیں تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس نور پر جو قرآن کریم کی شکل میں ہم نے اتارا ہے۔اوّل اللہ اور رسول پر ایمان لانا ضروری ہے۔رسول پر ایمان لائے بغیر قرآنی انوار مخفی رہتے اور قرآنی تعلیم سے کامل استفاضہ حاصل نہ کرسکتے۔اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے ہمیشہ باخبر ہے۔

۱۰۔یوم تغابن میں یہ اعمال کھل کر تمہارے سامنے آجائیں گے۔یہ وہی ہار جیت کا دن ہے جس کی اطلاع ہمیشہ پیغمبر دیتے آئے ہیں۔تغابن کے معنی میں وسعت ہے۔تعارف میں بتلایا کہ غبن دوسرے کے حق میں کمی کرنا یا اس کا حق مارنا ہے۔مفردات میں اسکے معنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کا حق مارنے کے ہیں۔

قرآن کریم نے مومن اور کافر کے اعمال کو تجارت سے تشبیہ دی ہے۔(۶۱:۱۱)مومن کی قربانیاں بظاہر خسارے کا سودا ہے جبکہ اللہ اور رسول کی نظر میں یہ نفع ہی نفع ہے۔اسی طرح کافر کے غلط ذرائع سے حاصل کردہ دنیوی فوائد بظاہر نفع رساں ہیں جبکہ حقیقت میں گھاٹے کا سودا ہے۔قیامت کے دن کھل کر سامنے آجائے گا کہ اصل میں نفع کس نے حاصل کیا اور گھاٹے میں کون رہا۔ گویا تغابن ہار جیت کا دن ہے۔جس دن سود وزیاں عملاً ظاہر ہوجائے گا۔متعدد احادیث اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا!'' جس شخص کے ذمہ اپنے کسی بھائی پر کسی قسم کے ظلم کا بار ہو اسے چاہیئے کہ یہیں اس سے سبکدوش ہولے کیونکہ آخرت میں دینار و درہم تو ہوں گے نہیں وہاں اس کی نیکیوں میں سے کچھ لے کر مظلوم کو دلوائی جائیں گی ، یا اگر اس کے پاس نیکیاں کافی نہ ہوں تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔''

الْمَصِيْرُ ۝١١ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ ع ۱۱ ۱۵
پھرنے کی جگہ نہیں پہنچتی کوئی مصیبت بجز اذن الٰہی کے اور جو کوئی

(بخاری کتاب الرقاق) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں ۔ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنی مجلس میں لوگوں سے پوچھا'' جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے ؟لوگوں نے عرض کیا ہم میں سے مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس مال و متاع کچھ نہ ہو۔فرمایا'' میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز اور روزہ اور زکوٰۃ ادا کر کے حاضر ہوا مگر اس حال میں آیا ہو کہ کسی کو اس نے گالی دی تھی اور کسی پر بہتان لگایا تھا اور کسی کا مال مار کھایا تھا اور کسی کا خون بہایا تھا اور کسی کو مارا پیٹا تھا۔پھر ان سب مظلوموں میں سے ہر ایک پر اس کی نیکیاں لے لے کر بانٹ دی گئیں ۔اور جب نیکیوں میں سے کچھ نہ بچا جس سے ان کا بدلہ چکایا جاسکے تو ان میں سے ہر ایک کے کچھ کچھ گناہ لے کر اس پر ڈال دیے گئے اور وہ دوزخ میں پھینک دیا گیا۔''(مسلم ۔مسند احمد) حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' کسی مجاہد کے پیچھے اگر کسی شخص نے اس کی بیوی اور اس کے گھر والوں کے معاملہ میں خیانت کی تو قیامت کے روز وہ اس مجاہد کے سامنے کھڑا کردیا جائے گا اور اس کو کہا جائے گا کہ اس کی نیکیوں میں سے جو کچھ تو چاہے لے لے''۔ پھر حضور ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا'' پھر تمہارا کیا خیال ہے''؟یعنی وہ کچھ چھوڑے گا۔(مسلم وابوداؤد) قرآن کریم میں ۳۵ مرتبہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے گویا خدا پر ایمان اور نیک اعمال ہی ہیں جو دنیا و آخرت میں قرب الٰہی اور نجات کا موجب ہیں اگر اللہ پر ایمان اور عمل صالحہ کے باوجود قرب الٰہی اور خدا کی محبت نصیب نہیں تو یقیناً ایمان اور نیک اعمال میں کہیں کمزوری ہے ۔ انسان کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے ۔

فرمایا جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اللہ تعالیٰ ان کی بُرائیاں دور کردے گا۔ان کی برائیاں تو دنیا ہی میں دور ہوگئی تھیں ۔یہاں مراد برائیوں سے صرف نظر کرنا ہے یعنی ان برائیوں کے وبال کو دور کردے گا گویا اس حال میں جنت میں جائیں گے کہ برائیوں کا وبال نہیں چکھیں گے جبکہ کفار نے اپنی برائیوں کا وبال چکھا ۔ (آیت:۶) پس اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بہت عظیم کامیابی ہے۔

۱۱۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی جہنمی ہیں وہ لمبا عرصہ تک اس میں رہیں گے۔ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ وَاَطِيْعُوا

ایمان لاوے اللہ پر وہ ہدایت کرتا ہے اسکے دل کو، اور اللہ ہر شئے کو جاننے والا ہے اور اطاعت کرو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا

اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پھر اگر پھر جاؤگے تم تو صرف ہمارے رسول پر تو

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۳﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

پہنچا دینا ہے کھلا کھلا اللہ نہیں کوئی معبود بجز اسکے، اور اللہ ہی پر پس توکل کریں

۱۲۔ اس رکوع میں مومنین سے خطاب فرمایا اور بتلایا کہ کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ۔ اذن میں عمومی اجازت مراد ہے۔ بیشک تمام امور میں قوانینِ قدرت مخفی طور پر کام کررہے ہوتے ہیں لیکن یہ قوانین بھی اسی علیم و خبیر کے بنائے ہوئے ہیں۔اس کی اجازت نہ ہو تو ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا اور جو اللہ پر سچا ایمان لاتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کے دل کو خود ہدایت دیتا ہے اور اپنی جناب سے معرفت اور لدنّی علوم سے نوازتا ہے جبکہ اس معرفت کا دنیوی علوم سے تعلق نہیں۔پھر جوں جوں تقویٰ میں ترقی کرتا جاتا ہے اس کی نظر میں دنیوی مصائب و آلام بے معنی ہوکر رہ جاتے ہیں۔وہ جانتا ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی مجھے گزند نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے کہ میرے ربّ کا حکم ہو۔اور جب ربّ کا حکم ہے تو سرِتسلیم خم ہے وہ اپنے ربّ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔اسے علم ہے کہ اس میں میرے ربّ کی کوئی گہری حکمت پوشیدہ ہے اور میرے لئے اس میں یقیناً بہتری ہے۔پس وہ آزمائش کی بھٹی سے سونا بن کر نکلتا ہے اور تقویٰ کی وہ منازل جن کے لئے بہت زیادہ عبادت و ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے صبر اور شکر کے نتیجہ میں بہت جلد طے کرلیتا ہے۔حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی شان بھی عجیب ہے۔اللہ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی کرتا ہے وہ اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے۔مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے وہ اس کے لئے نیکی ہے اگر خوشی حاصل ہو تو شکر کرتا ہے یہ بھی اس کے لئے نیکی ہے۔یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔(متفق علیہ) پس اس کا خدائے علیم سے ایک خاص تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور یہی ایک مومن کا مقصود زندگی ہے۔

۱۳۔ اے مومنو! جب تم جانتے ہو کہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لائے وہ اس کو خود ہدایت دیتا ہے تو اپنے تمام امور میں جن میں مصائب اور دیگر ابتلا داخل ہیں ، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کے احکام کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف پیغام کو کھول کر پہنچا دینا ہے سو وہ اس فریضہ کو کماحقہٗ ادا کرچکا ہے۔ اب نافرمانی کی صورت میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ

ایمان والے اے لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً تمہاری بیویوں اور

اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا

تمہاری اولاد میں سے دشمن ہیں تمہارے پس بچو ان سے اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو

وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ

اور بخشش دو ان کو پس یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے تمہارے مال اور

۱۴۔اے مومنو! تم یقیناً جانتے ہو کہ اللہ ہی ہے جو مومن کا معبود و مطلوب و مقصود ہے۔ سو کیسے ہی مصائب کے جھکڑ چلیں اور مختلف بلائیں گھیر لیں چاہیئے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ وہ ان مصائب سے نکلنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔

۱۵۔ **عفو۔صفح** اور مغفرۃ کے معانی قریباً ملتے جلتے ہیں۔**عفو** دل سے معاف کردینا ہے۔ صفح درگزر کرنا۔ یعنی سزا دینے سے گریز کرنا ہے جب کہ **غُفران** ایسی معافی ہے جس میں گنہگار کے گناہ کا لوگوں سے ذکر نہ کیا جائے۔ گویا عاصی کی مکمل پردہ پوشی ہے۔(تفسیر صغیر۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر زیرآیت ھٰذا)

مصائب اور ابتلاؤں کے ذکر میں بتلایا کہ تمہاری ازواج اور اولاد بھی تمہارے لئے آزمائش ہیں اس لئے کہ ان میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔گویا جن کو سب سے عزیز سمجھتے ہو ان میں تمہارے دشمن بھی پوشیدہ ہیں۔پس ان سے محتاط رہو۔یہ دشمنی مختلف نوع کی ہوسکتی ہے جیسے قومی راز دشمن کو پہنچانا یا دینی فرائض کی ادائیگی میں روک بننا۔اُن سے محتاط رہنا اُن پر گہری نظر رکھنا اور خلافِ دین امور میں ان کی باتوں پر عمل نہ کرنا ہے۔بسااوقات مالی قربانیوں میں بعض کمزور ایمان بیوی بچے ہی آڑے آتے ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ میں روک بنتے ہیں۔ دیگر معصیت کے کاموں میں بھی ان کا دخل ہے جیسے رشوت ،غبن، جعل سازی اور بعض اوقات ڈاکے اور چوری وغیرہ میں بھی ان کے ناجائز تقاضوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔اگر اہل و عیال تقویٰ شعار ہوں، ان کی ضروریات محدود ہوں، خاص طور پر بیوی نیک ، قناعت پسند اور سمجھدار ہو تو مرد بہت سی برائیوں سے بچ جاتے ہیں۔تاہم اگر ان میں کمزوریاں ہوں تو ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ اور سختی ہرگز نہ کرو۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ! سختی سے تربیت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ خدائی کو ہاتھ میں نہ لو ایسا نہ ہو کہ شرک میں مبتلا ہوجاؤ ، اور اللہ پر توکل باقی نہ رہے ۔۔۔۔۔۔وہ چاہے گا تو ہدایت ہوگی۔ہدایت ہم اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)سورۃ لقمان ۱۵ ۔ ۱۶ میں فرمایا کہ اگر والدین شرک کی طرف بلائیں تو ان کی بات ہرگز

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا

تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہے، اور اللہ کے ہی پاس ہے ثواب بڑا پس ڈرو اللہ سے جتنا

اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ

ڈر سکو تم اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو بہتر ہوگا تمہاری جانوں کے لیے

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنْ

اور جو کوئی بچایا جاوے بخل نفسانی سے پس یہی ہیں فلاح پانیوالے اگر

نہ مانو اور دنیوی امور میں ان سے حسن سلوک کرو۔ غرض ان سے عفو و درگزر کی نصیحت فرمائی کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ کی عادت بھی مغفرت و رحمت کی ہے پس اپنے ربّ کا رنگ پکڑو۔

۱۶۔ مومن کی آزمائش کا ذکر تھا۔ یہاں اموال اور اولاد کو فتنہ کہا گویا ان کے ذریعہ ایک مومن آزمایا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں اموالکم میں عورتیں داخل ہیں۔۔۔۔۔۔ مال کا لفظ مائل سے لیا گیا ہے یعنی جس کی طرف طبعاً توجہ اور رغبت کرتا ہے۔ عورت کی طرف بھی چونکہ طبعاً توجہ کرتا ہے اس لئے اس کو مال میں داخل فرمایا۔۔۔۔۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے محبوبات میں ضد ہے دونوں باتیں ایک جا جمع نہیں ہوسکتیں۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲) پس ایسا شخص جو خدا سے زیادہ کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کی عبادت نماز، روزہ بھی کسی کام کے نہیں۔۔۔۔۔ انسان کو چاہیئے جو کام کرے خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۸ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۱،۲) اور ازواج و اولاد اور اموال کی محبت کو خدا اور رسول اور اس کے دین پر فوقیت نہ دے۔ خصوصاً اموال کے حوالے سے اجر عظیم فرمایا کیونکہ اموال کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی اجر عظیم کا مستحق بناتا ہے۔

۱۷۔ جب اہل و عیال اور اموال کی آزمائش میں محض اپنے ربّ کے فضل سے سرخرو ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے جس حد تک تمہاری طاقت میں ہے حصول تقویٰ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو گویا انسان کو اس کی طاقت اور مقدرت سے زیادہ مکلّف نہیں کیا۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کو پوری توجہ سے سنو۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو یعنی ان کے احکام پر عمل کرو اور اللہ کی دی ہوئی دولت اس کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ تمہارے نفوس کے لئے بہتر ہے یعنی تمہارے نفوس کی اصلاح کے لئے بہتر ہے۔ نیز دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ بیشک انفاق کا مال سے براہ راست تعلق ہے لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا اپنے تعلقات میں جس چیز سے محبت ہے اسے خرچ کرو۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) خواہ جان ہو مال ہو اولاد ہو یا وقت ہو۔ فرمایا جو نفس کی کنجوسی سے بچایا جائے تو یہی ہاں یہی لوگ ہیں جو فلاح

تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ

قرض دو اللہ کو قرض اچھا وہ بڑھا ئیگا اس کو تمہارے لیے اور بخشے گا تم کو اور

اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۸ ۱۶

اللہ قدردان تحمل والا ہے جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا غالب حکمت والا ہے۔

پانے والے ہیں۔ بخل کی قرآن و حدیث میں بڑی مذمت آئی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں بخیل کی نسبت حدیث میں ہے کہ اگر وہ جنگل کے دریاؤں کے برابر بھی عبادت کرے تو بھی جنت میں نہیں جائے گا۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۸ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۱،۲)

۱۸۔۱۹۔ **شکور**۔ بندے کا شکر کرنا نعمت کا تصور اور اس کا اظہار ہے۔ جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی قدردان کے ہیں۔ **حلیم۔الحلم** نفس اور طبیعت پر ایسا ضبط رکھنا کہ غیض و غضب کے موقع پر بھڑک نہ اٹھے۔ (مفردات) **حلیم**۔ تحمل والا۔ قوتِ برداشت والا۔ بردبار۔ چونکہ یہ صفات عقل کا تقاضا کرتی ہیں اس لئے حلم سے مراد عقل بھی لی جاتی ہے۔

یہ مت خیال کرنا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرکے تم نے نقصان اٹھایا۔ یہاں دینی ضروریات اور بندگان خدا کی بہبود پر خرچ کرنے کو مجازاً قرض حسنہ کہا۔ گویا یہ اللہ پر بندے کا قرض ہے کہ جس طرح قرض لازم الادا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان قربانیوں کا بدلہ ضرور دے گا اور کئی گنا بڑھا کر دے گا۔ کسی حد تک دنیا میں لیکن آخرت میں اس کی عطا کا حساب نہیں۔ قرض حسنہ میں مال کے علاوہ ہر وہ چیز داخل ہے جو تم نے اپنی ضروریات کو نظر انداز کرکے اپنے ربّ کی رضا کے لئے خلوص نیت سے پیش کی۔ یہ قربانیاں تمہارے لئے بخشش کا موجب ہوں گی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ قدر شناس ہے یعنی تمہاری معمولی قربانیوں کو بھی قدر کی نگہ سے دیکھے گا اور قبول فرمائے گا۔ وہ حلیم ہے تمہاری کوتاہیوں سے صرفِ نظر فرمائے گا۔ وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے یعنی کوئی پوشیدہ یا ظاہر عمل اس سے چھپا ہوا نہیں۔ پس تمہاری معمولی قربانیوں کے بدلہ میں تم سے ایسا سلوک فرمائے گا جو شکور اور حلیم کی صفات تقاضا کرتی ہیں۔ شکور اور حلیم کا نتیجہ ہے کہ باوجود کامل غلبہ کے حکیم ہے یعنی ایسا غلبہ ہے جو سراسر حکمت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کے ساتھ اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّ رُكُوْعَانِ

سورۃ طلاق۔ یہ سورۃ مدنی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی تیرہ آیات اور دو رکوع ہیں

یہ مدنی سورۃ ہے اور سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی اس کا زمانہ نزول چھٹے سال ہجری کے قریب ہے۔ اپنے نام کی مناسبت سے اس میں طلاق کے بعض نہایت ضروری مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہودیت میں طلاق کے معاملہ میں بہت سختی تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر طلاق دے دیتے تھے۔ عیسائیت میں سوائے زنا کے طلاق نہیں ہوسکتی۔ اسلام نے افراط وتفریط کو دور کرکے ایک درمیانی راہ بتلائی اور عورتوں کے ان حقوق کو قائم کیا جن سے پہلی قومیں ناآشنا تھیں۔ اس سورۃ میں بار بارتقویٰ پر زور ہے۔ کیونکہ صنفِ نازک کے معاملہ میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔بعض اسلام کے نام نہاد دعویدار بھی عورتوں پر زیادتیاں کرتے ہیں۔ معمولی باتوں پرگالی گلوچ کرتے اور مار پیٹ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے گھروں میں آباد کرتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں۔ انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ اگر ایک کمزور عورت کے معاملہ میں آپ زبردست ہیں تو آپ پر بھی ایک زبردست ہستی موجود ہے جو آپ کی زیادتیوں پر آپ کو پکڑ سکتی ہے۔

قرآن کریم کی پہلی سورۃ، سورۃ بقرہ مدنی ہے یہاں سورۃ حدید سے سورۃ تحریم تک دس مدنی سورتوں کی ایک لڑی ہے۔ اس کے بعد آخر قرآن تک تمام سورتیں مکی ہیں۔گویا قرآن کی ابتدا مدنی سورتوں سے ہوئی اور اس کا اختتام مکی سورتوں پر ہوا۔ مدنی سورتوں میں احکام شریعت کی تفصیل ہے۔نیز ان میں انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔کچھ ذکر منافقین اور یہود کا ہے۔ پہلی مدنی سورت میں عائلی احکام۔میں خاص طور پر عورتوں سے حسنِ سلوک کا حکم ہے، ان کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے اور طلاق کے مسائل کی تفصیل ہے۔تقریباً آخری اس مدنی سورۃ میں ان احکام کو مزید وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (1)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

اے نبی جب طلاق دو تم عورتوں کو تو طلاق دو ان کو انکی عدت کے شروع میں

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ

اور شمار رکھو عدت کا اور ڈرو اللہ سے اپنے رب سے، مت نکالو ان کو اپنے

بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

گھروں سے اور نہ نکل جائیں وہ عورتیں مگر یہ کہ کریں بے حیائی کھل کھلی

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ

اور یہ احکام ہیں اللہ کے اور جو کوئی نکل جاوے حدود الٰہی سے پس اس نے ظلم کیا

نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (2)

اپنی جان پر نہیں جانتا ہے تو شاید کہ اللہ پیدا کرے پیچھے اس کے کچھ بات

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔طلاق کے مسائل پوری تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ :۲۲۹ تا ۲۳۱ میں بیان کئے گئے ہیں۔ (استفادہ فرمایئے) ان کا اعادہ یہاں نہیں کیا گیا۔پہلے رکوع میں بعض مزید مسائل مختصر طور پر بیان کئے جائیں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا حالانکہ آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو طلاق نہیں دی۔یہ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو لیکن حکم عام ہوتا ہے۔ لعدتھن میں لام بمعنی قبل کے ہے۔ اس کی دوسری قرأۃ فی قبل عدتھن ہے (کشاف) یعنی عدت شروع ہونے سے قبل طلاق دے۔گویا طلاق کے بعد عدت کا شمار ہوگا۔ عدت کے لفظی معنی عدد شمار کرنے کے ہیں۔شرعی اصطلاع میں یہ وہ مدت ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے اس مدتِ انتظار کو عدت کہا۔

اسلام نے طلاق کے معاملہ میں بہت سی قیود لگائی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی میں مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہوجائے اور ایک گھر ٹوٹنے سے بچ جائے۔اس طرح زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کیا جب ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ فرمایا اگر بصورتِ مجبوری طلاق دینی ہی پڑے تو عدت کا شمار رکھو یعنی عدت کی تاریخ وغیرہ کو یاد رکھو۔ اس میں مرد کو مکلّف کیا۔ فرمایا طلاق کے معاملہ میں اپنے ربّ سے ڈرو۔ بیوت کی نسبت عورتوں

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ
پھر جب پہنچیں وہ اپنی میعاد کو تو روک رکھو ان کو اچھی طرح یا

فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَّأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَ
جدا کر دو ان کو دستور کے موافق اور گواہ کر لو دو صاحب عدل اپنے میں سے اور

أَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ
قائم کرو گواہی خدا کے لیے یہ بات ہے کہ نصیحت دیا جاتا ہے اس کی ہر ایک جو ایمان لاوے

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ
اللہ اور دن پچھلے پر اور جو کوئی ڈرے اللہ سے کرے گا وہ اس کیلئے

مَخْرَجًا ۲ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ
کوئی راہ نکلنے کی اور رزق دیگا اسکو اس جگہ سے جس کا نہیں گمان اسے اور جو توکل کرے

کی طرف کی کہ یہ عورتوں کے اپنے گھر ہیں۔تمہیں عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نکالنے کا حق نہیں اور نہ یہ خود نکلیں ورنہ دونوں گنہگار ہوں گے سوائے اس کے کہ کھلی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوئی ہوں ۔ایسی صورت میں ان کو نکالا جاسکتا ہے ۔فاحشہ مبینہ میں بدکاری کے علاوہ عورت کا فحش کلامی اور نشوز کا مرتکب ہونا بھی ہے ۔اور یہ اللہ کی حدود ہیں جس نے حدود اللہ یعنی شریعت کے مقرر کردہ قوانین سے تجاوز کیا تو یقیناً اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔طلاق کے تعلق میں حدود یہی ہیں کہ حیض میں یا اس طُہر میں طلاق نہ دے جس میں مباشرت ہوچکی ہو۔ عدت میں عورت کو گھر سے نہ نکالے نہ وہ خود نکلے۔ ایک ہی وقت تین طلاقیں نہ دے ۔ امام نسائی نے بروایت محمود بن لبیدؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دی ہیں ۔ حضور ﷺ یہ سن کر غصے میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا ۔" **اَیلعب بکتاب اللّٰہ وانابین اظھر کم** " کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جارہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اگر تین طلاقیں بیک وقت دی جاسکتیں تو عورت کا مرد کے گھر رہنا کیسے ممکن تھا اور اصلاح کا موقع کیونکہ میسر آسکتا تھا ۔ حضور ﷺ کی غصے کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا کیا میں اسے قتل نہ کردوں؟ فرمایا تو نہیں جانتا شاید طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ موافقت کی کوئی صورت پیدا کردے۔ اس لئے کہ تین ماہ یا حاملہ ہونے کی صورت میں نو ماہ ایک گھر میں اکھٹے رہنے سے ممکن ہے وقتی شکر رنجی دور ہوجائے ۔فقہاء نے یہاں تک کہا ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں جو عورت عدت گزار رہی ہے اسے بناؤ سنگھار کرنا چاہیئے تا کہ مرد اس کی طرف مائل ہو۔

۳۔۴۔ جب مطلقہ عورتیں اپنی مقررہ میعاد کو پہنچ جائیں یعنی عدت کے اختتام کو پہنچ

عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ
اللہ پر پس وہ کافی ہے اس کو یقیناً اللہ پہنچنے والا ہے اپنے مقصد کو ، مقرر کیا اللہ نے

لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۳ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ
ہر شے کے لیے اندازہ اور وہ عورتیں جو نا اُمید ہو گئی ہوں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے

جائیں تو بظاہر اس وقت تک وقتی رنجشیں ختم ہوجانی چاہیں ، پس خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ اگر نکاح میں رکھنا چاہو تو عزت سے روک لو اگر الگ کرنا چاہو تو بھی ان کے جذبات کا خیال رکھو اور احسان و احترام سے رخصت کرو۔(تفصیل بقرہ:۲۲۹) اور اپنے میں سے دو صاحبِ عدل اشخاص کو گواہ بنالو۔ ذوی عدل میں گواہوں کا ثقہ ومعتبر ہونا مراد ہے۔شہادت اللہ کے لئے ہو یعنی کسی کی رعایت ہرگز نہ ہو بلکہ محض اللہ کی رضا مطلوب ہو۔گواہ بنانا مستحب ہے اس میں کئی حکمتیں ہیں۔یہ وہ امر ہے جس کی ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پرایمان لاتا ہے۔قرآن کریم کی تمام نصائح عام ہیں تاہم طلاق کے معاملہ میں خوفِ خدا اور آخرت کی جوابدہی ضرور مدنظر ہو تا ان معاملات میں زیادتی سے باز رہے۔ متقی وہ ہے جو اپنے ربّ کو راضی کرنے کے لئے ہر ایک بدی سے بچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا متقی سے وعدہ ہے کہ وہ اسے ہر مشکل سے رہائی دیتا ہے۔یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ متقی کو گناہوں سے بچنے کی توفیق دیتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں ایک ایسی آیت کو جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو ان کے دین ودنیا کے لئے وہی کافی ہے۔(گویا تمام دینی و دنیاوی مقاصد میں کامیابی کے لئے وہی کافی ہے۔وہ آیت ہے **ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا** ہ(روح المعانی)اور اسے ایسے طور سے رزق دیتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو۔ رزق میں، رزق کے علاوہ دیگر تمام نعمتیں بھی شامل ہیں۔ طلاق کے معاملہ میں معنی یہ ہوں گے کہ جو بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے زیادتی سے بچتے ہیں، طلاق میں جلدی نہیں کرتے اور تمام امور کو احکام الٰہی کے مطابق انجام دیتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے لئے مشکلات سے نکلنے کی کوئی راہ نکال دیتا ہے اور ان کے رزق کا خود کفیل ہوجاتا ہے۔یہاں عورتوں کو بھی تسلی دی کیونکہ طلاق کی صورت میں وہ بظاہر بے سہارا رہ جاتی ہیں اور ان پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بتلایا کہ اگر وہ تقویٰ پر قائم رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے گا۔ ان کو ان مشکلات سے ضرور نجات دے گا اور ان کی تمام ضروریات کا کفیل ہوجائے گا۔ اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔توکل کی فضیلت میں متعدد احادیث ہیں۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ میری امت میں سے ستر(۷۰) ہزار آدمی بے حساب

اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ

جنت میں جائیں گے۔ان کے اوصاف میں ایک یہ بھی ہے وہ اللہ پر توکل کرنے والے ہوں گے۔ (مظہری) **ان اللّٰہ بالغ امرہ** اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ کو مکمل کرکے رہتا ہے۔ضروری نہیں کہ وہ فیصلہ فوراً صادر کردے لیکن بالآخر ہوکر رہتا ہے اور کوئی طاقت اس فیصلہ کو روکنے والی نہیں۔ اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کررکھا ہے اسی کے مطابق تمام امور سرانجام پاتے ہیں۔اگر کوئی متقی دنیوی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے اور اس پر رزق کی مار ہے تو یقیناً اس کے تقویٰ میں کمی ہے اوراس مقام تک نہیں پہنچا جب اللہ تعالیٰ خود کفیل ہوجاتا ہے۔تاہم بعض متقیوں پر ابتلا آتے ہیں جو ان کی ترقی درجات کا باعث ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جلد ان کو آزمائشوں سے نکال لیتا ہے۔

۵۔ **الّٰئی**۔ وہ عورتیں ۔ **لائي**۔ دوعورتیں ۔ لاتی واحد ۔ **یئسن** وہ مایوس ہوتی ہیں۔

طلاق کی عدت تین قروء ہے (بقرہ :۲۲۹) یہاں ایسی تین قسم کی عورتوں کاذکر ہے جنہیں حیض نہیں آتا اور وہ قرء سے عدت شمار نہیں کرسکتیں اوّل وہ عورتیں جو بوجہ پیری سن یاس میں داخل ہوچکی ہیں اور انہیں حیض آنے کی کوئی امید نہیں۔ان کی عدت کے تعین میں شک کو اس طرح دور کیا کہ ان کی عدت تین حیض کی بجائے تین ماہ کردی اور یہی عدت ان عورتوں کی ہے جنہیں بعض اوقات دیر سے حیض آتے ہیں یا کسی عارضہ کی وجہ سے حیض نہیں آتے۔تیسری حاملہ عورتیں ہیں جن کی عدت وضع حمل ہے خواہ بیوہ ہوں یا مطلقہ۔اور جو اللہ سے ڈرے اورطلاق کے معاملہ میں جلدی نہ کرے نیز دیگر زیادتیوں سے بھی بچے تواللہ اس کے معاملہ میں سہولت پیدا کردے گا۔ عدت بعض حالات میں نو ماہ تک چلتی ہے اگر مرد کو عدت میں مطلقہ بیوی کے اخراجات کا متحمل ہونے میں مشکلات پیش آئیں تواللہ تعالیٰ اپنے متقی بندہ کے معاملہ میں سہولت پیدا کردے گا۔طلاق کے مسائل میں یہ خوب واضح کردیا کہ مشکلات سے اگر انسان نکل سکتا ہے تو صرف تقویٰ سے ۔

۶۔ یہاں ان تمام احکام کی طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوئے ۔ اس رکوع میں تیسری دفعہ

اَجْرًا ۝۵ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝۶ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ

تقویٰ کا ذکرآیا اور ہردفعہ یہ بتانا مقصود تھا کہ اگرتم دنیا کے مصائب سے نکلنا چاہتے ہوتو تقویٰ اختیار کرو ۔ اس آیت میں متقی سے نہ صرف مصائب سے نکالنے کاوعدہ ہے بلکہ تقویٰ کی برکت سے اس کی بدیوں کو مٹانے اور اس کے اجر کو بڑھانے کابھی وعدہ ہے ۔ اگرچہ تمام نصائح عام ہیں تاہم طلاق کے حوالہ سے خاص طور پر فرمایا کہ جو اللہ سے ڈرے گا اورطلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا اور ان بھاری ذمہ داریوں کوجو طلاق کے سلسلہ میں اس پر ڈالی گئی ہیں احسن طریق سے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کردے گا اور اس کے اجر کو بہت بڑھا دے گا۔ مذکورہ تین آیات میں تقویٰ کے فضائل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے پانچ اجور کا ذکر کیا۔۱۔ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا وآخرت کے مصائب سے نکلنے کا راستہ نکال دیتاہے ہے۔(آیت:۳) ۲۔ اس کے لئے رزق کے ایسے ذرائع مہیا فرماتا ہے جس کی طرف اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔(آیت:۴)۔۳۔اس کی ذمہ داریوں میں آسانی پیدا کردیتاہے۔ (آیت:۵)۔۴۔اس کی برائیاں دور کردیتاہے۔(آیت۶) ۔۵۔اس کے اجر کو بہت بڑھا دیتاہے۔(آیت۶)۔ انفال:۳۰ میں ایک اور فضیلت کاذکر ہے ۔فرمایا **ان تتقوایجعل لکم فرقانًا**۔ یعنی تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے حق و باطل کی پہچان کو آسان کردے گا۔

۷۔ **وجد۔ وُجُود**۔ پاناہے۔کسی چیز پرقدرت پالینے کے معنی دیتاہے۔**فلم تجدوا ماء**۔ (نساء:۴۴) تم پانی پرقدرت نہ پاؤ۔ **من وجد کم** ۔اپنی قدرت اور مقدور کے مطابق۔ **تضیقوا۔ ضیق** ۔تنگی۔یہاں نفقہ کی تنگی اور سینہ کی تنگی دونوں شامل ہیں۔**ائتمروا**۔امرسے ہے۔ **ائتمار** مشورہ کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ایک، دوسرے کے امر کو قبول کرتا ہے ۔

مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ
اپنی وسعت کے مطابق اور وہ کہ تنگ کیا گیا جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو دیا ہے اسکو
اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ
اللہ نے نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو مگر اسکے موافق جو دے رکھا ہے اسکو۔ ضرور کر یگا اللہ پیچھے
ع ۸ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۸﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا
۱۷ تنگی کے آسانی اور بہت بستیاں ہیں سرکشی کی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے

واتمرو ابينكم ۔ آپس میں مشورہ کرلیا کرو۔ **تعاسرتم** ۔عسر سے ہے ۔ تنگی۔ **تعاسرتم** ۔تم ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو۔ ترضع۔ وہ دودھ پلائے گی ۔**فسترضع** پس چاہیئے کہ دودھ پلائے۔ (تفصیل بقرہ:۲۳۴)

انہیں اپنی حیثیت کے مطابق عدت کا عرصہ وہیں رہنے دو جہاں تم رہتے ہو۔ طلاق رجعی میں ایک گھر میں اکٹھے رہو۔طلاق بائن میں مکان کے الگ حصہ میں رکھو یا الگ مکان میں منتقل کردو اور نفقہ دو ۔فرمایا۔ایام عدت میں جب مطلقہ بیوی تمہارے ساتھ رہے تو ضروریات میں تنگی کرکے یا دیگر وجوہ کی بنا پر اسے تکلیف نہ دو کہ اس کی زندگی اجیرن کردو ۔اگر وہ حمل والیاں ہوں تو جب تک حمل سے فارغ نہ ہوجائیں ان پر خرچ کرتے رہو۔اگر مطلقہ ماں ، بچے کو دودھ پلائے تو دودھ پلانے کا معاوضہ لینا اور دینا جائز ہے اور آپس میں پسندیدہ طور پر مشورہ کرکے طے کرلو۔اگر آپس میں مفاہمت پیدا نہ ہوسکے اور ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو تو اس (باپ) کے لئے کوئی دوسری عورت دودھ پلائے لیکن بچہ ماں کی تحویل میں اس کی تربیت اور نگرانی میں رہے۔ کیونکہ ایک بچہ ماں کے کنار عاطفت کا محتاج ہے۔پس بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے۔ یہ ماں کا حق ہے۔(تفسیر مظہری) کسی غیر عورت کی نسبت معاوضہ پر دودھ پلانے کی ماں زیادہ حقدار ہے ۔

۸۔ چاہیئے کہ صاحب حیثیت ، دودھ پلانے والی عورت پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگدست ہے وہ اللہ کے دئے ہوئے میں سے اپنی توفیق کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلّف نہیں کرتا۔جو احکام الٰہی پر عمل کرتے ہوئے تنگدستی میں بھی کسیؑ کی حق تلفی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور ہر تنگی کے بعد آسانی پیدا کردیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر تنگی کے بعد آسانی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے ربّ کی رضا کے لئے سختی برداشت کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ضرور اس کی سختی کو آسانی میں تبدیل کردیتا ہے ۔

۹۔۱۰۔ **عتت**۔ **عتا**۔ حکم عدولی ہے۔ **عتت** اس نے حکم عدولی کی۔ **حاسبنا** اور

وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا
اور اسکے رسولوں سے تو لیا ہم نے ان سے حساب سخت اور دی ہم نے ان کو
عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۹﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ
سزا بُری پس چکھا انہوں نے وبال اپنے کام کا اور تھا انجام
اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۱۰﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا
انکے کام کا خسارا تیار کیا اللہ نے ان کیلئے عذاب سخت پس ڈرو
اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۛ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ
اللہ سے اے عقل مندو وہ جو ایمان لائے ہو یقیناً اُتارا ہے اللہ نے تمہاری طرف
ذِكْرًا ﴿۱۱﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ
نصیحت کرنیوالا رسول پڑھتا ہے تم پر آیات الٰہی بیان کرنیوالی تاکہ نکالے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
ان کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اندھیروں سے روشنی کی طرف

عذّبنا ماضی کے صیغے ہیں ۔ایسا اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے گویا یہ کام ہو ہی چکا۔ (روح المعانی)

پہلے رکوع میں حقوق العباد کے تعلق میں عورتوں کے حقوق بیان فرمائے اب حقوق اللہ کے تعلق میں اللہ کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کے نتیجہ میں مکفرین کے انجام سے آگاہ فرمایا کہ ہم نے ان سے بہت سخت حساب لیا اور انہیں بہت تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کیا۔ اس میں مکذبین رسول کو تنبیہ فرمائی کہ اگر انہوں نے بھی گزشتہ نافرمان قوموں کی طرح اللہ کے حکم سے جو رسول اور کتاب کے ذریعہ ان کو دیا گیا، سرکشی کا رویہ اختیار کئے رکھا تو اس عذاب کے لئے بھی تیار رہیں جو خدا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کے نتیجہ میں گزشتہ مکفرین کو دیا گیا۔ **عذابا نكرًا** میں اخروی عذاب میں دنیوی عذاب بھی شامل ہے ۔یہ شدید عذاب ان پر ہرگز ظلم نہیں تھا۔ یہ ان کے اعمال کے عین مطابق تھا پس انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا جو دنیا میں محض چکھنے تک ہی محدود ہے جبکہ اصل عذاب آگے ہیں۔ اور ایسے کاموں کا انجام یقیناً گھاٹا ہے جو دنیا میں ان کے شامل حال رہا اور آخرت میں بھی مقدر ہوگا۔

۱۱۔۱۲۔ **اولى الالباب**۔ **اللُّبّ** کے معنی عقل خالص کے ہیں ۔ جیسے کسی چیز کے خالص حصے کو اس کا **لُبّ** اور **لُباب** یعنی لب لباب کہتے ہیں ۔ جمع الباب ہے ۔ **اولى الالباب** ۔ عقل والوں۔ عقل مندو۔ **ذكرًا** ۔نصیحت ۔ **مبيّنه**۔ روشن ۔کھلی کھلی **بيّنه** میں ۔معجزات ۔پیشگوئیاں اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے لائحہ عمل شامل ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور عمل کرے اچھے داخل کریگا اس کو بہشتوں میں چلتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ

نیچے ان کے نہریں رہنے والے ہونگے اس میں ہمیشہ بے شک اچھا دیا اللہ نے

لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ

اس کو رزق اللہ وہ ہے جس نے پیدا کئے سات آسمان اور زمین سے

ایسے مکذبین کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کررکھاہے۔اللہ اور اس کے رسولوں کی کھلی کھلی حکم عدولی کرنے والی اقوام کا عبرت انگیز انجام بتلا کر اب مومنوں کو نصیحت فرمائی۔ پس اے عقل والو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ! اللہ نے تمہاری طرف ایک عظیم ذکر نازل فرمایا ہے۔ایک رسول جو تم پر اللہ کی روشن آیات پڑھتاہے ۔ یہاں رسول کو ذکر کہا گویا ایسا رسول جو مجسم ذکر ہے۔'' ذکر اللہ کی کثرت کے سبب آپ ﷺ کا وجود ذکر اللہ بن گیا۔'' (روح المعانی) یہ آپ ﷺ کی وہ فضیلت ہے جو تمام انبیاء پر ہے الذکر آپ ﷺ کا وصف ہے جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے وصف میں 'کلمہ' کالفظ وارد ہواہے۔قرآن کریم میں ذکر کا لفظ متعدد بار قرآن پاک کے لئے بھی آیاہے۔

ان روشن آیات کی تلاوت کانتیجہ یہ ہے کہ ایمان لانے اور عمل صالحہ بجالانے والے اپنے بندوں کو جہالت وگمراہی کے اندھیروں سے علم وعرفان کی روشنی میں نکال لائے ۔ روحانی تاریکی اورروحانی روشنی مراد ہے ۔کتاب اللہ کی روشن آیات وہ احکام وقوانین ہیں جن پر عمل کرکے ایک مومن خدا کے فضل سے دنیا و آخرت میں سرخرو ہوتاہے ۔ قرآن کریم کے احکام وقوانین کا مقابلہ جب دنیا کے دیگر مذاہب کے احکام وقوانین سے یا کسی بھی ملک کے جاری کردہ قانون سے کیا جائے تو اندازہ ہوسکتاہے کہ دنیا کن اندھیروں میں بھٹک رہی ہے ۔(خاص طور پر طلاق کے مسائل میں دیگر مذاہب کا مختصر موازنہ تعارف میں ہے ۔استفادہ فرمایئے)

فرمایا وہ جنت جس کے دامن میں نہریں بہتی ہیں ایمان اور عمل صالحہ سے مل سکتی ہے ۔وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ پس ہروہ مومن جو نیک اعمال بجالاتاہے اللہ نے اس کے لئے بہت اچھا رزق مقرر کررکھا ہے ۔یہ جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں جو کبھی منقطع نہیں ہوں گی۔

۱۳۔ فرمایااللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور زمینوں میں سے بھی ان کی طرح یعنی سات ہی پیدا کیں ۔عربی میں سات کا لفظ تام ہے اور کثرت کے لئے آتاہے ۔پس فضائے بسیط میں بکھرے ہوئے بے شمار ستاروں میں بھی زمین کی طرح کی دنیائیں آباد ہیں اور ان کے

مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

مانند ان کے اترتا ہے حکم اس کا درمیان ان کے تاکہ جانو تم یہ کہ اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع ۲ ۵ ۱۸

شئے پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ نے گھیر لیا ہے ہر شئے کو علم میں

درمیان اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں۔گویاجس طرح ہم پر حکم نازل ہورہاہے اسی طرح ان آسمانوں سے اُن زمینوں پراللہ کا امر نازل ہوتارہتاہے۔ قدیم مفسرین میں سے حضرت ابن عباسؓ وہ واحد مفسر ہیں جنہوں نے اُس دور میں اس حقیقت کو بیان فرمایا جب کوئی شخص اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کائنات میں اس زمین کے علاوہ بھی کوئی اورایسی زمین ہے جس میں ذی عقل مخلوق بستی ہے۔آپ اُس زمانہ میں یہ تفسیر بتاتے ہوئے گھبراتے تھے مبادیٰ اسے جھٹلادیں ۔ آج سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری گلیکسی میں ایسے بے شمار ستارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات ہماری زمین سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں اور یقین ہے کہ ان میں کوئی ذی عقل مخلوق ہو۔ فرمایا یہ علم تمہیں اس لئے دیاجارہاہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ کو ہرشے پرقدرت حاصل ہے اور کائنات کی کوئی شے علم خداوندی کے احاطہ سے باہرنہیں۔ پس بندہ بھی اپنے ربّ کے رنگ اپنائے اور حسب استطاعت کائنات کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گویاعلومِ سائنس کی طرف توجہ دلائی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و جبروت کے بیان پر اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ تحریم ۔ یہ سورۃ مدنی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی تیرہ آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ۷ ہجری میں نازل ہوئی اس میں مسلمانوں کے لئے بہت سی نصائح ہیں۔ پچھلی سورۃ میں طلاق کے تعلق میں مختلف مسائل بیان کئے گئے۔ اس میں عورتوں کی بعض کمزوریوں پر ان کو تنبیہ فرمائی۔ اس سورۃ کی وجہ نزول ایک خاص واقعہ ہے جو صحیحین میں خود حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور اسے تمام اکابر صحابہ نے صحیح قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بالعموم ہر روز عصر کے بعد تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں خیریت دریافت کرنے کھڑے کھڑے چکر لگاتے تھے۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں معمول سے زیادہ دیر تک رکنے لگے دراصل ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور حضور ﷺ کو شیرینی بہت پسند تھی اس لئے آپ ﷺ ان کے ہاں شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھ کو اس پر رشک لاحق ہوا اور حضرت حفصہؓ سے مل کر آپ ﷺ کو روکنے کی ترکیب یہ کی کہ جب آپ ﷺ آئیں تو وہ آپ ﷺ سے کہے کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافر کی بو آتی ہے اور ایسا ہی حضرت عائشہؓ نے کہا۔ مغافر ایک قسم کا پھول ہے جس میں کچھ بساند ہوتی ہے۔ اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو شہد میں بھی بساند کا اثر آ جاتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس شہد میں معمولی بساند ہو۔ اس لئے کہ ازواج مطہرات ایسے مقام پر تھیں کہ ان سے جھوٹ ممکن نہیں۔ جب آپ ﷺ کی بیویوں نے ایسا کہا تو بوجہ نہایت نفاست پسند ہونے کے آپ ﷺ نے یہ شہد نہ کھانے کی قسم کھائی کہ اگر شہد کا پینا کسی بیوی کو ناپسند ہے تو میں نہیں پیتا۔ آپ ﷺ نے شہد کلیۃً نہ کھانے کی قسم نہیں کھائی بلکہ اس زوجہ کے گھر سے نہ کھانے کی قسم کھائی اور اس خیال سے کہ حضرت زینبؓ کی دلشکنی نہ ہو اس کے اخفا کی تاکید فرمائی لیکن اس بی بی نے یہ راز دوسری پر ظاہر کردیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی نہ کسی زوجہ مبارکہ کا نام لیا نہ وجہ بتلائی۔ بہرحال جو بھی امر تھا آپ ﷺ امت کے لئے اسوہ تھے اگر آپ ﷺ اس پر قائم رہتے تو مسلمان اسے ایک سنت بنا لیتے ۔ لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے قسم کھولنے کا حکم دیا۔

سورۃ کے آخر میں کافروں کے لئے دو ایسی عورتوں کی مثال بیان فرمائی جو انبیاء کے اہل میں داخل ہونے کے باوجود اپنی ذمہ داریوں میں خیانت کی مرتکب ہوئیں۔ ان کے برعکس دو انتہائی پاکدامن عورتوں کا ذکر کیا۔ ان میں ایک دشمن خدا فرعون کی بیوی آسیہ تھی جس نے نہایت نامسائد حالات میں بھی اپنے ایمان کی حفاظت کی اور اس سفاک کے شدید مظالم کا شکار ہوئی۔ دوسری حضرت مریم صدیقہ تھی جس کی پاکدامنی پر قرآن کریم نے مہر ثبت کردی (تفصیل سورۃ الانبیاء: ۹۲)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ

اے نبی کیوں حرام کرتا ہے اسکو جو حلال کیا اللہ نے تیرے لیے تو چاہتا ہے

مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ

رضامندی اپنی بیویوں کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یقیناً مقرر کردیا ہے اللہ نے

لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ

تمہارے لیے کھولنا تمہاری قسموں کو اور اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ جاننے والا

الْحَكِيْمُ ۝۳ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ

حکمت والا ہے اور جب چھپا رکھی نبی نے طرف بعض اپنی بی بی کے ایک بات

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ اس رکوع میں ازواجِ مطہرات کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جس میں دیگر مومنات کے لئے بھی نصائح ہیں۔

یہاں خوب کھول کر بتا دیا کہ حلال اور حرام کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ حق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود اور حلال و حرام میں کوئی تبدیلی کرسکے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی ایک بشر ہے اس سے لغزش کا صدور ممکن ہے۔ ذرا لغزش میں بھی آپ ﷺ کو متنبہ کرنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کا ہر فعل اُسوہ کا حکم رکھتا تھا اور آپ ﷺ کو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی ورنہ ایک عام شخص کے لئے یہ بات ایسی اہم نہیں تھی۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ اللہ کی رضا کے مقابلہ میں آپ ﷺ نے کسی شے کو مقدم رکھا ہو۔ پس بیوی کی خوشی میں بھی یقیناً اللہ کی رضا ہی مطلوب تھی۔ اگر یہ ایک معمولی لغزش تھی تو بھی اس غفورٌ رّحیم نے پردہ پوشی فرمائی۔

۳۔ اَحَلّ ۔ حَلّ سے مصدر ہے۔ وہ چیز جس سے قسم کی قید دور ہو جائے ۔ کھولنا کفارہ۔ اب تمام امت سے خطاب فرمایا کہ لغو قسموں کا کھولنا تمہارے لئے لازم کردیا ہے ۔ ورنہ قسموں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

اس واقعہ میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قسمیں کھولنے کا طریق بتلا دیا کہ کفارہ ادا کرکے قسموں کی پابندی سے نکل سکتے ہو، کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو تم عام

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ

پس جب خبر دی اس بی بی نے اس بات کی اور ظاہر کردیا اسکو اللہ نے اس پر تو جتادی اس نے بعض بات اسکی اور

اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ

منہ پھیر لیا بعض سے توجب خبر کی اسکی بی بی کو اس جتادینے کی کہنے لگی کس نے خبر کی تم کو

هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝٣ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ

اس کی کہا خبر کی مجھ کو صاحب علم باخبر نے اگر تم توبہ کرتی ہو دونوں اللہ کی طرف

طور پر کھاتے ہو یا کپڑے دینا ہے ۔اگر پورا لباس دینے کی گنجائش نہ ہوتو ہر مسکین کو ایک ایک کپڑا دینا بھی جائز ہے جیسے قمیض یا چادر یا تہبند وغیرہ۔ اللہ تمہارا دوست ہے وہ تمہارے معاملات کا متولی ہے۔ پس اس کے تمام احکام وقوانین علم وحکمت پر مبنی ہیں۔

۴۔ **اسَرَّ** ۔ اس نے چھپارکھی۔ **نبّات** ۔ اس (عورت) نے خبردی۔ بتادی۔ **عرّف** ۔ اس نے جتادیا۔

بعض مرد اپنی خاص باتوں میں اپنی بیویوں کو شریک نہیں کرتے اور اپنی راز کی باتیں ان سے چھپاتے ہیں ۔ اس میں عورتوں کا بھی کسی حدتک قصور ہے کیونکہ وہ عام طور پر اس معاملہ میں لاپرواہ ہوتی ہیں۔ جبکہ آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں پر اعتماد فرماتے تھے اور اپنے رازوں میں ان کو شریک کرتے اور وہ بھی اس ذمہ داری کو نبھاتیں۔اس آیت میں بتلایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے پوشیدگی میں ایک بات کہی تو باوجود تاکید کے کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ اس بیوی نے یہ بات دوسری کو بتلا دی جب الہام الٰہی سے آپ ﷺ کو اس بیوی کی غلطی کا علم ہوگیا تو بھی آپ ﷺ نے وسعتِ قلبی سے کام لیتے ہوئے اس بیوی کو یہ نہیں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے واقعہ کا علم دے دیا ہے بلکہ اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے اس بات کا کچھ حصہ ظاہر کردیا اور کچھ حصہ سے پردہ پوشی فرمائی۔ جب اس بیوی نے پوچھا کہ آپ ﷺ کو یہ خبر کس نے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اس علیم وخبیر نے بتلایا ہے جس کے علم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں اور جسے ہر بات کی خبر ہے۔

اس واقعہ میں ازواجِ مطہرات کو خاص طور پر اور مومن خواتین کو عام طور پر تنبیہ فرمائی کہ اپنے شوہر کی راز کی باتیں کسی کو نہ بتلائیں ۔اگر وہ راز کی باتیں کسی ایسی عظیم ہستی کی ہیں جس پر قوم یا دین کے معاملہ میں اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تو کسی بیوی کا راز فاش کردینا دینی یاقومی لحاظ سے ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ اگر عام مرد ہے تو بھی میاں بیوی کے درمیان بعض راز کی باتیں ہوتی ہیں جن کا دوسروں پر ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجہ میں بیوی سے اعتماد اٹھ جائے

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

تو جھک گئے دل تمہارے اور اگر ایکدوسرے کی مدد کروگی اسکے خلاف تو یقیناً اللہ ہے اس کا

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ

دوست اور جبریل اور صالح لوگ مومن بھی اور فرشتے بھی بعد

ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝٤ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا

اس کے مددگار ہیں قریب ہے اس کا رب کہ اگر وہ طلاق دے تم کو یہ کہ بدلہ میں دے اسکو بیبیاں

خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ

بہتر تم سے مسلمان ایمان والیاں فرمانبردار توبہ کرنیوالیاں عبادت کرنے والیاں

سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا

روزہ دار بیاہی ہوئی اور باکرہ عورتیں اسے لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ

گا اور آپس کے تعلقات کشیدہ ہوں گے۔اس معاملہ میں عورتوں کو اپنی اصلاح کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے ۔ ایک معمولی بات میں رازکورکھنے کی اہمیت بتلانے کی غرض یہ تھی تاعورتیں بڑے اوراہم رازوں کی حفاظت کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔

۵۔ **الصّغوُ** کے معنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں ۔ **صغَت** ۔ وہ جھکی ۔مائل ہوئی ۔

یہ آیت ان دونوں ازواجِ مطہرات کو کلیۃً بری کرتی ہے (ازواجِ مطہرات کی فضیلت مناھل العرفان سورۃ الاحزاب:۳۵) مسلمان خواتین میں سب سے بزرگ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا ہے جو معاشرے کی بہترین خواتین اورمومنوں کی روحانی مائیں ہیں یعنی مومنوں کی روحانی تربیت کی ذمہ دار ہیں اس لئے کہ ان کی معمولی سی لغزش پر بھی شدت سے تنبیہ فرمائی۔تاہم اصل مقصد مومنات کو انذار کرنا تھا۔ کبائر صحابہ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا نام لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی۔ فرمایا اگرتم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھکو تو تمہارے دل تو پہلے ہی توبہ کی طرف مائل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ اگرتم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی معاون بنوگی تواپنا ہی نقصان کروگی کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس رسول کا دوست ہے اور جبریل امین اورصالح مومن اس کے دوست ہیں اور فرشتے اس نبی کے مددگار ہیں۔ تمہاری مخالفت اسے ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی۔اس سورۃ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ازواجِ مطہرات تمام دینی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق ومعاون تو ضرور ثابت ہوں لیکن ان کی ذات سے محبوبِ خدا ﷺ کو کوئی اذیت ہرگز نہ پہنچے۔

۶۔ **ثیّبٰت ثیّب** کی جمع ہے۔ بیوہ یا مطلقہ عورتیں۔ **مسلمٰت**۔ اسلامی احکام پر عمل

اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

اپنی جانوں اور اپنے اہل کو آگ سے کہ ایندھن اس کا لوگ اور پتھر ہیں

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ

اس پر مقرر ہیں فرشتے سخت زور آور نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو حکم کرے انکو

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا

اور کرتے ہیں جو حکم کئے جاتے ہیں اے لوگو جو کافر ہوئے ہو مت عذر کرو

ع ۸ ۱۹ اَلْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آج صرف تم بدلہ دیئے جاؤ گے اسکا جو تم کرتے تھے اے لوگو جو

کرنے والیاں۔ **سٰٓئِحٰتٍ**۔ ہجرت کرنے والیاں۔ روزہ رکھنے والیاں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لئے تھا یہانتکہ بیویوں سے پیار ومحبت اور حسن سلوک میں بھی اپنے ربّ کی رضا ہی مطلوب تھی۔ امہات المومنین پر امت کی روحانی تربیت کی ذمہ داری تھی اور اس ذمہ داری کا تقاضا تھا کہ وہ عام عورتوں سے ہٹ کر تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر قائم ہوں۔ آنحضرت ﷺ سے ان کا تعلق صالحیت کی بناپر تھا جب اس میں معمولی جھول بھی آیا تو اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی جس میں امت کو انذار کرنا بھی مقصود تھا کہ اگر تم چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے حق کے راستہ میں روک بننے لگو گی تو پھر یہ تعلق قائم نہیں رہ سکتا ۔ فرمایا اگر نبی ﷺ تمہیں طلاق دے دے ، یہاں جمع کا صیغہ ظاہر کررہاہے کہ دیگر ازواج بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے ساتھ شامل تھیں، تو اس کا ربّ تمہارے بدلے تم سے بہتر ازواج اس کو عطا فرمائے گا جو اسلامی احکام پر عمل کرنے والیاں ، ایمان والیاں، اطاعت شعار ، اللہ کی طرف جھکنے والیاں، عبادت گزار، روزے رکھنے والیاں ، بیوائیں اور کنواریاں ہوں گی ۔ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی اس لئے کہ ان میں یہ تمام صفات تھیں ۔ توبہ کے بعد وہ اسی طرح ان صفات پر قائم ہوگئیں جس طرح دوسری بیبیاں ان صفات کی حامل موجود تھیں ۔ اس سخت تنبیہ میں یقیناً ازواجِ مطہرات کی تربیت مقصود تھی کہ وہ اس معمولی راز کی طرح کسی اہم راز کو افشانہ کردیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دشمن آپ ﷺ کے بعض رازوں کی ٹوہ میں رہتے تھے تاکہ اسلام کو نقصان پہنچائیں ۔یہی سبق تمام مومنین کے لئے ہے کہ جن افراد خانہ کی تربیت ان کے ذمہ ہے ۔ دین کے معاملہ میں ان کی معمولی کوتاہیوں سے بھی صرف نظر نہ کریں ورنہ غلط عادات پختہ ہوجائیں گی اور پھر ان کی اصلاح مشکل ہوگی۔

۷۔۸۔**غلاظٌ۔ الغلظة** کے معنی موٹا اور گاڑھاپن کے ہیں۔اسی سے غلیظ ہے۔قوت

اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ

ایمان لائے ہو توبہ کرو طرف اللہ کی توبہ خالص قریب ہے رب تمہارا دور کردے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کرے تم کو بہشتوں میں جاری ہوں گی ان کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ

نہریں جس دن کہ نہ رسوا کریگا اللہ نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے اسکے ساتھ

اور مضبوطی کے لئے آتا ہے۔**شدادٌ**۔ زبردست۔ مضبوط۔اسی سے شدید ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تربیت کے ذکر میں مومنین سے خطاب فرمایا اور ہر خاندان کے سربراہ کو مکلّف کیا کہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی تربیت اس انداز سے کرے کہ صالحین میں شامل ہو جائیں اور خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاسکیں۔اس سے یہ مراد نہیں کہ عورت اس ذمہ داری سے مبرا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک راعی یعنی اپنی رعیت کا رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارہ میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی اور نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جاہے گا اور عورت محافظ ہے اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا ۔خبردار !تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ (متفق علیہ بخاری کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۷۸۳)غرض بیوی بچوں کو احکام الٰہی کا پابند کرنا اوران کے اخلاق و اطوار کی نگہداشت مرد کے ذمہ ہے۔ اگر وہ خود احکام الٰہی پر عمل کرنے والا اور عمدہ اخلاق اور عادات کا مالک ہوگا تولازماً اس کا اثر بیوی بچوں پر پڑے گا۔

اس آگ کا ایندھن بدکردار انسانوں کے سوا پتھر بھی ہوں گے تاکہ کفارو مشرکین کو اپنے خداؤں کی بے بسی کا حساس ہو۔ اس آگ پر ایسے تندخو اور سخت گیر فرشتے مسلط ہوں گے جو اپنے ربّ کے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کریں گے گویا کسی کے چیخنے چلانے سے وہ اس کام کو چھوڑ نہیں دیتے بلکہ کرتے رہتے ہیں ۔وہ کافروں کو کہیں گے کہ آج عذر پیش نہ کرو تمہارا کوئی عذر قبول نہیں کیاجائے گا۔ یقیناً تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق ہی بدلہ دیاجائے گا۔

۹۔اس واقعہ کی وجہ سے ازواجِ مطہرات کو توبۃ النصوح کی توفیق ملی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا۔آپ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپؐ کے ساتھ رہیں اور

اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
اپنی جانوں اور اپنے اہل کو آگ سے کہ ایندھن اس کا لوگ اور پتھر ہیں

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ
اس پر مقرر ہیں فرشتے سخت زور آور نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو حکم کرے انکو

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا
اور کرتے ہیں جو حکم کئے جاتے ہیں اے لوگو جو کافر ہوئے ہو مت عذر کرو

ع ١ ٨ ١٩ الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
آج صرف تم بدلہ دیئے جاؤگے اسکا جو تم کرتے تھے اے لوگو جو

کرنے والیاں۔ **سٰٓئِحٰتٍ**۔ ہجرت کرنے والیاں۔ روزہ رکھنے والیاں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لئے تھا یہانتک بیویوں سے پیار ومحبت اور حسن سلوک میں بھی اپنے ربّ کی رضا ہی مطلوب تھی۔ امہات المومنین پر امت کی روحانی تربیت کی ذمہ داری تھی اور اس ذمہ داری کا تقاضا تھا کہ وہ عام عورتوں سے ہٹ کر تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر قائم ہوں۔ آنحضرت ﷺ سے ان کا تعلق صالحیت کی بنا پر تھا جب اس میں معمولی جھول بھی آیا تو اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی جس میں امت کو انذار کرنا بھی مقصود تھا کہ اگر تم چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے حق کے راستہ میں روک بننے لگو گی تو پھر یہ تعلق قائم نہیں رہ سکتا ۔ فرمایا اگر نبی ﷺ تمہیں طلاق دے دے ، یہاں جمع کا صیغہ ظاہر کررہا ہے کہ دیگر ازواج بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے ساتھ شامل تھیں، تو اس کا ربّ تمہارے بدلے تم سے بہتر ازواج اس کو عطا فرمائے گا جو اسلامی احکام پر عمل کرنے والیاں ، ایمان والیاں، اطاعت شعار ، اللہ کی طرف جھکنے والیاں، عبادت گزار، روزے رکھنے والیاں ، بیوائیں اور کنواریاں ہوں گی ۔ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی اس لئے کہ ان میں یہ تمام صفات تھیں ۔ توبہ کے بعد وہ اسی طرح ان صفات پر قائم ہوگئیں جس طرح دوسری بیبیاں ان صفات کی حامل موجود تھیں ۔ اس سخت تنبیہ میں یقیناً ازواجِ مطہرات کی تربیت مقصود تھی کہ وہ اس معمولی راز کی طرح کسی اہم راز کو افشانہ کردیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دشمن آپ ﷺ کے بعض رازوں کی ٹوہ میں رہتے تھے تا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں ۔یہی سبق تمام مومنین کے لئے ہے کہ جن افراد خانہ کی تربیت ان کے ذمہ ہے ۔ دین کے معاملہ میں ان کی معمولی کوتاہیوں سے بھی صرف نظر نہ کریں ورنہ غلط عادات پختہ ہوجائیں گی اور پھر ان کی اصلاح مشکل ہوگی۔

۷۔۸۔**غلاظٌ۔ الغلظة** کے معنی موٹا اور گاڑھا پن کے ہیں۔اسی سے غلیظ ہے۔قوت

اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ
ایمان لائے ہو توبہ کرو طرف اللہ کی توبہ خالص قریب ہے رب تمہارا دور کردے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
تم سے بُرائیاں تمہاری اور داخل کرے تم کو بہشتوں میں جاری ہوں گی ان کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ
نہریں جس دن کہ نہ رسوا کریگا اللہ نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے اسکے ساتھ

اور مضبوطی کے لئے آتا ہے۔**شدادٌ**۔ زبردست۔مضبوط۔اسی سے شدید ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تربیت کے ذکر میں مومنین سے خطاب فرمایا اور ہر خاندان کے سربراہ کو مکلف کیا کہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی تربیت اس انداز سے کرے کہ صالحین میں شامل ہو جائیں اور خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاسکیں۔اس سے یہ مراد نہیں کہ عورت اس ذمہ داری سے مبّرا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک راعی یعنی اپنی رعیت کا رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارہ میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی اور نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جاہے گا اورعورت محافظ ہے اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا ۔خبردار !تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ (متفق علیہ بخاری کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۷۸۳)غرض بیوی بچوں کو احکام الٰہی کا پابند کرنا اوران کے اخلاق و اطوار کی نگہداشت مرد کے ذمہ ہے۔ اگر وہ خود احکام الٰہی پر عمل کرنے والااور عمدہ اخلاق اور عادات کا مالک ہوگا تولازماً اس کا اثر بیوی بچوں پر پڑے گا۔

اس آگ کاایندھن بدکردار انسانوں کے سوا پتھر بھی ہوں گے تا کہ کفارو مشرکین کواپنے خداؤں کی بے بسی کا حساس ہو۔ اس آگ پر ایسے تندخو اورسخت گیر فرشتے مسلط ہوں گے جو اپنے ربّ کے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کریں گے گویا کسی کے چیخنے چلانے سے وہ اس کام کو چھوڑ نہیں دیتے بلکہ کرتے رہتے ہیں ۔وہ کافروں کو کہیں گے کہ آج عذر پیش نہ کرو تمہارا کوئی عذر قبول نہیں کیاجائے گا۔ یقیناً تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق ہی بدلہ دیاجائے گا۔

۹۔اس واقعہ کی وجہ سے ازواجِ مطہرات کو توبۃ النصوح کی توفیق ملی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا۔آپ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپؐ کے ساتھ رہیں اور

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ
ان کا نور دوڑتا ہوگا آگے ان کے اور انکے دائیں طرف کہیں گے

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اے رب ہمارے پورا کر ہمارے لیے ہمارا نور اور بخش ہم کو یقیناً تو ہر شئے پر

قَدِيْرٌ ۹ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ
قادر ہے اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور سختی کر

قیامت میں بھی ساتھ ہی اٹھائی جائیں گی۔ازواجِ مطہرات کے توبہ کے ذکر میں اس رکوع میں تمام مومنوں کو توبۃ النصوح کی تلقین فرمائی۔توبۃ النصوح وہ خالص توبہ ہے جب انسان ہمیشہ کے لئے بد اعمال کو چھوڑ کر نیک اعمال پر کاربند ہوجائے اورحتی الوسع اپنی زیادتیوں کا تدارک کرے جیساکہ شبلیؒ کی توبہ سے ظاہر ہے(تفصیل فرقان:۱۷)اس خالص توبہ کے نتائج دنیا میں بھی ظاہر ہوجاتے ہیں یعنی تمہارا ربّ تمہاری برائیوں کو دور کردے گا اورتم دنیا میں ہی جنتی زندگی گزارو گے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نبیؐ اور اس کے مومن ساتھیوں کو ہرطرح کی رسوائیوں سے بچائے گا اور انہیں ایک ایسا نور عطا کرے گا جس کی روشنی میں وہ ہر قسم کی ٹھوکر اور لغزش سے محفوظ رہیں گے۔ وہ اپنے ربّ سے دعاگو ہوں گے کہ اے ہمارے ربّ !ہمارے نور کو کامل کردے یعنی ترقیات کی راہوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمااور ہماری مغفرت فرما۔یعنی ہماری ناقص حالت کو ڈھانپ دے۔ استغفار کی فضیلت میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ۔''کہ یہی خواہش استغفار فخرِ انسان ہے۔جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان ، وہ اندھا ہے نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے نہ طیب۔''(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۹۸،۹۹)

اے ہمارے ربّ یقیناً تو ہر چیز پر جسے تو چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے ۔**ربنا اتمم ۔۔۔۔۔قدیر** ۔طلب ہدایت اور تکمیل نور کی دعاہے۔توبۃ النصوح کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدیوں کے بد نتائج سے محفوظ کردے گااور انہی دنیوی طور پر ہی نہیں اخروی طور پر بھی اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا اورانہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اس دن اللہ تعالیٰ نبیﷺ اوراس کے مومن ساتھیوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ رسوائی تو حد سے تجاوز کرنے والے ظالموں کے حصہ میں آئے گی نہ کہ اللہ کے پیاروں کے۔ جولوگ دنیا میں ایمان کے نور سے مشرف تھے ، قیامت کے دن ان کا یہ نور ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا اور ان کو لامتناہی ترقیات کی راہوں کی طرف رہنمائی کرے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ کہ جنتیوں کا استغفار گناہوں سے معافی کے لئے نہیں ہوگا کیونکہ جنت میں

عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۱۰ ضَرَبَ اللّٰهُ
ان پر اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور بُری ہے پھرنے کی جگہ بیان کی اللہ نے

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۚ كَانَتَا
مثال ان کے لیے جو کافر ہوئے عورت نوح اور عورت لوط کی دونوں تھیں

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا
ماتحت دو بندوں کے ہمارے بندوں نیکوکاروں میں سے پس خیانت کی ان دونوں نے انکی تو نہ کام آئے دونوں

عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۱۱ وَ
ان عورتوں کے اللہ کے مقابل کچھ اور کہاگیا داخل ہو آگ میں ساتھ داخل ہونے والوں کے اور

داخل ہونے سے پہلے ان کے گناہ معاف کئے جائیں گے۔استغفار کے اصل معنی ڈھانپنا کے ہیں۔ جنتیوں کا استغفار ان معنی میں ہوگا کہ ''جو نور اہل جنت کو ملے گا وہ ان کو اس نور کے مقابل ناقص نظر آئے گا جو ابھی ان کو نہیں ملا۔اس نقص کو محسوس کر کے وہ خدا سے دعا کریں گے کہ ہمارا نور پورا کر اور ہماری اس ناقص حالت کو ڈھانپ دے مگر وہ کبھی اس نور سے سیر نہیں ہوں گے کیونکہ خدا کے نور کی کوئی حد نہیں اس لئے وہ ہمیشہ زیادہ اور زیادہ نور مانگتے رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ استغفار روحانی ترقی کے لئے ایک دعاہے۔''(ریویو آف ریلیجنز جلد۲نمبر۶ صفحہ ۲۴۳،۲۴۴)

۱۰۔ جب یہ واقعہ مومنین کے لئے توبۃ النصوح اور تطہیر کا باعث بن گیا تو کفاراور منافقین پرسختی کرنے کا حکم دیا۔ یہاں مراد جہاد باللسان ہے کیونکہ منافقین سے جہاد بالسیف کبھی نہیں ہوا۔ یہ سختی تو معمولی دنیوی سزا ہے جیساکہ ایک دفعہ نام لے کرمسجد سے نکال دئے گئے ،ورنہ اصل سزا تو آخرت سے خاص ہے جب ان کاٹھکانا جہنم ہوگا ان کے لوٹنے کی جگہ کیا ہی بُری ہے ۔

پس منافق بظاہررسولوں کی پیروی کادعویٰ بھی کریں لیکن ان کی تعلیم پرعمل نہ کرنے کے نتیجہ میں واصل جہنم ہوں گے ۔مسلمانوں کوتنبیہ فرمائی کہ محض دعویٰ انہیں فائدہ نہیں پہنچائے گاجب تک خدا اور رسول کے احکام پر کامل طورپرعمل کرنے والے نہ ہوں ۔

۱۱۔ کفار و منافقین کی منافقت اورخیانت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی مثال ایسی دو عورتوں سے دی ہے جواللہ کے دوصالح بندوں یعنی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی زوجیت میں تھیں۔ ان دونوں نے ان سے خیانت کی۔ اہل تشیع کا یہ گمان کہ اس آیت میں دوعورتوں کی مثال میں ازواجِ نبیﷺ کو توبیخ فرمائی گئی ہے سراسر بہتان ہے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں کفارو منافقین سے سختی کا حکم ہے اور ان کے واصل جہنم ہونے کا ذکر ہے۔اس آیت میں انہیں کفار کی مثال دوعورتوں سے دی ہے۔ خیانت سے یہ مراد نہیں کہ وہ بدکردار تھیں ۔ حضرت ابن عباسؓ

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ

بیان کی اللہ نے مثال ان کے لیے جو ایمان لائے عورت فرعون کی جب کہا اس نے

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

اے میرے رب بنا میرے لیے اپنے حضور گھر بہشت میں اور نجات دے مجھ کو فرعون

وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٢﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ

اور اسکے عمل سے اور نجات دے مجھ کو قوم ظالموں سے اور مریم بیٹی

عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ

عمران جس نے حفاظت کی اپنی شرمگاہ کی تو پھر پھونکا ہم نے اس میں اپنی روح میں سے اور

ع ۵ ۲۰ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٣﴾

مانتی تھی کلمات اپنے رب کے اور اسکی کتابیں اور تھی وہ فرمانبرداروں میں سے

فرماتے ہیں ! کسی نبی کی بیوی کبھی بدکردار نہیں رہی۔ان کی خیانت یہ تھی کہ اپنے عظیم شوہروں کی راز کی باتیں ان کے دشمنوں کو پہنچاتی تھیں۔حضرت لوطؑ کی بیوی آگ جلاکر اپنی قوم کو حضرت لوطؑ کے مہانوں کی خبر دے دیتی تھی۔(ابن جریر) قرآن کریم میں حضرت لوطؑ کی بیوی کا عذاب کی لپیٹ میں آنے کا ذکر ہے۔(ھود:۴۴) لیکن قرآن کریم ، توریت یا کسی حدیث میں حضرت نوحؑ کی بیوی کا ذکر نہیں۔آپ کے ایک نافرمان بیٹے کا ذکر ہے جو طوفان کی نذر ہوا۔(ھود :۴۴) قرین قیاس ہے کہ یہ بیٹا حضرت نوحؑ کی اسی بیوی سے ہوگا اور اس کے زیر تربیت رہا ہوگا اور اسی کے ساتھ کیفرکردار کو پہنچا۔یہ صالح بندے اپنی بیویوں کو اللہ کی پکڑ سے بچا نہ سکے اور وہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ واصل جہنم ہوئیں۔پس آخرت میں کسی نبی ولی یا صالح سے قرابت یا رشتہ داری کسی کافر یا منافق کو کوئی فائدہ نہ دے گی جب تک اعمال صالحہ ساتھ نہ ہوں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!اے میری بیٹی فاطمہ! تو اپنے آپ کو آگ سے بچا ، میں اللہ کے معاملہ میں تیرے کچھ کام نہیں آسکتا۔(صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۵۴۰ و مسلم کتاب الایمان)

۱۲۔۱۳۔ سارا قرآن نبیوں کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے اور نبیوں سے بہتر مثالیں اور کیا ہوسکتی ہیں۔ یہاں مومنوں کے لئے دو پاکباز عورتوں کی مثالیں بیان فرمائیں جو نبی اللہ تو نہیں تھیں مگر ان دونوں عظیم خواتین کو ہمیشہ کے لئے نوع انسان کے لئے نمونہ بنادیا۔ ان میں ایک حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور دوسری حضرت مریم صدیقہ تھیں۔ حضرت آسیہ ایک نہایت بہادر خاتون تھی جس نے وقت کے سب سے جابر حکمران کے ماتحت رہتے ہوئے نہایت دلیری سے حق قبول کیا۔ فرعون کی طرف سے شدید اذیتوں کے باوجود اپنے عقائد اور اعمال کی پوری پوری حفاظت کی۔وہ

دشمن خدا فرعون کے محل میں رہتے ہوئے بھی بے گھر تھی۔ اس نے اپنے ربّ سے فریاد کی کہ اے میرے ربّ ! میرے لئے اپنے حضور جنت میں ایک گھر بنادے ، مجھے فرعون اور اس کی بداعمالیوں سے بچالے اور مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات بخش۔چنانچہ ناقابل برداشت اذیتوں کو سہتے سہتے اپنے مولا سے جاملی (مظہری) لیکن حق سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔حضرت آسیہ کی مثال میں ان احمدیوں کے لئے سبق ہے جو ایسی جابر اور بے انصاف حکومتوں کے ماتحت رہتے ہیں۔امرات فرعون سے مراد ایسے مرد ہیں جو وقت کے فرعون کے نیچے سخت مجبور اور بے بس ہوتے ہیں۔ روحانیت میں دوسرا وجود پیدا نہیں کرتے اور دوسروں کی ہدایت کا موجب نہیں بنتے۔ مشکلات اور شیطان کا مقابلہ کرتے کرتے ان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ مریمی صفات میں سب سے اوّل اپنی ناموس کی حفاظت ہے ۔یہاں بتلایا کہ بعض مومن حضرت مریم سے مشابہت رکھیں گے جس نے پارسائی اختیار کی تب اس میں عیسیٰ کی روح پھونکی گئی اسی لئے یہاں **نفخنافیه** فرمایا یعنی جن مردوں میں عیسیٰ کی روح پھونکی جاتی ہے وہ دوسروں کی ہدایت کا موجب بن جاتے ہیں ۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس امت میں ایک شخص ایسا ہوگا کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھے گا جس نے پارسائی اختیار کی تب اس میں عیسیٰ کی روح پھونکی جائے گی اور وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات میں منتقل ہوجائے گا اور ابن مریم کہلائے گا۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ نومبر ۱۹۱۱ء سے استفادہ کیا گیا)

حضرت مریم صدیقہ ایک رفیع القدر اور عالی مرتبہ خاتون تھیں ۔ آپ ایک شدید آزمائش سے سرخرو ہوکر نکلیں اورسید النساء فی الجنہ کے خطاب سے مشرف ہوئیں ۔ (مسند احمد) آپ کے محاسن و محامد قرآن کریم میں باربار بیان ہوئے ۔(تفصیل سوۃ الانبیاء :۹۲)

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں میں سے بہت لوگ کامل و مکمل ہوئے مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں۔(بخاری و مسلم از مظہری)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ ملک ۔یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

اس سورۃ سے لے کر قرآن کریم کے آخر تک تمام سورتیں مکی ہیں۔ بیشک ان میں باہم ربط بھی ہے۔لیکن ہر سورۃ میں ایک خاص امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔یہ سورۃ ابتدائی مکی زمانہ کی ہے جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، وہ کمزور تھے اور مشرکین کے زیر عتاب تھے۔جب کہ مشرکین کا غلبہ تھا اور وہ طاقتور تھے۔اس سورۃ میں عجائبات عالم کا اجمالی تذکرہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور قوت وجبروت کو بیان کیا گیا ہے اور بتلایا کہ ایسی عظیم قدرتوں کا مالک اپنے کمزور بندوں کو ان ظالموں کے ظلم سے رہائی بخشے گا اور انہیں ضرور غلبہ عطا فرمائے گا۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس ابتدائی سورۃ میں بھی نہایت لطیف پیرایہ میں دین کی بنیادی تعلیمات یعنی توحید و رسالت اور معاد کا ذکر ہے نیز اس کی لامحدود قدرتوں کے ساتھ اس کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا۔احادیث میں سورۃ مُلک کے بے حد فضائل بیان ہوئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قرآن میں تیس آیتیں ایسی ہیں جو خداوندکریم سے پڑھنے والے کی سفارش کرکے اس کو بخشوا دیتی ہیں اور وہ سورۃ مُلک ہے۔(قرطبی از ترمذی) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ سورت مُلک اپنے قاری پر عذاب قبر نہیں ہونے دیتی۔ (رواۃ الترمذی ازقرطبی) حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان کے دل میں سورۃ ملک ہو۔ (ذکرہ الثعلبی)(یعنی اسے حفظ ہو)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الجزء ۲۹

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی اور وہ ہر شئے پر

قَدِيْرُ ۝۲ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ

قادر ہے جس نے بنائی موت اور زندگی تاکہ آزمادے تم کو کونسا تم میں سے

اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۳ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

بہتر ہے عمل میں اور وہ غالب بخشنے والا ہے جس نے بنائے سات

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **تبارک** ۔ وہ بڑی برکت والا ہے ۔**ید**۔ ہاتھ۔ مراد قبضہ و قدرت۔ اس سورۃ کو نہایت پرشکوہ الفاظ سے شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت و جبروت کا اظہار فرمایا۔ بتایا کہ تمام کائنات کا اقتدار اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے جو تمام برکتوں کا سرچشمہ ہے اور جسے ہر شے پر کامل قدرت حاصل ہے۔

۳۔ ان تمام صفات کا ربّ وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے۔ گویا انسان کا مقصودِ حقیقی یہی ہے۔ احسن عملاً میں موت اور حیات دونوں کا تعلق ہے۔حیات انسان کو عمل صالحہ کا موقع دیتی ہے ۔ موت اس دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ پیش کرتی ہے اور انسان کی سب سے بڑی معلم ہے جبکہ معاد پر یقین اسے نیک اعمال کی طرف راغب کرتا اور نیک و بد اعمال کے نتائج سے خبردار کرتا ہے۔ حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنازہ میں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور اس قدر رقت طاری ہوگئی کہ زمین آنسوؤں سے نم ہوگئی۔ پھر فرمایا! میرے بھائیو! اس دن کے لئے تیاری رکھو۔(سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الحزن والبکاء حدیث نمبر ۴۱۸۵) یہاں موت کو مقدم رکھا کیونکہ حیات سے پہلے بھی موت تھی اور بعد میں بھی موت ہے۔یہاں روحانی موت و حیات بھی مراد ہے جس سے انسان آزمایا جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہانتکہ احسن عملاً تک پہنچے تو فرمایا۔یہ وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد اور تیار ہو۔(قرطبی) اس آزمائش میں جو ناکام ٹھہرے

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ

آسمان اوپر تلے نہ دیکھے گا تو پیدائش رحمٰن میں کوئی نقص

فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ

پس دوبارہ نظر کر کیا دیکھتا ہے تو کوئی شگاف پھر دوبارہ نظر کر

کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾ وَ

دو دفعہ پھر آوے گی تیری طرف نظر ذلیل ہوکر اور وہ تھکی ہوئی ہے اور

ان کو تسلی دی کہ بیشک وہ زبردست ہے۔ لیکن اپنے بندوں کے حق میں غفور بھی ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر فرمانے والا ہے۔

۴۔۵۔ **طباقًا** ۔ایک چیز کے اوپر اس کے برابر دوسری چیز رکھنا۔طبقہ درطبقہ۔ اوپر تلے۔ تہ بہ تہ۔ **تفٰوت**۔ فوت سے ہے ۔**تفاوت** کے معنی دو چیزوں کے اوصاف مختلف ہونے کے ہیں گویا ایک کا وصف دوسری کو فوت کررہا ہے۔ فرق۔ عدم مطابقت۔ عدم تناسب۔ **فطور** ۔فطر کے معنی پھاڑنے کے ہیں۔اسی سے افطار کرنا ہے۔**فطورٌ** ۔شگاف۔ رخنہ۔ **کرّتین۔ کرّہ** ۔ ایک بار پھر کرآنا۔کرتین۔ دوبار ۔ تثنیہ سے مراد تکثیر ہے یعنی بار بار ایک فعل کا کرنا۔ **خاسئًا** ۔کسی کو دھتکارنے کے لئے عربی میں **اخسأ** کہا جاتا ہے ۔ **فقلنا کونوا قِرادۃً خاسئین** ۔(۲۔۶۶) ذلیل ۔**حسیرٌ۔الحسر** کسی چیز کو ننگا کرنے اور اس سے پردہ اٹھانے کے ہیں۔ درماندہ۔تھکی ہوئی۔اسی سے حسرۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت اور عظمت کے بیان سے اس سورۃ کا آغاز ہوا۔ اب دنیا کے تمام دانشوروں اور سائنسدانوں کو کھلا چیلنج دیا اور انہیں دعوتِ تحقیق و جستجو دی کہ جتنا چاہو غوروفکر کرلو نیز جس جُہت سے چاہو چھان بین کرکے دیکھ لو۔اس کام میں ساری زندگی صرف کردو، ربّ رحمٰن کی صنعت و خلقت میں کوئی تضاد نہیں ڈھونڈ سکوگے۔تمہیں کوئی بے ترتیبی اور عدم تناسب نظر نہیں آئے گا۔یعنی خداتعالیٰ کی آفرینش میں کچھ نقص نہیں دیکھوگے۔اس میں کوئی بات بھی حکمت کے خلاف نہیں پاؤ گے۔طباقًا میں بتلایا کہ کائنات کے مختلف کرّے ایک دوسرے سے گہری مطابقت ، ہم آہنگی اور ضبط رکھتے ہیں کائنات کے ہر ذرہ میں ایک گہرا نظام ہے اور سب ایک ہی قانون کے تابع ہیں۔کسی دور دراز سیارے سے ایک پتھر اٹھالاؤ اور اس کے ذرّے کا زمین کے کسی پتھر کے ذرّے (Atom) سے موازنہ کرکے دیکھو ۔دونوں میں ایک ہی اصول کارفرما نظر آئے گا۔ کیا خدا کی وحدانیت کا کوئی ثبوت اس سے بڑھ کر بھی ہے؟ باربار نظر دوڑاؤ تمہاری نگاہ ذلیل اوردرماندہ ہوکر لوٹ آئے گی لیکن خدائے رحمان کی تخلیق کردہ کائنات میں کوئی رخنہ نظر نہیں آئے گا۔ یہ دو آیات

ہیں جو ڈاکٹر عبدالسلام نے جو دنیائے اسلام اور پاکستان کے واحد نوبیل انعام یافتہ (Laureate) ہیں ، سویڈن کے حکمران کے سامنے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو نوبیل انعام حاصل کرنے کے موقع پر سٹاک ہوم میں پڑھی تھیں اور جن کو سن کر سامعین مبہوت ہوگئے اور ان کو بے حد سراہا گیا۔اس کا چرچا اخباروں میں بھی رہا۔ ڈاکٹر عبدالسلام پہلے احمدی سائنسدان ہیں جو بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کے مصداق ثابت ہوئے ۔خدا کرے یہ سلسلہ جاری رہے اور احمدی ماؤں کی کوکھ سے عبدالسلام پیدا ہوتے رہیں جو قدرت کے راز ہائے بستہ سے پردہ اٹھائیں اور خدائے راحمٰن کی وحدانیت ثابت کریں۔ آمین۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ یہ تھا ! ’’ خداتعالیٰ نے مجھے باربار خبردی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم ومعرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کردیں گے۔‘‘(تجلیات الٰہیہ)ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے ۱۹۸۱ء میں کویت میں اقوام متحدہ یونائیٹڈ نیشنز (United Nations) کے ایک سیمینار’’ سائنس کا احیاء اور اسلامی دنیا‘‘ کے موضوع پر لیکچر میں اسلامی ممالک کو سائنسی فروغ کی پرزور تلقین کی ۔ آپ کے لیکچر کے اہم نکات یہ تھے ۔آپ نے فرمایا! ۱۹۷۹ء میں جب مجھے نوبیل انعام سے نوازا گیا تو سب نوبل لاریٹس نے ترجمانی کے لئے مجھے کہا۔ میں نے بتلایا کہ میں نے اپنی تحقیق کی بنیاد اس قرآنی ارشاد پر رکھی کہ’’ تو رحمٰن خدا کی تخلیق میں کوئی رخنہ نہیں دیکھتا ۔تو اپنی آنکھ کو پھیر کر اچھی طرح سے دیکھ لے کہ تجھے خدا کی مخلوق میں کسی جگہ بھی کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر باربار نظر کو چکر دے ۔وہ آخر تیری طرف ناکام ہوکر لوٹ آئے گی اور تھکی ہوئی ہوگی مگر اسے کوئی رخنہ نظر نہ آئے گا‘‘۔(سورۃ الملک آیت ۵)

ڈاکٹر موصوف کے ایک خطاب کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔وہ فرماتے ہیں۔’’یہی قرآنی تعلیم ہے جو سائنسی طبیعات کے تمام طالب علموں کی عملاً رہنما ہے۔اسی تعلیم کی سچائی کا ایمان ہمارے اندر جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے اور ہمیں استقلال بخشتا ہے۔ہم اپنی تلاش میں جتنی گہرائی تک بھی جائیں اتنی ہی ہماری حیرت بڑھتی ہے اور اتنا ہی چکاچوند سے ہماری آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔کائنات کی وسعت کی یہی جستجو ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم اس امر پر غور کریں کہ سائنس اور تحقیق بنی نوع انسان کا مشترکہ ورثہ ہے اور اسی عدم تحقیق کی وجہ سے بلاد اسلامیہ میں علم کا زوال ہوتا چلا گیا ہے۔‘‘

علم ،جستجو اور تحقیق کے لئے قرآن کریم میں ۷۵۰ آیات میں تلقین کی گئی ہے جبکہ آئین و قانون کے متعلق ۲۵۰ آیات ہیں۔یہ ۷۵۰ آیات قرآن کریم کے حجم کا آٹھواں حصہ ہیں۔اسی بنا پر

لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا
البتہ آراستہ کیا ہم نے آسمان دُنیا کو چراغوں سے اور بنایا ہم نے انکو زد
لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۶ وَلِلَّذِيْنَ
شیطانوں کے لیے اور تیار کیا ہم نے ان کیلئے عذاب دوزخ سے اور ان کے لیے جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ قرآن پاک کا فرمان ہے۔ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔(۳۹ :۱۰) قرآن کریم کی اسی تعلیم نے ماضی کی مسلمان قوموں کوسائنسی شعور بخشا تھا۔

۶۔ (تشریح مناھل العرفان سورۃ صٰفٰت :۷تا۱۰) السعر کے معنی آگ بڑھکنے کے ہیں۔ یہاں **سعیر** بمعنی مسعور ہے۔(راغب) یعنی بڑھکائی گئی آگ۔ مراد جلانے والی آگ ہے۔جہنم۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کے ذکر میں فرمایا! ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا اور ان ستاروں کو شیطان کو دھتکارنے کاذریعہ بنایا۔ ان کے لئے ہم نے بڑھکتی ہوئی آگ کاعذاب تیارکیا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ہر ستارے پر ایک فرشتہ موکل ہے آپ نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۰۳ تا ۱۳۵ میں اس موضوع پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ استفادہ فرمایئے۔ (سورۃ الجن:۱۰)چونکہ فرشتے ستاروں کے لئے بوجہ شدت تعلق ، جان کی طرح ہیں اس لئے اس آیت میں فرشتوں کا فعل ستاروں کی طرف منسوب کیا۔(آئینہ کمالات اسلام صفحہ۷۷ حاشیہ) (تشریح مناھل العرفان سورۃ الحاقہ:۱۸) گویا وہ شیاطین کی تحریکات کوتوڑنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔غرض ستاروں کی تاثیریں بعض مرئی اور غیر مرئی آفاقی قوتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور زمین کو ان کے بداثرات سے محفوظ رکھتی ہیں۔(صٰفٰت :۷تا۱۰مناھل العرفان میں تفصیلاً بیان ہوا ہے)

احادیث میں ہے کہ زمین وآسمان میں ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں جوفرشتوں سے خالی ہو۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے اس آیت کی تفسیر میں ملائکہ اور شیاطین پر سیر حاصل بحث کی ہے جومختصر یہ ہے۔ فرشتے لطیف اور پاک روحیں ہیں جنہیں قلب انسانی سے تعلق ہوتا ہے اور ہروقت قلوب کی تحریک میں لگے رہتے ہیں۔ان کے مد مقابل اور ان کی تحریک کے مخالف شیاطین اور ابلیسوں کی روحیں ہیں جو بدی اور بدکاری کی محرک ہیں۔۔۔۔۔شریعت اسلام میں حکم ہے کہ فرشتوں پر ایمان لاؤ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ تم کو نیکی کی تحریک کریں تو معاً اسی وقت اس نیکی کو کرلو تا کہ اس نیکی کے محرک کا تعلق تم سے بڑھے اور وہ زیادہ نیکی کی تحریک دے بلکہ اس کی جماعت کے اور ملائکہ بھی تمہارے اندر نیکی کی تحریکیں کریں۔اگر اس تحریک کو نہ مانوگے تو اس ملک نیکی کے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷ اِذَآ
کافر ہوئے اپنے رب کے عذاب ہے دوزخ کا اور بُری ہے پھرنے کی جگہ جب
اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝۸ تَكَادُ تَمَيَّزُ
ڈالے جاویں گے اس میں سنیں گے اس کی زور کی آواز اور وہ جوش کرتی ہوگی قریب ہے کہ پھٹ جاوے
مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ
جوش سے جب ڈالی جاوے گی اس میں کوئی جماعت پوچھیں گے ان سے چوکیدار اس کے کیا نہ
يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۹ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ
آیا تمہارے پاس کوئی ڈرانیوالا کہیں گے کیوں نہیں بلکہ آیا تھا ہمارے پاس ڈرانیوالا مگر جھٹلایا ہم نے اور
قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۱۰
کہا ہم نے نہیں اتارا اللہ نے کچھ نہیں ہو تم مگر گمراہی بڑی میں
وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۱
اور کہیں گے اگر ہوتے ہم سنتے یا سمجھتے نہ ہوتے ہم دوزخ والوں میں سے
فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ اِنَّ
پس اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا پس دوری ہے دوزخ والوں کو یقیناً

محرک کوتم سے نفرت ہو جائے گی۔اس لئے ضروری ہوا کہ ملائکہ سے تعلق بڑھاؤ تا کہ نیکی کی تحریک بڑھے اور آخر وہ تمہارے دوست بن جاویں۔قرآن کریم میں اس نکتہ کوحٰم سجدہ :۳۱، ۳۲ میں بیان فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ان ملائکہ کے مدمقابل یاضد۔۔۔۔۔شیاطین اور ارواح خبیثہ ہیں ان کے تعلقات سے ان کی جماعت دوست بنتی ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ نومبر ۱۹۱۱ء نورالدین طبع ثالث صفحہ ۱۹۴ تا ۲۰۱)

۷۔۸۔**شھیق** گدھے کی آواز ہے۔سخت کریہہ اوربلند آواز۔**تفور** ۔**الفور** کے معنی سخت جوش مارنے کے ہیں ۔آگ کے بھڑک اٹھنے یاغصہ کے جوش پر بولا جاتا ہے۔**تفور**۔وہ جوش مارتی ہے۔

شیاطین کے واصل جہنم ہونے کے ذکر میں اب جہنم کی کیفیت بیان کی اوران لوگوں کا انجام بتلایا جنہوں نے اپنے ربّ کا انکار کیا۔فرمایا ان لوگوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ لوٹنے کی بہت بُری جگہ ہے۔ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو جہنم کی ایک چیخ کی سی آواز سنیں گے اوروہ جوش مار رہی ہوگی۔

۹ تا ۱۲۔ **الخزن** کے معنی خزانہ میں محفوظ کرنے کے ہیں پھر ہر چیز کی حفاظت کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ **الخزنۃ خازن** کی جمع ہے ۔حفاظت کرنے والے۔ چوکیدار ۔داروغے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

وہ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کے لیے بخشش اور ثواب

كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

بڑا ہے اور تم چھپاؤ اپنی بات یا پکار کر کہو اس کو یقیناً وہ جانتا ہے بات

سحقًا۔ السّحق کے اصل معنی کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں ۔زیادہ تردوا کے پسینے پر بولا جاتا ہے۔ **سحقًا** ہلاکت اوردوری کے لئے آتا ہے۔

فرمایا جہنم اس طرح جوش مارتی ہوگی گویا ابھی غصہ سے پھٹ پڑے گی ۔ جب بھی اس میں کوئی گروہ جھونکا جائے گا تو داروغہ جہنم کے استفسار پر کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا جو تمہیں اس عذاب سے ڈراتا، وہ برملا اقرار کریں گے کہ ہمارے پاس ڈرانے والا ضرور آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا کہ اللہ نے تم پر کوئی چیز نہیں اتاری اور تم محض ایک بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔ گویا الہام وغیرہ تمہارا وہم ہے ۔وہ حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم خدا کے فرستادہ کی آواز غور سے سنتے او رسمجھنے کی کوشش کرتے تو آج آگ والوں میں شامل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ڈرانے والوں کی آواز ہر شخص تک نہیں پہنچتی ۔اگر کسی فرستادہ کی آواز کسی شخص تک نہیں پہنچی اور نہ ہی اس کی کوئی تحریر اس کی نظر سے گزری تو اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندے سے ضرور نرمی کا سلوک فرمائے گا۔ پکڑے وہی جائیں گے جن تک اللہ کے فرستادہ کی آواز یا تحریر پہنچی مگر انہوں نے اس پر غور کرنے یا تحقیق کرکے حق تک پہنچنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

غرض اہل جہنم نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا جو تکذیب انبیاء تھا مگر اس وقت کا اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔پس ہلاکت ہو آگ میں پڑنے والوں پر۔اس ساری گفتگو سے یہ بتانا مقصود تھا کہ تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھا گیا نہ تم پر ظلم ہوا ۔تمہاری ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے انبیاء او رکتابیں آتی رہیں جو تمہیں باربار متنبہ کرتی رہیں ۔ قرآن کریم میں بھی متعدد بار یہ پیغام دیا گیا ہے جسے اللہ کے پاک بندوں نے قبول کیا۔ اگر تم اپنی ضد پر قائم نہ رہتے اور اللہ کے فرستادہ کی باتیں سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج اس انجام کو نہ پہنچتے ۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں کا بیان تھا جن کا ٹھکانا آگ ہے ۔اب اللہ تعالیٰ کے خاشع بندوں کا ذکر کیا جو اپنے ربّ سے غیب میں ڈرتے ہیں ۔ گناہ سے بچنے کا اولین نسخہ یہی ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی ابتدائی آیات میں ہے ۔گناہ اکثر چھپ کر کئے جاتے ہیں اگر اپنے ربّ پر یقین کامل ہو کہ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے تو پھر وہ کونسی جگہ ہے

الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۵﴾ هُوَ ع ۵ ۱

سینوں والی کو کیا نہ جانے وہ جس نے پیدا کیا اور باریک دیکھنے والا باخبر ہے وہ

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ

جس نے بنائی تمہارے لیے زمین ماتحت پس چلو اسکی راہوں میں اور

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۶﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ

کھاؤ اس کے رزق سے اور اسکی طرف جی اٹھنا ہے کیا نڈر ہو تم اس سے کہ جو آسمان میں ہے

اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۷﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ

یہ کہ دھنسا دیوے تم کو زمین میں پھراچانک وہ جنبش کرے یا نڈر ہو تم اس سے جو

جہاں اپنے ربّ سے چھپ کر گناہ کرسکتے ہیں۔ پس اگر بشری کمزوری سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو ربّ رحیم معاف کردے گا اور انعامات سے متمتع فرمائے گا۔

۱۴۔۱۵۔ جہاں تک چھپ کر گناہ کرنے کا تعلق ہے تو اس لطیف وخبیر سے کوئی بات کیسے چھپی رہ سکتی ہے جو تمہاری چھپی اور ظاہری باتوں کو ہی نہیں بلکہ تمہاری نیتوں اور تمہارے دلی خیالات تک سے واقف ہے ۔کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟اور کیا یہ ممکن ہے کہ خالق اپنی مخلوق کو نہ جانے جبکہ وہ باریک در باریک باتوں پر نظر رکھنے والا اور باخبر ہے۔

۱۶۔ **ذلولاً ۔الذل** ۔اسی سے ذلت ہے ۔ماتحت۔ تابع ۔ **مناکب۔ منکب** واحد ہے۔ کندھا۔ **فامشوافی مناکبھا** کے لفظی معنی یہ ہیں کہ زمین کے کندھوں پر تم چلو پھرو ۔ زمین کے **مناکب** سے مراد زمین کے راستے یا اس کے جوانب ہیں۔

اخروی جزاوسزا کے بیان میں اپنی دنیوی نعمتوں کا ذکر کیا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ **ذلولاً** سے نرمی بھی مراد ہے ۔یعنی ایسی زمین ہے جو تمہارے لئے زراعت اور بود و باش کے لئے نہایت موزوں ہے۔ **فامشوا** میں تجارتی سفروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو رزق کے ضامن ہیں اور یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ اگر تمہارے لئے اپنا دین بچانا مشکل ہوجائے تو اس جگہ کو چھوڑ دو ۔ یہ بھی مراد ہے کہ جس طرح ظاہری رزق کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے ، روحانی رزق کے لئے بھی محنت درکار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے مستفید ہوتے وقت ذہن میں یہ ضرور رکھو کہ تمہیں اللہ کے حضور حاضر ہونا اوران نعمتوں کا حساب دینا ہے جو تمہیں بطور امانت عطا کی گئی ہیں۔ پس ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بھی شامل کرو اور ان کا حق ادا کرکے اپنے ربّ کو راضی کرو۔

۱۷ تا ۱۹۔ **تمور۔ المور** کے معنی تیز رفتاری کے ہیں۔لرزنے کے معنی دیتا ہے۔

فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ
آسمانوں میں ہے یہ کہ بھیجے تم پر مینہ پتھروں کا پھر البتہ جانو گے کیسا تھا

نَذِيْرِ ﴿۱۸﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۹﴾
میرا ڈرانا اور البتہ جھٹلایا انہوں نے جو پہلے تھے ان سے پس کیسا ہوا عذاب میرا

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔۘ مَا
کیا نہ دیکھا انہوں نے طرف پرندوں کے اپنے اوپر پَر کھولے ہوئے اور سمیٹ بھی لیتے ہیں نہیں

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا
روک سکتا ان کو بجز رحمان کے یقیناً وہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے آیا کون ہے وہ

الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ
جو لشکر ہو تمہارا مدد دے تم کو سوائے رحمان کے نہیں ہیں

الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ
کافر مگر فریب میں یا کون ہے وہ جو رزق دیتا ہے تم کو اگر

تمور ۔وہ کانپتی ہے۔**حاصبًا**۔سخت آندھی پتھر برسانے والی ۔**نکیر۔ المنکر**۔شریعت میں ہر قبیح فعل کے لئے آتا ہے۔ عذاب بھی مراد ہے ۔**من فی اسماء** سے مراد ہستی باری تعالیٰ ہے جسے اس کے علو مرتبت کی وجہ سے استعارۃً آسمان سے نسبت دی جاتی ہے ورنہ وہ زمین و آسمان میں ہر جگہ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں بتلایا کہ کفران نعمت کے نتیجہ میں زمین و آسمان سے عذاب نازل ہوتا ہے اور وہی زمین جو تمہارے رزق کا ذریعہ تھی تمہارے لئے تباہی کا موجب بھی بن سکتی ہے ۔یہ آیات عام بھی ہیں کہ ایسے عذاب منکرین انبیاء پرنازل ہوتے ہیں ۔تاہم مخالفین رسول خاص طور پر ان عذابوں کی لپیٹ میں آئے۔ خسف دھنسنے کے علاوہ ذلت کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ بدر میں ذلیل ہوئے۔زمین کا کانپنا عمائدین مکہ کی ہلاکت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۱۷۱) جنگ بدر میں کنکریوں نے اور احزاب میں سخت آندھی نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

اب بطور نصیحت گزشتہ اقوام کے انجام کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے انبیاء کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ کی شدید پکڑ میں آئے ۔ کیا وہی تاریخ اب نہیں دہرائی جائے گی؟

۲۰۔۲۱۔**صٰٓفّٰت۔صف** خط مستقیم میں ہونا ہے ۔**صٰفّٰت الطیر** کے معنی ہیں اپنے پَر ایک خط مستقیم میں کردئے ۔ پھیلا دئے۔

بیشک پرندے بھی خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نشان ہیں۔ پرندوں کا ہوا میں معلق اپنے

اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۲﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ
روک لیوے اپنا رزق ۔ بلکہ لگے جاتے ہیں سرکشی اور نفرت میں پس کیا وہ جو چلتا ہے

مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ
اوندھا اپنے منہ کے بل بہت ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو چلتا ہے سیدھا راہ

پروں کو پھیلانا اور سمیٹنا خدائے رحمٰن کے مقرر کردہ اصولوں کے تحت ہے۔اس میں ان کے پروں کی ساخت، ہڈیوں کی خاص بناوٹ اور خاص طور پر ان کا ترچھا اور کھوکھلا ہونا ہے۔غرض چونچ سے لے کر دم تک کی مخصوص بناوٹ ان پرندوں کے لئے اڑنا ممکن بناتی ہے۔بیشک وہ بصیر ہے جس نے ایک کم عقل پرندے کو یہ سب سکھایا اور انہیں گرنے سے روکا ہوا ہے۔

اس آیت سے پہلے عذاب کا ذکر تھا اور اس کے بعد بھی ہے۔اس میں اہل مکہ کے لئے پیشگوئی تھی کہ تم شکست کھاؤ گے اور یہ پرندے تمہاری لاشیں نوچیں گے۔خدائے رحمٰن نے انہیں روکا ہوا ہے۔پرندے آسمان میں اڑتے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب تم پر عذاب آئے اور وہ جھپٹ کر تمہاری لاشیں نوچیں۔تمہارے یہ لشکر خدائے رحمٰن کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہ آئیں گے اور نہ ہی تم پر سے عذاب کو ٹال سکیں گے۔کافروں کو اپنی جتھہ بندیوں کا جو زعم ہے وہ محض دھوکا اور خود فریبی ہے۔ان کا یہ دھوکا بدر کے میدان میں کھل کر ظاہر ہوگیا۔اسی طرح خدائے رحمٰن فضائے روحانی کے پرندوں کا بھی مددگار ہوگا اور تمہارے لشکر ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

۲۲۔ **لَجّوا** ۔ضد میں بڑھتے چلے جانا۔وہ اَڑ رہے۔

پہلے نہایت تحدی سے فرمایا کہ تمہارے لشکر چیز کیا ہیں جو رحمٰن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریں۔ اب پھر اسی تحدی سے فرمایا کہ یہ ہیں کیا چیز جو تمہیں رزق دیں، اگر وہ تمہارا رزق روک دے ۔بلکہ یہ تو سرکشی اور نفرت میں اور بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔ گویا رزق کا روکنا بھی ان کی اصلاح کا باعث نہیں بنے گا ۔اس میں قحط کی پیشگوئی فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارا رزق روک دے گا تو کون تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد سات سالہ شدید قحط پڑا اور ابوسفیان جیسا متکبر سردار پریشان ہوکر دعا کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو رحمۃ للعالمین نے تمام رنجشوں کو نظر انداز کردیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ بارشیں ہوئیں اور قحط دور ہوگیا۔ اس قحط کے دوران حضور ﷺ نے ۵۰۰ دینار بھی اہل مکہ کی امداد کے لئے بھجوائے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان حدیث نمبر ۴۴۴۷)

۲۳۔ **مکبًا۔الکبّ** کسی چیز کو منہ کے بل گرانا۔ اوندھا کر دینا۔

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

راست پر کہہ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو اور بنائے تمہارے لیے کان

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ

اور آنکھیں اور دل تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو کہہ وہی ہے جس نے

ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

پھیلایا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے اور کہتے ہیں کب ہے یہ

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠

وعدہ اگر ہو تم سچے کہہ علم تو صرف اللہ ہی کے نزدیک ہے

آسمانی طیور کے مقابل زمینی بہائم کا ذکر کیا اور مومن و کافر کی مثال بیان فرمائی۔ منہ کے بل چلنا جانوروں کی طرح چلنا ہے۔ گویا کافر جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے عقل کو استعمال کئے بغیر جس راستہ پر کسی نے ڈال دیا چلے جارہے ہیں۔ کیا ایسا شخص ہدایت میں اُس کے برابر ہو سکتا ہے جو نہایت دوراندیشی سے سر اٹھائے اردگرد سے باخبر سیدھی راہ پر چل رہا ہے۔ یہاں آگاہ کیا کہ حقائق کو پہچاننے کے لئے جانوروں جیسی زندگی سے نکلو، غلط راہوں پر ٹھوکریں کھاتے نہ پھرو۔ گردن اٹھا کر یعنی عقل و فکر سے کام لے کر صحیح نتائج پر پہنچو۔

۲۴۔ آج سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ ارتقائی منازل میں سب سے پہلے قوتِ شنوائی عطا ہوئی تھی اس کے بعد بصارت اور پھر دل۔ پس سماعت و بینائی اور عقل و فراست کی نعمتیں اسی لئے عطا فرمائیں کہ اپنے ربّ کو پہچانو اور اس کے بتلائے ہوئے راستوں پر چلو۔ افسوس! تم اپنے ربّ کے شکر کا حق ادا نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں کان کو آنکھ پر مقدم رکھا گیا ہے۔ (تفصیل ۷:۱۸۰۔ ۷۹:۱۶) نیز دل کو عقل سے تعبیر کیا گیا اس لئے کہ دل ایک مرکز ہے۔ آخری سوچ خواہ دماغ ہی سے پیدا ہو رہی ہو، اثر دل پر کرتی ہے۔ یہ دماغ کی پیغام رسانی کا آخری نکتہ ہے۔ (ترجمۃ القران کلاس MTA از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۲۵ تا ۲۸۔ **اسوء** ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں مبتلا کردے۔ بُرائی۔ **سیئۃ حسنۃ** کی ضد ہے۔ **سیئت**۔ بدشکل کی گئی۔

اس کی نعمتیں تمہارے اعضاء و جوارح تک ہی محدود نہیں کہ تمہیں سماعت و بینائی اور عقل و فہم سے نوازا بلکہ تمہاری زمین میں بود و باش اور تمہیں سامان معیشت سے متمتع کرنا بھی ربِ رحیم کا تم پر بہت بڑا احسان ہے ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا یہی ہے کہ اس دن کے لئے تیاری کرلو جس میں اپنے ربّ کے حضور اکھٹے کئے جاؤ گے۔ منکرین کو یوم بعث پر یقین نہیں تھا وہ بطور استہزاء

وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــَٔتْ وُجُوْهُ

اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کھلا کھلا پس جب دیکھیں گے اسکو نزدیک بگڑ جاویں گے منہ ان کے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ

جو کافر ہوئے اور کہا جائیگا یہ ہے وہ جو تم مانگتے تھے کہہ

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ

کیا دیکھا تم نے اگر ہلاک کرے مجھ کو اللہ اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں یا رحمت کرے ہم پر تو کون پناہ دیگا

الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ

کافروں کو عذاب دردناک سے کہہ وہ ہے رحمٰن کہ ایمان لائے ہم اس پر

پوچھتے کہ تمہارا وعدہ کب پورا ہوگا یعنی جس تباہی سے تو ہمیں ڈراتا ہے اسے لے کیوں نہیں آتا۔ فرمایا تو کہہ دے کہ مجھے غیب کا علم نہیں عالم الغیب صرف ایک ہی ذات ہے۔ میں تو تمہیں اس تباہی سے ڈرانے والا ہوں کہ اپنا بچاؤ کرلو اور ایسے اعمال بجالاؤ جو اس دن پیش کرنے کے قابل ہوں۔ فرمایا جب اس موعود تباہی کو قریب دیکھیں گے تو مارے دہشت کے کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے تب کہا جائے گا کہ یہی وہ تباہی ہے جس کا تم تقاضا کیا کرتے تھے۔

۲۹۔ یہ ساری سورۃ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو ظاہر کر رہی ہے ہلاک کے لفظ کو پہلے رکھنے میں یہ بتانا مقصود تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو محض ان کے عمل پر چھوڑ دے تو سب کو ہلاک کردے۔ اس کی رحمت ہے جس نے سب کو تھاما ہوا ہے۔ پس اس کا محبوب ﷺ اور اس کے متبعین بھی اس کی رحمت سے ہی بخشے جائیں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خوب جان لو کہ تم محض اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوسکتے۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔ (متفق علیہ۔ بخاری کتاب الرقاق)

پس سوچ لو کہ انبیاء اور ان کے متبعین تو اللہ کی رحمت اور فضل سے بخشے جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا۔

۳۰۔ تو کہہ دے کہ وہی رحمٰن ہے ہم رحمٰن خدا پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا توکل ہے۔ پس اس کی رحمت کے حقدار بھی ہم ہی ہیں۔ ان کو مرنے کے لئے انتظار کی ضرورت نہیں۔ مرنے کے بعد تو سب پر کھل جائے گا بلکہ تم عنقریب جان لوگے کہ کون ہے جو کھلی گمراہی پر ہے۔ پس یہ فیصلہ بہت جلد دنیا ہی میں ہوگیا۔ اوّل جنگ بدر میں پھر فتح مکہ کے موقع پر اور ایسا قیامت تک ہوتا رہے گا۔ رحمٰن پر توکل کرنے والے قیامت تک فتح یاب ہوتے رہیں گے۔

وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قُلْ

اور اسی پر توکل کیا ہم نے، پس ضرور جانو گے تم کون ہے گمراہی ظاہر میں کہہ

ع ۲ ۲ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۱﴾

بتاؤ تو سہی اگر ہو جاوے تمہارا پانی خشک تو کون لاوے گا تمہارے پاس پانی جاری

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA زیر آیت ھٰذا میں فرماتے ہیں کہ اہل علم اور اہل انصاف کو پتہ لگ جانا چاہیئے۔اللہ کا سلوک بتا رہا ہے ، اس کی فعلی گواہی ہے کہ کون گھٹ رہا ہے اور کون بڑھ رہا ہے ، تقدیر الٰہی ہماری مدد کر رہی ہے ۔عنقریب تم جان لوگے۔

۳۱۔ اس سورۃ میں اپنی دونوں عظیم نعمتوں رزق اور پانی کے لئے بتلایا کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں روک لے اور تمہاری دسترس میں نہ رہیں تو کون انہیں تمہارے پاس لائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسانوں کی ناشکری اور بداعمالیوں سے روکی جاتی ہیں تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ رزق کے لئے فرمایا کہ رزق کا روکنا بھی ان کی اصلاح کا باعث نہ بنا اور یہ سرکشی اور نفرت میں اور بھی بڑھتے چلے گئے آیت :۲۲ ۔کفرانِ نعمت کا حد سے بڑھنا عذاب الٰہی کو دعوت دیتا ہے ۔جہاں تک پانی کا تعلق ہے ماہرین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ آئندہ جنگیں تیل یا زمین نہیں آبی وسائل پر ہوں گی۔۲۰۱۵ء تک دنیا میں تین ارب آبادی کو پانی کی شدید قلت کا سامنا ہوگا جس سے ان کی زراعت اور رہن سہن پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ ان ملکوں میں چین ،انڈیا پاکستان اور افریقہ کے کئی ممالک شامل ہوں گے۔ (تفصیل ۲۳۔۱۹)

اسی طرح اگر روحانی آسمانی پانی کی حفاظت نہیں کروگے تو تمہاری پہنچ میں نہیں رہے گا اور آسمان کی پہنائیوں یا زمین کی گہرائیوں میں غائب ہوجائے گا جسے خدائے رحمٰن کا کوئی فرستادہ ہی تمہارے پاس لائے گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ قلم ۔یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی ترپن آیات اور دو رکوع ہیں

اس سورۃ کا نزول بہت ہی ابتدائی زمانہ کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ پہلے سورۃ اقراء نازل ہوئی پھر یہ سورۃ پھر مزمل پھر مدثر۔ یہ سورۃ حروف مقطعات سے شروع ہونے والی آخری سورۃ ہے ۔قلم میں آئندہ ہونے والی ترقیات کی طرف بھی اشارہ ہے جو قلم کی مرہون منت ہوں گی۔ جیسا کہ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی۔ یکسر الصلیب اور یقتل الخنزیر میں بھی قلم نے ہی شمشیر کا کام دیا اور یہ جنگ ہنوز جاری ہے۔ سورۃ الملک کا اختتام روحانی پانی کے غائب ہونے پر ہوا اس سورۃ کی ابتدا ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کے ذکر سے ہوئی۔''ن'' کا ایک معنی دوات کا بھی ہے۔ قلم اور دوات کو بطور گواہ پیش کر کے بتلایا کہ جتنے بھی علوم دنیا میں پھیلیں گے وہ گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ اخلاق کے بلندترین مقام پر ہیں جبکہ مخالفین رسول ﷺ کے اخلاق گرتے گرتے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جس کا اس سورۃ میں ذکر ہے۔ ''ن'' کا دوسرا معنی بڑی مچھلی ہے۔جیسا کہ اس سورۃ کے آخر میں مچھلی والے کا ذکر ہے۔اس سورۃ میں اوّل مشرکین مکہ کے ایسے شبہات کا ازالہ فرمایا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے گویا بطور پیشگوئی فرمایا کہ آپ ﷺ کو مجنون کہا جائے گا۔دوم انہیں نصیحت اور تنبیہ فرمائی اور آخر میں متبعین رسول کو صبر و استقامت کی تلقین اور جنت النعیم کی بشارت سے اس سورۃ کا اختتام ہوا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ رحمٰن رحیم کے

نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ﴿۲﴾ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ
قسم ہے قلم کی اور اسکی جو لکھتے ہیں نہیں تو فضل سے اپنے رب کے

بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۳﴾ وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۴﴾ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی
دیوانہ اور یقیناً تیرے لیے البتہ ثواب ہے بے انتہا اور یقیناً تو البتہ

خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵﴾ فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۶﴾ بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۷﴾
خُلق بڑے پر ہے پس ضرور دیکھے گا تو اور وہ بھی دیکھیں گے کہ کون تم میں سے خبطی ہے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ یہاں ''ن'' کے معنی حسنؓ اور قتادہؓ سے دوات اور ابن عباسؓ سے حوت مروی ہیں۔ قلم اور دوات کو اور ان تحریرات کو جو قلم سے لکھی جاتی ہیں یا قیامت تک لکھی جائیں گی بطور گواہ پیش کیا ہے کہ تو اپنے ربّ کے فضل سے مجنوں نہیں ۔ یہ اس وقت کہا گیا جب آپ ﷺ نے ابھی اپنے دعویٰ کا باقاعدہ اعلان بھی نہیں کیا تھا اور نہ مکہ والوں نے ابھی آپ پر مجنوں ہونے کا الزام لگایا تھا۔ گویا بالکل ابتدائی سورۃ میں ایک زبردست پیشگوئی فرمائی کہ عنقریب آپ ﷺ کو مجنوں کہا جائے گا۔ قرآن کریم کا کوئی دعویٰ بلادلیل نہیں جو بھی دعویٰ کرتا ہے ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دیتا ہے ۔یہاں قرآن کریم نے اس دعویٰ کے رد میں دو دلائل پیش کئے ۔ اوّل یہ کہ آپ ﷺ کے لئے ایک لامتناہی اجر ہے۔پس آپ ﷺ کا عمل آپ ﷺ کے مجنوں ہونے کی نفی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے تائیدایزدی سے وہ کام کرکے دکھایا جو آپ ﷺ کے ربّ کے ہاں مقبول ہے جس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا۔آپ ﷺ کا قائم کردہ مذہب قیامت تک باقی رہے گا اس لئے آپ ﷺ کا اجر بھی منقطع نہیں ہوگا اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد وبارک وسلم جبکہ دیوانے کا عمل کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا اس لئے بے اجر ہوتا ہے ۔دوسری دلیل جو دیوانگی کی نفی کرتی ہے یہ ہے کہ آپ ﷺ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ کیا ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال کے حامل دیوانے ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ ان تمام اخلاق کے جامع تھے جو دیگر انبیاء میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے ۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ فاضلہ کے گواہ آپ ﷺ کے دشمن اور دوست اور ہر وہ شخص تھا جس کو کبھی بھی آپ ﷺ سے واسطہ پڑا ہو۔ احادیث ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہیں جبکہ دیوانے تو اخلاق کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔حضرت سعد بن ہشامؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض

اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۪ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ
یقیناً تیرا رب ہی خوب جانتا ہے اسکو جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے اور وہی جانتا ہے

بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۸﴾ فَلَا تُطِعِ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۹﴾ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡہِنُ
راہ پانے والوں کو پس مت کہا مان جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں کہ تو نرمی کرے

کیا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی کچھ خبردو۔آپ نے فرمایا ! کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا پڑھتا ہوں تو فرمایا **کانا خُلقہ القراٰن** ۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جامع صلاۃ اللیل، مجمع البحار جلد اوّل صفحہ ۳۷۲ دلائل النبوۃ للبیہقی صفحہ ۱/ ۳۰۸) آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا یعنی قرآن جس اعلیٰ عمل اور اخلاق کا حکم دیتا ہے آپ ﷺ اس کا عملی نمونہ تھے ۔ حضرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **انّمابُعثت لاتمم مکارم الاخلاق** یعنی مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔(موطاامام مالک۔ باب فی حسن الخلق صفحہ ۳۶۴) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ''اگر تم کوئی اعلیٰ نمونہ چاہتے ہو۔۔۔۔۔۔تو یادرکھو کہ علم کے لئے قرآن شریف اور عملی زندگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد بس ہے ۔۔۔۔۔۔۔ آج تک جس نسخہ کو آزمایا وہ یہی کہ فتح اور نصرت اور کامیابی کے حصول کا ایک ہی نسخہ قرآن شریف ہے۔(بدر ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ (رواہ ابوداوٗد) حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ (مجھے یمن کا عامل مقرر کرکے بھیجتے وقت) آخری وصیت جو آپ ﷺ نے مجھے فرمائی جبکہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا وہ یہ تھی کہ اے معاذ! لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو۔(رواہ مالک)

۶۔۷۔**مفتون** بمعنی مجنون ہے۔(لسان العرب)

اب پیشگوئی فرمائی کہ اے نبی ﷺ وہ زمانہ قریب ہے تو بھی دیکھ لے گا اور تیرے مخالفین بھی دیکھ لیں گے کہ کس کی بات سچی نکلتی ہے اور اسی دنیا میں اجر غیرممنون کا مستحق کون ٹھہرتا ہے اور کون مجنوں ثابت ہوتا ہے۔پس اوّل جنگ بدر اور آخر فتح مکہ نے کفار پر ثابت کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہی حق تھا۔پھر دنیا نے دیکھا کہ پیغمبر خدا کامیاب و کامران اور مکذبین رسول میں سے بیشتر تائب ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے جن کو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی وہ ناکام و نامراد رہے۔

۸ تا ۱۰۔**مداھنت** ۔ تصنع اور نرمی برتنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔**تدھن** ۔ تو نرمی اختیار کرتا ہے۔

فَيُدْهِنُونَ ﴿۱۰﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۱﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ

تو وہ بھی نرمی کریں ۔ اور مت کہا مان ۔ ہر ایک سنگدل قسم کھانیوالے ذلیل کا ۔ عیب جو ۔ چلنے والا

بِنَمِيمٍ ﴿۱۲﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۳﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ

ساتھ چغلی کے ۔ منع کرنیوالا بھلائی سے ۔ سرکش ۔ گنہگار ۔ سنگدل ۔ پیچھے ۔ اس کے

زَنِيمٍ ﴿۱۴﴾ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ﴿۱۵﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيٰتُنَا

حرامی بھی ۔ اس لیے کہ تھا ۔ مال ۔ اور اولاد والا ۔ جب پڑھی جاتی تھیں اس پر ہماری آیتیں

اگر مومن کامیاب اور منکرین ناکام ہوئے تو اس لئے کہ تیرا ربّ گمراہوں کو خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کا بھی اسے خوب علم ہے ۔پس تو مکذبین کی بات ہرگز نہ مان۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو اپنے دین میں کچھ نرمی کرے تو وہ بھی اپنے طریق میں نرمی کریں۔آپ ﷺ کا نرمی اختیار کرنا یہ تھا کہ آپ ﷺ بت پرستی کی مذمت نہ کریں ۔ ان کا نرمی اختیار کرنا آپ ﷺ کی مخالفت میں کمی کرنا تھا۔

۱۱۔ سرداران مکہ کے وفد اکثر آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس ایسے مطالبات لے کر آتے رہتے تھے ۔یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب ولید بن مغیرہ کی نمائندگی میں سرداران مکہ کا وفد ابوطالب کے پاس پہنچا ۔ انہوں نے بڑی سے بڑی دنیوی نعمتوں کی پیشکش کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ اگر تمیں حکومت چاہیئے تو ہم تمہیں اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں ۔ اگر کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہوتو ہم مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی سے تمہاری شادی کروائے دیتے ہیں ۔لیکن ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دو ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااگر سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند بائیں میں رکھ دو ، تو بھی میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔(سیرۃ النبی ابن ہشام طلب ابی طالب ابی الرسول الکف جلد ا صفحہ ۲۶۶)

۱۲ تا۱۵۔ **حلّاف** ۔بہت حلف اٹھانے والا۔بہت قسمیں کھانے والا۔ **مھین** ۔ذلیل۔ **ھمّاز۔ الھمز** کے اصل معنی نچوڑنے کے ہیں ۔**ھمّاز** سخت عیب جو۔ **مشّاء مشی** ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ چلنا۔کنایۃً چغلخوری مراد ہے ۔**نمیم۔ نمیمة** اصل میں خفیف حرکت ہے۔چغلی یا بات کو جھوٹ کے ساتھ آراستہ کرکے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ **معتدٍ** ۔ عتو حد سے بڑھنا ہے ۔سرکشی اختیار کرنا۔ **معتدٍ** حد سے بڑھنے والا **عتلّ** ۔ العتل بیدردی سے گھسیٹنا ہے ۔ **عتلّ** ۔سخت گیر۔ **زنیم**۔ جو ایک قوم میں سے نہیں مگر ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ زنیم موسوم بالشر کو بھی کہتے ہیں اورزانیہ کی اولاد کو بھی۔ سعید بن جبیر سے اس کے معنی شرارت میں مشہور مروی ہیں (تفسیر ابن جبیر) (یہ تمام معانی مفردات راغب سے لئے گئے ہیں)

فرمایا مکارم اخلاق کے حامل کے مقابلہ میں بعض مکذبین انبیاء کے اخلاق انہیں اسفل سافلین تک پہنچادیتے ہیں اور وہ حیوانوں سے بھی بدتر مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔اگرچہ یہ آیات ایک خاص شخص کے متعلق نازل ہوئیں لیکن قرآن کریم نے نام نہیں لیا اور پردہ پوشی فرمائی۔تاہم قرآنی آیات عام ہیں ان کو کسی خاص شخص یاواقعہ تک محدود نہیں کیاجاسکتا۔یہ آیات قیامت تک ایسے کئی نابکار اعداء حق پر منطبق ہوتی رہیں گی۔حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کی خصلتِ رزیلہ بیان کی گئی ہے اور اس سے اعراض کرنے اور اس کی بات نہ ماننے کا حکم دیاگیاہے ۔(تفسیر ابن جریر)ان آیات میں اس دشمن خدا و رسول کے دس افعال خبیثہ بتلائے گئے ہیں۔فرمایا آپ ﷺ ہرگز کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا اور ذلیل ہے۔جو سخت عیب جو اور چغلیوں کے لئے ادھرادھر بھاگا پھرتا ہے۔بھلائی سے بہت روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا اور سخت گنہگار ہے۔ بہت سخت گیر ہونے کے ساتھ بداصل بھی ہے۔ ان تمام اخلاق رزیلہ کی جڑ یہ ہے کہ وہ مال اور اولاد کے تکبر میں مبتلا تھایعنی مال و دولت نیز جھتے کے تکبر نے اسے یہاں تک پہنچایا۔ایک انگریز مورخ Sprenger ولید بن مغیرہ کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کے حالاتِ زندگی کا زیادہ علم نہیں لیکن اس قدر یقینی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کے نہایت ذی اثر، متمول اور مقتدر سرداروں میں سے تھا۔اس کی عالی نسبی اور بلند معاشرتی حیثیت اس معاشرہ میں مسلمہ تھی۔سپرنگر ان الفاظ میں اس کا ذکر کرتا ہے کہ وہ اسلام کے اولین اور شدید ترین دشمنوں میں سے تھا اس نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت روکنے کے لئے ہرقسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔اپنے ہم وطنوں کواس نئے مذہب سے باز رکھنے کے لئے امکانی کوشش کی۔اس نے اپنے گرد امیہ بن ابی الصلت اورنضر بن حارث جیسے چالاک اور تجربہ کارلوگوں کوجمع کرلیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر اوٹ پٹانگ قسم کے پُرفتن اعتراضات کرکے انہیں لوگوں کی نظروں سے گرائے۔ مسلم مورخ، ولید بن مغیرہ کا شمار ان قریش سرداروں میں کرتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکروہ سازشیں کیں اور آپ ﷺ پر سخت مظالم ڈھائے۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے باہر سے آنے والے لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف ابھارنے کے لئے بہترین وسائل تجویز کرنے پر بحث کی اور یہ تجویز کیا گیا کہ آپ ﷺ کو کاہن، مجنوں اور شاعر کے القابات دئے جائیں۔مگر الولید نے ان تمام الفاظ کومسترد کردیا تاآنکہ تمام مجمع اس کی تجویز سے متفق ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہا جائے جو ایک آدمی کو اپنے باپ، بھائی، بیوی اور سارے خاندان سے جدا کردیتا ہے اور حاجیوں کو نہایت سختی سے آپ ﷺ سے

قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٧
کہتا کہانیاں ہیں پہلوں کی ضرور ہم داغ دینگے اس کو ناک پر

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا
یقیناً آزمایا ہم نے ان کو جیسا کہ آزمایا تھا ہم نے باغ والوں کو جبکہ قسم کھائی انہوں نے

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝١٨ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝١٩ فَطَافَ عَلَيْهَا
البتہ کاٹ ڈالیں گے اسکو صبح ہوتے ہی اور نہ تھے وہ انشاءاللہ کہتے پس پھر گیا اس پر

ملنے سے روکا جائے۔ (کما رواہ ابن جریر عن ابن عباسؓ) اس کی تمام کوششوں اور فریب کاریوں کے باوجود اسلام پھیلتا رہا یہانتک کہ اس کے دس بیٹوں میں سے تین مشرف باسلام ہوئے جن میں سے ایک مسلمانوں کے عظیم سپہ سالار خالد بن ولید تھے جنہیں جنگ موتہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب دیا جبکہ اس بدبخت کو حسرت ونامرادی کی موت نصیب ہوئی۔

۱۶ تا ۱۸۔ اس تکبر کی ہی وجہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو انہیں درخور اعتنا نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ فرمایا ہم اسے اس کی لمبی ناک پر داغیں گے یعنی اس کا سارا غرور مٹی میں ملادیں گے۔ خرطوم ہاتھی کی سونڈ ہے۔ ہاتھی اور سؤر کی ناک کے متعلق بولا جاتا ہے۔ یہاں اظہار قباحت کے لئے ناک کو خرطوم کہا۔ الوسم کے معنی نشان اور داغ لگانے کے ہیں۔ سیمۃٌ علامت اور نشان کو کہتے ہیں۔ **وسم علی الخرطوم** سے مراد ناک پر ایسی عار لگادیں گے جو ابدتک اس کا پیچھا نہ چھوڑے۔ جیسے کہتے ہیں ناک کٹ گئی۔ قرآن کریم میں اس دشمن خدا کے افعال خبیثہ کا ذکر بھی قیامت تک اس کی رسوائی کا باعث ہوگا۔

یہ مراد نہیں کہ ایسے شخص کی ناک پر واقعی کوئی نشان لگ جاتا ہے یا کٹ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس امر پر وہ اپنی ناک اونچی کرنا چاہتا تھا یعنی عزت قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہی امر اس کی ذلت کا موجب ہوجائے گا۔ ولید نے محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نہایت گستاخانہ جھوٹا کلمہ کہا یعنی آپ ﷺ کو مجنوں کہا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دس واقعی عیوب ظاہر فرمادئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرمایا! بعض دفعہ اللہ تبارک وتعالیٰ انبیاء کی زبان میں سخت کلام نازل کرتا ہے جو حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ان عیسائی عورتوں کو جو گھر گھر جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتیں اور فواحش کا سبق دیتیں، فاحشہ کا لفظ کہا جس پر عیسائیوں نے بہت شور مچایا۔ آج واقعی یہ گھر گھر فحاشی پھیلا رہی ہیں۔

۱۹ تا ۲۵۔ **یصرمنّ**۔ وہ ضرور کاٹیں گے۔ صرم۔ قطع کرنا ہے۔ **صریم**۔ کاٹی ہوئی کھیتی

طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝٢٠ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝٢١
ایک پھر جانیوالا عذاب تیرے رب کا اور وہ سوتے تھے پس صبح کو اُٹھے جیسے جڑ سے کٹے ہوئے ہیں

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝٢٢ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تو ایک دوسرے کو وہ پکارنے لگے صبح ہوتے ہی یہ کہ سویرے چلو اپنی کھیتی پر اگر ہو تم

صٰرِمِيْنَ ۝٢٣ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝٢٤ اَنْ لَّا
کاٹنے والے پھر چلے وہ اور وہ چپکے چپکے باتیں کرتے تھے یہ کہ نہ

يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝٢٥ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ
آجائے آج تمہارے پاس کوئی فقیر اور سویرے گئے پورے اہتمام سے

جس کے پھل کاٹ لئے گئے ہوں۔ رات کو بھی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ دن سے منقطع ہوتی ہے۔ انصرام۔ انقطاع۔ **صارمین**۔ کاٹنے والے۔ **یستثنون**۔ استثناء سے مراد شکر نعمت بجالانا۔ انشاء اللہ کہنا نیز الگ کرنا کے معنی بھی دیتا ہے۔ **طاف۔ الطوف** کے معنی کسی چیز کے چکر لگانے اور گھومنے کے ہیں۔ اسی سے **طوّاف** ہے۔ طائف گھومنے والا۔ مراد سخت بگولا جو فصلوں کی فصلیں اجاڑ دیتا ہے۔ **اصبحت**۔ وہ (باغ) ہوگیا۔ صبح کو ہوگیا۔ **غداۃ** صبح کا وقت۔ **غدوا**۔ وہ صبح کو چلے۔ **اُغدُوا**۔ صبح سویرے چلو۔ **یتخافتون۔ الخفت**۔ آہستہ آہستہ پوشیدہ گفتگو کرنا۔ **یتخافتون** وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اب جمع کا صیغہ استعمال کرکے بتلایا کہ ان جیسے بدقماش لوگوں کو ہم نے اسی طرح آزمایا جس طرح باغ والوں کو آزمایا تھا۔ یہ واقعہ بروایت محمد بن مروان، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ قدیم زمانہ میں صنع یمن کے قریب ایک صالح بندے کا باغ تھا وہ اپنے پھلوں اور غلے میں سے بہت سا حصہ فقراء ومساکین کے لئے مختص رکھتا۔ اس لئے پھل توڑنے اور کھیتی کے کٹنے کے وقت بہت سے فقراء ومساکین جمع ہوجاتے۔ اس مرد صالح کے انتقال کے بعد اس کے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے۔ انہیں باپ کی سخاوت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی چنانچہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ صبح سویرے مساکین کے آنے سے پہلے پہلے فصل کاٹ لیں گے۔ انہیں انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی کیونکہ انشاء اللہ کہنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کو طلب کرنا ہے جبکہ مال ومنال پر بھروسہ کرنے والوں کو اپنے ربّ پر نہیں بلکہ اپنی قوت و اختیار پر بھروسہ ہوتا ہے۔ پس جب وہ سو رہے تھے تو تیرے ربّ کی طرف سے اس باغ پر ایسا بگولا پھر گیا جس نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کردیا۔ وہ حسب پروگرام علی الصباح ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ فصل کاٹنے کے لئے سویرے سویرے اپنی کھیتی پر پہنچو۔ وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے جارہے تھے کہ آج وہاں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ اس مثال میں

قَادِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ
اندازہ کرتے ہوئے پس جب دیکھا انہوں نے اسکو کہنے لگے یقیناً ہم راہ بھول گئے ہیں بلکہ

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا
ہم محروم ہیں کہا ان میں سے بہتر آدمی نے کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ کیوں نہیں

تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَاَقْبَلَ
تسبیح کرتے تم کہا انہوں نے پاک ہے ہمارا رب یقیناً ہم تھے ظالم پھر لگے

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا
ایک دوسرے کو ملامت کرنے کہا انہوں نے اے وائے ہم پر یقیناً ہم تھے

طٰغِيْنَ ﴿۳۲﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
سرکش قریب ہے کہ ہمارا رب بدلا دیوے ہم کو بہتر اس سے یقیناً ہم اپنے رب کی طرف

رٰغِبُوْنَ ﴿۳۳﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ
رغبت کرنیوالے ہیں اسی کی طرح ہے عذاب اور البتہ عذاب آخرت کا بہت بڑا ہے کاش

ع كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۵﴾
ہوتے وہ جانتے یقیناً متقیوں کے لیے پاس انکے رب کے بہشت ہیں نعمتوں والے

کفار مکہ کی آزمائش بھی تھی کہ اگر وہ بھی باغ والوں کی طرح بندگانِ خدا کو ان کے حقوق سے محروم کرکے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوں گے تو ویسے ہی قہر الٰہی کا شکار ہوں گے۔چنانچہ سات سالہ قحط کی لپیٹ میں آئے۔

۲۶ تا ۳۴۔ **الحرد** تیزی اور غصہ کے ساتھ کسی چیز کو روکنا ہے۔**غدوا علٰی حردٍ قٰدرین**۔ وہ کوشش کے ساتھ صبح سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر ہیں۔یعنی وہ اس بات پر قدرت رکھتے تھے کہ مسکینوں کو اپنے باغ میں آنے سے روک دیں۔(مفردات راغب) **الوسط**۔ افراط وتفریط کے بالکل درمیان۔ اعتدال۔ ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لئے بولا جاتا ہے۔

غرض وہ صبح سویرے جلدی جلدی اس طرح وہاں گئے جیسے وہ پھل توڑنے پر قادر ہیں۔ جب باغ کو اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے ہیں۔جب غور کیا اور سمجھ گئے کہ ان کا اپنا ہی باغ ہے تب چیخ اٹھے کہ ہم تو لٹ گئے۔ایسے میں ان میں سے ایک بہترین شخص نے جو ان کے باپ کی طرح نیک اور صالح مرد تھا کہا! کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟یعنی اپنے ربّ کے نام کی پاکی کیوں بیان نہیں کرتے اور اس کی نعمتوں کا شکر کیوں بجا نہیں لاتے۔تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور برملا اقرار کیا کہ اللہ ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔یقیناً ہم ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے کہ اس کے مفلس بندوں کو ان کے حقوق

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۷﴾
پس کیا ہم کردیں مسلمانوں کو مانند گنہگاروں کے کیا ہے تمہیں کیسا فیصلہ کرتے ہو

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۸﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۹﴾
کیا تمہارے لیے ہے کوئی کتاب کہ اس میں پڑھتے ہو یقیناً تمہارے لیے ہے اس میں جو پسند کرو

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا
کیا تمہارے لیے قسمیں ہیں ہم پر پہنچنے والی دن قیامت تک یقیناً تمہارے لیے ہے جو

تَحْكُمُوْنَ ﴿۴۰﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ
فیصلہ کرتے ہو پوچھ ان سے کون ان میں سے ہے اس پر ضامن کیا ان کے لیے شریک ہیں

سے محروم رکھا حالانکہ اس کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو وہ اپنے حضور سے اور زیادہ دیتا ہے۔ (قرطبی) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ہر روز دو فرشتے اترتے ہیں۔ان میں سے ایک کہتا ہے۔اے اللہ! خرچ کرنے والے سخی کو اور دے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اور پیدا کر۔دوسرا کہتا ہے اے اللہ! روک رکھنے والے کنجوس کو ہلاکت دے اور اس کا مال و متاع برباد کر(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ فامامن اعطی واتقی وصدق بالحسنی) پس وہ ایک دوسرے پر الزام تراشی اور ملامت کرتے ہوئے چلے کہ تمہارے بہکانے سے ہم نے حقوق اللہ ادا کئے نہ حقوق العباد۔ہماری بدقسمتی کہ ہم ہی سرکش اور نافرمان تھے۔احساس جرم کے بعد اپنے ربّ کی رحمت کے امیدوار ہوئے کہ اگر ہمارا ربّ چاہے تو ہمیں اس باغ سے بہتر عطا فرمادے ہم تو اپنے ربّ کی طرف ہی جھکنے والے ہیں۔اب تنبیہ فرمائی کہ اے اہل مکہ! ہوش میں آؤ یہ تو معمولی عذاب تھا جبکہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بہت بڑا ہے۔گویا دونوں عذابوں کی پیشگوئی فرمادی۔دنیا میں بھی عذاب ملے گا لیکن آخرت کا عذاب اس سے بہت بڑا ہوگا۔تم بھی ایسے ہی عذاب کے مستحق ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔کیونکہ ان پر عذاب مساکین کی حق تلفی پر آیا جبکہ تم اللہ کے نبی ﷺ کے انکار نیز اس پر اور اس کے متبعین پر مظالم و شدائد کے مجرم ہو۔اس میں اہل مکہ کے لئے پیشگوئی تھی کہ جس طرح باغ والوں کی محنت اکارت گئی اسی طرح اہل مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ساری سعی و کوشش برباد جائے گی اور وہ بھی باغ والوں کی طرح بالآخر تائب ہوں گے اور ان نعمتوں کے وارث قرار پائیں گے جو ان کے تصور میں بھی نہیں آسکتی تھیں۔چنانچہ بہت جلد شام، روم اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیرنگیں ہوئیں۔

۳۵ تا ۴۲۔ **زعیم**۔کفیل۔ضامن۔ذمہ دار۔ **تخیرون**۔تم اختیار کرتے ہو۔تم پسند کرتے ہو۔

فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَاۤىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ
تو لے آویں اپنے شریکوں کو اگر ہیں وہ سچے جس دن کہ کھولا جائیگا

سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً
پنڈلی سے اور وہ بلائے جاویں گے سجدہ کی طرف تو نہ وہ کر سکیں گے نیچے ہوں گی

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ
آنکھیں ان کی ڈھانکی ہوگی ان کو ذلت اور وہ بلائے جاتے تھے سجدہ کی طرف

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ
اور وہ اچھے بھلے تھے پس چھوڑ مجھ کو اور اس کو جو جھٹلاتا ہے اس بات کو

اب متقیوں کا ذکر فرمایا کہ جو لوگ احکام الٰہی بجالائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کی وہ کامیاب و بامراد ہوں گے۔ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جو انہیں اس جہان میں بھی ملیں اور اگلے جہان میں بھی۔مشرکین کا دعویٰ تھا کہ اوّل تو اخروی زندگی ہے نہیں اگر بالفرض ہوئی بھی تو جو دنیا میں محروم رہے وہاں بھی رہیں گے۔جنہیں دنیا میں آسائشیں ملی ہیں وہاں بھی انہیں کو ملیں گی۔اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کے برابر سمجھ لیں؟تمہیں کیا ہوگیا ہے،کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی الٰہی نوشتہ ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ یقیناً اس کتاب میں تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تمہیں زیادہ پسند ہے گویا احکام الٰہی تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہوں گے۔کیا تمہارے مفاد میں ہم پر کوئی ایسی قسمیں ہیں جو قیامت کے دن تک ممتد ہیں کہ تمہیں پورا اختیار ہے جو چاہو فیصلہ کرتے پھرو۔تو ان سے پوچھ کہ ان میں سے کون ضامن ہے کہ اس نے اللہ سے تمہارے لئے ایسا کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے۔کیا ان کے کوئی خود ساختہ معبود ہیں جنہوں نے اس عہد کا ذمہ لیا ہے۔اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو انہیں پیش کریں۔

ان آیات میں ان کے اس فیصلہ کو غلط قرار دیا کہ مومن اور کافر سے یکساں سلوک ہوگا۔اس فیصلہ کے رد میں دلائل پیش کئے کہ کسی الہامی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ احکام الٰہی ان کی مرضی کے تابع ہوں گے۔اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا کہ وہ جو چاہیں کریں انہیں سزا نہیں ہوگی۔اگر کوئی ایسا وعدہ ہوا تھا تو اس کا ضامن کون تھا جو اقرار کرے کہ میرے سامنے ایسا ہوا تھا۔

۴۳۔۴۴۔ **یوم یُکشف عن ساق** کالفظی معنی جس دن پنڈلی کھولی جائے گی۔یہ زمانہ جاہلیت کا محاورہ ہے۔جب کسی امر کی شدت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا تو کہتے تھے۔سخت گھبراہٹ

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ
آہستہ آہستہ ہم کھینچیں گے ان کو اسی طرح کہ نہیں وہ جانتے اور میں ڈھیل دونگا انکو یقیناً میری تدبیر

مَتِيْنٌ ﴿۴۶﴾ اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَمْ
مضبوط ہے کیا مانگتا ہے تو ان سے کچھ بدلہ تو وہ تاوان سے بوجھل ہیں کیا

عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا
انکے پاس غیب ہے کہ وہ لکھ لیتے ہیں پس صبر کر حکم اپنے رب کیلئے اور مت

تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۹﴾ لَوْلَآ
ہو مانند مچھلی والے کے جس وقت کہ پکارا اس نے اور وہ غم سے بھرا تھا اگر نہ

اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۵۰﴾
پالیا ہوتا اس کو نعمت نے جو اسکے رب کی طرف سے تھی البتہ ڈالا جاتا وہ چٹیل میدان میں اور وہ ہوتا ملامت کیا گیا

کے لئے بولا جاتا ہے۔حقیقت ظاہر ہوجائے گی۔(تفسیر ابن کثیر)پردہ اٹھادیا جائے گا۔

اب قیامت کے احوال بتلائے اور مجرموں کی سزا کا ذکر کیا جن کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجرموں اور فرمانبرداروں سے یکساں سلوک فرمائے گا۔فرمایا اُس دن سخت گھبراہٹ کا سامنا ہوگا۔مارے ندامت کے ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھارہی ہوگی اس لئے کہ دنیا میں اچھے بھلے تھے اور انہیں کوئی عذر نہیں تھا لیکن جب انہیں احکام خداوندی کے آگے سرتسلیم خم کرنے کو کہا جاتا تھا تو ان متکبرین کی اکڑی ہوئی گردنیں جھکنے کو تیار نہیں تھیں۔یہ وہ بدنصیب تھے کہ سجدہ پر قدرت رکھنے کے باوجود انہیں سجدہ کی توفیق نہ ہوئی۔حشر کے میدان میں جھکنا چاہیں گے تو بھی جھک نہ سکیں گے۔

۴۵تا۴۸۔اس وقت ربّ العزت کے جلال کا یہ عالم ہوگا کہ ارشاد فرمائے گا!پس مجھے چھوڑ دو میں اس سے خود نپٹ لوں گا جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے۔ہم انہیں رفتہ رفتہ اس طریق سے پکڑیں گے کہ انہیں کچھ خبر نہ ہوگی۔اگر میں ان کو مہلت دیتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔میری تدبیر یقیناً بہت مضبوط ہے وہ اس کی گرفت سے نکل نہیں سکیں گے یہ تو اس طرح بلبلا رہے ہیں گویا تو تبلیغ و ہدایت کے عوض ان سے کوئی اجر مانگتا ہے اور وہ چٹی کے بوجھ تلے دبے جارہے ہیں۔ان کی بیباکی سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس غیب کا یہ علم ہے کہ جس عذاب سے تم انہیں ڈراتے ہو وہ کبھی واقع نہیں ہوگا جس کی بنا پر یہ عذاب سے بے خوف ہیں۔

۴۹تا۵۱۔ **مکظوم۔الکظم** سانس کا رکنا ہے۔سخت تکلیف اور درد و کرب میں ہونا مراد نہایت غمگین ہونا۔ **مذموم**۔ذم کے معنی مذمت کرنے کے ہیں۔مذموم مذمت کیا ہوا۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ

پھر برگزیدہ کیا اسکو اسکے رب نے پھر کیا اس کو نیکو کاروں سے اور البتہ قریب ہے وہ جو

كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ

کافر ہوئے کہ گرا دیں تجھ کو اپنی نظروں میں جب سنتے ہیں ذکر اور

يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۳﴾

کہتے ہیں یقیناً یہ البتہ دیوانہ ہے اور نہیں یہ مگر نصیحت جہانوں کے لیے

ملامت زدہ ۔بدحال۔

فرمایا ! اپنے ربّ کے فیصلے کے انتظار میں صبر کر۔ یعنی مصائب پر صبر کر اور خوف کی حالت میں رہ کر دعوت اور تبلیغ کا کام جاری رکھ یہانتک اللہ کا فیصلہ نافذ ہوجائے اور صاحبِ حوت کی طرح جلد بازی سے کام نہ لے جو بِنا اذنِ الٰہی ہجرت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اس دعا کا سکھا دینا تھا جو آپ کی زبان پر جاری ہوئی اور قبولیت کے مقام پر پہنچی جس کا ذکر سورۃ الانبیاء:(۸۹،۸۸) میں ہے ۔حضرت یونسؑ کے واقعات تفصیل سے گزر چکے ہیں (استفادہ فرمایئے۔سورۃ یونس :۹۹ ۔سورۃ الانبیاء :۸۹-۹۹۔سورۃ الصّٰٓفّٰت:۱۴۰ تا ۱۴۹) بیشک ایسے امور میں مخاطب انبیاء ہوتے ہیں لیکن سبق امت کو دینا مقصود ہوتا ہے کہ خواہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں ، صبر کا دامن چھوٹنے نہ پائے ۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔یہ حجت آمیز عتاب اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد فیصلہ کفار کے حق میں چاہتے تھے مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور سنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے لیکن آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ایسا کچلا اور پیسا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا۔(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

۵۲-۵۳۔ **زلق**۔ صاف میدان جہاں سبزہ وغیرہ نہ ہو۔ پھسلنے کی جگہ ۔**یزلقون** وہ پھسلاتے ہیں۔ گراتے ہیں ۔ **لیزلقونک بابصارھم** ۔اپنی نظروں سے (گھور کر) تجھے تیرے مقام سے گرادیں ۔"ذکر" قرآن کریم بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بھی۔ اگرچہ سیاق وسباق میں رسول ﷺ کا ذکر ہے لیکن یہاں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عرب میں جادو زوروں پر تھا۔ نظر وغیرہ سے بھی اپنا اثر ڈال کر یعنی مسمریزم(Mesmerism) سے اپنے دشمن کو گزند پہنچاتے۔منقول ہے کہ کفار نے بعض ایسے لوگوں کو تحریک کر کے جو سفلی علوم کے ماہر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نگاہوں کے ذریعہ نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا لیکن ان کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں اور

آپ ﷺ پر کسی جادو یا مسمریزم کا کوئی اثر نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو اس پر یہ دونوں آیات پڑھ کر دم کردینا اس کے اثر کو زائل کردیتا ہے۔ (مظہری) ان آیات سے وہ احادیث بھی ضعیف ثابت ہوئیں جن میں ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہوگیا تھا۔جماعتی طور پر تحقیق کروائی گئی ہے کہ وہ تمام احادیث جن میں آپ ﷺ پر جادو کا ذکر ہے ، ہاشم نامی راوی سے منقول ہیں اور ان روایات کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا گویا یہ تمام احادیث ضعیف ہیں ۔ (حوالہ اور تشریح معوذتین میں آئے گی)۔حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں قادیان میں ہندوؤں کی ایک بارات آئی اس میں ایک شخص مسمریزم کا بڑا ماہر تھا اس نے کہا کہ میں مرزا صاحب پر اثر ڈالوں گا وہ بھری محفل میں کوئی نازیبا حرکت کرنے لگیں گے۔چنانچہ وہ آپ کی مجلس میں آیا اور حضور کے سامنے بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ حضور پر اپنی توجہ کا اثر ڈالنا شروع کیا مگر ۔۔۔۔۔۔تھوڑی دیر کے بعد اس شخص کے بدن پر کچھ لرزہ آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ سنبھل گیا اور پھر زیادہ زور کے ساتھ توجہ ڈالنی شروع کی۔ اس پر اس نے ایک چیخ ماری اور بے تحاشا (بیت الذکر) سے بھاگتا ہوا نیچے اتر گیا۔۔۔۔جب اس کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو۔۔۔۔۔۔بیان کیا کہ میں علم توجہ کا بڑا ماہر ہوں ۔ میں مرزا صاحب پر اثر ڈال رہا تھا کہ انہوں نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھا کر مجھے دیکھا مجھے کچھ گھبراہٹ ہوئی لیکن میں نے اور زور سے اپنے عمل کو جاری رکھا ۔مرزا صاحب جو اپنی آنکھیں ہمیشہ نیم وا رکھتے ہیں ، اس وقت آپ نے اپنی آنکھیں پوری کھول کر مجھے دیکھا ۔میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک شیر کھڑا ہے ۔۔۔۔۔۔اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ شیر مجھ پر اس طرح حملہ آور ہوا ہے کہ گویا مجھے ختم کرنا چاہتا ہے۔میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور میں مسجد سے بھاگ گیا۔(سیرت طیبہ صفحہ ۱۴۵)

فرمایا قرآن کریم سنتے ہیں تو بغض وعداوت کی نگاہوں سے تجھے گھور گھور کر دیکھتے ہیں گویا نظروں کے قہر کے ذریعہ تجھے تیرے مقام سے گرا دیں گے اور لوگوں کو نفرت دلانے کے لئے وہی حربہ استعمال کرتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے ۔شروع سورۃ میں کفار کا دعویٰ کہ آپ نعوذباللہ مجنوں ہیں دو(۲) دلائل سے رد کیا۔اب اس دعویٰ کے رد میں ایک زبردست دلیل کے ساتھ اس سورۃ کا اختتام ہوا۔فرمایا وہ کتاب جو سارے جہان کے لئے باعث عزوشرف ہو اور ان کی اصلاح و فلاح کی ضامن ہو ایسی کتاب کا لانے والا دیوانہ کیسے ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّرُکُوْعَانِ

سورۃ حاقہ۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ترپن آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور مکی زمانہ کے دور اوّل میں نازل ہوئی۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی زیادہ تر توحید و رسالت، قیامت اور قرآن کریم کا ذکر ہے نیز اس میں مکذبین انبیاء کی تباہی، قیامت کے اہوال اور اہل جنت اوراہل جہنم کے حالات تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔

الحاقه کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اورمکذبین رسول کی ہلاکت کے متعلق عظیم پیشگوئیاں مخفی ہیں جو ہوکر رہنے والی ہیں۔ پھر وہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں ہوکر رہیں۔ آپ ﷺ کی بعثتِ ثانیہ میں یہ انتباہ ایک مرتبہ پھر پورا ہوگا اور دنیا قیامت کا منظر دیکھے گی۔ بالآخر قیامت کُبریٰ میں یہ نظارہ کھلے طور پر ظاہر ہوگا جب تمام مخفی نتائج ظاہر ہوجائیں گے۔ بطور عبرت گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے منکرین کی مثالیں بیان فرمائیں جواپنے انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

اس سورۃ کی آخری آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک ایسا پیمانہ پیش فرمایا جس کا ردّ دشمن کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ فرمایا اگر تمہارے خیال میں اس معزز کتاب کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل سے گھڑلیا ہے تو واضح ہو کہ اگر اس رسول نے اللہ تعالیٰ پر کوئی معمولی افتراء بھی کیا ہوتا تو وہ ہرگز مہلت نہ دیتا اور آپ کو اس سلسلہ سمیت ہلاک کردیتا۔ چونکہ آپ ﷺ کو بفضل خدا کوئی ایسا گزند نہیں پہنچا کہ آپ ﷺ کا کام رک گیا ہو بلکہ آپ ﷺ کا سلسلہ ان تمام نامساعد حالات میں بھی تیزی سے ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دین خدا کی طرف سے ہے اور سچا ہے۔ یہی ایک پیمانہ ہے جس سے دیگر مدعیانِ نبوت کو پرکھا جا سکتا ہے۔ آخر اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح وتحمید سے اس سورۃ کا اختتام ہوا جو اصل غرض انسانی پیدائش کی ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَلْحَآقَّۃُ ﴿۲﴾ مَا الْحَآقَّۃُ ﴿۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْحَآقَّۃُ ﴿۴﴾ کَذَّبَتْ

سچ مچ ہونیوالی — کیا ہے یقیناً ہونیوالی — اورکس چیز نے جتلایا تجھ کو کہ کیا ہے یقیناً ہونیوالی — جھٹلایا تھا

ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَۃِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُہْلِکُوْا

ثمود — اور عاد نے — ٹھوک کر سمجھانے والی کو — پس جو — ثمود تھے — تو وہ ہلاک کئے گئے

بِالطَّاغِیَۃِ ﴿۶﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُہْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَۃٍ ﴿۷﴾

بوجہ حد سے بڑھی ہوئی نافرمانی کے، اور جو عاد تھے تو ہلاک کئے گئے — ہوا — تند — حد سے نکل جانیوالی سے

سَخَّرَہَا عَلَیْہِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَی

کرلگا رکھا تھا اسکو ان پر — سات — رات — اور آٹھ — دن — برابر — پس دیکھتا تھا

الْقَوْمَ فِیْہَا صَرْعٰی کَاَنَّہُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٍ ﴿۸﴾ فَہَلْ

تو اس قوم کو اس میں — گری ہوئی — گویا کہ وہ — تنے ہیں — کھجور کے — کھوکھلے — پس کیا

تَرٰی لَہُمْ مِّنْۢ بَاقِیَۃٍ ﴿۹﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَہٗ وَ

دیکھتا ہے تو ان میں سے کوئی — باقی — اور آیا — فرعون — اور جو — پہلے اس سے تھے اور

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۹۔**الحاقة** ۔لازماً واقع ہونے والی وہ ساعت جس کا آنا حق ہے۔حق کے معنی کے لئے (سورۃ الحجر:۹) مصیبت یا بھاری مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے۔قیامت کبریٰ بھی مراد ہے جب تمام امور کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور قیامت وسطیٰ پر بھی اطلاق پاتی ہے جو مکذبین کی ہلاکت ہے جبکہ قیامت وسطیٰ قیامتِ کبریٰ پر دلیل ہے۔امام راغب نے **مآادرٰک** اور **مایدریک** میں فرق کیا ہے کہ جہاں ماادرٰک آیا وہاں ساتھ ہی بتلا دیا کہ وہ کیا چیز ہے۔ جیسے **وما ادرٰک ماهیه ० نارحامیه ०** (۱۰۱:۱۱۔۱۲) **ومآادرٰک ماليلة القدر ० ليلة القدر خيرمن الف شهر ०** (۹۷:۳۔۴) **القارعة۔ القرع** کے معنی ایک چیز کو دوسری پر مارنے کے ہیں۔ حادثہ۔مراد قیامت بھی لی جاتی ہے۔**القارعه** کھڑکھڑانے والی۔ ٹھونک کر سمجھانے والی۔ **طاغية۔ طغی** سے ہے۔ حد سے گزر جانا۔ حد سے بڑھی ہوئی نافرمانی۔ **عاتية** ۔حد سے بڑھی ہوئی۔ تیز۔قابو سے نکلنے والی۔**حسومًا**۔لگاتار۔ **صرعٰی** ۔**الصرع**۔ زمین پر پٹخ دینا۔ پچھاڑ دینا۔

قوم ثمود شدید زلزلہ سے تباہ ہوئی۔ان کے واقعات تفصیلاً سورۃ الاعراف رکوع ۱۰۔

الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۱۰﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ
الٹ جانیوالی بستیوں والے بوجہ خطا کاریوں کے پس نافرمانی کی انہوں نے اپنے رب کے رسول کی پھر پکڑا ان کو
اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۱﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۲﴾
پکڑنا بڑھ چڑھ کر یقیناً ہم نے جب طغیانی کی پانی نے چڑھایا تم کو کشتی میں
لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا
تاکہ ہم بنادیں اسکو تمہارے لیے یادگار اور یاد رکھے اسکو کوئی کان یاد رکھنے والا پس جب

ھود رکوع ۶ میں گزر چکے ہیں۔استفادہ فرمایئے۔ قوم عاد شدید آندھی سے ہلاک ہوئی۔(تفصیل الاعراف رکوع ۹۔سورۃ ھود رکوع ۵) بیشک قیامت بھی مراد ہے لیکن قیامت سے پہلے قیامتِ وسطیٰ برپا ہوگی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں کی تباہی۔گزشتہ قوموں کی مثال سے یہی سمجھانا مقصود تھا کہ ان قوموں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کرکے ہلاکت کو دعوت دی ۔ان کی مثالوں سے تم عبرت حاصل کرو۔

۱۰ تا ۱۳۔ **رابية**۔ بڑھ چڑھ کر ۔**تعيهـا۔ الوعی** کے معنی ۔بات وغیرہ کو یاد کرلینا کے ہیں ۔جمع کرنا۔ محفوظ رکھنا۔**تعی** وہ یاد رکھے ۔ وہ سنے۔ نگاہ رکھے۔**واعية**۔ یاد رکھنے والی۔ نگاہ رکھنے والی۔

انبیاء کے ذکر میں قوموں کی تاریخ بتلادی کہ قوم عاد وثمود ہو یا فرعون اوراس سے پہلے کی اقوام یا قوم لوط جو ایک بڑے گناہ میں ملوث تھی یا قوم نوح، یہ تمام اقوام تکذیب انبیاء ،ان پر ظلم وستم اور افعال شنیعہ کی مرتکب ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت میں آئیں۔

فرعون کے واقعات تفصیلاً سورہ بقرہ :۵۰ تا ۹۴۔ قوم لوط کے واقعات تفصیلاً الاعراف ۸۱ تا ۸۵ و سورۃ ھود: ۷۰ تا ۸۴ اورسورۃ الحجر: ۵۹ تا ۸۷ میں گزر چکے ہیں۔استفادہ فرمایئے۔بیشک مکذبین رسول ہلاک ہوئے لیکن جو ان شدائد میں ایمان لائے انہیں ان تباہیوں سے محفوظ رکھا۔ حضرت نوحؑ کے واقعات تفصیلاً سورۃ الاعراف رکوع ۸ و سورۃ ھود رکوع ۳ و ۴ میں گزر چکے ہیں۔ استفادہ فرمایئے۔کشتی میں بچائے جانے والے لوگوں پر ہزاروں سال گزرچکے ہیں۔چونکہ روئے زمین پر آباد انہیں کی اولاد ہے جو کشتی میں بچائے گئے اس لئے فرمایا جب پانی خوب طغیانی میں آگیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھالیا۔ گویا اللہ کا احسان تم پر بھی ہے جو تمہارے آباء و اجداد بچالئے گئے اورآج تم ان کی نسل ہو۔فرمایا اس کشتی کو تمہارے لئے ایک قابل ذکر نشان بنادیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرماتے ہیں کہ جب یہ کشتی دریافت ہوگی تو ایک نشان بن کر ابھرے گی۔ فرمایا یہ پیشگوئیاں ہیں ۔ سننے والے کان سنیں اور یادرکھیں۔ایسے کان

نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ
پھونکا جاویگا صور میں پھونکنا ایک بار اور اٹھائی جاویگی زمین اور پہاڑ
فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۵﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۶﴾ وَانْشَقَّتِ
پھر توڑے جاوینگے توڑنا ایک بار تواس دن ہو پڑے گی ہو پڑنے والی اور پھٹ جاویگا
السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۷﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا
آسمان پس وہ اس دن سست ہوگا اور فرشتے ہونگے اس کے کناروں پر

مخاطب نہیں جو ایک طرف سے سنیں اور دوسری طرف سے نکال دیں بلکہ ایسے کان جو غور سے سننے والے اور سن کر دل میں اتارنے والے ہیں یعنی محفوظ رکھنے والے ۔

۱۴ تا ۱۷۔ **دكّة**۔ کوٹ کر ہموار کرنا۔ ریزہ ریزہ کرنا۔ **دُكّتـــا**۔ دونوں کو ریزہ ریزہ کردیا گیا۔ ہموار کردیا گیا۔ **واهية۔ وهـــی** چمڑے یا کپڑے میں شگاف ہوجانا ہے ۔مضبوطی کا کمزور پڑجانا ۔ بودا ہوجانا۔ **واهية** سست ہونے والا۔اسی سے واھیات ہے۔

مکذبین انبیاء کے عبرت انگیز واقعات کے بعد اب قیامت کے اہوال کا بیان ہے کہ شائد اسی سے نصیحت حاصل کریں ۔ ’’پھونک سے مراد وقت ہے جبکہ بگل علامت ہوتا ہے وقت کے آجانے کا۔‘‘(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابع) زمین وآسمان کا اٹھایا جانا اور ریزہ ریزہ ہونا بہت بڑے زلزلہ یا ایٹمی تباہی کی نشاندہی کرتا ہے ۔الحاقۃ کی پیشگوئی اسی دن پوری ہوگی ۔یہی وہ واقع ہونے والی قیامت ہے جو قیامتِ کبریٰ سے پہلے واقع ہوگی اور قیامت کا نقشہ پیش کرے گی۔ زمین و آسمان کو پٹخ دینا اور ریزہ ریزہ کردینا بڑی طاقتوں اور عوام دونوں کی تباہی کی طرف اشارہ کرتا ہے جب ان کا سب کس بل نکل جائے گا۔ اوّل یہ نقشہ جنگِ بدر میں سامنے آیا جب عمائدین مکہ ہلاک ہوئے پھر قیصر وکسریٰ جیسی عظیم سلطنتوں کا مسلمانوں کے زیر نگیں ہو جانا ان پیشگوئیوں کو پورا کرتا ہے۔اسلام کی بعثتِ ثانیہ میں بھی یہ انتباہ ایک دفعہ پھر پورا ہوگا جب آدم اور ابلیس کی آخری جنگ ہوگی۔(مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰) آسمان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا مسلمانوں کی بعثتِ اوّل سے تعلق رکھتا تھا جبکہ آسمان کا پھٹ جانا بعثتِ ثانیہ سے تعلق رکھتا ہے آسمان کا بودا ہونا یہ ہے کہ تمام مطلق العنان اور خود مختار حکومتوں کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ آسمان میں شگاف کا پڑجانا بھی قیامتِ وسطیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے ورنہ قیامت میں تو زمین و آسمان کا وجود مٹ جائے گا۔

۱۸۔ **ارجـا۔ رجـا** کی جمع ہے ۔کنارے۔(تشریح کے لئے سورۃ المومن:۸) بیشک یہ تمام آیات قیامتِ وسطیٰ پر بھی اطلاق پاتی ہیں تا ہم یہاں سے اھوال قیامت کا ذکر ہے ۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (١٨) يَوْمَئِذٍ

اور اٹھاویں گے تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اُس دن آٹھ اُس دن

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ درحقیقت آسمان کی بقا بباعث ارواح کے ہے یعنی ملائک کے، جو آسمان اور آسمانی اجرام کے لئے بطور روحوں کے ہیں اور جیسے روح بدن کی محافظ ہوتی ہے اور بدن پر تصرف رکھتی ہے اسی طرح بعض ملائک آسمان اور آسمانی اجرام پر تصرف رکھتے ہیں اور وہ تمام اجرام سماوی ان کے ساتھ ہی زندہ ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے صدورِ افعال کو اکب ہے جب وہ ملائک جان کی طرح اس قالب سے نکل جائیں گے تو آسمان کا نظام ان کے نکلنے سے درہم برہم ہوجائے گا۔ جیسے جان کے جانے سے قالب کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ١٣٨ تا ١٤٠ حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ان آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں ! ''اس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے حامل آٹھ فرشتے ہوں گے۔کیا معنی ۔اللہ تعالیٰ کی چار صفات۔(ربّ العالمین۔ الرحمٰن۔الرحیم۔مالک یوم الدین) کی خاص تجلی ہوگی۔''(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ١٩٢) حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ۔یہ استعارہ کے طور پر کلام ہے۔۔۔۔۔۔جب آٹھ صفات کی تجلی ہوگی تو ان صفات کے ساتھ آٹھ فرشتے ہوں گے۔ (ایام صلح صفحہ ٢٣)

حقیقت تو یہ ہے کہ قیامت کی تمام اشیاء کو دنیا کی چیزوں پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ یہاں استعارۃً فرمایا کہ خدا کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھا رہے ہیں۔ عرش مخلوق نہیں۔قرآن کریم میں جہاں بھی عرش کا لفظ آیا اس سے مراد خدا کی عظمت و جبروت اور بلندی ہے۔ گویا اس کے تنزہ اور تقدس کے مقام کا نام عرش ہے ۔ درحقیقت قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکومت و فرمانروائی کا تصور دلانے اور انسانی ذہن کو اس حقیقت سے قریب تر لانے کے لئے وہی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو دنیا کے فرمانرواؤں کے لئے مستعمل ہیں۔اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ عرش پر براجمان ہو اور فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں۔ وہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وہ القیوم ہے یعنی ہرچیز کے قیام کا موجب ہے کوئی چیز اس کے قیام کی موجب نہیں حدیث میں ہے کہ عرش کو اٹھانے والے اب چار فرشتے ہیں ۔سورۃ فاتحہ میں چار صفات الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے لئے بطور اُمّ قرار دیا ہے۔ پس دنیا میں خدا کی عظمت و جبروت کی مظہر چار صفات ہیں۔یعنی ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت (تشریح مناہل العرفان جلد اوّل سورۃ فاتحہ) آٹھ(٨) کے لفظ میں اشارہ فرمایا کہ ان چار صفات کا اس دن ایک نیا ظہور ہوگا۔

تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (١٩) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

روبرو لائے جاؤ گے نہ چھپی رہے گی تم سے کوئی بات چھپی ہوئی پس جو کوئی دیا گیا عمل نامہ اپنا

بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (٢٠) اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ

اپنے داہنے ہاتھ میں تو کہے گا لو پڑھو عمل نامہ میرا یقیناً میں جانتا تھا کہ میں

مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (٢١) فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (٢٢) فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (٢٣)

ملنے والا ہوں اپنے حساب سے پس وہ ہے عیش خاطر خواہ میں بہشت بریں میں ہوگا

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (٢٤) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي

کہ میوے اس کے جھکے ہونگے کھاؤ اور پیو مزے سے بدلے اسکے جو کر چکے ہو تم

الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (٢٥) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ

ایام گذشتہ میں اور جو کوئی دیا گیا اپنا عمل نامہ اپنے بائیں ہاتھ میں تو کہے گا وہ

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ (٢٦) وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (٢٧) يٰلَيْتَهَا

اے کاش کہ میں نہ دیا گیا ہوتا اپنا اعمال نامہ اور نہ جانتا میں کیا ہے میرا حساب اے کاش کہ موت

١٩ تا ٢٥۔ **خافية** ۔مخفی رہنے والی۔ چھپنے والی۔ **هاؤم** کے معنی پکڑو کے ہیں۔ **قطوف قطف** کی جمع ہے ۔ وہ پھل جو چنا گیا۔ **دانيه ۔دنیٰ**۔ قریب ۔اسی سے دنیا ہے۔

اب اہل جنت کے احوال بیان کئے۔ فرمایا اُس دن تم اپنے ربّ کے حضور پیش کئے جاؤ گے اور کوئی مخفی بات تم سے چھپی نہیں رہے گی گویا حقائق کا انکشاف کامل طور پر ہوجائے گا۔ چونکہ دایاں ہاتھ برکت پر دلالت کرتا ہے اس لئے جس کے دائیں ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ میرے اعمال میرے ربّ کے حضور پسندیدہ قرار دئے گئے ہیں۔ وہ اپنا اعمال نامہ اپنے ساتھیوں یعنی دوست و احباب اورعزیز و اقارب کو دکھانے کے لئے بے قرار ہوگا اور کہے گا! آؤ میرا اعمال نامہ پکڑو اور پڑھو۔ مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ مجھے ضرور میرا حساب ملنے والا ہے ۔ اسی یقین کی وجہ سے میں اس دن کے لئے تیاری کرتا رہا پس ایسا شخص بہشت بریں میں عیش وعشرت کی زندگی گزارے گا ۔بہشت میں درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے بوجھل ہونے کے سبب جھکے ہوئے ہوں گے ۔اہل جنت سے کہا جائے گا مزے سے کھاؤ اور پیؤ ۔ یہ تمہارے انہی اعمال کا نتیجہ ہے جو تم گزشتہ ایام میں کیا کرتے تھے ۔

٢٦ تا ٣٣۔ **کتٰبیه** ۔ کتابی ہے۔ **کتابیه ۔حسابیه ۔ مالیه۔ ماهیه** (١٠١:٣)وغیرہ میں **ها** سکت کے لئے ہے یعنی وقفہ کے لئے۔**قاضیه ۔ القضاء** کے معنی قولاً یا عملاً کسی کام کا فیصلہ کردینے کے ہیں۔کبھی قضاء سے موت مراد ہوتی ہے۔**سلسلة** ۔زنجیر۔ جمع **سلاسل**۔**ذرع**۔ درمیانی انگلی کے سرے سے کہنی تک۔ ہاتھ۔ ماپ قریباً آدھ گز۔سلک کے

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۸﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۹﴾ هَلَكَ عَنِّيْ

ہوتی یہ تمام کرنے والی نہ کام آئے میرے مال میرے جاتا رہا مجھ سے

سُلْطٰنِيَهْ ﴿۳۰﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ فِيْ

غلبہ میرا پکڑو اسکو پھر طوق پہناؤ پھر دوزخ میں لے جاؤ اسکو پھر

سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۳﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا

زنجیر میں کہ پیمائش اسکی ستر ہاتھ ہے پھر داخل کرو اس کو یقیناً وہ تھا نہ

معنی راستہ پر چلنے کے ہیں۔ **اسلکوا** ۔تم چلو۔ تم جکڑ دو۔ تم داخل کرو۔

اب اہل جہنم کے ہولناک احوال بیان فرمائے۔ وہ بدنصیب جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں طرف سے دیاجائے گا وہ کہے گا کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیاجاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔اے کاش !وہ موت میرا کام تمام کرنے والی ہوتی ۔میرا مال ومنال میرے کسی کام نہ آیا کہ میری مصیبت میں کچھ کمی کا موجب ہوتا۔ جس عزت وغلبہ کی بنا پر میں کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا افسوس وہ مجھ سے جاتا رہا۔حکم ہوگا کہ اسے پکڑو اور اسے طوق پہنادو۔پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں داخل کرو جن کی لمبائی ستر ہاتھ ہے ۔گویا جس طرح اس نے دُنیا میں رسوم و قیود کی ایک لمبی زنجیر میں خود کو جکڑے رکھا اسی طرح اس زنجیر میں جکڑ دو سات (۷)، ستر(۷۰) یا سات سو(۷۰۰) وغیرہ کا استعمال عدد کامل کے طور پر ہوتا ہے یعنی ایک لمبی زنجیر۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی نہایت لطیف تشریح فرمائی جو مختصراً یہ ہے کہ ایک انسان کی اوسط عمر ستر(۷۰) برس ہے لگ بھگ ہوتی ہے اسی کے مقابل پر ستر (۷۰)ہاتھ کی زنجیر ہے گویا اس کی ہرکڑی ایک فاسق انسان نے اپنے ہاتھ سے تیار کی ہے۔(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۹۵، ۹۶)جدید تحقیقات علمی کی رو سے ایک نئے معنی بھی نکلے ہیں۔ وہ یہ کہ انسانی نطفہ میں جو کیڑا ہے خواہ مرد کا ہو یا عورت کا ۔اس کے مرکزی حصہ میں ۷۰ دانے ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک دانہ کسی عضوکی بناوٹ یا اخلاقی خصوصیت یا ذہنی قابلیت کا حامل اوراس کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور بطور ورثہ کے ماں یا باپ کی طرف سے آتا ہے۔ جب حمل ٹھہرتا ہے تو دونوں کیڑے مدغم ہوکر ایک جان ہوجاتے ہیں اور اس میں اس طرح ۱۴۰ دانے ہوجاتے ہیں جوماں ، باپ دودھیال اور ننھیال کی تمام خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔اس کے بعد وہ کیڑا پھر دو ٹکڑے ہوجاتا ہے اور ہر ٹکڑے میں ملے جلے ستر دانے ہوتے ہیں ۔ان دومیں سے صرف ایک ٹکڑے سے بچہ بنتا ہے اور دوسرا ضائع ہوجاتا ہے۔ اب اگر بچہ بننے والے حصہ کے ان ستر دانوں میں سے

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۴﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۵﴾

ایمان لاتا اللہ عظمت والے پر اورنہ ترغیب دیتا تھا طعام مسکین کے لیے

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۶﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۷﴾

پس نہیں اس کا آج اس جگہ کوئی دوست اورنہ کھانا بجز دھوون زخموں کے

لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۸﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَمَا ع ۱ ۸ ۵

نہ کھائے گا اسکو کوئی بجز گناہ گاروں کے پس میں قسم کھاتا ہوں اسکی جو دیکھتے ہو تم اوراسکی

چالیس دانے باپ کے ہیں اورتیس ماں کے تو بچہ باپ کی چالیس خصوصیات کا وارث ہوگا اور ماں کی تیس خصوصیات کا اگر ساٹھ دانے ماں کے ہیں اور دس باپ کے تو علیٰ ہذالقیاس ساٹھ باتوں میں ماں سے مماثلت رکھے گااور صرف دس میں باپ سے۔ اسی قاعدہ سے بعض اوقات نیکوں کے بد اور بدوں کے ہاں نیک اولاد پیداہوتی ہے ۔ تھا براھیم پسر اور پدر آزر تھا

دیگر مخلوقات کے نطفوں کے دانوں میں عدد کافرق ہے کسی کے مثلاً پچاس ہوتے ہیں کسی کے بیس اور یہی دانے بنیادی اینٹیں انسانی خصوصیات ، اخلاق اور قابلیتوں کی ہیں۔اسی لئے جہنمی ان باتوں کے خراب کرنے اور بد استعمالی کی وجہ سے جہنم میں ستر ہاتھ کی زنجیر میں جکڑے جائیں گے اور وہاں یہی باریک دانے ستر ہاتھ کی ایک زنجیر کی شکل میں متمثل ہوجائیں گے کیونکہ یہی انسانی فطرت کی بنیادی کڑیاں یاحلقے ہیں اور ان کی اصلاح کے سوا انسان جنت میں جانے کے قابل نہیں ہوتا۔(مضامین حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ جلد دوم صفحہ ۱۰۲و۱۰۳)یہ کسی انسان پر ظلم نہیں کہ اسے ورثے میں نیکی یا بدی ملی۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں بے شمار صلاحیتیں رکھی ہیں وہ اپنی کوشش ،محنت ، نیک صحبت نیز دعا اور عبادت سے اپنی کمزوریوں پر قابو پاسکتا ہے اوراسی میں ثواب ہے۔

۳۴ تا ۳۸ ۔**یحضُ۔حضّ** ایک چیز کی ترغیب دینا ہے ۔**ھٰھنا**۔ اس جگہ **حمیم۔ الحمیم** کے معنی سخت گرم پانی کے ہیں ۔ اسی سے حمام ہے۔**حمیم** گرم جوش دوست کوبھی کہاجاتا ہے۔ **غسلین۔ غُسلاً** کسی چیز پرپانی بہاکر اسے میل کچیل سے پاک کرنے کے ہیں۔ اسی سے غُسل ہے۔ **الغسلین** کے معنی دوزخیوں کے زخموں کے دھوون کے ہیں۔ دھوون ۔ پیپ وغیرہ۔ یہی دو باتیں ہیں جو ایک کافرکو مومن سے الگ کرتی ہیں یعنی اللہ پر ایمان اور اس کے بندوں سے حسن سلوک۔افسوس یہ وہ بدبخت تھا جو عظمتوں والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ مساکین کو خود کھانا کھلانا تو درکنار کسی دوسرے کو بھی کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتاتھا۔ چونکہ ایسے خودغرض اور لالچی شخص نے دنیا کی نعمتوں کا مزا اکیلے ہی اڑایا اور کسی کوان میں شریک نہیں کیا اس

لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۱﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

جونہیں دیکھتے تم یقیناً وہ البتہ قول ہے رسول معزز کا اور نہیں وہ قول شاعر کا

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

تھوڑا ہی تم ایمان لاتے ہو اور نہیں قول کاہن کا تھوڑا ہی تم نصیحت پکڑتے ہو

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۵﴾

اتارا ہوا ہے طرف سے رب العالمین کے اور اگر یہ گھڑ لیوے ہم پر بعض باتیں

لئے آخرت میں بھی اس کے کھانے میں کوئی شریک نہیں ہوگا۔ مساکین کو کھانے سے محروم رکھنے والے دوزخیوں کے زخموں کا دھوون بطور طعام پیش کیا جائے گا جسے سوائے ان جیسے خطا کاروں کے کوئی نہیں کھائے گا۔ غریبوں کی امداد اور دلجوئی سے ہاتھ کھینچنے والوں کا آج کوئی جگری دوست نہیں ہوگا جو ان کا مونس وغم خوار ہو۔

۳۹ تا ۴۴۔ اہل جہنم کے ہولناک احوال کے ذکر کے بعد قرآن اور صاحبِ قرآن کی عظمت کو بیان فرمایا جن کی تعلیم سے روگردانی جہنم کا باعث بنی۔ فرمایا میرے رسول کی صداقت کے نشان جو روز روشن کی طرح ظاہر ہیں اور تم انہیں دیکھ رہے ہو اور وہ نشانِ صداقت بھی جو قیامت تک ظہور میں آتے رہیں گے، فی الحال تمہاری نظروں سے مخفی ہیں۔ ان سب کو میں شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ یہ قرآن ایک معزز رسول کے ذریعہ پہنچا ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں۔ قرآن کریم نے اپنے شعر ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہونے سے انکار فرمایا اس لئے کہ مبالغہ آرائی اور غلو، شعر کی ایک امتیازی شان ہے جبکہ قرآن کریم ان لغویات سے پاک ہے۔ غرض اس کلام اور شاعر کے کلام میں کوئی ادنیٰ سی بھی مناسبت نہیں اس لئے کہ شاعر جو کہتا ہے، کرتا نہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم پیش کی اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ شاعر کا کلام کبھی پیشگوئیوں سے عبارت نہیں ہوتا جبکہ قرآن مجید میں قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں اور غیب کی خبریں ہیں مگر افسوس! کہ تم ایمان نہیں لاتے اس لئے کہ تمہیں ایمانی فراست سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ کاہن غلط قسم کے مجاہدات اور ریاضت وغیرہ سے بعض سفلی علوم حاصل کرتے ہیں اور جنوں سے تعلقات کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ جبکہ قرآن عظیم کی ایک بات بھی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی مگر تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یہ تو تمام جہانوں کے ربّ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۲۳۰ سے استفادہ کیا گیا)

۴۵ تا ۴۸۔ **تقوّل**۔ وہ بنالایا۔ جھوٹ باندھا۔ **اقاویل**۔ **قول** کی جمع۔ باتیں۔ **وتین** وہ

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۶﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَمَا

البتہ پکڑتے ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پھر کاٹ ڈالتے ہم اس سے رگ گردن کو پھر نہ

مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

ہووے تم میں سے کوئی اس سے روکنے والا اور یقیناً یہ البتہ یاددہانی ہے متقیوں کے لیے

رگ جو قلب سے سر کو جاتی ہے اور سارے جسم کو خون پہنچاتی ہے۔ رگِ جان۔ شہ رگ۔ **حٰجزین** ۔ **الحجز** کے معنی دو چیزوں کے درمیان روک اور حد فاصل بنانے کے ہیں۔ **حٰجزین**۔ روکنے والے۔

ان آیات کی تشریح میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ’’اگر یہ رسول کچھ اپنی طرف سے بنالیتا اور کہتا کہ فلاں بات خدا نے میرے پر وحی کی ہے حالانکہ وہ کلام اس کا ہوتا نہ خدا کا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر اس کی رگ جان کاٹ دیتے اور کوئی تم میں سے اس کو بچا نہ سکتا۔ یعنی اگر وہ ہم پر افتراء کرتا تو اس کی سزا موت تھی کیونکہ وہ اس صورت میں اپنے جھوٹے دعوے سے افتراء اور کفر کی طرف بلا کر ضلالت کی موت سے ہلاک کرنا چاہتا تو اس کا مرنا اس حادثہ سے بہتر ہے کہ تمام دنیا اس کی مفتریانہ تعلیم سے ہلاک ہو۔ اس لئے قدیم سے ہماری یہی سنت ہے کہ ہم اُس کو ہلاک کر دیتے ہیں جو دنیا کے لئے ہلاکت کی راہیں پیش کرتا ہے اور جھوٹی تعلیم اور جھوٹے عقائد پیش کر کے مخلوق خدا کی روحانی موت چاہتا ہے اور خدا پر افتراء کر کے گستاخی کرتا ہے۔‘‘۔۔۔۔۔(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰۳ واربعین نمبر ۳ صفحہ ۴،۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں اس میں توریت کی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو مثیلِ موسیٰ کے لئے استثناء باب ۱۸ میں مذکور ہے کہ اس نبی کی صداقت کا یہ نشان ہے کہ اگر وہ افتراء کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل ہے کہ نہ وہ ناکام رہے نہ قتل ہوئے۔ اس طرح آئندہ کے لئے ہر صادق مامور کے واسطے یہ ایک نشان ہوا کہ کوئی مفتری علی اللہ افتراء کر کے ۲۳ سال تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ (ضمیمہ اخبار البدر قادیان ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء) نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔’’ جو غیور خدا اپنے پیارے نبی کی نسبت فرماتا ہے **لوتقوّل** ۔۔۔۔۔۔ **الوتین** o اگر ہم پر افتراء کرتا تو اس کی رگ جان کاٹ دیتے تو اسے ایک مجھ سے ادنیٰ کی کیا پرواہ تھی جس کے لئے ایک چُھری کافی تھی۔ اگر میں جھوٹا ہوتا تو کبھی کا ہلاک ہو گیا تھا۔ (بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۹،۱۰)

۴۹۔ **تذکرہ** ۔یاد رکھنے کے لائق ۔نصیحت۔

وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى

اور یقیناً ہم البتہ جانتے ہیں کہ بعض تم میں سے جھٹلانے والے ہیں اور یقیناً یہ البتہ حسرت ہوتی

الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۵۲﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۵۳﴾ ع ۲ ۱۵ ۶

کافروں کے لیے اور یقیناً یہ البتہ بالکل یقینی بات ہے پس تسبیح کر نام اپنے رب عظمت والے کی

یقیناً یہ متقیوں کے لئے بڑی نصیحت ہے۔یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے کہ جو کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا وہ ایک متقی جماعت بناتا ہے اور ایک تاریخی قوم پیدا کرتا ہے۔(ضمیمہ اخبار البدر قادیان ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء)

پس جان لو کہ قرآن کی تعلیم اور اس کا پیغام برحق ہے اور اس کی پابندی اللہ کا خوف رکھنے والوں پر لازم ہے۔

۵۰ ۔۵۱۔ فرمایا یقیناً ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلانے والے بھی ہیں۔ اور یہ انکار یقیناً کافروں کے لئے موجب حسرت ہوگا۔ اس لئے کہ ان کی خواہشوں کے برعکس قرآن کا پیغام دن بدن پھیل رہا ہے اور اسے ترقی اور مقبولیت حاصل ہورہی ہے۔عنقریب وہ پکار اٹھیں گے کہ کاش ہم شروع میں ایمان لے آتے اور ان نعمتوں کے وارث قرار پاتے جو متقین کو دنیا و اخرت میں نصیب ہونے والی ہیں۔

۵۲ ۔۵۳۔ قرآن کی حقانیت کے بیان میں فرمایا کہ یہ قرآن حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یقین کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ کہیں سے دھوآں نکل رہا ہو تو انسان کو علم ہوجاتا ہے کہ یہاں آگ جل رہی ہے ، یہ پہلا مرتبہ علم الیقین ہے۔جب قریب جاکر اس آگ کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے تو یہ دوسرا مرتبہ عین الیقین ہے۔جب اس آگ کے اندر ہاتھ وغیرہ ڈال کر یقین کرلیا کہ واقعی آگ ہے جو جلانے والی ہے تو یہ حق الیقین ہے اور یقین کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۸)

پس اس قرآن کا وقوع حق الیقین ہے۔اس معزز کتاب کے نازل کرنے پر اپنے بزرگ و برتر ربّ کی تسبیح وتحمید بیان کر۔ الحاقہ سے اس سورۃ کا آغاز ہوا اور حق الیقین کے ساتھ اس کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوۡرَةُ الۡمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الۡبَسۡمَلَةِ خَمۡسٌ وَّاَرۡبَعُوۡنَ اٰيَةً وَّرُكُوۡعَانِ

سورۃ معارج۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی پینتالیس آیات اور دو رکوع ہیں

اس سورۃ کا زمانہ نزول قریباً وہی ہے جو سورۃ الحاقہ کا ہے یعنی ابتدائی مکی زمانہ۔اس میں زمین و آسمان اور کائنات کے راز ہائے بستہ سے پھر کسی حدتک پردہ اٹھایا جس کی کچھ تشریح سورۃ سجدہ :۶ میں گزر چکی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے قرآن کریم اردو ترجمہ کی سورۃ المعارج کے تعارف میں سائنس کی روشنی میں اس سورۃ کی ابتدائی آیات کی نہایت مدلل تشریح فرمائی جو افادہ الناس کے لئے پیش خدمت ہے ۔استفادہ فرمایئے آیت ۵ تا ۸۔

پھر قیامت کے ہولناک اہوال و شدائد کا ذکر کیا خواہ دنیوی ہوں یا اخروی۔فرمایا اس کی شدت برداشت سے باہر ہوگی۔وہ مال اور اولاد جس کے لئے اس نے دنیا میں ہر غلط کام کیا ، قیامت کے دن کی ہیبت دیکھتے ہی سب کچھ دے کر صرف اپنی جان کو عذاب سے بچانا چاہے گا۔ پھر کافروں اور مومنوں کے اخلاق کا موازنہ کیا اور بتلایا کہ کیا ان اخلاق کے ساتھ کافر جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں؟

سورۃ کے آخر میں بتایا کہ رسول پر بیہودہ نکتہ چینی ان کے واصل جہنم ہونے کا باعث ہوگی۔ آخرت کے شدائد پر اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۲﴾ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ﴿۳﴾
پوچھا ایک پوچھنے والے نے عذاب کی بابت جو واقع ہونیوالا ہے کافروں پر نہیں کوئی اسکو دفع کرنیوالا عذاب

مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ﴿۴﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ
طرف سے اللہ کی ہے جو بہت بلندیوں پر ہے چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس کی طرف

یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ﴿۵﴾ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا
اس دن کہ مقدار اس کی پچاس ہزار برس ہے پس صبر کر صبر

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۴۔ **معارج۔ عَرَجَ** ۔ کے لفظی معنی اوپر چڑھنا کے ہیں۔ ترقی کی۔ بلند ہوا۔ اسی سے عروج ہے **معارج معرج** کی جمع ہے سیڑھیاں ۔اس میں درجہ بدرجہ ترقی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ **ذی المعارج** کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ وہ عذاب اس خدا کی طرف سے آنے والا ہے جو کہ صاحبِ مرتبت ، بہت بڑائیوں والا، بہت بلندیوں والا ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء)

پچھلی سورۃ میں کافروں پر عذاب آنے کی پیشگوئی تھی نیز سورہ قلم میں جو نزول کے اعتبار سے دوسری سورۃ ہے کفار سے **کذٰلک العذاب ط ولعذاب الاٰخرۃ اکبر** (۶۸:۳۴) کا وعدہ تھا۔نسائی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ عذاب مانگنے والا نضر بن حارث تھا۔ جس نے نہایت بے باکی سے کہا کہ اگر قرآن سچا ہے اور آپ ﷺ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی دوسرا عذاب الیم بھیج دے اور یہ بدبخت حق اور کفر کی پہلی جنگ میں ہی مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ (مظہری بروایت ابن ابی حاتم) یہاں اس کے جواب میں فرمایا **لیس لہ دافع** ۔کہ اسے کوئی روک نہیں سکتا وہ آ کر رہے گا۔ من اللہ ذی المعارج میں مومنین کے لئے یہ پیغام ہے کہ اگر وہ ان اعلیٰ صفات پر عمل پیرا ہوں جو مومنین کی صفات میں اس سورۃ کی آیت ۲۳ تا ۳۶ میں بیان کی گئی ہیں تو ان کے لئے ان کے ربّ کی طرف سے بڑے بڑے بلند مراتب ہیں۔ مخالفین کو بھی تنبیہ فرمائی کہ بجائے عذاب مانگنے کے اس کی رحمت کے طلبگار ہوں ۔ اگر اس پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت دے گا اور یقیناً اعلیٰ درجات کو حاصل کرنے والے بنیں گے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی تائب ہوئے۔

جَمِیۡلًا ﴿۶﴾ اِنَّہُمۡ یَرَوۡنَہٗ بَعِیۡدًا ﴿۷﴾ وَّنَرٰىہُ قَرِیۡبًا ﴿۸﴾ یَوۡمَ
اچھا یقیناً وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک جس دن

۵ تا ۸ ۔ سائل کے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کا فیصلہ اللہ بالاو برتر کی طرف سے ہو اسے کون ٹال سکتا ہے۔ تم چند سالوں کے لئے بے صبری کرتے ہو۔جبکہ اس ربّ ذی المعارج کی شان تو یہ ہے کہ فرشتے اور جبریلؑ اس کی طرف ایک ایسے دن میں سعود کرتے ہیں جس کی گنتی پچاس ہزار سال ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے قرآن کریم اردو ترجمہ کی سورۃ المعارج کے تعارف میں سائنس کی روشنی میں اس آیت کی نہایت مدلل تشریح فرمائی جو قارئین کے افادہ کے لئے پیش خدمت ہے۔فرمایا اس آیت میں ربّ دوجہاں نے زمین و آسمان کے اسرار سے کچھ پردہ اٹھایا۔ فرمایا زمین ایسے ادوار میں بٹی ہوئی ہے کہ اس کا ایک دور پچاس ہزار سال میں مکمل ہوتا ہے ۔حقیقت میں بھی دنیا میں ہر پچاس ہزار سال کے بعد ایسی موسمی تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ ساری زمین برفانی تودوں سے ڈھک جاتی ہے اور Ice Age (عہدِ ثلج) کا دور شروع ہوجاتا ہے اور ازسرِنو تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کا آخری سات ہزار سالہ دور، تہذیب کا دور ہے جس میں انسانی قویٰ اپنے کمال کو پہنچے۔الہام الٰہی جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی جس نے تہذیب کی بنیاد رکھی۔ ہمارے آدم سے بھی جو دنیا شروع ہوئی اس کی عمر سات ہزار سال ہے جس کا ساتواں ہزار شروع ہوچکا ہے۔اس کے ایک اور معنی بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم (۲۲:۴۸) میں ہے کہ تیرے ربّ کے پاس ایسا بھی دن ہے جو اس شمار کے مطابق جو تم کرتے ہو ایک ہزار برس کا ہے ان دونوں آیات کو ملا کر پڑھا جائے تو مطلب یہ بنے گا کہ جو تم لوگوں کی گنتی ہے اس کے اگر ایک ہزار سال شمار کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کا ہر دن اُس ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اگر ہر دن کو ایک سال کے دنوں سے ضرب دی جائے اور پھر اس کو پچاس ہزار سال کے دنوں سے ضرب دی جائے تو جو اعداد بنتے ہیں وہ اللہ کے دنوں کی مدت کی تعین کرتے ہیں۔پس اس حساب سے اگر پچاس ہزار سال سے جو اللہ تعالیٰ کے دن ہیں اسے ضرب دی جائے تو اٹھارہ سے بیس بلین سال بن جائیں گے جو سائنسدانوں کے نزدیک کائنات کی عمر ہے۔

(18,250,000,000=365x50000x1000)

یعنی ہر کائنات اس عمر کو پہنچ کر پھر عدم میں ڈوب جاتی ہے اور اس کے بعد پھر عدم سے وجود پیدا کیا جاتا ہے۔

تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۹﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۱۰﴾ وَلَا
ہوگا آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور ہو دیں گے پہاڑ مانند دھنی ہوئی پشم کے اور نہ

يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۱﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ
پوچھے گا کوئی دوست کسی دوست کو وہ دکھلائے جاویں گے ان کو چاہے گا گنہگار کاش کہ

يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾
بدلہ دیوے عذاب سے اس دن کے اپنے بیٹے اور اپنی اہلیہ اور اپنا بھائی

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۵﴾
اور اپنا کنبہ جو پناہ دیتا تھا اس کو اور وہ سب جو بھی زمین میں ہیں سارے پھر چھڑا دے یہ بدلہ دینا اس کو

یہ اتنی بڑی مدت ہے کہ اسے انسان بہت دور کی بات سمجھتا ہے لیکن جب واقع ہوگی تو وہ گھڑی بالکل قریب دکھائی دے گی۔ اس لئے کہ اللہ کے دیکھنے اورانسان کے دیکھنے کا پیمانہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ چیز جو لازماً ہونے والی ہے سامنے نظر آتی ہے جبکہ انسان کو بہت دور محسوس ہوتی ہے۔ان دو آیات میں روز ازل سے لے کر قیامت تک کی تاریخ رقم کردی۔ سائل کے جواب میں اوّل اس عذاب کی طرف اشارہ کیا جس میں وہ اپنے انجام کو پہنچا۔دوم اس عذاب کا ذکر کیا جب ہر پچاس ہزار سال بعد زمین پر قیامت برپا ہوتی ہے ۔بیشک زمین وآسمان قائم رہتے ہیں مگر کسی چیز کا وجود نہیں رہتا۔ معارج میں اشارہ ہے کہ ایسا بتدریج ہوتا ہے۔ ہر دور کے بعد حکم اللہ سے ہی لیا جاتا ہے ۔پس قیامت سے پہلے زمین کی صف کئی دفعہ لپیٹی جائے گی سوم قیامت کبریٰ کا ذکر کیا جو اچانک ہوگی اور تمام کائنات کی صف یک بار کی لپیٹ دی جائے گی۔

۹ تا ۱۵۔ **فصیلہ۔ فصل** جدا کرنا ہے فصیلہ انسان کا کنبہ ہے جو اس سے جدا ہو۔ خاندان ۔قبیلہ ۔**تؤیہ۔ ایواء**۔جگہ دینا۔ توی۔ تو جگہ دینا ہے ۔پناہ دیتا ہے۔رہتا ہے۔

بیشک ان آیات میں قیامت کبریٰ کے شدائد کا بیان ہے ۔تاہم قیامت کبریٰ سے پہلے قیامت کے کئی نظارے دکھائے جائیں گے کہ شاید ہوش کے ناخن لیں اور سنبھل جائیں۔جیسا کہ ایٹمی جنگ میں بھی یہی نقشہ ہوگا آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوجائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہوجائیں گے۔ افسوس یہ قیامتیں انسانی ہاتھوں سے برپا ہوں گی جہاں تابکاری (Radiation) ہوئی وہاں دیکھنے میں آیا کہ ماں اپنے بچے کو بھول گئی ۔یہاں ان رشتوں کا ذکر کیا جن کی وجہ سے انسان نے اپنے ربّ کو بھلائے رکھا اور سرکشی پر آمادہ رہا۔ فرمایا اس دن کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست کسی دوست کا حال نہ پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ گویا ہر شخص نفسانفسی کے عالم میں ہوگا اور دوسرے کی طرف التفات نہیں کرے گا۔ایٹمی جنگوں

كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۶﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۷﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ
ہرگز نہ چھوٹے گا، یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے۔ ادھیڑنے والی منہ کی کھال کو بلاتی ہے اسکو جس نے پیٹھ موڑی

وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۸﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۹﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴿۲۰﴾
اور منہ پھیر لیا اور اکٹھا کیا مال پس چھپایا یقیناً آدمی پیدا کیا گیا ہے بے صبرا

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ﴿۲۱﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ﴿۲۲﴾ اِلَّا
جب پہنچتی ہے اس کو بُرائی اضطراب کرنیوالا ہوتا ہے اور جب پہنچتی ہے اسکو بھلائی منع کرنیوالا ہوتا ہے بجز

میں ایسے واقعات دنیا میں رونما ہوں گے جو قیامت پر گواہ بن جائیں گے۔ اس دن مجرم خواہش کریں گے کہ کاش وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹے ، اپنی بیوی، اپنا بھائی اور اپنے قبیلہ کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور تمام اہل زمین کو فدیہ میں دے کر اس عذاب سے بچ جائے اور یہ کفارہ اس کی نجات کا باعث بن جائے ۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۱۶ تا ۲۲۔**لظٰی** ۔آگ کے شعلہ کو کہا جاتا ہے جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو (مفرداتِ راغب) **لظٰی** کا لفظ تابکاری (Radiation) پر عین چسپاں ہوتا ہے جو آگ کا ایسا شعلہ ہے جس میں دھوَاں نہیں ہوتا۔لظٰی مذکر ہے آگے سارا مضمون تانیث میں چل رہا ہے الشوٰی جسم کے اطراف ہاتھ پاؤں ۔وہ اعضاء جن پر زخم لگنے سے موت واقع نہ ہو چہرے کی کھال سر کی کھال۔ **نزع** کے معنی نکالنا اور کھینچنا کے ہیں۔اسی سے نزاع موت کی حالت ہے **نزاعۃً للشوٰی** ۔ منہ کی کھال ادھیر ڈالنے والی ۔(مفردات) ہاتھ پیر کو مفلوج کرنے والی گویا کام کرنے کی طاقت اور چلنے پھرنے کی طاقت کو سلب کردیتی ہے **اوعٰی**۔سینت سینت کر رکھنا۔ ذخیرہ کرنا۔ یادہ حفاظت کرنا۔ چھپانا۔**ھلوعًا۔ ھلوع۔ ھلع** کے معنی حرص کے ہیں۔ جزع اور قلتِ صبر (لسان العرب) جلد باز۔ بے صبرا۔**خُلِقَ ھلوعًا** میں اشارہ ہے کہ اس پر یہ حالت اس قدر غالب ہے کہ گویا پیدا ہی ایسا ہوا ہے ۔**منوعًا**۔ منع کرنے والا۔ بندگانِ خدا پر خرچ کرنے سے منع کرنے والا۔بخیل۔

اب جہنم کے شدائد اور کفار کے واصل جہنم ہونے کی وجوہ بیان فرمائیں اور ایٹمی جنگ کا نقشہ پیش کیا۔ کیونکہ تابکاری (Radiation) ایسی آگ ہے جس میں دھوَاں نہیں ہوتا۔اس سے انسان کے اعصاب شل ہوجاتے ہیں ، چلنے پھرنے اور کام کاج کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ فرمایا وہ ایسی آگ ہے جو ہر اُس شخص کو بلائے گی جس نے حق سے پیٹھ پھیری اور اعراض کیا گویا اس

الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ

نمازیوں کے وہ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں اور وہ جنکے

فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۵﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ

مالوں میں حصہ ہے مقرر مانگنے والے کے لیے اور نہ مانگنے والے اور وہ جو

يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ

تصدیق کرتے ہیں یوم جزا کی اور وہ جو عذاب سے اپنے رب کے

مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۹﴾ وَالَّذِيْنَ

ڈرتے ہیں یقیناً عذاب ان کے رب کا نہیں کوئی اس سے بچا یا گیا اور وہ

هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی جوروؤں پر یا جن کے مالک ہوئے

کے دائرہ عتاب میں وہی لوگ آئیں گے جنہوں نے اطاعتِ خدا اور رسول سے روگردانی کی ہوگی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حقوق اللہ ادا کئے نہ حقوق العباد۔غرباء و مساکین پر خرچ کرنے کی بجائے اپنے مال کو سینت سینت کر رکھتے رہے یعنی ہر جائز و ناجاؤ ذرائع سے حاصل کردہ اموال کو تجوریوں میں بندر رکھتے اور اس پر عائد حقوق و واجبات کو ادا نہ کرتے۔حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسماءؓ خیر کے راستہ میں خرچ کیا کر اور گن گن کر نہ دے ورنہ اللہ بھی تمہارے حق میں گننا شروع کردے گا اور انفاق سے بچنے کے لئے بہت زیادہ حفاظت نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ بھی حفاظت کرنا شروع کردے گا اور کم ازکم جو تجھ سے ہوسکے اس کے دینے سے دریغ نہ کر۔(بخاری ومسلم)انسان کی فطری جلد بازی اور بخل کا یہ عالم ہے کہ اگر شامتِ اعمال سے کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو بوکھلا اٹھتا ہے اور سخت واویلا کرتا ہے یعنی صبر سے کام نہیں لیتا۔ اگر بھلائی پہنچتی ہے یعنی کشائش اور آسودگی حاصل ہوتی ہے تو سخت بخیل ہوجاتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس میں شریک ہو۔ یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب انسان کی جبلت میں ہی بعض کمزوریاں ہیں تو اسے سزا کیوں ہو؟ بیشک ایسا ہے لیکن ساتھ ہی ربّ رحیم نے فطرتِ انسانی میں صحیح اور غلط کو پرکھنے کی استعداد بھی رکھی نیز عقل اور سمجھ سے بھی نوازا۔پھر اپنے رسولوں کے ذریعہ ہدایت کا راستہ دکھایا اور نیکی اور بدی کا انجام بتلایا ۔ پس اجر اسی کے لئے ہے جس نے اپنی فطرت کی آواز کو سنا ،کوشش ، مجاہدہ اور دعا سے اپنی کمزوریوں پر قابو پانے میں کامیاب ہوا اور ہدایت حاصل کرلی۔

۲۳ تا ۳۶۔ اب مومنین صالحین کو ان سے مستثنیٰ رکھا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے کمزور بندے

اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

داہنے ہاتھ انکے تو یقیناً وہ نہیں ملامت کئے گئے پھر جو کوئی چاہے سوائے اس کے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

پس یہی ہیں حد سے نکل جانیوالے اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی

رَاعُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

رعایت کرنیوالے ہیں اور وہ جو اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں اور وہ جو

عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَالِ ع ۲/۶

اپنی نماز کی حفاظت کرنیوالے ہیں یہی بہشتوں میں ہونگے تعظیم کئے گئے پس کیا ہوا

کوشش ، مجاہدہ اور دعا سے اپنا قبلہ درست رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ الاَّالمصلّین میں فرمایا کہ نماز پڑھنے والے ان شدائد سے نہ گھبرائیں۔بے صبرے ہوں نہ بخیل اور نہ دوسروں کو اپنی بھلائی سے محروم رکھیں۔اگر کسی نمازی میں یہ خوبیاں نہیں تو اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے ۔فرمایا وہ عبادتگزار بندے اپنی دعاؤں میں استقامت اختیار کرتے ہیں اور اپنی نیک کمائی سے سائلوں اور ایسے سفید پوش بندگانِ خدا کا حق انہیں لوٹاتے ہیں جو اپنی عزت نفس کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔محروم میں بے زبان جانور بھی شامل ہیں، اللہ کے یہ نمازی بندے جزا وسزا کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔اس دن کے خیال سے فوراً جوابدہی کا تصور ابھرتا ہے پس وہ اپنے ربّ کے عذاب سے خائف رہتے ہیں یقیناً ان کے ربّ کا عذاب ایسا ہے جس سے بچا نہیں جاسکتا۔وہ لوگ اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا اپنی مملوکہ عورتوں کے ان کی بابت انہیں کچھ ملامت نہیں۔ اور جو اس سے آگے بڑھیں گے وہ سرکش ٹھہریں گے ۔ یہاں بتلایا کہ خواہشاتِ نفسانی اور شہوات کا جائز مصرف منکوحہ بیویاں ہی ہیں کیونکہ آج کے دور میں لونڈیوں کا جواز نہیں۔**ماملکت ایمانھم** کے معنی دوسرے رنگ میں لئے جائیں گے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ’’**ابتغٰی ورآء ذٰلک** جو اس کے سوائے اور چاہے، وہ اس کے لئے جائز نہیں۔ اس آیت کی رو سے متعہ۔ لواطت۔ جلق ۔مساحقت سب کے سب حرام ثابت ہوئے۔‘‘(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ نومبر ۱۹۱۱ء)اور وہ لوگ جو اپنی مانتوں اور اپنے عہدوں کی رعایت رکھنے والے ہیں۔امانتوں میں تمام حقوق واجبہ ادا کرنا ان کے ذمہ فرض ہے اور ان میں کوتاہی کرنا خیانت ہے ان میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد شامل ہیں۔عہدوں میں تمام معاہدات شامل ہیں خواہ انفرادی ہوں یا بین الاقوامی ۔حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جو تقریر بھی فرماتے اس میں یہ بات ضرور فرماتے کہ خبردار رہو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۷﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
ان کو جو کافر ہوئے سامنے تیرے دوڑتے ہوئے دائیں طرف اور بائیں طرف سے

عِزِيْنَ ﴿۳۸﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۹﴾
جماعت (کی صورت میں)، کیا طمع رکھتا ہے ہر ایک شخص ان میں سے یہ کہ داخل کیا جاوے بہشت نعمت والی میں

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ
ہرگز نہیں یقیناً ہم نے پیدا کیا انکو اس سے جو وہ جانتے ہیں پس میں قسم کھاتا ہوں رب مشرقوں

جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں، اس کا کوئی دین نہیں ۔(بیہقی فی شعب الایمان) اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ شہادت وسیع معانی میں ہے شہادت کا دائرہ عدالتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں شہادت کی ویسی ہی اہمیت ہے ۔شہادتوں پر قائم رہنا شہادت کے معاملہ میں راستبازی پر قائم رہنا ہے کہ خواہ کیسا ہی دباؤ ہو شہادت پر دلیری سے قائم رہے نہ چھپائے اور نہ ردوبدل کرے۔

نماز کی اہمیت کے پیش نظر نماز کے حکم کی تکرار فرمائی۔تکرار میں یہ بھی حکمت تھی کہ یہ تمام افعالِ حسنہ دراصل نماز ہی کا حصہ ہیں اور عبادت میں شامل ہیں ۔پس تیرا صدقہ و خیرات ، عفت و پاکیزگی اور امانت ، عہد اور شہادت پر قائم رہنا حتیٰ کہ یوم آخرت پر ایمان لانا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔اہل جنت کے اوصاف میں پہلے مصلین کا لفظ آیا۔ مصلین کا لفظ قرآن کریم میں نماز پڑھنے والوں کے لئے آیا ہے اور یہ ادنیٰ اور ابتدائی درجہ ہے جبکہ **علیٰ صلاتھم قائمون** ۔**علیٰ صلاتھم یحافظون** نمازیوں کے اعلیٰ ترین درجات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز باجماعت پوری شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ تشریح کے لئے (سورۃ البقرہ :۴) فرمایا جو لوگ اپنی نمازوں کو پوری احتیاط سے ادا کرنے والے ہیں سو یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے باغوں میں اعزاز و اکرام سے نوازے جائیں گے۔

۳۷ تا ۴۰۔ **عزین۔ عِزَةٌ** کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں گروہ گروہ ۔دائیں اور بائیں سے مراد ہر طرف ہے۔

یہ آیات دنیا اور آخرت دونوں پر اطلاق پاتی ہیں ۔دنیا پر چسپاں کرنے کی صوت میں یہ معنی ہوں گے کہ کافروں کو کیا ہوگیا کہ وہ چاروں طرف سے گروہ در گروہ تیرے پاس بھاگے چلے آتے ہیں کہ تیری تکذیب کریں۔ وہ آپ ﷺ سے استہزا کرتے اور آپ ﷺ کو اپنی قومیت اور وجاہت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تیری عالی نسبی کے مقابلہ میں یہ معمولی غلام تیرے قرب کے

وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۱﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا
اور مغربوں کی یقیناً ہم البتہ قادر ہیں اس پر کہ ہم بدل ڈالیں بہتر ان سے اور نہیں

نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا
ہم عاجز کئے گئے پس چھوڑ دو انکو کہ جھگڑیں وہ اور کھیلیں یہاں تک کہ وہ ملاقات کریں

اہل کہاں ہیں۔ روسائے مکہ کے تکبر کا یہ حال تھا کہ حج کے موقع پر جو مساوات کا عملی درس ہے ، میدان عرفات میں عوام کے ساتھ کھڑا ہونے میں اپنی ہتک سمجھتے ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تو مشارق و مغارب کے مالک ہیں وہ ربِّ ذوالجلال ان رؤساء کو ذلیل اورتمہاری نظر میں ان معمولی لوگوں کو ایران و روم جیسی عظیم سلطنتیں عطا کرنے پر قادر ہے کفار مکہ تمام اخلاقِ سئیہ کے باوجود خود کو جنت کے حقدار سمجھتے تھے فرمایا تمہیں کیا ہوا ہے ان اعمال کے باوجود امید لگائے بیٹھے ہو کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کئے جاؤ گے۔

آخرت پر چسپاں کریں تو روز قیامت کا نقشہ پیش کیا جب حواس باختہ کفار گروہ در گروہ تیری طرف دوڑتے چلے آئیں گے ۔کیا ان میں سے ہر ایک شخص امید لگائے ہوئے ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا ، ہرگز نہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی سرشت کس خمیر سے اٹھائی گئی ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا جسے وہ جانتے ہیں یعنی ایک حقیر قطرہ سے پھر وہ دنیا میں مختلف گناہوں میں ملوث ہوتے رہے۔ پس جب تک نیکی اور تقویٰ کے پانی سے پاک نہ ہوں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت حاصل کرکے احکامِ خداوندی کے تابع زندگی بسر نہ کریں جنت النعیم میں داخل ہونے کے اہل کیونکر ہوسکتے ہیں۔

۴۱ ۔۴۲ ۔**مشارق و مغارب** کی تشریح (رحمٰن :۱۸) غلبہ کے ذکر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم کھائی اور فرمایا کہ ہم ضرور اس بات پر قادر ہیں کہ اگر ان لوگوں نے سرکشی اختیار کی اور فسق و فجور سے باز نہ آئے تو ہم انہیں تبدیل کرکے ان سے بہتر مخلوق لے آئیں ۔وہ ہم پر سبقت نہیں لے جاسکتے یعنی کوئی ہمیں اس ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتا۔ نئی اور بہتر مخلوق لانا کئی طریق سے ہے ۔یہ بھی عین ممکن ہے کہ ایٹمی جنگوں سے مخلوق ہلاک ہوجائے اور بعد میں آنے والی نسلیں اس خوف ناک تباہی سے عبرت حاصل کریں اور نیکیوں پر گامزن ہوجائیں ۔یہ بھی امکان ہے کہ زمین و آسمان قائم رہیں اور مخلوق کی صف لپیٹ دی جائے اور ایک نئی مخلوق ان کی جگہ لے جو اپنے رب سے ڈرنے والی ہو۔واللہ اعلم بالصواب۔

يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ
اپنے دن سے جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں جس دن نکلیں گے وہ قبروں میں سے

سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
دوڑتے ہوئے گویا کہ وہ طرف بتوں کے تھانوں کے دوڑتے ہونگے نیچے ہوں گی ان کی آنکھیں

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۲/۸
ڈھانکتی ہوگی ان کو ذلت یہ ہے دن وہ جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے تھے

۴۳ تا ۴۵۔ **سراعًا۔ اسراع** جلدی کرنا ہے اسی سے سرعت ہے ۔**نصب** کسی چیز کا قائم کرنا اور بلند کرنا ہے ۔ بت ۔ بتوں کا تھان ۔ **یوفضون** ۔فض سے ہے ۔ جلدی کرنا۔ **یوفضون** ۔ وہ دوڑتے ہیں۔

فرمایا اگر یہ باز نہیں آتے تو انہیں شغل وتفریح میں مشغول رہنے دے یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن کو دیکھ لیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے ۔جس دن وہ قبروں سے تیزی کرتے ہوئے نکلیں گے گویا قربان گاہوں کی طرف دوڑے جارہے ہوں جیسا کہ دنیا میں بتوں کے استھانوں پر چڑھاوے چڑھانے کے لئے نہایت تیزی سے دوڑتے تھے ۔ اس حال میں کہ شرم سے ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھارہی ہوگی۔ یہ وہ دن ہے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا اور وہ ہمیشہ اسے جھٹلاتے رہے۔ جہنم کی طرف تیزی سے جانا ان کے اختیار میں نہیں ہوگا ان کو اپنے انجام کا علم ہوگا لیکن مجبور ہوں گے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ نوح ۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی انتیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی۔اس سورۃ میں اوّل تا آخر حضرت نوحؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔آپ حضرت آدمؑ سے تقریباً ایک ہزار سال بعد مبعوث ہوئے۔آپ پہلے صاحب شریعت نبی تھے۔آپ کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں استفادہ فرمایئے۔ (الاعراف رکوع ۸۔سورۃ ھود رکوع ۳،۴)اب ان واقعات کا اعادہ نہیں ہوگا۔حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوحؑ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی روایت میں ہے کہ آپ خلعت رسالت کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔ قرآنی تصریح کے مطابق آپ کی عمر ۹۵۰ سال ہے جو کہ آپ کی شریعت کی عمر ہے تا آنکہ حضرت ابراہیمؑ مبعوث ہوئے۔ روایات میں آپ کی قوم کی طرف سے آپ پر شدید ایذا رسانی کا ذکر ملتا ہے لیکن آپ تبلیغ حق سے باز نہ آئے اور ایک لمبے عرصہ تک بندگانِ خدا کو حق کی طرف بلاتے رہے۔اس میں یہ بتلانا مقصود تھا کہ دنیا کی اصلاح کے لئے ایک لمبا عرصہ اور صبر وتحمل درکار ہے کیونکہ لوگوں کے لئے اپنے عقائد کو چھوڑنا اور ہدایت حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس قوم کی ہلاکت میں نشان یہ تھا کہ اگر لوگ اس پیغام حق کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ، قبول نہیں کریں گے۔مخالفت اور ایذارسانی پر کمربستہ رہیں گے تو آخر ہلاک ہوں گے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ
یقیناً ہم نے بھیجا نوح کو طرف اسکی قوم کی یہ کہ ڈرا اپنی قوم کو پہلے اس سے کہ

يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳﴾
آوے انکے پاس عذاب دردناک کہا اے قوم میری یقیناً میں تمہارے لیے ڈرانیوالا ہوں ظاہر

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۴﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ
یہ کہ عبادت کرو اللہ کی اور ڈرو اس سے اور میرا کہا مانو بخشے گا تمہیں

ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا
تمہارے گناہ اور مہلت دیگا تم کو ایک وقت مقررہ تک یقیناً وعدہ مقرر کیا ہوا اللہ کا جب

جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ
آتا ہے نہیں مہلت دیا جاتا کاش ہوتے تم جانتے کہا اے میرے رب میں نے بلایا

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ”عبرانی زبان میں نوح آرام اور امن کو کہتے ہیں ۔حضرت نوحؑ کا زمانہ بڑے آرام اورامن کا تھا مگر لوگوں نے اس آرام کی قدر نہ کی اور اس کے حکموں کی نافرمانی کی اور شرارتوں پر کمر باندھی ۔تب ان پر سخت عذاب آیا۔موجودہ زمانہ بھی حضرت نوحؑ کے زمانہ کی طرح پُرامن زمانہ ہے ۔لوگ عیش وعشرت میں مصروف ہیں۔ اس زمانہ میں بھی خداوندتعالیٰ نے ایک نوحؑ بھیجا ہے اور اس نے ایک کشتی تیار کی ہے مبارک ہیں وہ جو اس میں سوار ہوئے۔“(ضمیمہ اخبار بدرقادیان ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء)عذاب بھیجنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول دنیا میں بھیجا تالوگ اس کی بات مان کر عذاب سے بچ جاویں ۔وہ رسول ایک نسخہ کیمیابھی اپنے ساتھ لایا جوتین احکام پر مشتمل تھا اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت کرو دوم اس سے ڈرو۔سوم میری پیروی کرو۔۔۔۔۔ حضرت نوحؑ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمہارے تقویٰ کی حقیقت تب متحقق (درست) ہوگی جب تم میری اطاعت کرو۔ یہ اطاعتِ رسول کے لئے ایک زبردست دلیل ہے۔

ان تین باتوں پر عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ۔۱۔تمہارے گناہ بخشے جائیں گے اور بدعملی کی سزا سے نجات پاؤگے۔۲۔تمہاری عمر لمبی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجل جب آ جاتی ہے تو نہیں ٹلتی لیکن آ چکنے سے قبل دعا وصدقہ وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔(یہ تقدیرِ معلق ہے)حضرت نوحؑ کی

قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿۶﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۷﴾
اپنی قوم کو شب و روز پس نہ زیادہ کیا ان کو میری پکار نے بجز نفرت کے

وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ
اور میں نے جب کبھی پکارا ان کو تاکہ بخشے تو ان کو ڈال لیں انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے

اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا
کانوں میں اور اوڑھ لیے اپنے کپڑے اور ہٹ کی اور تکبر کیا

اسْتِكْبَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۹﴾ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ
تکبر کرنا بڑا پھر میں نے بلایا ان کو پکار کر پھر میں نے ظاہر بھی سمجھایا ان کو

وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۱۰﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
اور سمجھایا ان کو پوشیدہ بھی پھر کہا میں نے بخشش مانگو اپنے رب سے یقیناً وہ ہے

غَفَّارًا ﴿۱۱﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۲﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ
بخشنے والا بھیجے گا مینہ کو آسمان سے تم پر بہت برسنے والا اور مدد دے گا تم کو

لمبی عمر ان کے دعوے کے واسطے کافی دلیل ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء)پس **یؤخر کم الیٰ اجل مسمّی** میں تقدیرِ مبرم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دیتا ہے تا کہ ہدایت حاصل کر کے اپنی طبعی عمر کو پہنچو۔مثلاً ایک شخص کی طبعی عمر ستر سال ہے وہ اس مہلت سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اور اپنی شوخیوں میں بڑھتا چلاجاتا ہے تو اس کی عمر گھٹادی جاتی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے کہ قضائے الٰہی کو کوئی چیز بجز دعا کے نہیں روک سکتی اور کسی کی عمر کی زیادتی بجز والدین سے حسن سلوک کے نہیں ہوسکتی ۔(رواہ الترمذی۔(مظہری)

۶ تا ۸۔ **اصابعهم۔ اصابع ۔اصبع** کی جمع ہے۔انگلی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ انبیاء دن رات اپنی امت کی اصلاح کی فکر میں رہتے ہیں کیسا ہمدرد انسانی گروہ ہے ۔۔۔۔۔نبی کی بات لوگ سننا بھی پسند نہ کرتے ۔ جیسا کہ اس زمانہ کے علماء پبلک کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی کتاب نہ پڑھو۔اس کے گاؤں میں نہ جاؤ۔ اس کے مریدوں سے ملاقات نہ کرو۔ یہ بھی ایک تکبّر ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵دسمبر ۱۹۱۱ء)

۹ تا ۱۱۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کو بآواز بلند بھی دعوتِ حق دی ۔ پھر میں نے انہیں کھلے بندوں بھی تبلیغ کی اور چھپ چھپ کربھی سمجھایا کہ اپنے ربّ سے بخشش طلب کرو۔یقیناً وہ بہت بخشنے والا ہے۔

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۳﴾
مال اور اولاد سے اور بنائے گا تمہارے لیے باغ اور بنائے گا تمہارے لیے نہریں

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۴﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۵﴾ اَلَمْ
کیا ہے تم کو نہیں ڈرتے خدا کی بزرگی سے اور اس نے پیدا کیا ہے تم کو طرح طرح سے کیا نہیں

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۶﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ
دیکھا تم نے کیسے پیدا کئے اللہ نے سات آسمان اوپر تلے اور رکھا چاند کو

۱۲۔۱۳۔ استغفار ،پچھلے گناہوں کی سزا سے بچنے کی توفیق طلب کرنا اورآئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کی دعا ہے ۔حضرت نوحؑ نے استغفار کی برکات انسانی ضروریات کے مدنظر بیان فرمائیں یعنی آسمان سے موسلا دھار بارش جس سے اشیائے خودو نوش کی ارزانی ۔اموال اور اولاد میں غیر معمولی برکت باغات اور نہروں کا جاری ہونا۔

روایت ہے کہ ایک دن حسن بصریؒ کے پاس ایک شخص آیااور قحط کی شکایت کی آپ نے اسے فرمایا کہ استغفار کرو۔پھر ایک اور شخص آیااس نے کہا ۔ یا حضرت میں محتاج ہوں ۔فرمایا استغفار کرو۔ ایک تیسرے نے کہا میرے اولاد نہیں ہوتی۔ اسے بھی استغفار کرنے کاحکم دیا۔چوتھے نے پیداوار زمین کی کمی کا گلہ کیا اسے بھی استغفار کی تاکید فرمائی۔ حاضر مجلس ربیع بن صبیح نے عرض کی کہ آپ کے پاس مختلف لوگ آئے اور مختلف چیزوں کے سائل ہوئے مگرآپ نے جواب سب کو ایک ہی دیا۔اس کے جواب میں حسن بصری نے قرآن شریف کی یہی آیات(۱۱ تا۱۳)پڑھیں۔ جماعت احمدیہ کو بھی استغفار کی تاکید باربار کی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر فرض نماز کے فرضوں کا سلام پھیرنے کے بعد سب سے پہلے تین مرتبہ استغفراللہ کہتے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)ایک مرتبہ قحط کے موقع پر حضرت عمرؓ بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے اور صرف استغفار پراکتفا کیا ۔لوگوں نے عرض کی۔امیرالمومنین آپ نے بارش کے لئے دعا کی ہی نہیں۔فرمایا میں نے آسمان کے ان دروازوں کوکھٹکھٹادیاہے جہاں سے بارش نازل ہوتی ہے اور پھر سورۃ نوح کی یہ آیات لوگوں کو پڑھ کر سنادیں۔ (ابن جریرو ابن کثیر) گویا استغفار انسان کی جملہ حاجات کے لئے گوہر بے بہاہے۔

۱۴تا۱۷۔ **وقارًا** ۔ وقار۔عزت بزرگی ۔عظمت۔ **اطوارا۔ طَور** کی جمع ہے۔کئی طرح ۔کئی بار۔ **اطوار** میں مختلف منازل و مدارج کی طرف اشارہ ہے۔

انسان پر باری تعالیٰ کی بے حدو حساب عنایات کاذکرتھا ۔فرمایا تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ربّ دوجہاں کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے حالانکہ تمہارا مختلف مدارج اور اطوارمیں پیدا ہونا اس

فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۷﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ
ان میں روشن اور بنایا سورج کو چراغ اور اللہ نے اُگایا ہے تم کو

الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۸﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۹﴾
زمین سے ایک طرح کا اُگانا پھر واپس لیجائے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو ایک طرح کا نکالنا

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۲۰﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا
اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا تم کہ چلو اس میں راہیں

ع ۱/۲۱/۹ فِجَاجًا ﴿۲۱﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ
کشادہ کہا نوح نے اے میرے رب یقیناً انہوں نے نافرمانی کی میری اور پیروی کی اس کی کہ نہ

کی عظمت وقدرت کی شناخت کے لئے کافی ہے۔اہل کتاب کے خیال میں ہر چیز اچانک اسی شکل میں پیدا ہوئی ، اس خیال کارد فرمایا۔اللہ تعالیٰ کے کاموں میں ایک خاص وقار اور ترتیب پائی جاتی ہے۔ بیشک ابتدائی حالت سے موجودہ شکل وصورت تک آنے میں ایک لمباعرصہ درکار تھا۔ تاہم مختلف ادوار سے گزرکروہ دور آیا جسے قرآن کریم نے مختلف جگہ بیان کیا۔ یعنی پہلے مٹی کی صورت تھی پھر کئی حالتوں میں تبدیل ہوکر نباتات کی حالت میں سے گزرا جس کا ذکر آیت (۱۸) میں ہے پھر مختلف تخلیقی مراحل طے کرتے ہوئے انسانی پیکر تک پہنچا۔اور نطفہ، علقہ، مضغہ سے گزر کرتمہاری خلقت کامل ہوئی۔اسی طرح زمین وآسمان کو یکدم پیدا نہیں کیا بلکہ مختلف ادوار اور طریق سے گزارا گیا اورسات آسمان طبقہ برطبقہ پیدا کئے اور اس نے ان میں چاند کو ایک نورانی قندیل اورسورج کو ایک روشن چراغ بنایا۔نور میں روشنی ہے لیکن اکتسابی۔چاندنی میں ٹھنڈک کااحساس ہوتا ہے تیز نہیں ہوتی جبکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ادوار کی خبر ہے۔شریعت میں جلال ظاہر ہوا۔ جب دو بارہ ظاہر ہوگا تو نور ہوگا لیکن سورج سے فیض یافتہ ہوگا اس لئے سورج والی تیزی نہیں ہوگی۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTAخلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیاگیا)

۱۸ تا۲۱۔**اخراج** میں عمدہ طریق سے نکالنا ہے ۔**بساطا**۔ بسط پھیلانا ہے۔بساط ہر پھیلی ہوئی چیز۔جیسا کہ شطرنج کی بساط۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں زمین سے نبات کی طرح اگایا اگرچہ نبات حیات انسانی کی ادنیٰ ترین صورت ہے ۔ تاہم سب سے پہلے زندگی نبات کی صورت ظاہر ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مختلف اوقات اور مختلف مدارج میں پیدا کیا۔نبات کا دور وہ تھاجب اس زمین پر زندگی کا سب سے پہلا خلیہ (Cell) پیدا کیا۔ انسانی تخلیق سے پیشتر جو کچھ زمین میں پیدا کیا وہ انسان کی پیدائش کو مدنظر رکھ کر پیدا کیا گیا۔سب سے

يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۲﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۳﴾

زیادہ کیا جسکو اس کے مال اور اسکی اولاد نے بجز خسارہ کے اور مکر کیا انہوں نے مکر بڑا

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا

اور کہا انہوں نے ہرگز مت چھوڑو اپنے معبودوں کو اور مت چھوڑو وَدّ کو اور نہ سواع کو اور نہ

يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۴﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ

یغوث اور یعوق اور نسر کو اور انہوں نے گمراہ کیا ہے بہتوں کو اور مت زیادہ کر

الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۵﴾ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا

ظالموں کو بجز گمراہی کے بوجہ اپنے گناہوں کے وہ غرق کئے گئے پھر داخل کئے گئے

پہلے نباتات کو پیدا کیا اس وقت کسی جاندار کا وجود نہیں تھا۔اس لحاظ سے نباتات انسان کی پیدائش کا پہلا درجہ ہے کیونکہ انسان کے عنوان کے تابع یہ نشوونما ہو رہی تھی اور مقصود انسان تھا۔ اس وقت روئے زمین پر نباتات کا راج تھا اور کامل خاموشی تھی۔ یہ وہی دور تھا جس کے لئے فرمایا **لم یکن شیئًا مذکورًا** (الدھر:۲) یعنی انسان اپنی پیدائش میں ایسی منزل سے بھی گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا۔پھر جانوروں کو پیدا کیا اور کچھ گہما گہمی ہوئی جسے دوسرا درجہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی پیدائش کی ابتدا ہوئی اور انسان ذہنی ارتقاء کی لاتعداد منازل طے کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا۔پھر وہ تمہیں زمین میں واپس لوٹا دے گا اور تمہیں ایک نئے رنگ میں نکالے گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانوں میں یہ بھی ہے کہ اس نے زمین کو تمہارے لئے بستر یعنی آرام کی جگہ اور کشادہ بنایا تاکہ تم اس کی بسیط راہوں پر چلو پھرو۔

۲۲ تا ۲۵۔ **کُبّار۔ کبیر** سے بڑھ کر **کُبار** اور **کُبار** سے بڑھ کر **کُبّار** ہے۔یعنی بہت ہی بڑا۔**مکروا۔ای الرؤساء** (جلالین)

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی مناجات کا ذکر ہے۔ آپ نے درد دل سے اپنے ربّ کے حضور فریاد کی کہ میں نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا پر وہ میری بات نہیں مانتی۔ انہوں نے اپنے ان رؤساء کی پیروی کی جن کے مال و اولاد ان کے لئے ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ ان رؤساء نے حضرت نوحؑ کے خلاف بڑی بڑی چالیں چلیں ان چالوں میں آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی کے علاوہ لوگوں کو اپنے غلط عقائد پر مضبوطی سے ڈٹے رہنے کی تلقین تھی۔انہوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو نہ **وَدّ** کو نہ **سواع** کو اور نہ ہی **یغوث** اور **یعوق** اور **نسر** کو۔ بت تو لاتعداد تھے لیکن ان پانچ کو خاص عظمت حاصل تھی۔ بخاری میں حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ وہی بت جو قوم نوحؑ میں تھے ملک عرب میں آ گئے یعنی ایسے ہی بت اہل عرب نے بھی بنا لئے اور

نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۶﴾ وَقَالَ نُوْحٌ

آگ میں پس نہ پایا انہوں نے اپنے لیے بجز خدا کے کوئی مدد دینے والا اور کہا نوح نے

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۷﴾ اِنَّكَ اِنْ

اے رب میرے مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا بیشک تو اگر

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۸﴾

چھوڑ دیگا ان کو وہ گمراہ کرینگے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے سوائے بدکار کفر کرنیوالے کے

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ

اے رب میرے بخش مجھے اور میرے والدین کو اور اس کو جو داخل ہو میرے گھر میں ایمان لاکر اور

ان کے وہی نام رکھ لئے۔ یہ دراصل قوم نوح میں صالح لوگ تھے جب مر گئے تو قوم نے ان کے بت بنا لئے۔ پہلے یہ صرف بطور یادگار بنائے گئے، بعد میں ان کی پرستش شروع ہو گئی۔بعض کے خیال میں یہ ستاروں کے نام تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے ان کی تشریح میں فرمایا۔

۱۔ ''وُدّ: محبت اور خواہش کا دیوتا جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے ارادے سے ایجاد عالم کا باعث ہوا۔اس کو مرد کی صورت پر بنایا جاتا تھا۔ہندوؤں میں اس کے بالمقابل برہما ہے۔ ۲۔سُواع: بقائے عالم کا بت جو عورت کی شکل میں ہوتا ہے۔اس کے مقابل ہندو دیومالائی (Mythology) دیوتا بشن ہے۔ ۳۔یغوث: حاجت روائی اور فریاد رسی کا دیوتا ہے۔اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔شاید اس واسطے کہ فریاد رسی کے لئے تیز رفتاری کی ضرورت ہوتی ہے۔اس طرح ہندوؤں میں اندر دیوتا ہے۔ ۴۔ یعوق: (عوق سے مشتق ہے بمعنی روکنا اور دفع کرنا) یہ مصیبتوں اور دشمنوں کے روکنے کا بت تھا بشکل شیر۔ہندوؤں میں اس کے بالمقابل شنگھ اوتار دیوتا ہے۔ ۵۔نسرا: طول عمر کا دیوتا بشکل باز بنا ہوا ہوتا ہے۔یہی بت اس قوم کی ہلاکت کا موجب ہوئے۔'' (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء) حضرت نوحؑ نے فریاد کی کہ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا اور تو ظالموں کو نامرادی کے سوا اور کسی چیز میں نہ بڑھانا۔

۲۶ تا ۲۸۔ **دیارا**۔دیار۔دار سے ہے یعنی بسنے والا۔

فرمایا وہ اپنی خطاؤں کے سبب غرق کئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے۔پس انہوں نے اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی مددگار نہ پائے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''جو لوگ اپنی کثرت نافرمانی کی وجہ سے ایسے فنافی الشیطان ہونے کی حالت میں دنیا سے جدا ہوتے ہیں کہ شیطان کی فرمانبرداری کی وجہ سے بکلی تعلقات اپنے مولیٰ سے توڑ دیتے ہیں۔ان کے لئے ان کی موت کے بعد صرف دوزخ کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور

ع ۲ ۱۰ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۹﴾

ایمان والوں اور ایمان والیوں کو اورمت زیادہ کر ظالموں کو بجز ہلاکت کے

سارے قویٰ کے ساتھ خاص دوزخ میں ڈال دیئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے **مماخطیٓئٰتھم اغرقوافادخلوانارًا** ۔۔۔۔۔۔مگر پھر بھی وہ لوگ قیامت کے دن سے پہلے اکمل اور اتم طور پر عقوبات جہنم کا مزا نہیں چکھتے۔'' (ازالہٗ اوہام صفحہ ۳۵۸) حضرت نوح کا کشتی بنانا، آپ اور آپ کے متبعین کا بچائے جانا اورظالم قوم کا غرق ہونا تفصیلاً سورۃ الاعراف رکوع ۸ اور سورۃ ھود رکوع ۳،۴ میں گزر چکا ہے استفادہ فرمایئے۔

حضرت نوحؑ کی ایک بیوی اورایک بیٹے کا تفصیلی قصہ بیان کیاجاچکا ہے دونوں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے اس قدر لاتعلق تھے اور نوحؑ کے اس قدر نافرمان تھے کہ ان دونوں کاذکر بھی قابل نفریں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات حضرت نوحؑ کے حالات سے مشابہ تھے اور سرداران قریش کے تمام اعتراضات جن سے وہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہکاتے تھے، قریباً وہی تھے جو مخالفین نوحؑ کے تھے۔مثلاً یہ کہ یہ ایک عام انسان ہے (الاعراف :۶۴۔ھود:۲۸) تمہارے اراذل نے اسے بنا سوچے سمجھے قبول کیا۔اگر اس کی بات میں کوئی وزن ہوتا تو اکابر کیوں نہ مانتے (ھود:۲۸) خدا کو بھیجنا ہوتا تو فرشتہ بھیجتا۔(مومنون:۲۵) اس کے پاس خزانے ہوتے تاکہ انسانی حاجات سے مستغنی ہوتا۔(ھود:۳۲) تمہارا سردار بننا چاہتا ہے۔(مومنون:۲۵) کسی جنّ کا سایہ ہے۔(مومنون؛۲۶) یہاں اشارۃً قریش مکہ کو سمجھانا مقصود تھا کہ تمہارا رویہ قوم نوح سے مختلف نہیں۔اگر تم نے معبودان باطلہ کی پرستش کو چھوڑ کر ربّ وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع نہ کیا اور آپ ﷺ کی تعلیم پر ایمان نہ لائے تو تمہارا انجام قوم نوح سے مختلف نہیں ہوگا۔

انبیاء میں غیر معمولی صبر اور شکر ہوتا ہے وہ بددعا نہیں کرتے ۔آپ فراست نبوی سے جان چکے تھے کہ اب ان میں ہدایت پانے والا کوئی بھی نہیں۔ نہ ان میں نہ ان کی نسلوں میں تاہم یہ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا نہیں تھی۔ نوحؑ کے ربّ کی آواز تھی جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے ربّ کے حکم کے بغیر نہیں بولتے اور نہ کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔

۲۹۔گھر سے مراد آپ کا روحانی گھر اور طریق تھا۔جیسا کہ حضرت بابا فرید شکر گنج ؒ نے فرمایا کہ جو میرے دروازے سے گزرا بخشا گیا۔ مراد روحانی دروازہ اور آپ کا طریق تھا لیکن لوگ ظاہری دروازہ سے گزر کر بخشش کی امید رکھتے ہیں۔ اب حضرت نوحؑ اپنے ربّ سے مناجات

کرتے ہیں کہ اے میرے ربّ !مجھے اور میرے والدین اور تمام ان لوگوں کو جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہوں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھانا یعنی ہلاکت ہی ان کا مقدر کر دے تا تیرے بندے ان کی زیادتیوں سے محفوظ رہ سکیں ۔اس دعا سے اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْجِنِّ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّرُکُوْعَانِ

سورۃ جنّ۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی انتیس آیات اور دو رکوع ہیں

اس سورۃ کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے واپسی کے قریب مانا گیا ہے گویا ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی۔ جنّات کے متعلق اتنی تفصیل سے لکھا جاچکا ہے کہ اس مختصر تفسیر میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں۔(سورۃ حقاف:۳۰ کی تفسیر میں جنات کے بارہ میں سیرحاصل روشنی ڈالی گئی ہے ۔استفادہ فرمائیے۔اس کے علاوہ الحجر :۲۸،سورۃ النمل:۱۸ ،سورۃ الجٰ :۵۳ میں بھی تفصیل ہے ۔الحاقہ :۱۸ الصفٰت ۷ تا۱۱ ۔الملک :۶ سے بھی استفادہ فرمائیے)

بیشک خدا تعالیٰ کی لاتعداد مخلوقات میں سے جنّ کوئی مخلوق ضرور ہے لیکن لفظ **جنّ** سے معروف **جنّ** ہی مراد لینادرست نہیں۔اہل مکہ کسی بیرونی شخص کو آنحضرتﷺ تک پہنچنے نہ دیتے۔ ان کو بہکاتے ، ڈراتے، دھمکاتے اور مار پیٹ سے بھی گریز نہ کرتے۔آپﷺ کی رسالت کا سن کر مختلف قوموں کے لوگ وفد کی صورت چھپ کر آپﷺ کو ملنے آتے۔ جیساکہ مدینہ کے کچھ لوگ حج کے موقع پر آپﷺ کو چھپ کر ملے اور مدینہ میں اسلام پھیلا۔ مفسرین نے لکھا ہے یہ گروہ نصیبین کے یہودی تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بتلایا کہ افغانستان کے بعض گروہ گئے۔ وہ بھیس بدل کرمجلس میں شریک ہوئے اور قرآن سنا۔آپﷺ کو وحی سے بتلایا گیا۔تاریخ افغانستان سے ثابت ہے کہ آنحضرتﷺ کی خبر (تاجروں وغیرہ کے ذریعہ)وہاں تک پہنچی اور کچھ لوگ گئے۔ واپس آ کر انہوں نے حالات بتلائے اور اہلِ افغانستان نے اسلام قبول کیا۔ اس وفد کے سردار کا نام قیسؓ تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کانام عبدالرشید رکھا۔ اسی طرح بعض یہودی اور عیسائی وفد بھی آپ کی نبوت کا سن کرچھپ کر آپﷺ کو ملنے آتے رہے۔اس لئے کہ توریت اور انجیل میں ''وہ نبی'' کی پیشگوئیاں تھیں اور انہیں ایک نبی کا انتظار تھا۔ آپﷺ اکثر رات کو خفیہ طور پر ان سے ملاقات فرماتے تھے تا کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہو۔ احادیث میں عکاظ کے میلہ میں بھی آپﷺ کی تبلیغ کا ذکر ملتا ہے ۔یہاں نصیبین کے تاجر مراد ہیں جو نخلہ کے مقام پر آپﷺ کو ملے۔ (خطبہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۹۹۸ء سے استفادہ کیا گیا) اس مقام کی نشاندہی کے طور پر ایک چار دیواری اب بھی موجود ہے جو مسجد جنّ کے نام سے موسوم ہے۔پچھلی سورۃ میں قوم نوح کی ہلاکت کا ذکر تھا جو اپنے رسول پر ایمان نہ لائی ۔اس سورۃ میں آنحضرتﷺ کو تسلی دی کہ اگر اہل مکہ مخالفت پر تلے ہوئے ہیں تو کچھ باہر کے لوگ اس پیغام کو سن کرضرور اس پر ایمان لائیں گے

اور اپنی قوموں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے ۔اس میں اکنافِ عالم تک اسلام کے پھیلنے کی بشارت تھی۔ چنانچہ انہی وفود کے ذریعہ اسلام کابل ، کشمیر اور افغانستان میں پھیلا۔

افغانستان میں یہ بات قریباً ہر قبیلے میں پائی جاتی ہے کہ آنحضرتﷺ کی بعثت کی خبر انہیں پہنچی تو ایک گروہ خود آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کے متعلق ضروری احکام سیکھ کر واپس آیا اس طرح افغانستان میں اسلام پھیلا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم کے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا

کہ وحی کیا گیا میری طرف یہ کہ سُنا ہے ایک جماعت نے جنوں میں سے تو کہا انہوں نے یقیناً

سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (۲) يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ

ہم نے سُنا قرآن عجیب راہ دکھاتا ہے طرف بھلائی کی پس ہم ایمان لائے اس پر اور ہرگز نہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **نفر** کا لفظ صرف انسانوں اور مردوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ جن کی تعداد دس سے کم ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ ''**اسمع نفرٌ من الجنّ**۔ جنّ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جیسے ملائک وغیرہ اور اس کی مخلوق ہیں۔ میں ہرگز ہرگز اس بات کا قائل نہیں کہ جنّ اور ملائکہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ میں دونوں کا قائل ہوں لیکن ہر جگہ جنّ کے لفظ کے وہی ایک معنی نہیں اور جو خیال کیا جاتا ہے کہ بعض عورتوں، بچوں کو جن چمٹ جاتے ہیں، میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ لغت کی رو سے جنّ ان باریک اور چھوٹے چھوٹے موذی حیوانات کو بھی کہتے ہیں جو غیر مرئی ہیں اور صرف خوردبینوں سے دکھائی دے سکتے ہیں۔ طاعون کے باریک کیڑے بھی جنّ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں طاعون کو **وخذاعدائکم من الجنّ** فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔۔ جنّ لغت میں بڑے آدمیوں کو بھی کہتے ہیں۔ (اقرب) جن الناس معظمھم۔ شاید بڑے پیسے والے ساہوکاروں کو بھی مہاجنّ اسی واسطے کہا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ (الحجر: ۲۷، ۲۸) آدم سے پہلے جان اور اس کی ذریت تھی۔ اس سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ اور اب بھی جنات غیر مرئی طور پر موجود ہیں۔۔۔۔۔۔۔ پس جنّ وہی مخلوق ہے جو عام انسانی نظر سے پوشیدہ ہو۔ خواہ وہ کسی قسم کی مخلوق ہو۔ غرض جنّ ایک مخلوق ہے۔۔۔۔۔۔۔

اب اس بیان کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں یہاں جو ذکر کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ نصیبین ایک بڑا آباد شہر تھا اور وہاں کے یہود جنّ کہلاتے تھے اور سوق عکاظ (تجارتی منڈی) میں آیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ناامید ہوکر طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے شریروں نے آپ ﷺ کو دکھ دیا۔ آپ ﷺ عکاظ کو آ رہے تھے۔ راستہ میں بمقام نخلہ یہ لوگ آپ ﷺ سے ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ

نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (۳) وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ

شریک ٹھہرائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو اور یہ کہ بہت بلند ہے عزت ہمارے رب کی نہ اختیار کی

صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (۴) وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ

اس نے بی بی اور نہ اولاد اور یہ کہ تھے کہا کرتے ہمارے بیوقوف اللہ پر

شَطَطًا (۵) وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ

بڑھ بڑھ کر باتیں اور کہ ہم خیال کرتے تھے کہ ہرگز نہ کہیں گے آدمی اور جن اللہ پر

كَذِبًا (۶) وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ

جھوٹ اور یہ کہ کتنے مرد آدمیوں میں سے پناہ لیتے ہیں مردوں کی

الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (۷) وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ

جنوں سے تو زیادہ کیا ان کو تکبر میں اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسا کہ گمان کیا تھا تم نے کہ

لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا (۸) وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا

ہرگز نہ بھیجے گا اللہ کسی کو اور یہ کہ ہم نے ٹٹولا آسمانوں کو تو پایا ہم نے اس کو

رہے تھے۔ قرآن مجید کو سن کر وہ رقیق القلب ہوگئے۔ سب کے سب ایمان لے آئے اور جا کر اپنی قوم کو بھی ہدایت کی۔'' (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

۳ تا ۶۔ اس وفد نے تبلیغی رنگ میں اسلام کی چیدہ چیدہ تعلیم بتلائی کہ قرآن سراسر ہدایت اور رشد کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہم نہ صرف دل میں ایمان لے آئے بلکہ منہ سے بھی اس ایمان کا اقرار کرتے ہیں اور ہم آئندہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث کی نفی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے بعض بیوقوف اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے تھے جبکہ ہمارا یہ عقیدہ تھا کہ انسان اور جنّ اللہ کے بارے میں جھوٹ باتیں منسوب کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ لیکن اب قرآن سن کر ہمیں معلوم ہوگیا کہ فی الواقع وہ جھوٹے تھے۔

۷۔ **رجال۔ رجل** نوع انسان میں سے مرد کو کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ لفظ **رجل** جنّوں کے ذکور پر بھی بولا جاسکتا ہے۔ جبکہ عربی لغت میں ہے کہ ذکور جنّ پر اس کا استعمال درست نہیں (روح المعانی) پس یہاں رجال کا لفظ جنّوں پر لا کر صاف بتلا دیا کہ یہ جنّ نوع انسان سے ہی ہیں۔ یعنی بڑے لوگ۔ اور یہ کہ بعض آدمی ان بڑے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے۔ اس سے ان کا تکبر اور سرکشی اور بڑھ گئی جیسا کہ بعض کمزور لوگ بااثر لوگوں کی پناہ لیتے ہیں اور وہ زیادہ متکبر ہوجاتے ہیں۔

۸۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر نبی کی پہلے تکذیب کی گئی لیکن اس کی وفات کے بعد اس کا رتبہ یہاں تک بڑھایا کہ اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے

مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِیۡدًا وَّ شُھُبًا ۝۹ وَّ اَنَّا کُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡھَا

بھرا ہوا چوکیداروں سخت سے اور آگ کے شعلوں سے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے آسمان میں

مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ یَجِدۡ لَہٗ شِھَابًا رَّصَدًا ۝۱۰

جگہوں میں سننے کے لیے پس جو کوئی سنتا ہے اب پاتا ہے اپنے لیے شعلہ گھات لگائے ہوئے

لئے بھی کہا گیا (سورۃ المومن:۲۵) ان اجنبیوں نے کہا کہ پہلے ہمارا بھی تمہاری طرح یہی خیال تھا کہ اللہ ہرگز کسی کو مبعوث نہیں کرے گا۔ لیکن اس نبی ﷺ پر ایمان لاکر ہم نے اپنے خیال کو بدل دیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو موت کے بعد نہیں اٹھائے گا یعنی بعث بعد الموت پر ہمارا یقین نہیں تھا۔ لیکن اب ہم سمجھ گئے ہیں۔

۹۔۱۰۔ **لمسنا**۔ ہم نے چھوا۔ ٹٹولا۔ چیز کا چھونا اور کبھی اس کی معرفت ہوتی ہے اسی سے التماس طلب کرنا کے معنی میں ہے۔ **ملئت** ۔ وہ بھرگئی۔ **حرسًا۔ حرس** واحد ہے۔ نگہبان ۔ چوکیدار ۔ حفاظت کرنے والا۔ **رصدًا** گھات میں بیٹھے ہوئے ۔ حفاظت کرتے ہوئے ۔

اس مضمون کی کچھ تشریح (سورۃ الملک :۶) میں بیان کی گئی ہے استفادہ فرمائیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ منجم اور کاہن وغیرہ تھے جو آسمانی حالات دریافت کیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں بھی ذکر ہے کہ انہوں نے کہا کہ دیکھو آسمان سے کوئی نئی بات تو ظہور میں نہیں آئی؟ امام احمد بن عباسؓ سے روایت ہے کہ شہب جاہلیت کے زمانہ میں بھی گرتے تھے لیکن ان کی کثرت بعث کے وقت ہوئی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جب کثرت سے شہاب گرے تو اہل طائف ڈر گئے اور اپنے مال مویشی اور غلام آزاد کرنے لگے۔ ایک نے کہا ستاروں کی قرار گاہوں کو دیکھو اگر وہ اپنے محل اور موقع سے ٹل گئے ہیں تو آسمان والوں پر کوئی تباہی آئی ورنہ یہ نشان جو آسمان پر ظاہر ہوا ابن ابی کبشہ کی وجہ سے ہے۔ (وہ لوگ شرارت سے آپ ﷺ کو نعوذ باللہ ابن ابی کبشہ کہتے کبشہ کے معنی مینڈھا کے ہیں) نیز ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سدی سے روایت کی ہے کہ شہب ثاقب کا کثرت سے گرنا کسی نبی کے آنے پر دلالت کرتا ہے یا دین کے غلبہ کی بشارت دیتا ہے۔ شہاب کا کثرت سے گرنا عرب کے کاہنوں کی نظر میں اس بات کے ثبوت کے لئے ایک بدیہی امر تھا کہ کوئی نبی یا ملہم من اللہ پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ عرب کاہنوں پر بہت یقین رکھتے تھے اس لئے اللہ نے وہی بدیہی امر ان کے سامنے قسم کے پیرایہ میں پیش کیا تا کہ ان کو اس سچائی کی طرف توجہ پیدا ہو کہ یہ کاروبار خدا کی طرف سے ہے۔ انسان کا خود ساختہ نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نبی یا وارث نبی زمین پر مامور ہو کر آوے یا آنے پر ہو یا اس کے

ارہاص ظاہر ہونے والے ہوں یا کوئی بڑی فتح مندی قریب الوقوع ہو تو ان تمام صورتوں میں ایسے نشان آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے انکار کرنا نادانی ہے۔ کیونکہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے ابتدائے وقت میں جب میں مامور کیا گیا تو مجھے یہ الہام ہوا جو براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۸ میں مندرج ہے **یا احمد بارک اللہ فیک ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ الرحمٰن علم القراٰن**۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان الہامات کے بعد کئی طور کے نشانات ظاہر ہونے شروع ہوئے چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ کہ ۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء کے دن سے پہلے اس قدر شہب کا تماشا آسمان پر تھا جو میں نے اپنی تمام عمر میں اس کی نظیر کبھی نہیں دیکھی اور آسمان کی فضا میں اس قدر ہزارہا شعلے ہر طرف چل رہے تھے جو اس رنگ کا دنیا میں کوئی بھی نمونہ نہیں تا میں اس کو بیان کرسکوں۔۔۔۔۔۔۔۔ شہب ثاقبہ کا تماشا ۲۸ فروری ۱۸۸۵ء کی رات کو ایسا وسیع طور پر ہوا جو یورپ امریکہ اور ایشیا کے عام اخباروں میں بڑی حیرت کے ساتھ چھپ گیا اور اس کے بعد یورپ کے لوگوں کو وہ ستارہ دکھائی دیا جو حضرت مسیحؑ کے وقت میں نکلا تھا۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ ستارا بھی تیری صداقت کے لئے ایک دوسرا نشان ہے۔ تاریخ کی رو سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کے بعد اوّل شب شہب ثاقبہ اور پھر ایک زمانہ آتش پورے ایک برس تک جو آسمانی میں دکھائی دیا اور آسمان پر سے ایک چیز خاکستر کی طرح برستی تھی اور دن کے نو بجے سے رات تک ایک سخت اندھیرا ہو جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آفتاب برج اسد میں یا میزان میں ہو تو ان وقتوں میں کثرت سے شہب ثاقبہ کی توقع کی جاتی ہے اور اکثر ۳۳ سال کے بعد یہ دورہ ہوتا ہے لیکن یہ قاعدہ کلی نہیں ۔ بسا اوقات ان وقتوں سے پس و پیش بھی یہ حوادثات ظہور میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۷۲ء میں ستاروں کا گرنا باقرار ان ہیئت دانوں کے بالکل غیر مترقب امر تھا اگرچہ ۱۴ نومبر ۱۸۳۳ء اور ۲۷ نومبر ۱۸۸۵ء کو کثرت سے یہ واقعہ ظہور میں آنا ان کے قواعد مقررہ سے ملتا ہے لیکن تاریخ ٹٹولنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نہایت فرق کے ساتھ ان تاریخوں سے بہت دور بھی وقوع میں آیا ہے چنانچہ دہم مارچ ۱۵۲۱ء اور ۱۹ جنوری ۱۱۳۵ء اور ماہ مئی ۶۱۰ء میں جو کثرت شہب ثاقبہ وقوع میں آئے ان میں ان تمام ہیئت دانوں کو بجز سکتہ حیرت اور کوئی دم مارنے کی جگہ نہیں اور وہ شہب ثاقبہ جو حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کے بعد ظہور میں آئے اور پھر ایک دُم دار ستارہ کی صورت میں ہو گئے۔۔۔۔۔۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس تساقط شہب کو جس کے اسباب بتمامہا بظاہر مادی معلوم ہوتے ہیں رجم شیاطین سے کیا تعلق ہے اور کیونکر معلوم ہو کہ درحقیقت اس حادثہ سے شیاطین آسمان سے دفع اور دور کئے جاتے ہیں ۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسے اعتراض درحقیقت اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب روحانی سلسلہ کی یادداشت سے خیال ذہول (غفلت) کرجاتا ہے یا اس سلسلہ کے وجود پر یقین نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔حکیم مطلق نے اس عالم کے احسن طور پر کاروبار کے چلانے کے لئے دو نظام رکھے ہیں اور باطنی نظام فرشتوں کے متعلق ہے اور کوئی جز ظاہری نظام کی ایسی نہیں جس کے ساتھ درپردہ باطنی نظام نہ ہو تو اس صورت میں ایک مترشد بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ شہب ثاقبہ کے تساقط (ایک دوسرے پر گرنا) کا ظاہری نظام جن عِلل اور اسباب پر مبنی ہے وہ علل اور اسباب روحانی نظام کے کچھ مزاحم اور سدّ راہ نہیں اور روحانی نظام یہ ہے کہ ہر ایک شہاب جو ٹوٹتا ہے دراصل اس پر ایک فرشتہ مؤکل ہوتا ہے جو اُس کو جس طرف چاہتا ہے حرکت دیتا ہے چنانچہ شہب کی طرف حرکات ہی اس پر شاہد ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ فرشتہ کا کام عبث نہیں ہوتا اس کی تہ میں ضرور کوئی نہ کوئی غرض ہوگی جو مصالح دین اور دنیا کے لئے مفید ہو لیکن ملائک کے کاموں کے اغراض کو سمجھنا بجز توسط ملائک ممکن نہیں سو بتوسط ملائک یعنی جبرائیل علیہ السلام، آخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی ظاہر ہوا کہ ملائک کے اس فعل رمی شہب سے علت غائی (ماحاصل۔ مقصود اعلیٰ) رجم شیاطین ہے۔

اور یہ بھید کہ شہب کے ٹوٹنے سے کیونکر شیاطین بھاگ جاتے ہیں اس کا سر روحانی سلسلہ پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین اور ملائک کی عداوت ذاتی ہے۔پس ملائک ان شہب کے چھوڑنے کے وقت جن پر وہ ستاروں کی حرارت کا بھی اثر ڈالتے ہیں اپنی ایک نورانی طاقت جو میں پھیلاتے ہیں اور ہر ایک شہاب جو حرکت کرتا ہے وہ اپنے ساتھ ایک فلکی نور رکھتا ہے کیونکہ فرشتوں کے ہاتھ سے برکت پاکر آتا ہے اور شیطان سوزی کا اس میں ایک مادہ ہوتا ہے پس یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ جنات تو آگ سے مخلوق ہیں وہ آگ سے کیا ضرر اٹھائیں گے کیونکہ درحقیقت جس قدر رمی شہب سے جنات کو ضرر پہنچتا ہے اس کا یہ ظاہری موجب آگ نہیں بلکہ وہ روشنی موجب ہے جو فرشتہ کے نور سے شہب کے ساتھ شامل ہوتی ہے جو بالخاصیت محرّق (جلادینے والی) شیاطین ہے۔۔۔۔۔ چونکہ خداتعالیٰ نے اجرام اور اجسام کو علم اور شعور نہیں دیا اس لئے ان باتوں کے پورا کرنے کے لئے جن میں علم اور شعور درکار ہے ایسے اسباب یعنی ایسی چیزوں کے توسط کی حاجت ہوئی جن کو علم اور شعور دیا گیا ہے اور وہ ملائک ہیں۔۔۔۔۔سو اگرچہ عقل پورے طور پر اس سر کو دریافت نہ کرسکے مگر باوجود ملائک اور ان کے منصبی خدمات کے ماننے کے بعد اس قدر تو ضرور دریافت کرلے گی کہ ان کا کوئی فعل عبث اور بیہودہ طور پر نہیں ۔۔۔۔۔۔۔تمام واقعات کی

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

اور یہ کہ ہم نہ جانتے تھے کہ برائی چاہی گئی ان کے لیے جو زمین میں ہیں یا چاہی ان کے لیے

زمامِ اختیار حکیم قدیر نے ملائک کے ہاتھ میں دے رکھی ہے جو ہر دم اور ہر طرفۃ العین میں اس قادرِ مطلق سے اذن پاکر انواع اقسام کے تصرفات میں مشغول ہیں اور نہ عبث طور پر بلکہ سراسر حکیمانہ طرز سے بڑے بڑے مقاصد کے لئے اس کرہ ارض سماء کو طرح طرح کی جنبش دے رہے ہیں اور کوئی فعل بھی ان کا بیکار اور بے معنی نہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۰۳ تا ۱۳۵ حاشیہ سے استفادہ کیا گیا) حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ جتنے بڑے بڑے اجرام فلکی ہیں مثلاً سورج چاند، ستارے، سیارے اور زمین سب کے لئے فرشتے بطور روح کے ہیں مثلاً سورج کی روح جبرائیل فرشتہ ہے اور زمین کی روح میکائیل فرشتہ ہے کیونکہ اتنے بڑے متحرک اجسام جن میں عظیم الشان طاقتیں اور تاثیرات ہیں، بغیر روح کے محض مردہ نہیں ہوسکتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلا میں جو ہزاروں لاکھوں بڑے بڑے اجرامِ سماوی کے ساتھ اربوں کروڑوں چھوٹے چھوٹے اجرام جنہیں میٹیرز (Meteors) کہتے ہیں اور وہ بھی چکر لگا رہے ہیں ان کے لئے غالبًا شیاطین یا جنّات بطور ارواح کے ہوں گے جیسے بڑے اجرام کے لئے ملائکہ۔ جب یہ چھوٹے اجرام چکر لگاتے ہوئے بڑے اجرام کے حلقۂ کشش میں آجاتے ہیں یعنی دوسرے لفظوں میں شیاطین کسی فرشتہ کے حلقہ میں آنکلتے ہیں تو وہ بڑا جرم چھوٹے جرم کو اپنی کشش کی وجہ سے کھینچ لیتا ہے اور پھر نزدیک پہنچ کر وہ جرم بسبب کرہ ہوائی کی رگڑ کے جل کر راکھ ہوجاتا ہے اس طرح اس شیطان کا جسم اس سے الگ ہو جاتا ہے یعنی اس پر موت وارد ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کا جسم جب اس کی روح سے الگ ہوجائے تو اسے مردہ کہا جاتا ہے۔

پس چھوٹے اجرام سماوی کا اس طرح جل جانا اور شہاب ثاقب بن جانا گویا اس کے متعلقہ شیطان کے لئے موت کا حکم رکھتا ہے اور یہ موت چونکہ کسی بڑے جرم کے قرب کا نتیجہ ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرشتہ کے اثر سے یا اس کے انگارہ پھینکنے سے کسی شیطان کو سزا دی گئی ہے۔" (مضامین حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ جلد دوم صفحہ ۹۶۱)

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل منجم، کاہن، ارواح خبیثہ اور شیاطین وغیرہ رصدگاہوں پر بیٹھے رہتے اور کچھ غیب کی خبریں اخذ کرلیتے تھے لیکن قرآنی وحی کے وقت ملائک کا ایسا مضبوط پہرہ تھا کہ جو سننے کی کوشش کرتا آگ کے شعلے کو اپنی گھات میں پاتا۔ یعنی شیاطین کو شہاب ثاقب دفع کردیتے یا بھسم کرڈالتے۔

رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا
انکے رب نے بھلائی اور یہ کہ بعض ہم میں سے نیک ہیں اور بعض ہم میں سے سوائے اسکے ہیں ہم تھے
طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ
راہیں مختلف اور یہ کہ ہم نے جانا کہ ہرگز نہ عاجز کریں گے اللہ کو زمین میں
وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ
اور ہرگز نہ عاجز کرینگے ہم اسکو بھاگ کر اور یہ کہ ہم نے جب سنی ہدایت ایمان لائے ہم اس پر
فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۴﴾ وَّاَنَّا
پس جو کوئی ایمان لائے اپنے رب پر تو نہ ڈرے گا وہ کمی سے اور نہ زیادتی سے اور یہ کہ
مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ
بعض ہم میں سے فرمانبردار ہیں اور بعض ہم میں سے ظالم ہیں پس جو کوئی اسلام لایا تو انہوں نے
تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ
طلب کی بھلائی اور جو ظالم ہیں پس وہ دوزخ کا
حَطَبًا ﴿۱۶﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ
ایندھن ہیں اور وحی کیا گیا میری طرف اگر یہ لوگ قائم رہتے راہ پر البتہ پلاتے ہم ان کو
مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۷﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ
پانی وافر تاکہ ہم آزمادیں انکو اس میں اور جو اعراض کرتا ہے ذکر سے اپنے رب کے
يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا
داخل کریگا اسکو عذاب سخت میں اور یہ کہ مسجدیں اللہ کیلئے ہیں پس مت پکارو

۱۱ تا ۲۰۔ **قددا۔ قدہ** کی جمع ہے قدّ کے معنی ہیں کسی چیز کا طول میں قطع کرنا **ان کان قمیصہ قدمن قبل** (یوسف:۲۷) مختلف راہیں جدا جدا مذہب اور مسلک ۔**ہربا۔ ہربٌ**۔ بھاگنا۔**رھقًا** الامر کسی معاملہ نے اسے بزور وجبر دبالیا۔زیادتی۔**القسط** کے معنی انصاف کے ہیں۔ **قسط** کے معنی دوسرے کا حق مارنا کے بھی آتے ہیں۔ظلم۔(مفردات راغب)**تحروا**۔حری سے ہے ۔**تحرّی** کے معنی ہیں بہتر اور حق چیز کا قصد اور طلب میں کوشش اور جستجو۔**غدقًا** ۔ غدق کے معنی کثیر کے ہیں۔ بافراغت ۔ مال کثیر۔ دنیا میں وسعت دینا۔ **لبدا ۔لبدۃ** کی جمع ہے ۔ انبوہ ۔بندے پر بندہ چڑھا ہوا۔ لپیٹا ہوا اسی سے لبادہ ہے۔ **لُبدا** مال کثیر۔ ڈھیر۔ **صعدا صعد** اور **صعود** سے مراد گھاٹی ہے جس پر بمشکل چڑھا جاتا ہے۔ ہر شاق اور دشوار امر۔ سخت عذاب۔ یعنی جنّوں یا منجموں یا کاہنوں نے شہاب گرتے دیکھ کر کہا کہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آیا زمین والوں کے لئے تباہی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ربّ نے انہیں کوئی فائدہ پہنچانا ہے۔ان اجنبی لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یقیناً ہم میں سے کچھ نیک لوگ تھے اور کچھ دوسرے بھی تھے ہم مختلف

مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ
ساتھ اللہ کے کسی کو اور یہ کہ جب کھڑا ہو بندہ اللہ کا پکارتا ہے اس کو
كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ ع ۲۰ ۱۱
نزدیک ہیں کہ ہو دیں اس پر حلقہ حلقہ کہہ پکارتا ہوں میں تو صرف اپنے رب کو اور نہیں
اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۲﴾
شریک کرتا اسکے ساتھ کسی کو کہہ کہ یقیناً میں نہیں اختیار رکھتا تمہارے لیے ضرر اور نہ بھلائی

مسلکوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہمیں یہ بھی یقین ہوگیا تھا کہ ہم نہ تو اللہ کے منصوبوں کو عاجز کرسکتے ہیں اور نہ ہی ان کی تکمیل سے فرار کی کوئی راہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم مقابلہ کرکے اللہ کو نہیں ہراسکتے اور نہ بھاگ کر اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہیں۔اور یقیناً جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو بھی اپنے ربّ پر ایمان لے آئے اسے نہ کسی خسارہ کا خوف ہوگا اور نہ کسی زیادتی کا۔ یعنی اس کی حق تلفی نہیں ہوگی نہ اجر میں کمی ہوگی نہ جرم سے زیادہ سزا ہوگی۔ یقیناً ہم میں سے بعض فرمانبردار بھی تھے اور ہم ہی میں سے ظلم کرنے والے بھی تھے۔ پس جو کوئی اسلام لایا تو یہی ہیں وہ جنہوں نے ہدایت کی جستجو کی اور وہ جو ظالم تھے تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اگر یہ کفار ہمارے بتائے ہوئے صحیح مسلک پر استقامت دکھاتے تو ہم انہیں ضرور بافراغت پانی سے سیراب کرتے یعنی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازتے۔پانی کی کثرت کو نعمتوں کی کثرت کے لئے بطور کنایہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ انسان کا وجود اور اس کی تمام بنیادی ضروریات پانی کی مرہون منت ہیں۔ہر نعمت میں آزمائش یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا حصول انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی ترغیب دیتا ہے یا نہیں اور یہ اپنے ربّ کے شکر گزار بندے بنتے ہیں یا ناشکرے اور نافرمان؟ ذکر سے اعراض یہی ہے کہ وہ ان نعمتوں کو پاکر اپنے ربّ کو یاد رکھتے ہیں ، اس کا شکر ادا کرتے اور اس کی اطاعت بجالاتے ہیں یا اپنی کسی صلاحیت کو اس کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ انہیں ہمیشہ بڑھتے رہنے والے عذاب میں جھونک دے گا۔ یقیناً تمام مسجدیں اور خصوصاً مسجد الحرام اللہ ہی کے لئے ہیں یہ ان کے ٹھیکیدار کیسے بن گئے کہ اللہ کے گھر میں ۳۶۰ بت سجادیے؟ پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ جب بھی اللہ کا بندہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بارگاہ میں اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا تو مشرکین جتھوں کی صورت میں آپ پر ٹوٹ پڑنے کو تیار ہوتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کو اپنے ربّ کی عبادت سے روکیں ۔ یہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

۲۱ تا ۲۴۔ اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تمہاری مخالفت کی ہرگز پرواہ نہیں میں تو

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ

کہ کہ یقیناً مجھ کو ہرگز نہ بچا دے گا اللہ سے کوئی اور ہرگز نہ پاؤں گا میں بجز اس کے

مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ

کوئی جائے پناہ مگر پہنچانا اللہ کی طرف سے اور اس کا پیغام اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ

وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى

اور اسکے رسول کی تو یقیناً اس کیلئے آگ ہے دوزخ کی رہنے والے ہونگے اس میں ہمیشہ یہانتک کہ

اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا

جب وہ دیکھیں گے جو وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں تو البتہ جان لیویں گے وہ کہ کون کمزور ہے بلحاظ مددگار کے

وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ

اور کم ہے تعداد میں کہہ نہیں میں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جو وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں یا

يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ

کردے اس کے لیے رب میرا میعاد جاننے والا ہے غیب کا پس نہیں خبردار کرتا اپنے غیب پر

صرف اپنے ربّ کو ہی پکاروں گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤں گا خواہ مجھے کیسی ہی اذیتیں دو۔ یہ بھی بتلا دیجئے کہ میں تو اپنے ربّ کا ایک عاجز بندہ ہوں میرے اختیار میں ہرگز نہیں کہ تمہاری کسی نافرمانی پر عذاب نازل کردوں یا تمہارے لئے کوئی بھلائی کی صورت پیدا کروں۔ اگر خدانخواستہ میں ایسا کوئی دعویٰ کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کوئی نہیں بچاسکتا۔ اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پاسکتا ہوں۔ غرض میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ خدا کی خدائی میں میرا ذرہ برابر بھی دخل ہے۔ میں تو صرف ایک رسول ہوں اور جو خدمت میرے سپرد کی گئی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی راہ میں تبلیغ کرتے ہوئے اس کے پیغامات تم تک پہنچاؤں۔ پس خوب غور سے سن لو کہ جو اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً اس کے لئے جہنم کی آگ ہوگی۔ وہ لمبے عرصہ تک اس میں رہنے والے ہوں گے۔

۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی زیادتیاں اور مسجد حرام میں عبادت یا دعوت الی اللہ کے دوران آپ پر ٹوٹ پڑنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ ان کا جتھا بڑا مضبوط ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ چند کمزور آدمی ہیں۔ فرمایا جب اہل جہنم موعود عذاب کو دیکھ لیں گے تو ضرور جان لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور تھے اور کس کی نفری کم تھی۔

۲۶۔ کفار ہمیشہ عذاب جلد لانے کا مطالبہ کرتے۔ فرمایا تو کہہ دے کہ مجھے علم نہیں کہ تمہاری موعود گھڑی قریب ہے یا میرا ربّ اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے اس کو لمبا کردے اور تمہیں مہلت دے کہ شاید ہدایت حاصل کرلیں۔

اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ

کسی کو مگر جس کو پسند کرتا ہے رسولوں سے پس یقیناً وہ لگا دیتا ہے اس کے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ

آگے اور اس کے پیچھے پہرہ تاکہ ظاہر کرے کہ یقیناً پہنچا دیے انہوں نے پیغام

رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۲ ۹ ۱۲

اپنے رب کے اور گھیر لیا اس کو جو ان کے پاس ہے اور محفوظ کر لیا ہر شے کو شمار میں

۲۷ تا ۲۹۔ وہ غائب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا بجز اپنے برگزیدہ رسول کے جس پر وہ راضی ہوا اور جس کو اس کام کے لئے پسند کرتا ہے۔ یہاں اللہ نے اپنے برگزیدہ رسول کی شناخت بتلادی کہ وہ اپنے رسولوں کو امور غیبیہ پر کثرت سے اطلاع دیتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی وحی کی حفاظت کرتے ہوئے اس کے آگے اور پیچھے چلتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس کلام کی پوری حفاظت کرتا ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ وہ بعینہٖ وہی پیغام پہنچاتے ہیں جو ان کو کہا گیا ہے۔

فرمایا وہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہے یعنی فرشتے کلام الٰہی کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں گویا وحی کی حفاظت کے لئے فرشتوں کا پہرہ ساتھ ہے اور اس نے ہر چیز کو گن رکھا ہے۔ یعنی اللہ کی جناب میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ رصدا میں کلام اور مہبط کلام دونوں کی حفاظت کا بیان ہے۔

غرض ملائکہ اور جنّات کوئی صاحبِ ارادہ و اختیار مخلوق نہیں۔ ملائک نیکی کے محرک ہیں اور جنات و شیاطین بدی کے۔ نہ فرشتے کسی انسان کو نیکی پر مجبور کرسکتے ہیں نہ جنات بدی پر پس ان کے لئے کوئی جزا ہے نہ سزا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہنم میں جن الناس جائیں گے نہ کہ یہ غیر مرئی مخلوق۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ مزّمل ۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی اکیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی دور کی ہے جو سورۃ اقراء کی تنزیل کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ۱۵ سال۔ (۱۳ سال) مکہ میں (بعداز نبوت) قیام فرمایا پہلی وحی اور سورہ مزّمل کے بعد شاید کوئی اور سورۃ بھی نازل ہوئی ہو (جیسا کہ سورت الفاتحہ بالکل ابتداء میں نازل ہوئی) پھر تین سال تک (بعض احادیث میں ایک سال ہے) وحی نہیں آئی۔اس عرصہ میں دائیں بائیں جبرائیلؑ کی آواز سنتے اور تاریکی میں روشنی کو دیکھتے۔اس کے سوا کوئی اور چیز نظر نہیں آتی تھی۔۔۔۔۔۔۔پھر وحی کا سلسلہ جاری ہوا۔(مسلم) حدیث میں اس سورت کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے ۔لکھا ہے کہ جو شخص ہمیشہ سورۃ مزمل پڑھے گا اس کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی انشاء اللہ اور جو اس کو مصیبت کی حالت میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس سے مصیبت دور کردے گا۔انشاء اللہ۔

اس بالکل ابتدائی سورۃ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی تعلیم و تربیت میں خاص طور پر عبادت اور صبر کی تلقین فرمائی اور نماز تہجد کی فضیلت بیان فرمائی کہ نماز تہجد بلحاظ قیام اور بلحاظ حضور قلب بہترین نماز ہے۔

اس سورۃ میں جو بالکل ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی عظیم الشان پیشگوئیاں قرآن کریم کی حقانیت کے ثبوت میں ہیں۔یہ وہ زمانہ تھا کہ جب صرف چند مسلمان تھے اور انہیں بھی کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ فرمایا عنقریب مسلمان بڑے بڑے تجارتی سفر کریں گے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلیں گے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿٢﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٣﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ
اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑا نصف اس کا یا کم کردے

مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿٤﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّا
اس میں تھوڑا یا زیادہ کر اس پر اور واضح پڑھ قرآن کو آہستہ آہستہ یقیناً

سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿٦﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً
ہم ڈالیں گے تجھ پر بات بھاری یقیناً اٹھنا رات کا سخت تر ہے نفس کے لیے

وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿٧﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿٨﴾ وَاذْكُرِ
اور بہت درست کرنیوالا ہے بات کو، یقیناً تجھے دن میں کام بڑا ہوتا ہے اور یاد کر

اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿٩﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
نام اپنے رب کا اور جھک جا اسکی طرف منقطع ہوکر رب ہے مشرق کا اور مغرب کا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿١٠﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ
نہیں کوئی معبود بجز اسکے پس بنا اسی کو کارساز اور صبر کر اس پر جو وہ کہتے ہیں

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ تا ۱۰۔ **مزمّل** ۔ جھرمٹ مارنے والا۔ اپنے اوپر کپڑا لپیٹے والا۔ **رتل القراٰن ترتیلًا** ۔ترتیل کے معنی سہولت اور تناسب کے ساتھ کسی کلمہ کو ادا کرنا کے ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر اور صاف صاف عمدگی سے پڑھنا۔**ناشئۃ۔انشاء** کسی چیز کو پیدا کرنا اور اس کی پرورش کرنا ہے ۔**ناشئۃ** کے معنی نماز کے لئے اٹھنے کے ہیں۔ رات کی عبادت ۔تہجد ۔ **وطئًا** (نفس بہیمی کو) پامال کرنے والا ۔**سبحًا** کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیزی سے گزرنا کے ہیں۔کاروبار میں مشغول ہونا۔ **التسبیح** کے معنی تنزیہ الٰہی بیان کرنے میں تیزی کرنا کے ہیں۔ عبادت الٰہی میں تیزی کرنا ۔تسبیح کا لفظ قولی، فعلی اور قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے۔(مفردات) **تبتّل** تو دنیا سے الگ ہو۔ تو چھوٹ ۔**تبتیل** ۔چھوٹنا۔

سورۃ مزمل اور مدثر میں آپ ﷺ کے ربّ نے آپ ﷺ کو ایک دلربا انداز سے آپ ﷺ کی وقتی حالت کے مدنظر خاص لطف و عنایت سے مخاطب فرمایا۔(روح المعانی) صحیح بخاری و مسلم کے پہلے ہی باب میں بروایت حضرت جابرؓ یہ مفصل حدیث بیان ہوئی ہے کہ غار حرا میں

حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور سورۃ اقراء کی ابتدائی آیات آپ کو سنائیں ۔فرشتے کے نزول اور وحی کی شدت سے آپﷺ طبعی طور پر خوفزدہ ہوئے اور سخت سردی محسوس کی۔ آپﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا **زمّلونی زمّلونی** کہ مجھے اوڑھاؤ مجھے اوڑھاؤ ۔حضرت خدیجہؓ نے آپﷺ کو کمبل اوڑھا دیا تب اس سورۃ کاابتدائی حصہ نازل ہوا۔ بزار، طبرانی اور ابونعیمؒ نے وجہ یہ لکھی ہے کہ آپﷺ کی مخالفت میں قریش نے دارالندوہ میں جمع ہوکر مشورہ کیا کہ آپﷺ کی حالت کے مطابق کوئی لقب تجویز کرنا چاہیئے پھر اس پر سب متفق رہیں۔ کسی نے کہا کاہن ہیں ، کسی نے کہا کاہن نہیں مجنون ہیں پھر اس کو بھی ردّ کیا کسی نے کہا ساحر ہیں اس کو بھی غلط قرار دیا پھر کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کرتے ہیں۔ آپﷺ کو یہ خبر شاق گزری اور رنج سے کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے۔ تب اس سورۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

سب سے پہلے نماز تہجد کاحکم ہوا۔جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تونماز تہجد سنت کے طور پر رہی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں۔چونکہ **قم** بصیغہ امر ہے اس لئے قیام لیل آپﷺ پر فرض تھا۔جب کبھی بعض راتوں میں قیام لیل آپﷺ سے رہ گیاتو آپﷺ نے اس کو بعد طلوع آفتاب ادافرمایاہے۔(ضمیمہ اخبار قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء) قم سے مراد نماز باجماعت بھی ہے۔ فرمایا رات کو اٹھ اٹھ کر عبادت کیا کر مگر تھوڑی ۔اس کا نصف یا اس میں سے کچھ تھوڑا کم کردے۔ یا اس پر کچھ زیادہ کردے آپﷺ کو اختیار دیا گیا کہ راتوں کے چھوٹا اور بڑا ہونے کی وجہ سے حسب حال کبھی قیام کو کم کرنا پڑے گا کبھی زیادہ ۔ کم سے آپﷺ کو سہولت دی گئی ہے آپ زیادہ قیام کرتے تھے۔ فرمایا قرآن کو خوش الحانی سے پڑھا کر۔خوش الحانی سے پڑھنا ،آہستہ آہستہ سمجھ سوچ کر پڑھنا ہے اور یہ بھی عبادت ہے۔حضرت ام سلمہؓ آپ کی طرز پر قرآن کریم پڑھتی تھیں آپ فرماتی ہیں کہ حضورﷺ ایک ایک آیت کو الگ پڑھتے اور ہر آیات پر ٹھہرتے تھے مثلاً **الحمد لله رب العٰلمين** پڑھ کر رک جاتے پھر **الرحمٰن الرحيم** پر ٹھہرتے اس کے بعد **مٰلک یوم الدین** کہتے۔(مسنداحمد۔ابو داؤد۔ترمذی) حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورﷺ کے ساتھ کھڑا ہوگیا تو آپﷺ کی قرأت کا انداز دیکھا کہ جہاں تسبیح کاموقع آتا وہاں تسبیح فرماتے جہاں دعا کاموقع آتا وہاں دعا مانگتے جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ

مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے (مسلم۔نسائی)

فرمایا قیام الیل کاحکم تمہیں اس لئے دیا جارہاہے کیونکہ ہم تم پر ایک قول ثقیل نازل کرنے والے ہیں ۔ پس جس کارعظیم کا آپﷺ پربار ڈالا جانے والاہے اس کا تقاضاہے کہ آپ شب بیداری کریں تاکہ شب بیداری سے آپﷺ کی تکمیل نفس ہو، خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوں اور قوت عمل تیز ہو۔قول ثقیل قرآن کریم کی متواتر پے درپے وحی یعنی بھاری شریعت ہے ۔قول ثقیل سے نزول وحی کی ایک خاص کیفیت کی طرف بھی اشارہ ہوسکتاہے جیساکہ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ران کے اوپر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ران تھی کہ وحی کا نزول ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ سخت بوجھ سے میری ران کچلی جائے گی۔ ایسی حالت میں آپﷺ کا چہرہ مبارک زیادہ منور اورروشن ہوجاتا۔ایک روایت میں ہے کہ آپﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے تو اونٹنی بوجھ سے ٹھہر جاتی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سخت سردی میں بھی آپﷺ کی پیشانی پسینہ سے شرابور ہوجاتی۔ (صحیح بخاری)

اوّل شب سورہنے کے بعد قیام نماز کے لئے اٹھنا **ناشئة** ہے ۔فرمایا رات کا اٹھنا یقیناً نفس بہیمی کوسخت پامال کرتاہے اورقول کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے یعنی اس سے انسان میں قوت عمل پیدا ہوتی ہے اور اس کے قول میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔مجاہد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس قیام کو سوکر اٹھنے کے بعد جو قیام ہو اس سے مخصوص کیاہے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جمہور صحابہ اورصلحائے امت کے نزدیک سوکر اٹھنے کے بعد آخرشب میں نماز تہجد اداکرنا افضل و اعلیٰ اور موجب برکت ہے۔ گویا رات کوعبادت کے لئے اٹھنا قیام کی غرض کو زیادہ عمدگی سے پورا کرنے والا ہے یہی دو باتیں ہیں جن کی ضرورت اصلاح خلق کے لئے ہے یعنی انسان کے اندرخود قوت عمل کاہونا اور اس کی بات کا موثر ہونا یہی دونوں صفات نماز تہجد سے پیدا ہوتی ہیں اور انسان اس راہ کی مشکلات کو زیادہ استقامت سے برداشت کرسکتاہے۔

پہلی آیت میں بتلایا کہ ہم تیری طرف ایک عظیم وحی بھیج رہے ہیں جس کی غرض اصلاح عام ہے اس طریق کو پورا کرنے کا طریق یہ بتلایا کہ رات کو علیحدگی میں اپنے ربّ کویادکر۔اب بتلایا کہ بیشک تودن کو بہت مصروف رہتاہے دن میں تیرا وقت وعظ ونصیحت اور تعلیم وتربیت میں خرچ ہوتاہے اس لئے قوت عملی اور زبان میں تاثیر بڑھانے کے لئے رات کی عبادت ہے ۔ یقیناً

تہجد ادا کرنے والے میں یہ خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں تاہم دن میں بھی ذکرالٰہی سے غافل نہ رہ گویا دست درکار اور دل بایاروالا معاملہ ہو۔

تبتـــــل دنیا سے انقطاع کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔پس اپنے ربّ کی صفات بیان کر اور ہر طرف سے بے تعلق ہوکر اس کی طرف متوجہ ہوجا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اس وقت کسی کو متبتّل کہیں گے جب وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کے متعلقات ومکروہات پر مقدم کرے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں ایسا اپنے آپ کو کھودے کہ اس پر فنائے اتم طاری ہوجاوئے اور اس کی ساری خوشیوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہوکر خدا ہی خدا رہ جاوئے۔۔۔۔بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔خداتعالیٰ کی راہ میں جب اس مال اور جان دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ ان سے ان کی جانوں اور مالوں یا اور عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہے حالانکہ وہ اشیاء ان کی اپنی بھی نہیں ہوتی ہیں لیکن پھر بھی مضائقہ کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔تو بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض بات سے نہیں ہوسکتا جب تک عمل اس کے ساتھ نہ ہو اور عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا جب تک امتحان ساتھ نہ ہو۔ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا اور ہر ایک شخص کو جسے خدا نے اپنا مامور کرکے دنیا میں بھیجا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے اپنا امام سمجھوں گا اس کے فیصلے پر ٹھنڈے دل اور انشراحِ قلب کے ساتھ رضا مند ہوں گا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ عہداور اقرار کرنے کے بعد بھی ہمارے کسی فیصلے پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور اٹک پاتا ہے تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس نے پورا تبتل حاصل نہیں کیا۔(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۷ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ تا ۳ سے استفادہ کیا گیا) حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ ہر ایک کاروبار میں **تبتـل اليه تبتيلا** کا مصداق ہو یعنی ہر ایک کام کو اس طرح سے بجالاوے گویا وہ خود اس میں نفسانی حظ کوئی نہیں رکھتا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے بجالا رہا ہے۔اور اسی نیت سے مخلوق کے حقوق کو ادا کرنا دین ہے۔ہر ایک بات اور کام کا آخری نقطہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی ہونا چاہیئے۔اگر دنیا کے لئے ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب کماتا ہے۔(البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۴) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں تبتل کے نتیجہ میں نبوت عطا ہوتی ہے

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۱ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي
اور چھوڑ دے ان کو چھوڑ دینا اچھا اور چھوڑ دے مجھکو اور جھٹلانے والوں
النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝۱۲ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝۱۳
خوش حال کو اور مہلت دے انکو تھوڑی سی یقیناً ہمارے پاس عبرت ناک سزائیں اور آگ ہے
وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۴ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ
اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک جس دن کہ کانپے گی زمین
وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝۱۵ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ
اور پہاڑ اور ہوجاویں گے پہاڑ ٹیلے بھُربھُرے یقیناً ہم نے بھیجا تمہاری طرف

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں خلوت نشینی کے نتیجہ میں نبوت ملتی ہے پھر حکماً اس خلوت نشینی کو توڑا جاتا ہے۔حضرت سعد بن وقاصؓ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے جو پرہیزگار ہو ، بے نیاز ہو ، گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی پسند کرتا ہو۔ آنحضرت ﷺ اللہ کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ غار حرا کی تنہائیوں میں جاکر عبادت کرتے جہاں چڑھتے اور جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔بیشک خدا والے خوف نہیں کھاتے ۔ جتنا خدا پر یقین بڑھے گا اتنا ہی غیر اللہ کا خوف اٹھتا جائے گا ۔حق تو یہ ہے کہ ڈر بھی شرک خفی ہے ۔ (خطبہ جمعہ ۱۳ نومبر ۱۹۸۹ء)

جس ذات پاک نے علیحدگی اختیار کرنے کو کہا ہے وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کو اپنا کارساز بنا وہ تیری ہر حاجت پوری کرے گا یعنی جتنا دنیا سے تبتل کروگے اتنا ہی توکل اللہ سے بڑھے گا ۔گویا تہجد گزار عابد انسان کے دینی و دنیوی کام سب درست ہوجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے ! جس شخص نے اپنے تمام فکروں کو اکٹھا کرکے ایک آخرت ہی کی فکر بناڈالا تو کارساز ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تفکرات کا۔لیکن جن کو پریشان کررکھا ہے اس کے دنیا کے احوال نے ۔جو اسی میں مستغرق ہے تو اللہ کو بھی پرواہ نہیں کہ دنیا کے کس خاردار جنگل جھاڑیوں میں وہ ہلاک ہوتا ہے۔(مشکوٰۃ۔کتاب العلم)

۱۱ تا ۱۵۔ **انکالًا۔ نکلٌ** ۔جانور کی بیڑی اور لگام کے لوہے کو کہتے ہیں۔جمع **انکالٌ** اس کے معنی عبرت اور عبرت ناک سزا کے بھی ہیں۔ **الـغُـصّة** اس ہڈی کو کہتے ہیں جو حلق میں پھنس کررہ جاتی ہے۔ **طـعـامًا ذاغصة** ۔ گلے میں پھنس جانے والا کھانا۔عربی میں اس لفظ کے معنی غصہ کے نہیں۔ **کثيبًا** ۔جمع **کثب**۔ریت کا تودہ (لسان العرب)**مهيل** ۔بھری بھری ۔(ریت)

رَسُوْلًا ۵ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۶﴾
رسول گواہی دینے والا تم پر جیساکہ بھیجا ہم نے طرف فرعون کی رسول
فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۷﴾
تو نافرمانی کی فرعون نے رسول کی پس پکڑا ہم نے اس کو پکڑنا سخت
فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ
پس کیونکر بچوگے تم اگر تم کروگے اس دن جو کردیوے گا لڑکوں کو
شِيْبًا ﴿۱۸﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ
بوڑھے آسمان پھٹ جانیوالا ہے اس سے ہے اس کا وعدہ شدنی یعنی ہونیوالا ہے یقیناً
هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ رَبَّكَ ع ۲۰ ۱۳
یہ نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اختیار کرے اپنے رب کی راہ بیشک رب تیرا

اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا کہ ان کی ایذا رسانی پر صبر سے کام لے اور ان سے عمدہ طریق سے الگ ہوجا۔ الگ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تبلیغ سے ہاتھ کھینچ لے بلکہ یہ کہ ان کی زیادتیوں کو نظر انداز کردے۔ بیشک آپ کا پہلے بھی یہی رویہ تھا لیکن قرآن کریم میں اس ہدایت کا مقصد یہ ہے تا کفار کو معلوم ہو کہ ان کی زیادتیوں پر صرف نظر کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری کا دخل نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ خود ان کو سزا دے گا۔فرمایا مجھے ان نازو نعم میں پلے جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو یعنی ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔میں ان کی سزا دہی کے لئے کافی ہوں اور تو انہیں کچھ ڈھیل دے۔ یہاں ڈھیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ بیشک ڈھیل اللہ تبارک و تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن اللہ کی نمائندگی میں اس کا رسول بھی مہلت دینے کا مجاز ہے۔

ان کے لئے ہمارے پاس اس دن کے لئے جب زمین اور پہاڑ کانپ اٹھیں گے اور پہاڑ بھربھرے ٹیلوں کی طرح ہوجائیں گے، طرح طرح کی بیڑیاں، دہکتی ہوئی آگ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور عذاب الیم اس سے بھی شدید ہے جس کا کوئی انسان تصور نہیں کرسکتا۔

۱۶ تا ۲۰۔ **وبیل**۔ناگوار۔بھاری۔وبال۔**الشّیبُ**۔ بڑھاپا۔ بالوں کی سفیدی۔

فرمایا ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت گرفت میں جکڑلیا۔ اس نہایت ابتدائی سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ کی پیشگوئی کا مصداق

ٹھہرایا گیا ہے۔(استثنا ۱۸ ۔۱۸)میں ہے کہ ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔یہ آنحضرت ﷺ کی صداقت میں ایک عظیم الشان دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے سوا آج تک کسی نے مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مثیل موسیٰ کے تعلق میں توریت کی تمام پیشگوئیاں آپ ﷺ پر صادق آئیں۔ توریت کی پیشگوئی (یسعیاہ باب ۲۱ درس ۱۳) ''ٹھیک ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ ۔۔۔۔۔قیدار کے بہادر گھٹ جائیں گے۔'' ۔۔۔۔۔یہ پیشگوئی جنگ بدر میں بعینہٖ پوری ہوئی۔ اہل عرب خود کو قیدار کی اولاد کہتے ہیں جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے تھے۔ موسیٰؑ کی طرح آپ ﷺ صاحبِ شریعت جلالی نبی تھے اور آتشی شریعت آپ ﷺ کو دی گئی۔ پھر سب سے بڑی مماثلت یہ کہ حضرت موسیٰؑ کے ۱۳۵۰ سال بعد حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے۔ عین اس کے مطابق آنحضرت ﷺ کے ۱۳۵۰ سال بعد مسیح موعود و مہدی معہود مبعوث ہوئے۔ فرمایا اے منکرو تم عذاب سے کیسے بچ سکتے ہو اگر تم نے اس رسول کا انکار کیا۔یہ سورۃ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ بظاہر نہایت کمزور حالت میں تھے اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔لیکن قرآن کس تحدی سے کہتا ہے کہ یہ رسول مثیلِ موسیٰ ہے جس طرح موسیٰ کے دشمن بے نام و نشان ہوگئے ایسے ہی اس رسول کے دشمن معدوم ہوں گے۔جب فرعون جیسا جابر ہماری گرفت سے نہ بچ سکا تو اس کے مقابلہ میں فراعین مکہ کی حیثیت کیا ہے۔

رسول کو لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے سامنے دنیا میں اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دی۔ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت برپا ہوگی اس وقت آپ ﷺ یہ گواہی دیں گے کہ میں نے ان لوگوں کے سامنے حق کھول کر بیان کردیا تھا۔جیسا کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے طویل خطبہ کے آخر میں لوگوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا۔''اے میرے اللہ کیا میں نے سب کچھ پہنچادیا''؟لوگوں نے کہا! ہاں !تب آپ ﷺ نے فرمایا! ''اے میرے اللہ !تو گواہ رہ۔''

پس تم اس رسول کا انکار کرکے اس دن سے کیسے بچ سکتے ہو جس کی شدت سے بچے بوڑھے ہوجائیں گے۔بچوں کے بوڑھا ہونے میں اس دن کی دہشت کی طرف اشارہ ہے ورنہ قیامت کے دن بچے بوڑھے نہیں ہوں گے۔یہ قیامت صغریٰ کا نقشہ ہے جو کفار کی ذلت کا دن ہوگا یا ایٹمی جنگوں کا بیان ہے جو قیامت کا منظر پیش کریں گی اور آپ ﷺ کے مہدی و مسیح علیہ السلام

يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ

جانتا ہے کہ تو کھڑا رہتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور نصف اس کا اور دو تہائی اسکی

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ

اور ایک جماعت ان میں سے جو تیرے ساتھ ہیں اور اللہ اندازہ کرتا ہے رات اور دن کا

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ

جانا اس نے کہ ہرگز نہ نبھا سکو گے اسکو تو رجوع برحمت ہوا تم پر پس پڑھو جو میسر ہو

مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ

قرآن سے جانا اس نے کہ البتہ ہوں گے تم میں سے بیمار اور دوسرے لوگ ہونگے

يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ

جو سفر کریں گے زمین میں چاہتے ہوں گے فضل الٰہی اور دوسرے ہونگے

يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ز فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا

جو لڑتے ہوں گے راہ خدا میں پس پڑھو جو آسان ہو اس میں سے اور قائم کرو

کے انکار کی وجہ سے برپا ہوں گی۔آسمان اس دن کی شدت و دہشت سے پھٹ جائے گا یعنی ہر طرف سے عذاب کے دروازے کھل پڑیں گے۔ اس کا یہ وعدہ بہرحال پورا ہوکر رہنا ہے۔

اگر یہ لوگ ان حقائق کو دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود راہ راست اختیار نہ کریں تو فرعون کی مثال ان کے سامنے ہے۔اگر راہ راست اختیار کریں تو قرآن تو سراسر نصیحت ہے۔کسی پر جبر نہیں۔ پس جو چاہے اس کے ذریعہ ایمان واطاعت پر کاربند ہوکر اپنے ربّ تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔

۲۱۔ **لن تحصوہ۔الاحصاء** کے معنی عدد کو حاصل کرنا۔شمار کرنا۔یہ لفظ **حصیً** (کنکریاں) سے مشتق ہے۔اس سے گننے کا معنی اس لئے لیا گیا کہ عرب گنتی میں کنکریوں پر اس طرح اعتماد کرتے تھے جس طرح ہم انگلیوں پر۔نباہنے کے مفہوم میں آتا ہے۔تم نباہ نہیں کرسکو گے۔ **اقرضوا اللّٰہ۔ القرض** کالفظی معنی کاٹنا ہے یعنی اپنے مالوں کو اللہ کے لئے الگ کردو۔ **استغفار ۔ غفر** ڈھانپنا ہے۔مغفر ڈھال کو کہتے ہیں جو منہ وغیرہ کو ڈھانپ لیتی ہے۔استغفار گناہوں اور ان کے بدنتائج سے حفاظت طلب کرنا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے یہی معنی ہیں کہ اے اللہ تو مجھے آئندہ کی خطاؤں سے مامون ومحفوظ رکھ اور اپنی حفاظت میں لے۔ **خیر** مال بھی ہے اچھی بات بھی اور ہر اچھی چیز بھی۔

حضرت عائشہؓ سے مسنداحمد، مسلم اور ابوداؤد میں یہ روایت منقول ہے کہ پہلے حصہ کے

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا

نماز کو اور دو زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا اور جو

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا

کچھ آگے بھیجو تم اپنی جانوں کے لیے بھلائی سے پاؤ گے اس کو حضور خدا کے کہ وہ بہتر ہے

وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۴

اور بڑا ہے ثواب میں اور بخشش مانگو اللہ سے یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بعد دوسرا حصہ (یعنی آیت ۲۱) ایک سال بعد نازل ہوا اور رات کا قیام فرض سے نفل کردیا گیا۔فرمایا اے نبی! تیرا ربّ جانتا ہے کہ تم کبھی دوتہائی کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو اور تیرے رفقاء کی ایک جماعت بھی تیرے ساتھ تہجد ادا کرتی ہے اور رات اور دن کے پیمانے اللہ ہی نے تجویز کئے ہیں اللہ تعالیٰ رات اور دن کو ایک خاص اندازے کے تحت گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔یہ ابتدائی زمانہ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عبادت میں انتہائی مشقت اٹھاتے تھے۔فرمایا تیرا ربّ جانتا ہے کہ تم ہرگز اس طریق کو نبھا نہیں سکو گے۔پس وہ تم پر رجوع برحمت ہوا۔ابھی پورا قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔فرمایا قرآن کریم میں سے جتنا میسر ہو تہجد میں پڑھ لیا کرو۔ گویا تہجد میں تخفیف فرمائی۔بالکل ابتدائی دور کی سورۃ کی اس آخری آیت میں ایک زبردست پیشگوئی فرمائی جس نے قرآن کریم کی حقانیت کو روز روشن کی طرح ثابت کردیا۔فرمایا مسلمان دنیا میں تجارتی سفر کریں گے اور خدا کی راہ میں قتال بھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب چند مسلمان تھے اور ان کو بھی سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ بتلایا کہ آنے والے وقتوں میں تمہیں اتنی فرصت نہیں ملے گی۔وہ جانتا ہے کہ تم میں سے مریض بھی ہوں گے اور دوسرے بھی جو اللہ کا فضل چاہتے ہوئے سفر کریں گے۔جائز اور حلال طریق سے رزق حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے کو اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا گیا۔ اسلام میں رزق حلال کے لئے تگ و دو اور تجارت کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔حضرت رفاعہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے تاجروں کے گروہ سنو! قیامت کے دن تاجر گنہگاروں کی صورت اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور نیکی پر قائم رہیں اور سچ بولیں۔(جامع ترمذی کتاب البیوع باب فی التجار)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا اور دیانتدار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی معیت کا حقدار ہے۔(ترمذی باب ۸۱۸ حدیث نمبر ۱۰۷۹)

فرمایا کچھ دوسرے لوگ بھی جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے ۔پس ان مصروفیات میں جتنا سہولت سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔اب اسلام کی بنیادی تعلیم کا حکم دیا جو تمام مذاہب میں قدر مشترک ہے۔ تاہم اسلامی تعلیم تمام مذاہب کی تعلیمات سے ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ پس سب سے اوّل نماز کا حکم دیا اور پھر زکوٰۃ ادا کرنے کا۔ زکوٰۃ کے نصاب کی تعین مکہ میں ہوئی۔یہاں زکوٰۃ سے مراد عام صدقہ و خیرات ، دینی ضروریات اور رفاہ عامہ پرخرچ کرنا ہے ۔فرمایا اللہ کو قرض حسنہ دو۔ قرض حسنہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے مال کا ایک عمدہ حصہ کاٹ کر الگ کردیا کرو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے گویا خرچ کرنے والا اللہ کو قرضہ دے رہا ہے جسے وہ بہت بڑھا کر واپس کرے گا۔ قرض حسنہ کا طریق بھی ساتھ ہی بتلا دیا کہ مومن جب بھی قرض لیتا ہے ، بڑھا کر دیتا ہے۔زکوٰۃ کا ذکر پہلے آیا اس لئے یہاں مراد صدقات نافلہ وغیرہ ہیں جیسے والدین ، بیوی بچوں ، اعزہ و اقارب اور ضرورتمند افراد پر خرچ کرنا نیز حضرت مسیح موعودؑ اور خلفاء مسیح موعود کے جاری کردہ چندہ جات ادا کرنا ہے ۔فرمایا تم خیر یعنی عمدہ چیزوں میں سے جو بھی اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جناب میں بہت بہتر اور اجر کے لحاظ سے عظیم تر پاؤ گے۔گویا یہ قرض حسنہ اللہ کے فائدہ کے لئے نہیں مومن کے اپنے فائدہ کے لئے ہے۔پس اللہ سے مغفرت طلب کرو۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ میں روزانہ اللہ کے حضور ستر سے زیادہ مرتبہ (یعنی کثرت سے) استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب استغفار النبی حدیث نمبر ۵۸۳۲) آنحضرتﷺ نے فرمایا! خوشخبری ہو اس کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں استغفار کو کثرت سے پایا۔

پس ان تمام احکام پرعمل کروگے تو یقیناً اللہ کو غفورٌ رّحیم پاؤ گے۔

☆☆☆

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَرُكُوعَانِ

سورۃ مدثر۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی ستاون آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ بھی ابتدائی مکی زمانہ میں نازل ہوئی۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت ، آخرت اور حشر نشر کی تفصیل اور تصویر کشی ہے ۔مکی سورتیں اور آیات عموماً چھوٹی اور مختصر ہیں جبکہ مدنی سورتیں اور ان کی آیات عموماً طویل اور مفصل ہیں۔ مکی سورتوں میں کفار اور مشرکین سے مقابلہ ہے جبکہ مدنی میں اہل کتاب اور منافقین سے ۔شدید نامساعد حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اس سورۃ میں نام لئے بغیر ولید بن مغیرہ کے حالات بتلائے اور اس دشمن خدا و رسول کو انتباہ کیا۔

سورۃ مزمل میں تہجد کے بیان میں آنحضرتﷺ کی تکمیل نفسی کا ذکر کیا۔ اس سورۃ میں امت کی تکمیل اور اصلاح کے اصول بیان فرمائے ۔گویا یہ بتلایا گیا کہ پہلے اپنے نفس کی تکمیل کرو اور پھر دوسروں کی اصلاح و تکمیل کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
شروع ساتھ نام اللہ رحمٰن رحیم کے

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۲﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۳﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۴﴾ وَثِيَابَكَ
اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو پس ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو

فَطَهِّرْ ﴿۵﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۶﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۷﴾ وَ
پس پاک کر اور پلیدی کو پس چھوڑ دے اور مت دے کسی کو زیادہ لینے کی نیت سے اور

لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۸﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۹﴾ فَذٰلِكَ
اپنے رب کے لیے پس صبر کر پس جب بجایا جائے گا بگل تو یہ

يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۱۰﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۱﴾
دن دن بھاری ہے کافروں پر نہیں آسان

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۱۱۔ **المدثر** کے معنی کپڑا اوڑھنے والے کے ہیں۔مزمل اور مدثر دونوں لفظوں کے معنی قریبا ایک ہیں۔**الرجز**۔ناپا کی **الناقور**۔بگل۔**ثیاب**۔ثوب کی جمع ہے ۔کپڑے ۔دوست واحباب ۔قریبی۔ نفس سے کنایہ بھی ہوسکتا ہے۔

فترۃ الوحی کے بعد یہ پہلی وحی ہے جو ابتدائی مکی زمانہ میں نازل ہوئی فترہ کے زمانہ سے مراد وہ زمانہ ہے جب وحی کا نزول کچھ عرصہ کے لئے رک گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ مدثر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کہیں جارہا تھا کہ میں نے آسمان سے اچانک ایک آواز سنی اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِحرامیں آیاتھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں اس سے مرعوب ہوکر گھر واپس آیا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھادو۔ تب سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو اور انتباہ کر۔(صحیح بخاری بدء الوحی) یہ حکم آپ ﷺ کو اس لئے دیا گیا کہ تنہائی جو آپ ﷺ کو بہت پسند تھی ،اب چھوڑ دیں اور اصلاح خلق کی خدمت پر کمربستہ ہوجائیں اور لوگوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کریں ۔ نیز بدی کے بد نتائج سے ڈرائیں ۔پس ان لوگوں کو ڈرا جو اپنے ربّ کی نافرمانی اور حکم عدولی میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے امت پر بھی فرض ہے کہ لوگوں کی اصلاح کے لئے کوشاں رہیں ان کو سمجھاتے رہیں اللہ کے فضل سے امید ہے کہ آخر ہدایت حاصل کرلیں گے۔ اصلاح خلق کے حکم کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے

کا حکم دیا گویا شرک کا ردّ فرمایا اور توحید کی طرف بلایا۔ انہیں بتا کہ بڑائی ایک خدا کے سوا کسی کی نہیں۔جو ربّ سارے جہان کی ربوبیت فرمارہاہے بڑائی اور کبریائی بھی اسی کو سزاوار ہے۔ پس تو اپنے قول اور عمل سے اپنے ربّ کی بڑائی بیان کرتارہ ۔ اسلام میں کلمہ اللہ اکبر کو خاص اہمیت دی گئی ہے اس کاورد کارثواب ہے۔اذان کی ابتداہی اللہ اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے نیزنماز کی ابتدا اس کلمہ سے ہوتی ہے ۔پھر بار بار اس کی تکرار ہے ۔یہاں تک کہ ہمارا ذبیحہ بھی بسم اللہ ، اللہ اکبر کے بغیر جائز نہیں۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ اپنے کپڑوں کو پاک کر۔آپ ﷺ تو ہمیشہ سے انتہائی نفاست پسند تھے لیکن اب نبوت کا بارگراں آپ ﷺ کے کندھوں پر رکھاجارہاتھا۔اس لئے بطور خاص یہ حکم دیا۔ ثیاب کا لفظ قریبیوں کے لئے بھی آتا ہے کیونکہ وہ بھی لباس کی طرح قریب رہتے ہیں ۔پس ان سے بھی ہر قسم کی گندگی دور کر ۔صفائی میں روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی صفائی مراد ہے۔ جسمانی صفائی جسم اور کپڑوں تک ہی محدود نہیں بلکہ گھر بار، گلی محلّہ پھر پورا شہر بلکہ ملک بھی اس میں شامل ہے۔ حفظان صحت کے قواعد سے روشناس کروانا اسلام کا دنیا پر ایک عظیم احسان ہے۔حضرت ابی مالک الاشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا طہارت آدھا ایمان ہے(مسلم) حضرت ابن مسیبؒ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ پاک ہے ، پاکی کو پسند کرتا ہے۔ ستھرا ہے ستھرائی کو پسند کرتا ہے ،کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے پس تم اپنے صحنوں کوصاف ستھرا رکھو۔ (ترمذی) صحن کا خاص طور پر اس لئے نام لیا کہ بعض لوگ گھر تو صاف کرلیتے ہیں لیکن صحن کی صفائی پر توجہ نہیں دیتے ۔گھر کا کاٹھ کباڑ صحن میں اور صحن کا گلی میں پھینک دیتے ہیں۔

فرمایا پلیدی کوپس چھوڑ دو۔روحانی اور مادی پاکیزگی لازم وملزوم ہے۔پاک صاف کپڑوں کے اندر دل بھی پاکیزہ ہوگا۔پس بتوں کی پلیدی اور شرک کی گندگی کو چھوڑ دے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں طہارت و نظافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔حضرت ابن عباسؓ اور کبار صحابہ کرام نے اس آیت کے یہ معنی کئے کہ اپنے اخلاق پاکیزہ رکھو۔غرض ہر روحانی اورجسمانی گندگی سے اپنا دامن بچاکررکھ۔محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ صاحبہ روزنامہ الفضل ربوہ میں تحریر فرماتی ہیں! ”دینی مسلک حیات میں صفائی کا تصور اوائل سے نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ نظام سائنس کے بتدریج ترقی پانے والے نظام سے بہتر اور مکمل ہے جو ایک بچے کی پیدائش سے لے کر انسان کی موت تک رہنما ہے۔ صفائی آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر ایمان کوتقویت اور روح کو بالیدگی بخشتی ہے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝۱۲ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۳

چھوڑ مجھ کو اور جسے پیدا کیا ہے میں نے اکیلا — اور دیا میں نے اس کو مال بافراط

وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۴ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝۱۵ ثُمَّ يَطْمَعُ

اور بیٹے حاضر باش — اور بچھایا میں نے اس کے لیے بچھونا — پھر وہ طمع رکھتا ہے

اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۶ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝۱۷ سَاُرْهِقُهٗ

یہ کہ زیادہ دوں میں — ہرگز نہیں یقیناً وہ ہے — ہمارے احکام سے — سرکش — عنقریب مبتلا کروں گا

اس دور کی سب سے مکروہ اور ڈراؤنی بیماری ایڈز ہے۔ جس نے ثابت کردیا کہ دینی اصولوں کے مطابق زندگی کو صفائی سے بسر کرنے والا انسان آج کے دور کا خوش قسمت ترین انسان ہے۔"

فرمایا زیادہ لینے کی خاطر احسان نہ کیا کر یعنی کسی پر احسان کرکے اس سے کسی قسم کے بدلہ کی امید نہ رکھ۔ یہ اخلاق کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ ہر کام رضائے الٰہی کے تحت ہو یہانتک کسی کی بے جا تعریف بھی تمہیں پسند نہ ہو آپ ﷺ تو پہلے ہی اخلاق کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے۔ پس ان تمام احکام میں امت بھی مخاطب ہے۔

چھٹا حکم یہ فرمایا کہ اپنے ربّ ہی کی خاطر صبر کر۔ اصلاحِ خلق کوئی آسان کام نہیں اس راہ میں جو مشکلات و مصائب درپیش ہوں، اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے برداشت کر۔ آخر تیری شب و روز کی ان تھک کوشش اور دعائیں ان کی ہدایت کا موجب بن جائیں گی۔ پس تو اپنے کام میں لگا رہ اور اپنے ربّ کی رضا پر راضی رہ۔ آخر تیرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اور کافروں کی پکڑ کا وقت آجائے گا۔ یہاں قیامت کبریٰ کے علاوہ قیامت صغریٰ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جب میدان بدر میں جنگ کا بگل بجے گا تو یہی وہ دن ہوگا جو کافروں پر بہت سخت ہوگا۔ حیاتِ نبوی میں اس سے بھاری دن کافروں پر نہیں گزرا۔ فرمایا یہ کافروں پر آسان نہیں ہوگا، گویا مومنین پر آسان ہوگا۔

۱۲ تا ۱۷۔ **وحیدًا۔ وحید** واحد سے ہے۔ اکیلا۔ یکتا۔ **ممدودًا۔ مد** سے ہے پھیلا ہوا۔ بکثرت۔ **شهودًا**۔ شاہد۔ حاضر باش۔ **المهد**۔ گہوارا۔ بچھونا۔

یہ آیات ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئیں۔ اس دشمن خدا کی پردہ پوشی فرمائی اور نام نہیں لیا۔ ولید بن مغیرہ کے حالات تفصیلاً سورۃ قلم کے پہلے رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔ استفادہ فرمایئے۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا سب سے مالدار سردار تھا۔ وہ شعر و سخن اور منظر کی خوشنمائی میں شہرت رکھتا تھا۔ مال و دولت کی فراوانی اور دس بیٹوں کے زعم نے اسے نہایت متکبر بنا دیا تھا۔ بقول ابن عباسؓ

صَعُوْدًا ۝۱۸ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝۱۹ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ثُمَّ

میں اسکو سخت عذاب میں۔ یقیناً اس نے فکر کیا ہے اور اندازہ کیا — پس مار ہو کیسا — اندازہ کیا — پھر

اس کی زمین وجائیداد اور باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے بقول ثوری اس کی سالانہ آمد ایک کروڑ دینار تھی۔ لوگوں میں اس کا لقب ریحانۃ القریش مشہور تھا۔ یہ بطور فخر وتکبر خود کو وحید ابن وحید کہتا۔ یعنی یکتا کا بیٹا یکتا۔ گویا قوم میں نہ میری نظیر ہے نہ میرے باپ مغیرہ کی۔ (قرطبی) ولید بن مغیرہ کے دس بیٹوں میں سے تین مشرف باسلام ہوئے۔ جن میں سے خالد بن ولید سیف اللہ کے لقب سے نوازے گئے اور اپنی بہادری اور معاملہ فہمی کی وجہ سے تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اس کے بیٹوں کے لئے شہوڈا کا لفظ استعمال ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ وہ اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے۔ رزق کی فراوانی کی وجہ سے انہیں روزی کمانے کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑتی تھی۔ دوسرا یہ کہ اس کے سب بیٹے مجلسوں اور محفلوں میں اس کے شریک کار ہوتے تیسرا یہ کہ وہ سب اس مرتبہ کے لوگ تھے کہ لوگوں کے معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاتی۔

کفار کی ایک مجلس میں ولید بن مغیرہ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ تمام عرب سے آنے والے حاجیوں میں آپ ﷺ کو جادوگر مشہور کیا جائے۔ فرمایا مجھے اور اس کو جسے میں نے پیدا کیا، اکیلا چھوڑ دو۔ میں تنہا اس کی سزا کے لئے کافی ہوں۔ یہ بھی مراد ہے کہ میں نے اسے تنہا پیدا کیا۔ یہ اپنے ساتھ دولت و قوت نہیں لایا تھا پھر اللہ کی عطا پر اتنا مغرور کیوں ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کا نپٹنا اس کے ساتھ اس طرح ہوا کہ ولید بن ولید، خالد بن ولید، ہشام بن ولید مشرف باسلام ہوئے اور اس کے چہیتے بیٹے اس سے بیزار ہوکر اس سے علیحدہ ہوگئے، بعضے اس کی آنکھوں کے سامنے مرکھپ گئے۔ مال و دولت میں پے در پے نقصان ہونے لگا اور آخر الامر خود آپ نہایت ذلت اور افلاس کے ساتھ ہلاک ہوگیا۔ نزول آیت کا اگرچہ کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے مگر اعتبار اس کا عام ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں بھی ایسی نظیریں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (ضمیمہ اخبار بدر۔ قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

فرمایا میں نے بچھایا اس کے لئے بچھونا یعنی ہر طرح کا سامان آسائش عطا کیا۔ لیکن ان تمام نعمتوں کے حصول پر بھی اس کی حرص ختم نہیں ہوئی اور مزید کی فکر میں رہتا ہے۔ یعنی چاہتا ہے کہ دنیا بھر کی نعمتیں اسے مل جائیں۔ ہرگز نہیں یقیناً وہ تو ہماری آیات کا دشمن تھا۔

۱۸ تا ۲۶۔ **سأرهقهٗ۔ رهقه** بزور و جبر دبالینا ہے۔ مبتلا کردینا۔ **صعودًا**۔ بلندی۔ گھاٹی۔ **سأرهقه صعودًا**۔ ہم عنقریب اس کو عذاب سخت میں مبتلا کریں گے۔ **يؤثر**۔ وہ اختیار کیا جاتا

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۳﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ

مار ہو کیسا اندازہ کیا پھر دیکھ لیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا پھر پیٹھ پھیر لی

وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۵﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

اور تکبر کیا پھر کہا نہیں یہ مگر جادو جو نقل کیا جاتا ہے نہیں یہ مگر

قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۶﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۸﴾ لَا تُبْقِيْ

بات آدمی کی عنقریب داخل کروں گا میں اسکو دوزخ میں اور کیا جانے تو کیا ہے دوزخ نہیں باقی رکھتی

ہے۔ **عبس** کے معنی سینہ کی تنگی سے چہرہ پر شکن پڑنے کے ہیں ۔**بَسَرَ**۔جلدی کے معنی دیتا ہے۔ **بَسَر** کے معنی قبل ازوقت منہ بگاڑنے کے ہیں۔منہ بگاڑا۔منہ بسورا۔

اس سورۃ کا آیت ۱۰ سے آخرتک کا حصہ اس وقت نازل ہوا جب اسلام کی تبلیغ اعلانیہ شروع ہونے کے بعد حج کاموقع آیا۔(سیرۃ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۸۸۔۲۸۹)میں یہ واقع تفصیل سے درج ہے۔مختصر یہ کہ سرداران مکہ کو فکر لاحق ہوئی کہ حاجیوں میں آپ ﷺ کی تبلیغ سے اسلام عرب میں پھیل جائے گا۔چنانچہ قریش کے سرداروں نے ایک مجلس منعقد کی جس میں یہ طے پایا کہ حاجیوں کے آتے ہی رسول ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیاجائے۔مختلف آراء پیش ہوئیں کسی نے کہا کاہن کہاجائے کسی نے کہا مجنوں کہاجائے کسی نے شاعر کہا۔ولید بن مغیرہ آپ ﷺ سے ہرطرح متاثر تھا اور قرآن کریم کی صداقت کا قائل ہوچکا تھا لیکن اپنی جھوٹی انا اور معاشرہ میں عزت و وقار کو چھوڑنے کے لئے تیارنہیں تھا۔یہی وجہ تھی کہ اللہ کے سخت عتاب کے نیچے آیا۔آخرابوجہل کے اصرار پر اس نے فیصلہ کیا کہ آپ ﷺ کوجادوگرمشہور کیاجائے جو لوگوں کو اپنے خاندان اورعزیز ترین رشتوں سے دور کردیتاہے(روح المعانی)

ان آیات میں ولیدبن مغیرہ کی ذہنی کشمکش کانقشہ پیش کیا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر عیاں تھے ۔فرمایا ہم اسے ایک کٹھن گھاٹی پر چڑھائیں گے یعنی اسے سخت عذاب میں مبتلا کیاجائے گا۔ یقیناً اس نے اچھی طرح غور کیا او رایک اندازہ لگایا ۔یہ غور وفکر کرنا اور اندازہ لگانا یہی تھاکہ کس طرح آپ ﷺ کے خلاف مہم چلائی جائے جس کا اثر لوگوں پر ہو۔خدا کی مار ہو اس پر اس نے کیسی تجویز کی (مفردات) پھر اللہ کی مار ہو اس پر اس نے کیسی تجویز کی ۔پھر اس نے لوگوں کا جائزہ لیا کہ وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں یانہیں ۔ **ثمّ نظر** ٥ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی آیت ہے۔ پھر تیوری چڑھائی اور نفرت سے منہ بسورا۔ پھرپیٹھ پھیری اور تکبر کیا ۔آخر اس فیصلہ پر پہنچا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے جو اختیار کیا جارہاہے۔ یہ تو محض ایک انسان کاقول ہے ۔

۲۷تا۳۰۔ **سقر**۔جہنم ۔**لوّاحۃٌ**۔جھلس دینے والی۔**بشر**۔واحد **بشرہ** ہے۔**البشرہ** کے معنی انسان کی جلد کے ہیں۔چونکہ خوشی کی خبر کا اثر چہرے کی جلد پر پڑتاہے اس لئے چہرہ مرادہے۔

وَلَا تَذَرُ ﴿۲۹﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۳۰﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۱﴾ وَمَا جَعَلْنَآ

اور نہ چھوڑتی ہے جھلس دینے والی چہرے کو اس پر انیس فرشتے ہیں اور نہیں بنائے ہم نے

اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً

داروغے دوزخ کے مگر فرشتے اور نہیں مقرر کی ہم نے ان کی گنتی مگر فتنہ

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ

ان کیلئے جو حق پوش ہوئے تاکہ یقین کریں وہ جو دیئے گئے کتاب اور زیادہ ہوں وہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

جو ایمان لائے ایمان میں اور نہ شک لاویں وہ جو دیئے گئے کتاب

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ

اور ایمان والے اور تاکہ کہیں وہ جن کے دلوں میں کینہ ہے اور

اب جہنم کے احوال بیان فرمائے۔فرمایا اس گستاخ کی سزا یہ ہے کہ میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا۔اور تجھے کیا سمجھائے کہ جہنم کیا ہے وہ کچھ باقی رہنے دیتی ہے نہ پیچھا چھوڑتی ہے۔ گویا نہ زندہ رہنے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے ۔چہرے کوجھلسادینے والی ہے گویا انسان کا حلیہ بگاڑ دیتی ہے ۔چونکہ کلام الٰہی سن کر اس نے منہ بنایا اور چہرے سے حقارت کااظہارکیا آیت ۲۳ ۔اس لئے فرمایاکہ یہ آگ چہرے کوجھلس دینے والی ہوگی۔

۳۱۔ اس جہنم پر ۱۹ داروغے ہیں انیس(۱۹) اقسام کے فرشتے بھی مراد ہیں ۔۱۹ کی تکرار قرآن کریم میں متعدد بار آئی ہے ۔تسمیہ کے ۱۹ حروف ہیں ۔ اور اس آیت کا ہر ایک حرف جہنم کے داروغہ سے بچاتاہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ انسان کے وہ اعضاء اور قویٰ کہ جن سے خداتعالیٰ کی نافرمانیوں کا ظہور ہوسکتاہے ۔وہ بھی تعداد میں انیس ہی ہیں ۔دو ہاتھ۔دو پاؤں۔۵۔زبان۔۶۔دل۔۷۔آلہ تناسل۔۸۔معقد۔۹۔پیٹ۔۱۰۔منہ۔۱۵۔حواس خمسہ۔۱۶۔فکر۔ ۱۷۔عقل۔۱۸۔شہوت۔۱۹۔غضب۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)کبیرہ گناہ بھی انیس(۱۹)ہیں۔گویاہر گناہ پر ایک داروغہ مقرر ہے۔۱۔شرک۔(۱۳:۳۷) ۲۔رسولوں،فرشتوں،کتاب اور قیامت کا انکار(۲:۱۷۸)۔۳۔نماز نہ پڑھنا(۲:۴۴)۔۴۔روزہ نہ رکھنا(۲:۱۸۴)۔۵۔حج نہ کرنا(۳:۹۷)۔۶۔زکوٰۃ نہ دینا(۲:۴۴)۔۷۔جہاد نہ کرنا(۲:۷۹)۔۸۔حقوق العباد ادانہ کرنا (۲:۲۲۹۔۴:۳۷،۶:۱۵۳)۔۹۔ایسی بات کہنا جس پر خودعمل نہ ہو۔(۶:۴)۔۱۰۔قتل کرنا(۱۷:۳۴)۔ ۱۱۔زنا کرنا(۱۷:۳۳)۔۱۲۔چوری کرنا(۵:۳۹۔ ۲۴:۹) ۔۱۳۔ جھوٹی شہادت دینا اور جھوٹ بولنا (۲۵:۷۳،۲۲:۳۱)۔۱۴۔جھوٹا الزام لگانا(۲۴:۲۴) ۔۱۵۔غیبت اور فضول گوئی (۲:۱۰۴۔۴:۷۶:۴۶)۔ ۱۶۔لالچ کرنا۔دولت جمع کرنا اور خرچ نہ کرنا(۵۹:۱؛۱۰۴:۲)۔۱۷۔حرام کھانا۔(۲:۴۷۔۵:۹۱)۔ ۱۸۔جوا کھیلنا (۵:۹۱) ۔۱۹۔ملک میں فساد کرنا۔(۲:۱۹۲۔۲۸:۸۴)

الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ

کافر بھی کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس مثال سے اسی طرح گمراہ ٹھہراتا ہے اللہ جو

يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا

چاہے اور ہدایت کرتا ہے جو چاہے اور نہیں جانتا کوئی لشکر تیرے رب کے بجز اس کے اور نہیں

هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۲﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۳﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۴﴾ وَالصُّبْحِ ع ۲ ۱۵

وہ مگر یاددہانی آدمی کے لیے خبردار قسم ہے چاند کی اور رات کی جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی

۳۲۔ اصحاب النار سے مراد یہاں جہنم کے داروغے ہیں جن کی تعداد ۱۹ بتائی گئی ہے (آیت:۳۱) فرشتوں کی تعداد کا انیس (۱۹) ہونا یقیناً کسی مصلحت کے تحت ہے۔ فرمایا فرشتوں کی تعداد کے بیان میں مقصود کفار کی آزمائش ہے۔ کفار اور مشرکین ہر آیت کو تمسخر کا نشانہ بناتے۔ بیہقی نے سدّی سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ایک بیہودہ شخص ابوالاسلین نے جو قریش تھا، نہایت گستاخانہ انداز میں کہا کہ انیس (۱۹) سے نپٹنا کیا مشکل ہے۔ ان کے لئے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں اس طرح ابوجہل اور بعض دوسروں نے بھی ہرزہ سرائی کی۔ فرشتوں کی تعداد کے بیان میں مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کرلیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان میں حکمت ہے اور وہ سچ ہے۔ چنانچہ کئی یہودی احبار اور علماء نے قرآن کو سن کر آپ ﷺ کی صداقت پر یقین کیا اور ایمان لائے جیسے عبداللہ بن سلامؓ، زید بن سعنہؓ اور مخیرقؓ وغیرہ۔ بعض ایسے بھی تھے کہ باوجود یقین کے بعض دنیوی فوائد کی خاطر منکر رہے جیسے امّ المومنین حضرت صفیہؓ کے والد اور چچا وغیرہ۔ اور یہ کہ اہل ایمان اپنے ایمان میں ترقی کریں جیسا کہ ہر نئی آیت مومنین کے ازدیاد ایمان کا باعث بنتی۔ اس سے غرض یہ بھی ہے کہ اہل کتاب اور مومنین کسی شک میں نہ رہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا نزول تمام شکوک و شبہات کو مٹاتا چلا گیا اور ایمان میں پختگی نصیب ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی منافق اور کفار، کہیں کہ اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے؟ گویا نعوذباللہ اس فضول بات سے اللہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ فرمایا اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ گمراہ اسی کو ٹھہراتا ہے جو گمراہی پر مصر ہوتا ہے اور ہدایت حاصل کرنی نہیں چاہتا۔ اور ہدایت اسے دیتا ہے جو ہدایت حاصل کرنی چاہتا ہے اور اس کے لئے کوشش کرتا ہے۔ فرمایا تیرے ربّ کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں کون کون سی قوتیں سرگرم عمل ہیں۔ بیشک ہم ان کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے لیکن ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس فرشتوں کی تعداد اور جہنم کے بیان سے مقصد یہی ہے کہ کفار اس عذاب کی کیفیت جان کر ڈریں اور نصیحت حاصل کریں اور اہل کتاب یقین کے مقام پر پہنچیں اور اہل ایمان اپنے ایمان میں ترقی کریں۔

۳۳ تا ۳۵۔ یہاں قمر کو گواہ ٹھہرایا ہے اور رات کو جب وہ جانے لگے اس میں تہجد کی طرف

اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۵﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۶﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۷﴾ لِمَنْ

جب روشن ہو یقیناً وہ ایک بڑے واقعات میں سے ہے ڈرانیوالی آدمی کے لیے اس کیلئے جو

شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۸﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ

چاہے تم میں سے یہ کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے ہر جی اس میں جو کمایا اس نے

رَهِيْنَةٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۴۰﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

گرو ہے مگر داہنی طرف والے بہشتوں میں ہونگے پوچھتے ہوں گے

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ

مجرموں سے کیا چیز لے گئی تم کو دوزخ میں کہیں گے کہ نہ تھے ہم

الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ

نماز پڑھتے اور نہ تھے ہم کھلاتے فقیروں کو اور تھے ہم بیہودہ اعتراض

مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۷﴾ حَتّٰٓى

کرتے ساتھ معترضوں کے اور تھے ہم جھٹلاتے یوم جزاء کو یہاں تک کہ

اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۸﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَمَا

آئی ہم کو موت پس نہ فائدہ دے گی ان کو سفارش سفارشیوں کی پس کیا ہے

بھی اشارہ ہے جب نالہ ہائے شب اس روشن صبح کو کھینچ لائیں گے۔

قمر کو بطور شہادت پیش کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح ہلال بتدریج ترقی کرتا ہوا قمر تک پہنچا یہی مثال دین حق کی ہے کہ وہ تدریجاً ترقی کرے گا۔ رات کے جانے اور صبح کے روشن ہونے میں باطل کی ظلمت دور ہونے اور حق کی روشنی پھیلنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ پیشگوئی اسلام کے اوّل دور میں پوری ہوئی۔ قمر میں مسیح موعودؑ کی طرف بھی اشارہ ہے جن کا نزول بطور قمر ہے۔ اب اسلام کے نشاۃ ثانیہ میں یہ پیشگوئی ایک نئی شان سے پوری ہورہی ہے ظلمتوں کے اندھیرے چھٹ رہے ہیں۔ اور اسلام کا نور چہار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے۔

۳۶ تا ۳۸۔ **الکبر۔ کبرٰی** کی جمع ہے۔ **انّھا** کی ضمیر سقر کی طرف راجع ہے۔ فرمایا سقر جس کا ذکر کیا گیا ہے بھاری مصیبتوں میں سے ایک ہے جو انسان کو اس کی بداعمالیوں کے انجام سے خبردار کرنے والی ہے تا تم میں سے جو چاہے اس انذار سے فائدہ اٹھائے اور نیک اعمال بجالا کر اپنے ربّ کو راضی کرے اور ترقی کی لامتناہی منازل کی طرف بڑھتا چلا جائے اور جو چاہے اپنی بداعمالیوں پر مصر رہ کر پیچھے رہے اور اپنے لئے سقر میں ٹھکانہ بنائے۔

۳۹ تا ۴۸۔ فرمایا ہر جان بسبب ان کاموں کے جو کمائے اس نے رہن ہوگی سوائے دائیں طرف والوں کے جو ان سزاؤں سے مستثنٰی ہوں گے یہ دائیں جانب والے وہ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرکے دنیا ہی میں اپنا قرضہ چکا آئے ہیں اور اپنی نیکیوں سے خود کو چھڑوا چکے ہیں اور اب اپنے ربّ کی رحمت سے متمتع ہورہے ہیں۔ جبکہ بائیں طرف والے کوئی ایسے اعمال بجا

نہیں لائے کہ ان کی خلاصی ہوتی ۔ جنت اور جہنم میں بُعد بعید ہونے کے باوجود وہ آپس میں باتیں کرنے کے اہل ہوں گے۔ دائیں طرف والے بائیں طرف والوں سے پوچھیں گے کہ کونسا عمل تمہیں جہنم میں لے آیا۔ اب وہ تمام اعمال بتلائے جن کی وجہ سے ان مومنوں پر جہنم واجب ہوئی اور دیگر مومنوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ان بدیوں سے بچیں ۔یہاں ایسے مومنوں کو مجرم کہا جو ایمان تو لے آئے مگر ایمان کے تقاضے پورے نہ کئے جن میں سب سے اوّل نماز ہے۔ وہ اقرار کریں گے کہ ہم نماز ادا نہیں کرتے تھے یہاں مصلین کا لفظ آیا جو نماز پڑھنے والوں میں ادنیٰ اور ابتدائی درجہ ہے گویا وہ ان میں بھی شامل نہیں تھے ۔(تشریح المعارج:۲۳) جیسا کہ شیخ سعدی نے کہا۔

روزِ محشر کہ جان گداز بود   اولین پرسش نماز بود

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! کہ قیامت کے روز سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو وہ کامیاب ہو گیا اور اس نے نجات پائی۔اگر یہ حساب خراب ہوا تو وہ ناکام ہوگیا اور گھاٹے میں رہا۔اگر اس کے فرضوں میں کوئی کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔دیکھو میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں۔ اگر نوافل ہوئے تو فرضوں کی کمی ان نوافل کے ذریعہ پوری کردی جائے گی۔اسی طرح اس کے باقی اعمال کا معائنہ ہوگا اور ان کا جائزہ لیا جائے گا۔(یعنی نوافل عبادات سے فرض عبادات کی کمی پوری کردی جائے گی)(ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ان اوّل یحاسب بہ العبد)اور یہ بھی اقرار کریں گے کہ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔اسلام میں کھانا کھلانے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ باوجود قدرت اور علم ہونے کے کسی بھوکے کو کھانا نہ کھلانا اسلام میں اتنا بڑا گناہ ہے جو مومن کو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! بھلائی، روزی اور برکت اس گھر کی طرف تیزی سے بڑھتی ہے جس میں کھانا کھلایا جاتا ہے (مہمان اور مسکین کو)(ابن ماجہ)۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہترین صدقہ یہ ہے کہ پیٹ بھردے تو بھوکے جگر کا۔(یعنی کسی بھوکے کو پیٹ بھر کھانا کھلادے) (بیہقی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریمؐ سے پوچھا! اسلام کی کون سی عادت بہتر ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کھانا کھلانا اور آشنا و ناآشنا سب کو سلام کرنا۔(متفق علیہ) انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ہم لغو باتیں کرنے والوں کے ساتھ لغو باتوں میں مشغول ہوجایا کرتے تھے۔اسلام میں لغو اور فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا بھی گناہ اور جنت سے دوری کا باعث ہے۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ انسان کے اسلام کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی باتوں یعنی بے کار اور لغو باتوں کو چھوڑ دے۔(ترمذی کتاب الذھد جلد۲ صفحہ۵۵)

لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵۰﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۱﴾

انکو کہ اس نصیحت سے وہ منہ پھیرتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکے ہوئے

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۲﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

جو بھاگے ہوئے ہوتے ہیں شیر سے بلکہ ارادہ کرتا ہے ہر ایک شخص ان میں سے کہ

يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۳﴾ كَلَّا ۚ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۴﴾

دیئے جاویں صحیفے کھلے ہوئے ہرگز نہیں یوں بلکہ نہیں ڈرتے وہ آخرت سے

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک شخص نے وفات پائی تو کسی نے کہا تجھ کو خوشخبری ہو جنت کی ۔رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔ تو یہ بات کہتا ہے۔ شاید کہ تو نہیں جانتا۔ ممکن ہے اس نے بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع کیا ہو اور ایسی چیزوں میں بخل کیا ہو جن میں کمی نہ آئے مثلاً علم ،نمک اور پانی وغیرہ (ترمذی) نیز یہ کہ ہم جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے تھے ۔یہاں تک کہ وہ یقینی چیز ہمارے سامنے آ گئی جس سے ہم غافل تھے ۔یعنی موت ۔گویا یہ مجرم مرتے دم تک اپنی بداعمالیوں پر مصر رہے۔

۴۹ تا ۵۲۔**حمرٌ حمار** کی جمع ہے ۔گدھے ۔ **مستنفرہ۔ الفرار**۔ فرار سے ہے۔ **مستنفرہ**۔ بھاگنے والی ۔**فرّت**۔ وہ بھاگی ۔**قسورہ**۔ شیر۔ جنگلی گدھوں کے شکاری۔

پس ایسے گنہگاروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی فائدہ نہ دے گی ۔شفع کے معنی کسی ہم جنس و مشابہ اعلیٰ چیز کے ساتھ ادنیٰ چیز کو ملانے کے ہیں ۔ قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی انہی معنوں میں ہوگی کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ ﷺ کے مثیل بننے کی پوری کوشش کی یعنی آپ ﷺ کی سنت پر عمل کیا مگر بعض کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ان کی سعی وکوشش میں اگر کچھ کمی رہ گئی اور وہ اپنے ارادے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے تو ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ اہل عرب بطور محاورہ غیر معمولی طور پر بدحواس ہوکر بھاگنے والوں کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دیتے ہیں جو شیر یا شکاری کی بھنک پاتے ہی بدحواس ہوکر بھاگتے ہیں۔قیامت کے دن تو ان کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہوگی۔لیکن دنیا میں ان کو کیا ہوا تھا کہ نصیحت آموز باتوں سے منہ موڑ لیا کرتے تھے۔ پس جب ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو حق سے اس طرح بھاگتے تھے گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں اور شیر یا شکاری کو دیکھ کر بھاگ رہے ہوں۔ گدھے کی مثال میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان میں عقل وشعور نام کی کوئی چیز نہیں ورنہ ضرور غور کرتے۔

۵۳ تا ۵۷۔**منشّرۃ**۔ کھلی ہوئی۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝٥٥ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝٥٦ وَمَا يَذْكُرُوْنَ

ہرگز نہیں یوں یقیناً یہ نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے یاد کرے اسکو اور نہیں یاد کرتے

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝٥٧ ع ۲ ۲۵ ۱۶

مگر یہ کہ چاہے اللہ وہی لائق ہے ڈرنے کے اور لائق ہے بخشنے کے

فرمایا ان میں سے ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ مجھ پر براہ راست آسمان سے کھلا کھلا صحیفہ نازل ہو۔ان کی اس گستاخی کی اصل وجہ یہی تھی کہ آخرت سے بے خوف تھے۔آخرت کا خوف ہی ہے جو انسان کی بے رہروی پر قدغن لگاتا ہے۔ان کی اس قسم کی بیہودہ فرمائشوں کا ذکر قرآن کریم اور احادیث میں متعدد مقامات پر ہے۔ درمنثور میں قتادہؓ سے مروی ہے کہ بعض کفار نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی اتباع کریں تو خاص ہمارے نام ایسے نوشتے آئیں جن میں آپ ﷺ کی اتباع کا حکم ہو۔ سورۃ الانعام :۸ میں ہے کہ اگر ان کے مطالبات پورے بھی کردئے جاتے تو ایمان تب بھی نہ لاتے بلکہ کہتے کہ یہ تو کھلا کھلا جادو ہے۔ خبردار ! قرآن کریم تو محض ایک نصیحت ہے پس جو چاہے قرآن کو اپنا نصب العین بنالے اور اس سے نصیحت حاصل کرے۔ منکر لوگ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کبھی نصیحت حاصل نہیں کریں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ان کا نصیحت حاصل کرنا مقدر ہوگا تو نصیحت حاصل کریں گے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سب مشیتوں پر غالب ہے۔اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کو تبھی حاصل ہوگی جب یہ خود کو اس کا اہل بنائیں گے ۔ پس وہی ربّ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی گناہوں کو بخش دینے کا اہل ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورۃ قیامت۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی اکتالیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ بتدائی مکی دور میں نازل ہوئی۔ اپنے نام کی مناسبت سے اس سورۃ کا مضمون بھی قیامت ہی کے متعلق ہے خواہ یہ قیامت کبریٰ ہو یاصغریٰ ۔سورۃ کی ابتدا ہی میں قیامت کو قیامت پر بطور شہادت پیش کیا ہے ۔پس وہ روحانی قیامت جونبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہونے والی تھی قیامت کبریٰ پر دلیل ہے ۔چانداور سورج کے گرہن کاذکر کرکے فرمایا کہ اس وقت مکذب کے لئے فرار کی کوئی جگہ نہیں رہے گی گویا منکرین پر حجت تمام ہوجائے گی۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ وحی کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کر جب جبریل امین پڑھ چکیں تو اس کی قرأت کی اتباع کیا کر کیونکہ اس کا جمع کرنا اوراس کی تلاوت ، اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے ۔پھر قیامت کے احوال کاذکرکیا اور بتلایا کہ جب موت ایک اٹل چیز ہے تو انسان کیوں نیک اعمال بجالاکر اس کے لئے تیاری نہیں کرتا۔

ان ابتدائی سورتوں میں نہایت موثر انداز سے اسلام اوراس کے بنیادی عقائد اور اخلاقی تعلیمات کابیان ہے اور اہل مکہ کو ان کی گمراہیوں پر متنبہ کیا گیاہے۔پھر انسانی پیدائش کو جو ربّ العالمین کا ایک معجزہ ہے بطور دلیل پیش کیا کہ جو خالق و مالک انسان کو ایک حقیر قطرہ سے پیدا کرسکتاہے کیا وہ اپنی قدرت وحکمت سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا۔ یقیناً اسے یہ سب قدرتیں حاصل ہیں ۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۲) وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۳)

میں قسم کھاتا ہوں دن قیامت کی اور میں قسم کھاتا ہوں نفس ملامت کرنے والے کی

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (۴) بَلٰى قٰدِرِيْنَ

کیا گمان کرتا ہے آدمی یہ کہ ہرگز نہ جمع اکٹھا کرینگے ہڈیاں اس کی بلکہ ہم قدرت رکھتے ہیں

عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (۵) بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ

اس پر کہ درست کریں ہم پور پور اس کی بلکہ ارادہ کرتا ہے آدمی تاکہ گناہ کرتا رہے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔ **قیامة** ۔کھڑا ہونا۔ **لوّامة**۔بہت ملامت کرنے والا۔

کفار یومِ بعث کے انکاری تھے۔''لا'' میں ان کے خیالات کا ردّ فرمایا کہ جیسا تمہارا خیال ہے حقیقت میں ایسا نہیں۔قیامت ایک یقینی امر ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔حضرت مسیح موعودؑ نے انسان کے نفس کی تین حالتیں بیان فرمائیں ہیں۔ پہلی حالت نفس امارہ ہے جس میں انسان کا نفس اسے بُرائیوں کا حکم دیتا ہے ۔پھر انسان ترقی کرکے نفس لوامہ کا مقام حاصل کرتا ہے اس حالت میں اس کا نفس اسے بدی پر ملامت کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھے اخلاق صادر ہوں۔ یہاں نفس لوامہ کی قسم کھانا اسے عزت دینے کے لئے ہے۔ اس کے بعد نفس مطمئنہ ہے جس کی تفسیر سورۃ الفجر میں آئے گی۔(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۳،۴ سے استفادہ کیا گیا)

۴۔۵۔ **نسوّی (سوٰی)** ہم برابر کرتے ہیں ۔درست کرتے ہیں۔ بنانہ جمع بنان۔ انگلی کی پوریں۔ سارے اعضائے بدن بھی مراد ہیں۔

قیامت کے ذکر میں فرمایا کہ کیا انسان یہ خیال کئے بیٹھا ہے کہ جب وہ مرجائے گا تو ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے اور اسے دوبارہ زندہ نہیں کریں گے اور وہ اپنے غلط اعمال کی سزا سے بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جو خالقِ کُل ہے وہ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے کہ تمہاری ہڈیوں کو جمع کرے اور تمہاری پور پور درست کردے اور تمہیں صحیح سالم انسان بناکر کھڑا کردے ۔ جبکہ دوسری پیدائش روحانی ہوگی نہ کہ جسمانی۔

۶۔ **لیفجر فجر** کے معنی کسی چیز کو پھاڑنا یاشق کرنا کے ہیں ۔جیسا کہ فجر اندھیرے کو پھاڑکر نمودار ہوتی ہے ۔ بدکاری کے معنی میں بھی آتا ہے ۔جیسے فاجر۔ **امامهٗ**۔(امام) اس کے

اَمَامَهٗ (۶) يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ (۷) فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (۸)

اپنے آگے پوچھتا ہے کب ہوگا دن قیامت کا پس جس وقت کہ پتھرا جاوینگی آنکھیں

وَخَسَفَ الْقَمَرُ (۹) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (۱۰) يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ

اور گرہن ہوگا چاند اور اکٹھا کیا جاویگا سورج اور چاند کہے گا آدمی

يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ (۱۱) كَلَّا لَا وَزَرَ (۱۲) اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ

اس دن کہاں ہے بھاگنے کی جگہ ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ تیرے رب کی طرف ہی اس دن ہے

سامنے اس کے آگے ۔اس میں ضمیر خدا کی طرف بھی جاتی ہے اور انسانوں کی طرف بھی ۔ یوم بعث پر یقین نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ آگے آگے فجور کرتا چلا جائے اور اسے کوئی چیز روکنے والی نہ ہو۔(تفسیر ابن جریر) یا یہ کہ اس کے (ربّ کے) سامنے گناہ کرتا رہے۔

۷ تا ۱۱۔ **برق** بادل کی چمک ہے۔ جب آنکھ کے متعلق کہا جائے تو مطلب ہوتا ہے کہ وہ چندھیا گئی۔سخت حیرت زدہ ہوگئی۔ **خسف**۔ خسوف چاند کا گہنا جانا ہے۔کسوف سورج کا۔ تاہم خسوف کا لفظ چاند اورسورج دونوں کے لئے بھی آتا ہے۔خسف زمین میں دھنس جانا بھی ہے۔

قرآن کریم یوم بعث سے ڈراتا ہے لیکن کفار کمال ڈھٹائی سے بطریق استہزا پوچھتے ہیں کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ اب قیامت ِکبریٰ سے پہلے قیامت صغریٰ کا نظارہ دکھایا گویا یہ قیامت کی علامات میں سے ہے قیامت کے واقعات میں سے نہیں۔فرمایا جس دن نظر چندھیا جائے گی۔ سخت حیرت زدہ ہوگی۔یعنی ایسے عذابوں کا آغاز ہوگا کہ آنکھیں پتھرا جائیں گی جیسے زلزلوں اور طاعون کا عذاب یا ایٹمی تباہ کاریاں۔چاند کو گرہن لگے گا یہاں ایک سائنسی اصول بھی بتلادیا کہ جب سورج اور چاند ایک لائن میں اکٹھے ہوجائیں تو سورج کو گرہن لگتا ہے۔چنانچہ جمع الشّمس والقمر کے معنی یہ ہیں کہ سورج کو گرہن لگے گا۔حضرت محمد بن علیؒ یعنی امام باقرؒ نے فرمایا کہ پیش گوئی کے مطابق ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ایسے ہیں کہ جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے وہ کسی کی صداقت کے لئے اس طرح ظاہر نہیں ہوئے۔اوّل یہ کہ اس کی بعثت کے وقت رمضان میں چاند گرہن کی تاریخوں میں پہلی تاریخ یعنی تیرہ رمضان کو چاند گرہن لگے گا اور سورج گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ یعنی اٹھائیس رمضان کو سورج گرہن لگے گا اور یہ دو نشان اس رنگ میں پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوئے ۔(سنن دار قطنی باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف) یہ دونوں گرہن رمضان کے مہینہ میں ۱۸۹۴ء (۱۳۱۱ھ) کو لگے اور مغربی ممالک میں ۱۸۹۵ء (۱۳۱۲ھ) رمضان میں لگے۔ فرمایا اس دن مکذب کو فرار کی جگہ نہیں ملے گی گویا منکرین پر حجت تمام ہوجائے گی۔

الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ
ٹھہرنا ۔ متنبہ کیا جاویگا آدمی اس دن اس سے جو آگے بھیجی اور

أَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ
پیچھے چھوڑا ۔ بلکہ آدمی اپنے نفس پر دلیل ہے ۔ خواہ پیش کرے

مَعَاذِيرَهُ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾ إِنَّ
اپنے عذر ۔ مت ہلا اس (قرآن) کے لیے اپنی زبان تاکہ تو جلدی کرے اس میں ۔ یقیناً

عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱۷﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۱۸﴾
ہمارے ذمہ ہے اس کا اکٹھا کرنا اور اس کا پڑھنا ۔ پس جب ہم پڑھیں اسکو تو پیروی کر (ہمارے) پڑھنے کی

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ
پھر یقیناً ہمارے ذمہ ہے اسکا بیان کرنا ۔ ہرگز نہیں یوں بلکہ تم پسند کرتے ہو جلدی (دنیا) کو اور

۱۲ تا ۱۶۔ **وَزَرَ**۔ پہاڑ میں جائے پناہ ۔جائے پناہ۔ **الـوزر**۔بارِگراں ۔مجازاً اس کے معنی بوجھ کے ہیں ۔**وزرٌ** گناہ بھی ہے ۔ **مُستقـر**۔(القرار) ٹھہرنے کی جگہ۔جائے پناہ ۔ٹھہرایا ہوا۔ **یُنبؤا۔انبا**۔خبر۔ **یُنبؤا**۔خبر دی جائے گی۔ **معاذیرہ**۔ معذرۃ۔عذر۔بہانہ۔

اس دن کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں بھاگ کر پناہ لی جاسکے۔ اگر کوئی جائے پناہ ہوگی تو صرف تیرے ربّ کی طرف یعنی وہی امان میں رہے گا جسے اس کے ربّ کی پناہ حاصل ہوگی۔ اس دن انسان کو بتلادیا جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا ۔ یعنی آخرت کے لئے نیکی یا بدی کا کتنا ذخیرہ آگے بھیجا اور اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے کیا اثرات اور نتائج وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے جو اس کی نسلوں میں مدت تک اثر پزیر ہوتے رہیں گے ۔حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس پر بہت بصیرت رکھنے والا ہے ۔وہ اپنے خلاف خود دلیل ہوگا۔ ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔اس کے جسم کا ذرہ ذرہ شاہد ہوگا اور اس کا کوئی عذر کام نہ دے گا اور اس کے تمام اعمال بے نقاب ہوکر سامنے آجائیں گے۔

۱۷ تا ۲۰۔یہ چار آیات بطور جملہ معترضہ آئی ہیں۔مسند احمد ، بخاری مسلم اور دیگر معتبر احادیث میں متعدد سندوں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضور ﷺ پر قرآن نازل ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس خوف سے کہ کہیں کوئی چیز بھول نہ جائیں ، جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ وحی کے الفاظ دہرانے لگتے تھے۔اس پر فرمایا گیا **لاتحـرک بـه لسانک لتعجل به**۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یعنی تو اس کی قرأت کے وقت اپنی زبان کو اس لئے تیز حرکت نہ دے کہ تو اسے جلد جلد یاد کرے۔اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلؑ قرآن

تَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا
چھوڑتے ہو آخرت کو ۔ کتنے منہ اس دن تازہ ہونگے ۔ اپنے رب کو

نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا
دیکھنے والے ۔ اور کتنے منہ اس دن بُرے ہونگے ۔ گمان کرتے ہونگے ڈالی جائے ان پر

فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَظَنَّ
کمر توڑنے والی مصیبت ۔ ہرگز نہیں جبکہ پہنچے گی جان ہنسلی تک ۔ اور کہا جائیگا کہ کون ہے جھاڑنے پھونکنے والا اور جانا

پڑھ کر سناتے تھے لیکن وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ'' جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا ذمہ لیا ہے۔ اوّل قرآن کا جمع کرنا دوم اس کا پڑھنا سوم قرآن کریم کا واضح بیان کرنا یعنی قرآن کو کھول کر بیان کرنا۔ اس میں قرآن کریم کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو سکھائی نیز قرآن اپنی تفسیر خود بھی ہے۔اس کا پڑھنا بذریعہ وحی آپ ﷺ کو پہنچانا تھا۔اس کا جمع کرنا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ہر سورۃ اور آیت کے متعلق خود فرماتے تھے کہ اسے فلاں موقع پر رکھو ۔یعنی قرآن کا نزول اور اس کے احکام و مضامین کی ترتیب بھی ہمارے ذمہ ہے ۔

۲۱ تا ۲۶۔ **عاجلة** ۔جلدی سے ملنے والی۔ دنیا۔ **ناضرةٌ۔ نضرة** کے معنی حسن کے ہیں۔ تروتازہ ۔**باسرہ**۔ اداس ۔گھبرائے ہوئے ۔حواس باختہ۔ **فاقرہ**۔ کمر توڑ مصیبت ۔فقر اور فقیر اسی سے مشتق ہے۔فقیر کا حال مسکین سے بدتر ہوتا ہے ۔

کلّا میں بعث بعد الموت کے منکرین کو تہدید فرمائی کہ تم جو قیامت کا انکار کرتے ہو تو اصل میں ایسا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم مفادِ عاجلہ پرنگاہ رکھتے ہو اور جس بات میں انجام کار نفع ہے اس کو نظر انداز کئے ہوئے ہو۔اب اصل مضمون کی طرف عود کر کے قیامت اور اس کے احوال سے آگاہ فرمایا کہ بعض چہرے اس دن خوشی سے دمک رہے ہوں گے وہ ان خوش نصیبوں میں سے ہوں گے جن کے نیک اعمال ان کے چہروں پر نور بن کر برس رہے ہوں گے ۔رب ذوالجلال کا دیدار ان کے چہروں پر مزید حسن اور تروتازگی کا باعث ہوگا۔جمہور اہل علم کے نزدیک اس آیت سے دیدار الٰہی بلاحجاب ثابت ہے۔بعض چہرے اس دن سخت بگڑے ہوئے ہوں گے ۔ان کے گناہوں کی سیاہیاں ان کے چہروں پر عیاں ہوں گی۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیدار سے محرومی ان کے چہروں پرمزید سیاہیوں کا باعث ہوگی ۔وہ خیال کررہے ہوں گے کہ اب وہ مصیبت آنے والی ہے جو ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔ تاہم آخرت کی کسی چیز کو ہم دنیا کی کسی چیز پر قیاس نہیں کرسکتے ۔ہر شے کی اصل حقیقت وہاں جاکر ہی کھلے گی۔

اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۹﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۳۰﴾ اِلٰى رَبِّكَ

اس نے کہ یہ ہے جدائی اور لپٹ جائے گی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے تیرے رب کی طرف ہے

يَوْمَئِذِ ۣ الْمَسَاقُ ﴿۳۱﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۲﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ ع ۱ ۱۷

اس دن چلنا پس نہ تصدیق کی اس نے اور نہ نماز پڑھی ولیکن جھٹلایا

وَتَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۴﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾

اور منہ پھیر لیا پھر گیا اپنی قوم کی طرف اکڑتا ہوا افسوس تجھ پر پھر افسوس تجھ پر

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۶﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ

پھر افسوس تجھ پر پھر افسوس تجھ پر کیا گمان کرتا ہے آدمی کہ چھوڑا جاویگا

۲۷ تا ۳۱۔ **التّراقی**۔ ہنسلی کی ہڈیاں ۔واحد **ترقوۃ** ۔تراقی اور راق کا مادہ رقی ہے۔ **رقیۃ** پڑھ کر پھونکنا ہے۔**راق** کے معنی پھونکنے والے کے ہیں۔جھاڑ پھونک کرنے والا۔**رقی** کے معنی چڑھنے کے بھی ہیں۔اس صورت میں فرشتوں کا مکالمہ ہے کہ اسے کون اوپر لے کر جائے گا۔عذاب کا فرشتہ یا رحمت کا۔**التفّت۔الفت۔لفّ**۔کسی چیز کا دوسری سے ملا دینا۔ لپٹ جانا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ **لفّ ساق** اصطلاح میں شدت مصیبت سے کنایہ ہے۔ دنیا کی مفارقت کا غم اور آخرت کے حساب کتاب کا جھگڑا۔یہ دونوں مل کر **لفّ ساقین** ہے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۴ اپریل ۱۹۱۲ء) **المساق** ہانکنا۔کھینچ کر لے جانا۔

یہاں بھی کلّا میں ان کے خیالات کی تردید فرمائی کہ تم جو خیال کئے بیٹھے ہو کہ مر کر فنا ہو جانا ہے اور کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا تو ایسا ہرگز نہیں ۔ قیامت کے ذکر میں اب موت کا نقشہ کھینچا کیونکہ موت بھی قیامت وسطیٰ ہے ۔جو مرجاتا ہے اس کے لئے گویا قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ پس تنبیہ فرمائی کہ انسان اپنی موت کو یاد رکھے اور وہ وقت آنے سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ فرمایا جب جان بدن سے نکل کر ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی یعنی نزاع کا عالم ہوگا تو ہر طرف سے ناامید ہو کر کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے جو اسے بچالے ۔اور مرنے والا یقین کر لے گا کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی یعنی اس پر سخت گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ یہی وہ دن ہوگا جب اپنے ربّ کی طرف کھینچ کر لے جائے جاؤ گے۔

۳۲ تا ۳۷۔**یتمطّٰی**۔**مطو** چلنے میں کوشش اور جلدی ہے۔ **مطّ** کے معنی اکڑ بازی کے ہیں۔ **یتمطّٰی** اکڑ کر چلنا ہے ۔**اولیٰ** کلمہ تہدید اور تخویف ہے۔ جو شخص ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہو اسے تنبیہ کرنے کے لئے آتا ہے پھر جو شخص بڑی ذلت کے بعد ہلاکت سے بچ جائے اسے

سُدًى ﴿۳۷﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۸﴾ ثُمَّ كَانَ

بے کار کیا نہ تھا وہ ایک نطفہ منی سے جو ڈالا گیا پھر تھا

عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۹﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

لوتھڑا ہوا پھر پیدا کیا پھر تندرست کیا پھر بنائے اس سے دو جوڑے نر

وَالْاُنْثٰى ﴿۴۰﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۱﴾ ع ۲ ۱۰ ۱۸

اور مادہ کیا نہیں یہ قادر اس پر کہ زندہ کرے مُردوں کو

دوبارہ روکنے کے لئے بھی آتا ہے ۔عموماً یہ کلمہ مکرر آتا ہے گویا تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ اپنے انجام پر غور کرے ۔ اور اس سے بچنے کی کوشش کرے ۔(مفردات راغب) **اولیٰ**۔مصیبت خرابی۔ بہتر۔ **اولیٰ لک** ۔تیری خرابی ہو۔ تجھ پر افسوس ۔ **سدٰی** ۔ایسی حالت میں کہ نہ اسے کچھ کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ کسی چیز سے روکا جائے (لسان العرب) گویا اسے بے لگام چھوڑ دیا جائے۔ بیکار۔

اب واصل جہنم ہونے کی وجوہات بتلائیں۔ فرمایا اس نے نہ رسول کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ حق کو جھٹلایا اور اطاعت سے روگردانی کی ۔ پھر اپنے اہل کی طرف فخر سے اتراتا ہوا چلا۔اے انسان تجھ پر ہلاکت ہو، پھر ہلاکت ہو، تجھ پر پھر ہلاکت ہو، پھر ہلاکت ہو اس آیت کی بابت بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ابوجہل کی بابت ہے ۔آج بھی ایسے بدنصیب ہیں جو نام کے مسلمان ہیں نہ رسول کی تصدیق کی نہ نماز کی فکر ہے۔جنہوں نے سارے نشان دیکھے گرہن کا نشان بھی دیکھا مگر جھٹلاتے ہی رہے ۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بے لگام چھوڑ دیا جائے گا اور اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔

یہاں رسول کی تصدیق کو نماز پر مقدم رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ نماز کے محافظ کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دین و دنیا کی مشکلات میں اللہ تعالیٰ اس کا ساتھی و نصیر ہوگا۔ **وقال اللّٰہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ** ((المائدہ:۱۳) (ضمیمہ خبار بدر قادیان ۱۴ اپریل ۱۹۱۲ء)

۳۸ تا ۴۱۔ وہ پروردگار جس نے محض اپنی قدرت وحکمت سے پانی کے ایک حقیر قطرہ سے جو رحم میں ڈالا گیا ، پہلے ایک چمٹنے والا لوتھڑا بنایا، پھر اس کو بعض تخلیقی مراحل سے گزارا ، اسے توازن عطا کیا اور ایک صحیح سالم انسان بنا دیا پھر اس میں سے جوڑا بنایا یعنی نر اور مادہ۔ کیا وہ قادرِ مطلق مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک حقیر قطرہ سے پیدا ہونے والا انسان کس بات پر اکڑتا ہے اور اپنے ربّ کی نافرمانی کرتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے **سبحانک اللّھم وبلیٰ**۔(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ) ابن جریر، ابن ابی حاتم،ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا!جب تم سورۃ التین میں آیت **الیس اللّٰہ باحکم الحاکمین** پڑھوتو کہو**بلیٰ واناعلیٰ ذٰلک من الشّاھدین**۔اور جب سورۃ قیامۃ کی یہ آیت پڑھوتو کہو **بلیٰ**۔اور جب سورۃ مرسلات کی آیت **فبایّ حدیثٍ بعدہٗ یؤمنون** پڑھوتو کہو **اٰمنّاباللّٰہِ**۔ اسی مضمون کی روایات دیگر مفسرین نے بھی نقل کی ہیں۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ اِثْنَتَانِ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّرُکُوْعَانِ

سورۃ دہر۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی بتیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ بتدائی مکی دور کی ہے اس کانام سورۃ الدھر اور سورۃ الانسان بھی آیاہے اس کے مضمون کے لحاظ سے الانسان زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس میں انسان کی ہی مختلف حالتوں کاذکر ہے۔سب سے پہلے اس کے آغاز کی طرف متوجہ کیاکہ اس پر ایک ایسا دور بھی گزرچکاہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیزنہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا اس پر یہ احسان ہوا کہ کئی ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد آخروہ دور آیا جب مرد اور عورت کے نطفہ کے اختلاط سے انسان پیدا ہوا۔پھر جنت کے احوال بیان فرمائے اور کافوری اور زنجبیلی شربت سے انسان کی روحانی ترقیات کاذکرکیا اور اہل جنت کی صفات بیان فرمائیں جن کی وجہ سے وہ جنت کے مستحق ٹھہرے ۔بتلایا کہ وہ کسی پر احسان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرتے تھے ۔کسی سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے تھے ۔

آخر میں انسان کو اپنے ربّ کی رضا اوراس کی مشیت کے تابع زندگی گزارنے کاحکم دیاتاابرار میں شامل ہو جاؤ۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا
ضرور آیا ہے آدمی پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا کچھ

مَّذْكُوْرًا ۝٢ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ
قابلِ ذکر یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو نطفے ملے ہوئے سے

نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝٣ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ
کہ ہم آزمانا چاہتے ہیں اسکو تو بنایا ہم نے اسکو سننے والا اور دیکھنے والا یقیناً ہم نے دکھائی اس کو راہ

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝٤ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠
یا شکر کرنیوالا ہوتا ہے اور یا کفر کرنے والا یقیناً ہم نے تیار کیں کافروں کے لیے زنجیریں

وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝٥ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ
اور طوق اور آگ یقیناً نیک لوگ پیویں گے پیالے کو ہے

مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝٦ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا
اس کی ملونی کافور کی چشمہ ہے کہ پیتے ہیں اس میں سے بندگان خدا بہ جاتے ہیں اس کو

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ **الدھر**۔زمانہ جمع دُھور۔**امشاج**۔واحد مشج ۔دورنگوں یا دو چیزں کا باہم ملنا۔ملاجلا۔

اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور احسانات کے ذکر سے کی تا اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کے شکر گزار بندے بنیں۔اسے یاد دلایا کہ انسان پر زمانے میں وہ لمحہ بھی گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا۔پھر اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ کئی ارتقائی مراحل سے گزار کر مرد اور عورت کے نطفہ کے اختلاط سے انسان کو پیدا کیا۔ پس پہلا احسان تو یہی ہے کہ انسان کو وجود بخشا ۔وہ پروردگار پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ اپنی بے بہا نعمتوں سے بھی نوازتا ہے اپنی عظیم نعمتوں میں سے اب قوت شنوائی اور بینائی کا ذکر کیا۔ فرمایا ہم اسے آزمانا چاہتے تھے تو اپنے فضل سے اسے سننے اور دیکھنے والا بنادیا۔پھر مزید احسان یہ کہ قرآن کے ذریعہ ہدایت کے رستے کھول دئے۔ان کی آزمائش یہی تھی کہ وہ شکر کرتے اور صحیح راستہ اختیار کرتے ہیں یا ناشکری کر کے کفر کی راہ اپناتے ہیں۔ پھر جس نے اس آزمائش میں کفر کی راہ اختیار کی اور انعامات الٰہی کی ناقدری کی تو کیا وہ یونہی چھوڑ دئے جائیں گے اور ان سے باز پرس نہیں ہوگی؟ ہرگز نہیں ۔یہاں ناشکری کے نتیجہ میں منکرین کے لئے تین قسم کی سزاؤں کا ذکر ہے ۔فرمایا ہم انہیں زنجیروں میں جکڑیں گے ان کے گلے میں طوق ڈالیں گے اور کافروں کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔

تَفْجِيْرًا ۝٧ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ
چیر چیر کر پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اسکی مصیبت

مُسْتَطِيْرًا ۝٨ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ
پھیل جانے والی ہے اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر فقیروں کو اور

يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝٩ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ
یتیموں کو اور قیدیوں کو ہم تو کھلاتے ہیں تم کو صرف رضائے الٰہی کے لیے نہیں ہم چاہتے

مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝١٠ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا
تم سے بدلہ اور نہ شکر کرنا یقیناً ہم ڈرتے ہیں اپنے رب کے اس دن سے

۶ تا ۱۰۔ **کافور** کفر سے ہے جس کے معنی ڈھانکنا کے ہیں۔ کافور ایک خوشبو ہے۔ **مستطیرا۔ طار** کا اصل طائر کے اڑنے کے متعلق ہے۔پھیل جانا کے معنی میں ہے۔پھیل جانے والی۔ یہاں سے رکوع کے آخر تک شکر گزاری کے نتیجہ میں ان انعامات کی تفصیل بیان فرمائی جن سے وہ اپنے ربّ کے حضور نوازے جائیں گے نیز ان اعمال کا بھی ذکر کیا جن کی بناپر وہ اس جزا کے مستحق ٹھہرے۔

شاکر گروہ کا نام قرآن کریم نے ابرار رکھا۔فرمایا وہ کافوری پیالوں سے پئیں گے۔کافور کی تاثیر ٹھنڈی ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ ان کے دلوں سے ماسوٰی اللہ ہر محبت ٹھنڈی ہوجائے گی۔کافور کی خاصیت یہ ہے کہ زہریلے مواد کو دبادیتی ہے۔مراد یہ ہے کہ ابرار بننے کے لئے شربت کافوری ضروری ہے جو بدیوں کے اثرات کو مٹا دے اور بدی کی خواہشات کو دبادے۔فرمایا یہ ایک ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے جسے وہ پھاڑ پھاڑ کر کشادہ کرتے جائیں گے۔گویا سب کے لئے دعوتِ عام ہوگی۔ بیشک ایسا آخرت میں ہوگا لیکن دنیا میں بھی اس کا اطلاق ہوگا۔چنانچہ دنیا میں اعمال صالحہ کے جس چشمہ کو اپنے ہاتھ سے چیر چیر کر نکالا تھا اس سے آخرت میں بھی مستفید ہوں گے۔ پس کامل ہونے کے لئے دنیا میں بھی کافوری شربت پینا پڑتا ہے تا دنیا کی محبت سرد ہو اور فسق و فجور کے خیالات جو دل میں پیدا ہوتے ہیں دبائے جائیں ۔پھر ایسے بندے کو برائیوں پر تحریک نہیں ہوتی۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۴۲ سے استفادہ کیا گیا)

فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منت پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیل جانے والا ہوگا یعنی یوم آخر ۔ایٹمی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے ۔سب سے پہلا معاہدہ تو اپنے رب سے ہے کہ میں نیک نمونہ بنوں گا۔ میں فرمانبردار ہوں گا۔اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے کسی کو دکھ نہ دوں گا۔(بروایت ابن عمرؓ ۔متفق علیہ)پھر ہماری جماعت اپنے امام کے ہاتھ پر وعدہ کرتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔تاہم غلط اور ناجائز نوعیت کی نذر کے

عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ

کہ ہوگا منہ بنانیوالا تیوری چڑھانیوالا پس بچا لیا ان کو اللہ نے مصیبت اس دن سے اور

لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿١١﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً

ملادی ان کو تازگی اور خوشی اور بدلہ دیا ان کو اس کا جس پر انہوں نے صبر کیا بہشت

وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ

اور ریشمی کپڑے تکیہ لگائے ہوئے اس میں تختوں پر ہوں گے نہ دیکھیں گے

فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ

اس میں دھوپ اور نہ جاڑا اور جھکے ہوں گے ان پر ان کے سائے اور

معاملہ میں حکم ہے کہ اسے پورا نہیں کرنا چاہیئے نیز اگر بہتر چیز نظر آئے تو اس پر عمل کرنا چاہیئے ۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ آپﷺ نے دیکھا ایک صاحب دھوپ میں کھڑے ہیں آپﷺ نے پوچھا یہ کون ہیں اور کیسے کھڑے ہیں؟ عرض کیا گیا یہ ابواسرائیل ہیں انہوں نے نذر مانی ہے کہ کھڑے رہیں گے بیٹھیں گے نہیں۔ نہ سایہ کریں گے نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے ۔اس پر آپﷺ نے فرمایا ان سے کہو بات کریں۔سایہ میں آئیں ،بیٹھیں ،البتہ روزہ پورا کریں۔(بخاری ،ابوداؤد۔ ابن ماجہ) ابرار کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کھانے کو اس کی چاہت ہوتے ہوئے مسکینوں ، یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔ علیٰ حبہ کے یہ بھی معنی ہیں کہ اُس کی محبت پر یعنی ان لوگوں کومحض اللہ کی محبت اور اس کی رضا مقصود ہوتی ہے کوئی دنیوی غرض نہیں ہوتی۔ یہ ہمدردی کا وہ انتہائی رنگ ہے جب وہ فطرتی اور اضطراری رنگ میں ہو۔اس میں کھانے کے علاوہ حاجت مندوں کی دیگر حاجتیں پوری کرنا بھی مراد ہے۔ پھروہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں،ہم ہرگز تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کوئی شکرگزاری ۔

١١ تا١٤۔ **عبوسًا۔ العبوس** کے معنی سینہ کی تنگی سے چہرہ پر شکن پڑنے کے ہیں۔ **یوم عبوس** ۔ تیوری چڑھائے ہوئے دن ۔ **قمطریرًا۔ اقمطر** ۔سخت ہوگیا۔**حریرًا** ۔حریر ریشمی باریک کپڑا ۔ریشمی پوشاک۔ **فوقٰھم** ۔وقیت الشئی کسی چیز کومضر اور نقصان دہ چیزوں سے بچانا ہے جیسے **وقنا عذاب النار** ۔اسی سے تقوٰی ہے ۔**شمسًا** سورج اورروشنی جو اس سے نکلتی ہے ۔سخت دھوپ۔**زمھریرًا** شدت کی سردی۔**صبر** وسیع معنوں میں ہے۔ لفظی معنی روکنا کے ہیں۔ سختی ،مصیبت اور تکلیف پر نفس کو روک رکھنا یعنی ثابت قدم رہنا۔ صبر ، نماز اور نیکی پر استقامت اور بدی سے اجتناب ہے۔ کسی کے راز کو روک رکھنا یعنی اخفائے راز ۔صبر میں یہ بھی

ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ

کئے گئے ہیں اس کے میوے نزدیک اور پھرائے جاتے ہیں ان پر برتن

مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ

چاندی اور آبخورے ہوں گے شیشے کے شیشے بھی چاندی کے

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

بنایا ہے اسکو اندازہ کے مطابق اور پلائے جاویں گے اس میں پیالے کہ ہے ان کی ملونی

شامل ہے کہ بعض حلال چیزوں کو بھی حدا عتدال میں رکھنا نیز کسی محرومی پر شکوہ نہ کرنا۔ غرض ایک مومن کی ساری زندگی صبر سے عبارت ہے۔

فرمایا یقیناً ہم اپنے ربّ کی طرف سے آنے والے ایک تیوری چڑھائے ہوئے نہایت سخت دن کا خوف رکھتے ہیں۔پس اللہ نے انہیں اس دن کی مصیبت سے بچالیا اور انہیں تازگی اور شادمانی سے ہمکنار کیا گویا ان کے چہرے خوشی سے چمکیں گے اور دل سرور سے بھرجائیں گے۔ اور وہ اس دن کی سختیوں سے محفوظ خوش وخرم ہوں گے اور انہیں ان کے صبر کی وجہ سے بہشت اور ریشمی پوشاک بدلہ میں دی جائے گی۔ وہ اس میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ۔نہ اس میں انہیں سخت دھوپ تکلیف دے گی اور نہ شدید سردی ۔گویا نہایت پرفضا موسم ہوگا۔

١٥ تا١٧ ۔**دانیة۔دان** نزدیک ہونے والا۔ **دانیہ** نزدیک ہونے والی۔ جھکنے والی۔ اسی سے دنیا ہے۔ **قطوف** ۔**قطف** واحد۔ میوے۔ انگور کے خوشے۔ **ذلّلت** اور **تذلیلا** ۔**ذلّ** سے ہے ۔ جھکے ہوئے۔اسی سے ذلت وغیرہ ہے ۔**اٰنیة۔الانـاء** واحد۔ برتن ۔ **فضة** ۔چاندی ۔ **اکواب** واحد **کوب** ۔کوزے ۔آبخورے ۔**قواریرا**۔ شیشہ ۔**قدر۔تقدیرا**۔ کسی کو قدرت عطا کرنا ۔ اندازہ ٹھہرانا۔**قدروھاتقدیرا**۔ انہوں نے اسے اندازہ سے بنایا۔

اور جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اوراس کے میوے پوری طرح جھکادئے جائیں گے اوران پر مشروبات کادور چاندی کے ساغروں میں چلا یاجائے گااور ایسے کٹوروں میں جو شیشے کی طرح شفاف اور چمکدارہوں گے۔ایسے شیشے جو چاندی سے بنے ہوں گے گویاان میں شیشہ اورچاندی دونوں کی صفات ہوں گی۔یہ شیشے کی طرح شفاف اور چمکدار اور چاندی کی طرح سفید اور جاذب نظرہوں گے اور بنانے والوں نے ان کو بڑے اندازہ سے بنایاہوگا۔

١٨۔**زنجبیل** ۔سونٹھ ۔زنجبیل مرکب ہے زنااورجبل کا۔ زنا لغت میں اوپر چڑھنے کو بھی کہتے ہیں۔جبل بمعنی پہاڑ ۔گویاسونٹھ کی گرمی سے انسان میں ایسی قوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ مشکلات

زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ وَيَطُوْفُ

سونٹھ کی چشمہ ہے اس میں کہ نام رکھا جاتا ہے سلسبیل اور پھریں گے

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا

ان پر لڑکے ہمیش رہنے والے جب دیکھے گا تو ان کو تو گمان کریگا انکو موتی

مَّنْثُوْرًا ﴿۲۰﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

بکھرے ہوئے اور جب دیکھے گا تو وہاں پھر دیکھے گا تو نعمت اور بادشاہی بڑی

کی بلند گھاٹیوں کو طے کرسکتا ہے۔فرمایا وہ جنت میں ایک ایسے پیالے سے پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی اور تزکیہ نفس کی طاقت کا ہے اور صحابہؓ کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی تبدیلی اور فرمانبرداری کا ہے۔پس ایسی قوت اور یہ طاقت اسی زنجبیلی شربت کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں کافوری شربت کے بعد طاقت کو نشوونما دینے کے لئے اس زنجبیلی شربت کی ضرورت بھی تھی۔اولیاء اور ابدال جو خدا تعالیٰ کی راہ میں سرگرمی اور جوش دکھاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ زنجبیلی جام پیتے رہتے ہیں۔(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۴۲)

۱۹۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔**تُسمّٰی سلسبیلا** ،سلسبیل میں سَل سبیل کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی پوچھ راستہ۔دنیا میں عشق اور محبت کا زنجبیلی کاسہ اپنے مرشد کے ہاتھ سے جب سالک پی لیتا ہے تو اس میں خصوصیت کے ساتھ اپنے محبوبِ حقیقی تک پہنچنے کی ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔پھر وہ راہ طریقہ کے پوچھنے اور اس پر قدم مارنے میں عار نہیں کرتا خواہ کیسی دشوار گھاٹیاں راستے میں حائل ہوں۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء) مومن دنیا میں بھی تمثیلی طور پر ان چشموں سے پانی پیتا رہا اور درجہ بدرجہ ترقی کی طرف قدم بڑھاتا رہا۔جنت میں حقیقی طور پر ان چشموں سے سیراب ہوگا۔

۲۰۔۲۱۔**لؤلؤ**۔موتی۔**منثورا**۔**نثر الشئی** کے معنی کسی چیز کو بکھیرنے اور پراگندہ کردینے کے ہیں۔**منثورا**۔بکھرے ہوئے۔

جنت بچوں کے بغیر ادھوری تھی۔فرمایا ان جنتیوں میں ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے بچے گھومیں گے جب تو انہیں دیکھے گا تو ان کی خوبصورتی کی وجہ سے بکھیرے ہوئے موتی گمان کرے گا۔عین ممکن ہے کہ یہ جنتیوں کے بچپن میں فوت شدہ بچے ہوں۔(تشریح واقعہ :۱۸) فرمایا جدھر بھی تم نگاہ دوڑاؤ گے تو وہاں نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک عظیم الشان سلطنت نظر آئے گی گویا ہر

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ

ہوں گے ان پر کپڑے باریک ریشم سبز اور دبیز ریشم کے اور پہنائے جاوینگے کنگن

مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَا

چاندی کے اور پلاوے گا انکو ان کا رب شراب پاکیزہ یقیناً یہ

ع ۱ ۱۹ كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۳﴾ اِنَّا نَحْنُ

ہے تمہارا بدلہ اور ہے سعی تمہاری قدر کی گئی یقیناً ہم نے

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۴﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا

اتارا تجھ پر قرآن آہستہ آہستہ پس صبر کر حکم اپنے رب کے لیے اور مت

تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ

کہا مان ان میں سے گنہگار یا کفر کرنیوالے کا اور یاد کر نام اپنے رب کا صبح اور

اَصِيْلًا ﴿۲۶﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۷﴾

شام اور اوقات شب میں سے پس سجدہ کر اس کے لیے اور تسبیح کر اسکی رات بڑی تک

جنتی ایک عظیم سلطنت کا مالک ہوگا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو دوزخی دوزخ سے سب سے آخر میں نکالا جاے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس قدر جنت عطا فرماوے گا کہ دنیا ومافیہا اور اس سے دو چند کے مقابلہ کی ہوگی۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۲۔۲۳۔**ثیاب**۔کپڑے۔**ثوب** واحد۔**سندس**۔باریک ریشم۔**استبرق**۔دبیز ریشم۔**حُلّوا**۔وہ زیور پہنائے گئے۔**اساور**۔کنگن۔بیشک جنتیوں کو باریک اور موٹا ریشمی لباس اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے لیکن یہ پیشگوئی دنیا میں بھی پوری ہوئی اور عرب کے بدوؤں نے قیصر وکسریٰ کے شاہی لباس اور کنگن پہنے۔فرمایا ان کا ربّ انہیں شراب طہور پلائے گا۔پہلے کافوری شربت پلایا جس سے دنیا کی محبت ٹھنڈی ہوئی اور اس نے ہر قسم کی بدی کو دبا دیا پھر زنجبیلی شربت پلایا گیا جس سے نیکیوں پر قوت نصیب ہوئی۔اب فرمایا ان کا ربّ انہیں شراب طہور پلائے گا جو انہیں کامل طور پر پاک کردے گی۔فرمایا یہ ہے تمہاری نیکیوں کا بدلہ اور تمہاری سعی وکوشش کی قدر کی جائے گی یعنی اپنے ربّ کو راضی کرنے کے لئے جو کچھ تم نے زندگی بھر کوششیں کیں اور اس کی بندگی کا حق ادا کیا اور پھر اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں جو تکالیف اٹھائیں اور دکھ سہے اور ان کی طرف سے جس بے رخی اور تعذیب کا نشانہ بنے،اللہ کے حضور ان سب کی قدر کی جائے گی۔

۲۴ تا ۲۸۔**تنزیلا**۔تنزیل آہستہ آہستہ اترنا ہے جبکہ انزال کا لفظ عام ہے اور اترنے کے معنی دیتا ہے۔انزال اور نزولا مہمانی بھی ہے یعنی وہ کھانا جو آنے والے مہمان کے لئے تیار

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا

یقیناً یہ پسند کرتے ہیں جلدی (دُنیا) کو اور ڈال دیتے ہیں اپنے پس پشت دن

ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَاۤ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا

بھاری کو ہم نے پیدا کیا ان کو اور مضبوط بنائے جوڑ بند ان کے اور جب چاہیں گے ہم

بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ

بدل ڈالیں گے مانند ان کے بدل ڈالنا یقیناً یہ نصیحت ہے پس جو کوئی

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ

چاہے لے اپنے رب کی طرف راہ اور نہیں تم چاہتے مگر یہ کہ چاہے

کیاجائے۔**بُکرۃً** ۔صبح۔**اصیلاً** ۔**اصیل** زوال کے وقت سے غروب آفتاب تک۔ شام۔

اس رکوع میں حق کے بتدریج پھیلنے کا ذکر ہے یاتو یہ قوم خود ہدایت پر قائم ہوجائے گی یاکوئی دوسری قوم ان کی جگہ لے گی۔ فرمایا یقیناً ہم نے ہی تجھ پر قرآن کو بتدریج اتارا ہے اس کی وجہ سورۃ فرقان (۳۳:) میں بتلائی گئی ہے کہ تاہم اس کے ذریعہ آپ ﷺ کے دل کو ثبات عطا کریں ۔نیز جو سوال یا اعتراض ہوتا اس کا جواب دیاجاتا، یادکرنے اور عمل کرنے میں آسانی رہتی اور بھی کئی حکمتیں ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ توریت میں پہلے سے پیشگوئی تھی کہ وہ کتاب آہستہ آہستہ نازل ہوگی۔ (یسعیاہ باب ۲۸) فرمایا اپنے ربّ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے صبر کریعنی اس راہ پر مضبوطی سے قائم ہو جا اور جو مشکلات پیش آئیں انہیں صبر سے برداشت کراور ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی پیروی نہ کر۔ آپ ﷺ تو ان کی پیروی کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ۔ایسی آیات میں امت مخاطب ہوتی ہے کہ کہیں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آجائے ۔اب گنہگار اور ناشکرے انسان سے دور رہنے کا طریق بتلایا کہ اپنے ربّ سے لَو لگا ۔پس اپنے ربّ کے نام وصفات کا صبح بھی ذکرکراور شام کو بھی ۔صبح کے ذکر میں علاوہ ذکر کے نماز فجر اور شام کے ذکر میں ظہر وعصر شامل ہیں ۔ رات کے سجدہ ریز ہونے میں مغرب اور عشاء ہیں۔ رات کے طویل اوقات میں تسبیح وتحمید اور تہجد شامل ہے۔

ان کی مخالفت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ جلدی حاصل ہونے والی یعنی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور اپنے سے پرے ایک بھاری دن کو نظر انداز کررہے ہیں ۔یعنی قیامت کو جس کے شدائد کفار پر بہت بھاری ہوں گے۔

۲۹ تا ۳۲ ۔**الاسر** کے معنی باندھنا کے ہیں اسی سے اسیر ہے۔ باندھا ہوا بمعنی خلق

اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ یقیناً اللہ ہے جاننے والا حکمت والا داخل کرتا ہے جس کو چاہے

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

اپنی رحمت میں اور ظالم لوگ تیار کیا ہے ان کے لیے عذاب دردناک

ع ۲ / ۹ / ۲۰

بھی آتا ہے ۔**شددنا اسرھم** ۔ہم نے ان کی بناوٹ کو مضبوط کیا۔ ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے۔

فرمایا ہم نے ہی ان کو پیدا کیااور ان کے جوڑبند مضبوط بنائے اور جب ہم چاہیں گے ان کی صورتیں بدل دیں گے ۔ یہ بھی مراد ہے کہ ان کی جگہ دوسری قوم لے آئیں گے اور یہ بھی کہ کسی بیماری وغیرہ سے ان کے چہرے مسخ ہوجائیں اور جن چہروں پر انہیں ناز تھا وہ بگاڑدیں۔ یقیناً یہ ایک بڑی نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے ربّ کی طرف جانے والی راہ اختیار کرے اور وہ راہ یہی ہے کہ اپنے ربّ کی اطاعت بجالاؤ اور رسول کی اتباع کرو اور دین و دنیا دونوں سنوار لو۔ اورتم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ چاہے یعنی جوتم چاہتے ہو اس پر عمل درآمد تبھی ہوگا جب اللہ کی مشیت ہوگی۔ پس اپنی چاہت کو اللہ کی مشیت کے تابع کرو اس لئے کہ وہ بہت جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔ وہ جسے چاہتاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے یعنی جنت کاوارث بناتا ہے یہ وہی لوگ تھے جو اپنے ربّ کی رضا پر چلے۔ اور ظالم جنہوں نے اپنے ربّ کے احکام سے سرکشی اختیار کی ان کے لئے اس نے دردناک عذاب تیارکررکھاہے۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ اِحْدٰی وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّ رُکُوْعَانِ

سورۃ مُرسلات۔ یہ سورۃ مکی ہے ،بسم اللہ سمیت اس کی اکاون آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ بھی بتدائی مکی سورتوں میں سے ہے۔مکی سورتیں چھوٹی ہیں اور ان کی آیات بھی چھوٹی اورگہری ہیں۔ان سورتوں میں مختصراً وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو بعد والی مدنی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

اس سورۃ کی پہلی پانچ آیات میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بتلایا کہ جوتم وعدہ دئے گئے ہو وہ لازماً واقع ہونے والا ہے ۔ان پانچ چیزوں کی صرف صفات بیان کی گئی ہیں ۔ وضاحت نہیں فرمائی اس لئے مفسرین نے زمانہ کے مطابق مختلف معانی کئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آخری زمانہ میں ہونے والی ایجادات مراد لی ہیں اور ان کو گواہ ٹھہراکر بتلایا ہے کہ قرآن اور رسول کے ذریعہ جو دعدے تمہیں دئے گئے ہیں وہ لازماً پورے ہوکر رہیں گے۔جو عالم الغیب ان غیبی امور کی اطلاع دے رہاہے وہ آخری زمانہ میں ایک عظیم انقلاب برپا کرنے پربھی قادر ہے۔اس سورۃ میں مکذبین کوباربار ایک سخت دن سے ڈرایا گیاہے۔اس عظیم انقلاب سے پہلے لازماً یہ سخت دن آئے گا جس کی علامات میں ایک تباہ کن جنگ کابھی ذکر ہے جو تین شعبوں والی ہوگی اس میں بری ، بحری اورفضائی جنگ میں ایٹمی جنگ کانقشہ پیش کیا گیا ہے۔جب ان پیشگوئیوں میں بتائی گئی علامات ظاہر ہوجائیں گی تو ثابت ہو جائے گا کہ ایک اخروی زندگی بھی ہے۔پس اگر دنیا میں اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑوگے تو آخرت میں ایک بڑا عذاب ہے۔(حضرت خلیفۃ المسیح لرابعؒ کے قرآن کریم اردو ترجمہ کے دیباچہ سورۃ المرسلات سے استفادہ کیاگیاہے۔)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۲ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۳ وَّالنّٰشِرٰتِ

قسم ہے اس ہوا کی جو چلتی ہے نرمی سے پھر تیز ہواؤں کی جو خوب تیز ہوتی ہیں اور منتشر کرنیوالوں کی

نَشْرًا ۝۴ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۵ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا ۝۶ عُذْرًا

بادل اُٹھاکر پھر جداکرنیوالیوں کی پھاڑ پھاڑ کر پھران کی جو پہنچانیوالی ہیں ذکر الزام دینے کو

اَوْ نُذْرًا ۝۷ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۸ فَاِذَا النُّجُوْمُ

یا ڈرانے کو یقیناً جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو البتہ ہونیوالا ہے پس جس وقت کہ ستارے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا،بن مانگے دینے والااور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا ۸۔ **مرسلات**۔ بھیجی ہوئیں۔ **عرفا**۔ تواتراور نرمی کے معنی میں ہے۔ **ریخ عاصف** ۔تندہوا۔ **نٰشرٰت**۔ **نشر** کے معنی کسی چیز کو پھیلانے کے ہیں۔نشر کرنے والیوں کی۔ **ملقیٰت** (لقاء) پالینے والیوں کی۔

ان آیات میں جمع مؤنث کاصیغہ استعمال کیاگیاہے جس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہوسکتاہے کہ وہ جنس جسے آج تک نہایت کمزوراور نازک سمجھا گیاہے اب اللہ کے فضل و احسان سے ایک نئی صورت میں سامنے آئے گی اوربعض خاص امور سرانجام دے کر اپنی قوت و اہمیت کومنوائے گی ۔ انشاء اللہ۔

چونکہ ہر شے پر فرشتے موکّل ہیں۔ اس لئے فرمایاقسم ہے نرمی سے چلنے والی ہواؤں کی اور فرشتوں کی جو ان پر موکّل ہیں اور قسم ہے ان ہواؤں کی اور فرشتوں کی جو زور اور شدت کے ساتھ چلتے ہیں۔قسم ہے پیغام کو اچھی طرح نشرکرنے والیوں کی پھر واضح فرق کرنے والیوں کی ۔ پھر قسم ہے نصیحت کو پیش کرنے والیوں کی الزام دینے کے لئے یا ڈرانے کے لئے ۔ان تمام قسموں کاماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو وعدے تم کو دئے گئے ہیں خواہ وہ اس دنیا کے متعلق ہوں یاآخرت کے متعلق ، وہ پورے ہوکررہیں گے۔

یہ آیات ذومعنی ہیں اور گہرے مطالب رکھتی ہیں۔مفسرین نے اپنے زمانہ کے حساب سے معنی کئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے قرآن کریم اردو ترجمہ میں فرمایا کہ ان آیات میں اس زمانہ کی سائنسی ترقی کے ذکر کوگواہ ٹھہرایا گیاہے کہ جس رب العالمین نے ان غیبی امور کی خبردی وہ ہرقسم کے انقلاب برپاکرنے کی طاقت رکھتاہے۔آپ نے تیز رفتار سواریاں مراد لی ہیں جو آغاز

طُمِسَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۱﴾
ماند پڑ جاویں اور جس وقت آسمان کھولا جاوے اور جب پہاڑ اُڑائے جاویں

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۲﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۳﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾
اور جب کہ پیغمبر وقت مقررہ پر لائے جاویں کس دن کے لیے وعدہ دیئے گئے ہیں دن فیصلہ کے لیے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۵﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۶﴾
اور کیا جانے تو کیا ہے دن فیصلہ کا؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے

میں آہستہ اُڑتی ہیں اور پھر ہوا کے دوش پر تیز آندھیوں کی صورت پرواز کرتی ہیں ۔ یہ تمام دنیا میں پیغامات اور خبروں کو نشر کرنے کا ذریعہ ہیں ۔ یہ قوموں اور ملکوں میں تفریق کا باعث بھی ہیں۔ جہاں دنیوی خبروں کو نشر کرنے کا موجب ہیں وہاں قرآنی اور دینی نصائح کی اشاعت کا بھی سبب بنتی ہیں اور دور دراز قوموں کے لئے حجت اور تنبیہ کے طور پر ہیں۔

۹ تا ۱۶۔ **طُمست۔ طمس** کے معنی مٹا دینے کے ہیں ۔ **طُمست** ۔وہ بے نور کی گئی ۔ مٹائی گئی ۔**فُرجت** ۔ فرج ۔سوراخ۔ **فُرجت** ۔سوراخ کردئے جائیں گے ۔ **نُسفت۔ نسف**۔ اڑادینا۔ **نُسفت**۔ اڑادئے جائیں گے۔جڑ سے اکھیڑدئے جائیں گے ۔ **اُقّتت**۔ (وقت) وہ ٹھہرائی گئی۔ مقرر کی گئی ۔ **اُجّلت ۔اجل** کے معنی کسی چیز کی مدت مقررہ کے ہیں ۔ فرمایا جب ستارے ماند پڑجائیں گے ۔نجوم چھوٹے ستاروں کو اور کواکب بڑے ستاروں کو کہتے ہیں۔چھوٹی چھوٹی جڑی بوٹیوں کو بھی نجوم کہتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ ایسے علماء جو نجوم کی طرح ہیں ان کی نور فراست جاتی رہے گی۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۳۰۲) فرمایا جب آسمان میں سوراخ کردئے جائیں گے۔ آج Ozone میں سوراخ ہو چکے ہیں ۔شدت مصائب کی طرف بھی اشارہ ہے ۔گویا آسمان پھٹ پڑے گا۔ طاعون اور ایڈز قسم کی وباؤں اور عالمی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہے ۔فرمایا جب پہاڑ ہوا میں اڑا دئے جائیں گے ۔عملاً بھی اس زمانہ میں پہاڑ اڑائے جاتے ہیں ۔ طاقتوں کے پہاڑ بھی مراد ہیں۔ یعنی عظیم الشان حکومتیں اور قومیں صفحہ ہستی سے مٹادی جائیں گی ۔ جب رسول مقررہ وقت پر لائے جائیں گے ۔ قیامت کو تو ضرور ایسا ہوگا لیکن دنیا میں بھی ایسا ہوگا۔ جب ایک ایسا مامور کھڑا کیا جائے گا جو مختلف انبیاءؑ کا چولہ پہن کر آئے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے **جریُ اللّٰہ فی حُلل الانبیاء** نیز حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ كَذٰلِكَ
کیا نہیں ہلاک کیا ہم نے پہلوں کو پھر ان کے پیچھے ہم بھیجتے ہیں دوسروں کو اسی طرح

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ
کرتے ہیں ہم ساتھ گنہگاروں کے خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے کیا نہیں

نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۲﴾
پیدا کیا تم کو پانی حقیر سے پھر کیا ہم نے اس کو ایک جگہ محفوظ میں

کس دن کے لئے ان کا وقت مقرر تھا ؟ فرمایا ایک فیصلہ کن دن کے لئے۔تُو کیا جانے فیصلہ کا دن کیا ہے؟ بیشک قیامت میں یہ وعدے ضرور پورے ہوں گے لیکن دنیا میں بھی پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ کی آمد سے وہ تمام وعدے جو حدیثوں میں بیان تھے آپ کے ہاتھ پر پورے ہوئے۔ فرمایا ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے یعنی اس دن جھٹلانے والوں پر تباہی آئے گی۔ اس انذار کو اس سورۃ میں دس مرتبہ دہرایا گیا ہے۔بار بار یاد دلا کر یہ یقین دلایا ہے۔ کہ اس دن منکرین و مکذبین پر سخت تباہی آئے گی ۔ ان کے لئے کہیں جائے امان نہیں ہوگی۔

۱۷ تا ۲۰۔ فرمایا ہمارے لئے سرکش قوموں کو ہلاک کرنا کیا مشکل ہے ۔کیا ہم نے پہلے مکذبینِ انبیاء کو ہلاک نہیں کیا؟ اُن کے پچھلوں کو بھی ہم انہی کی طرح ہلاک کریں گے۔مجرموں سے ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔پھر کیا وجہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مجرموں سے ایسا سلوک نہیں ہوگا؟ بیشک ایسا ہی سلوک ہوا اور بہت جلد میدان بدر میں ان کے چنیدہ سردار ذلت کی موت مارے گئے ۔حضرت ابو طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ کفار کی نعشوں کو جن کے چہرے دھوپ سے بگڑ چکے تھے گھسیٹ کر قلیبؔ نامی ایک گندے کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد ابوجہل اور دیگر کفار کی نعشوں سے خطاب فرمایا جو چاہ بدر میں سڑ رہی تھیں۔(بخاری کتاب المغازی) یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ مکذبین رسول ﷺ پر عام ہلاکت نہیں آئی ۔صرف بڑے بڑے سرکش ہی مارے گئے۔ اس دن جھٹلانے والوں پر ہلاکت ہے۔

۲۱ تا ۲۵۔ یہ مکذبین تو یہ بھی بھول گئے کہ کس حقیر قطرہ کے ٹپکانے سے ان کی پیدائش کا آغاز ہوا۔ پھر ہم نے اسے ایک قرار پکڑنے کی محفوظ جگہ پر معینہ وقت تک رکھا ۔ پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کیا ہی عمدہ اندازہ کرنے والے ہیں ۔ یہاں بتلایا کہ تمہاری پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد تمہارے لئے تمام ضروری وسائل کا بندوبست تمہارے ماں یا باپ یا کسی اور نے نہیں کیا یہ سب خالق حقیقی ربّ العالمین کے اندازے اور اس کی قدرت کے نظارے ہیں اور تم پر

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۲) فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ (۲۳) وَيْلٌ
ایک وقت مقرر تک پھر اندازہ کیا ہم نے پس ہم نے اچھا اندازہ کیا خرابی ہے
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۲۴) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا (۲۵) اَحْيَآءً
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے کیا نہیں بنائی ہم نے زمین سمیٹنے والی زندوں
وَّاَمْوَاتًا (۲۶) وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً
اور مردوں کو اور بنائے ہم نے اس میں پہاڑ بلند اور پلایا ہم نے تم کو پانی
فُرَاتًا (۲۷) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۲۸) اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا
بجھانیوالا پیاس خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے چلو اسکی طرف کہ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (۲۹) اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ
تھے تم جسے جھٹلاتے چلو طرف سایہ تین
شُعَبٍ (۳۰) لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ (۳۱) اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ
شاخوں والے کے نہ ٹھنڈا ہے اور نہ بچانیوالا شعلے سے یقیناً وہ پھینکتی ہے چنگاریاں

اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان ہے مگر تم نے کسی چیز کی قدر نہ کی اور جن انبیاء کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ان کو ہی جھٹلاتے رہے۔ہلاکت ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔

۲۶ تا ۲۹۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں۔ **کفی۔یکفی** کے معنی کافی ہونا۔اور کفات کے معنی اپنی قوتِ کشش سے چیزوں کو اپنی طرف کھینچنا اور سمیٹنا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء)

شمخت۔بلند وبالا۔**فرات**۔میٹھا پانی۔ٹھنڈہ پانی۔

تمہاری پیدائش کے سلسلہ میں جو اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں ان سے ہٹ کر خارجی کائنات پر غور کرو کہ ہم نے زمین کو کس طرح ایسا بنادیا کہ جاندار اور بے جان اشیاء کو سمیٹے ہوئے ہے۔زندوں کو سمیٹنا تو یہ ہے کہ روز ازل سے یہ دھرتی تمام مخلوقات کی تمام ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ ہے۔قیامت تک اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔مُردوں کو سمیٹنا ظاہر ہے کہ ہر مردے کا آخری ٹھکانہ زمین ہی کی کوکھ ہے۔پھر اللہ کا احسان یہ کہ فلک بوس پہاڑوں کا سلسلہ قائم کردیا جو تمہاری بے شمار ضروریات کے کفیل ہیں۔دیگر فوائد کے علاوہ یہ تمہارے لئے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے ذخیرے ہیں۔برف پگھلتی ہے اور ندی نالے، چشمے اور دریا سارا سال اللہ کی مخلوق کو سیراب کرتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ بارشوں کا ذریعہ بھی) یہی ہیں۔افسوس تم نے اپنے ربّ کے کسی احسان کی قدر نہ کی اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں پر۔

۳۰ تا ۳۵۔ **شعب**۔**شُعبة** کی جمع۔ہر شے سے ایک ٹکڑا۔**شُعبه**۔شاخ۔

كَالْقَصْرِ (۳۲) كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (۳۳) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۳۴)
مانند محلوں کے گویا کہ وہ قطار ہے اونٹوں زرد کی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ (۳۵) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (۳۶)
یہ ہے دن فیصلہ کا کہ نہ بولیں گے وہ اور نہ اجازت دیجائیگی ان کو کہ عذر لاویں
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۳۷) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ
خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے یہ دن ہے فیصلہ کا اکٹھا کیا ہم نے تم کو

ظلّ۔ہر ڈھانک لینے والی چیز۔سایہ۔**ظلیل**۔سایہ کرنے والا۔**لھب**۔آگ کا جل اٹھنا یا شعلہ مارنا۔شعلہ۔**شرر**۔واحد **شررۃ**۔**شرار النار** وہ چیز ہے جو آگ میں اڑتی ہے۔چنگاریاں۔کیونکہ ان سے شر پہنچتا ہے۔**جمٰلت** واحد **جمل**۔اونٹ۔

اپنی نعمتوں کے ذکر کے بعد بتلایا کہ ان کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوگا۔کہا جائے گا کہ اس عذاب کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے اور سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ صلیب کے پرستاروں کو کہا جائے گا۔(روح المعانی) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ سایہ کے تین ہی فائدے ہیں۔اوپر کی تپش سے بچائے۔(یعنی سایہ کرے) گردوپیش کی لپیٹ سے بچائے (یعنی حفاظت کرے) شرارے اور چنگاریوں سے امن حاصل ہو((اور اس سائے میں تینوں باتوں کی نفی ہے۔)عیسائیوں کی نجات کا اعتقاد باپ، بیٹا روح القدس۔ان تینوں کے معجون مرکب پر ہے۔۔۔۔۔۔۔اس آیت میں اس معجونِ مرکب کو ثلث شُعب سے تعبیر کیا ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء) پس یہ تین قسم کا عذاب ہوگا جو مکذبین حق کو ڈھانپ لے گا۔آگ قلعوں کی طرح اونچے شرارے پھینک رہی ہوگی گویا وہ زرد اونٹ ہوں۔قتادہؓ سے مروی ہے کہ فراغِ حساب تک کفار اسی دھوئیں کے احاطہ میں رہیں گے جیسا کہ مقبولین ظل عرش میں ہوں گے۔(طبری) ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں پر۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس نمبر ۲۹۷ میں فرمایا کہ ان آیات میں واضح طور پر ایٹمی جنگ اور ان کے بداثرات کی طرف اشارہ ہے۔ایٹمی بادل اسی انداز سے اٹھتے ہیں۔تین شاخوں میں فوج کی تینوں شاخوں کی طرف اشارہ ہے بحری، بری اور فضائی۔اس وقت یہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ زرد رنگ کے اونٹوں کی طرح شعلے ہوں گے۔شعلہ بھی ایسا خوفناک جو قلعہ کی طرح وسیع ہو۔

۳۶ تا ۳۸۔ یہ ایسا دن ہوگا جس دن مجرم بول نہیں سکیں گے اور نہ کسی کو اپنے کئے ہوئے عمل کا عذر پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔دوسری آیاتِ قرآن میں جو کفار کا بولنا اور عذر پیش

وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور پہلوں کو ۔ پس اگر ہو تمہارے پاس کوئی تدبیر تو کرلو مجھ سے ۔ خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا ع ۱ ۲۱

جھٹلانے والوں کے لیے ۔ یقیناً پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہیں ۔ اور ان میووں میں ہونگے جو

يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا

وہ چاہیں گے ۔ کھاؤ اور پیو مزے سے اسکے بدلے جو تھے تم کرتے ۔ یقیناً

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو ۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کھاؤ اور فائدہ اُٹھاؤ تھوڑا سا یقیناً تم مجرم ہو ۔ خرابی ہے اس دن

کرنا مذکور ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ محشر میں مختلف مواقف اور مقامات آئیں گے ۔ کسی مقام میں کلام اور عذر پیش کرنا ممنوع ہوگا اور کسی میں اجازت ہوگی۔(روح المعانی) نیز خود ان کے اعضاء ان پر شہادت دے رہے ہوں گے اور کسی زبانی شہادت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اس کو عذر ہی کیا جس نے نعمت دینے والے سے روگردانی کی اس کی نعمتوں کو جھٹلایا اس کے احسانوں کی ناسپاسی کی ۔ اس دن جھٹلانے والوں پر تباہی آئے گی۔

۳۹ تا ۴۱۔ یہ ہے فیصلہ کا دن جس کے لئے ہم نے تمہیں اکٹھا کیا اور پہلوں کو بھی ۔ دنیا میں تو تم رسول کے خلاف بڑی بڑی تدبیریں کیا کرتے تھے اب عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر کرسکتے ہو تو مجھ پر آزما دیکھو۔ بیشک ایسا قیامت کو ہوگا مگر یوم الفصل دنیا میں بھی آتا ہے جب حق و باطل الگ الگ ہوجاتے ہیں اور سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس دن پہلوں اور پچھلوں کو اکٹھا کرنا بلحاظ سزا کے ہے ۔جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کہ اگلے پچھلے بوڑھے جوان سب میدان جنگ میں پہنچ گئے ۔ اس دن جھٹلانے والوں پر تباہی آئی ۔

۴۲ تا ۴۶۔ اب اللہ کے ان بندوں کا ذکر کیا جو ہمیشہ اس سے ڈرتے رہے ۔ فرمایا وہ سایوں اور چشموں والی جنت میں ہوں گے۔ اور ایسے میووں میں جو وہ چاہیں گے گویا اہل جنت کو ان کی حسب پسند نعمتیں ملیں گی جبکہ دنیا میں انہیں خواہ کچھ ملا یا نہ ملا وہ ہمیشہ اپنے ربّ کی رضا پر راضی رہے ۔ان سے کہا جائے گا مزے سے کھاؤ اور پیو یہ تمہارے اعمال کی جزا ہے ۔یقیناً ہم محسنوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ۔ سورۃ کے آخر میں خطاب کا رخ پھر مجرموں کی طرف موڑا ان کو ان کی بداعمالیوں سے متنبہ کیا اور ان کے انجام سے ڈرایا۔ کہ جب متقی اپنی من پسند نعمتوں

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ

جھٹلانے والوں کے لیے ۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو رکوع کرو نہیں رکوع کرتے ۔ خرابی ہے

ع ۲ ۲۲ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۔ پس کس بات پر بعد اس کے وہ ایمان لاویں گے ۔

میں جنت کے سایوں اور چشموں میں ہوں گے اس دن مکذبین پر ہلاکت ہوگی۔

۴۷ تا ۵۱۔ کھاؤ کہ تمہاری زندگی کا حاصل مقصود یہی ہے اوراس چند روزہ زندگی میں تھوڑا سا فائدہ اٹھالو۔افسوس ! حیوانی سطح سے بلند ہوکر سوچنا تمہارے بس میں نہیں۔ اے کافرو! تم یقیناً مجرم ہو اور اس دن کے عذاب کے مستحق ہو جو جھٹلانے والوں پر تباہی بن کر نازل ہوگا ۔یہ وہ بدنصیب تھے کہ جب انہیں کہاجاتا کہ جھک جاؤ تو وہ جھکتے نہیں تھے ۔ تکبر سے ان کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہیں اورانہیں اپنے ربّ کے آگے جھکنے میں بھی عار رہا۔رکوع صرف اسلامی عبادت میں ہے کسی اور مذہب میں نہیں۔عیسائیوں کی نماز میں بھی رکوع نہیں صرف گھٹنے ٹیکنا(Kneel Down) ہے ۔جھکنے سے مراد اطاعت بھی ہے گویا جب انہیں احکام الٰہیہ کی اطاعت کے لئے کہاجاتا تو یہ اطاعت بجانہ لاتے۔ اس دن ایسے منکرین حق پر ہلاکت ہے۔ سورۃ کی آخری آیت میں انہیں انذار فرمایا کہ اگر تم قرآنِ عظیم جیسی کتاب کے منکر ہو جو دین و دنیا کی فلاح کی ضامن ہے تو بتاؤ تو سہی کہ اس کے بعد کس کتاب کو مانو گے جو تمہیں ہدایت دے سکے ۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایتؒ ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔جب سورۃ مرسلات کی آیت **فبایّ حدیث بعدہٗ یؤمنون** ۔پڑھو تو کہو **اٰمنّا باللّٰہِ** ۔اسی مضمون کی روایات دیگر مفسرین نے بھی نقل کی ہیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَانِ

سورة نبا۔ یہ سورۃ مکی ہے ، بسم اللہ سمیت اس کی اکتالیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ بھی بتدائی مکی سورتوں میں سے ہے۔پچھلی سورۃ میں کفار کی طرف سے سوال تھا کہ یوم لفصل کبؔ آئے گا؟ یعنی وہ حق وباطل میں تمیز کرنے والا اور نہ ٹلنے والا قطعی وعدہ جو وقت مقرر پرضرور پورا ہونا ہے ، وہ کب آئے گا ؟ جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے **ویل یومئذ للمکذبین** کہہ کر دس(۱۰) مرتبہ انذار فرمایا ہے۔ اس سورۃ میں اس کے جواب میں **نباالعظیم** دی جارہی ہے کہ وہ یوم الفصل بہت جلد آنے والا ہے۔ (آیت ۴۱)اس صورت میں اس کا اوّل مصداق جنگ بدر ہے اور دوسرا آخری زمانہ کی شدید تباہی جو قیامتِ صغریٰ کے رنگ میں ہوگی اور قیامت کبریٰ پر دال ہوگی قیامتِ صغریٰ میں دیگر تباہیوں کے علاوہ ایٹمی جنگ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

احادیث میں اس سورۃ کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورۃ نباء پڑھی خدا تعالیٰ قیامت کے دن اسے شراب طہور پلائے گا۔ عصر کے بعد پڑھنے والے کی بینائی ضائع نہیں ہوگی۔ ظہر کے بعد پڑھنے سے آنکھوں کی روشنی زیادہ ہوگی۔

سورۃ کے آخر میں انذار فرمایا اگر انسان اسی طرح غافلانہ حالت میں زندگی گزارے گا تو بڑے درد سے اس حسرت کااظہار کرے گا کہ کاش میں اس دن سے پہلے مٹی ہوجاتا اور حساب کتاب سے بچ جاتا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۳﴾ الَّذِيْ هُمْ
کس کے متعلق وہ سوال کرتے ہیں اس خبر بڑی کی بابت کہ وہ

فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۴﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾
جس میں اختلاف کرتے ہیں باز آئیں عنقریب جانیں گے پھر باز آئیں جلدی جانیں گے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۷﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۸﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ
کیا نہیں ہم نے بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں اور پیدا کیا ہم نے تم کو

اَزْوَاجًا ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۱﴾
جوڑا اور بنایا ہم نے تمہاری نیند کو سبب آرام کا اور بنایا ہم نے رات کو پردہ

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۳﴾
اور بنایا ہم نے دن کو وقت معاش کا اور بنائے ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان سخت

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔ **النبأ** کے متعلق علامہ ابو البقاء کی کلیات میں لکھا ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں ایسی خبر کے متعلق استعمال ہوتاہے جوعظیم الشان اور اہم ہو۔ جو بڑی عظمت اور شان رکھتی ہو۔ یہاں عظیم کے لفظ سے اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔

فرمایا یہ لوگ کس کے بارہ میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں ۔کیا یوم الفصل والی عظیم الشان خبر کے بارہ میں جو پچھلی سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ یہ خبر بطور تمسخر بھی ان کی گفتگو کاموضوع بنی ہوئی تھی نیز اس لئے بھی کہ انہیں کسی ایسی خبر پر ہرگز یقین نہیں تھا ۔فرمایا یہ وہی خبر ہے جس کے متعلق یہ آپس میں اختلاف کررہے ہیں۔ قیامت کبریٰ کے ثبوت کے لئے اس قیامت سے پیشتر ایک اورقیامت خیز واقعہ کاذکر قرآن کریم ، احادیث مبارکہ اور انجیل میں ملتاہے ۔انجیل میں اسے ابلیس اور آدم کی آخری جنگ کہاہے ۔(مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰) فرمایا خبردار ! وہ ضرور جان لیں گے ۔ پھر خبردار ! ان کو جلد معلوم ہوجائے گا کہ جو کچھ انہوں نے سمجھ رکھا ہے ویسا ہرگز نہیں بلکہ جو کچھ رسولؐ بیان کررہاہے وہ ہو کر رہے گا۔

۷ تا ۱۲۔ **سباتا۔سبت** کے اصل معنی کسی چیز کوکاٹنے کے ہیں۔ہفتہ کو یوم سبت اسی لئے کہا گیا کیونکہ اس دن یہودی اپنا کام کاج چھوڑ دیتے ہیں۔ **نومکم سباتا** کے یہی معنی ہیں کہ ہم نے تمہاری نیند کو ایسا بنایا کہ اس سے تم اپنے کاموں سے کٹ جاتے ہو اور پھر تازہ دم ہو

جاتے ہو۔(مفردات) گویا سبات کے معنی آرام وراحت کے ہیں۔ قیامت کی دلیل میں اللہ جلّ شانہٗ نے انہیں نظام کائنات کی طرف متوجہ فرمایا اور اپنے عجائبات قدرت میں سے چند چیزوں کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ جس قادر مطلق نے تمہاری عارضی زندگی کے لئے یہ سب سامان کئے اس کے لئے قیامت یا قیامت سے قبل قیامت خیز واقعات کاوقوع کیا مشکل ہے اور یہی اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہے ۔ اب اپنی نعمتوں میں سے سب سے پہلے زمین کاذکرکیا۔ فرمایا کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ بچھونا انسان کوسکون اور راحت دیتاہے۔ گویازمین میں تمہارے آرام وسکون کے تمام سامان موجود ہیں۔ مھد گہوارے کوبھی کہتے ہیں یعنی زمین بھی گہوارے کی طرح ہے جو سورج کے گرد گردش کررہی ہے ۔اور کیا پہاڑوں کو میخوں کی طرح پیوستہ نہیں کردیا؟ گویایہی پہاڑ ہیں جنہوں نے لرزتی ہوئی زمین کو قرار بخشا اور تمہاری تمام ضروریات کے کفیل ہیں۔(تشریح سورۃ الحجر:۲۰)جس طرح اس رازقِ حقیقی نے تمہاری مادی ضروریات کے لئے زمین اور پہاڑ بنائے اسی طرح تمہیں راحت وسکون پہنچانے اورتمہاری نسل کاسلسلہ جاری رکھنے کے لئے تمہیں جوڑا جوڑا بنایا یعنی نر اور مادہ بنائے۔ گردش لیل ونہار بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت ومصلحت کے تحت اس کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جو زندگی کوممکن بناتی ہے ۔ فرمایا ہم نے رات کو ایک لباس کے طور پر بنایا ۔جس طرح لباس سے آرام وسکون ملتاہے اسی طرح رات کی تاریکی اور سکون سے راحت نصیب ہوتی ہے۔ اور انسان پرسکون نیند کامزا لیتا ہے ۔جس طرح لباس عیوب کو چھپاتا ہے اسی طرح رات بھی بڑی پردہ پوش ہے۔ اس کی تاریکی میں ہزار عیب چھپ جاتے ہیں اور وہ پردہ پوش اپنے خطاکار بندوں کی کمزوریوں کو ڈھانپ دیتاہے۔رات اس مقصد کوخوب پورا کرتی ہے۔انسان میں چوبیس گھنٹہ کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ رات نہ آئے توانسان ہر وقت کام میں لگارہے اور اپنے حواس کھو بیٹھے انسان کی محدود طاقت کے نقائص کوچھپانے بھی رات آتی ہے جوتمام افکار، ہم وغم اورتھکاوٹ کوقطع کرکے دل ودماغ کو راحت پہنچاتی ہے اورتمام تھکی ہاری طاقتیں نیند سے لطف اندوز ہوکر ہر صبح ایک نئے جوش اور ولولہ سے ازسرنو سرگرم عمل ہوجاتی ہیں۔ قوموں پر بھی تاریکی کادورآتاہے یہاں تک کہ آمدِ رسول صبح صادق کاپیغام لے کرخوابِ غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم میں بیداری کی روح پھونک دیتی ہے۔ غرض جس طرح لباس زینت کاذریعہ ہے اسی طرح آمدِ رسول سے بھی بندگان خدا کی عبادت وریاضت سے راتیں جگمگااٹھتی ہیں۔نیز نیند کے بعد جاگ اٹھنا بعث بعد الموت پربھی دال ہے۔

فرمایا اور دن کو ہم نے معاش کاایک ذریعہ بنایا ۔یعنی تمہاری معاشی ضروریات کے لئے

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً

اور بنائے ہم نے چراغ روشن اور اُتارا ہم نے نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی بارش

ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

موسلا دھار کا تاکہ ہم نکالیں اس کے ذریعہ اناج اور بوٹیاں اور باغ گھنے

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

یقیناً دن فیصلہ کا ہے وقت مقررہ جس دن پھونکا جاوے گا بگل

روزگار مہیاکرنے کے لئے ہم نے روزِ روشن میں مختلف ذرائع اور وسائل مہیا کئے۔نیز دنیوی معاش کے ساتھ اُخروی معاش کے لئے بھی دن ہی خاص ہے ۔کیونکہ معاش کاحصول اوراس جائز کمائی کو اللہ کی رضا کے تحت حقداروں میں تقسیم کرنا دن ہی میں ممکن ہے۔

۱۳ تا۱۸۔ **شدادا**۔ شدید کی جمع ہے ۔سخت مضبوط۔**سراجا**۔ سراج کے معنی چراغ کے ہیں۔ سورج کے لئے بھی آتاہے کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ چراغ ہی ہے جو دنیا کو روشنی بہم پہنچاتاہے۔ **وھّاج۔وھج** آگ سے روشنی اور گرمی کاحاصل ہوناہے ۔**وھّاج** ۔روشنی اور گرمی پہنچانے والا۔ **معصرات۔معصر** وہ بادل ہے جو پانی سے لبریز ہو یعنی موسلادھار بارش برسانے والا۔ **ثجّاج** ۔بہت بہانایا پانی کابہانا ۔**الفافا۔الفاف** کی جمع ہے لپٹنے کے معنی دیتاہے۔ گھنے درختوں والے باغ کوبھی **لف** کہتے ہیں جو کثرتِ اشجار کی وجہ سے آپس میں لپٹے ہوئے ہوں۔**میقاتا**۔ مقررہ وقت پر آنے والا۔

اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ہمارے اوپر سات بہت مضبوط آسمان بنائے۔(تشریح سورۃ البقرۃ:۳۰)**فوقکم** میں نگہداشت کے معنی بھی ہیں کہ یہ تمہارے اوپر نگاہ رکھے ہوئے ہیں یعنی تمہاری حفاظت پر مامور ہیں۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کاشروع قرآن میں ذکرہوا ۔پھر باربار ذکرہوتارہا۔ اب اختتام قرآن میں ان کو دہرایا۔شدادامیں اشارہ ہے کہ ان میں کوئی تنزلزل نہیں گویا یہ ایک مضبوط قانون کے تابع ہیں۔ یہ ساراحیرت انگیز نظام اس بندہ خاکی کے لئے وجود میں آیا جس کی زندگی یقیناً عبث نہیں وہ ایک بڑے مقصد کے لئے پیدا کیاگیاہے۔ پس اے انسان! تو اپنی زندگی کے مقصد کو پہچان جوحقوق اللہ اورحقوق العباد کوحسبِ استطاعت اداکرکے اپنے ربّ کو پاناہے ۔**سبعا شدادا** سے مراد نظام شمسی کے سات بڑے ستارے (Planets) ہیں۔ نیز وہ سات روحانی مدارج بھی ہیں جن کا ذکرسورۃ المومنون کے شروع میں بیان ہوا۔سات آسمانوں کے بعد سورج کاذکر کیا جوتقریباً نو(۹) کروڑ میل کے فاصلہ سے زمین کو مناسب گرمی اور روشنی پہنچارہاہے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوسراجاً منیراً کہا اس لئے کہ

فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٩﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿٢٠﴾ وَّ
تو آؤ گے تم فوج در فوج اور کھولا جائے گا آسمان پھر ہو جاویں گے دروازے اور

سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢١﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢٢﴾
چلائے جاویں گے پہاڑ تو ہو جاوینگے مانند ریت کے یقیناً دوزخ ہے گھات میں

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٣﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٤﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا
سرکشوں کیلئے جگہ لوٹنے کی رہیں گے اس میں صدیوں نہ چکھیں گے اس میں

بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٦﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٧﴾
ٹھنڈک اور نہ پینا مگر پانی گرم اور پیپ بدلہ دیئے جاوینگے پورا پورا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاپاشیوں سے تاریک دنیا روشن ہوئی۔ جس طرح سورج قیامت تک دنیا کی مادی ضروریات پورا کرتا رہے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افاضہ روحانی بھی قیامت تک جاری رہے گا۔ انشاء اللہ۔ اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ایک چیز دوسری چیز پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ سورج کی گرمی جہاں زمین کی زرخیزی کا موجب ہے وہاں اس سے سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں جو مینہ برسانے کا باعث بنتے ہیں۔ (بارش کی تفصیل المومنون :۱۹) پھر اس پانی سے اناج اور سبزیاں اگتی ہیں اور مختلف النوع پھلوں کے گھنے باغات وجود میں آتے ہیں۔ جو ربّ العالمین اس سارے سلسلہ کو چلا رہا ہے وہ تمہیں متنبہ کر رہا ہے کہ یوم الفصل کا بھی ایک دن مقرر ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے جب مسلمان اور کافر ملے جلے تھے۔ پس جب ہجرتِ مدینہ سے مسلمان الگ ہو گئے تو میدانِ بدر میں کفار پر فیصلہ کا پہلا کوڑا پڑا اور دنیا نے یوم الفصل کا نمونہ دیکھا۔ پھر آخری زمانہ میں ایٹمی جنگ قیامت کا نمونہ دکھائے گی تا آنکہ قیامتِ کبریٰ برپا ہوگی۔

۱۹ تا ۲۷۔ **سرابًا**۔ سراب کے لفظی معنی **ذھاب** کے یعنی چلے جانا کے ہیں۔ صحراؤں میں جو سراب پانی کی صورت نظر آتا ہے اس کو بھی سراب اسی بناء پر کہتے ہیں کہ قریب آنے پر دور جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ پس سراب وہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ **مرصادًا**۔ گھات۔ قید خانہ۔ **طاغین طاغی** کی جمع ہے۔ **طاغی** وہ ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے۔ **ماٰبًا۔ الماٰب** لوٹنے کی جگہ ہے۔ (اقرب) **لابثین۔ لابث** کی جمع ہے۔ جس کے معنی ٹھہرنے اور قیام کرنے والے کے ہیں۔ **احقابًا۔ حقب** کی جمع ہے۔ کئی سال کا عرصہ **حقب** کہلاتا ہے۔ (اقرب) صدیوں۔ **حمیمًا۔ حمیم** گرم پانی ہے اسی سے حمام ہے۔ **غسّاقًا**۔ جو اہل نار کی جلدوں سے مواد ٹپکتا ہے (مفردات) وہ پیپ جو دوزخیوں کے اجسام سے نکلے گی۔ (اقرب) زخموں کی بدبودار دھوون۔ **وفاقًا۔ الوفق** کے معنی ہیں دو اشیاء کے درمیان پوری مطابقت (مفردات)

جزآءً وفاقًا کے معنی اعمال کے مطابق جزاء کے ہیں۔

ان آیات میں یوم الفصل کے احوال میں عذابِ آخرت کا بیان ہے۔ قیامت کو یہ سب حالات پیش آئیں گے۔ عذابِ دنیا کی طرف بھی اشارہ ہے جو قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ مقاتل نے یہاں یوم بدر مراد لیا ہے۔ (روح المعانی) بیشک آخرت میں بھی ایسا ہوگا کہ صور پھونکا جائے گا اور لوگ فوج درفوج آئیں گے لیکن اس سورۃ کی آخری آیت کہ "ہم تمہیں ایک قریب کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔" ظاہر کرتی ہے کہ یہاں عذابِ دنیا کی طرف بھی اشارہ ہے۔ فرمایا آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ کئی دروازوں والا ہو جائے گا گویا بکثرت نشان ظاہر ہوں گے۔ مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں کے لئے عذاب کا نزول ہوگا۔ خبروں کے لئے بھی آسمانی دروازے کھول دئے جائیں گے جیسے Wireless اور Satellite وغیرہ نیز آسمانی دروازے کھول دینے سے کائناتی اسرار سے پردہ اٹھ جانے کی طرف بھی اشارہ ہے جیسا کہ اس دور میں سائنسدان چاند پر پہنچ کر کہکشاؤں کی خبریں لا رہے ہیں۔ عملاً بھی Ozone میں سوراخ ہو چکے ہیں۔ آسمان کا کھولے جانا **یوم تشقّق السماء بالغمام** (الفرقان :۲۶) کا مصداق ہے ملاحظہ فرمائیے۔ پہاڑوں کا اڑایا جانا عظیم الشان شخصیتوں یا حکومتوں کا ملیامیٹ ہونا ہے۔ قیامت کے دن بیشک پہاڑوں کا وجود نہیں رہے گا لیکن دنیا میں جو بڑے بڑے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں **ھباءً منثورا** ہو جائیں گے گویا ان کا تمام کس بل نکل جائے گا۔ (تشریح رعد: ۳۳) اگر قیامت کے دن دوزخ گھات میں ہوگی تو دنیا کی جہنم بھی ان سرکشوں کو نہیں چھوڑے گی اور دبوچ لے گی۔ اگر ایک لمبا عرصہ جہنم میں رہیں گے تو دنیوی تکالیف بھی کم نہیں ہوں گی جو سوزاک، آتشک اور ایڈز کی صورت ان کو گھیرے ہوں گی۔ لمبا عرصہ سے ظاہر ہے کہ جہنم غیر محدود نہیں۔ ایک علاج گاہ کے طور پر ہے جہاں انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج ہوگا اور اسے بہشتی زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا جائے گا۔ جہنم میں نہ کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے نہ کوئی ٹھنڈا مشروب۔ دنیا میں بھی سکون قلب کی ٹھنڈک سے محروم اور ایک نہ بجھنے والی پیاس میں مبتلا رہے۔ جہنم میں کھولتا ہوا پانی اور غلیظ مشروب ہوگا۔ یہاں ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ایٹمی تباہی کی زد میں آئے ہوئے وہ لوگ جو زندہ بچ جاتے ہیں، سخت تکلیف اور تعفن کا شکار ہوتے ہیں۔ اُلٹیوں (Vomits) کے ڈھیر قے اور پاخانے میں خون آنے اور جلے ہوئے اجسام کی بُو سے سخت سرانڈ پیدا ہو جاتی ہے (تفصیل سورۃ الھمزہ)۔ یہ دنیا اور آخرت میں انسان کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا اور اس کے اعمال کی سزا ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝۲۷ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝۲۸
یقیناً وہ تھے نہ اُمید رکھتے حساب کی اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بے باکی سے

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝۲۹ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا
اور ہر ایک چیز کو محفوظ کر لیا ہے ہم نے اسکو لکھ کر پس چکھو پس ہرگز نہ زیادہ کرینگے ہم تم کو بجز

عَذَابًا ۝۳۰ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝۳۱ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝۳۲ وَّ
عذاب کے یقیناً متقیوں کے لیے مراد پانا ہے باغ اور انگور ہیں اور

ع ۲ ۱

۲۸ تا ۳۱۔ فرمایا ان کو ہرگز توقع نہیں تھی کہ ان کا حساب بھی لیا جائے گا۔**رجا** کے معنی خوف اور امید کے ہیں گویا انہیں اپنے بد اعمال کی سزا کا خوف نہیں تھا اور نہ کسی نیک عمل کی جزا کی امید تھی۔اس لئے بے باکانہ گناہ کئے جارہے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ہماری آیات کو جھوٹ قرار دیتے ہوئے نہایت گستاخی سے جھٹلاتے تھے حالانکہ ہم ان کے تمام اعمال ضبط تحریر میں لے آئے ہیں یعنی ان کی تمام حرکات و سکنات بلکہ خیالات و افکار کا مکمل ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے۔فرمایا عذاب کو چکھو۔یہ عذاب کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا جائے گا۔تاہم احقابًا (۲۴) کا لفظ لاکر بتلادیا کہ یہ عذاب ایک مدت معینہ تک کے لئے ہے۔**فلن نزیدکم الاعذابًا**۔اس سے زیادہ وعید کا کلمہ سارے قرآن کریم میں کوئی نہیں گویا بالکل مایوسی پیدا کردی گئی ہے کہ اے مجرمو! عذاب میں ہی تمہیں بڑھایا جائے گا۔کیونکہ تم نے مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔نہ تم نے کمی کی نہ ہم کمی کریں گے۔

۳۲۔۳۳۔اس رکوع میں متقیوں کے انعامات کاذکر فرمایا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے یقیناً ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

مفازًا (فازا) **الفوز** کسی چیز کے بہترین مقصود کو اس طور سے پالینا ہے کہ وہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہے۔(مفردات) مراد کو پہنچنا۔**عنب**۔جمع **اعناب** کے معنی انگور اور انگور کی بیل کے ہیں (مفردات) نیز **عنب** کے معنی انگور کی شراب کے بھی ہیں۔

جہنمیوں کی خصوصیات میں بتلایا گیا تھا کہ وہ کسی حساب کی توقع نہیں رکھتے اور انہوں نے اپنے ربّ کی آیات کو جھٹلایا۔ان کے مقابلہ میں متقی وہ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہوئے اس انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ انہیں اللہ کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کی۔

مفازًا میں بتلایا کہ متقیوں کو کامیابی نصیب ہوگی اور وہ تمام قسم کی بھلائیوں اور برکات کو پالیں گے اور تمام مصائب سے محفوظ رہیں گے۔بیشک یہ آخرت کا وعدہ ہے لیکن دنیا میں بھی

كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝۳۳ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝۳۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا
نوجوان ہم عمر عورتیں اور پیالے ہیں چھلکتے ہوئے نہ سنیں گے اس میں

لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝۳۵ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝۳۶ رَّبِّ
بیہودہ اور نہ ردّ وکد بدلہ تیرے رب سے انعام کافی رب ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ
آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے رحمن ہے نہ کرسکیں گے

مِنْهُ خِطَابًا ۝۳۷ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۛ
اس سے کلام جس دن کھڑے ہونگے روح اور فرشتے صف باندھ کر

ولمن خاف مقام ربه جنّٰتن ۝ (رحمٰن :۴۷) کا وعدہ ہے کہ جو اللہ کے مقام سے ڈرتا ہے اس کے لئے اس دنیا میں بھی اس کا ربّ جنت کے سامان پیدا کردیتا ہے اور اگلے جہان میں بھی ایسا کرتا ہے۔پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام مصائب سے نجات بخشی اور کامیابیوں سے ہمکنار کیا۔یہ کامیابیاں جنگ بدر اور فتح مکہ تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ ان کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔باغات اور انگور جنت میں ہی نصیب نہیں ہوں گے۔دنیا میں بھی مسلمان شام و فلسطین اور روم کے جنت نظیر باغوں کے مالک بنے۔

۳۴ تا ۳۸۔ **تراب** کے معنی ایک ساتھ ترب یعنی مٹی میں کھیلنے والوں کے بھی ہیں۔ہم عمر۔**کاسًا** بھرا ہوا پیالہ۔ **کاسًا دھاقًا** وہ بھرا ہوا پیالہ جو چھلکنے لگے۔

اگر جنت میں دل بہلانے کے لئے ہم عمر دوشیزائیں ہوں گی تو متقین اس دنیا میں بھی پری پیکر نیک بیبیوں سے نوازے گئے۔اگلے جہاں کی لذتیں روحانی ہوں گی تاہم ان کی کسی حیثیت سے جسمانی شکل بھی ہوگی۔دنیا میں **اعنابًا** اور **کاسًا دھاقًا** کالازمی نتیجہ غل غپاڑہ اور لغویات تھا۔لیکن فرمایا جنتی لغو اور بیہودہ باتیں نہیں سنیں گے۔قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر ہے کہ جنت میں اہل جنت کے کان لغو اور بیہودہ باتیں سننے سے محفوظ رہیں گے۔گویا شراب **طھورا** ان کے پیمانوں سے چھلک رہی ہوگی اور وہ جام پر جام لنڈھائیں گے لیکن کوئی لغوبات اور ادنیٰ سا جھوٹ بھی نہیں سنیں گے۔**کِذّٰبًا** ایک دوسرے کو جھٹلانے اور لڑائی جھگڑے کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ جنت میں ایسی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

حساب کے ایک معنی گننے اور کافی کے بھی ہوتے ہیں۔(اقرب) **عطآءً حسابًا** میں حساب بمعنی کافی ہے۔**حسبی کذا** کے معنی ہیں وہ شے مجھے کافی ہے۔عمل بھی مراد ہے کیونکہ منتہائے عمل حساب ہے (مفردات) گویا ایسی عطا جو کافی ہو اور ضرورت سے زیادہ ہو۔پس جنت

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝۳۹
نہ بول سکیں گے ۔ بجز اسکے جسے حکم دیوے رحمان اور کہے گا معقول بات ۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝۴۰
یہ دن ہے برحق پس جوکوئی چاہے بنائے پاس اپنے رب کے جگہ لوٹنے کی۔

کی نعمتیں جن کاذکر ہوا وہ مومنین کے اعمال کی جزا ہیں اور ان کے ربّ کی طرف سے عطا کثیر ہے۔ عطآء حسابًا کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایسی عطا جو پہلے ہی حساب میں آچکی ہو یعنی مومن کو علم تھا کہ اسے اپنے ربّ کی طرف سے یہ جزا ملے گی ۔(تفسیر کبیر خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلد ہشتم صفحہ ۵۸) یہ جزا تیرے ربّ کی طرف سے ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا ربّ ہے۔ وہ بے حد کرم کرنے والا ہے جنتی اس کے حضور بلا اجازت کسی کلام کا اختیار نہیں رکھیں گے۔

جزا کے لفظ میں رحیمیت کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ ملا اللہ تعالیٰ کے فضل سے استحقاق کے طور پر ملا۔ اس کے بعد رحمانیت کا لفظ بتلا رہا ہے کہ جب رحیمیت کے تحت ایسی عطا ہوئی جو تمہاری تمام ضروریات کی متکفل بلکہ اس سے زائد ہے تو رحمانیت کے تحت جو انعام ملے گا اس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ جبکہ تمہارے ربّ رحمٰن کی شان یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا ربّ اور رحمٰن ہے ۔اللہ تعالیٰ کی ہستی ایسی عظیم ہے کہ دونوں جہان میں اس سے خطاب کرنے پر کوئی انسان مقدرت نہیں رکھتا۔ بیشک قرآن کریم پڑھتے ہوئے یا دعا کرتے ہوئے یہی احساس ہوتا ہے کہ ہم اپنے ربّ سے باتیں کرتے ہیں لیکن قرآن پڑھنا یا دعا کرنا خطاب نہیں۔ کلام آمنے سامنے یعنی بالمشافہ گفتگو ہے ۔انسان کو یہ طاقت نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں ۔جس کو اجازت ہوگی وہی بولے گا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شفاعت کی اجازت ملے گی تو شفاعت فرمائیں گے۔ (تفسیر کبیر جلد ہشتم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود تفسیر زیر آیت ھذا سے استفادہ کیا گیا)

۳۹ تا ۴۱۔**الرّوح** ۔الف لام عام طور پر کمال کے اظہار کے لئے لایا جاتا ہے۔**الرّوح**۔ کامل روح ۔ **صوابًا۔ الصواب** ۔مناسب اور پکی بات۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الرّوح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کامل مراد لی ہے۔ اللہ تعالیٰ شفاعت کا مقامِ محمود بجز اپنے برگزیدہ نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو عطا نہیں کرے گا۔ الرّوح میں رسولوں نبیوں اور محدثوں کی ارواح بھی شامل ہیں جن پر روح القدس ڈالا جاتا ہے اور وہ باذنِ الٰہی شفاعت کے اہل ہوتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا
یقیناً ہم نے ڈرایا تم کو عذاب نزدیک سے جس دن دیکھ لیگا ہرمرد جو کچھ

قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝۴۱ ع ۲ ۲
آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے اور کہے گا کافر اے کاش کہ ہوتا میں مٹی

روح کا لفظ واحد ہے لیکن قرآن کریم کا محاورہ ہے کبھی وہ واحد کے لفظ سے جمع مراد لے لیتا ہے۔ اور کبھی جمع سے واحد۔ نیز یہ کہ انبیاء ایک ہی جان کی طرح ہوتے ہیں ۔نہیں کہہ سکتے کہ وہ کئی روح ہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ وہ ایک ہی روح ہیں۔ ان کو روح کہہ کر پکارا گیا کیونکہ وہ اپنے نفس اپنی جنبش اور اپنے سکون اور اپنی خواہشوں اور جذبات سے بکلی فنا ہوگئے اور ان میں بجز روح القدس کچھ باقی نہ رہا اور سب چیزوں سے قطع تعلق کرکے خدا کو جا ملے۔

اذن لہ الرّحمٰن کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یہاں شفاعت کا ہی ذکر ہے کیونکہ شفاعت ہی ایک ایسی چیز ہے جو اِذن سے ہوگی اور وہی لوگ شفاعت کے اہل ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت ملے گی۔احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن آئے گا تو انبیاء بھی شفاعت کریں گے ملائکہ بھی اور مومنین بھی۔ اس کے بعد جبّار خدا فرمائے گا اب میری شفاعت باقی ہے۔(بخاری کتاب التوحید) جبر کے معنی زبردستی اور دباؤ سے کسی چیز کی اصلاح کرنے کے ہیں۔ کبھی یہ لفظ صرف اصلاح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (مفردات) جبّار ۔اصلاح کرنے والا۔ چنانچہ اللہ کی رحمت جوش میں آئے گی اور بہت سے لوگ دوزخ سے نجات پائیں گے ۔ اگر دنیا پر منطبق کیا جائے تو ابتدائی جنگوں میں فرشتوں کی فوجیں آپ کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں ۔آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں بولتے تھے ۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں صحابہ اس طرح بیٹھے ہوتے تھے **کان علی رؤسھم الطیر**۔گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ حدیث نمبر ۲۶۳۰)لوگوں کے شفاعت کے بارے میں بہت غلط عقائد ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جن مومنوں کے نیک اعمال کچھ کم ہوں گے ۔شفاعت اس کمی کو پورا کردے گی۔

فرمایا یہ دن برحق ہے یعنی ہوکر رہنے والا ہے پس جو چاہے نیک عمل کر کے اپنے ربّ کے پاس ٹھکانا بنالے۔ جب بفضل تعالیٰ اس ایمان پر پختہ ہو کہ روز قیامت برحق ہے تو کوئی بھی کام کرو ۔کہیں جاؤ،کہیں سے آؤ۔ربّ کی حمد و ثنا تمہارے وردِ زبان ہو۔دیکھنا ! فرائض پر بھروسہ

کرکے نہ بیٹھ جانا۔ جودم غافل سو دم کافر۔

تمہارا ہر لحہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں گزرے اور ذکرالٰہی سے تمہاری زبان تر رہے۔ بیشک **عذابًا قریبًا** میں اُخروی عذاب مراد ہے۔ جب کافر عذاب کو دیکھ کر حسرت سے کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا اور اس عذاب کو نہ دیکھتا۔ لیکن اس حشر سے پہلے بھی ایک حشر مقدر ہے۔ جیسا کہ دیباچہ میں ذکر کیا گیا کہ اس سے جنگ بدر اور فتح مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے جس دن کفار اور مشرکین کا کیادھرا ان کے سامنے آئے گا اور ان میں سے ہر ایک پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا اور میرا نام و نشان مٹ چکا ہوتا اور یہ ذلت ورسوائی دیکھنی نصیب نہ ہوتی۔ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد چہارم صفحہ ۵۳۱، ۵۳۲ سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّ رُكُوْعَانِ

سورۃ نازعات۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی سینتالیس آیات اور دو رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی۔ پچھلی سورۃ میں نباء عظیم سے قومی ترقی کی طرف بھی اشارہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیات کے متعلق فرماتے ہیں ”دینی امور ہوں یا دنیوی ان کے انتہائے کمال تک پہنچنے کے لئے یہ پانچ مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔“(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵)

یوم الفصل میں اس آخری تباہی کی طرف اشارہ تھا جسے یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰ میں ابلیس اور آدم کی آخری جنگ کہا گیا۔ اس عظیم تباہی کے بعد انسان کا ضمیر ضرور چیخ اٹھے گا کہ جب یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی تو دوبارہ جی اٹھنے کی پیشگوئی بھی سچی ہے کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو ہم دوبارہ زندہ انسان ہوجائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے۔ حضرت موسیٰ پر بھی یہ تمام حالات گزر چکے تھے اگر مصر میں فرعون خدائی کا دعویدار تھا تو مکہ میں ابوجہل بھی خود کو خدا سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دنیا اور آخرت کی عبرتناک سزا کے ساتھ پکڑا تو ابوجہل کا انجام بھی عبرتناک ہوا۔

سورۃ کے آخر میں اس سوال کا ذکر کیا کہ وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ پھر اس سوال کے جواب پر سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ﴿۳﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ

قسم ہے انکی جو کھینچنے والے ہیں ڈوب کر اور قسم ہے انکی جو نشاط خاطر سے کھینچنے والے ہیں اور قسم ہے انکی جو تیرنے والے

سَبۡحًا ﴿۴﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ﴿۵﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ﴿۶﴾ یَوۡمَ

ہیں خوب پھر قسم ہے انکی جو سبقت لیجاتے ہیں اپنے ہمعصروں سے پھر قسم ہے انکی جو مدبر ہیں امور میں جس دن کہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔ **نازعات ۔ نزع** ۔کھینچنا ۔زور اور تکلف سے کھینچنا ۔**نازعات** کھینچنے والیاں ۔**غرقا**۔ غرق پانی میں ڈوبنا ہے۔ **نٰشطٰت ۔نشاط** ۔ خوشی سے ایک کام کرنا۔

ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے قسم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔قسم سے مراد یہ ہے ہوتی کہ اس بات میں خدا کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو خدا مجھے سزا دے ۔ قسم کلام الٰہی کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت ہے ۔جس چیز یا چیزوں کی قسم خدا کھاتا ہے اور اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے بطور گواہ پیش کرتا ہے ۔اگر وہ امر سچ ثابت ہو تو اللہ تعالیٰ کی قسم سچی ہے۔قسم سے یہ مراد نہیں کہ خدا سچ کہہ رہا ہے یا نہیں بلکہ جو بندہ اس قسم کو پیش کررہا ہے وہ خدا تعالیٰ پر سچ بول رہا ہے یا نہیں ۔اگر قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہوتی تو کلام الٰہی میں انسانی کلام مل جاتا۔پس ضروری تھا کہ قسم خدا کی طرف سے ہو۔(قسموں کی فلاسفی تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعود جلد ہشتم صفحہ ۱۷ تا ۸۳)ان آیات کی مفسرین نے مختلف تفاسیر کی ہیں جو سب بجا ہیں۔ میری ناقص رائے میں یہ بھی مراد ہے جیسا کہ پچھلی سورۃ میں نباء عظیم سے قومی ترقی کی طرف بھی اشارہ تھا۔ان آیات کو مؤنث کے صیغہ سے شروع کرکے طبقہ نسواں میں بیداری پیدا کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کیونکہ ترقی نسواں کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی ۔پس ڈوب کر کھینچنے والیوں سے طبقہ نسواں بھی مراد ہے جو ہمیشہ مظلوم و مقہور رہا اور بظاہر ڈوب چکا تھا لیکن رحمتِ الٰہی نے اس کو نکالنے کا سامان کیا۔ ان کی سعی و کوشش اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ان پر وہ وقت آیا جب نشاطِ خاطر سے وہ ایک دوسرے کو ابھارنے کی کوشش کرنے والیاں ہیں۔تیرنے میں نہایت تیزی سے نتائج حاصل کرنے کے لئے کام کرنے والیوں کی طرف اشارہ ہے اور اپنے ربّ کو راضی کرنے کے لئے ایک دوسری پر سبقت لے جانے والیوں کا ذکر فرمایا جو اس سبقت کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے کسی معمولی امر پر رکنے والیاں نہیں۔ بلکہ اہم امور کے منصوبے بنانے والیاں ہیں۔لجنہ اماء اللہ کی تنظیم

تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ ﴿۷﴾ تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ ﴿۸﴾ قُلُوۡبٌ یَّوۡمَئِذٍ

کانپے گی کانپنے والی (یعنی زمین) پیچھے آویگی اسکے پیچھے آنے والی کتنے دل اس دن

وَّاجِفَۃٌ ﴿۹﴾ اَبۡصَارُہَا خَاشِعَۃٌ ﴿۱۰﴾ یَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ

دھڑکنے والے ہونگے آنکھیں ان کی نیچی ہوں گی کہتے ہوں گے کیا ہم لوٹائے جاویں گے

فِی الۡحَافِرَۃِ ﴿۱۱﴾ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ﴿۱۲﴾ قَالُوۡا تِلۡکَ اِذًا

پہلی حالت میں کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں گلی ہوئی کہتے ہیں اس وقت

کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ﴿۱۳﴾ فَاِنَّمَا ہِیَ زَجۡرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ﴿۱۴﴾ فَاِذَا ہُمۡ

لوٹنا خسارہ ہے پس وہ تو ڈانٹ ہے ایک ہی بار تو دفعتاً وہ

کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے احسان سے جماعتی کاموں میں سرگرم عمل ہیں۔

پچھلی سورۃ میں نباء عظیم میں اسلامی فتوحات اور ترقیات کا ذکر تھا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا کہ اس سورت میں اس دور کی جنگوں کی طرف اشارہ ہے ۔ اورآپ نے یہاں آبدوز کشتیاں مراد لیں ہیں۔(دیباچہ سورۃ النّزعت قرآن کریم اردو ترجمہ۔حضرت مرزا طاہر احمدؒ) پس ڈوب کر ابھرنے والیوں میں آبدوز کشتیوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جو دشمن کو غرق کرکے اپنی کامیابی پر خوشی کے شادیانے بجاتی ہیں۔**والسّابحات سبحا** سے تیرنے والیاں مراد ہیں خواہ یہ آبدوزیں سمندر کے اندر تیریں یا سطح سمندر پر۔نیز تیرنے والیوں سے مراد ایسی جماعتیں بھی ہیں جو نہایت تیزی سے نتائج حاصل کرنے کے لئے کام کرنے والی ہیں۔ ان میں جنگوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے والی اور دشمن کے خلاف بہت بڑی بڑی تدبیریں کرنے والی جماعتیں شامل ہیں نازعاتِ غرقا میں روحانی ترقیات کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں ” مطلع سورۃ کی یہ پانچ آیتیں ہیں جو اس بات کا اظہار کررہی ہیں کہ دینی امور ہوں یا دنیوی ان کے انتہائے کمال پر پہنچنے کے لئے یہ پانچ مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اوّل :کام سے ہٹانے والی چیزوں سے الگ ہو کر انسان اپنے کام میں محو ہوجائے ۔دوم:پورے نشاط اور خوشی سے اپنے کام کو کرے۔سوم:اپنے کام میں اس طرح مشق کرے جس طرح پیراک پانی میں تیرتا ہے اور اس کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ چہارم: اپنی جماعت اور ہم عمر لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔پنجم: اپنے کام میں ایسا کمال حاصل کرے کہ خود اس میں موجد ہوجائے“۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۴،۳۰۵)

۷ تا ۱۵۔ **ترجف ۔رجف** کے معنی کسی چیز کو زور سے حرکت دینا ہے ۔ہلادینا۔ زلزلہ۔ **ترجف** کانپے گی ۔ **الرّاجفة**۔ کانپنے والی۔ **الرّادفة ۔الرّدف**۔ پیچھے آنے والی ۔اسی سے

بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۵﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۶﴾ اِذْ نَادٰىهُ

میدان میں ہونگے ۔ کیا آئی ہے تیرے پاس بات موسیٰ کی ۔ جب پکارا اس کو

ردیف ہے ۔**واجفة ۔وجیف** کے معنی تیز رفتاری کے ہیں۔قلوب کے اضطراب کے لئے یہ لفظ بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔(مفردات) **واجفة** ۔کانپنے والی۔ **الحافرہ** ۔پہلی حالت ۔ الٹے پاؤں۔ **نخرہ** ۔بوسیدہ ۔ **عظامًانخرةً**۔گلی ہوئی ہڈیاں جو اندر سے کھوکھلی ہوں ۔

یہ آیات قیامت پر اطلاق نہیں پاتیں ۔ پیچھے سے یوم الفصل کا ذکر ہے جو قیامت سے پہلے قیامت صغریٰ ہوگی ۔حشر کے دن اچانک شدید تباہی ہوگی۔ اس دن آگے پیچھے آفات و زلازل نہیں آئیں گے ۔کفار کے دل مضطر اور آنکھیں نیچی دنیا میں پے درپے اسلامی فتوحات اور شدید آفات و زلازل سے ہوں گی جو قیامت سے پہلے آئیں گے۔ یہاں اوّل جنگ بدر پھر فتح مکہ اور بعد میں آنے والی عظیم جنگوں اوردیگر مختلف آفات ، خاص طور پر پے درپے شدید زلازل کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔''اس دن زمین سخت حرکتِ اضطرابی کرے گی اور اس کے بعد ایک اور حرکت اضطرابی ہوگی یعنی قیامت کے نزدیک دو سخت زلزلے آئیں گے ۔پہلے کے بعد دوسرا زلزلہ آئے گا۔''(پہلے میں جنگ عظیم دوئم اور دوسرے میں ایٹمی جنگ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتاہے)(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۹ حاشیہ)نیز آپ فرماتے ہیں ''حوادث کے بارے میں جو مجھے علم دیاگیاہے وہ یہی ہے کہ ہرطرف دنیا میں موت اپنا دامن پھیلائے گی اور زلزلے آئیں گے اور شدت سے آئیں گے اور قیامت کانمونہ ہوں گے اور زمین کو تہ وبالاکردیں گے اور بہتوں کی زندگی تلخ ہوجائے گی۔ پھر وہ جوتوبہ کریں گے اور گناہوں سے دستکش ہوجائیں گے خدا ان پر رحم کرے گا۔جیساکہ ہرنبی نے اس زمانہ کی خبر دی تھی ضرور ہے کہ وہ سب کچھ واقع ہو۔لیکن وہ جواپنے دلوں کو درست کرلیں گے اوران راہوں کو اختیار کریں گے جو خدا کو پسند ہیں ان کو کچھ خوف نہیں اور نہ کچھ غم۔ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ۔۔۔۔۔۔دنیا میں ایک نذیر آیاپر دنیانے اس کو قبول نہ کیا۔لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا۔ میں تجھے اس قدر برکت دوں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ (الوصیت ۔روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۲)حضرت خلیفة المسیح الاوّل ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں ''حدیث شریف میں آیاہے کہ اشراط عُظام (بڑی بڑی شرائط)قبل قیام ساعت جب شروع ہوجاویں گے تو ایسے لگاتار ظہور ہوں گے جیسے تسبیح کا تاگہ ٹوٹ جانے سے منکے تسبیح کے متتابع یکے بعد دیگرے گرنے لگتے ہیں''۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۷﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اسکے رب نے میدان پاک میں طویٰ کے جا فرعون کی طرف یقیناً

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۸﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۹﴾ وَاَهْدِيَكَ

اس نے سرکشی کی پس کہہ کیا تجھے خواہش ہے اسکی کرتو پاک ہو اور میں راہ دکھاؤں تجھ کو

اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۲۰﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۱﴾ فَكَذَّبَ

طرف تیرے رب کے پس تو ڈرے تو دکھائی اس کو نشانی بڑی پس جھٹلایا اس نے

وَعَصٰى ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۳﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۴﴾ فَقَالَ اَنَا

اورنافرمانی کی پھر پیٹھ پھیری مخالف کوشش کرتے ہوئے پھر اکٹھا کیا تو پکارا پس کہا میں تمہارا

رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۵﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۶﴾

رب ہوں سب سے بلند پس پکڑا اس کو اللہ نے عذاب آخرت سے اور دنیا میں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۷﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا ع ۲

یقیناً اس میں البتہ نصیحت ہے اس کیلئے جو ڈرتا ہے کیاتم بہت سخت ہو پیدائش میں

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۵)جب کفار زلازل اور غیر معمولی شدید آفات والی پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھیں گے تو خوفزدہ ہوکر ضرور چیخ اٹھیں گے کہ کیا دوبارہ زندہ ہونے والی بات بھی پوری ہوگی؟ اور ہم ضرور پہلی حالت کی طرف لوٹادئے جائیں گے یعنی دوبارہ زندہ انسان ہوجائیں گے جبکہ ہم گلی سڑی ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ وہ کہیں گے تب تو یہ لوٹ کرجانا بہت گھاٹے کاباعث ہوگا کیونکہ انہوں نے اس دن کے لئے کوئی تیاری نہ کی ہوگی۔چونکہ یوم الفصل کے بعد قیامت کاذکر ہے اس لئے صور کی آواز کو ایک ڈانٹ سے تعبیر کیا۔ فرمایا یہ محض ایک ڈانٹ ہوگی۔ گویا اصل سزا تو آگے ہے۔تب وہ اچانک ایک کھلے میدان میں ہوں گے ۔بیشک یہ میدان حشر ہوگا مگر اوّل میدان بدر اور پھر بعد میں ہونے والی عظیم اسلامی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہے ۔

۱۶ تا ۲۷۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے اس لئے بتلایا کہ یہ تمام حالات آپ ﷺ پر ہی نہیں گزرے بلکہ ہمارے اولوالعظم نبی موسیٰؑ پربھی گزرے ہیں ۔قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے واقعات متعدد بار بیان ہوئے ہیں خاص طور پر ان حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے((سورة لاعراف :۱۰۴ تا ۱۳۴۔سورة طٰہٰ ۱۰ تا ۴۸۔سورة نمل :۸تا۱۵۔ سورة القصص:۳۰ تا ۳۶)

فرعون کی سرکشی اس سے بڑھ کر کیاہوگی کہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا یعنی اقتدار اعلیٰ کا مالک میں ہوں۔اس کی یہ سرکشی آخرت اور دنیا کی عبرتناک سزا کاسبب ہوئی۔ کفار مکہ کو متنبہ کیا کہ رسول کو جھٹلانے کانتیجہ دنیا اور آخرت میں ایک عبرتناک سزا کاموجب ہوگا۔ان آیات میں ایک

ءَاَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۸﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَاَغۡطَشَ

یا آسمان کہ بنایا اس کو اونچی کی اس کی بلندی پھر ٹھیک ٹھاک کیا اس کو اور ڈھانک دیا

داعی الی اللہ کے لئے بہت سے پیغامات ہیں جن میں خاص طور پر نرمی اور حکمت سے بات کرنا ہے کہ شاید وہ نصیحت حاصل کرلیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ" آیت (۲۷) اپنے عموم کی روسے ہر خاشع و متقی کے لئے عبرت ہے۔"۔۔۔۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۵) اٰیۃ الکُبرٰی کا نشان عصا موسیٰ کا معجزہ تھا۔قرآن کریم میں متعدد بار عصا کے معجزہ کا ذکر ہے۔ہمیشہ عصا کے معجزہ کے بعد ہی ید بیضاء کا معجزہ ظاہر ہوا۔آپ کو وادی طویٰ میں جب نبوت کے مقام پر فائز کیا گیا تو اوّل عصا کا معجزہ دکھایا۔جادوگروں کو بھی عصا کے معجزہ نے خائب و خاسر کیا۔دریا پار کرتے ہوئے بھی عصا سے راستہ پیدا کیا گیا۔پانی کی ضرورت کے لئے بھی عصا کو چٹان پر مارا اور پانی پھوٹ نکلا۔خروج باب ۷ آیت ۸ تا ۱۰ سے بھی ظاہر ہے کہ پہلے دن حضرت موسیٰؑ نے عصا کا معجزہ دکھایا۔

۲۸۔۲۹۔ **سَمۡک**۔بلندی۔**فسوّٰھا** میں کائنات کی درستگی اور توازن کی طرف اشارہ ہے۔

فرعون کا دعویٰ **انا ربکم الاعلیٰ** کے مقابل اللہ تعالیٰ نے کارخانہ عالم کو اپنی خالقیت کے ثبوت میں پیش کیا۔ فرمایا تم خلقت میں زیادہ سخت ہو یا آسمان جسے اس نے بنایا۔ سورۃ مومن :۵۸ میں فرمایا :یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے بہت بڑھ کر ہے۔ بیشک انسان کی پیدائش کی کنہ کو بڑے بڑے سائنسدان نہیں پاسکے اور انہوں نے برملا اعلان کیا کہ انسانی دماغ کی کارکردگی کو کامل طور پر سمجھنا ہمارے بس میں نہیں۔ یہ قدرت کا ایک عظیم شاہکار ہے ۔تاہم کائنات کی تخلیق کے مقابل انسان کی کوئی حیثیت نہیں۔ خلق سے مراد اوّل پیدا کرنا، دوبارہ پیدا کرنا نیز وہ بھی جو انسان نے تخلیق کیا۔

سماء میں کل کائنات داخل ہے ۔اس کی بلندی کی انتہا اور وسعت کو پانا آج کے انسان کے بس میں بھی نہیں۔ کائنات کی وسعت کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔(سورۃ کہف:۸۵) مختصر یہ کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے یعنی ایک سال میں ساٹھ کھرب میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ دور کے ستارے جو نہایت طاقتور دوربینوں سے دیکھے گئے ہیں وہاں سے ہم تک پہنچنے کے لئے روشنی چھ ارب سال لیتی ہے سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم کائنات کی وسعت اور بلندی کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے کیونکہ یہ ہردم قریباً روشنی کی رفتار سے وسعت پزیر ہے۔ جونہی ہم اندازے کے قریب پہنچتے ہیں وہ مزید وسیع ہوچکی ہوتی ہے ۔فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

لَيۡلَهَا وَاَخۡرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۳۰﴾ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۱﴾

اس کی رات کو اور نکالا اس کی دھوپ کو اور زمین کو بعد اس کے بچھایا اس کو

اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰىهَا ﴿۳۲﴾ وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ﴿۳۳﴾

نکالا اس میں سے پانی اس کا اور چارہ اس کا اور پہاڑ گاڑ دیا ان کو

مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۴﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ﴿۳۵﴾

سامان ہے تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے پس جب آویگی گھمسان بڑی

يَوۡمَ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۶﴾ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ

اس دن یاد کرے گا آدمی جو سعی کی تھی اور ظاہر کیا جاویگا دوزخ کو اس کے لیے جو

۳۰۔ **اغطش** ۔ اس نے اندھیرا کیا۔

ھا کی ضمیر سماء کی طرف جاتی ہے ۔چونکہ رات اور دن سماوی نظام کے نتیجہ میں آتے ہیں اس لئے رات اور دن کو سماء کی طرف منسوب کیا۔ اگر روحانی طور پر دیکھا جائے تو جس طرح سورج کی وجہ سے ظلمت چھٹ جاتی ہے اور روشنی ہوجاتی ہے اسی طرح آمدِ رسول سے گمراہیوں کی ظلمت دور ہوجاتی ہے اور نیکیوں کا نور پھیل جاتا ہے۔

۳۱ تا ۳۴۔ **دحٰھا۔دحٰی** کے معنی بَسَطَ کے ہیں۔(اقرب) **دحٰھا**۔اس نے پھیلایا ۔ **دحو** میں ہموار ہونا بھی ہے اور پرورش کا ذریعہ بھی۔پتھروغیرہ کے پھینکنے پر بھی دحو کا لفظ بولا جاتا ہے (لسان العرب) بعد کے معنی مع کے بھی ہیں۔(اقرب)

زمین کا پھینکا جانا اور پہاڑوں کا وجود ۔تشریح (سورۃ الحجر:۲۰)

آسمان وزمین اپنی ابتدا میں مسلسل تشکیل و تکمیل کے مراحل سے گزرے ہیں۔اوّل بناءِ سمآء کا ذکر کیا اور پھر دحیِ ارض کا۔فرمایا نظام شمسی بنانے کے ساتھ ساتھ زمین کو بچھایا۔ دحو میں ہموار ہونا بھی ہے اور پرورش کا ذریعہ بھی جیسا کہ یہ زمین پانی اور چارہ نکالنے کا ذریعہ ہوئی اور ابتدامیں چراگاہیں وجود میں آئیں۔ پہاڑوں کے گاڑنے سے یہ مراد نہیں کہ پہاڑ بعد میں بنائے۔یہ سارا منسلک نظام ہے جو ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ ابتدامیں زلازل سے پہاڑ وجود میں آئے پہاڑ نہ ہوتے تو پانی نہ برستا اور نہ پہاڑوں پر برف جم کر سارا سال آب رسانی کا ذریعہ بنتی ۔تشریح کے لئے (سورۃ الحجر:۲۰)

اس تمام سلسلہ کو اس انداز سے استوار کیا کہ تمہارے اورتمہارے جانوروں کے لئے سامانِ زیست کا موجب ہے۔

۳۵ تا ۴۲۔ **الطآمّۃ** ۔**طمّ الماء** پانی چڑھ گیا اور بہت ہوگیا۔ہر چیز جو بہت ہوجائے

يَرٰى ﴿۳۷﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۸﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۹﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ
دیکھتا ہے پس جس نے سرکشی کی اور مقدم کیا زندگی دنیاوی کو تو یقیناً دوزخ ہے

هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۰﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ
ٹھکانا اس کا اور جو کوئی ڈرا کھڑا ہونے سے آگے رب اپنے کے اور روکا اپنے جی کو

عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۱﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۲﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ
خواہشوں سے پس یقیناً بہشت ہے اس کا ٹھکانا پوچھتے ہیں تجھ سے

السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۳﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِلٰى
قیامت کی بابت کب ہے وقت اس کے قیام کا کس میں ہے تو اس کے ذکر سے تیرے

اور غالب آجائے اسے **طـمّ** کہاجاتا ہے۔**طـمّ** اس سخت مصیبت کو کہتے ہیں جو تمام مصیبتوں پر غالب آجائے۔ **الطّآمّة** قیامت کانام بھی ہے (لسان العرب) **طغى** حد سے باہر ہوجانا ہے۔ ندی نالوں کا پانی جب حد سے بڑھ جائے تو طغیانی کہلاتا ہے۔جو بہت پھیل جائے اور جو بڑی سرکشی کرے وہ طاغوت ہے۔**اٰثـــر** ایک چیز کو دوسری چیز سے زیادہ پسند کیا۔ترجیح دی۔الھوٰی گری ہوئی نکمی خواہش۔الھوٰی اس جائز خواہش کانام ہے جو اپنے مقام اعتدال سے بڑھ جائے۔

یہ سخت آفت کی گھڑی یوم الفصل ہے جس کا ذکر پیچھے سے جاری ہے۔فرمایا اس آفت عظیمہ کو دیکھ کر انسان کو اپنی سعی و کوشش کے نتائج کا علم ہو جائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتا رہاہے۔ قیامت کے روز تو دوزخ ہر کسی کونظر آئے گی اس لئے یہاں دنیا کی جہنم ہی مراد ہے جو ہر اس شخص کو نظر آئے گی جو دیکھنا چاہے گا۔جو حقیقت کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلے اسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔قیامت پر چسپاں کیاجائے تو معنی یہ ہوں گے کہ کافر ہی اس جہنم کو دیکھے گا کیونکہ وہی اس میں پڑنے کے لائق ہے۔فرمایا وہ جس نے سرکشی کی اور میرے حکموں کو نہیں مانا اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو یقیناً اس کا ٹھکانا جہنم ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔اور وہ جو اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے روک لے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کے حضور جوابدہی کا خوف ہی نفس کو اتباعِ ھوٰی سے روکنے والی چیز ہے۔پس اس کی بہشتی زندگی اس دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے۔اور یقیناً آخرت میں بھی جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگی۔

۴۳ تا ۴۷۔ اے رسول ! یہ لوگ تجھ سے قیامت کی گھڑی کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ کب اور کیسے واقع ہوگی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیشہ لوگ قیامت کے تعینِ وقت کا سوال کیاکرتے تھے۔جب یہ آیت نازل ہوئی الٰی ربّک منتھٰھا○ (آیت ۴۵) تو لوگ سوال سے باز آگئے۔ (از حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۳۲۴) پس ساعت کے متعلق ان

رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۵﴾ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۶﴾ كَاَنَّهُمْ
رب کی طرف ہے انتہا اس کی تُو تو صرف ڈرانے والا ہے اسکو جو ڈرتا ہے اس سے گویا کہ وہ

يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۷﴾ ع
جس دن دیکھیں گے اس کو نہیں رہے تھے وہ مگر ایک شام یا ایک اس کی صبح

کا اصرار کہ صحیح تاریخ بتلا دی جائے ،نہایت لغو تھا۔ اس سوال کا جواب گزر چکا ہے کہ قیامت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔(سورۃ لقمٰن :۳۵) فرمایا اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق کہ اس کا وقت بتلاؤ۔اس وقت کے انجام و انتہا کی تعین تو تیرے ربّ سے تعلق رکھتی ہے یعنی اس کا علم صرف تیرے ربّ ہی کے پاس ہے۔پس حقیقت کا علم اللہ ہی کو ہے تُو صرف اُسے تنبیہ کرسکتا ہے جو اس آفت سے ڈرتا ہے کیونکہ وہی اس تنبیہ سے فائدہ اٹھائے گا۔کفار قیامت کے ہول اور دہشت سے دنیا کی زندگی کا عرصہ بہت کم محسوس کریں گے۔انسانی فطرت ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو عیش وعشرت کی گزری گھڑیاں بہت مختصر معلوم ہوتی ہیں۔پس جب کفار اسے دیکھیں گے تو گمان کریں گے کہ وہ ایک شام یا اس کی صبح کے سوا دنیا میں نہیں رہے یعنی چند گھنٹے ہی رہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ بعض شام تک پہنچے اور بعض دوپہر تک ہی پہنچے تھے کہ ہلاک ہوگئے۔شام سے مراد یہ بھی ہے کہ پیری تک پہنچے اور دوپہر سے مراد بھر پور جوانی ہے۔

زندگی کی بے ثباتی کے بیان سے اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعٌ وَّكُلُّهَا الخ

سورۃ عبس۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی تینتالیس آیات اور ایک رکوع ہے

یہ سورۃ بھی ابتدائی دور کی مکی سورۃ ہے۔اس سورۃ میں اوّل اس واقعہ کا ذکر کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سرداران قریش سے تبلیغی گفتگو میں مصروف تھے اور ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم بھاگتے ہوئے آئے اور آپ ﷺ سے کچھ مسئلہ پوچھنا چاہا۔ حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی تہذیب کے منافی تھی تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کمزور بندے کی حمایت فرمائی اوراپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پرعتاب فرمایا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس واقعہ کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔ ” قرآن مجید چونکہ اپنے اندر مستقل صداقتیں رکھتا ہے اس لئے ان آیات سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے ۔اوّل۔دین میں اخلاص اور عملی رنگ کا پیدا ہونا کسی رنگ و نسب پر موقوف نہیں۔ اس لئے ایسے معاملات میں ایک مبلغ اور واعظ کو کبھی یہ خصوصیت اختیار کرنی نہیں چاہیئے کہ وہ طبقہ امراء کی وجہ سے ضعفاء اور غرباء کو چھوڑ دے اور ان کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ ضعفاء اور غرباء زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کی باتوں کی قدر کی جاوئے اورانہیں محبت اوراخلاص سے دیکھاجاوے ان کی بات کو ہرگز ردّ کرنے کی کوشش نہ کی جاوے ۔وہ نہایت نازک دل رکھنے والی قوم ہے۔اس وجہ سے ان سے بے پرواہی نہیں کرنی چاہیئے کہ دل کے حالات کا اللہ ہی علیم ہے۔وہی خوب جانتا ہے۔ کہ کون ہدایت پانے والا ہے اورکون نہیں۔دوسری بات ان آیات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ بے پرواہی کریں ان پر تبلیغ اوراتمام حجت کافی ہے۔ ان کے پیچھے پڑنا ضروری نہیں ۔ تیسری بات یہ ہے کہ نبی کا کام کسی کو ہدایت یاب کردینا نہیں ہے ۔لوگ غلطی کرتے ہیں جو کسی مامور ربانی سے ایسی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں کہ آپ میری فطرت بدل دیں اور یہ کردیں اور وہ کردیں۔ یہ خدائی فعل ہے اور اسی کو سزاوار ہے۔“ ۔۔۔۔۔۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۶،۳۰۷)

پھر قرآن کریم کی عظمت اور حاملین قرآن کے اکرام کا بیان ہے اس کے بعد اپنی بے حد وحساب نعمتوں کاذکر کیا جو نوع انسان پرفرمائیں ۔ آخر میں عتاب کارخ کفار کی طرف پھیرا جو پیغام حق کو ردّ کررہے تھے ۔ان کے بدنجام اور مومنین صالحین کے نیک انجام کے ذکر کے بعد اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۲ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۳ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

تیوری چڑھائی اورمنہ موڑا یہ کہ آیا اس کے پاس اندھا اور کیا جانے تو شاید کہ وہ

يَزَّكّٰىٓ ۴ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۵ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۶

پاک ہوتا یا نصیحت سنتا تو فائدہ دیتی اس کو نصیحت پس جو شخص کہ بے پرواہی کرتا ہے

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۷ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۸ وَاَمَّا مَنْ

تو تُو اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے اورنہیں تجھ پر الزام یہ کہ وہ پاک نہ ہوشے اور پس جو کوئی آوے

جَآءَكَ يَسْعٰى ۹ وَهُوَ يَخْشٰى ۱۰ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۱۱ كَلَّآ

تیرے پاس دوڑتا ہوا اور وہ ڈرتا ہے تو تُو اس سے غفلت کرتا ہے ہرگز نہیں

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والااور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا۱۱۔ **عَبَسَ** کے لفظی معنے سینہ کی تنگی سے چہرہ پرشکن پڑنے کے ہیں ۔چیں بجبیں ہونا۔ **تصدّی** ۔اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا یا متوجہ ہوا (لسان العرب) **تلھّی** ۔تو ایک سے توجہ ہٹا کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے(لسان العرب) تغافل کرتا ہے۔

یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی مکی سورۃ ہے جب سرداران قریش آپ ﷺ کی محافل میں آتے جاتے تھے بعد میں انہوں نے آپ ﷺ سے تعلق بالکل ہی توڑ لیا۔اس سورۃ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب رؤسائے قریش کاایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا۔ان میں قریش کے چوٹی کے سردار ابوجہل ، عتبہ ، شیبہ، امیہ بن خلف ، عباس بن عبدالمطلب اور ولید بن مغیرہ شامل تھے ۔ آنحضرت ﷺ ان سے تبلیغی گفتگو فرمارہے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے اورحضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے اس محفل میں آئے ۔حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ عبس وتولّٰی ابن مکتوم کے بارہ میں نازل ہوئی ۔انہوں نے عرض کیا تھا! یارسول اللہ ﷺ مجھے سیدھا راستہ بتائیے ۔ (ابن جریر۔ ترمذی) حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ قرآن کی ایک آیت کا مطلب پوچھنے لگے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے وہ علم سکھایئے جو اللہ نے آپ ﷺ کوسکھایاہے۔(ابن جریر۔ابن ابی حاتم) اس صورت میں کہ آپ ﷺ معززین مکہ سے محو گفتگو تھے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کی دخل اندازی تہذیب کے منافی تھی۔ تاہم آپ ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا صرف ناگواری کے تاثرات آپ ﷺ کی پیشانی پرظاہر ہوئے اور آپ ﷺ نے منہ پھیرا جسے ابن ام مکتوم بوجہ نابینا ہونے

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۳﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۴﴾
یقیناً یہ نصیحت ہے بس جو کوئی چاہے نصیحت حاصل کرے اس سے صحیفوں عزت والوں سے
مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۵﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۶﴾ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ﴿۱۷﴾ قُتِلَ
جو بلند کئے گئے پاک کئے گئے ہاتھ میں لکھنے والوں کے بزرگ نیکو کاروں کے مار ہو

کے دیکھ نہ سکے۔آپ ﷺ نے اپنی گفتگو کو جاری رکھا اور ام مکتوم اٹھ کر چلے گئے۔اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو توبیخ فرمائی (کشاف) جو ہمیشہ کے لئے قرآن کا حصہ بن گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک محتاج بندے کی معمولی اہانت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ بعد میں آپ ﷺ نے ان کی بہت دلجوئی فرمائی جب وہ آتے تو آپ ﷺ اپنی چادر بچھاتے اور بڑے اکرام سے انہیں بٹھاتے۔حضرت امّ مکتوم دو دفعہ مدینہ کے امیر مقرر ہوئے۔ (الدّرّالمنثور) دراصل اس میں آپ ﷺ کو اصول دعوت کے سلسلہ میں تنبیہ فرمائی کہ پیغام حق سب کو پہنچا مگر توجہ ان افراد پر زیادہ مرکوز رکھ جو سچی تڑپ اور طلب حق کی پیاس لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ فرمایا ممکن تھا کہ وہ نابینا ہدایت حاصل کرلیتا اور پاک ہوجاتا یا نصیحت پر غور کرتا تو نصیحت اسے فائدہ پہنچاتی تُو اُس کی طرف متوجہ ہے جو بے پرواہی کرتا ہے۔ فرمایا تجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر وہ صاحبِ حیثیت لوگ پاکیزگی اختیار نہ کریں اور وہ نابینا جو تیرے پاس بڑی کوشش سے آیا اس کے دل میں خشیت الٰہی ہے ۔پس تو اس سے تغافل کرتا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وحی کا سرچشمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قلبِ مبارک نہ تھا۔ورنہ اپنے لئے ایسے الفاظ جو ہمیشہ کے لئے قرآن کریم میں پڑھے جائیں گے ،کوئی بھی پسند نہ کرتا۔آپ ﷺ ہی وہ صادق و امین تھے کہ تمام ربانی الہامات و واقعات بلاکم و کاست دنیا کے سامنے رکھ دئے۔پس یہ اور ایسی دوسری آیات سے قرآن کریم کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۲ تا ۱۷۔**مرفوعةٍ۔ رفع** سے ہے ۔بلندوبالا کئے ہوئے۔ رفیع القدر۔بلند شان۔ **سفره ۔مسافر** کی جمع ہے۔لکھنے والے ۔ **کرامٌ** ۔کریم کی جمع ہے۔معزز اور بزرگ لوگ (اقرب) سخی۔ **بَرَرَةٍ۔البرّ** کی جمع ہے ۔نیک لوگ۔

ان آیات میں عظیم الشان خوشخبریاں دی گئی ہیں ۔قرآن کریم میں نبی کے صحیفہ کو صحف کہا گیا کیونکہ اس میں گزشتہ انبیاء کے صحیفے جمع ہوتے ہیں۔ گویا کتاب ایک ہی ہوتی ہے لیکن اس میں تمام گزشتہ انبیاء کے صحائف کی تعلیم موجود ہوتی ہے ۔ قرآن کریم میں صحفِ ابراھیم کا ذکر ہے

حالانکہ حضرت ابراھیمؑ حضرت نوحؑ کی شریعت کے تابع تھے اورصاحبِ شریعت نبی نہیں تھے ۔ پس ہر نبی صحیفہ لایا لیکن ہر نبی شریعت نہیں لایا۔صحیفہ ایک پیغام ہے جو اس زمانہ کے مناسب حال ہوتا ہے۔ قرآن کریم کو صحف کہا کیونکہ قرآن کریم نے صحفِ سابقہ کی تمام اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کو جو فطرتِ انسانی کے مناسب حال تھیں ، اپنے اندر جمع کرلیا ہے۔ گویا کوئی تعلیم ایسی نہیں جس کی بنی نوع انسان کو ضرورت ہو اور قرآن میں موجود نہ ہو۔

صحف میں قرآن کریم کی سورتوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ہر سورۃ بجائے خود ایک مکمل صحیفہ ہے جو علیحدہ اور مکمل مضمون رکھتا ہے۔ مکرمة میں اشارہ ہے کہ یہ وہ بزرگ کتاب ہے جس کی عزت کی جائے گی۔ عزت ہر الہامی کتاب کی کی گئی لیکن جو عزت کا مقام قرآن کریم کو ملا وہ کسی دوسری الہامی کتاب کے حصہ میں نہیں آیا۔ کتاب کی عزت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔خدا کے فضل سے ہر زمانہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد قرآن پر عمل پیرا رہی۔مسلمان قرآن کریم کو حفظ کرتے ہیں۔ نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔اسلام کے اس تنزل کے زمانہ میں بھی لاکھوں اور کروڑوں مسلمان ایسے ہیں جن کے دل میں اس پر عمل کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے اور وہ اس پر عمل کی کوشش کرتے ہیں ۔یہ تو زمانہ تنزل کا حال ہے ورنہ اپنے دور میں قرآن پر وہ عمل ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی۔قرآن عظیم نے زندگی کے ہر شعبہ پر جس طرح حکومت کی۔انسانی تمدن کی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔جبکہ عیسائیوں نے شریعت کو لعنت قرار دے کر اس پر عمل کو غیر ضروری قرار دے دیا ہے۔مکرمة کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ وہ ہر نقص اور خرابی سے پاک ہے۔یہ خوبی بھی سوائے قرآن مجید کے کسی الہامی کتاب میں نہیں۔ Muir اور Noldeke جیسے شدید دشمن اسلام بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ قرآن انسانی دست برد سے پاک ہے۔قرآن کا ایک ایک لفظ جس طرح محمد نے بتلایا اُسی طرح آج تک موجود ہے اس میں ذرہ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ قرآن)

ان آیات میں قرآن مجید کی تین صفات (۱) مکرمة (۲) مرفوعة (۳) مطهرة کے مقابل حاملین قرآن کی تین صفات کا ذکر کیا یعنی (۱) سفرة (۲) کرامٍ (۳) بَرَرَة۔ اس طرح ایک لطیف قرآنی ترتیب بیان فرمائی مکرمة کے مقابل حاملین قرآن کی صفت سفرة بیان فرمائی گویا قرآن مجید ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا جو سفرة ہوں گے۔سفرة میں ان مبلغین اسلام کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کو ہاتھ میں لے کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قراءت میں بھی ماہر ہے تو وہ سفرة ، کرام بررة

کے ساتھ ہے اور جو ماہر نہیں مگر تکلف کے ساتھ مشقت اٹھا کر قراءت صحیح کرلیتا ہے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ (رواہ الشیخان عن عائشہؓ ۔مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماہر کو دو اجر ملتے ہیں ایک قراءت قرآن کا دوسرا مشقت اٹھانے کا۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ماہر کو بے شمار اجر ملیں گے (مظہری) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام قرآن مجید کو لے کر معلوم دنیا تک پہنچے ۔بعض ممالک کے مسلمان اس بات کے مدعی ہیں کہ صحابہ کے لائے ہوئے قرآنی نسخے آج بھی ان کے پاس محفوظ ہیں ۔ اگر اسلام دنیا کے ایک عظیم خطہ پر پھیلا ہوا نظر آتا ہے تو انہیں مبلغین اسلام کی سعی و تبلیغ سے ہے ۔

آج مسیح محمدی کے غلاموں نے تبلیغ اسلام اور خدمت خلق کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کررکھا ہے۔ وہ نہایت معمولی مشاہرہ پر برسوں اپنے اہل و عیال سے دور ،کہیں افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اور کہیں یورپ کی یخ بستہ فضاؤں میں قرآن کریم کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ جلسہ سالانہ Uk 2006 میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بتلایا کہ بفضل تعالیٰ 185 ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہوچکی ہے۔ جماعت احمدیہ کی تبلیغی خدمات کااعتراف مستشرقین (Orientalists) کوبھی ہے۔ ایچ کریمن (H. Kariman) امریکن مشنری لکھتا ہے:۔’’ مسلمانوں میں صرف یہی جماعت ہے جس کا واحد مقصد تبلیغ اسلام ہے۔ اگرچہ ان کی طرزِ تبلیغ میں کسی قدر سختی پائی جاتی ہے تاہم ان لوگوں میں قربانی کی روح اورتبلیغِ اسلام کا جوش اوراسلام کے لئے سچی محبت دیکھ کر بے اختیار تعریف نکلتی ہے ۔وہاں کے لوگ اسلامی جوش اور اسلام کی آئندہ کامیابی کی امیدوں سے سرشار ہیں۔‘‘(مسلم ورلڈ اپریل ۱۹۳۱ء)اسی طرح ہالینڈ کا ایک مشہور اخبار’’اسلامی ہلال یورپ کے افق پر‘‘ لکھتا ہے :۔’’ یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے بیزار ہو رہا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔دوسری طرف اسلام یورپ میں اتحاد کا علم لئے ہوئے ہے اور یہ نوجوان ادھر مائل ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔جس کا سب سے طاقتور انجن جماعت احمدیہ ہے۔‘‘ "Acathtic Fowral Jira Theus"۔سفرۃ میں ان کاتبین کرام کی طرف بھی اشارہ ہے جو نزول قرآن کے ساتھ ہی اسے فوراً لکھ لیتے تھے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ قرآن کریم صحابہ کرام کی موجودگی میں لکھا گیا جبکہ انجیل کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ ۱۸۰ سال بعد لکھی گئی۔ نزول قرآن سے لے کر قیامت تک اس پاک کتاب کو لکھنے لکھانے اس کے حقائق ومعارف بیان کرنے والے یعنی اس کی تفاسیر لکھنے والے پیدا ہوتے رہیں گے ۔انشاء اللہ العظیم ۔

قرآن کریم کی دوسری صفت مرفوعۃ بیان فرمائی۔رفع کے معنی اونچا کرنے کے ہیں

الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٨﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٩﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ

آدمی پر کیا ہی ناشکرا ہے کس شے سے پیدا کیا ہے اس کو نطفے سے

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢٢﴾

پیدا کیا اسکو پھر اندازہ کیا اس کو پھر راہ آسان کی اس کی پھر موت دی اسکو پھر گاڑا اس کو

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿٢٣﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿٢٤﴾ فَلْيَنْظُرِ

پھر جب چاہے گا اُٹھائے گا اسکو ہرگز نہیں ابھی پورا کیا اس نے جسکا حکم کیا گیا تھا اسکو، پس دیکھے

یعنی اعزاز کیا۔قرآن کریم کا جو اعزاز ہر مسلمان کے دل میں ہے ، وہ اظہر من الشّمس ہے ۔ظاہری طور پر بھی یہ شرف صرف قرآن عظیم کو حاصل ہے کہ امتِ محمدیہ قرآن مجید کو کبھی نیچے نہیں رکھتی قرآن پاک ہمیشہ اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے۔اس کے مقابل صحابہ کے متعلق فرمایا کہ وہ کرام ہیں۔ کرام کے معنی بزرگی کے ہیں ۔ پس اگر قرآن کا مقام رفع ہے تو اس سے تعلق رکھنے والے بھی عزت پاتے چلے جائیں گے۔

تیسری صفت قرآن کریم کی **مطھرۃ** بیان کی گئی ہے جس کے معنے پاکیزہ کے ہیں اس کے مقابل میں بررۃ کو رکھا جو برّ سے ہے ۔یعنی وسیع پیمانہ پر نیکی کرنا۔ (مفردات) **برّابوالدتی** کے معنے ’’اقرب‘‘ میں بیان ہوئے ہیں کہ اس کی پوری اطاعت کی۔ اس کے ساتھ رفق کیا اوراس کی خوشنودی کے ذرائع کو تلاش کیا اور ان پر عمل کیا اور اس کی ناپسندیدہ باتوں سے بچا۔گویا اس چھوٹے سے لفظ میں حاملین قرآن کے اوصاف کو بیان کردیا۔ اس لحاظ سے **بررۃ** کے معنے ہیں۔ وہ قرآن کی پوری اطاعت کرنے والے ہوں گے اس کے ساتھ اپنا تعلق رکھیں گے جو چیزیں قرآن نے پسند کی ہیں ان کو پورے زور سے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ، جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے وہ پورے زور سے بچیں گے ۔پس قرآن مطھر ہے اس پر عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حاملین قرآن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہوکر بررۃ میں شامل ہوجائیں گے ۔(تفسیر کبیر حضرت مصلح الموعود جلد ہشتم زیر تفسیر آیۃ ھٰذا سے استفادہ کیا گیا)

۱۸ تا ۲۴۔ **قُتل اللّٰہ الانسان** کے معنی ہیں **لعنۃ اللّٰہ** اس پر لعنت کی۔ (اقرب) **خلقہٗ فقدّرہ**‘ ۔ ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی۔(مفردات) یعنی اس نے اسے پیدا کیا اور ایک اندازے پر رکھا۔یہ اندازہ پیدائش سے پہلے بھی تھا اور پیدائش کے بعد بھی۔ قبر سے مراد یہ نہیں کہ ہر انسان کی ظاہری قبر ہو یہاں قبر سے مراد اس کی آخری بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے گویا ہر انسانی روح پر قبر کا سا زمانہ آئے گا۔

قرآن کریم کی عظمت کا بیان تھا کہ جو اسے ہاتھ لگائے وہ پاک ہوجاتا ہے۔خود معزز ہے

اور اس پر عمل کرنے والے معزز بن جاتے ہیں ۔پس انسان کیسا ناشکرا ہے کہ ہم نے اسے قرآن کے ذریعہ مکرم ومرفوع اور مطہر بنانے کا سامان کیا لیکن وہ منہ پھیرتا ہے۔ پس انسان کو اپنی سب سے بڑی نعمت قرآن کریم کی ناشکری پر تنبیہ فرمائی کہ جو اس تذکرہ سے نصیحت حاصل نہ کرے ایسے انسان پر خدا کی لعنت ہے۔اب انسان کو اللہ کی دیگر بے شمار نعمتوں کی طرف متوجہ کیا جن میں سب سے اوّل انسان کی تخلیق ہے ۔انسان غور کرے کہ اس کی تخلیق کا آغاز کس حقیر شے سے ہوا۔فرمایا نطفہ سے ۔یہی نہیں کہ نطفہ سے پیدا کردیا بلکہ اسے ایک خاص اندازہ اور حکمت سے بنایا۔ اس کا ہر عضو خالق و مالک کی صناعی کا کمال ہے۔اس پر دفتر لکھے گئے ہنوز انسان اپنی تخلیق کی کنہ تک نہیں پہنچ سکا۔

فرمایا ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لئے اپنے خالق و مالک تک پہنچنے کی راہ آسان کردی ۔ وہ اللہ کی دی ہوئی قوت و صلاحیت اور سعی و مجاہدہ سے بآسانی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے گویا اس راہ کی تمام مشکلات اس کے لئے آسان کردی گئی ہیں۔ اس کے لئے نیکی اور بدی کے راستے کھول دیئے (بیضاوی ، روح البیان ،شوکانی) مجاہد کا قول ہے کہ سبیلِ خیر کی راہ آسان کی گویا انسان کی ترقی کی راہ جو قرآن پر عمل ہے اس کے لئے آسان بنادی۔ اسی طرح دنیوی طور پر بھی انسان میں ترقی کی صلاحیت ودیعت کرکے ہم نے اس کا راستہ آسان کردیا۔ وہ سعی و کوشش سے دنیوی طور پر بھی اپنے لئے اعلیٰ مقام حاصل کرسکتا ہے۔

پیدائش اور تقدیر کے معاملہ میں ہی نہیں بلکہ موت کے معاملہ میں بھی انسان ۔بے بس ہے۔ نہ پیدا ہونا اس کے اختیار میں ہے نہ مرنا ۔ بقول شاعر؎

لائی حیات ، آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

جو قبر اس کے لئے متعین کردی گئی ہے اسی میں اسے دفن ہونا ہے خواہ یہ زمین کا پیٹ ہو، سمندر کا یا کسی جانور کا۔یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں **اماتہٗ فاقبرہ** فرمایا گویا موت اور قبر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اللہ کے نیک بندے موت کے بعد ابدی جنتوں کی نعمتوں کے وارث ہوتے ہیں ۔

اسی طرح دفنانے کا نظام بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان ہے ۔تمام لوگ اپنے اپنے طریق کے مطابق مردہ کو نہلا دھلا کر پاک کپڑوں میں دعا اور احترام سے اپنے گھر سے رخصت کرتے ہیں۔یہ اہتمام اشارہ کرتا ہے کہ ایک اور زندگی بھی ہے جس کا موت سے آغاز ہوتا ہے۔فرمایا وہ

الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٥﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٦﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا
آدمی اپنے کھانے کی طرف یہ کہ برسایا ہم نے پانی قاعدہ سے پھر پھاڑا ہم نے
الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٧﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٨﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٩﴾ وَ
زمین کو باقاعدہ پس اُگائے ہم نے اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور
زَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٣٠﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣١﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا
زیتون اور کھجوریں اور باغ گھنے اور میوے اور چارہ فائدہ ہے
لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ
تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کیلئے پس جب آوے گی کان پھوڑ نیوالی اس دن بھاگے گا آدمی

جب چاہے گا دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ سارا کارخانہ کائنات جاری ہو اور اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی کوئی غرض و غایت نہ ہو۔وہ لغو کاموں سے پاک ہے۔پس ضرور ہے کہ انسان دوبارہ زندہ ہو اور اس کے اعمال کی اسے جزا یا سزا ملے۔

فرمایا انسان نے ہرگز اسے پورا نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ حکم یہی تھا کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑلو۔ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوجاؤ اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کا موجب بھی بن جاؤ۔ بیشک انفرادی طور پر بندگانِ خدا نے یہ مقام ضرور حاصل کیا۔ ہر قوم میں پھیلی ہوئی قرآنی تعلیم اس پر شاہد ہے تاہم اجتماعی طور پر وہ اس مقام کو حاصل نہیں کرسکے کہ یہ پیغام ہر بندے تک پہنچ جاتا۔ خدا کرے جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی اس حکم پر پوری اتر سکیں۔

٢٥ تا ٣٣۔**صبّا۔صبا الماء** کے معنی اوپر سے پانی گرانے کے ہیں پانی انڈیل دینا۔ **قضبا**۔ترکاریاں اور سبز چارہ۔**غُلبا۔ غلب اغلب** کی جمع ہے جس کے معنی گھنا کے ہیں (لسان العرب) ۔**ابّ** خود رو گھاس اور چارہ وغیرہ ہے(مفردات)

• اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔ فرمایا انسان اپنے کھانے کی طرف دیکھے اور غور کرے کہ ہم نے اس کی جسمانی پرورش کے لئے کیا کیا انتظام کئے۔اگر اللہ تعالیٰ اسباب مہیا نہ کرتا تو کیا اپنی خوراک اور جانوروں کا چارہ انسان خود پیدا کرسکتا تھا؟ خوراک کی فراہمی کے لئے سب سے اوّل ضرورت پانی ہے۔(پانی کی تفصیل سورۃ المومنون:١٩)فرمایا ہم نے زمین کو پھاڑ کر طرح طرح کے دانے اگائے۔اناج کے علاوہ انگور اور سبزیاں،زیتون اور کھجور اور گھنے باغات۔طرح طرح کے میوے ، خودرو جھاڑیاں اور گھاس وغیرہ یہ تمام نعمتیں تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدہ کے لئے ہیں۔یہ سب تیرے ربّ کی کاریگری ہے جس میں انسان کا دخل برائے نام ہے۔ حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر زیر آیت ھٰذا جلد ہشتم میں فرماتے ہیں۔ان تمام نعمتوں کے بیان میں ایک

مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۶﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۷﴾ لِكُلِّ

اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی جورو اور اپنے بیٹوں سے ہر

امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۸﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

انسان کے لیے ان میں سے اس دن ایک حالت ہے جو کافی ہے کتنے منہ اس دن

لطیف اشارہ ہے۔کہ جو نعمتیں انسان کے مناسبِ حال ہیں ،انسان ان کی طرف ضرور رغبت رکھے گا۔ اسی طرح جن طبائع میں قرآن سے مناسبت ہوگی وہ ضرور قرآن کی طرف کھنچی آئیں گی۔ اور جس طرح جانور ان چیزوں کی طرف جاتے ہیں جو ان کے مناسبِ حال ہیں۔اسی طرح بدفطرت لوگ کفر کی طرف بھاگیں گے۔چھ اقسام ایسی بتلائیں جن سے انسان کو رغبت ہے صرف دو ایسی بتائیں جن کو جانور کھاتے ہیں۔ اس میں اشارہ کیا کہ زیادہ طبائع قرآن کی طرف کھنچی آئیں گی اور جو طبائع کالانعام ہوں گی۔وہ غیر نافع چیزوں پر منہ ماریں گی۔ان کی تعداد بہت کم ہوگی۔زیادہ بھی ہوں تو اللہ کی نظر میں کالعدم ہیں۔

۳۴ تا۳۸۔ **الصّآخّہ** لوہے کا لوہے پر مارنا ہے۔ کانوں کو بہرہ کرنے والی آواز۔ (اقرب) **صاخّہ** ہر بڑی مصیبت کو بھی کہتے ہیں ۔(لسان العرب)

یہاں روز حشر کا نظارہ پیش کیا جس دن بھائی بھائی سے بھاگے گا وہ اپنے ماں اور باپ اور بیوی اور بچوں سے بھاگے گا۔ گویا ایسا نفسانفسی کا عالم ہوگا کہ عزیز ترین رشتہ داروں کی بھی پرواہ نہیں ہوگی۔ فرمایا اس دن ان میں سے ہر شخص کا ایک ایسا حال ہوگا جو اسے سب سے بے نیاز کردے گا۔ مختلف سندوں سے یہ روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے روز سب لوگ ننگے اٹھیں گے'' آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ نے گھبرا کر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ہمارے ستر اس روز سب کے سامنے کھلے ہوں گے ؟اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (آیت ۳۸) تلاوت فرما کر بتلایا کہ اس روز کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہیں ہوگا۔ (ترمذی ۔ابن جریر۔ابن ابی حاتم۔طبرانی) یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ تعلق کی طرف ترتیب سے بیان فرمایا ہے۔دنیا میں بھائیوں سے جگری تعلقات ہوتے ہیں مگر ماں باپ سے ان سے زیادہ ہوتے ہیں اور طبعی طور پر بیوی بچوں سے ان سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

بیشک یہ سب حالات حشر میں گزریں گے لیکن ایک حشر دنیا میں بھی برپا ہوا جب رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل اپنے کسی عزیز ترین رشتہ دار کی بھی پرواہ نہ کی۔اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے تاہم صرف دو کے

مُسْفِرَةٌ ﴿۳۹﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۴۰﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا

روشن ہوں گے ہنستے ہوئے ہشاش بشاش اور کتنے منہ اس دن

غَبَرَةٌ ﴿۴۱﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۲﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۳﴾ ع ۱ ۴۲ ۵

غبار آلود ہونگے چڑھی ہوئی ہوگی ان پر سیاہی یہی ہیں کافر بدکار

بیان پر اکتفا کرتی ہوں۔جنگ بدر کے ذکر میں حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ نے اپنے والد بزرگوار کو کہا کہ جنگ میں آپ کئی دفعہ میری زد میں آئے لیکن ہر دفعہ میں نے حملہ سے گریز کیا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر میری نظر تم پر پڑتی تو تم بچ نہ سکتے۔(روض الانف جلد دوم شرح ابن ہشام)اس انصاری خاتون کا واقعہ یقیناً قابل صد ستائش ہے جو جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر میدان جنگ کی طرف بھاگی جارہی تھی ۔ اسے ایک شخص نظر آیا۔ اس نے بے تابانہ پوچھا رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں ؟ اس نے کہا تمہارا باپ شہید ہوگیا ۔پھر اس نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کی خبر دو ۔وہ کہنے لگا تیرا خاوند بھی شہید ہوگیا۔ اس نے پھر رسول اللہ کا پوچھا تو اس شخص نے کہا تیرا بھائی بھی شہید ہوگیا۔اس نے کہا میں تو رسول اللہ ﷺ کا پوچھ رہی ہوں۔ اس نے بتایا کہ وہ تو بفضل تعالیٰ بخیریت ہیں۔ پس اس بہادر خاتون نے وہ تاریخی الفاظ کہے جن سے عورتوں کا سر ہمیشہ کے لئے فخر سے بلند ہوگیا۔اس نے کہا مجھے تو رسول اللہ ﷺ کی ہی فکر تھی۔ اب کوئی مصیبت ایسی نہیں جو قابل برداشت نہ ہو۔ افسوس تاریخ اس فدائی رسول کا نام محفوظ نہیں رکھ سکی ۔ اے عظیم خاتون! تجھ پر لاکھوں سلام۔ گویا یہ نظارہ صحابہ میں ہی نہیں صحابیات میں بھی نظر آتا ہے۔

۳۹ تا۴۳۔**مُسفرۃ** کے معنے صاف اور روشن کے ہیں ۔**غبرۃ** وہ گرد جو آسمان سے زمین کی طرف گرتی ہے ۔غبار ۔گرد۔ **قترۃ** ۔ وہ سیاہ غبار جو زمین سے آسمان کی طرف اٹھتا ہے ۔ **ترھقھا۔رھق** کے معنی عجلت سے چڑھ جانے کے ہیں۔ **کفرہ** عربی زبان میں عموماً ان لوگوں کے لئے بولتے ہیں جو خدا کی نعمتوں کی ناشکری کریں۔(اقرب) **فجرہ** ۔فاجر کی جمع ہے وہ گناہوں کے ارتکاب میں لگ گیا حتّٰی کہ کھلی کھلی بے حیائی کے کام کرنے شروع کردئے۔

روز حشر میں دو گروہوں کا نقشہ کھینچا ایک وہ جو اللہ کے صالح بندے ہیں جن کے اعمال نے انہیں اس مقام پر پہنچایا۔ان کے اعمال کی چھاپ ان کے چہروں پر عیاں ہوگی۔اپنی خوشخبریوں کو پالینے کی خوشی میں ان کے چہرے روشن اور چمکدار ہوں گے۔ خوشی ان کے چہروں سے پھوٹی پڑرہی ہوگی، وہ ہنستے ہوئے ہشاش بشاش ہوں گے۔ دوسرا گروہ ناشکرے بدکار لوگوں کا ہوگا۔ ان کے چہروں پر غم اور ذلت کا غبار چھایا ہوگا فسق و فجور کی سیاہی نے ان کے چہرے

ڈھانپ رکھے ہوں گے۔

بیشک قیامت کو ایسا ہوگا لیکن اس نظارے کا پرتو دنیا میں بھی نظر آتا ہے۔ کفار و فجار کے گناہوں کی نحوستیں ان کے چہروں پر عیاں ہوتی ہیں جبکہ نیکوں کے چہروں پر تقویٰ کی چھاپ ہوتی ہے اور وہ خوشی سے دمک رہے ہوتے ہیں۔

ان آیات سے بعض لوگوں نے غلط استدلال لیا ہے کہ اگر مرنے والے کا چہرہ سیاہی مائل ہوجائے تو وہ جہنمی ہے اور سفید چہروں والے جنتی ہیں حالانکہ ایسا بعض بیماریوں کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ مردے کے چہرے کی رنگت سے جہنمی یا جنتی ہونے کا فتویٰ دینا جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ وہ روسیاہی یا تازگی آخرت میں ہوگی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ تکویر۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی تیس آیات ہیں

یہ قریباً وسطی دور کی مکی سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں آئندہ ہونے والی علمی ترقیات کو بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے۔ پیچھے سے ساعت کا ذکر جاری ہے۔ بیشک ساعت قیامت کبریٰ ہے جب تمام دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی اور پھر انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ لیکن ساعت سخت آفت کی گھڑی بھی ہے جسے پچھلی سورتوں میں یوم الفصل کہا گیا۔ یہاں اس کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قیامت کو اس طرح معلوم کرنا چاہے جس طرح آنکھوں دیکھی اسے **اذا الشمس کُوّرت** اور **اذا السمآءُ انفُطرت** اور **ازا السمآء انشقت**ο سے شروع ہونے والی سورتیں پڑھنی چاہیں (روح المعانی)

ان سورتوں میں ان عظیم ایجادات اور واقعات کی خبر دی گئی ہے جو قیامت کی گھڑی پر گواہ ٹھہریں گے۔ ان ایجادات میں عیسائیت کی ترقی اور اسلام کے تنزل کی طرف اشارہ ہے۔ افسوس اس انسان پر جس نے یہ سارے علوم تو جان لئے لیکن ایک خدا کو نہ پہچان سکا۔

اس چھوٹی سی سورۃ میں تیرہ (۱۳) عظیم الشان پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں جو اس زمانہ میں بڑی شان سے پوری ہوچکی ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۲ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۳ وَاِذَا
جس وقت کہ سورج لپیٹا جاوے اور جس وقت کہ تارے مکدر ہو جاویں اور جس وقت
الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۴ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۵ وَاِذَا الْوُحُوْشُ
پہاڑ چلائے جاویں گے اور جس وقت دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں معطل ہوں گی اور جبکہ وحشی اکٹھے
حُشِرَتْ ۝۶ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۷ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۸
کئے جاویں گے اور جبکہ دریا چیرے جاویں گے اور جس وقت جانیں قسم قسم کی ملائی جاویں گی
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۹ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۱۰ وَاِذَا الصُّحُفُ
اور جس وقت زندہ درگور لڑکی پوچھی جاویگی کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی اور جب کتابیں
نُشِرَتْ ۝۱۱ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۳
پھیلائی جاویں گی اور جب آسمان کی کھال اُتاری جاوے گی اور جب دوزخ بھڑکائی جاوے گی

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۱۱۔ **کُوِّرت۔ کوّر** کے معنی لپیٹے جانے کے ہیں۔ اس طرح لپیٹنا جس طرح گٹھڑی کو گول کرکے باندھتے ہیں (اقرب) **کُوِّرت**۔ لپیٹا جائے گا۔ **النجوم، النجم** کی جمع ہے۔ ستارے۔ نیز جڑی بوٹیاں بھی مراد ہیں۔ **انکدرت۔ کدَرَ۔ انکدار** وہ تغیر ہے جو ایک چیز کے بکھر جانے سے ہو۔ اسی سے کدورت ہے۔ **انکدرت النجوم** کے معنے ہیں۔ ستارے جھڑ گئے۔ (اقرب) **عشار۔ عُشراء** کی جمع ہے۔ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی۔ **عطّلت**۔ معطل کردی جائے گی۔ بیکار ہوجائے گی۔ **وحوش**، وحشی کی جمع ہے۔ وحشی جانور۔ **سُجّرت۔ سَجَرَ** کے اصل معنی زور سے آگ بھڑکانے کے ہیں۔ **سجر الماء** کے معنے ہیں۔ **فجرہٗ** اس نے پانی کو پھاڑا۔ ملادینے کے معنے بھی دیتا ہے۔ **موءٗدۃ** وہ ہے جو زندہ درگور کی گئی ہو۔ (لسان العرب)

قرآن کریم کی آخری سورتیں نہایت عارفانہ کلام، گہرے مطالب اور عظیم پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں آخری زمانہ کی ایجادات اور ان کے نتیجہ میں یوم الفصل کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ جو قیامت پر دال ہے۔

فرمایا یہ وہ زمانہ ہوگا جب سورج ڈھانپ دیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو سورج سے تشبیہ دی گئی اور سراجاً منیراً کہا گیا (احزاب: ۴۷) گویا آپ ﷺ کی روشنی کو اس زمانہ کے دشمن نوعِ انسان کی رہنمائی اور بھلائی کے لئے پہنچنے نہیں دیں گے۔ یعنی انوارِ محمدیہ

کا نزول بند ہوجائے گا اور روحانی تاریکی چھاجائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتداء کروگے ہدایت پاجاؤگے۔ (مشکوٰۃ کتاب المناقب مناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ زرّین) جس طرح سورج کے بعد ستارے کسی حد تک روشنی کا ذریعہ ہیں اسی طرح صحابہ اور بعد میں آنے والے مجددین اور اولیاءِ کرام نے ستاروں کا کام کیا یعنی بندگانِ خدا کی ہدایت کا کام جاری رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ نبی کے متبعین بھی نجوم ہی کی طرح ہوتے ہیں جن سے مسافروں کو راہ کا پتہ ملتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ جون ۱۹۱۲ء) فرمایا یہ وہ زمانہ ہوگا جب علمائے اسلام کی روحانی حالت مکدر ہوجائے گی اور ان کے نور کو گدلا دیا جائے گا، وہ روشنی سے عاری ہوجائیں گے یعنی ہدایت دینے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اب اس زمانہ کی مزید نشانیاں بتلائیں کہ اس زمانہ میں پہاڑ چلائے جائیں گے۔ پہاڑوں کے چلائے جانے میں پہاڑوں کو اڑانا بھی مراد ہے جیسا کہ اس دور میں پہاڑوں کو اڑانا ایک روز مرہ کا معمول بن چکا ہے۔ نیز یہ بھی مراد ہے کہ پہاڑوں جیسے عظیم الشان بحری جہاز اور بڑے بڑے ہوائی جہاز سفر اور بار برداری کے لئے استعمال ہوں گے اور سفر نہایت تیز رفتاری اور سہولت سے طے ہوں گے اور اونٹنیاں جن سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جاتا تھا بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔ صحیح مسلم میں بھی ہے کہ مسیح کے زمانہ میں اونٹ ترک کردئے جائیں گے۔ عرب کی تجارت اور سفر کا مدار تمام تر اونٹنیوں پر تھا اس لئے اونٹنیوں کا ہی ذکر کیا۔ دس ماہ کی گابھن اونٹنی جو عربوں کے لئے بڑی دولت شمار ہوتی تھی اس کی اہمیت ختم ہوجائے گی۔ ایسی نئی نئی سواریاں ایجاد ہو جائیں گی جو اونٹنیوں سے مستغنیٰ کردیں گی۔ یہ آیات قیامتِ کبریٰ پر ہرگز اطلاق نہیں پاتیں کیونکہ اونٹنیوں کا بیکار ہونا قیامت کبریٰ سے تعلق نہیں رکھتا۔ فرمایا اس زمانہ میں وحشی اکٹھے کئے جائیں گے۔ اُس زمانہ میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وحشی جانورِ شیر چیتا وغیرہ کہیں اکٹھے کرکے رکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں چڑیا گھروں کی طرف اشارہ ہے جن میں دور دراز ممالک سے مختلف نوع کے انتہائی وحشی جانور بھی بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ چڑیا گھروں میں منتقل کئے جائیں گے۔ نیز یہ بھی مراد ہے کہ وحشی کہلانے والی قومیں اکٹھی ہوجائیں گی اور اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھائیں گی۔

فرمایا جب سمندروں میں آگ بھڑکائی جائے گی۔ اس دور کے سائنسدانوں نے سمندروں

کے نیچے عظیم آتش فشاں پہاڑی سلسلوں کا پتہ چلایاہے۔ جب ان میں شدید آتش فشانی ہوتی ہے تو سونامی جیسے سمندری طوفان اٹھتے ہیں جو خطرناک تباہی مچاتے ہیں ان پہاڑوں جیسی اٹھتی ہوئی لہروں کے آگے جہاز تنکوں کی طرح اڑجاتے ہیں۔ سجّرت پھاڑے جانے کے معنی بھی دیتا ہے۔ سمندر پھاڑے جانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سمندروں کے راز ہائے بستہ باہر آجائیں گے۔آج سائنسدانوں کو سمندروں کے پاتال تک کی خبر ہے۔نیز نہروں کی طرف اشارہ ہے جو دریاؤں کو پھاڑ کر نکالی جاتی ہیں ۔ملانے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں ۔حضرت ابن عباسؓ نے یہ معنی کئے کہ دریا آپس میں مل جائیں گے ۔ جیسا کہ دو سمندروں کو ملا کر نہر سویز اور نہر پاناما نکالی گئی ہیں۔

نفوس کے ملانے میں جدید سواریوں کے ذریعہ سے مختلف قوموں کا آپس میں ملنا،ان کے باہمی تعلقات کا وسیع ہونااور ان میں سے بعض کا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا بھی مراد ہے۔ غرض ریل اور جہاز سے فاصلے سمٹ گئے اور دور دراز ملکوں کے باسی آپس میں مل گئے۔نفوس کو ملانے میں جدید میڈیکل سائنس کی طرف بھی اشارہ ہے جہاں اس قسم کے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔

مسیح کے نام میں بھی سیاحت کی طرف اشارہ ہے۔چنانچہ مسیح ثانی کے زمانہ میں مختلف سواریوں سے سیاحت نہایت آسان اور آرام دہ ہوگئی ۔ بقول شاعر ؎

مہینوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں   گھروں سے سوا چین ہے منزلوں میں

یہ مساوات کا زمانہ ہوگا ۔طبقۂ نسواں میں بیداری کی لہر پیدا ہوجائے گی۔عورتیں اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گی کیونکہ انہیں بعض بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھا گیا تھا۔فرمایا جب زندہ درگور کی جانے والی اپنے بارہ میں پوچھے گی کہ آخر کس گناہ کی پاداش میں وہ قتل کی گئی ۔گو اس کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوگئی تھی اور اسلام نے عورتوں کے جائز حقوق دلائے لیکن اس کو آخری زمانہ کے نشانات میں رکھا کیونکہ ایسی ہی بعض دیگر بہیمانہ رسوم کو مٹانے کا تعلق اس زمانہ سے ہے۔جس میں ایک ستی کی بدرسم ہے۔جب ہندو بیوہ عورت کو خاوند کے ساتھ زندہ جلادیا جاتا تھا ۔ بیشک یہ پوچھا جانا آخرت کو ہوگا لیکن دنیا میں بھی مقتول کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کی موت کی وجہ بتادے گی کہ اسے گلہ گھونٹ کر مارا گیاہے یا زہر دیا گیاہے ۔ یا ڈبو کر مارا گیاہے۔ اس طرح اس کی طبعی اور غیر طبعی موت کا بآسانی پتہ چل جائے گا۔ پس یہ باتیں ظلم قرار پائیں گی اور مظلوم عورتوں کی فریاد رسی ہوگی۔اس دور میں اس سے مراد یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی غلط تربیت کے نتیجہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کردیتے ہیں۔غرض اسلام نے عورت کو اس کے جائز حقوق دلائے۔اپنے وسیع تر معانی میں یہ آیت اس شان سے پوری ہوئی کہ قتل تو درکنار اگر

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿۱۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿۱۵﴾ فَلَآ

اورجب جنت نزدیک کی جاویگی جان لے گا ہر جی جو کچھ حاضر کیا ہے اس نے پس

یہ ثابت ہوجائے کہ ماں یا باپ نے اپنے بچوں پر کسی قسم کی زیادتی کی ہے تو حکومتیں ان کے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہیں۔فرمایا یہ وہ زمانہ ہوگا جب صحیفے نشر کئے جائیں گے گویا آخری زمانہ کی ایک نشانی یہ بھی بتلائی کہ کتب و رسائل اور صحائف کی اشاعت بہت زیادہ ہوجائے گی۔چنانچہ جس قدر کثرتِ اشاعت اس زمانہ میں ہوئی اور جتنی آسانی سے کتب دستیاب ہیں وہ بیان سے باہر ہے تمام دنیا میں پھیلے ہوئے پریس اس آیت کی صداقت کا ثبوت ہیں۔(قرآن کریم اردو ترجمہ خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۱۲ تا ۱۵۔فرمایا جب آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی گویا اسے ننگا کردیا جائے گا اور اس کے تمام راز ہائے بستہ افشا ہوجائیں گے۔ Asrtronomy (علم ہیئت) میں ترقی اس آیت کی صداقت کی دلیل ہے۔

فرمایا جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔اس دور میں یہ بھی جہنم کا ہی ایک نمونہ ہے جب بعض افراد یا اقوام کو اقتصادی جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ پس جہنم آخرت ہی سے خاص نہیں بلکہ انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں بھی بھڑکائی جائے گی۔یہاں طرح طرح کی بلاؤں اور ہولناک جنگوں کی طرف اشارہ ہے جن میں آتشیں اسلحہ استعمال ہوگا۔ایٹمی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو قیامت کا نقشہ پیش کریں گی اور قیامت کبریٰ پر دلیل ہوں گی۔

فرمایا اس آخری دور میں جنت قریب کردی جائے گی گویا جنت کا حصول نہایت آسان ہوجائے گا ۔معمولی محنت اور قربانی سے جنت کے حقدار قرار پاؤگے ۔ آج ایک احمدی نظامِ وصیت سے منسلک ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حساب سے نہایت معمولی قربانی سے اللہ کے خاص فضل و احسان سے جنت کا اہل قرار پاتا ہے۔ پس کس قدر بدقسمت ہے وہ احمدی جو وصیت کے نظام سے منسلک نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک لمبی حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ ایسے وقت میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔(گویا مادیت کے فروغ کا زمانہ ہوگا اور معمولی قربانی قبول کی جائے گی) (متفق علیہ ۔مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۷) فرمایا ہرجان معلوم کرلے گی جو وہ لائی ہوگی ۔ یوم آخرت کو تو بیشک ہرجان اپنے کئے دھرے کو جان لے گی لیکن جب تقدیر الٰہی دنیا میں خاص طور پر جاری ہوگی تو دنیا میں بھی آخرت کا نقشہ نظر آجائے گا۔ ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں وید میں بھی آخری زمانہ کے متعلق لکھا ہے ۔

اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۱۶ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۱۷ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۱۸

میں قسم کھاتا ہوں پھر جانیوالوں سیدھا چلنے والوں تھم رہنے والوں کی اور رات کی جب چھا جائے

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۱۹ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۲۰ ذِيْ قُوَّةٍ

اور صبح کی جب نکلے یقیناً یہ قول رسول عزت والے کا ہے جو قوت والا

یہ کلجگ ہوگا۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے والا معاملہ ہوگا گویا بدلہ چکاتے دیر نہیں لگے گی۔

۱۶ تا ۱۹۔ **خُنّس خانس** کی جمع ہے ۔ پیچھے ہٹنے والے۔(لسان العرب) اسی لئے شیطان کو **خنّاس** کہاجاتا ہے کیونکہ وہ ذکر الٰہی سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور وسوسہ انداز نہیں ہوپاتا۔ **من شرّالوسواس الخنّاس** (۱۱۴۔۵) شیطان وسوسہ انداز کی بُرائی سے جو (خدا کانام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے ۔(مفردات) **الجوار**۔واحد جاریہ۔چلنے والیاں یعنی کشتیاں۔ **کُنّس** ۔کانس کی جمع ہے۔کناس ہرن کی رہائش کی جگہ ہے **الکانس** اس ہرن کو کہتے ہیں جو اپنی غار میں داخل ہوجاتا ہے۔ **کُنّس** غائب ہوجانے والے۔ **عسعس** اضداد سے ہے جس کے معنی آنے اور جانے کے ہیں۔ **تنفس** سانس لینا ہے۔ **تنفس الصّبح** کے معنی ہیں صبح روشن ہوگئی۔

شروع سورۃ سے ان ایجادات کاذکر ہے جن کاتعلق آج کے دور سے ہے۔فرمایا ایسا نہیں جوتم خیال کرتے ہو۔ میں شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں پلٹنے والی اور چھپ جانے والی کشتیوں کو۔ یہاں اس دور کی ایک عظیم ایجاد یعنی آبدوز کشتیوں کی طرف اشارہ ہے جو خفیہ کاروایاں کرتی ہیں۔ پلٹ کرحملہ کرتی اور پھرسمندر میں غائب ہوجاتی ہیں۔ خنّس کو بصیغہ جمع ذکرکرکے یہ بھی بتلایا کہ یہ ابلیسی گروہ بڑے بڑے بحری جہازوں میں سوار ہوکر اطراف عالم میں اپنے مذہب کا پرچارکرنے ، شیطانی تہذیب کو فروغ دینے ،دنیا کو لوٹنے اور اسلام کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ کرنے کے لئے چکر لگائے گا ۔اس کی کاروایاں کبھی علی الاعلان ہوں گی اور کبھی چھپ کروار کرے گا۔کُنّس میں کنیسہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ کنیسہ والے یعنی عیسائی ہوں گے۔ ان ایجادات کے دور میں اسلام پرایک تاریک رات کا گمان ہوگا کیونکہ اہل اسلام نہ صرف روحانیت میں بلکہ دنیوی علوم میں بھی بہت پیچھے رہ گئے ہوں گے۔فرمایا میں رات کو بطور شہادت پیش کرتا ہوں جب وہ چلی جائے۔ عسعس میں آنے اور جانے کا مفہوم ہے گویا یہ تاریکی کادور دائمی نہیں ہوگا ۔کفر کی رات چھٹ جائے گی اور ایک مامور کے ظہور سے صبح صادق ، تاریکیوں کے پردے پھاڑ کراور زندگی کاپیغام لے کر ایک نئی شان سے طلوع ہوگی۔

عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۲۱ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۲۲ وَمَا صَاحِبُكُمْ

حضور عرش والے رُتبہ والے کے ہے اطاعت کیاگیااس جگہ امین بھی ہے اورنہیں صاحب تمہارا

بِمَجْنُوْنٍ ۲۳ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۲۴ وَمَا هُوَ عَلَى

دیوانہ اور البتہ دیکھا ہے اس نے اسکو اُفق صاف میں اورنہیں وہ

الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۲۵ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۲۶ فَاَيْنَ

غیب بتانے میں بخیل اورنہیں یہ قول شیطان راندہ درگاہ کا پس کہاں

۲۰ تا ۲۵۔ **مکین ۔مکن** ۔مکان ۔ جگہ۔مکین صاحب قدرومنزلت ۔صاحب تمکنت،اونچے درجہ والا۔ **ضنین ۔ضنّۃ** ۔نفیس شے کے متعلق بخل ۔بخل۔ **مطاع** جس کی اطاعت کی جائے ۔

جواب قسم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ عظیم صفات بیان فرمائیں ۔فرمایا یہ ایک ایسے معزز رسول کاقول ہے جوقوت والا ہے او رصاحب عرش کے نزدیک بہت مرتبہ والا ہے ۔ گویا وہ دن قریب ہے کہ ایک کمزور اورحقیر سمجھاجانے والا ذی قوۃ ہوجائے ۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح چند سالوں میں یہ پیشگوئی پوری ہوگئی اورآپ ﷺ کی قوت کے سامنے ساراعرب سرنگوں ہوگیا۔فرمایا اس کا ذی قوۃ ہونا اسے **عندذی العرش مکین** بنادے گا یعنی صاحب عرش کےحضور بہت مرتبہ والا بنادے گا یعنی اللہ کامقرب بن جائے گا۔

فرمایا وہ مُطاع ہے اور صاحب عرش کے حضور امین بھی ہے ۔مطاع عام طور پر امین نہیں ہوتا کیونکہ جس کی اطاعت کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی رنگ میں متکبر ہوجاتا ہے اورلوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرجاتا ہے ۔لیکن یہ ایسا مطاع ہوگا جو نہ صرف اللہ تعالٰی کے حقوق کماحقہ ادا کرے گا بلکہ بندوں کے حقوق بھی پوری امانتداری سے اداکرے گا۔ امین اس لحاظ سے بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالٰی وحی نازل فرماتا ہے اس کے بندوں کو بطور امانت پہنچادیتا ہے ۔اپنی طرف سے کوئی بات نہیں ملاتا ۔ پس جب یہ کہتاہے کہ یہ کلام خدا کاہے تو اس کا یہ دعوٰی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ پس ان صفات کاحامل انسان مجنوں کیونکر ہوسکتاہے ۔تمہارا یہ کہنا کہ آپ ﷺ کا جبریل امین کو دیکھنا گویا آپ کے دماغ کی اختراع تھی ۔ایسا ہرگز نہیں۔ **صاحبکم** میں بتلایا کہ وہ تمہارا ساتھی ہے یعنی تمہیں میں سے ہے ۔تم اس کی امانت و صداقت اورعقل و فراست کے گواہ ہو۔ تمہیں خوب علم ہے کہ وہ مجنوں نہیں ۔وہ رسولِ کریم ہے اورمعزز رسول ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا وہ واقعتاً جبریل امین کو روشن افق پر دیکھ چکا ہے۔

اس معزز رسول کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ غیب کی خبریں بتانے میں بخیل

تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن

تم جاتے ہو نہیں یہ مگر نصیحت جہانوں کے لیے اس کیلئے جو چاہے تم میں سے یہ کہ

يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ ع

سیدھی راہ چلے اور نہیں کچھ چاہ سکتے تم مگر یہ کہ چاہے اللہ رب جہانوں کا

نہیں۔ اسے اپنے ربّ کی طرف سے وحی کی تائید وقوت حاصل ہے۔ اس نے بے شمار غیب کی خبریں بتائیں جو پوری ہورہی ہیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔ ایسا کبھی ممکن نہیں کہ وہ غیبی امور کو اپنے تک محدود رکھے خود تو غیب بیان کرے اور دوسروں کو غیبی قوت نہ دے۔ وہ اپنی پیروی کرنے والوں پر بھی فیضان غیب کرتاہے اور انہیں اپنے ربّ سے ملاتاہے۔

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں۔ کریم۔ ذی قوۃ۔ عندذی العرش مکین۔ مطاع۔ امین۔

۲۶ تا ۳۰۔ فرمایا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش کررہے ہیں وہ دھتکارے ہوئے شیطان کی کہی ہوئی بات نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم جو غیبی امور پر مشتمل ہے، ایسے علوم کا بتانا شیطان کا کام نہیں۔ دھتکارے ہوئے لفظ سے ظاہر ہے کہ جو اس کا ہمنوا ہوگا۔ وہ ذلیل ہوگا جبکہ رسول اللہ ﷺ دن بدن ترقی کررہے ہیں۔

فرمایا جب حقیقت یہی ہے کہ جو قرآن پیش کررہا ہے، پھر اس پیغام الٰہی کو چھوڑ کرکدھر جارہے ہو؟ یہ ابدی احکام وقوانین کسی خاص قوم یا ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہیں گویا ہرفطرت کے انسان کے لئے اس میں ہدایت کا سامان موجود ہے۔ فرمایا نوع انسان میں سے جو قوم یا شخص چاہے قرآنی احکام کے تابع زندگی کی متوازن اور سیدھی راہ اختیار کرسکتاہے۔

اورتم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہ جو اللہ چاہے جو سب جہانوں کا ربّ ہے۔ یہاں بتلایا کہ اللہ کی مشیت نازل ہوچکی ہے کہ تمہاری اصلاح ہو اورتم کامل مومن بن جاؤ پس خدا تعالیٰ کی شریعت کے مطابق اپنے ارادے بنالوتبھی تم سیدھے راستہ پر چلنے کے اہل ہوسکتے ہو اور وہی چاہو جو ربّ العالمین چاہتاہے یعنی اپنے ذاتی رجحانات اور انفرادی مفادات کو پس پشت ڈال دو اور اپنی منشاکو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع کردو۔

☆☆☆

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ انفطار۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بیس آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورۃ ہے۔ اس سورۃ کا مضمون بھی پہلی سورتوں کے مضمون کے تسلسل میں ہی ہے۔ آئندہ زمانہ میں ہونے والے عظیم الشان واقعات اور پیشگوئیوں کا بیان ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانوں کاذکرکیا۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے بیان کے بعد سورۃ کی آخری آیت میں یہ مضمون بیان فرمایا کہ بیشک دنیا میں ملکیت اور فیصلے کا اختیار انسان کو وقتی طور پر کسی حد تک دیا گیا ہے۔ لیکن یوم الدین کو ملکیت اور فیصلے کااختیار کلیۃً اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گا اورانسان کلی طور پر بے اختیار ہوجائے گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۳ وَاِذَا

جبکہ آسمان پھٹ جاوے اور جبکہ تارے جھڑ جاویں گے اور جبکہ

الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۴ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۵ عَلِمَتْ نَفْسٌ

دریا چیرے جاویں اور جب قبریں اکھاڑی جاویں جان لے گا ہر جی

مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۶ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ

جو کچھ آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا اے انسان کس چیز نے فریب دیا تجھ کو تیرے رب کرم

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۶۔ **انفطرت۔ انفطر الشئی** کے معنی ہے کوئی چیز پھٹ گئی۔ **انتثرت۔** وہ بکھرگئی۔ **بعثرت** ۔(بحثر)اکھاڑی گئی ۔ **فجرت۔** وہ پھاڑی گئی ۔ **الفجر** کے معنے کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنے اورشق کردینے کے ہیں ۔(مفردات)

پچھلی سورۃ میں سورج کے لپیٹے جانے اور ستاروں کے ماند پڑنے کا ذکر تھا گویا آسمانی نور مدھم پڑجائے گا۔ یہاں آسمان کے پھٹ جانے اور ستاروں کے جھڑجانے کا بیان ہے گویاانسان آسمانی انوار و فیوض سے کلیۃً محروم ہوجائے گا اور دنیا تاریکی اور ظلمت سے بھر جائے گی ۔ انجیل میں بھی مسیح کی نشانیوں میں سے ہے کہ ستارے جھڑ جائیں گے۔سورج اور چاند کا نور جاتا رہے گا۔

قرآن کریم کی ان آخری سورتوں میں ، آخری زمانہ کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔جب عیسائیوں کا تسلط ہوگا۔ سورۃ مریم :۹۱ تا ۹۲۔ میں بتلایا ۔قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اورزمین شق ہوجائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں اس لئے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا تسلیم کیاہے۔ پس یہی وہ زمانہ ہے جس پر یہ پیشگوئی صادق آئی۔ عیسائیت کا غلبہ اپنے کمال تک جا پہنچا ہے۔ خدائے رحمٰن کے ساتھ بیٹا تسلیم کرنا ہی ایسا ظلم ہوگا گویا آسمان پھٹ جائے گا۔ پس انہوں نے اس قدرشرک سے کام لیاکہ آسمان واقعہ میں پھٹ گیا اور آسمان میں سوراخ ہوگئے ۔

آسمان پھٹنے سے ان تباہیوں ، عذابوں اور زلازل کی طرف بھی اشارہ ہے جو آخری زمانہ سے خاص ہوں گے ۔فرمایا جب سمندر وسیع طور پر پھاڑے جائیں گے ۔یہ آخری زمانہ کی پیشگوئیاں ہیں ورنہ قیامت سے سمندر کے پھاڑے جانے کا تعلق نہیں۔ پچھلی آیت میں **اذا البحار سجرت** اور یہاں **اذا البحار فجرت** کہا ۔گویایہاں دریاؤں سے نہریں نکالنے کی

الْكَرِيْمِ ۝۷ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۸ فِيْٓ اَيِّ

والے کے بارے میں جس نے پیدا کیا تجھ کو پھر ٹھیک ٹھاک بنایا تجھ کو پھر اعتدال سے بنایا تجھ کو جس

صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۹ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۱۰ وَاِنَّ

صورت میں چاہا ترکیب دیا تجھکو ہرگز نہیں بلکہ جھٹلاتے ہوتم قیامت کو اور یقیناً

طرف اور یہاں سمندر کو وسیع طور پر پھاڑنے کی طرف اشارہ ہے ۔مراد نہر سویز اورنہر پانامہ ہے جودونوں طرف سے سمندروں کو پھاڑ کر بنائی گئی ہیں۔(تفصیل سورۃ الفرقان:۵۴) قبروں کا کھودنا بھی اس زمانہ سے ہی خاص ہے جیسا کہ فراعنہ کی قبریں (اہرام مصر) کھودکر ان کی ممیاں دنیا کے مختلف ممالک کے عجائب گھروں میں رکھی گئیں۔ غرض نہ صرف سمندروں کے راز دریافت کرنے کے لئے ان کو پھاڑاجائے گا بلکہ خشکی پر بھی ماہرین آثار قدیمہ گزشتہ تہذیبوں کے مدفن کھود کران قوموں کے حالات کا پتہ چلائیں گے۔تب انسان کومعلوم ہوجائے گا کہ بنی نوع انسان اپنے آگے کیا بھیجتے رہے اور ان کی تہذیبوں کا بعد میں آنے والوں پر کیا اثر ہوا ۔ عیسائیوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب وہ جان لیں گے کہ انہوں نے کیسے اعمال آگے بھیجے اوراپنے پیچھے کیا کیا بُرے اثرات چھوڑے ۔فرداً فرداً بھی ہر شخص کومعلوم ہوجائے گا کہ اس نے کیسے اعمال آگے بھیجے اور اس کے اعمال کا آنے والی نسلوں پر کیا اثر پڑا۔

۷تا۹۔ **غــــــرّ**۔فریب دینا۔ اسی سے غرور ہے ۔غرور سے مال وجاہ ،خواہش نفسانی ، شیطان اورہر وہ چیز مراد ہے جو انسان کو دھوکادے۔(مفردات) **فسوّٰی** میں اشارہ کمال کی طرف ہے یعنی تمام عیوب و نقائص سے پاک کردیا۔ٹھیک ٹھاک بنایا ۔عدل میں اعتدال کی طرف اشارہ ہے ۔تناسب۔ **رکّــب۔ رکّب الشیئ** ایک چیز کے بعض کوبعض پررکھنا ہے ۔ ترتیب دی ۔ **شآء** سے مراد وہ صورت ہے جو اس نے خود پسند کی اورجسے اس کی مشیت نے ترجیح دی۔یعنی ایسا اتفاقی طور پرنہیں ہوا کہ انسان کو اس صورت میں پیدا کردیا بلکہ یہ وہ صورت ہے جسے خدا نے انسان کے لئے پسند کیا۔

ان سورتوں میں آخری زمانہ کی پیشگوئیوں اوراللہ تعالیٰ کے کرم اور احسان کا ذکر تھا ۔فرمایا اے انسان! تجھے تیرے ربّ کریم کے بارہ میں کس نے دھوکے میں ڈال دیایعنی تجھے یہ جرأت کس نے دلائی کہ تو اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کرنے لگا۔حالانکہ تیراربّ کریم ہے ۔کرم تو انسان کو گستاخ نہیں بناتا ۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب دیا کہ جہالت نے ۔حضرت قتادہؓ سے اس آیت کے متعلق روایت ہے کہ شیطان نے ۔ حقیقت تو یہی ہے کہ ایک جاہل انسان اپنی جہالت کی وجہ

عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۱ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۲ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۳

تم پر البتہ نگہبان ہیں بزرگ ہیں لکھنے والے جانتے ہیں وہ جو تم کرتے ہو

سے شیطان کے پیچھے چل پڑتا ہے اور اپنے ربّ کے احسانات اور کرم فرمائیوں پر مغرور ہو جاتا ہے۔ یہاں مسیحی اقوام بھی مخاطب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ صلاحیت اور مادی ترقیات نے مغرور بنادیا۔ حالانکہ خدائی قانون کے تحت خداتعالیٰ کے فضل واحسان سے ترقی کرنے والی اقوام کو اپنے ربّ کا شکر گزار ہونا چاہیئے تھا نہ کہ دوسروں پر فخر کرکے انہیں ذلیل قرار دینا۔ انسان جو اللہ تعالیٰ کی کاریگری کا شاہکار ہے اسے اپنے ربّ کے احسانات کی طرف توجہ دلائی کہ کاش وہ اپنی تخلیق پر ہی غور کرتا۔ اس کے احسانوں میں اوّل انسان کا پیدا کرنا ہے ورنہ اس کی پیدائش کسی اور نوع میں بھی ہوسکتی تھی لیکن ربّ کریم نے اسے اشرف المخلوقات بنایا۔کسی اور جاندار کی تخلیق انسان کی طرح اپنے کمال کو نہیں پہنچی ۔ پھر تسویہ کیا یعنی تمام عیوب و نقائص سے پاک کرکے اعلیٰ درجہ کے کمالات کا مظہر بنایا۔ ایک انسان جہاں دنیوی طور پر عروج حاصل کرسکتا ہے وہاں ایمان و عرفان میں ترقی کرکے اپنے ربّ سے بھی مل سکتا ہے ۔ جو ایک انسان کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہے۔پھر اس کی تعدیل فرمائی یعنی اس کے قویٰ اور صلاحیتوں میں ایک خاص اعتدال اور تناسب رکھا۔ اندرونی نظام میں توازن کے بگڑنے سے بیماری ہوتی ہے۔ جب روحانی نظام میں توازن بگڑتا ہے تو شیطان کو موقع ملتا ہے ۔فرمایا تیرے ربّ نے جو صورت تیرے لئے پسند کی، اس میں تجھے ڈھالا خواہ یہ روحانی صورت تھی یا جسمانی۔ (تفسیر کبیر حضرت مصلح موعود جلد ہشتم تفسیر زیر آیۃ ھٰذا سے استفادہ کیا گیا)

۱۰ تا ۱۳۔ اے انسانو! اپنے ربّ کے احسانوں کو یاد رکھو اور ناشکری سے باز آ ؤ۔ اصل چیز جس نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا ، تمہارا قیامت کو جھٹلانا تھا۔قیامت پر یقین کا نہ ہونا ہی انسان کو اپنے ربّ سے غافل کرتااور اسے اپنے اخلاقی رویہ میں غیر ذمہ دار بناتا ہے ۔ یہود و نصاریٰ بھی مخاطب ہیں جنہیں قیامت پر یقین نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد محض دنیا کمانے تک ہی محدود ہے۔ بیشک ہر الہامی کتاب میں بعث بعد الموت کو بیان کیا گیا تھا جیسا کہ پارسی مذہب کی کتاب ژندو اوستا میں عقیدہ معاد پر بہت زور دیا گیا ہے ۔لیکن توریت اس قدر تحریف کا شکار ہوئی کہ اس کے اجارہ داروں نے اس میں سے عقیدہ معاد بالکل محو کر دیا۔انجیل میں بھی ایسا کوئی ذکر نہیں۔ ویدوں میں بھی سزا بھگت کر سورگ (جنت) میں جانے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

غرض جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اسے اپنے احتساب کی فکر ہوگی اور

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۴ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝۱۵

یقیناً نیکوکار البتہ نعمت میں ہیں اور یقیناً بدکار البتہ دوزخ میں ہیں

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۶ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝۱۷ وَمَآ

داخل ہونگے اس میں جزا کے دن اور نہیں وہ اس سے غائب ہونیوالے اور کس چیز

اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۸ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۹

نے معلوم کروایا تجھکو کیا ہے دن جزا کا پھر کیا جانے تو کیا ہے دن جزا کا

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝۲۰ ع ۱ ۸

جس دن نہ اختیار رکھے گا کوئی جی کسی جی کے لیے کچھ اور حکم اس دن خدا کے لیے ہے

اسے علم ہوگا کہ جب انسان کو نیکی اور بدی کی استعداد بخشی تو ضرور ہے کہ محاسبہ بھی ہو۔پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی اعمال کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور بزرگ فرشتے اس کام پر مامور ہیں۔ آج سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کا ہر قول اور حرکت محفوظ رہتی ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ’’ قرآن کریم میں اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی تربیت اور حفاظت ظاہری و باطنی کے لئے اور نیز اس کے اعمال کے لکھنے کے لئے ایسے فرشتے مقرر ہیں کہ جو دائمی طور پر انسانوں کے پاس رہتے ہیں۔ **وَاِنَّ علیکم لحٰفظین** ------کہ تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں۔(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۷۸،۷۹) لکھنے سے مراد قلم اور دوات سے لکھنا نہیں ۔ان کا اپنا ہی طریق ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔تاہم ہاتھ اور پیر گواہی دیں گے (یٰسٓ :٦٦) جیسا کہ ہر Cell پر اس کا لائحہ عمل درج ہوتا ہے۔کراماً کاتبین کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔وہ من وعن تمہارے قول وفعل کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔نہ اپنی طرف سے کچھ بڑھاتے ہیں نہ کسی کے نیک یا بد عمل میں کچھ کم یا زیادہ کرتے ہیں۔اس کے متعلق سورۃ کہف (آیت ۵۰) میں فرمایا کہ یوم قیامت کو مجرمین یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ ان کے نامہ اعمال میں کوئی چھوٹی یا بڑی بات درج ہونے سے نہیں رہ گئی اور جو کچھ وہ کرتے رہے اسے حاضر پائیں گے۔

۱۴ تا ۲۰۔ **ابرار** ۔ کے معنی ہیں ۔اچھی طرح اطاعت کرنے والے ، نرمی کا برتاؤ کرنے والے ۔خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش کرنے والے ۔(اقرب) **نعیم** جمع نعماء نعمت۔مال ۔ عطیہ۔(اقرب)

اب آخرت کے حالات بیان فرمائے کہ نیکوکار جنت میں ہر نعمت کے حقدار ہوں گے اور بدکردار ضرور جہنم میں ہوں گے۔ یہ فجار کا گروہ ہوگا جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا یہ نہ صرف نعمتوں سے محروم ہوں گے بلکہ ہر عذاب اور ذلت کے اہل ہوں گے۔ دنیا میں جزا سزا کے دن کا انکار کرکے

گناہوں پر دلیر رہنے والے، آخرت میں جزا سزا کے دن ہی واصل جہنم ہوں گے۔

فرمایا وہ اس جہنم سے غائب نہیں ہوسکیں گے یعنی کسی طرح بھی اس سے بچ کر غائب نہ ہوسکیں گے۔ یہ معنی بھی ہیں کہ وہ کبھی بھی جہنم سے غائب نہیں ہوئے۔ دنیا میں بھی جہنم کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے گویا جہنم اب بھی انہیں دیکھ رہا ہے اور کسی حد تک وہ اب بھی جہنم میں ہیں۔ جنت اور جہنم آخرت سے ہی خاص نہیں۔ اگر دیدہ بینا ہو تو انسان دنیا میں ہی جنت اور جہنم کو دیکھ سکتا ہے۔ دنیا میں بھی ابرار کا گروہ مختلف ابتلاؤں او رتنگدستی کے باوجود سکون اور اطمینان کی جنت میں تھا اور فجار مال و دولت کی فراوانی کے باوجود اطمینانِ قلب سے محروم رہے اور اپنے بد اعمال کی پاداش میں مختلف عوارض اور حسد و نامرادی کی آگ میں جلتے رہے۔ یہ آگ وہ اپنے ساتھ ہی لائیں گے جبکہ نیکوکار بھی اعمال صالحہ کی صورت نعمائے جنت اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔

فرمایا تجھے کیا بتائے کہ جزا سزا کا دن کیا ہے۔ مکرر فرمایا کہ تجھے کیا علم کہ وہ کیا ہوگا۔ اس دور کی کیفیت یقیناً اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بتاسکتا۔ فرمایا یہ دن وہ ہوگا کہ جس دن کوئی جان کسی جان کے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھے گی اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہوگا۔ حکم تو ہمیشہ اللہ ہی کا تھا لیکن ملکیت اور فیصلے کا اختیار دنیا میں انسان کو وقتی طور پر کسی حد تک دیا گیا لیکن آخرت میں ملکیت اور فیصلے کا اختیار کلی طور پر خدا کی طرف لوٹ جائے گا اور انسان کلیۃً بے اختیار ہوجائے گا۔

بیشک آخرت میں یہ کچھ ہوگا لیکن دنیا میں بھی ایک قیامت برپا ہوگی جب فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا اور اسلام ایک نئی شان سے ایک بار پھر دنیا پر غالب آئے گا۔ انشاء اللہ۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے قرآن کریم اردو ترجمہ سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً

سورۃ مطففین۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی سینتیس آیات ہیں

یہ بھی ابتدائی مکی زمانہ کی سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں ماپ تول میں کمی کے ذکر میں ہر قسم کی حق تلفی سے منع فرمایا گیا ہے۔ فرمایا ایسے بدکردار لوگوں کے اعمال نامے سجّین میں رکھے جائیں گے اور وہ واصل جہنم ہوں گے۔ ان کے برعکس نیک اعمال بجالانے والوں کے اعمال نامے علیین میں ہوں گے اور وہ اعلیٰ مراتب کے حقدار قرار پائیں گے۔ وہ اپنے ربّ کی دید سے مشرف ہوں گے جو جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

تطفیف کے ضمن میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے متبعین کی ایک مٹھی بھر جماعت کو جس طرح بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا یہاں اس کا نقشہ پیش کیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت ﷺ اور جماعتِ مسلمین کو ہمہ وقت تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کا اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلنا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ یہ زیادتی تمسخر و استہزا تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ کمزور مسلمانوں پر شدید مظالم روا رکھے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے غلاموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر سخت دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے مگر دھوپ کی شدت ان کی دینی حرارت اور جوشِ ایمانی کے سامنے بالکل ناکارہ اور بے حیثیت ہوجاتی تھی اور دشمن ان سے اپنی مرضی کے کلمات کہلوانے میں ناکام رہتا تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۔ از محمد بن عبدالکریم الجزری مکتبہ اسلامیہ طہران) یہاں بتلایا کہ جب اسلام کے نام لیوا کمزور اور عاجز بندوں کو حکومت و غلبہ نصیب ہوا تو انہوں نے اپنے جانی دشمنوں سے احسان کا ایسا سلوک کیا جسے تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

پچھلی سورۃ کا اختتام یوم الدین پر ہوا اس سورۃ کی ابتدا میں اسے یوم عظیم کہا گیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ
ہلاکت ہے کم دینے والوں کے لیے وہ کہ جب ناپ لیویں لوگوں سے
يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۴﴾
پورا لیں اور جب ناپ دیویں یا تول دیویں ان کو تو کم کر دیویں
اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۵﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۶﴾ يَّوْمَ
کیا نہیں جانتے وہ لوگ یہ کہ وہ اُٹھائے جاویں گے ایک دن بڑے کے لیے جس دن
يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ
کھڑے ہوں گے لوگ رب العالمین کے حضور ہرگز نہیں یقیناً عمل نامہ بدکاروں کا البتہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۷۔ **مطفّفین۔مطفّف** ۔سے جمع کا صیغہ ہے ۔ **طفّف المکیال** کے معنی ہیں **نقصہٗ** اس کو کم ماپ کردیا۔ **تفّف** الوزن کے بھی یہی معنی ہیں کہ **نقصہٗ** اس کو کم وزن کر کے دیا۔ **مطففین** کسی کو وزن یا ماپ میں کم دینے والے ۔ **اکتالوا** انہوں نے ماپ لیا۔ اکتال کے دو صلے آتے ہیں من اور علیٰ ۔عربی میں اکتال منہ اور اکتال علیہ دونوں استعمال ہوتے ہیں اقرب نے یہ معنی کئے ہیں کہ اس نے دوسرے سے اپنا حق وزن کر کے لیا اس خصوصیت کے ساتھ کہ پیمانہ اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں اسے جانے نہ دیا۔ **کالوا** انہوں نے ماپ دیا۔ **یستوفون** ۔وہ پورا لیتے ہیں ۔ **اوفوا** ۔پورا کرو۔

بیشک یہاں ماپ تول کا بیان ہے لیکن اس کا استعمال تمام معاملات پر ہے اور ہر قسم کی کمی کرنے والے مراد ہیں خواہ یہ کمی حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ۔ امام مالکؒ نے موطا میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا۔ وجہ پوچھی تو اس نے کچھ عذر کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا تففت ۔تو نے تو لنے میں کمی کردی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ناپ تول سے ہی یہ حکم مخصوص نہیں ، کسی کے حق میں کمی کرنا مراد ہے خواہ کسی صورت میں ہو۔ یہاں ہر وہ شخص مراد ہے جو قوت، عقل ،علم اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دیگر صلاحیتوں کے خرچ کرنے میں اور ظاہری ماپ تول میں کمی کرے۔

صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ کا مقولہ ہے ! نماز ایک پیمانہ ہے جس نے اس سے پورا

سِجِّيْنٍ ﴿۸﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۱۰﴾ وَيْلٌ
قیدیوں کے رجسٹر میں ہے اور کیا جانے تو کیا ہے سجین دفتر ہے لکھا ہوا ہلاکت ہے
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے جو جھٹلاتے ہیں روز جزا کو
وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
اور نہیں جھٹلاتا اس کو مگر ہر حد سے نکل جانیوالا گنہگار جب پڑھی جاویں اس پر ہماری آیتیں
قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا
کہتا ہے کہانیاں ہیں پہلوں کی ہرگز نہیں بلکہ زنگ لگا دیا ہے ان کے دلوں پر اس نے جو تھے

ناپا اس کو پورا ناپ دیا جائے گا اور جس نے ناپنے میں کمی کی تو تمہیں کم ناپنے والوں کی سزا معلوم ہے۔ قرآن کریم میں خاص طور پر اصحاب الایکہ کا ذکر ہے جو حضرت شعیبؑ کی قوم تھی اور ناپ تول میں کمی کی وجہ سے عذاب استیصال کا شکار ہوئی۔ تفصیل کے لئے مناھل العرفان سورۃ الاعراف :۸۶ تا ۹۴ ۔سورۃ ھود:۸۵تا۹۶ سورۃ شعراء رکوع ۱۰۔ یہاں دوسروں کا حق مارنے والوں کے لئے ویل کی تہدید ہے اور گھٹیا قسم کی دکاندارانہ ذہنیت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔اس ذہنیت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جب دوسروں سے اپنے واجبات لئے جائیں تو پیمانے بھر کر لئے جائیں جب ان کے واجبات دینے کا وقت آئے تو ڈنڈی ماری جائے۔ یہاں بتلایا کہ یہ نتیجہ ہوتا ہے آخرت کی جوابدہی سے بے خوفی کا۔حضرت مصلح موعود نے یہاں ایک لطیف اشارہ کیا کہ تم نے خدا کے حضور پیش ہونا ہے اگر تم وہاں کے گھاٹے سے بچنا چاہتے ہو تو بندوں کو بھی کسی قسم کا گھاٹا نہ دو (تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۲۷۵)

اہل مغرب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو عدل کے دعویدار ہیں لیکن انہوں نے اہل اسلام کے معاملہ میں اپنے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھا اور محض اپنے مفاد کی خاطر بندگان خدا پر اپنی بے انصافیوں سے شدید مظالم ڈھائے۔ فلسطین ، عراق ، افغانستان اور لبنان میں کی گئی حالیہ درندگی ان کے ظلم وجارحیت کی تازہ مثالیں ہیں۔

۸ تا ۱۴۔ **سجّین۔سجن** ۔قید خانہ ۔سجن کے معنی دائم اور سخت کے ہیں۔(اقرب) **سجین ۔سجن** سے ماخوذ ہے ۔قیدی ۔ **مرقوم** ۔رقم کی ہوئی۔ رقم کے اصل معنی کتابت کے ہیں۔ (فتح البیان) ضحاکؒ کہتے ہیں ،مرقوم کے معنے مختوم کے بھی ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو۔ کتاب مختوم وہ ہے جو بدلتی نہیں جس کے فیصلے آخری اور قطعی ہوتے ہیں ۔ **معتدٍ۔ اعتداء** کے معنی ظلم کرنے اور حد سے نکل جانے کے ہیں۔

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۶﴾

وہ کماتے ہرگز نہیں یقیناً وہ اپنے رب سے اُس دن البتہ حجاب میں ہوں گے

فرمایا جو تم خیال کرتے ہو ایسا نہیں کہ کوئی جزا سزا واقع ہونے والی نہیں۔ بدکاروں کا اعمالنامہ سجّین میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجّین کیا ہے ۔ اب اس کا جواب دیا کہ وہ ایک سربمہر رجسٹر ہے ۔گویا فجار کے اعمالنامے قیدیوں کے سربمہر رجسٹر میں محفوظ کردئے گئے ہیں ۔ جیسا کہ اس سورۃ میں عیسائیت کا ذکر ہے ۔حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ سجّین کے لفظ میں پیشگوئی ہے کہ جس طرح ان کا معاملہ دوسری اقوام سے لمبا اور سخت تھا اسی طرح ان کے ساتھ معاملہ بھی لمبا اور سخت ہوگا ۔(تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۲۹۱)

مکذبین کو اپنے انجام کا علم ہے اس کے باوجود وہ جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اس کی دو وجوہ بیان فرمائیں اوّل اعتداء اور دوم اثم۔یہی وہ دونوں چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان یوم الدین کو بھول جاتا ہے ۔اعتداء میں ہر قسم کا ظلم و زیادتی ۔فسق و فجور اور بغی و سرکشی شامل ہے۔ اثم میں دیگر تمام گناہ داخل ہیں جن کو نہ کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا۔ اس کے باوجود وہ سرکشی اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ۔ لیکن انسان آخر پکڑا جاتا ہے جب اپنی بیباکیوں میں حد سے گزر جاتا ہے ، ورنہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے ۔ وہ چھوٹی موٹی خطاؤں سے صرف نظر فرماتا ہے ۔ اعتداء و اثم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کہنا شروع ہوجاتا ہے گویا وہ قرآنی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصائح کو دور حاضر میں قابل عمل نہیں سمجھتے ۔جیسا کہ اس سورۃ میں عیسائیت کا ذکر ہے ۔آج بھی قرآن پر یہی الزام لگایا جاتا ہے۔ پادری ٹسڈل نے ''ماخذ قرآن'' لکھ کر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن ،دوسری کتابوں سے نقل کیا گیا ہے ۔یہاں ایک پیشگوئی بھی ہے کہ آخری زمانہ میں جب عیسائیت غالب آجائے گی تو اسلام اور بانیٔ اسلام پر یہی الزام عائد کریں گے ۔'' ماخذ قرآن'' اور ایسی ہی دیگر کتب اس کا ثبوت ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں انبیاء کے قصوں میں غیب کی پیشگوئیاں ، نصائح اور ایسی عظیم الشان صداقتیں ہیں جن کا گزشتہ کتابوں کے قصوں میں عشر عشیر بھی نہیں۔ وہ کتابیں اس قدر تحریف کا شکار ہوئیں کہ ان میں موجود انبیاء کی کہانیاں اس وقت محض بیہودہ اور شرمناک قصوں کے طور پر باقی ہیں۔ اگر ان میں کچھ صداقتیں باقی ہیں تو وہ قرآن کریم کے اندر داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر ہشتم از مصلح موعود تفسیر زیر آیۃ ھٰذا سے استفادہ کیا گیا)

۱۵ تا ۱۸ ۔ **ران ، رین** سے مشتق ہے جس کے معنی زنگ اور میل کے ہیں ۔

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۸﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۹﴾ وَمَآ

پھر بے شک وہ داخل ہونیوالے ہیں دوزخ میں پھر کہا جادیگا یہ ہے وہ کہ تھے تم جس کو جھٹلاتے ہرگز نہیں یقیناً عمل نامہ نیکوں کا البتہ عالی مرتبہ لوگوں کے رجسٹر میں ہیں اور کیا

لفظ کلّا حروف ردع ہے جس کے معنے دفع کرنے اور زجر و تنبیہ کرنے کے ہیں۔ملحقہ آیت میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا کہ وہ آیاتِ الٰہی کو کہانیاں کہہ کر جھٹلاتے ہیں ۔ اس آیت میں لفظ کلّا سے اس پر تنبیہ ہے کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ۔تمہاری بداعمالی نہ صرف یہ کہ تمہارے ریکارڈ میں محفوظ کردی جائے گی بلکہ یہ تمہارے دلوں کو زنگ آلود کرنے کا ذریعہ بھی ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر اس نے توبہ کرلی اور اس پر نادم ہوکر آگے اپنے عمل کو درست کرلیا تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصل حالت پر منور ہوجاتا ہے۔اگر اس نے توبہ نہ کی بلکہ اپنے گناہوں پر زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہی اس کے سارے قلب پر چھاجاتی ہے ۔ اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآن **بل ران علیٰ قلوبھم** میں مذکور ہے ۔(احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔مظہری)

دوسرے کلّا میں تنبیہ فرمائی کہ اس زنگ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یقیناً اُس دن وہ اپنے ربّ کے دیدار سے محجوب کردئے جائیں گے ۔ پس قلب انسانی پر اس کی بداعمالی سے جو پردے پڑتے ہیں ان میں اوّل زنگ لگتا ہے پھر مہر لگتی ہے پھر قفل لگ جاتا ہے ۔اس دوران جب بھی اپنی بداعمالیوں سے توبہ کر کے نیک اعمال کی طرف رجوع کرے تو اوّل زنگ صاف ہوجاتا ہے پھر مہر ٹوٹتی ہے اور پھر قفل کھلتا ہے اور بندہ اپنے نیک اعمال سے اپنے ربّ کو دیکھنے کے قابل ہوجاتا ہے یہ رؤیت اس کے بندوں کو دنیا میں بھی نصیب ہوتی ہے لیکن آخرت میں کھلی کھلی ہوگی۔ افسوس انسان کی بداعمالی زنگ بن کر اس کے دل پر جم جاتی ہے اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے ۔یہ محرومی اسے دنیا میں بھی اپنے ربّ کے دیدار سے محروم رکھتی ہے لیکن آخرت میں کھل کر سامنے آئے گی جس دن وہ اپنے ربّ کی رؤیت سے محروم کردئے جائیں گے۔بالآخر ان کی بداعمالی ان کے جہنم میں داخلے کا سبب بنے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے جسے تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے ۔ پھر ضرور وہ جہنم میں داخل ہوں گے تا وہ زنگ جو انہوں نے خود اپنے اعمال سے لگایا جہنم کی بھٹی میں پڑ کر دور ہو۔

اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۲۰﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۱﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۲﴾
جانے تو کیا ہے علیون دفتر ہے لکھا ہوا حاضر رہتے ہیں اس پر مقرب

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۳﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۴﴾
یقیناً نیکوکار البتہ نعمت میں ہونگے تختوں پر دیکھتے ہوں گے

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۵﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ
پہچانے گا تو ان کے چہروں میں تازگی نعمت کی پلائے جاویں گے

رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۶﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
شراب خالص مُہر کی ہوئی کہ مہر کرنے کی چیز اسکی مُشک ہے اور اس میں پس رغبت کریں

۱۹ تا ۲۵۔ **علیین** ۔اعلیٰ مقامات۔ اعلیٰ مدارج (مفردات) **نضرہ**۔نعمت ۔عیش ۔حسن ۔چمک ۔طراوت (اقرب)

علیین، سجین کے مقابل پر ہے ۔فرمایا جوتم سمجھتے ہو ویسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ ابرار کا اعمالنامہ علیین میں ہے۔ سجین میں قیداور تنگی کی طرف اشارہ تھا ۔اس کے مقابل پر علیین فرمایا گویا وہ ایسے بلندترین مقام ہوں گے جن میں وسعت اور کشادگی ہوگی اورترقی کے لامتناہی مدارج ۔ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالکؓ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں آپ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جنت میں جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ (ابن ماجہ ۔طبرانی۔بیہقی) اس سے ظاہر ہے کہ جہاں فجار کو قید کے انداز میں رکھا جائے گا وہاں ابرار کو آزادی اور حریت نصیب ہوگی۔ وہ جہاں چاہیں گے جائیں گے گویا جس طرح فجار نے اپنے نیک اعمال کادائرہ بہت محدود رکھا اور ان کی بجاآوری میں کوتاہی کی اسی طرح انہیں سجین یعنی ایک قید کی حالت میں رکھا جائے گا۔ جبکہ ابرار نے اپنے نیک اعمال کا دائرہ غیر معمولی طور پر وسیع رکھا اس لئے انہیں علیین میں رکھا جائے گا جہاں ان کی روح آزاد ہوگی اور وہ جنت میں جہاں چاہے گی جائے گی تاہم جنت میں مومنوں کے درجات کوملحوظ رکھاجائے گا۔ فرمایا تجھے کیامعلوم کہ علیین کیاہے ۔یہ لکھا ہوا دفتر ہے جسے مقرب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

فرمایا یقیناً نیک لوگ آسائش میں ہوں گے ۔ آراستہ تختوں پر متمکن نظارہ کررہے ہوں گے ۔یہ بھی مراد ہے کہ اپنے ربّ کو دیکھ رہے ہوں گے ۔ جو جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ توان کے چہروں سے خدا تعالیٰ کی نعمت کی تازگی و شادابی پہچان لے گا۔ گویاان کے چہروں کی شادابی کاباعث رویت الٰہی ہوگی۔

۲۶ تا ۲۹ ۔**رحیق**۔اعلیٰ درجہ کی صاف و شفاف شراب۔**مسک**۔مُشک۔**فلیتنافس**

الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۸﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ
رغبت کرنے والے اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے جو چشمہ ہے کہ پیئے ہونگے

بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ
اس سے مقرب خدا کے یقیناً وہ جو گنہگار ہوئے تھے ان میں سے جو

اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا
ایمان لائے ہنستے ہیں اور جب گذرتے ہیں ان پر اشارہ کرتے تھے اور جب

انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا
پھر جاتے ہیں اپنے لوگوں کی طرف پھرتے ہیں باتیں بناتے ہوئے اور دیکھتے ہیں ان کو کہتے ہیں

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَضَاۗلُّوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۴﴾
یقیناً یہ لوگ البتہ گمراہ ہیں اور نہیں بھیجے گئے ان پر نگہبان

چاہیے کہ اسی سے رغبت رکھیں ۔ **المتنافسون** ۔رغبت رکھنے والے ۔ یہ نفس سے ہے ۔ **تنافس** کسی مرغوب ومحبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھنااور چھینا جھپٹی کرنا ہے۔ یہاں غافل انسان کو متنبہ کیاکہ تم جو ناقص اور فانی نعمتوں کومقصود زندگی سمجھ کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو ،اگر یہ نہ بھی حاصل ہوئیں تو بڑے صدمہ کی بات نہیں ۔البتہ تنافس اور مسابقت کرنے کی چیز جنت کی نعمتیں ہیں ۔**مزاجہ۔مزاجًا** کے معنے **خلطہ بہ** کے ہیں ۔کسی چیز سے اس کو ملادیا۔(اقرب)جیسے خلط ملط کرنا۔ **تسنیم** کے معنے بلندی کے ہیں ۔ ایسا پانی جو بلندیوں سے ان کے اوپر بہتاہے۔(اقرب)اونچائی سے بہنے میں ان کے مراتبِ عالیہ کی طرف اشارہ ہے۔رحیق مختوم سے مراد سربمہر شراب ہے۔ گویا وہ ایسی شراب ہوگی جسے بوجہ نہایت عمدہ و اعلیٰ ہونے کے مُہر لگائی ہوگی ۔ یہ بھی مراد ہے کہ اسے کسی نے چکھا نہ ہوگا۔ فرمایا یہ مُہر مشک کی ہوگی۔رحیق مختوم میں اشارہ ہے کہ جیسے ان کے اعمال خالص اور محفوظ تھے ویسے ہی ان کی جزا بھی خالص ہوگی۔ فرمایا رحیق مختوم کاملنا ایسا ہے کہ اس کے لئے رغبت رکھنے والے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں ۔رحیق مختوم میں تسنیم کی ملونی ہوگی ۔یہ ایک ایسا چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے۔

جنت کی نعمتوں کا حقیقی علم تو وہیں جاکر ہوگا انشاء اللہ ، تاہم رحیق مختوم عشق الٰہی کی شراب بھی ہے جسے ایک مومن دنیا میں بھی پیتاہے۔

۳۰ تا ۳۷۔**یضحکون۔ضحک**۔ ہنسا۔بطور استعارہ ضحک بمعنی تمسخر بھی آتا ہے۔ **یضحکون** وہ ہنستے ہیں۔**یتغامزون۔ الغمزہ**۔ کے معنی کسی کی عیب جوئی کرتے ہوئے اس کی

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۵﴾ عَلَى

پس آج وہ جو ایمان لاتے ہیں کافروں سے ہنستے ہیں

ع الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۷﴾

تختوں پر دیکھتے ہیں کیا بدلہ دیئے جاتے ہیں کافر اس کا جو وہ کرتے تھے

طرف ہاتھ یا پلک سے اشارہ کرنے کے ہیں (مفردات) **یتغامزون**۔ وہ حقارت سے اشارہ کرتے ہیں۔ **فکھین۔فاکھة** کالفظ ہر قسم کے میوہ جات پر بولا جاتا ہے۔ خوش گپی کے لئے بھی آتا ہے۔ بیہودہ باتیں بنانا۔

فرمایا مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ جب ان کے پاس سے گزرتے تو بطور استہزا آنکھوں سے اشارے کرتے ہوئے گزرتے تھے گویا یہ ہیں وہ جن کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ جب اپنے اہل وعیال یا قوم کی طرف لوٹتے تو بیہودہ باتیں بناتے ہوئے لوٹتے۔ جب مومنین کو دیکھتے تو کہتے یہی ہیں جو گمراہ اور بیوقوف لوگ ہیں۔ یہ تھا مکی زندگی کا نمونہ جو ان آیات میں پیش کیا گیا اب یہ ساری کاروائیاں مسیح محمدی کی ایک کمزور جماعت پر ایک بار پھر دہرائی جارہی ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے کہ ان کا محاسبہ کرتے۔

فرمایا آج کے دن ایمان لانے والے کفار پر ہنسیں گے یہ ہنسنا مجازی رنگ میں ہے گویا وہ خود ہنسی کا مقام بن جائیں گے ورنہ مومن کسی کے دکھ کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔ وہ آراستہ تختوں پر بیٹھے ان کا حال دیکھ رہے ہوں گے کہ کیا کفار اس کی پوری جزا دیئے گئے ہیں جو وہ کیا کرتے تھے۔ گویا ان کی یہ حالت ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ بیشک یہ تمام آیات آخرت پر اطلاق پاتی ہیں لیکن دنیا پر بھی بطور پیشگوئیوں کے چسپاں ہوتی رہی ہیں۔ مکہ میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت میں ان آیات کا نزول عظیم پیشگوئیوں پر مشتمل تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور بعد میں بھی کس شان سے پوری ہوتی رہیں۔ ان پیشگوئیوں نے پورا ہوکر آخرت کے عذاب وثواب کی بھی تصدیق کردی۔

فرمایا آج کے دن مومن کفار سے ان کی ہنسی کا بدلہ لیں گے۔ یہ بدلہ اوّل فتح مکہ کے موقع پر نظر آتا ہے جب اپنے جانی دشمنوں کو **لاتثریب علیکم** کہہ کر معاف فرمادیا اور بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ اور دنیا جہان کی نعمتیں ان پر لٹادیں۔ پھر حکومت اور ملکی اختیار ملنے پر یہ بدلہ انصاف کی صورت لیا گیا۔ جب کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں تھی۔ ان کا تختوں پر بیٹھ کر دیکھنا یہی تھا کہ جب وہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے تو نگرانی کریں گے کہ رعایا پر کوئی

ظلم یا ناانصافی تو نہیں ہورہی۔

جیسا کہ اس سورۃ میں مغربی اقوام کا ذکر ہے یہاں یہود ونصاریٰ کی زیادتیوں پر فرمایا کہ وہ تم پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے جیسا کہ مغربی اقوام حفاظت اور حقوق دلوانے کو بنیاد بنا کر کمزور ملکوں پر قبضہ کرتی چلی جاتی ہیں۔ فلسطین، عراق، افغانستان اور لبنان پر حالیہ حملے سب حفاظت دینے کی آڑ میں کئے جارہے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ہشتم از حضرت مصلح موعود صفحہ ۳۲۳ تا ۳۲۷ سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً

سورۃ انشقاق۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چھبیس آیات ہیں

یہ بھی ابتدائی مکی دور کی سورۃ ہے۔اس سورۃ میں پھر آسمان کے پھٹنے کا ذکر فرمایا لیکن اس میں عذاب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔زمین کے پھیل جانے میں ایک عظیم الشان پیشگوئی فرمائی جو اس دور میں پوری ہوئی اور زمین نے اپنے سارے خزانے اُگل دئے۔آیت :۷ میں فرمایا کہ انسان کو اپنے ربّ کی لقاپانے کے لئے شدید محنت کرنا ہوگی۔

آخرت میں داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دئے جانے والوں کو **حسابًا یسیرا** کی خوشخبری دی جبکہ پیٹھ کے پیچھے سے اعمال نامہ دئے جانے والوں کو بڑھکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے کی خبر دی۔

آیت:۱۷ سے روحانی نقطہ نظر سے اسلام کی ترقی اور تنزل کے مختلف ادوار کا ذکر کیا اور واضح کیا کہ بعثتِ مسیح سے اسلام کی ترقی وابستہ ہے جب نور چہار دانگ عالم میں پھیلے گا۔ انشاء اللہ۔ پھر جہنم اور جنت کے احوال سے سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

شروع ساتھ نام اللہ رحمٰن رحیم کے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۲﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّہَا وَحُقَّتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا

جس وقت کہ آسمان پھٹ جاوے اور کان رکھے اپنے رب کیلئے اور اسی لائق ہے اور جب

الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۴﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِیْہَا وَتَخَلَّتْ ﴿۵﴾ وَاَذِنَتْ

زمین کشادہ کی جاوے اور اگل دے جو اس میں ہے اور خالی ہو جاوے اور کان رکھے

لِرَبِّہَا وَحُقَّتْ ﴿۶﴾ یٰۤاَیُّہَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ

اپنے رب کیلئے اور اسی لائق ہے اے آدمی بیشک تو مشقت کرنیوالا ہے اپنے رب کیلئے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۶۔ **انشقّت** ۔**شقّ** شگاف ہونا اور پھٹنا ہے۔**شقّت** ۔وہ پھٹ گئی۔ **اذنت** ۔**اُذن** کان ہے نیز توجہ سے سنا۔ **اذنت** ۔ وہ سنے گی۔ کان دھرے گی۔ **حُقّت** (حق) لازم کیا گیا ہے۔**مُدّت** ۔**مدّ** کے اصل معنی لمبائی کے ہیں جیسا کہ الفاظ پر مدّ ڈالا جاتا ہے۔کھینچنا اور بڑھانا۔ اسی سے عرصہ دراز کو مدت کہتے ہیں۔ **مُدّت** ۔وہ کھینچی گئی ۔ کشادہ کی گئی۔

ان تینوں سورتوں یعنی سورۃ تکویر، سورۃ انفطار اور سورۃ انشقاق میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے۔سورۃ مطفّفین بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے لیکن اس میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر نہیں۔بیشک ایسا آخرت میں ہوگا لیکن یہ آیات دنیا پر بھی اطلاق پارہی ہیں۔آسمان کے پھٹنے سے عذاب اور رحمت دونوں کا نزول مراد ہے۔سورۃ تکویر اور سورۃ الانفطار میں آسمان کا پھٹنا عذاب کی طرف اشارہ کرتا ہے یہاں رحمت مراد ہے اس لئے کہ اس کے بعد **اذنت لربّھا و حُقّت** ط کے الفاظ رکھے ہیں۔ یعنی آسمان اپنے ربّ کی باتیں سننے کے لئے کان دھرے گا اور یہی اس پر لازم کیا گیا ہے گویا آسمان کا حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔اس کا پھٹنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ہوگا۔پس اس پھٹنے سے علومِ آسمانی کا ظہور ہوگا۔یہ علوم روحانی بھی ہوں گے اور مادی بھی۔ سورۃ تکویر اور انفطار میں بے شمار نئی ایجادات کے ذکر میں عیسائیت کی ترقی اور اسلام کے زوال کی طرف اشارہ تھا۔اس سورۃ میں **اذنت لربّھا و حُقّت** میں اسلام کی ترقی کی طرف اشارہ ہے ۔ دراصل تمام الہامی کتابیں استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ’’قرآن کریم کے ہر لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے۔اللہ جلّ شانہٗ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعاراتِ لطیفہ سے بھرا پڑا ہے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۴۹تا۱۵۱۔ حاشیہ درحاشیہ)

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۷﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۸﴾ فَسَوْفَ

خوب محنت کرکے۔ پس ملنے والا ہے اسکو۔ پس جو کوئی دیا جاوے گا اپنا عمل نامہ اپنے داہنے ہاتھ میں تو البتہ

پس اس سورۃ میں آسمان کا شق ہونا آسمان سے رحمت کا نزول اور متواتر نشانات کا ظاہر ہونا ہے۔زمین کے پھیل جانے سے مراد اس کی وسعت کا بڑھ جانا ہے۔جیسا کہ امریکہ وغیرہ کی دریافت سے زمین کی وسعت بہت بڑھ گئی ۔فرمایا زمین اپنی اندرونی طاقتیں ، برکات اور علوم و خزائن باہر نکال دے گی ۔گزشتہ مفسرین نے بھی دجال کے وقت خزانوں کا باہر نکلنا مراد لیا ہے گویا زمین سے تعلق رکھنے والے علوم وانکشافات جو پہلے مخفی تھے اب ظاہر ہوجائیں گے۔جس طرح اس دور میں زمین نے معدنیات کے خزانے اگلے اور علم طبقات الارض میں ترقی ہوئی ، گزشتہ زمانہ میں کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

۷۔پچھلی سورتوں میں دنیوی علوم وفنون اور مختلف ایجادات کا ذکر تھا جس میں انسان نے شدید محنت کرکے اپنے مقصود کو حاصل کیا۔ بیشک یہ جائز ہے اوراس سے بنی نوع انسان کی خدمت کرکے اپنے ربّ کوراضی کیاجاسکتا ہے۔لیکن اے انسان ! یہ تیری زندگی کا مقصود حقیقی نہیں تو اپنی ساری مشقت اور توانائیوں کو اپنے ربّ کی مرضی کے تابع لوٹادے ۔اگر ایسا ہوتا تو بنی نوع انسان کے لئے فائدہ مند ایجادات توہوتیں مگرتباہ کن ہتھیاروں کا وجود نہ ہوتا۔ پس تیری محنت و کاوش اپنے ربّ کی رضا کے لئے ہو اور تیری عبادت و ریاضت کا مقصد بھی یہی ہو۔ یہاں لقاء الٰہی کے لئے کدح کی شرط رکھی۔ کدح کسی کام میں ایسی شدید محنت ہے کہ اس کا اثر جسم پر محسوس ہو۔ گویا ربّ کو ملنا آسان نہیں، ایسی محنت او رمجاہدہ درکار ہے کہ اس کا اثر انسان کی ہڈیوں تک پہنچ جائے۔ یہ مقامِ عشق ہے جب انسان اپنے ربّ کے عشق میں فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو ضرور اپنے ربّ سے ملاقات کرنے والا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ'' خدا تعالیٰ کی محبت اس قدر استیلاکرے (غالب ہو) کہ ماسوی اللہ جل جاوے''(الحکم جلد ۹نمبر ۳۵ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸)حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ۔''حدیث شریف میں ہے خداکے بندے تن آسان اورتن پرور نہیں ہوتے اور خاص طور پر خدا کی رضا کو پالینا اور اس سے ملاقات کرنا دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ۳۴۹)حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس آیت کی تشریح تفسیر صغیر میں فرماتے ہیں۔اللہ کی زیارت عمر بھر محنت کرکے حاصل ہوتی ہے الّا ان یشاء اللہ۔

بیشک انسانی فطرت نیک اور پاک ہے اس میں نور فطرتاً ہوتا ہے لیکن اس نور پر کچھ

يُّحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۹﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۰﴾ وَ

دیا جاوے گا حساب آسان اور آوے گا واپس اپنے لوگوں کی طرف خوش وخرم اور

اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۱﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۲﴾

لیکن جو کوئی دیا جاویگا اپنا عمل نامہ اپنی پشت کی طرف سے تو عنقریب وہ پکارے گا ہلاکت کو

وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۴﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ

اور داخل ہوگا دوزخ میں یقیناً وہ تھا اپنے لوگوں میں خوش وخرم یقیناً اس نے گمان

اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۚ﴿۱۵﴾ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۶﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ

کیا تھا کہ ہرگز نہ وہ پھر آئیگا کیوں نہیں یقیناً اس کا رب تھا اس کو دیکھنے والا پس میں قسم کھاتا ہوں

پردے پڑے ہوتے ہیں ۔کدحاً سے ان پردوں کو ہٹاکر آسمانی نور کو اندرداخل ہونے کا راستہ دیاجاتا ہے ۔پس انبیاء و اولیاء اس نور کو محنت اور مشقت سے بڑھاتے ہیں۔پھر جس طرح دنیا کی محنت کو پھل لگتا ہے اسی طرح روحانی محنت کوپھل لگتے ہیں اور خدا مل جاتا ہے ۔لیکن اکثرلوگ اس راہ ہی میں تھک ہارکر بیٹھ جاتے ہیں اورلقاء الٰہی سے محروم رہتے ہیں تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کے خاص فضل پر موقوف ہے ۔یہاں ایک انسان مخاطب نہیں جماعتِ مومنین سے خطاب ہے کہ تیرے لئے تیرے ربّ سے ملنے کا راستہ کھلا ہے ۔پس اے جماعتِ مومنین ! تو صحیح عبادت و مجاہدہ سے آخر اپنے ربّ سے ملاقات کرے گی۔یہ ملاقات دنیوی بھی ہے اور اخروی بھی۔ تاہم دنیوی ملاقات کے لئے الہام وکشوف اور خدا کا کلام قائم مقام دیدار کے ہے ورنہ ان ظاہری انکھوں سے خدا کا دیدار نہیں ہوسکتا۔

۸ تا۱۶۔ **ثبورًا ۔الثبور** کے معنی ہلاکت او رفساد کے ہیں۔(مفردات) **یحور** ۔ (حارا)۔وہ لوٹ کرآ تا ہے۔**تحیّر**۔وہ متحیر ہوگیا۔مراد حالت کا بدلنا ہے۔**لن یحور**۔ وہ ہرگز اٹھایا نہیں جائے گا۔(مفردات)

داہنا ہاتھ نیکی کی علامت ہے ۔جب ایک انسان اللہ کی رضا کے تابع زندگی گزارکر اپنے ربّ کے حضور حاضر ہوگا اور اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیاجائے گا تو یقیناً اس کا آسان حساب لیاجائے گا۔ وہ جان جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنتی قرار دیا ہے اور وہ اپنے جنتی اہل وعیال کی طرف خوش وخرم لوٹے گا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے بھی قیامت کے دن حساب لیا گیا پس وہ ہلاک ہوا۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ نے خود نہیں فرمایا ''جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیاجائے گا تو عنقریب اس سے ایک ہلکا حساب لیاجائے گا'' اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو صرف پیشی ہوگی۔

بِالشَّفَقِ ﴿۱۷﴾ وَالَّیۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۸﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۹﴾ لَتَرۡکَبُنَّ
شفق کی — اور رات کی اور جس کو اکٹھا کرتی ہے — اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے — البتہ تم سوار ہو گے
طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۲۰﴾ فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیۡهِمُ
درجہ بدرجہ — پس کیا ہے انکو نہیں وہ ایمان لاتے — اور جب پڑھا جاتا ہے ان پر

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جس سے مناقشہ (کھود کرید) کیا گیا، اس پر عذاب یقینی ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تین خصلتیں ہیں، کہ ان سے حساب یسیر ہوگا۔ایک یہ کہ جو اسے محروم رکھے اورنہ دے، اسے دیا کرے۔دوسرے یہ کہ جو ظلم کرے اس کو معاف کرے۔ تیسرے یہ کہ جو اس سے قطع رحمی کرلے ، وہ اس سے وصل کرے۔(انّ ذٰلک من عزم الامور) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲جون ۱۹۱۲ء)

اس کے برعکس جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ ہلاکت کو پکارے گا۔ یہ بھی مراد ہے کہ جس طرح بدیاں چھپ کرکیں اسی طرح اس کا اعمال نامہ بھی چھپا کر دیا جائے گا ۔یہ وہ لوگ تھے جو دنیامیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہنسی خوشی رہا کرتے تھے۔ وہ یقیناً اللہ کی طرف لوٹ کر آنے پر یقین نہیں رکھتا تھا یا یہ یقین نہیں رکھتا تھا کہ فراخی کے بعد کبھی تنگی بھی آئے گی کیوں نہیں! یقیناً اس کا ربّ اس کے اعمال کو دیکھ رہا تھا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص یہاں اپنے اہل وعیال اور دیگر مصروفیات میں اس طرح محو رہا کہ اپنے ربّ کو بھلائے رکھا وہ آخرت میں ضرور نقصان اٹھائے گا۔ دوسری جگہ مومنین کی صفت یہ بیان فرمائی **انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین** (سورۃ طور:۲۵) کہ وہ اس سے پہلے اپنے اہل و عیال میں بہت ڈرے ڈرے رہتے تھے۔ مبادا ان سے اللہ کی رضا کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہوجائے ۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ سورۃ طور:۲۷)

۱۷ تا ۲۰۔صحاح میں علامہ جوہرؔی لکھتے ہیں کہ شفق سورج کی بقیہ روشنی اور اس کے ساتھ اس کی سرخی کو کہتے ہیں جو ابتداء شام سے اندھیرا ہونے کے قریب تک چلی جاتی ہے۔**وسق** متفرق چیزوں کا جمع کرنا ہے ۔ سمیٹنا ۔وسق ایک اندازہ معین کو بھی کہتے ہیں ۔جو قریباً ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے ۔تسق اور وسق کا ایک ہی مادہ ہے۔ الاتّساق کے معنی کسی چیز کے اجزا کے مجتمع اور پورے طور پر اکٹھا ہوجانا کے ہیں۔(مفردات) **والقمر اذا اتّسق**۔اورچاند کو جب وہ

کامل ہو جائے ۔حضرت ابن عباسؓ اتّسق کے معنی استویٰ کے کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ چاند تیرھویں رات کا ہوگیا۔ اتّسق کے معنی علامہ شوکانؔی نے فتح القدیر میں یہ کئے ہیں کہ جس طرح تیرھویں ، چودھویں پندرھویں اور سولھویں کا چاند قریباً مکمل ہوتا ہے۔اسی طرح تیرھویں، چودھویں، پندرھویں اور سولھویں صدی میں اسلام کی ترقی مکمل ہوتی چلی جائے گی۔

(تفسیر صغیر حضرت مصلح موعودؓ صفحہ ۸۱۴)

یہاں روحانی نقطہ نظر سے اسلام کے تنزل اور اس کی ترقی کے مختلف ادوار کا ذکر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجِ منیر کہا گیا جس نے تین صدیوں تک اپنی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم کو منور رکھا ۔ یہاں بتلایا کہ اسلام پر شفق اور لیل کا زمانہ بھی آئے گا۔پس جب اسلام کا سورج غروب ہونے کے قریب ہوگا تو لازماً شفق والی حالت پیدا ہوگی اور اسلام کا نور مدھم پڑنا شروع ہوجائے گا گویا سورج موجود تو ہوگا مگر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوجائے گا اور لوگ اس سے فائدہ حاصل نہ کریں گے یعنی امت بگڑ جائے گی۔شفق کا وقت بہت کم ہوتا ہے۔اس کے بعد تاریکی کی چادر فضا پر چھا جاتی ہے۔پس اسلام پر دس صدیوں کی مہیب رات آئی اور رات جو بھی تاریکیاں، بلائیں اور آفتیں اپنے اندر جمع رکھتی ہے وہ اس رات نے اپنے اندر جمع کرلیں۔تاہم ربّ رحیم نے اپنے بندوں کو تاریکیوں میں بھٹکنے سے بچانے کے لئے روشن ستاروں کے ذریعہ بندوں کی ہدایت کا سامان کئے رکھا۔جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایسا مجدد بھیجے گا جو اس امت کے دین کی تجدید کرے گا یعنی امت میں جو بگاڑ پیدا ہو چکا ہوگا ، اس کی اصلاح کرے گا اور دین کی رغبت اور اس کے لئے قربانی کے جذبہ کو بڑھادے گا۔(ابوداؤد کتاب ملاحم جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)چنانچہ ہر صدی کے سر پر مجددین کرام کے ظہور اور وقتاً فوقتاً دیگر اولیاء اللہ کے وجود نے اسلام کی کشتی کو سہارا دئے رکھا اور ڈوبنے سے بچایا تآنکہ اس تاریکی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر(۷۰) پیشگوئیوں کے عین مطابق چودھویں صدی کے سر پر اسی سراج منیر سے روشنی لے کر ایک قمر آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا ،بدر کامل کی صورت اختیار کرگیا۔جیسا کہ تیرھویں رات سے سولھویں رات تک کے چاند کے لئے اتّساق کا لفظ آتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تیرھویں صدی میں پیدا ہوئے اور چودھویں صدی میں آپ نے دعویٰ فرمایا۔پھر آپ نے بطور پیشگوئی اعلان فرمایا کہ مسیح موعود کا زمانہ تین سو سال تک ہے یعنی سولھویں صدی کے آخر تک ۔آپؑ تحریر فرماتے ہیں ۔'' ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت ناامید اور بدظن ہوکر اس

السجدۃ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۳﴾
قرآن نہیں سجدہ کرتے بلکہ وہ جو کافر ہوئے جھٹلاتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ اِلَّا
اوراللہ خوب جانتاہے اسکو جو وہ دل میں رکھتے ہیں پس بشارت دے انکو عذاب دردناک کی مگر

ع ۱ ۲۶ ۹ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾
وہ جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے انکے لیے ہے ثواب بے انتہا

جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے کے لئے آیا ہوں ۔سومیرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔''۔(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵) آپ مخالفین کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔ مقدر یوں ہے کہ وہ لوگ جو اس جماعت سے باہر ہیں، وہ دن بدن کم ہوتے جائیں گے اور تمام فرقے مسلمانوں کے جو اس سلسلہ سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہوکر اس سلسلہ میں داخل ہوتے جائیں گے یا نابود ہوتے جائیں گے ۔ جیسا کہ یہودی گھٹتے گھٹتے یہاں تک کم ہوگئے کہ بہت ہی تھوڑے رہ گئے ۔ایسا ہی اس جماعت کے مخالفوں کا انجام ہوگا اور اس جماعت کے لوگ اپنی تعداد اور قوتِ مذہب کے رو سے سب پر غالب ہوجائیں گے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۰) **ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ** (۹:۳۳) وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ادیان باطلہ پر دین کا کامل غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ہوگا جب صرف ایک ہی دین باقی رہ جائے گا۔(ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ ۵۳)(تفسیر کبیر جلد ہشتم از حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تفسیر زیر آیۃ ھذا سے استفادہ کیا گیا)

۲۱ تا ۲۶۔**یوعون ۔الوعاء** کے معنی بوری یا تھیلا کے ہیں جس میں چیزیں اکٹھی کر کے رکھی جاتی ہیں۔ **یوعون** ۔ وہ جمع کرتے ہیں۔ دل میں چھپاتے ہیں۔ **ممنون ۔المنع** عطا کی ضد ہے۔ غیر منقطع ۔**یسجدون**۔ وہ سجدہ کرتے ہیں ۔ وہ فرمانبرداری کرتے ہیں ۔(اقرب)

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا ذکر ہورہا ہے یہ وہ زمانہ ہوگا جب ایمان ثریا پر چلا جائے گا اور قرآن کا صرف رسم الخط رہ جائے گا۔(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ ۳۸) گویا الفاظ ہی رہ جائیں گے۔ حقائق ومعارف اور علوم و دقائق سب آسمان پر اٹھ جائیں گے۔تب ایک فارسی الاصل

مبعوث ہوگا جو ایمان کو ثریا سے واپس لائے گا۔ اور قرآنی تعلیم جو الفاظ تک ہی محدود رہ گئی ہوگی اس کے احکام کو تازہ کرے گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے یہ سارے احسان دیکھتے ہوئے کیوں ایمان نہیں لاتے اور اس کا شکر ادا کرنے کے لئے کیوں سجدہ نہیں کرتے۔ یہ تو انکار میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ قرآنی سچائی کو جھٹلاتے ہیں۔ جو کچھ ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کی بھلائی ہی چاہتا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آئیں اور بدرمنیر کی روشنی میں قربِ الٰہی کی راہیں تلاش کریں لیکن افسوس انہوں نے اندھیروں میں رہنا پسند کیا۔ پس ان کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دے۔

ان کے برعکس وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمال بجالائے انہیں ایک نہ ختم ہونے والا نیک اجر ملے گا۔ گویا انہیں جنت کی ابدی نعمتوں کی بشارت دی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ بروج۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی تئیس آیات ہیں

یہ مکی سورۃ ہے اور ابتدائی زمانہ کی ہے اور پچھلی چند سورتوں کے تسلسل میں ہے۔

اس سورۃ کا مضمون بتارہاہے کہ یہ سورۃ مکی زمانہ کے اس دور میں نازل ہوئی جب بے گناہ مسلمان دشمنانِ دین کے شدید مظالم کاشکار تھے اور وہ انہیں دین حق سے پھیردینے کے لئے ان پر ہر ظلم روا رکھے ہوئے تھے۔

اس سورۃ میں بارہ برجوں کی شہادت میں بارہ صدیوں کی طرف اور یوم الموعود میں تیرھویں صدی کی طرف اشارہ ہے جو مسیح موعودؑ کی بعثت کی صدی تھی۔ باوجودیکہ مسیح موعودؑ کے متعلق پیشگوئیاں ستر(۷۰) احادیث میں ہیں، مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کو شدید مظالم کانشانہ بنایا گیا اس تعلق میں اصحاب الاخدود کاقصہ بیان فرمایا جس میں پیشگوئی تھی کہ یہ مظالم دہرائے جائیں گے نیز یہ پیشگوئی فرمائی کہ آخری زمانہ میں مومنوں پر ظلم کرنے والے لشکر، فرعون اور ثمود کے لشکروں کی طرح تباہ ہوں گے اور جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ مومن غالب آئیں گے اور جنتوں کے وارث ہوں گے۔

قرآن مجید کی عظمت کے بیان پرسورۃ کااختتام فرمایاکہ جس کی تکذیب کے تم درپے ہو وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا اور ہمیشہ پڑھاجائے گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتاہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۲ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۳ وَشَاهِدٍ وَّ

قسم ہے آسمان برجوں والے کی اور دن وعدہ دیئے گئے کی اور حاضر ہونے والے اور

مَشْهُوْدٍ ۝۴ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۵ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۶ اِذْ

حاضر کئے گئے کی مارے گئے کھائیوں والے کہ آگ تھی بہت ایندھن والی جبکہ

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا۴۔ **بروج** ستاروں کی گردش کی جگہیں۔ **برج** ستارے کی مدار ہے جس میں وہ حرکت کرتا ہے(مظہری) محل۔ قلعہ۔

قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ مفسرین نے اس سے علم ہیت کے بارہ فرضی بروج مراد لئے ہیں۔یہ بارہ ستاروں کی گردش کے معروف دائرے ہیں۔ پھر ہم شہادت کے طور پر یوم موعود کو پیش کرتے ہیں۔ یہ قیامت کا دن نہیں ہوسکتا کیونکہ اسے گواہ کے طور پر پیش نہیں کیاجاسکتا۔ بروج میں بارہ کی طرف اشارہ ہے اوریوم موعود تیرھواں ہے۔سورۃالانشقاق میں فرمایا!ہم شہادت کے طور پر چاند کو پیش کرتے ہیں جب وہ تیرھویں رات میں داخل ہو۔ یہاں بتلایا کہ ہم بارہ بروج اور یوم موعود کو شہادت کے طور پرپیش کرتے ہیں۔پس یہاں اللہ تعالیٰ نے تیرہ(۱۳)زمانوں کاذکرکیا۔ اس طرح اس کا پچھلی سورۃ سے گہراتعلق ہے۔بارہ بروج میں بارہ مجددین کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہر صدی میں مبعوث ہوئے اور تجدیددین اور احیاء اسلام کاکام کیا۔ اسلام میں داخل غیر اسلامی رسوم وقیود سے اسے پاک کیااوراسلام کی اصل تعلیم پر مسلمانوں کو قائم کیا۔

جب تیرھویں صدی میں روحانی طور پر تاریکیاں حد سے بڑھ گئیں اورفسق و فجور عام ہوا اور اسلام کی کشتی ناخدا کے بغیر عین بھنور میں پھنس گئی تو اس موعود دن میں ایک جری پہلوان میرزاغلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہودؑ کے خدائی القابات کے ساتھ مبعوث ہوا اور اس کشتی کو بحفاظت کنارے تک لے آیا۔

فرمایاقسم ہے شہادت دینے والے کی اوراس کی جس کی گواہی دی جائے۔ یعنی اس موعود دن میں ایک ایسا اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ظاہر ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر ایک عظیم مشہود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی گواہی دے گا اور دوسری طرف حضرت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس شاہد کی سچائی پر گواہ موجود ہے۔اور ۷۰ ستر حدیثیں اس پر گواہ ہیں۔ گویا وہ

هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۷ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۸
وہ اس کے اوپر بیٹھے تھے اور وہ اس پر جو وہ کرتے تھے مومنوں سے حاضر تھے

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۹
اور نہ عیب پکڑا تھا انہوں نے ان میں سے مگر یہ کہ وہ ایمان لائے اللہ غالب تعریف کئے گئے پر

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۰
وہ جس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہر شے پر شاہد ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا
یقیناً جنہوں نے ایذا دی ایمان والوں اور ایمان والیوں کو پھر نہ توبہ کی

فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
پس ان کیلئے عذاب دوزخ کا ہے اور ان کیلئے عذاب جلنے کا ہے یقیناً وہ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ
اور عمل کئے اچھے ان کے لیے باغ ہونگے جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں یہ ہے

الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۲ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۳ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ
کامیابی بڑی یقیناً پکڑ تیرے رب کی البتہ سخت ہے یقیناً وہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور

شاہد بھی ہوگا اور مشہود بھی ۔پس جس طرح چاند اور سورج اکٹھے ہوجائیں گے ، شاہد اور مشہود بھی اکٹھے ہوجائیں گے ۔

۵ تا ۱۲۔ **الاخدود** کے معنی زمین میں لمبا کُھدا ہوا گڑھا۔(اقرب) کھائی۔خندق۔**وقود**۔ ایندھن کو بھی کہا جاتا ہے جس سے آگ جلتی ہے اور شعلہ کو بھی جو اس سے نکلتا ہے۔گویا آگ مراد ہے۔ **نقموا**۔ (نَقَمَ)انہوں نے ناپسند کیا۔عیب لگایا۔اس کے بُرے فعل کی وجہ سے شدید کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ **لھـــــم** میں اشارہ ہے کہ وہ جنتیں ان کی ملکیت میں ہوں گی۔یہاں تین شہادتیں پیش کیں۔برجوں والے آسمان ، یوم الموعود اور شاہد و مشہود کو گواہ ٹھہرا کر فرمایا کہ خندق والے ہلاک ہوگئے جنہوں نے اس خندق میں بہت ایندھن والی آگ جلائی، مومنوں کو اس الاؤ میں زندہ پھینکا اور خود اس کے گرد بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔(بخاری کتاب الجہاد)

تاریخ میں کئی مذہبی جنونیوں کے واقعات گزرے ہیں جنہوں نے خدا پرستوں کو زندہ جلایا۔ نجران ملک یمن میں بھی ایسی خندق کا ذکر ملتا ہے جہاں ایک حمیری بادشاہ کے عہد حکومت میں ۲۰ ہزار موحد عیسائیوں کو زندہ جلایا گیا۔ انگلستان میں بھی سولھویں صدی میں حکومت کی ایما پر خدا پرست عیسائیوں کو زندہ جلایا جاتا تھا ۔ نویں صدی سے سولھویں صدی تک کا زمانہ یورپ کی تاریخ کا وہ دور تھا جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی پر Church کی اجارہ داری تھی۔عوام الناس مذہبی

کتب کو پڑھنے کا اختیار بھی نہ رکھتے تھے بلکہ کلّی طور پر لکھنے پڑھنے سے نابلد تھے ۔رومن کیتھولک کی حکومت میں پروٹسٹنٹ زندہ جلادئے جاتے جیسا کہ سولھویں صدی میں انگلستان کی ملکہ میری اوّل کے زمانہ میں تین سو پروٹسٹنٹ زندہ جلادئے گئے۔یہ ملکہ تاریخ میں Bloody Mary کے نام سے مشہور ہے۔عورت کی حیثیت انتہائی کم تر تھی۔ ان پر Witches یعنی جادوگرنیوں کا الزام لگا کر زندہ جلادیا جاتا تھا۔یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان قومیں علوم وفنون میں اپنے کمال پر تھیں لیکن یورپین مورخ نہایت ہوشیاری سے اپنی علمی اور تہذیبی تاریکی کو چھپانے کے لئے اس زمانے کو پوری انسانی تاریخ کے لئے تاریک دور(Dark Ages) کا نام دیتے ہیں۔(تفصیل سورت علق :۶)

یہاں شہادت کا ذکر ہے اور شہادت ایسے واقعہ پر ہوتی ہے جس کا تعلق آئندہ سے ہو۔ پس یہاں بطور پیشگوئی بتلایا کہ آئندہ بھی ایسے واقعات ہوں گے۔ان آیات میں احمدیت کی مخالفت کی شدت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو آئندہ زمانے میں ہونے والی تھی۔ عذاب دینے والے خود اردگرد بیٹھے ہوں گے اور ان کے عذاب کا تماشا دیکھیں گے۔ ظالم جو کچھ مومنوں کو اذیتیں دیں گے اس کے خود گواہ ہوں گے ۔ اس وقت احمدیت کے مخالفین کی عملی حالت بعینہٖ یہی ہے ۔بے گناہ احمدیوں کو مظالم کی چکی میں پیسا جاتا ہے ۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں ۔ احمدیوں کے گھروں اور دوکانوں کو آگ لگائی جاتی ہے ۔مال و اسباب لوٹا جاتا ہے ۔بے گناہ قتل کئے جاتے اور جلائے جاتے ہیں۔۱۹۵۳ء میں احمدیوں کی مخالف تحریک میں دیگر مظالم کے علاوہ لاہور میں ماسٹر منظور احمد صاحب مدرس کو، ۶ مارچ کو محمد شفیع صاحب برما والے کو مغلپورہ میں ، T.I کالج کے احمدی طالبعلم میاں جمال احمد بعمر ۱۷ سال کو راہ مولا میں قربان کیا گیا۔یہ ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے وہ سائیکل پر جارہے تھے۔ ایک مخالف ہجوم نے ان کو پتھر مارے۔ وہ سائیکل سے اتر گئے۔ہجوم ان کی طرف بڑھا تو ایک ہمدرد نے ان کو کہا۔ جمال ! احمدیت سے انکار کر دو میں تمہیں بچالوں گا۔ انہوں نے کہا جان بچانے کے لئے احمدیت سے انکار نہ کروں گا۔ ان کو چاقوؤں کے وار کرکے نہایت بے دردی سے شہید کردیا گیا۔ ان کے قاتلوں میں سے ایک پاگل ہو کر اور دوسرا اندھا ہوکر مرا ۔مرزا کریم بیگ صاحب فلیمنگ روڈ کو شہید کرکے نعش آگ میں پھینک دی ۔ ۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں حوالدار عبدالغفور صاحب اور ایک احمدی عطار کو راہ مولا میں قربان کیا گیا۔ ان تمام روح فرسا مناظر میں پولیس تماشائی بنی رہی۔ ان ظالموں کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ مظالم جاری رہے یہانتک مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔۱۹۷۴ء میں پھر اس درندگی کو دہرایا گیا۔گوجرانوالہ اور کئی دوسرے شہروں میں بے گناہ احمدی ان ظالموں کی درندگی کا

يُعِيدُ ﴿١٤﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٥﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٦﴾ فَعَّالٌ
دوبارہ کرے گا اور وہی بخشنے والا دوستی کرنیوالا عرش والا بزرگی والا ہے وہی کرنیوالا ہے
لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٧﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٨﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿١٩﴾
جوکچھ چاہے کیا آئی ہے تیرے پاس بات لشکروں فرعون اور ثمود کی

نشانہ بنے۔ پاکستان میں احمدیوں کے خلاف گاہے بہ گاہے ایسی غیر انسانی وار داتیں ہوتی رہی ہیں لیکن کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

ایسے مظلوم خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوں یا آپ ﷺ کے مسیح کے زمانہ میں یا گذشتہ انبیاء کے زمانوں میں،ان مظلوموں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کامل غلبہ والے ، صاحب حمد پر ایمان رکھتے تھے ۔وہ اللہ جس کی بادشاہی آسمانوں اورزمین پر ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان فرمائیں کہ وہی اس لائق ہے کہ اس پر ایمان لایاجائے ۔اور وہ لوگ ظالم ہیں جو اس بات پر بگڑتے ہیں کہ کوئی اس پرایمان لائے۔فرمایا وہ لوگ جنہوں نے مومن مردوں اورمومن عورتوں کو عذاب میں مبتلا کیاپھر اپنے فعل سے توبہ بھی نہ کی ان کے لئے عذاب جہنم کے علاوہ عذاب حریق بھی ہے ۔گویا مومنوں کو جلانے کی پاداش میں انہیں جہنم سے بڑھ کرسزا ملے گی۔ ان ظالموں کے لئے عذاب جہنم اور عذاب حریق کے ساتھ قرآن نے یہ قید لگائی کہ عذاب ان لوگوں پر پڑے گاجو اپنے اس فعل پر نادم ہوکر تائب نہیں ہوئے گویاان لوگوں کوتوبہ کی دعوت دی گئی ہے ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جود وکرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے مومنین کو زندہ جلاکر ان کا تماشا دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ اور مغفرت کی طرف دعوت دے رہاہے۔ (ابن کثیر)

اب اپنے صالح بندوں کاذکر کیاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان کی ملکیت میں ایسی جنتیں ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں ۔کفار کو دوقسم کے عذاب دینے کا ذکرتھا جس میں شدیدقسم کے جلنے کاعذاب ہوگا۔ فرمایا مومنوں کودوقسم کے انعامات دئے جائیں گے ۔اوّل باغات ہوں گے دوم ان کے دامن میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گی گویا ان کو اوپر سے بھی ٹھنڈک پہنچے گی اور نیچے سے بھی۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

١٣ تا ١٧۔ **المجید۔مجد** کے معنی کرم وشرف اور بزرگی میں وسعت اور پہنائی کے ہیں۔(مفردات) **بَطْش** کسی چیز کوسختی سے پکڑنا۔

بیشک یہ ظالم ،مومنوں کو شدید اذیتیں دیتے ہیں مگر انہیں جان لیناچاہیئے کہ اللہ کی پکڑ بھی

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿٢٠﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ
بلکہ وہ جو کافر ہوئے تکذیب میں ہیں اور اللہ ان کو آگے پیچھے سے
مُّحِيْطٌ ﴿٢١﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢٢﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٣﴾ ع ٢٣ ١٠
گھیرنے والاہے بلکہ وہ قرآن ہے بزرگ لوح محفوظ میں

بڑی سخت ہے ۔یہ پکڑدنیا میں بھی آدبوچتی ہے اور آخرت کی پکڑ تو لازماً ہے اس لئے چاہیئے کہ ایسے افعال سے اجتناب کریں جو اس پکڑ کاسبب بن جائیں۔ فرمایا وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے اورپھر اسے لوٹاتا ہے ۔جس مخلوق کو اس نے پیدا کیا اس سے پیار کی حدیہ ہے کہ ماں سے ستر (٧٠) گنا زیادہ پیار کرتاہے۔ ان کی کمزوریوں سے باربارصرف نظر کرتاہے ۔پکڑتا تب ہے جب سرکشی میں حدسے گزرجاتے ہیں ۔بندوں کی تمام نالائقیوں کے باوجودبہت بخشنے والا اور بہت پیار کرنے والاہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات غفور الودود ایک عاصی بندے کو مایوس نہیں ہونے دیتیں۔ اگر وہ گناہوں سے تائب ہوکر اس کے حضورمعافی کا خواستگار ہوتو اپنے ربّ کے دامن رحمت میں جگہ پاسکتاہے۔

فرمایاوہ سلطنت کائنات کافرمانروا اورصاحب مجد ہے اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور اس کے بزرگ و برترہونے کی طرف توجہ دلائی اوربتلایاکہ سرکش انسان اس ہستی سے گستاخی کی جرأت کرتاہے جوذوالعرش المجید ہے ۔وہ قادر ہے جو چاہے کرے۔(عرش کی تشریح کے لئے سورۃ توبہ آخری آیت)

١٨ تا ٢٣۔**لوح** ۔تختی یا کاغذ وغیرہ جن پر آئندہ قرآن لکھا جائے گا۔علم الٰہی۔ مومنوں کے دل۔

ان لوگوں کاذکر تھا جوتکذیب اورمخالفت کے درپے رہے اورقرآن کوگویا نابود کرنا چاہتے تھے ۔فرمایا کیاتمہیں دشمنان صداقت فرعون اورثمود کے لشکروں کی خبرنہیں پہنچی جوتم سے زیادہ قاہر اور مضبوط تھے ۔کیا تم نے غورنہیں کیا کہ پہلے تکذیب کرنے والوں کا کیا حشر ہوا۔ فرعون اورلشکر فرعون کی تباہی (البقرہ:٥١ ۔ثمود کی تباہی الاعراف رکوع ١٠ ،ھود رکوع ٦ مناھل العرفان میں ملاحظہ فرمائیں) بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفرکیا وہ حق کو جھٹلانے کے درپے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے سے گھیرنے والا ہے۔ پیچھے سے گھیرنے سے مراد یہ ہے کہ انہیں علم نہیں ہوگا اور اچانک ایسے گھیرے میں آئیں گے کہ نکل نہیں سکیں گے۔ یہاں ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف بھی اشارہ ہے جس کے گھیرے سے کوئی نکل نہیں سکے گا۔ یہ گزشتہ مکذبین انبیاء سے بھی زیادہ مخالفت اورعناد میں بڑھ

يُعِيْدُ ﴿۱۴﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۵﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۶﴾ فَعَّالٌ

دوبارہ کرے گا اور وہی بخشنے والا دوستی کرنیوالا عرش والا بزرگی والا ہے وہی کرنیوالا ہے

لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۷﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۸﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۹﴾

جو کچھ چاہے کیا آئی ہے تیرے پاس بات لشکروں فرعون اور ثمود کی

نشانہ بنے۔ پاکستان میں احمدیوں کے خلاف گاہے بہ گاہے ایسی غیر انسانی وار داتیں ہوتی رہی ہیں لیکن کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

ایسے مظلوم خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوں یا آپ ﷺ کے مسیح کے زمانہ میں یا گذشتہ انبیاء کے زمانوں میں،ان مظلوموں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کامل غلبہ والے، صاحب حمد پر ایمان رکھتے تھے۔وہ اللہ جس کی بادشاہی آسمانوں اورزمین پر ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان فرمائیں کہ وہی اس لائق ہے کہ اس پر ایمان لایاجائے۔اور وہ لوگ ظالم ہیں جو اس بات پر بگڑتے ہیں کہ کوئی اس پرایمان لائے۔فرمایا وہ لوگ جنہوں نے مومن مردوں اورمومن عورتوں کو عذاب میں مبتلا کیا پھر اپنے فعل سے توبہ بھی نہ کی ان کے لئے عذاب جہنم کے علاوہ عذابِ حریق بھی ہے۔گویا مومنوں کو جلانے کی پاداش میں انہیں جہنم سے بڑھ کرسزا ملے گی۔ ان ظالموں کے لئے عذابِ جہنم اور عذاب حریق کے ساتھ قرآن نے یہ قید لگائی کہ عذاب ان لوگوں پر پڑے گاجو اپنے اس فعل پر نادم ہوکر تائب نہیں ہوئے گویاان لوگوں کوتوبہ کی دعوت دی گئی ہے۔ حضرت حسنؓ بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جود وکرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے مومنین کو زندہ جلاکر ان کا تماشا دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ اور مغفرت کی طرف دعوت دے رہاہے۔ (ابن کثیر)

اب اپنے صالح بندوں کاذکر کیاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان کی ملکیت میں ایسی جنتیں ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ کفار کو دوقسم کے عذاب دینے کا ذکرتھا جس میں شدید قسم کے جلنے کاعذاب ہوگا۔ فرمایا مومنوں کودوقسم کے انعامات دئے جائیں گے۔اوّل باغات ہوں گے دوم ان کے دامن میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گی گویا ان کو اوپر سے بھی ٹھنڈک پہنچے گی اور نیچے سے بھی۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۳ تا ۱۷۔ **المجید۔ مجد** کے معنی کرم وشرف اور بزرگی میں وسعت اور پہنائی کے ہیں۔(مفردات) **بَطْش** کسی چیز کوسختی سے پکڑا۔

بیشک یہ ظالم، مومنوں کو شدید اذیتیں دیتے ہیں مگر انہیں جان لیناچاہیئے کہ اللہ کی پکڑ بھی

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۲۰﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ

بلکہ وہ جو کافر ہوئے تکذیب میں ہیں اور اللہ ان کو آگے پیچھے سے

مُّحِيْطٌ ﴿۲۱﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۲﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۳﴾ ع ۲۳ ۱۰

گھیرنے والا ہے بلکہ وہ قرآن ہے بزرگ لوح محفوظ میں

بڑی سخت ہے۔یہ پکڑ دنیا میں بھی آدبوچتی ہے اور آخرت کی پکڑ تو لازماً ہے اس لئے چاہیئے کہ ایسے افعال سے اجتناب کریں جو اس پکڑ کا سبب بن جائیں۔ فرمایا وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے اورپھر اسے لوٹاتا ہے۔جس مخلوق کو اس نے پیدا کیا اس سے پیار کی حد یہ ہے کہ ماں سے ستر (۷۰) گنا زیادہ پیار کرتا ہے۔ ان کی کمزوریوں سے باربار صرف نظر کرتا ہے۔پکڑتا تب ہے جب سرکشی میں حد سے گزرجاتے ہیں۔بندوں کی تمام نالائقیوں کے باوجود بہت بخشنے والا اور بہت پیار کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات غفور الودود ایک عاصی بندے کو مایوس نہیں ہونے دیتیں۔ اگر وہ گناہوں سے تائب ہوکر اس کے حضور معافی کا خواستگار ہوتو اپنے ربّ کے دامن رحمت میں جگہ پاسکتاہے۔

فرمایاوہ سلطنتِ کائنات کافرمانروا اورصاحب مجد ہے اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور اس کے بزرگ و برترہونے کی طرف توجہ دلائی اوربتلایاکہ سرکش انسان اس ہستی سے گستاخی کی جرأت کرتاہے جوذوالعرش المجید ہے۔وہ قادر ہے جو چاہے کرے۔(عرش کی تشریح کے لئے سورۃ توبہ آخری آیت)

۱۸ تا ۲۳۔**لوح**۔ تختی یا کاغذ وغیرہ جن پر آئندہ قرآن لکھا جائے گا۔علم الٰہی۔ مومنوں کے دل۔

ان لوگوں کاذکر تھا جو تکذیب اورمخالفت کے درپے رہے اورقرآن کوگویا نابود کرنا چاہتے تھے۔ فرمایا کیا تمہیں دشمنانِ صداقت فرعون اور ثمود کے لشکروں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے زیادہ قاہر اور مضبوط تھے۔کیا تم نے غور نہیں کیا کہ پہلے تکذیب کرنے والوں کا کیا حشر ہوا۔ فرعون اور لشکر فرعون کی تباہی (البقرہ:۵۱۔ثمود کی تباہی الاعراف رکوع ۱۰، ھود رکوع ۶ مناھل العرفان میں ملاحظہ فرمائیں) بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفرکیا وہ حق کو جھٹلانے کے درپے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے سے گھیرنے والا ہے۔ پیچھے سے گھیرنے سے مراد یہ ہے کہ انہیں علم نہیں ہوگا اور اچانک ایسے گھیرے میں آئیں گے کہ نکل نہیں سکیں گے۔ یہاں ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف بھی اشارہ ہے جس کے گھیرے سے کوئی نکل نہیں سکے گا۔ یہ گزشتہ مکذبین انبیاء سے بھی زیادہ مخالفت اورعناد میں بڑھ

رہے ہیں اور اللہ قرآن کو عظمت اور بزرگی میں بڑھانے کا سامان کررہا ہے ۔فرمایا قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے قرآن کے لفظ میں اس کے ہمیشہ پڑھنے پڑھانے اور درس و تدریس کی طرف اشارہ ہے ۔تختیوں اور کاغذوں پر لکھا جایا کرے گا۔اور محفوظ و مصئون رہے گا۔لوح محفوظ میں ہونے میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ دشمن اسے نیست و نابود نہیں کرسکے گا۔لوحِ محفوظ کا تعلق علم الٰہی سے ہے۔ گویا اغیار کے ہاتھوں سے محفوظ ہے اور اس کے اسرار پر اللہ کے پاک بندوں کی رسائی ہے۔(رازی) تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔(رازی) لوح سے مراد دل کی تختی ہے یعنی محمد ﷺ کے دل میں محفوظ ہے یا اس کے وارثوں یعنی اولیاء اللہ (حفاظ کرام) کے دلوں میں محفوظ ہے۔ (روح البیان) غرض قرآن صحیفہ کائنات پر بھی ثبت ہے اور اوراقِ قرآن میں بھی محفوظ ہے اور اس کی تعلیم ہمیشہ کے لئے محفوظ اور ابدی ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَمَانِي عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ طارق۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی اٹھارہ آیات ہیں

جیسا کہ قرآن کریم کے اختتام تک مکی سورتوں کا سلسلہ جاری ہے ۔یہ سورۃ بھی زمانہ نبوت کے اوائل میں نازل ہوئی۔ اس میں سورۃ البروج کے مضمون کی ہی مزید وضاحت ہے۔

فرمایا اس اندھیری رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے نگران مقرر فرمائے گا جو اس کے مظلوم بندوں کی روحانی اور جسمانی بلاؤں سے حفاظت کریں گے۔

اکابرینِ مکہ کو تنبیہ فرمائی کہ رسول کی مخالفت چھوڑ کر اپنی پیدائش پر غور کریں کہ وہ کس حقیر قطرہ سے پیدا ہوئے ۔پس یہ مخالفین محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جتنی تدبیریں کرسکیں کرلیں مگر آپ ﷺ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ پس ان کی تباہی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے ۔کاش یہ سمجھیں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۳﴾ النَّجۡمُ

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنیوالے کی اور کیا جانے تو کیا ہے رات کو آنے والا تارا ہے

الثَّاقِبُ ﴿۴﴾ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ﴿۵﴾ فَلۡيَنۡظُرِ

چمکتا ہوا نہیں کوئی جی مگر اس پر ایک نگہبان ہے پس دیکھے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ **طارق** رات کو آنے والا۔ صبح کا ستارہ۔ **النجم الثاقب** ۔روشن ستارہ۔

لمّا۔عام طور پر اس کے معنے الّا کے ہوتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی قسم کھائی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”خداتعالیٰ کی قسموں کاانسان کی قسموں کے ساتھ قیاس درست نہیں --------۔ اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے غیراللہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اس کے افعال اس کے غیر نہیں ہیں۔---------- سو اللہ تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانون قدرت کے بدیہات (واضح امور) کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے تا قانون قدرت جو خدا تعالیٰ کی ایک فعلی کتاب ہے اس کی قولی کتاب پر شاہد ہو جائے اور تا اس کے قول اور فعل کے باہم مطابقت ہوکر طالبِ صادق کے لئے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ ایک عام طریق اللہ جلّ شانہٗ کا قرآن کریم میں ہے۔(تفسیر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام جلد چہارم صفحہ ۵۷۶)فرمایا تجھے کیا خبر کہ رات کو آنے والا کیا ہے۔عربی زبان میں ایک لفظ کے متعدد معانی ہیں۔ اگر کسی جگہ کسی لفظ کے ایک معنے لینے ہوں تو وہاں ماادراک کا لفظ آتا ہے اور اس کے بعد وہ خاص معنی بتادئے جاتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ خود معنی بتلا رہا ہے کہ الطارق سے مراد صبح کا ستارہ ہے ۔پس اس اندھیری رات کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا وجود صبح کا روشن ستارہ ثابت ہوا ۔ اس نورِ محمدی سے ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایک روشن دن طلوع ہوا۔

آسمان اور نجم الثاقب کو گواہ ٹھہرا کر فرمایا کہ ایسی کوئی جان نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نگران مقرر نہ ہو ۔ اس میں اوّل اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی حفاظت کا وعدہ ہے جو نجم الثاقب کے طور پر ہیں یا ان کے قائم مقام ہیں ۔ ان سے اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت کا وعدہ

ہے اور فرشتوں کی بھی۔جیسا کہ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **واللّٰہ یعصمک من الناس**۔(المائدہ :۶۸) دوم یہ کہ ہر جان جو دنیا میں آتی ہے اس پر نگران فرشتے مقرر ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسمانی حفاظت کے اتنے گہرے انتظام ہیں تو روحانی کے کیوں نہ ہوں گے۔پس یہ فرشتے روحانی اور جسمانی بلاؤں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں بجز اس تکلیف کے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کردی ہو۔جس طرح انسان کے ظاہر وجود کے لئے فرشتہ مقرر ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا ،ویسا ہی اس کے باطن کی حفاظت کے لئے بھی مقرر ہے جو باطن کو شیطان سے روکتا ہے یہ روح القدس ہے جو خدا کے خاص بندوں پر شیطان کا تسلط ہونے نہیں دیتا۔حضرت مسیح موعودؑ تحریر کرتے ہیں کہ ابن جریر میں ہے کہ تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہیں کہ بجز جماع اور پاخانہ کی حاجت کے تم سے جدا نہیں ہوتے۔سوتم ان سے شرم کرو اور ان کی تعظیم کرو۔اس جگہ عکرمہ سے یہ حدیث لکھی ہے کہ ملائک ہر شر سے بچانے کے لئے انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور جب تقدیر مبرم نازل ہو تو الگ ہوجاتے ہیں۔(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۷۶ تا ۸۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خطبہ جمعہ یکم ستمبر ۲۰۰۱ء میں فرمایا کہ جس رات حضرت مسیح موعودؑ کے والد کی وفات ہوئی اس دن آپ کو سورۃ الطارق الہام ہوئی۔حفاظت پر رک گئی اس پر سمجھ گئے کہ وفات ضرور ہوگی۔حدیث میں ہے کہ مومن پر ۱۶۰ فرشتے مقرر ہیں وہ اس سے اسی طرح شیطانی تحریکیں دور کرتے ہیں جس طرح شہد کے پیالہ سے مکھیاں اڑائی جاتی ہیں (روح المعانی) ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۳۶۰ فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں (ہر جوڑ کی حفاظت کی طرف اشارہ ہے) ان میں سے سات فرشتے صرف انسان کی آنکھ کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔یہ فرشتے انسان سے ہر بلاو مصیبت جو اس کے مقدر نہیں، اس طرح اس سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد کے پیالہ پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے وغیرہ سے دفع کیا جاتا ہے ۔اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اسے اچک لیں۔ (قرطبی)

انسان پر ہی منحصر نہیں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ”کہ ہر ایک چیز جس پر نفس کا نام اطلاق پاسکتا ہے اس کی فرشتے حفاظت کرتے ہیں ۔ پس بموجب اس آیت کے نفوسِ کواکب کی نسبت بھی یہ عقیدہ رکھنا پڑا کہ کل ستارے کیا سورج کیا چاند کیا زحل کیا مشتری ملائک کی زیر حفاظت ہیں یعنی ہر ایک کے لئے سورج اور چاند وغیرہ میں سے ایک ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۶﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۷﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ

آدمی کس سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پیدا کیا گیا ہے پانی اچھلنے والے سے نکلتا ہے

بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۸﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۹﴾ يَوْمَ

پیٹھ اور چھاتیوں کے درمیان سے یقیناً وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۱۰﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۱﴾ وَالسَّمَآءِ

ظاہر کی جائیں گی مخفی باتیں پس نہ ہوگی اس کے لیے کچھ قوت اور نہ مددگار قسم ہے آسمان

ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۲﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ

بارش والے کی اور زمین پھٹنے والی کی بیشک یہ البتہ بات ہے

حفاظت کرتا ہے اور اس کے کاموں کو احسن طور پر چلاتا ہے۔(تشریح کے لئے سورۃ جن :۱۰)
(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد چہارم صفحہ ۵۷۱)

۶ تا ۱۱۔دافق ۔**دفق** پانی کا گرنا ہے ۔**مآء دافق** سے مراد **ذُودفق** ایک ہی مرتبہ گرایا ہوا (لسان العرب) **الصّلب** ریڑھ کی ہڈی ۔پیٹھ ۔**ترآئب**۔ سینہ کی پسلیاں۔مفرد تریبۃ ہے۔ (اقرب)**تُبلی** ۔ ظاہر کئے جائیں گے۔

متکبر سرداران مکہ کو توجہ دلائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کو چھوڑ کر اپنی پیدائش پر غور کریں کہ کس حقیر اور ناچیز قطرۂ آب سے ہوئی ۔جدید طبی تحقیق کے مطابق مرد کے مادہ منویہ کا مرکز پیٹھ ہے جبکہ عورت کے مادہ منویہ کا مرکز اس کا سینہ ہے۔قرآن کریم میں بعث بعد الموت کا ذکر بار بار آیا اور شریروں کو عقوبتِ اخروی سے ڈرایا۔پس جس نے انسان کو ایک قطرہ حقیر سے پیدا کیا وہ اس کو دوبارہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔یہ وہ دن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی باتیں ظاہر کردے گا۔اس دن کی مصیبت کو ٹلانے کے لئے نہ تو انسان میں ذاتی طور پر کوئی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دے گا۔ ہر اچھے بُرے عمل ، عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرے پر زینت ہو کر یا ظلمت وسیاہی کی صورت میں ظاہر کردی جائے گی۔ (قرطبی)

تُبلی السّرآئر کا دن دنیا میں بھی آتا ہے جب مخالفین جو ڈھینگیں مارتے تھے ، ان کے سارے راز فاش ہوجاتے ہیں اور انہیں نہ کہیں سے کوئی قوت حاصل ہوتی ہے اور نہ کوئی مدد کو آتا ہے ایسا خاص طور پر فتح مکہ کے روز ہوا۔

۱۲ تا ۱۸۔**الرجع** ۔بار بار لوٹنے والی۔ موسلا دھار بارش (اقرب) **صدع** کے لفظی معنی پھٹنے کے ہیں۔ چونکہ زمین کے پھٹنے سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کے معنی روئیدگی کے

فَصْلٌ ﴿۱۴﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۵﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ وَّ

فیصلہ کرنیوالی اور نہیں وہ بیہودہ یقیناً وہ کرتے ہیں ایک تدبیر اور

اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۷﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۸﴾ ع ۱ ۱۸ ۱۱

میں بھی کرتا ہوں ایک تدبیر پس مہلت دے کافروں کو مہلت دے ان کو ایک مدت تک

ہیں۔(اقرب) **فصل** لفظی معنی جدا ہونے کے ہیں۔**قول فصل** ۔حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی بات۔ پکی قطعی اور آخری بات۔**ھزل**۔کمزور ۔بے فائدہ۔بیہودہ۔**امھال** کے معنی ڈھیل دینے کے ہیں۔ **رویدا** ۔رود مہلت کو کہتے ہیں ۔ **رویدا**۔ مہلت۔ تھوڑی مہلت کے لئے آتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں چونکہ بخارات سمندروں سے اور زمین سے اوپر چڑھ کر بادلوں کی شکل میں مینہ بن کر واپس زمین ہی کی طرف لوٹتے ہیں اس لئے بادلوں کا نام سماء اور بارش کا نام رجع ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

یہاں آسمان اور زمین کی قسم کھانے میں حکمت یہ تھی کہ ’’ اللہ تعالیٰ وحی الٰہی کے دلائل اور قرآن کریم کی حقائیت کی شہادت پیش کرنا چاہتا ہے اور اس کو اس طرز پر پیش کیا ہے۔‘‘(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد چہارم صفحہ ۵۸۹) حضرت مسیح موعودؑ تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ’’ میں وحی کا ثبوت دینے کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے پانی برستا ہے یعنی تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے جو آسمان سے ہی آتا ہے۔ (نسیم دعوت صفحہ ۴۷) مظاہرِ قدرت کی طرف توجہ دلائی کہ جس طرح آسمانی بارش زمین کی روئیدگی کا موجب ہے اسی طرح وحی الٰہی کا آسمانی پانی روحانیت کی خشک زمین پر روئیدگی کا باعث ہوگا ۔ گویا آسمان اور زمین بھی زوج کے طور پر ہیں۔ آسمان کے بارش برسانے سے زمین میں انواع و اقسام کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔انّہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف جاتی ہے یعنی قرآن کریم یقیناً حق و باطل میں فرق کردے گا اور اس کلام میں ہرگز کسی کمزوری کا شائبہ نہیں ۔یعنی یہ خدا کا کلام ہے اور قولِ فیصل ہے جو ہر امر میں سچا فیصلہ کرتا ہے۔ ضرورتِ حقہ کے ساتھ اور حق و حکمت کے ساتھ آیا ہے بیہودہ طور پر نہیں آیا۔ یہ وہ بارشِ روحانی ہے جو عین وقت پر نازل ہوئی۔

وہ اس کے خلاف خوب تدبیریں کریں گے مگر اس کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے ۔فرمایا میں بھی ایک چال چلوں گا ۔اے رسول ! کافروں کو مہلت دے دے ۔ وہ جتنا زور لگانا چاہیں لگالیں رویدًا میں بتلایا کہ ان کی تباہی کا وقت بہت قریب ہے۔ یہ وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قریب تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح و مہدیؑ کے زمانہ میں بھی قریب ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ اعلےٰ ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بیس آیات ہیں

یہ سورۃ بھی ابتدائی مکی دور کی سورتوں میں سے ہے۔ احادیث میں اس سورۃ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ۔ حضرت علیؓ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبّح اسم ربّک الاعلیٰ کو بہت محبوب رکھتے تھے ۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **سبح اسم ربک اعلیٰ** اور **هل اتک حديث الغاشية** پڑھا کرتے تھے۔جب عید اور جمعہ دونوں جمع ہوجاتے تب بھی آپ ﷺ انہیں دونوں سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد ۔مسلم) ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر کی پہلی رکعت میں یہ سورۃ تلاوت فرماتے تھے ۔دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص تلاوت فرماتے تھے ۔ (ابو داؤد ۔نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ دار قطنی ۔ بیہقی ۔حاکم) حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرتے ہوئے) **سبح اسم ربک الاعلیٰ** پڑھتے تو جواب میں یہ دعا پڑھتے **سبحان ربی الاعلیٰ** یعنی پاک ہے میرا ربّ جو بڑی شان والا ہے۔(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

یہاں اللہ تعالیٰ کے اسم الاعلیٰ کی تسبیح کے لئے فرمایا اس نام کی تنزیہ میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا علو تمام عیوب سے منزہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی جس صفت کو بندہ اپنے سامنے رکھتا ہے اس کا مظہر بن جاتا ہے۔ پس ایک کمزور انسان اللہ تعالیٰ کی صفت الاعلیٰ سے تعلق پیدا کرکے علو حاصل کرسکتا ہے۔

فرمایا ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے اور تو اسے بھولے گا نہیں۔ تیرا کام تبلیغ کرنا ہے۔ پس نصیحت کرتے چلے جاؤ ۔یقیناً نصیحت فائدہ دے گی۔تم نصیحت سے روگردانی اس لئے کرتے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی کو اخروی پر ترجیح دے دی ہے حالانکہ اخروی زندگی ہی بھلائی اور دائمی نعمتوں کا گھر ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۲ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۳ وَالَّذِيْ

تسبیح کر نام اپنے رب کی جو بلند ہے جس نے پیدا کیا تم کو پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۴ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۵ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً

اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور جس نے نکالا چارہ پس کر دیا اس کو کوڑا کرکٹ

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۴۔**سبح**۔ تسبیح کر۔ نقص سے پاک قرار دے۔(اقرب) ربّ کے معنے اس ذات پاک کے ہیں جو تدریجی طور پر ترقی دیتے ہوئے کمال تک پہنچاتی ہے ۔گویا پیدا ہی نہیں کیا تدریجی طور پر ترقی دیتے ہوئے کمال تک بھی پہنچایا ۔ سوّٰی کے معنی ہیں عیبوں کو دور کردیا۔ ٹھیک ٹھاک کردیا۔ قَدَّرَالشی ءَ بالشی ءِ کے معنی اس نے ایک چیز کو دوسری پر قیاس کیا اور اس کے مطابق کردیا۔ (اقرب) اندازہ کیا۔ حد بست مقرر کی۔

قرآن کریم میں بکثرت آیات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے یعنی اس کو نقائص ، کمزوریوں اور عیوب سے پاک کہنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں اوّل اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ کی تسبیح کی جائے مثلاً **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم** یا **سبحان الله والحمد لله ولااله الاالله والله اكبر** یا **سبحان الله والحمدلله واستغفرالله** وغیرہ فقرے بطور ذکر اور وظیفہ کے بکثرت پڑھے جائیں تا کہ دل میں اعتقاد اور یقین اللہ کی سبوحیت کا جم جائے ۔ دوسری قسم کی تسبیح یہ ہے کہ اس کی صفات کا ذکر کیا جائے اس کو حمد کہتے ہیں۔حمد کی وجہ سے تسبیح اس طرح ہوتی ہے کہ جب ہم اللہ کو رحیم کہتے ہیں تو ظلم سے اسے پاک قرار دیتے ہیں جب سخی یا کریم کہتے ہیں تو گویا بخل سے اسے پاک سمجھتے ہیں۔ جب اسے قادرِ مطلق کہتے ہیں تو ہر کمزوری اور لاچاری سے اسے بالا ٹھہراتے ہیں۔ اس طرح جو بھی صفت اس کی بطور حمد کے ہم بیان کرتے ہیں اس صفت کے بالمقابل جو نقص ہوگا اس سے خود بخود اللہ تعالیٰ پاک سمجھا جائے گا اور وہ حمد اور تعریف ہماری تسبیح محسوب ہوگی۔ سورۃ فاتحہ بجائے خود تسبیح ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ الفضل انٹرنیشنل ۱۴ مارچ ۱۹۹۷ء میں فرماتے۔ہیں حمد میں جو ح۔م۔د کا مضمون ہے ، وہی مضمون ہے جو محمد میں بھی ہے اور احمد میں بھی ہے ۔اس تعلق سے پھر جب سورۃ فاتحہ پر غور کرتے ہیں تو تسبیح کا مضمون حمد میں داخل ہوجاتا ہے ۔

فرمایا تسبیح کر اپنے ربّ کے نام کی جو اعلیٰ ہے ۔چونکہ صفت ''ربّ'' میں کسی حد تک والدین اور اساتذہ وغیرہ بھی شریک ہیں (اگرچہ بندے کی صفت ناقص اور خدا تعالیٰ کی کامل ہے) اس لئے فرمایا کہ اس ربّ کے نام کی تسبیح کر جس کی ربوبیت سب سے بلند اور ارفع شان رکھتی ہے ۔اعلیٰ وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہیں یا وہ جواپنی مخلوق پر غالب ہے اور اپنی قدرت سے ان کو مغلوب رکھتا ہے ۔اس کا اسم الاعلیٰ ہے یعنی اس کی صفت سب صفات سے بلندتر ہے ۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں تم اللہ کو علیم وخبیر وبصیر مان کر اپنے آپ کو بدیوں سے روکو۔ یہ بھی ایک قسم کی تسبیح ہے ۔تم ایسا کروگے تو دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بڑھے گا ، اللہ توفیق دے ۔ (الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲،۱۳) سب سے اوّل اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان فرمائیں سبوحیت، ربوبیت اور علوشان ۔ اب چار امور کا ذکر کیا خلق ،تسویہ ، تقدیر اور ہدایت ۔ اللہ تعالیٰ نے ان چار باتوں کو علی الترتیب بیان فرما کر انسان کو اس کے کمال تک پہنچانے کی راہ سمجھائی۔ سوّٰی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں اعتدال اور ترقی کا مادہ پیدا کیا ہے۔ ہر قسم کی طاقتیں اس میں رکھ دیں اور ہر قسم کی ضروریات اس کے لئے مہیا کردی ہیں گویا انسان میں ترقی کی استعداد رکھی اور اسے معتدل القویٰ بنایا۔ اس کی قوتوں میں ہر لحاظ سے اعتدال پیدا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ قابلیت رکھی ہے کہ وہ ان قویٰ کا صحیح استعمال کرکے بااخلاق ، نیک اور روحانی آدمی بن جائے اور اپنے کمال کو حاصل کرے ۔فرمایا یہاں تقدیرِ پیدائش کا ذکر نہیں۔تقدیر پیدائش خلق سے پہلے ہوتی ہے ۔یہاں اظہار قویٰ کے متعلق اپنی تقدیر کا ذکر ہے۔ بتلایا کہ انسان جس وقت جس قدر قویٰ کا بالفعل اظہار کرسکتا تھا اس کا اندازہ کرکے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ۔یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسان کی طاقتوں کا اندازہ لگاتا ہے پھر اس اندازہ کے مطابق ہدایت نازل کرتا ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہی حکمت ہے جس کے ماتحت ایک وقت تو صرف وقتی کامل تعلیمات دی گئیں اور دوسرے وقت اسے کلّی کامل تعلیم دی گئی۔وقتی کامل تعلیم اس وقت دی گئی جب انسان ابھی اپنی قوتوں کا پورا اظہار بالفعل نہیں کرسکتا تھا اور ارتقائی منازل کو طے کررہا تھا یا ابھی ہر قسم کی بدیوں کا پورا اظہار نہیں ہوا تھا۔ کلّی کامل تعلیم اس وقت دی گئی جب ایک طرف بدیاں پورے طور پر ظاہر ہوگئیں اور دوسری طرف نیکیوں کے پورے طور پر ظاہر کرنے کی قابلیت انسان میں پیدا ہوگئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی حالت کا ہمیشہ اندازہ لگایا۔ قدرفھدٰی کے یہ معنی ہیں کہ جب وہ کج ہوا اس کی ضرورت کے مطابق ہدایت بھجوادی اور اس کی اصلاح کی۔

(تفسیر کبیر جلد ہشتم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۷ سے استفادہ کیا گیا)

اَحْوٰی ۶ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ۷ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ
سیاہ ضرور بالضرور ہم پڑھیں گے تجھ پر پس نہ تو بھولیگا مگر جو چاہے اللہ یقیناً وہ
یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ۸ وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ۹ فَذَكِّرْ
جانتا ہے ظاہر کو اور اس کو بھی جو مخفی ہے اور ہم میسر کریں گے تجھ کو آسانی پس نصیحت کر

۵۔۶۔ **المرعٰی** ۔ سبزہ ۔ نباتات۔ اسی سے **الراعی** بمعنی چرواہا ہے ۔ **غثآءً** ۔کوڑا کرکٹ۔ ردی چیز ۔ **احوٰی** ۔ سیاہ ۔

نبات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کا بیان فرمایا کہ زمین سے نباتات اگائی پھر اس کو سیاہ کوڑا کرکٹ میں تبدیل کردیا ۔ اس میں انسان کو اس کے انجام کی طرف اشارہ کیا کہ تمام دنیوی نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہیں اور انجام کار سب کو فنا ہونا ہے اس میں سابقہ ہدایات کی طرف بھی اشارہ ہے جو وقتی ضروریات کو پورا کرتی تھیں اور پھر مٹ گئیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں ۔'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے مقابلہ میں کفار کا جو انجام ہونے والا تھا ان دو آیتوں میں دکھلایا ہے ۔جو خس کم جہاں پاک کے مصداق ہوگئے۔ روئے سخن ابوجہل ، عتبہ ، شیبہ ،ربیعہ وغیرہ ،اس وقت کے کفار کی طرف ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے مصداق اس کے ہر صادق، راست باز کے معاند ہیں ۔ انہیں کا وجود ان کے کھیت کے لئے کھاد بن جاتا ہے ۔''(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

۷تا۹۔ **تنسٰی نسِیَ**۔بھولنا۔ **تنسٰی**۔ تو بھولے گا۔تو بھولتا ہے۔ اسی سے نسیان ہے۔

فرمایا ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے اور تو اسے بھول نہیں سکتا۔سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔عام بھولنا بتقاضائے بشریت ہے۔ایسا عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں اسی کا الّا ماشاء اللہ میں استثنا کیا گیا ہے۔آپ ﷺ پر بیس بیس رکوع کی سورتیں اکٹھی نازل ہوئیں۔ان کے مضامین دقیق مسائل پر مشتمل ہیں۔ پھر ایک ایک سورۃ کا نزول کئی کئی سال تک ممتد رہا۔کوئی حصہ قرآن کا نازل ہوتا تو آپ ﷺ اسے وحی الٰہی کے مطابق ایک خاص مقام پر لکھوادیتے جبکہ آپ ﷺ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ آپ ﷺ نمازوں میں متفرق مقامات سے قرآن کریم پڑھتے لیکن کسی سورۃ میں ایک لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ ترتیب میں کوئی آیت آگے پیچھے ہوتی۔یہ اس قدر عظیم معجزہ ہے کہ بجائے خود یہی صداقتِ وحی پر ایک قاطع دلیل ہے۔یہی نہیں کہ قرآن آپ ﷺ کو یاد رہے گا بلکہ قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ ہے۔جیسا کہ فرمایا **انا نحن نزلنا الذکر وانّا لہ لحافظون** ۔ (حجر رکوع ۱) خود مستشرقین نے برملا اعتراف کیا کہ قرآن کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلا۔ ''یورپین علماء کی

إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ١٠ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ١١ وَ
اگر نفع کرے نصیحت کرنا ضرور نصیحت پکڑے گا وہ جو ڈرتا ہے اور
يَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ١٢ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ١٣
ایک طرف رہے گا اسی سے بدبخت جو داخل ہوگا آگ بڑی میں

یہ کوشش کہ وہ ثابت کریں کہ قرآن میں بعد کے زمانہ میں کوئی تبدیلی ہوئی ، بالکل ناکام ثابت ہوئی۔'' (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ قرآن) گزشتہ شریعتیں عارضی فوائد کی حامل تھیں اس لئے وہ مٹ گئیں جبکہ قرآن کریم مستقل فائدہ پہنچانے والی کتاب ہے۔ قرآن کریم کی ظاہری اور لفظی حفاظت کا اللہ نے ذمہ لیا ہے۔اس کا ایک ایک لفظ اسی قوت اورشان سے زندہ اور محفوظ ہے۔ہاں معنوی طور پر کمزوری آئے گی جب صرف الفاظ لوگوں کے پاس رہ جائیں گے۔جیسا کہ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کے صرف الفاظ رہ جائیں گے۔(مشکوٰۃ ۔کتاب العلم ۔الفصل الثالث صفحہ ۳۸ ۔کنز العمال جلد ٦ صفحہ۴۳) گویا قرآن اوراسلام کا ظاہر رہ جائے گا اور باطن اٹھ جائے گا ۔خدا تو ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی تب بروایت حضرت ابوہریرہؓ اللہ تعالیٰ اسے ثریا سے واپس لانے کے لئے سلمان فارسیؓ کی نسل سے ایک یا کچھ لوگ مقرر فرمائے گا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ) اس لئے کہ قرآن نور ہے جو صرف نورانی لوگوں پر کھلتا ہے۔

فرمایا ہم تجھے آسانی میسر کریں گے۔ **نیسّرک للیسریٰ** ۔ کے اوّل معنی یہ ہیں کہ یہ ایسی تعلیم ہے جس پر ہر فطرت کا انسان عمل کرسکتا ہے ۔گویاانسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس پر عمل ہرگز مشکل نہیں۔سفر میں قصر کی سہولت ہے۔عذر ہو تو تیمّم ہے ۔ مسجد نہ ہوتو ساری زمین ہی مسجد ہے ۔ دوم۔ قرآن کریم کا حفظ کرنا نہایت آسان ہے اس لئے کہ نثر ہونے کے باوجود شعروں کی طرح ہے۔ سوم۔ ایسی تعلیم عطا فرمائی جس میں احکام ہی نہیں بلکہ ان احکام کی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں اور ہر دعویٰ کے ساتھ دلائل موجود ہیں۔

۱۰ تا۱۴۔ قرآن کریم میں اکثر ''اِن'' ''قد'' کے معنوں میں آیا ہے یعنی تحقیق۔جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک رہنے والی کتاب سے نوازا اور اس پر عمل کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں مہیا کیں تو فرمایا کہ اس نعمت میں دیگر بندگانِ خدا کو بھی شریک کرو اور انہیں نصیحت کرو۔ وعظ ونصیحت سے تھکنا نہیں چاہیئے کوئی سنے یا نہ سنے ، کرتے چلے جانا چاہیئے اور نصیحت کرنا ترک نہیں کرنا چاہیئے ۔نصیحت ضرور فائدہ دے گی۔ داعی الی اللہ کے لئے بہترین نسخہ ہے۔جس کے دل

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ١٤ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ١٥
پھر نہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا یقیناً بامراد ہوا وہ جو پاک ہوا
وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ١٦ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ١٧
اور یاد کیا نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی بلکہ تم مقدم کرتے ہو زندگی دنیاوی کو
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ١٨ إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى ١٩
حالانکہ آخرت بہت بہتر ہے اور باقی رہنے والی یقیناً یہ البتہ صحیفوں پہلوں میں ہے
ع ۲۰ ۱۲ صُحُفِ إِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ٢٠
یعنی صحف ابراہیم اور موسیٰ میں

میں خدا کا خوف ہوگا اور اپنے انجام کی فکر ہوگی وہی نصیحت کو توجہ سے سنے گا ۔بالآخر ان کے سینے کھلیں گے اور ہدایت کو قبول کریں گے۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی پورے عرب نے اسلام قبول کیا۔ فرمایا ہدایت سے محروم بڑا شقی ہوگا۔ورنہ عام شقی بھی کسی وقت ہدایت پاجاتا ہے۔چونکہ اس نے سب سے بڑے نبی کا انکارکیا اس لئے سب سے بڑی آگ میں داخل کیا جائے گا۔اس میں داخل ہونے کے بعد اس کی حالت ایسی ہوگی کہ نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔ نہ مرکر عذاب سے چھٹکارا حاصل کرسکے گا اور نہ ہی اس کا شمار زندوں میں ہوگا ۔گویا اس کی زندگی موت سے بدتر ہوگی۔

۱۵ تا ۲۰۔ فرمایا تزکیہ سے یعنی ظاہری و باطنی پاکیزگی سے انسان فلاح کو حاصل کرسکتا ہے۔اس میں زکوٰۃ بھی شامل ہے جو ایک مومن کے مال کو پاک کرتی ہے ۔یہاں ذکر کے ساتھ ہی فصلّٰی کا لفظ ہے جس سے ظاہر ہے کہ ذکر سے مراد محض زبان سے رٹ لگانا نہیں بلکہ اس سے مراد وہ زبانی عبادت ہے جو تسبیح وتحمید پر مشتمل ہو اور بندے کی غذا ہو اور اسے بدنی عبادت کی تحریص دلاتی ہو۔ یعنی ایسا ذکر ہو کہ ایک بندے کے دل پر خدا تعالیٰ کی محبت اس قدر غالب آئے کہ وہ بے چین ہوکر اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہوجائے ۔

افسوس تمہاری ساری فکریں دنیا تک محدود ہیں جبکہ آخرت دنیا کے مقابلہ میں خیراور افضل واعلیٰ ہے ۔ وہ ہر لحاظ سے دنیا پرفوقیت رکھتی ہے۔اس کی نعمتیں ابدی ہیں جبکہ دنیا کی فانی ۔

قرآن پہلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں یہی تعلیم تھی جو مرور زمانہ سے تحریف کاشکارہوئی۔تاہم بنیادی تعلیم اللہ تعالیٰ کے تصرفِ خاص سے محفوظ رہی۔ قرآن کریم نے سابق صحیفوں کی بہترین تعلیم کو اپنے اندرجمع کرلیا۔ اس کی تطہیر فرمائی اور اسے کمال تک پہنچایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ غاشیہ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی ستائیس آیات ہیں

ابتدائی مکی زمانہ کی سورۃ ہے۔ بحر محیط کے مصنف نے بیان کیا کہ اس سورۃ کا سورۃ اعلیٰ سے قریبی تعلق ہے اُس میں نار اور آخرت سے ڈرانے کا حکم تھا اس میں دوزخ اور جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔

ڈھانپ لینے والی سے مراد قیامت ہے نیز مسلسل آنے والے عذابوں کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں خاص طور پر مکّہ کا سات (۷) سالہ قحط مراد ہے نیز حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں آنے والی تباہیوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔

دوزخ اور جنت کی کیفیات بیان فرمائیں اور انسان کو اپنے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں پر غور و فکر کی دعوت دی اور منکرین کو ہدایت کی طرف بلانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تیرا کام نصیحت کرنا ہے، زبردستی منوانا نہیں۔ سورۃ کا اختتام ان آیات پر ہوا کہ بالآخر انہیں ہمارے حضور ہی پیش ہونا ہے پھر ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۲ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۳

کیا آئی تیرے پاس بات ڈھانک لینے والی کتنے منہ اس دن ذلیل ہونے والے ہیں

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۴ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۵ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ

عمل کرنیوالے محنت کرنیوالے داخل ہونگے آگ جلتی میں پلائے جاویں گے چشمہ

اٰنِيَةٍ ۝۶ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۷ لَّا يُسْمِنُ وَ

کھولتے میں سے نہیں ان کے لیے کھانا مگر تھوہر (ناگ پھنی) کا جو نہ موٹا کرے اور

لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۸ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۹ لِّسَعْيِهَا

نہ کافی ہو بھوک کو کتنے منہ اس دن خوش و خرم ہوں گے اپنی سعی سے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۸۔ **غاشية** ۔ڈھانک لینے والی چیز۔ اسی سے غشی ہے جو حواس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ **خاشعة۔ خشع** ۔جھکنا۔ ذلیل ہونا۔ نماز میں خشوع کا یہی مطلب ہے کہ اپنے ربّ کے حضور جھکے اور عاجزی اور پستی کے آثار اپنے وجود پر طاری کرے۔ **ناصبة**۔ نصب ۔تھکا دینا ہے۔ نصب کرنے یعنی گاڑنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ **ناصبة** سخت محنت کرنے والی۔ **حامية۔ الحَميُ** ۔گرمی۔ حرارت۔ اسی سے حمام ہے۔ **حامية** ۔شدت سے بھڑکنے والی۔ **اٰنية۔ انیٰ** کے معنی وہ قریب ہوگیا کے ہیں۔ جب پانی کے متعلق یہ لفظ بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ پانی سخت گرم ہوگیا (اقرب) **ضريع** ۔ زہریلی سوکھی ہوئی گھاس۔ جسے جانور بھی نہیں کھاتا۔ تھوہر۔ **يُسمن۔ سَمن** کے معنی موٹاپا کے ہیں ۔**يُسمن** ۔وہ موٹا کرتا ہے۔

فرمایا کیا تیرے پاس ڈھانک لینے والی خبر نہیں پہنچی۔ ڈھانک لینے والی سے مراد قیامت ہے جو اپنے خوف سے مخلوق کو ڈھانک لیتی ہے۔ (لسان العرب) گویا قیامت ایک ایسی آفت ہوگی جو ہر چیز پر چھا جائے گی۔ بعض چہرے اس دن سخت خوفزدہ ہوں گے۔ یہ وہ ہوں گے جنہوں نے دنیوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے شدید مشقت کی اور تھک کر چور ہوئے۔ وہ بڑھکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے انہیں کھولتے ہوئے چشمہ سے پلایا جائے گا۔ ان کے لئے ضریع کے سوا کوئی کھانا نہ ہوگا جو نہ فربہی لائے گا اور نہ بھوک میں کچھ کام آئے گا۔ گویا پانی جو تروتازگی اور شادابی کا باعث ہے اور خوراک جو جسم کو توانائی مہیا کرتی ہے، دوزخی ان دونوں سے محروم ہوں گے۔ اس

رَاضِيَةٌ ﴿۱۰﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۱﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۲﴾ فِيْهَا
راضی ہوں گے بہشت بریں میں نہ سُنتے ہوں گے اس میں بیہودہ بات اس میں ہیں

عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۳﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۵﴾
چشمہ ہے جاری اس میں تخت ہیں بلند اور آبخورے ہیں دھرے ہوئے

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۷﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ
اور تکیے ہیں قطار دار اور مسندیں ہیں بچھائی ہوئی پس کیا نہیں وہ دیکھتے

میں سبق یہ ہے کہ جو لوگ اپنے ربّ کی رضا کے لئے کام نہیں کرتے اور ان کی ساری جدوجہد دنیا طلبی کے لئے ہوتی ہے وہ آخر اپنے بد انجام کو پہنچتے ہیں۔

غاشية میں مسلسل آنے والے عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو ہر خوشی کو ڈھانپ لیں گے۔ چنانچہ ان میں وہ عذاب بھی شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آئے اور وہ بھی جو آپ ﷺ کے مسیح و مہدیؑ کے زمانہ میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا سات (۷) سالہ قحط جس میں ابوسفیان جیسا متکبر سردار دربار نبوی میں دعا کی بھیک مانگنے آیا۔ (بخاری کتاب تفسیر القرآن تفسیر سورۃ دخان) اور آپ ﷺ کی دعا سے عذاب ٹل گیا جو **غاشية** سے کم نہیں تھا، شدید قحط میں یقیناً چہرے بگڑ جاتے ہیں لوگ محنت مشقت کر کے چور ہو جاتے ہیں لیکن ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ کفار کی زندگی میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فاتح کی صورت مکّہ میں داخل ہونا اور سارے عرب کا اسلام کے جھنڈے تلے آجانا، ایسے تلخ گھونٹ تھے جو انہوں نے دنیا ہی میں **عين اٰنية** کا مزا چکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق شدید زلزلے۔ طاعون اور قحط کے عذاب آئے۔ ۱۹۴۲ء کا شدید قحط جس میں صرف بنگال میں بیس لاکھ افراد بھوک سے موت کا شکار ہوئے **غاشية** کا ہی نمونہ تھا۔ کاش لوگ سمجھیں! **غاشية** میں آخری تباہی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۹ تا ۱۷۔ **ناعمة۔ نعم** ۔ بحرِمحیط کے مصنف نے **ناعمة** کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ان میں حُسن اور نضارت اور تازگی پائی جائے گی اور ان کے چہرے خوبصورت ہوں گے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں بڑی بڑی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ (بیان) **لاغية**۔ لغو۔ بیہودہ بات۔ **نمارق**۔ واحد **نمرقة**۔ تکیے۔ **ذرابیّ۔ ذربيّة** کی جمع ہے۔ (اقرب) فرش۔ مسند۔ **مبثوثة۔ بثّ** کے معنی ہیں کسی چیز کو پھیلایا (مفردات) **مبثوثة** پھیلائے ہوئے۔ بچھائے ہوئے۔

اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى
اونٹوں کی طرف کس طرح وہ پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کی طرف۔ کیسے وہ بلند کیا گیا اور

الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۲۰﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۱﴾
پہاڑوں کی طرف کیونکر وہ گاڑے گئے اور زمین کی طرف کیسے وہ بچھائی گئی

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۲﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۳﴾
پس نصیحت کر صرف تُو تو نصیحت کرنیوالا ہے نہیں تو ان پر داروغہ

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۴﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۵﴾
مگر جس نے منہ پھیرا اور کفر کیا پس دے گا اللہ اسکو عذاب بڑا

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۷﴾ ع ۱۴
یقیناً ہماری طرف ہے لوٹنا ان کا پھر یقیناً ہمارے ذمہ ہے حساب ان کا

جہنمیوں کے بالمقابل اہل جنت کا حال بیان فرمایا اور اخروی نعمتوں کا ذکر کیا۔ فرمایا ان کے چہرے تروتازہ ہوں گے یہ لوگ اپنی کوششوں پر جو اپنے ربّ کی رضا کے لئے دنیوی زندگی میں کیا کرتے تھے، خوش اور مطمئن ہوں گے۔ ایسے عالی مرتبہ باغ میں ہوں گے جس میں لغویات کا دخل نہ ہوگا۔ اس میں ایک بہتا ہوا چشمہ ہوگا، اونچے بچھائے ہوئے تخت ہوں گے اور سلیقہ سے چنے ہوئے آبخورے اور صف بہ صف لگائے ہوئے تکیے ہوں گے اور بچھائی ہوئی مسندیں ہوں گی۔ بیشک جنت میں یہ سب نعمتیں ملیں گی مگر یہ تمام انعامات صحابہ کو دنیا میں بھی نصیب ہوئے۔ انہیں شام اور فلسطین کے باغات اور قیصر و کسریٰ کے محلات عطا ہوئے جن میں دنیا جہان کی نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں۔

ابتدائی مکی زندگی میں جب مسلمانوں کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی، منکرین کو عذاب اور مسلمانوں کو کامیابی اور جنت عالیہ کی خوشخبری، پیشگوئی کے طور پر دی گئی۔ پھر دنیا میں ایسا ہی وقوع میں آیا جو قیامت کا ثبوت ٹھہرا۔

۱۸ تا ۲۷۔ **سُطحت** سطح مکان پر چھت ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی چھت کی طرح ہموار کرنے کے بھی ہیں۔ **سُطحت**۔ ہموار کی گئی۔

اُخروی نعمتوں کے ذکر میں دنیوی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی اور اہل عرب کو جو قرآن کریم کے اوّل مخاطب تھے، ان چیزوں پر غور کرنے کی دعوت دی جو ان کے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی تھیں۔ فرمایا کیا تم نے اونٹ کی پیدائش پر غور نہیں کیا کہ اس میں وہ خصوصیات کیسے پیدا ہوگئیں جن کی عرب کے صحرا میں رہنے والے انسان کو ضرورت تھی۔ اونٹ کی خلقت پر غور کریں تو

یہ واقعی صحرا کا جہاز ہے ۔اونٹ نہ صرف عرب میں بلکہ دنیا کے ایک بڑے صحرائی خطہ میں ایک کارآمد جانور کی حیثیت سے جانا جاتا ہے ۔ ریگستان کی جھلسادینے والی گرمی میں چلتے ہوئے ۔ اونٹ کو پیاس بجھانے کے لئے وافر پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اپنے کوہان میں جمع شدہ چربی کے ذخیرے کوتھوڑی تھوڑی مقدار میں استعمال کرتاجاتا ہے جس سے پانی کی مطلوبہ مقدار کے علاوہ سفر جاری رکھنے کے لئے کئی ہفتہ تک توانائی بھی مہیا ہوجاتی ہے ۔شدید گرمی میں بھی اس کے پانی کاذخیرہ سات تا دس دن تک اس کی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اپنے جسم میں ذخیرہ شدہ چربی کی کافی مقدار کواستعمال کرلینے سے اس کا وزن خاصا کم ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات ۲۵فیصد تک گھٹ جاتا ہے۔ یہ ایک مسکین طبع جانور ہے اپنی لمبی گردن سے درختوں کے پتے اورشاخیں وغیرہ کھاکر گزارہ کرلیتا ہے۔جیسے ہی اسے غذا کھانے کوملتی ہے یہ پھر سے اپنا وزن واپس حاصل کرلیتا ہے ۔ اس کے پیر بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے بنائے ہیں جو اسے ریت میں دھنسنے سے بچاتے ہیں۔ اتنے اونچے جانور پر چڑھنا آسان نہ تھا مگر قدرت نے اس کی ٹانگ میں دو گھٹنے بنادیئے ۔وہ تہ کرکے بیٹھ جاتا ہے اور اس پر چڑھنااور اترنا آسان ہوجاتا ہے۔غرض اونٹ ریگستانی علاقوں میں ایک نعمت بے بہاہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آیت :۱۸ کی نہایت عمدہ تشریح فرمائی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹوں میں ایک دوسرے کی پیروی اوراطاعت کی قوت رکھی ہے تمام اونٹ ایک اونٹ کے پیچھے لمبی قطار میں ایک خاص انداز اور رفتار سے چلتے ہیں گویا ان کی سرشت میں اتباع امام کا مادہ ہے۔اس میں انسانوں کے لئے سبق ہے کہ دنیا کے سفر کوقطع کرنے کے واسطے جب تک ایک امام نہ ہو انسان بھٹک بھٹک کرہلاک ہوجاتا ہے۔

اونٹ زیادہ بارکش اورزیادہ چلنے والا ہے اس سے صبر و برداشت کا سبق ملتا ہے۔ اونٹ کا خاصہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے ۔غافل نہیں ہوتا۔ پس مومن کو بھی ہروقت اپنے سفر کے لئے تیار اورمحتاط رہنا چاہیئے اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۲ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۴، ۵) اونٹ پر یا دیگرزمینی جانوروں پر ہی کیا منحصر ہے ، نظر اٹھا کر دیکھیں تو نظام کائنات جو قوانین خداوندی کے مطابق سرگرم عمل ہے انسانی زندگی کے قیام کے لئے نہایت اہم کردار اداکرتا ہے ۔ فرمایا کیا تم نے آسمان پر غور نہیں کیاکہ اسے کیسے رفعت دی گئی ہے ۔ اس کی لامحدود فضامیں ہوا کی ترکیب ، بارش کانظام ،سورج ،چاند اور ستاروں کاکردار ، اے انسان! یہ سب تیری بقا اور تجھے آرام پہنچانے کے لئے ہے ۔ پھر پہاڑوں کی طرف نظردوڑاؤ یہ کیسے مضبوطی سے گاڑے گئے ہیں جو انسان کے لئے خوراک اور پانی کی فراہمی کے ذرائع اورمعدنیات کے

ذخیرے ہیں۔ (پہاڑوں کے فوائد حجر:۲۰) کبھی زمین پر غور کیا کہ یہ کیسے بچھائی گئی ہے یہ انسان کی جائے سکونت بھی ہے اور اس پر پیدا وار کا انحصار بھی ہے ۔ یہ سب اس قادر مطلق کی کاریگری اور صناعی کا کمال ہے ۔ اے انسان ! یہ ساری کائنات اس مالک حقیقی نے تیرے تصرف میں دے دی ہے۔ پس ان لامحدود نعمتوں کے شکرانے کے طور پر تو اس کے بندوں کو بھی اس شکر میں شامل کراور انہیں ہدایت کی طرف بلا ۔تو نصیحت کر ، نصیحت سے تھک مت۔ تُو تو باربار نصیحت کرنے والا ہے۔ تاہم توان پرداروغہ نہیں کہ انہیں زبردستی ہدایت کی راہ پر لے آئے ۔مگر جس نے تیری بار بار نصیحت کے باوجود پیٹھ پھیرلی اور کفر کا مرتکب ہواتو اسے اللہ سب سے بڑا عذاب دے گا۔ یہاں بتلایا کہ تو داروغہ نہیں کیونکہ انہیں تیری طرف لوٹنا نہیں۔ اللہ داروغہ ہے اسی کی طرف لوٹنا ہے پھر یقیناً اللہ پر ہی ان کا حساب ہے۔

مشکوۃ باب الحساب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں **اللّٰھمَّ حاسبنی حسابًا یسیرًا** کہتے تھے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ فجر۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی اکتیس آیات ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی ۔ اس میں فجر کے طلوع پر دس راتوں کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے ۔اور پھر شفع اور وتر کو اور رات کو جب وہ چل پڑے ۔(تشریح آگے آئے گی)

عاد وثمود اور فرعون کی مثالوں میں خبردار کیا کہ تم سے پہلے مکذبین انبیاء کا جو انجام ہوا ، تمہارا انجام ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

بتلایا کہ رسول تمہیں مکارم اخلاق پر قائم کرنے آیا ہے جبکہ تمہاری اخلاقی حالت نہایت درجہ ابتر ہے چنانچہ انہیں بنی نوع انسان کی خدمت کی تحریص دلائی کہ غریبوں اور مظلوم قوموں کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے ان کے دکھوں کو دور کرنے اور انہیں اعلیٰ اخلاقی اقدار پر قائم کرنے میں جو بھی کوشش کرے گا اس کے لئے خوشخبری ہے کہ عظیم جزا پائے گا۔ سورۃ فجر سے شروع ہونے والی پانچوں سورتوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ان میں ایسے اخلاق فاضلہ پر قائم ہونے کی تلقین کی گئی ہے جو قومی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہیں چنانچہ ان سورتوں میں غرباء و مساکین اور یتامیٰ کی حالت سدھارنے اور ان پر مال خرچ کرنے کی تحریص دلائی گئی ہے۔

سب سے بڑی خوشخبری آخری آیات میں بیان کی گئی ہے کہ انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی حالت جسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے اللہ کے خاص فضل و احسان سے مجاہدات اور عشقِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے یہی ایک انسان کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ ہے ۔ ایسے انسان کو دنیا و آخرت میں خوشخبریاں ملتی ہیں کہ تو اپنے ربّ سے راضی ہی نہیں بلکہ تجھے اپنے ربّ کی رضا بھی حاصل ہے اور تیرا ربّ بھی تجھ سے راضی ہے ۔ پس آ اور میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالْفَجْرِ ۝۲ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۳ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۴ وَالَّيْلِ
قسم ہے فجر کی | اور دس راتوں کی | اور جفت | اور طاق کی | اور رات کی

اِذَا يَسْرِ ۝۵ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۶ اَلَمْ تَرَ
جب رواں ہو | کیا اس میں | قسم ہے | عقلمندوں کے لیے | کیا نہ دیکھا تو نے

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔**یسر۔سرٰی** کے معنی رات کو چلا۔(اقرب) **والّیل اذا یسر**۔اور رات کو جب وہ چل پڑے۔ **حجر** کے معنی عقل کے ہیں۔(اقرب) **ذی حجر**۔ عقلمند۔

فرمایا میں شہادت کے طور پر فجر کو پیش کرتا ہوں اور دس راتوں کو بھی اور ایک جفت اور ایک وتر کو اور رات کو جب وہ چل پڑے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں بعض دیگر علماء نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے ۔بعض نے رمضان کا آخری عشرہ مراد لیا ہے مگر ان معنوں سے باقی آیات کا جوڑ نہیں بنتا۔

اس سورۃ کے نزول کے وقت دعویٰ نبوت پر تین سال گزر چکے تھے۔جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اس وقت تک آپ ﷺ کی مخالفت زیادہ نہیں تھی۔ اکثر مخالفین اسے مذاق میں اڑا دیتے یا مسلمانوں کو پاگل یا مجنوں کہہ کر خاموش ہوجاتے۔اس سورۃ میں آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ اب ایسے دس سال آنے والے ہیں کہ تمہیں شدید مخالفت اور تکالیف کا سامنا ہوگا۔ان دس سالوں کو مشکلات اور مصائب کی وجہ سے استعارۃً دس راتیں کہا گیا۔ آپ ﷺ کو بتلایا کہ مصائب کا شدید دور دس خوفناک راتوں سے مشابہ ہوگا لیکن فجر کی خوشخبری پہلے دی تا مسلمانوں کو تسلی ہو کہ ان دس راتوں کے بعد ایک خوشگوار فجر طلوع ہوگی۔آخر ہجرت مدینہ سے دس بھیانک راتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا سورج طلوع ہوا۔اسی سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ہجرت کو طلوع آفتاب سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا کہ ہجرت کے ساتھ ہی ایک اور معجزہ دکھائیں گے جس کا تعلق شفع اور وتر سے ہوگا۔یہ وہ واقعہ ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ چھپے ہوئے تھے۔اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے تسلی دی کہ **لاتحزن ان اللّٰہ معنا**۔(توبہ رکوع ۶) کہ ہم دو نہیں ہمارے ساتھ ایک وتر بھی ہے ۔ اس کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمادی کہ **ان اللّٰہ وترٌ و یحب الوتر**۔خدا تعالیٰ وتر ہے

كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۷﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۸﴾ الَّتِي

کیا حال کیا تیرے رب نے عاد ارم ستونوں والے کا وہ جو

اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ ہجرت سے دس راتیں ختم ہوئیں۔ شفع و وتر کا واقعہ ہوا لیکن ابھی مشکلات کا ایک سال باقی تھا۔ یہ وہ رات تھی جب مدینہ میں بھی ایک پل آرام کا نصیب نہ ہوا۔ جب مصائب کے قریباً گیارہ سال گزر گئے تو غزوہ بدر کی صورت یوم فرقان طلوعِ فجر کا پیغام لایا۔ کفار کی طاقت کچلی گئی اور مسلمانوں پر فتح و کامرانی کی صبح طلوع ہوئی۔ اور بائبل کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا ۱۷ میں لکھا ہے۔ ’’عرب کی بابت الہامی کلام ۔۔۔۔۔۔ کیونکہ خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔‘‘ قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کا بیٹا تھا۔ عرب خود کو اس کی اولاد مانتے ہیں۔ اس میں دو پیشگوئیاں مضمر تھیں۔ پہلی کا ذکر گزرا دوسری یہ کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تین سال کے بعد ظلم و تعدی کا دور آیا جو دس سالوں پر محیط تھا اسی طرح اسلام کے قریباً تین سو سالہ دور ترقی کے بعد تنزل کا دور آیا جو دس صدیوں تک محیط رہا اور دس راتوں سے مشابہ تھا تا آنکہ مسیح و مہدی کا ظہور ہوا۔ آپ مسیح اور مہدی کے دو القابات کے ساتھ نوازے گئے۔ چونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کا ظل تھے اور آپ نے فنا فی الرسول ہوکر یہ درجہ پایا پس آپ دو بھی تھے اور ایک بھی تھے۔ اگرچہ تیرھویں صدی میں مسیح موعودؑ کا ظہور فجر کے قائم مقام تھا لیکن یہ رات جائے گی نہیں۔ مسیح کی آمد کے معاً بعد اسلام کی ترقی نہیں ہوگی۔ بیشک فجر کی شعاعِ نور نظر آ جائے گی اور امیدیں بندھ جائیں گی مگر ابھی رات نہیں جائے گی۔ مصائب و آلام کی یہ ایک صدی رات سے مشابہ ہوگی پھر یوم فرقان ظاہر ہوگا۔ اسلام اور احمدیت کی کامل فتح جیسا کہ مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا قریباً تین سو سال کے بعد ہوگی۔ (تفسیر کبیر جلد ہشتم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر زیر آیۃ ھٰذا سے استفادہ کیا گیا ہے) حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ’’سب فرقوں میں میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔‘‘ (تذکرہ صفحہ ۶۰۴) فرمایا کیا ان تمام شہادتوں میں عقلمندوں کے لئے کوئی قابلِ قبول شہادت نہیں کہ وہ اسے تسلیم کر لیں۔

۷ تا ۱۵۔ **العماد**۔ اونچی عمارتیں۔ ستون۔ **جابوا۔ جاب** سے جمع ہے تراشنا۔ کھودنا۔ **الاوتاد۔ وتد** کی جمع ہے۔ کھونٹے یا لکڑی کے کیلے جو دیوار یا زمین میں گاڑے جاتے ہیں میخیں۔

لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۹﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا

نہیں بنایا گیا مانند اس کی شہروں میں اور ثمود کا جو تراشتے تھے

الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۱۰﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۱﴾ الَّذِينَ

پتھروں کو وادی میں اور فرعون میخوں والے کا یہ سب تھے جنہوں

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۲﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۳﴾ فَصَبَّ

نے سرکشی کی شہروں میں پس بہت کیا انہوں نے اس میں فساد تو ڈالا

عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۴﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۵﴾ فَأَمَّا

ان پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا یقیناً تیرا رب البتہ گھات میں ہے پس جو

صبّ۔ صبّ الماء۔ اس نے پانی کو بہا دیا۔ سوط ایسی سخت چابک جس سے خون بہنے لگے۔ **فصبّ علیھم ربک سوط عذاب**۔ پس تیرے ربّ نے عذاب کا کوڑا ان پر برسایا۔ **مرصاد**۔ گھات۔

اب تاریخ امم کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد سے کیا معاملہ کیا اور کیا تم نے ان کے حالات سے نصیحت حاصل نہیں کی۔ ایک مشہور عیسائی مؤرخ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ عاد کے متعلق مؤرخوں کی سینکڑوں صفحوں کی کتابیں اس سے زیادہ معلومات بیان نہیں کر سکیں جتنی معلومات قرآن نے اپنے چند الفاظ میں بیان کر دی ہیں۔ (العرب قبل الاسلام مصنفہ جرجی زیڈان) غرض قوم نوح کے بعد ان کی شاخ عاد نے غلبہ حاصل کیا۔ یہ ایک قدآور اور طاقتور قوم تھی۔ انہیں ذات العماد کہا گیا یعنی ستونوں والے۔ یہ ستونوں پر بڑی اونچی اور عالیشان عمارتیں بناتے تھے۔ ان جیسی تعمیر ملکوں میں کبھی نہیں کی گئی۔ (تفصیل الاعراف رکوع ۹۔ ھود رکوع ۵) عاد کے بعد قوم ثمود کا عروج ہوا جو حضرت صالحؑ کی قوم تھی (تفصیل الاعراف رکوع ۱۰۔ ھود رکوع ۶) یہ وادی قریٰ میں پہاڑوں کو کھود کر گھر بناتے تھے۔ فرعون کو میخوں والا کہا۔ (تفصیل بقرہ ۵۰ تا ۹۴) بلند و بالا اونچی عمارت پر بھی وتد کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد زمین میں نہایت گہری کھودی جاتی ہے۔ اہرام کی طرف بھی اشارہ ہے جو کیلے کی شکل میں زمین میں نہایت مضبوطی سے کھڑے ہیں اور اپنی بلندی اور شان میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز فرعون کی عظیم فوج جب پڑاؤ ڈالتی تو میدان خیموں سے بھر جاتا اور جابجا کیلے نظر آتے اس لحاظ سے بھی فرعون کو کیلوں والا کہا۔ نیز یہ میخیں ٹھونک کر مظلوموں پر تشدد کرتا۔ فرمایا انہوں نے شہروں میں بے حد فساد کیا۔ فساد بڑے جرائم کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس فساد میں غریبوں پر ظلم، ان کی حق تلفی، ان سے بیگار لینا اور سرکشی مراد ہے گویا فرعون نے فساد کو انتہا تک پہنچا دیا۔ پس تیرے ربّ نے

الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَیَقُوْلُ

انسان کہ جب آزماتا ہے اس کا رب تو عزت دیتا ہے اس کو اور نعمت دیتا ہے اسکو پھر کہتا ہے

رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ؕ ۱۶ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ ۙ

میرے رب نے عزت دی مجھکو اور جب آزماتا ہے اس کو اور تنگ کرتا ہے اس پر اس کا رزق

فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ۚ ۱۷ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ۙ ۱۸ وَ

تو کہتا ہے میرے رب نے ذلیل کیا مجھ کو ہرگز نہیں تم عزت کرتے یتیم کی اور

لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۙ ۱۹ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا

نہ ترغیب دیتے ہو کھانا کھلانے فقیر کے لیے اور تم کھاتے ہو میراث کو کھانا

لَّمًّا ۙ ۲۰ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ ۲۱ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ

پے درپے اور تم کرتے ہو مال سے محبت بہت ہرگز نہیں جب توڑی جاویگی زمین

ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔یقیناً تیرا ربّ گھات میں تھا یعنی وہ ان کے اعمال کی نگرانی کر رہا تھا اور یہ اس سے بچ کر نکل نہیں سکتے تھے۔ اگر اہل مکہ ذرا بھی عقل سے کام لیں تو بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ان کا انجام بھی ان سابقہ قوموں جیسا ہی ہونے والا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں کہ عاد وثمود کی مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو متنبہ کیا کہ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہونے والا ہے۔ ہم ڈھیل دیتے ہیں آخر ایک دن آئے گا کہ قیدار کی ساری حشمت کو خاک میں ملادیا جائے گا۔

اس پیشگوئی کے دوسرے ظہور کا تعلق مسیح موعودؑ کے زمانہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم کی دسویں رات ایک خاص شان اور عظمت رکھتی ہے کیونکہ اس دن میں خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرعون سے نجات دی اور میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسا ہی واقعہ میری امت میں ایک دفعہ ہوگا اور میری امت کو اس دن ایک عذاب سے نجات ملے گی۔ (تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعود جلد ہشتم صفحہ ۵۴۸) کیل میں راکٹ کی طرف بھی اشارہ ہے جو کیل سے مشابہ ہے۔آج کا فرعون امریکہ ہے۔کوئی ملک نہیں جو اس فرعون کی سرکشی سے بچ گیا ہو۔تمام بے حیائیاں یہاں سے پھوٹیں اور تمام دنیا کی تہذیب کو گندہ کردیا۔ پس اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلوں کا ہوا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے استفادہ کیا گیا)

۱۶ تا ۲۱۔**تحآضّون۔ حاضّ** سے جمع مخاطب کا صیغہ ہے۔ حاضّہ علیہ کے معنے ہیں دو شخصوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو کسی کام کے کرنے کی رغبت دلائی۔ (اقرب) تراث وہ مال جو آدمی اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔(اقرب) میراث۔**لمّا** کے معنی بہت سمیٹ کر جمع

کرنے کے ہیں۔(اس کا مصدر ملتہ ہے) **جمّاجمّ** کے معنے کثیر کے ہیں۔ بہت زیادہ۔شدید۔

ان آیات میں بتلایا کہ فراخی اور تنگی ، عزت و ذلت کا معیار نہیں یعنی دنیا میں مادی آسائشیں مقبول عنداللہ ہونے کی علامت نہیں اور نہ تنگیٔ رزق مردود ہونے کا نشان ہے۔اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت و نعمت عطا ہوئی ہے تو اس میں اس کا کوئی حق تھا نہ کمال یہ محض آزمائش کے طور پر ہے۔ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا شکر کرو اور بندگان خدا کو اپنی نعمتوں میں شریک کرو۔انسان کا یہ کہنا کہ میرے ربّ نے میرا اکرام کیا، محض گستاخی ہے۔ اللہ کسی کے اکرام کرنے کا پابند نہیں ۔اگر اللہ کی مشیت کے تحت رزق میں تنگی ہوئی تو صبر کرنے کی بجائے شکوہ کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ نے میری توہین کی ، بہت بڑی گستاخی ہے۔گویا میں تو بڑا عظیم انسان تھا۔مجھ پر تنگی کا دور آ ہی نہیں سکتا تھا۔ میرا تو حق تھا کہ میری عزت ہوتی۔ خدا نے مجھے ذلیل کردیا۔ جب خود محروم ہوتے ہو تو کہتے ہو ہماری بے عزتی ہوئی تو دوسرے محرومین کی عزت کا بھی خیال رکھو اور اللہ کے دئے ہوئے میں سے انہیں دو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دولت و آسائش میں تمہاری کسی خوبی کا دخل نہیں یہ تو بطور آزمائش ہے کہ تم کہاں تک عطا کرنے والے کا شکر ادا کرتے ہو۔نعمتوں کے ذریعہ جو ابتلا آتا ہے، نہایت سخت ہوتا ہے۔ انسان عطا کرنے والے کو بھول جاتا ہے۔انعامات میں اپنا کمال سمجھتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے ۔ حضرت عمرؓ کا ایک قول ہے آپ نے فرمایا کہ ہم مصیبتوں سے آزمائے گئے اور ہم نے صبر کیا اور ہم انعامات سے آزمائے گئے تو ہم میں سے کئی لوگ صبر نہ کرسکے۔

درِّ یتیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بھی تھی اور دیگر یتامیٰ بھی مراد ہیں۔ یہاں یتیم کی عزت کا حکم دیا۔یہ نہیں کہا کہ اسے کھانا کھلاؤ گویا ایک یتیم عزت کا زیادہ حقدار ہے۔ یتیم کی خبرگیری اور اس کی پرورش کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس سے بعینہٖ اپنے بچوں جیسا سلوک کرو۔ جس نے ایسا کیا اس نے یقیناً یتیم کی پرورش کا حق ادا کردیا۔ مساکین کے کھانے اور دیگر ضروریات کا خود بھی خیال رکھو اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے رہو۔

تمہاری حرص کا یہ عالم ہے کہ اپنی موت سے بے پرواہ ہوکر اپنے حصہ کے ساتھ دوسرے ورثاء کے حصہ پر بھی قبضہ کرلیتے ہو۔ مال سے محبت کی حالت یہ ہے کہ مال کو سمیٹ کر بیٹھے ہوئے ہو۔یہ مال اس لئے عطا ہوا کہ اسے جائز کاروبار پر لگاؤ نیز یتامیٰ و مساکین کی خبرگیری کرو اور وہ بندگان خدا جو غربت کی چکّی میں پس رہے ہیں ، انہیں اٹھاؤ اور اپنے برابر کھڑا کرو۔ یہ مال کی محبت ہی ہے جو ہر نیک کام سے انسان کو روک دیتی ہے اور بُرے کام کی طرف مائل کرتی ہے ۔

دَكًّا دَكًّا ﴿۲۲﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۳﴾ وَجِايْٓءَ
ریزہ ریزہ — اور آئے گا تیرارب — اور فرشتے — صف باندھ کر — اور لایا جاویگا

يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ
اس دن — دوزخ کو — اس دن نصیحت پکڑے گا — آدمی — اور کہاں ہے اس کو

الذِّكْرٰى ﴿۲۴﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۵﴾ فَيَوْمَئِذٍ
نصیحت پکڑنا — کہے گا — اے کاش کہ میں پہلے بھیج لیتا اپنی زندگانی کے لیے — پس اس دن

لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۷﴾
نہ عذاب دے گا اس کے عذاب سا کوئی — اور نہ قید کرے گا اس کی قید جیسی کوئی اور

ایسے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں رہتی۔

۲۲تا۲۷۔**دکّــــت۔دکّ الارض** کے معنے ہیں زمین کے اونچ نیچ کو برابر کردیا (اقرب) ہموار کردیا۔کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیا۔**یوثق اوثق** سے مضارع کا صیغہ ہے۔**اوثقہٗ فــی الــوثــاق** کے معنی ہیں اس کو رسہ میں یا کسی اور باندھنے والی چیز میں جکڑ دیا۔(اقرب) **لایوثق وثاقہٗ احد** کے معنی ہیں اس جیسا کوئی نہ باندھے گا۔

کلا میں بتلایا کہ تم میں یہ باتیں نہیں کہ یتامیٰ و مساکین کی عزت کرو اور ان کی جائز ضروریات کا خیال رکھو اور وراثت کے معاملہ میں انصاف کرو اور مال سے بے جامحبت نہ کرو۔ ہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے متبعین کی یہ صفات ہیں۔فرمایا جب زمین ہموار کردی جائے گی اور تیراربّ آئے گا اور صف بہ صف فرشتے بھی۔اور اس دن جہنم کو ایک نئی تجلی میں لایا جائے گا۔اس دن وہ انسان جس کا ذکر ہوا کہ یتامیٰ و مساکین کی عزت و خبرگیری نہیں کرتا تھا۔ دوسرے کی وراثت پر قبضہ کرتا اور مال سے حد سے زیادہ محبت کرتا تھا، نصیحت حاصل کرنا چاہے گا یعنی چاہے گا کہ اپنی اصلاح کرے۔مگر اب اصلاح کا موقع کہاں؟عمل اور اصلاح کا زمانہ گزر چکا ہوگا۔ وہ حسرت سے کہے گا کہ کاش ! میں نے اپنی اس ہمیشگی کی زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا یعنی کچھ نیک عمل کئے ہوتے۔

دنیا میں مومنوں کو شدید عذاب کی چکی میں پیسا گیا تو آج اس کی گرفت جیسی بھی کوئی گرفت نہ ہوگی۔ ہم تمہیں اس طرح باندھیں گے کہ کبھی کسی کو نہ باندھا ہوگا۔قرآنی آیات دنیا پر بھی اطلاق پاتی ہیں۔ اللہ اور فرشتوں کا آنا ایک رنگ میں دنیا میں بھی ہوتا ہے۔جیسا کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ، فرشتوں کا آنا اور کفار کا باندھا جانا ثابت ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۸﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
اے — نفس — آرام پکڑنے والے — لوٹ آ اپنے رب کی طرف خوش ہونیوالا

مَّرْضِيَّةً ﴿۲۹﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۳۰﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۱﴾
پسند کیا گیا — پس داخل ہو — میرے بندوں میں — اور داخل ہو میری بہشت میں

ع ۱۴ ۳۱

۲۸تا۳۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ نفس مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جس میں یہ چاروں صفات پائی جاتی ہوں ۔ جس قوم میں یہ چاروں خوبیاں پیدا ہوجائیں وہ ہر قسم کے تنزل اور ادبار کے خوف سے مطمئن ہو جاتی ہے ۔یتیم پروری کا مادہ ہر فرد کے دل میں ہو تو کسی شخص کو موت سے گھبراہٹ نہیں ہوگی۔وہ ہر جانی و مالی قربانی میں پیش پیش ہوگا۔ کیونکہ موت کے ڈر میں سب سے پہلے بچوں کا ہی خیال ہوتا ہے لیکن جب یہ یقین ہو کہ میرے بعد میرے بچے اپنے ایسے بھائیوں کے زیر نگرانی ہوں گے جو اپنے بچوں اور ان میں فرق نہیں رکھیں گے تو وہ کسی قربانی سے گریز نہیں کرے گا۔ جب مساکین کی خبرگیری ہر شخص نے اپنے ذمہ لے رکھی ہو اور قوم ان سے ہرگز لاپرواہ نہ ہو تو وہ بھی ہر قربانی میں آگے بڑھیں گے خواہ یہ میدانِ جہاد ہو یا تبلیغ کا میدان ۔

جہاں ورثہ کی تقسیم انصاف کی بنا پر ہوگی تو ایسے معاشرہ میں عام انصاف بھی ہوگا اور کوئی کسی کا حق غصب نہیں کرے گا۔مال سے شدید محبت بھی انسان کو گمراہی میں مبتلا کردیتی ہے۔جب دلوں میں مال کی بے جامحبت نہیں ہوگی تو نہ کوئی شخص کسی کو دھوکا دے گا اور نہ ہی قوم کے مفاد سے غداری کرے گا۔ نتیجۃً ایک پر سکون اور ترقی پزیر معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں ہر معاملہ میں انصاف ہوگا اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی اور کوئی شخص دولت کی بے جامحبت میں گرفتار ہوکر ناجائز کام نہیں کرے گا۔(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلد ہشتم صفحہ ۵۷۵ سے استفادہ کیا گیا)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ’’نفس پر تین حالتیں آتی ہیں ۔ سب سے اوّل جو حالت ہوتی ہے اس کا نام نفس امارہ ہے (اس میں نفس بدی کا حکم دیتا ہے) اس حالت میں انسان کی تمام طبعی قوتیں جوش زن ہوتی ہیں اور اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے دریا کا سیلاب آوے۔ اس وقت قریب ہے کہ غرق ہوجاوے۔ یہ جوشِ نفس ہر قسم کی بداعتدالیوں کی طرف لے جاتا ہے لیکن پھر اِس پر ایک حالت اور بھی آجاتی ہے جس کا نام نفس لوّامہ ہے اس کا نام نفس لوّامہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ بدی پر ملامت کرتا ہے اور یہ حالت نفس کی روا نہیں رکھتی کہ انسان ہر قسم کی بداعتدالیوں اور جوشوں کا شکار ہوتا چلا جاوے جیسا کہ نفس امارہ کی صورت میں تھا بلکہ نفس لوامہ اسے بدیوں پر

ملامت کرتا ہے۔یہ سچ ہے کہ نفس لوامہ کی حالت میں انسان بالکل گناہ سے پاک اور بَری نہیں ہوتا مگر اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اس حالت میں انسان کی شیطان اور گناہ کے ساتھ ایک جنگ ہوتی رہتی ہے۔کبھی شیطان غالب آجاتا ہے اور کبھی وہ غالب آجاتا ہے مگر نفس لوامہ خدا تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے اس لئے کہ وہ بدیوں کے خلاف اپنے نفس سے جنگ کرتا رہتا ہے اور آخر اسی کشمکش اور جنگ و جدل میں اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر دیتا ہے اور اسے وہ نفس کی حالت عطا ہوتی ہے جس کا نام مطمئنہ ہے یعنی اس حالت میں انسان شیطان اور نفس کی لڑائی میں فتح پا کر انسانیت اور نیکی کے قلعہ کے اندر آکر داخل ہوجاتا ہے اور اس قلعہ کو فتح کر کے مطمئن ہوجاتا ہے۔اس وقت یہ خدا پر راضی ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے کیونکہ یہ پورے طور پر خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں فنا اور محو ہوجاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی مقادیر کے ساتھ اس کی پوری صلح اور رضا حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرمایا ـــــ۔اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سچا رجوع اس وقت ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ کی رضا سے رضاءِ انسان مل جائے۔یہ وہ حالت ہے جہاں انسان اولیاء اور ابدال اور مقربین کا درجہ پاتا ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملتا ہے اور وحی کی جاتی ہے اور چونکہ وہ ہر قسم کی تاریکی اور شیطانی شرارت سے محفوظ ہوتا ہے۔ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں زندہ ہوتا ہے اس لئے وہ ایک ابدی بہشت اور سرور میں ہوتا ہے۔انسانی ہستی کا مقصد اعلیٰ اور غرض اسی مقام کا حاصل کرنا ہے اور یہی وہ مقصد ہے جو اسلام کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کیونکہ اسلام سے سچی مراد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع اپنی رضا کرے۔مگر سچ یہ ہے کہ یہ مقام انسان کی اپنی قوت سے نہیں مل سکتا۔ہاں اس میں کلام نہیں کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ مجاہدات کرے لیکن اس مقام کے حصول کا اصل اور سچا ذریعہ دعا ہے۔انسان کمزور ہے جب تک دعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا اس دشوار گزار منزل کو طے نہیں کرسکتا۔‘‘(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۲ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۴) حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔’’ـــــ۔پس جب تک انسان خدا تعالیٰ ہی میں راحت اور اطمینان نہیں پاتا وہ نجات نہیں پاسکتا۔ـــــ۔خدا تعالیٰ کی محبت ایسی حالت میں اس کے لئے بطور جان ہوتی ہے۔جس طرح زندگی کے لئے لوازم زندگی ضروری ہیں اس کی زندگی کے لئے خدا اور صرف خدا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ہی اس کی سچی خوشی اور پوری راحت ہوتا ہے۔نفس مطمئنہ کی یہ نشانی ہے

کہ کسی خارجی تحریک کے بدوں ہی وہ ایسی صورت پکڑ جاتا ہے کہ خدا کے بدوں رہ نہیں سکتا۔(دوسری جگہ لکھا کہ کہ بغیر اس کے جی نہیں سکتا) اور یہی انسانی ہستی کا مدعا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے ـــــ۔پس جب انسان جھوٹی اور نمائشی ہاں عارضی اور رنج پر ختم ہونے والی محبتوں سے الگ ہو جاتا ہے پھر وہ خدا ہی کے لئے ہوجاتا ہے اور طبعاً کوئی بُعد نہیں رہتا اور خدا کی طرف دوڑا چلا آتا ہے **یاایتھا النفس المطمئنۃ** میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔خدا تعالیٰ کا آواز دینا یہی ہے کہ درمیانی حجاب اٹھ گیا اور بُعد نہیں رہا۔یہ متقی کا انتہائی درجہ ہوتا ہے جب وہ اطمینان اور راحت پاتا ہے۔‘‘ـــــ۔(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳۴ تا ۱۳۷)

نیز آپ فرماتے ہیں ـــــ۔’’آخرت پر ہی موقوف نہیں بلکہ اسی دنیا میں اسی زندگی میں یہ آواز آتی ہے۔اہل سلوک کے مراتب رکھے ہوئے ہیں۔ان کے سلوک کا انتہائی نکتہ یہی مقام ہے جہاں ان کا سلوک ختم ہوجاتا ہے اور وہ مقام یہی نفس مطمئنہ کا مقام ہے۔اہل سلوک کی مشکلات کو اللہ تعالیٰ اٹھا دیتا ہے اور ان کو صالحین میں داخل کر لیتا ہے۔‘‘(الحکم جلد ۸ نمبر ۲ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲،۱) یومِ آخر کے ذکر میں فرمایا!’’بلکہ حق یہ ہے کہ اس دن بھی بہشتی بہشت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں لیکن رحم الٰہی کی تجلی عظمیٰ راست بازوں اور ایمان داروں پر ایک جدید طور سے لذاتِ کاملہ کی بارش کر کے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسّی اور جسمانی طور پر ان کو دکھلا کر اس نئے طور کے دار السّلام میں ان کو داخل کر دے گی۔ایسا ہی خدا تعالیٰ کی قہری تجلی جہنم کو بھی بعد از حساب اور الزامِ صریح کے نئے رنگ میں دکھلا کر گویا جہنمی لوگوں کو نئے سرے جہنم میں داخل کرے گی۔روحانی طور پر بہشتیوں کا بلاتوقف بعد موت کے بہشت میں داخل ہوجانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں گرایا جانا بتواتر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔‘‘(ازالہ اوہام صفحہ ۳۴۹ تا ۳۵۱) بیشک برزخ بھی برحق ہے۔تاہم تمام امور سے مرنے کے بعد ہی پردہ اٹھے گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِحْدٰى وَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ بلد۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی اکیس آیات ہیں

یہ سورۃ بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔اس ابتدائی سورۃ میں ہی ایک عظیم پیشگوئی فرمائی کہ آپ ﷺ کی مکہ سے ہجرت مقدر ہے اور پھر واپسی بھی۔ لیکن یہ واپسی عارضی ہوگی اور آپ ﷺ پھر واپس چلے جائیں گے۔

اس سورۃ میں بتلایا کہ انسان کی ترقی کا انحصار محنت ِشاقہ پر ہے خواہ یہ ترقی مادی ہو یا روحانی۔ ترقی کی راہ پر چلنے کو گھاٹی سے تعبیر کیا۔گھاٹی سے مراد وہ دشوار راستے ہیں جو انسان کو اخلاق کی بلندیوں پر لے جاتے ہیں۔پس نیک اعمال کی بجاآوری جن میں غلاموں کی آزادی ، قحط سالی میں بھوکوں کی امداد وخبرگیری ، یتامیٰ و مساکین کی اعانت ونگہداشت ایسے امور ہیں جن کے نتیجہ میں ایمان نصیب ہوتا ہے ۔پس مصائب و شدائد پرخود بھی صبر کرو اوردوسرں کو بھی صبر کی نصیحت کرو۔ خود رحم کرو اور دوسروں کورحم کی تلقین کرو گویا پورے معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھاؤ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دائیں ہاتھ والے اور اہل جنت ہیں ۔ وہ لوگ جو ان اعمال سے پہلو تہی کرتے ہیں ، وہ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان کے لئے آخرت کی بند آگ کے علاوہ دنیا میں بھی ایسی آگ مقدر ہے جو بندہوتی ہے۔یہاں ایٹمی آگ کی طرف بھی اشارہ ہے جو اپنے گھیرے سے نکلنے نہیں دیتی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۳ وَوَالِدٍ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور تو اترا ہوا ہے اس شہر میں اور قسم ہے جنانے والے

ا۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے اِنتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔**لا** تاکید کے لئے آتا ہے۔ یا مخاطب کی ذہنی کیفیت کور دور کرنے کے لئے اور مابعد کی بات کووزنی کرنے کے لئے آتا ہے یعنی بات وہ نہیں جوتم سمجھتے ہو بلکہ اصل بات یہ ہے۔ بلد۔شہر۔ **البلد** سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ **حلٌّ** اس علاقے کوکہا جاتا ہے جوحرم سے باہر ہے گویا جو حلال چیزیں حرم میں منع ہیں وہاں حلال ہیں۔ نیز کسی مکان میں عارضی طور پر اترنے کوبھی **حلٌّ** کہتے ہیں۔**حلٌّ** ہدف کے معنی بھی دیتاہے جو تیروں کے نشانہ کے لئے بنایاجاتاہے۔

ان آیات میں زبردست پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ فرمایاہم مکہ کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں یعنی یہ شہر دو زبردست ثبوت اسلام کی صداقت کے پیش کرے گا۔ حِلٌّ میں بتایا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ تو اس شہر میں اترے گا۔ایسا تبھی ممکن تھا کہ آپ ﷺ پہلے مکّہ چھوڑ کر جاتے۔ پس حِلٌّ کامختصر لفظ ہجرت کی طرف اشارہ کرتاہے۔واپسی کاذکر پہلے کرنے میں یہ بھی حکمت ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ کو ہجرت کاغم نہ ہو جیساکہ مکّہ سے روانہ ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے مکّہ پر آخری نظر ڈالی اورحسرت کے الفاظ میں فرمایا اے مکّہ کی بستی! تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔(مسنداحمد و ترمذی بحوالہ زرقانی) پس واپسی کا ذکر پہلے فرمایا تا آپ ﷺ کو یقین ہو کہ آپ ﷺ واپس اسی شہر میں آئیں گے۔**حلٌّ** میں اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا آنا عارضی طور پر ہوگا اور آپ ﷺ پھر چلے جائیں گے ۔پس بلدالحرام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا اور پھر واپس آنا، اس بات کا ثبوت ہے کہ جو باتیں آپ ﷺ کی طرف سے پیش کی جارہی ہیں، بالکل درست ہیں۔ حلٌّ کے معنی ہدف کے بھی ہیں۔مکّہ کے تقدس کا تقاضا تھا کہ اس پاک بستی میں کسی پر ظلم نہ ہو۔حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے عرب مکہ کی تقدیس اور اس کی حرمت کے قائل چلے آتے تھے مکّہ کے اندر ہر قسم کا جنگ و جدل اور ظلم سخت منع تھا۔مکّہ کے چاروں طرف جنگ اور خونریزی کا بازارگرم رہتامگر مکہ میں امن ہوتا۔ مکّہ میں داخل ہوتے ہی جانی دشمن کندھا سے کندھا ملائے لبیک اللّٰھم لبیک کی صدا بلند کرتے ہوئے فریضہ حج ادا کرتے ۔لیکن

وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۵ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ

کی اور جسکو جنا   البتہ پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو   محنت میں   کیا وہ گمان کرتا ہے کہ ہرگز نہ

افسوس اپنے تمام پختہ عقائد کو پس پشت ڈال کر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مظالم کا تختہ مشق بنایا اور آپ ﷺ ہر قسم کے تیروں کا ہدف بنائے گئے۔ انت حلٌّ کے یہ معنی بھی ہیں کہ تو اس شہر میں اترا ہوا ہے یعنی تیرے اس شہر میں مقیم ہونے کی وجہ سے یہ شہر اتنا معزز ومکرم ہے کہ خداتعالیٰ اس کی قسم کھاتا ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اے محمد ﷺ مکہ کا مقصود تُو ہے۔ تُو ہی ابراھیمی دعاؤں کی قبولیت کا نشان ہے۔ تیری طرف ہی ہزار ہا سال کے تاریخی واقعات اشارہ کر رہے ہیں۔ اب تیرے آنے سے خدا تعالیٰ کے نشانات کا ایسا ظہور ہوگا جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

حِلٌّ میں اشارہ تھا کہ یہ شہر جو عام حالات میں حرم ہے آپ ﷺ کے لئے عارضی طور پر حلال بنایا جائے گا۔ رات کی تاریکی میں صرف ایک ساتھی کے ساتھ مکہ سے بھاگنے والے شخص کے لئے کون کہہ سکتا تھا کہ صرف آٹھ سال بعد دس ہزار کا لشکر جرار لے کر فاتحانہ حیثیت میں مکہ میں داخل ہوگا۔ آپ ﷺ مکّہ میں محض داخل ہی نہیں ہوئے بلکہ آپ ﷺ کا خاص اعزاز یہ ہے کہ الٰہی پیشگوئی کے مطابق آپ ﷺ کے لئے کچھ گھڑیوں کے لئے احکام حرم اٹھالئے گئے اور آپ ﷺ اس عاجزانہ انداز سے تن تنہا مکہ میں داخل ہوئے کہ ایک غلام زادے اسامہ کو ردیف بنائے ہوئے تھے۔ (بخاری کتاب الجہاد بروایت عبداللہ بن عمرؓ) اور آپ ﷺ کا سر مبارک جھکتے جھکتے اونٹ کے کجاوے سے جا لگا تھا جبکہ آپ ﷺ کے سپہ سالار بڑی شان وشوکت سے دائیں اور بائیں اپنی فوجوں کو لے کر مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ اللہ کا محبوب بے کسی کی حالت میں اکیلا ہی اس شہر سے نکلا تھا اور اکیلا ہی بغیر کسی جاہ وحشم کے اس میں داخل ہوا۔ اڑھائی ہزار سالہ تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال نہیں کہ کوئی مکہ میں کبھی بھی تلوار کے زور سے داخل ہونے میں کامیاب ہوا ہو۔ ابرہہ کا انجام کسی سے مخفی نہیں۔ (تفصیل سورۃ الفیل) چونکہ اہل مکہ نے بلد الحرم کی تقدیس کا کوئی خیال نہ رکھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین پر ایذا رسانیوں کے لئے اسے حلال بنالیا۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ بھی محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے لئے اس شہر کو کچھ گھڑیوں کے لئے حلال بنادے گا۔ (تفسیر کبیر جلد ہشتم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر زیر آیۃ ھٰذا سے استفادہ کیا گیا)

۴۔ پہلے اس شہر کو شہادت کے طور پر پیش کیا اس حالت میں کہ تو اس میں حِلٌّ ہے۔ اب والد اور ولد کو شہادت کے طور پر پیش کیا گویا ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں آپ ﷺ کی صداقت کے گواہ ہیں یہی وہ قابلِ احترام باپ اور بیٹا تھے جنہوں نے ایک وادیٔ

يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۶ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۷ اَيَحْسَبُ

قابو پائے گا اس پر کوئی   کہتا ہے خرچ کیا میں نے مال ڈھیروں ڈھیر   کیا وہ گمان کرتا ہے

اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۸ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۹ وَلِسَانًا وَّ

کہ نہیں دیکھا اس کو کسی نے   کیا نہیں بنائیں ہم نے اس کی دو آنکھیں   اور زبان   اور

غیر ذی زرع میں مکّہ کی بنیاد رکھی ، خانہ کعبہ کی بنیادوں کو استوار کیا اور اس کی تعمیر فرمائی اور اپنی پوری زندگی اپنے ربّ کی رضا کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہے۔ مناسکِ حج حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسمٰعیلؑ اور آپ کی صابرہ و شاکرہ والدہ حضرت ہاجرہ کی پوری زندگی کی قربانیوں کا نقشہ پیش کرتے ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانیاں اور دعائیں جس عظیم نبی کے ظہور کا تقاضا کرتی تھیں وہ اب اس دنیا میں پیدا ہو چکا ہے ۔ تم ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں کو سچا مانتے ہو لیکن جو اُن کی دعاؤں کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوا، اسے جھٹلاتے ہو۔ مکّہ کو ابھی وہ اعزاز حاصل نہیں ہوا تھا جس کا ابراہیمی دعاؤں میں وعدہ تھا۔ ضرور تھا کہ اس موعود رسول کا ظہور ہوتا اور مکّہ مرجع عالم قرار پاتا۔ کیونکہ یہ اعزاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے وابستہ تھا آپ ﷺ ہی اس مقام کے دعویدار تھے۔ اس طویل عرصہ میں کسی اور نے اس مقام کا دعویٰ نہیں کیا۔

۵۔ جواب قسم یہ ہے کہ ہم نے انسان کو کبد میں پیدا کیا ۔ کبد کے معنے سختی اور مشقت کے ہیں گویا ہم نے انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ وہ شدید محنت کرے۔ انسان کی تمام ترقی کا انحصار محنت پر ہے۔ روحانی درجاتِ عالیہ کا حصول ہو یا دنیوی اور مادی ترقیات کا، بنا شدید محنت انسان کامیاب نہیں ہوسکتا ۔ یا وہ خدا کا ہو رہے گا یا دنیا کا ۔ اپنے کمال کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ محنت شاقہ سے گزرے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو پانے کے لئے شدید محنت کی اور اپنے مقصود کو حاصل کرلیا۔

۶ تا ۸۔ **لُبد**۔ کثیر ۔ ڈھیروں ڈھیر مال۔

یہاں بتلایا کہ تم شدید محنت کر کے مال جمع کرتے ہو پھر اس مال کو یا تو خلافِ رسول سرگرمیوں میں خرچ کرتے اور اپنے گھمنڈ میں سمجھتے ہو کہ کسی کو قدرت نہیں کہ ہم پر غالب آسکے ۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ تم مغلوب ہوگے اور سمجھ جاؤگے کہ ہم نے اتنا مال یونہی برباد کیا۔ یا پھر اس مال کو اپنی جھوٹی نمود و نمائش پر خرچ کرتے ہو اور اس میں اپنی بقا سمجھتے ہو۔

عرب محض نام وری اور جاہ طلبی کے لئے سو سو اونٹ ذبح کردیتے اور ڈھیروں ڈھیر دولت لٹا دیتے لیکن ان کا مقصد کبھی غرباء پروری یا مظلوموں کی اعانت نہ ہوتا۔ کیا وہ سمجھتا ہے اسے کسی

شَفَتَيْنِ ﴿۱۰﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۱﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۲﴾ وَ

دو ہونٹ — اور دکھائیں ہم نے اس کو دو راہیں — پس نہ بیٹھا — گھاٹی میں — اور

نے نہیں دیکھا۔ کیا خدا کو علم نہیں یا لوگ نہیں جانتے کہ اس نے اپنا مال کس مقصد کے لئے خرچ کیا۔ آج بعض اقوام کا یہی حال ہے۔ بے انتہا دولت خرچ کرکے مظلوم قوموں کو خرید لیتے اور انہیں غلام بنالیتے ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا۔

۹۔۱۰۔ فرمایا کیا ہم نے اسے دو آنکھیں نہیں دیں کہ سیدھی راہ اختیار کرتا۔ مگر وہ راہ راست پر نہ چلا۔ کیا زبان اور ہونٹ نہیں دئے کہ اگر دیکھ نہیں سکتا تھا تو کسی سے پوچھ ہی لیتا۔ یہاں زبان کے ساتھ ہونٹوں کا ذکر کیا۔ بیشک زبان کی افادیت اظہرمن الشّمس ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہونٹ محض خوبصورتی کے لئے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علاوہ حسن میں اضافہ کے، اگر ہونٹ نہ ہوں تو ہم کھاسکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں اور نہ صحیح طریق سے بول سکتے ہیں۔ ہم ۳۵ فی صد الفاظ کی ادائیگی کے لئے ہونٹوں کے محتاج ہیں۔ ہونٹ ہوا کو روکتے ہیں اور آواز کو بلند کرنے کا موجب ہیں۔ یعنی ہم نے زبان اور ہونٹ دئے تاکہ تم راستہ دریافت کرسکو۔

ہلاکت سے بچنے اور ہدایت حاصل کرنے کے تین ذرائع بتلائے **اوّل** آنکھیں تاکہ صحیح اور غلط راستہ کی تمیز کرسکو۔ **دوم** زبان اور ہونٹ تاکہ کسی سے راستہ پوچھ سکو۔ **سوم** ہدایت کا راستہ بتلانے والا۔ (آیت:۱۱) پس اے مکہ والو! تم اندھے تھے نہ گونگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں راستہ بتلانے والے تم میں موجود تھے مگر تم پھر بھی گمراہی کو اختیار کئے ہوئے ہو۔

۱۱۔ **نجد** کے معنے پہاڑی راستہ کے ہیں۔ فرمایا ہم نے انسان کو دینی و دنیوی ترقی کے دونوں کٹھن راستے بتلادئے اور یہ دونوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول دئے۔ پس جو آپ ﷺ پر خلوص دل سے ایمان لایا اور اسلام کے تمام اوامر و نواہی کی سچے دل سے اتباع کی تو ایسے تمام لوگ نہ صرف روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچیں گے اور اپنے ربّ کو پالیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے انہیں دنیوی طور پر بھی اعلیٰ ترین نعمتوں سے متمتع فرمائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کے فرمانروا بنے آج بھی مسلمان اقوام تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ کونسی نعمت ہے جو ان کو میسر نہیں۔ امریکہ جیسی عظیم طاقت کی لالچی نظر بھی ان کی تیل کی دولت پر لگی ہوئی ہے۔

۱۲ تا ۱۵۔ **اقتحم**۔ جس طرح بغیر سوچے سمجھے پروانہ شمع پر گرتا ہے۔ اسی طرح مقصد کے حصول کے لئے دیوانہ وار کھڑا ہوگیا۔ (اقرب) وہ چڑھا۔ **العقبة** کے معنے گھاٹی کے ہیں۔ پہاڑ

مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۳﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۴﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ

کیا جانے تو کیا ہے — گھاٹی — آزاد کرنا گردن کا — یا کھانا کھلایا — وقت

ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۵﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۷﴾

بھوک کے — یتیم رشتہ دار کو — یا — فقیر خاک افتادہ کو

کی چوٹی۔ نیز اس راستہ کے بھی جو پہاڑ کی چوٹی پر جاتا ہو۔ **فکّ** کے معنی کھول دینے کے ہیں۔ **رقبہ**۔ گردن۔ **فکُّ رقبة** گردن آزاد کرنا۔ غلام آزاد کروانے کی کوشش کرنا۔ **مسغبةٌ** کے معنی بھوک کے ہیں۔ **یوم ذی مسغبة**۔ فاقے والا دن۔ مراد قحط کے ایام ہیں۔

اسلام کی اتباع میں ہی دینی و دنیوی دونوں ترقیات وابستہ تھیں۔ اللہ کو راضی کرنے اور اس کے بندوں کی خدمت میں ہی تمہارے لئے فلاح تھی۔ تمہیں تو چاہیئے تھا کہ پروانہ وار شمع محمدی پر اپنی جانیں قربان کردیتے اور دین و دنیا میں سرخرو ہوتے مگر افسوس! تم گھاٹی پر نہ چڑھے۔ اس مشقت سے گھبرا گئے۔ ڈھلوان کا راستہ اختیار کیا اور تنزل کی طرف گرے۔

یہ دونوں راستے اوپر کی طرف جاتے تھے۔ اگر خدا کی طرف جانے والی بلندی پر نہیں گئے تو بنی نوع انسان کی خدمت کرکے اللہ کے فیضان کو حاصل کرسکتے تھے۔ فرمایا تجھے کیا سمجھائے کہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ غلام کا آزاد کرنا ہے یہاں بتلایا کہ قومی ترقی اور معاشرے میں عدل وانصاف کی فضا پیدا کرنے کے لئے غلامی کی بیخ کنی اسلام کا اولین مقصد ہے۔ چنانچہ اسلام نے ایسے قوانین وضع کئے کہ غلامی کا قلع قمع ہوا۔ خونریز جنگ کے سوا قیدی یا غلام بنانے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اسلامی عبادات میں کسی غلطی یا کمزوری کی تلافی کے لئے غلام آزاد کرنے کا حکم ہے صحابہ کرامؓ نے محض حصول ثواب کے لئے بے شمار روپیہ خرچ کرکے سینکڑوں غلام آزاد کئے۔ یہ اسلامی تعلیم اور مسلمانوں کی سعی و کوشش کا کمال ہے کہ آج غلام کا وجود نہیں۔ دراصل دنیا میں حقیقی ترقی اور امن اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک غریبوں اور مظلوموں کی داد رسی نہ ہو اور امیر و غریب کے درمیان منافرت کی خلیج نہ پاٹی جائے۔ بلندیوں پر چڑھنے والے وہی لوگ ہیں جو مظلوم افراد اور اقوام کو مصائب و مشکلات سے آزادی دلانے میں ان کی مدد کرتے ہیں اور اپنی قوت و دولت کو اس کوشش میں خرچ کرتے ہیں۔

فکّ رقبة کے معنی غلط عقائد اور رسم و رواج کی زنجیروں کو توڑنا اور انسانی گردنوں کو ان طوقوں سے آزاد کرنا بھی ہے۔

بھوک والے دن سے مراد قحط کے ایام ہیں گویا امیر ممالک کا فرض ہے کہ جہاں قحط

پنجے جمائے وہاں کے بھوکوں کی مدد کریں ان کو غلّہ اور دیگر ضروریات کی اشیاء مہیا کریں ۔ایسا محض للّٰہ ہو نہ کہ نام ونمود یا کسی اور غرض کی خاطر۔یہ بھی عقبۃ ہے۔عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب بھوک وسیع پیمانے پر قوموں پر حملہ آور ہوتی ہے توامیر ممالک ان کے دکھوں کامداوا کرنے کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں لیکن انسانی ہمدردی کے لئے نہیں۔ اس خدمت کے پس پردہ سیاسی مقاصد پنہاں ہوتے ہیں ۔جب بھی امداد کی تو ان قوموں کی جنہوں نے ان کی غلامی کا طوق پہن لیا۔

۱۶ ۔قرآن کریم نے قرابت والے یتیم کو اولیت دی۔اگر صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود اپنے قریبی یتیم رشتہ دار کے سَر پر دستِ شفقت نہ رکھا اوراسے اپنی کفالت میں نہ لیا تو تم دیگر یتامیٰ کے خیر خواہ کس طرح ہوسکتے ہو۔قریبی رشتہ دار کی پرورش اور سرپرستی ولی کے فرائض میں شامل ہے ۔یتیم کی نگہداشت اپنے بچوں کی طرح کرنااوراپنے بچوں کی طرح ہی اس کی تعلیم و تربیت کافریضہ اداکرنا اپنے ربّ کو راضی کرنا ہے حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو رہا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بُراسلوک ہورہاہو۔(بخاری فی الادب المفرد۔ابن ماجہ ابواب الادب۔ باب حق الیتیم) حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں اور وہ شخص جو کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے جنت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اوردونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سافاصلہ رکھا(بخاری باب فضل من یعول یتیماً)حضرت شیخ سعدیؒ کہتے ہیں ۔'' مجھے یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا اور اپنا سر باپ کی آغوش میں رکھتا تھا تو میری قدر و منزلت بادشاہوں جیسی ہوتی تھی۔اگر میرے جسم پر ایک مکھی تک بیٹھ جاتی تو سب گھر والے پریشان ہو جاتے تھے ۔ جب بچپن ہی میں میرے سر پر سے باپ کاسایہ اٹھ گیا تو مجھے یتیموں کے درد کی خبر ہوئی یہ درد وہی جان سکتاہے جس کو یتیمی کا داغ لگا ہو۔ اے دوست! جس بچے کا باپ مرگیا ہو اس کے سر پر ہاتھ رکھ اس کے چہرے سے گرد پونچھ اور اس کے پاؤں کا کانٹا نکال۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس پر کیسی بپتا پڑی ہے ۔بے جڑ کادرخت ہرگز تازہ نہیں ہوتا۔ جب تو کسی یتیم کو اپنے سامنے سَر ڈالے دیکھے تواپنے فرزند کے رخسار پر بوسہ نہ دے ۔یتیم اگر روتاہے تو اس کا ناز کون اٹھاتاہے۔ اگروہ غصہ کرتاہے تو اس کوکون برداشت کرتاہے۔

خبردار ! یتیم رو نہ پڑے کہ اس کے رونے سے عرشِ الٰہی کانپ جاتاہے ۔محبت سے اس کی آنکھ سے آنسو پونچھ دے اور مہربانی سے اس کے چہرے سے خاک جھاڑ دے ۔اگر اس کے

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

پھر ہوا ان میں سے جو ایمان لائے اور ایکدوسرے کونصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایکدوسرے کونصیحت

بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۸ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کرتے ہیں رحم کی یہی ہیں داہنی طرف والے اور جو کافر ہوئے

سر سے سایہ اٹھ گیا تو تُو اپنے سائے میں اس کی پرورش کر۔''(حکایات سعدی صفحہ ۷۵)یہاں وہ قومیں بھی مراد ہیں جو یتیم کے طور پر ہیں اور جن کے صاحب حیثیت سرپرستوں نے ان سے منہ موڑ لیا اور ان کو بے آسرا چھوڑ گئے ۔

۱۷۔ **متربة**۔ خاک میں پڑا ہوا۔شدید محتاج۔

عقبۃ کے ضمن میں قریبی یتیم کے بعد ایسے مسکین کی طرف توجہ دلائی جو بے یارو مددگار ہو اور خاک افتادہ ہویعنی اتنا محتاج ہوگویا مٹی میں ہی مل گیاہو۔ممکن ہے وہ جسمانی لحاظ سے بھی بیمار یا کمزور ہو اور چلنے پھرنے یا کام کاج کرنے سے معذور ہو۔ اگر کسی کے دل میں ایسے مسکین اورمحتاج کے لئے بھی رحم اور ہمدردی کا جذبہ پیدانہ ہو اور وہ اس کی ضروریات کاخیال نہ رکھے تووہ یقیناً قابل گرفت ہوگا۔

۱۸۔۱۹۔ عقبۃ کی کچھ تشریح فرمائی جس میں غلاموں کی آزادی ، قحط زدہ مخلوق کی امداد ، یتامیٰ اور مساکین کی خبرگیری شامل تھی۔ ان اعمال کو گھاٹی سے تعبیر کیا کیونکہ یہ نفس پر شاق ہیں ۔ اب مزید تشریح فرمائی کہ پھر وہ ان میں سے ہوجائے جو ایمان لے آئے یعنی ان نیک اعمال کا نتیجہ لازمًا یہ ہوگا کہ وہ ایمان لے آئے گا۔جیساکہ حضرت حکیم بن حزامؓ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کفر کی حالت میں جو صدقہ وخیرات میں نے کیا تھا۔کیا وہ ضائع گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ضائع کیوں گیا۔اسی عمل کے نتیجہ میں تو تم کو دولتِ اسلام حاصل ہوئی۔ (بخاری جلد چہارم کتاب الادب باب من وصل رحمۃ فی الشرک) تاہم ہر نیک عمل کرنے والے کے لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایمان لے آئے گا۔ممکن ہے اس تک پیغام حق نہ پہنچا ہو یا پہنچانے والا اسے قائل نہ کرسکاہو۔ اگر ایسا ہو تو بھی اس کے نیک اعمال ضائع نہیں جائیں گے۔وہ رحیم وکریم اس کی نیت کااجرضرور دے گا۔ہاں اگر نیک اعمال محض شہرت اور نام وری کے لئے کئے ہوں، ہمدردی خلائق یارضائے باری تعالیٰ مقصود نہ ہوتو یقیناً ضائع جائیں گے ۔

پس وہ نیکیاں جوانسان صدق دل سے بجالاتاہے انسان کوقبول اسلام اورمزید نیکیوں کی توفیق دیتی ہیں۔ ان لوگوں کو ایسا ایمان نصیب ہوتاہے کہ شدائد پر خود ہی صبر نہیں کرتے بلکہ دوسروں کوبھی صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔(صبر کی تشریح :العصر۴) بندگان خدا پر باوجود ان کی

ع ۱/۲۱ ۱۵ بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۲۰﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۱﴾

ہماری آیتوں کے وہ ہیں بدبخت ان پر آگ ہے دروازہ بند کی ہوئی

زیادتیوں کے نہ صرف خود رحم کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی رحم کی تلقین کرتے ہیں گویاان کی سعی و کوشش سے ایسا معاشرہ وجود میں آتاہے جو صحیح اسلامی اقدار کاحامل ہوتاہے۔ رحم کی تاکید میں متعدد احادیث ہیں ۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں ۔رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتاہے تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والاتم پررحم کرے گا۔ (ابو داؤد کتاب الادب باب فی الــرحـمة)حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں جس میں ہوں اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت اوررحمت میں رکھے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ پہلی یہ کہ وہ کمزوروں پررحم کرے ، دوسری یہ کہ وہ ماں باپ سے محبت کرے تیسری یہ کہ خادموں اورنوکروں سے اچھا سلوک کرے۔ (ترمذی صفة القیامة)فرمایا یہی دائیں طرف والے ہیں یعنی جن کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اورجو جنت کے حقدار ہوں گے۔

۲۰ تا۲۱۔ **المؤصد** کے معنے ہیں بند کئی ہوئی چیز ۔(اقرب) **نارٌموصدةٌ** کے معنی ہیں ۔آگ جو بندکی ہوئی ہو۔

ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کاانکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر سوچے سمجھے فوراً ہی انکار کردیتے ہیں گویاسمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے یا اگر سمجھ جاتے ہیں تو محض جھوٹی انا، ضد اور دنیوی مفاد ان کے قبول حق میں مانع ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور وہ واصل جہنم ہوں گے وہ ایسی آگ ہوگی جس سے نکلنے کے سارے راستے بند ہوں گے ۔

بائیں طرف والوں میں اہل مغرب کی طرف بھی اشارہ ہے۔آج کے زمانہ میں مؤصدة کا لفظ ایٹمی آگ پر صحیح اطلاق پاتاہے جو چاروں طرف سے بند ہوتی ہے اور اس دائرے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔ تباہی کے یہ خطرناک ہتھیار ان مغربی ممالک نے معصوم قوموں کواپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے خود ایجاد کئے امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر یکے بعد دیگرے دو ایٹم بم گرائے اور انسانی تاریخ کا ایک سیاہ باب رقم کیا۔حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تباہی کے سامان خود کئے۔ اس دنیا میں ان پر اٹامک آگ مقدر ہے ۔آخر اس کی زد میں یہ قومیں آئیں گی پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں بچانہیں سکے گی۔ (ترجمة القرآن کلاس MTAفرمودہ حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ ، سے ستفادہ کیاگیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتَّ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورة شمس۔ یہ سورة مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی سولہ آیات ہیں

یہ بھی ابتدائی مکی سورة ہے۔عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ظہر کی نماز میں سورة الشمس اور سورة الضحیٰ پڑھا کریں۔ مطلب یہ کہ اس وقت زیادہ لمبی سورتیں نہ پڑھا کریں۔ نیز ان دونوں سورتوں کو ظہر کے وقت سے مناسبت بھی ہے۔ (تفسیر فتح البیان) اس سورة میں اعادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سراج منیر ہیں، ایک دفعہ پھر آپ ﷺ کی روشنی چہار دانگ عالم میں پھیلے گی اور آپ ﷺ کی روشنی سے فیض یافتہ قمر پھر دنیا میں آپ ﷺ کی روشنی پھیلائے گا اور ایک روشن دن طلوع ہوگا۔ اس کے بعد ایک اندھیری رات پھر چھاجائے گی۔

فرمایا ہر نفس کو اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ پیدا کیا اور اسے فجور وتقویٰ کی دو راہیں الہام کیں۔جس نے تقویٰ کو اختیار کیا یقیناً وہ فلاح پاگیا۔جس نے تقویٰ کومٹی میں گاڑدیا وہ نامراد ہوا۔اس کے بعد قوم ثمود اوران کے رسول حضرت صالحؑ کی ناقہ کاذکرکیا۔اس قوم کو جس کامسکن مدینہ کے شمال میں تھاآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے خاص مناسبت تھی۔ان کی تباہی کے ذکرپراس سورة کااختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىہَا ۲ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۳ وَالنَّہَارِ

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب پیچھے آوے اور دن کی

اِذَا جَلّٰىہَا ۴ وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا ۵ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىہَا ۶

جب ظاہر کرے اسکو اور رات کی جب ڈھانک لے اسکو اور آسمان کی اور اس کی جس نے بنایا اس کو

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ **الضحیٰ ۔ضحا** کے معنی ہیں کوئی چیز ظاہر ہوگئی۔ جب سورج کی روشنی زیادہ پھیل جائے تو اس وقت کو ضُحٰی کہتے ہیں ۔(اقرب) عربی میں ضُحٰی کے معروف معنی چاشت کے ہیں۔ **تلٰها ۔تلیٰ**۔ پیچھے آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا تشریح (سورۃ یٰس :۳)

اس سورۃ کے شروع میں سات چیزوں کو شہادت کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہاں پیچھے سے جاری مضمون کی مزید وضاحت فرمائی ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج سے تعبیر کیا۔ آپ ﷺ سورج کی طرح روشنی کا سرچشمہ ہیں۔ آپ ﷺ کے پیچھے آنے والے آپ ﷺ کے مسیح و مہدی کو قمر سے تشبیہ دی جس کی روشنی ذاتی نہیں بلکہ اکتسابی ہے ۔وہ جو کچھ بھی حاصل کرے گا آپ ﷺ کی اتباع سے ہی حاصل کرے گا اور اسی تعلیم پر لوگوں کو قائم کرے گا جسے وہ بھول چکے ہوں گے۔ چونکہ لیل و نہار گردش زمین سے وجود میں آتے ہیں اس لئے فرمایا **والنّہار اذاجلّٰها** جب زمین نے سورج کے سامنے آ کر اس کی روشنی کو خوب ظاہر کردیا اور دن روشن ہوگیا ۔اور رات کو جب وہ سورج کو ڈھانپ لے۔ گویا گردشِ زمین کے نتیجہ میں جس حصہ زمین پر روشنی نہیں پڑتی تو اندھیرا اسے ڈھانپ لیتا ہے اور رات ہوجاتی ہے۔ پس آمدِ مسیح سے وہ دن چڑھا جس نے نور محمدی سے دنیا کو منور کردیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں آیت :۵ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ نشأۃ ثانیہ کے دور میں رات سے مراد دجالیت کی رات ہے۔ سورج تو دلائل کی رو سے ایسا روشن ہوچکا ہے کہ ساری دنیا کو نظر آجانا چاہیئے لیکن دجالیت کی رات طرح طرح کے اندھیرے پھیلانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ دلائل کے جواب سے تو قاصر ہیں لیکن بنی نوع انسان کو شکوک کے اندھیروں میں کھینچتے ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ احیاء اسلام سے گھبرا رہے ہیں۔ آج تمام ایجادات فسق وفجور کا پیغام دے رہی ہیں ۔ ہر ظاہری روشنی کے ساتھ گند وابستہ ہے۔ اسلام کو مٹانے کے لئے رات مسلط کررہے ہیں لیکن اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوں گے ۔انشاء اللہ۔

وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىہَا ۷ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا ۸ فَاَلۡہَمَہَا

اور زمین کی اور اس کی جس نے بچھایا اسکو اور جان کی اور جس نے درست کیا اس کو پھر جتادی اس کو

فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا ۹ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا ۱۰ وَقَدۡ

بدکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی یقیناً مراد کو پہنچا وہ جس نے پاک کیا اس (نفس) کو اور یقیناً

۶۔۷۔ **طحٰها۔ طحا الشیء** کے معنی ہیں کسی چیز کو پھیلایا۔(اقرب)

قرآن کریم میں ’’ما‘‘ مَن کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی قسم کھائی کہ وہ خدا جس نے آسمان کو بنایا اور زمین کو بچھایا اُس کے مقابل ان کی ساری کوششیں بے کار جائیں گی ۔ جہاں تک آسمان کو بنانے کا تعلق ہے ۔اللہ تعالیٰ کی اس عظیم صنعت کو دیکھ کر اس صانع حقیقی کی عظمت و جبروت کے سامنے انسان کا سَر جھک جاتا ہے ۔ بڑے بڑے سائنسدان بھی اس کی کنہ تک کماحقہٗ نہیں پہنچ سکے ۔فرمایا تم زمین کو دیکھو اور اس کے بچھانے والے کو جس کی عظیم الشان صنعت کا یہ نمونہ ہے ۔پس زمین کا بچھانا ، اس کا قابلِ رہائش ہونا اور اس میں ضروریات کی تمام چیزوں کا مہیا ہونا، قادرِ مطلق کی صنعت و قدرت کا کمال ہے۔ ورنہ بہت سی زمینیں ایسی ہیں جو رہائش کے قابل نہیں۔

۸ تا ۱۱۔ **سوّٰها۔سوّی الشّی** کے معنے ہیں ۔ٹھیک ٹھاک کیا، درست کیا، عیبوں سے پاک کیا۔ **الهم** ۔ الہام کسی شے کا دل میں ڈالنا ہے اور یہ اس سے مختص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے ہو (راغب) انبیاء و مقربین الٰہی کی وحی کی تشریح (سورۃ النجم :۴۔۵) **دسَّ الشئ** کے معنی ہیں کسی چیز کو زمین میں دبادیا۔

جس نے تمہاری مادی ضروریات کے لئے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تمہاری چند روزہ زندگی کے لئے کارخانۂ عالم کو جاری کیا، کیا وہ تمہاری ابدی زندگی کے لئے کوئی نظام جاری نہ کرتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح اس نے زمین میں ہر قسم کی مادی ترقی کے سامان مہیا کئے اسی طرح انسان کی فطرت میں بھی ہر قسم کی روحانی ترقی کے سامان رکھے ۔اس کارخانہ عالم کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا یہی مقصد کام کررہا ہے کہ میرا بندہ روحانی ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج کو حاصل کرے۔ انسانی جبلّت میں پیدائشی طور پر نیکی اور بدی کی پہچان ودیعت کردی گئی ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔(صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ) ہر شخص کو ایک قسم کا الہام ملتا ہے جس کو نور قلب کہتے ہیں اور وہ نیک و بد کام میں تمیز کرلیتا ہے ۔

خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۱ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۲
نامراد ہوا وہ جس نے گاڑ دیا اس کو جھٹلایا ثمود نے بوجہ اپنی سرکشی کے
اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۳ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ
جب اُٹھا بدبخت ان کا تو کہا تھا ان کو خدا کے رسول نے (بچو) اونٹنی
اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۴ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ
خدا کی سے اور اونٹنی کے پانی سے تو انہوں نے جھٹلایا اسکو پھر پاؤں کاٹے اس کے پس ہلاک کردیا ان کو
عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۵ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۶ ع ۱/۱۶ ۱۶
ان کے رب نے بوجہ گناہ کے ان کے پس برابر کردیا انکو اور نہیں ڈرتا اس کے پچھلے انجام سے

لیکن ماں باپ کی غلط تربیت ، غلط ماحول ،بُری صحبت اور بُری تعلیم نیکی کی فطرتی حس کو تباہ کردیتی ہے اور وہ **خـــاب مَن دسّهـــا** کا مورد بن جاتا ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا !'' وہ شخص نجات پاگیا جس نے اپنی جان کو غیر کے خیال سے پاک کیا۔۔۔۔۔۔۔۔خدادورنہیں۔انسان اپنے حجاب سے آپ ہی اس سے دور ہے۔ جس نے آئینہ دل کوصاف کیا وہ دیکھ لے گا کہ خدا اس کے پاس ہی ہے۔'' (ست بچن صفحہ ۹۹)

پس ہلاک ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا اور جن کمالات کی اس کو استعدادیں دی گئی تھیں ، ان کمالات کو حاصل نہ کرسکا اور فسق و فجور والی زندگی گزار کرواپس آ گیا۔

۱۲تا ۱۶۔**دمدم الشئ** کے معنے ہیں اسے زمین کے ساتھ پیوست کردیا۔ ہلاک کردیا۔

اس کے بعد قوم ثمود اوران کے رسول حضرت صالحؑ کی ناقہ کا ذکر کیا۔(تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۱۰۔ ھود رکوع ٦) اونٹنی کانشان ان لوگوں کے باربار مطالبہ اوراصرار سے ان کو دیا گیا۔ (الشعراء :۱۵۵،۱۵٦) اونٹنی کوجنگل میں چرنے کی آزادی تھی تاکہ آپ اس کو چرانے کے جھنجٹ سے آزاد رہیں اور زیادہ سے زیادہ وقت تعلیم وتربیت کے لئے دے سکیں۔ قیام امن اور فساد سے بچنے کے لئے اس کاپانی پینے کا وقت مقرر کردیا گیاتھا۔ ایک دن اس کی باری تھی اورایک دن تمہارے لئے گھاٹ سے پانی لینا مقرر ہے۔یہ مطلب نہیں کہ وہ سارا دن ہی پانی پیتی رہے۔اونٹ کئی کئی دن کاچارا اورپانی اپنی کوہان میں سٹور کرلیتے ہیں۔(تفصیل الغاشیۃ :۱۸)اس کے پانی پینے کے بعد اور لوگوں کوممانعت نہ تھی۔ حضرت صالحؑ کی اونٹنی پیغام حق پہنچانے پر وقف تھی۔ آپ اس پر سوار ہوکر دور دور کے قبیلوں میں تبلیغ کے لئے جاتے ۔قوم کے سب سے بدبخت شخص نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں ۔چونکہ ساری قوم اس قبیح فعل کی حمایت میں تھی اور اس کے

ساتھ تھی ۔نیز اونٹنی کے بعد حضرت صالحؑ کوقتل کرنے کا منصوبہ تھا۔ اونٹنی کے قتل کی تہ میں یہ بھی تھا کہ آپ بھاگ نہ سکیں۔ اس لئے پوری قوم عذاب کی لپیٹ میں آئی ۔ اس پر عذاب پے درپے آئے اور اس بستی کو ہموار کردیا گویا صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اس میں بتلایا کہ انبیاء کے دشمن جب بھی ان ذرائع ابلاغ کو کاٹتے ہیں جو ہدایت کا ذریعہ ہیں تو ان پر ہمیشہ تباہی آتی ہے۔آج کی سرکش اقوام کے لئے بھی اس میں تنبیہ ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لیکن اس کی پکڑ سخت ہے ۔جب پکڑتا ہے تو عقبیٰ کی پرواہ نہیں کرتا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیواؤں اور یتیموں کا کیا ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ ''**عـقبها** سے اولاد اور پسماندگان مراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جو متقی صالح مرجاوے اس کی اولاد کی پرواہ کرتا ہے ۔(الحکم جلد ٦ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۷)

☆☆☆

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ لیل۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بائیس آیات ہیں

یہ سورۃ بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔سورۃ شمس کے بعد سورۃ لیل کے آنے میں دن کے بعد رات کے آنے کی طرف اشارہ ہے ۔ساتھ ہی خوشخبری بھی ہے کہ رات آئے گی تو ایک روشن دن بھی ضرور طلوع ہوگا۔جس طرح دن اور رات کے اثرات الگ الگ ہیں اسی طرح.انسان کی کوششیں بھی کبھی رات کی طرح تاریک ہوتی ہیں کبھی دن کی طرح روشن اور ہر انسان کواس کے اعمال کے مطابق جزا دی جاتی ہے۔وہ جس نے اللہ کا تقویٰ اختیارکیا ۔اس کی راہ میں غرباء کی بہبود پر خرچ کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی تواللہ ایسے بندے کی راہیں آسان کردیتا ہے۔اس کے مقابل وہ شخص جوبخل سے کام لیتاہے اور حاجتمند اقوام یاافراد کی ضروریات سے بے پرواہ رہا اور بھلائی کی بات کی تکذیب کی تو ہم ضرور اسے تنگی میں ڈال دیں گے۔

آخر میں اعمال بد والے شخص کو جس کی صفات اوپر گزریں ، بڑھکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے جب وہ اس میں داخل ہوگا اور وہ شخص اس آگ سے ضرور بچایاجائے گا جس نے تقویٰ اختیار کیا اوراپنا مال نیک کاموں میں خرچ کیا۔اللہ ضرور اس سے راضی ہوگا ۔(قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ تعارف سورۃ الیل سے استفادہ کیاگیا)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

میں پڑھتا ہوں ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۳ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم ہے رات کی جب ڈھانک لے اور دن کی جب روشن ہو اور اس کی جس نے پیدا کیا مرد

وَالْاُنْثٰٓى ۝۴ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۵ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۶

اور عورت کو یقیناً تمہاری سعی البتہ مختلف ہے پس جس نے دیا (خدا کی راہ میں) اور پرہیزگاری کی

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۷ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۸ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ

اور تصدیق کی اچھی بات کی تو ضرور ہم دینگے اس کو بہت آسانی اور لیکن جس نے بخل کیا

وَاسْتَغْنٰى ۝۹ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۱۰ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۱ وَ

اور بے پروائی کی اور جھٹلایا اچھی بات کو تو ضرور دینگے ہم اس کو سختی اور

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۱۱۔پچھلی سورۃ کے مضمون کوجاری رکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم روحانی کامرکز اور آفتاب قرار دیاگیاتھا ۔یہاں بتلایا کہ جب رات ڈھانپ لے گی اور دنیا پر روحانی طور پر تاریکی چھا جائے گی تو صبح نو کا پیغام لے کردن ضرور چڑھے گا اور اپنی ضیاء پاشیوں سے دنیا کو منور کردے گا۔ جس طرح رات اوردن کے اثرات الگ الگ ہیں اسی طرح نر و مادہ کی کوششیں بھی الگ الگ اثرات مرتب کرتی ہیں۔دیگر معنوں کے علاوہ یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کوالگ الگ فرائض تفویض کئے ہیں۔مرد خاندان کاکفیل ہے۔روزی مہیا کرنا ، بیوی بچوں کی ذمہ داریوں کو نبھانا اور ان کی ضروریات کاخیال رکھنا مرد کے فرائض میں شامل ہے۔ جبکہ عورت گھر کی ملکہ ہے۔شوہر کے حقوق اور خانہ داری کی ذمہ داریاں احسن طریق سے ادا کرنا ، بچوں کی پرورش ونگہداشت اور ان کی تعلیم وتربیت عورت کے ذمہ ہے۔تاہم اگر ضرورت پڑے تو عورت کے لئے ملازمت کی ممانعت نہیں۔ذکر و انثیٰ کی پیدائش میں بڑی گہری حکمتیں ہیں جو ایک خالق کی طرف اشارہ کررہی ہیں اسی خالق کو بھلا کر دوگروہ بن گئے۔ایک وہ جس نے راہ خدا میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اوربہترین بات کی تصدیق کی اس کے لئے آسانی اور کشادگی کاوعدہ ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں نصیب ہوگی۔ دوسرا وہ جس نے بخل کیا اور بے پرواہی کی یعنی مفلوک الحال قوموں اورافراد سے بے پرواہ رہااور بہترین بات کی تکذیب کی اس کے لئے ضرور سختی اور تنگی ہے۔جو دنیا میں بھی مقدر ہوگی اور آخرت میں بھی۔ وہ قوم یافرد جو ان تینوں خوبیوں کو اپنے اندر

پیدا کرلے ۔ا۔اعطیٰ ۔۲۔واتّقی ۔۳۔صدّق بالحسنٰی ، وہ اپنی ذات میں کامل ہوجاتا ہے۔

اعطیٰ کے معنوں میں وسعت پائی جاتی ہے اعطی المال نہیں کہا صرف اعطیٰ کہا اس میں مال کے علاوہ ہروہ چیز شامل ہے جس کی قوم یا بنی نوع انسان کو ضرورت ہے خواہ یہ علم ہو ، وقت ہو یادیگر صلاحیتیں ہوں جو بھی اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا، وہ لوگوں کی بھلائی کے لئے خرچ کرتا ہے ۔اعطیٰ کے ساتھ واتّقی کا اضافہ کیا کہ اس کا دینا تقویٰ کے تحت ہوتا ہے گویا اعطیٰ میں بھی تقویٰ کے پہلو کو مدنظر رکھتا ہے ۔وہ اللہ سے ڈرتا ہے کہ اس کی رضا کے تحت خرچ ہو۔ غلط طریق سے خرچ نہ ہو۔ صدّق بالحسنٰی کہ وہ احسن سے احسن چیز کی تصدیق کرتا ہے ۔احسن چیز کی تصدیق قبول اسلام ہے۔ پھر ہم اس کے ہرکام میں آسانی پیدا کردیتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں" تاکید کے لئے ہرزبان میں مختلف کلمات ہوا کرتے ہیں۔ایسے ہی عربی میں بھی تاکید کے لئے بہت الفاظ ہیں مگر ایشیائی زبانوں میں جیسے علی العموم قسم سے بڑھ کر کوئی تاکیدی لفظ نہیں،ایسے ہی عربی کے لٹریچر میں بھی قسم سے زیادہ کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔اس لئے اس میں عربی محاورات پر ضروری مطالب میں قسموں کا استعمال بھی ہوا۔۔۔۔۔۔جہاں قرآن کریم کسی مطلب پر قسم کو بیان کرتا ہے وہاں جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے وہ چیز قانون قدرت میں قسم والے مضمون کے واسطے ایک قدرتی شاہد ہوتی ہے اور یہ قسم قدرتی نظاروں میں اپنے مطلب کی مثبت (ثابت کرنے والی) ہوتی ہے ،جوقسم کے بعد مذکور ہوگا مثلاً انّ سعیکم لشتّی ایک مطلب ہے جس کے معنی ہیں" لوگو! تمہارے کام مختلف ہیں اور ان کے نتائج بھی الگ الگ ہیں"۔ قرآن کریم اس مطلب کو قانون قدرت سے اس طرح ثابت کرتا ہے۔**والیل اذیغشی ○والنھار اذتجلّی ○وماخلق الذّکروالانثٰی ○** کیامعنی ؟رات پرغور کرو جب اس کی کالی گھٹا چھاجاتی ہے پھر دن پر نظر ڈالو جب اس نے اپنے انوار کو ظاہر کیا۔ پھرمرد اورعورت کی خلقت اور بناوٹ پر غور کرو اور ان کے قدرتی فرائض اور واجبات کوسوچو توتمہیں صاف طور پر عیاں ہوگا کہ بے ریب تمہاری کوششیں الگ الگ اور ان کے نتائج علیحدہ علیحدہ ہیں۔ایسے ہی باری تعالیٰ کے نام پر جان و مال کو دینے اور نافرمانیوں سے بچنے والا اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کا مصدق اور اس کے مقابل جان اور مال سے دریغ کرنے والا نافرمان اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کا مکذب بھی الگ الگ ہیں اور الگ نتیجہ حاصل کریں گے۔ (حقائق القرآن جلد چہارم صفحہ ۳۱)نیز آپ فرماتے ہیں کہ" چندہ دینے والے متقی اور صادق کو قبول کرنے والے اس دنیامیں بھی مشکلات سے امن میں رہے اور آخرت میں بھی امن سے رہیں

مَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۲ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۳ وَاِنَّ

نہ کام آئیگا اس کو اس کا مال جب وہ گرایا جائے گا یقیناً ہمارے ذمہ ہے راہ دکھانا اور یقیناً

لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۴ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۵ لَا يَصْلٰىهَآ

ہمارے لیے ہے آخرت اور دنیا پس میں نے ڈرایا تم کو آگ شعلہ مارنے والی سے نہ داخل ہوگا اس میں

اِلَّا الْاَشْقَى ۝۱۶ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۷ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝۱۸

مگر وہ جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا اور ضرور الگ کیا جائیگا اس سے بڑا پرہیزگار

گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام میں سب سے پہلے یہ کام کیا تھا۔خلافت کے ابتداء میں جو مشکلات پیش آئے اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان سب سے بہ آسانی خلیفہ اوّل کوعبور کرادیا اور ہر ایک کے لئے یہی وعدہ ہے۔۔۔۔۔۔۔جنہوں نے نہ مال خرچ کیانہ تصدیق ۔ان پر ایسی عُسرت پڑی کہ جو خوشحالی پہلے تھی۔وہ بھی جاتی رہی ۔۔۔۔۔۔۔۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ اگست۱۹۱۲ء)احادیث مبارکہ میں بخل کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے ۔حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! سخی اللہ کے قریب ہوتا ہے لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جنت کے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔اس کے برعکس بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے ،جنت سے دور ہوتا ہے لیکن دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ جاہل سخی ،بخیل عابد سے۔ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔(قشیریہ۔ الجود وسخاء صفحہ ۱۲۲)

۱۲۔ **تردّٰی** کے لفظی معنی گڑھے میں گرجانے اور ہلاک ہونے کے ہیں۔

فرمایا وہ گروہ جس نے حقوق واجبہ میں بھی بخل کیااوراپنے مال کو سینت سینت کررکھا تو جس مال کے بل بوتے پر اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی سمجھا اور بہترین بات کی تکذیب کی ۔۔ جب یہ گروہ ہلاک ہونے کے قریب پہنچے گا یا اپنے مقام سے گرجائے گا تو اس کا یہ مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔

۱۳تا ۱۷۔**تلظّٰی۔تلظّت النار** کے معنے ہیں آگ بھڑک اٹھی ۔ (اقرب)

فرمایا ہم پرواجب ہے یعنی یہ ہمارا کام ہے کہ ہم بنی نوع انسان کو ہدایت دیں۔ انسان کا کام نہیں کہ وہ اپنے لئے آپ ہدایت تجویز کرے۔اس لئے کہ بسااوقات انسان اپنے نفس کے متعلق ایک فیصلہ کرتاہے جو غلط ہوتا ہے۔پس ہدایت کو دینے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و اولیاء آتے رہے۔ فرمایا یقیناً انجام بھی ہمارے تصرف میں ہے اور آغاز بھی۔گویا ہم ہی اوّل و آخر اور مبداء و منتہیٰ کے مالک ہیں۔ سرکش انسان اس گمان میں نہ رہے کہ اپنی بداعمالیوں کے ساتھ وہ

الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ

جو دیتا ہے اپنا مال پاک ہونے کو اور نہیں کسی کا اس پر کوئی احسان جس کا

تُجْزٰٓى ﴿۲۰﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۱﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۲﴾ ع ۲۲ ۱۷

بدلہ دیا جاوے مگر چاہنے رضا اپنے رب اعلیٰ شان والے کی اور البتہ ضرور وہ راضی ہوگا

اس دنیا میں خوش رہے گا اور اللہ کی گرفت میں نہیں آئے گا ہم نے اسے ہدایت کا صحیح راستہ بتادیا تھا اور بھڑکتی ہوئی آگ کے انجام سے بھی ڈرادیا تھا۔ آگ کا الاؤ ہمیشہ بدبخت جھوٹے اور روگرداں لوگوں کا انجام ہے۔

۱۸ تا ۲۲۔ تفاسیر میں ہے کہ ان آیات کا نزول حضرت ابوبکرؓ کے حضرت بلالؓ کو خرید کرآزاد کرنے پر ہوا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عروہؓ سے روایت کی ہے کہ سات غلام ایسے تھے جن کو کفار مکہ مسلمان ہوجانے کی وجہ سے شدید تکالیف دیتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا کثیر مال خرچ کرکے ان کو آزاد کیا اور کفار کی اذیت سے نجات دلائی۔ (تفسیر مظہری)

پس الاتقیٰ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جو محض پاکیزگی چاہتے ہوئے اپنا مال دیتا ہے حالانکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کسی کا مرہون احسان نہیں یعنی کسی کا اس پر احسان نہ تھا جس کا بدلہ اتارنے کے لئے وہ عظیم متقی اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اس کا ماسوائے رضائے الٰہی اور کچھ مقصود نہیں ہے یعنی وہ تو محض اپنے ربّ اعلیٰ کی خوشنودی چاہتے ہوئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ جب وہ اپنے ربّ کی رضا کے لئے اس قدر جدوجہد کرتا ہے تو یقیناً اس کا ربّ اس سے راضی ہوگا۔ ان آیات کا حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہونا ان کے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔ اہلِ تشیع حضرات کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ آخری کلمہ میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری دی اور آپ کو دنیا میں ہی اپنے ربّ کی رضامندی کی سند مل گئی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ ضحیٰ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بارہ آیات ہیں

والضحیٰ میں اسلام کے عروج کے تین سو سال مراد ہیں۔ اس کے بعد ایک زمانہ لیل کے مشابہ بھی آئے گا یہ ایک ہزار سال کی رات ہوگی جس میں بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نصرت چھوڑ دی ہے۔ اس موقعہ کے لئے یہ تشفی دی کہ تیرا ربّ نہ تجھے چھوڑے گا نہ تجھ سے ناراض ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے بعد وہ دور آئے گا جو پہلے سے بہتر ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا! یقیناً پچھلی حالت تیرے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے۔ یہ مسیح و مہدی کا زمانہ ہوگا جب آفتابِ رسالت کی روشنی تمام عالم پر محیط ہوجائے گی اور دنیا میں اسلام کا ہی دور دورہ ہوگا۔ فرمایا تیرا ربّ تجھ پر اپنی عطا و بخشش کی ایسی بارش کرے گا کہ تو راضی ہوجائے گا۔ پس یتامیٰ سے حسن سلوک کر اور سوالی کو مت جھڑک اور اپنے ربّ کی نعمتوں کا ذکر کرتا رہ۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں، ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالضُّحٰى ﴿۲﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۳﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا

قسم ہے دن چڑھنے کی — اور رات کی جب ڈھانک لے — نہیں چھوڑا تجھ کو تیرے — رب نے — اور نہ

قَلٰى ﴿۴﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۵﴾ وَلَسَوْفَ

نفرت کی — اور البتہ پچھلی حالت بہتر ہے تیرے لیے — پہلی حالت سے — اور البتہ عنقریب

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ **سجٰی** کے معنے **سَکَنَ** کے ہیں جب رات ٹھہر جاتی ہے ۔ اندھیرا مزید نہیں بڑھتا۔ جتنا اس نے بڑھنا ہوتا ہے وہ بڑھ چکا ہوتا ہے ۔ **ودّعک** ۔**ودع** کے معنی دوستی کو وداع کرنے کے ہیں۔ چھوڑ دیا۔(مفردات) **قلٰی** کے معنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے ہیں ۔

فترہ الوحی کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ۔ اس لئے بعض کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو طعن کیا گیا کہ آپ ﷺ کے ربّ نے نعوذ باللہ آپ ﷺ کو چھوڑ دیا ہے یا وہ آپ ﷺ سے ناراض ہے ۔ تب سورۃ الضحٰی نازل ہوئی۔ حالانکہ وحی میں وقفہ گزشتہ انبیاء کی سنت کے مطابق آپ ﷺ کو ایک عظیم کام کے تیار کرنے کے لئے تھا۔

اس سورۃ میں بہت سی پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ ان آیات کے ایک معنی تو وہ ہیں جو تعارف میں دئے گئے ہیں ۔دوسرے یہ کہ لیل میں ہجرت والی لیل کی طرف اشارہ ہے اور روشن دن سے مراد فتح مکہ کا دن ہے ۔دن کا ذکر پہلے کرنے میں حکمت یہ تھی تا خوشی کی خبر غم کی کلفت کو کم کرنے کا موجب ہو۔ آپ ﷺ الٰہی نوشتوں کے مطابق اللہ اور اس کے فرشتوں کی معیت میں ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اہل مکہ کو یقین تھا کہ جو بھی مکہ پر حملہ کرے گا، الٰہی غضب کے نیچے آئے گا۔ ابرہہ کا انجام ان کے سامنے تھا۔پس روشن دن میں فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہونا اس چیز کا ثبوت تھا کہ محمد ﷺ کے کسی فعل پر محمد ﷺ کا ربّ ناراض نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر دن اور ہر رات گواہ ہے کہ مشکل سے مشکل لمحوں میں بھی نہ آپ ﷺ کے ربّ نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور نہ وہ آپ ﷺ سے ناراض ہوا۔خواہ یہ ہجرت کی رات تھی جب مسلح جوانوں کے پہرہ میں آپ ﷺ اللہ کی حفاظت میں نکل گئے یا غارِ ثور میں پناہ لینے کا واقعہ ،جب حضرت ابوبکرؓ جیسا دلیر شخص آپ ﷺ کے لئے پریشان ہو گیا اور آپ ﷺ نے پیغمبرانہ توکل سے فرمایا اے ابوبکر! غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر جنگ احد کے

يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۶﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا

دیگا تجھ کو — تیرا رب — پس تو راضی ہوگا — کیا نہیں پایا تجھ کو — یتیم

خطرناک لمحات اور جنگ خندق کی رات جب ایک لشکر جرار ایک معمولی آندھی سے ڈر کر بھاگ گیا۔ پس آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نہیں چھوڑا ۔ورنہ دشمن کو کون سی چیز آپ ﷺ کو ہلاک کرنے سے روک رہی تھی ۔ آپ ﷺ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ تیری پچھلی حالت تیری پہلی حالت سے بہتر ہے۔گویا آپ ﷺ کی زندگی کا ہر آنے والا لمحہ ہر گزرے ہوئے لمحہ سے بہتر ہوگا ۔اور حالات نے یہ سچ کر دکھایا۔

۶ ۔یہاں **ماودّعک** کی مزید تشریح فرمائی کہ جب آپ ﷺ کا ہر لمحہ پہلے سے بہتر ہے اور تیرے ربّ کا وعدہ ہے کہ وہ جلد ہی تجھے وہ کچھ عطا کرے گا جس سے تو راضی ہو جائے گا یعنی تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تیرے ربّ نے تجھے چھوڑ دیا ہو یا وہ تجھ سے ناراض ہو۔ گو اسلام پر لیل کا زمانہ بھی آئے گا مگر اسلام کا قدم کسی صورت پیچھے نہیں ہٹے گا۔ آخر آمدِ مسیح سے لوگ اس حالت پر آ جائیں گے جس حالت پر آنحضرت ﷺ دنیا کو لانا چاہتے تھے۔

سورۃ الفتح اور سورۃ الکوثر اس آیت کی بہترین تفاسیر ہیں۔حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر یہ بات ہے تو میں تو اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا۔(قرطبی) آپ ﷺ کی مرغوب چیزوں میں اوّل آپ کے ربّ کا آپ ﷺ سے راضی ہونا ہے جس کی سند دی جا رہی ہے۔ نیز دین اسلام کی ترقی اور آپ ﷺ کا اپنے دشمنوں پر غالب آنا اور آپ ﷺ کو اپنا پیارا وطن پھر مل جانا تھا۔ یہ آپ ﷺ کا ہی کمال تھا کہ آپ ﷺ نے عرب کے بدوؤں کو انسان پھر انسان سے بااخلاق انسان اور بااخلاق سے باخدا انسان بنا دیا ۔ صرف تئیس (۲۳) سال کے قلیل عرصہ میں اس قدر عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی مثال دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ مادی طور پر بھی دیکھا جائے تو صرف دس سال کے عرصہ میں پورا عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں تھا۔ تاریخ عالم میں آپ ﷺ ایک کامیاب ترین انسان مانے گئے ہیں۔

لامارٹین اپنی کتاب ’’ ہسٹری آف ٹرکی‘‘ میں تحریر کرتے ہیں :۔فلاسفر ، مقرر، رسول، قانون دان ، جنگی ماہر ، ذہنوں کو فتح کرنے والا۔ حکمت کے اصول قائم کرنے والا،بیس دنیوی سلطنتوں اور ایک روحانی سلطنت کا بانی ،یہ سب کچھ تھا محمد (ﷺ)۔وہ تمام معیار جن سے انسانی عظمت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے ، ان کے لحاظ سے ہم بجا طور پر یہ سوال کر سکتے ہیں کیا اس (محمدؐ) سے

فَاٰوٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۸ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا

تو پناہ دی اور پایا تجھ کو اپنی محبت میں گم شدہ تو راہنمائی کی اور پایا تجھ کو فقیر

فَاَغْنٰى ۝۹ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۱۰ وَاَمَّا السَّآئِلَ

تو غنی کیا پس جو یتیم ہو پس مت سختی کر اور جو مانگنے والا ہو

عظیم تر کوئی انسان (دنیا میں) ہے؟(Lamartine, History of Turky, page :276)

۷ تا ۱۲۔ **ضآلًّا۔ ضالٌ** سے مراد علاوہ گمراہی کے سالکِ راہ حقیقت کے بھی ہیں۔ یعنی اس کے معنی محبت میں سرگرداں ہونے کے بھی ہیں ۔(مفردات راغب) **عآئلاً**۔ کثیر العیال ۔ بڑے کنبہ والا۔ **تقھر۔قھر** کے معنے غلبہ کے ہیں۔ قہر مغلوب کرنے اور ذلیل کرنے کے معنی دیتا ہے۔ **تنھر ۔نھر** کے معنی زجر یعنی ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں۔

ملحقہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انعاماتِ الٰہی کے دنیا و آخرت میں نازل ہونے کا ذکر آیا۔اب اس کی تھوڑی سی تفصیل تین خاص نعمتوں کے ذکر میں فرمائی۔فرمایا ہم نے آپ ﷺ کو یتیم پایا اور آپ ﷺ کی پناہ کا انتظام کیا۔ پس آپ ﷺ کے دادا اور چچا کے دل میں آپ ﷺ کے لئے غیر معمولی محبت ڈال دی اور انہوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ کی پرورش اور تربیت کا خیال رکھا۔ فرمایا ہم نے تجھے اپنی محبت میں سرگرداں پایا جب تو اپنے ربّ کو ملنے اور اس کے وصال کے لئے بے تاب تھا۔ اسی طرح مخلوق کے لئے بھی تڑپ رہا تھا اور ان کی اصلاح کے لئے بے چین تھا۔پس تجھے کامل شریعت عطا کی جس پر چل کر تو ہمارے پاس پہنچ سکتا تھا اور جس کی رہنمائی میں ابوبکرؓ ،عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ جیسے نابغۂ روزگار پیدا ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے ۔ فرمایا ہم نے تجھے کثیر العیال پایا اور تیری ضرورتیں پوری کیں۔ آپ ﷺ کے عیال وہی نہیں تھے جو آپ ﷺ کے گھر میں تھے بلکہ مکہ کا ہر مفلس اور یتیم آپ ﷺ کے عیال میں شامل تھا۔ آپ ان کے درد میں بے قرار رہتے۔چنانچہ اس درد کا علاج باری تعالیٰ نے یہ کیا کہ حضرت خدیجہ جیسی مالدار عورت سے آپ ﷺ کی شادی کردی اور اس عظیم خاتون نے اپنا سارا مال آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کردیا۔ تب آپ ﷺ نے یہ مال دل کھول کر اپنے اس کنبہ کی ضروریات پر خرچ کیا جو سارے مکہ میں پھیلا ہوا تھا۔ فرمایا ہم نے تیرا ہی نہیں بلکہ تیرے ذریعہ سے ہزاروں یتامیٰ و مساکین کی پرورش کا انتظام بھی کردیا ۔پھر یہی نہیں بلکہ تیرے ذریعہ روحانی یتامیٰ کو بھی رزق میسر آیا اور آپ ﷺ سے روحانی رزق لینے والے قیامت تک اپنی اور آنے والوں کی بھوک مٹاتے رہیں گے۔

فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۱ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۲ ع ۱ / ۱۲ / ۱۸

تو مت ڈانٹ اور جو نعمت ہے تیرے رب کی پس بیان کر

اے محمد ! جس طرح ہم نے تجھے بچپن میں پالا ،دنیا میں میرے اور بھی یتیم بندے ہیں۔ اللہ کی ان نعمتوں کے شکرانے کے طور پر آپ ﷺ بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردانہ اور فیاضانہ سلوک کریں۔ ان پر بے جا سختی کر اور نہ بے جا نرمی بلکہ ان سے ایسا سلوک کر جس سے وہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں اور معاشرے کا ایک بہترین فرد بن سکیں ۔فرمایا سائل کو مت جھڑک ۔تم بھی سائل تھے اور ہم سے محبت کی بھیک مانگنے آئے تھے ۔ہم نے تمہارے سوال کو رد نہ کیا اور تمہارا دامن گوہرِ مقصود سے بھردیا۔ پس تم بھی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی تمام آیات میں امت مخاطب ہوتی ہے ۔ورنہ آپ ﷺ نے تو ہمیشہ یتامیٰ کا اکرام کیا ، ان کی ضروریات کا خیال رکھا اور ان کو معاشرے میں ابھارنے اور ترقی دینے کی کوشش کی ۔

حضرت مسیح موعودؑ ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں ۔''یعنی خدا تعالیٰ نے تجھے یتیم اور بے کس پایا اور اپنے پاس جگہ دی اور تجھ کو ضال (یعنی عاشق وجہ اللہ) پایا،پس اپنی طرف کھینچ لایا اور تجھے درویش پایا پس غنی کردیا۔ ان معنوں کی صحت پر ذیل کی آیتیں قرینہ ہیں جو ان کے بعد آتی ہیں۔ ۔۔۔۔۔۔یہ تمام آیتیں لف نشر مرتب کے طور پر ہیں اور پہلی آیتوں میں جو مدعا مخفی ہے دوسری آیتیں اس کی تفصیل اور تصریح کرتی ہیں۔ مثلاً پہلے فرمایا **الم یجدک یتیماً فاٰوٰی**۔ اس کے مقابل پر فرمایا **فامّاالیتیمَ فلاتقھر** ۔ یعنی یادکر تو بھی یتیم تھا اور ہم نے تجھ کو پناہ دی۔ ایسا ہی تو بھی یتیموں کو پناہ دے ۔پھر بعد اس آیت کے فرمایا **ووجدک ضآلًّا فھدٰی**۔ اس کے مقابل پر فرمایا **وامّا السّآئل فلاتنھر** ۔ یعنی یادکر کہ تو بھی ہمارے وصال اور جمال کا سائل اور ہمارے حقائق اور معارف کا طالب تھا سو جیسا کہ ہم نے باپ کی جگہ ہو کر تیری جسمانی پرورش کی ایسا ہی ہم نے استاد کی جگہ ہوکر تمام دروازے علوم کے تجھ پر کھول دئے اور اپنے لقاء کا شربت سب سے زیادہ عطا فرمایا اور جو تو نے مانگا سب ہم نے تجھ کو دیا۔ سو تو بھی مانگنے والوں کو ردّ مت کر اور ان کو مت جھڑک اور یادکر کہ تو عائل تھا اور تیری معیشت کے ظاہری اسباب بکلّی منقطع تھے سو خدا خود تیرا متولی ہوا اور غیروں کی طرف حاجت لے جانے سے تجھے غنی کر دیا۔ نہ تو والد کا محتاج ہوا۔ نہ والدہ کا نہ استاد کا اور نہ کسی غیر کی طرف حاجت لے جانے کا بلکہ یہ سارے کام تیرے خدا تعالیٰ نے آپ ہی کر دئے اور پیدا ہوتے ہی اس نے تجھ کو آپ سنبھال لیا۔

سو اس کا شکر بجالا اور حاجت مندوں سے تو بھی ایسا ہی معاملہ کر"۔۔۔۔(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۳)

فرمایا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی تحدیث کر یعنی لوگوں سے ان کا ذکر کر۔تحدیثِ نعمت دو طریق سے ہوتی ہے اوّل علیحدگی میں اپنے ربّ کے حضور اس کے لامحدود انعامات کا شکر ادا کرے۔اس کے فضلوں اور احسانوں کو یاد کر کے سجداتِ شکر بجالائے اور اپنی زبان ہمیشہ اس کی حمد و ثنا سے تر رکھے۔دوسرا یہ کہ جو نعمت بھی اللہ نے عطا فرمائی اس کا ذکر اور اظہار کرے اور یہ اعتراف کرے کہ یہ سب میرے مولیٰ کی عطا ہے اس میں میرے کسی ذاتی کمال کا دخل نہیں۔ لباس اور بود و باش سے بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ظاہر ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور بنی نوع انسان کے لئے وقف رکھو۔نعمتوں کے ذکر سے وہی گریز کرتا ہے جسے یہ ڈر ہو کہ لوگ مانگ نہ لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محدود نعمتیں ملیں اور آپ ﷺ نے مخلوقِ خدا پر لٹادیں خواہ یہ مال تھا یا علم و حکمت یا دیگر نعماء۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے ۔پس تحدیثِ نعمت میں سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ خدائے قدوس کی آواز کو دنیا کے کناروں تک پہنچادو اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف ہوجاؤ۔ حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔ اگر وہ بدلہ دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ تعریف کے رنگ میں اس کا ذکر کرے ۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے شکر کا حق ادا کردیا اگر اس نے بات کو چھپایا۔تعریف کا ایک کلمہ تک نہ کہا تو گویا وہ ناشکری کا مرتکب ہوا۔(ابوداؤد کتاب الادب باب فی شکر المعروف) حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان پر ان کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرے گا۔

(بروایت جابر بن عبداللہ ۔تفسیر مظہری)

☆☆☆

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعُ اٰيٰتٍ

سورۃ الم نشرح۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی نو آیات ہیں

پچھلی سورۃ میں آپ ﷺ پر ربّ رحیم کے ظاہری انعامات کا ذکر تھا جو بچپن سے جوانی تک آپ ﷺ کے شامل حال تھے۔ اس عظیم سورۃ میں آپ ﷺ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے مزید انعامات کا ذکر فرمایا جن کا تعلق روحانیت سے ہے۔فرمایا ہم نے اپنی معرفت کے لئے تیرا سینہ کھول دیا اور جس بوجھ کے نیچے تو دبا جا رہا تھا، اپنے فضل سے اس بوجھ کو اتارنے کے سامان پیدا کردئے اور تیرا ذکر خیر بلند کردیا۔اب ایک دائمی صداقت بیان فرمائی کہ ہر مشکل کے بعد ایک بڑی آسانی ہے یعنی ہر مشکل سے نکلنے کی راہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نکال دیتا ہے۔دنیوی لحاظ سے بھی یہی اصول ہے اور روحانی لحاظ سے بھی ۔پس جب تو دن بھر کی مصروفیات سے فارغ ہو تو رات کو اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہو جایا کر اور اپنی تمام تر توجہ ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے پر مرکوز رکھ اللہ تعالیٰ تجھے انشراح اور سکینت ضرور بخشے گا اور تیرا ذہنی بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔

(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۔تفسیر سورۃ الم نشرح سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۲ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۳
کیا نہ کھولدیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ اور اتار رکھا ہم نے تجھ سے بوجھ تیرا

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۴ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۵ فَاِنَّ
جس نے توڑی تھی پیٹھ تیری اور بلند کیا ہم نے تیرے لیے ذکر تیرا پس یقیناً

مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۷ فَاِذَا
ساتھ سختی کے آسانی ہے یقیناً ساتھ سختی کے آسانی ہے پس جب

فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۸ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۹ ع ۱ ۹ ۱۹
تو فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف پس رغبت کر

۱۔اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۹۔**شرح** کے اصل معنی بسط یا پھیلانا کے ہیں ۔شرح صدر کے معنی امام راغب نے یہ کئے ہیں کہ الٰہی نور اوراللہ تعالیٰ طرف سے سکینت اوراطمینان کے ساتھ قلب میں وسعت پیدا ہو جانا یعنی انوار الٰہی اور سکینت سے آپﷺ کے سینہ مبارک کا بھرجانا ہے۔نصب کے معنی تھکنے کے ہیں ۔محنت اور کوشش کرنے کے بھی ہیں۔(اقرب) گویا اتنی محنت کرنا کہ تھکان محسوس ہونے لگے۔یہ کونسا بوجھ تھا جس نے آپﷺ کی کمرتوڑ رکھی تھی ۔نبوت سے قبل تو یہ غم آپﷺ کی کمر توڑے ڈال رہاتھا کہ اپنے ربّ کو کیسے پاؤں اور قوم کی اصلاح کیسے ممکن ہو۔اسی گھبراہٹ میں آپﷺ غار حرا میں جاتے۔ساری دنیاہی آپﷺ کی عیال تھی اور آپﷺ کو ساری دنیا کی مادی اور روحانی بھوک مٹانے کی فکر تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپﷺ پر تین نعمتوں کا نزول ہوا شرح صدر ، وضع وزر اور رفع ذکر۔وحی الٰہی نے آپﷺ کا سینہ روشن کردیا۔سکینت ،اطمینان اور انوارالٰہی سے سینہ کو وسعت دی۔ہر طرح کے علمی دلائل آپﷺ پر کُھل گئے اور شریعت نازل فرما کر آپﷺ کے بوجھ کو ہلکا کردیا۔بیشک ذاتِ باری تعالیٰ اورفرشتوں نے آپﷺ کا ہر غم دور کردیا اور آپﷺ کا بوجھ اٹھالیا لیکن ظاہری طور پربھی آپﷺ کو ایسے جانثار اور فدائی ساتھی ملے جنہوں نے آپﷺ کے بوجھ کو اٹھا لیا۔ان میں آپﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ،حضرت عثمانؓ،حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓجومکہ کے چوٹی کے صاحبِ حیثیت خاندانوں کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓاورحضرت علیؓ جیسے صاحبِ فراست اور شہ زور ۔نیز حضرت بلالؓ اور

حضرت زیدؓ جیسے وفادار غلام جو آپﷺ کے ایک اشارہ پر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار تھے۔

یہی تجھ پر احسان نہیں کہ تیرے سینہ کو کھول دیا اوراس پر تجلیاتِ الٰہی کا ظہور ہوا بلکہ ایک عظیم احسان یہ کیا کہ تیرے ذکر کوبلند کیا اور ہر مسلمان کی زبان پر آپﷺ کا ذکر خیر جاری ہوا۔یہ پیشگوئی آپﷺ کی زندگی میں پوری ہوئی اورقیامت تک بڑی شان سے پوری ہوتی رہے گی۔جلد ہی آپﷺ کاذکر تمام عرب میں پھیل گیا۔نماز میں،قرآن میں ،کلمہ میں درود میں اذان میں ہر جگہ آپﷺ کا ذکر خیر بلند ہوا یہ وہ نعمت ہے جس میں کوئی آپﷺ کا شریک نہیں ۔روزِ ازل سے لے کرقیامت تک کسی کو یہ اعزاز ملا نہ ملے گا۔قیامت تک درود وسلام کی آپﷺ پر بارش ہوتی رہے گی۔ ہر اذان میں کلمہ شہادت بلند ہوتا ہے اوراللہ کے نام کے ساتھ آپﷺ کانام بھی بلندآواز سے پکارا جاتا ہے ۔**اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰل محمدٍ وبارک وسلّم انک حمیدٌ مجیدٌ۔**

عربی قواعد کی رو سے تنوین ہمیشہ بڑائی اورعظمت کے اظہار کے لئے آتی ہے **فانّ مع العسرِیُسرًا** کے معنی یہ ہیں کہ یقیناً اس تنگی کے ساتھ ایک بڑی آسانی ہے ۔یہ ایک دائمی صداقت ہے دنیوی لحاظ سے بھی یہی اصول ہے اور روحانی لحاظ سے بھی ۔جس قوم نے دنیا کے لئے محنت اور کوشش کی اس کے لئے دنیا میں آسانی پیدا کی گئی ۔جس نے دین میں محنت اور کوشش کی اسے بدرجہ اَولیٰ آسانی دی گئی ۔پس جب بھی اسلام پرتنگی اورمصیبت کا زمانہ آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بعد ترقی کا ایک نیا دور پیدا کردے گا یعنی ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ اسلام ہمیشہ کے لئے مغلوب ہوجائے اورکفر کو غلبہ حاصل ہوجائے۔مسلمانوں کو بشارت دی کہ خداتعالیٰ کی تائید ہمیشہ اسلام کے ساتھ ہے۔ ہر تنزل کے بعد ایک نیا دورترقی کا آئے گا۔اس جملہ کی تکرار میں اسلام کی ابتدائی ترقی اوربعثتِ ثانیہ کی طرف اشارہ ہے تنگی کے بعد آسانی کا وعدہ ہرمسلمان کے ساتھ ہے بشرطیکہ صبر کرے،یقین کامل ہو، اللہ پر توکل ہو ، اس کے فضل کا امیدوار ہو۔ دیرہو جانے کی صورت میں بے صبرا نہ ہو۔نماز،ذکر الٰہی ، دعاؤں اوراستغفار میں لگا رہے ۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں! ''انسان کی زندگی کے ساتھ مکروہات کا سلسلہ بھی لگاہوا ہے ۔اگر انسان چاہے کہ میری ساری عمر خوشی میں گزرے تو یہ ہونہیں سکتا **فانّ مع العسر یسرًاo انّ مع العسریسرًا** ۔یہ زندگی کا چکر ہے۔جب تنگی آوے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کے بعد فراخی بھی ضرور آئے گی۔'' (بدر جلد ۱نمبر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ اوّل)

فرمایا جب تو کام سے تھک جائے اور تبلیغ سے فارغ ہو تو کلفت دور کرنے کے لئے نماز کے لئے کھڑا ہو جا۔نماز جو راحت ہے نہ کہ مشقت۔ عاجزی، فروتنی اور مسکینی سے نماز پڑھو اور اپنے ربّ سے اس طرح باتیں کرو جیسے اپنے پیاروں سے باتیں کرتے ہو۔ اور اس کے سامنے اپنی حاجتیں رکھو۔اسی کا نام مناجات ہے۔

حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر جلد نہم میں اس سورۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ! جب تو فارغ ہو تو کوشش کر گویا تیرے کام کبھی ختم نہ ہوں گے۔غیر متناہی ترقیات ہیں جو تمہارے سامنے آتی چلی جائیں گی۔ کوئی لمحہ بھی ایسا نہ ہوگا جب تم سمجھو کہ میرا کام ختم ہوگیا ہے۔جب تم غیر متناہی بلندیوں پر چڑھتے چلے جاؤ گے تو دیکھو گے کہ وہاں تیرا ربّ موجود ہے ۔غرض اگر اللہ کو پانا ہے تو رکنا نہیں ، بلکہ چڑھتے چلے جانا ہے۔مومن تھک ہار کر بیٹھ نہیں جاتا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ تین ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی نو آیات ہیں

تین اور زیتون میں دو جلیل القدر صاحبِ شریعت انبیاء کے دو سلسلوں کی طرف اشارہ ہے ۔اوّل وہ جس کا تعلق طور سے ہے یعنی موسوی سلسلہ ۔دوسرا وہ جس کا تعلق **بلدالامین** سے ہے یعنی محمدی سلسلہ۔انجیر گو مزے میں اچھی ہو مگر جلدی سڑ جاتی ہے جبکہ زیتون کا پھل اور تیل دونوں دیرپا ہیں ۔پس موسوی تعلیم انجیر سے مشابہ تھی جو جلد سڑ جانے والی تھی۔ اب تمہیں وہ تعلیم دیں گے جو زیتون کی طرح خراب ہونے سے محفوظ رہے گی۔جیسا کہ سورۃ نور میں زیتون کی تعریف میں فرمایا کہ وہ انسانی ذہنوں میں ایسا نور پیدا کردے گی جس کے ذریعہ نئے نئے معارف اور علوم اس کتاب سے حاصل ہوتے رہیں گے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۲ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۳ وَهٰذَا الْبَلَدِ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طُور سینین کی اور اس شہر

الْاَمِيْنِ ۝۴ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۵

امن والے کے البتہ پیدا کیا ہم نے انسان کو اچھی ترکیب میں

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا،بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۴۔**التین**۔انجیر۔**طور سینین** سے مراد سینا کے سلسلہء ہائے کوہ کا پہاڑ طور ہے۔ کوہ طور ایک مقدس تاریخ کا امین ہے۔یہی وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا اور دس احکام عطا کئے جو توریت کا اصل ہیں۔یہ خلیج عقبہ کے اوپر پہاڑی سلسلہ سینین کا ایک پہاڑ ہے۔یہودی ہمیشہ اس پہاڑ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں(تفصیل سورۃ البقرہ رکوع ۶ تا رکوع ۱۰)**بلدالامین**۔وہ شہر جو امن دینے والا ہو اور وہ شہر جو امن دیا گیا ہو۔

قرآن کریم کی دیگر سورتوں کی طرح اس سورۃ کے بھی کئی معانی ہیں۔ایک وہ ہیں جس کا ذکر تعارف میں ہوا۔دوسرے یہ کہ یہاں تین،زیتون، کوہ طور اور بلدالامین میں چار جلیل القدر انبیاء کی طرف اشارہ ہے اور ان کو گواہ ٹھہرا کر فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین ارتقائی حالت میں پیدا کیا۔تین کا تعلق آدمؑ سے تھا اور اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب آدم نے گناہ کیا اور انجیر کے پتوں سے اپنا ستر ڈھانپا۔(پیدائش باب ۳ آیت ۱ تا ۷)زیتون کی مثال میں حضرت نوحؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب طوفانِ نوح کے بعد کبوتری زیتون کی تازہ پتی منہ میں پکڑے ہوئے کشتی میں آئی جس سے حضرت نوحؑ سمجھ گئے کہ طوفان تھم گیا ہے اور زمین خشک ہونی شروع ہوگئی ہے۔(پیدائش باب ۸)طور سینا کا تعلق حضرت موسیٰؑ سے ہے۔طور ہی وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے سواماہ(۴۰ دن) چلہ کشی کی اور آپ پر توریت کے احکام نازل ہوئے۔توریت اور قرآن دونوں کا اس پر اتفاق ہے۔(تفصیل سورۃ البقرہ رکوع ۶ تا رکوع ۱۰)امن والا شہر مکہ مکرمہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔بیشک مکہ بلدالامین تھا مگر اس میں ہر ظلم روا رکھا جاتا تھا۔اس ابتدائی سورۃ میں پیشگوئی کردی گئی کہ مکہ صحیح معنوں میں فتح مکہ کے بعد بلد الامین ہوگا جب خدائے واحد کا نام مکہ کی گلیوں میں گونجے گا۔پھر وہاں سے یہ آواز تمام دنیا میں پھیلے گی اور

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۶ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

پھر پھیر دیا ہم نے اس کو رذیل سے رذیل بجز ان کے جو ایمان لائے اور

دنیا کو امن کا پیغام دے گی۔یہاں ان چاروں انبیاء کا ذکر ترتیبِ مقامی کے لحاظ سے کیا گیا ہے یعنی حضرت نوحؑ کا مقام حضرت آدمؑ سے بلند ہے۔حضرت نوحؑ سے حضرت موسیٰؑ کا اور محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ تمام انبیاء سے بلند ترین ہے اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ و علیٰ آل محمدٍ وبارک وسلم۔

۵۔۶۔**احسن تقویم** سے مراد امام راغب نے لکھا ہے کہ صرف جسمانی ساخت کی عمدگی نہیں جس کے لحاظ سے وہ تمام جانداروں سے افضل ہے بلکہ اس میں عقل وفہم کے علاوہ اخلاقِ فاضلہ اور تعلق باللہ بھی شامل ہے۔تقویم کے معنے تعدیل کے ہیں۔(اقرب) یعنی انسان تعدیل القویٰ کرسکتا ہے۔پس اسے صحیح القویٰ بنایا اور ہر قسم کی کجی اور خرابی سے محفوظ رکھا۔رددنٰہُ میں ضمیر خداتعالیٰ طرف پھرتی ہے۔یہ اس امر کے اظہار کے لئے ہے کہ خدا تعالیٰ بدکار کو بطور سزا کے اس کے مقام سے گرا دیتا ہے۔

انسان احسن تقویم پر پیدا کیا گیا ہے اور تمام مخلوق سے افضل ہے تو کیا ملائکہ سے بھی افضل ہے؟جواب یہ ہے کہ ہاں: انسان ملائکہ سے بھی افضل ہے۔اس لئے کہ خداتعالیٰ نے اسے ایسی طاقتیں دے کر بھیجا ہے کہ اگر وہ ان کا صحیح طور پر استعمال کرے تو ملائکہ سے بڑھ سکتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ" خدانے چاہا کہ انسان خدا کے اخلاق پر چلے۔جیسے وہ ہر ایک عیب اور بدی سے پاک ہے، یہ بھی پاک ہو۔جیسے اس میں عدل، انصاف اور علم کی صفت ہے وہی اس میں ہو۔اس لئے اس خَلق کو احسن تقویم کہا **لقدخلقنا الانسان فی احسن تقویم** ۔ جو انسان خدائی اخلاق اختیار کرتے ہیں وہ اس آیت سے مراد ہیں اور اگر کفر کرے تو پھر **اسفل سٰفلین** اس کی جگہ ہے۔(البدر جلد ۲ نمبر ۷ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۹)

انبیاء علیھم السلام کی مبارک زندگیوں پر ایک نظر ڈالیں تو آدمؑ دورِ تمدّن کے بانی تھے۔ آپ نے انسانیت کی تشکیل کی۔شریعت کی بنیاد نوحؑ نے ڈالی۔شریعت کی تفاصیل حضرت موسیٰؑ نے بیان کیں۔شریعت کی تکمیل کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔آپ ﷺ نے انسانیت اور تمدّن کو مکمل کیا اور تفصیلِ شریعت کو بھی تکمیل تک پہنچایا۔پس انبیاء کا آنا اور ان کا اپنی اصلاحی کوششوں میں کامیاب ہونا اور دنیا کا ایک نئے رنگ میں بدل جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ خدانے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا ہے اور اس میں ایسی استعدادیں رکھی ہیں کہ وہ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۷﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ
عمل کئے اچھے پس ان کے لیے ثواب ہے بے انتہا پس کون تکذیب کرتا ہے تیری
بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿۸﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۹﴾ ع ۱ ۹ ۲۰
پیچھے جزا کے بارے میں کیا نہیں اللہ بہتر فیصلہ کرنیوالا سب فیصلہ کرنیوالوں سے

اعتدال کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے۔پس انسان کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے نیکی کا ملکہ رکھا ہے ۔اورانسان کوایسا بنایا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک نیکی سے محروم نہیں رہ سکتا۔اس میں خواہ کتنی ہی خرابیاں پیدا ہو جائیں، کتنی ہی کمزوریاں رونما ہوجائیں ، اس کی خرابیوں کو دور کیاجاسکتا ہے اور اسے خدا کے آستانہ پر پہنچایاجاسکتا ہے۔جو بھی اپنی اصلاح کرنا چاہے اوراپنی حالت کو بدلنا چاہے وہ ایسا کرسکتا ہے۔ہاں جس کی فطرت ہی مسخ ہوچکی ہو اور اس کے اخلاق یہاں تک گر جائیں کہ وہ اپنی بداعتدالیوں پر مصر ہو اور انہیں چھوڑنا ہی نہ چاہے تو وہ انسان ہوتے ہوئے بھی مخلوق میں سے بدترین ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں’’ جب خدا تعالیٰ کسی ایسے دل کو دیکھتا ہے جس نے مخلوق کے لئے فائدہ رسانی کا مصمم ارادہ کرلیا ہے تو وہ اسے کبھی ضائع نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔ مخلوق کو فائدہ رسانی کے بعد اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے سے انسان پر یہ کلمہ **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** صادق آتا ہے اور اگر وہ نہیں کرتا ہے تو اسفل سفلین ہی میں ردّ کیا جاتا ہے۔اگر انسان میں یہ باتیں نہیں ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرے اور مخلوق کو فائدہ پہنچاوے تو پھر کتّے ، بھیڑ ،بکری وغیرہ جانوروں میں اور اس میں کیا فرق ہے۔(البدر جلد۲ نمبر ۳۰ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۴)

۷۔اب ایمان لاکر عمالِ صالحہ بجالانے والوں کا استثنیٰ فرمایا کہ وہ اسفل سفلین میں نہیں لوٹائے جاتے ۔اس لئے کہ وہ احسن تقویم پر قائم رہتے ہیں اور اپنی قوتوں کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔ امنوا میں صحیح علم کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ علم جو مناسب حال ہو اور الصالحات میں اس علم کے صحیح استعمال یعنی عمل کی طرف اشارہ ہے اور یہی وہ دونوں امور ہیں جن سے انسان روحانی ترقیات حاصل کرسکتا ہے۔فرمایا ایسے لوگوں کا اجر غیر منقطع ہے گویاوہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔جنت کی نہ ختم ہونے والی نعمتیں مراد ہیں۔

۸۔۹۔قاضیؔ اور فرآءؔ نے اس آیت کے یہ معنی کئے ہیں کہ یہاں خطاب رسول سے ہے۔فرمایا ان دلائل کے بعد جزاء سزا کے متعلق اب تیری کون تکذیب کرسکتا ہے یعنی ان دلائل کے ہوتے ہوئے اب تجھے جزا سزا کے معاملہ میں جھٹلانا ممکن نہیں۔ جب انسان کو بہترین ساخت

میں پیدا کیا۔اسے اپنے بُرے اور بھلے کو سمجھنے کی پوری استعداد دی۔ لیکن ان میں سے ایک گروہ اخلاقی پستی میں گرتے گرتے اسفل سافلین میں سے ہو گیا اور دوسرا ایمان اور عمل صالحہ کے نتیجہ میں اجر غیر منقطع کا حقدار قرار پایا۔تو پھر ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیوں نہ ہو ۔جبکہ دنیا کے معمولی حاکموں سے بھی تم انصاف کی توقع رکھتے ہو تو احکم الحاکمین سے تم کیا توقع رکھتے ہو کہ وہ اپنے بندوں سے انصاف نہیں کرے گا اور نیکوں کو جنت کی دائمی نعمتوں سے نہیں نوازے گا اور بدکاروں کو اسفل سفلین میں نہیں لوٹادے گا۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آخری آیت کے بعد جواباً کہا جاتا ہے **بلیٰ وانا علیٰ ذٰلک من الشاھدین** ۔(امام احمد۔ ترمذی۔ابوداوٗد)(تفسیر کبیر حضرت مصلح موعود جلد نہم تفسیر سورۃ التین سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورة علق ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بیس آیات ہیں

یہ سورۃ مکی ہے اور سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ ہے ۔اس کا ابتدائی حصہ سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور باقی حصہ بھی ابتدائی مکّی زمانہ کا ہے ۔آپ ﷺ کو اس ربّ کے نام سے قراءت کا حکم دیا جس نے ہر شے کو تخلیق کیا۔گویا اولین وحی جو اقراء سے شروع ہوتی ہے ، اس امر کی شہادت ہے کہ وحی کو لکھی ہوئی تحریری صورت میں پڑھنا مسلمانوں کے لئے لازمی ہوگا۔اس طرح بالکل ابتدا میں ہی قرآن پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔حضرت ابو سعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !اپنی آنکھوں سے بھی عبادت میں حصہ لیا کرو۔صحابہ نے پوچھا وہ کیسے ہو تو فرمایا آنکھوں سے قرآن کو دیکھنا،اس میں غور وفکر کرنا اور اس کے عجائبات کو سمجھنا۔(العظمۃ جلد ا صفحہ ۲۲۶ حدیث نمبر ۱۲)

حضرت ابو امامہ باہلی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے شفیع کے طور پر آئے گا۔(صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب فضل قراءۃ القرآن حدیث نمبر ۱۳۳۷)دوبارہ قراءت کے حکم میں فرمایا اس ربّ کے نام سے پڑھ جو سب سے زیادہ معزز ہے جس نے قلم کے ذریعہ انسان کو علم دیا اور اس قلم سے وہ تمام ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا جائے گا۔

اس کے بعد ہر اس انسان کو تنبیہ فرمائی جو عبادت میں روکیں ڈالتا ہے۔فرمایا اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی جھوٹی خطاکار پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ پھر وہ اپنے مددگاروں کو بلائے۔ ہم بھی سخت سزا دینے والے دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ١

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

پڑھ ساتھ نام اپنے رب کے جس نے پیدا کیا پیدا کیا آدمی کو جمے ہوئے

عَلَقٍ ٣ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٤ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥

لہو سے پڑھ اور رب تیرا کرم کرنے والا ہے جس نے سکھایا قلم کے ساتھ

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٦ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ٧

سکھایا آدمی کو جو کچھ نہیں جانتا تھا وہ ہرگز نہیں یقیناً انسان البتہ سرکشی کرتا ہے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔ **علق** کے معنے جمے ہوئے خون کے ہیں۔**علقة** کی جمع ہے **علقة** کے معنی خون کا لوتھڑا ۔(اقرب) **علق** دشمنی اور محبت کو بھی کہتے ہیں۔(اقرب) کیونکہ یہ چیزیں بھی دل میں جم جاتی ہیں۔ہر لٹکی ہوئی چیز کو بھی علق کہتے ہیں اسی سے معلق ہے اور چمٹنے کا مفہوم بھی دیتا ہے۔کریم ہر وہ چیز ہے جو زیادہ اچھی ہو۔(اقرب) یعنی احسن۔پس **اکرم** کے معنے ہوئے احسن ترین۔

متعدد احادیث میں بدء الوحی کا بیان ہے ۔امام احمد اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے تفصیلاً روایت بیان کرتے ہیں جو مختصر طور پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی وہ رویاءِ صادقہ کی صورت میں نازل ہوتی تھی۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ طلوع فجر کی طرح سچا ثابت ہوتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوئی کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ دیگر احادیث میں ہے کہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ کو خلوت میں اللہ کی عبادت کرنے سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں جاتے اور کئی راتیں اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے۔ جتنا عرصہ کے لئے آپ ﷺ نے عبادت کا ارادہ کیا ہوتا اتنے عرصہ کے لئے آپ ﷺ اپنا زاد لے جاتے جب ختم ہوتا تو آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ اتنا ہی اور زاد تیار کرکے دے دیتیں اور آپ ﷺ اسے لے کر عبادت کے لئے پھر غار حرا میں چلے جاتے۔ غار حرا میں خلوت نشینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے چھ ماہ لکھی۔ صحیحین کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان میں اس میں قیام کیا۔ ایک دن آپ ﷺ غار حرا میں عبادت کررہے تھے کہ آپ ﷺ پر وحی الٰہی کا آغاز ہوگیا۔

ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اقراء یعنی پڑھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا **مــا انــا بقاری** میں پڑھنا نہیں جانتا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب میں نے یہ کہا تو اس نے مجھے پکڑا اور بھینچنا شروع کردیا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے بھینچا اور اتنا بھینچا کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہوگئی اور اس کے بعد اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھ اور آپ ﷺ نے وہی الفاظ دہرائے تو اس نے پھر مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہوگئی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیات پڑھنے کو کہا۔ اور یہ آیات اسی وقت آپ ﷺ کے دل میں پختہ ہوگئیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس واقعہ کے فوراً بعد اپنے گھر واپس آئے اور آپ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ کندھے خوف سے کانپ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کپڑے سے ڈھانک دیا۔ یہ کلام الٰہی کا رعب تھا۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جائیں تا کہ آپ ﷺ کے قویٰ کو سکون حاصل ہو۔ آپ ﷺ کو گھبراہٹ اس وجہ سے تھی کہ دنیا کی اصلاح کا کام جو آپ ﷺ کے سپرد کیا گیا ہے اس عظیم کام کو الٰہی منشا کے مطابق آپ ﷺ سرانجام دے سکیں گے یا نہیں اور یہ کہ اپنے فرائض کی بجاآوری میں کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خوف دور ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدیجہ! مجھے کیا ہوگیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے انہیں ساری بات سنائی اور فرمایا مجھے اپنے نفس کے متعلق ڈر پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا ایسا خیال مت کیجئے بلکہ خوش ہوجایئے مجھے اللہ کی قسم! وہ آپ ﷺ کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ ہر سچی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی کسی بات کا انکار نہیں کرتے۔ جو لوگ اپنا بوجھ اٹھا نہیں سکتے ان کے بوجھ کو خود اٹھاتے ہیں۔ ہر آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ ایسے مصائب میں مبتلا ہوں کہ ان میں ان کی شرارت کا دخل نہ ہو بلکہ حوادثِ زمانہ کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچی ہو، آپ ﷺ ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ یہ تھی اس عظیم خاتون کی گواہی جو آپ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب تھی۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے اور توریت کو عربی میں لکھا کرتے تھے۔ بڑھاپے میں نابینا ہوجانے کی وجہ سے لکھوایا کرتے تھے۔ جتنی خداتعالیٰ توفیق دیتا انجیل کا بھی عبرانی سے عربی میں ترجمہ لکھواتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے مختصراً سب حال کہا اور فرمایا آپ ان کے منہ سے سب باتیں سن لیں۔ ورقہ کے استفسار پر آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا

وہ تفصیلاً بتادیا۔ ورقہ نے تمام باتیں سن کر کہا یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو عیسیٰؑ پر نازل ہوا (بخاری میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا) ورقہ نے کہا کاش! میں اس وقت جوان ہوتا جب تیری قوم تجھے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔ ورقہ نے کہاہاں! ہاں! تیری قوم تجھے نکال دے گی کیونکہ آج تک کوئی شخص اس تعلیم کو لے کر نہیں آیا جس تعلیم کو تو لے کر کھڑا ہوا ہے مگر اس کی قوم نے اس سے ضرور دشمنی کی۔ اگر مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہوا جب تو اپنی قوم کے سامنے اس تعلیم کا اعلان کرے گا اور قوم تیری شدید مخالفت کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ تجھے اس شہر سے نکال دے گی تو میں کمر باندھ کر تیری مدد کروں گا۔ لیکن اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ورقہ بن نوفل وفات پا گئے۔

ابن کثیر بیان کرتے ہیں۔ ''یہ قرآن کریم کی پہلی بزرگ اور مبارک آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلی رحمت ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے بندوں پر رحم کیا اور پہلی نعمت ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنے فضل سے انہیں سرفراز کیا۔'' ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ یہ پہلی سورۃ ہے جو قرآن کریم میں سے نازل ہوئی اس کے بعد نون والقلم نازل ہوئی پھر سورۃ مزمّل اور پھر مدثر (فتح بیان) بعض احادیث میں ہے کہ سورۃ علق کی ابتدائی آیات کے بعد سورۃ الـفـاتـحـۃ نازل ہوئی اور مکمل سورۃ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہی نازل ہوئی۔ (مظہری) احادیث سے ثابت ہے کہ سورۃ علق، سورۃ قلم اور سورۃ مزمّل کے بعد وحی میں وقفہ ڈال دیا گیا۔ دراصل ان سورتوں میں آپ ﷺ کے لئے ایک بہت بڑا پیغام تھا اور آئندہ کے لئے کئی قسم کی بشارتیں تھیں اور آپ ﷺ کو ایک عظیم کام کے لئے تیار کرنے آئی تھیں چنانچہ ان کے بعد وحی میں وقفہ ہوا جو غالبًا ایک سال تھا۔ بخاری و مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ فترۃ الوحی کے دوران آپ ﷺ نے کئی دفعہ پہاڑ سے کود جانے کا ارادہ کیا مگر ہر دفعہ فرشتہ نے آپ ﷺ کو منع کیا اور تسلی دی کہ آپ ﷺ واقعہ میں اللہ کے رسول ہیں۔ یہ ارادہ محض اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ کو خوف تھا کہ میرے کسی فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر مجھ سے بولنا چھوڑ دیا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ ظاہری واقعہ نہیں بلکہ کشف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے کہ میں پہاڑوں میں پھر رہا ہوں اور خود کو گرانا چاہتا ہوں مگر فرشتہ مجھے آواز دیتا ہے کہ ایسا مت کریں آپ ﷺ واقعہ میں اللہ کے رسول ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد نہم حضرت مصلح موعود صفحہ ۲۳۲)

فتـرۃ وحـی کے بعد سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں ایک دفعہ گھر سے باہر جا رہا تھا کہ میں نے

آسمان پر اسی فرشتہ کو دیکھا جو غار حرا میں آیا تھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔اس سے میں مرعوب ہوا اور گھر آیا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو ، مجھے کپڑا اوڑھا دو تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر کی ابتدائی چھ آیات نازل فرمائیں۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی تعلیم پیش کی اوراس کے بعدوحی جلدجلدنازل ہونی شروع ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی باقی تمام انبیاء کی وحی سے ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ بوجہ ایک کامل انسان ہونے کے آپ ﷺ پر روح القدس ایک کامل القویٰ انسان کی شکل میں ظاہر ہوا جس کی قوی تجلی نے زمین سے لے کر آسمان تک افق کو بھر دیا۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ پر روح القدس ایک کبوتر کی شکل میں ظاہر ہوا (متی باب ۳ آیت ۱۶ ، ۱۷) اور حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر آگ میں سے آواز آئی۔

فرمایا اپنے ربّ کے نام سے پڑھ جس نے کائنات اور کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا۔ اس میں بسم اللہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہر کام کے شروع میں پڑھی جاتی ہے۔لفظ ربّ میں بتلایا کہ وہی تیرا خالق ہے جو پہلے بھی تیری ربوبیت کرتا آیا ہے اور اب بھی کرے گا اور تجھے درجات عالیہ پر پہنچائے گا۔ پہلے کائنات کی تخلیق کا بیان تھا پھرخاص طور پر انسان کی تخلیق کا ذکر کیا اور بتلایا کہ خالقِ حقیقی نے کس حقیر ترین شے سے اس کی تخلیق کی ابتدا کی اور اسے ایک پورا انسان بنایا۔ وحی کے شروع میں ہی بتلایا کہ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا گویا ابتدا میں ہی علم الابدان یعنی سائنس کی طرف متوجہ کیا۔علق کے معنے چمٹ جانے والے لوتھڑے کے بھی ہیں گویا ایک لوتھڑا اس وقت ہی اپنی تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جبکہ رحم مادر سے چمٹا رہے۔ نطفہ میں چمٹنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ۔ اس لئے علق کہا۔ پس ایک کمزور انسان اپنے ربّ سے چمٹ کر ہی اپنی تکمیل کرسکتاہے۔قرآن کریم کی یہ آیات پورے قرآن کا خلاصہ ہیں۔ جس طرح ایک انسان علقہ کی حالت سے ترقی کرکے مکمل مرد ہو جاتا ہے ۔اسی طرح قرآن کریم کی یہ آیات بڑھ کر ایک مکمل کتاب ہو جائیں گی۔

عربی زبان کے عام محاورہ کے مطابق **خلق انسان من علق** کے معنے یہ ہوں گے کہ انسان **علق** سے پیدا کیا گیاہے یعنی انسان کی فطرت میں **علق** کا مادہ ہے۔علق کے معنے محبت اورنفرت دونوں کے ہیں گویا انسان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف جذبات میں ڈھالا ہے اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے محبت کا مادہ بھی رکھا، نفرت کا بھی۔یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ جو جذبات اس کے اندر پائے جاتے ہیں ان کا مکمل ظہور ہو۔ وہ اپنے

جذبات کی سیری کے لئے ان دونوں جذبات کی تکمیل چاہتا ہے۔ پس وہ ایک ہی انسانِ کامل تھا جس کی ذات میں ان دونوں جذبات کی تکمیل ہوئی۔ جس نے اپنے ربّ کے عشق کو انتہا تک پہنچایا اور شیطان سے نفرت کو بھی اس کی آخری حدتک پہنچایا۔پس آپ ﷺ وہ قرآن لے کر آئے جس نے خداتعالیٰ سے کامل محبت کی تعلیم دی اور شیطان اور شیطانی اعمال سے کامل نفرت کا حکم دیا۔ النجم رکوع ۱ میں فرمایا ثم دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین اوادنیٰ ۔ یعنی محمد ﷺ اپنے ربّ کے عشق میں سرشار اس کی طرف تیزی سے بڑھا اور آپ ﷺ کا ربّ بھی آپ ﷺ کی طرف تیزی سے بڑھا اور آپ ﷺ کا کامل اتصال ہوگیا۔ پس رسول اللہ ﷺ تمام جہان کا مقصود تھے اور پیدائش عالم کے روحانی ارتقاء کا آخری نقطہ صرف آپ ﷺ کی ذات تھی۔ جہاں تک شیطان کا تعلق ہے آپ ﷺ نے فرمایا میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے وہ سوائے بھلائی کے مجھے کچھ نہیں کہتا۔ (مسلم جلد ثانی کتاب صفۃ المنافقین بابت تحریش الشیاطین و بعثہ سرایاہٗ) گویا اس پر میرا رنگ چڑھ گیا ہے۔ وہ مجھے بدی کی طرف نہیں بلاسکتا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے عشق کرکے بتلادیا کہ اپنے خالق و مالک سے عشق کیسے کیاجاتا ہے اور قرآن کریم نے وہ رستہ بتلادیا جس پر چل کر اپنے ربّ کو پاسکتے ہیں اور اس کی سچی محبت کو حاصل کرسکتے ہیں۔

فرمایا پڑھ تیرا ربّ بڑا معزز ہے پس علم کے نتیجہ میں تجھے بھی تکریم حاصل ہوگی اور علم تجھے تمام مخلوقات سے ممتاز اور معتبر بنادے گا۔وہ ربّ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور اس کرمِ خاکی کو وہ علم دیاجسے وہ نہیں جانتاتھا۔ مکہ میں وحی نازل ہوئی ۔جس میں بمشکل بیس لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ۔ ان آیات میں پانچ مرتبہ پڑھنے اور لکھنے کی طرف توجہ دلائی اور قرأت ،کتابت اور تخلیق انسانی کا ذکرکیا۔ دو دفعہ پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی لکھنے کی طرف توجہ دلائی کہ علم کی ترقی قلم کے بغیر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اکرم کہنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تو خود کو کمزور نہ سمجھ۔ جس ربّ نے تجھے کھڑا کیاہے وہ اکرم ہے اورجوتعلیم تجھے دی جارہی ہے اس سے تیرے ربّ کے اکرم ہونے کا جلوہ ظاہر ہونے والا ہے اور اس کی صفات کاایسا ظہورہوگا جس کی مثال دنیا میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ قرآن کریم اگر کسی بات کوقطعی اور یقینی طور پر بیان کرے تو ماضی کا صیغہ استعمال کرتاہے گویا یہ بات ہو ہی چکی ہے یہاں بھی ماضی کا صیغہ استعمال کیا کہ تیرا ربّ بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ساتھ سکھایا گویا آئندہ تمام علوم قلم کے مرہونِ منت ہوں گے۔ اور یہی کتاب ہے جوقلم سے محفوظ کی گئی ہے جبکہ دیگر الہامی کتابیں محفوظ نہیں۔ پس قرآنی علوم قلم کے ساتھ تمام دنیا میں

پھیلائے جائیں گے ۔چنانچہ تمام قرآنی علوم صرف ونحو، تاریخ، فلسفہ ،فقہ، اصول فقہ ، ادب ، کلام ، علم ہیئت (Astronomy)اور اقتصادیات مسلم دانشوروں نے قرآن کریم کی خدمت کے لئے ایجاد کئے۔یہ وہ علوم ہیں جو عربوں نے ایجاد کئے اور ان سے باقی دنیانے لئے۔عرب ہر قسم کے علوم سے نابلد تھے لیکن قرآن پر ایمان لاکر وہ تمام دنیا کے استاد بن گئے۔ یورپ نے چاہا کہ یہ بات پوشیدہ رہے لیکن بہت سے عیسائی مفکر برملا اپنی کتابوں میں اس احسان فراموشی کا ذکرکرتے ہیں کہ ہم نے تمام علوم مسلمانوں سے سیکھے لیکن ان کے نام کو چھپایا۔ حقیقت یہ ہے کہ نویں صدی سے لے کر چودھویں صدی تک فلکیات میں ریسرچ کا تمام کام اسلامی ممالک (مشرق وسطیٰ ، نارتھ افریقہ اور اندلس) میں مسلمان ماہرینِ فلکیات کی نگرانی میں سرانجام پایاتھا۔مسلمانوں نے یونانی علوم کی دیکھ بھال کرکے ان میں خاطر خواہ اضافے کئے اور بعد میں انہیں علوم کے مطالعہ سے یورپ میں تحریک احیائے علوم (Renaissance) کا آغازہوا۔مسلمانوں نے یونانی کے علاوہ پہلوی، سنسکرت، عبرانی اور دیگر زبانوں سے بھی کتابوں کے تراجم کرکے انٹرنیشنل سائنس کی بنیاد ۹۰۰ء کے لگ بھگ رکھی اس بین الاقوامی سائنس کی زبان عربی تھی جس میں رفتہ رفتہ تمام سائنسی علم منتقل ہوگیا۔ان علوم میں سے مسلمانوں نے سب سے زیادہ توجہ علم فلکیات کو دی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں باربار اس علم کو سیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے دوسری اس کو سیکھنے کی وجہ اسلامی تہواروں کا تعین تھا جیسے حج، ماہ صیام ،عیدین اور نمازوں کی ادائیگی۔ان کے لئے سورج اور چاند کی منزلوں کو جاننا ضروری تھا ۔ نماز کے لئے کسی بھی ملک سے مکہ کی سمت کاجاننا بھی ضروری تھا۔چنانچہ مسلمانوں کی دلچسپی سے ایک نئے علم کی نبیادپڑی جسے ریاضیاتی ہیئت (Mathematical Astronomy) کہاجاتاہے۔علم کی اس شاخ میں جو سائنسی مسائل پیدا ہوئے ان کے حل کے لئے Trigonometry کا جاننا بھی ضروری تھا۔اس لئے مسلمان ہیئت دان ہونے کے علاوہ ریاضی دان بھی ہوتے تھے۔ چاند (ہلال) کے طلوع ہونے کی پیشگی اطلاع کے لئے نیز کسی بھی علاقہ سے کعبہ کی سمت طے کرنے اور مسجدوں کو اس رخ پر تعمیر کرنے کے لئے مسلمان ہیئت دانوں نے سفیریکل جیومیٹری Spherical Geometry میں زبردست اضافے کئے۔اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے مختلف فرمانرواؤں کے تحت عظیم رسدگاہیں قائم کیں یہاں تک کہ فن تعمیر، قالین بافی، عمارتوں پر رنگدار بیل بوٹے ، یہ تمام علوم اور ہنر بھی یورپ نے مسلمانوں سے سیکھے اور مسلمانوں نے جو کچھ سیکھا قرآن سے سیکھا ۔پس تمام سچے علوم کا مخزن قرآن کریم ہے۔ڈاکٹر عبدالسلام ان معدودے چند عالمی سطح کے سائنس دانوں میں سے ہیں جنہیں

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٨ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٩ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ

اس سے کہ دیکھتا ہے اپنے تئیں غنی ہوا یقیناً تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے کیا دیکھا تونے اس کو جو

سائنس میں نظریاتی طبیعات(Theoratical Physics) کی تحقیق پر اعلیٰ ترین اعزاز نوبیل انعام سے نوازا گیا۔ آپ فرماتے ہیں میں نے جو کچھ سیکھا قرآن سے سیکھا۔

انتہائی تیزی سے لاتعداد کتب کی ان گنت موضوعات پر اشاعت علم بالقلم کی تصدیق کررہی ہے اور یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ قلم کے ذریعہ قرآن کو پھیلایا جائے گا۔ مالم یعلم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قلم کے علاوہ بھی کچھ اور ذرائع ہوں گے جن سے وہ علم سیکھے گا۔ جنہیں فی الحال وہ نہیں جانتا۔ جیسے اس دور میں کمپیوٹر ، ٹیلیویژن، ٹائپ رائیٹر اور پرنٹنگ پریس وغیرہ۔اللہ تعالیٰ تمام روحانی علوم کی تکمیل بھی قرآن کریم سے کرے گا کیونکہ قرآن کریم روحانی ارتقاء کا آخری نقطہ ہے۔ پس قرآن آخری تعلیم ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری تشریعی نبی ہیں۔بیشک دیگر مذاہب والے بھی توحید اور ملائکہ وغیرہ پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان تمام امور سے پوری طرح واقف نہیں تھے ۔ قرآن کریم نے آ کر تمام امور پر تفصیلاً روشنی ڈالی یہاں تک کہ روحانیت اور اخلاق کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں رکھا۔ اس چیز کا عملی ثبوت حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جلسہ اعظم مذاہب عالم لاہور کے ذریعہ ہوا۔اس جلسہ میں منتظمین کی طرف سے پانچ اہم مذہبی سوالات پیش کئے گئے اور مختلف مذاہب کے نمائندگان کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے اپنے مذہب کی رو سے جواب دیں ۔حضرت مسیح موعودؑ کا ''لیکچر لاہور'' ۲ و ۳ ستمبر۱۹۰۴ء کو پڑھنے کی سعادت مولوی عبدالکریم سیالکوٹیؓ کو نصیب ہوئی۔ پہلے دن ۴ گھنٹے اور دوسرے دن ۲ گھنٹہ پڑھا۔تمام مذاہب اس مقابلہ میں ناکام رہے۔ سب نے متفقہ طور پر حضرت میرزا غلام احمد قادیانی کے مضمون کو بالا قرار دیا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ یہ مضمون ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۷تا۹۔**طغیٰ** کے معنے حد سے گزرجانے کے ہیں۔سرکشی کرنا۔ **رایٰ** کے معنے دیکھنے کے علاوہ سمجھنے کے بھی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتاتھا اورآئندہ بھی ایسے ایسے علوم سکھائے گا جو اس کے تصور میں بھی نہیں آسکتے لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ شکر گزار ہونے کے بجائے سرکش ہوگیا۔ اس کی سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں مستغنی سمجھتا ہے یعنی جب مال و دولت ،عزت و جاہ اور دیگر انعاماتِ خداوندی حاصل ہوں تو شکر گزار ہونے کے بجائے سرکشی پر اتر آتا ہے اور حد بندگی سے تجاوز کرتاہے۔ مال ومنال تو بڑی چیز ہے۔انسان تو اتنا کمزور اور بے بس ہے کہ وہ اکیلا اپنے لئے ایک لقمہ بھی پیدانہیں کوسکتا۔ اے انسان !تیری

يَنْهٰى ﴿۱۰﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۱﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿۱۲﴾
روکتا ہے بندے کوجب نماز پڑھتا ہے کیادیکھا تونے اگر ہوتا ہدایت پر

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۳﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۴﴾ اَلَمْ
یا ترغیب دیتا تقویٰ کی کیا دیکھا تونے اگر اس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا کیا نہ

يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۵﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۬ لَنَسْفَعًۢا
جانا اس نے یہ کہ اللہ دیکھتا ہے ہرگز نہیں اگر نہ باز رہے گا البتہ گھسیٹیں گے ہم اسکو

بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۶﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۷﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۸﴾
پیشانی کے بالوں سے وہ پیشانی کہ جھوٹی ہے خطا کار پس بلاوے اپنی مجلس کو

السجدة
سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۹﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۲۰﴾
ہم بلاویں گے فرشتے دوزخ کے ہرگز نہیں مت اطاعت کرو اس کی اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو

غذائی ضروریات کومہیا کرنے کا انتظام تیرے خالق و مالک نے اپنی حکمت بالغہ سے اس طرح کیا کہ انسانوں اور جانوروں کی ایک بڑی تعداد کو تیری خدمت میں لگادیا۔پس انسان اپنی ناسمجھی سے مال و منال کو کافی سمجھتا ہے اور خود کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کامحتاج نہیں سمجھتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے وسائل ایک انسان اپنی محدود عقل سے تجویز نہیں کرسکتا۔پس ربّ رحیم کی رہنمائی کے بغیر ایک انسان اپنی ذاتی کوشش سے ہدایت حاصل نہیں کرسکتا نہ اپنے ربّ کا قرب حاصل کرسکتا ہے جو اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے ۔ایک کمزور انسان خود کو اپنے ربّ سے مستغنی کیسے سمجھ سکتا ہے جبکہ لوٹ کر تو اے محمد ﷺ !اسے تیرے ربّ کی طرف ہی جانا ہے ۔اُس ابدی زندگی کا تو اسے کچھ علم نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اسے ہدایت کی راہ بتلائیں تا کہ وہ اس زندگی کے لئے کچھ سامان کر سکے۔

۱۰تا۲۰۔ **سفع** کے معنے کسی چیز کو پکڑ کرسختی سے گھسیٹنا کے ہیں۔ **ناصية**۔ سر کے اگلے حصہ یا سر کے اگلے بالوں کو کہاجا تا ہے ۔(اقرب) **نادية** اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں دن کے وقت لوگ بیٹھ کر مختلف امور کے متعلق باہم مشورہ کرتے ہیں۔ (اقرب) **زبانية**۔**زبن** کے معنی ہیں اس کو دور کردیا۔عربی زبان میں **زبانية** کے معنے پولیس کے ہوتے ہیں۔لسان العرب میں اس کے معنے غلاظ و شداد کے ہیں۔

یہ آیات فترۃ وحی کے بعد نازل ہوئیں جبکہ نماز کاحکم آچکا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو وحی متلو کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ احکام نازل فرماتا تھا جیسا کہ فرشتہ کا آپ ﷺ کو نماز سکھانا ۔ اسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

بیشک یہاں حکم عام ہے کہ جو بھی عبادت کی راہ میں روکیں ڈالے گا ، سخت سزا کا مستحق ہوگا تاہم خاص طور پر ابوجہل کی طرف اشارہ ہے کہ اس بدبخت نے اللہ کے ایک عظیم بندے کو عبادت سے روکا۔ احادیث میں ابوجہل کے گستاخانہ اور ظالمانہ رویہ کا اکثر ذکر ملتاہے۔ ایک موقع پر اس نے کہا محمدؐ سجدہ میں جائیں گے تو میں اس کی گردن کو پاؤں سے دبادوں گا لیکن اسے جرأت نہ ہوئی۔ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں آپ ﷺ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی جاتی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بھاری پتھر لے کر دوڑا کہ آپ ﷺ کا سر کچل دے گا لیکن راستہ میں ہی خوفزدہ ہوکر پلٹا کہ مجھ پر دو وحشی اونٹ حملہ کرنے کو تھے ۔ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سجدہ میں پڑے تھے کہ کفار نے اونٹ کی ایک بڑی اور بھاری غلاظت سے بھری ہوئی اوجھڑی آپ ﷺ کی گردن مبارک پر ڈال دی ، آپ ﷺ سجدہ سے سر نہیں اٹھاسکتے تھے ۔ حضرت فاطمہؓ کوعلم ہوا تو وہ بھاگی ہوئی آئیں اور اس اوجھڑی کو ہٹایا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب دعا النبی علی کفار حدیث نمبر ۳۶۶۵) سجدہ تمام منازل قرب کا انتہائی مقام ہے ۔ پس ایک ایسا سجدہ خدا تعالیٰ کے قرب کے منازل بندے کو ایک آن میں طے کرادیتاہے ۔ حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے محبوب ترین عمل کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کے حضور کثرت سے سجدے کرو کیونکہ ہر سجدہ تمہارا ایک درجہ اللہ کے حضور بڑھا دیتاہے اور ایک بُرائی تم سے دور کر دیتاہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل السجود حدیث نمبر ۷۵۳) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ! انسان اپنے ربّ سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتاہے جب وہ سجدہ میں ہو۔اس لئے سجدوں میں بہت دعا کیا کرو۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ مایقول فی الرکوع والسجود)

مسلمان غلاموں سے ان کے آقاؤں کا سلوک نہایت ظالمانہ تھا۔ان پر ہر ظلم روا رکھتے، انہیں مکہ کی پتھریلی گلیوں میں گھسیٹتے ۔شدید گرمی میں حضرت بلال کی چھاتی پر بڑے بڑے پتھر رکھ دیتے۔ ایک دفعہ اسلام کی فتوحات کے زمانہ میں حضرت بلال نے اپنی قمیض اتاری تو لوگ آپ ﷺ کی پیٹھ کو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔پیٹھ کا چمڑا ایسا تھاجیسے بھینسے وغیرہ کا ۔ آپ نے بتلایا کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میرا مالک امیہ بن خلف میرے پاؤں میں رسیاں باندھ کر پتھریلی گلیوں میں گھسیٹتا تھا۔یہ اسی وجہ سے ہے۔کبھی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جاتا۔یہاں اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ اگر وہ اس پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا کرتے تھے جو اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز رہتی تھی تو ہم یقیناً اسے اس پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔

فرمایا کیا تو نے غور کیا کہ اگر وہ عظیم بندہ ہدایت پر ہو یا تقویٰ کی تلقین کرتا ہو۔ یہاں بتلایا کہ آپ ﷺ تقویٰ کی تلقین کرتے تھے جبکہ کفار تقویٰ سے کوسوں دور تھے۔فرمایا کیا تو نے غور کیا کہ اگر اس بدبخت نے پھر بھی جھٹلادیا اور پیٹھ پھیر لی تو کیا وہ جانتانہیں کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور یہ اپنے اعمال کی بنا پر ایک دن اس کی گرفت میں آنے والا ہے ۔خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔پس چاہئے کہ وہ اپنے ہم جلیسوں کو بلائے ،ہم دوزخ کے داروغے بلائیں گے جو اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم میں داخل کردیں گے ۔یہ پیشگوئی چند سال بعد جنگ بدر میں پوری ہوئی جب اس دشمن خدا کی نعش کو اس کے ساتھیوں سمیت گھسیٹ کر قلیب نامی کنوئیں میں پھینکا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ رؤسائے قریش کے مشورہ سے عقبہ بن ابی معیط نے حالتِ سجدہ میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لاکر ڈال دی۔ حضور ﷺ نے سات آدمیوں کے خلاف نام لے کر بددعا کی۔ اے اللہ ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور ولیداور امیہ اور عقبہ وغیرہ پر گرفت فرما۔ حضرت عبداللہؓ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ سارے دشمن بدر میں قتل ہوئے اور گڑھے میں ڈالے گئے اور سخت گرمی کی وجہ سے ان کی لاشیں بگڑ چکی تھیں۔(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب دعا النبی علی المشرکین حدیث نمبر ۲۷۱۷)

فرمایا جس طرح تم خیال کرتے ہو ایسا نہیں ہوگا۔ اے محمد ﷺ کے ماننے والے تو دشمن کی بات ہرگز نہ مانیو اور اپنے ربّ کی عبادت سے ہرگز نہ رکیو۔ جتنا زیادہ یہ لوگ تجھے روکیں تو اتنے ہی زیادہ زور کے ساتھ ہمارے حضور سجدہ میں گر جا۔ بیشک جب تو سجدہ میں جائے گا تو یہ تجھ پر اور زیادتیاں کریں گے لیکن نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنے ربّ کے اور زیادہ قریب ہوجائے گا۔یہ وہ سجدہ ہے جس کے بدلہ میں تجھے مظالم کا نشانہ بنایا گیا گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ تیری چھاتی پر بھاری پتھر رکھے گئے۔ ان تمام مظالم کے باوجود جب تو اپنے ایمان پر قائم رہا اور پتھروں کے نیچے سے **اسھد ان لاالہ** کا نعرہ لگا تارہا تو یقیناً تیرے ربّ اور تیرے درمیان کوئی پردہ نہیں رہاہوگا۔ اس لئے کہ ساری زندگی کی عبادت سے بندہ اپنے ربّ کا وہ قرب حاصل نہیں کرسکتا مگر جب ابتلا میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو گویاایک ہی چھلانگ میں اپنے ربّ کی گود میں پہنچ جاتا ہے۔(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلد نہم تفسیر سورۃ ھٰذا سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ قدر۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چھ آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے۔ ملحقہ سورۃ میں قرآن کریم پڑھنے کا ذکرتھا۔ اس سورۃ میں قرآن کریم کی عظمت اور فضیلت کا اظہار کیا گیاہے اور خوشخبری دی گئی ہے کہ قرآنی وحی سے ہر قسم کے اندھیرے چھٹ جائیں گے اور ایک روشن فجر طلوع ہوگی۔ فرمایا یہ ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینوں کے قریباً ۸۳ سال بنتے ہیں جو ایک انسان کی زیادہ سے زیادہ عمر متصور ہوتی ہے۔ یہاں ایک خاص رات کاذکر کیا کہ اس رات کی عبادت انسان کی ساری زندگی سے بہتر ہے یہ لیلۃ القدر کی گھڑی ہے جو بندے کو اپنے ربّ کے فضل سے نصیب ہوتی ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ

یقیناً ہم نے اُتارا اس کو شب قدر میں اور کیا جانے تو کیا ہے شب

الْقَدْرِ ۝۳ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۴ تَنَزَّلُ

قدر شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے اترتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۵

فرشتے اور روح اس میں باذن اپنے رب کے تمام امور لے کر

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۶

سلامتی ہے یہ ہے طلوعِ فجر تک

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔ **قدر** اور **تقدیر** میں کسی چیز کا اندازہ کا ظاہر کرنا ہے۔ (مفردات راغب) قدر میں حُرمت کا بھی مفہوم ہے۔ سلٰمٌ کے معنے ہر خوف کے امر سے سلامتی کے ہیں۔ ہٗ کی ضمیر قرآن اور رسول دونوں کی طرف جاتی ہے۔ فرمایا ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ علامہ ابن حیان لکھتے ہیں کہ آیت کے یہ معنے ہیں کہ اس مہینہ میں قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنا شروع ہوا۔ (تفسیر بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۳۹) لیلۃ القدر وہ رات ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی ایک رات میں آتی ہے۔ (اقرب) احادیث میں اس رات کو دعاؤں کی قبولیت کے لحاظ سے خاص فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ۲۴ رمضان کے بعد کی رات یعنی ۲۵ رمضان کی رات کو قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے جو مسند احمد بن حنبل میں ابن الاشقع سے روایت نقل کی گئی ہے۔ لیلۃ القدر سے مراد معین طور پر وہ رات نہیں جس میں قرآن کریم اترنا شروع ہوا بلکہ قرآن کریم کے نزول کی علامت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات کو مقرر فرمادیا۔ اور یہ رات رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں چکر لگاتی رہتی ہے۔ جب اللہ کے بندوں نے رمضان کا پورا مہینہ عبادت اور رضائے الٰہی کے حصول کی تلاش میں گزارا اور اپنے ربّ کی خوشنودی کے لئے بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کردیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات کی بارش کرتے ہوئے اس مہینہ کے آخری عشرہ کی ایک طاق رات کو دعاؤں کی قبولیت کے لئے

خاص کر دیا۔ اس رات تیرا ربّ آسمان سے اترتا ہے اور اعلان کرتا ہے **اجیبُ دعوۃ الدّاع اذادعان**۔ (سورۃ البقرۃ رکوع ۲۳) بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر کو خوب جاگے اور عبادت کرے اور یہ اس کی عبادت رسماً یا ریا کے طور پر نہ ہو بلکہ ایمان اور خدا تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے ہو تو اس کے وہ سب گناہ جو وہ پہلے کر چکا ہے معاف ہوجاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے شبِ قدر معلوم ہوجائے تو بتایئے میں اس میں کیا کہوں؟ فرمایا کہو **اللّٰھم انک عفوتحب العفوفاعفُ عنّی** (سنن ابن ماجہ کتاب الدعاء باب الدعابالعفو حدیث نمبر ۳۸۴۰) امام احمد بن حنبل رمضان کی فضیلت میں ایک لمبی حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں اس مہینہ میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو رمضان میں بھی اس رات سے محروم رہا۔ وہ بڑا محروم آدمی ہے۔ قدر میں حرمت کا بھی مفہوم ہے یعنی قرآن کا نزول ایسی رات میں ہوا جو حرمت والی ہے۔ اگرچہ زمانہ نزول وحی سخت تاریکی کا زمانہ ہوتا ہے لیکن ہمیشہ حرمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جب دنیا گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت کی روشنی میں آتی ہے۔ چونکہ ہٗ کی ضمیر قرآن اور رسول دونوں کی طرف جاتی ہے اس لئے یہ معنے بھی ہیں کہ ہم نے رسول کو لیلۃ القدر میں مبعوث فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شدید ترین تاریکیوں کا زمانہ تھا۔ دنیا کی یہ ظلماتی حالت بھی لیلۃ القدر کا حکم رکھتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس کی تاریکی آفتابِ محمدی کے ظہور کا باعث ہوئی۔ نبی کا زمانہ بوجہ ظلمات کے رات سے مشابہ ہے۔ وہ جہالت و گمراہی کے اندھیروں میں آتا ہے۔ جونہی گمراہی کے اندھیرے چھٹتے ہیں اور ہدایت اور روشنی کا سورج طلوع ہوتا ہے، اس کا کام ختم ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پیارے کو بلالیتا ہے۔ پھر اسلام کی تمام ترقیات اس کے بعد ہوتی ہیں۔ ہزار مہینے گزرنے تک جو قریباً ایک صدی ہے دنیا ظلماتی حالت پھر اختیار کرلیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے قرآنی وعدہ کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تجدید کے لئے مجدد کھڑا کردیتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں رمضان المبارک کی لیلۃ القدر میں جو نزول ملائکہ ہوتا ہے وہ بھی بجائے خود مسلّم و متقین ہے اور صدی کے رأس پر جو نزول ملائکہ ہوتا ہے وہ بھی اپنی تاثیرات اور شواہد کی رو سے مشہود و مرئی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء) بیشک اس رات میں فرشتوں کا عام نزول ہوتا ہے اور اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے ربّ کے اذن سے ہر امر خیر کو جو سلامتی کا موجب ہیں لئے ہوئے اترتے ہیں۔ لیکن جسے لیلۃ القدر کی گھڑی نصیب ہو

جائے اس پر ملائکہ اور روح القدس کا بطور خاص نزول ہوگا جو اپنے ربّ کے حکم سے اس کے تمام امور میں رہبری کے لئے اتریں گے۔ اسی طرح انبیاء اور مجددین کے زمانہ میں ان کی تائید میں ملائکہ کی افواج اترتی ہیں اور روح القدس کا ظہور ہوتا ہے یعنی اللہ کے خاص بندے الہام و کشوف سے نوازے جاتے ہیں۔ نبی کا زمانہ رات کی طرح ہوتا ہے جس میں آئندہ زمانے کے متعلق اللہ کے فیصلے اترتے ہیں۔ اس لئے فرمایا قرآن کریم تقدیریں نازل کرنے والی رات میں اتارا ہے یعنی قیامت تک جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس قرآن میں بیان کردیا ہے نیز یہ اندازہ کی رات ہے یعنی آئندہ خیر و شر کا اندازہ اللہ تعالیٰ اس رات میں کرتا ہے۔ **حتّٰی مطلع الفجر** میں ایک زبردست پیشگوئی ہے۔اس کے ابجد کے حساب سے ۱۲۸۲ء عدد بنتے ہیں ۔گویا ۱۲۸۲ برس بعد ایک نیا دن طلوع ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز کامل کا ظہور ہوگا۔ایک معنے یہ بھی ہیں کہ جب بھی لیلۃ القدر کا زمانہ آئے گا ہم رسول اور قرآن کو دنیا میں اتارتے رہیں گے۔یعنی جب بھی قرآن کا نور ماند ہوگا تو اللہ تعالیٰ رسول اللہ کے مثیل روحانی وجودوں کو دنیا میں مبعوث کرتا رہے گا جو قرآن کریم کو ثریا سے اتار لائیں گے اور دنیا کو اس کے نور سے منور کریں گے۔ سورۃ جمعہ میں **اٰخرین منھم** میں یہی بشارت دی گئی ہے کہ دنیا میں آپ ﷺ کا مثیل ظاہر ہوگا جو آپ ﷺ کی نیابت میں دنیا کو اسلام کی دعوت دے گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ بیّنہ۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی نو آیات ہیں

یہ مدنی سورۃ ہے اور ایک ہی دفعہ نازل ہوئی۔ (ابوحبّہ بدری) اس سے پہلی دونوں سورتوں میں قرآن کریم کے نزول اور اس کی خوبیوں کو بیان کیا گیا تھا۔ یہ سورۃ ان دونوں سورتوں کی تفسیر ہے۔ اس میں قرآن کریم کے اس اثر کو بیان کیا گیا ہے جو غیر اقوام سے تعلق رکھتا ہے ۔ فرمایا اہل کتاب اور مشرکین جس ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے ، بدوں کسی عظیم رسول کے ان کا اپنے غلط رویوں اور کفر و شرک سے باز آنا ممکن نہ تھا۔ پس ان کی اصلاح کے لئے وہ رسول آیا جو بیّنہ تھا۔ جس کا وجود اپنی رسالت اور تمام متنازعہ فیہ امور میں ایک روشن دلیل تھا۔ اللہ کا وہ رسول جو انہیں ایسے پاکیزہ صحیفے پڑھ کر سناتا تھا جس میں ہمیشہ رہنے والے احکام تھے۔ نیز ان میں گزشتہ انبیاء کی تمام پاک تعلیموں کا خلاصہ داخل کردیا گیا تھا۔

اس کے بعد کافروں اور مومنوں کے بد اور نیک انجام سے آگاہ فرمایا۔ کفار و مشرکین جو بدترین مخلوق ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے یہی ہیں وہ جو بہترین مخلوق ہیں جن کی جزا ہمیشگی کی جنت اور ان کے ربّ کی رضا ہے۔یہ جزاء اس کے لئے ہے جو اپنے ربّ سے ڈرتا رہا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۱

میں پڑھتا ہوں ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ

نہ تھے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب سے اور مشرک

مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۲ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا

باز رہنے والے یہاں تک کہ آوے انکے پاس دلیل یعنی رسول خدا کی طرف سے پڑھتا ہوا

صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۳ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ۴ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ

صحیفے پاکیزہ اس میں ہیں کتابیں پاکیزہ اور نہ تفرقہ کیا انہوں نے جو

اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۵ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا

دیئے گئے کتاب مگر بعد اس کے کہ آئی انکے پاس دلیل ظاہر اور نہیں حکم کیے گئے

اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا

مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی خالص کرکے اس کے لیے دین کو اخلاص سے اور قائم رکھیں

الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ۶ اِنَّ الَّذِیۡنَ

نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو اور یہ ہے دین مضبوط یقیناً وہ جو

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔ **منفکّین۔ فکّ** کے اصل معنے کھولنے یا جُدا کرنے کے ہیں۔ جیسے **فکّ رقبہ** غلام کا آزاد کرنا۔ **منفکّین** ۔ الگ ہونے والے۔ باز آنے والے۔ **بیّنۃ** ۔بیّن ۔واضح دلیل اور حجت (اقرب) یہاں بیّنہ سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ **مطھرہ** ۔تطہیر کے معنے نجاستِ ظاہری اور باطنی کو دور کرنے کے ہیں۔ **قیّمۃ** ۔ ہمیشہ قائم رہنے والا۔ **کُتبٌ قیّمۃ** ۔ ہمیشہ قائم رہنے والے احکام ۔ہمیشہ قائم رہنے والی اورقائم رکھنے والی تعلیمات۔**فیھا کُتُبٌ قیّمۃ** کے معنے یہ ہیں کہ قرآن پاک تمام کتب سماویہ کے مطالب پر حاوی ہے کیونکہ قرآن پاک تمام کتب متقدمہ کا ثمرہ اور نچوڑ ہے۔(مفردات راغب)**حنفاء** حنیف کی جمع ہے ۔ الحنف کے معنے گمراہی سے استقامت کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔ حنیف وہ ہے جو سب سے بے تعلق ہو کر خدا کی طرف جھکنے والا ہو۔ ایک ہی طرف جھکنے والا۔ یک سُو۔

پچھلی دونوں سورتوں میں نزول قرآن اور اس کی عظمت کا بیان تھا کہ قرآن کریم کے نزول سے دنیا خیر وبرکت سے بھر جائے گی۔ یہاں ضرورتِ رسول کو واضح کیا اور بتلایا کہ کفار خواہ اہلِ کتاب ہوں یا مشرک ،کبھی بھی شرک کی ناپاکی اوراپنی بداعمالیوں سے باز آنے والے نہیں

تھے۔جب تک کہ ان کے پاس ایک واضح اور روشن دلیل نہ آتی یعنی جب تک ان میں اللہ کا رسول ظاہر نہ ہوجاتا۔ یہاں اہل کتاب کاذکر کرنے کے بعد بیّنہ کا ذکرکیا۔ گویا کتاب ان کے پاس موجود تھی مگر وہ انہیں کفر سے نہ بچاسکی۔ اس لئے کہ یہ سخت تاریکی کا زمانہ تھا۔کوئی عام مصلح ان کی اصلاح کے لئے کافی نہ تھا۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ نے عرب کو شرک سے پاک کرنے اور اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے صدیوں تک زور لگایا لیکن ناکام رہے ۔درحقیقت جو خود ناپاکیوں میں ملوث ہوں وہ دوسروں کو ناپاکیوں سے کیونکر نکال سکتے تھے اور ایک تحریف شدہ کتاب جو انسانی دست برد کا شکار تھی، ان کو ہدایت کا راستہ کیونکر دکھلاسکتی تھی۔ پس جب **ظھر الفساد فی البّر والبحر** ۔(الروم رکوع ۵) کی کیفیت دنیامیں پورے طور پر رونما ہوگئی تو اللہ کا رسول ایک کھلی دلیل کے طور پر آیا۔ایسا رسول جو اپنی قوت قدسیہ سے نفوس کو پاک کرنے کی استعدادرکھتا تھا اور وہ کتاب لایا جو **فیھا کُتب قیّمۃ** کی مصداق تھی۔ مفرداتِ راغب میں **فیھا کتب قیّمۃ** کے معنی یہ لکھے ہیں کہ وہ سب تعلیمیں جو گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں نازل ہوئیں ،ان میں ایسی تعلیمیں جو قائم رہنے کی مستحق تھیں اور بنی نوع انسان کے معاش اور ان کے معاد کو درست کرنے والی تھیں، وہ ساری کی ساری تعلیمات قرآن کریم میں آ گئی ہیں۔ مزید قرآن کریم میں ایسے عظیم الشان حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں جو پہلی کتابوں میں نہیں تھے۔ پس قرآن کریم کی تعلیم مستحکم اور قائم رہنے والی ہے ، بدلنے والی نہیں۔ مطھرہ میں بتلایا کہ پہلی الہامی کتابیں مطھرہ نہیں رہی تھیں ان میں کلام الٰہی کے ساتھ بندوں کا کلام بھی مِل گیاتھا لیکن قرآن کریم ہر عیب سے پاک ہے ۔ بیشک قرآن کریم قیامت تک کے لئے ہے اور اس کا ایک شوشہ بھی بدل نہیں سکتالیکن جب اس پر بد رسوم کی گرد پڑی تو تجدید دین کے لئے الٰہی نوشتوں کے مطابق حضرت میرزا غلام احمد قادیانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ظلی اور غیر تشریعی نبی کے طور پر مبعوث ہوئے تاکہ خدا تعالیٰ پر تازہ ایمان اورتازہ تعلق پیدا ہو۔بیشک کتاب موجود ہوتی ہے لیکن وہ بولتی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول مبعوث ہوتاہے تو اس کے ذریعہ سے وہ کتاب پھر بولنے لگتی ہے اورپھر اس کے انوار لوگوں کے دلوں کوگرمانے لگتے ہیں۔

فرمایا وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی تھی متفرق نہیں ہوئے مگراس وقت جب ان کے پاس بیّنہ یعنی رسول آ گیا۔دراصل رسول کے آنے سے پہلے تمام گروہ ایک آنے والے کا انتظار کررہے ہوتے ہیں لیکن جب وہ ظاہر ہوتاہے اور بنی نوع انسان کو شیطان سے بچنے اور اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرنے کے راستے بتاتاہے تو ان میں تفریق پڑ جاتی ہے یعنی ایک گروہ اہل کتاب اور

مشرکین میں سے اپنے کفر وشرک کو چھوڑ کر توحید پر قائم ہوجاتا ہے اور دوسرا گروہ کفر وشرک پر قائم رہتا ہے۔ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری دنیا ایمان نہیں لائی لیکن اہل کتاب اور مشرکین میں سے کروڑہا کروڑ لوگوں کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوگی۔

فرمایا جو ایمان لے آئے انہیں کوئی حکم نہیں دیا گیا سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے یعنی اسی کی طرف جھکتے ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں !''خدا کی عبادت ایسے طور سے کی جاوے کہ کوئی چیز خدا کے سوا دل میں، زبان میں، حرکات میں سکنات میں معبود نہ رہے۔'' (نورالدین طبع ثالث صفحہ ۱۴۱) دین کے ایک معنی اطاعت کے بھی ہیں یعنی وہ اپنی اطاعت کو اللہ کے لئے خالص کردیں۔ دین اسلام سے پہلے ان کی اطاعت پیروں فقیروں، راہبوں، کاہنوں اور پنڈتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خالص اللہ کی اطاعت کی طرف بلایا کیونکہ غیر اللہ کو اپنا حاجت روا قرار دینا اور ان کے آستانوں پر سجدات ادا کرنا نہ صرف انسانیت کی تذلیل ہے بلکہ تمہارے ربّ کی بھی توہین ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔ اللہ کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کر دیں یعنی اللہ ہی کے لئے ہو جائیں گویا دنیوی کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اور اس کی خوشنودی اور رضا کے لئے کریں۔ اگر ایسا ہوگا تو ہر دنیوی کام عبادت ہو جائے گا۔ اسی نکتہ پر تصوّف کی بنیاد ہے۔ اسی پر عمل کرکے روحانیت کی اعلیٰ منازل نہایت آسانی سے طے ہوسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں ترقی ہوسکتی ہے۔ یہ مفہوم نہیں کہ بندوں کی اطاعت نہیں کرنی قرآن کریم اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ (النساء رکوع ۸) اس میں بھی **مخلصین لهُ الدین** کی شرط ہے کہ بندوں کی اطاعت کرو تو اپنے ربّ کی وجہ سے یعنی اسی کی رضا اور اسی کی خاطر، غرض تمہاری تمام جدوجُہد کا مرکزی نکتہ تمہارے ربّ کی رضا ہو۔ اسی کے لئے خود کو وقف کردو۔

فرمایا نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو یہی قائم رہنے والی تعلیمات کا دین ہے۔ عبادت کا ذکر پہلے ہوچکا ہے جس میں نماز شامل ہے۔ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے لئے ہی نماز باجماعت کو کافی نہ سمجھیں بلکہ تمام مومنوں میں نماز قائم کریں یعنی ہر مومن نماز کی ترویج اور اس کو دنیا میں قائم کرنے میں مشغول ہوجائے۔ اس میں اقامت کا مفہوم بھی ہے یعنی تمہاری عبادت میں مداوَمت ہو۔ اللہ کے نزدیک وہی نیکی مقبول ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے۔ قرآن کریم میں ہمیشہ ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر اقامتِ صلوٰۃ کے بعد آتا ہے اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
کافر ہوئے اہل کتاب اور مشرک لوگوں میں سے دوزخ کی آگ میں ہونگے رہنے والے ہیں
فِيْهَا ۚ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
اس میں یہی ہیں بدتر از خلائق یقیناً جو ایمان لائے اور عمل کئے
الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
اچھے یہی لوگ ہیں بہترین مخلوق ان کا بدلہ ان کے رب کے حضور سے

تک کوئی شخص قوم کی زبوں حالی سے واقف نہیں اس وقت تک وہ ان کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکتا۔ جو شخص نماز باجماعت کا پابند ہے اسے یقیناً اپنے قرب و جوار کے لوگوں کی حالت کا علم ہوگا اور وہ انہیں تنگدستی اور مصائب سے نکالنے کی پوری کوشش کرے گا۔ پس ایتاء زکوٰۃ کی تحریک اقامتِ صلوٰۃ سے ہی ہوتی ہے۔ گویا اقامتِ صلوٰۃ میں حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہے اور ایتاءِ زکوٰۃ میں حقوق العباد کی طرف۔ ہمیشہ قائم رہنے والے دین کے یہی دوستون ہیں۔ وہ اپنے ربّ کے حقوق پوری دیانتداری سے ادا کرے اور بنی نوع انسان سے جہاں تک اس کے بس میں ہو حسن سلوک کرے اور ان کے حقوق کو پوری تندہی سے ادا کرے۔ دنیا میں جتنی بھی تباہیاں آتی ہیں یا خدا کے غضب کی وجہ سے آتی ہیں کہ بندے اپنی گستاخیوں سے اپنے ربّ کو ناراض کرلیتے ہیں یا ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرکے تباہی کو دعوت دیتے ہیں۔ پس ہمیشہ قائم رہنے والی تعلیمات کا دین وہی ہوگا جس کا ان تمام امور پر عمل ہو۔

۷تا۹۔ **بریّہ** اور برایا دونوں کے معنے مخلوق کے ہیں۔ **شرالبریّہ** ۔ بدترین مخلوق۔ **خیر البریّہ** ۔ بہترین مخلوق۔ **عدن**۔ ہمیشہ۔

یہاں اہل کتاب اور مشرکین میں سے ایسے کفار کا ذکر کیا جنہوں نے جان بوجھ کر کفر کیا۔ جن پر حجت تمام ہوگئی اور جن کا اللہ کے حضور کوئی عذر نہ رہا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو تمام مخلوق میں سے بدترین ہیں۔ ان کے مقابل میں مومنوں کا ذکر کیا جو تمام مخلوق میں سے بہترین ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بندہ اللہ کے نزدیک بعض فرشتوں سے بھی زیادہ معزز ہے۔ (ابن ماجہ) ان مومنوں کی صفات میں ایمان لانا اور اعمال صالحہ بجا لانا ہے۔ یہی وہ دو صفات ہیں جو انسان کو روحانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچادیتی ہیں۔ لوگ ربّ کو پانے کے لئے مختلف وظیفوں اور چلّوں کی تلاش میں ہوتے ہیں حالانکہ ربّ رحیم نے یہ ایک نہایت آسان نسخہ بتلایا کہ جو بھی ایمان لائے گا اور صحیح عمل کرے گا وہ اپنے ربّ کی محبت کو

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

باغ ہمیشگی کے ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں رہنے والے ہیں ان میں ہمیشہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۹﴾ ع ۲۳

راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہ اس کے لیے ہے جو ڈرے اپنے رب سے

پالے گا جیسا کہ سورۃ مریم (آیت ۹۷) میں فرمایا کہ جو لوگ بھی ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے ضرور رحمان خدا ان سے محبت کرے گا۔ اگر وہ خدا کی محبت کو نہ پاسکے تو یقیناً ان کے ایمان یا اعمال میں نقص ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان کی جزا ان کے ربّ کے پاس ہمیشہ کی جنتیں ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں وہ ابدالآباد تک ان میں رہنے والے ہوں گے۔ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے جو انہیں نصیب ہوگی۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اس لئے کہ انہوں نے **یعبدوا اللّٰہ مخلصین لہُ الدّین حنفآء ویقیموا الصّلوٰۃ ویؤتوا الزّکوٰۃ**۔ پر پوری طرح عمل کیا جو **اٰمنوا وعملوا الصّٰلحت** کی ہی تشریح ہے۔ پس یہ جزا اس کے لئے ہے جو اپنے ربّ سے ڈرتا ہے۔ گویا جو بھی اپنے ربّ کی خشیت رکھتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اس جزا کا مستحق ہوگا۔ یہ جزا صحابہ سے ہی خاص نہیں قیامت تک جو لوگ بھی ان صفات کے مالک ہوں گے رضی اللہ عنھم کے مصداق ہوں گے۔ **لمن خشی ربّہٗ** کہہ کر ہر ڈرنے والے کو امید دلائی ہے۔ (تفسیر کبیر جلد نہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "تفسیر سورۃ البیّنہ" سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ زلزال۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی نو آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے اور پچھلی دونوں سورتوں کے مضامین کے تسلسل میں ہے۔ بیشک ایسی تمام سورتیں قیامت پر اطلاق پاتی ہیں لیکن ان کا ایک نمونہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دکھاتا ہے تا آخرت پر دلیل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایک عظیم روحانی انقلاب برپا ہوا۔ نیز جنگوں نے زمین کو ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن اس کا اصل اطلاق آپ ﷺ کے مہدی و مسیح کے زمانہ میں ہوگا جب دنیا حقیقت میں ہلادی جائے گی اور عظیم الشان تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

پچھلی سورۃ میں قرآن کریم کے اُس اثر کا ذکر کیا جو اس ابتدائی زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ اب اس سورۃ میں قرآن کریم کے اِس اثر کا ذکر کیا جو آخری زمانہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور بتلایا کہ دوسری دفعہ اس رسول کا بروزِ کامل اُس وقت دنیا کی اصلاح کرے گا جب دنیا میں ایک زلزلہ عظیمہ آئے گا۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت جمع ہوں گے تا کہ اپنی کوششوں کے نتائج دیکھ لیں۔ اس دن ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی یا بدی کی جزا اور سزا دی جائے گی۔ ایسا دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی مقدر ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿٢﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ

جب ہلائی جاوے گی زمین اپنے بھونچال سے اور نکال ڈالے گی زمین

اَثْقَالَهَا ﴿٣﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٤﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

اپنے بوجھ اور کہے گا آدمی کیا ہوا اس کو اس دن کہے گی زمین

اَخْبَارَهَا ﴿٥﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿٦﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

اپنی باتیں بوجہ اس کے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اسکو اس دن لوٹ آویں گے لوگ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۶۔ **اذا** زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔جبکہ اِذ کا استعمال بالعموم ماضی پر ہوتا ہے۔ الزلزال کے معنے ہلانے ، خوفزدہ کرنے اور چوکس کرنے کے ہیں۔ وحی کے لفظی معنے اشارہ کرنے کے ہیں۔ ایسا اشارہ جوجلدی سے کیاجائے اور جس کوکیاجائے اس کے علاوہ دوسرے کوعلم نہ ہو۔

اس سورۃ کی نسبت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے احمد ، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یارسول اللہ! مجھے قرآن شریف پڑھائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا الرٓ والی تین سورتیں پڑھا کرو۔ اس شخص نے کہا یارسول اللہ! میں بڈھا ہوگیاہوں ، حافظہ خراب ہوگیاہے اور زبان سخت ہوگئی ہے اس لئے مجھے کوئی اور سورۃ بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تین سبحٓ والی سورتیں پڑھ لیاکرو۔اس نے وہی بات جو پہلے کہی تھی پھر دہرائی کہ میں بوڑھا ہوگیاہوں،حافظہ کمزور ہوگیاہے اور زبان سخت ہوگئی ہے۔ پھر اس نے کہا یارسول اللہ! مجھے کوئی ایک ایسی سورۃ بتادیجئے جو جامع ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے اسے **اذا زُلزلت الارض زلزالھا** والی سورۃ سنائی اور کہا یہ پڑھو۔یہاں تک کہ جب آپ ﷺ یہ سورۃ پڑھ چکے تو اس نے کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں پڑھوں گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کمزور اور بڈھا شخص کامیاب ہوگیا، کامیاب ہوگیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس بلاکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یوم الاضحیٰ کا بھی حکم دیاہے اللہ تعالیٰ نے یہ اس امت کے لئے عید بنائی ہے ۔ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ تو بتایئے کہ اگر میرے پاس اونٹ یا بکری نہ ہو۔ صرف میرے پاس ایک اونٹنی ہو جو کسی نے تحفۃً دی ہو تو کیا میں اسے عید الاضحیٰ پر ذبح کردوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ نہ ،ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ اپنے بال منڈوانا، اپنے ناخن ترشوانا، اپنی مونچھوں کے اگلے حصے کے بال چھوٹے کروانا اور زیرناف بالوں پر استرا پھیرنا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قربانی ہوگی۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتاہے کہ ایسے عمر رسیدہ کمزور مرد اور عورتیں جن کا حافظہ کمزور ہوگیاہو اور وہ لمبی سورتیں یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں ان کی دلجوئی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوٹی سورتیں یاد کرنے کوفرما دیا ورنہ ظاہر ہے کہ بڑی سورتوں کا زیادہ ثواب ہے ۔اس بوڑھے آدمی کو بلا کر عید الاضحیٰ کا بتانا اس غرض سے تھا کہ بیشک ایک مومن کی ایمانی زندگی کامدار صرف اور صرف قرآن کریم پرہے تاہم اس پر کچھ مالی قربانی بھی فرض ہے پھر اس کی وضاحت بھی فرمادی تا کہ ایک کمزور اور غریب آدمی کسی تنگی میں نہ پڑے۔

فرمایاجب زمین اپنے زلزلہ سے ہلائی جائے گی ۔یہاں زمین کے ساتھ اہل زمین بھی مراد ہیں جیسا کہ سورۃ یوسف رکوع۱۰ میں قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں۔ یعنی ایک وقت آئے گا جب زمین اور اہل زمین ہلائے جائیں گے۔یہ آج کا دور ہے جب قرآنی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق شدید زلزلے آئے اور آرہے ہیں ۔جیسا کہ کانگڑہ کا زلزلہ۴ اپریل ۱۹۰۵ء ،کوئٹہ کا ۱۹۳۵ء اور حالیہ ۸ اکتوبر۲۰۰۵ کا زلزلہ جو ۸ بج کر ۵۸ منٹ پر پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں آیا۔ ان کے علاوہ تمام دنیا میں خطرناک زلزلے آئے جنہوں نے دنیا کو ہلاکر رکھ دیا۔سمندروں میں آتش فشاں پھٹنے سے سونامی قسم کے ایسے طوفان آئے جنہوں نے سمندروں کو تہ وبالاکردیا۔نیز آج کے زمانہ میں ریلوں، زمین دوز ریلوں اور کارخانوں کی کثرت سے زمین کانپتی رہتی ہے۔ پھر جنگوں میں ایسے ہتھیار ایجاد ہوئے جنہوں نے زمین پر شدیدلرزہ طاری کیااور بڑے بڑے غار ڈال دئے۔جیسے توپوں، ڈائنا میٹ، بموں اور ایٹم بموں نے دنیا کو سخت ہلادیا۔ یہاں زمین اور اہل زمین دونوں کے ہلائے جانے کا ذکرہے ۔ اہل زمین کے ہلائے جانے میں عالمگیر بیداری کی طرف بھی اشارہ ہے ۔جیسا کہ سیاسیات، اقتصادیات، معاشیات ، مذہبیات، اخلاقیات ،غرض آج انسان کے ہر شعبہ زندگی میں ایک زلزلہ آچکاہے۔ فرمایا زمین اپنے بوجھ نکال پھینکے گی۔ ظاہری معنے تو یہی ہیں کہ زمین سے مختلف قسم کی معدنیات نکالی جائیں گی۔ چنانچہ سونا، چاندی، ہیرے جواہرات ، تانبہ لوہااور دیگر دھاتوں کے علاوہ یورینیم ، پلاٹینم ،ریڈیم اور اس دور میں خاص طور پر کوئلہ، پٹرول اور گیس کے خزانے نکلے ہیں۔ آثار قدیمہ کے نوادرات بھی خزائن سے کم نہیں جنہیں زمین کھود کھود کر نکالا جاتاہے اور مختلف پرانی تہذیبوں سے لوگوں کو آگہی حاصل ہوتی

أَشْتَاتًا ۬ لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝۷ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

متفرق ہو کر تاکہ دکھلائے جاویں ان کے عمل پس جو کوئی کرے گا برابر ذرہ کے

ع ۱ ۲۴ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۸ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۹

بھلائی دیکھے گا اس کو اور جو کوئی کرے گا برابر ذرہ کے برائی دیکھے گا اس کو

ہے بلکہ فراعین کی حنوط شدہ ممیاں تک اہراموں سے نکال کر عجائب گھروں کی زینت بنائی گئی ہیں۔ جب زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی تو انسان اپنے ربّ کی قدرتوں کو دیکھ کر حیرت سے پکار اٹھے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے اور یہ کیا کیا مخفی قوتیں اور راز اگل رہی ہے۔ اس دن وہ اپنی ساری پوشیدہ خبریں بیان کرے گی۔ یعنی علم سائنس، جیالوجی کی شکل میں اتنا ترقی کر جائے گا کہ زمین اپنی حقیقت اور کیفیتِ پیدائش کے بارہ میں زبان حال سے بہت کچھ باتیں بتانے لگے گی اور ایسا وہ اپنے ربّ کے حکم سے کرے گی۔ گویا تقدیر کے تابع ایسا ہوگا۔ اہل زمین کے ہلائے جانے میں روحانی بیداری کی طرف بھی اشارہ ہے جو اس آخری زمانہ میں مسیح کے آنے سے پیدا ہوگی اور ایک عظیم انقلاب برپا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان دنیا کے لعو ولہب میں اس قدر مشغول ہوتا ہے کہ جب تک اسے خوب جھنجوڑا نہ جائے ، اس کی روحانیت دبی رہتی ہے۔ جب ایک روحانی ہاتھ سے شدت سے ہلایا جاتا ہے تو اس کی روحانیت میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی مخفی روحانی قوتوں کو باہر نکال دیتا ہے۔ تب وہ خود بھی روحانیت کے اعلیٰ مقام کو حاصل کرتا ہے اور بنی نوع انسان کی ہدایت کا موجب بھی بنتا ہے۔

۷تا۹۔ **اشتاتا** کے معنے متفرقین کے ہیں۔ گروہ در گروہ۔

ایک معنے تو وہی ہیں جو آخرت پر چسپاں کئے جاتے ہیں۔ دوسرے معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثتِ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں فرمایا یہ جتھہ بندی اور پارٹی بازی کا زمانہ ہوگا ہر کام اجتماعی طور پر ہوگا۔ اگر ایک طرف شر پھیلانے والے اکٹھے ہو جائیں گے تو دوسری طرف کار خیر میں حصہ لینے والوں کا اپنا گروہ ہوگا اور وہ متحدہ محاذ بنا کر میدان عمل میں نکلیں گے۔ بالآخر کفر اور اسلام کا زبردست ٹکراؤ ہوگا جس میں بالآخر فتح اسلام کی ہوگی ۔ جس طرح پہلے ایک بیّنہ آیا اور دنیا کو کفر سے پاک کیا ۔اس آخری زمانہ میں پھر اسی بیّنہ کا مثیلِ کامل لوگوں کو کفر سے نجات دلائے گا۔اس کفر و الحاد کے زمانہ میں معمولی نیکی کی جزا بھی اللہ تعالیٰ بڑھ چڑھ کر دے گا۔اے لوگو! تم اپنی کسی نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو۔ آسمان پر تمہارا ایک زندہ خدا موجود ہے جو تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی جزا دے گا اور تمہاری چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی اس سے مخفی نہیں۔

حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! صدقہ دے کر آگ سے بچو خواہ آدھی کھجور کی ہی استطاعت ہو۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو نرمی ، خلوص اور عمدہ بات سے ہی دوسرے کا حوصلہ بڑھائے۔(بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ) حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی یہ بات ہمیں بتلائی کہ اللہ نے نیکیاں اور بدیاں دونوں لکھ لی ہیں اور ہر ایک کو واضح کر دیا ہے۔ پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اسے کر نہ سکے تو اسے پوری ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ اگر وہ نیت کے بعد اس نیکی کو کر لے تو اللہ تعالیٰ دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں اس کے حساب میں لکھ دیتا ہے۔ اگر کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کے ارتکاب سے باز رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حضور سے اس کی ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر یہ بدی کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ایک بدی شمار ہوتی ہے۔ (مسلم کتاب الایمان) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی آخری دو آیات کو الجامعۃ الفاذّۃ کا نام دیا ہے۔(بخاری) یعنی یہ اصول جو ان میں بیان ہوا وہ جامع اور منفرد ہے گویا اس میں بتلا دیا کہ نہ کافر کی نیکی ضائع جائے گی اور نہ مومن کی بدی قابل معافی ہوگی۔(اس سورۃ کی تفسیر میں تفسیر کبیر جلد نہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "تفسیر سورۃ الزلزال سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْعٰدِیٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ عادیات۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بارہ آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے۔ پچھلی سورۃ آخری زمانہ سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جب مسلمانوں کی حالت نہایت کمزور تھی اور وہ اہل مکہ کے مظالم کا شکار تھے۔ کسی کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا اور وہ اہل مکہ سے مقابلہ کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس میں یہ زبردست پیشگوئی فرمائی کہ عنقریب مسلمان اتنے طاقتور ہوجائیں گے کہ کثرت سے گھوڑے رکھنے لگیں گے اور جوش جہاد سے اپنے گھوڑے اڑاتے ہوئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں غزواتِ اسلامیہ کا ذکر ہے اور ان حملوں کی خبر دی گئی ہے جو مسلمانوں نے کفار پر کرنے تھے۔ پھر ان کفار کی بداعمالیوں پر روشنی ڈالی جن پر مسلمان حملہ کریں گے۔ فرمایا ان کے اخلاق اس قدر گر چکے تھے کہ ان کے گھناؤنے جرائم کو دیکھ کر گھن آتی تھی۔ یہ انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ تھے۔ اب وہ نرمی سے سمجھنے والے نہیں تھے۔ وہ اس قابل تھے کہ جنگوں کے کوڑوں سے ان کی اصلاح ہو۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۳﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ

قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر — پھر آگ نکالنے والوں کی پتھر جھاڑ کر — پھر چھاپہ مارنے والوں کی

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ العٰدیٰت۔ واحد عادیۃ۔ تیز دوڑنے والے گھوڑے۔ **ضبحًا** اس آواز کو کہتے ہیں جو تیز دوڑتے وقت گھوڑوں کے سینوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ہانپنے کی آواز۔

یہاں ان گھوڑوں کی قسم کھائی جو جہاد میں حصہ لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے گھوڑے رکھنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایمان اور اخلاص کے ساتھ اس کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اپنا گھوڑا وقف کر دیتا ہے اس گھوڑے کا کھانا، اس کا پینا، اس کی لید اور اس کا پیشاب سب قیامت کے دِن انسان کی میزان میں بطور نیک اعمال کے تولے جائیں گے۔ (بخاری جلد ۲ کتاب الجہاد والسیر) عٰدیٰت ضبحا میں مسلمانوں کو بتلایا کہ اے مسلمانو! اب آئندہ جنگوں میں تمہیں گھوڑوں سے کام لینا ہوگا کیونکہ وہ جنگ میں اونٹ سے زیادہ فائدہ مند ہیں۔ آج بھی جنگوں میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں۔ اس سورۃ کا شان نزول یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو کنانہ کی طرف ایک سریّہ بھجوایا جس کے سردار المنذر بن عمرو الانصاریؓ تھے۔ یہ لشکر گھوڑوں پر سوار تھا۔ ایک ماہ تک اس سریّہ کی کوئی خبر نہ آئی جس پر منافقوں نے شور مچایا کہ وہ سب مارے گئے ہیں۔ جب انہوں نے جھوٹا پراپیگنڈہ شروع کر دیا تو یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں اس سریّہ کا نقشہ کھینچا گیا اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ سلامت ہیں۔ انہوں نے دشمن پر حملہ کیا اور اپنے حملہ میں کامیاب رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سورۃ سے استنباط کر کے لوگوں کو بتلایا کہ وہ سوار جن کو میں نے بھجوایا ہے اس پیشگوئی کے تحت جیت کر آئیں گے۔ یہ سورۃ مکّی ہے۔ عین ممکن ہے یہ مکی سورۃ مسلمانوں کی تسلی کے لئے مدینہ میں دوبارہ نازل ہوئی ہو۔ جیسا کہ مدینہ میں سورۃ فاتحہ دوبارہ نازل ہوئی۔ چند دنوں بعد یہ سریّہ واپس آیا اور انہوں نے تصدیق کی کہ جس طرح پیشگوئی کی گئی تھی ویسے ہی واقعات ان کے ساتھ پیش آئے۔

۳۔ **المورِیٰت**۔ وری۔ آگ نکالی۔ **موریٰت**۔ آگ نکالنے والیاں۔ **قدحًا**۔ قدح

صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ
صبح کو — پس اُڑاتے ہیں اس سے غبار — پھر وہ جا گھستے ہیں اس سے جماعت میں — یقیناً

الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ
آدمی — اپنے رب کا البتہ ناشکرا ہے — اور یقیناً وہ اس پر — البتہ شاہد ہے — اور یقیناً وہ

پیالے کو کہتے ہیں۔ **قدحًا** ۔ رگڑ سے آگ نکالی۔ جیسا کہ چقماق کو لوہے سے زور سے ٹکرا کر آگ پیدا کی جاتی تھی۔ **فالموریٰت قدحًا** کے معنے یہ ہوئے کہ قسم ہے (چقماق کو) ٹکرا کر آگ نکالنے والوں کی۔

یہاں اسلامی جنگ کا نقشہ پیش کیا کہ وہ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوتے ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں یہ بات داخل تھی کہ آپ ﷺ کبھی سیدھا حملہ نہ کرتے بلکہ جہاں حملہ کرنا ہوتا اس مقام سے ایک دو میل دور پڑاؤ کرتے۔ رات کو آگ جلاتے جس کا مقصد کھانا پکانے کے علاوہ یہ بھی ہوتا کہ دشمن خبردار ہوجائے ۔ اس طرح اسے تیاری اور مقابلہ کا پورا موقع دیتے ۔

۴۔**مغیرٰت**۔ غارا۔ حملہ کیا۔ چھاپہ مارا۔ مغیرات اپنے گھوڑوں کو دشمنوں کی صفوں میں ڈالنے والی جماعتیں ۔ دور دور نکل جانے والی جماعتیں۔ **مغیرٰت صبحًا** ۔ صبح دم حملہ کرنے والی جماعتیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو مہمات پر علی الصبح روانہ فرماتے۔اس موقعہ پر خاص طور پر یہ دعا کرتے ”اے اللہ! میری امت کے صبح کے سفروں میں خاص برکت ڈال۔“ صبحًا میں میں بتایا کہ وہ رات کو حملہ نہیں کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا طریق تھا کہ صبح ہوتی اور فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوتیں تو پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت دیتے اور حملہ میں کبھی پہل نہ کرتے۔

۵۔**اثرن** غبار اڑانے کے معنی میں ہے۔ النقع۔ غبار۔**فاثرن به نقعًا**۔ وہ اس حملہ کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں یعنی جب دشمن کی طرف سے حملہ کی ابتدا ہوجاتی ہے تو اس قدر جوش سے حملہ کرتے ہیں کہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو غبار سے بھر جاتی۔

۶۔**وسطن**۔ اس کے درمیان میں ہوگیا۔ گھس گیا۔ **جمعًا**۔ جمعیت ۔فوج۔

فوسطن به جمعًا یعنی جب لشکران کے مقابلہ کے لئے جمع ہوں تو غبار اڑاتے ہوئے بڑی دلیری سے دشمن کی صفوں کے اندر گھس جاتے ہیں گویا اکا دکا پر حملہ نہیں کرتے۔ یہاں تک آیات میں رسول ﷺ اور صحابہ کے فعل کا ذکر کیا۔ اگلی آیات میں کفار کا ذکر ہے جو اپنے جرائم پر گواہ ہیں۔

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾
محبت مال میں البتہ سخت ہے — پس کیا نہیں جانتا وہ جب اُٹھائے جاویںگے جو قبروں میں ہیں

۷۔ یہاں الانسان سے ہر انسان مراد نہیں بلکہ یہ اشارہ ہے **وسطن به جمعًا** والے انسانوں کی طرف جن کی صفوں میں یہ مجاہدین گھستے ہیں۔ان کفار کا اپنے ربّ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہے کہ ایک تو کافر ہیں مزید یہ کہ کنود ہیں۔کنود کے معنے احسان نہ ماننے والا اور ناشکرا کے ہیں۔ (مفردات) ابی بن حاتم اور ابن جریر دونوں کی روایت ہے کہ ابی امامہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنود وہ ہے جو اکیلا کھائے ، اپنے غلام کو مارے پیٹے اور اپنی عطا کو روک لے۔(ابن کثیر) گویا نہ صرف کمینہ اور بخیل ہے بلکہ بزدل بھی ہے۔کنود وہ ہے جو مصیبتیں گنتا ہے اور انعامات کو بھول جاتا ہے۔(اقرب) کنود کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ وہ جو اپنے ربّ پر الزام لگانے والا اور اسے ملامت کرنے والا ہو۔(اقرب) یہاں بتلایا کہ ایسے انسانوں سے جنگ کرنا عین انصاف ہے جو سخت بخیل ہیں کھانا تک کھلانے کے روادار نہیں کسی پر خرچ کرنے کو تیار نہیں۔کمزوروں اور غلاموں کو اپنے مظالم کا نشانہ بناتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے سخت ناشکرے اور گستاخ ہیں۔کیا یہ اس قابل ہیں کہ ان کو سزا نہ ملے ؟

۸۔اور یقیناً وہ اپنے قول اور فعل پر گواہ ہے ۔ یعنی اپنی کمینگی اور بے حیائی پر شرمندہ ہونے کے بجائے اپنے ان عیوب کو خوب فخر سے بیان کرتا ہے اور اپنے جرائم پر گواہ ہے۔

۹۔خیر میں ہر بھلائی شامل ہے۔مراد بہتر سے بہتر ۔خیر مطلق مال کو بھی کہتے ہیں۔(اقرب)

اس میں ایک بڑا عیب یہ بھی ہے کہ مال دنیا کی محبت میں سخت دیوانہ ہے۔ گویا مال اکٹھا کرنے میں کسی حلال یا حرام کی تمیز ہے نہ خرچ کرنے میں کوئی بھلائی مدنظر ہے۔ بیشک جائز ذرائع سے مال کا اکتساب، اسے جائز مواقع پر خرچ کرنا اور بقدر ضرورت جمع کرنا مذموم نہیں۔ لیکن دل میں اس کی محبت کا ہونا مذموم ہے یعنی دل اس کے ساتھ مشغول نہ ہو۔جبکہ کفار کو مال کی محبت بہت شدید تھی۔ ان کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبِ مال اور حرص کے نتیجہ میں کبھی حملہ نہیں کیا بلکہ جن پر حملہ ہوتا تھا وہ ناشکرے اور حریص ہوتے تھے ۔ سب سے بڑی نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی جس کی ناشکری کی اور ناشکری میں اتنے بڑھے کہ آپ ﷺ کو جنگوں میں گھسیٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۷ غزوات میں حصہ لیا اور ۳۸ سرایا ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے کبھی پہل نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ کی جنگیں مدافعانہ تھیں۔

ع ۱۲ ۲۵ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾

اور ظاہر کیا جاویگا جو سینوں میں ہے یقیناً ان کا رب ان سے اس دن البتہ باخبر ہے

۱۰۔ **بُعثر** ۔وہ اٹھایا گیا۔ **بُعثر مافی القبور**۔ جو قبروں میں ہے نکالا جائے گا۔ (لسان العرب)

بیشک ایسی تمام آیات آخرت پر اطلاق پاتی ہیں لیکن یہاں اہل مکہ کی انتہائی گری ہوئی حالت کی طرف اشارہ کیا گویا قبروں میں پڑے ہیں اور ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں۔اب انہیں اٹھایا جائے گا۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سے ان مردوں میں روحانی بیداری پیدا ہوگی۔

۱۱۔۱۲۔ **حُصّل**۔ تحصیل چھلکے سے مغز کا نکالنا ہے۔ حُصّل ظاہر کیا گیا۔ یعنی جو ان کے سینوں میں مضمر تھا وہ باہر نکال دیا جائے گا گویا ان کے سینوں میں جو گند بھرا ہوا تھا ہم اسے کھینچ کر باہر نکال دیں گے۔پس پہلے ان کی بداخلاقیوں اور مظالم سے پردہ اٹھایا جائے گا اور ان کے اندرونی گند ظاہر کئے جائیں گے۔پھر ان کی پکڑ ہوگی۔حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ ہر قسم کے اخلاق سے عاری تھے۔ ان میں انسانیت کا شائبہ تک نہ پایا جاتا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پر جو مظالم توڑے گئے وہ ناقابل بیان ہیں۔جب آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہوئے تو آپ ﷺ اپنی جان بچا کر مدینہ ہجرت فرما گئے۔لیکن انہوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور اڑھائی سو میل کا فاصلہ طے کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔انہی بدترین خصلتوں کی وجہ سے اللہ کی پکڑ میں آئے۔حصّل مافی الصدور میں بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے ان کا ایک ایک فعل بد ظاہر ہو گیا۔فرمایا ہم خبیر ہیں ان کے اندرونی حالات کو خوب جانتے ہیں جب لوگوں پر ان کی گندگیاں خوب ظاہر ہوجائیں گی تب ہم حجت تمام ہونے پر ان کو سزا دیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں خبیر میں علاوہ خبر رکھنے کے ان مجرموں کی سزا اور ان کی خبر لینے کی طرف بھی اشارہ ہے۔(تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۵۰۳) پس حق اور باطل کے پہلے ہی معرکہ میں منہ کی کھائی۔ آخر ان کی اصلاح اس وقت ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہو گئے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً

سورة قارعہ۔ یہ سورة مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بارہ آیات ہیں

یہ بھی ابتدائی مکی سورة ہے ۔پچھلی سورة میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ترقیات اور کامیابیوں کا بیان تھا جو ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتی تھیں اس سورة میں آخری دور کی ترقیات کا ذکر ہے ۔ لیکن اس سے پیشتر القارعہ کی صورت شدید عذاب کی خبر دی جو ہلا کر رکھ دے گا ۔تب نیک روحیں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکیں گی اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا ظہور ہوگا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اَلْقَارِعَةُ ۝۲ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۴ يَوْمَ
ٹھوکنے والی کیا ہے ٹھوکنے والی اور کیا جانے تو کیا ہے ٹھوکنے والی جس دن

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۵ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ
ہوجاویں گے آدمی مانند ٹڈیوں پراگندہ کے اور ہوجاویں گے پہاڑ

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۷ فَهُوَ
مانند پشم دھنی ہوئی کے لیکن وہ جو بھاری ہو وزن اس کا تو وہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۴۔ **القارعة**۔ قرع کے معنے کسی چیز کو سختی اور شدت سے مارنے اور بجانے کے ہیں۔ اچانک آنے والی کوئی عظیم مصیبت۔ شدید اور ہولناک آواز۔

پچھلی سورۃ میں اسلام کی ابتدائی زمانہ کی کامیابیوں کا بیان تھا۔ اس سورۃ میں اسلام کے آخری دور کی ترقیات کا ذکر ہے جو اسلام کے لئے سخت مصیبت کے دن ہوں گے۔ قارعہ کے معنے دستک دینے کے بھی ہیں۔ جو لوگ اللہ کے مامور کی آواز نہیں سنتے اور سوئے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دستک دے کر انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے عذاب بھیجتا ہے۔ ان دستکوں یعنی عذاب کے پے درپے تھپیڑوں سے وہ روحانی طور پر بیدار ہوجاتے ہیں اور رسول کی آواز سننے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ پس قارعہ وہ ہولناک اور شدید عذاب ہے جو اللہ کے رسولوں کو منوانے کے لئے آتا ہے۔ اور مشیت الٰہی کے تحت آتا ہے۔ قارعہ دنیا کا عذاب بھی ہے اور آخرت کی مصیبت بھی۔ فرمایا وہ ہولناک آواز کیا ہے؟ **وما ادرٰک ماالقارعة** کہہ کر تیسری بار اس ہولناک تباہی کی شدت کو بیان کیا کہ کون سی چیز تجھے بتاسکتی ہے کہ یہ قارعہ کیا ہے یعنی تمہاری سوچ اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہم اس کے کچھ نتائج بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی ہیبت اور شدت کا کچھ اندازہ کرسکو۔

۵۔۶۔ **فراش فراشة** کی جمع ہے۔ پروانے۔ ٹڈی بھی مراد ہے۔ (اقرب) **مبثوث۔ بث** کے معنے پھیلانے کے ہیں۔ (اقرب) پراگندہ ہونا۔ **عهن**۔ صوف۔ کئی رنگوں میں رنگی ہوئی اون۔ (اقرب) **منفوش**۔ دُھنکی ہوئی روئی۔

قارعہ کی صورت خدائی عذاب آئے گا تو شدید آواز پیدا ہوگی۔ پراگندہ پروانوں یا ٹڈی دَل

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۸ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۹ فَاُمُّهٗ
زندگی دل پسند میں ہے اور لیکن وہ جو ہلکا ہو وزن اس کا تو ماں اس کی

ع ۱ ۱۲ ۲۹ هَاوِيَةٌ ۝۱۰ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۱ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۲
ہاویہ ہے اور کیا جانے تو کیا ہے وہ ہاویہ آگ ہے جلتی ہوئی

کی صورت انسان گھروں سے نکل کر بھاگیں گے۔ مگر کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں !''کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ کئی بھاری دشمنوں کے گھر ویران ہوجائیں گے۔ وہ دنیا کو چھوڑ جائیں گے۔ ان شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا۔ وہ قیامت کے دن ہوں گے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی'' (تذکرہ صفحہ ۶۶۵)

ان آیات میں ایٹم بم کا ہی نقشہ ہے اور اس عذاب کی ساری کیفیت ایٹم بم سے پیداشدہ تباہی پر چسپاں ہوتی ہے۔ ایٹم بم جہاں گرتا ہے انسانوں کی ہڈیاں اور بوٹیاں پتنگوں کی مانند ہوا میں اڑتی ہیں۔ یہی حال پہاڑوں وغیرہ کا ہوگا جو دھنکی ہوئی پشم کی مانند ہوجائیں گے۔ جبل سے مراد سرداران قوم اور بڑے آدمی بھی ہیں۔ ان کا حال بھی کچھ الگ نہیں ہوگا۔ اگر چند ایک بچ بھی گئے تو سب کس بل نکل جائے گا اور ایٹمی اثرات کی وجہ سے نہایت قابل رحم حالت میں ہوں گے۔

۷تا۱۰۔ **امّه**۔ **اُمّ** سے مراد کسی چیز کی اصل یا جڑ ہے۔ **هاوية** ھوٰی کے معنے اوپر سے نیچے کی طرف گرگیا۔ **هاوية** جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔ **اُمّه هاوية** یعنی اس کے اصل **هاوية** ہوگی۔ **امّه هاوية** میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا بلکہ جس طرح ماں کے پیٹ میں کچھ عرصہ کے لئے رہتا ہے اسی طرح وہ کچھ عرصہ کے لئے دوزخ میں رہے گا۔

بیشک آخرت میں جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا یعنی جن کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی وہ بہترین اور پسندیدہ حالت میں ہوں گے اور جن کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ **هاوية** میں گرائے جائیں گے۔

جیسا کہ یہ آیات دنیا و آخرت دونوں پر اطلاق پاتی ہیں تو دنیوی طور پر معنے یہ ہوں گے کہ آخری زمانہ میں گزشتہ نوشتوں اور قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق دنیا کی بڑی بڑی قومیں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں گی۔ انجیل نے اسے ابلیس اور آدم کی آخری جنگ قرار دیا ہے۔ (مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷تا۱۰) فرمایا اس مقابلہ میں غلبہ ان قوموں کو نصیب ہوگا جن کا پلڑا

بھاری ہوگا یعنی جن کے پاس Latest اسلحہ زیادہ ہوگا۔ اسے فوجی اصطلاح میں Tonning کہا جاتا ہے۔ جن قوموں کا پلڑا ہلکا ہوگا اور ان کے پاس جدید سامانِ حرب یعنی Tonning کی کمی ہوگی وہ تباہ ہوں گی۔ پہلے دنیوی جنگ کا نتیجہ نکلے گا اس کے بعد روحانی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہوگا اور وہ بھی اسی اصول کی بنیاد پر ہوگا یعنی جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا جو اپنے اندر تقویٰ اور خدا ترسی کا مادہ زیادہ رکھتے ہوں گے اوراحکامِ الٰہی پر عمل جن کا شیوہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیاب کرے گا۔ اوروہ جو روحانی صفات سے محروم ہوں گے خدائی نصرت سے بھی محروم رہیں گے اور دنیا میں ہی جہنم کا مزہ چکھیں گے۔

۱۱-۱۲-**حامیة**۔ حمی۔ سخت گرم۔

فرمایا تجھے کیا خبر حامیة کیا ہے ایک دھکتی ہوئی آگ ہے۔ یہ الفاظ بھی ایٹم بم پر چسپاں ہوتے ہیں۔ اس بم کے گرنے سے اتنی شدید گرمی پیدا ہوتی ہے کہ میلوں تک لوگ جھلس کر مرجاتے ہیں۔ یعنی وہ آگ اپنی شدت کی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

غرض القارعة وہ عذاب ہے جو موجودہ زمانہ میں ایٹم بم کی صورت ظاہر ہوا اور اس کے ہولناک نتائج آج دنیا پر ظاہر ہوچکے ہیں۔ اس کے بعد مزید تباہ کن ہتھیار بنائے جاچکے ہیں اورآئندہ اس سے زیادہ تباہ کن ہتھیار بنائے جائیں گے اور اپنی ہی ایجادات کی لپیٹ میں یہ مغربی اقوام آئیں گی اور تباہ و برباد ہوں گی۔ پھر آخری حملہ خداتعالیٰ کا ہوگا اورجن کے اعمال کو حقیقی وزن حاصل ہوگا انہی کو دنیا پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوجائے گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ تکاثر۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی نو آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے۔اس میں بتلایا کہ مال و اولاد اور عزت و جاہ میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش نے انسان کو اپنے ربّ سے غافل کررکھا ہے۔اسی اندھی دوڑ میں آخر قبروں میں پہنچ جاتے ہیں یعنی تباہ ہوجاتے ہیں۔حضرت مطرفؓ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ سورۃ **الھٰکم التکاثر** پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی تلاوت کے بعد فرمایا۔ابن آدم کہتا ہے۔میرا مال، ہائے میرا مال! اے ابن آدم کیا کوئی تیرا مال ہے بھی؟ سوائے اس مال کے جو تو نے کھایا اور ختم ہوگیا یا جو پہن لیا اور وہ پرانا اور بوسیدہ ہوگیا یا جو تو نے صدقہ دیا کہ وہ تمہارے لئے اگلے جہان میں فائدہ کا موجب ہوگا۔ باقی سب مال تو دوسروں کے لئے ہے۔(مسلم کتاب الذھد والرقائق)امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر آدم زاد کے لئے ایک وادی سونے سے بھری ہوئی موجود ہو تو چاہے گا کہ ایسی دو وادیاں ہو جاویں۔ اور اس کے منہ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز بھر نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے اس کی جو اس کی طرف رجوع کرے۔(بخاری)

اس سورۃ میں علم کے دو مراتب کا ذکر کیا اور بتلایا کہ یہ دنیوی نعمتیں جن کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی فکر میں تم اپنے ربّ سے غافل رہے، یہ سب تمہارے لئے بطور آزمائش ہیں اور ان سب کی جواب دہی ہوگی۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ﴿۲﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ﴿۳﴾ کَلَّا سَوۡفَ

غافل کیا تم کو کثرتِ مال کی حرص نے یہاں تک کہ ملے تم قبروں سے ہرگز نہیں عنقریب

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔ **الھا۔ لھو** سے ہے جس کے معنے غفلت کے ہیں۔ اسی سے لہوولعب ہے۔ الھیٰ اس نے غافل کیا۔اس کے معنے کسی اہم چیز سے غافل کرکے کسی دوسری چیز میں مشغول کرنے کے ہیں۔ **تکاثر** کثرت سے ہے۔ **تکاثر** کے معنے کثرت میں مقابلہ کرنے کے ہیں یعنی ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش ۔ بہتات کی حرص۔ **زرتم** ۔تم نے زیارت کی ۔تم نے دیکھا۔

قرآن کریم نے یہ نہیں بتلایا کہ تمہیں تکاثر نے کس چیز سے غافل کر دیا اور نہ یہ بتایا کہ کس چیز کی کثرت تمہاری غفلت کا باعث ہوئی۔ غرض کسی چیز کا نام نہ لے کر مضمون میں وسعت پیدا کردی ہے۔

پچھلی سورۃ میں آخری زمانہ سے تعلق رکھنے والے عذابوں کا ذکر تھا۔ اب ان عذابوں کی وجہ بتلائی اور بتایا کہ مال و دولت، عزت و طاقت، جاہ و اقتدار اور دیگر دنیوی آسائشوں کی بہتات کی حرص، اخلاق فاضلہ اور دین سے غافل کردیتی ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں تکبر اور خودپسندی پیدا ہوتی ہے جو انسان کو اس کے حقیقی مقصودِ حیات سے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ہے، غافل کردیتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں اس غفلت کو دور کرنے کے تین علاج ہیں **پہلا علاج** استغفار ہے۔ استغفار کا مطلب یہ ہے کہ میری غلطیوں پر پردہ ڈال دے۔ ان کے بدنتائج سے بچالے اور آئندہ غلطیوں سے محفوظ رکھ **دوسرا علاج** یہ ہے کہ لاحول بہت پڑھے یعنی اپنی عاجزی کا اقرار کرے۔ اپنے آپ کو محض کمزور اور ناکارہ سمجھے اور خدا ہی سے مدد طلب کرے۔ **تیسرا علاج** یہ ہے کہ دعائیں بہت مانگے۔اپنے محسنوں کے لئے بھی دعا کرے۔ انہیں دعاؤں میں سے ایک دعا اور بڑی اعلیٰ دعا درود شریف بھی ہے جو اپنے پیارے محسن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانگی جاتی ہے۔ وہ ہمارا بڑا بھاری محسن ہے ایسے محسن پر اللہ جلشانہٗ اپنے خاص خاص فضل اور عام رحمتیں کرے تاکہ اس کے بدلہ میں ہم پر بھی خاص رحمتیں اور عام فضل ہوجائے۔۔۔۔۔۔۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ دسمبر ۱۹۱۲ء) جہاں تک اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت پر تکبر کا سوال ہے تو اس میں کسی کی

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ

تم جانو گے پھر ہرگز نہیں عنقریب تم جانو گے ہرگز نہیں کاش کہ جانو تم

عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ﴿۶﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّہَا عَیۡنَ

علم یقینی البتہ تم دیکھو گے دوزخ کو پھر البتہ دیکھو گے اس کو دیکھنا

ذاتی خوبی کا دخل نہیں۔ایک مسلمان کی ترقی روحانی ہو یا مادی محض اللہ کے فضل اور اس کی نصرت کا نتیجہ ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ جب نبی کو کچھ عرصہ گزر جاتا ہے تو لوگوں میں تکاثر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پیسے کی دوڑ شروع ہوجاتی ہے۔پس ہوس زر اور ہوس اقتدار کے نتیجہ میں تکبر پیدا ہوتا ہے پھر ان کی آئندہ نسلیں عیاشی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور حکومت و عزت سب کچھ کھو دیتی ہیں اور دنیوی اشغال میں منہمک قبروں میں جاپڑتی ہیں یعنی بالکل ہی تباہ ہوجاتی ہیں۔ بعض اقات اپنی کرتوتوں کی وجہ سے خدائی عذاب کی گرفت میں آتی ہیں۔ دراصل دو چیزیں ہی کسی قوم کو زندہ رکھ سکتی ہیں یا تو دینی روح یا دنیوی ۔ تکاثر ان دونوں کو مٹا دیتا ہے۔ ابو سعید خُدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ہم بھی حضور ﷺ کے گرد بیٹھ گئے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا ! میں اپنے بعد تم میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہارے اوپر دنیا کی زیب و زینت (کے دروازے) کھول دیئے جائیں گے۔(مسلم) حضرت کعب بن عیاضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا!''ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے میری امت کا فتنہ مال ہے۔''(ترمذی)

تاہم کچھ تکاثر قابل تحسین ہیں جیسا کہ فرمایا **فاستبقوا الخیرات** (البقرہ رکوع ۸۸) یعنی نیکیوں میں خود بڑھنا اور دوسروں کو اپنے ساتھ لے کر بڑھنا جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہے۔غرض نیک خواہشات کی زیادتی ہرگز گناہ نہیں۔ہاں ناجائز طریقوں سے یہ خواہشات پوری کرنا گناہ ہے کہ ان میں پھنس کر اپنے مولا سے غافل ہوجائے۔

۴۔۵۔پس اس غفلت کا نتیجہ تم دیکھ لوگے۔پھر ہم ہوشیار کرکے تمہیں کہتے ہیں کہ تم ضرور سمجھ جاؤ گے۔ پہلی دفعہ دنیا کی تباہی کی طرف اور تکرار میں اخروی سزا کی طرف اشارہ ہے۔گویا یہاں ذلت و رسوائی والی قبر ہی مراد ہے ورنہ اصل قبروں کا تو سب کو علم ہے کہ آخر ان میں پڑنا ہے۔

۶ تا ۸۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں !'' علم کے تین مدارج ہیں علم الیقین ، عین الیقین ، حق الیقین مثلاً ایک جگہ دھواں نکلتا دیکھ کر آگ کا یقین کرلینا علم الیقین ہے لیکن خود

ع ۲۷ الْيَقِيْنِ ۸ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۹

یقینی پھر البتہ پوچھے جاؤگے اس دن نعمتوں کی بابت

آنکھ سے آگ کا دیکھنا عین الیقین ہے۔ان سے بڑھ کر درجہ حق الیقین کا ہے یعنی آگ میں ہاتھ ڈال کر جلن اور حرقت سے یقین کرلینا کہ آگ موجود ہے۔ پس کیساوہ شخص بدقسمت ہے جس کو تینوں میں سے کوئی درجہ حاصل نہیں۔(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۸)

دنیا میں بعض اوقات جزا سزا کے ملنے پر یا دلائل علمی کے ذریعہ آخرت کی جزا سزاکا یقین علمی پیرایہ میں ہو جاتا ہے۔یہ علم کا پہلا مرتبہ ہے اسے علم الیقین کہاہے۔ یہاں بتلایا کہ اگر تم علم الیقین سے کام لیتے اور دلائل پر غور کرتے تو جان لیتے کہ کثرتِ مال و دولت کے پیچھے بھاگنا اصل مقصد زندگی سے غافل ہونا ہے۔پس انسان کو چاہیئے کہ جزا سزا کا خیال رکھ کر اور دلائل پر غور کرکے برے کاموں سے نفرت اور اچھے کاموں سے محبت رکھے۔

دوسرا مرتبہ مشاہدہ کا ہے فرمایا تم جہنم کو عین الیقین سے دیکھوگے۔ بیشک انسان جہنم کو آخرت میں دیکھے گا لیکن اس دنیا میں بھی ایسے واقعات تمہارے سامنے پیش آجائیں گے کہ جس طرح انسان آنکھوں سے ایک چیز کو دیکھتا ہے اسی طرح تم جہنم کو دیکھو گے۔ اس سے مراد وہ تباہی ہے جو بدقسمت انسان دنیا میں دیکھے گا۔ کیا ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی جہنم سے کم تھی؟ یا جو تباہی ہمارے سروں پر منڈلارہی ہے وہ جہنم سے کم ہوگی۔

۹۔ تیسرا درجہ حق الیقین ہے جس کا ذکر الحاقۃ رکوع ۲ میں بیان ہواہے۔ فرمایا اس دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا ان تمام نعمتوں کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیں۔تمہیں اپنے اعضاء و جوارح ، صحت ، رزق ، عزت ، دولت ، اولا دغرض ہر نعمت کا حساب دینا ہوگا کہ کہاں تک ان کا حق ادا کیا۔ پس آخرت میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کے نتائج کھلے طور پر تم پر وارد ہوں گے اورتم حق الیقین سے دوزخ کو دیکھ لوگے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ عصر۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چار آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے ۔پچھلی سورۃ میں بتلایا کہ مالِ دنیا کی کثرت کوئی فائدہ نہ دے گی بلکہ یہ انسان کو اس کے اصل مقصود حیات سے غافل رکھنے والی چیز ہے ۔ اس سورۃ میں وضاحت کی کہ انسان کا اصل مقصود حیات کیاہے ۔ یہ ایک مختصر اورجامع سورۃ ہے اور بڑے وسیع مطالب کی حامل ہے ۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگرلوگ اسی سورۃ میں تدبّر کرلیتے تو یہی ان کے لئے کافی تھی۔(ابن کثیر) صحابہ رضی اللہ عنھم بطور تذکیر ملاقاتوں کے وقت یہ سورۃ ایک دوسرے کو سنایاکرتے تھے ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں!'' خداتعالیٰ نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ سورۃ العصر کے اعداد سے بحساب ابجد معلوم ہوتاہے۔'' اس کے اعداد بنتے ہیں چار ہزار سات سو انتالیس۔تو ابتدائے دنیا سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک قمری حساب بعینہٖ اتنے ہی سال ہیں۔(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ ۱۹۶۹ء)آپ فرماتے ہیں ''میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار برس میں سے گیارہ برس رہتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۵ حاشیہ درحاشیہ) نیز آپ نے فرمایا! تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی یہ معلوم ہوتاہے کہ خدا نے آدم سے لے کر اخیرتک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔(لیکچرسیالکوٹ صفحہ ۶ تا۸) یہ اس متمدن دنیا کی عمرہے جوحضرت آدمؑ سے شروع ہوئی۔ابن عربیؒ کے کشف کے مطابق ایک لاکھ آدم گزر چکے ہیں ۔ دنیا باربار بنتی اور مٹتی رہی۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝۱

(میں پڑھتاہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

وَالۡعَصۡرِ ۝۲ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۝۳ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ

قسم ہے زمانہ کی یقیناً آدمی البتہ خسارہ میں ہے بجز ان کے جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝۴ ع ۱ / ۲۸

عمل کئے اچھے اور ایکدوسرے کو نصیحت کرتے ہیں حق کی اور ایکدوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی

۱۔ اللہ کے نام ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۴۔ **عصر** کے لفظی معنے زمانہ کے ہیں۔**عصر** کے معنے نچوڑنے کے بھی ہیں۔گویاایمان، اعمالِ صالحہ، **تواصوا بالحق** اور **تواصوابالصبر** اسلام کا نچوڑ ہے۔ نیز اسلام سارے ادیان کے حقائق و معارف کا نچوڑ ہے۔ **تواصوبالحق** وہ ایک دوسرے کو حق پرستی اور ادائے حقوق کی نصیحت کرتے ہیں۔ صبر وسیع معانی کا حامل ہے۔ لفظی معنے کسی تنگی کی حالت میں روک رکھنے کے ہیں۔(مفردات) پس صبر کے معنی عقل و شریعت دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے تقاضا کے مطابق اپنے آپ کو روک رکھنا ہے۔ کسی مصیبت کو برداشت کرنا اور نفس کو جزع فزع سے روکنا، کسی پسندیدہ چیز کے نہ ملنے پر صبر کرنا صبر ہے۔عباداتِ الٰہی پر استقامت صبر ہے۔خواہشاتِ نفسانی کے خلاف جہاد صبر ہے۔ حرام چیزوں سے بچنا صبر ہے۔ برائیوں کو چھوڑنا اور نیکیوں پر دوام صبر ہے۔

الانسان میں بتایا کہ کفار خود کو الانسان یعنی خاص انسان قرار دیتے تھے اور اہلِ ایمان کو کسی گنتی اور شمار میں نہیں سمجھتے یعنی انہیں انسانوں میں شمار ہی نہیں کرتے تھے۔

احادیث صحیحہ اور بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو عصر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فرمایا زمانہ نبوت محمدیہ کو ہم اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ الانسان کا دعویٰ کرنے والے یقیناً گھاٹے میں رہیں گے بیشک ان کے پاس مال و دولت اور غلبہ و اقتدار ہے اور وہ اکثریت میں ہیں لیکن ایک نبی کے مقابلہ میں وہ تباہ ہوں گے۔دنیا میں عام قانون یہی ہے کہ دنیوی ترقیات میں خداتعالیٰ دخل نہیں دیتا۔وہ محض دنیوی تدابیر سے وابستہ ہیں لیکن زمانہ ظہور نبوت میں اللہ تعالیٰ کا ایک نیا قانون جاری ہوتا ہے۔ جس میں محض دنیوی تدابیر سے کام نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی حمایت میں اپنی طاقت، قدرت اور جلال کا اظہار کرتا ہے اور اس وقت کفر

باوجود سازوسامان کے شکست کھاتا ہے اور نبی کے ساتھ چند کمزور اور بے اختیار لوگ جو ہر قسم کے سامانوں سے تہی دست ہوتے ہیں محض اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے جیت جاتے ہیں۔اس وقت خدا کا یہی حکم تھا کہ اب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی ترقی ہے۔ ہر قوم جو اسلام سے دور ہوئی وہ ترقی سے بھی دور رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ برکات اس وقت تک جاری رہیں جب تک اہل اسلام میں اسلام کی صحیح روح باقی رہی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سورۃ کو اپنے زمانہ پر چسپاں فرمایا ہے۔ سورج ڈھلنے سے شام تک کا زمانہ بھی عصر کہلاتا ہے ۔ والعصر میں بتلایا کہ جو نظارہ تم اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دیکھ چکے ہو وہی نظارہ اسلام کے آخری زمانہ میں رونما ہوگا جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کے وجود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہوگی اس میں بتلایا کہ وہ زمانہ پھر آنے والا ہے جب دنیا کا ایک طبقہ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہوئے باقی سب دنیا کو ذلیل قرار دے گا۔اس حق و باطل کی جنگ میں کفار گھاٹے میں رہیں گے اور تباہ ہوں گے جبکہ کامیاب ہونے والے اہل حق کی صفات وہی ہوں گی جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اہل حق کی تھیں۔ وہ سچے دل سے ایمان لانے والے اور اعمالِ صالحہ بجالانے والے ہوں گے ۔صالحات کا لفظ تمام نیکیوں کا جامع ہے قرآن کریم میں ہمیشہ ایمان کے بعد عمل صالحہ کا ذکر ہے گویا ایمان کو عمل صالحہ کے ساتھ وابستہ کیا۔ تواصوابالحق میں بتایا کہ ہر شخص محض اپنی اصلاح کو ہی کافی نہ سمجھے۔ مومن حق کا مبلغ ہے اس کا فرض ہے کہ جو حق پایا ہے اسے اپنے اہل و عیال اعزّہ واقارب دوست واحباب اور جہاں تک استطاعت ہو بنی نوع انسان تک پہنچائے ۔ حدیث میں ہے کہ جو حق بات جانتا ہے اور بیان نہیں کرتا وہ گونگا شیطان ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ہمدردئ خلائق یہی ہے کہ محنت کرکے، دماغ خرچ کرکے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچاسکے تاکہ عمر دراز ہو۔(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۴)حق کی پیروی اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں جو مشکلات اور تکالیف پیش آئیں ان کو صبر سے برداشت کرے۔ تب وہ ہر قسم کے دنیا و آخرت کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔صبر کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے ۔حضرت عبداللہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! صبر کرو یہاں تک کہ مجھے حوض کوثر پر ملو۔(بخاری)

اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک چھوٹی سی جماعت کی کامیابی بظاہر ناممکن نظر آتی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور پیشگوئی فرمایا کہ" اے تمام لوگو سن رکھو کہ یہ

اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادۃ برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کو معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (تذکرہ صفحہ ۴۶۲) (تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلد نہم "تفسیر سورۃ العصر" سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ عَشْرُ اٰيَاتٍ

سورۃ ہمزہ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی دس آیات ہیں

یہ مختصر سی سورۃ اسلام کے ابتدائی مکّی زمانہ میں نازل ہوئی۔ قرآن کریم نے اموال کی حریص قوموں کے لئے باربار انتباہ فرمایا لیکن اس سورۃ میں سب سے زیادہ تنبیہ کی گئی ہے اور ان کے بد انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورۃ آج کے زمانہ پر اطلاق پاتی ہے۔ بڑی بڑی قوموں میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور مال جمع کرنے کی حرص جو اس زمانہ میں پائی جاتی ہے، پہلے کبھی نہیں تھی۔ چنانچہ یہی طاقت کی حرص ایٹم بم کی ایجاد کا بھی باعث بنی۔ اس سورۃ میں ایٹم بم کا بعینہٖ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ایٹمی مادہ جس میں یہ آگ بند ہوتی ہے، پھٹنے سے پہلے اندرونی دباؤ کی وجہ سے پھیلنے لگتا ہے اور ایسے ستونوں کی شکل اختیار کرتا ہے جنہیں کھینچ کر لمبا کیا گیا ہو۔ اس آگ سے پہلے طاقتور ریڈیائی لہریں حرکت قلب بند کر دیتی ہیں ۔ پھر ایٹمی دھماکہ سے پیدا ہونے والی گرمی کے سبب آگ بھڑک اٹھتی ہے اور ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ یہ آگ ایٹم کا جز نہیں ہوتی۔ یہ قومیں اپنے معیار برتری کو فروغ دینے کے لئے مزید ایٹمی ہتھیار ایجاد کریں گی اور بالآخر یہی ایجادیں انہیں خود تباہی کے گڑھے میں گرانے کا باعث بنیں گی۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۝۲ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۝۳

تباہی ہے ہر غیبت کرنیوالے عیب کرنیوالے کیلئے جس نے جمع کیا مال اور شمار کر رکھا اسکو

یَحۡسَبُ اَنَّ مَا لَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۝۴ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۝۵ وَ

وہ سمجھتا ہے یہ کہ اس کا مال ہمیشہ رہیگا اسکے پاس ہرگز نہیں البتہ ڈالا جاوے گا حطمہ میں اور

مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ۝۶ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ۝۷ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ

کیا جانے تو کیا ہے حطمہ آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی جوکہ چڑھ جاتی ہے

عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ ۝۸ اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ ۝۹ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۝۱۰ ع ۱ / ۲۹

دلوں پر یقیناً وہ ان پر دروازہ بند کی گئی ہے ستونوں طول طویل میں

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۱۰۔ **ویلٌ** ۔عذاب کے نازل ہونے یا ہلاکت کے نازل ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔ ہلاکت ۔خرابی۔ **همز** اور **لمز** تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ **همزه** وہ عیب چینی ہے جوکسی کے پیٹھ پیچھے کی جائے۔ غیبت۔ **لمز** وہ عیب چینی ہے جو دوسرے کے سامنے کی جائے ۔ اس میں دوسرے کی دلشکنی توہین اورتزلیل ہے۔ **یُنبذنّ۔ نَبَذَ** کسی چیز کو بے وقعت اور حقیر سمجھ کر پھینک دینا۔ پھینکنا۔ **حُطمة** ۔ توڑنا۔ ذرہ ذرہ کرنا۔ **تطّلع** وہ جھانکے گی۔ وہ لپکے گی۔ **مُؤصدة**۔ الوصید۔ اصل میں مویشی کا احاطہ ہے جس میں مویشی بند کئے جاتے ہیں۔ بند کی گئی۔ **عمدٍ** عمود کی جمع ہے ۔ستون۔ (اقرب) **مُمدّدة۔ مدّ**۔ لمبے کئے گئے۔

اس سورۃ میں ایسی چند اخلاقی برائیوں کی مذمت کی گئی ہے جو اس غیر مہذب معاشرہ کے حریص دولتمندوں میں پائی جاتی تھیں۔ فرمایا کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے دوام بخشے گا اور اس کی بقا کا باعث ہوگا۔ جبکہ ہوتا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کی نالائق اولاد اس دولت کو عیاشیوں میں برباد کردیتی ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی رضا کے تحت اس کی راہ میں خرچ کیاہوا مال ہی ایک انسان کو خلود بخشتا اوراس کی بقا کا موجب ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور نکتہ چینوں کو جو مکہ میں تھے آگاہ کیا کہ ایک وقت آتا ہے کہ تمہارے یہ سینت سینت کر رکھے ہوئے اموال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جمع کئے ہیں اورتم سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس ہمیشہ رہیں گے اوران کے زور پر تم

کامیاب ہوجاؤ گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ مال تمہارے کام نہیں آئیں گے، تم ہلاک ہوگے اور تم خطرناک عذاب میں مبتلا ہوجاؤ گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جیسا کہ اکثر قرآنی آیات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، وہ آپ ﷺ کے مسیح کے زمانہ پر بھی اطلاق پاتی ہیں۔ آج یہ تمام خرابیاں مغربی اقوام میں پائی جاتی ہیں۔ پس یہاں ان قوموں کی ہلاکت کی وعید سنائی جو زر پرستی کو قومی عزت کا معیار قرار دیتی ہیں اور دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔

حطم عربی زبان میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو کہتے ہیں۔ **حطم** اورایٹم میں صوتی مشابہت ہے اور معنے بھی ایک ہیں۔ انگریزی زبان میں ایٹم ایسی چیز کو کہتے ہیں جسے توڑا نہ جاسکے جبکہ **حطم** کے عربی لغت میں معنے توڑنے اور ذرہ ذرہ کرنے کے ہیں گویا لفظ **حطمة** میں پیشگوئی فرمائی کہ جسے تم تسلیم کرتے ہو کہ ٹوٹ نہیں سکے گا، اسے توڑا جائے گا۔

فرمایا وہ ضرور حطمہ میں گرایا جائے گا اور تجھے کیا بتائے کہ حطمہ کیا ہے یہ نہایت خطرناک اور تباہ کن اور نہایت پیچیدہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر لپکتی ہے۔ وہ ایسے ستونوں میں بند ہے جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے ذرے کے اندر بھی ایسی آگ ہوسکتی ہے۔ ماہرین اس حالت کو جوایٹمی مادہ پھٹنے سے پہلے ہوتی اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے کوئی چیز شدید دباؤ کے تحت کھنچ کر لمبی ہورہی ہو اور تھرتھرا رہی ہو۔ یہ دباؤ نیوکلیائی کے پھٹنے سے پہلے اس کو کھینچ کر لمبا ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ ایٹمی مادہ کو Detonate کرتے ہی (پھٹتے ہی) سیکنڈ کے ایک حصہ میں ایک آگ کا بھبکا نمودار ہوتا ہے جو سورج سے زیادہ روشن ہوتا ہے اور روشنی کی رفتار سے یعنی ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ فاصلہ طے کرتا ہے اور اس کی ریڈیائی شعائیں گرمی کی شعاؤں سے پہلے حرکتِ قلب بند کر دیتی ہیں اور یہ صرف دو سیکنڈ موجود رہتا ہے ایٹمی دھماکے سے پیدا ہونے والی گرمی کے سبب آگ بھڑک اٹھتی ہے اور لمحوں میں ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو بم پھینکے گئے اس سے وہ دونوں شہر تباہ ہوئے اور دس لاکھ سے زیادہ لوگ مرگئے۔ اس نے دس لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ کا ٹمپریچر پیدا کیا۔ اس کے بعد اب جو زیادہ خطرناک قسم کے ایٹمی بم بنائے گئے ہیں وہ کروڑوں درجہ سنٹی گریڈ کا ٹمپریچر پیدا کرتے ہیں۔ ہائیڈروجن بم کا ٹمپریچر اربوں ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچتا ہے۔ 500 ایسے بم دنیا کے چپے چپے کو تباہ کرسکتے ہیں۔ ایک موقع پر اس کا نظارہ دیکھا گیا تین میل قطر والا آگ کا گولا ابھرا اور اس کے ساتھ ہی اس چوڑائی کا ستون کھنچتا ہوا اوپر کی جانب

بڑھا اور دس میل کی بلندی پر یہ ستون رک گیااور اس کے سرے پر کھمب کی چھتری کی شکل کا ایک بادل چھا گیا۔ پھیلتے پھیلتے اس نے ایک میل کا قطر بنالیا اور اس بم کے اثر کا دائرہ گرداگرد ۸۰ میل تک پھیل گیااور ۸۰ میل قطر کا ایک سلنڈر اس ستون کے گرد اٹھا یہانتک کہ سلنڈر چھتری نما بادل سے لگ گیا اور چھتری نما بادل نے اسے اوپر ڈھانک لیا۔**انّھا علیھم مؤصدہ** یعنی ایٹمی دھماکے کا دائرہ اثر بالکل ایک ڈھکنے کی طرح ہوتا ہے جس کے اندر متاثرہ لوگ بند ہوتے ہیں اورپھر یہ جگہیں رہائش کے قابل نہیں رہتیں۔جب ایک ایٹم کا عمل جاری ہوجاتا ہے تو اس وقت تک ختم نہیں ہوتاجب تک اس کاتمام عمل اپنے اختتام کو نہیں پہنچ جاتا۔وہ لاکھوں اور کروڑوں انسان جو ایٹمی دھماکے سے تو بچ جاتے ہیں مگر لازمی طور پر ایٹمی تابکاری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ایٹمی تابکاری کے امراض کی علامات بدبودار خون اور پیپ ہیں۔ ایٹمی جنگ کے بعد کروڑوں آدمی ہیمرج (جریان ِخون) میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور قے کے انبار لگادیتے ہیں۔خون ہر سوراخ اور ہر مسام سے جاری ہوتا ہے جِلد اتر جاتی ہے اور انسان خون کے لوتھڑے کی طرح نظر آتے ہیں۔ جلے ہوئے جسموں کی بدبو، پیپ، خون اور قے کے ڈھیر سخت تعفن پیدا کردیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جہنم میں آگ کا گڑھا ہوگا اور بدبودار خون اور پیپ کی وادی۔ یہ ایٹمی تابکاری کے امراض کی طرف ہی اشارہ ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ فیل۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چھ آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے۔اس میں اصحاب ِالفیل کا واقعہ نہایت اختصار سے بیان ہوا ہے۔ اس سورۃ میں اصحابِ الفیل کے واقعہ میں اہل مکہ کو انذار فرمایا کہ جو ربّ اصحاب الفیل جیسے طاقتور دشمن کے حملہ سے خانہ کعبہ کو بچانے پر قادر ہے کیا وہ تمہارے حملہ سے اپنے محبوب کو نہیں بچائے گا؟ حضرت ابراھیمؑ سے ان کے ربّ کا وعدہ تھا کہ یہ شہر امن والا ہوگا اور دشمنوں کے حملہ سے بچایا جائے گا۔ آپ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔حضرت ابراھیمؑ کے تعمیر کعبہ کے قریباً اڑھائی ہزار سال بعد ایک زبردست دشمن لشکر جرار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا۔پھر اللہ تعالیٰ کے منشا اور اس کے ازلی فیصلہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو بچالیا۔

قرآن کریم کا کوئی واقعہ بطور قصہ بیان نہیں ہوا۔ اس میں ہمیشہ پیشگوئی ہوتی ہے کہ آئندہ زمانہ میں بھی اس قسم کا واقعہ ہونے والا ہے۔ پس جب بھی کفر، اسلام کو مٹانے اپنے پورے سازوسامان سے حملہ آور ہوگا تو اللہ تعالیٰ پھر اپنے جلالی نشان کو ظاہر کرے گا اور اصحاب الفیل کی طرح کچل کر رکھ دے گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن اور رحیم ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۲ اَلَمْ يَجْعَلْ

کیا نہ دیکھا تو نے کیا حال کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کا کیا نہ کر دیا

كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۳ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۴

ان کے مکر کو اکارت اور بھیجے ان پر پرند جھنڈ کے جھنڈ

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۵ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۶

پھینکتے تھے ان پر پتھر کنکریوں سے پس کر دیا ان کو مانند بھُس کھائے ہوئے کے

ع ۱ / ۳۰

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶۔ **تضلیل ۔ ضلّ** کے معنے سیدھی راہ سے ہٹ جانا ہے۔ **ضلال** ہر قسم کی گمراہی پر بولا جاتا ہے۔**فی تضلیل** ۔غلط راہوں پر لگا دینا۔ باطل کرنا۔ **ابابیل** کا استعمال کثرت کے معنی میں آیا ہے۔(لسان العرب) جھنڈ کے جھنڈ۔ یہ وہ پرندہ نہیں جسے اردو میں ابابیل کہتے ہیں۔ ابابیل کو عربی زبان میں خفّاش کہتے ہیں۔ابابیل جمع ہے۔واحد اس کا نہیں ہوتا۔ **سجّیل** ۔ پکی ہوئی مٹی کا کنکر۔جسے پنجابی میں کھنگر کہتے ہیں۔**عصف**۔ بھوسہ۔ **ماکول** ۔ **اکلَ** ۔ اس نے کھایا۔ **ماکول** ۔کھایا ہوا۔

پچھلی سورۃ میں اہل مکہ کو انذار فرمایا تھا کہ تمہارے زر پرست مالدار تباہ ہوں گے اور کمزور مسلمان جیت جائیں گے پھر بعثتِ ثانیہ میں بھی یہی نقشہ پیش کیا کہ ایٹمی طاقت رکھنے والی مالدار قومیں تباہ ہوں گی اور اللہ کے کمزور بندے کامیاب ہوں گے۔اس چھوٹی سی سورۃ میں اصحاب الفیل کے واقعہ میں یہ ثبوت پیش کیا کہ جب اللہ کی رضا ہوتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اللہ تعالیٰ کے چند کمزور بندوں پر غالب نہیں آ سکتی ۔ اصحاب الفیل کا واقعہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے ۔ابرہہ شاہ نجاشی کے ماتحت یمن کا گورنر تھا ۔یہ وہی نجاشی تھا جس کے پاس بعد میں مسلمانوں نے پناہ لی اور اس نے اسلام قبول کیا۔ ابرہہ نے صنعاء میں قلیس نام کا ایک نہایت عالیشان اور بلند وبالا کلیسا بنایا۔ اس کی تعمیر میں نہایت قیمتی سامان استعمال ہوا۔ اس نے سارے عرب میں خوب پراپیگنڈہ کیا کہ خانہ کعبہ کی بجائے لوگ قلیس کی زیارت کے لئے آیا کریں۔اس سے اس کا مقصد عربوں کے اتحاد کو توڑنا اور انہیں عیسائیت کی طرف راغب کرنا تھا نیز ان فوائد کو

حاصل کرنا تھا جو خانہ کعبہ کی وجہ سے اہل مکہ کو حاصل تھے ۔ اہل مکہ تک یہ خبر پہنچی تو وہ سخت برہم ہوئے۔خانہ کعبہ عربوں کا مقدس ترین مقام تھا ان کو خانہ کعبہ سے گہری عقیدت تھی۔ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ایک مرکزی معبد چلا آ رہا تھا اور عربوں کے اتحاد کا مرکزی نقطہ تھا چنانچہ کسی گنوار عرب نے رات کو چھپ کر قلیس میں پاخانہ کر دیا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا کہ گرجا کی ہتک کی گئی ہے تو سخت طیش میں آیا اور سمجھ گیا کہ جب تک خانہ کعبہ موجود ہے اہل عرب میں اس کا کلیسا مقبول نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس نے ایک بڑا لشکر تیار کیا جس میں تمام حبشی تھے ۔ ابرہہ کا لشکر بعض روایات کی رو سے بارہ (۱۲) ہزار اور بعض کی رو سے بیس (۲۰) ہزار سپاہ پر مشتمل تھا۔ اس میں نو (۹) نہایت عظیم الجثہ ہاتھی تھے ۔ بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔یہ قسم اب ناپید ہے ۔ اس کی غرض یہ تھی کہ ہاتھیوں کی وجہ سے رعب پڑ جائے اور ہاتھی خانہ کعبہ کو گرانے میں ممد ثابت ہوں۔ اس لشکر نے مکہ سے قریباً پندرہ میل دور پڑاؤ کیا۔ ابرہہ نے اپنا ایلچی سردار مکہ کی طرف بھیجا۔ وہ عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابرہہ کا پیغام دیا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ ہمارا مقصد صرف خانہ کعبہ کو گرانا ہے ۔ عبدالمطلب اپنے بیٹوں اور بعض روساء مکہ کو ساتھ لے کر ابرہہ کے پاس آئے۔ عبدالمطلب نہایت رعب دار اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے ۔ ابرہہ نے دیکھا تو مرعوب ہوا اور اپنے برابر قالین پر بٹھایا اور آنے کی وجہ پوچھی۔عبدالمطلب نے کہا کہ آپ کے سپاہی میرے دوسو اونٹ پکڑ کر لے گئے ہیں وہ واپس دلوادیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر میں سمجھا کہ آپ بڑے عقلمند اور تجربہ کار انسان ہیں اور آپ اپنی عبادت گاہ بچانے کی بات کریں گے مگر آپ نے اونٹوں کی بات کی۔ عبدالمطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں ۔مجھے اونٹوں کی فکر ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ اس جواب سے متاثر ہوا لیکن کہا کہ وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے۔ عبدالمطلب نے واپس آ کر خانہ کعبہ کے دروازہ کی کُنڈی پکڑ کر نہایت الحاح سے دعا کی۔ ابن ہشام نے سیرت میں عبدالمطلب کے اشعار نقل کئے ہیں۔" خدایا ! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ ان کی صلیب اور ان کی طاقت تیری طاقت پر کبھی غالب نہیں آ سکتی" پھر یہ سوچ کر کہ ہم اس فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ تجویز پیش کی کہ تمام لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں پر پناہ لے لیں اور شہر خالی کر دیں تا کہ عام خون خرابہ نہ ہو۔ دوسرے دن ابرہہ نے فوج کو کوچ کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ پہلے ہاتھی نکالے جائیں ۔جب ہاتھی نکالنے گئے تو ان کا سب سے بڑا ہاتھی جس کا نام محمود تھا اور جو باقی ہاتھیوں کا لیڈر تھا تصرفِ الٰہی کے تحت بیٹھ گیا اور اس نے

چلنے سے انکار کردیا۔ اسے آنکسوں سے کچوکے دئے گئے وہ زخمی ہوگیا مگر اس نے اٹھنے سے انکارکردیا۔اگر مارسے گھبراکر کھڑا ہوتاتو اِدھر اُدھر چلتامگر کعبہ کی طرف قدم نہ اٹھاتااوربیٹھ جاتا۔ اسی کشمکش میں روانگی میں دیر ہوگئی۔اتنے میں دیکھا کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ چونچوں اور پنجوں میں مسور اور چنے کے برابر کنکریاں لئے ہوئے آئے اور انہوں نے لشکر پر کنکریوں کی بوچھاڑ کر دی جس سے سپاہیوں کے جسموں پر پھنسیاں نمودار ہوگئیں۔ محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا۔ان کنکریوں میں چیچک کے جراثیم تھے جس سے لشکر میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی۔چیچک حبشیوں کی مخصوص بیماری ہے اور ان میں تیزی سے پھیلتی اور جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔لشکر میں انفراتفری مچ گئی۔سارالشکر گھبراکر ادھرادھر وادیوں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ زیادہ تر راستہ بھول کر وہیں مرکھپ گئے ، کچھ واپس پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ابرہہ بھی اس تباہی کو دیکھ کر واپس بھاگا لیکن شدید چیچک کا شکار ہوکر صنعاء پہنچ کر مرگیا۔عرب چیچک کے مرض سے واقف نہیں تھے۔یہ پہلا اتفاق تھا کہ انہوں نے ایسی خوفناک بیماری دیکھی چنانچہ مؤرخوں نے عجیب وغریب قصے گھڑے۔غرض آناً فاناً لاشوں کے ڈھیرلگ گئے۔مردار خور پرندوں ، چیلوں اور گِدھوں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ گوشت کھاتے ہوئے پٹک پٹک کر پتھر یا زمین پر مارتے ہیں۔ پس وہ لاشوں کو بھنبوڑتے، نوچتے اور پتھر پر مارمار کر کھاتے رہے اور انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح پامال کردیا۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا اہل عرب اسے عام الفیل کہتے ہیں۔اس واقعہ کے پچاس دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی۔ گویا آپ ہی وہ عظیم ہستی تھے جن کی پیدائش سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نشانات ظاہرکرنے شروع کردئے۔اس لئے کہ خانہ کعبہ کے مقصود آپ ﷺ تھے۔(اس سورۃ کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے '' قرآن کریم'' اردو ترجمہ تعارف سورۃ الفیل اور ترجمۃ القرآن کلاس MTA ترجمہ سورۃ الفیل سے استفادہ کیا گیاہے۔)

☆☆☆

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ قریش۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی پانچ آیات ہیں

یہ سورۃ مکی ہے ۔ اس سورۃ میں خوشخبری دی گئی ہے کہ گرمیوں اور سردیوں میں سفرکرنے والے تجارتی قافلے جو اہل مکہ کی بھوک مٹانے کا ذریعہ ہیں آئندہ بھی جاری رہیں گے اور ان کے لئے کوئی روک نہیں ہوگی اور جب بھی مکہ کے امن کو خطرہ لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص تصرف سے اسے دور کردے گا۔

سورۃ الفیل کے معاً بعد اس سورۃ میں بطور شکرانہ اس گھر کے ربّ کی عبادت کا حکم دیااور خوب واضح کردیاکہ عبادت اس گھر کے ربّ کی کی جاتی ہے نہ کہ اس گھر کی۔ یہ گھر تو بطور ایک نشان کے ہے جوخداتعالیٰ کی برتر اور قادر اور عالم الغیب ہستی کا ثبوت دیتاہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۲﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿۳﴾

اُلفت دلانے قریش کے لیے الفت دلانے کے لیے انکو سفر سردی اور گرمی میں

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۴﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ

پس عبادت کریں رب اس گھر کی جس نے کھلایا ان کو

جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۵﴾

بھوک میں اور امن دیا ان کو خوف سے

ع ۵
۲۱

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۵۔**لایلٰف**۔ الفت دلانے کے لئے۔ **اٖلٰفھم** ۔ ان کوالفت دلانے کے لئے۔ **اٖلٰفھم** کو دوبارہ زور دینے کے لئے دہرایا گیا ہے۔ **رحلۃ**۔ کوچ۔ سفر۔اسی سے رحلت ہے۔ **شتاء**۔ سردی۔ **صیف** گرمی۔

اس سورۃ کو سمجھنے کے لئے اُس تاریخی پس منظر کا کچھ بیان ضروری ہے ، جس کا اس سورۃ سے تعلق ہے۔ بنی اسمٰعیل تمام عرب میں منتشر تھے ۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ایک معروف نام قصی بن کلاب بن نضر کا ہے جس نے ظہور نبیﷺ سے سوا دوسوسال قبل بلادِ عرب میں بکھرے ہوئے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور مکہ میں آباد کیا تا کہ اپنے دادا ابراھیم کے ارشاد کے مطابق مکہ میں رہیں اور خانہ کعبہ کی خدمت کریں۔ چنانچہ نضرؔ کی اولاد قریش کہلاتی ۔ قریش کے لفظی معنے بھی اِدھر اُدھر سے جمع کیا کے ہیں۔ اس زمانہ میں لوگ حج کے لئے بہت کم آتے۔ ذرائع آمد نہ ہونے کے برابر تھے ۔ مکہ سے شدید محبت کی وجہ سے یہ لوگ مکہ سے باہر نہ جاتے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑدادا ہاشم بن عبدمناف نے اہل مکہ کی خستہ حالی کو دیکھ کر قریش میں تجارتی سفروں کی تحریک کی اور یہ تجویز پیش کی کہ قریش کے مالدار لوگوں کا سرمایہ لے کر مشترکہ تجارت کی جائے ۔ تجارتی قافلوں میں دوتین سو آدمی جاتے۔ اس وقت مکہ کی آبادی پندرہ بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان تجارتی سفروں سے فائدہ سب کو حاصل ہوجاتا بلکہ نصف منافع رفاہ عام کے کاموں اور غرباء پر خرچ کردیتے۔باقی قریش خانہ کعبہ اور زائرین کی خدمت کے لئے وقف رہتے۔ حرم اور بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے سارے عرب میں ان کا احترام تھا اور کوئی انہیں نقصان نہ پہنچاتا۔ان کے قافلے نہایت امن وامان سے سفر کرتے جبکہ مکہ کے اردگرد

قتل و غارت کا بازار گرم رہتااور کوئی سفر محفوظ نہ تھا۔ قریش باقاعدگی کے ساتھ گرمیوں میں شام کا تجارتی سفر کرتے۔ شام بوجہ سرد ملک ہونے کے گرمی کے سفر کے لئے موزوں تھا۔ سردیوں میں یمن کا تجارتی سفرکرتے کیونکہ یمن بوجہ گرم مقام ہونے کے سردی کے سفر کے لئے مناسب تھا۔ اس سے ان کے مالی حالات بہتر ہوگئے اوراردگرد کی قوموں پر رعب بھی پڑتا تھا۔ ان سفروں میں یہ بھی حکمت تھی کہ علاوہ مالی منفعت کے اہل مکہ ان ممالک کے حالات سے باخبر ہوگئے۔ نیزان سفروں کی وجہ سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی قریش کے لئے آسان ہوگیا کیونکہ ان سفروں کے دوران وہ یہود و نصاریٰ سے نبیَ مختون کے متعلق پیشگوئیاں سنتے تھے۔

لایلٰف میں حرف لام ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے اس کا مقتضی ہے کہ اس کا تعلق کسی سابق مضمون سے ہو جیسے بسم اللہ کی باء۔جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ پڑھتا ہوں جو۔۔۔۔۔اس لئے اکثرمفسرین کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون کے اعتبار سے یہ سورۃ سورۃ الفیل ہی سے متعلق ہے ۔ پچھلی سورۃ میں بتلایا کہ اصحاب الفیل کی تباہی خانہ کعبہ کے اعزاز اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے تھی جس کی تیاری اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی شروع کردی تھی۔ اس سورۃ میں اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ قریش کے دلوں میں گرمی اور سردی کے سفر کی محبت پیدا کرنے کے لئے ہم نے ابرہہؔ کے لشکر کو تباہ کیا گویا اللہ تعالیٰ ان سفروں کو قائم رکھنا چاہتا تھا جو اہل مکہ کی خوشحالی اور ان کے ذہنوں کی بالیدگی کے ضامن تھے ۔اگرابرہہؔ کا لشکر تباہ نہ ہوتا تو اہل مکہ کا سردی کا سفرجو یمن کی طرف تھا ممکن نہ رہتا کیونکہ یمن روم کا صوبہ تھا۔اسی طرح ان کا گرمی کا سفرجو شام کی طرف ہوتا تھا وہ بھی ناممکن ہوجاتا کیونکہ شام بھی رومی حکومت کے ماتحت تھاجو عیسائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا پُرہیبت نشان دکھایا کہ یمن کی مسیحی حکومت تباہ ہوگئی اور شام پر بھی رعب پڑگیا۔ اس طرح مکہ والوں کے دونوں سفرجاری رہے۔

پچھلی سورۃ میں کعبہ کے دشمنوں کا انجام بتایا۔اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ سے محبت رکھنے والوں کے انجام کا ذکرکیا۔بیشک وہ مشرک تھے پھر بھی اپنے تعلق کا اظہار فرمایا اور ان پر اپنے احسانوں کا ذکرکیا۔ یہ اتفاقی بات نہیں تھی بلکہ ہم نے اپنی تقدیرِ خاص سے ان کے دلوں میں ان سفروں کی محبت پیدا کردی پس انہیں بھی چاہیئے کہ جس گھر کی وجہ سے انہیں یہ عزت ملی اس گھر کے مالک کی بھی عزت کریں اور اس کا شکر اداکریں۔شکر کا بہترین طریق اس کی عبادت ہے۔پس تم اس گھر کے ربّ کی عبادت کروجس نے بھوک کی حالت میں تمہارے کھانے پینے

کاانتظام کیا۔ من الجوع کے معنے عام بھوک کے ہیں۔ من جوع میں ایسی بھوک کی طرف اشارہ ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ ان کا جائے وقوع ایسا تھا کہ معمولی روٹی بھی کھانے کے لئے میسر نہیں آسکتی تھی مگر ہم نے محض اپنے فضل سے ایسے حالات پیدا کردئے کہ تم بھوک کی تکلیف سے بچ گئے اور تمہیں بافراغت رزق میسرآ گیا۔ اس طرح من الخوف نہیں کہا من خوف کہاجس کے معنے ایسے خطرناک خوف کے ہیں جس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ گویا ابرہہ کا حملہ ایسا خطرناک خوف تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے احسان سے بچالیا اور اس خوف سے نجات دی۔

سورۃ ابراہیمؑ رکوع ۶ میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے دو چیزیں مانگی تھیں۔ امن اور رزق۔ بیشک یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ہیں۔ اس دعا میں آپ ان ذرائع کو بھی بیان کرتے ہیں جن سے یہ نعمتیں انہیں حاصل ہوں فرمایا لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو۔ وہ عقیدت مندانہ جذبات کے ساتھ ان کی طرف جھکیں گویا یہ نعمتیں طاقت کے زور سے نہ ملیں۔ پس ایک بیابان میں چھوڑتے ہوئے جہاں چاروں طرف خطرہ تھا اور کھانے کو ایک دانہ بھی نہیں تھا، امن اور رزق کی دعا ایک نبی ہی کرسکتا ہے۔ آپ دوباتوں کی امید اپنی اولاد سے رکھتے ہیں۔ اوّل مکہ میں رہیں گے۔ دوم نمازوں کو قائم کریں گے۔ فرمایا ان کو کھانے کے لئے ہرقسم کے پھل عنایت فرما تاکہ تیراشکرکریں۔ ایسی غیرذی زرع وادی میں جہاں ایک دانہ بھی پیدانہیں ہوتاتھا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے ربّ سے ان کے لئے ہرقسم کے پھلوں کی دعا کرتے ہیں۔ آج مکہ میں دنیا کا بہترین پھل نیز ہر آسائش کا میسر آنا اس دعا کی قبولیت کا زبردست نشان ہے۔

اللہ تعالیٰ اس دعائے ابراہیمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے وہ وعدہ پورا کردیا جوتمہارے دادا ابراھیم سے کیا تھا۔ تمہیں یہ رزق اور امن لوگوں کی محبت اور پیار کے نتیجہ میں ملے۔ اب تمہارا بھی فرض ہے کہ تمہاری طرف سے جوتمہارے دادا نے وعدہ کیا تھا، پورا کرو۔ ہزاروں سال تم نے شرک کیالیکن اب ایک منجی تم کو توحید کی طرف بلا رہاہے اورتمہارا فرض ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہو اور اس گھر کے ربّ کی عبادت کرو۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ ماعون۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی آٹھ آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں بطور پیشگوئی فرمایا کہ آخری زمانہ میں بھی جب لوگ متمدن ہوجائیں گے تو دیگر گناہوں کے علاوہ ان گناہوں میں بھی مبتلا ہوں گے جن کا اس سورۃ میں ذکر ہوا۔ جس طرح یتیم کو دھتکارنا اور غرباء و مساکین سے لاپرواہی برتنا اہل مکہ کی ایک گھٹیا حرکت تھی۔ اس طرح آخری زمانہ میں بھی یہ حرکت قومی جذبہ کی کمزوری پر دلالت کرے گی اور لوگ دکھاوے کے لئے نیکیاں اور بڑے بڑے رفاہ عام کے کام کریں گے تاکہ اس کے نتیجہ میں ان کو شہرت حاصل ہو۔ لیکن غرباء کی ادنیٰ ادنیٰ ضروریات سے بھی آنکھیں بند رکھیں گے۔ یہاں آخری زمانہ کا ہی نقشہ پیش کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک حصہ ریا کی نمازیں پڑھے گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۲﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

کیا دیکھا تو نے اس کو جو جھٹلاتا ہے جزا سزا کو پس یہ وہ شخص ہے کہ جو دھکے دیتا ہے

الْيَتِيْمَ ﴿۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۴﴾ فَوَيْلٌ

یتیم کو اور نہیں ترغیب دیتا طعام مسکین پر پس خرابی ہے

لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۶﴾

ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۷﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۸﴾ ع ۸ / ۳۲

وہ جو دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور روکتے ہیں تمام برتنے کی چیزوں کو

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۸۔ لفظ **الدین** کے اہل لغت نے تیرہ (۱۳) معنے لکھے ہیں۔ عموماً معنے جزا سزا کے ہیں۔ دین کے معنے احکام الٰہی اور مذہب کے بھی ہیں۔ **یدعُ**۔ دفع کرتا ہے۔ دھکے دیتا ہے۔ **یَحضُّ**۔ وہ ترغیب دیتا ہے۔ **فویلٌ**۔ پس افسوس ہے۔ پس ہلاکت ہے۔ **ساھون**۔ سہو کرنے والے۔ تساہل کرنے والے۔ غفلت کرنے والے۔ **ماعون**۔ عام استعمال کی ادنیٰ چیزیں جو لوگ مانگنے پر ایک دوسرے کو دیتے ہیں جیسے پانی، نمک۔ سوئی دھاگہ، دیگچی، کلہاڑی اور ڈول رسی وغیرہ۔ حضرت علیؓ سے ماعون کے معنے زکوٰۃ مروی ہیں۔ زکوٰۃ چالیسواں حصہ مال کا ہونے کی وجہ سے ایک قلیل شے ہے۔ بخاری میں ہے کہ ماعون کا اعلیٰ درجہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ درجہ سامان کا عاریتاً دینا ہے۔

فرمایا کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو جزا سزا کو جھٹلاتا ہے ایسے ہی ایک مکذب شخص ابرہہ کا ذکر سورۃ الفیل میں گزر چکا ہے اور تمہیں اس کے بد انجام سے آگاہ کیا جاچکا ہے۔ تاہم ہر وہ شخص جو تکذیب دین کرتا ہے اس سورۃ کا مخاطب ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بڑے اور عظیم الشان کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان بالآخرت پر قائم کریں۔ اخلاقی اور تمدنی طور پر بھی یوم الدین پر ایمان کا قائم کرنا امن و امان کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ اگر بعث بعد الموت پر یقین نہ ہو تو حقیقی نیکی کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ جزا سزا کا منکر اکثر بدیوں پر دلیر ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بے شمار نیکیاں انسان ڈر کے مارے یا امید کے تحت کرتا ہے بیشک ابتدائی درجہ خوف کا ہے

دوسرا امید کا لیکن سب سے اعلیٰ درجہ عشق کا ہے کہ نیکی نہ سزا کے خوف سے کرے نہ انعام کی امید سے بلکہ اپنے ربّ کی رضا اور خوشنودی مدنظر ہو۔ اسی پر سب سے اعلیٰ اجر ہے۔ اہل مکہ بنو اسمٰعیل تھے اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہوتے ہوئے قیامت کے منکر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی دوسری شاخ بنو اسحاق تھے جو یہود و نصاریٰ تھے۔ ان کی کتابوں میں تحریف کرکے قیامت اور جزا سزا کا ذکر اڑا دیا گیا ہے۔ اب توریت اور انجیل میں بعث بعد الموت کا کوئی ذکر نہیں جبکہ زرتشتی تعلیم یعنی ژندواوستا میں سارا زور یوم آخر اور جزا سزا پر ہے اور بار بار بتلایا کہ مرنے کے بعد گنہگاروں کے لئے دوزخ اور نیک لوگوں کے لئے جنت ہوگی بیشک تفصیلات شریعت میں قرآن کے ساتھ یہودی تعلیم ملتی ہے لیکن بعث بعدالموت کے معاملہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور ژندو اوستا دونوں ایک ہی منبع سے نکلے ہیں۔

سورۃ قریش میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلائے اس سورۃ میں بتلایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے اس قدر فضل تم پر ہوئے تو اب تمہیں بھی چاہیئے کہ ان رزائل اور بدیوں سے بچو جو خداتعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں اور جن کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ ابتدائی مکی سورتوں میں یتامیٰ سے محبت کرنے ان پر دستِ شفقت رکھنے اور مساکین کو کھانا کھلانے کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تشریح فرمائی کہ دین کو جھٹلانے سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ وہ یتیم کو جھڑکتا ہے۔ یدعُّ سے مراد محض دھکے دینا اور جھڑکنا ہی نہیں بلکہ یتیم کا حق مارنا اور اس پر زیادتی کرنا بھی ہے۔ یتیم سب ضعیفوں سے زیادہ ضعیف ہے۔ مساکین بھی حقدار ہیں کہ ان کی عام ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ یہاں **طعام المسکین** کہا جس کے معنے مسکین کا کھانا دینے کے ہیں۔ گویا یہ مسکین کا اپنا کھانا تھا۔ اس کا حق تھا تمہارا احسان نہیں تھا۔ پس یتامیٰ و مساکین کی عزتِ نفس کا خیال نہ رکھنا، ان کی ضروریات کو پورا نہ کرنا اور دوسروں کو بھی ان نیک کاموں کی ترغیب نہ دینا، ایک بڑے عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ جب بندے کا حق ادا نہ کرنا ایسا برا ہے تو خالق و مالک کا حق ادا نہ کرنا بدرجہ اولیٰ برا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ غفلت کئی طریق سے ہوتی ہے۔ نماز کی روح سے غافل رہتے ہیں۔ نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ کبھی پڑھ لی کبھی نہ پڑھی۔ مسلمانوں کے درمیان ان کے اسلام کی نشانی نماز ہے۔ وہ ہر حالت میں خوشی و غم صحت و بیماری، امن و جنگ، اپنے وقت پر اپنے ربّ کے حضور حاضری دینے کے مکلّف ہیں۔ عین لڑائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ساتھ صف بندی کرکے نماز باجماعت ادا کی۔ غرض جب تک تمام ارکانِ نماز خشوع و خضوع سے ادا نہ کئے جائیں فضول خیالات

سے اپنی نماز کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ محض ٹکریں ہیں ، نماز نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نماز اور دیگر نیکیاں دکھاوے کے لئے کرتے ہیں۔عبادتِ الٰہی اپنی ذات میں بڑے بڑے گناہوں کو دور کرنے والی ہے چونکہ ان کی عبادت محض دکھاوا ہوتی ہے اس لئے چھوٹی چھوٹی نیکیوں سے بھی محروم رہتے ہیں اور روز مرہ استعمال کی ادنیٰ چیزوں کو لوگوں سے روکتے ہیں۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں صحابہ میں سے ایک شخص نے وفات پائی تو کسی نے کہا تجھ کو خوشخبری ہو جنت کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا تو یہ بات کہتا ہے شاید کہ تو جانتا نہیں۔ممکن ہے اس نے بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع کیا ہو اور ایسی چیزوں میں بخل کیا ہو جن میں کمی نہ آئے (مثلاً نمک ، پانی وغیرہ)۔ (جامع ترمذی)

دراصل آخرت کا انکار ان کو اتنا تنگ دل اور خود غرض بنا دیتا ہے کہ دوسروں کے لئے معمولی ایثار کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔ اس طرح اخلاق کے ادنیٰ مراتب سے بھی گر جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو دین کو جھٹلانے والے ہیں اور یقیناً اللہ کے غضب کے نیچے ہیں ۔ایسے لوگوں پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ اَرْبَعُ اٰیَاتٍ

سورۃ کوثر ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چار آیات ہیں

یہ سورۃ بھی ابتدائی مکی زمانہ میں نازل ہوئی۔ اس میں تمام قرآنی معارف و حقائق کو بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی سورۃ ہے جب ابھی چند سورتیں ہی نازل ہوئی تھیں اور چند گنتی کے آدمی آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ آپ ﷺ کی بظاہر کوئی حیثیت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کو نبوت کی ابتدا میں ہی یہ خوشخبری دی گئی کہ ساری کی ساری بہترین اور بے حساب نعمتیں آپ ﷺ کو ملیں گی گویا ہر امر میں کوثر ملے گی پھر آپ ﷺ کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو پورا فرمایا دیا جو ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔ بتایا کہ اگر غلبہ ملے گا تو ایسا جس کی نظیر نہیں ملے گی، کتاب ملے گی تو ایسی کہ اس کے مقابلہ میں تمام کتابیں ہیچ رہ جائیں گی ۔یہاں تک کہ اس امت کے اولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثیل ہوں گے۔

(المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرۃ علیٰ الالسنۃ صفحہ ۲۸۶)

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴿۲﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ﴿۳﴾

یقیناً ہم نے دیا تجھ کو کوثر پس نماز پڑھ اپنے رب کے لیے اور قربانی کر

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۴﴾ ع ۱ ۳۳

یقیناً تیرا دشمن ہی رہے گا بے نسل

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۴۔ **الکوثر**۔ لفظ کوثر کثرت سے نکلا ہے۔ لغوی معنے بے انتہا کثرت کے ہیں۔ عکرمہؓ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد خیر کثیر اور قرآن اور حکمت ہے۔ سعید بن جبیرؓ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر قسم کی خیر سے کثرت عطا کی۔ پوچھنے والے نے کہا کہ وہ تو جنت میں نہر ہے۔ آپ نے فرمایا نہر بھی اور اس کے سوائے بھی۔ (ابن جریر) خیر ایسی خوبی اور بھلائی کو کہتے ہیں جس میں وہ تمام کمالات پائے جاتے ہوں جس کی وجہ سے اس خوبی کو خوبی کہا جاتا ہے۔ بخاری باب التفسیر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوثر سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی بھلائیاں ہیں جو اس دنیا میں آپ ﷺ کو دی گئیں۔ نحر سینہ کا وہ حصہ ہے جہاں ہار ہوتا ہے۔ نحرتہٗ اس کے سینہ پر مارا یا ذبح کیا یہاں مراد نحر الھدٰی یعنی قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔ اونٹ کو اس طرح ذبح کیا جاتا ہے کہ اس کے سینہ پر نیزہ مارا جاتا ہے۔ جب گر جاتا ہے تو ذبح کیا جاتا ہے۔

شانئک ۔ **شنآنٌ** ۔ دشمنی۔ شانئک ۔ تیرا دشمن۔ **ابتر** ۔ بتر کے اصل معنی قطع کرنا ہے۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پیچھے اس کی نسل نہ ہو اور اس شخص کو بھی ابتر کہا جاتا ہے جس کا ذکر خیر منقطع ہو جائے ۔ یہاں ابتر کے معنی مقطوع الذکر ہے۔ **اِنّآ اعطینٰک الکوثر** میں بتلایا کہ دینی، دنیوی، روحانی اور اخروی نعمتوں میں سے جو نعمت آپ ﷺ کو ملی ہے وہ سب سے اعلیٰ اور بڑھ کر ہے۔ ماعون کے مقابل کوثر کا ذکر کیا کہ جتنا چاہو خرچ کرو یہ نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں !اللہ کی ذاتِ کبریائی اس کی عزت و جبروت پر نگاہ کرو۔ پھر اس کے عطیہ کا تصور۔۔۔۔۔۔۔۔۔اللہ تبارک و تعالیٰ کا ''بہت کچھ'' ایک انسان کے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۵۰۱) سب سے اوّل کمالاتِ نبوت ہیں

جو سارے کے سارے اپنی پوری شان کے ساتھ آپ ﷺ کے اندر پائے جاتے ہیں ۔ جو جو کمالاتِ نبوت آپ ﷺ کو عطا ہوئے وہ دوسرے نبیوں کے کمالات سے اعلیٰ تھے اور کثیر تھے۔ گویا کوئی نبی کسی کمالِ نبوت میں آپ کا ہم پایہ اور ہم مرتبہ نہیں۔ جس کو یہ چیز عطا ہو وہ یقیناً سب نبیوں سے افضل تھا اور خاتم النبیین تھا۔ **اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰلِ محمدٍ وبارک وسلم انک حمیدٌ مجیدٌ** ۔ بیشک آپ ﷺ کی موسیٰؑ سے مشابہت تھی (سورۃ مزمّل:۱۶) جو بنی اسرائیل میں سب سے عظیم المرتبت نبی تھے لیکن تمام معاملات میں قرآن کریم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰؑ پر فضیلت ثابت ہے۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلد دہم صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۶۶) قرآن کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست فضیلت تمام انبیاء پر ثابت کرتا ہے۔ ختم نبوت کا دعویٰ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت میں سب سے بڑا دعویٰ ہے۔ آپ ﷺ نے تمام نبیوں کی نبوت کے فیضان کو ختم کر دیا۔ اب کسی نبی کی امت میں کوئی شخص خدا رسیدہ نہیں ہو سکتا۔ محمد ﷺ کا دامن پکڑے بغیر خدا کو پایا نہیں جا سکتا آپ ﷺ نبیوں کی مہر ہیں۔ آپ ﷺ کی تصدیق کے بغیر کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ آپ ﷺ کو فضیلت کا وہ مقام دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے کامل متبع نبوت کے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کو **دنا فتدلّٰی** (النجم:۹) کا بلند مقام ملا۔ آپ ﷺ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے وہ محبوب ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کامل تجلی ظاہر کی ۔ آپ ﷺ کی شان میں فرمایا کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو محمد ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ (ال عمران رکوع ۴) آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں شامل ہوں گے ۔ (النساء رکوع ۱۰) توحید کے تعلق میں آپ ﷺ میں جو جذبہ غیرت پایا جاتا تھا اس کی مثال کسی اور نبی میں نہیں ۔

کوثر سے مراد آپ ﷺ کو خیر کثیر کا ملنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر معاملہ میں خیر کثیر عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کو جو خیر کثیر عطا ہوئی اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ خیر سے وہ کچھ دیا جو شمار میں نہیں آ سکتا۔ (لسان العرب) خیر کثیر میں اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے رسول سے اپنی نصرت کا وعدہ کیا اور پھر زندگی کے ہر قدم پر آپ ﷺ کو نصرت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ خیر کثیر میں وہ عزت کا وعدہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور امت کے مومنوں کو عطا کیا اور فرمایا عزّت تمام تر اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ (منٰفقون:۹) خیر کثیر میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وسیلہ قرار دیا۔ آخرت میں آپ ﷺ کو شفاعتِ کبریٰ

کا مقام محمود عطا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حوضِ کوثر عطا کیا۔ دنیا میں جو روحانی اور دنیوی نعمتیں مومنوں کو ملتی ہیں وہ اگلے جہان میں مختلف نعمتوں اور پھلوں کی شکل میں متشکل ہو کر ان کے سامنے آجائیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں ملنے والی کوثر دنیا میں آپ ﷺ کو ملنے والی تمام اعلیٰ ترین روحانی اور دنیوی نعمتوں کا تمثل ہوگی۔ حضرت عمرؓ کے استفسار پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے اس کی مٹی مُشک کی طرح ہے اور پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔۔۔۔۔ (مسند احمد بن حنبلؒ) احادیث صحیحہ میں ہے کہ اس کے کنارے موتیوں سے مرصّع ہیں۔ اور یہ نہر مومنوں کو سیراب کرے گی۔

خیر کثیر میں قرآن اور حکمت کا ملنا بھی ہے۔ قرآن کریم دیگر الہامی کتب کے مقابلہ میں بہت چھوٹی کتاب ہے۔ مگر اس میں تمام ضروری مسائل بیان ہیں۔ قرآن کریم نے تمام روحانی، اخلاقی، اقتصادی، قضائی، سیاسی اور عائلی علوم کے متعلق ان کے ماہرین سے زیادہ روشنی ڈالی۔ قرآنی تعلیم نے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ قرآن کریم نے جس طرح صفاتِ الٰہیہ، ملائکہ، انبیاء، قضاو قدر اور بعث بعد الموت پر روشنی ڈالی اور ان کے دلائل پیش کئے کسی آسمانی کتاب نے اس کی اس قدر وضاحت نہیں کی۔ قرآن کریم جو دعویٰ کرتا ہے ساتھ اس کے دلائل بھی دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا کام حکمت سکھانا بھی تھا۔ یہ بتانا کہ فلاں کام کے اندر کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ کیا کیا خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے اس کا حکم دیا گیا ہے یا اسے اختیار کیا گیا ہے یہ سب حکمت کے ماتحت آتے ہیں۔ کتب الہامیہ میں قرآن کریم ہی وہ پہلی کتاب ہے جس نے یہ اصول پیش کیا کہ ہر کام حکمت کے تحت ہونا چاہیئے۔ یہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں اللہ تعالیٰ بھی کوئی کام بغیر حکمت اور بلاوجہ نہیں کرتا۔ اگر نماز کا حکم دیتا ہے تو اس کی حکمت بھی بیان کرتا ہے کہ نماز بدیوں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت رکوع ۵) اگر روزہ کا حکم دیتا ہے تو اس لئے لعلکم تتّقون (البقرۃ رکوع ۲۳) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو اور تم خرابیوں سے بچ جاؤ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خیر کثیر کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی اس کے لئے کئی جلدیں درکار ہیں۔

آپ ﷺ دعائے ابراھیمی کا ثمر تھے۔ دعائے ابراھیمی میں آپ ﷺ کی بعثت کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں۔ (البقرۃ رکوع ۱۵) ان پر تیری آیات پڑھ کر سنائے گا۔ انہیں کتاب اور حکمت سکھائے گا (کتاب و حکمت کی تفسیر ابھی گزری ہے) اور ان کا تزکیہ نفوس کرے گا۔ جہاں تک تزکیہ نفوس کا تعلق ہے اس پہلو سے بھی آپ ﷺ کو کوثر عطا ہوا۔ آپ ﷺ نے عرب کے

بدوؤں کو خدا سے ملا دیا۔ اس سے بڑھ کر تزکیہ نفوس کا کیا ثبوت ہوگا۔ آپ ﷺ کو کوثر کا ملنا یہ تھا کہ ہر کام میں آپ ﷺ کو نمایاں مقام حاصل ہو اور دوسرے انبیاء میں اس کی مثال تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکتی ہو۔ بیشک تمام نبیوں کا اپنے اپنے رنگ میں یہی کام تھا لیکن آپ ﷺ کو ان چاروں صفات میں کوثر عطا ہوئی۔ متواتر قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نے اپنے فرائض کو احسن ترین طریق سے نبھایا اس کا مقابلہ دوسرے انبیاء نہیں کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کوثر کے ملنے پر شکر کے طور پر دو امور کا حکم دیا۔ اوّل نماز جو تمام دین کا خلاصہ ہے اور تعظیم الامر اللہ ہے دوم قربانی جو شفقت علیٰ خلق اللہ ہے گویا اپنے ربّ کا حق ادا کرا ور اس کے بندوں کا بھی۔ قربانیاں کرتے ہوئے اپنے کل قویٰ کو قربان کر ڈالو اور رضا الٰہی میں لگا دو۔

احادیث میں ابوجہل، عاص بن وائل اور دیگر کئی سردارانِ مکہ کے نام ملتے ہیں جو آپ ﷺ کو ابتر کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی اولاد نرینہ نہیں جو آپ ﷺ کے سلسلہ کو قائم رکھ سکے۔ جتھہ بندی کے لحاظ سے بھی عرب میں لڑکے کی قدر ہوتی تھی۔ مفسرین کے خیال میں ایسے لوگوں کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ اتاری ہے۔ تاہم کسی سورۃ کو کسی خاص واقعہ سے محدود کرنا درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! جو انعامات تجھے ملے یا آئندہ ملنے والے ہیں ایسے انعامات پر لوگ حسد کرتے ہیں اور دشمن بن جاتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ نماز پڑھو اور قربانیاں کرو تاکہ بلائیں ٹل جائیں اور آفات مٹ جائیں اور تو ہمارے فضلوں کے زیر سایہ ترقی کرتا چلا جائے اور کامیاب ہو۔ چنانچہ جوں جوں قرآن کریم نازل ہوتا گیا دشمنوں کا بغض بھی بڑھتا گیا اس کے مقابل پر مسلمانوں میں بھی دعاؤں اور قربانیوں کا زور بڑھتا چلا گیا اور انہوں نے اسلام کی اشاعت میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو اس طرح قربان کیا جس کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔ اس نماز اور قربانی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرا دشمن ہی اولاد نرینہ سے محروم رہے گا اور تو نرینہ اولاد والا ہو جائے گا۔ یہاں جسمانی اولاد مراد نہیں بلکہ روحانی اولاد مراد ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے تمام دشمنوں کے بیٹے آپ ﷺ کی روحانی اولاد میں شامل ہوئے خواہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تھا یا ولید کا بیٹا خالد یا عاص کا بیٹا عمرو بن عاص۔ ان میں سے کسی نے اپنے باپوں کے نام سے منسوب ہونا نہ چاہا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے متعلق روایت آتی ہے کہ کسی مسلمان نے اسے ابوجہل کا بیٹا ہونے کا طعنہ دیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اس

مسلمان کو منع فرمایا کہ آئندہ اسے ابوجہل کا بیٹا نہ کہا جائے ۔(اسد الغابہ زیر لفظ عکرمہ)پس یہ سب آنحضرتﷺ کی روحانی اولاد میں شامل ہوگئے اور آپﷺ کے بیٹے بن گئے اور ان کے باپ ان سے محروم ہوگئے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات امت کی مائیں ہیں اور آپﷺ امت کے باپ۔ اس لحاظ سے بھی تمام مومن آپﷺ کی اولاد ہیں۔

(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلد دہم تفسیر سورۃ الکوثر سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ کافرون۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی سات آیات ہیں

سورۃ الکفرون چوتھے سال نبوت کے شروع میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں دین پر استقلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔اس لئے کہ سچائی کو مان کر اس پر قائم رہنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا سچائی کو قبول کرنا۔ مسلمانوں کے زوال کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ دین اسلام پر قائم نہ رہ سکے ۔اگر وہ صحیح معنوں میں اپنے دین پر قائم رہتے تو آج ساری دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرا رہا ہوتا۔ پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو ربع قرآن قرار دیا تو بالکل صحیح فرمایا۔

علامہ زمخشری اپنی کتاب کشاف میں لکھتے ہیں: مخاطب اس آیت کے چند مخصوص کفار ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہوگیا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۲﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۳﴾ وَلَآ

کہہ اے کافرو نہیں میں عبادت کرتا اسکی جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۴﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۵﴾

تم عبادت کرتے ہو اسکی جسکی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنیوالا ہوں اسکی جسکی تم عبادت کرتے ہو

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۶﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۷﴾ ع ۲۲

اور نہ تم عبادت کرنیوالے ہو اسکی جسکی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۷۔ **قُــل** کے اوّل مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر آپ ﷺ کے واسطے سے یہ حکم ہر مومن کو پہنچتا ہے کہ اس سورۃ کے مضمون کا خوب اعلان کرے اگرچہ آپ ﷺ کو تو سارے قرآن کو پہنچانے کا حکم تھا (المائدہ رکوع ۱۰) لیکن بعض مضمون وقت کے لحاظ سے زیادہ پھیلانے والا ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف خاص توجہ دلائی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں پانچ سورتوں کے شروع میں قُل کا لفظ آیا ہے یہ سورتیں چاروں قل اور پانچویں سورۃ الجن ہے ۔ سورتوں کے علاوہ قریباً ۳۰۶ آیات کے شروع میں لفظ قل آیا ہے۔ جہاں بھی قُل آیا ہے مابعد کے مضمون کی اہمیت بتانے آیا ہے۔ **یآ یُّھا** کے الفاظ ہمیشہ زور دینے کے لئے آتے ہیں۔

ہم ہر زمانہ کے مسلمان سے کہتے ہیں کہ تو اپنے اپنے زمانہ کے کفار کو کہتا چلا جا کہ میں ان کے معبودوں کی عبادت نہیں کرسکتا جن کی کفار عبادت کرتے ہیں اور نہ کفار اس ہستی کی عبادت کرسکتے ہیں جن کی مومن عبادت کررہا ہے اور نہ مومن اس طریق عبادت کو اختیار کرسکتا ہے جس کو کافر اختیار کئے ہوئے ہیں اور نہ کافر ہی مسلمانوں کے طریق عبادت کو اختیار کرسکتا ہے۔ اس اعلان کی وجہ یہ ہے کہ **لکم دینکم ولیَ دین** ۔ یعنی طریق عبادت میں ہمارا سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ مسلمان کا دین ، عبادت کا اور طریق پیش کرتا ہے اور کفار کا دین اور طریق پیش کرتا ہے۔ ہر دو طریق چونکہ متضاد اور مختلف ہیں اس لئے ان کا کفار سے اتحاد فی العبادۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام کی عبادت کا مقابلہ دنیا کے کسی مذہب کی عبادت نہیں کرسکتی۔ یہ اسلام ہی کی عبادت ہے جو بندے کو خدا سے ملاتی ہے وہ جب اسے پکارتا ہے تو آواز آتی ہے **واذاسألکَ عبادی عنّی فانّی قریب ط اجیبُ دعوۃ الدّاع اذادعان** ۔ (البقرۃ رکوع ۲۳)

اس سورۃ میں کلمات مکرر آئے ہیں۔ بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کیا ہے کہ دو کلمے ایک مرتبہ زمانہ حال کے لئے اور دوسری مرتبہ زمانہ مستقبل کے متعلق آئے ہیں اس لئے کوئی تکرار نہیں پس آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ ان پر ظاہر کردیا کہ ایسے کفار و مشرکین کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہ پہلے تھا نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوسکتا ہے۔ اس تکرار میں بتایا کہ دونوں دفعہ آپ ﷺ کا مشرکین سے مقابلہ سخت ہوگا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کی ذاتی موجودگی میں اور دوسری دفعہ آپ ﷺ کی روحانی موجودگی میں کسی بروزِ کامل کے ذریعہ ۔ بعض کے نزدیک اس تکرار کا مقصد تاکیدِ مضمون ہے۔ اس سورۃ میں کفر سے پوری بیزاری ظاہر کی گئی ہے لیکن کہیں جبر کا ذکر نہیں بلکہ **لکم دینکم ولیَ دین** میں پُر امن بقائے باہمی اور نظریاتی اختلاف کو برداشت کرنے کی ارفع تعلیم دی گئی ہے۔ مگر افسوس اس قرآنی حکم کو فراموش کر کے مسلمان معاشروں میں مسلک اور فقہی مکاتبِ فکر کے حوالے سے بدترین اختلافات پائے جاتے ہیں جو باہمی قتل و جدال کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں ۔ عدم برداشت اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے قتل تک سے گریز نہ کرنے والوں کو اہل مغرب مذہبی جنونی اور غیر مہذب ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ سیاسی ، سماجی اور معاشی دائروں میں اسلام کی صحیح بنیادی تعلیم اور عدل و انصاف کو رائج کیا جائے۔ دین ، جزا سزا کے معنے میں بھی آتا ہے۔ **لکم دینکم ولی دین** کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس کا بدلہ تم کو بہرحال مل کر رہے گا اور جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے اس کا بدلہ خدا ہم کو ضرور دے گا۔

احادیث میں اس سورۃ کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے طبرانی اور ابویعلی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جو تم کو اللہ کے شرک سے بالکل بچالے۔ وہ بات یہ ہے کہ سوتے وقت قل یاایُّھاالکٰفرون پڑھا کرو۔ اس سورۃ میں توحید کا عملی رنگ پیش کیا گیا ہے یعنی عملی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے متبعین ان چیزوں کی عبادت سے بیزار ہیں جن کی عبادت کفار کرتے ہیں خواہ وہ مال و دولت ہو یا شجر و حجر یا انسان وغیرہ۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔ سورۃ الکٰفرون اور سورۃ اخلاص (رواہ ابن ہشام مظہری) ان دونوں سورتوں کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ان میں توحید پر قائم رہنے اور استقلال سے ان پر قائم رہنے کا ذکر ہے۔ نماز مغرب کے فرضوں میں بھی آپ ﷺ اکثر یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے ۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اور مغرب کی نماز میں

۲۴ دفعہ پڑھی ہے۔(مسند احمد۔ترمذی۔نسائی۔ ابن ماجہ) مسند حاکم میں ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں اکثر پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری میں الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔استخارہ کے نوافل میں بھی پہلی رکعت میں الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ ابنِ مردویہ نے زید بن علقم سے روایت کی ہے کہ جو شخص دوسورتیں لے کر خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا اس سے کوئی حساب نہیں ہوگا اور وہ دوسورتیں **قل یایھاالکٰفرون** اور **قل ھواللّٰہ** ہیں۔اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ جو شخص توحید پر قائم ہوگا اور استقلال سے اس پر قائم رہے گا جو ان دونوں سورتوں کا مضمون ہے تو وہ ہر حساب سے بالا ہوگا۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعتوں میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے۔(صحیح مسلم) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھو نے کاٹ لیا آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور **قل یایُّھاالکٰفرون ، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس** پڑھتے جاتے تھے۔(مظہری) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ **قل ھواللّٰہ احد** قرآن کے تیسرے حصہ کے برابر ہے اور **قل یایھاالکافرون** قرآن کے چوتھائی حصہ کے برابر ہے۔اور آپ کئی دفعہ صبح کی دو رکعتوں میں یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔(یہ روایت طبرانی نے اپنی کتاب الاوسط میں نقل کی ہے۔) مراد یہ ہے کہ ان سورتوں میں اتنے وسیع مطالب بیان کئے گئے ہیں کہ انہیں قرآن کا تیسرا یا چوتھا حصہ قرار دیا گیا ہے۔اگر ان کے مطالب پر صحیح طور سے غور کیا جائے تو دین کی بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کلام پاک کے مضامین کا چوتھائی حصہ کفار اور ان کی عبادت سے بیزاری اور خدا کی خالص عبادت کے بیان پر مشتمل ہے اور تہائی حصہ توحید کامل کا اسلامی نظریہ پیش کرتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر کبیر جلد دہم تفسیر سورۃ کافرون کے آخر میں فرماتے ہیں!

”خلاصہ کلام یہ کہ سورۃ کافرون میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ سبق سکھایا ہے کہ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی شریعت ہر طرح سے اکمل اور اعلیٰ ہے۔ان کے عبادت کے طریق دوسرے مذاہب کی عبادت کے طریقوں سے افضل ہیں۔ان کا معاشرہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ ان کے حکومت کے اصول بہترین ہیں۔ ان کا نظام جماعت نہایت عمدہ ہے اور ان کا مقصد حیات نہایت ہی مبارک ہے۔پس ان باتوں کے حامل شخص کا فرض ہے کہ وہ ہر موقعہ پر کفر کے سامنے ڈٹ جائے اور اسلام

کی فضیلت کو ثابت کرے اور کبھی کسی رنگ میں بھی کفر سے مرعوب اور متاثر نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پس مسلمان کا اس معاملے میں دوسروں سے علیحدہ ہونا ضد کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ بنی نوع انسان کی خیرخواہی اور ترقی کے لئے ہوگا۔“

☆☆☆

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ نصر۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چار آیات ہیں

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ کے میدان میں نازل ہوئی۔ (درمنثور) اور اس کے بعد حضورﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔فرمایا کہ شاید آئندہ سال میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا۔(جامع ترمذی۔ بیہقی۔ ابن مردویہ) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ قرآن کی آخری سورۃ ہے ۔یعنی اس کے بعد قرآن کریم کی کوئی مکمل سورۃ نازل نہیں ہوئی۔ (صحیح مسلم ۔سنن نسائی ۔طبرانی ۔ ابن مردویہ) روایت میں ہے کہ اس سورۃ کے نزول پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئے کہ آپﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میں حکم دیتاہوں کہ آج سے سب لوگوں کی کھڑکیاں جو مسجد میں کھلتی ہیں بندکردی جائیں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے۔(بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ اس سورۃ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی (۸۰)دن زندہ رہے ۔گویا یہ سورۃ آنحضرتﷺ کی وفات کے بالکل قریب نازل ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں !''ایک حدیث میں آیاہے کہ یہ سورۃ ربع قرآن ہے یعنی قرآن شریف کی چوتھائی کے برابر ہے یہ فضیلت بلحاظ اس شاندار پیشگوئی کے معلوم ہوتی ہے جس پر وہ مشتمل ہے ۔اور بلحاظ ان احکام تسبیح اور تحمید اور استغفار کے ہے جو کہ انسان کو اپنے کمال تک پہنچانے کے واسطے کمال درجہ کے ہتھیار ہیں۔''(ضمیمہ اخبار ، بدر قادیان ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء)قرآن کریم میں جب بھی فتح کا ذکر آیا تو ساتھ ہی تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم ہے۔ اس لئے کہ جب فوج درفوج لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو ان سب کی تربیت کا کام انسانی طاقت سے بالاتھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم ہے۔کہ وہ ربّ جس نے اس قدر کامیابی دکھائی اس کی تسبیح وتحمید کر اور اپنی بشری کمزوری پر پردہ پوشی طلب کر۔ تا اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی تربیت فرمائے اور آنحضرتﷺ کی پردہ پوشی فرمائے۔(تشریح کے لئے سورۃ الفتح :۳۔۴)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۲ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ

جب آویگی مدد خدا کی اور فتح اور دیکھے گا تو لوگوں کو داخل ہوتے ہیں

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۳ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ

دین الٰہی میں فوج در فوج تو تسبیح کر ساتھ حمد اپنے رب کی اور بخشش مانگ اس سے

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۴

یقیناً وہ ہے رجوع برحمت ہونیوالا

ع ۱ ۴ ۲۵

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۴۔**تسبیح** سے مراد پاکی بیان کرناہے۔یعنی اللہ کو ہرلحاظ سے پاک قرار دینا۔حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر ہے۔ غفر ڈھانپنا ہے۔اس سورۃ میں سورۃ کوثر کی ہی مزید تشریح ہے اور فتوحات کی صورت جو انعامات نازل ہوئے ان کا بیان ہے اور بتلایا کہ یہ وقت اللہ کے شکر اور استغفار کا ہوگا تا اللہ تعالیٰ کمزوریوں سے بچائے اور پردہ پوشی فرمائے۔ اس سورۃ میں اوّل ان فتوحات کا ذکر ہے جو آپﷺ کی حیات مبارکہ میں آپﷺ کو مل چکی تھیں۔فتح مکہ کے بعد تمام عرب کے گوشے کوشے سے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے جو اسلام قبول کرکے آپﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت سے مشرف ہوتے۔جب آپ ۱۰ ھ میں حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت پورا عرب آپﷺ کے زیرنگیں ہوچکاتھا۔ملک میں کوئی مشرک نہ بچاتھا اور آپﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار زائرین کے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا۔ آپﷺ کی بعثت کا مقصد تکمیل دین تھا سو وہ پورا ہوگیا۔ نبی کے کام کی تکمیل گویا اس کی وفات کا پروانہ ہوتی ہے۔آپﷺ کی آمد اس وقت ہوئی جب زمانہ ظہر الفساد فی البرّ والبحر۔ (روم:۴۲) کا نظارہ پیش کررہاتھا اور دنیا میں سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔اور اس دنیا سے رحلت اس وقت فرمائی جب **اذاجآء نصراللّٰہ والفتح** کی سندآپﷺ کو مل گئی۔قرآن کریم نے اوّل المومنین کو **رضی اللّٰہ عنھم و رضواعنہٗ** ط (البینۃ :۹) میں داخل کیا۔ بعد میں فوج درفوج آنے والے مومنوں کو الناس کہہ کرپکارا ۔ اس لئے کہ وہ ان کے مقام کو حاصل نہ کرسکے۔ پھربھی خوش قسمت ہیں کہ قرآن کریم میں ان کی طرف اشارہ کرکے بتلایا گیا کہ وہ دین اللہ میں داخل ہونے والے لوگ ہیں۔

اس سورۃ میں آپ ﷺ کی وفات کی خبر تھی اور وفات کے بعد کے زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں تھیں گویا آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ فتوحات جو آپ ﷺ کو حاصل ہوئی ہیں ان کا سلسلہ آپ ﷺ کی حیات تک محدود نہیں بلکہ آئندہ بھی ان کا سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ کو شکست ہوئی۔ اور مصر، شام، فلسطین اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں مسلمان افواج نے خراساں، افغانستان اور سندھ تک قبضہ کرلیااور شمالی افریقہ کے علاقے طرابلس تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ فتح کئے اور یورپ کی سرحد تک مسلمان پہنچ گئے۔ پس فوج درفوج لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا اس چیز کا مقتضی تھا کہ ان نومسلموں کے لئے دعا کرنی چاہیئے تاان کی صحیح تربیت ہو اور اسلام میں کسی خرابی کی بنیاد نہ پڑے اور اگر پہلے مومنوں میں یانئے آنے والوں میں کوئی خرابی پیدا ہوتو اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کا سامان کرے۔ کیونکہ فتوحات سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ٹھوکر لگنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ ”یہاں استغفار کے معنے خدا وند تعالیٰ سے قوت طلب کرنا ہے تاکہ وہ روحانی منزل کے طے کرنے میں طاقت بخشے۔“(تفسیر حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام جلد چہارم صفحہ ۱۹۳) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں! تسبیح اللہ تعالیٰ کی جلالی صفات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ تمام بدیوں سے منزّہ اور بے عیب اور پاک ذات ہے تم بھی اس کی تسبیح کرو اوراس کی تحمید کرو کہ وہ تمام حمد کا مالک ہے اور سچی تعریف اسی کے لائق ہے۔ اس کے بعد استغفار ہے جو انسان کو اپنے قصور نفس اورکمزوری کی طرف توجہ دلاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بخشش کی طرف انسان کو کھینچتا ہے اس کے سوا انسان کا گزارہ نہیں اور انسان کے نفس کو کامل کرنے والی وہی ذات پاک ہے جس کے ساتھ سچے اور خالص تعلق کے ذریعہ انسان بدیوں سے نجات پاسکتا ہے اور نیکیوں کے حصول کی اس کو توفیق ملتی ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! حمد شکر کا سرچشمہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الدعوات)

واستغفرہُ میں بتلایا کہ جب تک آپ ﷺ دنیا میں رہے آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داری کو نبھایا آپ ﷺ امت کی تربیت اور ان کے تزکیہ نفس میں کوشاں رہے لیکن جب آپ ﷺ اپنے ربّ کے پاس پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ خود امت کا کفیل ہوجائے گا پس آپ ﷺ کو فکر کی ہرگز ضرورت نہیں۔آپ ﷺ وہ کام کیجئے جو آپ ﷺ کی استطاعت میں ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ

دعاؤں میں لگ جائیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور ان کی نصرت کرتا رہے۔ مومنوں کو اسلام میں داخل ہونے والی نئی قوموں کے بد اثرات سے بچائے اور نئے داخل ہونے والوں کی بھی خود ہی تربیت کا سامان کرے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں ۔” غور کرو حفاظت طلب کرنے کا حکم اس عظیم الشان کو ہوتا ہے جو خاتم الانبیاء اصفی الاصفیاء سیدّ ولدِ آدم ہے صلی اللہ علیہ وسلم ۔تو پھر اور کون ہے جو طلبِ حفاظت سے غنی ہوسکتا ہے۔ مایوس اور ناامید مت ہو۔ ہر کمزوری ، غلطی، بغاوت کے لئے دعا سے کام لو۔ دعا سے مت تھکو۔“(الحکم ۷ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۶۔۷)روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے مطابق دعا کرنی شروع کردی تھی اور واقعات بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آپ ﷺ کے بعد جس قدر فتنے پیدا ہوئے ان سب کی اصلاح کردی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بعض جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوئے، بعض قبائل مرتد ہوگئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان تمام فتنوں کا سدّ باب کیا ، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر مجددین کے ذریعہ ایساانتظام فرمایا کہ ہر فتنے کے پیدا ہونے پر اس کی اصلاح ہوجائے۔ آخر چودھویں صدی کے عظیم فتنہ کے لئے حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کے لئے محنت وریاضت کرنے میں اس قدر شدّت کے ساتھ مشغول ہوگئے جتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ (نسائی۔ طبرانی۔ ابن مردویہ) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ سورۃ نصر کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس میں **فسبح بحمد ربّک واستغفرہُ** ط کے ارشاد قرآنی کی تعمیل میں یہ دعا پڑھتے **سبحانکَ ربّنا وبِحَمدِکَ اللّٰھُمَّ اغفرِلي** ۔ پاک ہے تو اے ہمارے ربّ! اپنی تعریف کے ساتھ۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ النصر حدیث نمبر ۴۵۸۵)درمنثور میں ہے کہ سورۃ نصر کے نزول پر اللہ تعالیٰ کے حکم **سبحّ بحمد ربّک واستغفرہُ** ط کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعائیہ کلمات اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پڑھا کرتے تھے۔ **سُبحانکَ اللّٰھُمَّ وبحمدِکَ اَستَغفِرُکَ وَاَتُوبُ اِلَیکَ**۔ یعنی اے اللہ میں تیری تسبیح کرتا ہوں اور تیری ذات میں سب خوبیوں کے ہونے کا اقرار کرتا ہوں اور تجھ سے بشری کمزوری پر پردہ پوشی چاہتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ سورۃ **اذاجاء نصراللّٰہ والفتح** نازل ہونے کے بعد جب بھی آپ ﷺ نماز پڑھتے تو اس میں کثرت سے یہ دعا مانگتے۔

سُبحَانَ اللّٰهِ وَالحمدُ للّٰهِ اَستَغفرُ اللّٰه ۔(بخاری) اے ہمارے پروردگار! تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اے میرے اللہ! تو مجھے بخش دے۔(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلد دہم تفسیر سورۃ النصر سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

☆☆☆

سُورَةُ اللّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الھب ۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چھ آیات ہیں

یہ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے۔ تفسیر اتقان میں علامہ سیوطی نے جو ترتیبِ نزول مختلف راویوں سے بیان کی ہے۔اس میں سورۃ اللّھب کو پانچویں نمبر پر رکھا ہے۔ ان کی تحقیق میں سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی پھر نون والقلم پھر مزمّل پھر مدثر پھر سورۃ اللّھب۔ (اتقان النوع الاوّل فی معرفۃ المکی والمدنی)

اس سورۃ میں آخری زمانہ کے متعلق عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں ۔ مضمون کے لحاظ سے یہ قرآن کریم کی آخری سورۃ ہے کیونکہ اس کے بعد کی تین سورتوں میں قرآن کریم کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۲﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

ہلاک ہوویں دونوں ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہوا وہ نہ کام آیا اس کے اس کا مال

وَمَا كَسَبَ ﴿۳﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۴﴾ وَّامْرَاَتُهٗ

اور جو کچھ اس نے کمایا عنقریب داخل ہوگا آگ شعلہ والی میں اور بیوی اس کی

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۵﴾ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۶﴾ ع ۱ ۳۹

اٹھانیوالی ہے لکڑیوں کو اس کی گردن میں رسی ہے پوست کھجور کی

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہارحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والااور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۶ ۔**تبت۔ التّبُّ** مسلسل خسارے میں رہنا ہے ۔ **تَبَّ** وہ ہلاک ہوا۔ **تبَّت** ۔ وہ ہلاک ہوئی۔عربی میں دو اعضاء مونث ہیں ایک مذکر۔ جیسے ہاتھ مونث ہیں ناک مذکر۔ یہاں ہاتھ مونث کے صیغہ میں آئے ہیں۔**ید**۔ہاتھ۔عزت و مرتبہ۔قوت و طاقت۔بادشاہت اور غلبہ۔ احسان اورنعمت۔(اقرب) **ابّ**۔ باپ۔ جوکسی چیز کے وجود میں لانے، ایجاد کرنے یا ظاہر کرنے کا سبب ہو۔**لھب** ۔آگ کا شعلہ ۔ (اقرب) ابولہب کے معنے ایسی چیزوں کا موجد جو آگ کو بھڑکائیں۔(اقرب) **حطب**۔ ایندھن ۔لکڑیاں۔ کانٹے ۔ **حمّالۃ الحطب** ۔ایندھن اٹھانے والی۔ چغلخور عورت۔ **جید**۔ گردن ۔عورت کی گردن پر زیادہ بولا جاتا ہے ۔وہ گردن جس پر ہار پہنا ہوا ہو۔ **مسد** ۔ کھجور کی چھال (اقرب)**حبلٌ مّن مَسد**۔کھجور کی چھال کا مضبوطی سے بٹا ہوا رسّہ۔ قرآن کریم میں عظیم الشان پیشگوئیوں کو ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیاہے گویا ہو ہی چکی ہیں۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک لمبی حدیث ہے جومختصر یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی **وانذرعشیرتک الاقربین** (الشعراء :۲۱۵) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے یہاں تک کہ صفا پر چڑھ گئے اور تب آپﷺ نے (مختلف قبیلوں کو) پکارنا شروع کیا ۔جب سب جمع ہوگئے تو آپﷺ نے فرمایا! کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ ایک رسالہ اس پہاڑ کے نیچے سے نکل کرتم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے۔ سب نے کہا ہم نے کبھی تجھ سے جھوٹ نہیں دیکھا تو آپﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک اہم خبر سناتا ہوں کہ میں اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیاہوں اور تمہیں عذابِ شدید سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب

بھڑک اٹھااور کہا **تبًّا لک ماجمعتنا الا لھٰذا** تو ہلاک ہوتو نے ہمیں صرف اس لئے جمع کیاتھا بعض روایات میں ہے کہ اس نے ایک پتھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھاکر آپﷺ پر پھینکنا چاہا ،تب یہ سورۃ نازل ہوئی (روح المعانی) اور وہی بددعا بالآخر الٹ کر اسی پر پڑی اور وہ دنیا میں ذلیل ہوکر ہلاک ہوا۔ابی لھب عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی کنیت ہے۔مقاتل سے مروی ہے کہ اس کی یہ کنیت اس وجہ سے تھی کہ اس کا چہرہ سرخ وسفید تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ابولہب کے لفظ سے اس کی کنیت مراد نہیں جس کے ساتھ وہ مشہور تھا بلکہ اس سے اس کے دوزخی ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔(روح المعانی) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا اور آپﷺ کا قریب ترین ہمسایہ تھا۔ دونوں گھروں کی دیوار مشترکہ تھی۔ یہ اور بعض دوسرے ہمسائے ہمیشہ آنحضرتﷺ کی ایذا دہی کے درپے رہتے۔ ان بدبختوں نے آپ کا اپنے گھر میں اور گھر سے باہر جینا دوبھر کیا ہوا تھا۔ یہ لوگ آپﷺ کے گھر میں اور دروازے پر گند اور غلاظت پھینک دیتے۔ حضورﷺ باہر نکل کر فرماتے ’’اے بنی عبدمناف یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟

طارق بن عبداللہ المحاربیؓ کی روایت ہے کہ میں نے ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہتے جاتے ہیں کہ’’ لوگو ! لاالٰہ الا اللہ کہو۔ فلاح پاؤگے۔‘‘اور پیچھے ایک شخص ہے جو آپﷺ کو پتھر مار رہاہے ۔یہاں تک کہ آپﷺ کی ایڑیاں خون سے تر ہوگئی ہیں۔اور وہ کہتا جاتا ہے کہ’’ یہ جھوٹا ہے ۔اس کی بات نہ مانو۔‘‘ میں نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ ان کا چچاہے۔(جامع ترمذی)ابولہب کی بیوی ام جمیل جو ابوسفیان کی بہن تھی وہ راتوں کو خاردار جھاڑیاں آپﷺ کے دروازے پر پھینک دیتی تاکہ صبح سویرے جب آپﷺ باہر نکلیں تو پاؤں زخمی ہوں (بیہقی ۔ابن ابی حاتم۔ ابن جریر) حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور امّ جمیل نے اس کو سنا تو وہ بپھری ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی ۔اس کے ہاتھ میں مٹھی بھر پتھر تھے۔ (دوسری روایت میں ہے کہ رسی تھی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئی۔ حرم میں رسول اللہﷺ کے پاس حضرت ابوبکرؓ بیٹھے تھے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہﷺ یہ آرہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپﷺ کو دیکھ کر یہ کوئی بیہودگی کرے گی۔ آپﷺ نے فرمایا ! یہ مجھ کو نہ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس کی نظر حضرت ابوبکرؓ پر پڑی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکرؓ سے کہا میں نے سنا ہے تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے ۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا انہوں نے تیری ہجو نہیں کی۔اس پر وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس چلی گئی۔(ابن ابی حاتم ۔سیرۃ ابن ہشام)

حضرت صدیق اکبر نے سچ کہا سورۃ تبّت کلام خدائے علیم و حکیم ہے نہ کہ کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ام کلثومؓ اور رقیہؓ ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں کو کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوا دی۔ اس کا ایک بیٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ہلاک ہوا اور دوسرے نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرکے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

ابولہب مخالفین اسلام کی صفِ اوّل میں تھا۔ وہ بدر کی جنگ میں شامل نہیں تھا مگر جب قریش کی شکست کی خبر مکہ میں پہنچی تو اسے شدید صدمہ ہوا اور چند دن کے بعد ہی طاعون کی طرح کی مکروہ بیماری میں مبتلا ہوا اور نہایت ذلت کی موت مرکر اپنے ان ساتھیوں سے جاملا جو بدر میں مارے گئے تھے۔ (سیرت ابن ہشام ۔باب بلوغ مصاب قریش الی مکۃ جلد اوّل صفحہ ۶۴۷) مرض دوسروں کو لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا۔ یہاںتک کہ اسی بے کسی کی حالت میں مرگیا اور تین روز تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی جب سڑنے لگی تو حبشیوں سے اٹھوا کر دبوا دیا۔ انہوں نے لکڑی سے لاش کو گڑھے میں ڈال دیا اور اوپر سے پتھر بھر دیئے (بیان القرآن بحوالہ روح) ام جمیل کا انجام بھی عبرتناک تھا۔ اس کی گردن کے لئے جید کا لفظ استعمال کیا گیا۔ حسن بصریؒ اور قتادہؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک بہت قیمتی ہار گردن میں پہنتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ لات وعزّیٰ کی قسم میں اپنا ہار بیچ کر اس کی قیمت محمدؐ کی عداوت پر خرچ کروں گی۔

اس سورۃ میں عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ نہ صرف ابولہب ہلاک ہوگا بلکہ اس کی بیوی بھی گلے میں پھندہ پڑجانے سے ہلاک ہوگی۔ یہ عورت چغلخور اور کنجوس تھی۔ خود لکڑیاں لینے جنگل میں جاتی ۔ایک وزنی لکڑیوں کا گٹھا رسی سے باندھ کر پشت پر اٹھانے لگی تو رسی کا پھندہ اتفاقاً پھسل کر گلے میں آ گیا۔ اس سے اپنی گردن نہ چھڑا سکی اور گلا گھٹ کر مرگئی اور اس کی سرکش گردن جو قیمتی ہار پہنے رہتی تھی ذلت و رسوائی کی رسیوں میں جکڑی گئی۔ قرآن کریم کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور ابولہب اور اس کی بیوی کی ہلاکت پر مہر ثبت کرگئی۔ یدَا میں بیٹوں اور ساتھیوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جو تباہ و برباد ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر کبیر جلد دہم تفسیر سورۃ اللھب میں فرماتے ہیں۔ کہ اس سورۃ کا تعلق سورۃ کوثر سے بھی ہے ۔سورۃ کوثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو وعدے کئے گئے تھے ۔اوّل کثرتِ جماعت اور کثرتِ انعامات کا وعدہ دوم دشمنوں کی تباہی کا وعدہ۔ پہلے وعدہ

کے پورا ہونے کا ذکر سورت نصر میں کیا گیا ہے۔ دشمنوں کی تباہی کا ذکر سورۃ لھب میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں! ابولھب مخالفت میں کئی دشمنوں سے ادنیٰ تھا۔ ابوجہل جس کا نام ابوالحکم تھا، اور عتبہ اور شیبہ وغیرہ اس سے بہت بڑھے ہوئے تھے ۔ پس ابولھب کے لفظ میں صرف ابولھب ہی مراد نہیں بلکہ آپ ﷺ کے دیگر شدید دشمنوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو آپ ﷺ کے خلاف لڑائی پر لوگوں کو اکساتے تھے اور فتنہ کی آگ بھڑکاتے تھے۔

اس سورۃ میں خاص طور پر آخری زمانہ کا ذکر ہے اور ایک ایسی قوم کا ذکر ہے جو رسول اللہ کے خلاف یا اسلام کے خلاف سخت آگ بھڑکائے گی۔ اس کے لئے ابولھب کا نام نہایت موزوں ہوگا۔ امراتہٗ میں اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوم اپنے ہمسایہ ملکوں کو ساتھ ملائے گی۔ اور وہ گویا اس کے ہاتھ ہوں گے یعنی مددگار ہوں گے ۔ یہ سورۃ بتاتی ہے کہ ان کا اتحاد کام نہ دے گا اور جن ہاتھوں پر امیدیں باندھے ہوئے ہوں گے انہیں ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ توڑ دے گا۔ یہ قوم بظاہر بھی ابولہب سے ملتی ہے کیونکہ ابولہب کی طرح اس قوم کا رنگ بھی سرخ وسفید ہے اور باطنی لحاظ سے بھی ابولہب کہلانے کی زیادہ مستحق ہے کیونکہ آگ کی جنگ کی تیاریاں کررہی ہے۔ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور کئی دیگر خطرناک بم اور تباہ کن ہتھیار تیار کررہی ہے۔ اس سورۃ میں صاف ایٹمی تباہی کی طرف اشارہ ہے جو بڑے شعلوں والی آگ ہوگی۔ (تفصیل سورۃ الھمزہ) افسوس ہر قسم کے دنیوی علوم کا منبع بھی یہی قوم ہے۔ یکے بعد دیگرے متعدد اسلامی ملکوں پر کسی نہ کسی رنگ میں تسلط جمائے ہوئے ہے۔ عراق میں زبردستی گھسے بیٹھے ہیں۔ ترکی اور ایران کے خلاف قطعی بے جواز حملے کے منصوبے تیار ہو رہے ہیں۔ سیصلیٰ نارًا ذات لھب ؀ میں بتلایا کہ ان کی تباہی قریب ہے ۔ تاہم قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب ٹل بھی جایا کرتے ہیں ۔اگر یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں اور سچی توبہ اور استغفار سے کام لیں تو یہ عذاب ٹل بھی سکتا ہے۔

سورۃ نصر میں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ فتوحات کا سلسلہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ تک ہی محدود نہیں ہوگا بلکہ فتوحات کے دروازے آپ کی وفات کے بعد بھی کھلے رہیں گے ۔ یہاں تک کہ اسلام غالب آجائے گا۔ جب اسلام پر مصائب کا وقت آئے گا اور اسلام کو ضرورت ہوگی کہ کوئی شخص اس کشتی کو بھنور سے نکالے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے گا اور کسی ایسے شخص کو کھڑا کردے گا جو امت محمدیہ کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو بحفاظت کنارے پر لے آئے گا اور اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرے گا۔" آخری زمانہ میں دوبارہ محمد عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح (ظلی طور پر) دنیا میں آئے گی اور خدا کی نصرت اور اس کے فضل کو جذب کرے گی اور ملائکہ کی

فوجیں آسمان سے اتر کر کمزوروں کو طاقتور اور سلطنتوں کا وارث بنادیں گی۔ پس کسی مسلمان کے لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیئے اور انتہائی کوشش میں لگے رہنا چاہیئے کہ مناسب اسباب اور ذرائع کے اختیار کرنے سے جلد از جلد وہ مقصد حاصل ہوجائے ۔ اور پورے وثوق کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے جس کی خبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔"

(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلد دہم صفحہ ۵۰۴)

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ خَمْسُ اٰیَاتٍ

سورۃ اخلاص ۔یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی پانچ آیات ہیں

یہ بالکل ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے۔ اس کا نزول دو دفعہ ہوا ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں ۔ اس سورۃ کا نام اس میں لفظاً کہیں موجود نہیں۔ یہ نام اس مناسبت سے ہے کہ اس میں خالص توحید کا ذکر ہے اور اس میں توحید کو ہر آمیزش سے پاک کیا گیا ہے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ سورۃ الاخلاص میں آخری زمانہ کی دہریت اور عیسائیت جیسے فتنوں کو مٹانے اللہ تعالیٰ کے وجود اور احدیت کو ثابت کرنے اور تمام اقوام کو ایک نکتہ مرکزی پر جمع کرنے کا مضمون ہے۔اس کے معارف و حقائق پر ایمان لانے والا شخص دنیا میں شرک سے نجات پائے گا اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ۔یہ سورۃ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اس میں کامل توحید کو پیش کیا گیا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کا ثبوت دیا وہاں شرک کا بھی کلیۃً استیصال کردیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ چھوٹی سی سورۃ قرآن شریف کی ہے جو ایک سطر میں آجاتی ہے لیکن دیکھو کس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ہر قسم کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی گئی ہے ۔۔۔۔۔(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴿۲﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ﴿۳﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ
کہہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے احتیاج ہے نہیں جنا اس نے اور نہ

یُوۡلَدۡ ﴿۴﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۵﴾
وہ جنا گیا اور نہیں ہے اس کی برابری کرنے والا کوئی

ع ۵ ۱۴

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ **اللّٰہ** اسم ذاتی ہے۔ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں اس خالق و مالک کا کوئی ذاتی نام نہیں پایا جاتا۔ اللہ کا نام عربوں میں رائج تھا اور یہ غیر اللہ پر اطلاق نہیں پاتا تھا۔ یہ اسم جامد ہے یعنی نہ اس سے کوئی اور لفظ بنا ہے اور نہ یہ کسی اور لفظ سے بنا ہے۔ اللہ اس ذات پاک کا نام ہے جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ **احد۔ واحد** کے آگے دو تین اور چار وغیرہ آتے ہیں لیکن احد کے معنے اکیلا کے ہیں۔ یکتا۔ گویا احد وہ ہے جس کے ساتھ دوسرے کا تصور نہ ہو۔ جس کے اندر تقسیم نہ ہو۔ آخری اکائی ہو۔ واحد احد میں داخل ہوسکتا ہے۔ احد واحد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ **صمد**۔ وہ ذات جو خود کسی کی محتاج نہ ہو۔ باقی سب اس کے محتاج ہوں۔ وہ جس کی مدد کے بغیر کوئی کام نہ کیا جاسکے۔ صمد کے معنے الرفیع کے بھی ہیں۔ (اقرب) رفیع الدرجات۔ بہت بلند درجات۔ والا۔ غیر محدود۔ **کفوًا**۔ کفو کے معنے مثیل اور برابر کا درجہ رکھنے والے کے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر کبیر جلد دہم میں اس سورۃ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں جو مختصر طور پر یہ ہے! کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ابتدا میں سورۃ فاتحہ کو رکھا اور اس میں اختصاراً ان مضامین کی طرف اشارہ کردیا جو قرآن کریم میں بیان کئے جانے تھے۔ پھر آخر میں سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں سارے قرآن کا خلاصہ بیان کردیا۔ ان تینوں سورتوں میں پہلی کو خالص توحید کے مضمون کے لئے بیان کیا گویا جس غرض کے لئے قرآن نازل ہوا اسے بطور خلاصہ بیان کیا اور ساتھ ہی دو سورتیں دعائیہ رکھ دیں کیونکہ بغیر توحید کا اقرار کئے دعا کامل نہیں۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان تینوں سورتوں میں سورۃ فاتحہ کا ہی خلاصہ ہے۔ ان میں رحمانیت، رحیمیت، مالک یوم الدین اور ولا الضالین کا مضمون بیان ہوا ہے۔ گویا جس طرح

سورۃ فاتحہ سے قرآن کریم کو شروع کیا گیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے ختم بھی گویا سورۃ فاتحہ پر ہی کیا۔ پس جس طرح سورۃ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے یہ سورتیں بھی قرآن کا خلاصہ ہیں۔ اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس خلاصہ کو یاد رکھے، اپنی نسلوں کو اس کی وصیت کرے۔ اور دنیا میں اس کا اعلان کرتا رہے یہاں تک کہ دنیا ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہوجائے۔ اس مقصد کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے قُل کا لفظ آخری سورتوں سے پہلے رکھ دیا جس کے معنے ہیں کہ یہ پیغام ہمارا دوسرے لوگوں تک پہنچا دو۔ لفظ قل کے ذریعہ ہر مسلمان اس بات کا پابند ہوجاتا ہے کہ وہ اس پیغام توحید کو دوسروں تک پہنچائے۔ گویا اس میں تبلیغِ اسلام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پس جماعت احمدیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ دعوت الی اللہ کی طرف توجہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا پیغام ہر جگہ پہنچائیں۔

فرمایا اللہ اکیلا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ صمد ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہی کل مخلوق کا حاجت روا اور پناہ گاہ ہے تو پھر کسی اور ربّ کی حاجت ہی کیا ہے۔ جب وہ باپ ہے نہ بیٹا تو لازماً اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات میں مکمل اور غیر فانی ہے۔ اس کا تمام مخلوق سے خالقیت اور مخلوق کا رشتہ ہے بدنی رشتہ کسی سے نہیں۔ ہاں روحانی رشتہ ہوسکتا ہے اگر ہم علیٰ حد بشریت خود میں اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ عکس کے طور پر ہم ہر صفت کو اپنا سکتے ہیں۔ دائم نہیں۔ جس نے سب سے زیادہ حصہ صفات باری تعالیٰ سے پایا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تھی۔ **اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰل محمدٍ وبارک وسلّم انک حمیدٌ مجیدٌ**۔ جب ایک ہستی پیدا نہیں ہوئی اور نہ اس نے کسی کو پیدا کیا تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید ایسی ہی کوئی اور ہستی بھی موجود ہو۔ اس شبہ کا ازالہ آخری آیت میں کیا کہ یہی نہیں کہ خدا کسی کا بیٹا نہیں یا خدا کا کوئی بیٹا نہیں بلکہ اس کا مماثل اور مشابہ بھی کوئی نہیں۔ یعنی ساری کائنات میں کوئی بھی اپنی صفات، افعال اور اختیارات میں اس سے کسی درجہ بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کی دلیل سورۃ الانبیاء رکوع ۲ میں ہے کہ اگر دو مماثل ہستیاں ہوتیں تو دنیا میں فساد پڑ جاتا۔ ہر کوئی اپنا قانون نافذ کرتا جب کہ دنیا میں ایک ہی قانون جاری وساری ہے جو ایک خدا ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اعظم السور کہا۔ (روح البیان) یہ روایت بھی اس سورۃ کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ (روح البیان) فرشتوں کا نزول عموماً اس صورت میں ہوتا ہے جب اس سورۃ میں

ایسی پیشگوئیاں ہوں جن کو باطل کرنے کے متعلق زبردست قوموں نے زور لگانا ہو۔ ان کے بارہ میں اللہ کی طرف سے ان ملائکہ کو غیبی امداد کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں توحید کا بیان ہے اور تثلیث پر کاری ضرب لگائی گئی ہے اس لئے یہ فرشتے توحید کی حفاظت کے لئے اس سورۃ کے ساتھ اترے کہ جب بھی توحید کے خلاف مختلف فتنے نبرد آزما ہوں۔ تو یہ فرشتے ان کے منصوبوں کو مٹا کر توحید کو قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے اس سورۃ کو قرآن کے آخر میں رکھ کر آخری زمانہ کے سب سے بڑے فتنہ کی نفی کردی جو عیسائیوں میں باپ، بیٹا اور روح القدس کے تصور کے طور پر پایا جاتا ہے۔ گویا سورۃ اخلاص خاص طور پر اس آخری زمانہ میں خداتعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرنے کے لئے اتاری گئی ہے۔ اور یہ تثلیث پر ایک کاری ضرب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مضمون کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ثلث القرآن قرار دیا۔ (حوالہ سورۃ الکافرون میں ہے)

اس سورۃ کی اہمیت اور فضیلت کے مدنظر اس کے متعدد نام مختلف تفاسیر میں مروی ہیں۔ چند ایک بیان کئے جاتے ہیں۔ ۱۔سورۃ التفرید۔ اللہ کے ایک ہونے اور فرد ہونے اور تثلیث وغیرہ کی تردید میں ہے۔ ۲۔سورۃ التجرید۔ اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاثانی ہونے کا اس میں بیان ہے۔۳۔سورۃ التوحید۔ کیونکہ توحید کا ایسا واضح بیان کسی دوسری کتاب میں نہیں۔۴۔ سورۃ الاخلاص۔ کیونکہ یہ انسان کے اندر اخلاص پیدا کرتی ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑتی ہے۔۵۔ سورۃ النجاۃ۔ کیونکہ اس پر پورا یقین رکھنے سے کہ خدا ایک ہے، انسان نجات پاتا ہے۔ ۶۔ سورۃ الولایۃ۔ کیونکہ یہ سورۃ پورے علم اور عمل اور معرفت کا ذریعہ ہو کر انسان کو درجہ ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔۷۔ سورۃ المعرفۃ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کلام کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز میں سورۃ الاخلاص پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اس شخص نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔۸۔ سورۃ الجمال۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ **ان اللّٰہ جمیلٌ ویُحبُّ الجمال**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے جمال کے متعلق جب سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کا احد، صمد، لم یلد ولم یولد ہونا۔ ۹۔سورۃ المقشقشۃ۔ مقشقشۃ کے معنے ہیں بَری کرنے والی۔ یہ سورۃ شرک اور نفاق سے انسان کو بری کرکے خدا تعالیٰ کا خالص بندہ بنا دیتی ہے۔۱۰۔ سورۃ المعوذ۔ احادیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اس سورۃ کے ساتھ آخری دونوں سورتوں کو پڑھ کر ان پر پھونکا اور ہدایت فرمائی کہ ان سورتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پناہ

حاصل کیا کریں۔ ۱۱۔ سورۃ الصمد۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت صمد کا ذکر ہے۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس کا محتاج ہے۔۱۲۔سورۃ الاساس۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی بنیاد **قل ھواللّٰہ احد** پر بنائی گئی ہے یعنی ان کا قیام **قل ھواللّٰہ احد** کی وجہ سے ہے۔ گویا تثلیث کا عقیدہ آسمانوں اور زمین کی بربادی کا موجب ہے۔ (تشریح سورۃ مریم:۹۱۔سورۃ الانبیاء :۲۳) ۔۱۳۔سورۃ لمانعہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں نے تجھے سورۃ اخلاص عطا کی جو عرش کے خزانوں کے ذخیروں میں سے ہے۔ اور عذاب قبر سے بچانے والی ہے ۔۱۴۔ سورۃ المحضرہ۔ کیونکہ اس کے پڑھنے کے وقت فرشتے اس کے سننے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔۱۵۔سورۃ المنفرۃ کیونکہ شیطان کو بھگانے والی ہے۔ (تفسیر رازی) ۔۱۶۔سورۃ البراءۃ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو یہ سورۃ پڑھتا تھا فرمایا تو شرک سے پاک ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سو ۱۰۰ مرتبہ اس سورۃ کو نماز میں یا اس کے علاوہ پڑھا تو وہ آگ سے بری ہوگیا یعنی محفوظ ہوگیا۔ ۱۷۔سورۃ المذکرہ۔ کیونکہ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کی توحید کو یاد دلاتی ہے اور غفلت سے نکالتی ہے۔۱۸۔سورۃ النور۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کا ایک نور ہوتا ہے اور قرآن شریف کا نور **قل ھواللّٰہ احد** ہے۔۱۹۔سورۃ الامان۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توحید کو ماننے والا اللہ کے قلعہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس میں توحید کا ذکر ہے یہ عذاب سے امان دینے والی ہے۔

اس سورۃ کی فضیلت میں مختلف تفاسیر میں متعدد احادیث ہیں۔ چند ایک سورۃ الکافرون کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں۔ (استفادہ فرمائیے) حضرت عبداللہ بن خبیبؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم سورۃ اخلاص اور معوذتین صبح و شام تین بار پڑھا کرو۔ یہ ذکر تجھے ہر شے سے بے نیاز کردے گا اور تمہاری تمام ضرورتوں کا متکفل ہوجائے گا۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب مایقول اذا اصبح۔ حدیث نمبر ۴۴۱۹) ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ فلق۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چھ آیات ہیں

یہ سورۃ مدنی ہے ۔ اس سورۃ اور اس سے اگلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کا مضمون ہے اس لئے یہ دونوں سورتیں معوذتین کے نام سے موسوم ہیں یعنی وہ سورتیں جن کو پڑھ کر ہر قسم کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ان دونوں سورتوں میں آخری زمانہ کے فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔یہ سورۃ بجائے خود ایک جامع سورۃ ہے جس میں چار چیزوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی گئی ہے۔۱۔تمام مخلوقات کے شر سے۔ ۲۔تاریکی کرنے والی اشیاء کے شر سے۔ ۳۔مخالفانہ مخفی تدابیر کرنے والیوں کے شر سے۔ ۴۔ حاسد کے شر سے۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر تھا اس کے ساتھ ان دو سورتوں میں اس فیضان کا تذکرہ ہے جو اللہ کی طرف سے انسان پر وارد ہوئے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۲﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ

کہہ پناہ مانگتا ہوں میں مالک صبح کی برائی سے اس کی جو اس نے پیدا کی اور شر سے اس کی جو

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۵﴾

اندھیرا کرنے والی ہے جب چھا جائے اور شر سے پھونکنے والیوں کی گرہوں میں

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۶﴾ ع ۱ / ۶ / ۳۸

اور شر سے حسد کرنے والے کے جب وہ حسد کرے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا ،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۶۔**العوذ** کے معنے کسی کی پناہ لینا اوراس سے چمٹے رہنا ہے۔ **فلق** کے لفظی معنے پھاڑنے کے ہیں مراد صبح ہے جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔فلق سے مراد تمام مخلوقات بھی ہیں۔ **غاسق** ۔ غسق تاریکی ہے۔غاسق اندھیرا کرنے والا۔ رات۔ غاسق چاند کے معنے بھی دیتا ہے جب وہ تاریک ہوجائے یعنی گہنا جائے۔ (روح البیان) غاسق کے معنے سورج کے بھی ہیں جب اسے گرہن لگے۔ **وقب** کے اصل معنے کسی شے میں داخل ہونا ہے۔ مراد تاریکی چھانا ہے گویا اشیاء اس کے اندر غائب ہوگئیں۔(مفردات) **النّفّٰثٰت** ۔ **نفث** کے معنے پھونکنا ہے جس میں تھوک بھی ہو۔ **النّفّٰثٰت** پھونکنے والیاں عورتیں ہوں یا قومیں۔ **عُقد** جمع عَقدہ کی ہے۔ گرہیں۔ **حاسد** وہ ہے جس نے یہ خواہش کی کہ فلاں کو جو نعمت ملی اُس سے چھن کر اس کو مل جائے۔(اقرب)اس سورۃ میں انسان کے جسمانی فوائد کے واسطے دعا ہے اور مخلوقات کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔اگلی سورۃ میں روحانی فوائد کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر پڑھنے والے کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم شروع کرتے وقت اعوذ پڑھے ۔ (نحل رکوع ۱۲) لیکن قرآن کے شروع میں اعوذ نازل نہیں کیا بلکہ آخر میں معوذتین نازل کیں اور ہر فرد کو ان کے پڑھنے کا حکم دیا۔ معوذتین کو آخر میں رکھنے میں حکمت یہ تھی تا ایسے بابرکت کلام کے بعد ہم پر شیطان حملہ نہ کرے اور ہر قسم کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا تمہیں کچھ پتہ ہے کہ" آج رات مجھ پر کیسی آیات نازل ہوئی ہیں ۔یہ بے مثل آیات ہیں۔ **اعوذ بربّ الفلق** اور **اعوذ بربّ النّاس** "(مسلم ۔ترمذی۔ نسائی۔ مسند امام احمد بن حنبل) اس حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ سورتیں

نازل بھی ایک ساتھ ہوئیں ۔ یہ سورۃ ایک جامع دعا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے نزول کے بعد بہت سے تعوذ کی دعائیں ترک کردی تھیں اور اس کا ورد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور جسم اطہر پر ہاتھ پھیرتے جہاں تک آپ ﷺ کا ہاتھ پہنچتا۔ پس آپ ﷺ جب اس بیماری میں مبتلا ہوئے جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر میں آپ ﷺ کے ہاتھوں پر دم کرتی اور پھر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے جسم مطہر پر پھیرتی۔ (متفق علیہ)

قُل کے پہلے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب وہ بھی اعوذ سے مستثنیٰ نہیں تو امت کے لئے تو بدرجہ اولیٰ حکم ہے۔ عام آدمی کا اعوذ پڑھنا شیطان سے پناہ کے لئے ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعوذ پڑھنا اس لئے ہے کہ آئندہ آپ ﷺ کی امت کے خلاف شیطان کوئی کاروائی نہ کرسکے۔ اس سورۃ میں تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے یعنی جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان میں جو امر کسی انسان کے واسطے موجب تکلیف اور دکھ اور ضرر اور گمراہی ہوسکتا ہے، ان سب سے اللہ تعالیٰ اس کو بچائے اور محفوظ رکھے۔ گویا اس میں دنیا و آخرت کے ہر شر سے استعاذہ شامل ہے۔ پس وہ تمام شرور جن کا ذکر سورۃ فلق اور سورۃ الناس میں کیا گیا ہے، ایسے ہیں جن سے خدا کی امان پانے کا بندہ خاص طور پر محتاج ہے۔ قُل اعوذ بربّ الفلق ۔کہہ میں ربّ الفلق کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس چھوٹی سی آیت میں خوب واضح کردیا کہ میں نے ربّ الفلق سے لو لگائی ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے ۔میں اسی کی پناہ میں آتا ہوں۔ پس خطرات سے محفوظ رہنے کا صحیح طریق یہی ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کے آستانے پر جھکا رہے اور اس کی حفاظت طلب کرے۔سورۃ نصر میں اسلام پر فجر کے طلوع کی خوشخبری تھی من شر ماخلق میں فجر کے طلوع کی خوشخبری کے ساتھ ہی ہر قسم کے شر سے جو خدا نے پیدا کیا، پناہ مانگی گئی ہے خواہ یہ شیطان ہو، جن ہو یا موذی حیوان جیسے سانپ، بچھو شیر وغیرہ۔ اس میں روحانی اور دنیوی شرور سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ اس لئے کہ روحانی ترقیات بھی بعض اوقات ایک کمزور انسان کے لئے ٹھوکر کا باعث بنتی ہیں اور وہ کبر میں مبتلا ہوکر اپنے مقام کو کھو دیتا ہے اور دنیوی فتوحات اور ترقیات کے نتیجہ میں بھی قومیں عام طور پر عیش وعشرت میں مبتلا ہوجاتی ہیں اور تباہی کو دعوت دیتی ہیں ۔ یہاں ان دونوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اس میں یہ خوشخبری بھی دی گئی ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی اسی لئے ان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے کہ تمام مخلوقات کی خیر تو پہنچتی

رہے مگر شر سے اللہ محفوظ رکھے۔ من شر ماخلق میں ایک باریک نقطہ بھی ہے کہ خلق کی کمزوری سے بھی پناہ مانگی گئی ہے یعنی ورثہ کے طور پر یا کسی اور اثر کے تحت اگر کوئی پیدائشی کمزوری یا نقص رہ گیا ہے تو اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے تا یہ کمزوری حصولِ کمال میں روک نہ بنے اور بندہ اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرسکے۔ من شر غاسق اذا وقب۔ رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ رات جب گہری ہوجائے تو وہ شر ہے جس سے پناہ مانگی گئی ہے ۔اندھیرا خدا سے دوری کا نام ہے۔ آج وہی اندھیرے ہیں کیونکہ توحید سے دوری ہوگئی ہے۔پس ہر وہ چیز جو انسان کو ظلمت روحانی یا جسمانی میں ڈالنے والی ہو اس سے پناہ مانگی ۔قل اعوذ بربّ الفلق میں کمال کو حاصل کرنے کی دعا سکھائی گئی ہے ومن شرّ غاسقٍ اذا وقب میں کہا گیا ہے کہ یہ بھی دعا کرو کہ کمال کے بعد تم پر زوال نہ آئے۔ یہ اندھیری رات ایک دفعہ پھر دنیا پر چھائی جو انسان کو روحانی اور جسمانی طور پر اندھیروں میں دھکیلنے والی تھی لیکن اس کڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے امت کی دستگیری فرمائی اور آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق مسیح موعود و مہدی معہود کا مبارک وجود اس امتِ مرحومہ کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا موجب بنا۔ غاسق کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے ثبوت میں مقررہ تاریخوں میں کسوف وخسوف لگنے سے پوری ہوئی۔

ومن شرّ النفّٰثٰتِ فی العُقد ۝ گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں ۔ گرہ میں پھونکنے کا لفظ جادو کے لئے استعارہ ہے عُقد میں دوستی ، تعلقات اور رشتہ داری وغیرہ سبھی قسم کی گرہیں مراد ہیں کہ اس میں دوسرا رخنہ نہ ڈالے۔ جادوگر لوگ جدائی ڈلوانے یا دکھ پہنچانے کے لئے تاگوں میں گرہیں ڈال کر پھونکتے ہیں۔ ان کا طریق کار اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی خفیہ ذریعہ سے اس قسم کی دوائی اس شخص کو کھلا دیتے ہیں جس سے وہ بیمار ہوجاتا ہے ، پھر اس کا تریاق بھی جانتے ہیں جس سے جادو کے اثر کو کلعدم قرار دے کر اپنی چاندی بناتے ہیں۔ تاہم جادو میں دوسرے شخص پر اثر ڈالنے کے لئے شیاطین ، ارواحِ خبیثہ یا ستاروں کی مدد بھی مانگی جاتی ہے اس لئے بالاتفاق حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات ایسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کی آخرت کو برباد کردینے والے ہیں ۔(بخاری ومسلم بروایت حضرت ابوہریرہؓ) حقیقت تو یہی ہے کہ دنیا و آخرت کا ہر نفع نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو ایک ذرہ نفع یا نقصان پہنچانے کا مجاز نہیں ۔دنیا و آخرت کی تمام آفات و بلیّات سے محفوظ رہنے کا ذریعہ یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو کلیۃً اللہ کی پناہ میں دے دے۔

نازل بھی ایک ساتھ ہوئیں ۔ یہ سورۃ ایک جامع دعا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے نزول کے بعد بہت سے تعوذ کی دعائیں ترک کردی تھیں اور اس کا ورد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور جسم اطہر پر ہاتھ پھیرتے جہاں تک آپ ﷺ کا ہاتھ پہنچتا۔ پس آپ ﷺ جب اس بیماری میں مبتلا ہوئے جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر میں آپ ﷺ کے ہاتھوں پر دم کرتی اور پھر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے جسم مطہر پر پھیرتی۔ (متفق علیہ)

قُل کے پہلے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب وہ بھی اعوذ سے مستثنٰی نہیں توامت کے لئے تو بدرجہ اولیٰ حکم ہے۔ عام آدمی کا اعوذ پڑھنا شیطان سے پناہ کے لئے ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعوذ پڑھنا اس لئے ہے کہ آئندہ آپ ﷺ کی امت کے خلاف شیطان کوئی کاروائی نہ کرسکے۔ اس سورۃ میں تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے یعنی جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان میں جو امر کسی انسان کے واسطے موجب تکلیف اور دکھ اور ضرر اور گمراہی ہوسکتا ہے، ان سب سے اللہ تعالیٰ اس کو بچائے اور محفوظ رکھے۔ گویا اس میں دنیا و آخرت کے ہو شر سے استعاذہ شامل ہے۔ پس وہ تمام شرور جن کا ذکر سورۃ فلق اور سورۃ الناس میں کیا گیا ہے، ایسے ہیں جن سے خدا کی امان پانے کا بندہ خاص طور پر محتاج ہے۔ قُل اعوذ بربّ الفلق ۔کہہ میں ربّ الفلق کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس چھوٹی سی آیت میں خوب واضح کردیا کہ میں نے ربّ الفلق سے لو لگائی ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے ۔میں اسی کی پناہ میں آتا ہوں۔ پس خطرات سے محفوظ رہنے کا صحیح طریق یہی ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کے آستانے پر جھکا رہے اور اس کی حفاظت طلب کرے۔سورۃ نصر میں اسلام پر فجر کے طلوع کی خوشخبری تھی من شر ماخلق میں فجر کے طلوع کی خوشخبری کے ساتھ ہی ہر قسم کے شر سے جو خدا نے پیدا کیا، پناہ مانگی گئی ہے خواہ یہ شیطان ہو ، جنّ ہو یا موذی حیوان جیسے سانپ، بچھو شیر وغیرہ۔ اس میں روحانی اور دنیوی شرور سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ اس لئے کہ روحانی ترقیات بھی بعض اوقات ایک کمزور انسان کے لئے ٹھوکر کا باعث بنتی ہیں اور وہ کبر میں مبتلا ہوکر اپنے مقام کو کھو دیتا ہے اور دنیوی فتوحات اور ترقیات کے نتیجہ میں بھی قومیں عام طور پر عیش وعشرت میں مبتلا ہوجاتی ہیں اور تباہی کو دعوت دیتی ہیں ۔ یہاں ان دونوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اس میں یہ خوشخبری بھی دی گئی ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی اسی لئے ان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے کہ تمام مخلوقات کی خیر تو پہنچتی

رہے مگر شر سے اللہ محفوظ رکھے۔ من شر ماخلق میں ایک باریک نقطہ بھی ہے کہ خَلق کی کمزوری سے بھی پناہ مانگی گئی ہے یعنی ورثہ کے طور پر یا کسی اور اثر کے تحت اگر کوئی پیدائشی کمزوری یا نقص رہ گیا ہے تو اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے تا یہ کمزوری حصول کمال میں روک نہ بنے اور بندہ اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرسکے۔ من شر غاسق اذا وقب۔ رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ رات جب گہری ہوجائے تو وہ شر ہے جس سے پناہ مانگی گئی ہے ۔ اندھیرا خدا سے دوری کا نام ہے۔ آج وہی اندھیرے ہیں کیونکہ توحید سے دوری ہوگئی ہے۔پس ہر وہ چیز جو انسان کو ظلمت روحانی یا جسمانی میں ڈالنے والی ہو اس سے پناہ مانگی ۔قل اعوذ بربّ الفلق میں کمال کو حاصل کرنے کی دعا سکھائی گئی ہے ومن شرّ غاسقٍ اذاوقب میں کہا گیا ہے کہ یہ بھی دعا کرو کہ کمال کے بعد تم پر زوال نہ آئے۔ یہ اندھیری رات ایک دفعہ پھر دنیا پر چھائی جو انسان کو روحانی اور جسمانی طور پر اندھیروں میں دھکیلنے والی تھی لیکن اس کڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے امت کی دستگیری فرمائی اور آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق مسیح موعود و مہدی معہود کا مبارک وجود اس امت مرحومہ کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا موجب بنا۔ غاسق کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے ثبوت میں مقررہ تاریخوں میں کسوف وخسوف لگنے سے پوری ہوئی۔

ومن شرّ النّفّٰثٰتِ فی العُقد ○ گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں ۔ گرہ میں پھونکنے کا لفظ جادو کے لئے استعارہ ہے عُقد میں دوستی ، تعلقات اور رشتہ داری وغیرہ سبھی قسم کی گرہیں مراد ہیں کہ اس میں دوسرا رخنہ نہ ڈالے۔ جادو گر لوگ جدائی ڈلوانے یا دکھ پہنچانے کے لئے تاگوں میں گرہیں ڈال کر پھونکتے ہیں۔ ان کا طریق کار اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی خفیہ ذریعہ سے اس قسم کی دوائی اس شخص کو کھلا دیتے ہیں جس سے وہ بیمار ہوجاتا ہے ، پھر اس کا تریاق بھی جانتے ہیں جس سے جادو کے اثر کو کلعدم قرار دے کر اپنی چاندی بناتے ہیں۔ تاہم جادو میں دوسرے شخص پر اثر ڈالنے کے لئے شیاطین ، ارواحِ خبیثہ یا ستاروں کی مدد بھی مانگی جاتی ہے اس لئے بالاتفاق حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات ایسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کی آخرت کو برباد کردینے والے ہیں ۔(بخاری ومسلم بروایت حضرت ابوہریرہؓ) حقیقت تو یہی ہے کہ دنیا و آخرت کا ہر نفع نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو ایک ذرہ نفع یا نقصان پہنچانے کا مجاز نہیں ۔دنیا و آخرت کی تمام آفات و بلیات سے محفوظ رہنے کا ذریعہ یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو کلیۃً اللہ کی پناہ میں دے دے۔

اور اپنے عمل سے خود کو اس کی پناہ میں آنے کا اہل ثابت کرے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ایک لمبی حدیث ہے جس میں بتایا کہ آپ ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا اور آپ ﷺ کچھ چیزیں بھولنے لگ گئے لیکن نماز وغیرہ کبھی نہ بھولے تا اینکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی اور آپ ﷺ نے اپنے بال اور کنگھی وغیرہ ایک کنوئیں سے نکلوا کر دفن کروا دی اور وہ اثر ختم ہوگیا۔ آپ ﷺ پر جادو نہ ہونے کی ایک ظاہر دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہنا قرآن کریم میں کفار کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے باربار ردّ فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واللّٰہ یعصمک من الناس** (المائدہ:۶۸) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی یہودی کا جادو آپ پر چل گیا ہو۔ نیز ایسی تمام احادیث کا راوی ایک شخص ہشام ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اتنے بڑے واقعہ کو کوئی دوسرا صحابی نہ جانتا ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تفسیر کبیر جلد دہم صفحہ ۵۴۲ میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جادو بھی مسمریزم کی ہی ایک قسم ہے جس میں دوسرے پر توجہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر بھی ان کا اثر پڑا لیکن خداتعالیٰ نے حقیقت ظاہر کردی اور آپ ﷺ نے ان چیزوں کو دفن کرادیا تو یہودیوں کی وہ توجہ ہٹ گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صحت عطا فرمائی۔

یہاں مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس سے مراد عورتیں یا قومیں ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ ایک تاریک زمانہ اور عورتوں کی مکاری کی خبر دے رہی ہے۔۔۔۔۔۔اخیر میں اس گروہ کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں اس گروہ کا غلبہ ہوگا جن کے ساتھ **نفّٰثٰت فی العقد** ہوں گی یعنی ایسی عیسائی عورتیں جو گھروں میں پھر کر کوشش کریں گی کہ عورتوں کو خاوندوں سے علیحدہ کریں اور عقدِ نکاح کو توڑیں۔ یہ تینوں سورتیں قرآن شریف کی، دجالی فتنہ کی خبر دے رہی ہیں اور حکم ہے کہ اس زمانہ سے خدا کی پناہ مانگو تا اس شر سے محفوظ رہو۔ (ایام صلح صفحہ ۶۲)

اس سورۃ میں آخری زمانہ کی اسلام دشمن قوموں کی طرف بھی اشارہ ہے جو مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور انہیں زوال سے ہمکنار کرنے کے لئے خفیہ تدابیر کریں گی۔ اور ایسا ان کے حسد کی وجہ سے ہوگا۔ اس لئے آخر میں حاسد کے حسد سے پناہ مانگی گئی ہے خواہ یہ فرد ہو یا قوم۔ حاسد کی خواہش ہوتی ہے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہے وہ اُس سے چھن کر اسے مل جائے۔ بسا اوقات وہ اس حسد میں اس شخص کو نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کرتا ہے جس کو اس نعمت کا مالک سمجھتا ہے گویا اس کی لڑائی اللہ سے ہوتی ہے کہ میری بجائے اس شخص یا قوم کو کیوں نوازا۔ اس لئے

اکثر اللہ کے عتاب کے نیچے آتا ہے۔ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا۔ کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر آدمؑ کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا۔ (قرطبی) لفظ حاسد کو اس جگہ نکرہ رکھا معرفہ نہیں رکھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ حسد ہمیشہ بُرا نہیں ہوتا۔ کسی کی اچھی چیز کو اچھا سمجھنا اور خود بھی اپنے ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا غبطہ یا رشک کہلاتا ہے اور مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر نیکیوں کے حصول کے لئے حسد کیا جائے تو یہ حسد محمود ہے۔ حسد سے پناہ مانگنا بتلاتا ہے کہ اسلام کی ترقی ہوگی اور اس کے حاسد پیدا ہوں گے۔ پس ہر ترقی کے وقت زیادہ سے زیادہ اللہ کی پناہ میں آنے کی دعا کرو۔ اگر اللہ سے تعلق جوڑے رکھو گے تو وہ تمہیں حاسد کے شر سے بچائے گا۔ احادیث میں ان تینوں سورتوں کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الاخلاص اور معوذتین کو ملا کر وتر کی آخری رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ (درمنثور) ابن مردویہ نے حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ دو سورتیں ہیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔ بخاری۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت اپنے بستر پر آرام فرماتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے اور سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تلاوت فرماتے اور ہتھیلیوں پر پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک سارے جسم پر مل لیتے اور یہ فعل تین بار کرتے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی دوسری حدیث میں یہ بھی زائد ہے کہ دونوں ہاتھ پہلے سر اور منہ پر پھیرتے پھر بدن کے اگلے حصہ پر پھر باقی حصہ جسم پر۔ (بخاری و مسلم) نیز حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص ان دونوں سورتوں کو سورۃ الاخلاص سے ساتھ ملا کر صبح و شام پڑھے گا اس کے لئے یہ کافی ہوجائیں گی اور اس کی ضرورت پوری ہوگی اور دکھ درد سے محفوظ رہے گا۔

(تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلد دہم۔ ''تفسیر سورۃ الفلق'' سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

سُوْرَۃُ النَّاسِ مَدَنِيَّۃٌ وَّہِیَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ سَبْعُ اٰیَاتٍ

سورۃ ناس ۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی سات آیات ہیں

نزول اس سورۃ کا اور اس سے پہلی سورۃ کا ایک ہی وقت ہوا اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں مختلف شرور سے استعاذہ کا اور سب امور میں حق تعالیٰ پر توکل کا حکم ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں ہر مومن کو یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں توحید کے جھنڈے کو بلند رکھے اور کسی جابر اور دشمن دین حق سے نہ ڈرے۔(تفسیر کبیر جلد دہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۔تفسیر سورۃ النّاس) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ماحاصل سورۃ الناس کا یہ ہے کہ تم دجال کے فتنہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑو۔(ایام الصلح صفحہ ۶۲)

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفات ربّ ، ملک اور **اللہ** کے واسطے سے الخناس یعنی شیطان مردود کے وسوسہ کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے ۔ اور اسی دعا پر قرآن کریم کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمن (اور) رحیم ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۲﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۳﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۴﴾

کہہ پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی معبود کی لوگوں کے

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ﴿۵﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ

شر سے شیطان پیچھے ہٹ جانیوالے کے جو وسوسہ ڈالتا ہے

صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۶﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۷﴾ ع ۱ ۳۹

سینوں میں لوگوں کے جنّوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۷۔ **وسواس الخنّاس** ۔وسواس مصدر بمعنی وسوسہ ہے ۔یہاں شیطان کو وسواس مبالغۃً فرمایا گویا وہ سراپا وسوسہ ہے۔ **خنّاس** خنس سے مشتق ہے جس کے معنے پیچھے لوٹنے کے ہیں۔ شیطان کو **خنّاس** اس لئے کہا گیا کہ اس کی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو یہ پیچھے بھاگتا ہے۔ پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آجاتا ہے۔ پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے تو پھر لوٹ جاتا ہے۔ یہی عمل مسلسل جاری رہتا ہے یہ بھی معنے ہیں کہ شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے تو پیچھے ہٹ کر ہی کرتا ہے۔علی الاعلان مقابلہ پر نہیں آتا۔ وسوسہ کے معنی شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف ایک مخفی کلام کے ذریعہ بلانا ہے جس کا مفہوم انسان کے دل میں آجائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے۔(قرطبی) **الجنّة** ۔ جماعۃ الجن یعنی جنوں کا گروہ یا ان کی جماعت۔ الجنّ ، الانس کے مقابلے پر بولا جاتا ہے ۔**الجنّ** کا لفظ **جَنَّ** سے ہے اس کے اندر پوشیدہ رہنے کے معنے پائے جاتے ہیں۔ جنین وہ بچہ ہے جو رحم مادر میں مخفی ہوتا ہے۔ **جنان** دل کو کہتے ہیں جو سینہ میں مخفی ہوتا ہے۔ **جنّ** کے معنی مخفی مخلوق ۔ **جنّ** کا لفظ امراء پر بھی اطلاق پاتا ہے جو عوام کے سامنے کم آتے ہیں۔

سورۃ فلق میں انسان کے جسمانی امور کے متعلق مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کا مضمون تھا۔ اس سورۃ میں روحانی امور میں ہر ایسے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جس کا تعلق انسان کے باطن اور قلب سے ہے اور جو تمام گناہوں کا سبب ہے ۔یعنی وسوسہ شیاطین الجن والانس ۔" اس قسم کے وساوس مختلف وجوہات کی بنا پر پیدا ہوسکتے ہیں ۔کبھی مخفی ہستیوں سے کبھی شیطان اور بدروحوں سے کبھی ایسے امراض سے جن میں مبتلا ہوکر انسان شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے

بدظن ہوجاتا ہے۔کبھی ایسے مکانات اور جگہوں سے جہاں شبہات ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں بھی ایسے ہوتے ہیں جو شبہات ڈالتے ہیں۔ پس اس سورۃ میں ایک جامع دعا سکھائی گئی ہے کہ میرا اپنے ربّ کی ربوبیت ، ملکیت اور الوہیت سے تعلق رہے اور وہ مجھے ہر شر سے بچائے رکھے۔ (تفسیر کبیر جلد دہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صفحہ ۵۹۱-۵۹۲)وسوسہ اندازی کا کام محض شیاطین الجنّ اور شیاطین الانس ہی نہیں کرتے بلکہ انسان کا اپنا نفس بھی شیطان ہے جو اسے بہکاتا ہے۔ پس انسان کے غلط ماحول اور غلط تربیت کے پیدا کردہ نظریات اور ناجائز خواہشات ، اس کے قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کو غلط راہوں پر لگادیتے ہیں ۔ان شیاطین سے نمٹنا بندے کے بس میں نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی ذاتی قوت کی نفی کرکے اس مالکِ حقیقی کی پناہ میں آجائے جو **ربّ النّاس ، ملک النّاس** اور **الٰه النّاس** ہے ۔سارے بے سہاروں کے لئے یہ بے نظیر دعا ہے۔ اللہ کی پناہ کے سامنے شیطانِ مردود کی ہرتدبیر بے اثر ہوجاتی ہے۔ یہاں دو پناہیں خصوصیت سے بتائی گئی ہیں کہ وہی تمہارا بادشاہ ہے اور وہی تمہارا معبودِ حقیقی ہے اسی کی پناہ میں آجاؤ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات **ربّ ،ملک** اور **الٰه** کے واسطے سے صرف ایک چیز سے پناہ مانگی گئی ہے۔ **خنّاس** یعنی شیطان کے وسوسہ کے شر سے ۔شیطان بھی تین طور سے وسوسہ انداز ہوتا ہے کبھی ربوبیت کے رنگ میں جب نادان انسان خدا کے سوا دوسرے کو اپنا پرورش کنندہ سمجھ لیتا ہے۔کبھی حکمرانوں کے اثر سے جب انسان دنیوی بادشاہوں یا افسرانِ بالا کو اپنا مقتدرِ اعلیٰ سمجھ کر ان کے سامنے اس قدر جھک جاتا ہے کہ بادشاہِ حقیقی کو بھول جاتا ہے۔کبھی اس رنگ میں کہ انسان غیر اللہ کو اپنا محبوب مان کر محبوبِ حقیقی کو فراموش کردیتا ہے جیسے مال واولاد، بیوی یا عزت و شہرت میں مشغول ہوکر اپنے معبود ومقصود ومطلوب سے آنکھیں پھیرلیتا ہے۔پس یہاں خوب واضح کردیا کہ سب کا پرورش کنندہ سب پر حاکم اعلیٰ اور سب کا محبوبِ حقیقی اور الٰہ ایک ہے۔ پس ان تینوں راہوں سے داخل ہونے والے وسوسۂ شیطانی کے شر سے اپنے ربّ ، ملک اور الٰہ کی پناہ میں آجائیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تفسیر کبیر جلد دہم میں فرمودہ اس سورۃ کی تفسیر کومختصر طور پر بیان کرتی ہوں ! پچھلی سورۃ کو **حاسد** کے حسد سے بچنے کی دعا پر ختم کیا۔ اس سورۃ میں اس حاسد کے متعلق فرمایا کہ وہ عیسائی قوم ہے یہی وہ حاسد قوم ہے جس کو مسلمانوں کی طاقت دیکھنا گوارانہیں ۔ وہ چاہتی ہے کہ اسلام کا نام و نشان مٹ جائے۔ربّ وہ ہے جو انسان کی تمام ضروریات کا کفیل ہو۔ضروریات وہی ہیں جن کو اقتصادیات کا نام دیا جاتا ہے۔حاسد سب سے پہلے

ملک کی اقتصادیات کو تباہ کرتا ہے اور تجارت کو نقصان پہنچاتا ہے گویا پہلے فوجوں سے حملہ نہیں کرتا بلکہ پہلے تجارت کے بہانے ملک میں داخل ہوتا ہے۔ پھر سود اور دیگر ہتھکنڈوں سے اقتصادیات پر اس طرح قبضہ کرتا ہے کہ اہل ملک کو خبر نہیں ہوتی۔ یہاں بتایا کہ اگر اس کے شر سے بچنا چاہتے ہو تو **ربّ النّاس** کی پناہ میں آجاؤ۔ **ربّ النّاس** کے بعد **ملِک النّاس** سے پناہ لینے کا کہا کیونکہ نہایت خفیہ طریق سے اقتصادی فتنہ کے بعد ملوکیت کا فتنہ شروع ہوگا اوران ملکوں پر بادشاہتیں قائم کرلیں گے۔ **ملک النّاس** کے بعد **الٰه النّاس** کے الفاظ رکھے گویا حکومتوں پر قبضہ کے بعد مذہب کا فتنہ شروع کردیں گے۔ ان کے پروفیسر، فلاسفر، پادری مرد اور عورتیں مختلف اسلام دشمن لٹریچر لکھتے اور ملک میں پھیلاتے ہیں۔جس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ''ایام الصلح '' میں تحریر کرتے ہیں کہ دین پر حملہ کرنے والی کتابوں اور رسالوں کی تعداد سات کروڑ تک پہنچتی ہے۔اور دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ ہم تہذیب سکھانے آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ملک میں علم کی ترویج ہو لیکن ان کا منشاء دلوں میں وساوس پیدا کرکے پوشیدہ کاروائیاں کرنا ہوتا ہے۔ پس دین سے نفرت پھیلاتے ہیں اور عیسائیت یا دہریت کی طرف راغب کرتے ہیں۔ سیاست اور دیگر ملکی امور میں اس طرح دخل انداز ہوتے ہیں کہ اہل ملک کو علم نہیں ہوتا اور ملک تباہ ہوجاتا ہے۔اسلام کو دقیانوسی اورجنونی کانام دیتے ہیں اور نئی نسل کو اسلام سے متنفر کرکے اپنی تہذیب اور اپنے دین کو اختیار کرنے کی طرف مائل کرتے ہیں۔یہی وہ دجال ہے جس سے احادیث میں پناہ مانگی گئی ہے ۔حضرت مسیح موعودؑ ایام الصلح صفحہ ۶۲ میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آخری تین سورتوں میں دجالِ زمانہ اور اس سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔تاہم گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔ یادرکھو کوئی جھوٹا کفیل نقصان نہیں پہنچاسکتا جب تم **ربّ النّاس** کی پناہ میں آجاؤ۔ کسی حکومت سے خطرہ ہوتو **ملک النّاس** کی پناہ میں آجاؤ۔ میں تمہارا اصل بادشاہ ہوں اگر مذہبی پیشوا تمہیں گمراہ کرنا چاہیں تو میرے دربار میں آجاؤ میں تمہارا **الٰه** ہوں ۔ میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ پس آخری زمانہ میں ربوبیت ، ملکیت اور الوہیت کے تحت جو فتنے مخالفین اسلام کی طرف سے اٹھنے والے تھے ان کے لئے ایک جامع دعا امتِ محمدیہ کو سکھادی ۔یعنی سورۃ الناس۔

قرآن کریم کا آغاز سورۃ الفاتحہ پر ہوا اور اختتام معوذ تین پر۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی چاروں صفات **ربّ العالمین ، الرحمٰن ، الرحیم مٰلک یوم الدین** سے اقرار عبودیت کے بعد ہدایت کی دعا مانگی گئی ہے ۔ اس دعا کے جواب میں بندے کو قرآن کریم کی شکل میں **ھدًی للمتّقین** (البقرہ:۳) عطا کردی گئی تا کہ اسے غور وفکر اور تدبر سے پڑھے اور اپنی

ذات پر اور ماحول پر غالب و نافذ کرے۔ جب بندہ قرآن کو پڑھتا ہے اوراس کے آخر تک پہنچ جاتا ہے تو گویا اس نے قرآنی علم حسب استطاعت اپنے اندر داخل کرلیا تاہم اس میں بھی ٹھوکر کاامکان ہے ۔ایسا نہ ہو کہ وہ کبر میں مبتلا ہوجائے۔اور اپنے آپ کو کوئی شے سمجھنے لگے۔ اس وقت بھی دعا کی شدید ضرورت ہے۔پس جب آخری قُل پڑھے تو نہایت عاجزی سے گڑگڑائے کہ اے میرے اللہ! میں خود کو شیطان مردود سے محفوظ نہیں سمجھتا ۔میں نہیں جانتا کہ میری راہ میں ہلاکت اور رکاوٹیں کہاں کہاں سے آسکتی ہیں۔اے تمام چیزوں کے خالق تو ہی ان کے شر کو جانتا ہے تو ہی ان کے شر سے بچا۔

مسلمانوں میں دستور ہے کہ قرآن کریم کے اختتام پر پھر شروع کی آیات پڑھی جاتی ہیں تاکہ تسلسل قائم ہوجائے۔ پس اعوذ کے طفیل دوبارہ حمد کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔

الحمد للہ کہ مجھ ناچیز سے یہ عظیم کام قریباً چودہ (۱۴) سال کے طویل عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یقیناً میں اس کی اہل نہیں تھی۔ یہ محض میرے ربّ کا مجھ پر فضل و احسان ہے۔ آخر میں میری یہی دعا ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم o

میں اپنی بھابھی محترمہ بشریٰ نصیر صاحبہ وائس پرنسپل ہوم اکنامکس کالج لاہور اہلیہ نصیر شیخ P.M.G لاہور کا ذکر کرنا انتہائی شکرگزاری کے ساتھ ضروری سمجھتی ہوں کہ انہوں نے اس کارعظیم میں مسلسل میری معاونت فرمائی۔ مسودوں کی پروف ریڈنگ میں میری مدد کی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا ۔ ان کے لئے جزائے خیر کی دعا کی درخواست کرتی ہوں۔

خاکسارہ کفیلہ خانم لاہور

یکم فروری ۲۰۰۷ء

دُعَاءُ خَتْمِ الْقُرْآن

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ	اے اللہ! میری قبر میں میری وحشت کو دُور فرما۔
اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ	اے میرے خدا! مجھ پر قرآنِ عظیم کی برکت سے رحم فرما۔
وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّ نُوْرًا	اور اُسے میرے لیے امام، نور،
وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ	ہدایت اور رحمت بنا۔ اے خدا!
ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَ	جو کچھ میں قرآن مجید میں سے بھول چکا ہوں
عَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ	وہ مجھے یاد دلادے، اور جو مجھے نہیں آتا
وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ	وہ مجھے سکھا دے اور دن رات مجھے
اٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ	اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما اور اے ربّ العالمین!
حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ	اسے میرے فائدہ کے لیے حجّت کے طور پر بنا دے۔

اغلاط جلد سوم

صفحہ		لائن	غلط	صحیح
ٹائٹل پیج			الغات	لغات
فہرست سورتہائے			القمان	لقمان
۱	نیچے سے اوپر	۸	عمر	عمرو
۴۰		۸	ہوں	ہو
۱۱۵		آخری لائن	دواز	دراز
۱۱۸	اوپر سے	۱۲	رسولؐ	رسول علیہ السلام
۱۲۳	اوپر سے	۱۱	گزرار	گزار
	اوپر سے	۱۳	سؤو	سؤۃ
۱۳۷	اوپر سے	۸	منافیق	منافقین
۱۶۴	اوپر سے	۷	(حضرت مسیح مدعود علیہ)	(زوجہ محترمہ حضرت مسیح مدعود علیہ اسلام)
۱۸۱	اوپر سے	۸	اشاتا	اشارتا
۱۸۶	اوپر سے	۴	اذدواجی	ازدواجی
۲۰۱	اوپر سے	۶	الیں	ایسے
۲۰۳	اوپر سے	۶	ہوہی	ہوئی
	اوپر سے	۹	ای	اسی
۲۱۵	اوپر سے	۴	اڑبی	اوّبی
۲۵۰	اوپر سے	۸	تقدویر	تقدیر
۲۵۷	آخری لائن		ٹھوڑا	تھوڑا
۳۳۴	اوپر سے	۱۱	ہیں	رہیں
۳۹۴	نیچے سے	۳	بیشتر	پیشتر
۴۵۳	اوپر سے	۳	ہی کی لئے	ہی کے لئے
۴۹۶	نیچے سے	۵	چندہ	چند

۵۰۸	نیچے سے	آخری لائن	جانتا	جانتا
۵۱۵	اوپر سے	۱۰	پپار	پیار
۶۰۸	اوپر سے	۱	سلام	اسلام
۶۶۵	اوپر سے	۲	غلطی فہمی	غلط فہمی
۶۹۳	اوپر سے	۴	روایات	روایت
۶۹۷	اوپر سے	۷	جہاڑ	جہاز
۷۴۳	نیچے سے	۲	ملے	ملنے
۷۶۳	نیچے سے	۶	جتنے	جیتے
۷۷۹	نیچے سے	۶	حیرات	حیرت
۸۰۴	نیچے سے	۵	طبعی	طبی
۸۴۴	نیچے سے	۸	ہوتے	ہوئے
۸۴۹	اوپر سے	۵	ان دلوں میں	ان کے دلوں میں
۸۶۱	اوپر سے	۷	یہودمنافقین	یہودومنافقین
۸۸۷	نیچے سے	۳	کر	فالتو ہے
۱۰۰۰	نیچے سے	۱۰	ہے	کے
۱۰۱۸	اوپر سے	۳	خود	خورد
۱۰۱۹	اوپر سے	۸	طبقہ برطبقہ	طبقہ درطبقہ
۱۱۴۵	نیچے سے	۲	عمال	اعمال
۱۲۰۶	اوپر سے	۴	طرف	کی طرف
۱۲۶۰	نیچے سے	۳	ڈھیڑ	ڈھیر
۱۲۶۶	نیچے سے	۱۰	کہلاتی	کہلائی
۱۲۸۶	اوپر سے	۱۲	کرتا	کرنا
۱۳۱۰	آخری لائن		خاکسارہ	خاکسار